سیرت النبی ﷺ کانفرنس 1434ھ 2013ء

مقالات سیرت

(مرد حضرات)

عدل اجتماعی کا تصور واہمیت تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

شعبہ تحقیق ومراجع
وزارتِ مذہبی امور وبین المذاہب ہم آہنگی
حکومتِ پاکستان اسلام آباد

Marfat.com

DATA ENTERED

سیرت النبی ﷺ کانفرنس 1434ھ 2013ء

مقالاتِ سیرت

(مرد حضرات)

عدل اجتماعی کا تصور واہمیت
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

شعبہ تحقیق ومراجع
وزارتِ مذہبی امور وبین المذاہب ہم آہنگی
حکومتِ پاکستان اسلام آباد

Marfat.com

۲۹۷٫۶۹۹۲۱
ع 381 ب
۱۳۴۵۸۴

تابع: یونیك ویژن

Marfat.com

مقالات سیرت 2013ء

حضرات

فہرست مشمولات

پیش لفظ: سکندر اسماعیل خان، ایڈیشنل سیکرٹری، وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی v

(الف) خطبات

۱- محترم جناب آصف علی زرداری صاحب، صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان 3
۲- محترم جناب راجہ پرویز اشرف صاحب، وزیراعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان 5
۳- خطبہ استقبالیہ، محترم جناب سید خورشید احمد شاہ صاحب، وفاقی وزیر مذہبی امور 10
۴- صدارتی خطاب، محترم جناب محبوب اللہ جان صاحب، پارلیمانی سیکرٹری مذہبی امور 12
۵- تعارفی کلمات، جناب چوہدری محمد اعظم ستاں، سیکرٹری وزارت مذہبی امور 14

(ب) تقاریر

۱- یاسین ظفر، ناظم اعلیٰ وفاق المدارس السلفیہ، پاکستان 19
۲- مولانا غلام محمد سیالوی، ناظم اعلیٰ، شمس العلوم جامعہ رضویہ، نارتھ ناظم آباد، کراچی 22
۳- علامہ سید افتخار حسین نقوی، رکن اسلامی نظریاتی کونسل، پاکستان 26

(ج) مقالات

۱- ڈاکٹر حمید اللہ، شعبہ اسلامیات، جامعہ پنجاب، قاک کمپلیکس- لاہور 33
۲- محمد عامر طاسین، مجلس علمی فاؤنڈیشن- کراچی 50
۳- پروفیسر عبدالماجد، چنار روڈ، مسلم ٹاؤن- مانسہرہ 80
۴- ڈاکٹر غلام محمد جعفر، شعبہ اسلامیات، بلوچستان یونیورسٹی- کوئٹہ 101
۵- حافظ عبدالغفار بخاری، اسسٹنٹ پروفیسر اسلامک سٹڈیز، NUML- اسلام آباد 112
۶- پروفیسر نور الدین جامی، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، بہاء الدین ذکریا یونیورسٹی- ملتان 129
۷- ڈاکٹر سعید احمد صدیقی، مکان نمبر 393، بلاک 18، سمن آباد، فیڈرل بی ایریا- کراچی 147
۸- محمد نسیم خان، گاؤں وڈاکخانہ ماڑی خانخیل- تحصیل وضلع مانسہرہ 174
۹- سید حیدر شاہ، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ بلوچستان- کوئٹہ 190
۱۰- پروفیسر ڈاکٹر کفایت اللہ ہمدانی، شعبہ علوم عربی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز- اسلام آباد 203
۱۱- عبدالغفار، جنڈا والا، محلہ عیدگاہ شالی، تحصیل کلورکوٹ- ضلع بھکر 214
۱۲- حافظ عبدالقیوم، شیخ زید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی- لاہور 235
۱۳- محمد مشتاق کلوٹا، A-84، بلاک نمبر 17، فیڈرل بی ایریا- کراچی 258
۱۴- سید محمد عثمان، مکان نمبر L-298، سیکٹر 5-C/4- نارتھ کراچی 310
۱۵- شبیر احمد انصاری، L-1100/7-D-2- نارتھ کراچی 332
۱۶- ڈاکٹر فیاض احمد، فلیٹ نمبر B-110، رضا کارنر، کے ڈی اے سکیم- کراچی 351

Marfat.com

۱۸- عبدالمہیمن، لیکچرار، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، یونیورسٹی آف ہری پور 379
۱۹- ڈاکٹر پروفیسر حبیب، 22- ڈیوس روڈ- لاہور 395
۲۰- حافظ ابوطلحہ محمد اظہار الحسن، مرکزی جامع مسجد، بلاک نمبر 1، جوہر آباد- خوشاب 410
۲۱- قاضی محمد مطیع الرحمٰن، پرنسپل الفرقان پبلک سکول، پنڈ کمال خان- ضلع ہری پور 420
۲۲- ڈاکٹر شہزاد چنا، مکان نمبر L-71، سیکٹر Z/A، گلشن معمار- کراچی 432
۲۳- عامر سلطان، گاؤں بھیر کنڈ- مانسہرہ 444
۲۴- ڈاکٹر محمد سلیم الدین جامعی، گلی نمبر 35، وحدت کالونی- گوجرانوالہ 456
۲۵- محمد برہان الحق، مکان نمبر B-ii-33-G-28/2، الفاطمہ کالونی- جہلم 466
۲۶- محمد اویس سرور، مکان نمبر 104، ملحق جامع مسجد شاف فیصل، جنرل بس سٹینڈ، بادامی باغ- لاہور 477
۲۷ غریب اللہ غازی، مکان نمبر 128، ہائی وے روڈ، فورٹ عباس- ضلع بہاولنگر 489
۲۸- ظفر علی، معرفت عرش محمد ایڈووکیٹ، سول کورٹس، چشتیاں- ضلع بہاولنگر 503
۲۹- محمد یاسین سروہی، ڈاکخانہ ہرچوکی، تحصیل چونیاں- ضلع قصور 512
۳۰- محمد زوہیب، فلیٹ نمبر 4، سٹریٹ نمبر 4، دہلی کالونی- کراچی 535
۳۱- ابوطاہر سلیمی، مکان نمبر 343، گلی محلہ فتح آباد، نزد مدرسہ فتح العلوم- چنیوٹ 546
۳۲- ڈاکٹر حافظ محمد ثانی، شعبہ علوم اسلامی، وفاقی اردو یونیورسٹی- کراچی 558
۳۳- محمد ریاض، گاؤں وڈاکخانہ شیوہ- صوابی 616
۳۴- عبدالحکیم خان ایم اے، مکان نمبر A-582، گراؤنڈ فلور، بلاک این، نارتھ ناظم آباد- کراچی 628
۳۵- محمد عرفان خٹک، معرفت سلیمان جنرل سٹور، نزد ریلوے پھاٹک نمبر 118، عجیب آباد، روڈ، اکوڑہ خٹک- ضلع نوشہرہ 634
۳۶- حافظ محمد اکرم، گورنمنٹ مڈل سکول نمبر 1، عارف والا- پاکپتن شریف 638
۳۷- عبداللہ مری، فرسٹ فیملی لائن محلہ- جیکب آباد 651
۳۸- ابرار خان، گاؤں ایسوڑی پایاں، ڈاکخانہ اکوڑہ خٹک- ضلع نوشہرہ 659
۳۹- حافظ محمد ابراہیم، اشرف کالونی، ہائی سکول بوائز، ڈاکخانہ صادقیہ کینال- بہاولنگر 687
۴۰- عبدالعلیم یزدانی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی- لاہور 697
۴۵- ڈاکٹر محمد عبدالعلی اچکزئی، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان یونیورسٹی- کوئٹہ 711

Marfat.com

پیش لفظ

اسلام دین فطرت و رحمت ہے اور حضور ﷺ خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین ہیں اور تمام مسلمان رحمۃ للعالمین کے پیروکار ہیں۔ اللہ رب العالمین انسان اور انسانی فطرت کا خالق ہے۔ اس نے اپنے بندوں کی بہتری کے لئے جو سب سے بہترین رہنما چنا ہے وہ سرور کونین جناب رسول مقبول ﷺ کی آفاقی شخصیت ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت پاک کے مطالعہ سے عقل انسانی یہ دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے کہ کوئی انسان ہوتے ہوئے بھی اتنے صبر وتحمل، حوصلہ وضبط، فراخ دلی، وسعت قلبی شفقت و رحمت کا پیکر ہوسکتا ہے کہ برائی کرنے والوں سے نیک سلوک کرے، راہ میں کانٹے بچھانے والوں کی عیادت کرے، پتھروں سے زخمی کرنے والوں کے حق میں دعا کرے، شدید کینہ پرور دشمنوں پر قابو پانے کے بعد ان کو معاف کر دے۔ سونے چاندی کے ڈھیر قدموں پر نثار کئے جا رہے ہوں، آپ ﷺ ہیں کہ نگاہ بھر کر ان کی طرف دیکھتے بھی نہیں۔ پیغمبرِ اسلام کی شانِ رسالت کو شیخ سعدیؒ یوں بیان کرتے ہیں۔

بلغ العلی بکماله ○ کشف الدجی بجماله

ترجمہ: پہنچے بلندی پر اپنے کمال سے ○ ترجمہ: دور کر دیا اندھیرا اپنے جمال سے

حسنت جمیع خصاله ○ صلوا علیه و آله

ترجمہ: حسین ہیں آپ کی خصلتیں ○ ترجمہ: درود بھیجو آپ پر اور آپ کی آل پر

اسی حقیقت کے پیش نظر تعلیمات رسول ﷺ کو عام کرنے کی ضرورت ہمیشہ سے رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ ہر زمانے میں لاتعداد لوگوں نے خاتم الانبیاء، محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ کی رسالت اور سیرت و شخصیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی نے سیرت رسول ﷺ کو عام کرنے کی خوشگوار ذمہ داری اٹھائی ہے اور اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی ہر آن کوشش کرتی رہی ہے۔ جناب الطاف حسین حالی نے کیا خوب کہا ہے:

Marfat.com

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا ○ مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا ○ وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی ہر سال 12 ربیع الاول کو سیرت کانفرنس منعقد کرتی ہے۔ اس کے لئے قومی اور بین الاقوامی حالات کے حوالے سے کسی اہم موضوع کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ اسی موضوع پر پھر مرد اور خواتین سیرت نگاروں کے درمیان مقابلۂ مقالاتِ سیرت منعقد ہوتا ہے۔ جب کہ مختلف زبانوں میں کتب سیرت و نعت کے مقابلہ جات بھی منعقد ہوتے ہیں۔ مقابلہ سیرت کے سلسلے میں خواتین اور حضرات کی طرف سے موصول ہونے والے معیاری مقالات کو کتابی شکل میں علیحدہ علیحدہ طبع کیا جاتا ہے اور خواہش مندوں کو ''ہدیۃً'' فراہم کئے جاتے ہیں۔

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر ○ وہی قرآن وہی فرقان وہی یٰسین وہی طٰہٰ

وزارت ہذا نے قومی اور بین الاقوامی حالات کے حوالے سے مقابلہ مقالاتِ سیرت 2013ء کے لئے ''عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت ...... تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں'' کا عنوان مقرر کیا تھا اور اب اس عنوان پر موصول ہونے والے مقالات میں سے معیاری مقالات کو شائع کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی حکومت پاکستان، کی سیرت طیبہ کے فروغ و اشاعت کے ضمن میں کی جانے والی کاوش کو قبول فرمائے اور ہمیں نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔

سکندر اسماعیل خان

سکندر اسماعیل خان

ایڈیشنل سیکرٹری انچارج

وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی

حکومت پاکستان

Marfat.com

(الف)

خطبات

Marfat.com

Marfat.com

خطاب

محترم آصف علی زرداری

صدر، اسلامی جمہوریہ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزت مآب سید خورشید احمد شاہ وزیر برائے مذہبی امور

وفاقی وزراء

اراکین پارلیمنٹ

مہمانانِ گرامی

خواتین وحضرات!

السلام علیکم

آج میرے آقائے نامدار، سرورکائنات، رسول پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا دن ہے۔ یوں تو میرے دوستوں نے انگریزی میں بڑی اچھی تقریر لکھی ہوئی ہے مگر میرے دل سے جو باتیں نکلنا چاہیں گی وہ ان تقریروں میں شاید نہیں ہیں۔ ہم سب بچپن ہی سے اسلام کی سوچ، بحیثیت انسان ہر مسلمان کے کانوں میں اُس کے والد کی اذان، رسول پاکؐ کی ہر ہر صفت، اور کسی نے صحیح کہا ہے کہ اگر سمندر کی سیاہی بنالی جائے اور آپؐ کی تعریف کی جائے تو وہ سیاہی کم پڑ جائے گی۔ مگر میں آج جس صفت کی بات کر رہا ہوں وہ صفت ہے فتح مکہ کے موقع پر مفاہمتی عمل کی زندہ مثال۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آج سے چودہ سو سال بعد بھی انسانوں کے دریان مفاہمت کی بات ہو رہی ہے۔ فتح مکہ کی تفصیلات آپ دوستوں کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے، مگر جو کفار نے نبیؐ کے ساتھ سلوک کیا جب آپؐ مکہ میں تھے۔ حد تو یہ ہے، مجھے ایک بات یاد آرہی ہے جو میری والدہ مجھے کہا کرتی تھیں کہ ایک عورت جو آپؐ کے سامنے یا پھر آپؐ کے اوپر کوڑا ڈالتی تھیں ایک دن وہ کوڑا ڈالنے نہیں آئی تو آپؐ اس عورت کی خیریت دریافت کرنے تشریف لے گئے۔ جب فتح مکہ ہوتی ہے اور آپؐ مکہ میں تشریف لاتے ہیں تو کسی سے حساب نہیں مانگتے۔ اُنہی کو کنجی واپس کر دیتے ہیں جو ہمیشہ سے کلید بردار رہے ہیں۔ الحمد للہ، وہ بات آج تک چلی آرہی ہے۔ اور اسی صفت کو لے کے اگر ہم اپنے معاشرے میں، اپنی سوچ میں اس صفت کو غالب کرلیں، اور آپ دوستوں میں، مسلمانوں میں جو فرقہ واریت ہے، نفرت ہے، جنگ وجدل ہے ان کو اگر ہم فتح مکہ کی طرز پر، اس سے سبق لے کر اسی سوچ میں تھوڑی بہت ہی سوچیں یا تھوڑی وسعت قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے

Marfat.com

غور کریں تو ہر وہ بات جس کی آج ضرورت ہے وہ چودہ سو سال پہلے آقائے نامدار نے ہمیں بتائی ہوئی ہیں۔ صرف عقل کی بھول ہے یا آنکھوں کی جھول ہے کہ ہمیں نظر نہیں آئی۔ وہ کہتے ہیں کہ فرشتے ہمارے ساتھ ہمیں نظر نہیں آتے، ہماری آنکھیں گنہگار ہیں ہم خود گنہگار ہیں۔

انسان تو کمزور ہے، کمزور ہی رہے گا۔ آپ اور میں کمزور ہی رہیں گے مگر کوشش میں لگے رہیں کہ جب تک دنیا میں ہیں قبر نہیں جاتے، تو آقائے نامدار ﷺ کی سوچ رکھیں۔ ان کی پیروی کرتے رہیں۔ ان کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل پیرا رہیں۔ ہر سوچ میں چھپی ہوئی ایک فلاسفی ہے۔ ہر کام میں، آپ اگر حضورؐ کے کسی معاملے میں، کفار کے ساتھ جو آپ ﷺ نے معاہدہ کیا ہے اُس میں کفار نے یہ کہا کہ ''رسول اللہ'' نہیں لکھا جائے گا، ''صلی اللہ علیہ وسلم'' نہیں لکھا جائے گا، آپؐ کا مان لینا، ایسی سوچ پر غور کریں کہ یہ کتنی بڑی سوچ تھی کہ کفار نے اُس وقت مسلمانوں کو کمزور سمجھا، لیکن آپ ﷺ نے کہا کہ ٹھیک ہے اس طرح بھی کر لیتے ہیں۔ اور اس کے بعد دیکھیں کہ اب ایک بلین سے زیادہ مسلمان ہیں دنیا میں، صرف اگر اتحاد ہو، اگر مسلمان کی سوچ مثبت ہو تو یہ ایک ذہین قوم ہے جس پاس فہم وفراست اور قوی دماغ موجود ہے۔ صلاحیت ہمارے پاس ہے۔ تعداد ہمارے پاس ہے۔ سرمایہ ہمارے پاس ہے۔ مگر ہم چونکہ ہم آپس میں ایک نہیں ہیں، اس لیے ہر کوئی ہم سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ ہمارے ملک میں بھی آگ لگی ہوئی ہے، افغانستان میں بھی آگ لگی ہوئی ہے، دیگر اسلامی ملکوں میں بھی آگ لگی ہوئی ہے۔

تو میں یہی کہوں گا کہ آقائے نامدار ﷺ کی صلوات پڑھتے رہیں۔ میری تو بس یہی منشاء ہے کہ آپ کو اور ہم سب مسلمانوں کو یہ اور کلمہ روزِ قیامت تک، موت تک نصیب ہو۔

آپ کے آنے کا شکریہ۔

پاکستان پائندہ باد۔

☆○☆○☆○☆

Marfat.com

خطاب

جناب راجہ پرویز اشرف

وزیراعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب سید خورشید احمد شاہ صاحب، وزیر مذہبی امور

جناب بیرسٹر مسعود کوثر صاحب، گورنر خیبر پختونخوا

جناب سید مہدی شاہ صاحب، وزیراعلیٰ گلگت بلتستان

جناب محبوب اللہ جان صاحب، پارلیمانی سیکرٹری، مذہبی امور

چوہدری محمد اعظم سماں، سیکرٹری وزارت مذہبی امور

نہایت ہی قابل احترام ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صاحب

وفاقی وصوبائی وزراء

اراکین قومی اسمبلی وسینیٹ

ایکسی لینسیز

علماء کرام ومشائخ عظام

معزز مہمانان گرامی

خواتین وحضرات

السلام علیکم

سب سے پہلے میں عید میلاد النبیؐ کے بابرکت اور پُر مسرت موقع پر پاکستان سمیت تمام ملت اسلامیہ کو پُر خلوص مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

میں سید خورشید احمد شاہ صاحب اور اُن کے رفقائے کار کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں، جنہوں نے اس اہم موقع پر اس قومی سیرت کانفرنس کا اہتمام کیا ہے اور مجھے وطن عزیز کے علماء اور مشائخ عظام سے مخاطب ہونے کا موقع فراہم کیا۔

آج کا دن تمام عالم انسانیت کے لئے بالعموم، اور مسلمانانِ عالم کیلئے بالخصوص، ایک مبارک دن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ صرف مسلمانوں کیلئے بلکہ پوری انسانیت کیلئے رحمت بنا کر بھیجا۔ آپؐ کی ذات مبارک، صفات کے لحاظ سے ''رحمۃ للعالمین'' اور تمام عالم انسانیت کیلئے رُشد وہدایت کا منبع ہے۔ آپؐ کی دعوت وتبلیغ کے ثمرات میں

Marfat.com

اسلامی وحدت اور ''اجتماعی عدل'' وجود میں آیا۔ انفرادی واجتماعی زندگی میں نظم وضبط، خیرخواہی، امن وامان اور بنیادی حقوق کا تحفظ محسنِ انسانیت کی عظیم تعلیمات ہیں۔

عید میلاد النبیؐ ہمارے لئے صرف ایک مذہبی تہوار نہیں، بلکہ اِس عہد کے اعادہ کا دن ہے کہ ہم حضور پاک ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں وطن عزیز میں باہمی محبت، احترام، برداشت، عدل وانصاف اور مساوات قائم کرینگے۔ اور اسلام کے حقیقی فلسفے اور اصولوں کو اپنا شعار بنائیں گے۔ ایمان ویقین کی معراج یہ ہے کہ حیاتِ انسانی کا ایک ایک لمحہ اطاعت رسول میں گذرے۔ ایک سچے مسلمان کیلئے حب مصطفیٰؐ اور شفاعتِ رسول سے بڑھ کر کوئی عزت اور توقیر نہیں۔

خواتین وحضرات!

اسلام ایک آفاقی دین ہے جس کے اصول انسانی فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔ تعلیماتِ قرآن اور نبی پاک ﷺ کی سیرت مطہرہ اس کا عملی مظہر ہیں۔ اسلام ایک ایسا مثالی نظام ہے جس کی بنیادیں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت، اخوت ومساوات اور احترام انسانیت کے اعلیٰ اصولوں پر استوار ہیں۔ انفرادی اور اجتماعی عبادت کے علاوہ اس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی واضح تقسیم موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں واضح کیا ہے کہ ''ہم نے بنی آدم کو عزت وتکریم عطا کی ہے''۔ جس کا مطلب ہے کہ تمام انسان بحیثیت انسان برابر اور قابل احترام ہیں۔ تعلیماتِ نبوی کے مطابق ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور اس کی عزت اور جان ومال کا تحفظ اس کا دینی فریضہ ہے۔

اسلام اقربا پروری، ظلم واستحصال کی نفی کرتا ہے۔ اور روئے زمین پر عدل وانصاف اور انسانوں کے درمیان اخوت ومساوات کے جذبات کے فروغ پر زور دیتا ہے۔ اسلام کی اصل روح یہ ہے کہ انسان دوسرے انسان کا احترام کرے۔ چاہے اس کا تعلق کسی بھی مذہب کے ساتھ ہو۔ اسلام زمین پر فساد پھیلانے اور کسی انسان کو دوسرے انسان کے حقوق غصب کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام انتہا پسندی، فرقہ واریت اور دہشت گردی کی نفی کرتا ہے۔ اور روئے زمین پر فساد پھیلانے والوں کو سخت ناپسند کرتا ہے۔

خواتین وحضرات!

وزارت مذہبی امور نے اس کانفرنس کیلئے جس موضوع یعنی ''عدل اجتماعی کا تصور واہمیت: تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں'' کا انتخاب کیا ہے، یہ موجودہ قومی اور بین الاقوامی تناظر میں نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ ''عدل اجتماعی'' سے مراد ایسا معاشرتی نظام ہے جس میں افراد، قبیلوں اور مختلف قومیتوں کے مابین مکمل ہم آہنگی ہو۔ ظلم اور ناانصافی کے خلاف ایک مربوط مدافعتی نظام موجود ہو۔ اسلام کسی شخص یا گروہ کو کسی ماورائے اسلام نظامِ عدل یا طریقہ کار یا خودساختہ فلسفے کو لوگوں پر بالجبر مسلط کرنے کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ فرمانِ الٰہی کے مطابق معاشرتی نظامِ عدل کی تلقین کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ ''اے ایمان والو! کسی قوم کی عداوت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرسکو، انصاف کرو کہ یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک جگہ جگہ عدل اور احسان کا حکم دیا ہے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے پیغمبرِ اسلام نے اجتماعی عدل کا ایسا عالمگیر تصور پیش کیا اور ایک ایسے مثالی معاشرے کے قیام کو ممکن بنایا جس میں امیر غریب، دوست دشمن، مسلم

Marfat.com

وغیر مسلم اور حاکم و محکوم کو یکساں حقوق حاصل تھے، اور کسی کو رنگ و نسل یا معاشرتی رتبے کی بنیاد پر کوئی فوقیت حاصل نہیں تھی۔ اسلام کے نظامِ عدل میں قاضی اپنے فیصلوں میں آزاد و خودمختار اور غیر جانبدار ہوتے اور خلیفۂ وقت سمیت کوئی شہری قانون سے بالا تر نہیں ہوتا، تاریخ میں کئی مثالیں موجود ہیں کہ مسلمانوں نے جہاں جہاں بھی حکومت کی وہاں عدل وانصاف کے اصولوں اور روایات کو برقرار رکھا۔ عہدِ نبوی کا عدل ہر زمانے کیلئے ایک قابل تقلید مثال ہے اور مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

خواتین وحضرات!

کسی بھی معاشرے میں ترقی واستحکام کا دار ومدار اس بات پر ہے کہ اس میں عدل وانصاف کا اجتماعی شعور اور نظام نہ صرف موجود ہو بلکہ عملی طور پر بھی نافذ عمل ہو۔ انسانی فطرت کا بنیادی تقاضا عدل انصاف ہے۔ جس معاشرے میں عدل وانصاف مفقود ہوجائے وہ انحطاط اور زوال کا شکار ہوجاتا ہے۔ اور اس کی ترقی کی راہیں مسدود ہوجاتی ہیں۔ حدیث نبویؐ ہے کہ ''انصاف کا ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گذرے ہوئے ستر سال سے بھی بہتر ہے''۔

مجھے یقین ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروانے اور شمع رسالتؐ کی روشنی، چودہ سو سال سے جس کی کرنیں پھیل رہی ہیں، وہ ایک مکمل دین کی جب ہم بات کرتے ہیں، خواہ ہمارا تعلق کسی زبان، کسی سوچ، کسی فکر، کسی طبقے، کسی سیاست...... کسی سے بھی ہو، لیکن ایک چیز جو ہم سب کو آپس میں جوڑتی ہے، ایک دوسرے کے ساتھ اتفاقِ رائے پر زور دیتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم گروہوں میں تقسیم ہوکر، ہم ٹکڑیوں میں بٹ کر، ہم مذہب کے نام پر، زبان کے نام پر، علاقے کے نام پر، نسل کے نام پر، برادری کے نام پر اور فرقے کے نام پر، اپنے فلسفے کے نام پر، اپنی سوچ کے نام پر جب ہم ایک دوسرے پر جبر کرتے ہیں، جب ہم ایک دوسرے نفرت کرتے ہیں، جب ہم سوچتے ہیں کہ میں ہی ٹھیک ہوں باقی سارے غلط ہیں، تو اُس وقت نعوذباللہ اگر سوچا جائے تو ان عظیم تعلیمات کی نفی کر رہے ہوتے ہیں اور کہہ ہم یہ رہے ہوتے ہیں کہ ہم ان تعلیمات کے اوپر عمل کر رہے ہیں۔ یہ قول وفعل کا تضاد، جب ہم اپنے گریبان میں صرف جھانکنے کی کوشش کریں، جب کوئی یہ کہہ دے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ پتھر پر لکیر ہے، جو میری سوچ ہے وہ آپ کی کیوں نہیں ہے؟! جس کو میں ٹھیک سمجھتا ہوں اُس کو آپ غلط کیسے کہہ سکتے ہیں؟! جو میری نظر ہے وہ سب کی نظر ہونی چاہیئے، تو یہیں سے سارا بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ تو اُس وقت یہ عظیم تعلیمات جن میں کہا گیا ہے کہ برداشت، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں سب سے بڑا نقطہ یہ ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ''سلام اُس پر کہ جس کی گالیاں سن کر دعائیں دیں''۔

ایک طرف برداشت کی تو یہ بات اور دوسری طرف یہ ہے کہ ہم چھوٹی سی بات پر اتنے انگیخت ہوجاتے ہیں، ہم اتنا Temper لوز کرجاتے ہیں، ہم اتنا آگ بگولا ہوجاتے ہیں کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ اگر میرا بھائی بھی ہے، پڑوسی بھی ہے، پاکستانی بھی ہے لیکن اُن سب سے بڑھ کر ایک انسان ہے ہم اُس کا گلا کاٹنے کیلئے تیار ہوجاتے ہیں!! اور پھر ہم کہتے ہیں کہ ہم یہ عین اسلام کے مطابق کر رہے ہیں۔ تو اسلام پر ہم ظلم کر رہے ہوتے ہیں، ہم مذہب پر ظلم کررہے ہوتے ہیں، ہم اپنے مذہب کا چہرہ بگاڑ رہے ہوتے ہیں، ہم اپنے مذہب کو دنیا میں رسوا کررہے ہوتے ہیں اور ہم کہہ یہ رہے ہوتے ہیں، بدقسمتی سے، .... یہ مذہب نہیں ہے، یہ مذہب کے ساتھ دشمنی ہے، یہ مذہب کی نفی ہے، یہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

Marfat.com

عظیم پیغام کی نفی ہے۔

تو اس لئے، میں تو اتنے بڑے علمائے کرام اور مشائخ عظام کے سامنے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ پروفیسر صاحب اور ڈاکٹر صاحب بھی یہاں پر موجود ہیں، آپ سارے بڑے صاحبِ علم لوگ ہیں۔ لیکن آج جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم اسلام پر مر مٹنے کیلئے تیار ہیں۔ ہم اپنی جان قربان کرنے کیلئے تیار ہیں۔ ہم اپنی آن قربان کرنے کیلئے تیار ہیں۔ اولاد قربان کرنے کیلئے تیار ہیں۔ ہم سب یہ کہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی امت پہ کٹ مرنے کیلئے ہم تیار ہیں۔ اس بات کے ہم دعوے دار ہیں۔ لیکن پھر ہمیں یہ بھی سوچنا ہوگا کہ ہمارے اس فعل سے کہیں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی نفی تو نہیں کر رہے ہیں؟ کیا ہم معاشرے کو تقسیم تو نہیں کر رہے ہیں؟ کیا ہم یہ تقسیم در تقسیم کر کے معاشرے میں نفرتوں کو پروان تو نہیں چڑھا رہے ہیں؟ جب ہم یہ بات کرتے ہیں کہ وہ ایک حبشی غلام کو بھی سینے سے لگایا کرتے تھے تو آج ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا گلا کاٹ دیتا ہے؟! آج ہم علیحدہ علیحدہ ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ ہمیں سوچنا پڑے گا۔ میں ایک سیاسی ورکر ہوں، جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ چھوٹا سا گاؤں ہے میرا، وہاں بھی چار مساجد ہیں۔ تو وہ اجتماعیت کی بات کہاں گئی؟ اور میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ یہ جب ہم اجتماعیت کی بات کرتے ہیں تو پھر آپ سے قوم زیادہ توقع کرتی ہے، پھر مجھ سے زیادہ لوگ توقع کرتے ہیں کہ میں بھی ایک سیاسی کارکن ہوں اور سیاستدان ہوں۔ آپ مذہب رہنما ہیں۔ ہم سب نے آپ کی طرف دیکھنا ہے۔ تو ہم اجتماعیت کی بات کریں۔ جب مذہب ایک ہے۔ جب پیغام ایک ہے۔ جب ہماری نبی کریم اور ہماری کتاب ایک، تو پھر اتنی تقسیم کیوں؟! اس پر آج سوچنا پڑے گا۔ دہشت گری، آج کیا بات ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان سے ڈر کے چھپتا پھر رہا ہے! اپنے بچوں کو چھپاتا پھر رہا ہے! اپنے بچوں کیلئے پناہ مانگتا پھر رہا ہے! ایک انسان دوسرے انسان سے! ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے! تو یہ لمحۂ فکریہ ہے۔ یہ دکھ کی بات ہے۔ مسلمان تو وہ ہے جس کے گھر میں اگر اس کا دشمن بھی آجائے، پناہ کیلئے بات کرے تو اس کو پناہ دینے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ اُس کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا ہے، وہ اپنی جان پر کھیل جاتا ہے۔ اُس کو پناہ دیتا ہے۔ لیکن آج کیا ہے؟ آج کون لوگ ہیں جو بھری بزم میں، محفل میں، سکولوں میں، مساجد میں، مدرسوں میں قتل و غارت کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں۔ اور ہم یہ سب دیکھ رہے ہیں۔ کرتے سارے اُسی مذہب کے نام پہ ہیں۔ یہ سب غلط ہے۔ لیکن ایک بات میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم اگر غلام ہیں تو پھر آپس میں تقسیم نہیں ہو سکتے۔

آپ نے جو ڈرون حملوں کی بات کی، تو میں یہاں پہ واشگاف الفاظ میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ حکومت پاکستان نے ہمیشہ ہر فورم پر یہ بات کی ہے کہ ڈرون حملے کسی صورت میں اس مسئلے کا حل نہیں ہیں۔ اور یہاں پر ایکسی لینسی امریکی سفیر موجود ہیں، یہ بھی یہ بات سمجھتے ہیں۔ لیکن میں اس کے باوجود ایک بات کروں گا، اُس پہ تو پوری قوم کا اتفاق ہے کہ ڈرون حملے Counter productive ہیں۔ جو شخص بھی انسانوں کا قتل کرتا ہے، معصوم لوگوں کا قتل کرتا ہے، بےگناہ لوگوں کا قتل کرتا ہے وہ دہشت گرد ہے۔ اور حکومت پاکستان اور پاکستان کا ہر شہری ہر قسم کی دہشت گردی، وہ کسی شکل میں بھی ہو، اُس کو ہر طور پر اور مکمل طور پر مسترد کرتا ہے۔ یہ ہمارا Resolve ہے۔ لیکن اُس کے لئے ہمیں ایک جان ہونا پڑے گا،

Marfat.com

ایک سوچ پر آنا پڑے گا۔ اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو درس ہے محبت کا، انسانیت کیلئے، اُس پر ہمیں کاربند ہونا پڑے گا۔ پھر آپ جا کر دنیا میں بات کرسکیں گے۔

لیکن میں آپ کو یہ عرض کرنا چاہوں گا، میرا اتنا علم نہیں ہے، لیکن آپ کو صاحب علم لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، جو ہمارے لئے قطبی ستارے ہیں، جن کی طرف ہم دیکھتے ہیں۔ آج دہشت گردی نے پاکستان کو جتنا نقصان پہنچایا ہے وہ دنیا کی کسی اور طاقت نہیں پہنچایا ہے۔ یہ تو آپ مانتے ہیں نا! آپ سمجھتے ہیں نا، کہ آج ہمارے بچے غیر محفوظ ہیں! آپ کے بچے بھی غیر محفوظ ہیں۔ تو اس کا اجتماعی دانشمندی کے ساتھ، اجتماعی دانش جو ہے اُس سے ہم نے حل نکالنا ہے۔ برداشت کے ساتھ، عقل کے ساتھ، مباحثے کے ساتھ ہم نے اس کا حل نکالنا ہے۔ اور میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ پاکستانی قوم ایک پُر امن قوم ہے۔ ہم سلامتی پر یقین رکھنے والی قوم ہیں۔ اور اُس نبی کے پیروکار ہیں جس نے پورے عالم کو پوری دنیا کو امن کا پیغام دیا تھا، سلامتی کا پیغام دیا تھا۔ اس لیے میں اُس عظیم ہستی کے واسطے سے یہ عرض کر رہا تھا کہ ہم سب کو سوچنا ہے۔ سب کو فکر کرنا ہے۔ ہم سب کو ایک دوسرے کا ہاتھ تھامنا ہے۔ ہمیں تقسیم نہیں ہونا ہے۔ ہمیں آپس میں نہیں بٹنا۔

تو میں آخر میں ایک دفعہ پھر وزارت مذہبی امور اور خاص طور پر جناب خورشید احمد شاہ صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھے یہ موقع دیا کہ میں آپ سے مخاطب ہوسکوں اور اس خوبصورت محفل میں، اس پُر نور محفل میں مجھے بھی شرکت کا موقع ملا۔ اس پر میں شکرگذار ہوں۔

عظیم شرکاء! میں آپ کا بھی ممنون ہوں۔ آپ کے جذبوں کو سلام پیش کرتا ہوں۔ میں آپ کی نبی کریم ﷺ کے ساتھ جو محبت والفت ہے اس کو بھی سلام پیش کرتا ہوں۔

جن خواتین وحضرات نے سیرت النبیؐ پر آج سندِ امتیاز حاصل کی، میں اُن کو بھی مبارکباد پیش کرتا ہوں، اپنے اُن تمام بھائیوں اور بہنوں کو۔ اور میں یہاں پر یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ جتنے خواتین وحضرات نے سندِ امتیاز حاصل اُن کو عمرے پر بھیجا جائے گا حکومت کے خرچ پر۔ خواتین کے ساتھ ان کے محرم کو بھی ساتھ بھیجا جائے گا، بلکہ شاہ صاحب! جن حضرات نے حاصل کی ان کی بیویوں کو بھی ساتھ عمرے پہ بھیجیں۔

میں آپ کا بہت شکرگذار ہوں۔ آپ کی عزت افزائی کا بہت شکریہ۔

پاکستان پائندہ باد۔

☆○☆○☆○☆

Marfat.com

خطبہ استقبالیہ

محترم سید خورشید احمد شاہ صاحب

وفاقی وزیر برائے مذہبی امور

عزت مآب وزیراعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان محترم جناب راجہ پرویز اشرف صاحب
جناب چوہدری محمد اعظم سماں صاحب، سیکرٹری، وزارت مذہبی امور۔
وفاقی وصوبائی وزراء کرام
علماء کرام ومشائخ عظام
معزز مہمانان گرامی اور خواتین وحضرات
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میں علمائے کرام ومشائخ عظام اور دیگر معزز مہمانان گرامی کو قومی سیرت النبی ﷺ کانفرنس ۲۰۱۳ء میں شرکت پر دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہتا ہوں اور وزیراعظم صاحب کا خصوصی مشکور ہوں کہ انہوں نے اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر آج کی کانفرنس میں شرکت فرمائی۔

عزیزان گرامی!

ہم سب جانتے ہیں کہ آج کا دن اس عظیم ہستی کا اس دنیا میں تشریف لانے کا دن ہے جس نے ایک ایسی قوم تیار فرمائی جس نے ساری دنیا میں اسلام کے منصفانہ پیغام اور عادلانہ قوانین کی دھاک بٹھا دی۔ ہم مسلمانوں کا انفرادی اور اجتماعی فرض ہے کہ ہم تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں اسلام کی حقیقی تعلیمات کا احیاء کریں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی اعلیٰ اور روشن تعلیمات کا احیاء اور فروغ ہی وقت کا سب سے اہم تقاضا ہے۔

عزیزان گرامی!

وزارت مذہبی امور کی جانب سے ہر سال بارہ ربیع الاول کو قومی سیرت کانفرنس کے موقع پر ملکی اور بین الاقوامی حالات کے تناظر میں کسی اہم موضوع کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ اسی موضوع پر سیرت نگاروں کے درمیان مقابلہ مقالات سیرت منعقد ہوتا ہے جبکہ مختلف زبانوں میں کتب وسیرت ونعت وغیرہ کے مقابلہ جات بھی ہوتے ہیں۔ اس سال قومی سیرت کانفرنس ۲۰۱۳ء کے لیے جس موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے وہ ہے ''عدل اجتماعی کا تصور واہمیت: تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں''۔ کیونکہ آج وطن عزیز کے اندرونی اور بیرونی حالات ''عدل اجتماعی'' ہی کا تقاضا کررہے ہیں۔ عدل اجتماعی سے مراد ایک ایسا معاشرہ جس میں خواہ افراد ہوں یا قومیں یا برادری سب بحیثیت انسان برابر ہوں، جہاں قانون کو سب پر بالادستی حاصل ہو، جہاں حاکم وقت بھی کٹہرے

Marfat.com

میں ایک عام آدمی کے برابر کھڑا ہو۔

عزیزان گرامی!

یہ دین اسلام ہی ہے جس نے ایسا معاشرہ قائم کر کے دکھایا جہاں غلام کا بیٹا بھی اپنی اہلیت کی بناء پر دربار رسالت میں فوجوں کی سالاری کا عہدہ پا سکتا ہے۔ جہاں زرخرید غلام کا نکاح بھی سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی پھوپی زاد بہن سے ہوسکتا ہے۔ جہاں ابوذر غفاریؓ اپنے غلام کو مارتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ اس موقع پر پہنچ کر فرماتے ہیں جو قدرت اس غلام پر تجھے حاصل ہے اس سے زیادہ قدرت اللہ کو تجھ پر حاصل ہے۔ یہ سنتے ہی ابوذر غفاریؓ زمین پر گرتے ہیں اور غلام سے معافی کے طلب گار ہوتے ہیں۔

عزیزان گرامی!

یہ ہے وہ عدل جس کی نظیر آج تاریخ انسانی پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضور ﷺ نے مسلمانوں کو جسد واحد کی مانند قرار دیا ہے۔ مسلمانوں کی بقاء و سربلندی، اتفاق و اتحاد اسی عدل اجتماعی ہی میں مضمر ہے۔ سیرت رسول ﷺ کا ایک بھی واقعہ ایسا نہیں ملے گا جس میں آپ ﷺ نے عدل کے پہلو کو ذرا برابر بھی نظر انداز کیا ہو۔ پاکستان کے موجودہ اندرونی حالات بھی یہی تقاضا کر رہے ہیں کہ پاکستان کے ہر شعبہ میں بھی اسی عدل کی جھلک نظر آئے۔

موجودہ حکومت کی یہ بڑی مخلصانہ کوشش ہے کہ وہ ملک کے اندر اس طرح کا ماحول پیدا کرے کہ ایک عام آدمی سے لے کر کسی بھی ادارہ تک کو اپنے دائرہ کار کے اندر رہ کر مناسب آزادی و خودمختاری حاصل ہو، تاکہ وطن عزیز کی ترقی و خوشحالی میں سب بڑھ چڑھ کر حصہ لے سکیں۔ موجودہ حکومت وہ واحد حکومت ہے جس میں خواہ کوئی فرد ہو یا کوئی سیاسی و مذہبی جماعت یا کوئی ادارہ کسی کو بھی سیاسی انتقام کا نشانہ نہیں بنایا جا رہا ہے۔ ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں جب وطن عزیز حقیقی ترقی و خوشحالی کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔

ان چند کلمات کے ساتھ تمام مندوبین اور شرکاء کانفرنس کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اور خاص طور پر وزیراعظم پاکستان کا، اور اجازت چاہتا ہوں۔ شکریہ۔

پاکستان پائندہ باد

☆○☆○☆○☆

Marfat.com

صدارتی خطاب

جناب محبوب اللہ جان
پارلیمانی سیکرٹری برائے مذہبی امور

محترم جناب چوہدری محمد اعظم سماں صاحب، سیکرٹری، وزارت مذہبی امور۔

علمائے کرام و مشائخ عظام، معزز مہمانان گرامی اور خواتین و حضرات!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مجھ سے پہلے مقررین نے آج کے دن اور موضوع کے اعتبار سے بڑی اچھی تقاریر کی ہیں۔ میں اس سلسلہ میں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ امت مسلمہ اپنے مقاصد و اہداف کے اعتبار سے ایک عالمی برادری کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا کردار روز اول ہی سے ایک عالمی کردار قرار دیا گیا تھا۔ قرآن مجید میں اس امت کو ایک ایسی ''امت وسط'' قرار دیا گیا ہے جو ہر قسم کی انتہاؤں کے درمیان راہ اعتدال پر قائم ہو۔ امت مسلمہ انسانوں کی فلاح و بہبود، خدمت اور رہنمائی کے لیے نکالی گئی ہے۔

برادرانِ عزیز!

رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی حیات پاک کا ایک ایک گوشہ، ایک ایک پہلو روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ جس میں رائی برابر بھی اونچ نیچ نہیں۔ گھر ہو یا مجلس، نجی زندگی ہو یا منبر پر، ہر جگہ ایک ہی رنگ ایک ہی نمونہ۔ قول و فعل وحی الٰہی سے ذرا برابر بھی ہٹا ہوا نہیں ہے۔ لوگوں کی زندگی تضاد لیے ہوتی ہے۔ باہر نکلے تو مصنوعی لبادہ اوڑھ لیا۔ گھر پہنچے تو کچھ اور لیکن سرورِ دو عالم ﷺ کا عدل و انصاف کا معاملہ معاشرتی اور نجی زندگی میں ایک جیسا نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ نے گھر میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھا اور گھر کی فضا کو بھی کبھی اوجھل نہ ہونے دیا۔

دین اسلام عدل و انصاف کے معاملے میں ایک نگاہ رکھتا ہے۔ اس میں قوم و قبیلہ، آقا و غلام، دوست و دشمن، مرد و عورت، ذات برادری، امیر و غریب، کالے اور گورے، اپنے پرائے اور مسلم اور کافر کی قید نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے قرآن کے احکام کا عملی نمونہ بن کر وہ معاشرہ قائم کر کے دکھایا جس پر انسانیت قیامت تک ناز کرتی رہے گی۔ انسان کے سارے دکھوں اور سارے مسائل کا حل اسوہ نبوی ﷺ میں ملتا ہے۔ آپ ﷺ نے بتا دیا ہے کہ دین اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس کی آغوش میں عدل و انصاف صرف اپنوں کے لیے نہیں، بلکہ غیروں کے لیے بھی ہے۔ یہی وہ دین ہے جو دنیا کی تاریکیوں کو روشنی میں بدل سکتا ہے۔

برادران عزیز!

نبی کریم ﷺ کی حیات پاک کا ایک ایک ورق، ایک ایک حرف ساری دنیا کے سامنے ہے۔ کہیں تشدد کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے غزوات میں بھی عدل کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ حد سے تجاوز، ظلم اور بستیاں اجاڑنا مقصد نہیں تھا بلکہ اسلام

Marfat.com

کا دفاع، اسلامی سرحدوں کا دفاع اور جان و مال کا تحفظ مقصد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے غزوہ سے لے کر آخری غزوہ تک مقتولین کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ آپ ﷺ جب بھی کسی صحابی کو سپہ سالار بنا کر بھیجتے تو یہ نصیحت کرتے کہ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر ہاتھ نہ اٹھانا اور پھل دار درخت نہ کاٹنا نہ جلانا۔ آپ ﷺ کی جنگ خونریزی، قتل و غارت اور ظلم وتشدد کے لیے نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ برائی، ظلم اور حد سے تجاوز کے خلاف تھی۔ اس لیے کہیں بھی اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔ اسی طرح حضور ﷺ نے قاضیوں اور ججوں کے لیے بھی ایک ضابطہ اخلاق دیا جس کے اہم اصول یہ ہیں کہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں کے بیانات سن کر فیصلہ دیا جائے۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ مرتضٰی کو یمن بھیجتے وقت نصیحت فرمائی کہ ''جب تیرے سامنے دو فریق مقدمہ لے کے بیٹھ جائیں تو اس وقت تک فیصلہ نہ سنانا جب تک دوسرے فریق کا بیان اس طرح نہ سن لے، جس طرح پہلے کا سنا ہو۔ قانون لوگوں کی نیتوں اور اندرونی باتوں پر مواخذہ نہیں کرتا۔ اس لیے قاضی کو چاہیے کہ ظاہری شہادت اور ثبوت کے مطابق فیصلہ کرے۔ حضور ﷺ ہر مقدمے میں ظاہری ثبوت اور گواہوں کی شہادت کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا فرمان بھی ہے کہ ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ظاہر کے مطابق فیصلہ کروں اور اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں کا مالک ہے''۔

برادرانِ عزیز!

اسوہ رسول ﷺ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے بدترین دشمنوں اور کسی بھی عقیدہ سے تعلق رکھنے والے افراد کے ساتھ روابط، تعلقات اور عدل اجتماعی کی وہ نظیریں پیش کیں جو آپ ﷺ کو تمام ادیان عالم میں ممتاز کرتی ہیں۔ دور حاضر میں عدل اجتماعی کے استحکام کے لیے یہ مثالی تعلیمات دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں۔

مسلمانوں کو خارجی طاقت کبھی مغلوب نہیں کرسکتی۔ وہ جب بھی مغلوب ہوں گے تو اپنی داخلی کمزوری کی وجہ سے مغلوب ہوں گے۔ وطن عزیز پاکستان کا معاملہ ہو، یا پوری امت مسلمہ ہو، سب کے سب اپنے دائرہ کار میں داخلی کمزوری کا شکار ہیں۔ جب تک ہم داخلی طور پر اپنے آپ کو مستحکم نہ کرلیں دنیا میں غالب نہیں آسکتے۔ قومی حوالے سے ہمارے اندر جو کمزوریاں پائی جاتی ہیں جن میں فرقہ پرستی، انتہا پسندی، قوم پرستی اور عدم برداشت وغیرہ، ان سب کو ختم کرنے کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ انسانیت کی تکمیل کے لیے جتنے اچھے فضائل و اخلاق کی ضرورت ہوسکتی ہے ان سب کی تعلیم حضور ﷺ نے دی ہے اور خود اس پر عمل کر کے بھی دکھایا ہے۔ جنہیں اپنی عملی زندگی میں اپنانے کی ضرورت ہے۔ آج سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ مسلمانوں کو شعوری معنوں میں مسلمان بنایا جائے۔ جس دن ایسا ہوگا اسی دن اسلام کی وہ نئی تاریخ بننا شروع ہو جائے گی جس کا آج زمین و آسمان کو سب سے زیادہ انتظار ہے۔ ایسے مردانِ کار کی تیاری میں آپ جیسے جید علمائے کرام اور اہل علم سب سے بڑا کردار ادا کرسکتے ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں اپنے روز و شب بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ ان معروضات کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں۔

پاکستان پائندہ باد۔

Marfat.com

محترم چوہدری محمد اعظم سمّاں
سیکرٹری، وزارت مذہبی امور

اختتامی اجلاس کے تعارفی کلمات

عزت مآب صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان، جناب آصف علی زرداری صاحب

جناب سید خورشید احمد شاہ صاحب، وفاقی وزیر برائے مذہبی امور

علماء کرام و مشائخ عظام

معزز خواتین وحضرات!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آج محسن انسانیت، خاتم الانبیاء حضرت محمدﷺ کی پیدائش کا مبارک دن ہے۔ اس دن کی مناسبت سے وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان کے زیر اہتمام قومی سیرت النبیﷺ کانفرنس کا انعقاد ہو رہا ہے۔ اس کے اختتامی اجلاس میں شرکت کرنے والے تمام مہمانان کرام کو خوش آمدید کہتا ہوں اور عزت مآب صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان سے قومی سیرت کانفرنس ۲۰۱۳ء کے اس اجلاس کی باقاعدہ کارروائی شروع کیے جانے کے لیے اجازت چاہتا ہوں۔

عزت مآب صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان!

جب پوری انسانیت تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی ہر سو ظلمت کا دور دورہ تھا، حیات انسانی ظلمت و فساد کا شکار تھی۔ امن وسکون غارت ہو چکا تھا۔ ایسے حالات میں محسن انسانیت کی آمد سے سرزمین عرب میں ہی نہیں بلکہ گلستانِ عالم میں بہار آ گئی۔ آپﷺ جو پیغام لے کر آئے اور جس کا عملی نمونہ آپﷺ نے اپنی سیرت طیبہ میں پیش کیا، وہ تمام جہانوں کے لیے رحمت اور اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے۔ دورِ اوّل میں لوگوں کو اسلام کی طرف لانے کا باعث دو ہی چیزیں تھیں: قرآن پاک اور سیرت رسولﷺ۔ عصر حاضر میں بھی اسلام کو سمجھانے کے لیے ان ہی دو چیزوں کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔

جناب عالی!

وزارت مذہبی امور سیرت پاک کے فروغ کے لیے کوشاں ہے۔ قومی سیرت کانفرنس کا انعقاد اسی سلسلہ کی ایک کوشش ہے۔ اس کے علاوہ وزارت مذہبی امور، قومی، علاقائی، اور بین الاقوامی زبانوں میں کتب و سیرت و نعت کے مقابلوں کا بھی اعلان کرتی ہے۔ ان مقابلوں میں موصول ہونے والی تمام کتب اور مقالات کا وزارت ابتدائی طور پر مشتہر شدہ شرائط کی روشنی میں تکنیکی اور فنی جائزہ لیتی ہے۔ اس مرحلے میں منتخب ہونے والی ہر کتاب اور مقالہ کو کم از کم تین ماہرین پر مشتمل منصفین "Judges" کی کمیٹی کو تفصیلی جانچ پڑتال کے لیے ارسال کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں ماہرین کی رپورٹس کو ایک دوسری اعلیٰ کمیٹی جیسے ایپکس کمیٹی (Apex Committee) کہا جاتا ہے کے سپرد کیا جاتا ہے۔ یہ کمیٹی ہر کتاب اور اس کے بارے میں موصول شدہ تمام رپورٹوں اور آراء کی جانچ پڑتال کے بعد فیصلہ کرتی ہے کہ کون سی کتاب کون سے انعام کی مستحق ہے، اور کون سی

Marfat.com

نہیں۔ اسی طرح بہترین قرار پانے والے مقالات سیرت کا بھی تعین ہوتا ہے۔ اس سال سیرت ونعت وغیرہ کے مقابلوں کے لیے کل ۳۰۷ کتابیں جب کہ ''عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت تعلیمات نبوی ﷺ'' کے موضوع پر کل ۹۴ مقالات موصول ہوئے۔

جناب عالی!

یہ ایک ایسا کام ہے جس کی ضرورت و اہمیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ سیرت مطہرہ کے فروغ کے لیے وزارت مذہبی امور کے اپنائے گئے اس طریق کار سے لوگوں میں سیرت النبی ﷺ پر لکھنے کا ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے۔ سیرت رسول ﷺ کے نئے نئے پہلو اور گوشے کھل کر سامنے آتے ہیں۔

آج کی کانفرنس کا دورانیہ تین اجلاسوں پر مشتمل ہے۔ پہلے افتتاحی اجلاس کی صدارت جناب راجہ پرویز اشرف صاحب، وزیراعظم پاکستان نے فرمائی جس میں وزیراعظم پاکستان نے اس کانفرنس کے موضوع پر بہترین مقالہ جات لکھنے والے سیرت نگار خواتین وحضرات کو انعامات سے نوازا۔ اکیڈمک سیشن میں ممتاز علماء کرام نے کانفرنس کے موضوع پر اظہار خیال فرمایا۔

یہ تیسرا اختتامی سیشن ہے جس کی صدارت آپ فرما رہے ہیں۔ اس اجلاس میں آپ اپنے دست مبارک سے مقابلہ کتب سیرت اور نعت میں سیرت نگاران کو انعامات سے نوازیں گے۔

ان کلمات کے ساتھ میں اجازت چاہوں گا۔ شکریہ۔

☆○☆○☆○☆

Marfat.com

Marfat.com

(ب)

تقاریر

Marfat.com

Marfat.com

جناب محمد یاسین ظفر

ناظم اعلیٰ وفاق المدارس السّلفیہ پاکستان
پرنسپل جامعہ سلفیہ فیصل آباد

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلاة والسلام علی سید المرسلین وعلی آله واصحابه اجمعین، وبعد.

﴿لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا. اِعْدِلُوْا. هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ. اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس کا نظام پوری زندگی پر محیط ہے اس سے مکمل طور پر مستفید ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ایک ایک گوشہ پر عمل کیا جائے۔ اس کے الگ الگ اجزاء کر کے اپنی مرضی سے صرف وہ حصہ پسند کرلیا جائے جس میں ذاتی غرض ہو تو پھر اسلام کے حقیقی ثمرات سمیٹنا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

آج ہمارا المیہ یہی ہے کہ ہم نے اپنی زندگی کو مختلف خانوں میں بانٹ رکھا ہے۔ کسی ایک میں اسلام ہے تو دوسرے میں سرمایہ داران نظام۔ کسی جگہ اشتراکیت ہے تو کسی جگہ مغربی جمہوریت۔ نقصان یا ناکامی کی صورت میں ہم سب سے زیادہ گلہ اسلام سے کرتے ہیں کہ یہ نظام تحفظ دینے سے قاصر ہے اور انہی لوگوں سے حل تلاش کرنے کی استدعا کرتے ہیں جن کی بدولت یہ افراتفری اور فساد ہوا۔

جس معاشرے میں نبی کریم ﷺ کا ظہور ہوا۔ وہ معاشرہ امتیازات طبقات اور تفاخر میں تھا۔ جہاں حد بندیاں تھیں۔ تقسیم در تقسیم، سوسائٹی میں بہت تفاوت اور فرق تھا۔ امیر غریب، آقا و غلام، مرد و زن میں بعد المشرقین تھا۔ عدل و انصاف، مساوات و برابری کا تصور ہرگز نہ تھا۔ ایک دوسرے کا استحصال اور ظلم کا دور دورہ تھا۔ اور اس کو وہ اپنا حق سمجھتے تھے۔ اس ماحول میں آپ ﷺ نے دعوت کا آغاز کیا اور لوگوں کو باور کرایا کہ اے لوگو ہم سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی احمر کو اسود پر اور کسی اسود کو احمر پر فخر اور برتری نہیں ہے۔ البتہ وہ شخص اللہ کے نزدیک معتبر ہے جو اس کی محبت سے سرشار ہو کر نیکی کرتا ہے اور اس کی محبت ہی میں برائی ترک کرتا ہے گویا متقی ہے۔

آپ کی دعوت کا عظیم تر پہلو جس نے عرب معاشرہ کو بے حد متاثر کیا، اور خاص کر ان طبقات کو جو مختلف طریقے سے ظلم کی چکی میں پس رہے تھے، وہ تھا آپ کا معاشرتی اور اجتماعی عدل۔ آپ کے اس اقدام نے بے رنگ و نور زندگی میں روشنی بھر دی اور لوگوں کو جینے کا حق دیا۔ انہیں آزادی اظہار کا حق دیا۔ انہیں اپنی مرضی سے کاروباری زندگی اختیار کرنے کا درس دیا۔ اپنی مرضی کے فیصلے کرنے کا اختیار دیا۔ اپنی مرضی سے حقیقی معبود کو تلاش کرنے کا موقع دیا۔ امیر ہو یا غریب، آقا ہو کہ غلام، مرد ہو یا عورت سب کو اپنی مرضی کا عقیدہ اور دین اختیار کرنے کا یکساں موقع دیا۔ یہی عدل اجتماعی کا عظیم تر تصور تھا جو آپ نے اپنی قوم کے سامنے پیش کیا۔ سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ نے نجاشی کے دربار میں جو متاثر کن گفتگو کی اس میں یہی بات تو پیش کی کہ ہم گمراہ تھے، بت پرستی کے دلدادہ تھے، راہ زن تھے، لٹیرے تھے، بدکاری ہمارا مشغلہ تھا، حرام خوری اور دوسروں کے حقوق غصب کرنا پسندیدہ عمل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کرم نوازی فرمائی کہ ہم میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیا، جس نے توحید کا نعرہ

Marfat.com

بلند کیا۔ صرف ایک اللہ کی دعوت دی۔ گمراہی سے نکالا۔ چوری، بدکاری، قتل و غارت اور ڈاکے ڈالنے سے روکا۔ دوسروں کا حق ادا کرنے کا حکم دیا اور پورے معاشرے میں عدل و انصاف کرنے کی تلقین کی۔ حرام مال کھانے سے منع کیا۔

اسلام کا پورا نظام عادلانہ ہے اور یہ انسانیت پر بہت بڑا احسان ہے۔ اگر یہ نظام عادلانہ کی بجائے مساویانہ ہوتا تو ہم اس کے متحمل نہ ہوسکتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾۔ بقدر طاقت ہی ہمیں مکلف بنایا گیا ہے۔ اگر مساویانہ نہ ہوتا تو کوئی شخص اس معیار پر پورا نہ اترتا۔ ایک مسلمان کی اجتماعی زندگی بھی عادلانہ ہے، کیونکہ عدل اجتماعی کی بنیاد قیاسی نہیں ہیں۔ بلکہ یہ سارا نظام اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے، جو اس کی تعلیمات اور ہدایات پر مبنی ہے۔ وہی انسانی مزاج کو بہتر سمجھتا ہے اور وہی اس کی ضرورتوں کا کفیل ہے۔

توحید خالص عدل اجتماعی کی پہلی بنیاد ہے۔ عدل اجتماعی کا خواب اس وقت تک شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم نہ کرلیں اور اپنے زیر تسلط علاقے میں اس کی حاکمیت کے قیام کو یقینی نہ بنالیں۔ کیونکہ یہ عدل کی خشت اول ہے کہ ہم اس ذات باری تعالیٰ کو جو زمین و آسمان کو تخلیق کرنے والا ہمیں وجود بخشنے والا ہے اس کی الوہیت اور ربوبیت کا اعتراف نہ کرلیں۔ اگر اس کے برعکس ہوتا ہے تو پھر عدل کیسا!۔ توحید کے اقرار سے ہی تمام تضادات ختم ہو جاتے ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ نظام باقی رہتا ہے۔ ہمارے معاشی، سیاسی، تعلیمی، قانونی اور ثقافتی مسائل کے حل کے لیے کافی ہے اور یہ نظام اجتماعی عدل کا داعی ہے۔

عدل اجتماعی کی دوسری بنیاد آزادی ہے۔ ضمیر کی آزادی، غور وفکر کی آزادی اور سب سے بڑھ کر تعصبات، دباؤ اور خوف سے آزاد ہوکر فیصلے کی آزادی، آباء واجداد کی اندھی تقلید سے نکل کر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہدایات پر عمل کی آزادی، ایسی آزادی کہ جس میں شعوری غور وفکر اور فیصلہ کرنے کا مکمل اختیار حاصل ہو۔ عدل اجتماعی ہر فرد کو آزادی رائے، آزادی عمل کے ذریعے معروف ومنکر میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا بھی حق دیتا ہے۔

عدل اجتماعی کی تیسری بنیاد انسانوں کو بحیثیت انسان یکساں قرار دینا ہے۔ تمام انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ ان میں رنگ ونسل اور زبان کی بنیاد پر تفریق کرنا درست نہیں۔ لہٰذا تمام انسان قانون کی نگاہ میں برابر ہیں۔ امیر ہو یا کہ گدا کوئی فرق نہیں۔

عدل اجتماعی کی چوتھی بنیاد تقسیم دولت ہے۔ اسلام میں دولت کو صلاحیت اور استطاعت اور ضرورت کے مطابق تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ اس لیے کیا گیا کہ بسا اوقات انسان استطاعت رکھتا ہے لیکن سعی نہیں کرتا۔ صلاحیت رکھتا ہے مگر اختیار نہیں۔ یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔ جو صلاحیت اور استطاعت بروئے کار لائے۔ اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (سورۃ النساء: ۵۸) اہلیت اور صلاحیت کے مطابق ذمہ داری دینا ہی عدل اجتماعی کا بہترین طریقہ ہے۔

عدل اجتماعی میں رزق کمانے کے لیے بلاتفریق سب کو مواقع فراہم کرنا شامل ہے اور یہ حکومت اور معاشرے کی اولین ذمہ داری ہے۔ عدل اجتماعی کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اگر کسی وجہ سے معاشرہ کا کوئی فرد اپنی کمزوری، معذوری اور مجبوری

Marfat.com

سے ایسا نہ کر سکے تو اس کی کفالت حکومت کی ذمہ داری ہے۔

ایسا ہی مفلوک الحال افراد کے لیے اجتماعی تکافل کا انتظام حکومتی ترجیحات میں شامل ہونی چاہیے۔ اس کا انتظام کرنا بھی عدل اجتماعی کی بنیاد ہے۔

عدل اجتماعی میں بچوں میں عدم تفریق بھی شامل ہے۔ سب کی کفالت تعلیم و تربیت میں یکسانیت اور وراثت میں حکم خداوندی کو عملی شکل دینا ازحد ضروری ہے۔

٭ عدل اجتماعی میں عبادت سے بڑھ کر اور کوئی مظہر نہیں۔ نماز میں صف بندی۔

ع ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

روزہ سب کے لیے یکساں، حج میں تفریق نہیں۔ غرض یہ عدل اجتماعی کے مثالی نمونے ہیں۔

جس معاشرے اور سوسائٹی میں عدل نہیں اس میں امن کی ضمانت بھی نہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے وطن میں اجتماعی عدل نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا ملک کئی مشکلات میں گھرا ہوا ہے۔ بدامنی، قتل و غارت، بھتہ خوری، اغوا برائے تاوان، راہ زنی اور لوٹ مار کا بازار گرم ہے۔ لوگ حق نہ ملنے کی شکل میں خود ہی قانون کو ہاتھ میں لیتے ہیں۔ اور دن بدن فضا مزید مکدر ہو رہی ہے۔ سیرت النبی ﷺ کا یہ پہلو آج نظروں سے اوجھل ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آپ ﷺ سے محبت اور ایمانی تعلق کو عملی شکل دی جائے۔ آپ کی ہدایات و تعلیمات کے مطابق معاشرہ کو تشکیل دیا جائے اور تمام مسلمان اجتماعی عدل قائم کریں تاکہ ہم ایک مثالی اسلامی ریاست بنا سکیں۔

☆○☆○☆○☆

Marfat.com

مولانا غلام محمد سیالوی

ناظم اعلیٰ، شمس العلوم جامعہ رضویہ

بلاک این نارتھ ناظم آباد کراچی

سب سے پہلے میں محترم جناب خورشید احمد شاہ صاحب وفاقی وزیر مذہبی امور، محترم وفاقی سیکرٹری مذہبی امور اور وفاقی جملہ ذمہ داران کو جشن عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر حسب روایت عظیم الشان قومی سیرت النبی ﷺ کے انعقاد پر خراج تحسین پیش کرتا ہوں اور شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھے اس بابرکت کانفرنس میں شرکت کے ساتھ ساتھ اظہار خیال کی سعادت حاصل کرنے کا موقع فراہم فرمایا ہے۔

اس مرتبہ قومی سیرت النبی ﷺ کانفرنس کا موضوع ''عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی'' میں مقرر کیا گیا ہے، جو کہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ عدل اجتماعی کا تصور سمجھنے سے پہلے عدل کا مفہوم اور تصور سمجھنا ضروری ہے۔ واضح رہے کہ انصاف کے لیے قرآن پاک میں قسط کا لفظ بھی آیا ہے۔ افراط وتفریط کو چھوڑ کر درمیانی راہ اختیار کرنا، حق داروں کو ان کا حق ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا دینا اور ٹھیک ٹھیک توازن و تناسب کو برقرار رکھنا عدل وقسط کہلاتا ہے۔

مختلف نسبتوں سے عدل کا مفہوم مختلف ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک مفہوم عدل کا یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے رب کے درمیان عدل کرے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے حظ نفس پر اور اس کی رضاجوئی کو اپنی خواہشات پر مقدم جانے اور اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی ممنوع و محرمات سے مکمل اجتناب کرے۔

دوسرا عدل یہ ہے کہ آدمی خود اپنے نفس کے ساتھ عدل کا معاملہ کرے۔ وہ یہ ہے کہ اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جس میں اس کی جسمانی یا روحانی ہلاکت ہو۔ اس کی ایسی خواہشات کو پورا نہ کرے جو اس کے لیے انجام کار مضر ہوں۔ قناعت وصبر سے کام لے۔ نفس پر بلاوجہ زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔

تیسرا عدل اپنے نفس اور تمام مخلوقات کے درمیان ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے ساتھ خیرخواہی اور ہمدردی کا معاملہ کرے اور کسی ادنیٰ و اعلیٰ معاملہ میں کسی سے خیانت نہ کرے۔ سب لوگوں کے لیے اپنے نفس سے انصاف کا مطالبہ کرے۔ کسی انسان کو اس کے کسی قول وفعل سے ظاہراً یا باطناً کوئی ایذا اور تکلیف نہ پہنچے۔

عدل یہ ہے کہ جب دو فریق اپنے کسی معاملہ کا محاکمہ اس کے پاس لائیں تو فیصلہ میں کسی کی طرف میلان کے بغیر حق کے مطابق فیصلہ کرے۔ اور ایک عدل یہ بھی ہے کہ ہر معاملہ میں افراط وتفریط کی راہوں کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرے۔

عدل کی اہمیت

انصاف اور عدل کسی معاشرے کا اہم ترین ستون ہے۔ وہ خیمے کا مرکزی بانس ہے جسے اگر ہٹا دیا جائے تو خیمہ زمین پر آ گرتا ہے۔ یہ وہ سورج ہے جس سے چاروں طرف روشنی اور اجالا پھیل جاتا ہے۔ یہ سورج چھپ جائے تو اندھیرا ہی اندھیرا ہو جائے جس میں کسی بھی ملک کے شہری ٹھوکریں کھاتے پھریں۔ منصف اگر انصاف سے ہاتھ کھینچ لے تو قوم پھلتی پھولتی نہیں۔ انصاف کا ترازو لڑکھڑانے لگے تو ہر چیز منہ کے بل گر جاتی ہے۔

۱۲۲۷۵۸۷

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی صفت عدل ہر جگہ ہر چیز اور ہر معاملہ میں بطور اتم پائی جاتی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد بھی عدل کے قیام کو ہی قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور عدل کی ترازو اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بھی یہی حکم صادر فرمایا ہے کہ وہ انصاف کریں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ. يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ ''قال غير واحد من العلماء لولم يكن في القرآن غير هذه الآية لكفت''۔ (علماء کی بڑی تعداد کا کہنا ہے کہ اگر قرآن میں صرف یہی ایک آیت بھی ہوتی تو بھی کافی ہوتی)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''ان اجمع آية في القرآن في سورة النحل: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ'' (قرآن پاک کی جامع ترین آیت سورہ نحل میں ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ)۔ یہی آیت مبارکہ حضرت عثمان بن مظعون کے اسلام لانے کا سبب بنی۔ حضرت عمرو بن عبدالعزیز نے اس آیہ مبارکہ کو جمعہ کے خطبہ کا مستقل جزء بنا دیا تھا۔

یہ آیہ مبارکہ عدل و انصاف کا اتنا بڑا چارٹر ہے جس کی مثال دنیا آج تک پیش نہیں کر سکی۔ اس میں صرف انسانیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ دین و مذہب، قوم و ملت، ملک و وطن اور دولت و عزت کی کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ یہ تعلیم صرف زبانی جمع خرچ تک محدود نہ تھی بلکہ پورے معاشرے کا عمل تھا۔ صرف دو تین واقعات کا ذکر کروں گا جو حضور ﷺ کے قائم کردہ معاشرہ میں عدل و انصاف پر روشنی ڈالتے ہیں۔

ایک دفعہ خاندان مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی۔ قریش نے چاہا کہ وہ حد سے بچ جائے۔ انہوں نے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے جو رسول اللہ ﷺ سے سفارش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''کیا تم اللہ کی مقرر کردہ حد میں سفارش کرتے ہو؟ تم سے پہلے لوگ (بنی اسرائیل) اس سبب سے تباہ ہوئے کہ وہ اپنے غریبوں پر حد جاری کرتے تھے اور امیروں کو چھوڑ دیتے تھے۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہؓ بنت محمد ﷺ بھی ایسا کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا''۔

ایک روز رسول اللہ ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک شخص آیا اور آپ ﷺ کے دست مبارک میں عصا تھی اس سے اس کو ٹھوکا دیا، جس سے اس کے منہ پر خراش آ گئی۔ آپ ﷺ نے فوراً ارشاد فرمایا کہ ''تم میرے سے قصاص لے لو'' اس نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں نے معاف کر دیا۔

جنگ بدر میں رسول اللہ ﷺ صف آرائی کر رہے تھے۔ حضرت سواد بن غزیہؓ انصاری صف سے آگے نکلے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے تیر کی لکڑی سے ان کے پیٹ کو ٹھوکا دیا کہ ''اے سواد برابر ہو جاؤ''۔ حضرت سوادؓ نے عرض کی ''یارسول اللہ ﷺ آپ نے مجھے سخت ضرب لگائی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حق و انصاف کے ساتھ بھیجا ہے اس لیے آپ مجھے قصاص دیں''۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنا شکم مبارک ننگا کر دیا اور فرمایا کہ ''اپنا قصاص لے لو''۔ اس پر حضرت سوادؓ حضور اقدسؐ کے جسم مبارک سے لپٹ گئے اور آپ ﷺ کے شکم مبارک کو چومنے لگے۔ حضور ﷺ نے پوچھا ''اے سواد! تو نے ایسا کیوں کیا''۔ حضرت سوادؓ نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ موت حاضر ہے اس لیے میں نے چاہا کہ آخر وقت میں میرا بدن

Marfat.com

آپ ﷺ کے بدن اطہر سے مس ہو جائے‘‘۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے دعائے خیر فرمائی اور انہیں معاف کر دیا۔

انسان کو عدل و انصاف سے روکنے والے اسباب

انسان کو عدل و انصاف سے روکنے اور ظلم و جور میں مبتلا کرنے کے عادتاً دو سبب ہوا کرتے ہیں: اپنے نفس یا اپنے عزیزوں یا دوستوں کی طرفداری، دوسرے کسی دشمن کی دشمنی و عداوت۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی وضاحت سے نشاندہی فرما دی اور واضح حکم فرما دیا کہ انصاف فراہم کرنے میں یہ چیزیں رکاوٹ نہیں بننی چاہئیں۔ اسی لیے سورہ نساء میں ارشاد فرمایا: ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ. اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا. فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا. وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا﴾۔ اور سورہ مائدہ میں فرمایا: ’’یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا. اِعْدِلُوْا. ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ. اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌم بِمَا تَعْمَلُوْنَ‘‘۔

سورہ نساء کی آیت کا حاصل یہ ہوا کہ عدل و انصاف کے معاملہ میں اپنے نفس اور والدین اور عزیزوں کی بھی پرواہ نہ کرو۔ اگر انصاف کا حکم ان کے خلاف ہے تو خلاف ہی پر قائم رہو۔ اور سورہ مائدہ کی آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ عدل و انصاف کے معاملہ میں کسی دشمن کی وجہ سے لغزش نہ ہونی چاہیے کہ اس کو نقصان پہنچانے کے لیے خلاف انصاف کام کرنے لگو۔

اسلام کا بے مثال عدل اجتماعی

اسلام نے عدل کے لیے اصول و ضوابط مقرر کیے ہیں۔ مالداروں کی دولت میں فقراء کا حق متعین کیا ہے اور حکومت اور رعایا کے لیے عدل و انصاف پر مبنی نظام دیا ہے۔ فطری حقوق یعنی عدل و انصاف کی پامالی کرنے والوں کو ظالم کہا گیا ہے اور انہیں آخرت میں عذاب شدید کی وعید سنائی گئی ہے۔ عدل اجتماعی کا اسلامی تصور چار بنیادی اصولوں پر قائم کیا گیا ہے۔

(۱) آزادی ضمیر: اسلام ضمیر انسانی کو غیر اللہ کی عبادت، اطاعت اور فرمانبرداری سے آزاد کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ اللہ سوا کسی کو انسان پر کوئی اقتدار حاصل نہیں ہے، بلکہ اقتدار اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

(۲) کامل انسانی مساوات: ظہور اسلام سے پہلے نسل انسانی میں عورت و مرد، امیر و غریب، آقا و غلام اور رنگ و نسل کے مختلف امتیازات قائم تھے۔ فرعون لعین کے جرائم میں سے ایک جرم یہ تھا کہ اس نے اپنی رعایا کو قبطی اور غیر قبطی میں بانٹ رکھا تھا۔ اسلام نے مساوات کا درس دیا اور عزت و فضیلت اور امتیاز کے لیے صرف تقویٰ اور پاکبازی کو معیار قرار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا. اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ﴾۔ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ ’’سن لو! امور جاہلیت میں سے ہر چیز آج میرے قدموں کے نیچے ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے ہیں سب مسلمان بھائی بھائی ہیں‘‘۔

(۳) سچی گواہی: قرآن پاک میں اس بات کی ہدایات کی گئی ہے کہ سچی شہادت اور حق بات کے بیان کرنے سے پہلو تہی نہ کی جائے تاکہ فیصلہ کرنے والوں کو حق اور صحیح فیصلہ کرنے میں دشواری پیش نہ آئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَ

Marfat.com

لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ. وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ﴾۔

(۴) ٹھوس اور پائیدار اجتماعی تکافل یا اجتماعی کفالت: اسلام نے فرد اور اس کے خاندان کے درمیان اجتماعی عدل اور تکافل کا باہمی نظام قائم کیا ہے جس سے دو خاندان کے افراد باہمی کفالت کے ذمہ دار قرار پاتے ہیں۔ معاشرے کے تمام افراد کا اجتماعی فریضہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ کمزوروں کی حفاظت اور ان کے مصالح کی دیکھ بھال کا التزام اور تگ و دو کریں۔ اس لیے زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کے واضح احکام دیئے گئے۔ الغرض اسلامی نظام حیات کے تمام پہلو ایک دوسرے سے مربوط اور ایک دوسرے پر منحصر ہیں۔

اجتماعی عدل کے اسلامی تصور کی خصوصیات

اجتماعی عدل کے اسلامی تصور کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محدود معانی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں بلکہ اس کے دائرے میں روحانی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور اخلاقی دائرے آتے ہیں۔ اور تمام دائروں کا ایک ہی مشترکہ نصب العین ہے کہ انسان کی دنیوی زندگی فلاح کا نمونہ بن جائے اور اخروی امتحان کے لیے انسان آزمائش حیات دنیا میں کامیاب ہو جائے۔

اجتماعی عدل کے اسلامی تصور کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اسلام زندگی میں تعاون و ہم آہنگی اور ہمدردی ومواخاۃ کا نام ہے۔

عدل اجتماعی کے فوائد وثمرات

عدل اجتماعی کے قائم ہونے سے اسلامی معاشرے میں برکتوں کی بارش ہو جاتی ہے۔ بقول سقراط جہاں انصاف ہو وہاں سیاہ زمین گندم اگاتی ہے، درخت کثرت سے پھل دیتے ہیں، بھیڑیں اپنی تعداد میں اضافہ کرتی ہیں اور سمندر مچھلیوں سے بھر جاتے ہیں۔

دوسرا کوئی تمہیں ہاتھ یا زبان سے ایذاء پہنچائے تو تم برائی کا انتقام لینے کے بجائے اس کو معاف کردو بلکہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دو۔

دنیا میں انفرادی و اجتماعی حیثیت سے انسان کے جتنے مقاصد ہو سکتے ہیں وہ سب حاصل ہو جاتے ہیں بغیر اس کے کہ انسان ان کو مقصود بالذات آئے اور معاشرتی فلاح سے معاشرے میں امن وسکون کا دور دورہ ہوتا ہے۔ خوشحالی بھی باحسن وجوہ حاصل ہو جاتی ہے۔ حکومت وفرمانروائی اور غلبہ وسربلندی اہل ایمان کو حاصل ہو جاتی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مومن کو اصل مطلوب ومقصود یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ورضا دنیا وآخرت میں مل جاتی ہے۔

☆○☆○☆○☆

Marfat.com

علامہ سید افتخار حسین نقوی

رکن اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد

اسلام کے اندر ''عدل'' ان بنیادی مفاہیم (Concepts) میں سے ایک ہے جن پر اسلامی نظام معیشت و سیاست کا تانا بانا استوار ہے۔ اگرچہ اسلام سے باہر دوسرے قدیم و جدید زندگی کے نظاموں میں عدل کا تصور پایا جاتا ہے، مگر وہ تصور غیر واضح اور مبہم ہے۔ جس کی رو سے فرد یا معاشرے کے کردار کو باہر سے کنٹرول کیا جاتا ہے اور یہ کنٹرول زیادہ تر ''سزا کے قوانین'' (penal laws) کی شکل میں کارفرما رہتا ہے۔ اس قسم کے خارجی کنٹرول میں اس نہایت اہم پہلو کو نظر انداز کیا جاتا ہے، جسے ''اخلاق'' کہتے ہیں اور جس کی رو سے فرد یا معاشرے کے رویے اور کردار دونوں کو اندر سے کنٹرول کیا جاتا ہے۔

قوانین اور اخلاق:

اسلام سے باہر اس سے پہلے اور اس کے بعد جتنے بھی زندگی کے نظام آئے، گزرے، اور اب تک کارفرما ہیں، ان سب نظاموں کی بنیاد کم و بیش اس نفسیاتی مغالطے پر ہے کہ انسان محض ایک حیوان ناطق ہے، جسے صرف باہر سے کنٹرول کیا جاسکتا ہے، جو تعزیراتی قوانین کی شکل میں سامنے آتا ہے اور اس کے علاوہ اس سے بہتر اور بالاتر کوئی دوسرا طریقہ موجود نہیں، جس سے انسان کے رویے اور کردار دونوں کو اندر سے کنٹرول کیا جائے۔ بالفاظ دیگر، ان نظاموں میں کسی بلند و برتر ضابطہ اخلاق کے بغیر صرف قوانین کے ذریعے انسان کو محض ایک حیوان ناطق سمجھ کر اس کے کردار کو باہر سے کنٹرول کیا جاتا ہے اور قوانین کے علاوہ اخلاق کے ذریعے انسان کے کردار کے کنٹرول کا تصور ان نظاموں میں نہیں پایا جاتا۔

اسلام میں پیغمبر اعظم ﷺ کی بعثت کا مقصد:

قرآن حکیم جس کا ہدف انسان کے اندر شعورِ ذات، شعورِ کائنات اور شعورِ رب کائنات پر مشتمل ایک سہ بعدی شعور بیدار کرنا ہے، اس نے پیغمبر اعظم ﷺ کا جگہ جگہ تعارف کرایا ہے، جس میں سرفہرست یہ آیات انتہائی غور طلب ہیں:
قرآن حکیم کے اندر اللہ تعالیٰ پیغمبر سے مخاطب ہو کر کہتا ہے: ﴿اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ (اے پیغمبر! آپ عظیم اخلاق کے افق اعلیٰ پر تشریف فرما ہیں)۔ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ (اے پیغمبر! ہم نے آپ کو صرف اور صرف ساری کائنات کے لیے رحمت بنا کر بھیجا)۔ ﴿فَبِمَا رَحْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنْتَ لَھُمْ وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ فَاعْفُ عَنْھُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَھُمْ وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ﴾ (اے پیغمبر! سو یہ اللہ کی طرف سے ایک رحمت کے بل بوتے پر ہوا کہ آپؐ ان لوگوں کے لیے نرم ہو گئے۔ ورنہ اگر آپ درشت مزاج اور سنگدل ہوتے، تو یہ لوگ آپ کے ارد گرد اور آس پاس سے اٹھ کر بکھر جاتے۔ سو آپ ان سے درگزر کیجئے اور ان کے لیے بخشش و مغفرت مانگئے، اور نظام حکومت چلانے میں ان سے مشاورت کیجئے)۔

اللہ اکبر! یہ آیات اور خاص کر یہ تیسری آیت اسلام کے اندر عدل و احسان پر مبنی پیغمبر اسلام (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی سیرت طیبہ کے حوالے سے شورائی اور جمہوری حکمرانی کے وہ زرین تصورات اور اصول اپنے اندر رکھتی ہیں، جن کو بدقسمتی سے ہم نے نظر انداز کیا ہے، بلکہ انہیں پس پشت ڈال دیا ہے جس کا نتیجہ تفرقہ و فرقہ بازی، فتنہ و فساد، خونریزی، اور دہشت گردی کی

Marfat.com

شکل میں پوری امت مسلمہ بھگت رہی ہے۔

اسلام ادیان عالم اور دنیا کے نظام ہائے زندگی کے تناظر میں وہ پہلا دین ہے، جس کے اندر حکومت کے ساتھ نبوت پر مبنی ہدایت، الکتاب (یعنی مدون ضابطہ حیات) اور احسان کی شرط سے مشروط میزان عدل و انصاف لازم و ملزوم ہیں۔ یعنی پیغمبر اسلام ﷺ کے ہاتھ مبارک میں تلوار کی بجائے قرآن حکیم کی شکل میں ان بنیادی اور ضروری مفاہیم پر مشتمل ایک مدون ضابطہ حیات اور دستور العمل ہے۔ جس کے اندر رب کائنات پیغمبر اسلام ﷺ کو اپنی پہلی وحی میں تلوار چلانے کی بجائے پڑھنے پڑھانے کا حکم دیتا ہے اور قلم کی فیض رسانی کو اجاگر کرتا ہے اور یہ سب کچھ پیغمبر اسلام ﷺ ایک معلم انسانیت اور سربراہ مملکت کی حیثیت سے اپنے ذمے بطور فرض قبول کرتا ہے۔ اور اس ضمن میں پیغمبر اسلام ﷺ کی بعثت مبارکہ کی غرض و غایت کو یوں بیان کرتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔

(وہی ذات ہے جس نے ام القریٰ کے رہنے والوں کے اندر انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا، جو انہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور یہ لوگ اس سے پہلے ایک کھلی گم شدگی کی حالت میں تھے)

اللہ اکبر! آپ نے دیکھ لیا کہ پیغمبر اسلام ﷺ اپنے مبارک کام کا آغاز ہی تلاوت آیات، تزکیہ نفس، اور کتاب و حکمت کی تعلیم سے کرتا ہے۔ خدارا مجھے بتا دیجئے کوئی مثال دیجئے کہ قدیم و جدید دنیا کے کس حکمران نے اپنی حکمرانی کا آغاز اس قسم کے ہمہ جہت کام سے کیا ہے؟

خلافت و عدالت:

قرآن حکیم دنیا کا وہ پہلا ضابطہ حیات اور دستور العمل ہے، جس نے حاکم و محکوم کی تفریق و تمیز پر مبنی حکمرانی کے تصور کی بجائے ''خلافت'' (succession) کا تصور پیش کر کے اسے عدالت کے ساتھ مشروط کیا ہے اور اس ضمن میں بطور تمہید خلافت آدم کا قصہ بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین میں ایک خلیفہ کی تقرری کے اعلان پر فرشتوں کا یہ ''اعتراض'' بھی نقل کیا ہے کہ ﴿اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ﴾ (بار الٰہ! تو اسے زمین میں خلیفہ بنا رہا ہے جو خلیفہ بن کر زمین میں فتنہ و فساد پھیلائے گا اور خون کے دریا بہائے گا)۔ اس اعتراض میں انسان کی پوری تاریخ کی تصویر کشی کی گئی ہے، جو بزبان حال بتاتی ہے کہ فرشتوں کا خدشہ درست تھا۔

مگر اللہ تعالیٰ ان کے خدشے کا ازالہ ایک نہایت اہم شے سے کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ وہ ''آدم'' کو ایک محیط اور جامع الأسماء علم سے نوازتے ہیں، جس کی بدولت آدم کی خلافت فتنہ و فساد اور خونریزی کا وسیلہ و ذریعہ بننے کی بجائے امن و سلامتی کا سرچشمہ بنی تھی۔

قرآن حکیم جب کوئی اصطلاح، کوئی لفظ استعمال کرتا ہے تو اسے مبہم نہیں چھوڑتا، بلکہ اس کی وضاحت کرتا ہے۔

Marfat.com

چنانچہ قرآن حکیم خلیفہ کی اصطلاح کے معنی بھی بتاتا ہے، خاص کر حضرت داؤد علیہ السلام سے خطاب خداوندی کے ضمن میں جہاں اللہ تعالیٰ ان سے کہتا ہے: ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى﴾ (اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ مقرر کیا ہے سو لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کیجئے اور خواہشات نفسانی کی پیروی مت کیجئے)۔

یہ آیت دو اور دو چار کی طرح بتاتی ہے کہ خلافت لوگوں کے درمیان جذبات سے بالاتر ہو کر عدل و انصاف کے ساتھ حکمرانی کا ایک پرامن ادارہ ہے، جو فتنہ و فساد اور خونریزی کے خدشات کا ازالہ کرتا ہے۔ خلافت کا اس طرح کا قرآنی مفہوم اس کے عوامی تصور سے قطعاً مختلف شے ہے۔

احترام آدمیت:

قرآن حکیم کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم الاسماء میں آدم کی برتری پر فرشتوں کو جو یہ حکم دیا گیا کہ ﴿اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ (تم سب کے سب آدم کے سامنے سجدے میں گر جاؤ) تو اس میں تین نکتے پوشیدہ ہیں: ایک تو یہ ہے کہ آدمی (یعنی نسل آدم) واجب الاحترام ہے، بقول حکیم مشرق علامہ اقبالؒ:

آدمیت احترام آدمی

باخبر شو از مقام آدمی

دوسرا یہ کہ آدمی کی برتری اور تکریم اس کے حیوان ناطق ہونے میں نہیں، بلکہ اس کے ذی علم ہونے میں ہے۔ اور قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ اہل علم اور جاہل برابر نہیں ہوسکتے ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾۔

تیسرا نکتہ یہ کہ خلافت کے لیے ایک محیط اور جامع الأسماء علم شرط ہے۔ اس اعتبار سے خلافت محض سیاسی ادارہ نہیں، بلکہ ایک علمی اور عرفانی ادارہ ہے، جس کا نصب العین سفلی جذبات سے پاک عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا ہے اور عدل و انصاف اسلامی اقدار میں سے وہ قدر (value) ہے، جو ہر قیمت پر اور ہر حال میں مطلوب و مقصود ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم کا حکم ہے کہ:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا. اِعْدِلُوْا. هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ. اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾

(اے ایمان والو! تم اللہ کے لیے مخلوق خدا کے حقوق کے نگہبان بن جاؤ عدل و انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے۔ اور کبھی بھی تم سے کسی قوم کی دشمنی یہ جرم نہ کرائے کہ تم عدل نہ کرو۔ بلکہ عدل کرو جو ہلاکت کے بچاؤ کی روش کے زیادہ قریب ہے۔ اللہ کے فرامین کی مخالفت سے بچو اور اللہ کو علم ہے، ان سب کاموں کا جو تم کرتے ہو)۔

اس آیت مبارکہ میں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ کسی فرد یا قوم کی طرف سے یا اس کے ساتھ کسی قسم کی دشمنی امت مسلمہ کے کسی فرد یا جماعت کو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ سفلی جذبات سے مغلوب و مقہور ہو کر عدل وانصاف کا دامن

Marfat.com

چھوڑے اور عقل و علم اور حلم کے تقاضوں سے منہ موڑے اور انسان اور انسان کے درمیان انسانی حقوق کے رشتوں کو توڑے۔

اس ضمن میں پیغمبر اسلام ﷺ کا ارشاد ہے کہ "ایک لمحے کا عدل و انصاف ستر سال کے روزوں، نمازوں اور تہجد کی شب بیداریوں سے افضل ہے" (جامع السعادۃ ج۳، ص ۲۲۳)۔ اس کی وجہ سے آپؐ یہ بتاتے ہیں کہ "ایک عادل رہنما اور حکمران کی دعا کبھی بھی رد نہیں ہوتی" (نظام الاسلام السیاسی، ص ۷۱)۔ قرآن حکیم کی رو سے امن وسلامتی اس امر کا فطری اور منطقی نتیجہ ہے کہ ایک قوم جو مومن ہونے کا دعویٰ کرتی ہے وہ اپنے ایمان کے آئینے کو ظلم و زیادتی کی آلائش سے آلودہ نہ کرے۔

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ﴾۔

امامت وعدالت:

امامت جو خلافت کی روحانی اور بنیادی اساس ہے، وہ ظلم و زیادتی کی کبھی بھی مرکب نہیں ہوسکتی۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا کچھ امور میں امتحان لیا، جن پر وہ پورے اترے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا: ﴿إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا﴾ (اے ابراہیم! میں آپ کو نوع انسانی کا امام مقرر کرنے والا ہوں)۔ یہ خوشخبری سن کر حضرت سیدنا ابراہیم علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ سے گزارش کی: ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِي﴾ (اور میری اولاد میں سے؟) اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے دوٹوک الفاظ میں ارشاد فرمایا: ﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾ (اے ابراہیم! امام بننے کے لیے عادل و منصف ہونا شرط ہے۔ میرا یہ عہد و پیمان ظالموں کے حصے میں نہیں آسکتا)۔

اس آیت سے روز روشن کی طرح قرآن حکیم وضاحت کرتا ہے کہ قیادت اور ظلم وزیادتی سے عصمت ایک ناگزیر شرط ہے۔ بعینہٖ اسی طرح، جس طرح ایک ہوا باز کے لیے جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی لحاظ سے تندرست ہونا شرط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب امام علیؑ فرماتے ہیں: الملك قد يبقى مع الكفر ولا يبقى مع الظلم (مملکت کفر کے ساتھ تو چل سکتی ہے، مگر ظلم کے ساتھ نہیں چل سکتی)۔ اس کی علت آپ یہ بتاتے ہیں کہ "عدل و انصاف عوام کی فلاح و بہبود کی روح و جوہر اور اللہ تعالیٰ کے متعین فرمودہ صراط مستقیم پر چلنے کے مترادف ہے"۔ اور یہ بھی کہ "عدل وانصاف معاشرے کی زندگی اور ظلم و زیادتی اس کی موت ہے" (قصار الجمل)۔

اس ضمن میں امام موسیٰ کاظمؑ کی طرف سے قرآن حکیم کی اس آیت کی تشریح کہ "وہی ذاتِ پاک ہے، جو آسمان سے بارش برساتی ہے، اور اس سے وہ زمین کو اس کے مرچکنے کے بعد زندہ کرتی ہے" بڑی غور طلب ہے۔ آپ فرماتے ہیں: "زمین زندگی کی طرف لوٹ آتی ہے، یوں کہ وہ عدل و انصاف کا نظام چلانے لگتی ہے، اور ربانی قوانین جزاء وسزا کا نفاذ کرتی ہے" (کتاب قصار الجمل)۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت طیبہ کے مختلف اور متنوع باغیچے کے سیر حاصل مطالعے کے بعد ایک ذی شعور قاری جس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ آپؐ قرآن حکیم کے جوامع الکلم اور غرر الحکم کے اندر پوشیدہ علمی عرفانی، تہذیبی اور اخلاقی اقدار کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ آپؐ کے بارے میں آپؐ کی زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے سچ کہا کہ کان خُلُقه القرآن (آپ اخلاق میں قرآن مجسم تھے)۔ گویا اگر بین الدفتین قرآن صامت ہے، تو آپ قرآن ناظم ہیں۔ اور

Marfat.com

قرآنی آیت ﴿شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا﴾ کے مصداق یہ وہ معتبر اور درخور فکر ونظر شہادت ہے جو آپؑ کے اہل خانہ کے ایک رکن رکین نے آپؑ کے حق میں دی ہے کیونکہ کوئی شخص بھی، چاہے وہ تاریخ میں کتنا ہی بڑا نام کیوں نہ رکھتا ہو، اپنے گھر کا ہیرو نہیں بن پایا اور کسی شخص کے بارے میں اس کے ضمیر نے یہ گواہی نہیں دی، جو قرآن حکیم نے آپؑ کے بارے میں دی کہ ﴿وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰیO اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی﴾ (ہمارا یہ پیغمبر جب بھی بولتا ہے، تو وہ پست جذبات کے تحت نہیں بولتا۔ بلکہ اس کا نطق صرف اور صرف وحی سے عبارت ہوتا ہے جو اس کی طرف بلا انقطاع کی جاتی ہے)۔

☆○☆○☆○☆

Marfat.com

(ج)

مقالات

Marfat.com

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر۔ لاہور

مقدمہ:

اسلام دین فطرت ہے۔ فطرت خواہ انسان سے متعلق ہو یا کائنات سے، اس میں حسن و توازن، تناسب اور اعتدال کا نقش بہت واضح اور نمایاں ہے۔ عدل صفاتِ الٰہیہ میں ایک ممتاز صفت ہے جس کا اظہار حیات اور آفرینش کے تمام تر مظاہر میں دکھائی دیتا ہے۔ اس کائنات کی مختلف مخلوقات اور مظاہر فطرت، عدل کے باعث موجود و برقرار ہیں۔ انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے، اس باعث اسے عدل کو سمجھنے اور اختیار کرنے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں بھی عدل کا پہلو نمایاں ہے۔ انسان کو اس جہاں رنگ و بو میں جو تمیز اور ارادہ کی قوتیں اور اختیارات بخشے گئے ہیں، عدل کا تقاضا ہے کہ اس کائنات کی صفوں کو لپیٹ کر ایک ایسا دن برپا کیا جائے جہاں اور جب انسانی اعمال کی جز او سزا کا فیصلہ عدل کے ساتھ کیا جا سکے۔

اسلامی شریعت میں عدل کا تصور دو اجزا سے عبارت ہے: ایک یہ کہ بنی نوع انسان کے درمیان مختلف حقوق و رعایات میں توازن و تناسب قائم کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ ہر کسی کو اس کا استحقاق دیا جائے اور اس کے حق کو ادا کرنے کی یقینی صورت پیدا کیا جائے۔ اس تصور عدل کے بغیر فرد ہو یا معاشرہ یا ریاست، ہلاکت خیز اور سنگین نتائج کا سامنا کرتے ہیں۔

عَدَل عربی گرامر کی رو سے مصدر ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں چھبیس مقامات پر بیان ہوا ہے۔ قرآن مجید میں عدل کو مزید برابری، نیک نیت، قیمت، مردِ صالح اور حق و انصاف کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اردو زبان میں عدل کے لیے عموماً انصاف کا لفظ مترادف کے بطور استعمال ہوتا ہے جو علمی اور لغوی اعتبار سے چنداں درست نہیں ہے۔ انصاف کے معنی ''تنصیف یا نصفِ نصف کرنے'' کے ہیں۔ یوں اس سے مراد حقوق کو محض برابر تقسیم کر دینا ہے لیکن عدل کی قرآن اصطلاح محض مساویانہ تقسیم حقوق کا نام نہیں ہے کیونکہ مساوات مجرد انداز میں، خلافِ فطرت امر ہے۔ حقیقت میں عدل کا تقاضا یہ ہے کہ مساوات کی بجائے توازن و تناسب قائم کیا جائے۔ مساوات اگرچہ عدل کی روح میں شامل ہے جیسا کی مدنی حقوق اور شہری آزادیوں میں یہ تصور موجود ہے مگر جہاں تک والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی مساوات کا تعلق ہے، یہ اخلاقاً درست نہیں ہے۔ شریعت کی رو سے عدل کا تقاضا ہے کہ ہر فرد کے قانونی، آئینی، تمدنی، سیاسی، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی حقوق کو پوری ذمہ داری اور آخرت کی جوابدہی کے احساس کے ساتھ ادا کیا جائے۔ (۱)

عدل کی حقیقت کو جاننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کائنات کے تکوینی امور میں اس صفت کا کمال درجہ خیال رکھا ہے اس کائنات کے تمام اجزائے آفرینش عدل کے باعث برقرار ہیں اور ان کے منافع اور ثمرات بھی تکوینی امور

Marfat.com

میں عدل کی موجودگی کے باعث میسر ہیں۔ کائنات کے یہ تمام اجزاء اور عناصر ایک خاص تناسب اور توازن کے ساتھ موجود ہیں۔ ان اجزا میں حرکت وسکون کا عمل اپنی اپنی جگہ بہت حکمت آموز ہے۔ اس کائنات میں جو کمال درجہ توازن و تناسب دکھائی دیتا ہے، اس حقیقت کی طرف قرآن مجید نے مختلف مقامات پر توجہ دلائی ہے ...... سورۃ الملک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ. ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیۡرٌ﴾(۲)

''تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ضابطگی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے ...... بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نظر تھک کر نامراد پلٹ آئے گی''۔

یہ کائنات عدلِ تکوینی کا ایک سدا بہار اور زندۂ جاوید خزانہ ہے۔ اس جہاں کی ساری نعمتیں عدلِ تکوینی کے باعث ہیں۔ زمین کے خزانے اور فضا کے انعامات سبھی تناسب وتوازن کے باعث ہمیں میسر ہیں۔ اگر اس کائنات کے اجزا میں عدلِ تکوینی کی صفت غائب ہو جائے یا کم پڑ جائے تو یہ زمین آسمان کے درمیان موجود کائنات، انسانیت اور دوسری مخلوقات اور افزائش و پیدائش کے لیے جہنم زار بن جائے۔ فطرت کا یہ مستقل ضابطہ اور قاعدہ ہے کہ جو چیز تناسب اور توازن کو اختیار کر کے عدل تکوینی کا مظہر بن جائے گی، وہ انسانیت کے لیے رنگا رنگ اور متنوع فوائد اور ثمرات پیش کرے گی اور جن اجزائے کائنات میں سے عدل گستری اور توازن و تناسب کا یہ حسن ختم ہو جائے گا، وہ انسانیت کے لیے فائدے کی بجائے نقصان کا موجب ہوں گے۔

قرآن مجید میں عدل کی صفت کو قسط اور حق کے الفاظ کے ساتھ بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

سورۂ آل عمران اور سورۂ ص کی یہ آیات ملاحظہ کیجیے ......

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الۡمَلٰٓئِکَةُ وَ اُولُوا الۡعِلۡمِ قَآئِمًۢا بِالۡقِسۡطِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ﴾(۳)

''اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور فرشتے اور سب اہل علم بھی راستی اور انصاف کے ساتھ اس پر گواہ ہیں کہ اس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی الٰہ نہیں''۔

دوسری آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کو زمین کی خلافت عطا کرتے ہوئے حق و انصاف اور عدل کی تعلیم ان الفاظ میں دی ہے:

﴿یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلۡنٰکَ خَلِیۡفَةً فِی الۡاَرۡضِ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ بِالۡحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الۡهَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَضِلُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌۢ بِمَا نَسُوۡا یَوۡمَ الۡحِسَابِ﴾(۴)

''اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تم لوگوں کے درمیاں حق کے ساتھ حکومت کرو اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرو، وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی''۔

یوں عدل کے تصور کو قرآن مجید میں حق اور قسط کے الفاظ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ آخرت میں اعمال کے لیے جو ترازو لگائی جائے گی، اس کو بھی عربی زبان میں قسطاس کہتے ہیں۔ بعثت انبیاء کے ساتھ جن فرائض اور ذمہ داریوں کو وابستہ رکھا

Marfat.com

گیا ہے، ان میں بھی عدل کا قیام بنیادی امور میں شامل ہے۔ سورۂ شوریٰ میں پیغمبر آخر الزماں کو فرائض نبوت کے سلسلے میں یوں خطاب کیا گیا ہے:

﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَّاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ (۵)

''مجھے حکم دیا گیا ہے میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔ اللہ ہی ہمارا رب ہے اور تمہارا رب بھی ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہمارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ایک روز ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے''۔

سورۃ الشوریٰ کی اس آیت میں نظام عدل کے ساتھ قیام عدل کی بات کی گئی ہے۔ یہاں حضور ﷺ کو ایک قاضی اور جج کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور آپ کو ضوابطِ شریعت کے مطابق عدل قائم کرنے کا فریضہ سونپا جا رہا ہے۔ وقائع سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے مکی زندگی میں عقائد میں عدل کرنے کی تلقین کی اور پھر مدنی زندگی میں جب ابتداء چار مربع میل کی اسلامی ریاست وجود میں آگئی تو اس میں قیام حق اور نفاذِ عدل کے لیے اپنی کوششیں جاری رکھیں تا آنکہ اسلامی ریاست کا رقبہ آپ کی حیات طیبہ میں بارہ لاکھ مربع میل تک پھیل گیا۔ اس وسیع سلطنت میں آپ کے قیام عدل کی ذمہ داریوں کے لیے بعض دوسرے صحابہ کرامؓ کو بھی امورِ عدل اور فرائض انصاف تفویض کیے اور یوں ان حضرات کے فیصلوں کے بعد آپؐ کی حیثیت ایک اپیلیٹ کورٹ کی اختیار کر گئی۔ (۶)

حضور سرور کائنات نے عدل کے قیام میں سب لوگوں کے ساتھ یک جہتی کا اسلوب اختیار فرمایا، اپنوں اور بیگانوں کے درمیان تفریق کو ختم کر دیا۔ انصاف میں عربی عجمی، گورے کالے، امیر اور غریب، اعلیٰ اور ادنیٰ نسب کے تمام تر تعصّبات کو ختم کر دیا۔ یوں عدل کے قیام میں دنیا کے سامنے نئے نظائر اور جدید شواہد سامنے آئے۔ جن سے انسانیت اس سے قبل ان سے محروم تصور کی جاتی تھی۔

مکی زندگی میں اگرچہ نفاذ عدل کے تقاضے موجود نہ تھے مگر دین حق کی پیش کش میں کوئی امتیاز روا نہ رکھا۔ یہ دعوت سب کے لیے یکساں تھی اس کی قبولیت کے لیے حلال تھا تو سب کے لیے حلال تھا حرام تھا تو سب کے لیے حرام تھا۔ شریعت کے ضابطے رنگ و نسل، علاقہ اور زبان کے تصورات سے ماورا تھے اور سب کے لیے یکساں لائق تعمیل تھے۔ پیغمبر آخر الزماں ﷺ نے پوری دنیا میں عدل قائم کرنے کی دعوت دی۔ لوگوں کے درمیان انصاف کرنے کی نہ صرف دعوت دی بلکہ قیام امن کی تمام صورتوں کو بروئے کار لائے اور مختلف طبقات کے درمیان پائی جانے والی بے اعتدالیوں کا مداوا کیا۔ بچوں، عورتوں، ضعیفوں، غلاموں، مزدوروں حتیٰ کہ جانوروں، درختوں اور فصلوں تک کے ساتھ حق و انصاف کی ایک اصولی تعلیم دی گئی ہے۔ دوست تو کجا دشمن کے ساتھ بھی انصاف کا رویہ اختیار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اسلامی شریعت میں عدل کی اہمیت قرآنی آیات اور اسوۂ رسول سے واضح ہو جاتی ہے۔ عدل چونکہ صفات الٰہیہ میں شامل ہے اس لیے قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے اسے اپنی کائنات اور

Marfat.com

اپنی سرزمین پر قائم کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ سورۃ النحل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾(۷)

''اللہ تعالیٰ عدل و احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور برائی، بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق حاصل کرو''۔

اس روایت بالعدل قامت السموات والارض (یعنی زمین و آسمان عدل کے سہارے قائم ہیں) کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کے سیاروں میں اس قدر توازن و تناسب اور ہم آہنگی ہے کہ اگر ان کی کشش اور حرکت میں ذرا بھی کمی و بیشی ہو جائے تو زمین و آسمان ایک دوسرے سے ٹکرا کر کائنات کو فنا کر دیں۔ (۷ الف)

عدلِ اجتماعی کا تصور و اہمیت:

شریعت الٰہیہ میں عدل کا کیا مقام ہے؟ اس کے قیام پر کس درجہ توجہ دی گئی ہے؟ فرائض نبوت میں اسے کیونکر شامل کیا گیا ہے نیز عام مسلمانوں کو عدل کی روش اختیار کرنے کی تعلیم کیوں دی گئی ہے؟ ان سب امور پر ہمیں بھرپور توجہ دینی چاہیے۔ عدل کا ہماری عملی زندگی سے گہرا تعلق ہے لیکن انفرادی دائرے سے آگے بڑھ کر اسلام ہمیں عدل اجتماعی کو اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے یوں عدل انفرادی زندگی کو متاثر کرنے کے بعد دینی اجتماعی شکل میں معاشرتی، معاشی، قانونی اور سیاسی پہلوؤں کو متاثر کرتا ہے۔ اسلام پہلی صدی کے آخر تک تین بر اعظموں کو مسخر کر چکا تھا۔ یہ اعجاز آفرینی اسلام کے عادلانہ پیغام کے باعث ہے۔ اسلام نے دنیا کی دوسری اقوام کو جس تیزی اور سرعت کے ساتھ اپنے اندر سمو لیا، یہ تاریخ ساز پہلو اسلام کے عدلِ اجتماعی کے باعث ہے۔ اسلام اور دینِ شریعت کی عادلانہ روش نے اس نظام زندگی کے تمام تر روشن امکانات کو اہل دنیا کے سامنے واضح کیا اور انہوں نے جوق در جوق اسے تسلیم کر لیا، اسلام کے اس عادلانہ پہلو کی تعریف میں سینکڑوں مستشرقین اور یورپی اہل علم رطبُ اللسان دکھائی دیتے ہیں۔ آیئے ہم عدل کے انفرادی، اجتماعی، معاشرتی، سیاسی، معاشی اور قانونی پہلوؤں کا بالتفصیل جائزہ لیں۔

جہاں تک انفرادی عدل کا تعلق ہے، اسلام نے ایک فرد کے لیے حقوق و فرائض کا ایک دائرہ کھینچ دیا ہے، اسے حلال و حرام کی واضح تمیز عطا کر دی گئی ہے۔ اسے ظلم، شرک، بد دیانتی، بد عہدی، بد کرداری، دھوکہ بازی، دجل، فریب اور اخلاقِ فاسدہ کے تمام پہلوؤں سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ پیدائش سے موت تک ایک مسلمان کو معاشرے کے مختلف اداروں اور معاملات سے تعلق استوار کرنا ہوتا ہے۔ شریعت نے ایک فرد کی حیثیت سے ہر جگہ اسے عدل اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔

قرآن مجید نے سورۂ مائدہ میں عدل کے اسی پہلو کو متعارف کراتے ہوئے ہمیں تلقین کی ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾(۸)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے

Marfat.com

والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہی خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے، اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے''......

پھر ایک دوسرے مقام پر قرآن مجید یوں بیان کیا گیا:

﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ﴾(۹)

''کہہ دو میرے پروردگار نے (مجھے) انصاف کرنے کا حکم دیا ہے''۔

قسط کا لفظ بھی عدل ہی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں عدل کی اس مترادف اصطلاح کو ۲۲ مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں مومنوں کی صفات میں عدل گستری کو ایک اہم مقام دیا ہے...... سورۃ اعراف ہی میں بیان ہوا ہے:

﴿وَ مِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ یَعْدِلُوْنَ﴾(۱۰)

''اور ہماری مخلوق میں سے ایک وہ لوگ ہیں جو حق کا راستہ اپناتے ہیں اور اس کے مطابق انصاف بھی کرتے ہیں''۔

دین و شریعت کا علم رکھنے والے اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ اسلام انفرادی تربیت کے نتیجے میں ایک اجتماعی ماحول پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تمام عبادات کا مزاج اجتماعیت پسندانہ ہے۔ مسجد، مکتب اور معاشرہ بھی اجتماعی ادارے ہیں۔ عدل اجتماعی کا تقاضا ہے کہ یہ عدل کے عالمگیر پہلو کو سامنے لائیں۔ عدل کا عمل فرد، خاندان، معاشرہ اور ریاست کے تمام اداروں کے ساتھ متعلق ہے۔ حقوق الاولاد، حقوق والدین، حقوق الزوجین، ہمسائے کے حقوق، وراثت کے حقوق، بنیادی حقوق حتیٰ کہ نفس کے حقوق سے لے کر عالمی حقوق تک کے ہر مرحلے کے لیے شریعت کی ترجمانی ہمارے سامنے ہے۔ جنگ و جہاد میں اسلام نے مفتوحین کے حقوق کو کس شان کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ میثاق مدینہ میں ایک اسلامی ریاست کی حدود میں بسے والے مختلف مذاہب اور ملتوں کے افراد کے حقوق کو بھی تحفظ دیا گیا ہے۔(۱۱)

اسلام نے عدلِ اجتماعی میں معاشرتی حقوق کو بہت نمایاں مقام دیا ہے۔ نام و نسب کے حوالے سے دنیا میں بہت سے فتنے موجود ہیں۔ قرآن مجید نے انسان کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے ہر قسم کے معاشی امتیاز اور جاہلیت کی جڑ کاٹ دی ہے ...... وحدتِ آدم کا درس سورۃ النساء کی پہلی آیت میں یوں دیا گیا ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا﴾(۱۲)

''لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔ اس خدا سے ڈرو! جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور رشتہ قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے''۔

انسانی معاشرت میں رنگ و نسل کے امتیازات کے باعث بے انصافی کو فروغ ملتا ہے۔ قرآن مجید نے سورۃ الحجرات

Marfat.com

میں افراد کے امتیازات کو رنگ و نسل کی بجائے عبادت و تقویٰ سے جوڑ دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾ (۱۳)

''اے انسانو! ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری مختلف قومیں اور خاندان بنائے تاکہ ایک دوسرے کی پہچان کر سکو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے''۔

معاشرتی عدل کی اہمیت کا اندازہ ہمیں خطبہ حجۃ الوداع کے اس حصے سے بھی ہوتا ہے جس میں حضور سرور کائناتؐ نے فرمایا:

''اے لوگو! تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے بنایا گیا، نسب قابل فخر بات نہیں۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت نہیں تم میں سے سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے''۔ (۱۴)

معاشرتی عدل کے نمونے تاریخ اسلام کا انمول سرمایہ ہیں۔ عدل کا یہی وہ پہلو ہے جس نے غلاموں کو آقاؤں کے برابر ہی نہیں، ان کی قیادت میں کام کرنے کا عظیم درس دیا ہے۔ بالتخصیص عورتوں کو اسلام نے جو حقوق دیے، وہ معاشرتی عدل کا سب سے عظیم پہلو ہے۔ اسلام، دنیا کا واحد دین ہے جس نے عورت کو شرف کا تحفظ کیا اور بلند ترین مقام سے نوازا ہے۔ اسی طرح معاشرتی عدل میں بیوہ اور یتیموں کے حقوق کی پاسداری کا جو درس دیا گیا ہے، وہ بھی قابل توجہ ہے۔ (۱۵)

اسلام اپنے ماننے والوں کو ایک اجتماعی نظام میں پروکران کا ایک معاشرہ اور ان کی ایک ریاست قائم کرنا چاہتا ہے۔ مدینہ کی ریاست عدلِ اجتماعی کا پہلا گہوارہ ہے۔ اسلامی ریاست میں اگر سیاسی عدل کو قائم کیا جائے تو اس کے نتیجے میں افراد کو اور اداروں کو ہر نوعیت کے ظلم سے چھٹکارا نصیب ہوتا ہے۔ ریاست ایک قوت کا نام ہے جس کے زیر سایہ مختلف افراد اور ادارے عدل سے کام لیتے ہیں اور ریاست ہر قسم کے ظلم اور جبر کا دفاع کرتی ہے۔ سیاسی عدل کے حوالے سے ریاست افراد کو انتظامی اداروں کے ظلم سے بھی محفوظ رکھتی ہے۔ اگر سیاسی عدل کو برقرار نہ رکھا جائے تو معاشرے اور ریاست کا وجود معرضِ خطر میں آجاتا ہے۔ کنز العمال کی ایک حدیث ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو ذرؓ کو انتظام کی اہمیت سے باخبر کرتے ہوئے فرمایا:

''اے ابو ذرؓ! تم کمزور آدمی ہو اور حکومت کا منصب ایک امانت ہے۔ یہ منصب قیامت کے دن رسوائی اور ندامت کا باعث ہوگا بجز اس شخص یا عہدہ دار کے جس نے اپنے عہدے کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہوگی اور خود پر عائد شدہ ذمہ داری کا حق ادا کیا ہوگا''۔ (۱۶)

تاریخ اسلام میں خلافتِ راشدہ سیاسی عدل کی بہترین مثال ہے۔ (۱۷)

بعثتِ انبیاء کا مقصد:

Marfat.com

عدل کی اہمیت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے منصب رسالت کا ایک پہلو یہ ہے کہ آپ لوگوں کو انصاف بھی فراہم کرنے پر فائز ہیں۔ (۱۸)

انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد جہاں لوگوں کو اللہ کا پیغام سمجھانا ہوتا ہے وہاں ان کا ایک فریضہ لوگوں کو عدل فراہم کرنا بھی ہوتا ہے۔ (۱۹)

عدل تقویٰ کے قریب:

عدل کی اہمیت کا ایک پہلو یہ ہے کہ فرمایا ''تم عدل کیا کرو کیونکہ عدل تقویٰ کے زیادہ قریب ہے''۔ (۲۰)

ظالم قوموں کے زوال کا سبب:

نبی اکرم ﷺ نے قوموں کے زوال کے اسباب میں سے ایک سبب یہ قرار دیا ہے کہ یہود کے ہاں اگر با اثر آدمی جرم کرتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا تھا اور اگر کوئی کمزور پھنس جاتا تو اسے سزا میں جکڑ دیا جاتا تھا۔ (۲۱)

غیر مسلموں سے عدل:

اسلام غیر مسلموں کے ساتھ بھی عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے۔ سورۃ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۵ میں ارشاد ہے:

﴿وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (۲۲)

ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل وانصاف کروں۔

اس آیت کے مخاطب یہود ہیں گویا کہ آنحضور کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہود جو نہ صرف غیر مسلم بلکہ آپؐ کے جانی دشمن تھے، کے درمیان بھی عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ یہود مدینہ اپنے اکثر مقدمات آپؐ کے پاس لایا کرتے تھے تو آپؐ ان کے فیصلے عدل وانصاف کے ساتھ فرما دیا کرتے تھے۔

سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۹ میں فرمایا کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس کے بارے میں عدل نہ کرو'۔ (۲۳) اسی حکم کا اثر تھا کہ یہود اپنے فیصلے حضورؐ کے پاس لایا کرتے تھے۔

سورۃ الممتحنہ کی آیت نمبر ۸ میں فرمایا کہ جن کافروں نے آپؐ سے جنگ نہیں کی اور انہوں نے آپ کو آپ کے گھروں سے نہیں نکالا (ہجرت کرنے پر مجبور نہیں کیا) اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے منع نہیں کرتا کہ تم ان سے نیکی کا سلوک کرو اور ان سے عدل کرو۔ (۲۴)

نبی کریمؐ نے خیبر کی فتح کے بعد مفتوحہ زمینوں کے معاملات طے کرنے کے لیے جب عبد اللہ ابن رواحہؓ کو بھیجا تو یہود نے انہیں رشوت دے کر نرمی حاصل کرنا چاہی تو انہوں نے فرمایا تمہاری ان زمینوں کے مقابلے میں نبی کریمؐ کی محبت اور حکم زیادہ عزیز ہے۔ یہود نے کہا کہ اسی عدل کی وجہ سے زمین و آسمان کا نظام قائم ہے۔ (۲۵)

اسلام میں عدل کی یہ اہمیت ہے کہ اسے صرف قانون کے رحم پر ہی نہیں چھوڑا گیا بلکہ اسے دین کے فرائض میں شامل کیا گیا ہے اور ظلم کرنے والے کو آخرت کی سخت وعید سنائی گئی ہے۔ معاشرتی، معاشی اور سیاسی عدل کی خلاف ورزی کی صورت قانون بھی سزا دیتا ہے اور اللہ کے ہاں بھی عدل نہ کرنے والا قابل مواخذہ ہے۔ قرآن میں ہے کہ ظلم کرنے والے کبھی

Marfat.com

کامیاب نہیں ہو سکتے (الانعام: ۲۱) اور اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔(۲۶)

عدل کی مختلف صورتیں

ا۔معاشی عدل:

عدل کی مختلف اقسام اور نوعیّتوں میں ایک نازک تر پہلو معاشی عدل کا ہے۔ آج پوری دنیا معاشی لوٹ کھسوٹ، سود، ذخیرہ اندوزی، نفع خوری اور اسراف و تبذیر کے شکنجوں میں جکڑی نظر آتی ہے۔ اسلام معاشی ظلم کی ہر شکل کو مٹانا چاہتا ہے اور معاشی لحاظ سے ایک عادلانہ معاشرے کا تمنائی ہے......

قرآن مجید میں سورۃ البقرۃ میں مسلمانوں کو تعلیم دی گئی ہے:

﴿وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾(۲۷)

''اور آپ میں ایک دوسرے کے اموال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لیے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے''۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے معاشی عدل کے لحاظ سے یتیموں کے اموال کے بارے میں احتیاط ملحوظ رکھنے کی تعلیم دی ہے۔ (۲۸) بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے (۲۹) کم تولنے والوں کے لیے تباہی کا ذکر کیا ہے(۳۰)۔ اسراف اور تبذیر سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ مال و دولت پر سانپ بن کر بیٹھنے اور ارتکازِ دولت کو ممنوع قرار دیا ہے(۳۱)۔ یوں اسلام معاشی عدل کے ایک ایسے پہلو کو پیش کرتا ہے جس سے اسلامی معاشرہ ہر قسم کی لوٹ کھسوٹ سے اور معاشی ناہمواریوں کی تباہ کاریوں سے محفوظ ہوتا ہے۔

۲۔ قانونی عدل

عدل کی سب سے اہم نوعیت قانونی عدل ہے۔ شریعت معاشرے میں ہر نوعیت کے ظلم اور حق تلفی کا ازالہ کرتی ہے۔ اسلام، کسی فرد/ادارے یا ریاست تک کو بھی اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ کسی کی حق تلفی کرے یا ناحق مال ہڑپ کرے یا کسی کی عزتِ نفس کو مجروح کرے۔ شریعت ہر فرد کے جان و مال اور مسلمہ بنیادی حقوق کی حفاظت کرتی ہے۔ لیکن بعض وہ حقوق بھی فرد کو عطا کرتی ہے جن کا تصور آج کے جدید اور مہذب معاشروں میں موجود نہیں۔ اسی لیے سورۃ النساء میں حکم دیا گیا:

﴿وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾(۳۲)

''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ کرو''۔

امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: ''امرٌ منه تعالیٰ بالحکم بالعدل بین الناس''(۳۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حکم دیا کہ لوگوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کراؤ۔

اسلام نے عدل و انصاف کے ضوابط متعین کر دیے ہیں۔ حدود کا نظام واضح اور تعزیرات کو جرائم کی نوعیت کے

Marfat.com

مطابق اختیار کرنے کی حدود بتا دی ہیں یہی باعث (وجہ) ہے کہ جس معاشرے میں اسلامی قوانین کا اطلاق اور نفاذ ہوتا ہے وہاں بدامنی، ظلم اور لوٹ کھسوٹ کا خاتمہ ہوتا ہے۔ فرد کے جان و مال اور عزت و ناموس کو تحفظ ملتا ہے۔ ہر فرد کی معاشی کفالت کی ذمہ دار ریاست ہے۔

اسلامی قانون میں حلال و حرام واضح اور حدود تعزیرات متعین ہیں۔ مگر انفرادی، اجتماعی، معاشرتی، سیاسی، معاشی اور قانونی عدل اسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب کہ اسلامی ریاست اپنے تمام اداروں سمیت قائم ہو، احتساب کا عمل پختہ ہو اور مناصب پر خدا ترس، مستحق اور ایماندار لوگ فائز ہوں۔ یہی باعث ہے کہ قرآن نے ہمیں حکم دیا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (۳۴)

''مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو''۔

قیام عدل کے بغیر شرف انسانی کا تحفظ ممکن نہیں۔ اس کے لیے انفرادی اور اجتماعی ہر دو سطح پر کوششیں ہونا چاہیے۔ اگر وحی الٰہی کے مطابق عدل گستری نہ کی جائے تو یہ مشرکانہ، فاسقانہ اور کافرانہ طرزِ عمل ہے۔ قیام عدل کے بغیر امن ممکن نہیں جو ایک مہذب ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ تاریخ انسانی، خلافت علی منہاج النبوۃ سے بہتر عادلانہ معاشرے کی آج تک کوئی دوسری مثال پیش نہیں کر سکی۔ جس کی پیروی میں تاریخ اسلام نے ہر دور میں عدل کی روشن، حکمت آموز اور بصیرت افروز مثالیں قائم کی ہیں۔

۳۔ اپنی ذات سے عدل:

اسلام نے تو اپنی ذات کے ساتھ بھی عدل کرنے کا حکم دیا ہے یعنی انسان اپنی ذات کو بھی ایسی مشقتوں اور ریاضتوں میں نہ ڈالے جن کا حکم شریعت نے نہیں دیا۔ یا جہاں اس کی جان خطرے میں پڑ سکتی ہو۔ مشقت میں ڈال کر چلہ کشی کرنا۔ مسلسل روزے رکھنا وغیرہ اس میں شامل ہے۔ اپنے حقوق سے خواہ مخواہ دستبردار ہو جانا۔ اپنے حق کے لیے جدو جہد نہ کرنا اپنی ذات سے عدل کیخلاف ہے۔ (۳۵)

۴۔ معاشرتی زندگی میں عدل:

معاشرتی زندگی میں عدل و انصاف کی بڑی اہمیت ہے۔ عدل دراصل کامیاب معاشرہ کی جان ہے۔ اگر یہ معاشرتی زندگی سے نکل جائے تو پھر انسانی زندگی جہنم بن جاتی ہے۔ گھر، عزیز و اقارب اور معاشرہ میں ہر کسی کو اس کا متعینہ مقام و احترام دیا جائے۔ والدین، قریبی رشتہ دار، محلہ دار، اساتذہ، معاشرے کے کمزور لوگ اور غرباء، عمر میں چھوٹے، غرض سب کے حقوق شریعت اور معاشرتی روایات میں متعین ہیں۔ معاشرتی عدل یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کے حقوق دیئے جائیں۔ (۳۶)

۵۔ عائلی زندگی میں عدل:

اگر عائلی زندگی میں عدل و انصاف نہ ہو تو میاں بیوی زندگی کے دن آرام و سکون سے نہیں گزار سکتے۔ اس عدل و انصاف کی ضرورت اس وقت اور زیادہ پڑتی ہے جب کسی کے نکاح میں ایک سے زائد بیویاں ہوں۔ اسلام نے دوسرے نکاح

Marfat.com

کو عدل کے ساتھ مشروط کر دیا۔ ارشاد ہے:

﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً ﴾ (۳۷)

ترجمہ: ''اگر تمہیں خوف ہو کہ تم انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی پر اکتفا کرو''۔

سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۲۹ میں فرمایا اگر تمہاری ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان میں سے کسی ایک ہی کی طرف جھک نہ جاؤ کہ دوسری بیوی معلق حالت میں رہ جائے۔ (۳۸)

نبی اکرمؐ نے اپنی بیویوں کے ہاں باری مقرر کر رکھی تھی اور تمام بیویوں کو عدل کے مطابق وقت دیتے تھے۔

۶۔ اولاد میں عدل:

اولاد کے درمیان عدل و انصاف بھی ضروری ہے۔ وگرنہ ان کے درمیان بغض اور عناد کے جذبات پیدا ہوں گے۔ حضور اکرم ﷺ نے ساری اولاد کے ساتھ ایک سا سلوک کرنے کی تعلیم دی ہے خانگی معاملات میں سکون پیدا کرنے کے لیے یہ ایک زریں اصول ہے جسے کسی وقت بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ایک صحابی نے اپنے ایک بیٹے کو کچھ مال دیا اور حضورؐ کو اس میں ضامن بنایا۔ آپؐ نے پوچھا کہ کیا تم نے اپنے دوسرے بچوں کو بھی یہ کچھ دیا ہے؟ تو اس نے نفی میں جواب دیا تو آپؐ نے فرمایا کہ پھر اس ظلم کے کام میں میں گواہ نہیں بنوں گا۔ (۳۹)

۷۔ اہل خانہ میں عدل:

ہماری معاشرتی زندگی کے بہت سے مسائل اور گھریلو جھگڑے اس لیے پیدا ہوتے ہیں کہ ہمارے گھروں کے سربراہ اور ذمہ دار اپنے سے چھوٹوں سے عدل نہیں کرتے۔ بیٹیوں کو وراثت میں حصہ نہ دینا، بیٹوں کو بیٹیوں پر ترجیح دینا، اولاد میں کسی ایک کو زیادہ اختیارات دے دینا۔ جائیداد برابر تقسیم نہ کرنا، جائیداد سے محروم کرنے کے لیے کسی ایک بچے کو عاق کر دینا، یہ سب عدل کے منافی کام ہیں۔ گھر کی بہوؤں سے مساوی سلوک نہ کرنے سے گھروں کی زندگی اجیرن بن کر رہ گئی ہے۔ گھروں کے اندر پائی جانے والی یہ کشیدگی عدل کے ذریعے دور ہو سکتی ہے۔

عدل کے حوالے سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا وہ خطبہ معاشرے کے ہر صاحب اختیار کے لئے مشعل راہ ہے کہ تم میں سے ہر شخص میرے سامنے کمزور ہے۔ جب تک کہ میں اس سے کمزور حقدار کا حق اسے واپس نہ دلا دوں۔ (۴۰)

حضرت عمرؓ کے حج کے موقع پر اپنے تمام گورنروں کو عوام کے سامنے پیش کرتے تھے وہ سر عام ان کے خلاف شکایت کر سکتے تھے۔ مصر کے گورنر کے بیٹے نے ایک عام آدمی کو کوڑا مارا تھا۔ لوگوں کے سامنے اس کا بدلہ چکایا گیا اور مجرم کا کوئی عذر قبول نہ کیا گیا۔ (۴۱)

۸۔ یتیموں کے ساتھ عدل:

معاشرہ کے کمزور ترین افراد یتیم ہوتے ہیں ان کے حقوق کی حفاظت کے لیے قرآن مجید میں تفصیلی طور پر احکامات دیے ہیں (۴۲)۔

حدیث میں ہے آپؐ نے فرمایا: میں یتیموں کا کفیل ہوں۔ (۴۳)

۹۔ معاشرے کے کمزور طبقات سے عدل:

Marfat.com

قرآن مجید اور نبی اکرمؐ نے ان تمام لوگوں کے لیے عدل کا خصوصی حکم دیا ہے جنہیں لوگ کمزور سمجھ کر ان حقوق پامال کرتے ہیں آپؐ نے اپنی وفات سے قبل جن لوگوں کے حقوق کی طرف خصوصاً متوجہ فرمایا ان میں ملازم، عورتیں اور ماتحت لوگ ہیں۔(۴۴)

۱۰۔ ادھار کے معاملات میں عدل:

ادھار کے معاملات میں نا انصافی کا بڑا امکان ہوتا ہے اس لیے سورۃ بقرۃ کی آیت ۲۸۲ میں ادھار کے معاملات کو عدل و انصاف کے ساتھ لکھ لینے کا حکم دیا۔ پھر لکھنے والے (کاتب) کو انصاف کے ساتھ لکھنے، مقروض کو انصاف کے ساتھ لکھوانے اور گواہ کو انصاف کے ساتھ گواہی دینے کی ہدایات دے کر ادھار کے معاملات میں نا انصافی کی جڑوں کو کاٹ کر رکھ دیا ہے۔ پھر اس تحریر کے متعلق ارشاد ہے۔

ذلکم اقسط عند اللہ ....(۴۵)

ترجمہ: ''(یہ لکھنا) اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک انصاف کو زیادہ قائم رکھنے والا ہے''۔

نبی پاک ﷺ نے فرمایا: صاحب استطاعت کا قرض کی ادائیگی میں تاخیر ظلم ہے۔ (۴۶)

۱۱۔ عدالتی امور میں عدل:

عدل و انصاف کی ضرورت خاص طور پر عدالتی امور میں ہوتی ہے۔ اسلام نے عدالتی کاروبار کے ہر پہلو میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھا ہے۔ اس سلسلہ میں چار باتیں اہم ہیں۔ جن پر روشنی ڈالی جائے گی۔

۱۔ دستاویزات کے لکھنے میں عدل
۲۔ گواہی دینے میں عدل
۳۔ فیصلے کرنے میں عدل
۴۔ رشوت ستانی کی ممانعت

۱۲۔ دستاویزات لکھنے میں عدل:

سورۃ بقرۃ کی آیت نمبر ۲۸۲ میں ارشاد ہے۔

﴿وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ م بِالْعَدْلِ﴾(۴۷)

ترجمہ: ''اور تمہارے (معاہدے) کو لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھ دے۔

اس آیت میں لکھنے والے کو عدل و انصاف سے لکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اس آیت کے ایک حصہ میں لکھوانے والے کو بھی یہی حکم دیا گیا ہے۔

۱۳۔ گواہی دینے میں عدل:

گواہی یا فیصلہ کے وقت دو حالتوں میں اکثر لوگوں کا ایمان ڈگمگا جاتا ہے ایک تو فریق مقدمہ اپنا قرابت دار ہو یا اس سے دشمنی ہو لیکن اسلام کسی حالت میں عدل و انصاف سے انحراف کو جائز نہیں سمجھتا۔

۱۴۔ فیصلہ کرنے میں عدل:

﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾(۴۸)

اور اگر فیصلہ کرو تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرنا۔ بے شک اللہ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

Marfat.com

النحل کی آیت نمبر ۹۰ میں فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾(۴۹)

''بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے''۔

فیصلہ حاکم کے پاس ایک قسم کی امانت ہے اگر اس نے فیصلہ ٹھیک کیا ہے تو اس نے امانت کو اس کے حق دار تک پہنچادیا ورنہ اس نے خیانت کی۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے ''جو شخص مسلمانوں کا حاکم بنا اس نے اس کے ساتھ خیانت کی یعنی عدل و انصاف سے کام نہ لیا اور وہ اسی حالت میں مرگیا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا''۔(۵۰) اور عادل بادشاہ کے لیے یہ مژدہ ہے کہ وہ جنتی ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کو اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا۔

۱۵۔ اپنی ذات کے خلاف بھی حق بات کہنا:۔

جب فریق مقدمہ والدین یا رشتہ دار ہوں تو یہاں پر حق بات کہنا جوئے شیر لانا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ اگر صحیح بات کی تو والدین اور رشتہ داروں سے تعلقات کشیدہ ہو جائیں گے۔ مگر قرآن پاک یہاں بھی یہی مطالبہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے سچ بات کی گواہی دو۔

عدل اور سیرت طیبہ

اسلام میں عدل و انصاف کا اعلیٰ معیار

اسلام نے عدل و انصاف کا ایسا اعلیٰ معیار قائم کیا ہے کہ اس میں بادشاہ و فقیر، آقا و غلام، رنگ و نسل، حسب ونسب، قبیلہ و خاندان اور دین مذہب کی کوئی قید نہیں۔ قانون کی نگاہ میں سب مساوی اور برابر ہیں۔ کسی کا بڑا ہونا اس کو سزا سے نہیں بچا سکتا۔

مندرجہ ذیل امور سے اسلام میں عدل و انصاف کے اعلیٰ معیار کا اندازہ لگائیے۔

سورۂ نساء کی آیت ۱۳۵ میں عدل و انصاف کے اعلیٰ معیار کا اندازہ لگائیے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا وَ اِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾

اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہواللہ تعالیٰ کی طرف کی گواہی دو۔ اگرچہ اپنی ذات کے خلاف ہو یا ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ اگر کوئی مالدار ہے یا فقیر ہے اللہ تعالیٰ ان کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے۔ تم انصاف کرنے میں دل کی خواہش کی پیروی نہ کرو۔ اگر تم دبی زبان سے گواہی دو گے یا منہ موڑو گے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔

Marfat.com

تاریخی مثالیں:

آنحضورﷺ کا اسوہ بھی یہی ہے کہ بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی۔ قریش اپنی عزت کے پیش نظر چاہتے تھے کہ اسے سزا نہ ہو۔ چنانچہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ذریعہ سفارش کرائی گئی۔ سفارش سنتے ہی چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا: ''بنی اسرائیل اسی وجہ سے تباہ ہوئے کہ وہ غریبوں کو سزا دیتے اور امیروں کو چھوڑ دیتے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی کٹوا دیا جاتا۔ (۵۱)

ایک مرتبہ ایک مسلمان اور ایک یہودی کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو گیا دونوں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ نے دونوں کی باتیں سن کر فیصلہ یہودی کے حق میں دیا۔ خلافتِ راشدہ میں قاضی نے ایک مرتبہ فیصلہ حضرت علیؓ کے خلاف دے دیا حالانکہ وہ خلیفہ تھے۔ (۵۲)

بدر کے قیدیوں میں آپ کے چچا حضرت عباس بھی تھے۔ آپؐ نے انہیں کوئی خاص رعایت نہ دی۔ آپؐ ان کی تکلیف دیکھ کر رات بھر سو بھی نہ سکے۔ یہ ہے مساوات اور عدل کا عملی نمونہ جو سرورِ کونین نے پیش فرمایا جس کے اختیار کرنے میں ہماری نجات ہے۔

عدل کی اہمیت اور فوائد و ثمرات

۱۔ معاشرہ کا استحکام:

عدل و انصاف ایک ایسی چیز ہے جس نے دنیا کے نظام کو قائم رکھا ہے۔ اگر دنیا سے عدل و انصاف اٹھ جائے تو یہ کارخانہ عالم درہم برہم ہو جائے۔ یہاں پر افرا تفری کا عالم ہو جائے۔ ہر طرف لاقانونیت اور فتنہ و فساد کا دور دورا ہو جائے۔ اس بد امنی کو ختم کرنے کا واحد ذریعہ قانونِ عدل کا نفاذ اور اس پر عمل ہے۔ گویا کہ کسی معاشرہ کے امن و سکون اور استحکام کا ضامن صرف عدل ہے۔

۲۔ آخرت کی کامیابی:

عدل و انصاف پر قائم رہنے والوں کو خوشخبریاں سنائی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ امام عادل کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دے گا جب کہ اس کے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہو گا۔ ایک جگہ ارشاد ہے قیامت کے دن امام عادل کا درجہ سب سے بلند ہو گا۔ (۵۴)

۳۔ اللہ کی محبت:

عدل کا یہ عظیم ثمرہ ہے کہ قرآن پاک میں انصاف کرنے والوں کو دو دفعہ اپنی محبت اور دوستی سے نوازنے کی بشارت دیتا ہے۔ ارشاد ہے: ''ان اللہ یحب المقسطین''۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

Marfat.com

۴۔ سیاسی استحکام:

کسی حکومت کی مضبوطی کا راز معاشی اور معاشرتی استحکام میں ہے اگر عدل ہوگا تو لوگ مطمئن ہوں گے۔

۵۔ حقوق کی حفاظت:

عدل کے ذریعے ہی حقوق کی حفاظت ہے۔حقوق انسان کو فطری طور پر حاصل ہیں اور ان کی حفاظت حکومت کرتی ہے۔

عدلِ اجتماعی کی بنیادیں

اسلامی عدل اجتماعی کی بنیاد کسی قیاسی سوشل کنٹریکٹ پر نہیں ہے جس کی تعبیر ہر دور میں صاحب اختیار افراد اپنے مفاد کے پیش نظر کرتے رہیں۔ اسلامی اخلاق و قانون کا ماخذ کسی فرد یا کسی گروہ کی اپنی پسند یا ناپسند نہیں، بلکہ خالق انسان کی جانب سے نازل کردہ قوانین و اصول ہیں جو انسانوں کو دہرے اخلاقی معیار سے نجات دلا کر زندگی کے تمام معاملات کو توحیدی نقطۂ نظر سے دیکھ کر ایک وحدانیت میں لے آتے ہیں۔ جس انسانی معاشرے میں دہرے اخلاقی معیار پائے جاتے ہوں وہ عدلِ اجتماعی سے محروم ہوتا ہے۔

عدلِ اجتماعی کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کی زمین پر جہاں کہیں بھی انسان کا اختیار پایا جاتا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حاکمیت کا قیام عمل میں لایا جائے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب زندگی سے بنیادی تضادات کو خارج کرتے ہوئے اپنے معاشی، سیاسی، معاشرتی، تعلیمی، قانونی اور ثقافتی مسائل کو صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہدایت و فرمان کا تابع کر دیا جائے۔ گویا اسلامی عدل اجتماعی کی پہلی بنیاد توحید خالص ہے۔ توحید کا ایک اہم مطالبہ یہ ہے کہ خالق کائنات کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور جہاں کہیں بھی انسان کا اختیار ہو وہ جادۂ عدل کو اختیار کرے، یعنی حقوق و فرائض کی بجا آوری میں کسی سستی اور غیر ذمہ داری کا شکار نہ ہو۔

عدلِ اجتماعی کی دوسری اہم بنیاد آزادی ہے، یعنی ایک شخص اپنے آپ کو ان تعصبات سے آزاد کرے جو بعض اوقات خاندانی روایات، توہمات، رسوم و رواج اور قبیلہ یا برادری کے صدیوں پرانے طرزِ عمل کو قانون کا درجہ دے دیتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ نے جب اپنی قوم کو توحید اور عدل پر قائم ہونے کی دعوت دی تو ان کا ردِ عمل یہی تھا کہ

﴿قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَ تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ وَ مَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ (یونس:۷۸)

’’کیا تو اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اس طریقے سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور زمین میں بڑائی تم دونوں کی قائم ہو جائے‘‘۔

یہ جاہلی عصبیت، یہ باپ دادا کی روایت پر فخر و ناز اسلام کے تصورِ حق و باطل سے ٹکراتا ہے۔ اسلام جس عالمی اخلاقی نظام کو قائم کرنا چاہتا ہے اس میں عظمت اور قطعیت صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات کو اور اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء ورسل

Marfat.com

کے فیصلوں کو حاصل ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو ایک انسان اپنے خالق کا ناشکرا اور اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہادی اور رہنما انبیائے کرامؑ کی ہدایات کا منکر قرار پاتا ہے۔ اسی کا نام ظلم ہے۔

آزادی کے مفہوم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ایک شخص کو شعور کی آزادی اور فیصلے کی آزادی حاصل ہو۔ اس پر ایسے تصورات اور ایسی ثقافت کو زبردستی مسلط نہ کر دیا جائے جو اس کے بنیادی عقائد و تصورات سے ٹکراتی ہو۔ چنانچہ آج عالم گیریت کے سہارے یک قطبی سامراجیت اپنی ثقافت کو جس طرح دنیا بھر کی اقوام پر تعلیم، معاشی حکمت عملی، سیاسی دباؤ کے ذریعے مسلط کرنے میں مصروفِ عمل ہے، یہ جارحیت کی ایک واضح شکل ہے۔ یہ آزادی رائے کو معطل یا مقید کر دینا ہے۔ یہ انسانوں کے ذہنوں کو ابلاغِ عامہ کے ذریعے اپنا محکوم بنا کر غیر مؤثر کر دینا ہے۔ اسلامی عدلِ اجتماعی ہر فرد کو آزادی رائے، آزادی اجتماع اور آزادی عمل دے کر شعور و آگہی اور معروف و منکر کی آفاقی بنیادوں کی روشنی میں کسی عمل کو اختیار کرنے یا رد کرنے کا پورا حق دیتا ہے اس کے بالمقابل آمریت ہو یا بادشاہت، سرمایہ دارانہ نظام ہو یا اشتراکیت زدہ نظام، اپنی معاشی اور سیاسی گرفت کی بنا پر عملاً انسانوں سے ان کی قوتِ فیصلہ چھین لیتا ہے اور انھیں اپنی سامراجیت کا غلام بنا لیتا ہے۔ اسلامی نظامِ عدل اس استحصال سے نجات کا نام ہے۔

اسلامی عدلِ اجتماعی کی تیسری بنیاد تمام انسانوں کو بحیثیت انسان یکساں قرار دینا ہے کیونکہ تمام انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں اور رنگ و نسل یا زبان کی بنا پر ان میں کوئی تفریق کرنا ایک ظالمانہ رویہ ہے۔ چنانچہ تمام انسان قانون کی نگاہ میں مساوی ہیں۔ البتہ عقل کا مطالبہ ہے کہ اپنے وظیفۂ حیات اور تقسیم کار کے لحاظ سے ان کی ذمہ داری اور جواب دہی یکساں نہ ہو۔ اس لیے بحیثیت انسان ان کے حقوق وہی ہیں جو ایک مومن اور مسلمان کے، لیکن اپنی ذمہ داری، صلاحیت اور کارکردگی کے لحاظ سے ان کا معاوضہ مختلف ہونا ایک فطری تقاضائے عدل ہے۔

اسلام کے عدلِ اجتماعی میں تقسیم دولت کی بنیاد استطاعت، صلاحیت اور ضرورت کو قرار دیا گیا ہے۔ اگر استطاعت رکھتا ہو لیکن سعی نہ کرے، صلاحیت رکھتا ہو لیکن اپنے اختیار کو استعمال نہ کرے، تو وہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا جو اپنی صلاحیت اور ذمہ داری کو عدل کے ساتھ ادا کر رہا ہو۔ گویا یہاں بنیاد نہ طبقاتی نظام ہے نہ زیادہ مال اور وسائل رکھنے والوں کی حکمرانی و برتری۔ یہ صلاحیت پر مبنی ایک ایسا نظام امانت ہے جس میں امانتیں صرف ان کے اہل کو ہی دی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے عدل اجتماعی کے اس پہلو کو واضح الفاظ میں بیان فرما دیا: ''مسلمانو! اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو''۔ (النساء: ۵۸)

اسلام تمام انسانوں کو جدو جہد اور اکتسابِ رزق کے مناسب مواقع کی فراہمی کو بھی معاشرے میں اجتماعی عدل کے قیام کے لیے ضروری قرار دیتا ہے اور یہ ذمہ داری معاشرے اور حکومت کو سونپتا ہے کہ سب کے لیے مواقع کی فراہمی کو یقینی بنائیں، اور جو مجبور ہوں ان کو ایسا سہارا فراہم کیا جائے کہ وہ عزت کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے دولت کی گردش کو برقرار رکھنے کیلیے اسلامی عدلِ اجتماعی زکوٰۃ، انفاق اور صدقات کے نظام کو مستحکم کرتا ہے دوسری جانب معاشرے کے کمزور عناصر کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے ان کی مالی اور تربیتی ضروریات کو بہتر بنا کر ان میں خود انحصاری

Marfat.com

پیدا کرتا ہے۔ نظامِ زکوٰۃ انفاق، بیع اور تجارت کے فروغ کے نتیجے میں معاشی طور پر پس ماندہ افراد کو سہارا دے کر خود انحصاری کی طرف لے جاتا ہے۔

کسی بھی انسانی معاشرے میں حادثات کے نتیجے میں کل تک جو صاحبِ وسائل تھا وہ مفلوک الحال بن سکتا ہے۔ معاشی میدان میں قیمتی تجارتی سامان لے کر ایک بحری جہاز روانہ ہوتا ہے اور منزل پر پہنچنے سے قبل غرق ہو کر تمام اثاثوں کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔ ایسے مواقع زندگی میں کسی بھی وقت پیش آ سکتے ہیں۔ اس اسلامی عدلِ اجتماعی میں تکافل اجتماعی کا تصور اسلامی معاشرے کے قیام کے ساتھ ہی وجود میں آ گیا تھا اور ایسے مواقع پر انسانی ہمدردی اور تعاون کی بنیاد پر تکافلِ اجتماعی کا ادارہ جس میں معاشرے کے افراد اپنا حصہ ڈالتے ہیں، اس نقصان کو پورا کرتا ہے۔

هذا وبالله التوفيق. وصلى الله على النبى وآله وسلم.

حوالہ جات

۱۔ ابن منظور: لسان العرب عدل، ۴۳۰/۱۱، راغب اصفهانی، مفردات القرآن ص ۳۳۵، معجم تهذيب اللغه، ۲۳۵۸/۳...... ۲۔ سورۃ الملک: ۳،۴...... ۳۔ آل عمران: ۱۸...... ۴۔ سورۃ ص: ۲۶...... ۵۔ الشوریٰ: ۵...... ۶۔ نعیم صدیقی، محسنِ انسانیت، ص ۶۰۳...... ۷۔ النحل: ۹...... ۷۔ الف۔ کیلانی تیسیر القرآن ۴۵۵/۲...... ۹۔ الاعراف: ۲۹...... ۱۰۔ الاعراف: ۱۸...... ۱۱۔ سیرۃ ابن ہشام ۵۹۳/۱، ۵۰۴، الرحیق المختوم، ص ۲۶۴...... ۱۲۔ النساء: ۱...... ۱۳۔ الحجرات: ۱۳...... ۱۴۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، محمد ﷺ، ص ۱۲۶...... ۱۵۔ مسند احمد۔ عن ابی حرۃ الرقاشی عن عمہ...... ۱۶۔ المتقی الہندی، کنزل العمال، حدیث ابو ذرؓ...... ۱۷۔ تاریخ اسلام مؤلف شاہ معین الدین ندوی، ص ۲۶۱ تا ۲۶۶ (خلافتِ راشدہ)...... ۱۸۔ المائدہ: ۴۳...... ۱۹۔ الحدید: ۲۵...... ۲۰۔ المائدۃ: ۹...... ۲۱۔ بخاری، کتاب الحدود، باب کراهیة الشفاعة...... ۲۲۔ الشوریٰ: ۱۵...... ۲۳۔ المائدہ: ۹...... ۲۴۔ الممتحنۃ: ۸...... ۲۵۔ صفی الرحمان: تجلیات نبوت، ص ۳۷۵ تا ۳۷۶...... ۲۶۔ آل عمران: ۱۴۰...... ۲۷۔ البقرۃ: ۱۸۸...... ۲۸۔ الانعام: ۱۵۲...... ۲۹۔ البقرہ: ۲۸۵...... ۳۰۔ الشعراء: ۱۸۰...... ۳۱۔ الحشر: ۷...... ۳۲۔ النساء: ۵۸...... ۳۳۔ محمد علی صابونی: مختصر تفسیر ابن کثیر ۴۰۶/۱...... ۳۴۔ النساء: ۵۸...... ۳۵۔ بخاری کتاب الصوم، باب من اقسم علی اخیه لیفطر فی التطوع؛ ترمذی، کتاب الزہد، باب فی اعطاء حقوق النفس...... ۳۶۔ ابو داؤد کتاب الوصایا، باب نسخ الوصیة، ابن ماجہ کتاب الوصایا، باب لا وصیہ لوارث؛ مسند احمد ۱۸۴/۴...... ۳۷۔ النساء: ۳...... ۳۸۔ النساء: ۱۲۹...... ۳۹۔ مسلم، کتاب الھبات، باب کراھۃ تفضیل بعض الاولاد فی الھبہ۔...... ۴۰۔ طبقات ابن سعد، جلد ۳ ق اول، ص ۱۲۹، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، محمد ﷺ، ص ۲۶۸...... ۴۱۔ الطبری، ص ۲۵۸۰...... ۴۲۔ نساء: ۲ تا ۱۰...... ۴۳۔ ترمذی، کتاب البر، باب ماجاء فی رحمۃ الیتیم وکفالتہ...... ۴۴۔ ابو داؤد، کتاب الحج، باب صفۃ حجۃ النبی...... ۴۵۔ البقرۃ: ۲۸۲...... ۴۶۔ بخاری، کتاب حوالات، باب ۱، مسلم کتاب المساقات، حدیث نمبر ۳۳؛ ترمذی کتاب البیوع باب ۲۸؛ نسائی، کتاب البیوع، باب نمبر ۱۰۰...... ۴۷۔ البقرۃ: ۲۸۲...... ۴۸۔ المائدہ: ۴۲...... ۴۹۔ النحل: ۹۰...... ۵۰۔ بخاری، کتاب الاحکام، باب من استرعی رعیۃ فلم ینصح...... ۵۱۔ بخاری کتاب الحدود، باب کراھیۃ الشفاۃ...... ۵۲۔ ابن الاثیر، ۱۶۰/۳......

Marfat.com

۵۳۔ تاریخ طبری، ص ۱۳۳۸......۵۴۔ بخاری، کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ بالیمین۔

اس موضوع سے متعلق بعض اہم مراجع

☆ اسلام میں عدلِ اجتماعی، سید قطب شہیدؒ، اسلامک پبلیکیشنز لاہور۔...... ☆ اسلام اور اجتماعیت، صدرالدین اصلاحی، اسلامک پبلیکیشنز لاہور۔...... ☆ نعیم صدیقیؒ محسن انسانیت، لاہور۔...... ☆ صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ، الرحیق المختوم، لاہور۔...... ☆ پیر محمد کرم شاہ ازہریؒ، ضیاء النبی۔...... ☆ قاضی محمد سلیمان سلمان پوریؒ، رحمۃ للعالمین۔...... ☆ اسلام اور عدلِ اجتماعی۔ سید مودودیؒ۔ ترجمان القرآن جلد نمبر ۵۸، عدد ۴...... ☆ عدل کا خلاصہ، شرعی مفہوم، تاریخی ارتقاء، ڈاکٹر عبد الروف ظفر، مجلّہ محدث ج ۴، شمارہ ۹...... ☆ اسلام کا تصورِ عدل، پروفیسر عبد الجبار شاکرؒ، مجلّہ محدث ج ۳۱، عدد نمبر ۴...... ☆ نظام عدل کا قیام، ڈاکٹر انیس احمد، ترجمان القرآن، جلد ۱، عدد ۵۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد عامر طاسین - کراچی

1۔ انسان کا ارتقائی سفر

کائنات میں جس طرح سے چاند، سورج، سیارے، ستارے، ہوا، پانی، سمندر کے ساتھ ساتھ دیگر بے شمار جاندار موجود ہیں اسی طرح سے انسان بھی کائنات کی ایک اٹل حقیقت ہے۔ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ انسان زمین پر ارتقائی مراحل میں اپنا سفر طے کرتا چلا آرہا ہے۔ فرد سے افراد اور افراد سے کنبہ و خاندان حتیٰ کہ ایک چھوٹا سا معاشرہ وجود میں آجاتا ہے۔ اسی تسلسل کی بنیاد پر افراد کی کثرت، چھوٹے چھوٹے معاشرے سے نکل کر ایک بڑے معاشرے میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ انسانی تاریخ اس بات کی بھی شہادت دیتی ہے کہ معاشروں میں رہنے والے افراد اپنی اپنی پہچان میں رنگ و نسل، لسانیت، قومیت، تہذیب، تمدن، ثقافت، مذہبی سوچ وفکر کے عمل سے گزرتے رہے ہیں اور گزر رہے ہیں۔ یعنی انسان ایک جانب اپنی فکر کی بنیاد پر اپنی پہچان کو اجتماعی رنگ میں رنگ کر ظاہر کرنے کی کوشش میں ہے تو دوسری جانب اُسی میں اپنی بقا و حیات سمجھتا ہے۔ لیکن اِس کے باوجود ہر انسان ایک دوسرے کا محتاج رہا ہے کیونکہ ہر انسان کا ایک دوسرے سے تعلق و رابطہ ہے۔ کسی کا کم درجہ میں اور کسی کا بہت زیادہ ہے۔ گویا کہ یہ وہ بنیادی سبب ہے جو اجتماعیت کو فروغ دیتا ہے اور ہر انسان کو اُس کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرتا ہے۔ کیونکہ انسان ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہے، اُسے ہر صورت اپنی بقا و ارتقاء کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر جد وجہد کرنا پڑتی ہے۔ چاہے کنبہ ہو یا خاندان، جماعتی حیثیت ہو یا تشکیل نظام اور یہی نظام ریاست کے تشکیل کا بھی ذریعہ بنتی ہے اور اِن سب کو وقت وحالات کے مطابق عدل، انصاف، توازن، برابری اور مساوات جیسے پیمانوں کی ضرورت رہتی ہے جو انسانی معاشرتی ضرورتوں اور اُن کے تقاضوں کی تکمیل میں اہم اور بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ انسان فطری طور پر اجتماعیت کا محتاج ہے جب وہ اجتماعی سفر میں آگے بڑھتا ہے تو وہ اپنے گروہی مقاصد کی تکمیل میں ایک خاص پہچان بنانے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ اس کوشش کے نتیجے میں مختلف انداز سے تقسیم و تفریق کے عمل سے بھی گزرتا ہے۔ جب کبھی تقسیم سے تفریق کی جانب اور کبھی تفریق سے ضرب کی طرف گامزن ہوتا ہے تو اپنی انا کے خول میں اپنی طاقت وقوت کو ہی اپنی بقا سمجھتا ہے۔ حالانکہ انسان کے اجتماعی ارتقاء کے سفر میں استحکام و مضبوطی اُسی وقت ممکن ہے کہ جب عدل وانصاف، توازن اور مساوات کی صورت میں تسبیح کے دانوں کی طرح وحدت کی رسی میں پرو کر پیش کیا جائے تو اِسی عمل سے اجتماعیت کو فروغ حاصل ہوسکتا ہے اور جب یہی تسبیح ٹوٹ جاتی ہے تو اجتماعیت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔

2۔ فرد اور اجتماع

یہاں پر سب سے پہلے اس بات کو سمجھنا ضروری ہوگا کہ فرد اور اجتماع سے کیا مراد ہے؟ اور یہ کس حد تک ایک

Marfat.com

دوسرے کو قبول کرنے اور ایک کو دوسرے سے ممتاز کرتی ہے؟ کیونکہ یہ مسلمات میں سے ہے کہ انسان جب تک عالمگیر نظم میں شامل نہیں ہوتا ہے تب تک وہ تقسیم اور تفریق کا شکار ہی رہتا ہے اور یہی تقسیم کا عمل اجتماعیت کے لیے ناسور ہے جو فرد کو افراد سے جدا کر دیتا ہے۔ اس لیے معاشرے میں موجود تمام انسانوں کے وجود کو تسلیم کرنے اور اُن کے حقوق کو پورا کرنے ہی سے انسانیت کی بقا لازم و ملزوم ٹھہراتی ہے اور جس سے اجتماع کی اہمیت از خود واضح اور کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ کیونکہ ''ہر انسانی معاشرہ ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں افراد سے مل کر بنتا ہے۔ اس مرکب کا ہر فرد، ذی روح، ذی عقل اور ذی شعور ہے۔ ہر فرد ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے جسے پھلنے پھولنے اور نشوونما پانے کے لیے مواقع درکار ہیں۔ ہر فرد کا اپنا ایک ذاتی ذوق ہے۔ اس کے اپنے نفس کی رغبات اور خواہشات ہیں۔ اس کے اپنے جسم و روح کی کچھ ضروریات ہیں۔ ان افراد کی حیثیت کسی مشین کے بے روح پرزوں کی سی نہیں ہے کہ اصل چیز مشین ہو اور یہ پرزے اس مشین ہی کے لیے مطلوب ہوں، اور بجائے خود پرزوں کی کوئی شخصیت نہ ہو بلکہ اس کے برعکس انسانی معاشرہ جیتے جاگتے انسانوں کا مجموعہ ہے۔ یہ افراد اس مجموعے کے لیے نہیں ہیں بلکہ مجموعہ اِن افراد کے لیے ہے، اور افراد جمع ہو کر یہ مجموعہ بناتے ہیں اس غرض کے لیے کہ ایک دوسرے کی مدد سے انہیں اپنی ضروریات حاصل کرنے اور اپنے نفس و جسم کے مطالبات اور تقاضے پورے کرنے کے مواقع ملیں'' (1)۔

اسی طرح علماء اجتماعیات کے نزدیک امت کی منظم ہیئت انسانی کے جو فطری تقاضے ہیں ان کے بارے میں علامہ ابن مسکویہ نے آج سے آٹھ سو سال قبل زمانہ حال کی رہنمائی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''انسان طبعاً انسانیت عامہ کی بہتری چاہتا ہے کسی ایک انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ تنہا انسانی تمدن اور تہذیب کے تمام مطالبات کو پورا کرے اس لئے انسانوں کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ بہت بڑی تعداد میں بیک وقت اپنی مشترکہ بہتری کے لئے جمع ہو جائیں اور باہمی تعاون اور ہم کاری سے انسانی ترقی کے لئے کام کریں، اس اجتماعی نظام میں ہر فرد کی مثال ایسی ہے جیسے انسان کے جسم میں کوئی ایک عضو، جس طرح اعضاء کے مجموعے سے انسانی ترقی کا مطمع نظر اپنے کمال پر پہنچتا ہے'' (2)۔

فرد اور اجتماعیت کی اہمیت اور ساتھ ہی اُن کی مختلف ضروریات کو پورا کرنے سے متعلق ایک مستقل ریاست کی تشکیل اور اس کے ذمہ نظام کی تقسیم کا عمل، یہ وہ تقاضے ہیں جن کے پورا کرنے سے ہی اجتماعیت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے کیونکہ ''انسانی ارتقاء انسانی فطرت کا خاصہ ہے اور انسانی فطرت کے لئے لازمی ہے، اور اجتماعی نظام کی تین صورتیں ہیں۔ اجتماع عظمی (انٹرنیشنل ازم) یعنی سوسائٹی کا وہ نظم جو تمام معمورہ ارض پر حاوی ہو۔ اجتماع وسطی (نیشنل ازم) وہ قومی نظام جو دنیا کے کسی جغرافیائی حصہ میں بروئے کار آئے۔ اجتماع صغری (کارپوریشن) کسی شہر میں شہریوں کا نظام'' (3)۔ گویا کہ نظام کی تقسیم اجتماعیت کے مفادات کی جانب ایک مثبت قدم ہے۔ مگر یہ بات بھی درست ہے کہ کوئی بھی انسان تنہا کسی نظام کو نہیں بنا سکتا ہے اور ہر نظام کے بنانے اور اس کے نفاذ کے لئے افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی سے متعلق امام غزالی رقم طراز ہیں کہ ''انسان کا دنیا سے گہرا تعلق ہے اور دنیا کی اصلاح فرد کی ذمہ داری ہے، دنیا کا بڑا عنصر ہماری زمین ہے اور اس زمین کا نمائشی ساز و سامان صرف اس بات کی جانچ کے لئے ہے کہ انسان بہتری کے لئے کیا کام کرتا ہے، ہر فرد انسانی تخلیق کی رو سے تنہا نہیں رہ سکتا بلکہ اجتماعی نظام بنانے پر مجبور ہے، یہ نظام فرد سے شروع ہو کر امت اور حکومت کے نظم پر ختم ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ شہری نظم، ارضی

Marfat.com

بندوبست، عدالت، فوج، قانون جیسے سیاسی امور کا تعلق ہے'' (4) اور پھر علامہ ابن خلدون کے نزدیک جب تک انسانوں کا آپس میں مربوط و منظم تعلق نہیں ہوگا تب تک انسان ایک بہتر نظام کی تشکیل میں اپنا کردار ادا نہیں کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی ریاست کی تعمیر و ترقی میں عمل دخل واضح ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ''انسان اپنی طبیعت سے تمدن پسند ہے تمدن نام ہے انسانی اجتماع کا۔ یہ اجتماعی شیرازہ بندی ہی ہے جس پر دنیا کی تعمیر اور خلافت و ریاست کا دارومدار ہے'' (5)

فرد اور اجتماع کی وضاحت کے بعد یہ بات از خود سامنے آتی ہے کہ اجتماعیت ہی دراصل ایک نظام اور نظام ریاست کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور ہمیشہ اس بات کی ضرورت رہی ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی میں تہذیب و ترتیب کے عناصر سے ریاست کا ادارہ ہمیشہ سے اہم رہا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس کا نام اس کی ہیئت اور نوعیت وقت اور زمانہ کے ساتھ ساتھ بدلتی رہی ہے مگر ریاست کا جوہری کردار بہرحال انسان کی تہذیبی زندگی کے آغاز سفر سے اب تک ایک ہی رہا ہے اور اس سفر زندگی میں مشکلات کا سامنا اور مسائل کا پیدا ہونا بھی قطعیت کے ساتھ ہے۔

2.1......اجتماع میں پیش آمدہ مسائل

انسانی تہذیب کا یہ سفر جیسے جیسے اجتماع کی جانب گامزن ہوتا ہے تو یہ امر قطعی ہے کہ مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں اور مختلف انداز سے مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ افراد کی کثرت اجتماع کے تناظر میں کہیں رنگ و نسل کا جھگڑا سامنے آجاتا ہے تو کہیں قوم و زبان کے امتیاز میں برتری پیدا ہو جاتی ہے۔ کہیں طاقت کا بے دریغ استعمال شروع ہو جاتا ہے تو کہیں ظلم کی چکی میں پسنے والے مظلوم طبقے اپنی بنیادی ضروریات سے محروم رہ جاتے ہیں یا پھر نجی سطح پر وہ مسائل جو انسان کی عائلی زندگی سے متعلق ہوں یا سماجی، معاشرتی اور معاشی معاملات ہوں۔ مجموعی اعتبار سے ہر انسان اپنے مسائل کا حل ایک تو فوری اور دوسرا عدل و انصاف کی بنیاد پر چاہتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ عدل وانصاف کے تقاضے کس طرح سے عمل میں لائے جائیں؟ تو یہ بات واضح ہے کہ اس سفر اجتماعیت کے نظم و نسق کے لیے ایک ایسا نظام وضع کیا جانا چاہیئے کہ جس میں اجتماعی عدل کے تمام تقاضے پورے کیے جاسکیں اور جو عدل و انصاف کی بنیاد پر نہ صرف سب کے لیے یکساں ہوں بلکہ دیگر معاشرتی امور کی نگرانی و دیکھ بھال بھی با آسانی ہو سکے۔ گویا کہ نظام کی بنیاد عدل پر قائم ہوگی تو نظام بہتر سے بہتر انداز میں اپنے تمام مقاصد کی تکمیل کو طے کرے گا۔ اب یہاں پر یہ جاننا ضروری ہے کہ عدل ہے کیا؟ جو کسی بھی بہتر نظام کی اساس میں ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس حوالے سے مختلف مفکرین کے نزدیک عدل کسے کہتے ہیں اور عدل کا حقیقی مفہوم کیا ہے یہ جانتے ہیں۔

3۔ عدل کی تعریف و مفہوم

عدل کی تعریف امام راغب الاصفہانی یہ کرتے ہیں۔

''العدل ھو المساوات فی المکافات ان خیرا فخیر وان شرا فشر'' (6)

عدل ''مکافات میں مساوات کے لحاظ رکھنے کا نام عدل ہے'' یعنی اچھائی کا بدلہ اچھائی اور برائی کا بدلہ برائی سے ملنا۔

Marfat.com

جبکہ اسی انداز سے ایک نقطہ نگاہ سید شریف الجرجانی کا بھی ہے اور آپ عدل میں مساوات کو حق کی جانب ٹھہر جانے سے تعبیر کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ

"العدل عبارۃعن الامر المتوسط بین طرفی الافراط والتفریط......وھو میل الی الحق"(7)

''عدل افراط وتفریط کے درمیان ایک نقطہ مساوات ہے جو اطراف کو برابر رکھتا ہے اور حق پر آ کر رک جاتا ہے''

مشہور اور قدیم ماہر لغات میں ابو البقاء الحنفی کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں وہ عدل کو ظلم کی ضد قرار دے کر حقدار کی بات کرتے ہیں اور بہت ہی آسان اور واضح الفاظ میں تجزیہ کرتے ہیں۔

"العدل اصلہ ضد الجور والعدل ھو ان تعطی ما علیہ وتاخذ مالہ"(8)

''عدل ظلم کی ضد ہے، عدل یہ ہے کہ حق دار کو حق دلایا جائے اور جس کا حق نہیں اس سے لے لیا جائے''

یہاں تک تو عدل کی مختلف تعریفات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عدل کے معنی اور مفہوم کیا ہیں۔ کسی نے افراط و تفریط کے درمیان مساوات سے تعبیر کیا ہے تو کسی نے ظلم کی ضد بتایا ہے۔ کسی نے عدل کو اچھائی اور حق سے اخذ کیا ہے تو کسی نے توازن اور برابری کو واضح کیا ہے۔ گویا کہ ''عدل'' اعتدال پر مبنی وہ کیفیت ہے جو انسانی مزاج میں پائی جاتی ہے اور انسان حالات و واقعات کے تناظر میں اپنی ان کیفیات کا اظہار بطور رویہ کے پیش کرتا ہے اور رویہ کے اظہار سے فرد سے لے کر اجتماع تک کے مزاج کا تناسب نکالا جا سکتا ہے۔ اب ساتھ ہی یہ بھی دیکھ لیتے ہیں کہ عدل کی اقسام کیا ہیں۔

3.1......عدل کی اقسام

عباسی عہد کے سیاسی فکر رکھنے والے ابن ابی الربیع نے عدل کی تین اقسام بتائیں ہیں۔

''عدل (انصاف) مخلوق کے لیے اللہ کا ایک حکم ہے اس کے قابل احترام ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تمام قوموں نے باوجود اختلاف مذہب کے قیام عدل پر اتفاق کیا ہے اور عدل کی تین قسمیں بتائی ہیں۔ ایک عدل جس سے بندے اللہ کے حقوق کی ادائیگی کرتے ہیں۔ دوسرا وہ عدل جو افراد معاشرہ ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی وتحفظ کے لیے کرتے ہیں۔ اور تیسرا وہ عدل جس کے تحت اسلاف کے حقوق کی حفاظت (مثلاً ادائے قرض وتعمیل وصایا وغیرہ) کی جاتی ہے''(9)

اسی طرح سے اموی خلیفہ عبدالملک نے حضرت سعید بن جبیر کو ایک سوال پوچھنے پر تحریر کیا کہ عدل کی چار قسمیں ہیں۔

''عدل فی الحکم (فیصلہ اور قضا میں عدل) عدل فی العقول (بات چیت گفتگو، گواہی میں عدل) اور پیمانے، ترازو، ناپ تول، میزان میں عدل اور عدل الشیء (ہر چیز میں عدل) (10)

مختلف مفکرین کی آراء کے تناظر میں عدل کی تعریف، مفہوم اور اقسام کی وضاحت کے بعد یہ معلوم ہو گیا ہے کہ عدل کس چیز کا نام ہے اور یہ کیفیت انسانی مزاج کا فطری حصہ ہے۔ کتاب الٰہی ''قرآن مجید'' عدل کو کس طرح سے بیان کرتا ہے اور عدل کے وہ کون سے پیمانے ہیں جن کی وضاحت موجود ہے اور ساتھ ہی قرآن حکیم جس نظام عدل کی بات کرتا ہے اور

Marfat.com

تلقین کرتا ہے آخر اس کے اسباب کیا ہیں اور وہ کون سے زمینی حقائق ہیں جن کی بنیاد پر معاشرے میں عدل ختم ہوگیا تھا یا اُس کے اثرات کم ہو رہے تھے اس حوالے سے ایک مختصر سا جائزہ لینا مناسب ہوگا کہ اسلام کے نظام عدل سے قبل بالخصوص عرب اور بالعموم دیگر ممالک کے معاشروں میں حق و انصاف نام کی کوئی شے موجود تھی بھی یا نہیں اور یہ کہ اس معاشرے میں لوگ کس طرح سے تقسیم تھے؟

4۔تصور عدل ......قبل از اسلام

4.1......عرب

اسلام سے قبل عرب معاشرہ دو قسم پر مشتمل تھا ایک بدو اور خانہ نشین یعنی خیمہ میں رہنے والے تھے اور دوسرے ساکنان شہر یعنی وہیں کے رہنے والے۔ ان دونوں میں قدرے فرق موجود تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ مذہبی و معاشرتی فکر رکھتے تھے۔لیکن شہری معاشرے میں بسنے والوں میں بھی کچھ لوگ ایسے تھے جو سیاسی داؤ پیچ اور اپنی سیاسی سوچ کی وجہ سے اپنے سے نیچے کے لوگوں کو کم تر سمجھ کر محکوم بناتے تھے اسی تناظر میں ''عرب میں سیاسی نظام چاہے وہ سرداری کے تحت ہو یا بادشاہت پر قائم ہو، اُس کے تین عناصر تھے۔(۱) الہ یا الہہ جس کی تکریم حاکم اور عوام دونوں کرتے تھے۔ (۲) حاکم۔جو کاہن، ملک، امیر یا سید کہلاتا تھا۔عوام کے لئے اس کی تابعداری اور امن و جنگ میں اس کے احکام کی تعمیل لازمی تھی۔(۳)عوام دیوتاؤں کے اقتدار اور حاکم کے احکامات کے فرمانبردار اور اطاعت کیش تھے۔سب سے قدیم تاریخی شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ عرب میں بادشاہتوں کے قیام سے پہلے مکربوں (مقرب کا مترادف) کی مذہبی حکومت تھی یہ کاہن، ملک تھے جو شاید ان علاقوں میں اللہ کے مبعوث انبیاء کی نقل کرتے تھے۔یہ تصور کیا جاتا تھا کہ ان کو الہام ہوتا تھا جس کی تعبیر وہ اپنے عوام کے لئے کرتے تھے۔وہ خدا کے نائب تصور ہوتے تھے اور یہ کہا جاتا تھا کہ وہ القاء کے تحت فیصلہ کرتے تھے'' (11)۔

حجاز میں نظام عدل جنوب اور مغربی عرب کے حالات سے مختلف تھا،مکہ،یثرب،اور طائف جیسے چند مقامات پر خانہ نشین آبادی پائی جاتی تھی اور بقیہ حجاز کے لوگ بدو تھے اور شہری لوگ بدو کے مقابلے میں زیادہ ترقی یافتہ اور اعلیٰ لوگ تھے۔اس لئے کہ بدوؤں میں سماجی نظام کی اساس قبیلہ تھا،جو چند سو یا چند ہزار افراد پر مشتمل ہوتا تھا ایک قبیلہ اپنے آپ کو عموماً مختلف نخلستانوں کے علاقہ سے وابستہ کر لیتا جو انہیں ضروری خوراک مہیا کرتا۔جس کی وجہ سے اہل قبیلہ کے درمیان معمولی مقدمات اور تنازعات میں عموماً مقامی سردار اپنے ہی سطح پر فیصلہ کر دیتے اس لئے کہ وہ قبائلی رسوم ورواج،روایت اور طریق سے بخوبی واقف ہوتے تھے اور وہ اپنے برادری کے قائد اور نمایاں افراد ہوتے تھے اور اہل قبیلہ کو بھی ان پر مکمل اعتماد ہوتا تھا اور بلا جھجک ان کے فیصلے قبول کرتے تھے''اگر قبیلہ کا کوئی رکن مجلس کے فیصلہ کی تابعداری نہ کرتا یا قبیلہ کے فرد کا مجرمانہ طرز عمل دوسروں کے لئے باعث ایذاء ہوتا تو خاندان کے معاملات میں باپ اور قبیلہ یا بین القبائل معاملات میں سردار بڑے بڑے قبائلی اجتماعات جیسے حج یا عکاظ کے موقع پر اعلان کرتا کہ مجرم نے نقض عہد کر دیا ہے۔اس کے بعد اسے باغی (خلیع) قرار دیا جاتا''(12)۔

شہری عرب میں بادشاہ اور رئیس مملکت کو یہ اختیار حاصل نہ تھا کہ جس طرح چاہتے طاقت کا استعمال کرتے بلکہ ان کے پاس مشاورتی ادارے تھے جو ریاست اور عوام سے متعلق نازک مسائل کا فیصلہ کرنے میں مشورہ دیتے اور رہنمائی کرتے ان

Marfat.com

کے پاس مشاورتی ادارے تھے اور ممکن ہے کہ یہ انتظامات ان بادشاہوں نے کیئے ہوں جو ان پیغمبروں کی وحی اور تعلیمات پر ایمان رکھتے تھے جو ان کے درمیان پیدا ہوئے تھے ان مشاورتی اداروں کے فرائض ومناصب میں ''ریاست کو درپیش پیچیدہ مسائل کا اندازہ لگانا اور تشخیص کرنا، حاکم کو نازک معاملات کا فیصلہ کرنے میں مدد دینا، ٹیکس اور زرعی واجبات کی تجاویز مرتب کرنا شامل تھا۔ جب کہ'' قانون ساز ادارہ مزود قانونی، عدالتی، انتظامی، اقتصادی، زرعی اور مذہبی معاملات میں قراردادیں منظور کرتا جو بادشاہ کو اس کی منظوری کے لئے پیش کردی جاتیں جس کے بعد وہ ملکی قانون بن جاتا'' (13)

دوسری طرف مکہ میں قصی بن کلاب نے مختلف گروہوں کو آباد کرنے کے بعد اپنی حکومت قائم کی اور مکہ میں مذہبی نظام کی تنظیم شروع کی۔

''قصی کا گھر اُس کی مسند حکومت تھا، تمام مدنی، فوجی، سماجی، تجارتی، مذہبی اور اہل مکہ کے خاندانی معاملات اس کے گھر پر طے ہوتے، قصی کا اقتدار اور حکومت قابل پیروی مذہب سمجھا جاتا، اس کے افعال اسکے قوم کے لئے سنت بن گئے، وہ حاکم مطلق تھا، اور اس کا لفظ ہی قانون تھا'' (14)۔

اسی طرح سے عدلیہ اور انتظامیہ کو استوار کرنے کے عموماً عوام کو سہولتیں فراہم کرنے کے حوالے سے کئی فیصلے دینے والے ادارے قائم کیے اور ان تمام اداروں کے ذمہ داروں کو اپنے اپنے مسائل کے حل کے حوالے سے فیصلے دینے کا اختیار دیا جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

''الحجابة: کعبہ کی مجاورت۔ اللواء: پرچم کا انتظام اور دوران جنگ اس کو لے کر چلنا۔ السقاية: انتظام آب رسانی خصوصاً حجاج کی ضرورت کے لئے۔ الرفادة: حجاج کے لئے خوراک کی فراہمی۔ الندوة: مجلس شوریٰ۔ القيادة: سیاسی امور میں قیادت۔ قصی مندرجہ بالا امور اور عہدوں کا مختار تھا۔ اپنی عمر کے آخری سالوں اس نے یہ تمام اختیارات اپنے سب سے بڑے بیٹے عبد الدار کو تفویض کردیئے تھے'' (15)

مکہ کے شہری ریاست میں نظام عدل کے طریق کار کے متعلق سیرت ابن ہشام میں ذکر ہے کہ'' مکہ کی پیچیدہ تجارتی برادری میں مختلف سطح پر انصاف مہیا کیا جاتا تھا۔ قصی نے مکہ کی حد بندی کی اور اسے متعدد اضلاع میں تقسیم کیا جو آبادی کے لئے مختلف خاندانوں کے لئے دیئے گئے'' (16) جب کہ مجلس اعلیٰ (سپریم کورٹ) کے طریقہ عدل کے بارے میں آتا ہے کہ ''صرف وہ مقدمات قبول کرتی جو اجتماعی مفاد کے اور تمام مکی آبادی سے متعلق یا وہ معاملات جو اس کے امن کے لئے خطرہ یا اس کے مستقبل پر اثر انداز ہوتے ہوں'' (17) جبکہ ابن ہشام کے تفصیل کے مطابق ''قصی کا گھر قوم کا کونسل ہال تھا، قریش تمام سماجی، اقتصادی،، سیاسی، تجارتی اور قانونی مقدمات مشورہ اور فیصلہ کے لئے وہیں لاتے تھے۔ مقدمات کے فیصلے، شادیوں کا انعقاد اور شکایات کا ازالہ یہیں ہوتا۔ بین القبائل مقدمات کی سماعت ہوتی اور مناسب کاروائی تجویز ہوتی، جنگ اور صلح کی صورتحال پر بحث ہوتی اور مناسب فیصلے کیئے جاتے'' (18) مزید یہ کہ مجلس اعلیٰ (سپریم کورٹ) کے سامنے پیش ہونے والے مقدمات ومعاملات اور ان پر بحث سے پتہ چلتا ہے کہ دارالندوہ ایک کثیر المقاصد ادارہ تھا اور آج کی اصطلاح میں وہ مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کے فرائض ادا کرتا تھا۔ وہ اپنے اسلاف کے روایات، رسوم ورواج اور دستور العمل کا محافظ تھا، جہاں قدیم

Marfat.com

روایات مددگار نہ ہوتیں تو نئی مثالیں اور روایات قائم کرتا۔اس لحاظ سے مجلس مقننہ کے طور پر کام کرتی۔اس لئے اس مجلس اعلی کے اراکین اپنی قوم کے چیدہ ترین اور سربرآوردہ اشخاص تھے اس لئے ان کے فیصلے پوری قوم کے لئے لازمی تھے ان کے احکام اور فیصلے بلا جھجک اور رضا اور رغبت کے ساتھ تسلیم اور نافذ کئے جاتے تھے۔لیکن مجموعی طور پر عرب کے پورے معاشرے کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ''عرب میں اس وقت نہ تو کوئی منظم اور ہمہ گیر ریاست قائم تھی، نہ ان میں اتحاد، یکجہتی، اور قومیت کا تصور تھا، بلکہ اس کی جگہ مذہبی، اخلاقی، روحانی، اور بالخصوص سیاسی دائرہ میں سخت انتشار وتشتت، افراتفری، لامرکزیت تھی اور نراج کا دور دورہ تھا'' (19) اگر ہم عرب کے علاوہ دنیا کے دیگر ممالک روم اور فارس کا بھی مختصراً احاطہ کریں تو خلاصہ یہی ظاہر ہوگا کہ روم، فارس اور حبشہ میں بھی شہنشائیت نے اپنے قدم جما لیے تھے اور قیصر روم کے زیر اثر حبشہ بھی آ گیا تھا اور تمام مذہبی شخصیتیں ازخود تقسیم کے عمل سے دوچار تھیں۔

4.2...... روم

روم کی سلطنت کا حال کچھ یوں تھا کہ روم میں شہنشاہیت اور مطلق العنانیت کی حکمرانی تھی اور وہاں پر ''عیسائیت تحریک تباہ کن ثابت ہوئی اور اس نے رومی سلطنت کو کمزور کردیا، رومیوں کے اعلی طبقہ کو دیکھتے ہوئے یہ نظر آتا تھا کی عیسائیوں میں دنیاوی اور مادی خواہشات، نفسانی اغراض، عیش وعشرت کی ہوس، سرد مہری، عوامی معاملات کی طرف بے توجہی، قومی معبودوں اور خداؤں کے لیے ذلت وحقارت ایسی خصوصیات ہیں جنہوں نے مستقلا رومی طاقت کو روبہ زوال کردیا، اور پھر عیسائیوں کا یہ اصرار کہ وہ وفاداری میں اولیت روم کو نہ دیں گے مزید بدنامی کا باعث ہوا'' (20) لیکن زوال پھر بھی آیا اور روم دوبارہ زوال اور انتشار کا شکار ہوگیا اور سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اور مشرقی اور مغربی حصے کے الگ الگ بادشاہ ہوگئے، اعیان سلطنت میں گروہ بندیاں قائم ہوگئی اور باہمی نفاق اور فتنہ فساد کا بازار گرم ہوگیا اور رعایت بغاوت پر آمادہ ہوگئی روم اس تباہی کی وجہ سے اپنے منطقی انجام کو پہنچ گیا۔

4.3...... فارس

اسی طرح سے فارس اپنی تہذیبی لحاظ سے دنیا کے ان چند ممالک میں شامل ہے جن کی تاریخ انتہائی قدیم ہے اور عام طور اس کی تاریخ کا مطالعہ دو طرح سے کیا جاتا ہے ایک افسانوی اور دوسرا تاریخی۔فارس میں بھی روم کی طرح مورثیت اور مطلق العنان بادشاہت تھی اور یہی ایرانی نظام فکر سیاست میں اہم کردار کی حیثیت رکھتا تھا۔ملک وقوم پر حکمرانی کرنے کے لیے ایک خاص گھرانہ متعین تھا اور صرف اسی گھرانے کے افراد تاج وتخت کے وارث ومالک ہوسکتے تھے۔سلطنت فارس میں اگرچہ مورثی اور مطلق العنان بادشاہت تھی مگر وہاں کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ وہاں ''عظماء فارس پر مشتمل ایک نوع کی مجلس مشاورت بھی تھی جو اگرچہ درباری اور بادشاہی خاندان کے افراد پر مشتمل تھی لیکن اپنی نوعیت میں وہ کتنی ہی محدود سہی بہر حال بادشاہ وقتاً فوقتاً احکام کے اجراء ونفاذ، والیوں کے تقرر اور دوسرے اہم مواقع پر اس کی ضرورت محسوس کرتا تھا، مثلاً جس زمانے میں یمن پر مسروق کی حکمرانی قائم تھی سیف بن ذی یزن نامی ایک شخص اپنی قوم کی طرف سے پہلے قیصر روم کے دربار میں فریادی ہوا ور مسروق سے نجات دلانے کی درخواست کی لیکن وہاں سے مایوسی ہوئی تو عامل حیرہ نعمان بن منذر کی وساطت سے

Marfat.com

سیف نے نوشیروان کے دربار میں بھی اس درخواست کو دھرایا، نوشیروان نے سیف کی درخواست کو ہمدردی سے سنا اور مدد کے لیے آمادہ ہوگیا'' (21) لیکن بعد میں فارس کے امراء اور حکماء بے پناہ عیاشی میں مبتلا ہوگئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ امور سلطنت سے غافل ہوئے اور عوام میں سازشیں، بغاوتیں اور خون ریزیاں معمول بن گئیں اور بدامنی بے چینی عام ہوگئی اور نظم مملکت روز بروز کمزور سے کمزور ہوتا چلا گیا کیونکہ رعایا زیادہ عرصہ تک ظلم وتشدد اور بنیادی حقوق سے محرومی کو برداشت نہیں کرسکتی جو بالاخر انتشار وافتراق کا سبب بن ہی جاتی ہے۔ اور وہاں بھی وہی کچھ ہوا جو تاریخ کے کئی ادوار میں دیگر حکمرانوں اور سلاطین وحکماء کے ساتھ ہوا چلا آیا ہے۔

گویا کہ دنیا کے کسی بھی ملک کے نظام میں جس اجتماعی عدل کے قیام کی ضرورت تھی وہ باوجود ریاست کی موجودگی کے اپنے حقیقی مقاصد کی تکمیل میں ادھوری رہ گئی تھی۔ اور یہی کچھ حال اسلام سے قبل عرب کے اس معاشرے میں بھی تھا جہاں شرک وبت پرستی کے علاوہ ہر ایک قبائل کی اپنی مطلق العنانیت تھی جس کی وجہ سے عدل اجتماعی کا وجود ناممکن تھا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک مستحکم ریاست کا تصور موجود ہو اور اس ریاستی نظام کو چلانے والا بھی اُن تمام امور سے واقف ہو۔ کیونکہ جب تک ریاست موجود نہ ہوگی تب تک اُس نظام معاشرت کے اجتماعی وحدت میں استحکام پیدا نہیں ہوسکتا ہے۔ اور ریاست کا استحکام اور ارتقاء اجتماعی عدل میں پوشیدہ ہے۔ لیکن اِس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ ریاست کسے کہتے ہیں، اس کی حیثیت کیا ہے، اِس کے کون سے عوامل اہم ہیں اور اس ریاستی نظام میں وہ کون سے اصول وضابطے ہیں جن کی بنیاد پر معاشرے میں بسنے والے افراد کے اجتماعی مفادات کو موثر انداز میں قائم رکھے جاسکتے ہیں۔

5۔ ریاست کا مفہوم

ریاست یا مملکت کے لئے ''انگریزی زبان میں اسٹیٹ (STATE) کا لفظ مستعمل ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ یونانی زبان کے لفظ (STATUS) سے ماخوذ ہے'' (22) اس سے پہلے ''اسٹیٹ'' کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے دوسرے الفاظ کا سہارا لیا جاتا تھا ''چنانچہ یونان کے یہاں بالعموم پولس (Polis) کا لفظ مستعمل رہا، جس کے لفظی معنی شہر (City) کے ہیں۔ یہ اس امر کی علامت ہے کہ ان کا تصور ریاست ''شہر'' پر مبنی اور انتہائی محدود تھا'' (23)

قدیم وجدید ڈکشنریوں میں ریاست کی کئی تعریفیں مذکور ہیں لیکن ریاست کی جامع تعریف آج تک نہ کی جاسکی ہے اور نہ کسی مفکر کی تعریف کو حتمی قرار دیا جاسکتا ہے اس لیے کہ ''قدیم وجدید مفکرین سیاسیات نے بے شمار تعریفیں کی ہیں اور ان تعریفات میں ایک بھی تعریف متفق علیہ نہیں بلکہ جس طرح علم سیاسیات کے دیگر موضوعات اختلافی نوعیت کے حامل ہیں اس طرح ریاست کی تعریف میں بھی اختلاف رہا ہے اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ ہر سیاسی مفکر نے ریاست کی تعریف کا دائرہ اپنے علم، ذاتی خیالات، ماحول اور اپنی سمجھ اور بصیرت کے مطابق طے کیا ہے اور اپنے ذوق کے موافق ریاست کی تعریف اور حیثیت متعین کی ہے ان میں ارسطو، سسرو، گوشیس، بودین، ہالینڈ، ہال، برجیس اسمین، ڈرگٹ، ماکبرگ، فلیمور، ہیگل وغیرہ کی ریاست کی تعریف دیکھنے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ بہر حال اختلافات اور تعریفات کے کثرت سے قطع نظر ریاست کے چار عناصر ترکیبی ایسے ہیں جن پر علماء اور دانشور زیادہ تر متفق نظر آتے ہیں کہ ''ایک ریاست کی تشکیل وترتیب کے لئے بہر صورت لازمی امر ہے

Marfat.com

یعنی آبادی، رقبہ، حکومت اور اقتدار اعلیٰ''(24)۔

کسی ریاست کے نظام عدل میں عدل اجتماعی کے اہداف اور اُس کے مقاصد کیا ہیں اس حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد بیان کرتے ہیں کہ

''ایک مکمل نظام زندگی کی حیثیت سے اسلام کی اعلیٰ ترین قدر، اس کا آخری ہدف، اور اصل مقصود مطلوب عدل اجتماعی، یعنی سماجی انصاف یا سوشل جسٹس ہے جس کے تین نمایاں ترین مظاہر ہیں:(۱) سماجی اور قانونی سطح پر کامل مساوات (۲) سیاسی سطح پر حریت اور (۳) معاشی سطح پر عدل و انصاف۔ چنانچہ اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں نہ صرف معاشرتی میدان میں اونچ نیچ اور ادنیٰ و اعلیٰ کا امتیاز ہو، نہ سیاسی میدان میں جبر و استعداد کا راج اور آقا، حاکم محکوم اور مستکبرین اور مستضعفین کی تقسیم ہو، نہ اقتصادی میدان میں انسان ظلم اور استحصال کے باعث Haves اور Have not یعنی مترفین ومحرومین میں منقسم ہوں''(25)۔

مختلف اہل علم کی فکر کی بنیاد پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ریاست کا بنیادی مفہوم اور تعریف ان چار چیزوں کا نام ہے کہ جب یہ چار عناصر تشکیل پا جائیں تو اُس کو ریاست کہا جائے گا کیونکہ جب آبادی ہوگی تو رقبہ بنے گا اور جب رقبہ بنے گا تو اُس پر حکومت بنے گی اور جب حکومت بنے گی تو اقتدار اعلی بنے گا جو ریاست کی شکل اختیار کر جائے گی اور یہ چار عناصر ترکیبی ایک دوسرے کا لازم ملزوم ہیں۔ اور اس کے ساتھ ان اھداف کی بھی تکمیل کی ضرورت ہے جس کی ذمہ داری نظام کے چلانے والے ریاستی حاکم کی ہوتی ہے۔ گویا کہ مجموعی طور پر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اجتماعی اعتبار سے ایک منظم معاشرہ کا نام ہی ریاست ہے اور ''یہ اس وقت وجود پزیر ہوتا ہے جب ایک طرف افراد پر اقتدار قائم کرنے اور دوسری طرف افراد کی جانب سے اطاعت کرنے کا دوگانہ رابطہ عمل میں آجائے اور اطاعت امر واقع ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ ریاست وجود میں آگئی''(26)۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی ریاست میں آباد مختلف اقوام کے افراد میں سے ایسے صاحب بصیرت، صاحب عقل شعور، صاحب فراست، متقی پرہیز گار و نیک صفت افراد ریاستی امور چلانے کے لیے ایسے مخلص شخص کا انتخاب کرتی ہے جسے حاکم وقت کہا جاتا ہے اور انتخاب کرنے والے ایسے افراد کا مجموعہ کو شوری کہتے ہیں جبکہ عصری تقاضوں میں ایوان زیریں کہا جاتا ہے۔

6۔ تشکیل نظام کے لیے شوری کا قیام

ریاست عامہ کا قیام داوم شوریٰ پر موقوف ہے شوری کا بننا، اور اس کا باقی رہنا اور ریاست کی قوت واقتدار اعلی کا ترقی کرنا، امت کی رائے عامہ اور اہل فکر ودانش کے مشورے زیر غور لانا اور افراد جماعت کے اجتہادی مشورے، رائے تجاویز پر بحث ومباحثہ کرنا یہ سب امور شوری کی ذمہ داری ہے اور شوری پر موقوف ہے۔ شوری ہر ریاست کے لئے ضروری ہے اور حاکم ریاست کے عہدے کے لئے ایک ضروری اور اہم وصف ہے جو کبھی جدا کرنے سے بھی جدا نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ شوری حکومت کی جان ہے اور بلکہ شوری ہی دراصل حکومت ہوتی ہے۔ شوری کی حقیقت رائے عامہ کا اظہار کرنا ہوتا ہے امام راغب اس کی تصریح کرتے ہیں:

Marfat.com

''شوریٰ کا مفہوم آرا کا حاصل کرنا ہے،اس کے لئے پہلے دو سمتیں متعین کی جاتی ہیں ایک سمت رائے لینے والے ہوتے ہیں اور دوسری طرف رائے دینے والے ایک سمت اپنی ذمہ داریوں کے دائرے میں اہم معاملات سے دوچار ہے،ایسی حالت میں ایک سمت کے اصحاب دوسری طرف کے لوگوں سے رائے طلب کرتے ہیں اور سلامتی وکامیابی کے لئے ایک فیصلہ پر پہنچ جاتے ہیں بس اسی کا نام شوری ہے''(27)شوریٰ سے متعلق علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے وہی رائے ظاہر کی ہے جو آج کل کے ترقی یافتہ پارلیمانی نظام کے لئے بھی پیش کی جاسکتی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ''شوری کی روح یہ ہے کہ جماعت کے افراد میں سے ہر فرد اپنے علم اور قابلیت کے مطابق اپنی آرا اور خیالات پیش کر دیتا ہے ایک دوسرے کے نظریات آپس میں ملتے ہیں اور اس سے ایک اچھا فیصلہ ہاتھ میں آجاتا ہے''(28)

یہ بات واضح رہے کہ اسلام سے قبل عرب کے بادشاہوں نے بااثر سرداروں کی زیرنگرانی ریاست کے معاملات کو چلانے کے لیے ایک جامع مشاورتی افراد پر مبنی ایک مجلس قائم کی تھی جسے شیوخ مجلس کا نام دیا جاتا تھا۔معروف سیرت نگار ابن ہشام کے مطابق''مکہ کی شہری ریاست کی آبادی متعدد قبائل اور خاندانوں پر مشتمل تھی جس کے لئے انہوں نے سوسائٹی کے پیدا کردہ پیچیدہ سماجی،اقتصادی،سیاسی اور خاندانی مسائل کے تقاضوں کے لئے ایک مرکزی ادارے کے قیام کی ضرورت محسوس کی جس کے لئے''مکہ کی شیوخ کی مجلس اعلی(دارالندوہ)قصی نے اپنے صدارت میں قائم کی تھی''(29)

اگر اسی تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم یہ ہوگا کہ آج کے زمانہ میں''پارلیمینٹ''بھی مجلس شوریٰ کی عکاسی کرتی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی بناء پر شوری کی حقیقت پوری طرح سامنے آجاتی ہے اور یہ سمجھنے کا موقع ملتا ہے کہ پارلیمینٹ کا وجود کوئی ایسی منفرد شے کا نام نہیں ہے جس کو آج سے پہلے نہیں سمجھا گیا۔شوری کی قانونی حیثیت یہ ہے کہ یہ ایک ایسا قانونی حکم پر عمل کرنا ہے جو کبھی ریاست کے نظام کو کمزور نہیں ہونے دیتا ہے۔

اس کی قانونی حیثیت کا اندازہ لگانے کے لئے یہ حقیقت کافی ہے کہ شوریٰ کا حکم سرداردو جہاں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور دنیا کی اس عظیم الشان عالمگیر قوم کے لیے ہے جس کو عرش اعظم سے بہترین امت کا خطاب سے نوازا گیا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اور رحمت للعالمین کو یہ کہہ دیا ہے کہ

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾(30)حکومت کے معاملات میں شوری پر عمل کیجئے۔

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾(31)اُن کے(حکومت)کے کام شوری سے انجام پاتے ہیں۔

شوریٰ کی اسی قانون حیثیت کو چھٹی صدی ہجری کے مستند عالم قانون دان امام ابن عطیہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

''ان الشوریٰ ھی من قواعد الشریعہ وعزائم الاحکام''(32)

شوریٰ شریعت کی قوانین میں سے ایک اساسی قانون اور حکومت کے فیصلوں کی بنیاد ہے''

الغرض مجلس شوری یعنی''مشاورت ادارہ''ایک زبردست حکمت عملی کا نام بھی ہے اور شوری کے ذریعے کبھی بھی حکومت وقت اعلی رہنمائی سے محروم نہیں ہوتی ہے اور جو شوری کو ترک کرے گا وہ کبھی بھی ٹھیک فیصلہ اور راستے پر نہیں چل سکے

Marfat.com

گا۔آگے چل کر یہی شوریٰ کے منتخب ارکان اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے ریاست کے نظام کو چلانے کے لیے ایک ایسے فرد کا انتخاب کرتی ہے جو ریاست میں رہنے والے تمام اقوام کے لیے نہ صرف قابل قبول ہو بلکہ نظام کو چلانے کے لیے پوری طرح استعداد بھی رکھتا ہو اور اس میں عدل کا مزاج بھی پایا جاتا ہو جس کی بنیاد پر وہ ایک اجتماعیت کے لیے عدل پر مبنی نظام کو قائم کر سکے۔

7۔حاکم وقت

شوریٰ کے اراکین کے انتخاب کے بعد ایسے فرد کا انتخاب عمل میں لایا جاتا ہے جسے حاکم کہتے ہیں اور حاکم ایک ایسی اصطلاح ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہی ہے۔ حاکم دراصل ریاست میں رہنے والے لوگوں کے لیے رہنما کی حیثیت رکھتا ہے اور سابقہ ادوار میں حاکم وقت کے مختلف نام ہوتے تھے جن کا انتخاب شوری، مجلس وقت، یا مجلس حکومت کے فیصلوں کے مطابق ''خلیفۃ المسلمین، امیرالمومنین، امام اعظم، اولوالامر، زعیم الامۃ، رئیس عام، والی عام، جبکہ دور شہنشاہیت میں حاکم کا انتخاب شوریٰ کے بجائے وراثتی عمل یعنی خاندانی حسب نسب کی بنیاد پر طے کیا جاتا تھا جس میں سلاطین اور تاجداروں کے لیے جو الفاظ استعمال کیے جاتے تھے، وہ اعلیٰ حضرت، جلالۃ الملک، خلد اللہ ملک، سلطان المعظم، جیسے خطابات ہوتے تھے''(33)۔

مختصراً یہ کہ ''اولی الامر (حاکم) یہ اُس شخص کا خطاب ہے جو اجراء احکام کا منصب رکھتا ہے یعنی وہ ذمہ دار ہستیاں جو حکومت پر فائز رہتی ہیں''(34)ابن منظور افریقی کہتے ہیں''اولی الامر وہی ذمہ دار ہستی ہوسکتی ہے جو ظالم کو ظلم سے روکتا ہے''(35)''امام (حاکم) قافلہ کا وہ رکن جو آگے آگے چلتا ہو، امام زعیم امت ہو اور اسلامی نظام کا رئیس اور صدر''(36) کہلاتا ہے۔اسی طرح سے مسلم ریاست کے حاکم کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان انتہائی اہم ہے جو ریاست کے استحکام اور انتشار سے بچنے کے لئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''مسلم حکمران کی اطاعت کرو خواہ وہ نک کٹا حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو''(37) یہاں پر یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ کسی بھی نظام کو چلانے کے لئے ایک سربراہ کا ہونا ضروری ہے جو اس نظام کو چلائے اور ریاست کے تمام ادارے اس کے ساتھ تعاون کریں اور ریاست کے تمام اداروں پر اس کی حاکمیت اور اُس کے احکامات کی پابندی ضروری ہوجاتی ہے۔

7.1......حاکم وقت کی اہم ذمہ داریاں

ریاست کے حاکم کی ذمہ داریوں میں یوں تو بے شمار امور ہیں جن میں دفاعی، اقدامی معاملات، خارجی اور داخلی امور امن عامہ اور معاشی استحکام اور دیگر امور بھی شامل ہیں لیکن یہاں پر ریاست کی ذمہ داریوں میں معاشرے میں رہنے والے افراد کا بنیادی مسئلہ ایک امن عامہ ہے اور دوسری عدل وانصاف کی فراہمی اور تیسری اہم ترین معاشی عدل کا استحکام ہے۔ اور اسلام کا بنیادی پیغام بھی یہی ہے کہ وہ معاشرے میں رہنے اور بسنے والے تمام افراد میں بلاتمیز رنگ ونسل، قوم و زبان ان کی جان و مال کی حفاظت سے لے کرسستا اور فوری انصاف کے علاوہ معاشی ضرورت کے تکمیل کو عمل میں لائے۔

7.2......امن عامہ کا قیام

ریاست کی بنیادی ذمہ داریوں میں امن وامان کے نظم کا قیام ہے اور سیاسی نظام کے چلانے کے لئے بھی اس کی

Marfat.com

انتہائی اہمیت ہے اور مذہب بھی عالمگیر امن کا منشور پیش کرتی ہے جب ریاست کے اندر کوئی طاقت یا بیرونی طاقت اس پر حملہ آور ہوتی ہے تو تمام ریاستی ادارے اس کے خلاف میدان عمل میں آجاتے ہیں اور اس کو باقی رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے اور ریاست کے امن وامان اور قیام امن کے لئے ذمہ دار کا تقرر ریاست کے سربراہ کی طرف سے ہوتا ہے اور وہ بدامنی کو دور کرنے کے لیے نرمی کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو پوری کرتا ہے۔

''مکہ میں قیام امن کے بعد عتاب بن اسید رضی اللہ تعالی عنہ کو اس منصب کے لئے مقرر کیا گیا'' (38) اسی طرح قرآن حکیم میں بیت اللہ کے متعلق ارشاد ہے۔ ﴿وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾ (39) اور جو داخل ہوا (مکہ میں) وہ امن میں آ گیا۔ یہ پہلا ایوان ہے انسانیت عامہ کے لئے اس کے حلقہ میں جو بھی انسان داخل ہوجاتا ہے اس کے لیے امن ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس شہر کے امن کے لیے جو دعا مانگی تھی۔ ﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ﴾ (40) اس شہر کو امن کا دارالخلافہ بنا دے اور اس کے وابستگان کو ثمرات اور بہار آفرین زندگی عطا فرما۔

عہد رسالت کے امن وامان کی صورت حال کی ایک مفکر نے یوں تصویر کشی کی ہے ''آنحضرت نے نئے مذہب کے ساتھ ایک نیا نظام حکمرانی بھی پیش کردیا جو بالکل جدید اور خاص صورت رکھتا تھا، متعدد چھوٹے بڑے اور مختلف اقسام کے قبیلوں کو جو رات دن بدامنی میں مبتلا رہتے تھے آنحضرت کے پیغام نے ایک قوم بنا دیا ...... جب آنحضرت کا وصال ہوا تو تمام عرب پر خدا کا امن چھایا ہوا تھا'' (41)۔

7.3...... معاشی عدل ومساوات

قدیم زمانہ سے مال ودولت کی محبت اور مال ودولت کو جمع کرنے کا سلسلہ انسان کا فطری عنصر رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے انسان کی اس ہیئت اور کیفیت کو بیان کیا ہے ﴿اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ﴾ (42) ''انسان مال کی محبت پر بہت پکا ہے'' اور یہ کہ صرف انسان ہی نہیں بلکہ معاشرے کا ہر فرد سرمایہ داری اور مال ودلت کے محبت کا رجحان رکھتا ہے جیسے کہ ایک دوسرے مقام پر بھی اللہ تعالی انسان کی مال ودولت سے محبت کو یوں ذکر کرتے ہیں ﴿وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا﴾ (43) ''اور تم مال سے جی بھر کر محبت کرتے ہو''۔

جب کہ دوسری طرف سرمایہ داری کی فطرت انسان کو اپنے سرمایہ پر قانع نہیں رہنے دیتی بلکہ یہ چاہتی ہے کہ مال بڑھتا ہی چلا جائے اور مال کی یہ بڑھوتری انسان کو اپنے ذمہ داریوں سے غافل کر دیتی ہے اور حقوق کی ادائیگی اس کے لئے وبال جان بن جاتی ہے۔ یہی وجہ کہ دنیا میں جتنے بھی خدا کے پیغمبر آئیں، انہوں نے انسانوں کی معاشی ضرورتوں کی تکمیل میں حصہ لیا اور اس ضرورت کو اپنا فرض منصبی قرار دیا اور اسلام نے بھی انسان کو حکم دیا ہے کہ دنیا کے سرمایہ میں اپنے حصہ اور حق کو فراموش نہیں کرنا ﴿وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ (44) ''اور دنیا میں سے اپنے حصے کے سرمایہ کو نہ بھولیئے''۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے پیشروں کی طرف اس میدان میں سرگرم عمل رہیں اور آپ نے بھی اس طرف بھرپور توجہ کی، اور انسان کو مال اور عمر کا حریص قرار دینے کے ساتھ ہی قانون قرآن کے موافق قدم بڑھایا اور دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ وہ معاشی احکام نافذ کیے جن کا منشاء ایک پسندیدہ اور مساوات پر مبنی معاشی نظام کا قیام تھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

Marfat.com

انسان دوسرے انسان کے بغیر اپنی معاش کا سلسلہ برقرار نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ روٹی کے ایک لقمہ کے لئے انسان کو کئی مراحل کا انتظار کرنا پڑتا ہے، کسان کی چکی کے مالک کی اور ملوں کے مستری کی ضرورت کے بعد اس کو آگ پر پکانے کے بعد انسان کے لئے اس کا حصول ممکن ہوتا ہے تن تنہا ایک فرد کے لئے اتنی ذمہ داریاں ادا کرنا ناممکن ہے اسی وجہ سے انسانی معاشرت کا دارومدار بھی باہمی تعاون پر مبنی ہے کیونکہ ''اس کی عملی پابندی سے معاشرے میں توازن قائم رہتا اور عدم پابندی سے توازن بگڑتا اور بدامنی اور بے چینی ظہور میں آتی ہے، افراد معاشرہ کا معیار معیشت سے متعلق ہے یعنی اس سے متعلق ہے کہ افراد معاشرہ کے معیار معیشت کی صورت کیا ہونی اور کیا نہ ہونی چاہئے یعنی مکان، لباس، خوارک، سواری وغیرہ کی بناء پر ان کے معیار زندگی اور مظاہر معیشت کے لحاظ سے سب کے درمیان تقریبا مساوات و برابری ہونی چاہئے'' (45)

ریاست کے تمام اعضاء کو حرکت میں رکھنے اور اجتماعی زندگی میں توازن قائم کرنے کے لئے صرف قوت، انتظام اور تدابیر ہی کافی نہیں ہوتی بلکہ اس عالم طبعی میں افراد کی انفرادی اور پورے معاشرے کی اجتماعی مادی ضروریات کی تکمیل بھی سیاسی تنظیم کے ذریعہ پایہ تکمیل کو پہنچتی ہے، ریاست کا انتظامی شعبہ حکومت معاشرتی زندگی کو مستحکم بنانے اور ترقی دینے کے لئے اپنے مادی وسائل سے جو کچھ حاصل کرتا ہے وہ اسی کی فلاح و بہبود و ترقی پر خرچ کرتا ہے، جدید سیاسی اصطلاح میں ریاست کی اس دولت کو خزانہ کہا جاتا ہے، اسلامی شریعت میں اسلامی حکومت کے خزانہ کو بیت المال کہا جاتا ہے، جس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ حکومت مختلف ذرائع سے جو دولت خزانہ میں جمع کرتی ہے وہ اسی سے وہ تمام اخراجات پورے کرتی ہے جو اجتماعی زندگی میں استحکام و ترقی کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔

7.4...... بیت المال

ہر ریاست میں حاکم ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ریاست میں رہنے والے افراد کو معاشی حقوق اور ان کے درمیان مساوات اور برابری کو قائم کریں تا کہ ریاست کے حدود میں رہنے والے تمام افراد کو دنیا میں رہنے کے لیے درکار ہر چیز میں ہر ایک کو برابر کا حصہ عطا ہو جس میں بنیادی چیز سوسائٹی کے ہر رکن کے لیے گھر رہنے کے لیے، کپڑا جسم ڈھانپنے کے لیے، روٹی پیٹ بھرنے کے لیے اور پانی استعمال کے لیے، چاہے وہ آسمان سے برسے یا نہروں اور کنوؤں کے ذریعے ملے۔ فراہم کرنا ضروری ہے اور یہ سب کچھ ریاست بیت المال کے ذریعے عمل میں لاتا ہے۔ اگر چہ شروع اسلام میں بھی بیت المال یا خزانہ کو کوئی وجود نہ تھا اور نہ باقاعدہ اس کی ضرورت پیش آئی اس لیے کہ ''جب کبھی مال غنیمت آتا تو اسی وقت آپس میں تقسیم کر دیا جاتا، صدقات اور زکوۃ کی آمدنی وصول ہوتی تو وہ مستحق افراد میں بانٹ دی جاتی اور کچھ ہنگامی ضرورتوں کے لیے محفوظ کردی جاتی'' (46)۔

لیکن بعد میں جوں جوں مسلمانوں کو فتوحات ملتی رہی اور ریاست کی تشکیل وسیع تر ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں باقاعدہ بیت المال تشکیل دیا گیا۔ اور یہی وجہ کہ آپ رضی اللہ عنہ کے بقول ''مملکت کا خزانہ (بیت المال) خاص طور ان شہریوں کا ذمہ دار ہے جن کے ہاتھ خالی ہیں'' (47) کیونکہ یہ سرکاری مال غریبوں کے لیے ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ بیت المال یہ سب کچھ کہاں سے پورا کرے گا؟ تو یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ریاست میں رہنے والے سرمایہ دار افراد سے

Marfat.com

سالانہ زکوۃ،صدقات،خمس،خراج،غیر مسلم سے جزیہ،عشر،وقف املاک کی آمدنی وغیرہ وصول کریں اور ریاست کے وہ شہری جو بنیادی سہولتوں سے محروم ہے اس کے ذریعے ان کی کفالت کریں اس لیے ''الخلق عیال اللہ واحب الناس عنداللہ احسنھم لعیالہ'' (48) ''تمام انسان اللہ کا کنبہ ہے۔اور بہترین انسان وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے لیے اچھا ہو'۔اس لیے کہ ہر انسان دوسرے انسان کے تعاون کے بغیر اپنے معاش کا سلسلہ برقرار اور جاری نہیں رکھ سکتا،حاکم ریاست تمام سرمایہ دار افراد کو تمام مدات میں بیت المال کو ادائیگی کا پابند بنائیں،اور بیت المال میں جمع جمیع اشیاء کو ریاست کے محتاج افراد کی مدد اور ان کے ساتھ تعاون میں انصاف کے ساتھ صرف کریں۔ اسی لیے ریاست کے استحکام اور بہتری اور افراد انسانی کی معاشی ترقی کے لیے بیت المال کا انتظام نہایت ہی ضروری اور اہمیت کا حامل ہے۔

7.5......عدل وانصاف کی فراہمی

عدل وانصاف کی فراہمی اور اس کا قیام ہر مہذب ومتمدن انسانی معاشرہ کی اولین ضرورت اور متمدن ریاست کا سب سے اہم فریضہ ہے۔عدل و انصاف کے بغیر نہ لوگوں کے درمیان حقوق وفرائض کا تعین ہوسکتا ہے اور نہ ظلم واستحصال کو ختم کیا جا سکتا ہے اور ہر زمانہ میں قانون سازی اور تشریع کا بنیادی مقصد اسی کو سمجھا گیا ہے کہ وقت اور حالات کے ساتھ نئے قانون کا اجرا کرنا ضروری ہے تاکہ معاشرہ کے افراد کو سہولت کے ساتھ بروقت انصاف حاصل ہو سکے۔

سیرت طیبہ کی مستند کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت رسول اور بحیثیت سربراہ ریاست معاشرہ میں عدل وانصاف کے قیام کے جاری کرنے کے ذمہ دار تھے یہی وجہ ہے کہ عدالت ریاست نبوی کا ایک مستقل شعبہ اور اہم ترین شعبہ تھا۔ کیونکہ عدل و انصاف کے قیام میں رسول اللہ ﷺ کی تمام تر کوشش اس پر مرکوز ہوتی تھی کہ انصاف کا حصول آسان ہو اور اس انصاف کے معاملے میں کسی قسم کی تعصب یا جانبداری سے کام نہ لیا جائے یہی وجہ ہے کہ عہد نبوی میں عدالت کے تمام اختیارات اور قانون کا نفاذ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں تھا۔کیونکہ ''دستور مدینہ میں سربراہ ریاست،سپہ سالار اور چیف جسٹس کی حیثیت سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اختیارات حاصل ہوئے ان کی مثال قبل از اسلام عربوں میں نہیں ملتی بعض علاقوں کے عرب بادشاہ،مختلف قبائل کے شیوخ مکہ کی شہری ریاست کے ملاء کو جو اختیارات حاصل ہوئے ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستوری حیثیت سے وفاق کی تمام وحدتوں میں سب سے زیادہ مطمئن وحدت تھے۔انصار مدینہ اپنی قبل از اسلام کی خانہ جنگیوں،خاندانی رقابتوں،خونریز لڑائیوں اور طویل جھگڑوں سے عاجز آچکے تھے،آنحضرت کی دستوری حیثیت کو مان کر وہ خوش تھے کہ ان کے باہمی تنازعے اور جھگڑے چکانے کے لیے اب ان میں ایک مرکزی شخصیت موجود ہے۔یہ امر بہت دلچسپ ہے کہ مدینہ کے یہودیوں اور مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مانے بغیر آپ کی متذکرہ بالا آئینی حیثیت کو تسلیم کرلیا اور دستور میں آپ کی رسالت پر کوئی اعتراض نہیں کیا'' (49)۔

نظام عدل وقضاء کی اسی اہمیت کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ریاست وحکومت کے لیے عدل کے قیام کو ایک اہم فریضہ اور واجب العمل قانون قرار دیا ہے کہ یہ ریاست اور حاکم ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں میں اطمینان کے لیے اور حقدار کو اس کا حق ملنے کے لیے عدل کے قیام کو جاری کیا جائے اور اس کو ریاست کا اہم شعبہ قرار دیا جائے

Marfat.com

آپ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

''ان القضاء فريضة محكمة وسنة متبعة''(50)''قضاء ایک محکم فریضہ، واجب العمل قانون ہے، جس پر ہمیشہ عمل کیا گیا''

7.6......منصف (قاضی) کا تقرر

نظام عدل میں منصف کے منصب کی بڑی اہمیت ہے اور یہی وہ چیز ہے جو معاشرے کو اعتدال پر رکھنے اور افرادِ معاشرہ کو افراتفری سے بچانے میں نہایت ہی اہم کردارا دا کرتی ہے جس طرح اس منصب کی بڑی اہمیت اسی طرح یہ منصب بہت ہی نازک ترین ہے یہی وجہ کہ اس منصب کے حصول کو اپنے آپ کو بغیر چھری کے ذبح کرنے کے برابر قرار دیا ہے۔اس منصب سے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

''عن ابى هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من ولى القضاء فقد ذبح بغير سكين''

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو منصب قضاء پر مامور کیا گیا اس کو گویا بغیر چھری ذبح کر دیا گیا'' (51)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس منصب کی ذمہ داریاں اس قدر زبردست ہیں کہ ان کو پورے طور کما حقہ انجام دینا ایسا ہی مشقت اور تکلیف کا کام ہے جیسے بغیر چھری کے ذبح ہونا۔اسی طرح ایک منصف کو چاہئے کہ گفتار، کردار، لب ولہجہ میں فریقین کے درمیان بالکل یکساں سلوک کریں اس کے متعلق ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

''من ابتلى بالقضاء بين الناس فلا يرفعن صوته على احد الخصمين مالا يرفع على الاخر''(52).

جو شخص لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کی آزمائش میں ڈال دیا جائے اس کو چاہئے کہ کسی صورت میں بھی ایک فریق سے دوسرے فریق کے مقابلہ میں زیادہ بلند آواز سے ہرگز گفتگو نہ کریں۔

نظام عدل کے دوترازوں اور پلّے ہمیشہ برابر ہونے چاہئے اور یہ ہر عدالت کے منصف کا فرض ہے کہ اس کا خصوصی لحاظ وخیال رکھیں

﴿وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾(53)

''اور ہم نے ان کے لیے کتاب اور میزان کو نازل کیا تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں''

7.7......منصف کے لیے ہدایات

یہاں یہ بات جاننا نہایت ہی اہم اور ضروری ہے کہ اسلام کے احکام دو طرح کے ہیں۔ مستقل اور وقتی، جو مستقل احکام ہیں ان میں تو کسی طرح بھی ردوبدل نہیں ہوسکتا لیکن جو وقتی احکام ہیں ان میں حالات کے مطابق تبدیلی ہوسکتی ہے، بشرطیکہ عدل کا تقاضا ہو۔ دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام پہلا و آخری دین ہے جس نے اپنے تمام احکام، شرائع، تعزیرات اور

Marfat.com

اصولوں میں سختی کے ساتھ جس چیز کو مدنظر رکھا ہے وہ ہے عدل۔ اسلام کبھی بھی یہ گوارہ نہیں کرتا کہ انسان صرف قانون کی بھینٹ چڑھادیا جائے بلکہ اسلام اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وقت اور حالات کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے قانون میں نرمی کر دی جائے، اٹل اور واضح احکامات کے علاوہ فیصلوں میں انسانی معاشرہ کے لئے آسانی پیدا کی جائے اور احکام کے نفاذ میں بھی سہولت کا خیال رکھا جائے۔ منصب کی اہمیت کے پیش نظر منصف ان گنت صفات اور خصوصیات کا حامل ہونا چاہئے اس کے بارے عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں۔

''لا ينبغي ان يكون قاضيا حتى يكون فيه خمس، ايتهن اخطاته كانت فيه خللا، يكون عالما بما كان قبله، مستشيرا لاهل العلم، ملغيا للرثغ. يعني طمع، حليما عن الخصم، محتملا للائمة''

''کسی شخص کے لئے اس وقت تک قاضی بننا مناسب نہیں جب تک اس میں پانچ خصوصیات نہ ہوں۔ ان میں سے جس خصوصیت میں بھی کمی ہوگی منصب قضاء (کے تقاضوں کی بجاآوری) میں خلل واقع ہوجائے گا۔ ۱۔ سابقہ فیصلوں کا علم ہوں ۲۔ اہل علم سے مشورہ کرنے والا ہوں ۳۔ حرص و آز سے بچنے والا ہو ۴۔ فریقین کے معاملہ میں بردبار ہوں ۵۔ ملامت کو برداشت کرنے والا ہو (یعنی حق کے مطابق فیصلہ کرنے میں کسی کے کہنے سننے کی پرواہ نہ کرنے والا ہو (54)

عدلیہ کی تاریخ کی ایک اہم اور قدیم ترین دستاویزات میں سے ایک اہم دستاویز حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ کے نام وہ خط ہے جس کی زمانہ حال کے بہت سے مسلم اور غیر مسلم اہل قلم نے اس دستاویز کے بارے میں تحقیق کی ہے اور اس پر تفصیلی مقالے شائع کئے ہیں۔ یہ دستاویز دراصل عدالتی نظام کے لئے روح اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے جو اصل متن کے ساتھ کتاب مجموعہ الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدہ میں محفوظ ہیں اس میں ایک جگہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منصف کو ہدایات دیتے ہوئے فرماتے ہیں

''آس بين الناس في مجلسك ووجهك حتى لا يطمع شريف في حيفك، ولا ييأس ضعيف من عدلك''

''اپنی نشست و برخاست اور چہرے کے تاثرات تک میں لوگوں کے درمیان برابری اور مساوات قائم رکھو، تاکہ کوئی بااثر آدمی یہ غلط امید نہ رکھے کہ تم سے کسی کے خلاف کوئی زیادتی کرالے گا، اور کوئی کمزور شخص اس سے مایوس نہ ہو کہ اس کو تمہارے ہاں سے عدل وانصاف نہیں ملے گا اور اسی طرح کوئی کمزور شخص تمہاری سختی سے خوفزدہ نہ ہو''

''ولا يمنعك قضاء قضية بالامس فراجعت فيه نفسك وهديت لرشدك ان ترجع الى الحق، فان الحق لا يبطله شيء. واعلم ان مراجعة الحق خير من التمادى فى الباطل''

''اگر تم نے کل کوئی فیصلہ کرلیا ہے اور آج اس پر تم نے دوبارہ غور وفکر کیا ہے۔ اور تم کو راہ راست کی

Marfat.com

طرف رہنمائی حاصل ہوگئی ہے تو محض یہ بات کہ تم کل ایک فیصلہ کر چکے ہو تمہیں ہرگز ہرگز حق کی طرف رجوع کرنے سے باز نہ رکھے، اس لئے کہ یاد رکھو حق ایک اٹل حقیقت ہے اس کو کوئی دوسری چیز باطل یا غلط نہیں ٹھرا سکتی۔ اور یاد رکھو باطل پر اڑے رہنے سے کہیں بہتر ہے کہ حق کی طرف رجوع کرلیا جائے"

"وایاك والقلق والضجر والتاذی بالخصوم فی المواطن التی یوجب الله بها الاجر ویحسن الذخر. فانه لمن صلحت سریرته فیما بینه وبین الله اصلح الله ما بینه وبین الناس، ومن تزین الدنیا بغیر ما یعلم الله منه شأنه الله"(55)

"کمرہ عالت میں غصہ سے پرہیز کرو، تنگدلی اور پریشانی سے بچو، لوگوں کی مقدمہ بازی سے اکتاہٹ اور تکلیف محسوس نہ کرو، اس لئے کہ یہی وہ موقع ہے جہاں تمہیں حق نافذ کرنے پر اللہ کے ہاں اجر کا موجب اور آخرت میں بہترین ذخیرہ کا سبب بنے گا۔ جو شخص اپنے اور اللہ کے درمیان حق کے معاملہ میں نیت کو صاف اور خالص کر لیتا ہے چاہے (اگرچہ اس کا نتیجہ اس کے اپنے ہی خلاف پر رہا ہو) تو اللہ تعالی اس کے اور لوگوں کے درمیان کے معاملات کو بھی صاف اور خالص کر دیتے ہیں اور جو شخص اپنے آپ کو دنیا کے سامنے مزین کر کے پیش کرے گا جبکہ اللہ تعالی اس کو خوب جانتا ہے تو ایسے شخص کو اللہ تعالی رسوا کرے گا"۔

8۔ عدل اجتماعی قرآن حکیم کی نظر میں

دنیا میں نظام عدل کے قیام کا سب سے بڑا مقصد مملکت کے تمام شہریوں کے حقوق کا بلا رنگ و نسل، مذہب ومسلک، دوست ودشمن کا تمیز کئے بغیر امن، آزادی اور مساوات کا حفاظت کرنا ہوتا ہے۔ نظام عدل معاملات کا فیصلہ کرنے میں حکم کی حیثیت کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ قانون کی تشریح اور اس کی نفاذ کا حکم دیتی ہے اور قانون کے مطابق کسی کا بھی ثابت شدہ حق کو ظاہر کرتی ہے تاکہ معاشرہ انارکی سے بچ کر صحیح اعتدال اور توازن کے ساتھ پروان چڑھے۔ عدل خدا کا حکم ہے اور خدا کا قانون مملکت کے عدالت کا قانون کلی ہے اس کے متعلق قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

﴿وَمَا اخۡتَلَفۡتُمۡ فِيۡهِ مِنۡ شَىۡءٍ فَحُكۡمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ﴾(56)

"جب آپس میں کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہوجائے تو اس میں اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرو"

انسانی معاشرہ میں رہنے اور بسنے والا ہر انسان حکومت وریاست کے قانون عدل کے سامنے جوابدہ ہے باپ کے بدلے بیٹے یا بیٹے کے بدلے باپ سے کوئی پوچھ تاچھ نہیں کی جائے گی بلکہ ہر انسان اپنے عمل کا خود جوابدہ ہوگا۔

﴿بَلِ الۡاِنۡسَانُ عَلٰى نَفۡسِهٖ بَصِيۡرَةٌ﴾(57) "بلکہ ہر انسان اپنے نفس کا ذمہ دار ہے"

اس لیے کہ ہر انسان کو اس کے طاقت کے مطابق مکلف قرار دیا گیا ہے۔

﴿لَا نُكَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا﴾(58) "ہم نے کسی نفس کو اس کے طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں ٹھرایا"

قرآن حکیم میں عدل وانصاف سے متعلق جتنی بھی آیات ہیں وہ اس حقیقت پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالی کی صفت

Marfat.com

عادل ہونے کی وجہ سے عدل وانصاف غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ انسانی معاشرہ میں فتنہ وفساد سے محفوظ رہنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ عدل کا نفاذ ہو جو کہ امن کی وجودگی کی دلیل بنتی ہے۔ کیونکہ قرآن کا مقصود اصلی یہی ہے کہ وہ مجموعی طور اجتماعیت کی بات کرتا ہے اور کسی قسم کی تخصیص بھی نہیں چاہتا۔ وہ عدل و انصاف میں اونچے اور نچلے طبقے کی تفریق، چھوٹے بڑے کی تمیز، سیاسی اور غیر سیاسی منفعت، یہاں تک کہ اپنی ذاتی خواہش کو بھی عدل و انصاف کی بھینٹ نہیں چڑھانا چاہتا۔ قرآن کے نزدیک عدل وانصاف کا بلند ترین درجہ لوگوں کے اخلاقی معیار کو بلند کرنا ہے اور انہیں روحانی طور پر اونچا رکھنا ہے اور انہیں اس قابل بنانا ہے کہ وہ دوسروں کے مفادات کو نقصان پہنچانے کے بجائے اُن کی حفاظت اور نگہداشت کریں، اس اخلاقی معیار کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی دشمن سے بھی کوئی جرم سرزد ہو جائے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ انصاف کریں اور زیادتی سے گریز کریں۔

﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى﴾ (59) جب تم بات کرو تو عدل کرو خواہ وہ تمہارے رشتہ دار کے خلاف ہی کیوں نہ ہو

﴿وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (60) اور انصاف کرو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ (61)

''اور کسی قوم کی سخت دشمنی بھی تمہیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم (اس سے) عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیز گاری سے نزدیک تر ہے اور اللہ سے ڈرا کرو''

ان مذکورہ بالا قرآنی پیغامات کی روشنی میں عدل کی اہمیت کو بیان کیا گیا اور ساتھ ہی نبی علیہ السلام کے ذریعے پوری امت کو بتا دیا ہے کہ آپ بحیثیت منصف اُن تمام اصولوں کی بنیاد پر فیصلے دیں جو کہ ہر ایک کے لیے بلا تمیز رنگ ونسل انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے لیے قانون عدل میں ایسی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی جو ذاتی منشاء اور خواہش کی تکمیل کے لیے ہوں۔ یہی وجہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود اپنے لئے بار بار تکرار اور تسلسل کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ عادل ومنصف ہے اور وہ سب کے ساتھ مساوات کی بنیاد پر عدل کے قانون کا نفاذ چاہتا ہے اور یہی پیغام نبی آخر الزمان محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی دیا گیا۔

(۱) ﴿قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ﴾ (62) اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے انصاف کا حکم کیا ہے''۔

(۲) ﴿وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (63) اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں''

اس تاکید کے بعد مسلمانوں کو بھی یہ حکم دیا گیا کہ اپنے جھگڑوں وغیرہ میں فیصلہ کے لئے آپ ﷺ کو منصف بنائیں۔

(۳) ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (64)

سو تیرے رب کی قسم یہ لوگ ایمان دار نہیں ہو سکتے جب تک اپنے جھگڑے میں تجھے منصف نہ بنالیں پھر

Marfat.com

جو تو فیصلہ دے اس پر ان کے دلوں میں کوئی تنگی واقع نہ ہوں اور تمہارے فیصلہ کو بسر وچشم قبول کرلیں‘‘

9۔ عدل اجتماعی اور عہد نبوی

کسی بھی معاشرے کے استحکام و ترقی کے لیے ضروری ہے کہ اس میں عدل اجتماعی کا بنیادی طور پر نفاذ ہو اور جب بات کسی مسلم معاشرے ہو تو وہاں اور بھی ضروری ہو جاتا ہے اس لیے کے عہد نبوی میں رسالت مابﷺ نے سب سے زیادہ توجہ عدل اجتماعی پر ہی دی ہے اور معاشرے میں رہنے والے تمام طبقات نے اِسے بخوشی قبول بھی کیا ہے۔ کیونکہ عہد نبوی سے قبل معاشرے میں رائج نظام لوگوں کے بنیادی حقوق سے متصادم تھا۔ یہی وجہ کہ عہد نبویﷺ میں قائم کیا جانے والا عدل اجتماعی کا تصور یقینی طور پر ہر زمانے کے لیے ایک لا زوال مثال ہے۔ اس لیے کہ وقت اور حالات کے ساتھ نئے قوانین جاری کیے گئے ہیں تا کہ معاشرہ کے افراد کو اس سے سہولت حاصل ہو سکیں اسی سے متعلق ایک فرمان نبوی ہمیں یہ رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

’’یسروا ولاتعسروا بشروا ولاتنفروا‘‘(65) آسانی پیدا کرو اور مشکل میں نہ ڈالو، خوشخبری سناؤ اور نفرت نہ دلاؤ

اسی طرح مسلمانوں کو ایک حکم پر عمل میں تنگی و مشقت میں دیکھ رسول اللہﷺ نے فرمایا۔

’’جو تم میں سے قربانی کریں اسے چاہئے کہ تین روز کے بعد تک اس کا گوشت نہ رکھے (بلکہ تقسیم کردے) جب دوسرا سال آیا تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا گزشتہ سال ہی کی طرح کریں؟ فرمایا (نہیں بلکہ) کھاؤ اور کھلاؤ اور جمع کرو۔ اس سال چونکہ لوگوں پر تنگی تھی اس لئے میں نے چاہا تھا کہ تم اس طریقے سے ان کی مدد کرو (اب اس کی ضرورت نہیں)‘‘(66)

عدل کے قیام میں دعوی کے ثابت کرنے کو بڑی اہمیت حاصل ہے چنانچہ اسی سے متعلق رسول اللہﷺ کا ارشاد ہے

’’لو یعطی الناس بدعواھم لادعی الناس دماء رجال واموالھم‘‘ (67)

اگر لوگوں کے دعوی کو یوں ہی تسلیم کر لیا جائے تو عدالتوں میں خون کے اور مال کے بہت سے دعوے دائر ہو جائیں گے‘‘

عدل کے قیام میں رسول اللہﷺ کی تمام تر کوشش اس پر مرکوز ہوتی تھی کہ انصاف کا حصول آسان ہو اور اس انصاف کے معاملے میں کسی قسم کی تعصب یا جانبداری سے کام نہ لیا جائے۔ رسول اللہ کی نظر میں قانون کا اطلاق ہر ایک پر یکساں طور پر ہوتا تھا یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپ نے یہ کہہ کر عدل و انصاف کے معاملہ میں ہر قسم کی بدعنوانیوں کا خاتمہ کر دیا کہ

’’والذی نفس محمد بیده لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدھا‘‘ (68)

’’اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر فاطمہ بن محمد نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا‘‘

اور عہد رسالت میں مقدمات بہت کم تعداد میں آتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ ریاست نبوی میں قانون کا اجراء و نفاذ معاشرہ کے اخلاقی ارتقاء کے ساتھ ساتھ ہوا اور یوں قانون کے ساتھ ساتھ اس کی اصل روح ایک منظم سانچے میں ڈھلنا شروع

Marfat.com

ہوئی۔ اس لئے دربار رسالت سے جو بھی فیصلہ جاری ہوتا تو اسے فی الفور تسلیم کر لیا جاتا کیونکہ یہ صرف ایک دنیاوی قانونی معاملہ نہیں تھا بلکہ حکم الٰہی کا ایک اہم تقاضہ تھا۔اسی طرح منصب نبوت میں حکمت کا تقاضہ یہی تھا کہ تنازعہ یا مقدمہ عدالت میں باقاعدہ طور پر آنے سے پہلے ہی فریقین کی رضامندی سے ختم ہوجائے تو زیادہ بہتر ہے اور قرآن حکیم نے بھی اس کی طرف توجہ دلائی ہے کہ مسلمانوں میں باہم کوئی اختلاف یا نزاع کی صورت پیدا ہوجائے اور بات لڑائی جھگڑے تک پہنچے تو سب کو صلح کی باہمی اجتماعی کوششوں کی طرف متوجہ کیا ہے۔

﴿فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ﴾ (69) ''پھر آپ صلح کروان کے درمیان عدل کے ساتھ''

اور صلح کرتے وقت بھی عدل کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور کسی ایک جانب کے مقابلے میں دوسرے جانب زیادہ جھکاؤ نہیں ہونا چاہئے بلکہ باہم دونوں میں صلح کرتے وقت دونوں کے درمیان عدل کا پاس رکھنا بھی ضروری قرار دیا ہے تاکہ جانبین سے کسی کی حق تلفی، زیادتی یا پھر کمی بیشی عمل میں نہ آسکیں۔

9.1......اہل کتاب کے ساتھ عدل

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانیت کی وحدت اور اجتماعیت کے قائل تھے اور انسانی معاشرے میں ہر طرح کی تمیز، فرقہ واریت، گروہیت کو وحدت اجتماعی کے لئے مضر قرار دیتے تھے اور انسانی معاشرہ کو ہر طرح کی عصبیت، تعصب اور عداوتوں سے پاک کر کے تمام انسانیت کو وحدت کی لڑی میں پرونا چاہتے تھے۔قرآن حکیم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل کتاب کے ساتھ عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔

﴿فَإِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾(70)

''اگر غیر مسلم تمہارے پاس آئیں تو ان کے جھگڑے کا فیصلہ کر دو یا ان سے اعراض کر لو لیکن اگر فیصلہ کرو تو انصاف سے کرو۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے''۔

اور ساتھ ہی یہ حکم بھی ہوا:

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ ﴾(71)

''ان کے درمیان خدا کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ کرو اور حق چھوڑ کر ان کی خواہش کی پیروی نہ کرو''۔

لہٰذا سرکار دو عالم نے اہل کتاب کے ساتھ ہر معاملے میں انصاف کا برتاؤ کیا اس حوالے سے ایک واقعہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ ایک یہودی کے خلاف فیصلے کی وجہ سے آپ ﷺ کو استغفار کا حکم ہوا۔علامہ ابوبکر جصاص ﴿وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾ (خیانت کرنے والوں کی پاسداری مت کرو) کی تفسیر کرتے ہوئے اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

''روی انه نزل فی رجل سرق درعا فلما خاف ان تظهر علیه رمیٰ بها فی دار یهودی فلما وجدت الدرع انکر الیهودی ان یکون اخذها وذکر السارق ان الیهودی اخذها فاعان قوم

Marfat.com

من المسلمين هذا لاخذ على اليهودی فمال رسول الله صلی الله علیه وسلم الی قولهم فاطلعه الله على الآخذ وبرأ اليهودی منه ونهاه عن مخاصمة اليهودی وامره بالاستغفار مما كان منه"(72)

''اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ اس آدمی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس نے ایک زرہ چرا لی تھی اور جب اندیشہ ہوا کہ چوری کھل جائے گی تو ایک یہودی کے گھر میں پھینک دی جب زرہ یہودی کے گھر میں پائی گئی تو اس نے انکار کیا چوری سے اور اصل چور یہودی پر چوری کا الزام دھرنے لگا اور مسلمانوں کی ایک جماعت نے یہودی کے مقابلے میں مسلمان کا ساتھ دیا چنانچہ آنحضرت ﷺ بھی مسلمانوں کے قول کی طرف مائل ہو گئے لیکن اللہ نے آپ ﷺ کو اصل واقعہ کی اطلاع دی اور یہودی کو بری قرار دیا اور اس کے خلاف فیصلہ کرنے سے روک دیا اور استغفار کا حکم دیا''۔

رسول اکرم ﷺ نے ایک بہتر معاشرے کی تشکیل کے لیے ہمیشہ عدل اجتماعی کو فروغ دینے کی ترغیب دی ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا مزاج مبارک اعتدال پر مبنی تھا۔ پھر کیسے ممکن نہ ہوتا کہ آپ دوسروں کے لیے معتدل نہ ہوتے اور عدل پر مبنی فیصلے نہ فرماتے۔ یہی وجہ ہے معاشرے میں موجود تمام طبقات کے ساتھ اور بالخصوص اہل کتاب سے ہر طرح کا تعاون فرمایا ہے اور اُن کے جان و مال، عزت وآبرو کی حفاظت کا بھی ذمہ اٹھایا ہے۔ اس سلسلے میں میثاق مدینہ تاریخی طور پر زبردست مثال ہے۔

(۱) وان بينهم النصر علىٰ من حارب اهل هٰذه الصيحفة

یہود و مسلمان آپس میں ان لوگوں کے مقابلہ میں جو اس دستاویز کرنے والوں سے جنگ کریں گے مددگار ہوں گے۔

(۲) ان بينهم النصح والنصيحة والبر دون لا ثم

یہود اور مسلمان کے درمیان دوستی اور خیر خواہی رہے گی برائی نہیں رہے گی۔

(۳) وان يثرب حرام جو فهلاهل هذه الصحيفة وان الجاد كالنفس غير مضار ولا آثيم

اس دستاویز کے شرکاء کے لیے مدینہ کی داخلی زندگی میں بگاڑ حرام ہوگا۔ پڑوسی کی حفاظت اپنی ذات کی طرح ہوگی۔ نہ تو کوئی کسی کو نقصان پہنچائے گا نہ کوئی جرم کرے گا۔

(۴) وان لا تجار قريش ولا من نصراها وان بينهم النصر على من دهم يثرب

قریش کو اور قریش کے معاونوں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔ مدینہ پر کوئی شخص حملہ کرے گا تو دونوں فریق باہم ایک دوسرے کے مددگار ہوں گے۔(73)

اس معاہدہ کو عدل اجتماعی کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ عالمگیر حیثیت میں پہلا مظہر قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس معاہدہ نے یثرب کی ریاست میں مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کو ایک اجتماعیت کی لڑی میں پرو کر رکھ دیا۔ عہد نبوی ﷺ سے ہمیں اہل کتاب کے ساتھ مختلف اور بھی معاہدات ملتے ہیں جن سے آپ ﷺ کا اہل کتاب کے حوالے سے رویہ اور نقطہ نظر سامنے آتا

Marfat.com

ہے۔۲ھ بمطابق ۶۲۲ء میں آپ ﷺ نے سینٹ کیتھرائن متصل کوہ سینا کے راہبوں اور تمام عیسائیوں سے ایک معاہدہ فرمایا جو اہل کتاب کے ساتھ حریت، مساوات وسعت نظری کے ساتھ ساتھ عدل اجتماعی کی عالمگیر مثال پیش کرتا ہے۔اس میں یہ بیان کیا گیا کہ''کوئی مسلمان ان احکام کی خلاف ورزی کرے گا تو وہ خدا کے عہد کو توڑنے والا اس کے احکام کے خلاف کرنے والا اور اپنے دین کو ذلیل کرنے والا خیال کیا جائے گا اس حکم کی رو سے خود پیغمبران کے ذمہ دار ہوئے اور نیز اپنے پیروکاروں کو تاکید کی کہ وہ عیسائیوں کے گرجاؤں،راہبوں کے مکانوں اور نیز زیارت گاہوں کو ان کے دشمن سے بچائیں اور تمام مضر رساں اور تکلیف رساں چیزوں سے پورے طور پر ان کی حفاظت کریں نہ ان پر بے جا ٹیکس لگایا جائے نہ کوئی اپنی حدود سے خارج کیا جائے نہ کوئی عیسائی اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور کیا جائے نہ کوئی راہب اپنی خانقاہ سے نکالا جائے اور نہ مسلمانوں کے مکان اور مسجد بنانے کی غرض سے عیسائیوں کے گرجا مسمار کئے جائیں۔''(74)

رسول اکرم ﷺ نے اہل کتاب کی جان،مال،آبرو ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا اس حوالے نجران کے عیسائیوں سے بھی معاہدہ ایک اہم مثال ہے۔معاہدہ کی اہم دفعہ ملاحظہ فرمائیں۔

''نجران جور اللہ وذمة محمد النبی علی انفسھم وملتھم وغائبھم وشاھدھم وعشیرتھم وتبعھم وان لا یغیر حق من حقوقھم ولا ملتھم ولا یغیر کلما تحت ایدیھم من قلیل او کثیر ولیس علیھم ربیة ولا دم جاھلیة ولا یحشرون ولا یعشرون ولا یطأ ارضھم الجیش''(75)

''یعنی نجران کے عیسائیوں کو خدا اور اس کے رسول محمد ﷺ کا ذمہ حاصل ہوگا ان کی جان، مال، زمین اور جائیداد کے بارے میں ان تمام لوگوں کو جو یہاں حاضر ہیں یا یہاں سے غائب ہیں قبیلہ والے ہیں یا پیروکار ان کے کسی حق میں تغیر نہیں کیا جائے گا جو کچھ ان کے قبضہ اور تصرف میں ہے خواہ کم ہو یا زیادہ اس میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں کی جائے گی گذشتہ دور کے شبہات یا قتل کے معاملات میں وہ ماخوذ نہ کئے جائیں گے۔نہ وہ بیگار میں پکڑے جائیں گے نہ ان کے علاقہ کی زمین سے اسلامی فوج گذرے گی''۔

اس کے علاوہ بنو قریظہ کے یہودیوں کے ساتھ بھی آپ ﷺ کے معاہدہ کچھ اس طرح سے ملتے ہیں۔

''یہودیوں کی مدد اور اعانت کیجائے گی ان کو نہ کوئی نقصان پہنچایا جائے گا نہ اُن کے خلاف کسی دشمن کو مدد دی جائے گی یہودی اپنے مذہب پر قائم رہیں گے اور مسلمان اپنے مذہب پر اور اگر کوئی حملہ کرے گا تو ایک دوسرے کی مدد کریں گے'' (67)

نبی کریم ﷺ کی اعتدال پر مبنی مزاج کا یہ نتیجہ سامنے آیا کہ اسلامی حکومتوں کے مختلف ادوار میں ان تمام ہدایات پر عمل کیا گیا جن کا تعلق اہل کتاب کے ساتھ روادارانہ طرز عمل سے تھا۔مثلاً حضرت ابو بکر صدیق کے دور میں ہونے والے ایک معاہدہ جو کہ اہل حیرہ سے ہوا،کتاب الخراج میں مذکور ہے۔

''ان کی خانقاہیں اور گرجے منہدم نہ کئے جائینگے اور نہ کوئی ایسا قصر گرایا جائے جس میں وہ ضرورت

Marfat.com

کے وقت دشمنوں کے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہیں ناقوس اور گھنٹے بجانے کی ممانعت نہ ہوگی اور تہوار کے موقعوں پر صلیب نکالنے سے نہ روکے جائیں گے''(77)۔

اعتدال پسندی کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوسکتی ہے کہ معاشرے میں موجود دیگر مکتبہ ہائے فکر، مذاہب و ادیان اور بالخصوص اہل کتاب کے ساتھ بھی دیگر معاشرتی، سماجی، اخلاقی اور عباداتی معاملات میں بھی عدل کے ساتھ ان کے نہ صرف بنیادی حقوق کا خیال رکھا گیا بلکہ اُن کے مشکل اور برے وقت میں ساتھ دینا بھی اسلامی تعلیمات کی خوبصورتی ہے اور یہی دین اسلام کا ایک پیغام ہے۔معاہدات کے ساتھ بات یہاں پر مکمل نہیں ہوتی ہے بلکہ آگے چل کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعیت کے لیے جو عدل و انصاف کے پیمانے مقرر کرنے کے ساتھ جو طریقہ کار وضع فرمایا وہ بھی بے مثال ہیں۔کیونکہ جب معاملہ قاضی کے پاس پہنچے گا تو اس کے پاس ایسے کون سے معیار ہونگے جن کی بنیاد پر وہ عدل کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی فیصلے دینے میں آزاد ہونگے۔

9.2......عدالتی فیصلوں میں عدل کے تقاضے

پہلی بات یہ ہے کہ عدالتی طریقہ کار میں عدل کے تقاضے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دنیا کا چاہے کوئی بھی ملک ہو اس میں موجود نظام عدالت میں جب تک عدل کے تقاضوں پر عمل نہیں ہوگا تب تک انصاف کے لیے معاشرہ محتاج رہے گا۔اور کسی بھی معاشرے میں بالخصوص اجتماعی مفادات اور قومی اہمیت کے تناظر میں عدل کے مطابق فیصلے نہ ہونگے تب تک معاشرے میں رہنے والے تمام اقوام کے لوگوں میں بے چینی اور انتشار کی سی کیفیت رہے گی۔ اس معاشرے میں برائیاں پیدا ہونے کے امکانات بڑھ جائیں گے۔لہذا ضرورت ہمیشہ سے اس بات کی ہے کہ عدالتی نظام میں جلد اور سستا انصاف عوام کی رسائی میں آجائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عدالتی فیصلوں میں سب سے زیادہ اہمیت عدالت میں پیش کرنے والی شہادت کو حاصل ہوتی ہے۔فریقین تنازعہ کو اپنا مقدمہ اور اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کی پوری آزادی بھی دی جاتی ہے۔لہذا مقدمہ کے فیصلہ کا قطعی انحصار ظاہری شہادت پر ہی کیا جاتا ہے اسی تناظر میں ہمارے سامنے کچھ مثالیں ایسی ہیں جن میں نبی کریم ﷺ کے پاس لوگوں کے مقدمات آئے اور آپ نے بحثیت منصف نہایت ہی عدل پر مبنی فیصلے دیے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مقدمہ کے فریقین کو مخاطب کرتے ہوئے عدالت میں رسول اللہ نے فرمایا۔

> ''انما انا بشر وانکم تختصمون الیّ ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجته من بعض فاقضی علی نحو ما اسمع فمن قضیت له بحق اخیه شیئا فلا یاخذه فانما اقطع له قطعة من النار''(78)
>
> ''میں ایک بشر ہوں،تم اپنے تنازعے میرے پاس لاتے ہو،ہوسکتا ہے تم میں سے ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنی حجت زیادہ خوش آوازی سے پیش کرے اور میں جو سنو اس کے مطابق فیصلہ دے دوں۔لہٰذا جس شخص کے حق میں میں اس کے بھائی (مخالف) کے حق کا فیصلہ دوں اسے اپنے بھائی کا حق نہ لینا چاہئے کیونکہ ایسی صورت میں درحقیقت میں اسے جہنم کا ٹکرا دیتا ہوں''

Marfat.com

مقدمات کا فیصلہ ظاہری شہادت کی بنیاد پر ہوگا۔ ابن العربی اس کے متعلق تحریر کرتے ہیں۔

''ان القضاء انما یکون بظاهر القول لا بباطن الحال فان کان الحکم فی الظاهر بما لا یحل له فی الباطن''(79)''کہ فیصلہ کرنے میں ظاہری قول کا اعتبار ہوگا نہ کہ پوشیدہ حال کا، اس لئے کہ ظاہر میں جو حکم ہوتا ہے اس سے پوشیدہ حکم ظاہر نہیں ہوتا''۔

عدالتی نظام میں حکم اور فیصلے ظاہری شہادت، حالات و واقعات کی بنیاد پر کئے جاتے ہیں اور فریقین کو بھی یہ نصیحت کرنی چاہئے کہ مذہبی نقطہ نظر سے عدالتی فیصلہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں بنا سکتا جس کے لئے مجرم یوم حساب کو جوابدہ ہوگا۔ لیکن ایسے مقدمات جن میں ثبوت اور دلائل کا وزن دونوں طرف برابر تھا ایسے مقدمات میں فریقین کے درمیان میں مصالحت کرا دینا بہتر ہے ایسے ہی ایک موقع پر ایک فیصلہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا جو کچھ اس طرح ہے۔

''دو شخص ایک کنویں کی کھدائی پر اکھٹے کام کر رہے تھے ان میں سے ایک نے اپنی کدال اٹھائی، اس سے اپنے ساتھی کے سر پر ضرب لگائی اور اسے مار ڈالا، مقتول کے بھائی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں استغاثہ دائر کیا مدعی کے بیان اور پیش کردہ شہادت سے رسول اللہ ﷺ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ ایک غیر ارادی قتل تھا، اس لئے آپ نے مدعی کو ترغیب دی کہ مصالحت کر لے، اس پر اس نے مجرم کو معاف کر دیا اور رسول اللہ ﷺ نے مصالحت کی بناء پر مقدمہ کا فیصلہ کر دیا'' (80)۔

ترقی یافتہ، موثر اور کامیاب ترین عدالتی نظام کے بنیادی اصول مقدمات کا جلد تصفیہ، صحیح فیصلہ اور عدالتی فیصلوں کا نفاذ ہے رسول اللہ ﷺ کا قائم کردہ عدالتی نظام کامیاب ترین اور ترقی یافتہ عدالتی نظام کی شرائط پوری کرتا تھا قانونی معاملات کا جلد تصفیہ اور صحیح فیصلہ اس وقت تک مثبت اثرات پیدا کرنے میں ناکام ہوجاتا ہے جب تک ان کا اطلاق کسی موثر مشینری کے ذریعہ نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے خصوصی توجہ فرمائی کہ آپ کے عدالتی فیصلے اور احکامات مناسب طور پر نافذ ہوں۔ آپ ﷺ نے ایک ایسی انتظامی مشینری قائم کی جو آپ کے فیصلوں پر فوری کاروائی سے عمل درآمد کرتی۔ ابن کثیر میں ایک فیصلہ درج ہے۔

''انصار میں سے ایک شخص کے باغ میں جو وہاں اپنے خاندان کے ساتھ رہتا تھا، حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کھجور کے درخت کے مالک تھے، حضرت سمرہ باغ میں اپنے کھجور کے درخت کے پاس جاتے رہتے تھے جس سے انصاری کو تکلیف پہنچتی تھی اور انہیں زحمت محسوس ہوتی تھی، انصاری نے کہا کہ وہ اسے اس کے ہاتھ بیچ دیں حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کر دیا۔ انصاری نے تبادلہ کر لینے کے لئے کہا۔ حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کر دیا۔ وہ انصاری رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اپنا مقدمہ بیان کیا، رسول اللہ ﷺ نے بھی اسے انصاری کے ہاتھ بیچ دینے کو کہا حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کر دیا آپ ﷺ نے اس کا تبادلہ کر لینے کے لئے کہا اس نے انکار کر دیا۔ آپ نے اسے تحفتاً دینے کے لئے کہا اور فرمایا کہ اس کے عوض فلاں چیز تمہارے لئے ہے۔ آپ نے اسے رغبت دلائی پھر بھی انکار کر دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا فیصلہ صادر فرمایا ''تم تکلیف پہنچانے والے ہو'' پھر آپ

Marfat.com

نے انصاری سے خطاب فرمایا اور حکم دیا۔ جاؤ اور اس کے کھجور کے درخت کو کاٹ ڈالو۔(81)

اسی طرح ایک موثر ترین اور فوری نافذ العمل فیصلہ کے متعلق آتا ہے

''زبیر بن عوام کا انصار میں سے ایک شخص (حاطب بن بلتعہ) سے پانی کے چشمہ پر تنازعہ تھا جس سے دونوں اپنے کھیتوں کو سیراب کرتے تھے، انصاری نے کہا ''پانی کو بے روک بہنے دو'' حضرت زبیر نے اس کی التجاء ٹھکرادی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر سے کہا اے زبیر: اپنے کھیت کو پانی دے لو پھر اسے اپنے ہمسایہ کے لئے چھوڑ دو'' انصاری غضبناک ہوگیا اور بولا: اے رسول اللہ ﷺ! کیا اس لئے کہ وہ آپ کا چچیرا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کے چہرے کا رنگ تبدیل ہوگیا، اس آپ ﷺ نے حکم دیا ''اپنے کھیت کو پانی دو اس کے بعد پانی روک دو یہاں تک کہ یہ شخص بہتر راہ اختیار کرے''(82)

9.3......دربار رسول ﷺ کے فیصلے

ہمارے لیے یہ بات بہت ہی اہمیت کی حامل ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کا ہر ہر پہلو اور ہر ہر گوشہ ہماری رہنمائی میں ایک اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ سے ہمیں رہنما اصول ملتے ہیں کہ جن کی بنیاد پر نہ صرف ہماری انفرادی اصلاح ممکن ہے بلکہ اجتماعی طور پر ایک بہتر معاشرہ کی تشکیل بھی دی جاسکتی ہے۔ ہم اگر مجموعی طور آپ کی حیات مبارکہ کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے آپ ﷺ کے اقوال مبارک سے لے کر سیرت و کردار کے ہر عمل میں عدل کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ اور آپ نے جتنے بھی فیصلے دیے اس میں عدل کے تقاضے ہمیشہ واضح رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ 23 سالہ خوبصورت دور نبوت میں آپ ﷺ نے عدل پر مبنی فیصلے دیے جن میں سے کچھ معاشی مسائل، عائلی امور، سیاسی تدبر، عامہ الناس کے حوالے سے سماجی مسائل اور دیگر بھی شامل تھے۔ ایک تحقیق کے مطابق پروفیسر فیض اللہ منصور نے ایسے تمام فیصلوں کی تعداد کو یکجا کیا ہے۔ جن میں سے ''قصاص ۲۷ فیصلے۔ حدود ۱۸ فیصلے۔ قذف ۲ فیصلے۔ لعان ۷ فیصلے۔ ظہار ۲ فیصلے۔ شراب ۸ فیصلے۔ چوری ۱۵ فیصلے۔ جہاد ۸ فیصلے۔ نکاح ۲۲ فیصلے۔ طلاق ۱۰ فیصلے۔ میراث ۲۵ فیصلے۔ متفرقات ۱۷ فیصلے۔ لقطہ ۲ فیصلے۔ احکام ۱۰ فیصلے۔ مزارعت ۸ فیصلے۔ بیع نامہ ۳۲ فیصلے۔ یہ کل ۲۱۲ فیصلے ہیں''(83) ان تمام فیصلوں کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ وہ تمام فیصلے ہیں جن کے اجراء سے نہ صرف ایک بہتر معاشرہ وجود میں آیا بلکہ نئے آنے والوں کے لیے اِن فیصلوں میں بہت بڑی رہنمائی بھی موجود ہے اور جس میں ہماری مشکلات کا حل بھی موجود ہے۔

10۔عصر حاضر میں عدل اجتماعی کی اہمیت اور تقاضے

اسلام کے سیاسی وقانونی نظام میں عدل کی بڑی اہمیت اور نظام عدل حکومت اور ریاست کا ایک مستقل اور اہم ترین شعبہ ہے عدل کا قیام اللہ تعالی کے حکم سے قیام میں آتا ہے اس لئے کہ اقتدار اعلی اور حاکم اعلی اللہ تعالی کی ذات وحدہ لاشریک ہے اور ذات باری تعالی عدل وانصاف کا سرچشمہ ہے اور اسی کے متعلق اپنے انبیاء اور رسول سے فرمایا ہے۔

﴿يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾(84)

Marfat.com

''اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے پس لوگوں میں عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا،اور آئندہ بھی نفسانی خواہشات کی پیروی مت کرنا ورنہ خدا کے راستے سے بھٹکا دیئے جاؤ گے جو لوگ خدا کے راستے سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہوگا اس وجہ سے کہ وہ روز حساب کو بھولے رہے''

انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان ہی تعلیمات کے تناظر میں اسلام کی روح کا تقاضہ بھی یہی کہ عدل اجتماعی کا فروغ ہو کیونکہ ''اسلام کی عدالت اجتماعی یہ ہے کہ اسلام ہی وہ دین حق ہے جو خالق کائنات اور رب کائنات نے انسان کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے اور انسانوں کے درمیان عدل قائم کرنا اور یہ طے کرنا کہ ان کے لیے کیا چیز عدل ہے اور کیا عدل نہیں ہے۔انسانوں کے خالق ورب ہی کا کام ہے، دوسرا کوئی نہ اُس کا مجاز ہے کہ عدل وظلم کا معیار تجویز کرے اور نہ دوسرے کسی میں اہلیت پائی جاتی ہے کہ حقیقی عدل قائم کر سکے۔انسان اپنا آپ مالک اور حاکم نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے معیار عدل خود تجویز کر لینے کا مجاز ہو''(85)

اسی نقطہ پر مزید دیکھا جائے تو یہی معلوم ہوگا کہ ''بحیثیت دین اسلام کی اعلیٰ ترین قدر سماجی اور تمدنی انصاف ہے اور اقامت دین یعنی اسلامی انقلاب کا اصل ہدف یہ ہے کہ اللہ کا عطا کردہ متوازن اور معتدل نظام عدلِ اجتماعی (سسٹم آف سوشل جسٹس) قائم کیا جائے''(86) اب یہ بھی اہم سوال ہے کہ ہم عدل اجتماعی کے مزاج سے کیسے واقف ہوں تو ''اسلام میں اجتماعی عدل کے مزاج سے ہم صحیح طور پر اسی وقت آشنا ہو سکتے ہیں جب اُلوہیت، کائنات، حیات و انسان کے بارے میں اسلامی فکر کو اجمالی طور پر سمجھ لیں۔ کیونکہ اجتماعی عدل کا اسلامی نظریہ اسی اصول اور بنیادی فکر کی ایک فرع ہے جو اسلام کی تعلیمات کا مرجع ومنبع ہے'' (87) اسی طرح یہاں یہ بات سامنے آتی ہے کہ عدل ہی اسلام کا مقصود ہے اور یہ کہ ''عدل اسلام سے الگ کسی چیز کا نام نہیں ہے۔ اسلام خود عدل ہے۔ اس لیے قائم ہونا اور عدل کا قائم ہوجانا ایک ہی چیز ہے''(88) گویا ہم اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ ''اجتماعی عدل کے اسلامی تصور کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محدود معنی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرہ میں داخل ہیں۔ وہ فکر اور عمل، ضمیر، وجدان سب پر چھایا ہوا ہے۔ اس کا انحصار معاشی قدروں میں نہیں، وہ وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے ساری مادی قدروں تک محدود نہیں، وہ مادی، معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوش گوار امتزاج کا نام ہے''(89)۔

یہی وجہ ہے کہ ''اسلام اجتماعی عدل کے قیام میں انہیں دو بنیادی اصولوں کو سامنے رکھتا ہے۔ متوازن باہم مربوط اور مکمل وحدت اور افراد اور جماعتوں کے درمیان تعاون، دوست گیری کی اسپرٹ، اس عدل کے قیام میں اسلام انسانی فطرت کے بنیادی عناصر کا لحاظ رکھتا ہے''(90)۔

مختلف حوالوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عدل اجتماعی کے قیام کے لیے ایک نظام کی ضرورت ہے اور نظام کو چلانے کے لیے جن ماہر افراد کی ضرورت ہوتی ہیں وہی نظام کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں تا کہ پورے نظام میں عدل اجتماعی کے اصول غالب رہیں اور ان کے اثرات سے ایک بہتر معاشرہ کی ابتداء کا نمو ہوسکتا ہے۔

11۔تجاویز

تعلیمات نبوی ﷺ میں عدل اجتماعی کے تصور کو اجاگر کرنے کے حوالے سے کچھ تجاویز درج ذیل ہیں۔

Marfat.com

(۱) معاشرے میں ہر شخص کی کردار سازی کرنا اور انہیں اسلام کی بنیادی تعلیمات سے روشناس کرنا۔ کیونکہ اسلام تمام گروہیت سے الگ رہ کر ایک عدل پر مبنی معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جو استحقاق کی بنیاد پر قائم ہوگا۔

(۲) عدل وانصاف کے معاملے میں خواہش نفس کے طابع رہ کر فیصلے قبول کرنے اور نافذ کرنے میں عدل کے تقاضوں کو مد نظر رکھنا چاہیئے۔ اور بالخصوص معاملات میں اجتماعی طور پر کسی امتیاز، عصبیت، اور جانب داری قطعی روا نہیں رکھنی چاہئے۔

(۳) عدل وانصاف کا معیار صرف قانون الٰہیہ ہیں۔ کیونکہ اُس کی نظر میں بلاتفریق تمام انسان اپنے حقوق اپنے مفادات کے حصول میں برابر ہے۔ اور قانون الٰہی کی خوبی یہ ہے کہ وہ کسی قسم کی تفریق کا روادار نہیں۔

(۴) عدل وانصاف وہ واحد عمل ہے جس کا انسانی حیات کے ہر قول وعمل سے تعلق ہے اگر کسی ایک میں بھی خیانت کی گئی یا حقدار کا حق مارا گیا تو وہ مصلحت نہیں بلکہ عدل وانصاف کے روح کو دفن کرنے کے برابر ہوگا۔

(۵) عدل وانصاف کے نفاذ کے لیے جہاں تک بھی جانے پڑیں جانا ہوگا اور اس معاملے میں کسی قسم کا خطرہ دیکھ کر منہ نہیں موڑنا۔ بلکہ اگر معاملہ اپنی ذات کا ہو تو اس میں کھل کر اپنی ذات کو بھی پیش کرنا چاہیئے۔

(۶) اسلام کے نظام عدل وانصاف کی نظر میں کسی بھی اپنے یا پرائے کی محبت ونفرت، رشتہ داری وقربت، دوستی ودشمنی، سماجی وذاتی مرتبہ، قومی یا بین الاقوامی مفاد کے لیے تصور عدل میں کوئی گنجائش نہیں۔

(۷) اسلامی ہو یا غیر اسلامی مگر ہو نظام عدل، تو اس نظام عدل کے ہاتھ مضبوط کرنا معاشرہ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کیونکہ عدل اور فرد کا گہرا تعلق ہے اور اسی میں معاشرہ اور افراد معاشرہ سب کا تحفظ بھی۔

(۸) عدل کا قیام اجتماعی معاشرتی فرائض میں سے ہیں، عدل ہی وہ سہارا ہے جو ظالم کے ظلم کا سدباب اور مظلوم کے امیدوں کا مرکز ہے، کیونکہ معاشرہ میں ظلم بے چینی اور انصاف سکون کا محور ہے۔

(۹) افراد معاشرہ کو یہ بات ذہن نشین کرانی چاہئے کہ عدل وانصاف کا نظام صرف حق دار کو اس کا حق دینے کا نام ہے چاہے وہ حق معاشی ہو یا معاشرتی یا اخلاقی تاکہ معاشرہ پر امن کا خوف طاری رہیں۔

والدین کو اپنی اولاد کے ساتھ، اولاد کو والدین کے ساتھ معاملات میں، چھوٹوں کو بڑوں کے ساتھ ادب وشفقت میں، شوہر کو بیوی کے ساتھ حقوق کی ادائیگی میں، آپس کی رشتہ داریوں میں، استاد کو شاگرد کے ساتھ فروغ علم میں، طبیب کو مریض کے ساتھ حسن سلوک میں، حاکم کو رعایا کے بنیادی ضروریات میں، منصف کو سائل کے ساتھ فیصلوں میں، دکاندار کو خریدار کے ساتھ ایمان داری میں، گویا کہ معاشرہ میں ہر شعبے کا فرد ایک دوسرے کے ساتھ جڑا ہوا ہے لہذا سب کو ایک دوسرے کے ساتھ ہر معاملہ میں عدل وانصاف کا معاملہ کرنا چاہئے۔ یہی انفرادی عمل اجتماعیت کو جنم دیتا ہے اور اسی اجتماعیت سے ایک بہتر معاشرہ وجود میں آتا ہے گویا کہ معاشرے میں ہر شخص کو اپنے ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے اپنا کردار ادا کرنا چاہئے جس کی ہر معاشرے کو بنیادی ضرورت ہے۔

12۔ حاصل کلام

عدل از خود نہ کوئی نظام ہے نہ کوئی قانون اور نہ ہی کوئی نظریہ یا تصور بلکہ یہ ایک فطری تقاضہ ہے جو ہر انسان کے

Marfat.com

مزاج میں پایا جاتا ہے۔ اور انسان عدل کی تلاش اور اس کی تکمیل کے لیے مختلف حالات و واقعات سے گزر کر معاشرے کے لیے قانون اور نظریہ کے طور پر اجاگر کرتا ہے۔ اس مختصری تمہید سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کسی بھی نظام کی بنیاد عدل کے بغیر نامکمل اور ادھوری ہے اور نظم و ضبط میں توازن عدل کا ہی محتاج ہے۔ گویا کہ عدل میں توازن کا عمل بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اب ہم جب اس نظام عدل کو لوگوں کے مزاج میں دیکھنے کی کوشش کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان جب بھی اپنے حالات کی نزاکت کے مطابق عدل کا سہارا لینے کی کوشش کرتا ہے خواہ اُس کا تعلق کسی بھی مذہب سے مربوط ہو تو اُسے عدل و انصاف مجموعی طور پر مذاہب و ادیان کی تعلیمات ہی فراہم کرتی نظر آتی ہیں اور اس تناظر میں بالخصوص انسانی ہدایت کا وہ منبع جو الہامی تعلیمات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر و رسل اور انبیاء علیہ السلام کے ذریعے پہنچائی درحقیقت وہی ایک مکمل اور جامع نظام کا نہ صرف پیغام سناتی ہے بلکہ عملی طور پر انسانوں کے آپس کے رشتوں کو اصول و ضابطوں کی بنیاد پر مساوات کے دائرے میں لا کر مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کے لیے محبت، امن اور بھائی چارگی کی راہیں بھی متعین کرتی ہے۔ کیونکہ الہامی تعلیمات سب کے لیے توازن کا یکساں پیمانہ مقرر کرتی ہے اور یہی عدل اجتماعی کی بنیاد ہے۔ گویا کہ کسی بھی انسان کے لیے انفرادیت سے لے کر اجتماعی اعتبار تک اُسے ضرورت ہمیشہ اس بات کی رہے گی کہ وہ ایک جامع اور مضبوط نظام کی تشکیل کے لیے عدل کا ہی سہارا لے کیونکہ اِسی میں اُس کی بقاء حیات کا دارومدار ہے اور اسی میں جزاء و سزا کے فیصلے موجود ہیں۔

﴿حوالہ جات﴾

1۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، اسلام اور عدل اجتماعی، ص۱۰، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء...... 2۔ علامه ابن مسكويه، تهذيب الاخلاق، ص ۱۸:۱۷، مطبع العلميه جماليه، مصر ۱۳۲۹ھ...... 3۔ ابو نصر الفارابی، آراء اهل المدينه الفاضله، ص۵۳:۵٤، مطبع ۹۵۰ھ...... 4۔ امام غزالی، احیاء العلوم، مولانا محمد احسن نانوتوی (حقیقۃ الدنیا) ج۳، ص۳۲۱، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۱۲۸۱...... 5۔ ابن خلدون، عبد الرحمان، مقدمه ابن خلدون، كتاب اول، ج۱، ص۳٤، مطبعه بولاق، مصر، ۱۲۸٤...... 6۔ امام راغب اصفهانی، مفردات القرآن، باب العين، ص۳۲۸، مطبع نور محمد، كارخانه تجارت كتب، كراچی، ۱۹٦۱ء...... 7۔ سيد شريف علی بن محمد الجرجانی، التعريفات، باب العين، المكتبه الحماديه، كراچی ۱۹۸۳ء...... 8۔ ابو البقاء الحنفی، كليات ابی البقاء، فصل العين، ص۲۵۷، مطبع غامره، مصر ۱۲۵۳ھ...... 9۔ ابن ربيع، سلوك الممالك فی تدبير، مترجم مظہر علی کامل، ص۸۷، شعبہ تصنیف و تالیف، کراچی یونیورسٹی ۱۹٦۲ء...... 10۔ ایضاً، ص۸۷...... 11۔ جواد علی، المفصل فی تاريخ قبل العرب قبل الاسلام، ج۵ ص۱۸٦، طبع بيروت، ۱۹۷۰...... 12۔ ابو الفرج علی بن حسين الاصبهانی، كتاب الا غانی، ج۸، ص۵۲، مطبع التقدم، مصر، ۱۳۲۲ھ...... 13۔ محوله بالا، ج۵، ص۲۲٦، ۲۲۸...... 14۔ احمد بن يحی البلاذری، انساب الاشراف، ج۱، ص۵٦، دارالمعارف، مصر، ۱۹۵۹...... 15۔ الازرقی، ابو الوليد محمد بن عبد الله بن احمد، اخبار مكه، ج۱ ص۱۱۰، دار الاندلس، بيروت، ۱۹٦۹ء...... 16۔ ابن هشام، سيرت النبويه، ج۱، ص۸٤، مصطفى البابی الحلبی، مصر ۱۹۳٦ء...... 17۔ جواد علی، المفصل فی تاريخ قبل العرب قبل الاسلام، ج٤ ص٤۸، طبع

Marfat.com

بیروت، ۱۹۷۰ء...... 18۔ محولہ بالا،ابن ہشام،سیرت النبویہ،ج۱،ص ۸۰...... 19۔ ڈاکٹر نثار احمد،عہد نبوی میں ریاست کا نشو وارتقاء،نقوش، رسول نمبر،ص 43، جلد 5،ادارہ فروغ اردو،لاہور،۱۹۸۳ء...... 20۔ Ebenstein,William,Great.Political Thinkers (Platto to the Present),Holt Rinehart 7Winston,inc.,New York,,1969,P171...... 21۔ محولہ بالا،ابن ہشام،سیرت النبویہ،ج۱ص ۶۴،۶۵...... 22۔ Shipley,Joseph to Dictionary of Word Origins,Philosophical Lib,New York,1945,P334...... 23۔ Barker,Sir Earnest,Greek Political Theory,Universiti Paperbacker, Methuen, Londod,1960,P22...... 24۔ Gilchrist, R,N., Principles Of Political Science, Orient Longmans, Madras. 1955, P.21...... 25۔ ڈاکٹر اسرار احمد،اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت،ص7،مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور،۲۰۰۱ء...... 26۔ ڈاکٹر نثار احمد،عہد نبوی میں ریاست کا نشو وارتقاء،نقوش، رسول نمبر،ص 14 جلد5،ادارہ فروغ اردو،لاہور،۱۹۸۳ء...... 27۔ محولہ بالا،امام راغب اصفہانی باب الشین،ص۲۷۲...... 28۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی،تفسیر مظہری، ج۲ ص۳۹۸،ندوۃ المصنفین،دہلی،۱۹۶۲ء...... 29۔ محولہ بالا،ابن ہشام،سیرت النبویہ،ج۱،ص ۸۰ ...... 30۔ القرآن ۱۵۹:۳...... 31۔ القرآن ۳۸:۴۲...... 32۔ الحافظ القاضی،عبد الحق ابن غالب بن عطیہ،صاحب الوجیز فی التفسیر،ج۱،ص۶۰۹...... 33۔ مولانا حامد الانصاری،اسلام کا نظام حکومت،ص245، ندوۃ المصنفین، دہلی،۱۹۵۶ء...... 34۔ علامہ ابو بکر جصاص حنفی، احکام القرآن،ج 2 ص256،مطبعہ البھیہ،المصریہ،۱۳۴۷ھ...... 35۔ ابن منظور افریقی،لسان العرب،ج۲،ص۹۵۲،دار المعارف،قاہرہ،۱۱۱۹ھ...... 36۔ فرید وجدی، دائر المعارف اسلامیہ، ج۳،ص۴۷۴،مطبع دائرہ معارف،ازہر،۱۳۴۲ھ...... 37۔ صحیح مسلم،مسلم بن حجاج،کتاب الامارۃ،باب وجوب اطاعۃ الامر فی غیر معصیۃ،ج۲،ص۳۹۰،مطبع دھلی...... 38۔ محولہ بالا،ابن ہشام،سیرت النبویہ، ج۲،ص۲۸۸...... 39۔ القرآن:۹۷:۳...... 40۔ القرآن:۱۲۶:۲ ...... 41۔ محولہ بالا،اسلام کا نظام حکومت،ص۳۵۳...... 42۔ القرآن:۸:۱۰۰...... 43۔ القرآن:۲۰:۸۹...... 44۔ القرآن:۷۷:۲۸...... 45۔ اسلام کی عادلانہ اقتصادی تعلیمات،مولانا محمد طاسین،ص۱۴۹،مجلس علمی فاؤنڈیشن،کراچی،۱۹۹۷ء...... 46۔ جرجی زیدان،تاریخ تمد ن الا سلامی،ج۲،ص۸(عہد نبوی)مطبعہ الہلال،۱۹۰۲ء...... 47۔ ہیثمی،مجمع الزوائد،کتاب المناقب(باب ماجاء فی خالد)ص ۳۴۹،ج۹،مکتبہ القدسی،القاہرہ،۱۳۵۳ھ...... 48۔ مشکوۃ المصابیح،کتاب الادب،ج۲،ص۴۲۴،اصح المطابع،کراچی،۱۳۵۰ھ...... 49۔ نقوش رسول نمبر:ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ، عہد نبوی میں عدلیہ اور انتظامیہ،ص۶۳۶،ج۱۱،ادارہ فروغ اردو،لاہور،۱۹۸۵ء...... 50۔ امام سرخسی،المبسوط،ادب القاضی،ج۱۶،ص۶۰،ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ،کراچی،۱۹۸۷ء...... 51۔ امام ابوداود،سنن ابی داود،کتاب القضاء،ج۲،ص۱۴۷،مطبع نولکشور، دھلی ۱۲۹۳ھ...... 52۔ علی بن عمر،سنن دار قطنی،ج۲،ص۵۱۱،مطبع

Marfat.com

انصاری، دہلی،۱۳۰۹ھ...... 53۔ القرآن:۲۵:۵۷...... 54۔ عبد الرزاق بن ہمام،مصنف عبدالرزاق،ج۸،ص۲۹۸،دارالقلم بیروت،۱۳۹۲ھ...... 55۔ ڈاکٹر،حمید اللہ،مجموعہ الوثائق السیاسی فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدہ،ص۲۴۱:۲۴۰،مطبعۃ لجنۃ التالیف،قاہرہ،۱۹۴۱ء...... 56۔ القرآن۴۲:۱۰...... 57۔ القرآن ۱۴:۷۵...... 58۔ القرآن ۱۵۲:۶...... 59۔ القرآن ۱۵۲:۶...... 60۔ القرآن ۹:۴۹...... 61۔ القرآن ۸:۵...... 62۔ القرآن ۲۹:۷...... 63۔ القرآن ۱۵:۴۲...... 64۔ القرآن ۶۵:۴...... 65۔ امام احمد بن حنبل،مسند احمد،ج۱ص۲۸۳،دار المعارف،مصر۱۹۴۹ء...... 66۔ صحیح البخاری، محولہ بالا، کتاب الاضاحی،باب ما یؤکل من لحوم الاضاحی وما یتزود منہا،ج۷،ص۱۸۷،طبع منیریہ،مصر،س ن...... 67۔ مسلم بن حجاج القشیری،صحیح مسلم،کتاب الاقضیہ،ج۱،ص۷۴،مطبعہ دہلی۱۳۴۹ھ...... 68۔ محولہ بالا،صحیح البخاری،کتاب المغازی،ج۲،ص۶۱۶،مطبع دہلی۱۹۳۸ء...... 69۔ القرآن۹:۴۹...... 70۔ القرآن:۴۲:۵...... 71۔ القرآن:۴۹:۵...... 72۔ ابی بکر احمد جصاص،علامہ،احکام القرآن،ج۲،ص۳۴۰،مطبعہ البہیہ،المصریہ،۱۳۴۷ھ...... 73۔ ابو محمد عبد الملک،تہذیب سیرۃ ابن ہشام،ص۱۳۷،قاہرہ،موسسۃ العربیہ الحدیثیہ،۱۳۸۳ھ...... 74۔ ندوی،، رئیس احمد جعفری،اسلام اور رواداری،لاہور،ص۵۳۲،ادارہ ثقافت اسلامی،،۱۹۵۵ء...... 75۔ الامام ابو یوسف،کتاب الخراج،ص۷۲، دارالمعارفہ،بیروت، س ن...... 76۔ محولہ بالا،اسلام اور رواداری، ص۲۳۳...... 77۔ الامام ابو یوسف،کتاب الخراج،فصل فیمن تجب علیہ الجزیۃ،ص۱۴۷،دارالمعارفہ،بیروت،س ن...... 78۔ محولہ بالا،صحیح البخاری، کتاب الاحکام،باب موعظۃ الامام للخصوم،ج۲،ص۱۶۸...... 79۔ ابن العربی المالکی،شرح سنن الترمذی،کتاب الاحکام،ج۶ص۸۳،المطبعہ المصریہ،الازہر،۱۹۳۱ء...... 80۔ سنن النسائی،کتاب القسامہ،باب القود،ج۸،ص۱۴،مطبعہ قاہرہ،۱۹۶۴ء...... 81۔ عمادالدین،ابن کثیر،تفسیر القرآن العظیم،ج۱،ص۲۳۹،سہیل اکیڈمی،لاہور...... 82۔ محولہ بالا،صحیح البخاری، کتاب الصلح،باب اذا اشار الامام بالصلح،ج۲،ص۷۲:۷۱...... 83۔ نقوش رسول نمبر:مدیر محمد طفیل، ج۷ص۴۸۱،ادارہ فروغ اردو، لاہور،جنوری ۱۹۸۴ء...... 84۔ القرآن:۲۶:۳۸...... 85۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی،اسلام اور عدل اجتماعی،ص9،اسلامک پبلی کیشنز، لاہور،2006ء...... 86۔ ڈاکٹر اسرار احمد،اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت،ص52،مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور،2001ء...... 87۔ سید قطب شہید،اسلام میں عدل اجتماعی،مترجم ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی،ص83، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور،2006ء...... 88۔ محولہ بالا،اسلام اور عدل اجتماعی،،ص9...... 89۔ محولہ بالا،اسلام میں عدل اجتماعی،ص97...... 90۔ ایضاً،ص98

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

پروفیسر عبدالماجد۔ مانسہرہ

عصر حاضر کا انسان موجودہ تمام نظاموں اور تہذیبوں کو آزمانے کے باوجود مشکلات کا شکار ہے، ہزاروں اداروں اور تنظیموں کے قیام کے باوجود وہ حقیقی عدل و انصاف سے محروم ہر طرف ظلم کا شکار ہے، بین الاقوامیت، فلاح انسانیت اور امن کے دعووں کے باوجود مغربی تہذیب اسے حقیقی مساوات، عدل اور فلاح کی نعمت سے بہرہ مند نہ کرسکی اور انسان دنیا سے کشت و خون، جنگ، و جدل اور ظلم کو ختم ہوتے ہوئے نہ دیکھ سکا، چنانچہ اب وہ ایسے اجتماعی نظام کے لئے سرگرداں ہے جس میں عدل و انصاف، مساوات، اخوت ومحبت، رواداری، ہمدردی اور انسان دوستی کی فراوانی ہو، معیشت اور معاشرت میں ہمواری و توازن اور جان و مال کا مکمل تحفظ ہو، اور افراد میں اونچ نیچ رنگ ونسل کا امتیاز اور فتنہ وفساد کی گرم بازاری نہ ہو۔ وہ ایسے دستور کی تلاش میں ہے جو رنگ، نسل، زبان اور جغرافیہ کی تنگ نائیوں کو خاطر میں نہ لا کر بین الاقوامی اخوت و مساوات کے تصور سے ہم کنار کرے، جو ایسے قوانین دے جن کی نظر میں امیر وغریب اور اپنے پرائے کی کوئی تمیز نہ ہو، جہاں فرد اور معاشرے کے حقوق میں افراط وتفریط نہ ہو بلکہ جہاں فرد کے روح اور جسم کے تقاضوں میں بھی عدل ہو اور اس کی روحانی اور مادی زندگی میں توازن واعتدال ہو تاکہ معاشرہ روحانی اور مادی دونوں اعتبار سے ترقی کی راہ پر گامزن ہو۔

ایسا دستور اور اجتماعی عدل جس میں درج بالا خصوصیات ہوں وہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں بلکہ وہ رب العالمین کا عطا کردہ وہ نظام حیات ہی ہوسکتا ہے جو رحمۃ للعالمین ﷺ کے ذریعے سے آج سے چودہ سو سال پہلے پوری انسانیت کو عطا ہوا۔ وہ ایسا اجتماعی نظام حیات ہے جس کی بنیاد نہ تو محض چند مادی اغراض پر ہے اور نہ ہی عارضی و ہنگامی حالات نے انہیں جنم دیا اور نہ ہی وہ کسی خاص قوم یا ملک کی سیاسی یا معاشی بہبود کے لئے ہے[1]، بلکہ اس کا واضع رب العالمین ہے، جو تمام انسانوں کا خالق ہے اور وہ ان کی نفسیات سے کما حقہ، واقف ہے، اس لئے اس نے اس نظام کی بنیاد ایسے اصولوں پر رکھی ہے جو نسلی، لونی، وطنی، قومی اور طبقاتی منافرت کو مٹا کر عالمی اخوت اور انسانی مساوات کا سبق دیتے ہیں، یہ تمام انسانوں کو اللہ کا کنبہ قرار دے کر یہ باور کراتے ہیں کہ بہترین وہ ہے جو خدا کے کنبے کے ساتھ ہمدردی اور حسن سلوک کا مظاہرہ کرے۔ پھر یہ کوئی تصوراتی اصول ہی نہیں بلکہ ان کی بنیاد پر آج سے کئی سو سال قبل پوری دنیا میں ایک ایسا عالمگیر اجتماعی نظام عدل قائم ہو چکا ہے جس کے سایہ رحمت میں تمام انسانیت نے سکھ کا سانس لیا تھا، ہر قسم کے نقص وغلو اور افراط وتفریط سے پاک ایسا نظام جس نے مسلک و مذہب کے اختلاف کے باوجود تمام انسانوں میں امن و بھائی چارگی کی فضا قائم کی اور تمام دنیا میں عدل اور سلامتی کا دور دورہ کیا۔ وہ جزیرۃ العرب ہو کہ روم و فارس، سسلی وسپین ہو کہ ہندوستان، ہر جگہ اس اجتماعی نظام عدل نے انسان دوستی، ہمدردی، اخوت ومحبت اور عدل و انصاف کے ایسے انمٹ اور لازوال نقوش چھوڑے ہیں جن کی مثال پیش کرنے سے قدیم و

Marfat.com

جدید تمام نظام قاصر ہیں۔

وقت کی ضرورت:

ایک ایسا عالمی اجتماعی نظام۔ جو زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہو، جو انفرادی اور اجتماعی، مادی اور روحانی تمام سطحوں پر توازن اور ہم آہنگی قائم کرے، جو اقوام عالم کے مذہبی، ثقافتی، معاشرتی اور اقتصادی تنوعات (diversities) اور امتیازات تسلیم کرے[۲]، اور ایک ایسا عالمی اجتماعی نظام عدل Universal Social System دے جس میں قانون اور انصاف سب کے لئے ایک جیسا ہو، کا قیام عصر حاضر کی سب سے بڑی ضرورت بن چکا ہے ۔ اس وقت جبکہ ایٹمی ہتھیاروں اور دیگر مہلک اسلحہ کی دوڑ ہر طرف لگی ہوئی ہے، بین الاقوامی مالیاتی بحران نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ بڑی طاقتیں اسلامی دنیا کی دولت اور وسائل (Resources) پر قبضہ کے لئے نت نئے بہانے تلاش کر رہی ہیں اور اس کے لئے کشت وخون کا بازار گرم کیا ہوا ہے۔ اس سب کے نتیجے میں انسانیت کی اکثریت کے اندر نفرت، عناد اور غصہ کے جذبات ابھر رہے ہیں اور انتہا پسندی اور دہشت گردی کی فضا عام ہو رہی ہے۔

یہ تمام افراتفری اور عالمی بے چینی ایک ایسی تہذیب اور نظام کی وجہ سے ہے جس کا چہرہ بظاہر روشن لیکن اندرون چنگیز سے تاریک تر ہے، یہ عالمی نظام (New World Order) خدا مغرب اور امریکہ کی دین ہے یا تو کسی عالمگیر تباہی پر منتج ہوگا یا پھر اسے انسانیت کی خیر و بھلائی کے لئے پر امن اور دانشمندانہ طریقہ پر اسلام کے اجتماعی نظام عدل Universal Social System سے بدلنا ہوگا۔ اب وقت آ گیا کہ زمین کے باسیوں کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ کون سی روش اختیار کریں، یا تو آرنلڈ ٹائن بی کے الفاظ میں ''بھیڑ بکریوں کی طرح بے سوچے سمجھے موجودہ راستہ پر چلتے رہیں[۳]، تو مکمل تباہی و بربادی (Total Annihilation) ان کا مقدر ہو' یا ایک ذی عقل و ذی شعور نوع (Species) کی حیثیت سے از سر نو اپنے تمام ازمودہ نظاموں کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا جائزہ لیں اور ٹھنڈے دل و دماغ سے بحیثیت مجموعی اپنی صلاح و فلاح (Salvation) کے لئے کسی ایسے عالمی نظام کی طرف رجوع کریں جو تمام نسلی، وطنی اور قومی قیود سے بالاتر ہو کر انسانیت کی تعمیر کر سکے اور اسے عدل اجتماعی اور فلاح سے ہمکنار کرے۔

ان معیارات کی روشنی میں جب ہم تمام نظاموں کا بنظر غائر مطالعہ کرتے ہیں تو وہ مغربی تہذیب کی طرح ہمیں موجودہ عالمی کردار ادا کرنے سے تہی دامن نظر آتے ہیں کیونکہ ان کے پاس زندگی کے تمام شعبہ جات کے لئے مکمل رہنما اصول اور عالمگیر اجتماعی نظام عدل موجود نہیں۔

عالمی لیول پر سوشلزم کا بھی تجربہ ہو چکا' سرمایہ دارانہ نظام بھی آزمایا جا چکا' مغربی جمہوری نظام کے ثمرات کا بھی دنیا مشاہدہ کر چکی اور موجودہ مغربی تہذیب اور نیو ورلڈ آرڈر کے نتائج بھی سب کے سامنے ہیں' ان میں سے ہر ایک کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ انسان کے تمام مسائل کا حل ہے لیکن حقیقت میں وہ خود مسئلے ہیں جن کو حل کرنے کی ضرورت ہے۔

مثلاً مغربی مفکرین کے ہاں اس وقت دنیا کے مسائل حل کرنے اور دنیا کو عدل سے ہمکنار کرنے کے لئے سرمایہ دارانہ مغربی جمہوری نظام (Capitalistic Western Democratic System) سے بہتر کوئی اور نظام نہیں جسے

Marfat.com

فوکویاما نے اپنی کثیر الاشاعتی کتاب "The End of HIstory & The Last Man" میں تفصیل سے بیان کیا ہے اس کے افکار کے مطابق تاریخ کے اختتام سے مراد جنگ و جدل کا خاتمہ اور تمام انسانوں کی معاشی ضرورتوں کا پورا ہونا ہے اور انسان ایک دفعہ پھر اپنے ماضی کی طرح شکم سیر حیوان کی طرح ہو جائے گا اور پھر وہ آخری انسان (Last Man) کو ایک شکم سیر کتے سے تشبیہ دے رہا ہے جو اس مغربی سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کے نتیجے میں دوسرے ''تمام کتوں'' سے بے پرواہ سارا دن دھوپ میں پڑا محظوظ (enjoy) ہو رہا ہوگا اور اسے دیگر علاقوں اور ملکوں کے کتوں سے کوئی سروکار نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کے بارے میں اسے کوئی تشویش ہوگی (کہ وہ بھوکے ہیں یا شکم سیر)، جب تک اس کی ضرورتیں پوری ہو رہی ہوں گی، اس کے اپنے الفاظ ملاحظہ ہوں:

The life of th last man " comes to resemble that of a dog" as long as a dog is fed and not harassedhe is content to... "to sleep in the sun all the day". the fact that other "...dogs are doing better than him...or that other dogs are being oppressed in a distant part of the world "does not worry him because " he is not dissatisfied with what he is"4.

گویا اس مغربی سرمایہ دارانہ نظام کا نکتہ عروج یہ ہے کہ انسان اپنی انسانیت کو کھو کر دوبارہ حیوانی لیول پر آ جائے گا اور دوسرے انسانوں کے دکھ درد اور غمی وخوشی سے اسے کوئی سروکار نہیں ہوگا گویا کہ یہ ایک حوالے سے انسانیت کا انسانیت سے فرار اور انخلا یعنی alienation ہے جو کہ اس بے خدا مغربی نظام کی دین ہے اور بقول ایک مصنف کے:

There is a telling evidence that modern secular thought has reached its limits and therefore is incapable of offering anything fresh and original in the attempt to deal with the contradiction s, ruptures, and alienation that charactrize the modern condition.... Modernist Western Thought has reached the limits of its potentialities in term of offereing any new insights into the nature of reality. 5

یعنی جدید لادینی نظام اپنے انتہا کو پہنچ کر بھی جدید انسان کے لئے کوئی ایسا لائحہ عمل نہ لا سکا جس کی روشنی میں وہ اپنے مسائل اور تضادات کو حل کر سکتا اور انسانیت سے فرار کے بجائے اسے اپنا سکتا اور اس کے مسائل حل کر سکتا۔ یہ اسی نظام کی خودغرضی اور دوسرے انسانوں سے بے پرواہی و بے نیازی (indifference) کا نتیجہ ہے کہ اس وقت دنیا کے 20 فیصد امیر ترین افراد دنیا کی 86 فیصد تجارت، سرمایہ اور بچتوں پر کنٹرول حاصل کیئے ہوئے ہیں اور پانچ امیر ترین ملک دنیا کی

Marfat.com

82فیصد سے زیادہ مراعات (beneficiaries) کے حامل ہیں اور امیروں اور غریبوں میں فرق دن بدن بڑھ رہا ہے اور یہ فرق 1820ء کے تین گنا فرق سے بڑھ کر 1992ء میں بہتر گنا ہو گیا اور پورے کرہ ارض پر چند فیصد امیر ترین لوگ دنیا کی اتنی بڑی دولت کے مالک ہیں جو دنیا کی تقریباً نصف آبادی میں عام لوگوں کے پاس نہیں ہیں[6]۔

یہ تمام تقابل اس وجہ سے کیا گیا تا کہ مغربی سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کے دعووں کی حقیقت کھل کر سامنے آ سکے کہ کیا وہ دنیا میں عدل و مساوات کی امین ہیں یا اجتماعی ظلم کی انتہائی بھیانک سیاہ تاریکی کی علمبردار ہے اور کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ انسانیت کے مسائل کے حقیقی حل کے لئے ایسا نظام سامنے لایا جائے جو انسان کو انسانیت سے فرار اور بے پرواہ نہ کرے بلکہ تمام انسانوں کو ایک کنبہ قرار دے، ایک کا دکھ دوسرے کا دکھ قرار دے بلکہ اپنی شکم سیری سے پہلے پڑوسی کی خبر گیری بھی کرے،"[7]۔ اور دوسروں کی ضرورتوں کا خیال اپنی ضرورتوں کی طرح کرے بلکہ جس کا نقطہ نظر یوں ہو کہ:

جو صبح کو اٹھے اور دوسرے انسانوں اور مسلمانوں کی خبر گیری اور بہتری کی طرف متوجہ نہ ہو تو وہ ہم میں سے نہیں[8]، اور یہ بھی فرمائے کہ جس بستی میں کوئی شخص صبح کو اس حال میں اٹھے کہ وہ رات بھر بھوکا رہا تو پھر اللہ تعالیٰ پر اس بستی کے بقاء و تحفظ کی کوئی ذمہ داری نہیں اور یہ بھی فرمائے جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو اور تیسرے آدمی کو (مہمان بنا کر لے جائے) اور اگر چار کا ہو تو پانچویں یا چھٹے انسان کو بھی اس میں شریک کرے[9]۔

اور جس نظام کے ہادی یہ بھی فرمائے کہ جس کسی بندے کو بھی اللہ تعالیٰ ایک رعایا کا نگران بنا دے اور پھر وہ خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ ان کے بھلائی کے لئے کوشاں نہ ہو تو جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا اور جو امیر بھی اہل حاجت غریبوں اور مسکینوں کے لئے اپنے دروازے بند کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت اور مصیبت کے لئے اپنے دروازے بند کر دیتا ہے[10]۔

اور جو تمام امت کو ایک جسد واحد کی مانند قرار دے کہ جس کے ایک حصے سے لے کر دوسرے حصے تک ایک ہی احساس کام کرتا ہے ایک عضو کو جو تکلیف پہنچے تو تمام اعضاء اس کے درد کی ٹیس محسوس کریں۔

> مثل المؤمنين في توادهم و تراحمهم و تعاطفهم كمثلِ الجسد ا ذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمّٰى.
>
> یعنی "باہم لطف و کرم اور انس و محبت میں مسلمانوں کا حال جسم کا سا ہے کہ جب ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو بدن کا عضو عضو بے خوابی اور بخار کے ذریعے اس کا شریک غم بن جاتا ہے[11]۔"

یہ ایک معمولی سی جھلک ہے رحمت العالمین کے لائے ہوئے ایسے نظام عدل اجتماعی کی جس کی اس وقت زمانے کو سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ عدل اجتماعی کے مزید خصائص اور اوصاف اور اسلامی تاریخ سے چند چیدہ واقعات بیان کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عدل اور عدل اجتماعی کا مفہوم و معنی اور اہمیت تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں بیان کر دی جائے۔

عدل اور عدل اجتماعی کا مفہوم و معنی اور اہمیت تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

اسلام کی آمد کا بنیادی مقصد معاشرے میں عدل و انصاف کا قیام ہے۔ عدل کا معنی یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کا حق

Marfat.com

ملے اور اگر کوئی اس کے حق پر ہاتھ ڈالے تو جرم کے برابر سزا پائے۔ امام راغب اصفہانی نے عدل کی تعریف یوں کی ہے کہ ''مکافات میں مساوات کا لحاظ رکھنا عدل ہے یعنی نیکی کا صلہ نیکی اور بدی کا صلہ بدی ملنا چاہیے[۱۲]۔ سید شریف نے کہا ہے کہ عدل افراط وتفریط کے درمیان ایک نقطہ مساوات ہے[۱۳]۔ علامہ عینی نے کہا ہے کہ عدل واجب التعمیل احکام کی تعمیل کا نام ہے۔ عدل یہ ہے کہ حق کو تسلیم کیا جائے اور ظلم کا خاتمہ کیا جائے۔[۱۴]

سیجو سیوزک Sejo Susic اسلامی عدل کے بارے اپنے مضمون Justice in Islam میں یوں لکھتے ہیں:

The duty to give what is due to each and every being relates to the most explicit definition of justice given by Imam (Hazrat Ali): 'Justice puts everything in its right place .'one is just insofar one gives everything its proper due,renders haqq due to each person , indeed to each and every things in existence.15

اسلام کے عدل اجتماعی کی جامعیت کو سید حسین نصر یوں بیان کرتے ہیں:

The theme Justice permeates the whole Islamic life and the Divine Law, the goal of whose implementation is the establishment of justice. The Quran is strewn with references to the subject of justice and identifies the good society with a just one.This virtue is so central to Islam that , according to a saying of the Prophet, " A kingdom might survive in infidelity, but it can not survive in injustice and inequality."

one of the meaning of Justice -al-Adl is balance (al-mizan).

God created all things in the correct proportion and harmony, which is the imprint of unity upon the domain of multiplicity. The balance applies to every level of reality, from the physical to the alchemical, psychological , and spiritual . There is a balance of the elements within healthy bodies ... And for the spiritually accomplished Muslim there is balance between spirit, soul, and body and the satisfaction of their respective demands. to give each thing its due (haqq) in accordance with its nature as

Marfat.com

created by God is to live in balance and realize the balance of things and hence to live in justice...observe the balance in all things is to live in justice.16

ابن عربی نے فرمایا کہ لفظ عدل کے اصلی معنی برابری کرنا کے ہیں پھر مختلف نسبتوں سے اس کا مفہوم مختلف ہو جاتا ہے، مثلاً ایک مفہوم عدل کا یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے رب کے درمیان عدل کرے، تو اس کے معنی یہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے حظِ نفس پر اس کی رضاجوئی کو اپنی خواہشات پر مقدم جانے، اور اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی ممنوعات و محرمات سے مکمل اجتناب کرے۔

دوسرا عدل یہ ہے کہ آدمی خود اپنے نفس کے ساتھ عدل کا معاملہ کرے اور یہ کہ اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جس میں اس کی جسمانی یا روحانی ہلاکت ہو، اس کی ایسی خواہشات کو پورا نہ کرے جو اس کے لئے انجام کار مضر ہوں، اور قناعت وصبر سے کام لے اور نفس پر بلاوجہ زیادہ بوجھ نہ ڈالے، تیسرا عدل اپنے نفس اور تمام مخلوقات کے درمیان ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معاملہ کرے کسی سے خیانت نہ کرے، سب لوگوں کے لئے انصاف کا معاملہ کرے کسی انسان کو اس کے کسی قول وفعل سے ظاہراً یا باطناً کوئی ایذاء اور تکلیف نہ پہنچائے۔ اسی طرح ایک عدل یہ ہے کہ جب دو فریق اپنے کسی معاملے کا فیصلہ اس کے پاس لائیں تو فیصلہ میں کسی کی طرف میلان کے بغیر حق کے مطابق فیصلہ کرے، اور ایک عدل یہ بھی ہے کہ ہر معاملہ میں افراط وتفریط کی راہوں کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرے[17]، ابو عبد اللہ رازی نے یہی معنی اختیار کر کے فرمایا ہے کہ لفظ عدل میں عقیدہ کا اعتدال، عمل کا اعتدال، اخلاق کا اعتدال سب شامل ہیں[18]۔ گویا اسلام کا عدل اجتماعی عقائد وعبادات و معاملات معاشرت اور معاشی احکامات کے ساتھ سیاسی و ملکی معاملات کو بھی شامل ہیں۔ عدل اجتماعی ذرہ سے لے کر کائنات کے تمام فلکی وفلکیاتی نظاموں کو شامل ہے اور ان تمام کائناتی نظاموں میں خدا کی صفت عدل کا اظہار ہے اسی طرح خدا کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء و رسل کی تعلیمات میں بھی عدل و انصاف کا ذکر جا بجا ہے۔ قرآن عظیم میں ایک سو سے زائد آیات ایسی ہیں جن میں ظلم کی شناعت بیان کی گئی ہے۔ قرآن کریم نے تمام انبیاء کی بعثت کا بنیادی مقصد اقامت عدل کو قرار دیا ہے[19]۔ اور حضورؐ نے بھی اعلان فرمایا امرت لاعدل بینکم مجھے حکم دیا گیا کہ تمہارے درمیان عدل کروں[20]۔ یعنی میں بے لاگ انصاف پسندی اختیار کرنے پر مامور ہوں۔ میرا یہ کام نہیں کہ کسی کے حق میں اور کسی کے خلاف تعصب برتوں۔ میرا سب انسانوں سے یکساں تعلق ہے اور وہ ہے عدل و انصاف کا تعلق۔ حضور اکرمؐ نے ایک ساعت کے عدل کو ستر سال کی عبادت سے افضل قرار دیا ''عدل ساعۃ خیر من عبادۃ سبعین سنۃ''[21] علامہ جلال الدین دوانی نے اپنی کتاب ''اخلاق جلالی'' میں اس حدیث کی تشریح یوں کی ہے: ''یعنی عدل یك ساعت بهتر از عبادت هفتاد سالست چه اثر عدل یك ساعت بهمه عباد و همه بلاد می رسد و مدت هائے متمادی می ماند[22]''۔ یعنی ایک گھڑی کا عدل ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے کیونکہ ایک ساعت کا عدل تمام بندوں اور تمام شہروں تک پہنچتا ہے اور مدت دراز تک باقی رہتا ہے۔ دوسری روایت ہے۔ قال یا ابوهريرة عدل ساعة افضل من عبادة ستين سنة قيام ليلها

Marfat.com

وصیام نهارها. ویا اباهریرة جو رساعة فی حکم اشد واعظم عنداللہ عزوجل من معاصی ستین سنة. وفی روایة عدل یوم واحد افضل من عباده ستین سنة.[۲۳]

اسی طرح حکم دیا گیا کہ عدل کے قیام میں کسی دشمن کی دشمنی اور کسی دوست کی دوستی آڑے نہ آئے بلکہ بے لاگ عدل و انصاف ہو[۲۴]۔ عدل کو تقوی کے قریب قرار دیا اور فیصلے کے وقت عدل کے دامن کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا[۲۵]۔ عدل والی بات کہنے کا حکم دیا وہ اگرچہ قرابت دار (کے خلاف) ہی کیوں نہ ہو[۲۶]۔ دوسروں کے معاملے میں عدل و انصاف کے حکم کے ساتھ ایک قدم آگے بڑھ کر یہ بھی فرمایا کہ اپنے نفس کے معاملے میں بھی عدل و انصاف سے کام لو[۲۷]۔

اجتماعی عدل کے لئے ضروری شرائط ومقدمات

1۔قانون وحقوق سب کیلئے: یعنی حقیقی انسانی مساوات

حقیقی عدل تب ہی ہوسکتا ہے جب قانون کی عملداری ہو اور قانون سب کیلئے برابر ہو۔ اسلامی قانون میں کسی کے لئے کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا' اپنے پرائے' بڑے چھوٹے اور امیر وغریب کیلئے الگ الگ حقوق نہیں ہیں۔ جو حق ہے وہ سب کیلئے حق ہے اور جو گناہ ہے وہ سب کیلئے گناہ ہے۔ جو حرام ہے وہ سب کیلئے حرام ہے' جو حلال ہے وہ سب کیلئے حلال ہے۔ حضور اکرمؐ نے اپنی ذات کو بھی قانون خداوندی سے مستثنیٰ نہیں قرار دیا۔ آپؐ نے اس قاعدے کو یوں بیان کیا ہے۔

انّما هلك من كان قبلكم انّهم كانوا يقيمون الحد على الوضيع ويتركون الشريف والذى نفس محمد بيده لو ان فاطمة (بنت محمد) فعلت ذلك لقطعت يدها [۲۸]۔

تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں وہ اس لئے ہلاک ہوئیں کہ وہ لوگ کم درجے کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجے والوں (شرفاء) کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے' اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ کو دیکھا کہ وہ اپنی ذات سے بدلہ لیتے تھے۔[۲۹]۔اسی طرح اسلامی نظام زندگی میں معاشرے میں ہر صنف اور ہر طبقہ کے حقوق بھی مقرر کیے تاکہ معاشرہ افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال پر قائم رہے اور اس میں عدل و انصاف کی فضا قائم رہے۔ اسلامی تہذیب ہی ایسا اصول دے سکتی ہے کہ: لا یؤمن احدکم حتّٰی یحب للناس ما یحب لنفسه[۳۰] آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک انسانوں کے لئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے، ایک اور روایت میں ہے: من اصبح ولم یهتم بامور المسلمین فلیس بمسلم (۳۷) جو صبح اٹھے اور دوسرے مسلمانوں کے بھلائی کے کاموں کی طرف توجہ نہ کرے تو وہ مسلمان نہیں۔ اسی طرح کسی شخص نے ایک دفعہ آپ ﷺ کے سامنے کسی سیاہ فام ماں کے بیٹے کو ''ابن السوداء'' (کالی ماں کا بیٹا) کہہ کر پکارا تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہوگیا اور فرمایا: لیس لابن البیضآء فضل علی ابن السودآء ولا فرق بین دین و دین فی تکریم الانسان حیًّا ومیتا[۳۱]۔گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے، انسان کے احترام میں دین کے فرق کی وجہ سے زندگی میں اور موت کے بعد

Marfat.com

کوئی فرق نہیں۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (گورنر) کے صاحبزادے کسی قبطی غلام کو مار رہے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو بے چین ہو گئے اور فرمایا: متی تعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا[۳۲]۔ تم نے کب سے انکو غلام بنا لیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا ہے۔

عدل کے قیام کے لئے ضروری لوازم: حضرت عمرؓ کے مکتوب کی روشنی میں:

اسلام کے عدل اجتماعی کے قیام کے لئے ضروری مقدمات کو حضرت عمرؓ کے ایک مکتوب میں جو کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا میں بخوبی بیان کیا گیا ہے اسی خط کی اہمیت کے پیش نظر علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ تاریخ میں بھی اس کا ذکر کیا ہے اور علامہ ابن قیم نے اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں بھی اس کی پوری تفصیل درج کی ہے[۳۳]۔ وہ مکتوب ملاحظہ ہو:

''اچھی طرح سمجھ لو کہ قضا ایک اہم فریضہ ہے جو سنت کے مطابق بجا لانا ضروری ہے۔ جب کوئی شخص اپنا مقدمہ تمہارے پاس لائے تو کامل غور وفکر کے ساتھ اس کی باتیں سنو اور جب فریقین کی باتیں سننے کے بعد کسی فیصلے پر پہنچ جاؤ تو اس کا نفاذ بھی کرو، کیونکہ درست فیصلہ کرنے کا اس وقت تک فائدہ نہیں جب تک اس فیصلے کا نفاذ نہ کیا جائے۔ تمام لوگوں کو اپنے حضور میں اور اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کمزور اور غریب آدمی انصاف سے مایوس نہ ہو اور زبردست اور طاقتور کو تم سے کسی رورعایت کی امید نہ ہو۔ جو شخص دعویٰ کرے اس کے ذمے ثبوت بہم پہنچانا ضروری ہے اور جو اپنے خلاف عائد کردہ الزام کی تردید کرے اس پر قسم واجب ہے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے لیکن ایسی صلح جو حلال کو حلال رکھے اور حرام کو حرام، ایسی صلح (راضی نامہ) جائز نہیں، جس سے حرام حلال اور حلال حرام ہو جائے۔ اگر کوئی شخص اپنے حق کو ثابت کرنے کی خاطر فوری طور پر ثبوت مہیا نہ کر سکے تو اسے کچھ عرصہ کی مہلت دو۔ اگر اس عرصے میں وہ ثبوت مہیا کر دے تو اس کا حق اسے دلا دو لیکن اگر مدت کے اختتام تک وہ ثبوت بہم نہ پہنچائے تو اس مقدمہ خارج کر دو، ایسا کرنے سے تمام حجت بھی ہو جائے گی اور شک بھی دور ہو جائے گا۔ اگر تم نے آج کوئی فیصلہ کیا ہے لیکن مزید غور وفکر اور عقل سے کام لینے کے بعد تمہیں وہ فیصلہ غلط معلوم ہو اور حق ظاہر ہو جائے تو پہلے فیصلے سے رجوع کرنے میں تمہیں کوئی امر مانع نہیں ہونا چاہیے کیونکہ حق اپنی جگہ پر قائم ہے، اسے کوئی چیز بدل نہیں سکتی اور باطل پر اصرار کرنے سے حق کی طرف رجوع کرنا بہرحال بہتر ہے۔ سب مسلمان قابل اعتبار ہیں سوائے ان اشخاص کے جن کو حد کی سزا میں کوڑے لگائے گئے ہوں یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا جن کا نسب مشکوک ہو۔ جس مسئلے کے مطابق تمہارے دل میں شبہ پیدا ہو اور کتاب اللہ اور سنت نبوی ﷺ میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر خوب غور وفکر کرو پھر اس کی مثالوں اور نظیروں کو دیکھو، اس کے بعد قیاس سے کام لو جو قیاس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی سنت کے زیادہ قریب ہو اس کے مطابق حکم صادر کرو۔ تنگدلی کا اظہار نہ کرو، فریقین مقدمہ کو کسی قسم کی تکلیف مت پہنچاؤ، مقدمہ پیش ہونے کے وقت بدخلقی مت دکھاؤ۔ اگر مقدمے کا صحیح فیصلہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کا بہت بڑا اجر دے گا۔ جس شخص کی نیت ٹھیک ہو اور خواہ اسے اپنے اور اپنے عزیز واقارب کے خلاف ہی فیصلہ کرنا پڑے لیکن وہ حق وانصاف کے فیصلے پر گامزن رہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ہر طرح کفیل ہو گا، لیکن جو شخص جادہ عدل وانصاف سے بھٹک جائے گا اور ایسا فیصلہ کرے گا جس پر خود اس کا دل مطمئن ہونے کو تیار نہ ہو تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو صرف اسی صورت میں ثواب کا حقدار ٹھہرائے گا

Marfat.com

جب وہ اپنے عمال خلوص نیت کے ساتھ بجالائیں گے[۳۴]۔

۲۔سفارش منع ہے

اسی طرح لوگوں کے درمیان عدل تب قائم ہوسکتا ہے جب کوئی دباؤ یا سفارش آڑے نہ آئے۔ اسلام نے اچھی بات کیلئے سفارش کو جائز قرار دیا ہے اوراس پر اجر وثواب کا وعدہ بھی کیا ہے لیکن برے کام کیلئے سفارش کرنے کومنع کیا ہے اور اسے عذاب کا سبب قرار دیا ہے[۳۵]۔حضورؐ نے فرمایا ''جوشخص اپنی سفارش کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کے نفاذ کو روک دیتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کے قانون کی مخالفت کرتا ہے[۳۶]۔صحابی رسول حضرت زبیرؓ کا قول ہے کہ جب حدود کا معاملہ سلطان تک پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ سفارش کرنے والے پر اور جس کے لئے سفارش کی جائے اس پر لعنت بھیجتا ہے[۳۷]۔ وجہ یہ ہیکہ عدل و انصاف کے قیام میں روڑے اٹکانا یا سفارش کرنا احکام الٰہی کو معطل کرنا اور اللہ تعالیٰ سے لڑنا ہے[۳۸]۔ اسی طرح ایک حدیث کے مطابق سفارش پر ہدیہ وغیرہ قبول کرنا بھی رشوت اور سود کے زمرے میں آتا ہے[۳۹]۔مفتی محمد شفیع اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں:

''جس سفارش پرکوئی معاوضہ لیا جائے وہ رشوت ہے اور حدیث میں اس کوسحت اور حرام فرمایا ہے''۔[۴۰]

۳۔سچی گواہی کی تاکید

عدل کے لیے صحیح صورت حال کا واضح ہونا انتہائی ضروری ہے اس کے لیے سچی گواہی کلید کی حیثیت رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام نے سچی گواہی کی بہت زیادہ تاکید کی ہے اور گواہ کے عادل ہونے کو اتنا ہی ضروری قرار دیا ہے جس قدر حاکم کا عادل ہونا[۴۱]۔پیغمبر اعظمؐ کی ہدایت یہ ہے کہ جب گواہ واقعہ کوسورج کی طرح صاف طور پر دیکھ لے تب گواہی دے ورنہ اس کی جرأت نہ کرے[۴۲]۔قرآن عظیم کا حکم ہے کہ شہادت محض اللہ کیلئے درست طریقے پر دینی چاہیے[۴۳] اور گواہ دو افراد ہوں جو انصاف اور سچائی پر عمل کریں[۴۴]۔تمام مومنوں کوحکم دیا گیا کہ انصاف پر قائم رہ کر محض اللہ کیلئے گواہی دیں,اس کے بعد قرآن نے شہادت کی صداقت پر ایسا زور دیا ہے جس کی نظیر دنیا کے کسی قانون میں نہیں ملتی۔ ارشاد ہوا ''شہادت دو انصاف کے ساتھ خواہ یہ تمہاری ذات' تمہارے والدین' تمہارے عزیزوں کے خلاف جائے' دوسرا فریق غنی (سرمایہ دار) ہو یا غریب ومحتاج اللہ ان کا زیادہ خیر خواہ ہے تم گواہی میں دولتمند کی خاطر نہ کرو اور محتاج وفقیر پر ترس نہ کھاؤ بلکہ سچی گواہی دو اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرو بلکہ بغیر توڑ مروڑ کے پوری پوری گواہی دو''[۴۵]۔

اسی حوالے سے مزید اہم ہدایتیں یہ ہے۔جھوٹی شہادت نہ دی جائے' جھوٹی شہادت قابل سزا اور لائق تشہیر ہے' گناہ کبیرہ اورحرام ہے[۴۶]۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جھوٹی گواہی کوشرک کے برابر قرار دیا[۴۷]۔گناہ کبیرہ کے مرتکب فاسق و بدکار کی شہادت کو غیر معتبر قرار دیا[۴۸]۔اسی طرح سزا یافتہ (تہمت طراز، چور، زناکار) شہرت یافتہ' دروغ گو' قانون کی خلاف ورزی کرنے والے مجرم' مذہبی احکام کے مجرم' قاتل' خائن' تہمت سے یا کسی دوسری وجہ سے جرح میں مجروح شدہ گواہ کی گواہی ناقابل قبول ہے[۴۹]۔

باپ' بیٹے' میاں' بیوی' غلام اور آقا کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں ناجائز ہے۔گویا خونی رشتہ داری' دشمنی اور

Marfat.com

جانبداری گواہ کو قانونی طور پر نااہل قرار دیتی ہے [۵۰]۔ وعدہ معاف گواہ کی گواہی بھی اس زمرے میں آتی ہے چونکہ سلطانی گواہ شریک جرم ہوتا ہے، ساتھ ہی اس کی گواہی میں اپنے آپ کو بچانے کا ذاتی مفاد شامل ہو جاتا ہے اور وہ غیر جانبدار نہیں رہتا اس لئے اس کی گواہی اپنے رفقائے جرم کے خلاف یکسر ناقابل قبول ٹھہرائی گئی ہے [۵۱]۔

اسی طرح یہ اسلامی ہدایات ہیں کہ گواہی میں تحریف نہ کی جائے، [۵۲] گواہی سے پہلو تہی نہ کی جائے [۵۳]، گواہی کو چھپایا نہ جائے [۵۴] گواہ کو خریدا نہ جائے [۵۵] گواہ کی عزت کی جائے، کیونکہ اس کی وجہ سے حقوق عامہ زندہ ہیں، گواہ کو نقصان پہنچانا ایک طرح کا جرم ہے [۵۶]۔ کیا دنیا کے کسی مذہب اور نظام میں عدل کے قیام کے لئے اتنی اہم اور تفصیلی ہدایات موجود ہیں؟

۴۔ انصاف کیلئے سب سے اہم بنیاد ـــــ اللہ تعالیٰ کے قانون عدل کے سامنے جوابدہی کا احساس

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ [۵۷]

عدل و انصاف کے قیام کے لئے اسلام اپنے سخت قوانین اور حدود وتعزیرات کے علاوہ اپنی اخلاقی تعلیمات کے ذریعے افراد کو جرائم سے باز رہنے پر آمادہ کرتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مختلف اقوام مافیہ کے حالات و واقعات اور عذاب اخروی و دینوی کا ذکر کرتا ہے اور ہر انسان کے دل میں اللہ کے قانون عدل کے سامنے جوابدہ اور مسئول ہونے کا تصور پیدا کرتا ہے تا کہ انسان کا ضمیر جاگے اور وہ خود احتسابی کے تحت گناہوں اور جرائم سے بچتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ مندرجہ ذیل تعلیمات دیتا ہے:

اللہ رب العالمین جو انسان کا خالق ہے وہ علیم وخبیر ہے انسانوں کے دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے، [۵۸] وساوس نفس سے بھی واقف ہے [۵۹]۔ وہ ہر وقت انسان کے ساتھ ہے [۶۰]۔ اللہ تعالیٰ کے نگران فرشتے انسان کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں اور کوئی لفظ انسان نہیں بولتا مگر فرشتے اس کو ریکارڈ کر لیتے ہیں [۶۱]۔ ہر انسان کا اعمالنامہ (تمام زندگی کا ریکارڈ) اس سے کوئی علیحدہ چیز نہیں بلکہ اس کی فطرت کا ایک جزو ہے اور قیامت والے دن وہ نکالا جائے گا [۶۲]، اور وہ اعمالنامہ ایسی کتاب کی شکل میں ہوگا جس میں انسان کی زندگی کے تمام چھوٹے بڑے افعال و اعمال موجود ہوں گے [۶۳]۔ اور انسان سے اس کے تمام اقوال و افعال کے بارے میں پوچھا جائے گا اور کوئی شخص حساب و کتاب اور عذاب خداوندی سے بھاگ نہ سکے گا بلکہ چار و ناچار اسے اللہ کے حضور حاضر ہونا ہوگا۔ [۶۴]

ساتھ ہی اسلام انسان کو باور کراتا ہے کہ ان خارجی گواہوں کے علاوہ انسان کے اپنے اعضاء بھی اس کے خلاف یا اس کے حق میں گواہی دیں گے اور زبان پر مہر کر دی جائے گی [۶۵]۔ انسان ذرہ برابر اچھا عمل کرے گا اسے دیکھ لے گا اور انعام پائے گا اور ذرہ برابر برا عمل کرے گا تو بھی دیکھ لے گا اور اس کی سزا پائے گا [۶۶]۔ کسی فرد کو دوسرے کے جرم کی سزا نہیں دی جائے گی [۶۷]۔ اور وہاں سفارش، بدلہ، فدیہ اور لاؤ ولشکر کچھ کام نہیں آئیں گے [۶۸]۔

انسان کو متنبہ کرنے اور اس کے اندر خوف خدا کا تصور پیدا کرنے کیلئے قرآن عظیم کی تقریباً ہر سورت اور اکثر آیات میں اس طرح کی تعلیمات موجود ہیں [۶۹]۔ یہ وہ تعلیمات ہیں جن کے ذریعے اسلام انسان کے اندر محاسبہ کا شدید خوف پیدا کر کے اللہ کے نظام عدل کے سامنے جواب دہی کا خوف بٹھاتا ہے اور اخلاقی تعلیمات کے ذریعے انسان کے ذہن اور قلب ونظر کو

Marfat.com

تبدیل کرتا ہے۔ کیونکہ جبر وتشدد اور قانون صرف ایک حد تک کام کرسکتا ہے' لیکن اندر باہر انفرادی اور اجتماعی زندگی میں جو چیز موثر ثابت ہوسکتی ہے وہ خوف خدااور ایسی ہستی کی پکڑ کا تصور ہے جو ہر وقت انسان کے ساتھ ہوتی ہے۔ اسلام اس تصور کو تقوی اللہ کا نام دیتا ہے اور یہ تقوی اللہ نظام عدل کے حقیقی قیام کی بنیاد ہے۔ اس تقوی اللہ کی جھلک دور صحابہ اور تابعین کے حکام و ذمہ داران میں نظر آتی تھی جس کی وجہ سے وہ مخلوق خدا کے ساتھ برتاؤ میں انتہائی درجہ کے محتاط اور اعلیٰ قسم کے عدل و انصاف پر گامزن تھے۔ایک مرتبہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز ساری رات مصلّی پر بیٹھے روتے رہے صبح کو زوجہ محترمہ نے اس غیر معمولی رنج وغم کا حال دریافت کیا تو فرمایا:

''میں نے پوری امت کی ذمہ داری لی ہے اس میں ہر قسم کے لوگ ہیں مثلاً بھوکے، فقیر، بے سہارا مریض، بے سرو سامان مجاہد، بے بس مظلوم، غریب قیدی، نہایت بوڑھے، کثیر العیال جن کے پاس مال کم ہے۔ اس طرح مختلف علاقوں کے رہنے والے دوسرے ضرورت مند، قیامت کے دن ان سب کے بارے میں مجھ سے بازپرس ہوگی اور رسول اللہؐ ان کے بارے میں مجھ سے ضرور جھگڑیں گے۔ سو میں ڈر رہا ہوں کہ اس وقت اللہ کے حضور میں کوئی عذر پیش نہ کرسکوں گا اور نہ محمد ﷺ کے سامنے کوئی حجت لاسکوں گا تو یہ رنج وغم اسی خوف کی وجہ سے ہے''۷۰

اسلام کے عدل اجتماعی کے خصائص و امتیازات

قوانین عدل کا منبع خود خالق کائنات ہے

اور یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ اسلام ہی میں عدل اجتماعی ہے اس لئے اسلام وہ دین حق ہے جو خالق کائنات نے انسان کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا اور انسانوں کے درمیان عدل قائم کرنا اور طے کرنا کہ ان کے لئے کیا چیز عدل ہے اور کیا عدل نہیں انسانوں کے خالق و رب ہی کا کام ہے، دوسرا کوئی نہ اس کا مجاز ہے کہ عدل وظلم کا معیار تجویز کرے اور نہ دوسرے کسی میں یہ اہلیت پائی جاتی ہے کہ حقیقی عدل قائم کر سکے۔ انسان خواہ کتنے ہی بلند مرتبے کا ہو اور خواہ ایک انسان نہیں بہت سے ذہین وفطین انسان مل کر بھی انسانوں کے لئے کوئی نظام عدل بنائیں تو بحرحال انسانی ذہن کی محدودیت اور عقل انسانی کی کوتاہی و نارسائی اور انسانی عقل کی خواہشات اور تعصبات کی دستبرد سے کسی حال میں بھی مفر نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ انسان وحی کی روشنی کے بغیر اپنے لئے کوئی ایسا نظام بنا سکے جو درحقیقت عدل پر مبنی ہو انسان کے بنائے ہوئے نظام میں ابتداء بظاہر کیسے ہی عدل نظر آئے، بہت جلد عملی تجربہ یہ ثابت کر دیتا ہے کہ فی الحقیقت اس میں عدل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہر انسانی نظام کچھ مدت تک چلنے کے بعد ناقص ثابت ہو جاتا ہے اور انسان اس سے بیزار ہو کر ایک دوسرے تجربے کی طرف پیش قدمی کرنے لگتا ہے ۷۱، سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی نظام کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔مولانا مودودی اسی حوالے سے رقم طراز ہیں: یہ دو باتیں کہ اسلام میں ہی عدل اجتماعی ہے اور عدل ہی اسلام کا مقصود ہے ان سے اگر انسان غافل نہ ہو تو وہ کبھی عدالت اجتماعی کی تلاش میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر کسی دوسرے مآخذ کی طرف توجہ کرنے کی غلطی نہیں کر سکتا، جس لمحے اس عدل کی ضرورت کا احساس ہوگا اسی لمحے اسے معلوم ہو جائے گا کہ عدل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی کے پاس نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے، اور وہ یہ بھی جان لے گا کہ عدل قائم کرنے کے لئے اس کے سوا کچھ کرنا نہیں ہے کہ

Marfat.com

اسلام پورے کا پورا بلاکم وکاست قائم کر دیا جائے۔ عدل اسلام سے الگ کسی چیز کا نام نہیں ہے اسلام خود عدل ہے، اس کا قائم ہونا اور عدل کا قائم ہونا ایک ہی چیز ہے[۷۲]۔

معاشی امور اور معاملات میں عدل

فرد اور اجتماع یا جماعت میں اسلام نے زبردست توازن و اعتدال قائم کیا ہے۔ اسلام میں کسی شخص یا گروہ یا دوسری قوت کو یہ مقام حاصل نہیں کہ وہ عدل یا عدل اجتماعی کے لئے کوئی ضابطہ بنائے۔ اسلام نے بندوں کے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں بہترین قوانین دیئے ہیں فرد کی آزادی کے لئے اسلام نے کچھ حدود مقرر کی ہیں اس کے لئے کون کون سے افعال جائز ہیں اور کون سے ناجائز اور دوسروں کے اس پر کیا حقوق ہیں، کمائی کے کون سے ذرائع حلال اور کون سے حرام ہیں، فرد کی بھلائی کے لئے معاشرہ پر کیا حقوق ہیں اور معاشرے کی بھلائی کے لئے فرد پر کیا حقوق ہیں، ان سب میں ایک ایسا توازن قائم کیا گیا ہے کہ نہ فرد کو وہ آزادی دی گئی کہ وہ معاشرے کو نقصان پہنچا سکے اور نہ معاشرے کو یہ اختیار دیا گیا کہ فرد سے اس کی آزادی سلب کرے[۷۳]۔ اسلام اگرچہ انفرادی ملکیت کی اجازت دیتا ہے لیکن ایسے اصول عطا کرتا ہے جس پر عمل کرنے سے سرمایہ داری کو پنپنے کا موقع نہیں ملتا۔ دولت کمانے کے ذرائع پر حلال وحرام اور جائز و ناجائز کی تمیز قائم کر کے آمدنی کے ان تمام طریقوں کو روک دیتا ہے جن کے ذریعے ایک آدمی بلامحنت و مشقت کروڑ پتی بن جاتا ہے۔ سود اور سودی کاروبار جو کہ سرمایہ دارانہ نظام کی ریڑھ کی ہڈی (Back bone) ہے اسے حرام ٹھہراتا ہے اور سودی لین دین کرنے والوں سے جنگ کا اعلان کرتا ہے[۷۴]۔ آنحضورﷺ نے اپنے ارشادات عالیہ سے سود کی اتنی کثرت سے شناعت و قباحت بیان فرمائی کہ ایک حقیقی اسلامی معاشرے میں اس کا وجود قائم نہیں رہ سکتا[۷۵]۔

اس کے علاوہ جوئے و سٹے کی ممانعت، ذخیرہ اندوزی، چور بازاری، ناجائز منافع خوری، ناپ تول میں کمی اور لاٹری کو حرام قرار دے کر سرمایہ داری پر کاری ضرب لگائی ہے۔

اسی طرح اسلام جائز اور حلال ذرائع سے کمائی ہوئی دولت پر ایسی پابندیاں عائد کرتا ہے کہ معاشی خوشحالی چند آدمیوں کا مقدر نہ بنے بلکہ سوسائٹی کے دوسرے افراد اور طبقات کو بھی اس سے حصہ وافر ملتا رہے۔ اسلام نے زکوٰۃ وعشر کا نظام وضع کیا جس کے تحت مال و دولت اغنیاء سے وصول کر کے فقراء اور غریبوں میں تقسیم کی جاتی ہے۔ اس نظام کے تحت اسلامی معاشرے میں ہر شخص کی بنیادی ضرورتوں کی کفالت کا انتظام موجود ہے۔ عشر و زکوٰۃ تو فرض ہے لیکن اس کے علاوہ خیرات' صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔ ﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾[۷۶] کہ ان (امراء) کے مالوں میں سائلوں اور دولت سے محروموں کا حق ہے۔ مالِ فے کی تقسیم کی حکمت ان الفاظ میں بیان کی ہے ﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾[۷۷] اسلام میں تقسیم وراثت کے احکامات بھی اسی غرض کے لئے ہیں۔

اسی طرح رسول اللہﷺ یہ بھی فرمایا کہ جس شخص کے پاس قوت و طاقت کے سامان اپنی حاجت سے زائد ہوں اس کو چاہیے کہ اس فاضل سامان کو کمزور کو دے دے اور جس شخص کے پاس سامان خورد ونوش اپنی حاجت سے زائد ہو اس کو چاہیے کہ وہ نادار اور حاجت مند کو دے دے۔ ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ نبی اکرمﷺ مختلف انواع مال کا ذکر فرماتے رہے

Marfat.com

حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کر لیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو اپنے فاضل مال پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں ہے [78]۔ حضرت ابو عبیدہ اور تین سو صحابہ کرامؓ سے متعلق یہ روایت صحت کو پہنچ چکی ہے کہ ایک موقع پر ان کا سامان خورد و نوش ختم ہونے کے قریب آ لگا تو حضرت ابو عبیدہؓ نے حکم دیا کہ جس جس کے پاس جس قدر موجود ہے وہ حاضر کریں اور پھر سب کو جمع کر کے ان سب میں تقسیم کر کے ان سب کی قوت لایموت (Sustenance for Survival) کا سامان کر دیا [79]۔ حضرت علیؓ نے یہ بھی حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل دولت کے اموال پر ان کے غریبوں کی معاشی حاجت کو بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض کر دیا ہے۔ پس اگر وہ بھوکے ننگے یا معاشی مصائب میں مبتلا ہوں گے تو محض اس لئے کہ اہل ثروت اپنا حق ادا نہیں کرتے اس لئے اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن اس کی باز پرس کرے گا اور اس کوتاہی پر اس کو عذاب دے گا [80]۔ یہ اور اس قسم کی دوسری احادیث اور آیات قرآنی کو دلیل میں پیش کرتے ہوئے مشہور محدث ابن حزم ظاہری یہ مسئلہ تحریر فرماتے ہیں:

اور ہر ایک بستی کے ارباب دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء اور غرباء کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر مال اور اگر بیت المال کی آمدنی ان غرباء کی معاشی کفالت کو پورا نہ کرتی ہو تو سلطان امیر ان ارباب دولت کو اس کفالت کے لئے مجبور کر سکتا ہے (یعنی ان کے زائد مال سے بجبر لے کر فقراء کی ضروریات میں صرف کر سکتا ہے) اور ان کی زندگی کے اسباب کے لئے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو، پہننے کے لئے گرمی اور سردی دونوں موسموں کے لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لئے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش، گرمی، دھوپ اور سیلاب جیسے امور سے محفوظ رکھے [81]۔

اسلامی نظام کفالت اور عدل اجتماعی یہاں تک محتاط ہے کہ بقول حضرت عمرؓ کہ اگر نہر کے کنارے خارشی بکری اس حال میں مر جائے کہ اس پر (بطور علاج) تیل کی مالش نہ ہو تو ڈر ہے کہ قیامت کے دن عمر سے اس کی باز پرس ہوگی [82]۔ قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سناتے ہوئے اسلام کے قیام عدل کی ذمہ داری حضرت عمر نے اس طرح بیان کی ''مجھے تمہاری ہر ضرورت پوری کرنے کی فکر ہے۔ خدا کی قسم میں بادشاہ نہیں کہ تمہیں غلام بنا رکھوں بلکہ اللہ کا غلام ہوں پس حکمرانی کی امانت میرے سپرد ہے۔ اگر میں اس کو امانت سمجھ کر تمہیں واپس کر دوں اور خدمت کے لئے تمہارے پیچھے پیچھے چلوں یہاں تک کہ تم اپنے گھروں میں سیر ہو کر کھاؤ پیو تو میں اس (حکمرانی) کے ذریعے فلاح پاؤں گا اور اس کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھوں اور (مطالبہ حقوق کے لئے) اپنے پیچھے پیچھے چلاؤں اور گھر آنے پر مجبور کروں تو میرا انجام خراب ہوگا۔ [83]

غیر مسلموں کی معاشی کفالت میں عدل و انصاف

امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج' میں ایک جلیل القدر صحابی کی زبان سے یہ اصول بیان کیا ہے ''خدا کی قسم ہم نے اس سے انصاف نہیں کیا اگر جوانی میں اس سے فائدہ اٹھایا اور بڑھاپے میں اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ حضرت عمرؓ نے ایک یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو اس کا وظیفہ بیت المال سے مقرر کیا اور فرمایا ''ھٰذا مِن مَّسَاکِین اَھل الکتاب'' کہ یہ اہل کتاب کا مسکین ہے [84]۔ اس لئے حضرت خالد بن ولیدؓ نے حیرہ کے غیر مسلموں سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں یہ صراحت موجود تھی کہ جو شخص بوڑھا ہو جائے یا کسی آفت کا شکار ہو جائے یا جو مفلس ہو جائے اس سے جزیہ وصول کرنے کی بجائے مسلمانوں کے بیت المال سے اس کی اور اس کے اہل و عیال کی کفالت کی جائے گی۔ [85]

Marfat.com

مختصراً اسلام کی یہ وہ تعلیمات ہیں جن کے ذریعے معاشرے میں عدل و انصاف اور اجتماعی کفالت کا نظام اپنے عروج کو پہنچتا ہے۔ اسی طرح اسلام ایسے قوانین دیتا ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کرتے ہیں، اور ان کے ذریعے انفرادی و اجتماعی، سیاسی و معاشرتی، تمدنی و معاشی، دیوانی و فوجداری، ملی اور بین الاقوامی ہر پہلو کی اصلاح کر کے تمام شعبہ ہائے زندگی میں عدل و انصاف اور مساوات کا دور دورہ کرتے ہیں۔

ع　　کس نباشد در جہاں محتاج کس　　نکتہ شرع مبین ایں است و بس

اسلام کے نظامِ حکومت میں عدل و انصاف

اسلام چونکہ عدل و انصاف کا سرچشمہ اللہ کی ذات کو قرار دیتا ہے اور اس سرچشمے سے پیدا ہونے والے قوانین کا نفاذ مسلمانوں کی جماعت کے سپرد کرتا ہے چنانچہ اسلام میں نظام قضا یا عدل و انصاف کو اہم ترین انسانی فرائض میں شامل کرتے ہوئے اسے مملکت اسلامیہ کا اولین فرض قرار دیتا ہے۔ اسلام نے عدل و انصاف کی اسی اہمیت اور عظمت کو جا بجا بیان کیا ہے۔ قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ذمے ایک طرف تبلیغ کا فریضہ لگایا تو دوسری طرف ان کو حکم دیا کہ وہ قضا کا حق بھی ادا کریں، چنانچہ داوٗدؑ سے فرمایا: یا داوٗد انا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق۔ اے داوٗد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا! آپ لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ حکومت کریں۔ [۸۶]۔ نبی پاک ﷺ کو بھی یہ فرمایا اے نبی ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ جو راہ راست اللہ نے تمہیں دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ [۸۷]۔ اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا کہ سایہ الٰہی میں سب سے پہلے وہ لوگ جائیں گے جو اپنا حق ملنے پر اسے قبول کر لیتے ہیں اور دوسروں کا حق بخوشی دے دیتے ہیں اور فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب لوگوں میں عادل حکام ہیں اور قیامت میں مبغوض اور سخت عذاب والے ظالم حکمران ہیں۔ اسی طرح فرمایا: کہ منصف اور عادل حاکم خدا کے بہت قریب ہوں گے اور یہ بھی فرمایا عدل و انصاف کرنے والے حاکم قیامت کے دن نور کے ممبروں پر ہوں گے اور یہ ممبر رحمان کے داہنی جانب قائم ہوں گے [۸۸] اور یہ بھی فرمایا کہ سات شخصوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سایے میں رکھے گا ان سات میں سے امام عادل کو مقدم فرمایا ہے [۸۹]۔ اسلام عدل و انصاف کو ہر شہری کا بنیادی حق قرار دیتا ہے اور یہ بات اسلامی عدل کے منافی ہے کہ عدل کے حصول میں عوام کو کوئی مانع ہو یا اس میں تاخیر ہو۔ اسلام مقدمات میں جلد فیصلے کا قائل ہے اور انصاف میں تاخیر کو برا سمجھتا ہے۔ اسی نظام عدل کی تنفیذ کے لئے اسلام ایک مفید عادلانہ عدالتی نظام وضع کرتا ہے [۹۰]۔ اسلام کے اس نظام عدل کی بنیاد عہد نبوت میں پڑ چکی تھی اور پھر بعد میں خلفائے راشدین کے دور میں نہ صرف آنحضرت ﷺ کے ہاتھوں قائم شدہ نظام عدل پوری آب و تاب کے ساتھ برقرار رہا بلکہ اس میں بے شمار اضافے بھی ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ نے نظام عدل و انصاف میں بہترین اضافے کیئے۔ نظام عدل کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہوئے عدالت کو ایک جداگانہ محکمہ قرار دیا اور مملکت کو مختلف صوبوں میں تقسیم کر کے ہر ضلعی مقام پر عدالتیں قائم کیں جہاں قاضیوں کا تقرر کیا گیا اور قاضیوں کے تقرر کے وقت ان کو ایسی ہدایات دی جاتی تھیں تاکہ وہ ان کی روشنی میں عدل و انصاف کا دامن تھام سکیں۔ رشوت یا ناجائز وسائل آمدنی کے سدباب کے لئے آپ نے قاضیوں کو گراں قدر مشاہرات (salaries) سے نوازا۔ قاضی کو تجارت کرنے کی ممانعت کی گئی [91]، بعض

Marfat.com

دفعہ خود خلیفہ وقت فریق بن کر امتحان کی خاطر عدالت میں جاتے، (جیسے ایک دفعہ ابی ابن کعب سے حضرت عمر کا کچھ نزاع ہوا، زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت عمرؓ ان کے پاس عدالت میں گئے تو انہوں نے تعظیم کے لئے جگہ خالی کر دی، حضرت عمرؓ نے کہا کہ پہلی نا انصافی ہے جو تم نے اس مقدمہ میں کی ہے یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے)۔[۹۲]

عدالت کے دروازے سب کے لئے کھلے ہوتے تھے، امیر و غریب کا امتیاز مٹ چکا تھا اور عدل و انصاف کا ایسا نظام قائم کیا کہ غیر مسلم بھی پکار اٹھے کہ اسی عدل کی وجہ سے آسمان اور زمین قائم ہیں۔[۹۳] حضرت عمرؓ و علیؓ کا ایک واقعہ اسلام کے نظام عدل اور مساوات کو بطریق احسن بیان کرتا ہے:

حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بیٹھے ہوئے تھے، دوستانہ سلسلہ کلام جاری تھا کہ ایک یہودی آیا، کہا علیؓ پر دعویٰ کرنے آیا ہوں امیر المومنین حضرت عمرؓ نے فرمایا، ابو الحسن سامنے کھڑے ہو کر جوابدہی کرو، مرتضیٰ اٹھے دیکھا گیا کہ اس وقت ان کے چہرے پر بل تھا۔ دعویٰ سنایا گیا، فیصلہ کر دیا گیا۔ مدعی جھوٹا تھا وہ چلا گیا تو پھر وہی سلسلہ کلام شروع ہو گیا، فاروقؓ نے کہا کہ میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ علیؓ نے فرمایا ضرور پوچھو، کہا جب آپ کو سامنے کھڑے ہونے کو کہا گیا تو اس وقت آپ چیں بہ جبیں کیوں ہوئے تھے، کیا عدالت میں یہودی کے برابر کھڑا ہونے کو برا سمجھا تھا، فرمایا نہیں، نہیں یہ بات نہیں، آپ کو یاد ہے آپ نے ابوالحسن کہہ کر کھڑا ہونے کو کہا تھا، کنیت سے پکارنا نشان عزت ہے میرا خیال ادھر گیا کہ مبادا یہودی کے برابر کھڑے ہوتے ہوئے بھی وہ یہ سمجھے کہ عدالت کو مدعا علیہ (حضرت علیؓ) کا خاص لحاظ ہے اس لئے مدعی کے مقابلے میں اسے بالفاظ عزت مخاطب کیا گیا ہے، اگر وہ ایسا سمجھ لیتا تو ہماری عدالت یعنی اسلامی عدالت پر دھبہ لگتا[۹۴]۔

اسلام کے ہمہ گیر عدل اجتماعی کی یہ مختصر سی جھلک گذشتہ صفحات میں پیش کی گئی، اگر ایسا عدل اجتماعی آج قائم ہوتا تو دنیا میں موجودہ بے چینی و بد امنی، افراتفری، قتل و غارت، دہشت گردی اور ظلم نہ ہوتا کیونکہ عدل کی وجہ سے سب لوگوں کے حقوق کا خیال رکھا جاتا، انصاف کا حصول ہر ایک کے لئے ممکن ہوتا اور کسی پر ظلم نہ ہوتا تو نتیجتاً انفرادی اور جماعی سطح پر لڑائی جھگڑے اور فساد فی الارض نہ ہوتا، اس لئے تو کہا ہے کہ کفر کے ساتھ ملک قائم رہ سکتا ہے لیکن ظلم (عدم انصاف) سے نہیں [۹۵]، کیونکہ اس سے انسانی لیول (human level) میں بگاڑ کے علاوہ کائناتی نظام سے بھی تصادم آتا ہےجو خلاف قانون خداوندی ہے، ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا۔ یعنی خدا کا قانون اٹل ہے، کل بھی وہی تھا اور آج بھی وہی ہے، جو قوم و ملک اور معاشرہ خدا کی اس عظیم کائناتی سکیم (Grand Cosmological Scheme) کے مطابق چلے گا اور اس کے ساتھ harmony کے ساتھ رہے گا تو وہی انفرادی و اجتماعی تمام سطحوں پر کامیاب و کامران ہو گا، فلاح و خوشحالی اس قوم و ملک اور معاشرے کا مقدر ہو گی کیونکہ وہ خدا کی صفت عدل و قسط کا مظہر ہو گا، لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو پھر خدائے عظیم کی عظیم سکیم عدل و انصاف میں فِٹ نہیں بیٹھتا تو تباہی و بربادی اور صفحہ ہستی سے مٹ جانا ہی اس کا مقدر ہے۔ تاریخ کے اوراق اور قرآنی قصص و واقعات اس پر شاہد عادل ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس نظام عدل و قسط کو اتنا جامع اور ہمہ گیر بنا دیا کہ اپنوں اور پرایوں یعنی مسلم و غیر مسلم کی کوئی قید روا نہیں رکھی بلکہ بے لاگ عدل و انصاف کا حکم دیا۔ حالت امن کے ساتھ ساتھ حالت جنگ میں بھی ظلم اور ناانصافی

Marfat.com

کی ہر شکل کو ممنوع قرار دیا بلکہ اسلامی جنگ کی اصل غرض و غایت ہی مذہبی آزادی کو یقینی بنانا اور دنیا میں اسلام کے عادلانہ قوانین اور محکم نظام کو قائم کرنا فرمایا ہے۔ اسلام میں جنگ نظریہ ضرورت کے تحت، قانون عدل اور احترام انسانیت کے تابع ہے۔ اسلامی جنگ ظلم کے خاتمے، مظلوموں کی حمایت اور بنیادی حقوق کی حفاظت کے لئے ہوتی ہے۔[96] عام طور پر دنیا کی جنگوں میں کوئی ضابطہ اخلاق نہیں ہوتا بلکہ جنگ میں ہر چیز جائز سمجھی جاتی ہے لیکن اسلامی جہاد (قتال) نفسانیت یا توسیع پسندی کے لئے نہیں، اس لئے جنگ کے دوران بھی اخلاقی قدروں کے لحاظ کا حکم دیا اور ہر قسم کے ظلم سے منع کرتے ہوئے عدل و انصاف کا حکم دیا۔ وقاتلو فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم میں کہا کہ جو تم سے لڑے ان سے لڑو لیکن ساتھ خصوصی طور پر یہ ہدایت دی کہ ﴿وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ﴾[97] حد سے نہ بڑھو، زیادتی نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں اور زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ یعنی معاملہ مسلمانوں سے لڑنے والوں کا ہے اور رب العالمین عادل مطلق اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی زیادتی، ناانصافی اور ظلم کو جائز قرار نہیں دیتا بلکہ کہا جاتا ہے ﴿وَلَا تَعْتَدُوْا﴾ زیادتی نہ کرو بلکہ انصاف کرو۔ ﴿وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾[98] مسلمانوں کا اپنے دشمنوں کے ساتھ دوران جنگ عدل و انصاف کا ایک بہترین یادگار واقعہ ملاحظہ ہو: جب مسلمان فاتح و قائد قتیبہ بن مسلم باہلی سمرقند میں اس کے باشندوں کو اسلام یا عہد و پیمان یا جنگ کا اختیار دیئے بغیر داخل ہوا تو اہل ثمرقند نے خلیفۃ المسلمین عمر بن عبدالعزیز کے پاس پیغام بھیجا اور اس سے شکایت کی کہ قتیبہ نے انہیں کسی چیز کا اختیار نہیں دیا اگر وہ اختیار دیتے تو وہ کسی چیز کا انتخاب ضروری کرتے۔ اس پر خلیفہ راشد نے وہاں کے مسلمان قاضی (جج) کو پیغام بھیجا اور اس سے فرمایا کہ جوں ہی میرا یہ خط تمہارے پاس پہنچے قتیبہ اور مخاربین (برسر جنگ کفار) کو سامنے بٹھا کر ان سے حقیقت حال دریافت کرو، اگر اہل ثمرقند کی شکایت درست ثابت ہو تو لشکر اسلام کو حکم دو کہ وہ یہ علاقہ خالی کر دے۔ قاضی نے اس مسئلے کی تحقیق کی اور یہ ثابت ہو گیا کہ قتیبہ ابن مسلم نے فی الواقع انہیں یہ اختیار نہیں دیا تھا۔ قاضی نے فیصلہ صادر کیا کہ مسلمانوں کا لشکر ثمرقند کو خالی کر دے، اور اہل ثمرقند کو اختیار دیا جائے، چاہیں تو وہ اسلام قبول کر لیں، یا عہد و پیمان کر لیں، یا جنگ کے لئے تیار ہو جائیں، چنانچہ لشکر شہر سے باہر نکل گیا۔ اس کے بعد اس کے باشندے معاہدہ کرنے پر رضامند ہو گئے اور ان میں سے کچھ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے[99]۔ کیا یہ حیرت انگیز رویہ عدل کامل کا اعلیٰ نمونہ نہیں ہے؟ کہ مسلمانوں کا قاضی برسر جنگ کفار کو مسلمانوں کے سپہ سالار سے انصاف دلاتا ہے، پھر وہ لشکر اسلام کو شہر خالی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ پھر مقامی باشندوں کو اسلام قبول کرنے یا معاہدہ کرنے یا جنگ کرنے کا اختیار دیتا ہے۔ یہ ہیں اسلام کی حالت صلح و جنگ میں عدل و انصاف پر مبنی تعلیمات۔ کیا آج کے اس تہذیب و تمدن اور قانون بین المما لک (International Law) کے دور میں ایسی مثال ملنا ممکن ہے۔

عصر حاضر کی سب سے بڑی ضرورت:

اس وقت انسانیت کی نصح و خیر خواہی پر مبنی ایسی عادلانہ اسلامی تعلیمات کو دنیا کے سامنے لانے کی ضرورت ہے کیونکہ اس وقت دنیا کے بڑے بڑے سکالرز اور اعلیٰ درجے کے سائنسدان اور Intellectuals جیسے سٹیفن ہاکنگ، رچرڈ ڈاکنز اور کارل ساگان[100] (Stephen Hawking, Richard Dawkins, Carl Sagan ,etc.) وغیر مسئلہ خیر و شر

Marfat.com

اور اس جیسے اور مسائل کو نہ سمجھنے کی وجہ سے نفس مذہب کو ایک واہمہ قرار (The Problem of Evil in the World) دے کر کائنات کی سب سے بڑی حقیقت یعنی رب العالمین کو Delusion کہا ہے[101] ان شکوک کی دیگر وجوہات کے علاوہ ایک وجہ ان کا اسلام کے نظام عدل و انصاف کو نہ سمجھنا اور اسے عیسائیت کے تناظر میں دیکھنا ہے۔ چنانچہ اس وقت ایک دفعہ پھر نظریاتی و تصوراتی سطح پر اسلام کے فطری نظام عدل اجتماعی (Natural Social Justice System of Islam) کو سمجھانے کے ساتھ عملی طور پر اسلام کے نظام عدل کو اپنی حقیقی سپرٹ کے ساتھ دنیا کو دکھانا ہوگا۔ اگر گاندھی جی اپنے وزراء کو ابوبکرؓ و عمرؓ کی مثال حکمرانی اور طرز عدل و انصاف کو سامنے رکھ کر حکومت کرنے کا کہہ سکتے ہیں،[102] تو 57 ممالک سے زیادہ پر مشتمل مسلم امہ کیا اپنا ایک اجتماعی نظام عدل و انصاف بنا کر دنیا کے سامنے پیش نہیں کر سکتی۔ کیا امت وسط کا یہی مفہوم نہیں کہ وہ عدل و انصاف کو دنیا میں افراط و تفریط کے بغیر قائم کر کے ﴿شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ کا عظیم خدائی لقب اپنائے[103]۔ کیا ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ کے مطابق دنیا میں صرف نظریاتی طور پر عدل و انصاف اور خیر کے قیام کے دکھانے کا کہا گیا ہے یا عدل و قسط کے نظام کو عملی طور پر نافذ کرنے کی پرزور تاکید ہے[104]، کیا ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ میں سارے ادیان اور نظام ہائے ظلم و عدوان پر اسلام کے نظام **الهدیٰ** (سراپا رہنمائی و روشنی) اور حق و انصاف پر مبنی **الدین الحق** کو دنیا میں رائج و غالب کرنے کا نہیں کہا گیا[105]۔ کیا حضور ﷺ اور صحابہ کا اسوہ اس پر شاہد عادل نہیں کہ انہوں نے حقیقی معنوں میں اسلام کے نظام عدل و قسط کو عملی طور پر دنیا میں نافذ کر کے دکھا دیا اور ہم پر اتمام حجت کر دی کہ ایسا کرنا ممکن ہے اور ایک بار پھر عالمی سطح پر ایسا ہو کر رہے گا۔ رسول کریم ﷺ الصادق و المصدوق کے ارشادات اس پر گواہ ہیں[106]۔

کاش امت مسلمہ بھی اس وقت پورے کرہ ارض کے باسیوں اور مظلوموں کو صحابہ کی طرح کہہ سکتی:

> اللہ بعثنا لنخرج الناس من شاء من عبادۃ العباد الی عبادۃ اللہ و من ضیق الدنیا الی وسعۃ الآخرہ ومن جور الادیان الی عدل الاسلام[107]
>
> اللہ نے ہمیں بھیجا ہے تاکہ وہ جسے چاہے ہم اس کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کریں، دنیا کی تنگی سے آخرت کی وسعت کی طرف لائیں اور ادیان کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف لائیں۔

حوالہ جات وحواشی

۱- مولانا مجیب اللہ ندوی: اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات، دیال سنگھ لائبریری، لاہور: ۱۹۹۰ء، ص 12، 23-24۔

۲- ڈاکٹر عبد الحمید احمد ابو سلیمان: اسلام اور بین الاقوامی تعلقات، منظر و پس منظر، فیمس بکس، لاہور، ۱۹۹۱، ص 27۔

۳- ایضاً، ص ۲۸

۴- FuKuyama, F. *The End of History and the Last Man*, New York: The Free Press, 1992, P.311.

۵- Dr. Basit Bilal Koshal: Islam and Post-Modern Possibilities in *The Quranic Horizons* Lahore: Markazi Anjuman

Marfat.com

Nedzad Basic -٦......khudamul Quran,vol.5,no.2 &3,April-September,2000,p.42

& Anwar H.siddiqui: ***Rethinking Global Terrorism,*** Islamabad: International

....only 20 percent of the world population is ،Islamic University, 2009,.p.251.

spending mor than 86 percent of the total world resources, while only five percent of the richest nations of the world are absorbing 82 percent of all the beneficiaries of the total world commerce. A few hundred of the richest people of the planet today dispose wealth that is greator than 2.5 billions of poor possess...less than 500 richest people in the world control bigger wealth than the whole gross products of the poorest nations of the world...the difference between richest and poorest has grown from 3 times in 1820 to 72 times in 1992.(1999 Human Development Report, United Nations Development

Allamah M.T.Jaferi The Mystery of Life: (Tehran: Allama -٧......Programm.)

۸- سید قطب شہید: اسلام میں عدل اجتماعی، اسلامک پبلیکیشنز، ......Jaferi Institute, 2005), P-15.

لاہور،۱۹۸۹ء،ص ۱۸۸۔...... ۹- ایضاً،۱۸۹۔...... ۱۰- ڈاکٹر نور محمد غفاری ''نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی'' مکتبہ ابوذر غفاری

G-6/1اسلام آباد' صفحہ ۲۷۹...... ۱۱- متفق علیہ بحوالہ سید قطب شہید: اسلام میں عدل اجتماعی، ص۱۸۹...... ۱۲- امام راغب

اصفہانی ''مفردات القرآن'' اہل حدیث اکادمی' لاہور' جلد ۲ صفحہ ۶۷۶...... ۱۳- مولانا حامد انصاری ''اسلام کا نظام حکومت''

الفیصل پبلشنگ کمپنی' اردو بازار' لاہور صفحہ ۳۸۶...... ۱۴- عمدۃ القاری شرح البخاری۔ علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی، جلد

Nedzad Basic & Anwar H.siddiqui: ***Rethinking Global Terrorism***-۱۵......۱۰،صفحہ ۳۷۵

(Edward ولیم لین ۔, Islamabad: International Islamic University, 2009 ,.p.55-56.

Equality , Justice or rectitude; contrary of :عدل کی یوں تعریف کرتے ہیں William Lane)

Jore. or as some say , it is the mean between two excess and falling short : and the ability to be just in this demanding and universal manner in enhanced in the measure that one isattuned to *al-Haqq , the Real.* (Nedzad Basic and Anwar hussain Siddique *(ed)* ***Rethinking global Terrorism ,***

اسی طرح ڈاکٹر انیس احمد عدل ......Islamabad,International Islamic University, *Pp. 55-56*

The Quran Refers at least seven important dimentions of :اسلامی کے بارے میں لکھتے ہیں

Adl -Justice which lead to meaningful peace in society. First and the foremost

Marfat.com

is the rule of law, legal equality and value of human life.Realization of rule of law cuts across different sections of society. Law does not discriminate between Muslims and Non-muslims in the basic human rights . Life, honor, property and securityof non-Muslim citizen is as much valuable as that of a

Dr. Anis Ahmed:Global Peace and Justice :An Islamic ......Muslim....
Perspective, in ***Muslim Challenges of Globalization,***IPS, Islamabad,
Seyyed Hossain Nasr; *The Heart of Islam: Enduring Values* -۱۶ ......2009)p167
۱۷- مولانا مفتی محمد شفیع۔ ......***for Humanity,*** Lahore: Suhail Academy, 2000. pp.239-244.
معارف القرآن، فرید بک ڈپو دہلی، جلد پنجم،ص ۳۸۹۔۳۹۰۔...... ۱۸- ڈاکٹر محسن عثمان ندوی۔ دین کا متوازن تصور، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۹۹ء،ص ۱۷۔...... ۱۹- الحدید۔ ۲۵، ظلم پر آیات کی تفصیل کے لئے دیکھیں ظلم اور اس کا انجام۔ سید عبدالصبور طارق ...... ۲۰- الشوریٰ۔ ۱۵...... ۲۱- الترغیب والترھیب بحوالہ ظلم اور اس کا انجام۔ سید عبدالصبور طارق صفحہ ۱۷۲۔......
۲۲- علامہ جلال الدین دوانی کی کتاب ''اخلاق جلالی' بحوالہ ظلم اور اس کا انجام۔ سید عبدالصبور طارق صفحہ ۱۷۲ ...... ۲۳- الامام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذریلترغیب والترھیب ا۔ مکتبہ روضۃ القرآن'' قصہ خوانی بازار' پشاور صفحہ ۱۱۷۔...... ۲۴- المائدہ، ۸۔...... ۲۵- النساء، ۵۸،۱۰۵۔...... ۲۶- الانعام، ۱۵۳۔...... ۲۷- النساء، ۱۳۵۔...... ۲۸- صحیح البخاری'' کتاب الحدود'' باب اقامۃ الحدود علی الشریف والوضیع۔ قدیمی کتب خانہ' کراچی' جلد ۲ صفحہ ۱۰۰۳۔...... امام ابو یوسف ''کتاب الخراج'' الطبعۃ السلفیۃ' مصر ۱۳۵۲ھ، صفحہ ۱۱۶۔...... ۳۰- الترغیب و الترھیب، ص 218۔...... ۳۱- العلاقات الدولیہ بحوالہ اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات، ص 45۔...... ۳۲- طبری بحوالہ اسلام کے بین الاقوامی اصول، تصورات، ص 43۔...... ۳۳۔ محمود بن محمد بن عرنوس: اسلام کا نظام عدل و انصاف، مشتاق بک کارنر، لاہور، ص ۲۷...... ۳۴- ایضاً، ص، ۲۷۔۲۸...... ۳۵- النساء، ۸۵......
۳۶- سنن ابی داوٗد'' کتاب القضاء'' باب الرجل یعین علی خصومۃ' مکتبہ امدادیہ' ملتان، جلد ۲، صفحہ ۱۵۰...... ۳۷- موٗطا امام مالک ''کتاب الحدود'' باب ترك الشفاع السارق اذا بلغ السلطان فلعن الله الشافع والمشفع ۔نور محمد کتب خانہ' کراچی جلد ۲ صفحہ ۴۰۵...... ۳۸- السید سابق ''فقہ السنہ'' الحدود التعزیر۔ تاج کتب خانہ۔ قصہ خوانی بازار' پشاور صفحہ ۱۲۶۔...... ۳۹- ابو داوٗد ''بحوالہ اسلام اور رشوت'' خطیب اسلام مولانا محمد اجمل خان۔ مکتبۃ الحسن'، لاہور، ۱۹۸۳ء صفحہ ۹۳...... ۴۰- مفتی محمد شفیع ''معارف القرآن'' ادارۃ المعارف' کراچی جلد ۲ صفحہ ۵۰۰...... ۴۱- قاضی ثناء اللہ پانی پتی ''تفسیر مظہری (اردو ترجمہ)'' دارالاشاعت' کراچی' جلد ۲ صفحہ ۱۲۴......۱۲۵ ۴۲- ایضاً......۴۳- الطلاق، ۲۔......۴۴- ایضاً. واشهدوا ذوی عدل منكم و اقيموا الشهادة لِلّٰهِ...... ۴۵- النساء، ۱۳۵...... ۴۶- المبسوط السرخسی۔ جلد ۱۶ صفحہ ۱۴۵ : بحوالہ اسلام میں جرم و سزا۔ ڈاکٹر عبدالعزیز عامر۔ البدر پبلی کیشنز' اردو بازار' لاہور، ص ۳۶۳۔۳۶۴۔...... ۴۷- اسی طرح ایک حدیث میں جھوٹی گواہی کو بڑے گناہوں میں شمار کیا ہے .... فقال عدلت شهادة الزور بالاشراك بِاللّٰهِ ثلاث مّرات ثمّ قرأ فاجتنبوا الرجس من الاوثان

Marfat.com

واجتنبوا قول الزور. آپؐ نے فرمایا جھوٹی گواہی اشراک باللہ کے برابر قرار دی گئی ہے۔ یہ بات آپؐ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی پھر قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی یعنی بت پرستی کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات کہنے سے بچو۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ جھوٹی گواہی اپنی گندگی میں اللہ کی ناراضگی اور لعنت کا باعث ہونے میں شرک باللہ کے ساتھ جوڑ دی گئی ہے۔(معارف الحدیث، مولانا محمد منظور نعمانیؒ دارالاشاعت' کراچی' جلد ۲، صفحہ ۲۶۵ تا ۲۶۶)۔...... ۴۸- مولانا حامد الانصاری ''اسلام کا نظام حکومت'' الفیصل پبلیشنگ کمپنی' اردو بازار' لاہور صفحہ ۳۹۷...... ۴۹- 'تفسیر مظہری' جلد ۲، صفحہ ۱۳۲...... ۵۰- ایضاً، جلد ۲، صفحہ ۳۹۷ ...... ۵۱- دیکھیں تفصیل کیلئے یحییٰ بختیار کا مضمون ''وعدہ معاف گواہ کی شہادت'' روزنامہ مشرق۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۹۹ء...... ۵۲- مولانا حامد الانصاری ''اسلام کا نظام حکومت، ۳۹۷- ......۵۳- البقرۃ : ۲۸۳ : ولا یاب الشہداء اذا ما دُعوا...... ۵۴- البقرۃ : ۲۸۴ :ولا تکتموا الشھادۃ۔...... ۵۵- اسلام کا نظام حکمرانی، صفحہ ۳۹۷...... ۵۶- البقرۃ : ۲۸۳ : ولایضارّ کاتب ولا شهيد فان تفعلوا فانه فسوق بكم....... ۵۷- الحشر: ۱۸...... ۵۸- الحدید:۶...... ۵۹- ق:۱۶...... ۶۰- الحدید: ۴...... ۶۱- ق :۱۸ ''الانفطار'' ۱۰' ۱۱...... ۶۲- بنی اسرائیل:۱۳...... ۶۳- الکھف:۴۹...... ۶۴- الانفطار،۱۶۔۱۷۔ وماھم عنھا بغائبین....... ۶۵- یٰسین :۶۵:بنی اسرائیل ۳۶...... ۶۶- الزلزال: ۷، ۸...... ۶۷- بنی اسرائیل ۱۵...... ۶۸- البقرۃ،۱۲۳...... ۶۹- حوالہ نمبر ۵۷ تا ۶۸ کی سور ملاحظہ ہوں۔...... ۷۰- کتاب الخراج بحوالہ اسلام کا اقتصادی نظام' مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی صفحہ ۱۰۲...... ۷۱- مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی۔ اسلامی ریاست، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۱۲، ص ۴۹۶۔...... ۷۲- ایضاً، بتغیر لفظی...... ۷۳- ایضاً، ص ۵۰۳۔۵۰۴، بتغیر لفظی...... ۷۴- البقرہ، ۲۷۹...... ۷۵- مشکوٰۃ: باب الربا، المطبعۃ العربیہ، انارکلی لاہور صفحہ، ۲۶۵...... ۷۶- الذاریات، ۱۹، المعارج، ۲۵...... ۷۷- الحشر، ۷...... ۷۸- مولانا سعید الرحمٰن علوی: اسلامی حکومت کا فلاحی تصور، لاہور مکتبہ جمال ۲۰۰۳ء، ص ۹۲۔۹۳۔...... ۷۹- ایضاً...... ۸۰- ایضاً۔...... ۸۱- ایضاً...... ۸۲- الطرق الحکمیہ ابن قیم صفحہ ۲۶۲ بحوالہ اسلام اور جدید دور کے مسائل' مولانا تقی امینیؒ قدیمی کتب خانہ، کراچی' صفحہ ۲۳۹۔...... ۸۳- بحوالہ اسلام اور جدید دور کے مسائل' مولانا تقی امینیؒ قدیمی کتب خانہ، کراچی' صفحہ ۲۳۵۔...... ۸۴- ڈاکٹر محمد حمید اللہ ''اسلامی ریاست'' ناشران قرآن لمیٹڈ' اردو بازار لاہور، صفحہ ۵۶...... ۸۵- کتاب الخراج بحوالہ اسلامی نظریہ حیات پروفیسر خورشید احمد، صفحہ ۴۹۸...... ۸۶- ص، ۲۶...... ۸۷- النساء، ۱۰۴...... ۸۸- مولانا امیر الدین مہر۔ مولانا فضل ربی (مدیر)۔ خطبات جمعہ۔ وزارت مذہبی امور اسلام آباد حکومت پاکستان۔ ۱۹۹۵ء...... ۸۹- ایضاً ...... ۹۰- ملاحظہ ہو استاد تفسیر مولانا حمید الرحمٰن عباسی۔ اللہ تعالیٰ کا نظام عدل۔ انجمن خدام الدین، شیراں والا دروازہ لاہور، ص ۱۶۲۔۹۲، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی۔ اسلامی ریاست، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ص ۲۴۰۔۲۹۰، سید قطب شہید: اسلام میں عدل اجتماعی، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۸۹ اور عدل کی فلاسفی پر بہترین کتاب محمد نجات اللہ صدیقی: مقاصد شریعت، ادارہ تحقیقات اسلامی۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد۔ ۲۰۰۹ء...... ۹۱- ملاحظہ ہو برائے تفصیل علامہ شبلی نعمانی۔ الفاروق۔ مکتبہ اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۔۲۳۸...... ۹۲- ایضاً ص ۲۸۶۔...... ۹۳- مولانا حمید الرحمٰن عباسی۔ اللہ تعالیٰ کا نظام عدل۔ انجمن خدام الدین، شیراں والا، دروازہ لاہور، اص ۱۹۲، اور سیرت النبی ﷺ۔ مکتبہ مدنیہ لاہور، جلد ۶ ص ۲۱۱۔۲۱۲...... ۹۴- قاضی محمد سلیمان منصور پوری:

Marfat.com

رحمۃ العالمین۔ لاہور شیخ غلام علی اینڈ سنز، جلد ۳۔ ص۳۸۹۔ ۳۹۰...... ۹۵- Seyyed Hossain Nasr; ***The Heart of Islam: Enduring Values for Humanity***, Lahore: Suhail Academy, 2000, p 239. ...... ۹۶- ڈاکٹر محمد الدسوقی۔ امام محمد بن حسن شیبانی اور ان کی فقہی خدمات: ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۰۵ء۔ ص۴۳۶۔۴۳۸۔ ملاحظہ ہو برائے تفصیل۔ڈاکٹر حافظ محمد ثانی: رسول اکرم ﷺ اور رواداری (کراچی: فضلی سنز 1999)، ص59-60۔سید امیر علی: سپرٹ آف اسلام، باب نمبر4۔ اشتیاق حسین قریشی کی "The Religion of Peace" (کراچی: رائل بک کمپنی، 1989) ص ۱۰۲-۱۱۱۔...... ۹۷- البقرۃ،۱۹۰، ۱۹۳۔...... ۹۸- الحجرات،۹،المائدہ،...... ۹۹- ڈاکٹر محمد الدسوقی۔ امام محمد بن حسن شیبانی اور ان کی فقہی خدمات،ص۴۴۰...... ۱۰۰- Scientists and Intellectuals like Stephen Hawking, Richard Dawkins, Carl Sagan, etc. have written books which are widely read and are deemed as best sellers. Their books which are spoiling the minds of young generation in the West and America are Richard Dawkins: *The God Delusion* (New York: Houghton Mifflin Company, 2008, *The Blind Watchmaker* (New York: Penguin Books,1991), Stephen Hawking: *The Brief History of Times* (London: Bantom Books,1989), Carl Sagan: *The Cosmos* (London: Abacus, 1998). ...... ۱۰۱- اشارہ ہے رچرڈ ڈاکنز کی کتاب The God Delusion کی طرف...... ۱۰۲- مفتی محمد شفیع رسول اکرم ﷺ پیغمبر امن و سلامتی۔ دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۰۴ء،ص۱۵...... ۱۰۳- البقرۃ ۱۴۳، ملاحظہ ہو برائے تفصیل مولانا مفتی محمد شفیع۔ معارف القرآن، فرید بک ڈپو دہلی، جلد۱، ص ۳۰۹۔۳۱۶۔...... ۱۰۴- آل عمران، ۱۱۰،۱۰۴۔...... ۱۰۵- الصف، ۹۔...... ۱۰۶-تفصیل ملاحظہ ہو شیخ یوسف قرضاوی: غلبہ اسلام کی بشارتیں، ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، جولائی2004ء، ص47 تا 62، رجائی قوطان: امت کے لئے لائحہ عمل، ترجمان القرآن نومبر 2004ء،ص39-43۔...... ۱۰۷- البدایہ والنہایہ بحوالہ ڈاکٹر محسن عثمان ندوی: دین کا متوازن تصور، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۹۹ء،ص۱۲

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر غلام محمد جعفر۔ کوئٹہ

سید سلیمان ندوی نے مفردات القرآن کے حوالہ سے عدل کی تعریف کچھ اس طرح کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ''کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح بانٹ دیا جائے کہ ان دو میں سے کسی میں بھی کمی بیشی نہ ہو۔ اس کو عربی میں ''عدل'' کہتے ہیں۔(۱) عدل اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء میں ایک نام ''العادل'' بھی ہے۔ علماء نے اس کے معنی یہ بتائے ہیں کہ اس کا فیصلہ حق ہوتا ہے۔ وہ حق بات کہتا ہے اور وہ وہی کرتا ہے جو حق ہے۔ قرآن مجید میں اس بات کو مختلف پیراؤں میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ﴾(۲) ترجمہ: اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔ ایک دوسری آیت میں کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ﴾(۳) ترجمہ: اور اللہ حق بات کہتا ہے۔ مندرجہ بالا دونوں آیات کے مفہوم کو درج ذیل آیت میں یکجا کر دیا گیا ہے ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾(۴) ترجمہ: اور تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ پوری ہوگئی۔

پورا کارخانہ کائنات اللہ تعالیٰ کے نظام عدل و انصاف کے بل بوتے پر قائم ہے سورہ شوریٰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ﴾ ترجمہ: وہ اللہ جس نے حق اور ترازو کے ساتھ اپنی کتاب (قانون) اتاری سورۃ الحدید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ﴾(۶) ترجمہ: اور ہم نے نبیوں کے ساتھ کتاب (قانون) اور ترازو اتاری۔

ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی سیرت النبی میں تحریر فرماتے ہیں: ''میزان سے مقصود یہ کاٹھ اور لوہے کی ترازو نہیں۔ بلکہ فطرت اور عدل و انصاف اور حق کی میزان ہے۔ جس سے سارا نظام کائنات تل رہا ہے اور سارے انسانی کاروبار اور اعمال تولے جاتے ہیں۔ چنانچہ تمام معاملات میں انصاف کا خلاصہ اگر ایک لفظ میں کیا جائے تو یہ ہے کہ عدل کی میزان میں اونچ نیچ نہ آئے''۔(۷) قرآن مجید میں اس بات کی گواہی کا ذکر آیا ہے کہ کائنات کا نظام اللہ کے نظام عدل پر قائم ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾(۸) ترجمہ: خدا نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں اور فرشتوں نے اہل علم والوں نے، وہی خدا انصاف کو لے کر کھڑا ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدل و انصاف صرف نظم سلطنت کیلیے ہی مخصوص نہیں۔ بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں عدل نہایت ضروری ہے اور نظام عالم کا کل انحصار اور بقاء عدل ہی پر موقوف ہے۔ قرآن مجید میں لاتعداد آیات عدل و انصاف کے بارے میں آئی ہیں۔ جو عدل کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں کتاب اللہ میں عدل کا جو تصور بتایا گیا ہے وہ ذیل کی چند آیات سے واضح ہوسکتا ہے۔

Marfat.com

۱- ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (۹) ترجمہ: بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔ ۲- ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا. اِعْدِلُوْا. هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (۱۰) ترجمہ: کسی کے بغض کی وجہ سے ناانصافی پر آمادہ نہ ہونا چاہیے جو پرہیزگاری کا تقاضا ہے۔ ۳- ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ (۱۱) ترجمہ: پھر اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ کئی بیویوں میں انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی بیوی کرنا یا جو (لونڈی) تمہارے قبضہ میں ہو۔

عدل قانون کا تقاضا ہے۔ احسان کرنا اور درگزر کرنا اخلاق کا مطالبہ ہے قرآن مجید میں عدل کے لیے قسط کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے اسلام نے زندگی کے تمام شعبوں میں عدل و انصاف کا مطالبہ کیا ہے۔ معاشرتی زندگی، سیاسی زندگی، اقتصادی زندگی اور عدالتی نظام میں عدل و انصاف کو قائم رکھنے کی سختی سے تاکید کی گئی ہے۔ معاشرتی زندگی میں عدل و انصاف کو قائم رکھنے کی تاکید درج ذیل آیات میں کی گئی ہے: ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ (۱۲) دوسری آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ﴾ (۱۳) یتیموں کے حق میں انصاف کو ملحوظ رکھو۔

تجارت اور کاروباری معاملات میں عدل کو اپنانے کی تاکید قرآن مجید میں کچھ ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے: ﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ (۱۴) ترجمہ: اور انصاف کے ساتھ (پوری پوری) ماپ کرو اور (پوری پوری) تول۔ ایک اور آیت میں ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ﴾ (۱۵) ترجمہ: ناپ اور تول کو گھٹاؤ نہیں۔

قرآن مجید میں ان لوگوں کے لیے سخت وعید بیان کی گئی ہے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ. الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ. وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ﴾ (۱۶) ترجمہ: پھٹکار ہے ان کو کم دینے والوں پر جو اپنے لیے لوگوں سے ناپ پوری کر لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیات کی تشریح کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی سیرت النبی کی جلد ہفتم میں رقمطراز ہیں: ''ان آیتوں میں ناپ اور تول سے معمولی لین دین اور خرید و فروخت کی اشیاء مراد لی جاسکتی ہیں اور لی گئی ہیں۔ لیکن اس پیمانے کو وسیع کیجیے تو سارے انسانی معاملات اس ترازو اور پیمانے میں سما جاتے ہیں۔ ہر انسانی ظلم کا تخم یہ ہے کہ انسان اپنے لیے ایک پیمانہ اور دوسرے کے لیے دوسرا پیمانہ چاہتا ہے۔ وہ اپنے لیے ایک ترازو سے ناپتا ہے اور دوسروں کے لیے دوسری ترازو سے۔ اس ستم پیشہ پر خدا کی اور ساری دنیا کی پھٹکار''۔ (۱۷) عدالتی نظام میں عدل کو ملحوظ رکھنے کی اسلام نے خصوصی تاکید کی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ. اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا. فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا. وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ (۱۸)

ترجمہ: اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر، گواہی دو اللہ کی طرف اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا، یا قرابت والوں کا، اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہو تو اللہ خیر خواہ ہے تم سے زیادہ۔ سو تم پیروی نہ کرو۔ دل کی خواہش کی انصاف کرنے میں اور اگر تم زبان ملو گے یا بچا جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں

Marfat.com

سے واقف ہے۔

قرآن مجید میں انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد بھی کرہ ارضی پر عدل و انصاف کے نظام کو قائم کرنا بتلایا گیا ہے۔ سورۃ الحدید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾(۱۹)

ترجمہ: ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں اس مختصر سے فقرے میں انبیاء علیہم السلام کے مشن کا پورا لب لباب بیان کر دیا گیا ہے۔ جسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے اس میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں خدا کے جتنے رسول بھی اللہ کی طرف سے آئے وہ سب تین چیزیں لے کر آئے۔ ۱۔ بینات۔ ۲۔ کتاب۔ ۳۔ میزان۔

ان تین چیزوں کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو جس مقصد کے لیے بھیجا گیا وہ یہ تھا کہ انسان کا رویہ اور انسانی زندگی کا نظام فرداً فرداً بھی اور اجتماعی طور پر بھی عدل قائم ہو۔ ایک طرف ہر انسان اپنے خدا کے حقوق، اپنے نفس کے حقوق اور تمام بندگان خدا کے حقوق جن سے اس کو کسی طرح سابقہ پیش آتا ہے۔ ٹھیک ٹھیک جان لے اور پورے انصاف کے ساتھ ان کو ادا کر دے اور دوسری طرف اجتماعی زندگی کا نظام ایسے اصولوں پر تعمیر کیا جائے جس سے معاشرے میں کسی نوعیت کا ظلم باقی نہ رہے تمدن کا ہر پہلو افراط و تفریط سے محفوظ ہو حیات اجتماعی کے تمام شعبوں میں صحیح صحیح توازن قائم ہو اور معاشرے کے تمام عناصر انصاف کے ساتھ اپنے حقوق پائیں اور اپنے فرائض ادا کریں۔ بالفاظ دیگر انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد عدل انفرادی بھی تھا اور عدل اجتماعی بھی وہ ایک ایک فرد کی شخصی زندگی میں بھی عدل قائم کرنا چاہتے تھے تاکہ اس کے ذہن، اس کی سیرت اس کے کردار اور اس کے برتاؤ میں توازن پیدا ہو اور انسانی معاشرے کے پورے نظام کو عدل پر قائم کرنا چاہتے تھے تاکہ فرد اور جماعت دونوں ایک دوسرے کی روحانی، اخلاقی اور مادی فلاح میں مانع اور مزاحم ہونے کی بجائے معاون و مددگار ہوں۔ (۲۰) سورہ الحدید کی آیت مذکورہ بالا اور سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۳۵ اور سورہ المائدہ کی آیت نمبر ۸ میں قسط کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مفتی محمد شفیع اپنی تفسیر معارف القرآن کی جلد دوم میں لکھتے ہیں۔ ''انصاف قائم کرنا اور اس پر قائم رہنا صرف حکومت اور عدلیہ کا فریضہ نہیں بلکہ ہر انسان اس کا مکلف اور مخاطب ہے کہ وہ خود انصاف پر قائم رہے اور دوسروں کو انصاف پر قائم رکھنے کی کوشش کرے۔ ہاں انصاف کا ایک درجہ حکومت اور حکام کے لیے مخصوص ہے وہ یہ کہ سرکش اور شریر انسان جب انصاف کے خلاف اڑ جائیں۔ نہ خود انصاف پر قائم رہیں نہ دوسروں کو عدل و انصاف کرنے دیں تو حاکمانہ تعزیر اور سزا کی ضرورت ہے۔ یہ اقامت عدل و انصاف ظاہر ہے کہ حکومت ہی کرسکتی ہے جس کے ہاتھ میں اقتدار ہے (۲۱) ایک اور جگہ پر مفتی محمد شفیع قسط کے بارے میں یوں لکھتے ہیں ''قسط بکسر القاف کے معنی ہیں عدل و انصاف اور عدل و انصاف کی حقیقت یہ ہے کہ ہر صاحب حق کا حق پورا ادا کیا جائے۔ اس کے عموم میں اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی داخل ہیں اور سب قسم کے انسانی حقوق بھی، اس لیے قیام بالقسط کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے اور یہ بھی داخل ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکا جائے اور مظلوم کا حق دلوانے کے لیے شہادت کی ضرورت

Marfat.com

پیش آئے تو شہادت سے گریز نہ کیا جائے اور یہ بھی داخل ہے کہ شہادت میں حق اور حقیقت کا اظہار کیا جائے۔ خواہ وہ کسی کے موافق پڑے یا مخالف یہ بھی داخل ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت اور انتظام ہے جب دو فریقوں کا کوئی مقدمہ ان کے سامنے پیش ہو تو فریقین کے ساتھ برابری کا معاملہ کریں کسی ایک طرف کسی طرح کا میلان نہ ہونے دیں۔ گواہوں کے بیانات غور سے سنیں، معاملہ کی تحقیق میں اپنی پوری کوشش خرچ کریں پھر فیصلہ میں عدل و انصاف کے معاملہ رکھیں۔''(۲۲)

جہاں کلام الٰہی میں عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ وہاں آنحضور اکرم ﷺ کے ارشادات سے عدل و انصاف کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔ آنحضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے''ایک ساعت عدل کرنا ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے''۔(۲۳)
حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا''بلاشک عادل حکمران، اللہ کے ہاں نور کے منبروں پر جگہ پائیں گے۔ جو رحمٰن (اللہ) کے داہنے ہاتھ کی طرف ہوں گے اور اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں (اور عادل حکمران وہ ہیں) جو اپنے احکام، اپنے اہل اور اپنے زیر تصرف معاملات میں عدل و انصاف کرتے ہیں۔(۲۴)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے علامہ نواب قطب الدین خان دہلوی لکھتے ہیں: ''احکام میں عدل و انصاف'' کا مطلب یہ ہے کہ حکومت و امارت کے تعلق سے ان کے ذمے جو امور ہیں ان کی انجام دہی میں وہ انصاف، ایمان داری اور دیانت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہیں اہل میں عدل و انصاف کا مطلب یہ ہے کہ ان کے زیر تسلط جو لوگ ہیں خواہ وہ ان کے اہل و عیال ہوں یا رعیت کے عام لوگ ہوں سب کے ان حقوق کی ادائیگی میں جو ان پر واجب ہیں پورا پورا انصاف کرتے ہیں۔ اسی طرح ''زیر تصرف معاملات میں عدل و انصاف'' کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں ان کی نگہبانی میں ہیں جیسے یتیم اور غرباء کی پرورش اور وقف کے مال کی خبر گیری وغیرہ، ان میں وہ پوری دیانت داری اور انصاف کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتی ہیں''۔(۲۵)

ایک اور حدیث میں نبی پاک ﷺ نے امام تعادل کی فضیلت کچھ اس طرح بیان کی ہے: حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب اور مجلس (یعنی مرتبہ) کے اعتبار سے سب سے زیادہ قریب جو شخص ہوگا۔ عادل امام و حاکم ہے اور قیامت کے دن اللہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ نفرت کا مستحق اور سب سے زیادہ عذاب کا سزاوار اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اللہ سے سب سے زیادہ دور جو شخص ہوگا وہ ظالم امام و حاکم ہے''۔(۲۶) ایک اور حدیث میں نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے: ''حضرت عمرؓ ابن خطاب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا''قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بندوں میں مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بدتر وہ شخص ہوگا وہ ظالم اور سختی کرنے والا حاکم ہے''۔(۲۷)

ایک اور حدیث میں نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے''سرداروں اور حاکموں میں سب سے بدتر وہ حاکم ہے جو اپنی رعایا پر ظلم کرے''۔(۲۸) حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا''جانتے ہو قیامت کے دن اللہ عزوجل (کے عرش یا اس کے لطف و کرم) کے سایہ کی طرف سبقت لے جانے والے کون لوگ ہیں۔ (یعنی قیامت کے دن سب سے پہلے کون لوگ اللہ تعالیٰ کے عرش یا اس کے فضل و کرم کے سایہ میں جائیں گے) صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول بہتر جاننے والے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ سبقت لے جانے والے وہ لوگ ہیں جن کے سامنے حق بات رکھی جاتی ہے تو وہ قبول

Marfat.com

کرتے ہیں جب ان سے حق کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو وہ خرچ کرتے ہیں اور لوگوں کے حق میں وہی فیصلہ کرتے ہیں جو اپنی ذات کے بارے میں کرتے ہیں۔(۲۹)

مندرجہ بالا احادیث نبوی اور قرآنی آیات جن کا حوالہ گزشتہ اوراق میں دیا گیا ہے سے عدل و انصاف کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ عدل و انصاف سے نہ صرف کارخانہ کائنات قائم و دائم ہے بلکہ انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کی کامیابی کا انحصار بھی عدل و انصاف میں مضمر ہے۔ آج دنیا کے بیشتر ممالک میں سرمایہ دارانہ نظام کام کر رہا ہے اور کچھ ممالک اشتراکی نظام کے تحت چل رہے ہیں۔ دونوں نظام اپنی حدود میں عدل وانصاف کے علمبردار ہیں لیکن درحقیقت دونوں نظام انسانیت کو عدل اجتماعی کی فراہمی میں ناکام ثابت ہوئے ہیں اس کی وجہ سے صرف یہی ہے کہ دونوں نظام انسانی ذہن کی اختراع ہیں اور انسان کے بنائے ہوئے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام میں فرد کو کھلی چھوٹ دی گئی ہے کہ جسطرح چاہے دولت کمائے اور جس طرح چاہے اس کو خرچ کرے۔ اس پر ریاست کی طرف سے کوئی قید یا پابندی نہیں۔ اس نظام میں انفرادی آزادی کا اصول کارفرما ہے۔ جبکہ اس کے مقابلہ میں اشتراکی نظام فرد کی انفرادی آزادی کا روادار نہیں تمام اختیارات ریاست یا حکمران پارٹی میں مرتکز کر دیئے گئے ہیں۔ مولانا مودودی ان دونوں نظاموں کی خامیوں کا تذکرہ کچھ ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں پہلے نظام (سرمایہ دارانہ نظام) کا قصور یہ تھا کہ اس نے فرد کو حد مناسب سے زیادہ آزادی دی کہ خاندان، قبیلے، برادری، معاشرے اور قوم پر تعدی کرنے کی کھلی چھوٹ دے دی اور اس سے اجتماعی فلاح کی خدمت لینے کے لیے معاشرے کی قوت ضابطہ کو بہت ڈھیلا کر دیا اور اس دوسرے نظام (اشتراکی) کا قصور یہ ہے کہ یہ ریاست کو حد سے زیادہ طاقتور بنا کر افراد، خاندانوں، قبیلوں اور برادریوں کی آزادی قریب قریب بالکل سلب کر دیتا ہے اور افراد سے مجتمع کی خدمت لینے کے لیے ریاست کو اتنا زیادہ اقتدار دے دیتا ہے کہ افراد ذی روح انسانوں کی بجائے ایک مشین کے بے روح پرزوں کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں بالکل جھوٹ کہتا ہے جو کہتا ہے کہ اس طریقے سے عدل اجتماعیہ قائم ہوسکتی ہے۔"(۳۰)

انسان کے بنائے ہوئے نظام خواہ وہ سرمایہ دارانہ نظام ہو یا اشتراکی نظام دونوں انسانیت کو عدل اجتماعی فراہم کرنے سے قاصر ہیں۔ ایک نظام نے انفرادی آزادی کے نام پر انسانیت کا استحصال کیا اور دوسرے نظام نے ریاست اور حکمران پارٹی کو وسیع اختیارات دے کر نہ صرف انسان کی انفرادی آزادی کو سلب کیا بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس نے انسانیت کو استحصالی نظام کے چنگل میں جکڑ لیا۔ جس میں فرد کی شخصیت نہ تو صحیح نشوونما پاسکتی ہے اور نہ اسے انفرادی آزادی حاصل ہوسکتی ہے ان دونوں نظاموں کے مقابلہ میں نظام ربانی ہے جس میں انسان کی نہ صرف انفرادی آزادی و فلاح کا سامان موجود ہے بلکہ اجتماعی فلاح و کامیابی کا سامان بھی موجود ہے۔ مولانا مودودی رقمطراز ہیں "جو لوگ اسلام میں بھی عدالت اجتماعیہ موجود ہے" کا نعرہ بلند کرتے ہیں وہ بالکل غلط بات کہتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اسلام ہی میں عدالت اجتماعیہ ہے اسلام وہ دین حق ہے جو خالق کائنات اور رب کائنات نے انسان کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے اور انسانوں کے درمیان عدل قائم کرنا اور یہ طے کرنا کہ ان کے لیے کیا چیز عدل ہے اور کیا عدل نہیں۔ انسانوں کے خالق و رب کا کام ہے۔ دوسرا کوئی نہ اس کا مجاز ہے کہ عدل وظلم کا معیار تجویز کرے اور نہ دوسرے کسی میں یہ اہلیت پائی جاتی ہے کہ حقیقی عدل قائم کر سکے۔

Marfat.com

انسان اپنا آپ مالک اور حاکم نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے معیار عدل خود تجویز کر لینے کا مجاز ہو۔ کائنات میں اس کی حیثیت خدا کے مملوک اور رعیت کی ہے اس لیے معیار عدل تجویز کرنا اس کا اپنا نہیں بلکہ اس کے مالک اور فرماں روا کا کام ہے۔ پھر انسان خواہ کتنے ہی بلند مرتبے کا ہو اور خواہ ایک انسان نہیں بہت بلند مرتبہ انسان مل کر بھی اپنا ذہن استعمال کریں۔ بہرحال انسانی علم کی محدودیت اور عقل انسانی کی کوتاہی و نارسائی اور انسانی عقل پر خواہشات وتعصبات کی دست برد سے کسی دل میں بھی مفر نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس کا کوئی امکان نہیں کہ انسان خود اپنے لیے کوئی ایسا نظام بنا سکے جو در حقیقت عدل پر مبنی ہو۔۔۔ حقیقی عدل صرف اسی نظام میں ہوسکتا ہے جو ایک عالم الغیب والشھادہ اور سبوح وقدوس ہستی نے بنایا ہے''(۳۱) مولانا مودودی آگے لکھتے ہیں ''عدل اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی کے پاس ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔۔۔ اور وہ (مسلمان) یہ بھی جان لے گا کہ عدل قائم کرنے کے لیے اس کے سوا کچھ کرنا نہیں کہ اسلام، پورا کا پورا اسلام بلاکم وکاست اسلام قائم کر دیا جائے۔ عدل اسلام سے الگ کسی چیز کا نام نہیں ہے۔ اسلام خود عدل ہے۔ اس کا ہونا اور عدل کا قائم ہو جانا ایک ہی چیز ہے۔''(۳۲)

آج کرہ ارضی پر جو بے چینی، بدامنی، قتل و غارت گری نظر آ رہی ہے۔ انسانیت سکون و آشتی کو ترس رہی ہے۔ انسان انسان کا استحصال کر رہا ہے۔ آئے روز ملک کے طول وعرض میں انتہا پسندی اور دہشت گردی کے جو بھیانک اور دل دہلا دینے والے واقعات رونما ہو رہے ہیں کہیں مذہب کے نام لوگ مارے جا رہے ہیں تو کہیں نسل وقوم پرستی کی آڑ میں انسانوں کو بے دریغ قتل کیا جا رہا ہے۔ کہیں معاشی مفادات کی جنگ ہے تو کہیں سیاسی بالادستی کے لیے انسانوں کو ستم کا نظام بنایا جا رہا ہے۔ ملکی حالات دن بدن ابتر ہوتے جا رہے ہیں۔ اصلاح احوال اور چارہ گری کی صورت کہیں نظر نہیں آئی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اس بھیانک صورتحال اور ابتری کی اصل وجہ معاشرے سے عدل و انصاف کا اٹھ جانا ہے نہ صرف انفرادی سطح پر ہم عدل وانصاف کو فراموش کر چکے ہیں۔ بلکہ اجتماعی طور پر بھی عدل وانصاف کی بازگشت کہیں نظر نہیں آئی۔ حضرت علیؓ کا ایک معروف قول ہے کہ حکومتیں کفر سے تو قائم رہ سکتی ہیں لیکن ظلم سے اپنے وجود کو قائم نہیں رکھ سکتیں۔ اگر یہی صورتحال جاری رہی تو پاکستان کا وجود (خدانہ کرے) خطرے میں پڑ سکتا ہے۔

پاکستان کی موجودہ سنگین اور ابتر (سیاسی و معاشی) صورتحال کا مقابلہ کرنا ہے اور ملک کو مشکلات کے بھنور سے نکالنا ہے تو صرف اور صرف آنحضور اکرم ﷺ کی تعلیمات پر عمل کر کے ہم اپنے آپ کو مشکلات سے نجات دلا سکتے ہیں اور ملک عزیز کو بھی مشکلات کے گرداب سے نکالنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اس کے لیے لازم ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں میزان عدل قائم کریں۔ اسلام اور پیغمبر اسلام آنحضور اکرم ﷺ کی تعلیمات پر عمل کر کے اپنی دنیا کو جنت اراضی کا نمونہ بنائیں اور اخروی زندگی کی کامیابی کو یقینی بنائیں۔

آنحضور اکرم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں عدل وانصاف کی جو بے نظیر مثالیں قائم کیں۔ ان کو اپنے لیے نمونہ عمل بنائیں۔ آنحضور اکرم ﷺ نے عدل اجتماعی کا نمونہ نہ صرف اپنے اسوہ حسنہ کے ذریعے پیش کیا۔ بلکہ اپنی تعلیمات اور ارشادات کے ذریعے زندگی کے تمام شعبوں میں عدل وانصاف کے اپنانے کی تاکید فرمائی۔ آنحضور اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ اور فرمودات کو اپنے لیے مشعل راہ بنائیں۔ اس سے انسان کی انفرادی اصلاح بھی ہوگی اور بحیثیت مجموعی پورا معاشرہ صالح بن جائے گا۔ عدل کو

Marfat.com

صرف عدالتی امور تک محدود نہ کیا جائے۔ بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں عدل کی بالادستی ہونی چاہیے قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے۔
ترجمہ: اللہ عدل و احسان کا اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے''۔(۳۳)

مولانا مودودی مندرجہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''اس مختصر فقرے میں تین ایسی چیزوں کا حکم دیا گیا ہے جن پر پورے انسانی معاشرے کی درستی کا انحصار ہے۔ پہلی چیز عدل ہے جس کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان، حقوق کے درمیان توازن اور تناسب قائم ہو۔ دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔ اردو زبان میں اس مفہوم کو لفظ ''انصاف'' سے ادا کیا جاتا ہے مگر یہ لفظ غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے اس سے خواہ مخواہ یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان حقوق کی تقسیم نصف نصف کی بنیاد پر ہو اور پھر اسی سے عدل کے معنی مساویانہ تقسیم حقوق کے سمجھ لیے گئے ہیں جو سراسر فطرت کے خلاف ہے دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ برابری بعض حیثیتوں سے تو عدل بے شک افراد معاشرہ میں مساوات چاہتا ہے مثلاً حقوق شہریت میں مگر بعض دوسری حیثیتوں سے سادات بالکل خلاف عدل ہے۔ مثلاً والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی مساوات اور اعلیٰ درجے کی خدمت انجام دینے والوں اور کم تر درجے کی خدمات ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات، پس اللہ تعالیٰ جس چیز کا حکم دیتا ہے۔ وہ حقوق میں مساوات نہیں بلکہ توازن و تناسب ہے اور اس حکم کا تقاضا ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی اور سیاسی و تمدنی حقوق پوری ایمانداری کے ساتھ ادا کیے جائیں''۔(۳۴)

حقوق و فرائض کی ایمانداری کے ساتھ ادائیگی ہی دراصل عدل اجتماعی کا نام ہے۔ دین اسلام میں انسان کے جہاں حقوق کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں اس کے فرائض بھی متعین کر دیئے گئے۔ عدالتی امور کو لیجئے۔ ہر انسان کا یہ بنیادی حق ہے کہ اسے بغیر بے لاگ انصاف ملنا چاہیے۔ منصب عدالت پر جو لوگ فائز ہیں۔ یہ ان کا فرض ہے کہ عدل و انصاف کے معاملہ میں سب کے ساتھ یکساں سلوک کریں کسی کے ساتھ رو رعایت نہ کریں۔ انصاف کے ترازو میں امیر غریب، آقا غلام، شاہ و گدا اپنا پرایا کالا اور گورے میں کوئی فرق نہ کریں۔ انصاف کے معاملہ کسی قسم کی سفارش یا تحفہ قبول نہ کریں۔ آنحضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں قریش کے قبیلہ بنو مخزوم کی عورت چوری کے الزام میں گرفتار ہوئی۔ قریش کو یہ بات ناگوار گزری کہ ان کے قبیلہ کی کسی عورت کو سزا ملے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے کہا کہ وہ رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں جا کر سفارش کریں۔ جونہی حضرت اسامہؓ نے اپنا مدعا بیان کرنے کے لیے زبان کھولی تو رسول کریم ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور لوگوں کو بلا کر ایک بلیغ خطبہ دیا فرمایا:

انما هلك الذين قبلكم انهم كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه و اذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد و ايم الله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها۔

کہ تم سے پہلے ایسے لوگ ہلاک کر دیئے گئے کہ جب ان کا کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور اگر کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ قسم بخدا اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں۔(۳۵)

Marfat.com

سواد بن عمر کہتے ہیں کہ وہ ایک روز آنحضرت ﷺ کے سامنے رنگین کپڑا پہن کر گئے۔ آنحضرت نے حظ حظ فرمایا اور چھڑی سے ان کے شکم کو ٹھوکا بھی دیا۔ میں نے کہا یارسول اللہ میں تو قصاص لوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے جھٹ اپنا شکم برہنہ کر کے میرے سامنے کر دیا۔(۳۶) ایک بار آپ صحابہ کو مال تقسیم کر رہے تھے ایک آدمی آیا اور حرص کے مارے آنحضرت ﷺ پر ٹوٹ پڑا۔ آپؐ کے ہاتھ میں کھجور کی چھڑی تھی آپ نے اس سے کونچ دیا جس کی وجہ سے اس کے چہرے پر زخم آ گیا۔ آپؐ نے دیکھا تو اسی وقت فرمایا کہ آؤ مجھ سے قصاص لو لیکن اس نے کہا یارسول اللہ میں نے معاف کر دیا۔(۳۶)

عدالتی امور میں لازم ہے کہ جھوٹی گواہی سے اجتناب کیا جائے اور حق کی گواہی دینے میں تامل نہیں کرنا چاہیے جھوٹی گواہی کو آپؐ نے شرک کے مترادف قرار دیا۔ حضرت خزیم ابن فاتک کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ جب صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو صحابہ سے خطا کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور تین مرتبہ یہ الفاظ فرمائے کہ ''جھوٹی گواہی شرک باللہ کے برابر کی گئی ہے''۔ اس کے بعد بطور دلیل یہ آیت تلاوت فرمائی۔ فاجتنبوا الرجس.... غیر مشرکین به پلیدی (بتوں کی پرستش) سے بچو۔ اور جھوٹ بولنے سے اجتناب کرو کیونکہ تم باطل سے حق کی طرف رجوع کرنے والے ہو نہ کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے ہو۔''(۳۷)

اسی طرح عدالتی امور کے سلسلہ میں اگر کوئی معاہدہ یا دستاویز تحریر کرنا ہو تو تحریر کو عدل کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر لکھا جائے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ﴾(۳۸) اور تمہاری باہمی قرارداد کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے۔

اس آیت میں ایک تو اسی طرف ہدایت کی گئی کہ کاتب کسی فریق کا مخصوص آدمی نہ ہو۔ بلکہ غیر جانبدار ہوتا کہ کسی کو شبہ وخلجان نہ رہے دوسرے کاتب کو ہدایت کی گئی کہ انصاف کے ساتھ لکھے دوسرے کے فانی نفع کے لیے اپنا دائمی نقصان نہ کرے اس کے بعد کاتب کو اس کی ہدایت کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ ہنر دیا ہے کہ وہ لکھ سکتا ہے اس کا شکرانہ یہ ہے کہ وہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔(۳۹)

جہاں عدالتی امور میں عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ وہاں معاشی عدل بھی ضروری ہے ڈاکٹر ایس ایم زمان اپنے مضمون ''اسلامی فلاح ریاستی اسوہ حسنہ کی روشنی میں'' میں لکھتے ہیں۔ ''معاشی عدل فلاحی مملکت میں اجتماعی عدل کا سب سے اہم اور محسوس مظہر ہے معاشی ناہمواریوں کا سدباب اور مملکت کے ہر فرد کو بنیادی ضروریات کی فراہمی اسلامی حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے معاشی ناانصافی طرح طرح کی عصبیتوں کو جنم دیتی ہے، اخلاقی بے راہ روی پیدا کرتی ہے اور امن عامہ کے لیے خطرات کے راستے روکتی ہے''۔(۴۰)

آنحضور اکرم ﷺ نے تقسیم دولت کے لیے زکوٰۃ، صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا ہے۔ اقتصادی عدل سے مراد وہ لائحہ عمل ہے جس کے تحت ملک کے ہر فرد کو قومی دولت سے برابر کا استفادہ کرنے کا موقع میسر ہو اور ایسے اصول وضع کر دیئے جائیں جن کی وجہ سے دولت چند ہاتھوں میں جمع نہ ہو سکے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات اور آنحضور اکرم ﷺ کی تعلیمات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مالداروں اور اغنیاء کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے۔ کہ اپنے اموال میں سے غرباء، مسکین اور

Marfat.com

حاجت مند افراد کی ضروریات کو پورا کریں۔ صاحب ثروت لوگوں کا اپنے اموال میں خرچ کرنا جہاں ایک دینی فریضہ ہے وہاں دولت کی گردش کا ایک اہم ذریعہ بھی ہے تاکہ ان کی اموال سے حق دار لوگوں کی ضروریات پوری ہوسکیں اور وہ لوگ جو معشیت کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں۔ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکیں۔ آنحضور اکرم ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا حکم بنا کر بھیجا۔ جہاں انہیں دیگر باتوں کی تعلیم دی گئی۔ وہاں اس بات کا بھی حکم دیا گیا کہ اہل ثروت سے زکوٰۃ وصول کرکے غرباء میں تقسیم کردی جائے۔(۴۱)

اسلام نے اکتناز، احتکار اور ناجائز منافع سے منع فرمایا ہے کیونکہ ان سے دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہے جو عدل کے منافی ہے۔ ذخیرہ اندوزی کرنے والے کے بارے میں نبی پاک ﷺ نے فرمایا المحتکر ملعون (۴۲) یعنی ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے۔ اسی طرح تجارت میں دھوکہ دہی اور ملاوٹ کو بھی آنحضور اکرم ﷺ نے سختی سے ممانعت کی ہے۔ ملاوٹ کرنے والے کے بارے میں نبی پاک ﷺ نے فرمایا: من غش فلیس منی (۴۳) جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔ اسی طرح رشوت لینے اور رشوت دینے والے دونوں کے بارے میں نبی پاک ﷺ نے وعید فرمائی۔ ناجائز تجارت، ملاوٹ اور دھوکہ دہی، اور ملاوٹ کو بھی آنحضور اکرم ﷺ نے سختی سے ممانعت کی ہے۔ ملاوٹ کرنے والے کے بارے میں نبی پاک ﷺ نے فرمایا: من غش فلیس منی (۴۳) جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں اسی طرح رشوت لینے اور رشوت دینے والے دونوں کے بارے میں نبی پاک ﷺ نے وعید فرمائی۔ ناجائز تجارت، ملاوٹ اور دھوکہ دہی، رشوت سے دوسروں کے حقوق غصب ہوتے ہیں۔ جو دوسروں کے حقوق غصب کرتا ہے گویا وہ ظلم کا مرتکب ہوتا ہے جو عدل کے سراسر خلاف ہے۔ اگر کسی نے مزدور کو کام پر رکھا تو مزدور کی اجرت و مزدوری بروقت ادا کرنا چاہیے۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا۔ ایک تو وہ شخص ہے جس نے میرے نام اور میری سوگند کے ذریعہ کوئی عہد کیا اور پھر اس کو توڑ ڈالا۔ دوسرا وہ شخص ہے جس نے ایک آزاد شخص کو فروخت کیا اور اس کا مول کھایا اور تیسرا شخص وہ ہے جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر لگایا اور اس سے کام لیا لیکن اس کو اس کی مزدوری نہیں دی۔(۴۴) نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ''مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیدو(۴۵)

معاشرتی زندگی میں ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا نام معاشرتی عدل ہے۔ اگر کسی کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان کے مابین مساویانہ اور برابر کا سلوک کرنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں آنحضور اکرم ﷺ کا اسوہ حسنہ ہمارے لیے بطور نمونہ موجود ہے۔ جس پر عمل پیرا ہو کر عدل کے تقاضے پورے کیے جاسکتے ہیں۔ قاضی سلمان منصور پوری رحمت للعالمین حصہ دوم میں تحریر فرماتے ہیں دو کھانے، پہننے، مکان اور گزرہ اور ملاقات میں ہر ایک بیوی کے ساتھ مساوی سلوک فرمایا کرتے عموماً بعد عصر ہر ایک کے مکان پر تشریف لے جا کر ان کی ضروریات کو معلوم فرماتے اور بعد نماز مغرب سب بیویوں سے ایک مکان میں مختصر ملاقات فرماتے۔ شب کو نوبت بہ نوبت ہر ایک کے گھر میں استراحت فرمایا کرتے'' (۴۶) آنحضور اکرم ﷺ کی تعلیمات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شوہر کا فرض ہے کہ وہ بیوی یا بیویوں کے حقوق ادا کرنے میں کسی کوتاہی کا مظاہرہ نہ کرے۔ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور بیوی کا فرض ہے کہ وہ شوہر کی عزت، مال اور گھر کی حفاظت کرے۔ ہمسایوں کے حقوق کا خیال رکھنا

Marfat.com

اور ان کو تحائف دینا بھی آنحضور اکرم ﷺ کی تعلیمات میں شامل ہے۔ ایک مسلمان کی مروت اور شرافت کا یہ اقتضاء نہیں کہ خود آرام سے رہے اور اپنے پڑوسی کے رنج و تکلیف کی پروا نہ کرے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''مومن وہ نہیں جو خود سیر ہو اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہے''۔(۴۷) پڑوسی کو بیش قیمت تحائف یا قیمتی چیزیں بھجوانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ کھانے پینے کی معمولی چیزیں بھی اس کے لیے کافی ہیں۔ کچھ نہ ہوسکے تو گوشت کا شوربا ہی ہو اور وہ زیادہ پانی بڑھا کر ہی کیوں نہ ہو۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوذر کو نصیحت فرمائی کہ اے ابوذر جب شوربا پکاؤ تو پانی بڑھا دو اور اس سے اپنے ہمسایوں کی خبر گیری کرتے رہو''۔(۴۸)

سیاسی عدل یہ ہے کہ حکمران رعایا کے حقوق کی پاسداری کریں۔ رعایا کا فرض ہے کہ دیانت دار حکمران منتخب کریں۔ ہر وہ آدمی جو صاحب اختیار و اقتدار ہے اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں اور ملازمین کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔ نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے ''خبردار تم میں سے ہر شخص رعیت کا نگہبان ہے اور (قیامت کے دن) تم میں سے ہر شخص کو اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہونا پڑے گا۔ لہذا امام یعنی سربراہ مملکت وحکومت جو لوگوں کا نگہبان ہے۔ اس کو رعیت کے بارے میں جوابدہی کرنی ہوگی۔ مرد جو اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اس کو اپنے گھر والوں کے بارہ میں جوابدہی کرنی ہوگی۔ جو عورت اپنے گھر خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی نگہبان ہے، اس کو ان کے حقوق کے بارے میں جوابدہی کرنی ہوگی اور غلام مرد جو اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اس کو اس کے مال کے بارے میں جوابدہی کرنی ہوگی۔ لہذا آگاہ رہو تم میں سے ہر ایک شخص نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک شخص اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہوگا''۔(۴۹)

مندرجہ بالا حدیث نبوی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر جوابدہ ہے چاہے وہ حاکم ہو یا گھر کا سربراہ یا ایک ادنیٰ سا غلام ہی کیوں نہ ہو۔ اگر ہر آدمی اپنے فرائض احسن طریقے سے ادا کرے۔ تو اس سے معاشرہ کو امن کا گہوارہ بنایا جاسکتا ہے۔ حقوق وفرائض کی احسن طریقے سے ادائیگی کرہ ارض کو بے چینی، دہشت گردی، انتہا پسندی، قتل و غارت اور مشکلات سے نجات دلاسکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں حقوق وفرائض میں توازن و مساوات ہی عدل اجتماعی کا نام ہے۔ عدل اجتماعی صرف اور صرف آنحضور اکرم ﷺ کی تعلیمات پر مکمل عمل کر کے ہی قائم کیا جاسکتا ہے۔

حوالہ جات

۱- علامہ سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی جلد ششم، لاہور (سروسز کلب) ۱۹۸۴ء، ص ۳۹۴، بحوالہ مفردات از راغب اصفہانی۔ ۲- سورۃ المومن، آیت نمبر ۲۰۔ ۳- سورۃ الاحزاب، آیت نمبر ۴۔ ۴- سورۃ الانعام، آیت نمبر ۱۱۵۔ ۵- سورۃ شوریٰ، آیت نمبر ۱۷۔ ۶- سورۃ الحدید آیت نمبر ۲۵۔ ۷- علامہ سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، جلد ششم، ص ۲۰۔ ۸- سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۱۸۸۔ ۹- سورۃ النحل، آیت نمبر ۹۰۔ ۱۰- سورۃ المائدہ آیت نمبر ۸۔ ۱۱- سورۃ النساء، آیت نمبر ۳۔ ۱۲- ایضاً، آیت نمبر ۳۔ ۱۳- سورۃ النساء آیت نمبر ۱۳۷۔ ۱۴- سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۵۲۔ ۱۵- سورۃ ہود، آیت نمبر ۹۔ ۱۶- سورۃ المطففین، آیت نمبر ۱ تا ۳۔ ۱۷- سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، جلد ہفتم لاہور (سروسز بک کلب) ۱۹۸۵ء ص ۲۱۔ ۱۸- سورۃ النساء آیت نمبر ۱۳۵۔ ۱۹- سورۃ الحدید آیت نمبر ۱۹۔ ۲۰- مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد ۵، لاہور (مکتبہ تعمیر انسانیت) ۱۹۸۰ء، ص ص ۲۲-۳۲۱۔ ۲۱-

Marfat.com

مفتع محمد شفیع، معارف القرآن، جلد۲، کراچی (ادارہ المعارف) ۱۹۷۹ء، صص۲-۵۷۱-۵۷۲ ۲۲- ایضاً، ص ۵۷۶۔ ۲۳- سید خلیق ساجد بخاری، المنتخب من الاحادیث النبویہ ﷺ لاہور (منشورات قلم) ۲۰۰۷ء ص ۴۳۷، بحوالہ تاریخ ابن عساکر۔ ۲۴- علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی، مظاہر حق جدید شرح مشکوٰۃ شریف، جلد۳، تزئین و ترتیب جدید مولانا عبداللہ جاوید، غازی پوری، کراچی (دارالاشاعت) ۱۹۹۴ء ص ۶۷۱۔ ۲۵- ایضاً، ص ۲-۶۷۱-۶۷۲۔ ۲۶- ایضاً، ص ۶۷۹۔ ۲۸- ایضاً، ص ۶۷۱۔ ۲۹- ایضاً ص ۶۸۲۔ ۳۰- مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی ریاست، لاہور (اسلامک پبلیکیشنز) ۱۹۹۸ء ص ۶۱۱۔ ۳۱- ایضاً، ص ص ۶۰۷-۶۰۶۔ ۳۲- ایضاً، ص ص ۷-۶۰۶۔ ۳۳- سورہ النحل، آیت نمبر ۹۰۔ ۳۴- مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی ریاست، صص ۴۲-۶۴۱۔ ۳۵- نواب محمد قطب الدین خان دہلوی، مظاہر حق جدید، جلد۳، ص ۶۳۰۔ ۳۶-اے- قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمت للعالمین حصہ اول کراچی (دارالاشاعت) ۲۰۰۱ء ص ۲۲۲۔ ۳۶-بی۔ سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، جلد ہفتم ص ۷۶۔ ۳۷- نواب محمد قطب الدین خان دہلوی، مظاہر حق جدید، جلد۳، ص ۷۱۸۔ ۳۸- سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۸۳۔ ۳۹- مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد اوص ۶۸۶۔ ۴۰- ڈاکٹر شیر محمد زمان، ''اسلامی فلاحی ریاست، اسوہ حسنہ کی روشنی میں'' فکر و نظر (خصوصی شمارہ سیرت نمبر) جلد ۳۰، شمارہ ۱، ۲ جولائی تا دسمبر ۱۹۹۲ء، ص ۱۸۸۔ ۴۱- نواب محمد قطب الدین دہلوی، مظاہر حق جدید، جلد دوم، ص ۱۷۷۔ ۴۲- ایضاً، جلد سوم، ص ۱۲۵۔ ۴۳- ایضاً، ص ۱۰۵۔ ۴۴- ایضاً، ص ص ۷۵-۱۷۴۔ ۴۵- ایضاً، ص ۱۷۸۔ ۴۶- قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمت للعالمین، جلد دوم، کراچی (دارالاشاعت) ۲۰۰۱ء، ص ۳۶۷۔ ۴۷- سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، جلد ششم، ص ۲۳۹۔ ۴۸- ایضاً، ص ۲۳۸۔ ۴۹- نواب محمد قطب الدین خان دہلوی، مظاہر حق جدید، جلد سوم، ص ص ۷۰-۶۶۹۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

حافظ عبدالغفار بخاری- اسلام آباد

دنیا بھر میں امن عالم اور عدل اجتماعی کے لئے ایک شور بپا ہے۔ بزعم خود ہر دانش قوم اور ہر تھنک ٹینک ادارہ سمجھتا ہے کہ ان کا منشور حیات، تہذیب وتمدن اور کلچر، انسانی زندگی کے ہر شعبہ دنیا کو معاشی، معاشرتی، اخلاقی، علمی، سیاسی، عمرانی اور عسکری ہر لحاظ واعتبار سے عدل دینے کا ضامن ہے۔ بدقسمتی سے دنیا کے تمام غیر اسلامی معاشرے ''مطالبہ حقوق'' (Demand of Rights) کے تصور پر قائم ہیں۔ اشتمالی اور اشتراکی فلسفہ حیات اجتماعی حقوق اور جبکہ سرمایہ دارانہ نظام کا فلسفہ انفرادی حقوق کا مطالبہ کر رہا ہے۔ ہر قوم اپنے انفرادی و اجتماعی مفادات کے تحفظ کو یقینی بنا کر دوسروں سے تعلقات قائم کرتی ہے۔

اسلامی عدل اجتماعی ایک کامل فکر اور فلسفہ ہے، جس کا صحیح فہم، اسلامی قوانین، قواعد اور ضوابط میں پنہاں حقیقت کو سمجھنے میں مدد و معاون ہوتا ہے۔ روئے زمین پر بسنے والے انسان بھی اگر اس عدل اجتماعی کا راز پالیں تو ان کی زندگی بھی امن، سلامتی اور خوشیوں کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ عوام الناس کو اسلامی عدل اجتماعی کی برکات و فیوضات سے حقیقی معنوں میں بہرہ ور کرانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کے درخشندہ پہلوؤں میں سے ایک روشن باب ''عدل اجتماعی'' کا مطالعہ کریں۔

آیئے ذرا اس ہستی کے شب و روز کا مطالعہ کریں جسے حق تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔ تاریخ کی ورق گردانی سے یہ حقیقت ہم پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کے سامنے کوئی مقدمہ یا مسئلہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے بلا امتیازِ رنگ ونسل و مذہب ہر کسی کے ساتھ انصاف کیا۔ خواہ آپ ﷺ سے انصاف کا طالب کوئی اپنا تھا یا غیر۔

درج ذیل مضمون میں ہم اسلام کا نظام عدل بالخصوص عدل اجتماعی کو تعلیمات نبوی کی روشنی میں زیر بحث لائیں گے۔

عدل کا مفہوم:

عدل کا لغوی معنی:

لفظ عدل تین حروف پر مشتمل ہے (ع۔ د۔ ل)۔ اور لغت میں العَدل (بفتح العین) انصاف، کسی کا حق واپس دلانا اور جس پر حق واجب ہے اس سے لے لینا عدل کہلاتا ہے۔ کہا جاتا ہے رجل عدل، امراۃ عدلۃ۔ نیز یہ لفظ مثل، نظیر اور جزاء وغیرہ کے معانی کے لئے بھی آتا ہے۔ جبکہ لفظ العِدل (بکسر العین) اس وقت بولتے ہیں جب کسی شے کو دو حصوں میں اس طرح تقسیم کر دیں کہ ہر حصہ برابر ہو جائے۔ اسی طرح العدل اس بوجھ کو بھی کہتے ہیں جو اونٹ کے دونوں پہلوؤں پر لدا ہو۔(1)

ابو البقا فرماتے ہیں:

''العدالة لغة الاستقامة وفى الشريعة عبارة عن الاستقامة على الطريق الحق بالاختيار عما هو محظور ديناً''(2)

Marfat.com

عدالت لغت میں استقامت اختیار کرنے کو کہتے ہیں اور شریعت مطہرہ میں حق کا انتخاب کرتے ہوئے اس پر ڈٹے رہنا اور دین کے لحاظ سے جو ممنوع ہے اس سے کنارہ کشی اختیار کرنا عدالت کہلاتا ہے۔

علامہ راغب اصفہانی عدل کا معنی بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"فانّ العدل هو المساواةُ في المكافاة اِن خيراً فخيراً، وان شرًّا فشرٌ" (3)

بیشک عدل بدلہ دینے میں برابری کا نام ہے اگر اچھا ہوگا تو اچھا بدلہ اور اگر برا ہوگا تو برا بدلہ ملے گا۔

میر سید شریف الجرجانی فرماتے ہیں:

"العدل عبارة عن الأمر المتو سط بين طرفي الا فراط و التفريط" (4)

عدل زیادتی اور کمی کے درمیانی چیز ہے۔

قرآن کریم نے عدل کو ظلم، بغی (سرکشی)، جور (زیادتی)، فسق (نافرمانی)، فجور (گناہ) کے مقابلے میں استعمال کیا ہے۔ اس لئے فقہاء نے لفظ عدل کو دو معنوں میں استعمال کیا ہے۔

۱۔ حکم، تعلقات وغیرہ میں عدل: اس لئے کہا جاتا ہے عدل بین الناس او بین النساء یعنی لوگوں کے درمیان یا بیویوں کے درمیان عدل کرنا۔ اور کہا جاتا ہے "عدل فی امرهم" لوگوں کے معاملے میں عدل کرنا۔ اس معنی کے لحاظ سے لفظ عدل ایک ایسا وصف ہے جس کا تعلق انسان کی شخصیت سے ہوتا ہے لیکن اس کے آثار اور نتائج دوسروں تک پہنچتے ہیں۔

۲۔ دوسری قسم ذاتی عدالت کی ہے۔ جس کے ساتھ کوئی متصف ہو۔ مثلاً وہ فاسق وفاجر نہیں۔ اس معنی کو فقہاء باب الشہادات وغیرہ میں بیان کرتے ہیں۔ (5)

عدل کے دیگر مفاہیم ومعانی:

۱۔ میانہ روی اور افراط وتفریط سے پرہیز کے معنی دیتا ہے۔ جسے ہم اعتدال کہتے ہیں۔ اعتدال کا ماخذ دراصل عدل ہی ہے۔

۲۔ تعادل وتساوی یعنی عدم امتیاز کے معنی میں استعمال ہوتا ہے کہ سب کا استحقاق مساوی ہو۔

۳۔ گناہ کبیرہ سے دوری اور فسق کی تشہیر نہ کرنا۔

۴۔ دوسروں کے حقوق میں رعایت کرنا تاکہ ان کی حقوق کی پامالی یا ظلم نہ ہو۔

۵۔ ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھنا اور ہر حقدار کو اس کا حق دینا۔ وضع الشیء فی موضعه واعطاء کل ذی حق حقه۔

۶۔ تعادل اور تناسب برقرار رکھنا یا مساوات اور برابری قائم کرنا یا ان امور کے مابین درمیانی راہ کی رعایت کرنا وغیرہ۔

۷۔ سماجی، معاشی، ثقافتی، علمی، تربیتی، فلاحی امکانات ووسائل کی عادلانہ تقسیم کرنا، کہ تمام لوگوں کو استفادہ کا موقع ملے۔ (6)

مؤخر الذکر مفہومِ عدل ہماری اس بحث کا موضوع ہے۔

لفظ عدل کے مترادف اور متضاد کلمات قرآن کریم میں بہت سارے استعمال کیے گئے ہیں جن کا عدل کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ مثلاً لفظ القسط جو کہ عدل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (7)

Marfat.com

ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیاں کے ساتھ بھیجا ہے اور کتاب اور ترازو دے دیا تا کہ لوگ انصاف کے ساتھ رہیں۔

عدل قائم کرنے کے لئے ظلم سے روکا گیا ہے۔ جو کہ عدل کی ضد ہے۔ قرآن کریم میں ۲۸۹ مقامات پر ظلم اور اس کے اشتقاق کا ذکر ہے۔ اسی طرح لفظ بغی (سرکشی) ہے جو کہ عدل کی ضد ہے۔ قرآن پاک میں اس لفظ کا اشتقاق دس مرتبہ بیان ہوا اسی طرح ہے۔ لفظ جائر ہے جو استعمال ہوا ہے۔ جو کہ ظلم کے ہم معنی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ﴾ (8)

ترجمہ: اور اللہ کی طرف سیدھا راستہ ہے اور اُن میں سے بعض ٹیڑھے بھی ہیں۔

عدل اجتماعی کا مفہوم:

اصل عدل اجتماعی کو بیان کرنے کے لئے علماء نے مختلف تعریفات بیان کی ہیں اور یہ تعریفات علماء نے اپنے اپنے دائرہ کار اور فن کے لحاظ سے کی ہیں۔

چنانچہ علماء اخلاق کے ہاں (عدل اجتماعی) ایک اخلاقی قدر ہے جو دوسروں کے حقوق کا احترام کرنے کا ضامن ہے۔ اور علمائے قانون، قانون کی حکمرانی کے لحاظ سے اس کی تعریف کرتے ہیں جبکہ علمائے فقہ اس کی تعریف اس حیثیت سے کرتے ہیں کہ تمام اعمال کی درستگی کے لئے اس وصف کا پایا جانا ضروری ہے۔ جس طرح امامت اور شہادات وغیرہ میں اسی طرح قاضی اور فقیہ کے لئے صفت عدالت کا پایا جانا لازمی ہے اور علم اجتماع ماہرین کا کہنا ہے کہ سوسائٹی کا استقرار اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ عدالت کی حکمرانی نہ ہو۔ جبکہ علماء فلسفہ کے بقول فلسفہ کا وجود عدالت کا مرہون منت ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ان تمام جوانب کا احاطہ کرتا ہے۔ عدل اجتماعی کا مفہوم کسی ایک جہت یا کسی فن کے لئے کرنا حقیقت کے خلاف ہے۔ بلکہ انسانی زندگی کا محور اور بنیادی مرکز ہے۔ اور ان تمام جہات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

قرآن کریم کے حوالہ سے اس کی یوں تعریف کی گئی ہے۔

"رعاية الحقوق العامة ما يستحقه من حقوق واستحقاقات والتوزيع العادل للثروات بين الناس، والمساوات فى الفرص وتوفير الحاجات الرئيسة بشكل عادل واحترام حقوق الإنسان المعنوية والمادية" (9)

سوسائٹی اور افراد کے جملہ حقوق کا خیال رکھنا، اس کے ہر فرد کو اس کا ضروری حق فراہم کرنا، لوگوں کے کے مابین ثروات کی عادلانہ ومنصفانہ تقسیم پر بنیادی ضروریات کی انصاف کے ساتھ فراہمی اور انسان کے مادی اور معنوی حقوق کا احترام کرنا۔

عدل اجتماعی کا تصور:

اگر ہم نظامِ کائنات کی طرف نظر دوڑائیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس کے ذرے ذرے میں ایک بے مثل اور لاجواب عدل اجتماعی قائم ہے۔ پورے نظامِ کائنات میں ہر سیارہ اور ستارہ اپنے مدار میں حرکت کررہا ہے۔ ہر شے اپنے منہاج

Marfat.com

پر عمل پیرا ہے۔ جس کا حکم اس کے مالک اور خالق نے اسے دیا ہے۔ سب کے لئے ایک جیسا قانون، ایک پیمانہ اور ایک ڈگر ہے۔ سب ایک مستقر اور ٹھکانے کی طرف رواں دواں ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾(10)

ترجمہ: سورج کے لیے یہ روا نہیں کہ وہ چاند کو پالے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے۔ ہر کوئی اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے عدل کی تکوینی صفت کا اظہار تمام کائنات میں ہے۔ نظام کائنات کی ترکیب، اجزاء، حرکت وسکون سے عدل ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نظام کائنات کے اس وسیع وعریض سلسلے کو اپنی نشانی قرار دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾ (11)

ترجمہ: ہم انہیں آفاق میں اپنی نشانی دکھائیں گے۔ یہاں تک کہ ان کے لیے حق واضح ہو جائے۔

تمام نظم کائنات میں خرابی، خلل، بدنظمی اور ٹکراؤ کا شائبہ تک نہیں ہے۔ اجرام فلکی کا ایک بھی نمائندہ بھی اس اصول قدرت سے منحرف نظر نہیں آتا۔

اگر کوئی سیارہ دوسرے سیارے کے محور میں دخل اندازی کرے گا تو کائنات کا نظام عدل درہم برہم ہو جائے گا۔ یہ مربوط نظام جو ایک طرف اجتماعی عدل کی عکاسی کر رہا ہے تو دوسری طرف توحید باری تعالیٰ کی شہادت دے رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ (12)

اگر اس (کائنات) کے تو الہ ہوتے تو ان میں بگاڑ پیدا ہو جاتا۔

یہی نظام عدل اللہ تعالیٰ کی ایک اور بڑی نشانی یعنی حضرت انسان کے اندر کارفرما ہے۔ ہر انسان کے اندر لاتعداد اوران گنت خلیوں (Cells) نیز جینز (Genes) اور نیوکلوٹائیڈز (Nucleotides) کے اندر ایک مربوط ومنظم نظام پایا جاتا ہے۔ ہر خوردبینی ذرہ بھی پاس والے ذرے سے متصادم نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ انسانوں سے مخاطب ہیں کہ وہ اپنے نفسوں میں غور وخوض کریں کہ اس میں بھی قدرت کی بہت سی نشانیاں پنہاں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾۔(13) اور تمہارے نفسوں میں بھی نشانی ہے کیا بھلا تم دیکھتے نہیں ہو۔

اگر اس جہان کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں انتہائی خوبصورتی اور تناسب پایا جاتا ہے۔ مثلاً نباتات میں درخت ہی کو دیکھ لیجیے کیسی جڑوں اور مضبوط تنے اور شاخوں کے درمیان کس قدر تناسب اور توازن پایا جاتا ہے۔ حیوانات میں سے شیر کی قوت اور طاقت کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے اس کی طاقت کے پیش نظر دوسروں جانوروں کی گوشت اس کی غذا بنائی۔ جبکہ حشرات الارض کی ضعف وناتوانی کو مدنظر رکھتے ہوئے زمین کی مٹی اُس کی غذا قرار

Marfat.com

دی گئی۔ دراصل کائنات اور اس میں بسنے والے تمام ذی روح کا نظام عدل وانصاف سے وابستہ ہے۔ نظام عالم کے لئے عدل سے بڑھ کر کوئی چیز ضروری نہیں۔

آفاق وانفس کے ہر ذرہ میں موجود توازن و اعتدال کتنی بڑی نشانی ہے۔ تمام مرئی(Visible) اور غیر مرئی (Unvisible) ذرات(Atoms) ایک دوسرے کے ساتھ اجتماعی عمل اور امن و آتشی کا عملی مظاہرہ کر رہے ہیں۔

عدل اجتماعی کے اس تصور سے معلوم ہوا کہ اس کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ جس طرح انسانی زندگی اپنی وسعت کے اعتبار سے کئی ایک پہلو رکھتی ہے۔ اسی طرح عدل بھی متنوع المظاہر ہے۔ انفرادی، اجتماعی، قومی اور بین الاقوامی زندگی میں عدل کی مختلف تعبیرات ہیں۔

عدل کی اہمیت:

عدل و انصاف کے بارے میں اسلام کا نظریہ اس دین کے نظریہء حیات سے مشتق ہے اور اس کے کل کا ایک جزو ہے۔ جسے خالق کائنات نے حق، میزان، صدق، عدل اور قسط سے تعبیر کیا ہے۔ قسط و عدل کو انبیاء کی بعثت کے لئے ایک اہم مقصد جانا گیا ہے۔

اسلام دین ہے عدل کا، مساوات کا، میانہ روی کا، اور اعتدال کا، افراط وتفریط میں درمیانی راہ کا حکم دیتا ہے۔ اگر اسلام دین فطرت ہے تو عدل اس کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ اسلام میں عدل و انصاف پر بہت زور دیا گیا ہے کیونکہ اگر عدل وانصاف نہ ہو سکے تو انسانی معاشرہ درہم برہم ہو جاتا ہے اور اس کا امن وسکون ختم ہو جاتا ہے اور امن وسکون کا ختم ہونا لازمی طور پر تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لیے امن شرط اولین ہے اور امن کا حاصل ہونا انصاف کے بغیر ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے بندوں کو عدل و انصاف کی خاص طور پر اور بار بار تاکید کی ہے۔

عدل صرف نظام کائنات چلانے کے لئے ہی کافی نہیں بلکہ یہ تو انسان کی زندگی کے ہر شعبہ کا جزو لازم ہے۔ اسلام نے عدل و انصاف کا ایک اعلیٰ معیار قائم کیا ہے کہ اس میں شاہ و گدا، امیر وغریب اور ذات پات کی کوئی قید نہیں۔ اسلام کی نظر میں سب برابر ہیں۔ کسی کا بڑا ہونا یا اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھنا یا امیر ہونا انصاف وعدل کے نفاذ اور حدود سے دور نہیں ہو سکتا۔ کسی بھی ملک یا معاشرے سے عدل کو ختم کر دیا جائے تو اس کی بقاء خطرے میں پڑ جاتی ہے اور وہ معاشرہ اندرونی بدامنی اور انتشار کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔

نظامِ عدل کے قیام کے لیے قرآن وسنت نے جو اصول، لوازمات اور لائحہ عمل بتایا ہے اسے بھی ہو اختیار کیا جائے گا معاشرے میں عدل و انصاف کے قیام کے راستے کشادہ ہو جائیں گے اور جب اور جہاں کہیں بھی ان اصولوں سے انحراف کیا جائے گا متضاد نتائج سامنے آئیں گے۔

عدل ظلم کی ضد ہے۔ جس معاشرے میں عدل نہ ہوگا تو ظلم اس کی جگہ لے لے گا اور ظلم ہر معاشرے کے لئے تباہی کا باعث بنتا ہے۔ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ حقوق وفرائض میں توازن پیدا کیا جائے۔

Marfat.com

قوموں اور ملکوں کی تباہی و بربادی کے اسباب وعوامل کا جائزہ لیجئے تو دو بنیادی چیزیں سامنے آئیں گی

۱۔ قوم کا فسق وفجور ۲۔ اور حکمرانوں کا ظلم وعدوان

جب کوئی قوم خدا فراموشی کی روش اختیار کرتی ہے، الٰہی قوانین سے سرکشی کرتی ہے اور فسق ومعصیت کے نشہ میں بدمست ہوکر حلال وحرام اور جائز وناجائز کی حدود اعلانیہ توڑنے لگتی ہے تو ان پر جفا کیش اور جابر ظالم حاکم مسلط کردیئے جاتے ہیں، قرآن کریم میں کسی قوم کی تباہی و بربادی کے بارے میں ایک قانونِ عام بیان فرمایا ہے:

﴿وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا﴾(14)

ترجمہ:۔''اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر جب وہ لوگ وہاں شرارت مچاتے ہیں، تب ان پر حجت تمام ہوجاتی ہے، پھر اس بستی کو تباہ اور غارت کرڈالتے ہیں''۔

قوم کا فسق وفجور اور ملوک وسلاطین کا ظلم ہی سب سے پہلے اس عالم کی تباہی و بربادی کا ذریعہ بنتا ہے،ظلم واستبداد کی چکی میں پہلے سرکش قوم پستی ہے، بالآخر یہی چکی ظالم وجابر کو بھی پیس ڈالتی ہے۔

عدل قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں

(الف) عدل قران کی روشنی میں:

اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں ایک نام عادل ہے۔حق تعالیٰ کی شان خود عادل ہے۔اور اس کا نازل کردہ قانون (شریعت محمدیہ) سراپا عدل ہے۔ اس لیے اس نے بے شمار آیات میں اپنے بندوں کو ہر قسم کے معاملات و احوال میں عدل کرنے کا حکم دیا ہے۔دوسروں کے حقوق کی رعائت کرنے اور دوسروں کے حقوق کو پامال نہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ نے عدل وقسط کو انبیاء علیہ السلام کی منفعت کا اہم مقصد قرار دیا ہے۔ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (15)

ایک دوسری آیت میں آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا ہے۔کہ آپ عدل کریں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ﴾ (16)

قرابت کے سلسلہ میں بڑے سے بڑے انصاف پرور کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور وہ جانب داری کی خاطر عدل و انصاف کا دامن چھوڑ دیتے ہیں مگر قرآن کریم نے اس نازک صورتحال میں جب عدل قائم کرنے کا حکم دیا ہے ارشاد ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا﴾ (17)

اسی طرح جب کسی سے بغض و عداوت ہو تو عدل و انصاف کے تقاضے عموماً بلائے طاق رکھ دیئے جاتے ہیں اور

Marfat.com

اپنے حریف کو نیچا دکھانے کے لئے انسان ہر جائز و ناجائز حربہ تلاش کرتا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ عدل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ ارشاد فرمایا ہے۔

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (18)

قول، عہد و پیمان وغیرہ میں بھی عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ارشاد ہے۔ ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ (19)

غرضیکہ زندگی کے تمام معاملات (حقوق، خرید و فروخت، ماپ و تول وغیرہ میں عدل اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مثلاً اگر کوئی شخص بیویوں کے مابین انصاف نہیں کرسکتا تو اس کی دوسری بیوی سے شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

ارشاد ہے ﴿اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ (20)

نیز فرمایا ﴿فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ﴾ (21)

قرآن عدل کا اس حد تک داعی ہے کہ کافر اور غیر مسلم کو بھی اپنے نظام عدل میں شامل کرتا ہے۔

ارشاد ہے ﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ﴾ (22)

ان آیات بینات میں عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور عدل کے خلاف ایک ایک ریشہ کو جڑ سے نکال کر پھینک دیا گیا ہے۔ یہی وہ عدل اجتماعی ہے۔ جس کا قرآن مجید داعی ہے۔

(ب) عدل احادیث مبارکہ کی روشنی میں

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں ان سات خوش قسمت اشخاص کا ذکر آیا ہے جو قیامت کے دن عرش الٰہی کے مسائل میں ہوں گے ان میں سرفہرست امام عادل کا نام آتا ہے۔ (23)

ایک دوسری حدیث مبارکہ میں عدل کا بہت بڑا مقام و مرتبہ اور اجر بیان کیا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

ان المقسطين عند الله على منابر من نور على يمين الرحمٰن الذين يعدلون في حكم واهلهم وما ولوا (24)

بلاشبہ انصاف کرنے والے اللہ کے نزدیک رحمان کی دائیں جانب نورانی منبروں پر ہوں گے جو اپنے حکموں اور اپنے اہل خانہ اور اپنی رعایا کیساتھ عدل کرتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں آنحضرت کا ارشاد ہے۔

اذا حكم الحاكم فاجتهد ثم اصاب فله اجران واذا حكم فاجتهد ثم اخطأ فله اجر (25)

اگر حاکم کوئی فیصلہ کرنے کے لئے اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد درست ہو جائے اسے دوہرا اجر ملے گا اور اگر اجتہاد کرنے میں غلطی لگ جائے تو ایک اجر ثواب ملے گا۔

آنحضرت ﷺ نے امام عادل کا شمار اللہ کے محبوب بندوں میں سے کیا ہے اور قیامت کے روز عظیم اجر کا حقدار قرار

Marfat.com

دیا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے یہ عدل کی اہمیت کی واضح دلیل ہے۔

"ان احب الناس الی اللہ یوم القیامۃ وادناھم مجلسا امام عادل" (26)

روز قیامت مجھے سب سے محبوب اور میری مجلس میں سب سے زیادہ قریب عادل امام ہوگا۔

عدل کی اقسام

اسلام مذہب ہی اعتدال کا ہے اور یہ دنیا میں عدل واعتدال کے قیام کا درس دیتا ہے۔انسانی زندگی کے تمام شعبے خواہ معاشرتی معاملہ ہو یا معاشی،عدالتی دائرہ کار ہو یا سیاسی فکر، انفرادی معاملہ ہو یا اجتماعی سب میں حقوق کی مناسب اور برابر تقسیم عدل کہلاتا ہے۔معاشرتی زندگی میں عدل کی بہت سی اقسام ہیں لیکن عدل کی مندرجہ ذیل اقسام زیادہ اہم ہیں:۔

معاشی عدل

معاشی عدل سے مراد کہ معاشرے کے ہر فرد کو اپنی اہلیت کے مطابق جائز معاشی جدو جہد کا پورا پورا حق ہے۔ ہر فرد کو قومی وسائل سے اس کا حصہ ملنا چاہئے۔ اسلام نے کمزوروں اور غریبوں کو معاشی تحفظ فراہم کرنے کی تاکید فرمائی اور ساتھ ہی اعتدال کا حکم بھی فرمایا گیا۔ اسلامی معاشیات کا بڑا سنہرا اصول ہے کہ "ما عال من اقتصد"(27) اعتدال سے انسان تنگ دست نہیں ہوتا۔

معاشرتی عدل

اسلام معاشرے کے تمام افراد کو باعزت اور پرسکون زندگی گزارنے کا مکمل موقع فراہم کرتا ہے اور ہر فرد کو اس کا جائز مقام دیا ہے۔تجارت اور کاروباری لین دین میں اسلام عدل کا حکم دیتا ہے۔معاشرتی معاملات میں تجارت اور خرید وفروخت کو اہم مقام حاصل ہے۔تجارت میں عدل جس شے سے برقرار رہ سکتا ہے وہ ہے پیمانہ، وزن اور نرخ۔اگر ناپ تول میں کمی، اشیاء میں ملاوٹ، یا دھوکہ فریب دیا جائے تو اس طرح معاشرے میں ناانصافی و بددیانتی کی فضا جنم لیتی ہے۔جس سے پورا معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔

باہمی تعلقات اور دیگر معاملات میں اگر عدل کو شامل حال رکھا جائے تو معاشرہ بے انصافی اور عدم توازن سے بچ جاتا ہے۔ اسلام معاشرتی عدل و انصاف کا درس دیتا ہے۔ معاشرتی امور میں سب سے زیادہ حق یتیموں اور مساکین کا ہے اللہ یتیموں کے بارے میں خصوصی عدل کا حکم دیتا ہے ارشاد ربانی ہے: ﴿وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ﴾ (28) اور یہ کہ تم یتیموں کے بارے میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو۔

قانونی عدل

اسلام نے عدالت کے ہر شعبے اور پہلو میں عدل اختیار کرنے کا سختی سے حکم دیا ہے۔ عدالتی نظام میں قاضی کا عادل ہونا بہت ضروری ہے۔

عدالتیں کسی بھی ملک وقوم اور معاشرے میں اہم مقام رکھتی ہیں۔اور ان میں عدل و انصاف بہت ضروری ہے۔
قرآن مجید کسی بھی عدالت کی کارروائی سے قبل مقدمے کی نوعیت کو ضابطہ تحریر میں لانے کا حکم کرتا ہے۔ ﴿وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُم

Marfat.com

كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ﴾ (29) اور کاتب کو چاہئے کہ تمہارے درمیان عدل کے ساتھ لکھے۔

عدالتی نظام میں شہادت کو دستاویزات کے بعد سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔لیکن شہادت دیتے وقت اکثر اوقات ذاتی مفادات،خاندانی امور اور دنیاوی معاملات حائل ہوجاتے ہیں۔اس لئے اسلام نے اس بات پر زور دیا ہے کہ سچی گواہی دی جائے۔

سیاسی عدل

اسلامی ریاست میں چونکہ شخص گروہی خاندانی اور نسلی ریاست نہیں اور ہر مسلمان کو بحق نیابت الٰہی امور مملکت میں شرکت کا پورا حق ہے۔قرآن حکیم نے اس اصول کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ ارشادربانی ہے: ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾(30)

آپ ﷺ جو اسلامی ریاست کے پہلے سربراہ تھے۔

سیاسی عدل تقاضا یہ ہے کہ معاشرے کے صاحب الرائے اور فہم معاملہ افراد کو ملکی معاملات میں شرکت کا پورا پورا حق دیا جائے۔

عائلی عدل

والدین، میاں بیوی اور اولاد ایک دوسرے کے باہمی حقوق عدل و انصاف سے اگر ادا کریں تو گھریلو زندگی خوشگوار بن جاتی ہے اولاد کے درمیان عدل و انصاف قائم رکھنا بھی ضروری ہے۔ ورنہ ان میں حسد وبغض کے جذبات پیدا ہوجائینگے۔ لڑکوں کولڑکیوں پر ترجیح نہ دی جائے اور ان کے حقوق میں کسی قسم کا امتیاز نہیں کرنا چاہئے اور ہر معاملہ میں ان سے یکساں سلوک روا رکھنا چاہیے کیونکہ تمام اولاد کو والدین کے ساتھ یکساں نسبت ہوتی ہے۔اسی طرح خاوند کو چاہیے کہ وہ بیوی کے حقوق پورے کرے اور بیوی پر واجب ہے کہ وہ خاوند کے حقوق کی پاسداری کرے۔

عدل پیدا کرنے والے عوامل

عدل و انصاف قائم کرنے میں چند عوامل اور امور کارفرما ہوتے ہیں۔

ا۔تقویٰ:

اگر انسان کے دل میں تقویٰ اور خوف خدا ہے تو ہر طرح کے مشکل حالات میں بھی وہ عدل پر قائم رہتا ہے۔تقویٰ ہی ایک انسان کو بے انصافی سے روکتی ہے۔عدل تقوی سے قریب تر ہے۔تقویٰ اور عدل لازم وملزوم ہیں۔ بلکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (31) عدل کرو یہ تقوی کے قریب تر ہے۔

۲۔آخرت کی جوابدہی:

آخرت اور جواب دہی بھی عدل و انصاف کی ایک کڑی ہے۔ جب انسان کو یہ احساس ہوگا کہ مرنے کے بعد اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے کیے کا حساب دینا ہوگا تو یہ احساس ذمہ داری انسان کو ظلم سے روکے گا۔ انسان کا آخرت پر یقین جتنا زیادہ پختہ ہوگا اتنا ہی زیادہ وہ انصاف پسند ہوگا۔

Marfat.com

عدل کی اجتماعی بنیادیں

اسلام نے سوسائٹی کے افراد کے مابین تعلقات استوار کرنے کے لئے بہت سارے قاعدے وکلیات اور بنیادیں فراہم کی ہیں۔ان قواعد اور بنیادوں میں سے اہم ترین بنیاد اور قاعدہ عدل اجتماعی ہے۔جو اپنے اندر بہت سے معانی، مفاہیم اور عالی اقدار سمیٹے ہوئے ہیں۔جن سے سوسائٹی سلامتی، اخوت ومحبت اور خوشحالی سے متمتع ہوتی رہی ہے۔

اسلامی عدل اجتماعی کا خالق کائنات کی جانب سے نازل کردہ قوانین سے عبارت ہیں جو انسانوں کو دہرے اخلاقی معیار سے نجات دلاتے ہیں کیونکہ جس انسانی معاشرے میں دہرے اخلاقی معیار پائے جاتے ہوں وہ عدل اجتماعی سے محروم رہتا ہے۔

ذیل میں ہم عدل اجتماعی کی چند اہم بنیادیں کا ذکر کر رہے ہیں جن کی بنیاد پر اسے استحکام حاصل ہوتا ہے

ا۔توحید باری تعالیٰ:

عدل اجتماعی کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کا اقرار کیا جائے توحید باری تعالیٰ کا اہم مطالبہ یہ ہے کہ خالق کائنات کے ساتھ کس کو شریک نہ کیا جائے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ (32)

اور تمہارے رب نے فیصلہ کیا ہے کہ اسی کی عبادت کی جائے۔

۲۔حاکمیت الٰہی:

عدل اجتماعی کی دوسری اہم بنیاد حاکمیت الٰہی ہے۔اس خطہ ارضی پر جہاں کہیں بھی انسان کا اختیار ہو وہ اللہ تعالیٰ کی حاکیت کا قیام عمل میں لانے کی از حد کوشش کرے گا۔انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے تمام معاملات صرف اللہ تعالیٰ کی ہدایت وفرمان کے تابع سرانجام دے۔اس کے حکم کو ہر جگہ اور ہر موقع پر فوقیت دے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾(33)

۳۔احترام حقوق انسان:

اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو تکریم وعزت بخشی ہے۔ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ (34)

اس تکریم وتوقیر کا تقاضا ہے کہ انسان کے مادی اور معنوی حقوق کی بجا آوری کی جائے۔اور انہیں پامال نہ کیا جائے کیونکہ انسان کے حقوق کی حفاظت وصیانت کے بغیر عدل اجتماعی کا تصور شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا ہے۔انسان کے حقوق کا احترام اور اس پر ظلم وزیادتی کی حفاظت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ عدل کے وسیع اور جامع مفہوم عدل اجتماعی ہے۔

اہم انسانی حقوق:

شریعت نے انسان کے نہ صرف بہت سے اہم حقوق کو مقرر کیا ہے بلکہ ان کی بجا آوری کرنے اور ان پر عمل کرنے کا جگہ جگہ حکم دیا ہے۔ان حقوق میں سے حق حیاۃ، حق حریت، حق ملکیت وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

۴۔مساوات:

اسلامی عدل اجتماعی کی چوتھی اہم بنیاد تمام انسانوں کو بحیثیت انسان یکساں قرار دینا ہے کیونکہ تمام انسانوں کی اصل

Marfat.com

تخلیق ایک ہے سب کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ﴾ (35)

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اسلام نے نہ صرف مساوات کے حق کو تسلیم کیا ہے، بلکہ اعلانیہ کہا ہے کہ تمام انسان برابر ہیں اگر کسی کو فضیلت ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ قوموں کی تقسیم محض تعارف کے لئے ہے مختلف نسلیں، رنگ، زبان وغیرہ درحقیقت انسان کے لئے کو معقول وجہ تقسیم نہیں ہے۔

اسلام کا یہ اپنا تصور مساوات ہے مگر صد افسوس کہ جاہلیت جدیدہ کی بنیادی اقدار میں آزادی کے بعد مساوات کا نام لیا جاتا ہے۔ برابری اور تسویہ سننے کی حد تک ایک خوبصورت الفاظ ہیں لیکن اپنی اصلیت اور حقیقت میں اسلام کی بنیادی قدر عدل کی نفی ہے۔ اور فرق مراتب کی ضد ہے۔

بعض مسلم مفکرین اور دانشور جو مغرب کی خوش چیں بن کر رہ گئے ہیں وہ اس مغربی قدر (یعنی مساوات) کو اسلامی قدر کے طور پر جانتے ہیں اور اسی حیثیت سے منوانا چاہتے ہیں۔ شرعی احکام کے بالمقابل مساوات کا لفظ بدل کر من پسند مقاصد پورے کئے جاتے ہیں اس لحاظ سے مساوات اسلام کی کوئی مستند تعبیر نہیں بلکہ احکام شریعت ہی دائمی اور حقیقی برتری رکھتے ہیں جس کے لئے عدل کی اصطلاح مناسب اور شرعی ہے۔ ان کے ہاں مساوات انسانوں کو معاشی، سماجی، سیاسی، مذہبی اور صنفی پر اعتبار سے برابری کا تصور پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مساوات کا یہ تصور ایک ظلم ہے جسے آج کی جاہلیت مساوات کا نام دیتی ہے۔ (36)

5- مال و دولت کی منصفانہ تقسیم اور مواقع

اسلام تمام انسانوں کو جدو جہد، اکتساب رزق اور مناسب مواقع کی فراہمی کو بھی معاشرے کو سونپتا ہے کہ سب کے لئے مواقع کی فراہمی کو یقینی بنائیں اسلام نے عدل اجتماعی پر فروغ کے لئے واضح اور دوٹوک پالیسی واضع کی ہے۔ غریب و نادار، مجبور اور مستحق افراد کے لئے ایسا سہارا قائم کیا ہے کہ وہ عزت کے ساتھ زندگی گزار سکیں اس مقصد کے حصول اور دولت کی گردش کو برقرار رکھنے کے لئے اسلامی عدل اجتماعی زکوٰۃ، انفاق، صدقات اور کفارات کے نظام کو مستحکم کرتا ہے۔

عدل اور اسوۂ رسول ﷺ

خاتم النبی حضرت محمد ﷺ کی شخصیت کو اللہ جل شانہ نے تمام دنیا کے کامل اور قابل اتباع نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا اور ساتھ ہی آپ ﷺ کو لوگوں کے ساتھ عدل کرنے کی تلقین فرمائی۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ خود اس بات پر شاہد ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو دنیا میں انصاف کا حکم دے کر بھیجا ہے۔ حضور ﷺ کو یہود کے مقدمات میں انصاف کا حکم دے کر اس کی ترغیب اُمت کو دی ہے۔

آپ ﷺ سے قبل دنیائے عرب جہالت و گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈبکیاں کھا رہی تھی۔ ہر طرف ظلم و ستم کا دور دورہ تھا۔ حقیقی انصاف نام کی چیز دنیا سے ناپید تھی ہر طرف عیاشی کا چرچا اور دھڑے بندی کا دور دورہ تھا، شراب، جوا، زنا اور

Marfat.com

جھوٹ جیسی برائیاں عام تھیں، اس دور میں بھی لوگ آپ کو 'الصادق و الامین، کے نام سے پکارتے اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے جو آپ کے منصف ہونے کی روشن دلیل ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں اس حکم الہی پر عمل کیا۔ امیر و غریب، خادم و آقا، گورے کالے، عربی عجمی، اور شاہ گدا اور مسلم و کافر میں کسی قسم کا امتیاز نہیں کیا اور ہر شخص کو اس کا پورا پورا حق دلایا۔ دشمنوں کو بھی ہمیشہ آپ ﷺ کے عدل پر مکمل اعتماد تھا۔ چنانچہ مشرکین مکہ اپنے گھمبیر جھگڑے آپ ﷺ کے پاس لایا کرتے تھے۔ کہ آپ ان کا فیصلہ عدل کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے فرمادیتے تھے۔

آپ ﷺ اس متاعِ بے بہا کو دنیا میں اس طرح متعارف کروایا کہ اسلام بہت جلد عام لوگوں کے دلوں میں گھر کر گیا۔ اور آپ ﷺ کے فیصلوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کئی لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثالی زندگی کے چند روشن واقعات حسبِ ذیل ہیں جو آپ کی شخصیت کے اس پہلو کو اجاگر کرنے میں معاون ثابت ہوں گے:

خانہ کعبہ کی تعمیر نو کا جھگڑا ایک تاریخی تنازعہ ہے۔ ممکن تھا کہ اہل مکہ اپنی تلواریں سونت کر ایک دوسرے کے خلاف کھڑے ہوجاتے۔ آپ ﷺ نے عدل وانصاف سے اس کو حل فرما دیا۔ اور مکہ کے ہر سردار کو اس حجر اسود کی تعمیر کا مبارک شرف ملا۔ (37)

☆ قریش اور عرب کے سرداروں نے آپ ﷺ سے کہا: ہم تمہارے پاس کیسے آ کر بیٹھیں، تمہاری مجلس میں نچلے طبقے کے لوگ بیٹھے رہتے ہیں۔ مگر وہ نبی جو رنگ ونسل، خاک وخون کے بتوں کو توڑنے کے لئے آیا تھا، اُس نے ان سرداروں کی خاطر غریبوں کو دھتکارنے سے انکار کر دیا۔ (38)

☆ دشمنوں کا اعتراف: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صفت کا اعتراف دشمن بھی کرتے تھے۔ ربیع بن خثیم سے روایت ہے کہ بعثت سے پیشتر بھی لوگ اپنے مقدمات کو نبی ﷺ کے حضور میں فیصلہ کے لئے لایا کرتے تھے۔ (39)

قیصر روم اور ابوسفیان (جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے) کے درمیان جو گفتگو ہوئی، اُس کا مکالمہ یہ تھا:

قیصر: تم نے اُسے (محمد ﷺ کو) کبھی جھوٹ بولتے سنا ہے۔ ابوسفیان: نہیں قیصر: کیا یہ نبی کبھی وعدہ کر کے پھر بھی گیا ہے؟ ابوسفیان! اب تک تو ایسا نہیں ہوا۔ اب جو معاہدہ ہوا ہے، دیکھیں وہ اس کو پورا کرتا ہے یا نہیں؟ (40)

☆ ہجرتِ مدینہ کے موقع پر: جب کافروں کے ظلم وستم حد سے بڑھ گئے تو آپ اللہ کی اجازت سے مکہ کو خیر باد کہہ دیا، اس وقت بھی لوگوں کی امانتیں آپ کے پاس تھیں۔ مدینہ چھوڑتے ہوئے حضرت علی کو حکم دیا کہ اگلے دن یہ امانتیں ان کے مالکوں کو لوٹا کر تم بھی مدینے چلے آنا۔ (41)

☆ مسجد کی تعمیر: مسجد نبوی کی جگہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی، آپ ﷺ نے اُس وقت تک اس کی بنیاد نہ رکھی جب تک اُس کی قیمت ادا نہ کر دی۔ اگر آپ ﷺ چاہتے تو بلا قیمت و اجازت مسجد تعمیر کر سکتے تھے۔ لیکن یہ پیکر عدل وانصاف کی شان کے خلاف تھا۔ (42)

☆ جنگ بدر کے قیدی حسن سلوک کے سلسلے میں سرکار دوعالم کی مساوات پسندی کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ نے اپنے

Marfat.com

اعزہ اقارب کو بھی عام قیدیوں کی طرح رکھا اور ان کے ساتھ کوئی امتیازی برتاؤ پسند نہ کیا(43) یہ واقعہ بھی آپ کی منصف مزاجی کا شاہکار ہے۔

☆ صلح حدیبیہ: ہجرت کے بعد یہود مدینہ نے میثاق مدینہ کی رو سے آپ ﷺ کو اپنے اختلافی امور کا حکم تسلیم فرمایا اور آپ ﷺ کے عدل پر پورا پورا اعتماد ظاہر کیا۔ جبکہ اہل یہود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سخت ترین دشمن تھے مگر وہ بھی آپ ﷺ کے عدل و انصاف سے خوش تھے۔(44)

☆ فتح خیبر: فتح خیبر کے بعد وہاں کی زمین نصف پیداوار کی بناء پر یہودیوں کے حوالے کر دی گئی تھی اور عبداللہ بن رواحہ کو بٹائی کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ وہ پیداوار کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دو انبار لگوا دیتے اور یہودیوں سے کہتے کہ جو حصہ چاہو اٹھا لو، یہودی کہتے: زمین اور آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں۔(45)

☆ ایک مرتبہ ایک مسلمان اور یہودی کے مابین ایک مسئلے پر جھگڑا ہوگیا تو وہ دوڑ کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے مسئلے کا کہا تو آپ ﷺ نے دونوں فریقین کے بیانات سماعت فرما کر جو فیصلہ صادر فرمایا وہ تھا تو مسلمان کے خلاف مگر انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتا تھا۔(46)

☆ فاطمہ بنت محمد بھی قانون سے مستثنیٰ نہ تھیں قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں پکڑی گئی، وہ ایک امیر گھرانے کی خاتون تھی۔ سردارانِ قریش نے حضرت اسامہؓ کو بارگاہ رسالت میں سفارش کے لئے بھیجا جنہیں آپ بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ آپ ﷺ اس بات کو سن کر سخت برہم ہوئے آپ ﷺ کا چہرہ انور سرخ ہوگیا اور آپ ﷺ نے وقت فرمایا:۔ اللہ جل شانہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔(47)

یہ ہے انصاف کا وہ عالی قدر نمونہ کہ اگر مجرم اپنی اولاد بھی ہو تو اسے معاف نہ کیا جائے! چنانچہ آپ ﷺ نے انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اس فاطمہ جو آپ ﷺ کی پھوپھی زاد کی بیٹی تھی کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔

☆ جنگِ حنین کے قیدی جنگ حنین میں بہت سارا مال و دولت کے علاوہ چھ ہزار قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے ''آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے اور بنو عبدالمطلب کے قیدیوں کو بلا کسی معاوضہ کے رہا کرتا ہوں۔ انصار و مہاجرین نے کہا: ہم بھی اپنے قیدیوں کو بلا کسی معاوضہ کے آزاد کرتے ہیں۔ اب بنو سلیم و بنو فزارہ رہ گئے۔ نبی رحمت نے انہیں بلایا اور ہر ایک قیدی کی قیمت چھ اونٹ اپنی طرف ادا کر کے انہیں رہائی دلا دی۔(48)

یہ واقعہ جہاں حضور ﷺ کی رحم دلی کی گواہی دیتا ہے، وہاں اس حقیقت کو بھی آشکار کرتا ہے کہ آپ ﷺ کی منصف پسند طبیعت کو یہ ہرگز گوارا نہ تھا کہ چند قیدی تو اپنے رشتہ داروں کی وجہ سے چھوٹ جائیں اور چند کو بدستور قیدی رکھا جائے۔

☆ مسلمان اور یہودی کا مقدمہ: ایک منافق (جو بظاہر مسلمان تھا) اور یہودی کے درمیان کوئی تنازعہ تھا، دونوں حصولِ انصاف کی خاطر حضور اکرم کے پاس چلے گئے۔ حضور ﷺ نے دونوں کے دلائل سننے کے بعد یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

☆ مالِ غنیمت کی تقسیم: مختلف جنگوں سے آپ کے پاس بے شمار مال و متاع آیا کرتا تھا لیکن آپ نے کبھی بھی یہ کوشش نہیں کی کہ میں مقررشدہ حصہ سے زیادہ مال حاصل کرلوں۔ یہ بات بھی آپ کے انصاف کو اجاگر کرتی ہے۔(49)

Marfat.com

☆ عقبہ بن عامر کے ہمراہ سفر: ایک مرتبہ آپ سفر میں تھے، حضرت عقبہ بن عامر آپ کے ہمراہ تھے لیکن اونٹ ایک ہی تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد آپ نے عقبہ سے فرمایا: "اب تم بیٹھ جاو میں پیدل چلوں گا، حضرت عقبہؓ ہچکچائے کہ نبی ﷺ تو پیدل چلیں اور وہ خود اونٹ پر سوار ہوں۔ اس بات کو انہوں نے بے ادبی جانا، لیکن جب آپ نے اصرار فرمایا اور حکم دیا تو عقبہؓ نے حکم کی تعمیل کی۔(50) یہ اس عدل وانصاف کی اعلیٰ مثال ہے جو آقا و غلام، ادنیٰ واعلیٰ کی تفریق کو ختم کر دیتا ہے۔

☆ صحابہؓ کے برابر کام کرنا: مسجد قبا کی تعمیر ہو یا خندق کی کھدائی، آپ نے دیگر صحابہ کرامؓ کے دوش بدوش اس میں حصہ لیا اور کسی بھی موقعہ پر دامن انصاف کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ چند صحابہ کے ہمراہ سفر کر رہے تھے، راستے میں کھانے پکانے کی ضرورت پڑی تو تمام صحابہؓ نے آپس میں کام بانٹ لیا۔ صحابہؓ نے کہا: آپ کے حصے کا کام بھی ہم کریں گے لیکن آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔(51)

☆ اولاد کے درمیان عدل: "ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے اپنے ایک بیٹے کو غلام ہبہ کیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر چاہا کہ اس معاملہ پر آپ کی گواہی بھی ہو جائے۔ آپ نے پوچھا: کیا دیگر بچوں کو بھی ایک ایک غلام دیا ہے؟ عرض کیا: نہیں تو فرمایا: میں تو ظلم کا شاہد نہ بنوں گا، اسے واپس کردو" (52)

اس مکالمہ سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ جو شخص وعدہ خلافی نہ کرے اور جھوٹ نہ بولے، وہ اپنے پرائے سے انصاف کرنے میں کیا کسر اٹھا رکھے گا۔

☆ حضور ﷺ کا اپنے آپ کو بدلے کے لیے پیش کرنا: ایک انصاری صحابی اُسید بن حضیرؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ ایک روز وہ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے۔ ان کا آپس میں مزاح تھا۔ وہ اس وقت انہیں ہنسا رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں ایک چھڑی سے پیچھے ہٹایا۔ انہوں نے کہا: مجھے بدلہ دیجئے۔ آپ نے فرمایا: مجھ سے بدلہ لو۔ انہوں نے کہا: آپ کے (بدن) پر قمیض ہے اور مجھ پر قمیض نہ تھی۔ تو نبی کریم انے اپنی قمیض کچھ اٹھائی۔ انہوں نے حضور کو سینے سے لگا لیا اور آپ کا پہلو چومنے لگا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں تو یہی چاہتا تھا۔(53)

آنحضرت ﷺ جنگ بدر کے لئے صف آرائی کر رہے تھے۔ حضرت سواد بن غزیہ انصاری صف سے آگے نکلے ہوئے تھے۔ آپ نے ایک تیر کی لکڑی سے ان کے پیٹ کو ٹھوکا دیا اور فرمایا۔ اِستوِ یا سواد "اے سواد! برابر ہو جاؤ" اس پر سواد نے حضور ﷺ سے قصاص طلب کیا۔ آپ نے فوراً اپنا شکم مبارک ننگا کر دیا اور فرمایا "قصاص لے لو" (54)

☆ فتح مکہ: جب مکہ فتح ہوا تو آپ کی راہ میں کانٹے بچھانے والے، آپ پر اوجھریاں ڈالنے والے، آپ کے قتل کی سازشیں کرنے والے آپ کو تکلیفوں اور اذیتوں سے دوچار کرنے والے ہیں۔ سب سر جھکائے ہوئے کھڑے تھے۔ آپ نے فرمایا:

"لاتثریب علیکم و انتم الطلقاء" (55) "آج تم پر کوئی سرزنش نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو"

☆ بیت اللہ کی چابیاں: فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے عثمان بن طلحہ سے چابی لی اور بیت اللہ کا دروازہ کھول کر بیت اللہ کو بتوں سے پاک کیا۔ حضرت عباس نے حضور ﷺ سے کہا کہ "یہ چابی بنو ہاشم کو دے دی جائے" لیکن حضور آپ ﷺ نے چابی عثمان بن طلحہ کو لوٹا دی جو مدت سے بیت اللہ کا کلید بردار چلا آ رہا تھا۔(56)

Marfat.com

☆ خطبہ حجۃ الوداع:۔ اس تاریخی و بے مثال خطبہ میں جہاں آپ ﷺ نے ذات پات، رنگ ونسل کے بتوں کو پاش پاش کیا، عورتوں اور غلاموں سے نیک سلوک کا حکم دیا۔ سود اور زمانہ جاہلیت کے تمام جھگڑوں کو ختم فرمایا اور جاہلیت کا غرور اور انساب کی بنا پر برتری کے دعوے کو باطل قرار دیا، وہاں آپ ﷺ نے تمام طبقوں کے ساتھ عدل وانصاف کرنے کا حکم دیا۔(57)

☆ بیویوں سے سلوک: آپ نے عدل و انصاف کے دامن کو اپنے خانگی معاملات میں بھی عدل قائم رکھا۔ آپ نے تقریباً ہر عمر کی عورتوں سے شادی کی اور اُن سے مساوی سلوک کرتے رہے اور اس طرزِ عمل کو آخری دم تک نبھاتے رہے۔ جب آخری وقت آپ حضرت عائشہ کے حجرہ میں تشریف لائے تو اس سے پیشتر آپ نے تمام ازواجِ مطہرات سے اجازت حاصل کی تھی۔(58)

☆ وصال سے چند روز قبل: دنیا میں آج تک ایسا کوئی عادل نہیں گزرا جو یہ بات وثوق سے کہہ سکے کہ اس نے کبھی کسی سے ناانصافی نہیں کی اور اس پر اپنے آپ کو محاسبہ کے لئے پیش کرتے ہوئے فرمایا۔ ''اگر کسی شخص کا حق مجھ پر ہو تو بتا دے'' (59)۔

درج بالا واقعات جہاں آپ ﷺ کی منصف مزاجی و امانت داری کی عکاسی کرتے ہیں۔ وہاں اس بات کا زندہ و جاوید دلائل ہیں کہ آپ نے ہر حال میں طالبانِ عدل سے انصاف کیا۔

حرفِ آخر:

دنیا کی تاریخ بالعموم اور اسلامی تاریخ بالخصوص اس حقیقت پر شاہد ہے کہ مسلمان قوم کو من حیث القوم نادہ نوش، فسق وفجور اور فحاشی وبدکاری کبھی راس نہیں آئی اور اس کا انجام ہمیشہ ہولناک ہوا، پاکستان کی پاک سرزمین جو حق تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی، اس کا تقاضا یہ تھا کہ یہاں عدل وانصاف کا دور دورہ ہوتا، پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا، تقویٰ وطہارت کی فضا قائم ہوتی، راعی اور رعایا اسلام کا سچا نمونہ پیش کرتے اور یہ مملکتِ خداداد دورِ جدید میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی علمبردار ہوتی، لیکن آج نوجوان نسل کے قلوب و اذہان کی تباہی میں سب سے خطرناک کردار لادینی، گھریلو اور تعلیمی ماحول، والدین اور اساتذہ کی اخلاقی کجروی، ملکی سیاسی حالات، سیاستدان اور حکمرانوں کا کھلے عام بے حیائی اور فحاشی کے مراکز کی حوصلہ افزائی، ملکی اور غیر ملکی پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا جو کردار ادا کر رہے، اس کی وجہ سے نوجوانانِ ملت کی کثیر تعداد انفرادی اور اجتماعی زندگی میں عریانی، فحاشی اور بے حیائی کے طوفان کی زد میں ہے۔ غیر ملکی حملوں نے ہمیں اپنے گھروندوں میں بھی محفوظ نہیں رہنے دیا۔ انہوں نے بارہا ہمارے محبوب ﷺ کی ذات اقدس اور قرآن پر توہین آمیز حملے کئے، ہماری حکومتوں کو پامال کیا، ہماری بیٹیوں کو سرعام رسوا کیا۔ جب ہم اپنے اردگرد نظر دوڑا کر دیکھتے ہیں تو انسانیت تڑپتی اور سسکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ آج منصف کی آنکھوں میں زر و جواہر کی خاک ڈال کر اندھا کر دیا جاتا ہے۔ اس کے ضمیر وقلم کو سفارش و رشوت کی زنجیروں سے جکڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر رہے۔ حصولِ انصاف کا طریقہ بھی فرسودہ اور ناکارہ ہے۔ آج ہم ذلیل وخوار کیوں ہیں اس کا ایک ہی جواب ہے کہ ہم نے عدل و انصاف کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ افسوس صد افسوس کہ: ''خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم''۔

عالم اسلام کو معاشی، معاشرتی، اخلاقی، علمی، سیاسی اور عسکری لحاظ سے عدل اجتماعی کے فقدان کی وجہ سے ایک تباہی اور بربادی کا سامنا ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ انسان بحیثیت مجموعی انفرادی، اجتماعی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر عدل پر کاربند

Marfat.com

ہوکر امن عالم کی خاطر ظلم و بربریت، سفاکیت، وحشت، دہشت گردی، فحاشی اور عریانی کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کرے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ عالم اسلام کے بے لوث اور مخلص، دانشور فضلا تعلیم یافتہ علماء ومشائخ اور ایک اہل اور دیانتدار آفاقی سوچ کی حامل قیادت متفق اور متحد ہو کر آگے بڑھ کر رائے عامہ کو متاثر کرنے والے افراد کو موثر انداز میں ابلاغ کر کے اہل عالم کو عدل اجتماعی سے روشناس کروائیں اور عدل اجتماعی کا مضبوط و مربوط نظام دے کر امن سے رہنے کا بنیادی حق فراہم کریں۔

آج اگر ہم نے اپنا ماضی دہرانا ہے تو یہ اسی صورت ممکن ہوگا جب ہم عدل وانصاف پر کاربند ہوجائیں گے، انفرادی طور پر ہماری یہ ڈیوٹی ہے کہ ہمیں جو منصب بھی دیا جائے ہم اس سے انصاف کریں۔وہ فیصلہ کریں جو ہمارے مفادات سے تو ٹکرائے مگر کتاب اللہ سے نہ ٹکرائے...... اسی میں ہماری بقا ہے۔

ملک عزیز پاکستان میں جاری دہشت گردی بہت بڑی حد عدل اجتماعی قائم کر کے ختم کیا جا سکتا ہے آج ہمارے معاشرے کو اس عدل وانصاف کی ضرورت ہے جس کی طرح نبی ﷺ اور دیگر خلفائے راشدین وصحابہ کرام نے طرح ڈالی تھی!

اللہ تعالی سے دعا ہے ہمیں سیرت رسول ﷺ پر عمل کرنے، اپنے معاشرے میں عدل وانصاف قائم کرنے، اور عدل وانصاف کو خود پر لاگو کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حوالہ جات

1- لسان العرب، ابن منظور، ص:11/430، دار صادر...... 2-لسان العرب، ابن منظور، ص:11/430، دار صادر...... 2-کلیات العلوم، ابو البقاء' فصل العین، ص:466، دار المعرفۃ بیروت...... 3-مفردات الفاظ القرآن، راغب الاصفہانی، ص:552، دار القلم دمشق...... 4-التعریفات، علی بن محمد الجرجانی، ص:191، دار الکتاب العربی، بیروت...... 5-اسم اللہ العدل ومغزاہ لدی الامام النورسی، علی محی الدین، ص:4، جامعہ قطر الدولۃ 1428ھ...... 6-تہذیب الاخلاق، جاحظ، ص:28، دار المعرفۃ، بیروت، الاخلاق والسیر، ابن حزم، ص:81، دار المعرفۃ، بیروت، القاموس المحیط، فیروز آبادی، ص:103، دار المعرفۃ، بیروت، الصحاح فی اللغۃ، الجوہری، ص:5/1760، دار صادر، بیروت...... 7-سورۃ الحدید:25...... 8-سورۃ النحل:9...... 9-العدالۃ الاجتماعیہ فی القرآن، الشیخ عبداللہ احمد الیوسف، ص:2، مجلّہ البصائر...... 10-سورہ یٰسین:40...... 11-سورہ حم السجدہ:53...... 12-سورۃ الانبیاء:22...... 13-سورۃ الذاریات:21...... 14-سورۃ بنی اسرائیل:61...... 15-سورۃ الحدید:25...... 16-سورۃ الاعراف:29...... 17-سورۃ النساء:135...... 18-سورۃ المائدہ:8...... 19-سورۃ الانعام:152...... 20-سورۃ النساء:3...... 21-سورۃ الانعام:152...... 22-سورۃ الممتحنۃ:8...... 23-صحیح بخاری، کتاب الجماعۃ والامامۃ، باب من جلس فی الحدیث، رقم 629، دار السلام ریاض...... 24-صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، رقم الحدیث (1827)، دار السلام ریاض...... 25-صحیح بخاری، کتاب القضاء، رقم الحدیث (2553)...... 26-جامع الترمذی، رقم الحدیث، (1329)، دار السلام ریاض...... 27-شعب الایمان، للبیہقی، رقم الحدیث (6069)، مصطفٰی البابی، الحلبی...... 28-سورۃ الانبیاء:127...... 29-سورۃ البقرہ:282...... 30-سورۃ الشوریٰ: 38...... 31-سورۃ المائدہ:8...... 32-سورۃ الاسراء:23...... 33-سورۃ الاسراء:70...... 34-سورۃ الروم:23......

Marfat.com

35-سورۃ الحجرات:13...... 36-اس پر مزید گفتگو کے لیے دیکھئے مساوات یا عدل (شرع) نقطہ نظر، محمد عمران صدیقی، محدث، ص:9...... 37-سورۃ المائدہ:24...... 38-السیرہ النبویۃ، ابن ہشام،ص:1/192، مصطفی البابی، الحلبی...... 39-تفسیر ابن کثیر، ص:1/451، بیروت لبنان...... 40-کتاب الشفاء، ص:51، دار الکتب علمیہ...... 41-صحیح بخاری، رقم الحدیث614...... 42-السیرہ النبویۃ، ابن ہشام،ص:1/482...... 43-زاد المعاد، ابن قیم، ص:2/56، المصریہ1347...... 44-خلاصۃ السیر، امام طبری،ص:136، ولی پرنٹنگ، دہلی...... 45-الرحیق المختوم،صفی الرحمٰن مبارکپوری، ص: 465، المکتبہ السّلفیہ...... 46-رحمۃ للعالمین، منصور پوری، ص:134...... 47-صحیح بخاری، رقم الحدیث:611...... 48-الروض الانف، السہیلی،ص:2/412، الجمالیہ بالمصر...... 49-السیرہ الحلبیہ، ابن برہان الدین، الحسینیہ، المصر ص:56...... 50-السیرہ النبویہ، 1/411...... 51-ایضاً1/311...... 52-ایضاً1/356...... 53-الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ص:2/44...... 54-ایضاً:2/56...... 55-الروض الانف، السہیلی،ص:2/42، الجمالیہ بالمصر...... 56-ابن ہشام،ص:2/27...... 57-ایضاً:2/41...... 58-صحیح بخاری، رقم الحدیث، 771...... 59-السیرۃ النبویہ، 2/66۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

پروفیسر نور الدین جامی- ملتان

آج پوری انسانیت پریشانی کے عالم میں ہے سائنسی ایجادات واختراعات بھی عصر حاضر کے مسائل کو حل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔ جرائم میں دن بدن اضافہ ہورہا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس دنیامیں وحشی درندے آباد ہیں جن پر کبھی شائستگی وتہذیب، علم وحکمت اور نظم وضبط کی پرچھائیاں بھی نہیں پڑیں۔ آج کا انسان اپنی خواہشات نفسانی کا غلام بن کر رہ گیا ہے۔ یہ خواہشات انسان کی ہوس کو بھڑکا کر ایک نہ مٹنے والی بھوک اور نہ بجھنے والی پیاس میں تبدیل کردیتی ہے۔ انسان کو لذت وراحت کی کسی منزل پر قرار نہیں وہ عیش وآرام کے کسی درجہ پر قائم نہیں۔ مادیت پرستی کا بھوت اس کے اعصاب پر مسلط ہے وہ دنیا طلبی کے جنون میں اسی قدر مبتلا ہوچکا ہے کہ اس کے نزدیک صرف اپنی ہوس کی تسکین کے علاوہ زندگی کا کوئی مقصد نہیں اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے اسے بدتر سے بدتر راستہ اختیار کرتے ہوئے بھی شرم نہیں آئی۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام دین عدل ہے، عدل اسلام سے الگ کسی چیز کا نام نہیں بلکہ بعض اعتبارات سے اسلام کے اصل مزاج کا سب سے بڑا اشارہ عدل ہی ہے اور دین کا جو تصور قرآن وسنت نے پیش کیا ہے اس کے امتیازی خدوخال عدل وانصاف کے آئینہ میں سب سے زیادہ واضح شکل میں نظر آتے ہیں۔ عدل وانصاف کو اسلام میں نہ صرف زندگی کی ایک ابدی اساسی قدر ٹھہرایا گیا ہے جو فکروشعور کے ہر زاویے سے لے کر منظم زندگی کے ہر گوشے میں جاری وساری ہے بلکہ قرآن کریم سے یہ حقیقت ابھرتی ہے کہ تکوین اور تشریع دونوں نظاموں میں جملہ قوانین فطرت اور حیات انسانی کی اساس وبنیاد عدل ہی ہے جو غیر متبدل سنت اللہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ گویا عدل وانصاف وہ بنیادی انسانی قدر اور عالمگیر صداقت ہے جس پر انسانی معاشرہ بلکہ آسمان سے زمین تک پھیلا ہوا دنیا کا یہ سارا کارخانہ قائم ہے۔ اگر یہ ختم ہوجائے تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہوجائے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾(۱)

"اللہ کی گواہی ہے کہ کوئی معبود نہیں ہے بجز اس کے اور فرشتوں اور اہل علم کی (بھی گواہی یہی ہے) اور وہ عدل سے انتظام رکھنے والا معبود ہے۔"

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ نظام عالم محض اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کے بل بوتے پر قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عدل وانصاف کا قیام تمام آسمانی شریعتوں کا نصب العین رہا ہے، چنانچہ اسلامی شریعت کا بنیادی مقصد بھی اعلیٰ معاشرتی زندگی کی تنظیم کے علاوہ نفوس کی پاکیزگی کی خاطر صفات عدل وانصاف کی حفاظت ہے۔ ارشاد خداوندی ﴿اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾(۲) "انصاف کرتے رہو کہ وہ تقوی سے بہت قریب ہے۔" نے وضاحت کردی کہ تقوی جو تمام اسلامی زندگی کی

Marfat.com

روح اور اہل ایمان کے ہر قول وفعل کے لئے کسوٹی ہے، عدل کے بغیر پیدا ہو ہی نہیں ہو سکتا کہ عدل اور تقوے میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور عدل ہی تقویٰ کی ضمانت ہے۔ جس کی تکمیل ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے۔ جیسا کہ ﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ﴾(۳) " آپ کہہ دیجیے کہ میرے پروردگار نے تو عدل کا حکم دیا ہے"، سے صاف واضح ہے۔

چنانچہ عدل کی بنیادی روح کا جائزہ لینے کے بعد اور مزید گفتگو سے پہلے اسلامی تصور عدل کے نمایاں خدوخال کی مختصر وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

اسلامی تصور عدل کے نمایاں خدوخال

عدل ایک وسیع المعنی اصطلاح ہے۔ اس کا مفہوم ہے توازن، تناسب، مساوات، ہم آہنگی، انصاف، افراط وتفریط سے اجتناب اور لوگوں کے تعلقات ان بنیادوں پر قائم کرنا جن سے ہر فرد کو اس کا جائز حق مل جائے۔ نیز یہ کہ جو کچھ ہم سوچیں، کہیں یا کریں اس میں سچائی کا میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے۔ قرآن کریم میں عدل کے مترادفات قسط، وسط، میزان، اعتدال، قسطاس، مستقیم، تقدیر اور ان کے مشتقات وار ہوئے ہیں اور یہ سبھی معانی اسلامی نظریہ عدل کی ماہیت وترکیب میں شامل ہیں۔

اسلامی تصور عدل دنیا کے تمام افکار ونظام ہائے زندگی اور جملہ دساتیر وقوانین کے مقابلے میں ہر اعتبار سے جامع، ہمہ گیر اور رارفع واعلیٰ ہے جس کے نمایاں خدوخال حسب ذیل ہیں۔

بعثت انبیاء کی غایت

سلسلۂ رشد وہدایت اور بعثت انبیاء کی غایت الغایات عدل وانصاف کا قیام واستحکام ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾(۴)

"ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی ہوئی چیزیں دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو میزان کو نازل کیا تا کہ لوگ اعتدال پر قائم ہیں۔"

اس آیت میں لوہے سے مراد سیاسی قوت ہے اور کتاب ومیزان وہ معتدل نظام ہے جس کے تحت اجتماعی عدل قائم ہوتا ہے۔

سیرت وکردار کی تعمیر

انسانی زندگی میں بدی کی جملہ قوتوں کو شکست دے کر نیکی اور خیر کار جحان ابھارنے اور فطرت انسانی کے حقیقی مضمرات وامکانات کو بالفعل فطرت میں ڈھال کر سیرت وکردار کی تعمیر کرنے میں عدل کا کردار بنیادی ہے کہ عدل ہی تمام نیکیوں اور محاسن اعمال کی اساس ہے۔ عدل وتوازن کا جذبہ انسان کو ایسے سانچے میں ڈھال دیتا ہے کہ اس کے لئے ہر برائی اور بے حیائی سے اجتناب اور کنارہ کشی ممکن ہوجاتی ہے اسی لئے اخلاقی اور معاشرتی احکام واوامر کے سلسلہ میں سب سے پہلے عدل کا ذکر فرمایا ہے۔

اجتماعی امور میں عدل کا تصور

اسلام میں عدل وانصاف کا دائرہ صرف اجتماعی امور اور باہمی معاملات تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ ہر شعبہ زندگی میں

Marfat.com

اور انسانی کردار کی ہر سطح پر عدل کا نفاذ چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں عدل کی مجمل تعلیم پر اکتفانہیں کیا گیا بلکہ انفرادی سے لے کر اجتماعی زندگی تک اور گفتار سے لے کر کردار، اخلاقی، روحانی، عائلی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور قانونی زندگی کے ہر پہلو میں عدل قائم کرنے کی تلقین کی ہے۔

شرعی احکام اور فقہی قوانین کی اساس

شرعی احکام اور فقہی قوانین کی اساس وبنیاد عدل ہی ہے اور اسی عدل کی نسبت سے شریعت اسلامی میں اخلاق سے لے کر سیاست، معیشت اور معاشرت تک تمام شعبہ ہائے زندگی مل کر ایک وحدت وکل بناتے ہیں۔ علامہ ابن القیم کہتے ہیں:

انّ اللّٰہ ارسل رسلہ وانزل کتبہ لیقوم الناس بالقسط وھوالعدل الذی قامت بہ الارض والسماوات فاذ اظھرت امارۃ العدل واسفر وجھہ بأی طریق کان فثم شرع اللّٰہ ودینہٗ۔(۵)

یعنی نظام عالم کی بنیاد عدل ہی بعثت کا مقصود بھی ہے اور جس بھی ذریعے اور طریقے سے عدل کا تحقق ہو، وہی شریعت اور دین قرار پائے گا۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر مصطفیٰ زرقا کا یہ بیان قابل غور ہے کہ ''اسلام کی تین بنیادیں ہیں۔

۱۔ عقل انسانی کی خرافات ولغویات سے آزادی۔

۲۔ فرد کی روحانی، نفسیاتی اور اخلاقی اصلاح

۳۔ معاشرہ میں قیام عدل وانصاف اور استقرار امن وامان

مذہبی تفریق سے بھی بالاتر

اسلام میں عدل وانصاف کی حدود اس قدر وسیع ہیں کہ دینی امتیاز اور مذہبی تفریق سے بھی بالاتر رہتے ہوئے زندگی کے ایک عالمگیر اور آفاقی اصول کی حیثیت سے اس کی تکمیل کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾(۶)

''اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر نہ آمادہ کردے کہ تم (اس کے ساتھ) انصاف ہی نہ کرو۔''

عدل کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اور سب سے بڑا فتنہ کسی قوم کی دشمنی اور عداوت ہے اور اس راہ میں سے زیادہ کٹھن منزل وہ ہے جب عدل کی زد اپنی ذات پر پڑتی ہو لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عدل وانصاف کی ترازو ایسی صحیح اور برابر ہونی چاہیے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اس کے دونوں پلڑوں میں سے کسی پلڑے کو جھکا نہ سکے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَ لَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا وَ اِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا﴾(۷)

''اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور اللہ کے لیے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی از خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو (فریق معاملہ) خواہ

Marfat.com

مال دار ہو یا غریب تو اللہ ان کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے لہٰذا اپنی خواہشوں کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے"

یوں اسلام نے انصاف اور مساوات قائم کر کے ایک طرف اخوت دینی کی بنیاد رکھی اور دوسری طرف اخوت انسانی کی۔ گویا اسلامی ریاست نظری اور عملی لحاظ سے اجتماعی عدل کی بہترین مثال ہے۔ مسلمان معاشرے اسی لیے فساد کا شکار ہو گئے کہ ان کی ریاستیں عدل اجتماعی کے قیام کو نظر انداز کر رہی ہیں۔ اسلامی ریاست میں قانون کی حکمرانی نہ ہو تو اسلامی ریاست کہلانے کی مستحق نہیں۔

قیام عدل اور حکومت کی بنیادی ذمہ داری

یونانی حکماء سے لے کر حال کے سیاسی مفکرین تک سبھی اس بات پر متفق ہیں کہ مدنی الطبع انسان کے لئے ایک ہیئت اجتماعیہ کی ضرورت اور اجتماعی زندگی کے نظم کا قیام بھی ہے۔ بہر حال انسان ایک قوت قاہرہ کا محتاج ہے جسے ریاست کہتے ہیں کیونکہ فطرت انسانی جلب منفعت اور دفع مضرت کی خاطر ظلم وتشدد اور بغاوت وسرکشی کے کثیف جذبات سے آلودہ بھی ہے اور اپنے حقوق کی حفاظت اور سلامتی کی خواہاں ہونے کے باعث عدل وانصاف کی متقاضی بھی۔ پس عملی زندگی کا تجربہ اور انسانی معاشرہ کی بقاء وترقی کے لئے حکومت کا وجود ناگزیر ہے جس کا اولین فریضہ عدل وانصاف کی اساس پر تمدن کی تنظیم ہے کہ عدل ہی پر جماعت اور حکومت کا نظام قائم ہے اگر یہ نہ ہو تو جماعت اور حکومت کا شیرازہ بکھر جائے اور کسی کی جان ومال اور آبرو سلامت نہ رہے۔

اجتماعی زندگی گزارنا انسان کی فطری مجبوری ہے اور زندگی کی گاڑی چلانے کے لئے مشارکت وتعاون لازمی ہے جس کا نتیجہ باہمی لین دین اور معاملات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، معاملات کا تقاضا ہے کہ ان کے لئے عدل وانصاف کے قوانین متعین ہوں، یوں قانون اور حکومت کی بنیاد درحقیقت عدل ہی پر ہے۔

ارسطو نے کیا سچ کہا ہے کہ "العدل قوام الملك" یعنی عدل حکومت وسلطنت کی عمارت کا ستون ہے اور حضرت علیؓ کا یہ ارشاد تو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ "الملك يبقى مع الكفر ولا يبقى مع الظلم" یعنی کفر پر مبنی حکومت تو قائم وباقی رہ سکتی ہے۔ مگر ظلم وناانصافی کے ساتھ حکومت ہرگز باقی نہیں رہ سکتی۔(۸)

دین فطرت اسلام نے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی ترتیب وتہذیب اور نشو وارتقاء کے لئے جو ادارے قائم کئے ہیں ان میں ریاست کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، اسلامی زندگی کے لئے اسلامی حکومت کے ناگزیر ہونے پر امت کا اجماع ہے، ارشاد نبوی ہے:

الاسلام والسلطان اخوان توامان لا يصلح احدهما الا بصاحبهما فالاسلام اس والسلطان حارس ومالا أس له يهدم وما لا حارس لهٗ ضائع.(۹)

یعنی اسلام اور سلطان (خلیفہ) "جڑواں بھائی ہیں جو اپنی بقاء کے لئے ایک دوسرے کے

Marfat.com

محتاج ہیں، اسلام (معاشرہ کی) بنیاد مہیا کرتا ہے اور سلطان اس کی حفاظت کرتا ہے۔ پس جس شئے کی بنیاد نہ ہو وہ منہدم ہوجاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ ضائع ورائیگاں۔

اسلام میں دنیا دین سے الگ نہیں اور وہ دونوں کے امتزاج سے عمرانی اساس پر ریاست کا ایک مربوط نظام پیش کرتا ہے جس کی روحانی بنیاد اگر خدا کی عبادت اور منع شرک متعین ہوتی ہے تو غایت نظامِ تمدن کی استواری کے لئے عدل وانصاف کا قیام قرار پاتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ریاستی اقتدار کے مفہوم کو ظاہر کرنے کے لئے جتنے بھی الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً استخلاف فی الارض، تمکن فی الارض، وراثتِ الٰہی، امر، حکم، امانت وغیرہ ان سب میں اختیار واقتدار سے زیادہ عدل گستری کا مفہوم اور روح پائی جاتی ہے اور لفظ حکم اور حکومت کے اصل لغوی معانی ''القضاء بالعدل'' ہی کو حکومت وریاست کی غایت قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ امام ابویوسفؒ نے حکومت کے تنظیمی اصولوں کی تہ میں بندگان خدا میں نفاذ عدل کا تصور دیا اور اسے دین کا ایک حصہ ٹھہرایا اور ابن تیمیہ نے ''السیاسۃ الشرعیۃ'' میں امیر کا سب سے بڑا فرض یہ بتایا ہے کہ وہ امانت کو اصل لوگوں کے سپرد کرے اور خدا ورسول ﷺ کے احکام کے مطابق عدل قائم کرے۔ ارشاد خداوندی:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾(۱۰)

''بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔''

اس سے عیاں ہے کہ اسلامی ریاست کا نصب العین احکام خداوندی کے تحت دین ودنیا کے معاملات میں معاشرے کے امور کا انتظام، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تنفیذ اور مختلف طبقات انسانی کے درمیان عدل وانصاف کے اصول پر مساوات اور خوشحال زندگی کے نظم کا قیام ہے۔

عدل قرآن کریم کی رو سے اللہ تعالیٰ کا اہم ترین وصف ہے، جسے قرآن میں کئی بار مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ﴾ میں عدل قولی کی طرف اور ﴿وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ﴾ میں عدل عملی کی طرف اشارہ ہے اور ''وتمت كلمة ربك صدقا وعدلا'' میں دونوں یکجا ہیں۔ پس ''عدل'' اللہ تعالیٰ کی نمایاں صفت ہے اور انسان اس کائنات ارضی میں خدا کا خلیفہ ہونے کے ناطے اس امر کا پابند ہے کہ نظم حیات میں خدا کی اس صفت کی بھرپور عکاسی کا اہتمام کرے کہ خلافت کا منشا یہی ہے ارشاد خداوندی۔

﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾(۱۱)

''اے داؤد ہم نے بنایا تمہیں خلیفہ زمین میں لہٰذا فیصلہ کیجئے لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ۔''

اس آیت میں استخلاف فی الارض کی غرض وغایت حکومت بالحق یعنی بالعدل بیان کی گئی ہے۔ پھر اسلامی تصور ریاست کی رو سے حکومت وامامت کی حقیقت صاحب شریعت ﷺ کی نیابت وخلافت ہے جیسا کہ الماوردی، ابویعلی، ابن خلدون وغیرہ سبھی مفکرین اسلام نے اس کی تصریح کی ہے اور قرآن کریم سے یہ اظہر من الشمس ہے کہ بعثت ورسالت کا مقصود قیام

Marfat.com

عدل وانصاف ہے۔ پس نبوت کی وراثت و نشینی میں حکومت اسلامیہ کا اولین فریضہ بھی اسی مقصود بعثت کی تکمیل ٹھہرتا ہے۔

یوں جملہ سیاسی نظریات اور اسلامی تصور خلافت کی روشنی میں، ہیئت عمرانیہ انسانیہ کی تکوینی سنن الٰہیہ سے مطابقت پذیری اور ابدی الوہی اقدار زندگی کے مطابق صورتگری کے لئے اساس وبنیاد اور غایت و منتہیٰ 'عدل' ہی ہے جو ریاست کا اساسی وظیفہ ٹھہرتا ہے۔

عدل کے بنیادی تعارف کے بعد جہاں تک اسلام میں عدل اجتماعی کا تصور ہے تو اجتماعی عدل کسی محدود معنی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرہ میں داخل ہیں۔ وہ فکر اور عمل، ضمیر اور وجدان سب پر چھایا ہوا ہے۔ اس کا انحصار معاشی قدروں پر نہیں۔ وہ وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے ساری مادی قدروں تک محدود نہیں۔ وہ مادی، معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوش گوار امتزاج کا نام ہے۔

اسلام میں عدلِ اجتماعی کا نظام تین بنیادی اصولوں پر مبنی ہے:

۱۔ مطلق اور مکمل آزادی ضمیر

۲۔ کامل انسانی مساوات

۳۔ ٹھوس اور پائندار اجتماعی تکافل۔

آزادی ضمیر

اجتماعی عدل کا کوئی تصور اس وقت تک پوری طرح شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا نہ اسے اس وقت تک قیام وبقا نصیب ہوسکتا ہے جب تک کہ اس کے پیچھے اس عدل کی اجتماعی ضرورت کا شدید احساس اور انفرادی استحقاق کا گہرا شعور نہ موجود ہو۔ پھر یہ یقین بھی ضروری ہے کہ اسی طرح ایک اعلیٰ انسانی مقصد تک پہنچنا ممکن ہوسکے گا۔ ساتھ ہی مادی حالات ایسے ہونے چاہئیں کہ فرد اس نظام عدل سے وابستہ رہنے، اس کی حفاظت کرنے اور اس کی خاطر تکلیفیں برداشت کرنے پر آمادہ ہوجائے۔ فرد کو اس ضرورت کا احساس نہ ہو اور وہ اس شعور کو ہمیشہ تازہ رکھنے کا عملاً اہتمام نہ کرے تو محض قانون سازی کے ذریعہ اس طرح کا عدل قائم کرنا مشکل ہے۔ ایسی قانون سازی اگر عمل میں بھی آجائے تو سماج ان قوانین کے برقرار رکھے اور انہیں پوری طرح نافذ کرنے پر قادر نہ ہوسکے گا۔ ضروری ہے کہ افراد کے داخل میں ایسے عقائد موجود ہوں جو اس اجتماعی عدل کی تائید کریں، اور خارجی حالات بھی ایسے ہوں کہ اس کا قیام عملاً ممکن ہوسکے۔ اس نکتہ کو اسلام اول دن سے سمجھتا ہے اور اسے اس نے اپنی قانون سازی اور ہدایت وتلقین دونوں میں ہمیشہ سامنے رکھا ہے۔

اسلام کا نقطہ آغاز ضمیر انسانی کو غیر اللہ کی عبادت اور اطاعت وفرماں برداری سے آزاد کراتا ہے۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو انسان پر کوئی اقتدار حاصل نہیں ہے۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اسے مارتا اور جلاتا ہو، کوئی دوسرا نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا۔ آسمان وزمین میں بس وہی ایک ذات ہے جو انسان کو رزق عطا کرتی ہے۔ انسان اور خدا کے درمیان کوئی واسطہ حائل نہیں رکھتا۔ آسمان وزمین میں بس وہی ایک ذات ہے اس کے ماسوا سب بندے ہیں جو نہ خود اپنے لئے کچھ کرسکتے

Marfat.com

ہیں نہ دوسرے کے لئے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ O اَللّٰهُ الصَّمَدُ O لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ O وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾(۱۲)

''کہو اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا نہ وہ خود جنا گیا اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے۔''

جب اللہ ایک ہے تو اس کی عبادت بھی یکساں ہوگی۔ سب کے سب لوگ اسی کی طرف متوجہ ہوں گے۔ کسی دوسرے کی عبادت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ پھر کسی انسان کو اس کا بھی حق نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان کو اپنا رب قرار دے کسی کو کسی پر اگر کوئی برتری حاصل ہوسکتی ہے تو صرف نیک عمل اور تقوے کی بنا پر۔ ارشاد ربانی ہے

﴿قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ م بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَانُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾(۱۳)

''کہو! اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو تمہارے اور ہمارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔''

اپنی اس تعلیم کو اسلام بڑی اہمیت دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن مختلف امور کے سلسلہ میں اسی اصل کا سہارا لیتا ہے۔ اندیشہ ہوسکتا تھا کہ لوگ انبیاء کرام کی بزرگی کے سبب ان کی عبادت و پرستش کرنے یا اسی قبیل کے کچھ آداب و مراسم بجا لانے کی طرف مائل ہوں۔ لہٰذا اسلام نے انسانی ضمیر کو اس سے آزاد رکھنے کا خصوصی اہتمام کیا۔ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کی بابت فرماتا ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (۱۴)

''محمد ﷺ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں۔ پھر کیا اگر وہ مرجائیں یا قتل کردیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟''

اور ان کو مخاطب کرتے ہوئے صاف صاف سناتا ہے۔

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾(۱۵)

''(اے پیغمبر) فیصلہ کے اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں اللہ کو اختیار ہے چاہے انہیں معاف رکے چاہے سزا دے۔''

ضمیر انسانی بندوں کی غلامی سے آزاد اور تعلق باللہ کے ہمہ دم بیدار شعور سے معمور ہوتے ہی جان و مال اور عزوجاہ کے سلسلہ میں ہر طرح کے خطرات اور اندیشوں سے بلند ہوجاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اندیشے اور خطرات بڑے ہی مہلک ہوتے ہیں۔ یہ انسان کی خودداری کو مجروح کردیتے ہیں اور بسا اوقات تو اسے ذلت گوارا کرنے، بہت سے حقوق سے درست بردار ہوجانے اور بڑی حد تک اپنے عزوشرف سے ہاتھ دھولینے پر آمادہ کردیتے ہیں اور بسا اوقات تو اسے ذلت گوارا ن کرنے، بہت سے حقوق سے دست بردار ہوجانے اور بڑی حد تک اپنے عزوشرف سے ہاتھ دھولینے پر آمادہ کردیتے ہیں۔ اسلام اس بات کو بڑی اہمیت دیتا ہے کہ لوگوں کی عزت وآبرو اور ان کے شرف وجاہ کے تحفظ کی ضمانت دی جائے۔ ان میں صحیح قسم کی خود

Marfat.com

داری اور عزتِ نفس پرورش پانے اور وہ عدل وانصاف کے قیام کے نگران ومحافظ بن کر رہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ اس طرح قانون کے علاوہ ان باتوں کے ذریعہ بھی وہ ایک مکمل اور مطلق اجتماعی عدل کے قیام کی ضمانت دے جس میں کوئی انسان اپنی حد سے تجاوز نہ کرے۔

آزادیٔ ضمیر اور حریت وجدان کے لئے اس پوشیدہ مگر زبردست خطرہ سے اسلام غافل نہیں بلکہ اس کی طرف بڑی گہری توجہ کرتا ہے۔ اور یہ توجہ گواہ ہے کہ اسلام انسان کے داخل کو سنوارنے کا بڑا اہتمام کرتا ہے۔ اس سے ہم اس بات کا اندازہ کرسکتے ہیں کہ کس طرح اسلام نفسِ انسانی کے ہر پہلو کی داست وپرداخت کرتا اور اس کے ہر ہر گوشہ کو اپنی توجہات کا مرکز بنائے رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں مسیحیت نے جو کچھ سمجھا اور جسے اس نے اپنی آخری منزل قرار دیا وہ سب بھی اسلام کے سامنے ہے:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ (۱۶)

''اے نبی! کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیزواقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں تم کو اللہ اور اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ کی جدوجہد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے۔ اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا''۔

اسلام سماج میں عدل وانصاف وہم آہنگی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اسلام میں عدل کی صرف ایک ہی قسم ہے جس کو اجتماعی وسماجی عدل کہتے ہیں جسے انگریزی میں (Social Justice) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگرچہ عدل کی ایک معروف قسم قانونی عدل بھی ہے (Legal Justice) لیکن قانونی عدل کی کوئی مقصود بالذات یا علیحدہ قسم نہیں ہے بلکہ وہ تو ایک طریقہ ہے سماجی انصاف کے حصول کا۔ چنانچہ قانونی عدل کا طریقہ کار جتنا موثر سہل فعال اور مساویانہ ہوگا اس قدر اجتماعی انصاف قائم کرنے میں مدد ملے گی اور معاشرہ چھوٹے چھوٹے جھگڑوں سے نکل کر ترقی وکامیابی کی کھلی شاہراہ پر گامزن ہوسکے گا۔

انسانی مساوات

ہم دیکھتے ہیں کہ حقیقی مساوات کے سارے لوازم ایک ایک کرکے اکٹھے ہوگئے ہیں۔ انسان کا ضمیر وجدان پوری طرح آزاد اور غلامانہ ذہنیت کے ہر شائبہ سے بری ہوگیا ہے۔ انسان غربت وذلت، تکلیف ومصیبت اور موت کے اندیشوں سے یہ سمجھ کر بے نیاز ہوگیا کہ کوئی بات اذنِ خداوندی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ سماجی اور اقتصادی قدروں کے دباؤ سے بھی نکل آیا اور دستِ سوال دراز کرنے کی ؟ذلت سے بھی بچ گیا۔ خود اپنی خواہشات سے بھی بلند ہوکر اس یکتا اور منفرد خالق کی طرف متوجہ ہوا جس کی طرف بلاتمیز بندہ وآقا سارے انسان رخ کرتے ہیں۔ ان باتوں کے پہلو بہ پہلو ہر فرد کو بقدرِ کفایت ضروریات زندگی بھی میسر آگئیں۔ اب حقیقی مساوات کے سارے لوازم مہیا ہوگئے اور مساواتِ انسان کی رگ وپے میں سرایت

Marfat.com

کر گئی۔ انسانی ضمیر اب اس کا محتاج نہیں رہا کہ کوئی اس کے لئے مساوات کے لفظی نعرے بھی بلند کرے۔ کیونکہ ایسا مازج بن جانے کے بعد اب وہ ان امتیازات کو برداشت کرنے سے انکار کردے گا جو صرف معاشرتی اور معاشی بنیادوں پر قائم ہیں۔ مساوات کے اس تصور کے تحت اب وہ اپنے حقوق کا طالب بن کر اٹھے گا اور جب ان حقوق کو حاصل کرلے گا تو ان کے تحفظ میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے گا۔ اسے یہ حقوق عزیز ہوں گے۔ وہ ان کے لئے قربانیاں دے گا، مصیبتیں سہے گا اور ہر اس حملے کا جم کر مقابلہ کرے گا جو اس کے ان حقوق پر کیا جائے۔

جہاں تک مساوات کا تعلق ہے تو تین قسم کی مساوات کا ہمیں اپنی زندگیوں میں سامنا کرنا پڑتا ہے

۱۔ قانونی مساوات

۲۔ معاشرتی مساوات

۳۔ معاشی مساوات

قانونی مساوات

جہاں تک قانونی مساوات کا تعلق ہے تو اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قانون کی عام حکمرانی قائم رکھے۔ ہر شخص اور ہر طبقہ کے لوگ ایک ہی نظام عدالت کے تحت ہوں۔ غریب وامیر اور راعی ورعایا سب قانون کی نظر میں برابر ہوں۔ اسلامی ریاست قانونی مساوات کی علمبردار ہے۔ اسلامی ریاست کا کوئی شہری قانون سے بالاتر نہیں حتی کہ منتظم اعلیٰ بھی قانون سے مستثنیٰ نہیں۔

قرآن پاک نے نبی اکرم ﷺ کو قانون پر ایمان لانے والا کہا ہے:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾(۱۷)

''رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اللہ کی طرف سے اتاری گئی اور مؤمنین بھی اس پر ایمان لائے''

اسلامی نظام میں غریب اور امیر کے لیے دو مختلف عدالتی نظام نہیں پائے جاتے۔ یہاں اللہ اور رسول اللہ ﷺ نے جو قانون دیا ہے وہ سب پر یکساں جاری ونافذ ہوتا ہے۔ خواہ وہ امیر المؤمنین ہو یا بوجھ اٹھانے والا مزدور۔ اسلامی ریاست وعام شہری اور خاص شہری کی تفریق نہیں کرتی۔

معاشرتی مساوات

اسلامی ریاست اپنے شہریوں میں معاشرتی مساوات کی قائل ہے۔ وہ ان تفریقات کو تسلیم نہیں کرتی جو رنگ ونسل اور خون وپیشہ کی بنیاد پر قائم کی گئیں۔ اسلامی ریاست ان تمام جاہلی امتیازات کو یکسر مٹا دینے کے لیے قائم ہوئی ہے۔ اس کی نظر میں وہ تمام شہری یکساں حیثیت کے مالک ہیں جو شہریت کی شرائط پوری کر رہے ہیں۔ معاشرتی اعتبار سے یہ سب لوگ برابر ہیں۔ اسلامی ریاست چونکہ ظاہری اعمال سے متعلق مکلف ہے اس لیے اگر امتیاز کرتی بھی ہے تو اس خدائی معیار کے مطابق جسے نیکی وبدی کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾(۱۸)

Marfat.com

''اور تمہیں مختلف شاخوں اور قبیلوں میں اس لیے تقسیم کر دیا ہے کہ تم میں آپس میں شناخت ہو۔اللہ کے نزدیک تم سب میں عزت والا وہ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے''

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''کسی گورے کو کالے پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں (۱۹)

اسلامی ریاست معاشرتی مساوات کو قائم رکھتی اور اپنے انتظامی اختیارات سے مصنوعی ممیّزات کو ختم کرتی ہے۔

معاشی مساوات

اسلامی ریاست معاشی مساوات کا بھی لحاظ رکھتی ہے۔لیکن معاشی مساوات میں اس کا نقطہ نظر عام ریاستوں سے مختلف ہے۔دور حاضر میں بعض ریاستیں مساوات کا دعویٰ کرتی ہیں لیکن حقیقی مساوات ان میں موجود نہیں۔اسلامی مساوات سے مراد یہ ہے کہ معاشی میدان میں کام کرنے کے مساوی مواقع مہیا کئے جائیں اور تقسیم زر میں کوئی امتیاز روا نہ رکھا جائے۔عدل اجتماعی کا یہ تقاضا ہے کہ ریاست ان افراد کی کفالت کرے جن کا کوئی کفیل نہیں۔یہ ایک اجتماعی حق ہے جسے یوں بیان کیا گیا ہے جس کا کوئی وارث نہیں ریاست اس کی وارث ہے۔حضور اکرم ﷺ کا رشاد ہے کہ:

"عن المقدامؓ قال قال رسول اللہ ﷺ أنا وارث من لا وارث له اعقل له و أرثه"(۲۰)

''میں اس کا وارث ہوں جس کا وارث نہیں اس کی جانب سے دیت دوں گا اور اس کا وارث بنوں گا''

ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ جس طرح وہ لاوارث کی جائیداد کی مالک بنتی ہے اسی طرح وہ قرض اور دیت کی صورت میں بھی ذمہ دار ہو اگر بیوی بچے چھوڑ کر مرتا ہے تو ریاست ان کی بھی کفیل ہو گی۔حضور اکرم ﷺ کی ان تعلیمات ہی کا اثر تھا جو اسلامی ریاست کے اولین منتظمین اس کا اتنا خیال رکھتے تھے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ﴾(۲۱)

''اے انسانو! ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہیں مختلف گروہوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں برتر وہی لوگ ہیں جو زیادہ تقویٰ شعار ہوں۔''

قوموں اور قبیلوں کا یہ اختلاف اس لئے نہیں تھا کہ لوگ ایک دوسرے کے مقابلہ میں فخر کریں اور ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالیں۔ اس کی غرض صرف یہ ہے کہ باہمی تعارف میں آسانی ہو اور لوگ ایک دوسرے سے ربط و تعلق پیدا کریں۔ اللہ کے نزدیک یہ ساری قومیں اور قبائل برابر ہیں۔ کسی کو کسی سے برتر قرار دیا جاسکتا ہے۔ تو صرف تقویٰ کی بناپر، اور یہ ایک ایسی صفت ہے جسے حسب و نسب سے کوئی تعلق نہیں۔ نیز یہ کہ تقویٰ کا اولین مرحلہ اللہ واحد کی کامل اطاعت ہے۔ یہ نہ ہو تو نہ تقویٰ ہوگا نہ کوئی بھلائی۔

﴿وَ لَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ (۲۲)

Marfat.com

''ایک دوسرے کی برائیوں کا کھوج نہ لگاؤ اور نہ تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی غیبت کرے۔''

اس قرارداد کی قدر و قیمت اس میں مضمر ہے کہ یہ ہر فرد میں یہ احساس پیدا کرتی ہے کہ وہ صاحبِ عزت و آبرو ہے اور ایک طرح کا ناموس رکھتا ہے جس پر حملہ کرنا دوسروں کے لئے جائز نہیں۔ نہ کسی فرد کی حرمت دوسرے فرد سے کم تر ہے۔ سب اس معاملہ میں برابر ہیں اور سب کے سب ایک دوسرے کی طرف سے امن میں ہیں۔

اسی طرح اسلام زندگی کے ہر پہلو کو لیتا ہے اجتماعی شعبوں کو بھی اور ضمیر و وجدان کے گوشوں کو بھی، اور ہر جگہ پوری پوری مساوات قائم کرتا ہے۔ ضمیر انسانی کو ہر طرح کی احتیاج، خالی خولی مظاہر اور مصنوعی سماجی اقدار کے دباؤ سے آزاد کر کے مساوات کو اصولی طور پر متحقق کر دینے کے بعد اس امر کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی کہ اسلام الفاظ میں اور ظاہری شکلوں کی تعیین کے ساتھ بھی مساوات کا اعلان کرے۔ لیکن اس نے یہ بھی کیا، کیونکہ مساوات اسے بہت عزیز ہے۔ وہ اسے نسل و قبیلہ اور خاندان و مقام کی تنگیوں سے آزاد، مکمل انسانی شکل میں قائم دیکھنا چاہتا ہے کہ مغرب کے مادہ پرست، سائنٹیفک، نظاموں کی طرح اس مساوات کا دائرہ صرف اقتصادی امور تک محدود نہ ہو جائے بلکہ زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہو۔

اگرچہ حق معیشت میں سب مساوی ہیں، لیکن درجات معیشت میں مساوی نہیں ہیں اور معیشت میں درجات کا تفاوت ایک حد تک فطری ہے، یہ ضروری نہیں کہ سب کے لئے سامان معیشت ایک ہی طرح کا ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ ہو سب کے لئے مگر درجات کا یہ تفاوت ایسے اعتدال پر قائم رہے کہ کسی حالت میں بھی وہ لوگوں کے درمیان وجہ ظلم نہ بن سکے۔ ارشاد ربانی ہے کہ دنیوی زندگی میں ہم نے لوگوں کی معیشت ان کے درمیان تقسیم کر دی ہے اور اس کو اس طرح دی کہ بعض کو بعض پر درجہ معیشت میں بلندی حاصل ہے۔ بہرحال درجات معیشت کا تفاوت فطری ہے، لیکن اس کو اعتدال پر رکھنا اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ ہر انسان کو حق ملے تاکہ معاشرے میں افراط و تفریط دور ہو۔

اجتماعی تکافل

ایسی زندگی کبھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتی جس میں ہر فرد بے قید آزادی کے ساتھ ہاتھ دھو کر نفع اندوزی اور لذت طلبی کے پیچھے پڑ جائے اور جب اس آزادی کے پیچھے مساوات مطلق کا تصور بھی موجود ہو تو نتائج اور مہلک ہوں گے اور فرد و سماج دونوں تباہ و برباد ہو کر رہ جائیں گے۔ ہر سماج کی ایک کلی مصلحت ہوتی ہے جسے انفرادی آزادیوں کی حد سمجھنا چاہیے۔ خود فرد کی اپنی بھلائی بھی اس میں مضمر ہوتی ہے کہ اپنی آزادی سے فائدہ اٹھانے میں وہ بعض حدود پر آ کر رک جائے اور ان سے تجاوز نہ کرے۔ ورنہ لذت طلبی اور ہوا و خواہشات اسے ہلاکت کے گھاٹ اتار دیں گے، یا اس کی آزادی دوسرے افراد کی آزادی سے ٹکرا جائے گی اور ایسے ایسے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوں گے جو پھر ختم ہونے کا نام نہ لیں گے۔ ایسی آزادی ایک وبالِ جان بن کر رہ جائے گی۔ زندگی کی ترقی اور بلندی و کمال کی جانب اس کا اقدام عارضی اور حقیر ذاتی مفادات کی حدود پر آ کر رک جائے گا۔ سرمایہ دارانہ نظام کی ''آزادی'' میں یہ ہوا اور ساتھ ہی آزاد شہوت رانی کے حیوانی نظریات نے بھی جنم لیا۔

اسلام انفرادی آزادی کو اس کی بہترین شکل میں عطا کرتا اور اعلیٰ ترین معنی میں انسانی مساوات برپا کرتا ہے۔ لیکن ان دونوں کو بے قید و بے لگام نہیں چھوڑتا۔ ایک طرف سماج کا مفاد اور اس کا حق ہے، دوسری طرف انسانیت کے مصالح اور اس

Marfat.com

کے تقاضوں کا پاس ولحاظ ہے اور ساتھ ہی دین کے بلند تر مفاد کی قدر و قیمت بھی سامنے ہے۔ اس لئے اسلام انفرادی آزادی کے بالمقابل انفرادی ذمہ داری کا اصول پیش کرتا ہے اور اس کے پہلو میں اجتماعی ذمہ داری کو جگہ دیتا ہے جس کا بار فرد اور جماعت دونوں پر ہے۔ اسی ذمہ داری کو ہم ''اجتماعی تکافل'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اسلام نے اجتماعی تکافل کا اصول پوری تفصیل کے ساتھ سامنے رکھا ہے۔ فرد اور اس کی ذات، فرد اور اس کا قریبی خاندان، فرد اور جماعت، ایک قوم اور دوسری قوموں، ایک نسل اور آگے آنے والی نسلوں سب کے مابین اجتماعی تکافل کا یہ اصول کارفرما ہے۔

ذمہ داریوں کا یہ اشتراک فرد اور اس کی بے لگام خواہشات سے باز رکھے۔ اسے ہر طرح کی گندگیوں سے پاک کر کے اس کا تزکیہ کرے۔ اس لے کر صلاح و کامرانی اور نجات کی راہ پر پیش قدمی کرے اور اسے ہلاکت کے منہ میں نہ جھونک دے۔ ارشاد ربانی ہے

﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰیO وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَاO فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰیO وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰیO فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی﴾(۲۳)

''جس نے سرکشی کی روش اختیار کی اور حیات دنیا کو ترجیح دی اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور جو اپنے رب کے حضور حاضری (اور جواب دہی) سے ڈرتا رہا اور اپنے نفس کو ہوا وہوس سے باز رکھا اس کا مسکن جنت ہے''۔

﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا o فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا o قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا o وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾(۲۴)

''قسم ہے نفس کی اور اس بات کی کہ اسے درست بنایا گیا اور اس میں فجور وتقویٰ کی پہچان پیدا کی گئی۔ جس نے اس (نفس) کو پاک کیا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اسے گندگیوں سے آلودہ کیا وہ ناکام رہا۔''

﴿وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ﴾ (۲۵) ''اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو''۔

ساتھ ہی وہ اس بات کا بھی مکلّف ہے کہ نفس کو اس حد تک اس کے مرغوبات ضرور بہم پہنچائے جہاں تک کہ اس کی فطرت پر برے اثرات پڑنے کا اندیشہ نہ ہو اور اس کے لئے اس کے حق کے بموجب کام اور آرام دونوں کے مواقع فراہم کرے نہ یہ کہ کام کا بوجھ ڈال کے اسے گھلا مارے۔

ہر شخص کو جماعت کے مصالح کی نگرانی اس طرح ملحوظ رکھنی ہے کہ جیسے اسی کو ان کا محافظ ونگراں بنادیا گیا ہو۔ کیونکہ زندگی سمندر میں میں رواں کشتی ہے جس کی سلامتی کے بارے میں اس کا ہر سوار ذمہ دار ہے اور کسی کو انفرادی آزادی کے نام پر اپنی جگہ پر سوراخ کردینے کا حق نہیں!

مثل القائم علی حدود الله فیها کمثل قوم استهموا علی سفینة فاصاب بعضهم اعلاها وبعضهم اسفلها فکان الّذین فی اسفلها اذا استقوا من الماء مرّوا علی من فوقهم، فقالوا لو

Marfat.com

انا خرقنا فی نصیبنا خرقاً ولم نؤذ من فوقنا. فان یترکوھم وما ارادوا ھلکو جمیعا و ان اخذوھم علیٰ ایدیھم نجوا ونجوا جمیعاً. (۲۶)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی حدود پر قائم رہنے والے اور اس میں گھس جانے والے (یعنی خلاف کرنے والے) کی مثال ایسے لوگوں کی سی ہے جنہوں نے ایک کشتی کے سلسلے میں قرعہ ڈالا۔ جس کے نتیجہ میں بعض لوگوں کو کشتی کے اوپر کا حصہ اور بعض کو نیچے کا۔ پس جو لوگ نیچے والے تھے، انہیں (دریا سے) پانی لینے کے لیے اوپر والوں کے پاس سے گزرنا پڑتا۔ انہوں نے سوچا کہ کیوں نہ ہم اپنے ہی حصہ میں ایک سوراخ کرلیں تاکہ اوپر والوں کو ہم کوئی تکلیف نہ دیں۔ اب اگر اوپر والے بھی نیچے والوں کو من مانی کرنے دیں گے تو کشتی والے تمام ہلاک ہو جائیں گے اور اگر اوپر والے نیچے والوں کا ہاتھ پکڑلیں تو یہ خود بھی بچیں گے اور ساری کشتی بھی بچ جائے گی۔''

افراد کے مفادات ومصالح کے باہم مربوط اور ایک دوسرے پر منحصر ہونے کی یہ بڑی اچھوتی تصویر ہے جو اس انفرادیت پسندانہ طرزِ فکر کے مقابلے میں پیش کی گئی ہے۔ جو اصول ونظریات کے ظاہری اور سطحی معنیٰ کا سہارا لیتی اور عملی حقائق کی گہرائی میں اترنے اور واقعات کے عملی نتائج پر غور کرنے سے کتراتی ہے۔ ساتھ ہی یہ تمثیل بڑی باریک بینی کے ساتھ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ فرد اور جماعت دونوں کے اوپر ایسے حالات میں کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

مصالح عامہ کی رعایت ملحوظ رکھنے کی ذمہ داری سے کوئی فرد بھی بری نہیں کہ سماج میں ہر فرد بیک وقت نگراں بھی ہے اور زیرنگرانی بھی۔

کلکم راعٍ وکلکم مسئول عن رعیته.(۲۷)

''آپ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور اس کے ماتحتوں کے متعلق اس سے سوال ہوگا۔''

سماج کے افراد کے درمیان نیکی اور معروف کی حدود میں رہتے ہوئے باہم تعاون سماج کی مصلحت کا عین تقاضا اور ایک لازمی فریضہ ہے۔

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾(۲۸)

''جو کام نیکی اور خداترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو، اور جو گناہ کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔''

امتِ اسلامیہ جسدِ واحد کے مانند ہے کہ یہاں سے وہاں تک ایک ہی احساس کام کرتا ہے۔ ایک عضو کو جو تکلیف پہنچتی ہے تمام اعضاء اس کے درد کی ٹیس محسوس کرتے ہیں۔ امتِ اسلامیہ کی یہ تعبیر بڑی ہی دلکش اور موثر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی ہے:

تری المؤمنین فی تراحمھم وتعاطفھم کمثلِ الجسد اذا اشتکی عضوٌ تداعی له سائر جسده بالسھر والحمی.(۲۹)

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم مومنوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمت ومحبت کا معاملہ کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ لطف ونرم خوئی میں ایک جسم جیسا پاؤ گے کہ جب اس کا کوئی ٹکڑا بھی تکلیف میں ہوتا ہے، تو سارا جسم تکلیف میں ہوتا ہے۔ ایسا کہ نیند اڑ جاتی ہے اور جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے ایک مؤمن اور دوسرے مومن کے درمیان تعاون وتکافل کی ایک اور لطیف اور معنی خیز تصویر کھینچی ہے:

ان المؤمن للمؤمن کالبنیان یشدّ بعضه بعضاً وشبك اصابعه. (۳۰)

آپ ﷺ نے فرمایا ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو قوت پہنچاتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیا۔

تعاون وتکافل کا یہ وہ اعلیٰ ترین معیار ہے جس تک ہمارا تخیل پرواز کرسکتا ہے۔ یہی اصول ہے جس کے تحت اجتماعی جرائم کے لئے سزائیں مقرر کی گئی ہیں اور انہیں سخت رکھا گیا ہے۔ اس لئے کہ جب تک ہر فرد کی جان ومال اور اس کی عزت وآبرو کو محفوظ نہ کردیا جائے عاون باہمی کا اصول عملاً متحقق نہیں ہوسکتا۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده والمهاجر من هجر ما نهی الله عنه. (۳۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مسلمان وہ ہے جو مسلمانوں کو اپنی زبان اور ہاتھ سے (تکلیف پہنچنے سے) محفوظ رکھے اور مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں سے رک جائے جس سے اللہ نے منع کیا ہے۔

جو لوگ امنِ عامہ کے لئے مستقل خطرہ بن جائیں اور بدامنی اور فساد مچانے پر اتر آئیں ان کی سزا قتل، سولی یا ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالنا یا جلا وطنی قرار دی گئی ہے۔

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾ (۳۲)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لئے تگ ودو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں، ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کئے جائیں یا سول پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا وہ جلاوطن کردیے جائیں''۔

اس لیے کہ فساد مچانے اور فتنہ برپا کرنے کی سازش اور اس سلسلہ میں گٹھ جوڑ انفرادی جرائم سے کہیں زیادہ گھناؤنا جرم ہے اور اس کے سلسلہ میں سخت سزاؤں اور قلع قمع کرنے کی تدابیر کی نسبتاً کہیں زیادہ ضرورت ہے۔

اس طرح اسلام اجتماعی تکافل کو اس کی تمام ممکن شکلوں کے ساتھ قائم کرتا ہے۔ اس کوشش میں ہر آن یہ اصول اس کے سامنے رہتا ہے کہ فرد اور جماعت دونوں کے کلی مقاصد ایک ہی ہوں۔ زندگی کے سارے پہلو ایک دوسرے سے ہم آہنگ رہیں اور ایک دوسرے کی تکمیل کریں۔ چنانچہ وہ فرد کو اس حد تک مکمل آزادی عطا کرتا ہے جہاں تک وہ نہ خود اس کے لئے مضر

Marfat.com

ہے اور نہ جماعت کی راہ میں روڑا بنتی ہے۔ وہ جماعت کو بھی اس کے حقوق پورے کے پورے دیتا ہے لیکن ساتھ ہی اس کو ان حقوق کے مقابلہ میں بہت سی ذمہ داریوں کا مکلف بھی ٹھہراتا ہے تاکہ زندگی اپنی سیدھی ہموار راہ پر بے کھٹکے آگے بڑھی چلے اور بالآخران بلند مقاصد تک جا پہنچے، جن کے طلب گار اور جن کے لئے کوشاں جماعت اور فرد دونوں یکساں طور پر ہیں۔

مکمل آزادی ضمیر، کامل انسانی مساوات اور ٹھوس اور پائندار اجتماعی تکافل، انہی تین بنیادوں پر اجتماعی عدل کی عمارت کھڑی ہوتی ہے اور انسانی عدل کا نظریہ عمل کا جامہ پہنتا ہے۔

عدل اجتماعی اور نئی حکمت عملی

جب ہم عدل اجتماعی پر بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب اسلام کا وہ نظام ہے جس میں ہم معاشرے کو مجموعی طور پر اس میں ڈھالنا چاہتے ہیں جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام جرائم ہونے سے پہلے اس کی روک تھام کرتا ہے۔ وہ تبلیغ حکمت اور احتساب کے ذریعے ایسا معاشرہ پیدا کرتا ہے کہ جس میں لوگ خدا سے محبت اور خوف کے امتزاج کی وجہ سے جرائم سے باز رہیں۔

یہ اسلامی نظام عدل وحکمت کا ہی نتیجہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب حضرت عمرؓ کو قاضی بنایا تو دوسال تک کوئی مقدمہ نہیں آیا۔ اکثر لوگ اختلاف کی صورت میں مفتیوں سے شرعی مسئلہ معلوم کر کے آپس میں معاملات کا فیصلہ کر لیتے تھے تو عدالت میں جانے کی نوبت کم ہی آتی۔ سلمان کے ہاں چالیس دن مقدمہ نہ آیا۔(۳۳)

اسلامی حکمت اور قوانین کا نتیجہ تھا کہ گجرات کے بادشاہ احمد شاہ کے ۳۳ سالہ دور میں صرف دو قتل ہوئے (۳۴) جبکہ جمہوری امریکہ میں سائنٹیفک سامان سے لیس پولیس کے باوجود ہر سال تقریباً ۱۵ ہزار قتل ہوجاتے ہیں۔ آج امریکہ میں گاہک دوکانوں سے اربوں ڈالروں کا مال چوری کرتے ہیں۔ نقب سے مال چوری کرتے ہیں۔ نقب زنی اور کاروں کی چوری کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے لیکن دکن کی تاریخ عدل کا ذکر کرتے ہوئے عبدالحفیظ لکھتے ہیں:

> اسی انتظام کا نتیجہ تھا بقول صاحب تاریخ قطب شاہی ایک بڑھیا سر پر طشت میں زر وزیور رکھ کر اکیلی احمد نگر اور بیجا پور کی سرحد تک جاسکتی تھی۔(۳۵)

اگر کوئی شخص چوری قتل یا قابل حد جرم کا اقرار کرلے تو یہ اقرار قابلِ لحاظ نہ ہوگا۔ یعنی یہ جائز نہ ہوگا کہ اس اقرار کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹا جائے یا مواخذہ کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جسے بھوکا رکھا جائے، ڈرایا جائے یا قید میں رکھا جائے تو بعید نہیں۔ کہ وہ اپنے خلاف کسی جرم کا قرار کرلے۔ چوری کے ملزم کو مارا گیا تو اس نے اقرار کر لیا پھر عمر بن عبدالعزیز نے کہ کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اس نے یہ اقرار مار کے بعد کیا۔ یہ جائز نہیں کہ کسی کو محض دوسرے کی تہمت پر حوالات میں بند کردیا جائے حضورﷺ تہمت کی بنا پر مواخذہ نہیں کرتے تھے۔ چاہیے کہ مدعی ومدعا علیہ کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے اگر مدعی ثبوت پیش کردے تو فیصلہ کردیا جائے ورنہ مدعا علیہ کو شخصی ضمانت پر رہا کردینا چاہیے پھر اگر مدعی ثبوت پیش کردے تو ٹھیک ہے ورنہ ملزم سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ صحابہ حدود جاری کرنے سے اتنا بچتے تھے اور شبہات کی بنا پر حدود کو ٹالنا اتنا اچھا سمجھتے تھے کہ جب چور پکڑا ہوا آتا تو اس سے کہتے کہ تو نے چوری کی ہے۔ کہو: نہیں۔۔۔ حضورﷺ کے پاس ایک شخص لایا گیا تو آپ نے اس سے کہا

Marfat.com

مجھے تو یہ چور معلوم نہیں ہوتا۔۔۔آپ ﷺ نے فرمایا میرا خیال نہیں کہ اس نے چوری کی ہے۔ کیا تو نے چوری کی ہے؟ ابوہریرہ کے پاس ایک شخص لایا گیا۔ آپؓ نے اس سے پوچھا کہ کیا تو نے چوری کی ہے۔ کہہ دے کہ نہیں۔ حضرت علیؓ کے مع دو گواہ کے ایک شخص لایا تو آپ نے گواہوں کو دھمکی دی کہ اگر جھوٹا گواہ میرے پاس لایا جائے گا تو میں اس کو فلاں فلاں سزا دوں گا۔ پھر آپ نے گواہوں کو طلب کیا تو ان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اس پر آپ نے اس شخص کو چھوڑ دیا۔(۳۶) ابویوسفؒ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں چوری کی ہے۔ آپ نے اسے جھڑک دیا۔ وہ دوبارہ آیا اور پھر اقرار کیا۔ اس پر آپؓ نے فرمایا کہ اب تو نے خود ہی اپنے مکمل شہادت دیدی۔ پس آپ نے اس کا ہاتھ کٹوادیا۔ حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے چار بار زنا کا اقرار کیا تھا۔ آپؓ نے کہ اب بھی اگر یہ رجوع کرلے تو ہم اس پر حد قائم نہ کریں گے۔(۳۷) برٹرینڈ رسل لکھتا ہے کہ ہم سب چاہتے ہیں کہ ایک ایسی سوسائٹی معرض وجود میں آجائے جس میں جبر کم سے کم ہو اور لوگ خود بہ خود ایسے طرز عمل کو اپنالیں جس کی بنیاد امداد باہمی اور معاونت پر ہو۔(۳۸)۔ مغربی دنیا کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایسی سوسائٹی صرف مسلمانوں نے ہی قائم کرکے دکھائی ہے رسل مزید لکھتا ہے کہ امریکہ نے بنیادی حقوق کے اصول سے متاثر ہوکر اپنے آئین میں یہ بات لکھ دی کہ کسی شخص کی زندگی یا اس کی آزادی یا اس کی ملکیت کو بغیر قانونی وعدالتی طریقہ کار کے سبب نہیں کیا جاسکتا۔(۳۹) مزید یہ بھی لکھ دیا کہ وہ قانون جس کے تحت مقدمہ چلایا جائے وہ اس وقت موجود ہونا چاہیے جبکہ اس نے وہ فعل کیا ہو جس کی وجہ سے مقدمہ چلایا جارہا ہے۔ انگریز اس قسم کی پابندی گرفتاری سے متعلق نام کو تو تسلیم کرتے ہیں۔ مگر مشکل حالات میں استثناء کی آڑ لیتے ہیں۔ آئرلینڈ اور ہندوستان جب انگریزوں کی حکومت تھی تو وہ اکثر ان اصولوں کی بڑی خلاف ورزی کرتے تھے۔(۴۰) پروفیسر بریفالٹ اپنی کتاب .Making of Humanity (تشکیل انسانیت) میں تسلیم کرتا ہے کہ انسانی حقوق وآزادی سے متعلق تمام قوانین اور فلسفہ یورپ والوں نے مسلمانوں اور قرآن ہی سے سیکھا ہے۔ امریکہ نے آئین بنانے اور لاطینی امریکہ نے آزادی کی جدوجہد کے اصول بھی مسلمانوں سے لئے ہیں۔(۴۱) ایڈمنڈ برک یعنی انگلینڈ کے مشہور سیاست دان اور ممبر پارلیمنٹ نے اعلان کیا کہ محمدی قانون جو شاہ سے ادنیٰ ترین شخص کے لئے یکساں ہے۔ یہ قانون دنیا کے سب سے عاقلانہ اور عالمانہ فلسفہ قانون سے مرکب ہے۔ یہ دنیا کا سب سے روشن وترقی یافتہ قانون ہے۔ Hartwig Hirchfeld پی۔ایچ۔ڈی لکھتا ہے کہ قرآن تمام سائنس کا منبع ہے۔ مورخ ولیم ڈریپر لکھتا ہے کہ نسلِ انسانی پر محمد ﷺ سب سے زیادہ اثرانداز ہوئے ہیں۔(۴۲) نپولین کہا کرتا تھا کہ وہ وقت دور نہیں جبکہ میں دنیا کے تمام ممالک کے عقلمند اور تعلیم یافتہ آدمیوں کو اکٹھا کرکے قرآن کے مطابق ایسا نظام قائم کرلوں گا جس سے ہر طرف خوشی ہی خوشی ہوگی۔ دنیا میں صرف قرآن کے اصول ہی حقیقی طور پر سچے ہیں۔ برنارڈ شا لکھتا ہے کہ آپ ﷺ ہی انسانیت کے نجات دہندہ ہیں۔ میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ اگر آج کوئی ان جیسا شخص دنیا کا ڈکٹیٹر بن جائے تو تمام مشکلات حل ہوجائیں اور ہر طرف امن وخوشی کا دور دورہ ہوجائے میں پیش گوئی کرچکا ہوں اگلی صدی میں اسلام یورپ میں مقبول ہوجائے گا۔ اور ابھی سے اس کی شروعات ہوچکی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جرائم سے پہلے جرائم کی روک تھام کرلی جائے اور اس کے لیے جتنے بھی ریاستی وسائل ہیں وہ سب بروئے کار لائے جائیں تاکہ کسی ممکنہ مسئلے سے بچا جاسکے دور جدید میں جو دہشت گردی کی فضا قائم ہے اس کے پیش نظر

Marfat.com

بھی ممکنہ اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

معاشرتی مساوات کا خیال رکھتے ہوئے کسی پر اتنا ظلم وستم نہ کیا جائے کہ وہ معاشرے کے لیے خطرہ بن جائے یا لوگ اس سے نفرت کرنے لگیں اگر کسی سے کوئی خطاء ہوتی ہے تو اس کی بہترین تربیت کے ذریعے اصلاح کی کوشش کی جائے تا کہ وہ مطلوبہ شخص معاشرے میں عزت کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔اور اگر وہ کاریگر،صانع،تاجر،یا کسی اور چیز میں مہارت رکھتا ہے تو لوگ اس سے استفادہ حاصل کرسکیں۔کیونکہ اسلام نے ہمیں آسانی کی تعلیم دی ہے تنگی کی تعلیم نہیں دی اور نہ ہی اسلام کا مقصود کسی پر ظلم وستم کرنا ہے بلکہ اسلام کا جتنا بھی جرم وسزا کا نظام وہ معاشرے میں امن وسکون کی راہ ہموار کرتا ہے اور لوگوں کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنے اپنے حقوق کا تحفظ کرتے ہوئے زندگی گزار سکیں اور ممکنہ افراط وتفریط سے بھی بچا جاسکے۔

خلاصہ بحث

اسلام میں اجتماعی عدل کے مزاج سے ہم صحیح طور پر اسی وقت آشنا ہو سکتے ہیں جب الوہیت، کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں اسلامی فکر کو اجمالی طور پر سمجھ لیں۔ کیونکہ اجتماعی عدل کا اسلامی نظریہ اسی اصولی اور بنیادی فکر کی ایک فرع ہے جو اسلام کی تمام تعلیمات کا مرجع ومنبع ہے۔

اسلام کے پیش نظر پوری انسانی زندگی کو ایک نئے سانچے میں ڈھالنے کا کام تھا، اس لئے نہ تو اس کی اصلاحی کوششیں کام کر رہی ہیں اور نہ اس نے ہر مسئلہ کے لئے الگ الگ علاج تجویز کئے ہیں۔اس کے پاس الوہیت، کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں ایک جامع تصور اور ایک مکمل نظریہ ہے۔ اس کی تمام فروع اور جزئیات اس نظریہ سے نکلی ہیں۔اس کے نظریات وقوانین، اس کی متعین کردہ حدود، اور عبادات ومعاملات کے باب میں اس کی ہدایات سبھی اس اصل سے گہرا ربط رکھتی ہیں۔اسی جامع اور مکمل فکر کی روشنی میں اس کی عملی پالیسی بھی بنتی ہے۔ یہ طریقہ اسلامی مزاج کے بالکل منافی ہے کہ ہرنئی صورت حال کے لئے ایک نئی اور آزاد پالیسی وضع کرلی جائے جو دوسرے امور میں اختیار کی ہوئی پالیسی سے کوئی ربط نہ رکھتی ہو، یا ہر مسئلہ کے لئے علیحدہ حل تلاش کئے جائیں۔اس بنیادی فکر کا صحیح فہم ایک محقق کے لئے اسلام اصول وضوابط کا سمجھنا آسان کردیتا ہے۔اس کی روشنی میں وہ بآسانی اسلام کے تفصیلی احکام کو اس کے اصولوں سے ہم آہنگ دیکھ سکتا ہے۔ اسلامی طرز زندگی کا دلچسپی کے ساتھ گہرا مطالعہ بھی اس فہم کے بعد ہی ممکن ہے۔اسی کے فیض سے ہم اس نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں کہ اسلام ایک ناقابل تقسیم کل ہے جس کا ہر جزء دوسرے اجزاء سے گہرے طور پر مربوط ہے اور حیاتِ انسانی کے لئے یہ نظام اسی وقت نفع بخش ہوسکتا ہے جب اسے پورا کا پورا اپنالیا جائے۔

حوالہ جات

۱- القراان: سورہ آل عمران آیت نمبر۱۸...... ۲- القرآن: سورہ المائدہ آیت نمبر ۸...... ۳- القرآن: سورہ الاعراف آیت نمبر۲۵...... ۴- القرآن: سورہ الحدید آیت نمبر۲۵...... ۵- بحوالہ منہاج اسلامی نظام عدل نمبر، حصہ دوم، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور، ص۱۰...... ۶- القرآن: سورہ النحل آیت نمبر۹۰...... ۷- القرآن: سورہ المائدہ آیت نمبر۸...... ۸- منہاج اسلامی نظام عدل نمبر، حصہ دوم، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور، ص۱۲...... ۹- ایضاً، ص۱۳...... ۱۰- القرآن: سورہ النساء آیت

Marfat.com

نمبر۵۸...... ۱۱- القرآن: سورہ النساء آیت نمبر۱۳۵...... ۱۲- القرآن: سورہ الاخلاص آیت نمبر۴_۱...... ۱۳- القرآن: سورہ ال عمران آیت نمبر۶۴...... ۱۴- القرآن: سورہ ال عمران آیت نمبر۱۴۴...... ۱۵- القرآن: سورہ ال عمران آیت نمبر۱۲۸...... ۱۶- القرآن: سورہ التوبہ آیت نمبر۲۴...... ۱۷- القرآن: سورہ البقرۃ آیت نمبر۲۸۵...... ۱۸- القرآن: سورہ الحجرات آیت نمبر۱۳......

۱۹- ابن ہشام،السیرۃ النبویۃ،ج۴،ص:۲۵۰...... ۲۰- ابوداؤد،سنن ابی دوؤد،کتاب الفرائض،باب فی میراث ذوی الارحام،حدیث نمبر۲۸۹۹...... ۲۱- القرآن: سورہ الحجرات آیت نمبر۱۳...... ۲۲- القرآن: سورہ الحجرات آیت نمبر۱۲...... ۲۳- القرآن: سورہ النازعات آیت نمبر۳۷_۴۱...... ۲۴- القرآن: سورہ الشمس آیت نمبر۷_۱۰...... ۲۵- القرآن: سورہ البقرۃ آیت نمبر۱۴۵...... ۲۶- امام بخاری،صحیح بخاری،کتاب الشرکۃ،باب کیا تقسیم میں قرعہ ڈالا جا سکتا ہے،حدیث نمبر۲۴۹۳...... ۲۷- امام بخاری،صحیح بخاری،کتاب الجمعہ،باب گاؤں اور شہر دونوں جگہ جمعہ درست ہے،حدیث نمبر۸۹۳...... ۲۸- القرآن: سورہ المائدہ آیت نمبر۲...... ۲۹- امام بخاری،صحیح بخاری،کتاب الادب،انسانوں اور جانوروں سب پر رحم کرنا،حدیث نمبر۶۰۱۱...... ۳۰- امام بخاری،صحیح بخاری،کتاب الصلوۃ،باب مسجد وغیرہ میں ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کر کے قینچی کرنا درست ہے،حدیث نمبر۴۸۱...... ۳۱- امام بخاری،صحیح بخاری،کتاب الرقاق،گناہوں سے باز رہنے کا بیان،حدیث نمبر۶۴۸۴......

۳۲- القرآن: سورہ المائدہ آیت نمبر۳۲...... ۳۳- اسد الغابۃ: تذکرہ،سلمان بن ربیعہ جاہلی...... ۳۴- عبدالحفیظ: برصغیر پاک وہند میں اسلامی نظام عدل گستری: مطبوعہ اسلام آباد،ص۱۷۰...... ۳۵- ایضاً، ص۱۹۰...... ۳۶- ابویوسف،کتاب الخرج: ص۱۷۵_۱۷۶...... ۳۷- ایضاً،ص ۱۲۹...... ۳۸- Bartrand Russel, new hopes for changing word. P.84...... ۳۹- ترکی میں جب باب عالی کو آگ لگی تو باب عالی کی دوبارہ تعمیر کے سلسلے میں اردگرد کے مکان خریدے گئے_لیکن ایک بڑھیا نے مکان بیچنے سے انکار کردیا تو خلیفہ دھونس یا مال سے بھی اس زمین کو حاصل نہ کرسکا اور بڑھیا نے خلیفہ کو ناکام کردیا۔ ڈاکٹر عزیز دولت عثمانیہ:۲:۳۲۹،۳۷۰ مطبوعہ اعظم گڑھ بحوالہ لارڈ لارپنٹ۔...... ۴۰- Bartrand Russel, new hopes for changing word. P.80...... ۴۱- پی۔ایل۔ڈی ص۸۶ جرنل ج xxvii_۱۹۴۷ تحقیق جسٹس محمودالرحمٰن۔...... ۴۲- مزید دیکھیے مائیکل۔ایچ ہارٹ: دی ہنڈرڈ:۴۰۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر سعید احمد صدیقی - کراچی

الحمدللّٰہِ رَبِّ العالمین وَالصَّلٰوۃُ والسَّلام عَلٰی سیِّد الرُّسُل وَ خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ اَمَّا بعد!

قال اللّٰہ تعالٰی فی کلامہٖ المبین: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (۱)

''تحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ انسان انصاف پر قائم ہو۔''

دمِ تقریر تھی مسلم کی صداقت بیباک — عدل اس کا تھا قوی، لوثِ مراعات سے پاک
شجرِ فطرتِ مسلم تھا حیا سے نمناک — تھا شجاعت میں وہ اک ہستی فوق الادراک (۲)
سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا — لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا (۳)

عدل:

عدل کے لغوی معنی ہیں امور میں توسط، دوگونوں کی برابری، برابری، سیدھا ہونا، پیمانہ، بدلہ (۴)۔ کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا کہ ان میں سے کسی میں ذرا بھی کمی وبیشی نہ ہو تو اس کو عدل کہتے ہیں، اصطلاح شریعت میں کسی کے ساتھ بدونِ افراط وتفریط وہ معاملہ کرنا جس کا وہ واقعی مستحق ہے، عدل کی ترازو ایسی صحیح اور برابر ہونی چاہئے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت اس کے دونوں پلڑوں میں سے کسی پلے کو جھکا نہ سکے۔ (۵)

عدلِ اجتماعی سے مراد:

''معاشرے، سوسائٹی کے ہر فرد کو اسکا حق ملنا، اس سے کوئی زیادتی نہ ہو، اس کی جان، مال، عزت و آبرو محفوظ ہو، اس سلسلے میں امیر غریب، کمزور و طاقتور اور شاہ و گدا کی کوئی تخصیص نہ ہو، ہر شخص کو انصاف بغیر خریدے اس کی دہلیز پر مہیا ہو'' عدل تمام محاسن کی اصل ہے جس معاشرے میں عدل اجتماعی ہو اس معاشرے نے تمام خوبیوں کو پالیا اور تمام برائیوں سے محفوظ ہوا۔

عدلِ اجتماعی کا تصور:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور اس دین اسلام کی سب سے بڑی خوبی اور خوبصورتی اس کا عادلانہ نظام ہے، اسلام عدلِ اجتماعی ہر جگہ، ہر وقت اور ہر شعبہ میں نافذ کرنے کا حکم دیتا ہے، چاہے وہ معاشی عدل ہو، حقوق سے متعلق ہو یا آپس کے جھگڑوں سے متعلق ہو، اس میں امیر غریب، شاہ و گدا، مسلم و غیر مسلم کی اسلام کوئی تمیز نہیں کرتا، عدلِ اجتماعی اسلامی زندگی کا ایک جزو لاینفک ہے۔ سید قطب شہید رقمطراز ہیں:

Marfat.com

''اجتماعی عدل اس اسلامی زندگی کا ایک جزو ہے۔ یہ اسی وقت مکمل طور پر شرمندۂ تعبیر ہو سکے گا جب خود یہ زندگی پوری طرح عملی شکل اختیار کرلے۔ اسے بقا کی ضمانت صرف اسی صورت دی جاسکتی ہے، جب اسے اس کی مضبوط بنیادوں پر قائم کیا جائے۔ اس کا حال بھی اِس ضمن میں دوسرے نظاموں جیسا ہے۔ ضروری ہے کہ اِس پر پوری طرح ایمان ہو اور اس کی صلاحیتوں پر کامل اعتماد ہو۔ ایسا نہ ہوگا تو یہ عدل اپنی معنوی بنیادوں سے محروم ہو جائے گا اور صرف قانون کے جبر اور اجتماعی ضابطہ پابندی کے دباؤ کے بل پر قائم ہوگا۔ اس جبر کی عمر صرف اس لمحہ تک ہوتی ہے جب کہ اس سے بچ نکلنے کے مواقع مل جائیں''۔(۶)

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں عدل اجتماعی کا تصور یہ ہے کہ یہ کسی انسان کا بنایا ہوا نظام نہیں ہے اور نہ ہی اسے کسی ادارے نے ترتیب دیا ہے، بلکہ عدل اجتماعی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا بنایا ہوا وہ خوبصورت نظام ہے، جس میں ناانصافی کا کوئی شائبہ نہیں اور نہ غلطی کا احتمال اس کی روشنی تا قیامِ قیامت جگمگاتی رہے گی، صرف ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کو اس کی روح کے مطابق نافذ کیا جائے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رقمطراز ہیں:

''اسلام میں اس امر کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی شخص، یا انسانوں کا کوئی گروہ انسانی زندگی میں عدل کا کوئی فلسفہ اور اس کے قیام کا کوئی طریقہ بیٹھ کر خود گھڑے اور اسے لوگوں پر بالجبر مسلط کردے اور کسی بولنے والی زبان کو حرکت نہ کرنے دے، اسلام میں کسی ڈکٹیٹر کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، صرف خدا ہی کا یہ مقام ہے کہ انسان اس کے حکم کے آگے بے چوں و چرا سر جھکا دے''۔(۷)

عدلِ اجتماعی کی اہمیت:

اسلام نام ہی عدلِ اجتماعی کا ہے، اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اسلام میں عدلِ اجتماعی ہے تو یہ غلط ہے بلکہ حقیقت اور صحیح بات یہ ہے کہ اسلام ہی میں عدلِ اجتماعی ہے، سید ابوالاعلیٰ مودودی رقمطراز ہیں:

''جو لوگ اسلام میں بھی عدالت اجتماعیہ موجود ہے'' کا نعرہ بلند کرتے ہیں وہ بالکل ایک غلط بات کہتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اسلام ہی میں عدالت اجتماعیہ ہے۔ اسلام وہ دین حق ہے جو خالق کائنات اور رب کائنات نے انسان کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے اور انسانوں کے درمیان عدل قائم کرنا اور یہ طے کرنا کہ ان کے لئے کیا چیز عدل ہے اور کیا عدل نہیں ہے، انسانوں کے خالق و رب ہی کا کام ہے۔ دوسرا کوئی نہ اس کا مجاز ہے کہ عدل و ظلم کا معیار تجویز کرے، اور نہ دوسرے کسی میں یہ اہلیت پائی جاتی ہے کہ حقیقی عدل قائم کر سکے۔ انسان اپنا آپ مالک اور حاکم نہیں ہے کہ وہ اپنے لئے معیارِ عدل خود تجویز کر لینے کا مجاز ہو۔ کائنات میں اس کی حیثیت خدا کے مملوک اور رعیت کی ہے، اس لئے معیارِ عدل تجویز کرنا اس کا اپنا نہیں بلکہ اس کے مالک اور فرمانروا کا کام ہے''۔(۸)

عدلِ اجتماعی کا حقیقی نظام:

انسان خواہ کتنے ہی بلند مرتبے کا ہو اور خواہ ایک انسان یا بہت سے بلند مرتبہ انسان مل کر بھی اپنا ذہن استعمال

Marfat.com

کرلیں، بہرحال! انسانی علم کی محدودیت اور عقل انسانی کی کوتاہی و نارسائی اور انسانی عقل پر خواہشات وتعصبات کی دستبرد سے کسی حال میں بھی مفر نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ انسان خود اپنے لئے کوئی ایسا نظام بناسکتے ہیں جو درحقیقت عدل پر مبنی ہو۔ انسان کے بنائے ہوئے نظام میں ابتداءً بظاہر کیسا ہی عدل نظر آئے، بہت جلدی عملی تجربہ یہ ثابت کر دیتا ہے کہ فی الحقیقت اس میں عدل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہر انسانی نظام کچھ مدت تک چلنے کے بعد ناقص ثابت ہو جاتا ہے اور انسان اس سے بیزار ہوکر ایک دوسرے احمقانہ تجربے کی طرف پیش قدمی کرنے لگتا ہے۔ حقیقی عدل صرف اُسی نظام میں ہوسکتا ہے جو ایک عالم الغیب و الشّھادۃ اور سبُّوح و قُدُّوس ہستی نے بنایا ہے۔(۹)

آپ ﷺ کی بعثت کے وقت عدلِ اجتماعی نہ ہونا:

نبی کریم ﷺ جس معاشرے میں تشریف لائے وہ افلاس کی چکی میں پس رہا تھا اس کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا، طاقت ور کو ضعیف پر ظلم کرنے سے کوئی روکنے والا نہ تھا، یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ نے مختلف سرداروں اور سمجھ دار لوگوں کو اس طرف توجہ دلائی اور بالآخر ایک انجمن قائم ہوگئی جس کے منشور میں یہ بھی شامل تھا کہ ہم غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے اور زبردست کو زیردست پر ظلم کرنے سے روکا کریں گے، آپ ﷺ نبوت کے زمانے میں بھی فرمایا کرتے تھے اور اگر آج بھی اس انجمن کے نام سے کسی کو مدد کے لئے بلاتے تو میں سب سے پہلے اس کی امداد کے لئے تیار ہو جاؤں گا۔(۱۰)

آپ ﷺ کی بعثت کے وقت عالم انسانیت جو ظلم وجور، قتل و غارت اور وحشت و بربریت کا شکار تھا، اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے حالی نے کہا:

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ — ہر اِک لوٹ مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ — نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل وغارت میں چالاک ایسے
درندوں ہوں جنگل میں بے باک جیسے(۱۱)

عدلِ اجتماعی دور جاہلیت میں:

عربوں نے دور جاہلیت میں نظام عدالت کو تین حصوں میں تقسیم کردیا تھا۔۱۔حکومت، ۲۔ثالثی، ۳۔دادرسی۔

عہد جاہلیت کے ممتاز قاضیوں کے تذکرے تاریخ میں محفوظ ہیں، ان میں ہاشم بن عبدمناف، ابولہب بن عبدالمطلب، عاص بن وائل وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ دور جاہلیت میں دشمنی کا خاتمہ صرف جج صاحبان کے فیصلوں سے نہیں ہو جایا کرتا تھا، بلکہ طاقت کے استعمال سے بھی فیصلے کرائے جاتے تھے۔

ثالثی: دور جاہلیت میں عربوں کے درمیان ثالثی کا رواج بھی پایا جاتا ہے، وہ اپنے جھگڑوں کو ثالثوں کے ذریعہ طے کرانے کی جدوجہد کرتے تھے، دور جاہلیت میں واقعات کے متعلق گواہان کے بیانات بھی قلمبند کئے جاتے تھے۔

دادخواہی: دادخواہی کی ایک عدالتی شکل تھی جہاں دادخواہ مظلوم ظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا تھا۔(۱۲)

Marfat.com

معاشی عدل:

اسلام نے معاشرے میں عدلِ اجتماعی قائم کرنے کے لئے معاشی عدل کا حکم دیا اور معاشرے کے ایسے افراد جو کہ نادار ہیں اور خود سے زندگی گزارنے کے لئے وسائل نہیں رکھتے، مالداروں کو ان کی کفالت کا حکم دیا اور اس کے لئے اسلام نے زکوٰۃ، صدقات، عشر، خمس اور دوسری مداعات مثلاً صدقات نافلہ، ہدایا، میراث وغیرہ مقرر کئے، تاکہ معاشرے کے اندر جرائم اور معاشی ناہمواری کی روک تھام ہو، آپ اس سلسلے میں قرآن کریم کی تعلیمات ملاحظہ کریں: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''زکوٰۃ تو غریبوں، مسکینوں، زکوٰۃ کے محکمے میں کام کرنے والوں اور ان لوگوں کیلئے ہے جن کے دلوں کو اسلام کی طرف جوڑنا ہے اور گردن چھڑانے میں جو تاوان بھریں (قرضدار) اور خدا کی راہ میں اور مسافروں کے سلسلے میں، یہ خدا کی طرف سے ٹھہرایا ہوا ہے، اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔''(۱۳)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اور مالداروں کے مال میں سوال کرنے والوں اور محروم رہنے والوں کا حق ہے۔''(۱۴)

اسلام نے معاشی عدل قائم کرنے کے لئے دولت کو ایک ہاتھ میں جمع نہیں ہونے دیا، اسی لئے زکوٰۃ وغیرہ کو مقرر کرتے ہوئے اس کی یہ حکمت بیان کی، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور تاکہ مال، صرف مالداروں ہی میں محصور ہو کر نہ رہ جائے''۔(۱۵)

عدلِ اجتماعی قرآنِ کریم کی روشنی میں

عدل تمام محاسن کی اصل ہے اس کے لئے قرآن کریم نے ہمیں عدلِ اجتماعی قائم کرنے کا حکم دیا اور اس معاملے میں قرآن کریم نے دوست اور دشمن کی تمیز بھی روا نہیں رکھی، ہر ایک کے ساتھ عدل کا حکم دیا، عدل قائم کئے بغیر کوئی معاشرہ ترقی نہیں کرسکتا، بلکہ اپنے وجود پر قائم بھی نہیں رہ سکتا، جب بھی معاشرے سے عدل غائب ہوا ابتری پھیل گئی۔ قرآن کریم نے ہمیں حکم دیا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰی بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤی اَنْ تَعْدِلُوْا﴾ (۱۶)

اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور اللہ کے واسطے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف کی زد خود تمہارے ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو، فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے، لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو۔

اس کے بعد قرآن کریم نے اجتماعی عدل سے متعلق اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ (۱۷)

''کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے''۔

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ﴾ (۱۸)

Marfat.com

اور جن کو یہ شرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں، ان کو برا نہ کہو ایسا نہ ہو کہ یہ بھی اللہ کو بے ادبی سے بغیر علم کے برا کہہ بیٹھیں۔

عدلِ اجتماعی تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

کوئی شخص گوشہ نشین ہوکر بیٹھ جائے تو اس کے لئے عدل و انصاف سے کام لینا نہایت آسان ہے، آنحضرت ﷺ کو عرب کے سینکڑوں قبائل سے کام پڑتا تھا یہ آپس میں ایک ایک کے دشمن تھے، ایک کے موافق فیصلہ کیا جاتا تو دوسرا دشمن بن جاتا، اسلام کی اشاعت کی غرض سے ہمیشہ آنحضرت ﷺ کو تالیف قلوب سے کام لینا پڑتا، ان سب مشکلات کے باوجود انصاف کا پلہ کبھی کسی طرف جھکنے نہ پاتا۔(۱۹) اجتماعی عدل سے متعلق تعلیم دیتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''بے شک انصاف کرنے والے اللہ ہاں نور کے منبروں پر ہوں گے، وہ لوگ جو اپنے فیصلے میں اور گھر کے معاملے میں اور جن کے وہ ذمہ دار ہیں، انصاف برتتے ہیں''(۲۰)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک ساعت عدل کرنا ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔''(۲۱)

عدلِ اجتماعی اور آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ:

آپ ﷺ کی پوری زندگی عدل و انصاف کی آئینہ دار تھی، زندگی کے ہر شعبہ میں آپ ﷺ عدل و انصاف پر عمل پیرا تھے، آپ ﷺ قانونِ الٰہی کے نفاذ میں بہت سختی فرماتے تھے، اور اسے نافذ کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھتے تھے۔ ابوحدرد اسلمی رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے، جن پر ایک یہودی کا قرض تھا اور ان کے پاس بدن پر جو کپڑے تھے ان کے سوا کچھ نہ تھا، یہ وہ زمانہ تھا جب آپ ﷺ خیبر کی مہم کی ارادہ کر رہے تھے، ابوحدرد اسلمی نے یہودی سے مہلت مانگی اس نے نہ دی اور ان کو پکڑ کر آپ ﷺ کی خدمت میں لایا، آپ ﷺ نے فرمایا ان کا قرض ادا کرو، انہوں نے عذر کیا، آپ ﷺ نے پھر فرمایا، انہوں نے پھر یہی جواب دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ غزوۂ خیبر قریب ہے شاید وہاں سے واپسی پر کچھ ہاتھ آجائے تو میں اس کو ادا کردوں، آپ ﷺ نے پھر حکم دیا فوراً ادا کرو آخر انہوں نے اپنا تہبند یہودی کو قرض میں نذر کیا اور سر پر جو عمامہ بندھا تھا اس کو کھول کر کمر سے لپیٹ لیا۔(۲۲)

اس عدل و انصاف کا یہ اثر تھا کہ مسلمان ایک طرف یہود جو آپ ﷺ کے شدید ترین دشمن تھے اپنے مقدمات اس بارگاہ میں لاتے تھے اور ان کی شریعت کے مطابق فیصلہ ہوتا تھا۔(۲۳)

عدلِ اجتماعی کا تصور و اہمیت مذاہب عالم کی نظر میں

دنیا کے تمام مذاہب کے پیروکاروں کے طرزِ عمل، طور طریقوں اور ان کی معاشرتی حالت سے قطع نظر جب ہم ان مذاہب کی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں تو حقیقت بالکل واضح نظر آتی ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب کے ہاں عدل اجتماعی کا تصور ملتا ہے اور وہ معاشرے میں ہر سطح پر عدل و انصاف کا حکم دیتے ہیں اور ظلم و تعدی سے روکتے ہیں اور اپنے پیروکاروں کو نصیحت کرتے ہیں کہ ہر معاملے اور ہر سطح پر انصاف کریں، اس سلسلے میں دنیا کے مشہور مذاہب کی تعلیمات ملاحظہ ہوں۔

اسلام: اے ایمان والو! خدا کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو، اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات

Marfat.com

پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو، انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے۔(۲۴)
آپ ﷺ نے فرمایا: ''بری وہ قوم ہے جو اللہ کی رضا کے لئے بھی عدل نہ کرے''(۲۵)

عیسائیت: سارے فیصلے انصاف کے ساتھ کرو، خبردار رہو، کہیں تم ناانصافی کے غار میں نہ گر پڑو۔ خدا انصاف والا ہے اور ہر شخص کے ساتھ انصاف کرے گا، اس کے عمل کے لحاظ سے۔(۲۶)

بدھ مت: عقلمند ہر چیز کا بھرپور جائزہ لیتا ہے تاکہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کر سکے۔ جلد بازی میں فیصلہ کرنا احمقوں کا کام ہے۔(۲۷)

یہودیت: خدا انصاف کو پسند کرتا ہے اور انصاف ہی اس کی کرسی کا پایہ ہے۔ سچی زندگی اسی کی ہوگی جو اپنے ساتھی انسانوں کے ساتھ ہمیشہ انصاف سے کام لے گا۔(۲۸)

ہندومت: سادھوؤں اور سنتوں کو نقصان پہنچانے والا خود اپنے جال کا شکار ہو جائے گا۔ یہی پرماتما کا انصاف ہے۔(۲۹)

جین مت: میرے بھگوان! مجھے انصاف کے راستے پر چلا۔ میں ہمیشہ دوسروں کی طرف سے لعنت ملامت کے باوجود ثابت قدم اور فوری موت نیز دائمی زندگی کے امکان سے بے پرواہ رہوں اور غربت و امارت کا مجھ پر کبھی کوئی اثر نہ ہو۔(۳۰)

کنفیوشس مت: جس میں عزت نفس ہے وہ انصاف کا خواہاں اور ہر قدم انصاف کے مطابق اٹھائے گا۔ صرف احمق ہی ناانصافی کر سکتے ہیں۔(۳۱)

شنتومت: انصاف کے آگے ناانصافی کی ہار ہوگی۔ اگر تم نے کوئی وعدہ کیا ہے تو ایمانداری کے ساتھ اسے پورا کرو بھلے ہی وہ وعدہ برے لوگوں سے کیا گیا ہو۔ انسان کو ہمیشہ انصاف پر چلنا چاہئے فکر میں بھی اور عمل میں بھی۔(۳۲)

سکھ مت: ہمارے اچھے ہوں یا برے فیصلے کے لئے تیری عدالت میں پیش ہوں گے۔ ہم میں سے کچھ تیرے دربار سے قریب ہوں گے۔ کچھ دور دور رہیں گے۔ جو تجھ سے لو لگائیں گے، مصیبتوں سے مکتی پائیں گے۔ نانک، ان کے چہروں پر مسرت چھوٹ سے جگمگا اٹھیں گے۔ اور دوسروں کو بھی وہ مکتی دلائیں گے۔ اگر تم نے ہمارے اعمال کی بنا پر ہمارا فیصلہ کیا تو ہم نہیں بچ پائیں گے۔ اس لئے اے سب کو بخشنے والے ہمیں بخش دے۔ اور زندگی کے اس سمندر میں نانک کی نیا پار لگا۔(۳۳)

زرتشت مت: انصاف کو سمجھ کر بھی انصاف نہ کرنا بزدلی ہے۔(۳۴)

عدلِ اجتماعی کے حوالے سے برطانیہ کی مثال:

اگرچہ تمام لوگوں اور قوموں کے لئے انصاف کا معیار ایک ہی ہے، لیکن بدقسمتی سے کچھ ممالک ایسے بھی ہیں جہاں حکومت کی نگاہ میں اپنا اقتدار محفوظ رکھنا زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے، برطانیہ میں ایسا نہیں ہوتا اس کا نظام عدل اس بات کی یقین دہانی کراتا ہے کہ کسی شہری پر، آزاد ججوں پر مشتمل کھلی عدالت میں مقدمہ چلانے سے قبل کوئی حکومت، عہدہ دار یا پولیس کا سپاہی

Marfat.com

اس کی آزادی میں مداخلت کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ اگر کسی برطانوی شہری کو پولیس پکڑ لے تو اس کا فرض ہے کہ ملزم کو چوبیس گھنٹے کے اندر اندر لازمی طور پر جج کے سامنے پیش کر دے۔ اگر اس کے دوست اور عزیزوں کو یہ محسوس ہو کہ جج نے مناسب وقت کے اندر اندر اس کی رہائی یا سزا کا فیصلہ نہیں سنایا ہے تو وہ عدالت عالیہ (سپریم کورٹ) میں جاسکتے ہیں اور یہ مطالبہ کرسکتے ہیں کہ یا تو اس پر کھلی عدالت میں فوری طور پر مقدمہ چلایا جائے ورنہ اسے رہا کر دیا جائے۔ یہ فیصلہ عدالت عالیہ کرتی ہے کہ آیا تاخیر مناسب تھی یا نہیں۔ ملزم شخص کو لازمی طور پر مجرم ثابت کیا جانا چاہئے۔ اگر اس جرم کا قطعی ثبوت فراہم نہ ہو تو اس کا آزاد کر دینا لازمی ہے۔(۳۵)

جج تاحیات اپنے عہدے پر فائز:

جج ایک مرتبہ مقرر ہونے کے بعد تاحیات اپنے عہدوں پر فائز رہتے ہیں۔ کوئی حکومت اختلاف رائے کی بنا پر انہیں برطرف نہیں کرسکتی۔ سول ملازمین اور پولیس کے بارے میں بھی یہ بات اتنی ہی صحیح ہے۔ ان سب لوگوں کا تقرر فرمانروا کرتا ہے جو کسی جماعت سے تعلق نہیں رکھتا۔(۳۶)

انصاف کا سرچشمہ:

تخت انصاف کا سرچشمہ ہے۔ حکومتیں آتی اور جاتی رہتی ہیں۔ لیکن برطانیہ میں عدل و انصاف کے اصول آج بھی اسی طرح جاری و ساری ہیں جس طرح ہزار سال پہلے تھے۔ پولیس غیر مسلح ہے۔ وہ سول فوج ہے اور اسے سیاسیات میں حصہ لینے کی اجازت نہیں ہے۔ فوج کے افسروں اور سپاہیوں کا بھی سیاسیات میں حصہ لینا ممنوع ہے۔ عام شہری بغیر لائسنس کے ہتھیار نہیں رکھ سکتے۔ جرم کو روکنا پولیس کا فرض ہے۔ ملک کے دفاع کی ذمہ داری البتہ افواج کے سپرد ہے۔(۳۷)

حکومت کو مداخلت کا حق نہیں:

برطانیہ کے نظام عدل میں کسی بھی حکومت کو مداخلت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، اسی وجہ سے ملک خانہ جنگی سے بچا رہا ہے۔(۳۸)

تحریر وتقریر کی آزادی:

جنگ کے زمانہ کو چھوڑ کر (جب کہ ملک خطرات سے دو چار ہوتا ہے) خیالات کا بذریعہ تقریر وتحریر کھلم کھلا اظہار کیا جاسکتا ہے کیونکہ قانون کا یہ مدعا ہرگز نہیں ہے کہ حکومت پر تنقید نہ کی جائے۔ اس کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ ملکہ معظمہ کی رعایا سے انصاف کیا جائے۔(۳۹) کہا جاتا ہے کہ جنگ عظیم دوم کے وقت ایک موقعہ پر برطانوی صحافیوں نے وزیر اعظم چرچل کو گھیر لیا اور پوچھا کیا ہم جنگ ہار رہے ہیں؟ چرچل نے ان سے پوچھا کیا ہماری عدالتیں انصاف نہیں کر رہی ہیں؟ صحافیوں نے کہا کر رہی ہیں، تو اس نے کہا ہم جنگ نہیں ہار سکتے، یہ ہے اجتماعی عدل کا اثر، جس کے اثرات ہر جگہ پڑتے ہیں۔

عدل اجتماعی اور سیدنا عمر فاروقؓ

عدلِ اجتماعی کے حوالے سے فاروقی دور دنیا کے مؤرخین کی نظر میں سب سے سنہرا دور ہے کہ اسلامی سلطنت کا سورج جزیرہ نما عرب سے نکل کر افریقہ، ایران، ہندوستان، چین کی سرحدوں سے جاملا، وسیع پیمانے پر مختلف قومیں اسلام کے

Marfat.com

پرچم کے نیچے جمع ہوگئیں تھیں، مختلف قوموں کے درمیان عدلِ اجتماعی کے تصور کو عملی جامہ پہنایا گیا اور عدل و انصاف کا وہ حق ادا کیا گیا جس کا قرآن کریم تقاضا کر رہا تھا۔(۴۰) شاہ معین الدین احمد ندوی رقمطراز ہیں:

''حضرت عمرؓ کا اصلی کارنامہ یہ ہے کہ عدلِ اجتماعی کے لئے مذہبی بنیادوں پر ایسا آئین حکومت مرتب کردیا اور ایسا عادلانہ نظام قائم کردیا جو مسلمانوں کی جملہ سعادتوں اور ترقیوں کا ضامن تھا، جس سے بڑھ کر عادلانہ نظام اس دورِ ترقی میں بھی نہیں کیا جاسکتا۔(۴۱)

عدلِ اجتماعی کے نتیجے میں سخت احکامات گوارا:

علامہ شبلی نعمانی دور فاروقی کے عدل اجتماعی کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

سب سے بڑی چیز جس نے ان کی حکومت کو مقبول عام بنایا اور جس کی وجہ سے اہل عرب ان کے سخت احکام کو بھی گوارا کر لیتے تھے۔ یہ تھی کہ ان کا عدل و انصاف ہمیشہ بے لاگ رہا۔ جس میں دوست دشمن کی کچھ تمیز نہ تھی۔ ممکن تھا کہ لوگ اس بات سے ناراض ہوتے کہ وہ جرائم کی پاداش میں کسی کی عظمت وشان کا مطلق پاس نہیں کرتے، لیکن جب وہ دیکھتے تھے کہ خاص اپنی آل و اولاد اور عزیز و اقارب کے ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ ہے تو لوگوں کو صبر آجاتا تھا۔(۴۲)

عدلِ اجتماعی اور اپنا لختِ جگر:

ان کے بیٹے ابوشحمہ نے جب شراب پی تو خود اپنے ہاتھ سے ۸۰ کوڑے مارے اور اسی صدمہ سے وہ بیچارے قضا کر گئے۔ قدامتہ بن مظعون جو ان کے سالے اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔ جب اسی جرم میں ماخوذ ہوئے تو علانہ ان کو اَسّی دُرے لگوائے۔(۴۳)

عدلِ اجتماعی اور عدالتیں:

اگرچہ عدل اجتماعی کا محور حکمراں ہیں کہ یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ ان کی رعایا کے ساتھ مکمل انصاف ہو اور کوئی ظلم و ستم کا شکار نہ ہو، حضرت عمرؓ نے عہد رسالت ﷺ اور عہد صدیقی کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک لائحہ عمل اور اصول و ضوابط مرتب کیا تھا، جس پر عدالتیں سختی سے عمل پیرا تھیں جو کہ یہ ہیں:(۴۴)

﴿۱﴾عدالت میں مدعی اور مدعاعلیہ کو ایک نظر سے دیکھا جائے۔﴿۲﴾نشست گاہ میں کسی کی تخصیص نہ رکھی جائے۔ ﴿۳﴾عدل و انصاف میں کسی کی رعایت ملحوظ نہ رکھی جائے۔ ﴿۴﴾کسی بڑے آدمی کو کسی قسم کی ناجائز توقع نہ ہونے دی جائے۔ ﴿۵﴾کمزور کو عدل و انصاف سے مایوس نہ کیا جائے۔ ﴿۶﴾مدعی کے ذمہ ثبوت دعویٰ اور گواہ پیش کرنا ہے۔ ﴿۷﴾فریقین کو آپس میں راضی نامہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ ﴿۸﴾مدعاعلیہ پر جو منکر ہے قسم پیش کرنا ہے۔ ﴿۹﴾جن مسائل میں تردد لاحق ہو ان میں عقل و درائت سے کام لیا جائے۔ ﴿۱۰﴾مقدمات کا فیصلہ کرتے وقت پچھلے نظائر کو پیش نظر رکھا جائے۔ ﴿۱۱﴾مدعی اور مدعاعلیہ کو گواہیاں بہم پہنچانے کی سہولت دی جائے۔ ﴿۱۲﴾مسلمان ایک دوسرے کے لئے گواہان عادل کی حیثیت سے پیش ہوسکتے ہیں۔ ﴿۱۳﴾وہ مسلمان جن پر حد شرعی جاری ہوچکی ہو اور ان کے متعلق جھوٹی گواہی کا تجربہ حاصل

Marfat.com

ہو چکا ہو یا فریق مخالف کے ساتھ ذاتی تعلق یا قرابت داری رکھتے ہوں بحیثیت گواہ قبول نہیں۔(۴۵) ﴿۱۴﴾ تمام انسان انسانی حقوق میں برابر خیال کیے جائیں، بشرطیکہ پابند قانون ہوں۔ عدل کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص کو ان کا حق ملے اور اگر کوئی اس حق پر ہاتھ ڈالے تو جرم کے برابر اس کی سزا ہے۔ ۱۵۔مکافات میں مساوات کا لحاظ کرنا عدل ہے۔ ﴿۱۶﴾ عدل افراط اور تفریط کے درمیان ایک نقطہ مساوات ہے جو افراط کو برابر رکھتا ہے اور حق پر آ کر رک جاتا ہے۔ ﴿۱۷﴾ عدل یہ ہے کہ حقدار کو حق دلایا جائے اور جس کا حق نہ ہو اس سے واپس لے لیا جائے۔ ﴿۱۸﴾ عدل واجب التعمیل احکام کی تعمیل کا نام ہے۔ حق کو تسلیم کیا جائے اور ظالم کا خاتمہ کردیا جائے۔ ﴿۱۹﴾ ظالموں کو ایک دوسرے کا معاون سمجھا جائے جو افراد دوسروں پر ظلم کرتے ہیں وہ ملزم ہیں۔(۴۶) آج سوئے قسمت ہمارا نظام عدالت اس نہج پر ہے کہ ان پڑھ، غریب انصاف سے محروم ہے امراء کی طرفداری کھلم کھلا ہوتی ہے، جھوٹی گواہی، رشوت ستانی نچلی سطح پر عام ہے۔

نہ ہو نومید، نومیدی زوال علم و عرفان ہے امید مرد مؤمن ہے خدا کے راز دانوں میں(۴۷)

عدالت اجتماعی اور حصول حق کی آزادی:

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عدلِ اجتماعی کے نتیجے میں ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ یہ موقع حاصل تھا کہ لوگ علی الاعلان اپنے حقوق کا اظہار کرتے تھے، دربار خلافت میں ہر شخص شکایت لے کر حاضر ہوسکتا تھا اور دربار خلافت اور عدالتوں میں دادرسی کا حق ہر ایک کو بآسانی حاصل تھا۔(۴۸)

عدل اجتماعی اور عورتوں کا رتبہ:

دور فاروقی میں عورتوں کی ایک بڑی جماعت قاضی اور مفتی کے فرائض انجام دیتی تھی، فقیہہ اعظم امام الفقہاء حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور تمام امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے فتاوے قول فیصل کا درجہ رکھتے تھے، ان کے علاوہ بھی ایسی عورتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے اپنی قانون دانی کا لوہا منوایا۔(۴۹)

عدل اجتماعی سے متعلق ہمیشہ زندہ رہنے والی مثالیں

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا جب ہم گہرائی و گیرائی سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے اعلیٰ انسانی اقدار کی ہمیشہ زندہ رہنے والی وہ مثالیں سامنے آتی ہیں جن سے معاشرے، دنیا میں عدل اجتماعی کا تصور عملی طور پر وجود میں آتا ہے اور یہی عدل اجتماعی، مساوات، امیر و غریب اور شاہ و گدا کی برابری اسلام کی اشاعت کا ذریعہ بنتی ہے۔

زمین و آسمان قائم ہیں:

عدل اجتماعی کے نتیجے میں غیروں کی زبان سے بھی داد و تحسین کا غلغلہ بلند ہوتا ہے اور ان کے دل اسلام کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ خیبر فتح ہونے کے یہودیوں کی درخواست پر ان کی زمینیں نصف پیداوار کی بٹائی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس ہی رہنے دیں، جب بٹائی کا وقت آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غلے کی تقسیم کے لئے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بھیجتے تو وہ تمام غلے کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرتے اور پھر یہودیوں سے کہتے جو حصہ چاہو لے لو، ان کا ان پر یہ اثر ہوا کہ ان کی زبان سے بے ساختہ نکلتا کہ ”زمین و آسمان ایسے ہی عدل پر قائم ہیں“۔(۵۰)

Marfat.com

یہی آئین قدرت ہے، یہی اسلوبِ فطرت ہے ۔ جو ہے راہِ عمل میں گامزن محبوبِ فطرت ہے(۵۱)

عدل اجتماعی اور چہرہ انور ﷺ پر سرخی:

فتح مکہ کے بعد عرب میں صرف طائف رہ گیا تھا، جس نے گردنِ تسلیم خم نہیں کی، آنحضرت ﷺ نے اس کا محاصرہ کیا، لیکن پندرہ بیس روز کے بعد محاصرہ اٹھالینا پڑا۔ صخر ''ایک رئیس تھے، ان کو یہ حال معلوم ہوا تو خود جاکر طائف کی حصار بندی کی اوراہل شہر کو اس قدر دبایا کہ بالآخر وہ مصالحت پر راضی ہوگئے، صخر نے بارگاہِ نبوت ﷺ میں اطلاع کی۔ مغیرہ بن شعبہ ثقفی آپ ﷺ کی خدمت میں آئے کہ صخر نے میری پھوپھی کو قبضہ میں کر رکھا ہے، آپ ﷺ نے صخر کو بلا بھیجا اور حکم دیا کہ مغیرہ کی پھوپھی کو ان کے گھر پہنچادو، اس کے بعد بنوسلیم آئے کہ جس زمانہ میں ہم کافر تھے صخر نے ہمارے چشمہ پر قبضہ کرلیا تھا، اب ہم اسلام لائے، ہمارا چشمہ ہم کو واپس دلایا جائے، آپ ﷺ نے صخر کو بلا بھیجا، اور فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کرتی ہے تو اپنے جان و مال کی مالک ہو جاتی ہے، اس لئے ان کو ان کا چشمہ دیدو، صخر کو منظور کرنا پڑا، راوی کا بیان ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے حکم سے صخر نے دونوں حکم منظور کیے تو میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے چہرہ پر شرم سے سرخی آ گئی۔ (۵۲) کہ صخر کو دونوں معاملوں میں شکست ہوئی، اور فتح طائف کا ان کو کوئی صلہ نہ ملا۔ لیکن آپ ﷺ نے عدلِ اجتماعی کے پیش نظر فیصلہ حق پر ہی فرمایا اور اسلام پر ان کے احسان کا خیال نہ فرمایا۔

خیبر کے یہودیوں سے جب صلح ہو کر وہاں کی زمین مجاہدین میں تقسیم کردی گئی تو عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ ایک دفعہ کھجوروں کی بٹائی کے لئے گئے، محیصہ ان کے چچیرے بھائی ساتھ تھے، عبداللہ گلی میں جارہے تھے کہ کسی نے ان کو قتل کرکے لاش ایک گڈھے میں ڈالدی، محیصہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جاکر استغاثہ کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''تم قسم کھاسکتے ہو کہ یہودیوں نے ان کو قتل کیا'' بولے میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا ''آپ ﷺ نے فرمایا تو یہود سے حلف لیا جائے'' بولے''حضرات یہودیوں کی قسم کا اعتبار کیا، یہ سو دفعہ جھوٹی قسم کھالیں گے'' خیبر میں یہود کے سوا اور کوئی قوم آباد نہ تھی، یہ یقینی تھا کہ یہودیوں ہی نے عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے، تاہم چونکہ کوئی عینی شہادت موجود نہ تھی، آنحضرت ﷺ نے یہود سے(۵۳) تعرض نہیں فرمایا اور خونبہا کے سو اونٹ بیت المال سے دلوائے۔(۵۴)

عدلِ اجتماعی حسب نسب قرابت سے بالاتر:

خاندانِ مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی قریش کی عزت کے لحاظ سے لوگوں نے چاہا کہ سزا سے بچ جائے اور معاملہ دب جائے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے، لوگوں نے ان سے کہا: آپ رضی اللہ عنہ سفارش کر دیں، انہوں نے آپ ﷺ سے معافی کی درخواست کی تو آپ ﷺ غضبناک ہوگئے اور فرمایا کہ اے اسامہ کیا تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟ پھر آپ ﷺ نے کھڑے ہوکر خطبہ ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوگئے کہ جب ان میں کوئی بڑا چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے اور اللہ کی قسم اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتیں تو محمد ﷺ ان کے ہاتھ بھی کاٹ دیتے''۔(۵۵)

Marfat.com

باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں:

عدل اجتماعی آپ ﷺ کی تعلیمات کا وہ درخشاں پہلو ہے، جس کی وجہ سے اسلام کی ضیاء پاشیاں چہار دانگ عالم میں پھیلیں بنو ثعلبہ کے چند لوگ جب ربذہ سے مدینے آئے تو آپ ﷺ مسجد نبوی ﷺ میں خطبہ دے رہے تھے، ان کا بیان ہے کہ ہم لوگوں کو دیکھ کر ایک انصاری نے اٹھ کر کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ یہ لوگ بنو ثعلبہ کے قبیلے کے ہیں اور ان کے مورث نے ہمارے اندان کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، اس کے بدلے میں ان کا ایک آدمی قتل کرا دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جاسکتا۔'' (۵۶)

بادشاہ کو کوئی گواہ نہیں مل سکا:

قاضی ابوحازم کو ایک مرتبہ خلیفہ معتضد باللہ (۲۷۹ھ۔۲۸۹ھ) نے پیغام بھیجا کہ فلاں شخص کی طرف سے جس پر کئی لوگوں نے دعویٰ کر کے اپنا اپنا مال لے لیا ہے، میرا بھی کچھ مال نکلتا ہے۔ مجھے بھی مدعی سمجھئے اور میرے دعوے پر غور کر کے میرا حصہ بھی مجھے دلوائیے۔

قاضی نے جواب میں کہلا بھیجا کہ قضا کی ذمہ داری میری گردن پر ڈال کر اب آپ یہ فرماتے ہیں کہ بغیر گواہوں کے آپ کے دعوے کو مان لوں۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے؟ آپ گواہ پیش کیجئے۔

خلیفہ نے کہلا بھیجا کہ فلاں اور فلاں میرے دو معزز گواہ ہیں۔ قاضی نے جواب دیا: وہ گواہ آپ کے نزدیک معزز ہوں گے، تاہم جب تک میں یہ نہ دیکھ لوں کہ بموجب احکام شرع وہ شہادت دینے کے قابل ہیں یا نہیں، آپ کے دعوے کو نہیں مان سکتا، نہ ان کی شہادت قبول کرسکتا ہوں۔ خطیب بغدادی اور ابن عساکر نے ابوالحسین الخصیبی سے اس سلسلے میں جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں: ''وہ دونوں گواہ آ کر میرے پاس شہادت دیں، میں ان کی تفتیش کروں گا۔ اگر وہ شہادت کے قابل ہوئے تو میں ان کی شہادت قبول کروں گا، بصورت دیگر میں ثابت شدہ مقدمے کے مطابق فیصلہ کروں گا۔''

خلیفہ کے گواہوں نے جب سنا کہ عدالت میں ہم پر خوب جرح ہونے والی ہے، تو انہوں نے شہادت دینے سے انکار کر دیا اور قاضی ابوحازم نے خلیفہ کے مقدمے کو خارج کر دیا اور خلیفہ کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ (۵۷)

بوڑھے یہودی کے ساتھ عدل:

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے فقیر کو بھیک مانگتے دیکھا تو پوچھا کس مذہب سے ہو؟ اس نے کہا یہودی، پوچھا بھیک کیوں مانگتے ہو؟ کہنے لگا جزیہ کی ادائیگی کے لئے کہ مجھ میں ادا کرنے کی طاقت نہیں، حضرت عمرؓ اس کو گھر لائے اور کچھ نقد رقم دے کر بیت المال کے انچارج سے کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا جائے، پھر یہ آیت تلاوت کی: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ﴾ (۵۸)

اور یہ بھی فرمایا: ''واللہ یہ انصاف کی بات نہیں کہ ان لوگوں کی جوانی سے ہم متمتع ہوں اور بڑھاپے میں ان کو نکال دیں'' (۵۹)

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے ذرا سے بیج سے ریاضِ طور ہوتا ہے (۶۰)

Marfat.com

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے ۔ کیا ہے اپنے بختِ خفتہ کو بیدار قوموں نے (۶۱)

عدلِ اجتماعی کا نمونہ:

غسان کے بادشاہ جبلہ نے اسلام قبول کرلیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے اسلام لانے کی بہت خوشی ہوئی۔ وہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ کسی غریب آدمی کا پاؤں اس کے کپڑے پر آ گیا۔ اس پر جبلہ نے ایک زور دار تھپڑ اس غریب کو دے مارا۔ اس غریب کا دانت ٹوٹ گیا۔ اس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔ جبلہ نے جرم کا اقرار کیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے غریب سے فرمایا: اپنا بدلہ لے لو، یعنی اسے بھی اتنے ہی زور سے تھپڑ رسید کرو۔ جبلہ یہ فیصلہ سن کر سراسیمہ ہوگیا اور بولا: اس عام سے آدمی کو مجھ جیسے بادشاہ کے برابر کردیا گیا ہے کہ اُسے مجھ سے بدلہ لینے کا حق حاصل ہوگیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسلام نے تم دونوں کو برابر کردیا ہے۔ جبلہ نے بدلہ دینے کے لئے ایک روز کی مہلت مانگی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسے مہلت دے دی۔ وہ رات کے وقت چھپ کر بھاگ نکلا اور اسلام سے پھر گیا، مرتد ہوگیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی ذرہ برابر پروا کی، نہ اسلام کو جبلہ کے مرتد ہونے سے کوئی نقصان پہنچا، بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رعایت کرتے تو ضرور اسلام کو نقصان پہنچتا۔ (۶۲)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ذاتِ اقدس کو پیش کرنا:

مرض الموت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع عام میں اعلان فرمایا اگر میرے ذمے کسی کا قرضہ ہو، اگر میں نے کسی کی جان و مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہوتو میرے جان و مال و آبرو حاضر ہے، اس دنیا میں وہ انتقام لے لے، مجمع میں سناٹا تھا، صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو دلوا دیئے گئے۔ (۶۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مال تقسیم فرما رہے ہیں تو ایک شخص آگے بڑھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکڑی سے اسے روکا تو اس کے چہرے پر خراش آ گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آؤ اپنا بدلہ لے لو تو اس شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے درگزر کیا۔ (۶۴) جب اسلامی لشکر اردن کی وادی میں پہنچا اور ابوعبیدہ نے محل کے مقام پر اپنے خیمے گاڑ دیئے تو ملک کے عیسائی باشندوں نے عربوں کو لکھا: ''اے مسلمانو! ہم تم کو رومیوں پر ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ وہ ہمارے ہم مذہب ہیں، لیکن تم ہمارے ساتھ عہد و پیمان کی پابندی کرتے ہو، ہمارے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے ہو، اور بے انصافی سے احتراز کرتے ہو۔ (۶۵) اسی طرح جب ہرقل کی فوج حمص کے قریب آئی تو شہر والوں نے فصیل کے دروازے بند کر لئے اور مسلمانوں سے کہا کہ ہم تمہاری حکومت اور تمہارے عدل کو رومیوں کی بے انصافی اور ظلم کے مقابلے میں بہتر جانتے ہیں۔ (۶۶)

سید امیر علی کا تجزیہ:

The Spirit of Islam کا مصنف سید امیر علی خلفائے راشدین کے دورِ حکومت کے حوالے سے رقمطراز ہے:

''عدالتیں حکومت کی مطیع نہ تھیں، حکومت ان کے فیصلوں میں دخل اندازی نہیں کرسکتی تھی۔ یہاں تک کے ابتدائی خلفاء کے ہاتھ میں اتنا اختیار بھی نہ تھا کہ ایسے لوگوں کو جنہیں عدالتوں نے سزا دی معاف کردیں، قانون سب کے لئے ایک تھا، امیر کے لئے بھی غریب کے لئے بھی، صاحب اقتدار کے لئے

Marfat.com

بھی اور کھیت میں محنت و مشقت کرنے والے کے لئے بھی۔(۶۷)

عدل اجتماعی سے متعلق قرآنی آیاتِ بینات

۱. ﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ط اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًام بَصِيْرًا﴾(۶۸)

''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو، اللہ تمہیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ سنتا اور دیکھتا ہے۔''

۲. ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ﴾ (۶۹)

''اے ایمان والو! اللہ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو۔''

۳. ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا﴾ (۷۰)

''اور جب کسی کی نسبت کوئی بات کہو تو انصاف سے گو وہ تمہارا رشتہ دار ہی ہو اور خدا کے عہد کو پورا کرو''

۴. ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾(۷۱)

''اے پیغمبر ﷺ ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی تا کہ اللہ کی ہدایات کے مطابق لوگوں میں فیصلہ کرو اور دغابازوں کی حمایت میں کبھی بحث نہ کرنا''

۵. ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾ (۷۲)

''بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو ان کے حقداروں تک پہنچا دو۔''

۶. ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ (۷۳)

''اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، اچھے کام کرے گا تو اس کو ان کا فائدہ ملے گا، برے کرے گا تو اسے ان کا نقصان پہنچے گا۔''

۷. ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾(۷۴)

''اور اگر مومنوں میں سے دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والوں سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے، پس جب وہ رجوع کرے تو دونوں فریقوں میں مساوات کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے''

۸. ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ (۷۵)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی،

Marfat.com

اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی طرف رجوع کرو۔ یہ بہت اچھی بات ہے، اور اس کا مال بھی اچھا ہے''۔

۹. ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (۷۶)

''تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں آپ ﷺ کو منصف نہ بنائیں، اور جو فیصلہ تم کردو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں، بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تک مومن نہیں ہوں گے''۔

۱۰. ﴿وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا﴾ (۷۷)

''اور جو لوگ اپنے ہم جنسوں کی خیانت کرتے ہیں، ان کی طرف سے بحث نہ کرنا، کیونکہ اللہ خائن اور مرتکب جرائم کو دوست نہیں رکھتا''۔

۱۱. ﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۷۸)

''اور اگر ان میں فیصلہ فرماؤ تو انصاف سے فیصلہ کرو، بے شک انصاف کرنے والے اللہ کو پسند ہیں''

۱۲. ﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ﴾ (۷۹)

''آپ ﷺ فرما دیجئے میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے''

۱۳. ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۸۰)

''بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے''

۱۴. ﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (۸۱)

''مسلمانوں کی بابت تو یہی ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلائے جائیں کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے تو عرض کرتے ہیں ہم نے سنا اور حکم مانا اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں''

۱۵. ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (۸۲)

''تم بہترین اُمت ہو، لوگوں کی نفع رسانی کے لئے نکالی گئی ہو''۔

۱۶. ﴿لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ (۸۳)

''زمین پر فساد مت پھیلاؤ''

۱۷. ﴿وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ﴾ (۸۴)

اور ایک دوسرے کے ساتھ بھلائی مت بھولو۔

۱۸. ﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾ (۸۵)

''اور مت جھکو ظالموں کی طرف ورنہ تمہیں آگ پکڑے گی''

Marfat.com

۱۹۔ ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ﴾ (۸۶)

”بری بات کے جواب میں وہ کہہ جو بہتر ہے“

۲۰۔ ﴿وَاَحْسِنْ کَمَا اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ﴾ (۸۷)

”اور تم دوسروں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ نیکی اور بھلائی کرتا ہے“۔

۲۱۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (۸۸)

”بے شک اللہ تعالیٰ (سب کے ساتھ) عدل و احسان وحسن سلوک کا حکم دیتا ہے“۔

۲۲۔ ﴿وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ (۸۹)

”اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو، انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے“۔

عدلِ اجتماعی کے متعلق نبویe شہ پارے

۱۔ ”اے ابو ہریرہؓ ایک ساعت عدل کرنا ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے“۔(۹۰)

۲۔ ”ترازو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ایک قوم کو بلند کرتا ہے اور دوسری کو پست“ (یعنی انصاف کی وجہ سے بلندی عطا ہوتی ہے اور عدل نہ کرنے کی وجہ سے پستی)(۹۱)

۳۔ ”حاکم کی نرم خوئی اور عدل سے زیادہ کوئی چیز اہم نفع والی نہیں“۔(۹۲)

۴۔ ”جنت میں سب سے پہلے عادل فیصلہ کنندہ (جج) اور بادشاہ داخل ہوگا“۔(۹۳)

۵۔ ”تجھ کو افسوس ہے جب میں عدل نہ کروں تو کون کرے گا“۔(۹۴)

۶۔ اگر میں نے عدل نہ کیا تو تو بدبخت ہوں گا۔(۹۵)

۷۔ اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہے، جب تک وہ اپنی خواہش پر فیصلہ نہ کرے۔(۹۶)

۸۔ رشوت دینے اور رشوت لینے پر اللہ لعنت کرتا ہے۔(۹۷)

۹۔ اللہ قاضی کے ساتھ ہے، جب تک وہ عمداً ظلم نہ کرے۔(۹۸)

۱۰۔ بری وہ قوم ہے جو اللہ کی رضا کے لئے بھی عدل نہ کرے۔(۹۹)

۱۱۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعظیم کرو اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے محبت کرو۔(۱۰۰)

۱۲۔ اللہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو سوائے سرکش کے عذاب نہیں دیتا۔(۱۰۱)

۱۳۔ اللہ ان لوگوں کو عذاب دے گا جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں۔(۱۰۲)

۱۴۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل کرو۔(۱۰۳)

۱۵۔ وہ دو مقابل جو قاضی کے سامنے بیٹھیں ان میں فیصلہ کیا جائے گا۔(۱۰۴)

۱۶۔ اپنی لاٹھی اپنے گھر والوں سے دور نہ رکھ، اور ان پر اپنی طرف سے انصاف کر۔(۱۰۵)

۱۷۔ رسول اللہ ﷺ سے نہ لوگوں کو دور کیا جاتا تھا نہ مارا جاتا تھا۔(۱۰۶)

Marfat.com

۱۸۔ بے شک انصاف کرنے والے اللہ کے ہاں نور کے منبروں پر ہوں گے، وہ لوگ جو اپنے فیصلے میں اور گھر کے معاملے میں اور جن کے وہ ذمہ دار ہیں، انصاف برتتے ہیں۔(۱۰۷)

۱۹۔ لوگوں میں بدترین لوگ وہ ہیں جو لوگوں کو بیچتے ہیں۔(۱۰۸)

عدل اجتماعی کی راہ میں حقیقی رکاوٹیں

آج دنیا میں مجموعی طور پر عدل اجتماعی کا خاتمہ ہے، اگر سوئے قسمت کسی معاشرے میں مثلاً مغرب کے کسی حصہ میں عدالتیں فعال ہیں، اور قانون کی پاسداری ہوتی ہے تو یہی لوگ دوسری قوموں اور دوسرے مذاہب کے ساتھ بدترین سلوک روا رکھتے ہیں، جن سے ان کے چہرے کا نقاب اتر جاتا ہے۔

ا۔ اہل حق کا طاقت ور نہ ہونا:

آج ہمیں دنیا کے کسی بھی معاشرے میں عدلِ اجتماعی کا جو فقدان نظر آتا ہے اس کی سب سے بڑی اور اہم وجہ یہ ہے کہ اہل حق حاملین قرآن وسنت کمزور ہیں نہ تو وہ حکومت میں ہیں اور نہ ہی حکومت پر اثرانداز ہونے کی پوزیشن میں، اور نہ ہی وہ جدید سائنس وٹیکنالوجی کے حامل ہیں، یہاں تک کہ جنگی سازوسامان میں بھی وہ غیروں کے محتاج ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم نے بڑے واضح انداز میں کہا ہے:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾(۱۰۹)

''اور ان کے لئے تیار رکھو جو قوت تمہیں بن پڑے۔''

یہ قوت ہی عدل اجتماعی کا مؤثر ذریعہ ہے حاملین وحی نے کبھی غیر مسلم اور دشمن کے ساتھ بھی ناانصافی نہیں کی، لیکن آج شیطانی قوتیں عروج اور طاقتور ہیں، اس لئے کہا گیا ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات، ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا:

المومن القویُّ خَیرٌ وَاَحبُّ اِلَی اللہ من المؤمن الضعیف (۱۱۰)

''طاقتور مؤمن اللہ کے نزدیک ضعیف مومن سے بہتر اور زیادہ محبوب ہے''۔

ہم اس نبی ﷺ کے امتی ہیں جن کے بارے میں کہا گیا:

کَانَ اشجع النَّاسِ (۱۱۱)

''رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ بہادر تھے۔''

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

من رای منکم منکراً فلیغیرہُ بیدہٖ (۱۱۲)

''جو تم میں برائی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ (طاقت) سے روک دے۔'' اور ہاتھ سے روکنے کیلئے طاقتور ہونا ضروری ہے۔

۲۔ عدمِ مساوات:

آج معاشرے میں عدل اجتماعی کا جو فقدان ہمیں نظر آرہا ہے اس کی ایک بڑی اور اہم وجہ عدمِ مساوات ہے، امیروں اور غریبوں میں واضح فرق ہے، اہل مغرب کے ساتھ الگ سلوک، ایشائی باشندوں کے ساتھ الگ سلوک، انگریزوں کے

Marfat.com

نمک خواروں اور کاسہ لیسیوں کے ساتھ الگ سلوک اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے جاں نثاروں کے ساتھ الگ رویہ آیئے اپنے نبی پاک ﷺ کے ارشادات ملاحظہ کریں۔

☆ ''انسانوں کے لئے وہی کچھ پسند کرو جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتے ہو تو مسلمان کہلاؤ گے''۔(۱۱۳)

☆ ''اللہ کے احکام کی تعظیم کرو اور اللہ کی مخلوق سے محبت کرو''۔(۱۱۴)

☆ ''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ مخلوق وہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ بھلائی کرے''۔(۱۱۵)

☆ ''تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے''۔(۱۱۶)

۳۔ڈرون حملے:

آج طاقت کا بدترین استعمال انتہائی بے غیرتی سے ہو رہا ہے، جس میں بے گناہ معصوم بچے اور عورتیں شہید ہو رہی ہیں، انسانیت کے علمبردار، انسانی حقوق کے دعویدار تمام این جی اوز، اینکر پرسن، گونگے اور اپنے چہرے پر بے غیرتی سجائے خاموش ہیں، الا ماشاء اللہ۔ اگر آج ہادی عالم ﷺ کے فرمان مبارک کی روشنی میں احترام آدمیت، مساوات اور دوسروں کی خیرخواہی دل میں پیدا ہو جائے تو وہ معاشرہ پروان چڑھے گا، جہاں عدل و انصاف کا چرچا ہوگا۔

۴۔رشوت:

آج عدلِ اجتماعی کی راہ میں جو ایک اہم رکاوٹ ہے، وہ رشوت ہے پہلے تو رشوت صرف مالی ہوتی تھی، اب تو اس کے اتنے اقسام ہوگئے کہ رشوت کے طریقوں کے لئے الگ باب باندھا جاسکتا ہے، عہدہ، سفارت، رکنیت وغیرہ کی صورت میں اور آج ہر معاشرہ کسی نہ کسی صورت میں اس میں جکڑا ہوا نظر آتا ہے، جبکہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الرَّاشي والْمُرْتَشي (۱۱۷) ''رشوت لینے وار دینے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔''

ترمذی کی روایت میں ہے کہ ''اللہ کے رسول ﷺ نے رشوت لینے اور دینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔(۱۱۸) آپ ﷺ نے یہ فرمایا: ''رشوت دینے اور لینے والے دونوں آگ میں ہیں'' یعنی جہنم میں جائیں گے۔(۱۱۹)

۵۔سفارش:

ناجائز سفارش بھی عدل اجتماعی کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے، ایسے افراد جو کہ اشرافیہ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں یا جن کی اعلیٰ حکام کے ساتھ مجلس رہتی ہے ان کے کام اور ان کے فیصلے سفارشوں پر ہوتے ہیں، جن کی وجہ سے انصاف کا خون ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اسامہ اللہ کی حدود میں سفارش مت کرنا'' (۱۲۰)

ابوداؤد کی حدیث ہے: ''جو کوئی کسی شخص کی سفارش کرے پھر وہ اس سفارش کے عوض اس سفارش کنندہ کو کوئی تحفہ بھیجے تو وہ اسے قبول کرلے تو وہ سود کے دروازوں میں سے ایک بڑے دروازے میں داخل ہوگیا'' (۱۲۱) جبکہ کسی مصیبت زدہ، پریشان حال ضرورتمند کی جائز سفارش پر اللہ کے نبی ﷺ نے اجر کی نوید سنائی ہے، آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: ''سفارش کرو ثواب دیئے جاؤ گے اللہ اپنے نبی کی زبانی جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے'' (۱۲۲)

Marfat.com

۶۔اقرباء پروری:

عدلِ اجتماعی کے قیام میں ایک حقیقی رکاوٹ اقرباء پروری ہے کہ اقرباء پروری کے نتیجے میں نااہل افراد کا تقرر ہو جاتا ہے جو اہلیت سے خالی ہوتے ہیں، اور اپنے عہد سے عدل و انصاف نہیں کرسکتے، جس کے نتیجے میں عدل و انصاف کا خون ہوتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بڑے واضح انداز میں ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾ (۱۲۳)

''بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اس کے حقدار تک پہنچادو''۔

کیا حاکم وقت کو عدالت میں طلب کیا جاسکتا ہے؟

عدلِ اجتماعی کے حوالے سے ایک بات بڑی اہم ہے کہ کیا سربراہ مملکت (صدر) وزیر اعظم، سپہ سالار وغیرہ کو عدالت میں طلب کیا جاسکتا ہے یا انہیں استثنا حاصل ہے جب ہم اس کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ تلخ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلام کے آفاقی اور عادلانہ نظام اپنی جگہ یہ تو مغربی قانون میں بھی نہیں کہ کسی سربراہِ مملکت کو استثناء حاصل ہو، عدلِ اجتماعی کے حوالے سے علامہ شبلی نعمانی رقمطراز ہیں، حکومت جمہوری کا اصل زیور یہ ہے کہ بادشاہ ہر قسم کے حقوق میں عام آدمیوں کے ساتھ برابری رکھتا ہو یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنیٰ نہ ہو۔(۱۲۴)

امیرالمؤمنین سیدنا عمر فاروقؓ عدالت میں:

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ جب امیر المؤمنین تھے، حضرت ابی بن کعبؓ سے کچھ نزاع ہوگیا، حضرت ابیؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا، حضرت عمرؓ مدعاعلیہ کی حیثیت سے پیش ہوئے، حضرت زیدؓ نے تعظیم کی تو فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے، یہ کہہ کر ابیؓ کے ساتھ بیٹھ گئے۔(۱۲۵)

امیرالمؤمنین سیدنا حضرت علی مرتضیٰؓ عدالت میں:

ایک مرتبہ سیدنا حضرت علیؓ کی زرہ گر پڑی جو ایک یہودی نے اٹھالی آپ نے ایک موقعہ پر اسکو دیکھ کر پہچان لیا اور یہودی سے مطالبہ کیا، لیکن اس نے دینے سے انکار کیا، جبکہ آپؓ امیرالمؤمنین تھا اور کہا آپؓ عدالت سے فیصلہ کرالیں، آپ قاضی شریح کی عدالت میں دعوے کے لئے حاضر ہوئے جبکہ یہودی نے کیا زرہ میری ہے، جس پر قاضی شریح نے حضرت علیؓ سے ثبوت طلب کیا، جس پر آپؓ نے اپنے غلام اور سیدنا حضرت حسینؓ کو پیش کیا، قاضی نے سیدنا حضرت حسینؓ کی شہادت بیٹے ہونے کی بناء پر قبول نہیں کی، حالانکہ آپؓ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں، لیکن قاضی نے کہا انصاف کے تقاضے جدا ہیں، قاضی شریح نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا اس فیصلے کا یہودی پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے اقرار جرم کیا اور مسلمان ہوگیا اور کہا یہ انبیاء کے جیسا انصاف ہے کہ امیرالمؤمنین مجھے اپنی عدالت کے قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں اور قاضی امیرالمؤمنین کے خلاف فیصلہ دیتا ہے۔(۱۲۶)

حاکم وقت کی گواہی مسترد:

قسطنطنیہ مسلمانوں کی سلطنت عثمانیہ کا دارالحکومت آج کا استنبول ہے، عدالت لگی ہوئی ہے قاضی شمس الدین محمد حمزہ

Marfat.com

عدالت کی کرسی پر براجمان ہیں، مقدمہ پیش ہوا، قاضی کے گواہان کی فہرست دیکھی تو اس کے اندر حاکم وقت سلطان بایزید یلدرم کا نام بھی شامل ہے، سامنے دیکھا تو وہ گواہوں کے کٹہرے میں کھڑا ہے، اچانک قاضی نے فیصلہ سنایا سلطان یلدرم کی گواہی کو مسترد کیا جاتا ہے کیونکہ گواہ قابل اعتبار نہیں، عدالت میں سناٹا چھا گیا۔ حاکم وقت کی گواہی قابل قبول نہیں، لوگ حیران و ششدر رہ گئے، سلطان بایزید نے آگے بڑھ کر قاضی کو مخاطب کیا، کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ مجھے گواہی کے قابل کیوں نہیں سمجھا گیا؟ قاضی نے حکام کی حیثیت اور ہیبت کو نظرانداز کرتے ہوئے، اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا: ''گواہ باجماعت نماز ادا نہیں کرتا اس لئے گواہی ناقابل قبول ہے'' حاکم نے فیصلہ سنکر اس کے سامنے گردن جھکا دی اور اپنی کمزوری کا اعتراف کرتے ہیں، فی الفور محل کے سامنے مسجد بنوائی تاکہ آئندہ باجماعت نماز ادا کرے۔(۱۲۷)

اگر حاکم وقت عدالت کے سامنے جوابدہ نہ ہو تو کبھی بھی معاشرے میں عدلِ اجتماعی قائم نہیں ہو سکتا۔

حکومت کے زوال پذیر ہونے کا سبب

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے کسی حاکم نے اپنے شہر کی ویرانی کا شکایت نامہ بھیجا اور امیر المؤمنین سے اس کو آباد کرنے کے لئے مال طلب کیا۔

امیر المؤمنین نے اس کو جواب میں لکھا: ''جب تم میرا خط پڑھو تو اپنے شہر کو عدل وانصاف ذریعے سے محفوظ کر دو، اور شہر کے راستوں سے ظلم و زیادتی دور کر دو، کیونکہ ظلم و زیادتی ہی شہر کی ویرانی کا باعث ہے۔والسلام'' یہ درست کہا گیا ہے: ''ملک لشکر کے بغیر نہیں، لشکر مال کے بغیر نہیں، مال شہروں کے بغیر نہیں، شہر عوام کے بغیر نہیں اور عوام انصاف کے بغیر نہیں'' (۱۲۸)

عدلِ اجتماعی اور ریاستی جرائم

اسلام معاشرے میں عدلِ اجتماعی قائم کرنے کے لئے ان تمام افعال کو ممنوع قرار دیتا ہے جو مصلحت عامہ اور لوگوں کی اجتماعی زندگی کے خلاف ہیں، اور جو لوگ ایسے افعال کا ارتکاب کرتے ہیں تو ان کے لئے اسلام نے تعزیزی سزا مقرر کی ہے، آج دنیا کی کسی بھی سوسائٹی کو لے لیں وہ جرائم کا ایک ہجوم نظر آتا ہے اس کا سب سے بڑا سبب عدل اجتماعی یعنی انصاف کے معاملے میں یکساں سلوک کا فقدان ہے ہر وہ کام جرم ہے، جو حکومت کی سلامتی اور امن کے خلاف ہو، مصلحت عامہ اور لوگوں کی اجتماعی زندگی کے خلاف ہے۔(۱۲۹)

عدلِ اجتماعی نہ ہونے کے سبب بدترین خونریزی:

اسلام عدل کے معاملے میں مسلم غیر مسلم اپنے اور بیگانے کی کوئی تمیز نہیں کرتا لیکن آج بدقسمتی سے دنیا میں اجتماعی طور پر عدل مفقود ہے، جسکے نتیجے میں بوسنیا، لبنان، افغانستان، کشمیر، فلسطین، عراق، چیچنیا، شام، لیبیا اور دیگر خطوں میں مسلمانوں کا لہو کتنا ارزاں ہے، بین الاقوامی دہشت گردی، فرقہ واریت، اسلحہ کی دوڑ نا انصافی کی قبیح شکلیں ہیں، قومی اور بین الاقوامی سطح پر عدلِ اجتماعی کا نہ ہونا لاقانونیت اور انارکی کا سبب بنتا جا رہا ہے، ہمیں جس سطح پر بھی ہو عدلِ اجتماعی قائم کرنا ہے ورنہ آج حقوق کے حوالے سے بلوچستان اور دیگر خطوں کی جو صورتحال ہے، اس میں علامہ اقبال کا یہ انتباہ صادق نظر آتا ہے۔

وطن کی فکر کر ناداں! مصیبت آنے والی ہے   تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

Marfat.com

ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے، ہونے والا ہے ‌ ‌ دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں (۱۳۰)

جنگ عظیم اوّل میں تقریباً ۹ ملین افراد ہلاک، شدید زخمی ۲۲ ملین اور اپاہج اور معذور ۲۵ ملین ہوئے، اس جنگ پر ہونے والے اخراجات سے بیلجیم، روس، امریکہ، جرمین، کینڈا اور اسٹریلیا کے مکینوں کے لئے تمام آسائشوں اور لوازمات کے ساتھ ایک مکان بنایا جاسکتا ہے۔(۱۳۱)

جبکہ دنیا میں عدل اجتماعی نہ ہونے کے نتیجے میں دوسری عالمی جنگ میں ۳۵ ملین انسان ہلاک ہوئے، ۲۰ ملین ہاتھ پاؤں سے معذور ہوئے، ۱۷ ملین لیٹر خون زمین پر بہا ۱۲ ملین حمل ساقط ہوئے ۱۳، ہزار پرائمری، سیکنڈری اسکول ۶ ہزار یونیورسٹیاں، ۸ ہزار لیباٹریاں ویران و برباد ہوئیں۔(۱۳۲)

امریکہ اور جاپان کی جنگ ۱۹۴۵ء میں امریکہ کی طرف سے دو چھوٹے ایٹم بم گرائے گئے، جس سے ہیروشیما میں ۷۰ ہزار افراد اور ناگاساگی میں ۴۰ ہزار افراد ہلاک ہوئے، اتنے ہی زخمی ہوئے۔(۱۳۳)

مائل بہ فغاں ہے دل ناشاد عالم ‌ ‌ ہے آج تبسم میں بھی فریاد کا عالم

اب عزت و ناموس کا کوئی نہیں ضامن ‌ ‌ اب داد کا عالم ہے نہ فریاد کا عالم(۱۳۴)

تہذیبوں کا تصادم عدل اجتماعی پر کاری ضرب:

دنیا جہاں اس لئے کوشاں ہے کہ امن و سکوں، محبت بھائی چارہ انصاف اور عدل اجتماعی قائم ہو جس کے نتیجے میں، ہر معاشرہ ترقی کا سفر طے کرے وہاں سیموئل ہنٹنگٹن جیسے لوگوں نے تہذیبوں کا تصادم جیسا نظریہ پیش کر کے نہ صرف دنیا کے امن کو خطرے میں ڈال دیا، بلکہ عدل اجتماعی اگر کسی بھی سطح پر تھا تو اس کو ختم کرنے کے دروازے ہمیشہ کے لئے کھول دیئے، سیموئل ہنٹنگٹن نے ۱۹۹۳ء میں نیویارک کے معروف سہ ماہی رسالے Foreign Affairs میں مضمون تہذیبی ٹکراؤ کی پیشگوئی کی۔(۱۳۵)

مسلمان کو مسلمان کر دیا طوفانِ مغرب نے ‌ ‌ تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی(۱۳۶)

سیموئل پی ہنٹگٹن کے مضمون نے غیر معمولی طور پر علمی حلقوں میں ایک فکری ہلچل پیدا کی اور دنیا سے عدل و انصاف کی جگہ نفرت و انتقام اور ٹکراؤ کی بنیاد رکھی۔(۱۳۷) مغرب اثر و رسوخ کے حوالے سے زوال پذیر ہے اور اسلام اپنی عادلانہ اقدار کی بنیاد پر آگے بڑھ رہا ہے، اسلام کی آبادی دھماکہ خیز انداز میں بڑھ کر ملکوں اور ان کے ہمسایوں کے لئے عدم استحکام کا سبب بن رہی ہے۔(۱۳۸) یہ ہے اسلام کا عدلِ اجتماعی کی طاقت جسے تعصب اور تنگ نظری کی نظر انتہائی گرے ہوئے انداز میں پروپیگنڈہ کر کے روکنے کی کوشش کر رہی ہے، لیکن حقیقت علامہ اقبال بتائے گئے:

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے ‌ ‌ یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

دراصل کمیونزم نے دنیا میں جو خلا پیدا کیا ہے اس کو صرف اسلام کا عادلانہ نظام ہی پر کرسکتا ہے اور اسلام کا قانونی، غیر طبقاتی اور معاشی عدل اجتماعی ہے، جو مغربی نظام کے باطل نظریات پر مبنی کمزور دیواروں کو دھکا دے کر گرا سکتا ہے اور پوری دنیا میں اجتماعی عدل کی فضا پیدا کرسکتا ہے، شاید اقبال نے مغربی نظام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

دیار مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دوکاں نہیں ہے ‌ ‌ کھرا جسکو تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زرکم عیار ہوگا

Marfat.com

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی   جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہوگا(۱۳۹)

خلاصہ بحث:

عہد حاضر کا سب سے اہم اور حساس مسئلہ عدلِ اجتماعی کا نہ ہونا ہے قومی اور بین الاقوامی سطح پر اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو اپنے پیروکاروں کو حکم دیتا ہے کہ: ''اپنی پوری زندگی میں، اپنی سوچ میں، اپنے اخلاق میں، اپنی فکر میں، تعلقات میں، معاملات میں، ہر دائرے میں حتیٰ کہ منہ سے بات نکلے تو انصاف کی نکلے، کام کرے تو انصاف کا کام کرے، کسی کا حق ہو تو اسے پورے کا پورا ادا کرے اور کسی پر فرض عائد ہوتا ہے تو وہ بھی پورا ادا کرے، اپنے حق سے زیادہ لینے کی کوشش نہ کرے اور دوسرے کو اس کے حق سے کم دینے کی کوشش نہ کرے''(۱۴۰)

یہ تاریخی حقیقت بھی ہمارے سامنے ہے، اسلام ہی عدل اجتماعی (Social Justice) کا سب سے بڑا حامی اور علمبردار ہے اور اس نے پوری دنیا کو عدل و انصاف اور احترام انسانیت کا درس دیا، لیکن موجودہ زمانے میں ایک بہت بڑا دھوکا اجتماعی عدل کے نام سے بنی نوع انسان کو دیا جا رہا ہے، شیطان پہلے ایک مدت تک دنیا کو حریت فرد (Individual Liberety) اور فراخ دلی (Liberalisim) کے نام سے دھوکا دیتا رہا اور اس کی بنیاد پر اس نے اٹھارویں صدی میں سرمایہ داری اور لادینی جمہوریت کا ایک نظام قائم کرایا اور اس شیطانی نظام نے زمین کو ظلم و جور سے بھر دیا۔(۱۴۱) اس کے برخلاف عدل اجتماعی اسلام کا مقصود ہے، اسلام آیا ہی اس لئے ہے کہ عدل قائم کرے، عدل اسلام سے الگ کسی چیز کا کام نہیں، اسلام خود عدل ہے اس کا قائم ہونا اور عدل قائم ہونا ایک ہی چیز ہے۔(۱۴۲)

عدلِ اجتماعی سے انسانی شخصیت کی نشوونما ہوتی ہے انسان کو انفرادی آزادی اور انفرادی جوابدہی دونوں حاصل ہوتی ہیں، اجتماعی اداروں اور ان کا اقتدار اسی وقت مثبت فرائض و سرگرمیاں انجام دے گا جب عدل قائم ہوگا اور معاشرہ فلاح وترقی کی جانب گامزن ہوگا۔اسلام انسان کی جان، عزت و ناموس، مال تینوں میں عدل کا حکم دیتا ہے کہ اسلام انسان کی جان و مال اور عزت و ابرو کو نقصان پہنچانے سے منع کرتا ہے اور حکم دیتا ہے: ''ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر خون، مال و آبرو تمام تر حرام ہے۔''(۱۴۳) اسلام تو کہتا ہے کہ: ''ظلم قیامت کے اندھیروں میں سے ہے''(۱۴۴)

آج سوئے قسمت مقتدر حلقے اور وہ لوگ جو دنیا میں معاشرے میں عدل و انصاف قائم کریں، علم و ہنر سائنس و ٹیکنالوجی میں بہت پیچھے ہیں، حاملین قرآن وسنت کمزور ہیں، نہ تو حکومت میں ہیں اور نہ کسی قیادت کے تحت متحد بکھرے ہوئے کمزور ہیں، ''ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات کا، مصداق ہیں شیطانی قوتیں عروج پر اور طاقتور ہیں حالانکہ ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا: ''طاقتور مومن اللہ کے نزدیک ضعیف مؤمن سے بہتر اور زیادہ محبوب ہے۔''(۱۴۵) حاملین قرآن و وحی نے کبھی غیر مسلموں اور دشمنوں کے ساتھ بھی ظلم و زیادتی نہیں کی۔

شانِ رسالت ﷺ میں گستاخی:

آج ہمیں مغرب کو یہ باور کرانا ہے کہ اگر وہ عدل قائم کرے تو اس میں اس کا بھلا ہے، مسلمان تمام انبیاءعلیہم السلام کا احترام کرتے ہیں، لیکن مغرب خود امریکہ اور فرانس کی طرف سے شانِ رسالت ﷺ میں جو گستاخی کی جاتی ہے اس سے دنیا میں

Marfat.com

عدل ختم اور ظلم و بربریت اور انتقام کے جذبات فروغ پاتے ہیں، اگر مسلمان اسوۂ حسنہ پر عمل کریں گے تو اس میں خود مغرب کا فائدہ ہے، بقول غلام قرضاوی: ''مغرب کے لئے یہی بہتر ہے کہ مسلمان مذہبی ہوں، اپنے مذہب سے مخلص ہوں، عدل اور اچھے اخلاق اپنانے کی کوشش کریں۔(۱۴۶)

عالمی سطح پر اجاگر:

ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کے عادلانہ نظام خصوصاً اسوۂ حسنہ کے حوالے سے خوبصورت عادلانہ نظام اسلام کا معاشی عدل عالمی سطح پر اجاگر کیا جائے، اسلام کی عادلانہ تعلیمات کو عام کیا جائے، اگرچہ آج مسلمان جو کہ اجتماعی عدل کے سب سے بڑے حامی ہیں، خود ظلم و بربریت کا شکار ہیں، کفر اس کو مٹانے کے درپے ہے، الکفر ملةٌ واحدةٌ(۱۴۷) لیکن ہمیں اسوۂ حسنہ کی روشنی میں جدید خطوط پر اپنا دفاع کرنا ہے، بلکہ آگے بڑھ کر دنیا کی رہنمائی کرنا ہے اور اسلام کا عادلانہ نظام دنیا میں قائم کرنا ہے اور دنیا کو اجتماعی عدل سے بھر دینا ہے۔

آزر کا پیشہ خارا تراشی کارِ خلیلان علیہ السلام خارا گزاری(۱۴۸)

آج عدل اجتماعی کے حوالے سے ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم قومی اور بین الاقوامی حالات اور اس کے رخ کو سمجھیں، اپنے رویئے سے، طور طریقوں سے، اخلاق و عادات سے اور اپنے کردار سے، اسلام کی حقیقی، صحیح اور سچی تصویر پیش کریں، خصوصاً اپنے نوجوانوں کو اعلیٰ اسلامی اقدار اور تکریم انسانیت سکھائیں: ''تحقیق ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی''(۱۴۹) اپنے معاشرے کے بارے میں قومی اور بین الاقوامی سوچ میں مثبت تبدیلی لانی ہے، قومی اور بین الاقوامی سطح پر جھوٹے پروپیگنڈے کے ذریعے اسلام کے بارے میں جو ایک عدم اعتماد کی فضا قائم ہوگئی ہے اسے اپنے رویئے سے ختم کرکے دنیا کو اسلام کے عادلانہ نظام کی اہمیت سے آگاہ کرنا ہے، کیونکہ ہم سب کی بقا اور امن و سلامتی اور ترقی اسلام کے ہی عالانہ قانونی، غیر طبقاتی اور معاشی عادلانہ نظام میں ہے (کیونکہ اب دنیا کے سامنے یہ تاریخی حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ آپ ﷺ نے دینا میں اجتماعی عدل کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا اور دنیا کا آئندہ نظام اسلام کا عادلانہ نظام ہوگا۔)

سنا ہے قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا(۱۵۰) نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا

تجاویز و سفارشات:

آج سوئے قسمت عدلِ اجتماعی کا مجموعی طور پر وجود نظر نہیں آتا ہم سب سے افضل نبی ﷺ کی سب سے بہترین امت ہیں، اس لئے عدلِ اجتماعی جو کہ دین اسلام، انسانی حقوق، کسی بھی معاشرے کی خوشحالی کی اساس ہے، اس کو بہر طور پر نافذ کریں، اگر ان تجاویز و سفارشات پر عمل کیا گیا تو انشاء اللہ بہتری کی صورت پیدا ہوگی اور آج معاشرے میں جو ناامیدی اور مایوسی پیدا ہوتی جا رہی ہے، اس کا خاتمہ ہوگا۔

۱۔ مسلم حکمرانوں کو توجہ دلانا کہ وہ اپنا نظام قانون و انصاف اسلامی تعلیمات پر استوار کریں، شریعت کو سپریم لاء بنائیں اور مغربی آئین و قوانین اور عدالتی نظام کو رد کردیں۔

۲۔ ایسے تعلیمی ادارے قائم کرنا جہاں اسلامی اور جدید قوانین دونوں کا بھرپور مطالعہ ہو تا کہ ہماری مجالس قانون ساز،

Marfat.com

وزارت قانون، بنچ اور بار کو ایسے سیاسی لیڈر، بیوروکریٹ، جج، وکیل اور مفتی میسر آسکیں جو جدید قانون کے ساتھ اسلامی قانون کے بھی ماہر ہوں۔(۱۵۱)

۳۔ مسلم ممالک کی مشترکہ مجلس فقہ واجتہاد بنانا۔

۴۔ مسلم ممالک کی مشترکہ پارلیمانی یونین اور مشترکہ چیف جسٹس کمیٹی بنانا تاکہ ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

۵۔ مسلم ممالک کی مشترکہ عدالت بنانا جس سے باہمی تنازعات کے فیصلے کے لئے رجوع کیا جاسکے۔

۶۔ ہر مسلم ملک کے آئین میں بصراحت اس چیز کا ذکر ہونا چاہئے کہ:

الف۔ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔انسان اس کے بندے ہیں جنہیں فقط بندگی ہی زیبا ہے۔

ب۔ اسلام مملکت کا سرکاری مذہب ہوگا۔

ج۔ قرآن وسنت سپریم لاء ہیں اور ان کے خلاف ہر قانون ناقابل عمل اور قابل تنسیخ ہے۔

د۔ شریعت کی روشنی میں مملکت کے کلی اختیار کے مالک مسلمان عوام ہیں اور انہیں حکمرانوں کے عزل و اختیار کا لامحدود حق حاصل ہے۔

۷۔ قانون سازی کے عمل کو اسلامی بنانا تاکہ پارلیمنٹ کوئی قانون خلاف اسلام نہ بنا سکے نیز موجود غیر اسلامی قوانین کو فوری طور پر اسلام کے مطابق ڈھالنا۔

۸۔ عدالتوں کو صرف قانون شریعت کے مطابق فیصلے کرنے کی اجازت دینا۔

۹۔ ہر مسلمان کو یہ حق ہونا کہ وہ کسی بھی قانون کو خلاف شریعت ہونے کی بنا پر عدالت عظمی میں چیلنج کر سکے، جسے یہ آئینی اختیار ہو کہ وہ کسی بھی قانون کو خلاف شریعت قرار دے کر ختم کر سکے۔

۱۰۔ قانون کی تعلیم کو اسلام کے مطابق بنانا یعنی اسلام قانون اور عربی زبان کی تدریس کا اہتمام کرنا اور غیر اسلامی قوانین کا محض تعارفی مطالعہ کروانا، بطور تقابلی مطالعے کے۔

۱۱۔ بنچ اور بار کے مغربی نظام کا خاتمہ، ججوں کی اسلامی معیار کے مطابق تقرری، مفتیوں اور مشیروں سے استفادہ۔

۱۲۔ ہر سطح کے عدالتی نظام کو سادہ، باوقار، فعال اور مؤثر بنانا تاکہ عوام کو سستا اور فوری انصاف میسر آسکے۔

۱۳۔ حکمرانوں کا عدالتوں میں قابل مواخذہ ہونا اور قانون کی نظر میں ایک عام مسلمان کے برابر ہونا۔(۱۵۲)

عدل اجتماعی اور عوام کو انصاف کی فراہمی:

دیکھا گیا ہے کہ اکثر مسلم ممالک میں عوام کو انصاف میسر نہیں آتا۔ اگر ہم ان اسباب کو پیش نظر رکھیں جن کی وجہ سے لوگوں کو انصاف نہیں ملتا تو پھر ہمارے نزدیک مندرجہ ذیل اقدامات سے انصاف کی فراہمی ممکن ہو جائے گی:

۱۔ سیاسی آمریت کا خاتمہ: اکثر مسلم ممالک کے عوام سیاسی آزادیوں سے محروم ہیں اور جن مسلم حکمرانوں نے ان کے حقوق دبا رکھے ہیں، وہی انصاف کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں، کیونکہ سیاسی جبر کا لازمی نتیجہ ظلم و ناانصافی ہوتا ہے۔

Marfat.com

لہٰذا آمریت کے خاتمے سے انصاف کی بالادستی کے راستے کھل جائیں گے۔

۲۔ ججوں کی تنخواہیں زیادہ ہونی چاہئیں، اتنی جوان کو سیر چشم بنادیں اور وہ کسی مالی غرض سے ناانصافی کی طرف مائل نہ ہوں۔

۳۔ جج صرف انہی لوگوں کو بنایا جائے جو انتہائی اعلیٰ درجے کی اخلاقی خوبیاں رکھتے ہوں۔

۴۔ ججوں کی اسلامی تعلیم و تربیت کا بھرپور انتظام ہونا چاہیے۔

۵۔ اینگلوسیکسن، رومن اور دوسرے غیر اسلامی قوانین کو رد کر دیا جائے اور اسلام کے سچے، سادہ اور فطری قوانین پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔

۶۔ طبقۂ وکلاء کے کردار کو اسلامی حدود کا پابند بنایا جائے۔

۷۔ محکمۂ پولیس کی اسلامی تربیت کی جائے تاکہ وہ انصاف کی پامالی کا سبب نہ بنیں۔(۱۵۳)

ان شاء اللہ اگر ہم ان گزارشات پر عمل کریں گے تو اس کے اثرات قومی اور عالمی سطح پر پڑیں گے اور ہم تنزلی کی بجائے ترقی کی منازل طے کریں گے، کامیابی انشاء اللہ ہمارے قدم چومے گی، علاقائی، ملکی اور عالمی سطح پر ہمارے لئے جو مشکل حالات ہیں اس کا خاتمہ ہوگا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اسلام ہی کا مزاج ہے اسلام ہی کا عادلانہ نظام ہے جو دنیا کی رہ نمائی کرسکتا ہے اور عالمی سطح پر اجتماعی عدل قائم کرسکتا ہے، بس ہمیں محنت اپنے اخلاق اور کردار کو بدلنے اور اخلاص کی ضرورت ہے۔

نہیں ہے نا امید اقبالؔ اپنی کشت ویراں سے — ذرا نم ہو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی(۱۵۴)

تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا — خودی کا راز داں ہو جا، خدا کا ترجماں ہوجا

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے — یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے(۱۵۵)

﴿اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ﴾(۱۵۶)

حواشی و حوالہ جات

۱- القرآن، سورہ حدید، آیت ۲۵...... ۲- محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال، لاہور، خزینۂ علم و ادب، ۲۰۰۶ء، ص ۲۴۷...... ۳- ایضاً، ص ۳۲۰...... ۴- بلیاوی، عبدالحفیظ، مصباح اللغات، کراچی، میر محمد کتب خانہ، س ن، ص ۵۳۷...... ۵- آزاد، ابوالکلام، سیرت رسول ﷺ کے عملی پہلو، کراچی، اسلامیکا فاؤنڈیشن، ۲۰۰۹ء، ص ۲۱۰...... ۶- سید قطب شہید، اسلام میں عدل اجتماعی، ترجمہ: نجات اللہ صدیقی، لاہور، اسلامی پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۵۳۴...... ۷- مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، اسلام اور عدلِ اجتماعی، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۱۷...... ۸- مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، اسلام اور عدلِ اجتماعی، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۸...... ۹- ایضاً...... ۱۰- محمد سلیمان منصور پوری، قاضی، رحمۃ للعلمین، لاہور، مکتبہ قرآنیات، ۲۰۰۶ء، جلد ۱، ص ۴۳...... ۱۱- حالی، خواجہ الطاف حسین، مسدس حالی، لاہور، تاج کمپنی، س۔ن، ص ۱۳...... ۱۲- محمد انیس الرحمٰن انیس، نظام عدالت اسلامی اور جدید، کراچی، سید سلیمان ندوی اکیڈمی، ۱۹۹۶ء، ص ۴۶...... ۱۳- القرآن، سورہ توبہ، آیت ۶۰...... ۱۴- القرآن، سورہ الزاریٰت، آیت ۱۹...... ۱۵- القرآن، سورہ الحشر، آیت ۷...... ۱۶- القرآن، سورۃ النساء، آیت ۱۳۵...... ۱۷- القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۸...... ۱۸- القرآن، سورۃ الانعام، آیت ۱۰۸...... ۱۹- شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، کراچی، دارالاشاعت، ۲۰۰۴ء، جلد دوم، ص ۵۶۹...... ۲۰- القشیری، مسلم بن بن الحجاج، صحیح مسلم، بیروت، دارالمعرفہ، ۲۰۰۷ء، کتاب

Marfat.com

الامارہ، باب فضیلۃ الامام العادل، رقم الحدیث ۴۶۹۸، ص۸۷۱...... ۲۱- احمد بن ابی بکر بن اسمٰعیل البوصیری، اتحاف الخیرہ، باب ماجاء فی الاحراء، ۲/ ۴۱۹۸، جزء ۵، ص۱۵...... ۲۲- مسند احمد، ج ۳، ص۲۲۳، بحوالہ سیرۃ النبی ﷺ، شبلی نعمانی، محولہ سابقہ، جلد سوم، ص۵۷۱...... ۲۳- ایضاً...... ۲۴- القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۸...... ۲۵- علی متقی الہندی، کنزالعمال، بیروت مؤسسہ الرسالہ، رقم الحدیث: ۵۵۸۳، جزو ۳۵، ص۳۵۶...... ۲۶- او۔ پی۔ گھٹی، اخلاقیات مذاہب عالم عالم کی نظر میں، ترتیب عادل فراز، لاہور، اپنا ادارہ، ۲۰۰۳ء، ص۱۴۴...... ۲۷- ایضاً...... ۲۸- ایضاً، ص۱۴۵...... ۲۹- ایضاً، ص۱۴۴...... ۳۰- ایضاً، ص۱۴۵...... ۳۱- ایضاً، ص۱۴۴...... ۳۲- ایضاً، ص۱۴۵...... ۳۳- ایضاً، ص۱۴۶...... ۳۴- ایضاً...... ۳۵- برطانیہ میں عدل و انصاف، مرکزی دفتر اطلاعات لندن، برطانوی شعبہ اطلاعات، کراچی، امین آرٹس پریس، س۔ن، ص۳...... ۳۶- ایضاً، ص۴...... ۳۷- ایضاً، ص۵...... ۳۸- ایضاً، ص۵...... ۳۹- ایضاً، ص۵...... ۴۰- محمد انیس الرحمٰن، نظامِ عدالت اسلامی اور جدید، کراچی، سید سلیمان ندوی اکیڈمی، ۱۹۹۶ء، ص۴۹...... ۴۱- ندوی، شاہ معین الدین احمد، تاریخ اسلام، لاہور، المیزان، ۲۰۰۵ء، ص۱۷۲...... ۴۲- شبلی نعمانی، الفاروق، لاہور، نوید پبلیشرز، ۲۰۰۳ء، ص۳۲۷...... ۴۳- ایضاً...... ۴۴- بحوالہ: محمد انیس الرحمٰن، نظام عدالت اسلامی اور جدید محولہ سابقہ، ص۵۰...... ۴۵- ایضاً، ص۵۱...... ۴۶- ایضاً، ص۵۱...... ۴۷- اقبال، کلیات اقبال، محولہ سابقہ، ص۴۶۲...... ۴۸- شبلی نعمانی، الفاروق، محولہ سابقہ، ص۱۹۴...... ۴۹- محمد انیس الرحمٰن، نظامِ عدالت اسلامی اور جدید، محولہ سابقہ، ص۵۲...... ۵۰- ابن سعد، ابوعبداللہ محمد، الطبقات الکبری، بیروت، داربیروت لطباعۃ والنشر، ۱۹۵۷ء، ۲/۱۱۳، بلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر، فتوح البلدان، اردو ترجمہ سید ابوالخیر مودودی، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۶ء، ص۵۰...... ۵۱- محمد اقبال، کلیات اقبال، محولہ سابقہ، ص۸۹...... ۵۲- ابوداؤد، بحوالہ سیرت النبی ﷺ، شبلی نعمانی، کراچی، دارلاشاعت، ۲۰۰۴ء، ج ۲، ص۵۷۰...... ۵۳- موسوعۃ الحدیث، بحوالہ سابقہ...... ۵۴- انسائی، احمد بن شعیب، سنن نسائی، غرب القسامہ، رقم الحدیث: ۴۷۱۵، ص ۲۳۹۲...... ۵۵- بخاری، محمد بن اسمٰعیل، الجامع الصحیح، کتاب الحدود، موسوعۃ الحدیث اشریف، محولہ سابقہ، رقم الحدیث ۶۷۸۸، ص ۵۶۶...... ۵۶- شبلی نعمانی، محمد سلیمان ندوی، سیرۃ النبی ﷺ، محولہ سابقہ، جلد۲، ص۵۷۱...... ۵۷- سیوطی، جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، علامہ، تاریخ الخلفاء، اردو ترجمہ: محمد الیاس عادل، لاہور، مشتاق بک کارنر، س۔ن، ص۲۰۸، عبدالمالک مجاہد، سنہرے فیصلے محولہ سابقہ، ص۲۶۵...... ۵۸- القرآن، سورہ توبہ، آیت ۶۰...... ۵۹- کتاب الخراج، ص۲۷، بحوالہ: شبلی نعمانی، الفاروق، لاہور، نوید پبلشرز، ۲۰۰۳ء، ص۳۰۲...... ۶۰- محمد اقبال، کلیات اقبال، محولہ سابقہ، ص۹۱...... ۶۱- ایضاً، ص۹۲...... ۶۲- شبلی نعمانی، الفاروق، محولہ سابقہ، ص ۳۲۰، حقوق العباد، صلاح الدین یوسف، حافظ، لاہور، دارالسلام، ص۴۷...... ۶۳- ابن اسحٰق بروایت ابن ہشام، بحوالہ سیرۃ النبی ﷺ، شبلی نعمانی، محولہ سابقہ، ص۵۷۲...... ۶۴- سلیمان بن اشعث، ابوداؤد، السنن، کتاب الدّیات، باب القود من الفربۃ، رقم الحدیث: ۴۵۳۶، ص۱۵۵۶...... ۶۵- بحوالہ، ٹی، ڈبلیو، آرنلڈ، The Preoching of Islam اردو ترجمہ: دعوت اسلام، لاہور، محکمہ مذہبی امور پنجاب، ۲۰۰۴ء، ص۷۹...... ۶۶- ایضاً...... ۶۷- سید امیر علی، The Spirit of Islam، اردو ترجمہ: ہادی حسین، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۹ء، ص۴۳۱...... ۶۸- القرآن، سورۃ النساء، آیت ۵۸...... ۶۹- القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۸...... ۷۰- القرآن، سورۃ الانعام، آیت ۱۵۲...... ۷۱- القرآن، سورۃ النساء، آیت ۱۰۵...... ۷۲- القرآن، سورۃ النساء، آیت ۵۸...... ۷۳- القرآن، سورۃ بقرۃ، آیت ۲۸۶...... ۷۴- القرآن، سورۃ الحجرات، آیت ۹...... ۷۵- القرآن، سورۃ النساء، آیت ۵۹...... ۷۶- القرآن، سورۃ النساء، آیت ۶۵...... ۷۷- القرآن، سورۃ النساء، آیت

Marfat.com

۱۰۷...... ۷۸- القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۴۲...... ۷۹- القرآن، سورۃ الاعراف، آیت ۲۹...... ۸۰- القرآن، سورۃ الممتحنہ، آیت ۸...... ۸۱- القرآن، سورۃ النور، آیت ۵۱...... ۸۲- القرآن، سورۃ ال عمران، آیت ۱۱۰...... ۸۳- القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۱۱...... ۸۴- القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۲۳۷...... ۸۵- القرآن، سورہ ہود، آیت ۱۱۳...... ۸۶- القرآن، سورۃ المومنون، آیت ۹۶...... ۸۷- القرآن، سورۃ القصص، آیت ۷۷...... ۸۸- القرآن، سورۃ النحل، آیت ۹۰...... ۸۹- القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۸...... ۹۰- اتحاف الخیرہ، احمد بن ابی بکر بن اسمٰعیل، باب ماجاء فی الامرآء، جزو ۵، ص۱۵، رقم الحدیث: ۲/۴۱۹۸...... ۹۱- القزوینی، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، موسوعۃ الحدیث اشریف، ریاض، دارالسلام، ۲۰۰۰ء، كتاب السنة باب فی ماانکرت الجهمية، رقم الحدیث ۱۹۹ء، ص۲۴۸۹...... ۹۲- مسند الفردوس، ۴/۳۴۴...... ۹۳- مسند الفردوس، بحوالہ: المنتخب من الاحادیث النبویۃ، سید خلیق ساجد بخاری، لاہور، منشورات، ۲۰۰۷ء، ص۴۳۶...... ۹۴- القشیری، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، بیروت، دارالمعرفہ، ۲۰۰۷ء، کتاب الزکاۃ، باب ذکرالخوارج وصفاتھم، رقم الحدیث: ۲۴۴۱، ص۴۷۲...... ۹۵- البخاری، الجامع الصحیح، محمد بن اسمٰعیل، موسوعة الحديث الشريف، محوله سابقه، كتاب فرض الخمسن، باب و من الدليل على ان الخمسن، رقم الحدیث: ۳۱۳۸، ص۲۵۳...... ۹۶- ابن ماجه، سنن، محوله سابقه، ابواب الاحكام، باب ذكر القضاة، رقم الحدیث: ۲۳۱۲، ص۲۶۱۵...... ۹۷- ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، محولہ سابقہ، رقم الحدیث: ۲۳۱۳، ص۲۶۱۵...... ۹۸- علی متقی الہندی، کنز العمال، بیروت، مؤسسۃ الرسالہ، جز ۲۵، ص۱۴۶، رقم الحدیث: ۱۴۴۲۷...... ۹۹- کنز العمال، محولہ سابقہ، جزء ۳۵، ص۳۵۶، رقم الحدیث ۵۵۸۳...... ۱۰۰- بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین، السنن، مکہ مکرمہ، دارالباز، کتاب الایمان...... ۱۰۱- ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، محولہ سابقہ، ابواب الزہد، باب ماریجی من اللہ، رقم الحدیث: ۴۲۹۷، ص۲۷۳۸...... ۱۰۲- القشیری، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، محولہ سابقہ، کتاب البروالصلۃ، باب الوعید الشدید، رقم الحدیث: ۶۶۰۱، ص۱۱۹۱...... ۱۰۳- قشیری، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، محولہ سابقہ: رقم الحدیث، کتاب الہبات، رقم الحدیث ۴۱۵۷، ص۷۵۸...... ۱۰۴- سلیمان بن اشعث، ابوداؤد، محولہ سابقہ، کتاب القضآء، رقم الحدیث: ۳۵۸۸، ص۱۴۸۹...... ۱۰۵- علی متقی الہندی، کنز العمال، محولہ سابقہ، جزء ۲۶، ص۱۵۴، رقم الحدیث ۴۵۹۲۵...... ۱۰۶- علی متقی الہندی، کنز العمال، محولہ سابقہ، جزء ۸، ص۶۶، رقم الحدیث: ۱۸۳۸۸...... ۱۰۷- القشیری، مسلم بن الحجاج، محولہ سابقہ، کتاب الامارہ، باب: فضیلۃ الامام العادل، رقم الحدیث: ۴۶۹۸، ص۸۷۱...... ۱۰۸- السیوطی، جلال الدین، جامع الاحادیث، جزء ۹۵، ص۳۲۷، رقم الحدیث: ۵۸۴۳، ایضاً، اخرجہ الخطیب فی جمع الجوامع او جامع الکبیر جزء، ص۸۰۹۶، رقم الحدیث: ۴۴۶۳...... ۱۰۹- القرآن، سورہ الانفال، آیت ۶۰...... ۱۱۰- مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، محولہ سابقہ، کتاب القدر، باب فی الامر بالقوۃ، رقم الحدیث: ۶۷۱۶، ص۱۲۱۰...... ۱۱۱- بخاری، محمد بن اسمٰعیل، الجامع الصحیح، محولہ سابقہ، کتاب الجہاد، رقم الحدیث: ۲۹۰۸، ص۲۳۴...... ۱۱۲- صحیح مسلم، محولہ سابقہ، کتاب الایمان، رقم الحدیث: ۱۷۶، ص۸۲...... ۱۱۳- احمد بن حنبل، الامام، المسند، رقم الحدیث: ۱۳۸۷۵، جلد ۲۱، ص ۳۵۳، مؤسسۃ ائرسالہ ۱۹۹۸ء، جلد ۲۱، رقم الحدیث ۱۳۸۷۵، ص۳۵۳...... ۱۱۴- بیہقی، احمد بن حسین، السنن، مکۃ المکرمہ، دارالباز، کتاب الایمان...... ۱۱۵- خطیب التبریزی، محمد بن عبداللہ، مشکوۃ المصابیح، دمشق، المکتب الاسلامی، ۱۹۶۱ء، الفصل الثالث، کتاب الآداب، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، ۲/۶۱۳...... ۱۱۶- سلیمان بن اشعث، ابوداؤد، السنن، کراچی، اصح المطابع، جلد۲، ص۴۳۳...... ۱۱۷- ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی، سنن، ابواب الاحکام، محولہ سابقہ، رقم الحدیث ۲۳۱۳، ص۲۶۱۵...... ۱۱۸- الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، ابواب الاحکام، محولہ سابقہ، رقم

Marfat.com

الحدیث:۱۳۳۲۷، ص۱۷۸۶...... ۱۱۹-علی متقی الھندی، کنز العمال، محولہ سابقہ، رقم الحدیث: ۱۵۰۷۷...... ۱۲۰- البخاری، محمد بن اسمٰعیل الجامع الصحیح، محولہ سابقہ، کتاب الحدود، باب کراہیۃ الشفاعۃ، رقم الحدیث:۶۷۸۸، ص۵۶۶...... ۱۲۱- سلیمان بن اشعث، سنن ابوداؤد، محولہ سابقہ، کتاب الاجارہ، رقم الحدیث: ۳۵۴۱، ص۱۴۸۶...... ۱۲۲- سلیمان بن اشعث، سنن ابوداؤد، محولہ سابقہ، کتاب الادب، باب فی الشفاعۃ، رقم الحدیث: ۵۱۳۱، ص۱۵۹۸...... ۱۲۳- القرآن، سورہ نساء، آیت ۵۸...... ۱۲۴-شبلی نعمانی، الفاروق، لاہور، نوید پبلشرز، ۲۰۰۳ء، ص۱۹۴...... ۱۲۵- کنزل العمال، جلد۳، ص۱۷۴، بحوالہ: تاریخ اسلام، شاہ معین الدین ندوی، لاہور، المیزان، ۲۰۰۵ء، ص ۱۷۵...... ۱۲۶- ابن اثیر، جلد۳، ص۱۶۰، بحوالہ: تاریخ اسلام، شاہ معین الدین ندوی، محولہ سابقہ: ص۲۶۳...... ۱۲۷- بحوالہ: عبدالمالک مجاہد، سنہری فیصلے، ریاض، دارالسلام، ۱۴۲۷ھ، ص۱۸۳...... ۱۲۸- عبدالمالک مجاہد، سنہرے فیصلے، ریاض، دارالسلام، ۱۴۲۷ء، ص ۱۴۰...... ۱۲۹- محمود احمد ظفر، حکیم، اسلام کام نظام عدل، لاہور، مکتبہ الحسن، ۲۰۰۵ء، ص ۲۳۵...... ۱۳۰- اقبال، علامہ ڈاکٹر، کلیات اقبال، محولہ سابقہ، ص۸۸...... ۱۳۱- مجتبیٰ، موسوی، مغربی تمدن کی ایک جھلک، دہلی ترقی اردو بورڈ، ص۷۶...... ۱۳۲- ایضاً، ص۷۶...... ۱۳۳- ایضاً، ص۷۷...... ۱۳۴- بحوالہ: ماہنامہ الاشرف، کراچی، ڈاکٹر محمد اشرف جیلانی، جلدنمبر۲۸، شمارہ ۳، مارچ ۲۰۰۷ء، ص۹...... ۱۳۵- Svmul P. Huntengton, the clush of civilization, foreign affairs, New york, v-72, No. 3, Summer, 1993, P-23-49...... ۱۳۶- اقبال، کلیات اقبال، محولہ سابقہ، ص:۳۱۷...... ۱۳۷- ڈاکٹر انیس احمد، تہذیبی تصادم، مغرب اور عالم اسلام، سہ ماہی، اسلام آباد، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء، ص۳...... ۱۳۸- ایضاً، ص۲۱...... ۱۳۹- محمد اقبال، کلیات اقبال، محولہ سابقہ، ص۱۴۱...... ۱۴۰- خرم مراد، عدل و انصاف کا قیام، لاہور، منشورات، س۔ن، ص۸...... ۱۴۱- سید ابوالاعلیٰ اسلام اور عدلِ اجتماعی، محولہ سابقہ: ص۵...... ۱۴۲- ایضاً، ص۹...... ۱۴۳- صحیح مسلم، محولہ سابقہ، کتاب البروالصلۃ، رقم الحدیث: ۶۴۸۹۰، ص۶۵۲۰...... ۱۴۴- ایضاً، رقم الحدیث:۶۵۲۰...... ۱۴۵- ایضاً، کتاب القدر، باب فی الامر بالقوہ، رقم الحدیث: ۶۷۱۶، ص۱۲۱۰...... ۱۴۶- القرضاوی، محمد یوسف، علامہ، مسلمانوں کا سیاسی عروج و زوال، ص۲۰۱...... ۱۴۷- الشیبانی، محمد بن الحسن، مؤطا امام محمد مع التعلیق الممجد، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ج۳، ص۱۳۷...... ۱۴۸- اقبال، کلیات اقبال، محولہ سابقہ، ص۴۱۶...... ۱۴۹- القرآن، سورہ بنی اسرائیل، آیت۷۰...... ۱۵۰- اقبال، کلیات اقبال، محولہ سابقہ، ص۱۷۴...... ۱۵۱- محمد امین، ڈاکٹر، مسلم نشاۃِ ثانیہ، لاہور، بیت الحکمت، ۲۰۰۴ء، ص۳۳۱...... ۱۵۲- ایضاً، ص۳۳۲...... ۱۵۳- ایضاً، ص ۳۳۳...... ۱۵۴- اقبال، کلیات اقبال، محولہ سابقہ، ص۳۶۱...... ۱۵۵- ایضاً، ص۳۲۳...... ۱۵۶- القرآن، سورہ ہود، آیت ۸۸۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

محمد نسیم خان- مانسہرہ

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (۱)

تمام کائنات عدل سے قائم ہے اور انسانی معاشروں کی بقاء اور تسلسل بھی عدل کے قیام سے ہی ممکن ہے۔ قیام عدل انبیاء و رسل کا مقصد بعثت ہے۔ اسلام کا تصور عدل ایک ہمہ گیر اور جامع تصور ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔ اس مقالہ میں ہم پہلے عدل اور عدل اجتماعی (Social justic) کے تصور کی وضاحت کریں گے اور پھر عدل اجتماعی کی اہمیت پر تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں بحث کریں گے۔

عدل کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

مولانا عبدالرشید نعمانی لفظ عدل کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں: عدل: عوض، بدلہ، معاوضہ، انصاف، برابر۔ امام ابو بکر سجستانی نزہتہ القلوب فی تفسیر غریب القرآن میں لکھتے ہیں عدل کے معنی ہیں فدیہ جیسے ﴿وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ﴾ (اور نہ لیا جائے اس سے فدیہ میں کچھ) ﴿وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا﴾ (اور اگر فدیہ دے پر فدیہ تب بھی اس سے نہ لیا جائے گا) اور عدل کے معنی مثل (یعنی برابر اور یکساں) کے بھی آتے ہیں جیسے ارشاد ﴿اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا﴾ (یا برابر اس کے روزے) یعنی اس کے مثل، ابوعمر نے یہ بھی کہا ہے کہ عدل بالفتح کے معنی قیمت کے بھی ہیں۔ فدیہ کے بھی مرد صالح کے بھی اور حق و انصاف کے بھی اور عدل بالکسر کے معنی مثیل کے ہیں۔(۲) امام راغب اصفہانی مفردات میں 'ع د ل' مادہ سے نکلنے والے الفاظ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: العدالة والمعادلة کے لفظ میں مساوات کے معنی پائے جاتے ہیں اور معنی اضافی کے اعتبار سے استعمال ہوتا ہے یعنی ایک دوسرے کے ہم وزن اور برابر ہونا اور عدل اور عدل کے قریب قریب ایک ہی معنی ہیں لیکن عدل کا لفظ معنوی چیزوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے جیسے احکام شرعیہ۔ چنانچہ اسی معنی میں فرمایا ﴿اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا﴾ (یا اس کے برابر روزے رکھنا (۹۵:۵)۔ اور عدل و عدیل کے الفاظ ان چیزوں کے لیے بولے جاتے ہیں کا ادراک حواس ظاہرہ سے ہوتا ہے جیسے وہ چیزیں جن کا تعلق ناپ تول یا وزن سے ہوتا ہے پس عدل کے معنی ہیں دو چیزوں کا برابر ہونا چنانچہ اسی معنی میں مروی ہے بالعدل قامتِ السماوات والارض۔ یعنی اگر عناصر اربعہ میں سے ایک عنصر میں بھی اس کی معینہ مقدار سے کمی یا بیشی ہو جائے تو نظام کائنات قائم نہیں رہ سکتا اور آیت کریمہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (۹۰:۶) میں کسی چیز کے برابر اس کا بدلہ دینے کا نام عدل ہے یعنی نیکی کا بدلہ نیکی اور برائی کا بدلہ برائی اور نیکی کے مقابلہ میں زیادہ نیکی اور شر کے مقابلہ میں ساعت سے کام لینے کا نام احسان ہے۔ اور آیت کریمہ ﴿اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا﴾ (۹۵:۵) (اس کے برابر روزے رکھنا) میں عدل سے مراد یہ ہے کہ وہ روز سے طعام سے فدیہ کے برابر ہوں کیونکہ

Marfat.com

فدیہ میں مساوات کے معنی ملحوظ ہوں تو اسے بھی عدل کہہ دیا جاتا ہے۔(۳) لارڈ لین (Lord Lane) نے Lexicon میں ع دل مادہ (root) سے نکلنے والے مختلف الفاظ کے معنی یہ بیان کیے ہیں:

1- to act and deal justly. 2- Establish justice. 3- hold as equal. 4-pay as an equivalent. 5- deviate from right path. 6- dispose aright. 7- turn aside. 8- to act and dealequitably, with fairness and proportion. 9- adjust properly as to relative magnitude. 10-straighten. 11-Equity. 12-accuracty. 13-ransom. 14-Equivalent. 12- recompense. 16- compensation.(4)

قرآن و حدیث میں عدل کے مترادف کے طور پر ایک اور لفظ "قسط" استعمال کیا گیا ہے اس لفظ کا لغوی مفہوم امام راغب اصفہانی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: القسط (اسم) نصف ونصفۃ کی طرح قسط بھی مبنی بر عدل حصہ کو کہتے ہیں چنانچہ فرمایا ﴿وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ﴾ (۹:۵۵) اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور قسط کے معنی دوسرے کا حق مارنا بھی آتے ہیں اس لیے یہ ظلم اور جور کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ الاقساط اس کے اصل معنی کسی کو اس کا حق دینے کے ہیں۔ اسی بناء پر کہا گیا ہے کہ قسط الرجل (فھو قاسط) کے معنی کے معنی ظلم کرنے اور اقسط کے معنی ہیں انصاف کرنا قرآن میں ہے ﴿وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ (۱۵:۷۲) اور گنہگار اور گنہگار ہوئے وہ جہنم کے ایندھن ﴿وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۹:۴۹) اور انصاف سے کام لو، خدا انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ تقسطنا بیننا ہم نے کسی چیز کو آپس میں برابر تقسیم کیا۔ چنانچہ "القسطاس" ترازو کہتے ہیں اور لفظ میزان کی طرح اس سے بھی عدل و انصاف کے معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ﴿وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ﴾ (۳۵:۱۷) اور جب تول کرو تو ترازو وسیدھی رکھ کر تولا کرو۔(۵)

عدل کی ضد ظلم ہے چیزیں اپنی اضداد سے پہچانی جاتی ہیں امام راغب اصفہانی الظلم لفظ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل لغت اور اکثر علماء کے نزدیک ظلم کے معنی ہیں کسی چیز کو اس کے مخصوص مقام پر نہ رکھنا خواہ کمی یا زیادتی کر کے یا اسے اس کے صحیح وقت یا اصلی جگہ سے ہٹا کر۔۔۔ ظلم کی ایک قسم وہ ہے جو انسان ایک دوسرے پر کرتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ... اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (۴۲: ۴۰) (اور برائی بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے۔۔۔ بے شک اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا) میں ظالمین سے اسی قسم کے لوگ مراد ہیں۔ ایک ظلم انسان اللہ کے ساتھ کرتا ہے اس کی سب سے بڑی قسم کفر وشرک اور نفاق ہے۔ چنانچہ فرمایا ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (۱۳:۳۱) شرک تو بڑا بھاری ظلم ہے(۶) (شرک میں انسان اللہ کو اس کے مقام سے ہٹا کر کسی دوسرے کو اس کے مقام پر بٹھا دیتا ہے)۔

عدل اور اس کے متعلق دوسرے الفاظ کی لغوی تحقیق کے بعد ہم عدل اور قسط کے اصطلاحی مفہوم پر بات کریں گے۔

مولانا سید ابو اعلیٰ مودودیؒ سورۃ النحل کی آیت نمبر ۹۰ کی تفسیر میں عدل کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں: عدل (کا) تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب ہو۔ دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق

Marfat.com

بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔ اردو زبان میں اس مفہوم کو لفظ انصاف سے ادا کیا جاتا ہے مگر یہ لفظ غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے۔ اس سے خواہ مخواہ یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان حقوق کی تقسیم نصف نصف کی بنیاد پر ہو اور پھر اسی سے عدل کے معنی مساویانہ حقوق کے سمجھ لیے گئے ہیں جو سرا سر فطرت کے خلاف ہے۔ دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ برابری، بعض حیثیتوں سے تو عدل بے شک افراد معاشرہ میں مساوات چاہتا ہے مثلاً حقوق شہریت مگر بعض دوسری حیثیتوں سے مساوات بالکل خلاف عدل ہے مثلاً والدین اور اولاد کے درمیان معاشی و اخلاقی مساوات اور اعلیٰ درجے کی خدمات انجام دینے والوں اور کم تر درجے کی خدمت ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ حقوق میں مساوات نہیں بلکہ توازن و تناسب ہے اور اس حکم کا تقاضا ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی اور سیاسی حقوق پوری ایمان داری کے ساتھ ادا کیے جائیں''۔(۷)

سید سلیمان ندوی عدل کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح بانٹ دیا جائے کہ ان دو میں سے کسی میں ذرا برابر کمی یا بیشی نہ ہو تو اس کو عربی میں عدل کہتے ہیں اور اس سے دو معنی پیدا ہوتے ہیں جن میں ہم ال لفظ کو اپنی زبان میں بولتے ہیں جو بات ہم کہیں یا جو کام کریں اس میں سچائی کی میزان کس طرف جھکنے نہ پائے اور وہی بات کہیں اور وہی کام کیا جائے جو سچائی کی کسوٹی پر پورا اترے۔(۸) امن عطیہ کہتے ہیں العدل: ھو کل مفروض من عقائد و شرائع، فی اداء الامانات و ترك الظلم، والانصاف و اعطاء الحق (۹)۔

مولانا امین احسن اصلاحی کہتے ہیں قسط کا مفہوم وہی ہے جو ہم عام بول چال میں حق، عدل و انصاف وغیرہ کے الفاظ سے ادا کرتے ہیں۔ اس کا ضد ظلم جور اور اس معنی کے دوسرے الفاظ ہیں۔ فکر، عمل، قول، اخلاق، کردار اور مظاہر اور اشکال غرض ظاہر و باطن کے ہر گوشے میں ایک نقطہ تو وہ ہے جو ہر چیز کے خلاق و فاطر کی بنائی ہوئی فطرت اور اس کے مقرر کیے ہوئے حدود کے اندر ہے۔ اس کو نقطہ اعتدال یا بالفاظ دیگر مرجع عدل و قسط سمجھئے۔ اگر کسی گوشے میں اس نقطہ سے شوشے کے برابر بھی انحراف واقع ہو جائے تو بات عدل وقسطکے منافی ہوگی۔ اعتبارات اور نسبتوں کی تبدیلی سے تعبیرات بدل جائیں گی۔ کسی دائرے میں ہم اس انحراف کو ظلم و جور سے تعبیر کریں گے۔ کسی گوشے میں بدصورتی اور بدہیئتی سے اسی طرح کسی پہلو میں اس اعتدال کو حق و عدل سے تعبیر کریں گے۔ کسی محل میں حسن و جمال سے لیکن اصل حقیقت پر جگہ ایک ہی ہوگی وہ یہ کہ ایک شے اپنے اصل فطری مقام سے ہٹ گئی تو بگاڑ پیدا ہو گیا اور اگر اپنے جوڑ سے پیوست ہو گئی تو بناؤ نمودار ہو گیا۔(۱۰)

عدل اجتماعی کا تصور تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں

عدل، قسط، ظلم وغیرہ الفاظ کی لغوی و معنوی تحقیق کے بعد ہم عدل اجتماعی کے تصور کی وضاحت کرتے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ ایک مکمل نظام زندگی کی حیثیت سے اسلام، کی اعلیٰ ترین قدر، اس کا آخری ہدف اور اصل مقصود و مطلوب عدل اجتماعی یعنی سماجی انصاف یا سوشل جسٹس ہے جس کے تین نمایاں ترین مظاہر ہیں: (۱) سماجی اور قانونی سطح پر کامل مساوات (۲) سیاسی سطح پر حریت اور (۳) معاشی سطح پر عدل و انصاف چنانچہ اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں نہ معاشرتی میدان میں اونچ نیچ اور ادنیٰ و اعلیٰ کا امتیاز ہو، نہ سیاسی سطح پر جبر و استبداد کا راج ور بندہ آقا، حاکم و

Marfat.com

محکوم اور مستکبرین اور مستضعفین کی تقسیم ہو نہ اقتصادی میدان میں انسان ظلم اور استحصال کے باعث haves اور have-nots یعنی مترفین ومحرومین میں منقسم ہوں۔(۱۱)

مولانا مودودی صاحب کہتے ہیں کہ عدل اجتماعی اسلام کی نظر میں اس وقت قائم ہوگا جب ایک طرف فرد اور دوسری طرف اجتماعی نظام/ حکومت کے درمیان توازن قائم ہو حریت فکر کے ساتھ، اجتماعی فلاح و بہبود بھی مقصود ہو۔ وہ مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسلام فرد اور معاشرہ کی حدود و قیود اور ذمہ داریوں میں توازن قائم کرتا ہے نہ وہ فرد کو کھلی چھٹی دیتا ہے کہ وہ خاندان، قبیلے، برادری، معاشرے اور قوم پر زیادتی کرے اور اجتماعی فلاح کے لیے خدمت کی سرانجام دہی سے پہلو تہی کرے اور نہ وہ ریاست کو حد سے زیادہ طاقتور بنا کر افراد، خاندانوں اور قبیلوں کی آزادی چھیننے کی اجازت دیتا ہے۔ عدل محض معاشی مساوات تک محدود نہیں ہے۔(۱۲)

سید محمد قطب عدل اجتماعی (Social justice) کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

> It is a.cooperative human Justice embracing all sides and basic factors of human life It is not merely a limited economic justice. Its therefore deals with all aspects of life its activities, even as it is concerned with the mind and attitude with heart & conscience. The values with which this justice deals are not only economic values, not are they merely material values in general, rather they are a mixture of these values and moral and spiritual values together.(13)

سید محمد قطب کہتے ہیں کہ عدل اجتماعی کا اسلامی نظام تین بنیادی اصولوں پر مبنی ہے: ۱) مطلق اور مکمل آزادی ضمیر، ۲) کامل انسانی مساوات، ۳) ٹھوس اور پائیدار اجتماعی تکافل (۱۴)۔

معاشی عدل اور تعلیمات نبویؐ

بعثت نبویؐ کے وقت روم و فارس کی سلطنتیں تہذیب وتمدن کا گہوارہ سمجھی جاتی تھیں۔ ان کا معاشی نظام ظلم و عداوت، تعین و اسراف اور استحصال و استبداد کا مظہر تھا۔ عدل و رفاہیت سے عاری یہ نظام امراء و سلطاین کے مفادات کا آلہ کار بنا ہوا تھا اور غریب لوگ ظالمانہ ٹیکسوں کے نظام میں جکڑے ہونے کی وجہ سے نان شبینہ کے لیے بھی ترس رہے تھے۔ دوسری طرف صنعت وحرفت اور زراعت تباہ ہو چکے تھے۔ ان حالات میں اللہ سبحانہ و عالیٰ نے ایک نبی کو مبعوث کیا جنہوں نے روم و فارس کی تمام قبیح رسموں اور اعمال (practices) کو ختم کر کے صحیح اصولوں پر ایک نئے نظام کی بنیاد رکھی۔

نبی اکرمؐ نے جو معاشی نظام دنیا کو عطا کیا وہ ایک عادلانہ معاشی نظام ہے جس میں ظلم و استبداد کے تمام راستے مسدود کر دیئے گئے تو دوسری طرف تکافل اجتماعی کا ایسا نظام دیا جس میں معاشرہ کے کمزور طبقات کی بنیادی ضروریات کا اہتمام

Marfat.com

ہو گیا۔ تقسیم دولت کے نظام میں اصلاحات کر کے haves اور have-nots کے درمیان فرق کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ سرمایہ ومحنت میں توازن کو قائم کرنے کے لیے سود، قمار، احتکار واکتناز اور دوسری خراب معاشی practices کو حرام قرار دیا گیا۔ غرض یہ کہ عدل وقسط پر مبنی اسلام معاشی نظام افراد وتفریط سے پاک ایک معتدل ومتوازن نظام ہے۔(۱۵)

اسلامی معاشی نظام نے جو اصول وضوابط ہمیں عطا کیے ہیں ان پر مختصر بحث ذیل کی سطور میں کی جائے گی: عادلانہ معاشی کا ایک تقاضا یہ کہ لوگوں کو حق معیشت میں مساوات حاصل ہو یعنی ہر شخص کو اپنی وہبی وکسبی صلاحیتوں کو استعمال کر کے اپنے لیے روزی کمانے کے مواقع (opporlunities) حاصل ہوں اور کوئی شخص محروم المعیشت نہ رہنے پائے۔ حق معیشت میں مساوات اور تعلیمات نبویؐ زمین وآسمان میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے پیدا کیا ہے(۱۶) اس لیے اسباب معیشت سے استفادہ ہر ایک انسان کا حق ہے۔ ایک طرف تعلیمات نبویؐ میں انسانوں کو معاشی جدوجہد کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو دوسری طرف ریاست کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ایسے اقدامات کرے کہ لوگ اپنی روزی کمانے میں آسانی محسوس کریں اور ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو۔

مدینہ میں حضورؐ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو سب سے پہلے مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ مواخاۃ قائم کیا۔ اس رشتہ کے قیام سے حضورؐ نے مہاجرین کو انصار کے کھیتوں، مکانات، باغات اور کاروبار میں شریک کرلیا۔ یہ رشتہ مہاجرین کی معاشی خود کفالت تک قائم رہا۔ اس رشتہ کے معاشی مضمرات کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ اس Iettlement سے مہاجرین کی بنیادی ضروریات کا انتظام ہو گیا، وقتی بے روزگاری ختم ہو گئی کیونکہ تمام قبائل کا مہاجرین اپنے انصاری بھائیوں کے کاروبار میں شریک ہو گئے اور انصار کی وہ زمینیں اور نخلستان جن سے اب تک بھرپور استفادہ نہیں اٹھایا جا رہا تھا ان کی دیکھ بھال کا بہتر انتظام ہو گیا۔ اس طرح پیداوار میں اضافہ کے ساتھ دونوں طبقوں کو معاشی فلاح میں اضافہ ہو گیا۔(۱۷) نبی اکرمؐ نے فرمایا جس کسی بنے کو بھی اللہ تعالیٰ ایک رعایا کا نگران بنا دے اور پھر وہ خیوخواہی کے جذبہ کے ساتھ ان کی بھلائی کے لیے کوشاں نہ ہو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔(۱۸)

معیشت سے سود کے خاتمہ سے بھی لوگوں کے لیے روزگار کے بے پناہ مواقع پیدا کیے جاسکتے ہیں اس کا اعتراف جدید معیشت دان بھی کرتے ہیں(۱۹)

تکافل کا نظام اور تعلیمات نبویؐ

انصفت اھل الفقر من اھل الغناء   فالکل فی حق الحیوٰۃ سواء

لو ان انساناً تخیر ملۃ   ما اختار الا دینک الفقراء (۲۰)

معاشی فلاحی اقدامات کے ذریعے اسلام لوگوں کی بنیادی ضروریات کا اہتمام کر کے انہیں منڈی کی اندھی قوتوں (Blind market forces) کے رحم وکرم پر ہی رہنے سے بچاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر فرمایا: "اے لوگو! میرے خدائی فرائض میں یہ بھی ہے کہ میں غریبوں اور مصیبت زدوں کی ہر ممکن مدد کروں اور ان کی دعائیں اللہ تک نہ جانے دوں"۔(۲۱)

احادیث وآثار کی تصریحات سے انسان کی بنیادی ضرورتوں کا تعین ہو گیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت

Marfat.com

ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا جس شخص کے پاس قوت و طاقت کے سامان اپنی حاجت سے زائد ہوں اس کو چاہیے کہ اس فاضل سامان کو کمزور کو دے دے اور جس شخص کے پاس سامان خورد ونوش حاجت سے زاہد ہو اس کو چاہیے کہ فاضل سامان نادار اور حاجتمند کو دیدے۔ ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرمؐ اسی طرح مختلف انواع مال کا ذکر فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کرلیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو اپنے فاضل مال پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں"۔(۲۲)

علامہ ابن حزم اسی قسم کی احادیث اور آیات قرآنی کی بنیاد پر تحریر فرماتے ہیں کہ سلطان (امیر) ارباب دولت کو مجبور کرسکتا ہے کہ وہ فقراء اور غرباء کی معاشی زندگی کی کفالت کے لیے وسائل خرچ کریں۔ ان کی زندگی کے اسباب کے لیے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو، پہننے کے لیے گرمی اور سردی دونوں موسموں کے لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لیے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش، گرمی، دھوپ اور سیلاب جیسے امور سے محفوظ رکھ سکے۔(۲۳)

شہاب الدین احمد الرملی کہتے ہیں کہ عوام کے لیے روٹی، کپڑے اور مکان اور اپاہجوں کی دیکھ بھال اور اسی قسم کی بنیادی ضروریات کا مناسب بندوبست حکومت کی ذمہ داری ہے۔(۲۴)

نظام زکوٰۃ کے قیام سے ایک طرف فقراء، مساکین، یتامیٰ اور بے کس افراد کی معاشی کفالت کے لیے وسائل مہیا ہوسکتے ہیں تو دوسری طرف ارتکاز دولت کی راہیں بھی مسدود ہوسکتی ہیں۔ نظام زکوٰۃ کے متعلق حضورؐ نے ارشاد فرمایا "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے مال داروں سے زکوٰۃ وصول کروں اور تمہارے فقراء میں تقسیم کردوں"(۲۵) قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے: "ان کے اموال میں محروم اور (احتیاج کی بناء پر) سوال کرنے والے کا بھی حق ہے"(۲۶)

خلفاء راشدین کے دور میں فقراء و مساکین حتیٰ کہ غیر مسلم ذمیوں کی معاشی کفالت کا بندوبست بھی ریاست کی طرف سے کیا جاتا تھا۔(۲۷) حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ فرمایا اگر اللہ نے مجھے استطاعت دی تو ایسا نظام قائم کر جاؤں گا کہ صفا کی پہاڑیوں میں رہنے والا زڈریا بھی اجتماعی دولت سے اپنا حصہ وصول کرے ایک اور موقع پر فرمایا "جو امیر اہل حاجت، غربت اور مسکنت کے لیے اپنے دروازے بند کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت اور مصیبت کے لیے بھی اپنے دروازے بند کردیتا ہے"۔(۲۸)

حضرت علیؓ نے ایک موقع پر فرمایا "اللہ تعالیٰ نے دولت مندوں پر فرض کیا ہے کہ اپنے مال کا اس قدر حصہ دے دیں جو مفلسوں کی ضروریات کے لیے کافی ہو۔ اگر وہ بھوکے ننگے رہیں اور دکھ اٹھائیں تو اس کی وجہ دولت مندوں کا بخل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ قیامت کے دن ان کا محاسبہ کرے اور ان کو عذاب دے"۔(۲۹)

ادائیگی کے لیے زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں غرباء کا حصہ ہے۔ قرآن و حدیث میں صدقات نافلہ کی ترغیب وتشویق دلائی گئی ہے۔ اس ترغیب وتویق کا مقصد انسانی ضمیر کو جگانا ہے۔ صدقات نافلہ کے ذریعے انسان اپنی اخروی نجات اور درجات کی بلندی کا مقصد حاصل کرسکتا ہے۔ یہ اگرچہ رضا کارانہ عمل ہے لیکن اس کے معاشی فوائد انتہائی دوررس ہیں۔ دولت کی گردش امیروں سے غریبوں کی طرف ہوتی ہے تو غرباء کی قوت خرید بڑھنے کی وجہ سے صنعتی و زرعی اشیاء کی نکاسی کا عمل تیز ہوتا ہے یوں معیشت ترقی کی منازل طے کرتی ہے اور بے روزگاری ختم ہوتی ہے۔ یہ عادلانہ نظام معیشت کی برکات کا محض ایک پہلو ہے۔

عادلانہ معاشی نظام کا ایک اور تقاضا یہ کہ استحصالی اور ظالمانہ نظام ٹیکس کی اصلاح کی جائے۔ موجودہ ٹیکس کا نظام ایسا

Marfat.com

ہے جو امراء کو امیر تر اور غرباء کو غریب تر کر رہا ہے۔ یہ روم و فارس کے استحصالی اور ظالمانہ نظام کا عکس نظر آتا ہے۔ یہ نظام قرآن اصول کی ﴿لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ﴾ کے خلاف ہے۔ ڈاکٹر نور محمد غفاری لکھتے ہیں کہ اسلام بلاواسطہ (direct tax) کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کیونکہ اس کا اثر صرف امراء پر پڑتا ہے۔ یہ ٹیکس منصفانہ تقسیم دولت اور گردش دولت کا ذریعہ بنتے ہیں۔(۳۰)

اسلامی فقہ کی رو سے جو خطہ زمین بھی مسلمانوں نے بذریعہ قوت یا صلح فتح کیا ہو وہ قیامت تک کسی فرد کی ملکیت نہیں ہوسکتا بلکہ یہ بیت المال کی ملکیت ہے اور ان زمینوں کو کاشت کرنے والے ریاست اسلامی کو خراج ادا کرنے کے پابند ہیں۔ یہ قانون حضرت عمرؓ کے اس اجتہاد پر مبنی ہے جو آپؐ نے عراق کی مفتوحہ زمینوں کے متعلق کیا تھا۔ اس قانون کی رو سے پاکستان کی زمینیں بھی خراجی ہیں نہ کہ عشری۔(۳۱)

حضرت جلال تھانیسری اور حضرت علامہ محمد اعلیٰ تھانویؒ نے اس مسئلہ کے متعلقہ رسائل تحریر کیے ہیں اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ہندوستان کی زمینیں خرابی ہیں مولانا محمد اعلیٰ تھانیسریؒ نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے کہ اراضی ہند نہ عشر ہیں نہ خراجی بلکہ اراضی حوزہ ہیں یعنی بیت المال اور حکومت کی ملکیت ہیں اور شخصی ملکیت نہیں ہیں(۳۲) ڈاکٹر اسرار احمد کی رائے ہے کہ پاکستان کی اراضی دو بار مفتوح ہوئی ہے اس لیے اس کی خراج حیثیت کو بحال کرنے کی ضرورت ے اور یہ ظالمانہ اور استحصالی جاگیرداری نظام کے خاتمہ کی طرف ایک انقلابی قدم ہوگا۔(۳۳)

سماجی عدل اور تعلیمات نبویؐ

عدل اجتماعی کا ایک پہلو سماجی عدل ہے۔ نبی اکرمؐ نے جس دین کی تبلیغ و دعوت دی اور جس کو عملی طور پر اسلامی معاشرہ میں نافذ کیا اس نے سماجی عدل کے تقاضوں کو کماحقہ پورا کیا۔ سماجی عدل کے کیا تقاضے ہیں؟ ان پر ذیل کی سطور پر گفتگو کریں گے:

عدل اجتماعی کا سماجی حوالہ سے اولین تقاضا مساوات انسانی ہے۔ تمام انسان قابل تکریم ہیں۔(۳۴) ان کی پیدائش کا آغاز ایک جان سے ہوا اور پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا گیا اور پھر ان دونوں سے کثیر مرد و زن پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیئے گئے۔(۳۵) انسان کی شعوب و قبائل میں تقسیم باہم پہچان کے لیے ہے۔ کسی ایک قبیلہ یا قوم کو کسی دوسری قوم یا قبیلہ پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ تمام انسان آپس میں برابر ہیں اگر برتر یا فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ وکردار کی بنیاد پر ہے۔(۳۶) حضورؐ نے خطبہ حجۃ الوداع میں اعلان کیا کہ اے لوگو! جان لو کہ تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ آدم ایک ہے۔ کسی عجمی کو عربی پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی سفید کو کالے پر اور نہ کالے کو سفید پر کوئی فضیلت ہے سوائے تقویٰ کے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ نبی اکرمؐ صبح و شام جو دعا فرماتے اس میں آپؐ فرماتے ''اے ہمارے رب اور تمام چیزوں کے رب میں گواہ ہوں کہ تیرے تمام بندے آپس میں بھائی بھائی ہیں''(۳۷)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپؐ پر شدید عتاب فرمایا جب آپؐ نے غریب ام مکتوم کے مقابلہ میں سردار قوم ولید ابن مغیرہ

Marfat.com

پر زیادہ توجہ دی۔(۳۸) نبی کریمؐ نے خود اپنی ذات کے متعلق غیر معمولی برتری و فضیلت دینے کے رجحانات کو ختم کرتے ہوئے نصیحت کی کہ میری تعریف میں اس طرح غلو نہ کرنا جس طرح کا غلو نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی تعریف میں کیا تھا کیونکہ میں اللہ کا بندہ اور پیغامبر ہوں۔(۳۹)

حضورﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے کے لیے اپنی پھوپی زاد بہن حضرت زینبؓ کو نکاح کا پیغام دیا تو حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی کو اس نکاح کی منظوری میں قدرے تامل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جب کسی معاملہ میں اللہ اور اس کا رسولؐ کوئی فیصلہ فرما دیں تو کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ اس طرح انسانی تفوق و برتری کے تمام امتیازات مٹا کر انسانی مساوات کا عملی نمونہ سماج کے سامنے پیش کیا۔(۴۰)

ہجرت کے اولین دور میں جب محمدؐ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ کا رشتہ قائم کیا تو ان کے آزاد کردہ غلام زیدؓ اور ان کے چچا حضرت حمزہؓ بھائی بھائی قرار پائے۔ اس طرح حضرت ابوبکرؓ اور خارجہ ابن زیدؓ بھائی بھائی قرار دیئے گئے اور خالد ابن رویحہ خثعمی اور بلال بن رباحؓ کے درمیان مواخاۃ ہوئی۔ یہ بھائی چارہ الفاظ تک محدود نہیں رہا بلکہ زندگی کا ایک ایسا پختہ رشتہ بن گیا جو خونی رشتہ کے برابر تھا۔(۴۱) روم کی لڑائی کے لیے اسامہ بن زیدؓ کو ایسے لشکر کا سپہ سالار بنایا جس میں ابوبکرؓ و عمرؓ بھی شامل تھے۔ اسی لشکر میں سعد بن ابی وقاصؓ بھی شامل تھے جو نبی اکرمؐ کے رشتہ دار تھے۔(۴۲) حضرت عمرؓ نے کوفہ کا والی عمار بن یاسرؓ کو مقرر کیا جو ایک موالی تھے۔(۴۳)

اسلام کی آمد سے پہلے عرب میں عورتوں کی حیثیت انتہائی خراب تھی انہیں زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ ان کی سماجی و معاشی حیثیت کچھ بھی نہ تھی۔ اسلام نے عورتوں کے مرتبہ کو بلند کیا۔ بحیثیت صنف انہیں مردوں کے برابر حیثیت دی۔ دینی و روحانی اعتبار سے بھی انہیں مردوں کے برابر قرار دیا۔ جائیداد میں ان کا حصہ مقرر کیا گیا۔ جہاں مردوں کو عورتوں پر ایک گنا برتری دی گئی ہے۔ اس میں دونوں کی فطری استعداد، ذمہ داری اور مہارت کا فرق ہے ورنہ جہاں یہ صلاحیتیں یکساں ہیں وہاں دونوں کو مساوی مقام دیا گیا ہے۔(۴۴) ارشاد خداوندی ہے: ''جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔(۴۵) حق ملکیت کی اہلیت اور مالی تصرفات کا مجاز ہونے کے اعتبار سے بھی دونوں برابر ہیں۔ جو کچھ مرد کمائیں اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتیں کمائیں اس کے مطابق ان کا حصہ ہے۔(۴۶)

سیاسی عدل اور تعلیمات نبویؐ

عدل اجتماعی یا سماجی عدل (social justice) کا ایک پہلو سیاسی عدل ہے۔ کسی معاشرہ میں سیاسی عدل کے تقاضے اسی صورت میں پورے ہو سکتے ہیں جب انسان کو ہر قسم کی غلامی سے نجات مل جائے۔ سیاسی عدل کا اولین تقاضا یہ ہے کہ انسانی ضمیر کو مطلق اور مکمل آزادی حاصل ہو۔ تعلیمات نبویؐ کے جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام انسانی ضمیر کو اندرونی اور بیرونی دونوں طرح کو غلامیوں سے آزاد کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر عقیدہ و عمل دونوں کو غلامی سے نجات دینا اسلام کو مطلوب کو مقصود ہے۔ اسلام کا نقطہ آغاز ضمیر انسانی کو غیر اللہ کی عبادت اور اطاعت و فرمانبرداری سے آزاد کرانا ہے۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو

Marfat.com

انسان پر کوئی اقتدار حاصل نہیں ہے۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اسے مارتا اور جلاتا ہو، کوئی دوسرا نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا۔ آسمان و زمین میں بس وہی ایک ذات ہے جو انسان کو رزق عطا کرتی ہے۔ انسان اور خدا کے درمیان کوئی واسطہ حائل نہیں رکھتا۔ آسمان و زمین میں بس وہی ایک ذات ہے اس کے ماسوا سب بندے ہیں (۴۷) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''کہو اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا نہ وہ خود جنا گیا اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے''۔(۴۸)

اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی جائز نہیں۔ نہ کسی انسان کو رب کے مقام پر لا کر اس کی غلامی کی جاسکتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔''ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے''۔(۴۹)

عیسائیوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا۔ اس چیز کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''حالانکہ ان کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ وہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں پاک ہے وہ ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں''۔(۵۰)

ضمیر انسانی بندوں کی غلامی سے آزاد اور تعلق باللہ کے ہمدم بیدار شعور سے معمور ہوتے ہی جان و مال اور عزو جاہ کے سلسلہ میں ہر طرح کے خطرات اور اندیشوں سے بلند ہو جاتا ہے۔ یہ خطرات انسان کی خود داری کو مجروح کر دیتے ہیں اور بسا اوقات تو اسے ذلت گوارا کرنے، بہت سے حقوق سے دست بردار ہونے اور اپنی عزت و شرف سے ہاتھ دھونے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان اپنے اندر صحیح قسم کی خود داری اور عزت نفس پروان چڑھائے تا کہ وہ عدل و انصاف کے قیام کا نگران و محافظ بن کر رہے۔(۵۱) اس بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ عقیدہ توحید کا اقرار انسان کو ہر قسم کی غلامی سے نجات دیتا ہے۔ انسان ایک سجدہ کو گراں سمجھتا ہے لیکن یہ ایک سجدہ انسان کو ہزار سجدوں سے نجات دلاتا ہے۔

تعلیمات نبویؐ انسان کو اللہ کی بندگی میں لانا چاہتی ہیں کون اللہ کی بندگی میں آنا چاہتے ہیں اور کون اپنی روش جاری رکھنا چاہتے ہیں اس معاملہ میں اسلام لوگوں کو آزادی دیتا ہے۔ اس معاملہ میں کوئی جبر و اکراہ نہیں اس لیے قرآن حکیم نے اعلان کیا ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ (دین کے معاملہ میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے (۵۲) میثاق مدینہ میں بھی یہودیوں کو مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی تھی۔ (۵۳) حضورؐ نے ارشاد فرمایا ''خبردار جس کسی نے کسی معاہد (اقلیتی فرد) پر ظلم کیا یا اس کا حق غصب کیا یا اس کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف دی یا اس کی رضا کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو روز قیامت میں اس کی طرف سے جھگڑوں گا''۔(۵۴)

حضورؐ نے ایک ذمی کے قتل کے قصاص میں ایک مسلمان کو قتل کرنے کا حکم۔(۵۵) دیا۔ ایک دفعہ حضرت عمرو بن عاص والی مصر کے بیٹے نے ایک غیر مسلم کو ناحق سزا دی حضرت عمرؓ کے پاس جب اس کی شکایت ہوئی تو انہوں نے سر عام مصر کے گورنر کے بیٹے کو اس غیر مسلم مصری سے سزا دلوائی اور ساتھ ہی فرمایا ''تم نے کب سے لوگوں کو اپنا غلام سمجھ لیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا''۔(۵۶)

مذہبی آزادی تعلیمات نبویؐ میں کس قدر اہم ہے اس کا اندازہ اس خط سے کیا جاسکتا ہے جو نبی اکرمؐ نے اہل نجران

Marfat.com

کو لکھا آپؐ نے لکھا:

''نجران اور ان کے حلیفوں کو اللہ اور اس کے رسول محمدؐ کی پناہ حاصل ہے ان کی جانیں، ان کی شریعت، زمین، اموال، حاضر و غائب اشخاص، ان کی عبادت گاہوں اور ان کے گرجا گھروں کی حفاظت کی جائے گی۔ کسی پادری کو اس کے مذہبی مرتبے، کسی راہب کو اس کی رہبانیت اور کسی صاحب منصب کو اس کے منصب سے ہٹایا نہیں جائے گا اور ان کی زیرملکیت ہر چیز کی حفاظت کی جائے گی''۔(۵۷)

سطور بالا میں ہم نے جو بحث کی ہے وہ اس حقیقت کو عیاں کرتی ہے کہ تعلیمات نبویؐ کا پیروکار کس طرح اپنے عقیدہ کی طاقت (Strength) کی بنیاد پر اپنے حق کے لیے آواز بلند کرنے اور ظلم وستم اور استحصال کو گوارا نہ کرنے کی جرات (Courage) حاصل کرتا ہے اور غیر مسلم کے حقوق کی حفاظت وہ سیاسی نظام عطا کرتا ہے جو تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں تشکیل پاتا ہے۔

سیاسی عدل کا ایک تقاضا یہ ہے کہ لوگوں کو اظہار رائے کی آزادی حاصل ہو اظہار رائے کی آزادی کے بغیر کسی بھی معاشرے میں جمہوری اقدار اور عدل و انصاف کی روایت تشکیل پذیر نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے اسلام نے ہر فرد کو اظہار رائے کی آزادی کا حق عطا کیا ہے۔ اظہار رائے کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: ''سب سے بہترین جہاد ظالم و جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے''(۵۸)

حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں (وشاورھم فی الامر) جب لوگوں کو اظہار رائے کی آزادی ہوگی تو وہ مشورہ دے سکیں گے۔ قرآن حکیم میں نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ بھی اظہار رائے کی آزادی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔(۵۹) ظلم و زیادتی اور استحصال کے خلاف آواز بلند کرنے کا حق قرآن نے ان الفاظ میں مظلوموں کو دیا ہے: ''اللہ کسی بری بات کا بآواز بلند کہنا پسند نہیں فرماتا سوائے اس کے جس پر ظلم ہوا ہے''(٦٠)

حضرابوبکر صدیقؓ نے خلافت سنبھالنے کے بعد اپنے پہلے خطبہ میں فرمایا ''اگر میں اچھا کام کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر کجروی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کردو۔ اگر میں خدا اور رسولؐ کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر اس کی نافرمانی روں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں۔''(٦١) ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا ''اتق اللہ یا عمر''(اے عمر اللہ سے ڈر)۔ حاضرین میں سے کسی نے اس کو روکا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا ''نہیں کہنے دو اگر یہ لوگ نہ کہیں گے تو یہ بے مصرف ہیں اور ہم لوگ نہ مانیں تو ہم''(٦٢)

سیاسی عدل کے تقاضوں کی فہرست بہت طویل ہے جس کا جائزہ اگر تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں لیا جائے تو بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ملک میں امن و امان کا قیام، دہشت گردی کا خاتمہ، علاقائی، لسانی، لونی وقومی عصبیتوں کا خاتمہ، فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا فروغ، اسلامی تصور ملت کا احیاء، مختلف علاقوں کے درمیان معاشی تفاوت کا خاتمہ اور مساوی مواقع ترقی مہیا کرنا، قانون کی حکمرانی، عدلیہ کی آزادی وغیرہ امور ریاست کی ذمہ داریوں میں شامل ہیں اور ان امور پر بھرپور توجہ ہی ملک میں سیاسی عدل کے تقاضوں کو کماحقہ پورا کیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

قانونی عدل اور تعلیمات نبویؐ

قانونی عدل کے تقاضوں کے متعلق بھی تعلیمات نبویؐ میں انتہائی جامع ہدایات ملتی ہیں۔ پھر عملی مثالیں بھی کافی تعداد میں اسوۂ محمدیؐ اور خلفائے راشدین کی زندگیوں میں ملتی ہیں۔ قانونی عدل کا اولین تقاضا یہ کہ ایک ایسا نظام قضاۃ تشکیل دیا جائے جس میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے ہوں۔ سچی گواہی دینے والوں کو تحفظ حاصل ہو۔ لوگوں کو فوری اور سستا انصاف ملے۔ عدلیہ کی آزادی کو برقرار رکھا جائے۔

اسلام نے انسانیت کو جو نظام عدل عطا کیا ہے اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس نظام میں قانون کی نظر میں کوئی فرق نہیں۔ سب کے لیے ایک ہی ضابطہ اور ایک ہی قانون ہے۔ کوئی اعلیٰ ایک جرم کرے گا تو اسے بھی وہی سزا دی جائے گی جو ایک ادنیٰ مجرم کے لیے ہوگی۔ کسی کے ساتھ امتیازی برتاؤ نہیں ہوگا۔ نبی کریمؐ کے پاس قریش کی ایک خاتون کا چوری کرنے کا معاملہ لایا گیا۔ اس خاتون کے حق میں حضرت اسامہ بن زیدؓ نے سفارش کی تو آپؐ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا اور فرمایا کیا تم اللہ کی قائم کردہ حدوں میں سے ایک حد میں سفارش کر رہے ہو۔ آپؐ نے فرمایا۔ ''بے شک تم سے پہلے تو میں اس وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ جب کبھی کسی امیر نے چوری کی تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور جب کسی کمزور نے چوری کی تو اس پر حد قائم کر دیتے اور میں وہ ہوں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کے ہاتھ کاٹتا۔ (۶۳)

نبی اکرمؐ اپنے آپ کو بھی قانون سے بالاتر نہ سمجھتے تھے۔ آپؐ نے کئی مواقع پر اپنے آپ کو احتساب کے لیے پیش کیا۔ وفات سے قبل آپؐ بیماری کی حالت میں مسجد میں تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں: ''اے لوگو! اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر کبھی کوئی درہ مارا ہے تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے وہ مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے۔ اگر میں نے کبھی کسی کو برا بھلا کہا ہے تو میری آبرو حاضر ہے وہ اس سے انتقام لے سکتا ہے۔ اگر میں نے کسی کا مال چھینا ہے تو یہ میرا مال حاضر ہے وہ اس سے اپنا حق لے سکتا ہے تم سے کوئی شخص یہ اندیشہ نہ کرے کہ اگر کسی نے مجھ سے انتقام لیا تو میں اس سے ناراض ہو جاؤں گا۔ میری یہ شان نہیں''۔ (۶۴)

حضرت علیؓ کی زرہ کی چوری کا مقدمہ جب قاضی شریح کی عدالت میں پیش ہوا تو اس نے آپؐ سے ثبوت طلب کیا۔ ثبوت کی عدم دستیابی پر مقدمہ آپ کے خلاف فیصل ہوگیا۔ (۶۵) حضرت عمر بن عبدالعزیز کی عدالت میں ایک عیسائی نے شہزادہ ہشام بن عبدالمالک کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔ آپؒ نے عدالت میں شہزادہ ہشام کو مدعی کے ساتھ کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ جب شہزادہ کھڑا نہ ہوا تو آپؒ نے اسے سختی سے حکم دے کر فرمایا ''اسلامی عدل میں مسلم شہزادہ اور ایک عیسائی شہری دونوں برابر ہیں۔ (۶۶)

عدل قانونی کا ایک پہلو یہ ہے کہ ریاست میں قانون کی حکمرانی ہو، کسی شخص کو بلا جواز اور بغیر قانونی جواز/ بنیاد کے گرفتار نہ کیا جائے۔ حضرت عمرؓ ایک مقدمے کے فیصلے میں تصریح کرتے ہیں کہ اسلام میں کوئی شخص عدل کے بغیر قید نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں عدل سے مراد معروف عدالتی کارروائی (Due process of law) ہے یعنی ایک آدم کا جرم کھلی عدالت میں ثابت کیا جائے اور اسے صفائی کا پورا موقع دیا جائے۔ اس کے بغیر اسلام میں کوئی شخص قید نہیں کیا جاسکتا۔ (۶۷)

حضرت علیؓ کے زمانے میں جب خوارج کا ظہور ہوا جو سرے سے ریاست کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے آپؓ نے انہیں

Marfat.com

لکھا کہ تم جہاں چاہو رہو۔ ہمارے تمہارے درمیان شرط یہ ہے کہ تم خون نہ بہاؤ اور بدامنی نہ پھیلاؤ اور کسی پر ظلم نہ کرو۔ اگر ان کاموں میں سے کوئی کام کیا تو تمہارے خلاف جنگ کروں گا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی تصور عدل کسی حال میں بھی انتظامیہ کو یہ اختیار نہیں دیتا وہ معروف عدالتی کارروائی کے بغیر یوں ہی جس کو چاہیں پکڑ لیں جسے چاہیں قید کر دیں، جس کی چاہیں زبان بندی کر دیں۔ اس طرح کے اختیارات جو ریاست اپنی انتظامیہ کو دیتی ہے وہ ہرگز اسلامی ریاست نہیں ہو سکتی۔(۶۸)

قانونی عدل کا ایک تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو صرف اس کے اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار دیا جائے کسی دوسرے کے جرم میں اس کو سزا نہ دی جائے۔ آیت قرآنی ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ. وَ لَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (ان کے لیے وہی کچھ ہوگا جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لیے وہ ہوگا جو تم کماؤ گے اور تم سے ان کے اعمال کی باز پرس نہ کی جائے گی) کی رو سے دنیا و آخرت میں کوئی کسی دوسرے کے اعمال کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔(۶۹) قانون عدل کا ایک اور تقاضا یہ ہے کہ لوگوں کو اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع دیا جائے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ''جب تیرے پاس دو فریق فیصلہ کروانے کے لیے آئیں تو اس وقت تک (فیصلے کے بارے میں) کلام نہ کرو جب تک دوسرے فریق کو بھی اسی طرح نہ سن لو جس طرح پہلے فریق سے سنا تھا۔(۷۰)

عدل اجتماعی کی اہمیت تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں

گزشتہ سطور میں ہم نے عدل اجتماعی کے تصور پر سیر حاصل گفتگو کی ہے جس سے عیاں ہوتا ہے کہ اسلامی تصور عدل ایک ہمہ گیر تصور ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کے دائرہ میں انسان کی معاشی، سیاسی، معاشرتی اور قانونی زندگی آتی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت عدل بھی ہے۔ علماء نے اس کے معنی یہ بتائے ہیں کہ اس کا فیصلہ حق ہوتا ہے، وہ حق بات کہتا اور وہی کرتا ہے جو حق ہے۔(۷۱)

اللہ کی شہنشاہیت و اقتدار تمام کائنات میں عدل و قسط کے ساتھ قائم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''شہادت دی اللہ نے (اس بات کی کہ) بے شک نہیں کوئی خدا اس کے سوا اور (یہی گواہی دی) فرشتوں نے اور اہل علم نے (ان سب نے یہ بھی گواہی دی کہ وہ) قائم فرمانے والا ہے عدل و انصاف کو''۔(۷۲) اللہ کا عدل و انصاف کسی ایک چیز کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ کائنات کی تخلیق، فطرت کے قواعد، عقائد و شریعت کے قوانین غرضیکہ ہر وہ چیز جس کو اس سے نسبت ہے وہ اس کے عدل و انصاف کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔(۷۳)

یہی وجہ ہے کہ تمام کائنات میں ہر جگہ توازن، اعتدال، ہم آہنگی اور نظم و ضبط نظر آتا ہے۔ قرآن حکیم ہمیں اس حقیقت کی طرف بار بار متوجہ کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے (اے دیکھنے والے) کیا تو خدائے رحمان کی آفرینش میں کچھ نقص دیکھتا ہے؟ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ بھلا تجھ کو (آسمان میں) کوئی شگاف نظر آتا ہے۔ پھر دوبارہ (سہ بارہ) نظر کر تو نظر (ہر بار) تیرے پاس ناکام اور تھک کر لوٹ آئے گی''۔(۷۴)

اگر انسان بھی صفات خداوندی کا پرتو اپنی زندگی میں لے آئے تو اس کی زندگی بھی نظم و ضبط اور ہم آہنگی سے بھر جائے اور ہر طرف سکون، امن اور چین کا دور دورہ ہو۔ بعثت انبیاء کا مقصد دنیا میں عدل و قسط کے نظام کا قیام اور ظلم کا خاتمہ

Marfat.com

ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ کا فرمان ہے: ''ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعد عدل) تا کہ لوگ عدل پر قائم رہیں اور لوہا پیدا کیا اس میں (اسلحہ جنگ) کے لحاظ سے خطرہ بھی شدید ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں۔''(۷۵)

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں سید ابو اعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں کہ اس مختصر سے فقرے میں انبیاء کے مشن کا پورا لب لباب بیان کر دیا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں خدا کے جتنے رسول بھی آئے وہ سب تین چیزیں لے کر آئے تھے۔ ۱۔ بینات یعنی کھلی کھلی نشانیاں ہو واضح کر رہی تھیں کہ یہ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ روشن دلائل جو اس بات کو ثابت کرنے کے لیے بالکل کافی تھے کہ جس چیز کو وہ حق کہہ رہے ہیں وہ واقعی حق ہے اور جس چیز کو وہ باطل قرار دے رہے ہیں وہ واقعی باطل ہے واضح ہدایات جن میں کسی اشتباہ کے بغیر صاف صاف بتا دیا گیا تھا کہ عقائد، اخلاق، عبادات اور معاملات میں لوگوں کے لیے راہ راست کیا ہے جسے وہ اختیار کریں اور غلط راستے کون سے ہیں جن سے وہ اجتناب کریں۔ ۲۔ کتاب جس میں وہ ساری تعلیمات لکھ دی گئی تھیں جو انسان کی ہدایت کے لیے درکار تھیں۔ ۳۔ میزان یعنی معیار حق و باطل جو ٹھیک ٹھیک ترازو کی تول تول کر یہ بتا دے کہ افکار اخلاق اور معاملات میں افراط و تفریط کی مختلف انتہاؤں کے درمیان انصاف کی بات کیا ہے۔

ان تین چیزوں کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو جس مقصد کے لیے بھیجا گیا وہ یہ تھا کہ دنیا میں انسان کا رویہ اور انسانی زندگی کا نظام فرداً فرداً بھی اور اجتماعی طور پر عدل پر قائم ہو۔ ایک طرف ہر انسان اپنے خدا کے حقوق، اپنے نفس کے حقوق اور ان تمام بندگان خدا کے حقوق جن سے اس کو کسی طور پر سابقہ پیش آتا ہے ٹھیک ٹھیک جان لے اور پورے انصاف کے ساتھ ان کو ادا کرے اور دوسری طرف اجتماعی زندگی کا نظام ایسے اصولوں پر تعمیر کیا جائے جن سے معاشرے میں کسی نوعیت کا ظلم باقی نہ رہے، تمدن و تہذیب کا ہر پہلو افراط و تفریط سے محفوظ ہو، حیات اجتماعی کے تمام شعبوں میں صحیح صحیح توازن قائم ہو اور معاشرے کے تمام عناصر انصاف کے ساتھ اپنے حقوق پائیں اور فرائض ادا کریں۔ بالفاظ دیگر انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصود عدل انفرادی بھی تھا اور عدل اجتماعی بھی۔ وہ ایک فرد کی شخصی زندگی میں بھی عدل قائم کرنا چاہتے تھے تا کہ اس کے ذہن، سیرت، اسکے کردار اور اس کے برتاؤ میں توازن پیدا ہو اور انسانی معاشرے کے پورے نظام کو بھی عدل پر قائم کرنا چاہتے تھے تا کہ فرد اور جماعت دونوں ایک دوسرے کی روحانی، اخلاقی اور مادی فلاح میں مانع و مزاحم ہونے کے بجائے معاون و مددگار ہوں۔(۷۶)

پیر کرم شاہ آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ کتاب، میزان اور حدید کے نازل کرنے کی غرض و غایت ہے ﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (یعنی لوگ عدل و انصاف پر قائم ہو جائیں)۔ کسی معاشرہ میں عدل کا قیام حقوق اللہ اور حقوق العباد کے اہتمام سے ممکن ہے۔ عدل انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح پر مقصود ہے اور باہمی تنازعات کو میزان یعنی عقل سلیم کی مدد سے حل کیا جائے جسے حق و باطل میں امتیاز کی صلاحیت بخشی گئی ہے۔ اگر کوئی حق و انصاف کو روشن اور واضح دلائل و براہین کے بعد بھی ماننے کے لیے تیار نہ ہو تو انبیاء و رسل کو لوہے کا ڈنڈا اس لیے عطا کیا گیا ہے ان کے دماغ درست کیے جائیں۔(۷۷)

اس آیت کریمہ کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی محمد شفیع صاحب کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں پیغبروں اور

Marfat.com

کتابوں کے بھیجنے اور میزان عدل ایجاد کرنے اور استعمال کرنے کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ لیقوم الناس بالقسط یعنی لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں۔(۷۸) علامہ ابن قیم کہتے ہیں کہ شریعت کا مقصود بندوں کے درمیان عدل کا قیام ہے جس طرح عدل قائم کیا جائے وہی دین ہوگا اس کو دین کے خلاف نہ کیا جائے گا۔(۷۹) قرآن حکیم میں عدل کی اہمیت کے متعلق دوسری متعدد آیات نازل ہوئیں۔ ارشاد ہوتا ہے: ''اور اگر فیصلہ کرنا چاہو تو انصاف کا فیصلہ کرو کہ خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔(۸۰)

ایک اور جگہ ارشاد ہے: ''اے پیغمبرؐ ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ خدا کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔(۸۱) ایک اور جگہ فرمایا ''اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا'' (۸۲) ایک اور مقام پر فرمایا: ''اللہ عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔(۱۶:۹۰) ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔''اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لیے سچی گواہی دو (خواہ اس میں) تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔ اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو خدا ان کا خیر خواہ ہے تو تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل نہ چھوڑ دینا۔(۸۳)

احادیث مبارکہ میں بھی عدل کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا انصاف کرنے والے اللہ عزوجل جل کے پاس پروردگار کے داہنی منبروں پر ہوں گے اور یہ انصاف کرنے والے وہ حضرات ہیں جو حکم کرتے وقت انصاف کرتے ہیں اور اپنے بال بچوں اور عزیز و اقارب میں اور جو کام ان کے سپرد کیا جائے ان میں انصاف کرتے ہیں۔(۸۴)

عائذ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے سنا آپؐ فرما رہے تھے کہ بدترین چرواہا ظالم بادشاہ ہے لہٰذا تو ان میں سے نہ ہو۔(۸۵)

رسول اللہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب کہ خدا کے سایہ کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا۔ سات شخصوں کو خدا اپنے سایہ میں لے گا جن میں ایک شخص امام عادل ہوگا۔(۸۶) حضرت مستقل بن یسار کہتے ہیں کہ میں رسول کریمؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو بھی شخص حکومت و سیادت حاصل کر کے اپنی رعیت پر حکمرانی کرے اور پھر اسی حالت میں مر جائے کہ وہ اپنی رعیت پر ظلم اور ان کے حقوق میں خیانت کرتا تھا اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا۔(۸۷)

حضورؐ نے فرمایا: ''میری امت کے دو ایسے گروہ ہیں جن کو میری شفاعت نصیب نہیں ہوگی وہ فرمانروا جو ظالم اور خائن ہو اور وہ شخص جو دھوکہ دینے والا دین کی حدود کو توڑنے والا ہو''۔(۸۸) حضرت علیؓ نے اس قول پر اپنے مقالے کا اختتام کرتا ہوں جو عدل اجتماعی کی اہمیت پر قول فیصل ہے۔(۸۹)

حواشی

۱- القرآن الحکیم (۵۷:۲۵)۔ ۲- عبدالرشید نعمانی۔ لغات القرآن جلد۴، مکتبہ حسن سہیل، لاہور۔ ۳- راغب اصفہانی (۱۹۷۱ء) مفردات القرآن، اہل حدیث اکیڈمی، لاہور (مترجم محمد عبدہ) ۴- www.study Quran.co.uk/prlonline.htm. ۵- راغب اصفہانی (۱۹۷۱ء) ایضاً۔ ۶- ایضاً۔ ۷- سید ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۹۶ء) تفہیم القرآن جلد۔ ادارہ ترجمان القرآن لاہور۔

Marfat.com

۸- سید سلیمان ندوی وشبلی نعمانی۔ سیرت النبیؐ جلد ششم، اسلامی کتب خانہ لاہور۔ ۹- عبداللہ محمد بن احمد ابی بکر القرطبی۔ الجامع الاحکام القرآن ج ۱۲، الرسالہ پبلشرز، بیروت (Internet scanned edtion) ۱۰- مولانا امین احسن اصلاحی (۱۹۸۲)۔ تدبر قرآن ج ۲، فاران فاؤنڈیشن، لاہور۔ ۱۱- ڈاکٹر اسرار احمد (۲۰۰۱ء) اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت اور موجودہ جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور۔ ۱۲- سید ابوالاعلیٰ مودودی (۲۰۰۰) اسلامی ریاست، فلسفہ، نظام کار او راصول حکمرانی۔ اسلامی پبلیکشنز لاہور۔ ۱۳- khurshid ahmad (edit). (1988).Islam its meaning and massage. Islamic foundation, Leicester. ۱۴- سید محمد قطب (مترجم محمد نجات اللہ صدیقی) (۱۹۹۶) اسلام میں عدل اجتماعی، اسلامک پبلیکشنز لاہور۔ ۱۵- مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی و ڈاکٹر نور محمد غفاری۔ اسلام کا اقتصادی نظام، شیخ الہند اکیڈمی کراچی۔ ۱۶- القرآن الکریم (۶:۱۱)، (۲۲:۵۱)، (۵۸:۵۱)، (۲۹:۲)، (۱۰:۴۱)۔ ۱۷- ڈاکٹر نور محمد غفاری (۱۹۹۰)۔ نبی اکرمؐ کی معاشی زندگی، مکتبہ ابوذر غفاری، اسلام آباد۔ ۱۸- مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی و ڈاکٹر نور محمد عقاری۔ ایضاً۔ ۱۹- Lord Marard keynes discussed various theritical problems reolving round the issue of its (interrest) ineradicable consequences and its suppression he reached the conclusion that extinctm of unempoyment is not possible without euthanasia of the tentier. اس سال اشاعت نہیں ہوا۔ sanuelson sys, at zero rate f interest we could reach a kind Golden age. Harrod oines that launs contracted to fight cenemply mant shuoud carry no interest, governing stablization funds which will generate the necessarty interest. free resources. تفصیل کے لیے دیکھیے شیخ محمود احمد کی کتاب "Towards interest-free banking" شائع کردہ institute of Islamic culture lahore. ۲۰- ڈاکٹر نور محمد غفاری (۱۹۹۰ء) ایضاً۔ ۲۱- محمد نسیم خان (۱۹۹۳)۔ اسلامی فلاحی مملکت کے قیام کے لیے عملی تجاویز، مقالات سیرت وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد۔ ۲۲- مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی و ڈاکٹر نور محمد غفاری، ایضاً۔ ۲۳- ایضاً۔ ۲۴- ڈاکٹر نصیر احمد ناصر۔ اسلامی ثقافت حبوالہ محمد نسیم خان (۱۹۹۳ء) ایضاً۔ ۲۵- محمد نسیم خان (۱۹۹۳ء) ایضاً۔ ۲۶- القرآن الکریم (۷۰:۲۴،۲۵) ۲۷- محمد نسیم خان (۱۹۹۳ء) ایضاً۔ ۲۸- ایضاً۔ ۲۹- ایضاً۔ ۳۰- ایضاً۔ ۳۱- ایضاً۔ ۳۲- مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی و ڈاکٹر نور محمد غفاری، ایضاً۔ ۳۳- ڈاکٹر اسرار احمد (۲۰۰۱ء) ایضاً۔ ۳۴- القرآن الحکیم (۷۰:۱۷) ۳۵- القرآن الحکیم (۱:۴) ۳۶- القرآن الحکیم (۱۳:۴۹) ۳۷- ڈاکٹر محمد طاہر القادری (۲۰۱۰) اسلام میں انسانی حقوق، منہاج القرآن پبلیکشنز لاہور۔ ۳۸- سید محمد قطب (۱۹۹۶ء) ایضاً۔ ۳۹- ایضاً۔ ۴۰- ڈاکٹر محمد طاہر القادری (۲۰۱۰)، ایضاً۔ ۴۱- سید محمد قطب (۱۹۹۶ء) ایضاً۔ ۴۲- ایضاً۔ ۴۳- ایضاً۔ ۴۴- ایضاً۔ ۴۵- القرآن الحکیم (۹۷:۱۶) ۴۶- القرآن الحکیم (۳۲:۴) ۴۷- سید محمد قطب (۱۹۹۶ء) ایضاً۔ ۴۸- القرآن الحکیم (۱۱۲:۱-۴) ۴۹- القرآن الحکیم (۶۴:۳) ۵۰- القرآن الحکیم (۳۱:۹) ۵۱- سید محمد قطب (۱۹۹۶) ایضاً۔ ۵۲- القرآن الحکیم (۲۵۶:۲) ۵۳- محمد نسیم خان (۱۹۹۳) ایضاً۔ ۵۴- ڈاکٹر طاہر القادری (۲۰۱۰) ایضاً۔ ۵۵- ایضاً۔ ۵۶- ایضاً۔ ۵۷- ایضاً۔ ۵۸- ایضاً۔ ۵۹- القرآن الحکیم (۱۰۶:۳) ۶۰ القرآن الحکیم (۱۴۸:۴) ۶۱- محمد نسیم خان

Marfat.com

(۱۹۹۳) ایضاً۔۶۲- ایضاً۔۶۳- ڈاکٹر طاہر القادری (۲۰۱۰) ایضاً۔۶۴- پیر کرم شاہ (۱۴۲۰ھ) ضیاء النبیؐ ج ۵، ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور۔۶۵-محمد نسیم خان (۱۹۹۳) ایضاً۔ ۶۶- ڈاکٹر طاہر القادری (۲۰۱۰ء) ایضاً۔ ۶۷-سید ابوالاعلیٰ مودودی و خورشید احمد (۲۰۰۰) ایضاً۔ ۶۸- ایضاً۔ ۶۹- القرآن الحکمی (۱۳۴:۲) ۷۰- ڈاکٹر طاہر القادری (۲۰۰۰) ایضاً۔۷۱-سید سلیمان ندوی و شبلی نعمانی۔ سیرت النبیؐ جلد ششم۔ اسلامی کتب خانہ لاہور۔۷۲- القرآن الحکیم (۱۸:۳) ۷۳-سید سلیمان ندوی وشبلی نعمانی۔ ایضاً ج۶۔۷۴- القرآن الحکیم (۶۷:۳-۴) ۷۵- القرآن الحکیم (۲۵:۵۷) ۷۶-سید ابو اعلیٰ مودودی (۱۹۹۶) تفہیم القرآن ج ۵، ادارہ ترجمان القرآن لاہور۔ ۷۷- پیر کرم شاہ (۱۴۰۰ھ) ضیاء القرآن ج ۵۔ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور۔ ۷۸- مفت محمد شفیع (۱۹۷۶)، معارفالقرآن ج ۶، ادارۃ المعارف کراچی۔ ۷۹- مولانا محمد تقی امینی (۱۹۸۸) اسلام اور جدید دور کے مسائل، قدیمی کتب خانہ کراچی۔ ۸۰- القرآن الحکیم (۴۲:۵) ۸۱- القرآن الحکیم (۱۵:۴۲) ۸۲- القرآن الحکیم (۴۲:۴۰)۔۸۳- القرآن الحکیم (۱۳۵:۴) ۸۴-مسلم بن الحجاج/ ترجمہ وحواشی مولانا عابد الرحمٰن صدیقی (۲۰۰۷) صحیح مسلم شریف، ادارہ اسلامیات لاہور (حدیث نمبر ۲۱)۸۵- ایضاً (حدیث نمبر ۲۳) ۸۶- پیر کرم شاہ (۱۴۲۰ھ) ایضاً۔ ۸۷- نواب قطب الدین/ ترتیب جدید (۲۰۰۹) عبداللہ جاوید غازی پوری۔ مظاہر حق جدید جلد ۳، دارالاشاعت کراچی۔ ۸۸- پیر کرم شاہ (۱۴۲۰ھ) ایضاً۔ ۸۹-حضرت علیؓ کا یہ قول نہج البلاغہ میں ہے جو میں نے The Muslim اخبار کے ٹائٹل پیج پر بہت پہلے پڑھا تھا۔ یہ اخبار اب بند ہو گیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر سید حیدر شاہ۔کوئٹہ

اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں سے مقدم عدل و انصاف ہے کہ اسی پر معاشرہ بلکہ دنیا کا سارا نظام قائم ہے۔ اسلام نے جس تفصیل سے عدل کے تمام پہلوؤں کو واضح کیا ہے اس کی مثال دوسرے مذاہب میں نہیں ملتی۔ اسلامی عقیدہ کی رو سے سب سے بڑا عادل خود اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ چنانچہ عدل اس کے اسمائے حسنیٰ میں ہے وہ اپنے عدل ہی سے نظام عالم کو سنبھالے ہوئے ہے۔ ارشاد ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّه' لَآاِلٰهَ اِلَّاهُوَ وَالْمَلٰئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًام بِالْقِسْطِ﴾ (۱)

اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے بھی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ عدل کے ساتھ کارخانہ عالم کو سنبھالے ہوئے ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد بھی عدل و انصاف کا قیام ہے۔

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾(۲)

تحقیق ہم نے پیغمبرو کو کھلے معجزے دے کر بھیجا اور ہم نے ان کی معرفت کتابیں اتاریں اور ترازو کو رواج دیا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت اور قرآن مجید کے نزول کا مقصد بھی لوگوں میں عدل کا قیام تھا۔ آپ کو ارشاد ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰكَ اللّٰهُ. وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾(۳)

ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تم پر اتاری تا کہ جیسا تم کو اللہ نے سمجھایا ہے اس کے مطابق لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو اور دغا بازوں کے حامی نہ بنو۔

آنحضرت ﷺ جو دین رحمت لے کر تشریف لائے اس کا اگر خلاصہ دیکھنا چاہیں تو قرآن مجید کی اس ایک ہی آیت کا مطالعہ کافی ہوگا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ. يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾(۴)

بے شک اللہ تعالیٰ عدل واحسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتا ہے۔

اور بے حیائی اور نامعقول کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے تمہیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم یاد رکھو۔ اس آیت کریمہ

Marfat.com

میں اگرچہ تین کاموں کے کرنے کا اور تین ہی کاموں سے رکنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر ان میں پہلی بات جو اہمیت میں بھی سب پر مقدم ہے اور جس کے بغیر باقی احکامات کی تعمیل بھی دشوار ہے۔ وہ قیام عدل کا حکم ہے۔

عدل سے مراد صرف ''عدالتی عدل و انصاف'' ہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں عدل کا نفاذ ہے۔ عدل کا معنی ہے ''وضع الشیء فی محلہ'' (۵) کسی چیز کو اس کے صحیح موقع اور محل میں رکھنا بالفاظ دیگر ہر شخص کو اس کا حق ٹھیک ٹھیک دینا اور کسی پر زیادتی نہ کرنا عدل کا برعکس لفظ ''ظلم'' ہے۔ جس کا معنی ہے ''وضع الشیء فی غیر محلہ'' کسی چیز کو اس کے مناسب مقام پر نہ رکھنا یعنی کسی کے جائز حق کو غصب کرنا۔ اور علامہ بیضاوی نے عدل کا مفہوم یہ بیان کیا ہے۔ ''ای بالتوسط فی الامور اعتقاد اوعملا وخلقاً (۶) یعنی تمام اعتقادی، عملی اور اخلاقی امور میں توسط و میانہ روی اختیار کرنا۔ اور غریب القرآن فی لغات الفرقان میں عدل کا معنی ''انصاف کرنا'' (۷)

الغرض اسلام کی منشاء یہ ہے کہ مسلمان اپنے جملہ معاملات و مشاغل میں عدل و مساوات اور اعتدال و توسط کی راہ اپنائیں۔ عدل و توازن کی اسی شاہراہ کا دوسرا نام صراط مستقیم ہے اور عدل اجتماعی سے بھی یہی مراد ہے کہ انسانی زندگی کے معاشرتی، قانونی، سیاسی اور معاشی تمام پہلوؤں کو عدل و انصاف کی صنعت سے مزین کیا جائے۔ امت مسلمہ کی اسی امتیازی خوبی کے باعث قرآن مجید نے اسے ''امت وسط'' کے لقب سے نوازا ہے۔

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (۸)

اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر تم پر گواہ بنیں۔

اس امت کو جو دین عطا ہوا ہے وہ بھی افراط و تفریط سے پاک اور معتدل تعلیمات پر مشتمل دستور حیات ہے اور امت مسلمہ کا عمومی مزاج بھی اعتدال کے وصف کا حامل ہے۔ اس کے متعلق ارشاد نبویؐ ہے۔ ''ان اللہ لا یجمع امتی علی الضلالۃ'' (۹)

اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر مجتمع نہیں کرے گا۔ امت مسلمہ کا یہ خاص وصف مختلف عنوانات سے بیان ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴾ (۱۰)

اور ان لوگوں میں جن کو ہم نے پیدا کیا ہے ایک ایسی امت ہے جو سچی راہ بتلاتے ہیں اور اس کے موافق انصاف کرتے ہیں۔

ابتدائے اسلام میں دنیا ہر قسم کے ظلم و استحصال اور جور و تعدی کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی ہر طرف جہالت، جبر اور ناانصافی کا دور دورہ تھا۔ غریبوں، یتیموں، بیواؤں، اپاہجوں اور بے کس لوگوں کے کوئی حقوق تھے اور نہ ان کی کوئی قدر و منزلت تھی۔ ظلم و ستم کا یہ حال تھا کہ لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرتے تھے۔ سوتیلی ماؤں اور دیگر رشتہ دار خواتین کے شوہروں کی وفات پر ان کے زبردستی مالک بن جاتے تھے۔ راہ چلتے مسافروں اور اجنبیوں کو لوٹنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ لوٹ مار، قتل و غارت گری ان کے پسندیدہ مشاغل تھے۔ ان حالات میں آنحضرت ﷺ انسانیت کے نجات دہندہ اور مصلح و ھادی بن کر

Marfat.com

تشریف لئے اور پہلی مرتبہ دنیا کے مظلوم وستم رسیدہ لوگوں کے حق میں ان کی حمایت میں آزادانہ آواز اٹھائی اور دنیا میں ہر قسم کی ناانصافی اور ہر قسم کے جبر و تعدی کا خاتمہ کر کے ایک پاکیزہ اور صالح دور کا آغاز کیا۔

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں آنحضرتﷺ نے عدل و مساوات کا وہ جامع مرقع پیش فرمایا جو انسانی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور رہتی دنیا تک بنی نوع انسان کے لیے بے مثال ضابطہ حیات کی حیثیت رکھتا ہے جس پر کاربند ہو کر امت مسلمہ نہ صرف دور حاضر کی پسماندگی و انحطاط سے نجات حاصل کر سکتی ہے بلکہ اپنی عظمت رفتہ کو بھی یقیناً دوبارہ حاصل کر سکتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا. وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾(۱۱)

اور اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو سیدھا راستہ پالو گے اور رسولؐ کے ذمہ تو صاف صاف (احکام خدا کا) پہنچا دینا ہے۔

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾(۱۲)

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو بے شک بڑی مراد پائے گا۔

اسلام کا نظام عدل انسانی زندگی کے جن جن شعبوں کا احاطہ کرتا ہے ان کی مختصر تفصیل پیش خدمت ہے۔

۱- معاشرتی عدل و مساوات:

سب انسانوں کے ساتھ بے لاگ عدل و انصاف کا برتاؤ دنیا میں امن و سلامتی کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے جبکہ ظلم و استحصال معاشرے میں بے چینی و انتشار کا ذریعہ بنتا ہے۔ معاشرتی زندگی کا پہلا مرحلہ مرد و زن کے عائلی تعلقات ہیں اور زوجین کے باہمی حقوق کا تحفظ معاشرے کی تعمیر میں خشت اول کی حیثیت رکھتا ہے۔ خصوصاً تعدد ازواج کی صورت میں اس کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں تعدد ازواج کی اجازت کو عدل کے ساتھ مشروط فرمایا گیا ہے۔

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ. فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ. ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا﴾(۱۳)

جو عورتیں تم کو پسند ہیں دو دو یا تین تین یا چار چار ان سے نکاح کر لو اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ (سب عورتوں سے) یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت یا لونڈی جس کے تم مالک ہو اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے۔

ایک سے زیادہ بیویوں میں عدم مساوات کے متعلق ارشاد نبویؐ ہے: ''اذا كان عندالرجل امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط'' (۱۴) ''جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں عدل نہ کرے تو وہ قیامت کے روز اس طرح اٹھے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا۔''

آنحضرتﷺ اپنی ازواج مطہرات کے حقوق کی رعایت اور ان کے درمیان عدل و توازن کا مکمل اہتمام فرماتے تھے۔ آپؐ بیویوں کے اخراجات میں مساوات کے علاوہ وقت کی تقسیم میں بھی برابری کا خیال رکھتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی

Marfat.com

ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں میں (وقت) تقسیم کرتے تھے اور پھر فرماتے تھے۔ اے اللہ! یہ میرا کام ہے اس امر میں جس کا میں مالک ہوں اور جس امر کا تو مالک ہے اور میں نہیں ہوں (یعنی دلی میلان) اس بارے میں مجھے ملامت نہ فرما۔(۱۵)

آپؐ سفر میں بھی سب بیویوں کے ساتھ مساوی برتاؤ فرماتے تھے جس کا طریقہ یہ تھا کہ ان میں قرعہ اندازی کے ذریعے جس کا نام نکلتا اسے ساتھ لے جاتے (۱۶) حتیٰ کہ مرض الوفات میں بھی یہ امر پیش نظر تھا چنانچہ سب ازواج کی اجازت سے حضرت عائشہؓ کے گھر میں زندگی کے آخری ایام گزارے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ مرض الوفات میں بیویوں سے پوچھتے تھے کہ کل میں کہاں قیام کروں گا؟ آپؐ کی مراد یہ تھی کہ حضرت عائشہؓ کا دن کب ہوگا؟ اس پر آپؐ کی تمام بیویوں نے اجازت دے دی کہ آپؐ جہاں چاہے رہیں۔ تب آپؐ نے میرے پاس قیام کیا اور میرے ہی پاس آپؐ کا وصال ہوا۔(۱۷)

انسانی معاشرے کا دوسرا اہم عنصر یتیم بچوں کا وجود ہے ان کے حقوق کا تحفظ بھی بڑا نازک وحساس معاملہ ہے اس بارے میں فرمان الٰہی ہے۔

﴿وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ﴾(۱۸) یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف کو ملحوظ رکھو۔

ان کے مال و جائیداد کے متعلق ارشاد ہے۔

﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ﴾(۱۹)

اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ مگر اس میں بہتری کی غرض سے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔

اور ان کا مال ناحق غصب کرنے پر وعید ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا. وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا﴾(۲۰)

جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں اور وہ عنقریب دوزخ میں جائیں گے۔

ان کے حقوق کے تحفظ کے متعلق ارشاد نبویؐ ہے۔

''مسلمانوں کے گھروں میں سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاتا ہو اور سب سے بدتر گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا برتاؤ ہوتا ہو''۔(۲۱)

آپؐ نے یتیموں کی حق تلفی وظلم کے وبال سے ڈرایا ہے آپؐ کا ارشاد ہے سات مہلک (باتوں) سے بچو لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! وہ کون سی باتیں ہیں آپؐ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق کسی کو قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال اڑا جانا، کافروں کے مقابلے کے دن بھاگنا اور پاکدامن بھولی بھالی عورتوں پر تہمت لگانا۔(۲۲)

عرب معاشرے میں لوگ مفلسی اور جاہلی غیرت کی بناء پر اپنے بچوں کو قتل کر دیتے تھے۔ اسلام میں بچوں پر اس ظلم سے منع فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ. نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ. اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا﴾(۲۳)

اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے خوف سے نہ مار ڈالا کرو ہم ہی انہیں اور تم کو روزی دیتے ہیں ان کا مار ڈالنا بلاشبہ بڑا گناہ ہے۔

آنحضرت ﷺ نے قتل اولاد کو شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے: ایک شخص نے رسولؐ سے پوچھا کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا: کسی کو اللہ کا شریک کرنا حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا۔ پوچھا پھر کون سا گناہ ہے۔ فرمایا: اولاد کو اس خوف سے قتل کرنا کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی۔(۲۴)

عرب معاشرے میں بیٹوں کو ترجیح دینے کا عام رجحان تھا۔ جس پر آپؐ نے تنبیہ فرمائی اور اپنی تمام اولاد میں عدل و مساوات کی تاکید فرمائی۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے لے کر رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے بیٹے کو یہ غلام ھدیہ کیا ہے رسول اللہؐ نے ان سے پوچھا کیا تم نے اپنے سب بچوں کو بھی اتنا ہی دیا ہے؟ وہ بولے نہیں آپؐ نے ارشاد فرمایا غلام کو واپس لے لو۔(۲۵) اس بارے میں آپؐ کا ایک اور فرمان ہے اپنی اولاد کو عطیہ کرنے میں مساوات سے کام لو پس اگر کسی کو ترجیح دینی ہوتی تو میں لڑکیوں کو ترجیح دیتا۔(۲۶)

ابتداء اسلام میں غلاموں اور باندیوں کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔ ان سے ناروا سلوک ہوتا اذیتیں دی جاتیں ان کی تحقیر ہوتی غرض معاشرے میں ان کا کوئی مقام ہی نہ تھا۔ آپؐ نے اپنی تعلیمات و طرز عمل سے غلاموں کو بہتر مقام عطا فرمایا اور ان کے انسانی حقوق کو بحال کیا۔ غلاموں کے بارے میں ارشاد ہے یہ تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کیا ہے سو جس شخص کے ماتحت اس کا بھائی ہو اسے وہ کھلائے جو خود کھاتا ہے۔ وہ پہنائے جو خود پہنتا ہے اس کو اتنا کام نہ دے جو وہ نہ کر سکے۔ اگر ایسا کرے تو اس کی اعانت کرے۔(۲۷)

آپؐ کی شفقت و رحمت کا یہ اثر تھا کہ کافروں کے غلام بھاگ کر آپؐ کے ہاں پناہ لیتے اور آپؐ ان کی آزادی کا بندوبست فرماتے تھے۔(۲۸)

آپؐ غلام آزاد کرنے کی ترغیب بھی دیتے تھے۔ ارشاد ہے: ''جس شخص نے ایک مومن کی گردن آزاد کرائی وہ اس کے لیے آگ سے نجات کا ذریعہ ہوگی۔(۲۹) جو غلام آزاد ہوتے۔ آپؐ ان کی مالی معاونت میں کوشش فرماتے۔ مال غنیمت جب تقسیم ہوتا تو اس میں سے غلام کو بھی کچھ عطا فرماتے۔(۳۰) آپؐ کے دربار میں زید بن حارثؓ، بلال حبشیؓ اور خباب بن الارتؓ وغیرہ غلاموں کا درجہ آزاد صحابہؓ سے کسی صورت میں کمتر نہ تھا۔ حتیٰ کہ آپؐ نے زید بن حارثؓ کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ بنت جحش سے کرایا تھا''۔(۳۱)

قانونی عدل و انصاف:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک عدل و انصاف کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن پاک میں حکومت کے قیام کا بنیادی مقصد معاشرے میں عدل کا قیام بتایا ہے اور حکام و قضاۃ کو عدل و انصاف کا دامن تھامے رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ ارشاد ہے:

Marfat.com

﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾(۳۲)

اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔

لوگوں کے تنازعات اور جھگڑوں میں فیصلے کے متعلق آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے:

﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ. اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾(۳۳)

اور اگر فیصلہ کرنا چاہو تو انصاف کا فیصلہ کرنا کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

مسلمانوں کے مقتداؤں اور امراء سے ارشاد ہے کہ وہ میزان عدل مضبوطی سے تھامے رہیں اور کسی فریق کی طرف ناجائز جھکاؤ نہ رکھیں۔

﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ. اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ. اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا م بَصِيْرًا﴾(۳۴)

اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔ اللہ تمہیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ سنتا (اور) دیکھتا ہے۔

اسلام کا نظام عدل حاکم ومحکوم اور شریف وازیل سب کو مساوی درجے پر رکھتا ہے حتیٰ کہ شارع علیہ السلام نے اپنی ذات اقدس کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا۔ آپؐ کی زندگی عدل و مساوات کا بہترین عملی نمونہ تھی۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

ایک روز آپؐ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے آپؐ کے ہاتھ میں پتلی سی چھڑی تھی۔ آپؐ نے ایک شخص کو ہٹایا اتفاق سے چھڑی کا سرا اس شخص کے منہ پر لگا اور خراش سی آ گئی۔ آپؐ نے اسی وقت فرمایا مجھ سے انتقام لے لو۔ اس نے عرض کیا حضورؐ! میں نے معاف کیا۔(۳۵)

جنگ بدر میں سواریاں کم تھیں ایک شتر تین تین کس کے لیے مقرر ہوا تھا۔ دو سوار ہو جاتے ایک پیدل چلتا۔ اسی طرح ہر ایک نوبت بہ نوبت پیدل چلا کرتا تھا۔ آپؐ کی سواری میں حضرت علیؓ اور ابوالا درداؓ شریک تھے جب آپؐ کے پیدل چلنے کی نوبت آتی تو آپؐ پیدل چلتے اور وہ دونوں سوار ہوتے تھے۔(۳۶) ایک دفعہ جنگ بدر کے روز آپؐ سایہ میں بیٹھے تھے اور اصحابہؓ دھوپ میں تھے حضرت جبرئیل تشریف لائے اور کہا: یارسول اللہ! آپؐ سائے میں ہیں اور صحابؓ دھوپ میں(۳۷) (یعنی اتنے ذرا سے امتیاز کو بھی عدل و مساوات کے منافی بنایا گیا)۔

ایک روز آپ کنوئیں پر غسل فرما رہے تھے اور ایک صحابیؓ آپؐ کی طرف پشت کیے چادر تان کر کھڑے تھے۔ جب آپؐ فارغ ہوئے اور وہ صحابہ نہانے لگے تو آپؐ بھی اسی طرح چادر تان کر کھڑے پردہ کیے رہے۔ صحابیؓ نے التجا کی کہ آپؐ یہ تکلیف نہ فرمائیں۔ ارشاد فرمایا جیسا میں انسان ہوں ویسے ہی تم انسان ہو مجھ کو ایسی کیا فوقیت حاصل ہے؟(۳۸)

مسجد نبوی کی تعمیر میں آپؐ بھی مزدوروں کی صف میں شامل تھے۔ مٹی کھودتے اور ڈھوتے اس قدر بھاری پتھر

Marfat.com

اٹھاتے کہ جسم مبارک لچک جاتا۔ صحابہؓ عرض کرتے آپؐ چھوڑ دیں ہم خود اٹھائیں گے۔ آپؐ فرماتے اچھا لیکن پھر ذرا سی دیر میں اسی وزن کا پتھر اٹھاتے اور کارندوں کی صف میں شامل ہو جاتے (۳۹) غزوہ احزب میں صحابہؓ کرام خندق کی کھدائی کر رہے تھے اور آپؐ بھی ان کے ساتھ کام میں شریک تھے اور مٹی ڈھو رہے تھے۔ یہاں تک کہ غبار نے آپؐ کے شکم کی جلد ڈھانک دی تھی۔ (۴۰)

اسی غزوہ میں بھوک کی شدت سے بعض صحابہؓ نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیے تھے۔ ابو طلحہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہؐ سے بھوک کا شکوہ کیا اور اپنے شکم کھول کر ایک ایک پتھر دکھلایا تو رسول اللہؐ نے اپنا شکم کھول کر دو پتھر دکھلائے۔ (۴۱)

ایک دفعہ آپؐ نے ایک شخص سے کچھ کھجوریں قرض لیں چند روز بعد اس شخص کے تقاضے پر آپؐ نے ایک انصاری کو قرض کی ادائیگی کا حکم دیا۔ انصاری نے جو کھجوریں اسے دیں وہ اتنی عمدہ نہیں تھیں جیسی اس شخص نے دی تھیں چنانچہ اس نے لینے سے انکار کیا۔ اس پر انصاری نے کہا: تم رسول اللہؐ کو دی ہوئی کھجوریں لینے سے انکار کرتے ہو وہ بولا! ہاں اللہ کا رسولؐ بھی عدل نہیں کرے گا تو پھر کس سے توقع کی جائے آپؐ نے یہ باتیں سنیں تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ارشاد فرمایا: یہ بالکل سچ ہے''۔ (۴۲)

آنحضرت ﷺ انتہائی شفقت و رحمت کے باوجود عدل و انصاف میں کسی رعایت یا جانبداری کو ہرگز گوارا نہیں فرماتے تھے۔ صخر ایک رئیس تھا جس نے طائف کی فتح میں اہم کردار ادا کر کے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا تھا۔ اس کے خلاف مغیرہ بن شعبہؓ نے شکایت کی کہ صخر نے میری پھوپھی پر قبضہ کر رکھا ہے۔ آپؐ نے صخر کو بلا کر حکم دیا کہ مغیرہؓ کی پھوپھی ان کے گھر پہنچا دو۔ اس کے بعد بنو سلیم آئے کہ جس زمانہ میں ہم کافر تھے صخر نے ہمارے چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب ہم اسلام لائے ہیں ہمارا چشمہ ہمیں واپس دلایا جائے۔ آپؐ نے صخر کو بلا کر بنو سلیم کا چشمہ واپس کرنے کا حکم دیا۔ صخر کو یہ بھی منظور کرنا پڑا راوی کا بیان ہے کہ جب آپؐ کے حکم سے صخر نے دونوں باتیں منظور کیں تو میں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ کے رخ مبارک پر شرم سے سرخی آ گئی تھی کہ صخر کو دونوں معاملوں میں شکست ہوئی اور فتح طائف کا انہیں کوئی صلہ نہ ملا۔ (۴۳)

ایک دفعہ ایک عورت نے جو خاندان بنی مخزوم سے تھی چوری کی۔ قریش کی عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے تھے کہ وہ سزا سے بچ جائے۔ لوگوں نے اسامہؓ بن زید کے ذریعے معافی کی درخواست کی۔ آپؐ نے ناراض ہو کر فرمایا کہ بنی اسرائیل اس کی بدولت تباہ ہوئے کہ وہ غربا پر حد جاری کرتے تھے اور امراء سے درگزر کرتے تھے۔ اللہ کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جاتا۔ (۴۴)

طارق صحاربی کا بیان ہے کہ جب اسلام پھیلنا شروع ہوا تو ہم چند لوگ زندہ سے نکلے اور مدینہ کو روانہ ہوئے جب ہم مدینہ میں داخل ہوئے تو آپؐ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے۔ ہم لوگوں کو دیکھ کر ایک انصاری نے اٹھ کر کہا۔ یارسول اللہ یہ لوگ بنو ثعلبہ کے قبیلے کے ہیں۔ ان کے مورث نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ اس کے بدلہ میں ان کا ایک آدمی قتل کرا دیں۔ آپ نے فرمایا باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جاسکتا۔ (۴۵)

غزوہ بدر میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے۔ قیدیوں کو فدیہ لے

Marfat.com

کر رہا کیا جا رہا تھا بعض نیک دل انصار نے اس بنا پر عباسؓ آپؐ سے قرابت رکھتے ہیں گزارش کی اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھانجے (عباسؓ) کا زرفدیہ معاف کر دیں آپؐ نے فرمایا نہیں ایک درہم بھی معاف نہ کرو۔(۴۶) یعنی آپؐ نے قرابتداری کی بناء پر ان سے کوئی امتیازی سلوک نہیں فرمایا۔

سیاسی عدل وتوازن:

اسلام کا نظام عدل دوست و دشمن اور مسلم و کافر سب کے لیے مساوی و یکساں ہے۔ انصاف کا دامن کسی صورت چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا. اِعْدِلُوْا. هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ. اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (۴۷)

اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کو کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی تقویٰ کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى. وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. وَاتَّقُوا اللّٰهَ. اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ (۴۸)

اور لوگوں کی دشمنی اس وجہ سے کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام سے روکا تھا۔ تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان پر زیادتی کرنے لگو اور (دیکھو) نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور ظلم و گناہ کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

اسلام نے جارح قوتوں سے انتقام لینے کی قانوناً اجازت تو دی ہے مگر اس میں بھی حد سے بڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے نیز اگر معاف کر دیا جائے تو اسے پسندیدہ قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ. اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (۴۹)

اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے لیکن جو معاف کردے اور مصالحت کرلے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے اور وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

ایک اور موقع پر ارشاد ہے۔

﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ﴾ (۵۰)

اور اگر تم پر سختی کی گئی تو تم بھی ویسی ہی سختی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی اور اگر تم صبر سے کام لو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ

Marfat.com

الْمُتَّقِيْنَ﴾ (۵۱)

پس جو شخص تم پر کسی قسم کی زیادتی کرے تو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ویسی ہی زیادتی تم بھی اس پر کرلو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

آنحضرت ﷺ کے دربار میں اپنے پرائے، مسلم و کافر سب کے ساتھ ایسا بے لاگ اعتدال ہوتا تھا کہ یہود سخت عداوت کے باوجود اپنے مقدمات آپؐ ہی کی بارگاہ میں لاتے تھے (۵۲)

خیبر کے یہود سے جب صلح ہوئی اور وہاں کی زمین مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی تو عبداللہ بن سہیل ایک دفعہ کھجور کی بٹائی کے لیے گئے ان کے چچیرے بھائی محیصہ بھی ساتھ تھے۔ محیصہ کی بے خبری میں کسی نے عبداللہ کو قتل کر دیا۔ محیصہؓ نے آپؐ کے پاس استغاثہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا تم قسم کھا سکتے ہو کہ اسے یہودیوں نے قتل کیا ہے وہ بولے میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا تو یہود سے حلف لیا جائے گا وہ بولے یہودیوں کی قسم کا کیا اعتبار یہ سو دفعہ جھوٹی قسم کھالیں گے۔ خیبر یں یہود کے سوا اور کوئی قوم آباد نہ تھی۔ یہ یقینی تھا کہ یہودیوں ہی نے عبداللہ بن سہیل کو قتل کیا تھا۔ تاہم چونکہ کوئی عینی شہادت موجود نہ تھی۔ آپؐ نے یہود سے تعرض نہ فرمایا اور محیصہؓ کو خون بہا کے اونٹ بیت المال سے دلوائے۔ (۵۳)

ابو حدرد اسلمیؓ ایک صحابی تھے جن پر ایک یہودی کا قرض آتا تھا اور ان کے پاس بدن کے کپڑوں کے سوا کچھ نہ تھا ابو حدردؓ نے یہودی سے کچھ مہلت مانگی لیکن وہ نہ مانا اور ان کو پکڑ کر آپؐ کی خدمت میں لایا۔ آپؐ نے فرمایا اس کا قرض ادا کرو۔ انہوں نے عذر کیا آپؐ نے پھر فرمایا انہوں نے پھر وہی جواب دیا اور عرض کیا کہ غزوہ خیبر قریب ہے شاید وہاں سے کچھ ہاتھ آئے تو میں اس کو ادا کر دوں۔ آپ ﷺ نے پھر وہی حکم دیا کہ فوراً ادا کرو آخر اس نے اپنا تہبند اس کو قرض میں دے دیا اور سر کا عمامہ اتار کر کمر سے لپیٹ لیا۔ (۵۴)

فتح خیبر کے بعد آپؐ نے وہاں کی پیداوار کی تقسیم کے لیے عبداللہ بن رواحہؓ کو وہاں بھیجا انہوں نے کھیتوں اور پھلوں کا تخمینہ کیا۔ یہود نے کہا کہ تم نے اندازہ میں ہم پر ظلم کیا۔ عبداللہؓ نے جواب دیا (ان دونوں حصوں میں) جو تم چاہو ہمیں دے دو۔ یہود نے (ان کے عدل سے متاثر ہو کر) کہا۔ اسی بات پر تو زمین و آسمان (کا نظام) قائم ہے۔ (۵۵)

آنحضرت ﷺ کو ظلم کسی طور پر گوارا نہ تھا چاہے وہ کسی کافر پر ہی کیوں نہ ہو۔ غیر مسلم معاہدین اور ذمیوں کے متعلق آپؐ کا ارشاد ہے۔ ''جس شخص نے کسی (معاہد یا ذمی) کو اس کے خون و صال پر امن دیا پھر اسے قتل کر ڈالا تو میں اس شخص سے بری ہوں۔ اگرچہ مقتول کافر ہی ہو''۔ (۵۶)

اسلام میں غلاموں پر بھی ظلم کی اجازت نہیں۔ آپؐ کا اس بارے میں فرمان ہے جس نے اپنے غلام کو قتل کیا ہم اسے قتل کریں گے اور جس نے غلام کی ناک کاٹی ہم اس کی ناک کاٹیں گے۔ (۵۷) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے جب معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ارشاد فرمایا ''مظلوم کی بددعا سے بچنا کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا''۔ (۵۸)

اسلام نے عورت کا خون بھی مرد کے برابر رکھا ہے آنحضرتؐ نے اہل یمن کو جو نوشتہ ارسال فرمایا اس میں تحریر تھا۔

Marfat.com

''ان الرجل يقتل بالمرأة''(۵۹) یعنی (قاتل) مرد (مقتولہ) عورت کے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

عدل کے سلسلے میں مسلم سلاطین و امراء کے متعلق آپؐ کا ارشاد ہے۔''قیامت کے دن اللہ کے نزدیک اس کے بندوں میں بڑے مرتبے والا منصف و نرم خو خلیفہ ہوگا اور لوگوں میں سب سے بدتر اللہ کے نزدیک ظالم، تندخو اور درشت مزاج خلیفہ ہوگا''۔(۶۰) دوسری جگہ ارشاد ہے''جو شخص اس امت کے کسی کام پر مامور ہو اور وہ ان میں انصاف نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو جہنم میں ڈالے گا''۔(۶۱)

عدل کی اہمیت و نزاکت کے پیش نظر آپؐ نے منصف و قاضی کے لیے گراں قدر ہدایات مرحمت فرمائی ہیں ارشاد ہے جب مدعی اور مدعا علیہ تمہارے سامنے حاضر ہوں تو اس وقت تک فیصلہ نہ کرو جب تک دوسرے فریق کی بات بھی نہ سن لو، دونوں فریقوں کی باتیں سننے کے بعد واقعہ کی اصل حقیقت تمہارے سامنے آ جائے گی۔(۶۲) اس کے متعلق ایک اور ارشاد ہے ''کوئی حاکم و منصف دو آدمیوں کا اس وقت فیصلہ نہ کرے جب وہ غصہ میں ہو۔(۶۳)

معاشی عدل و توسط

اسلامی تعلیمات میں زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح روزمرہ کے معاشی معاملات میں عدل و اعتدال کی رہنمائی فرمائی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾(۶۴)

اور جو خرچ کریں تو نہ فضول خرچی کریں اور نہ بہت تنگی کریں اور درمیانی راہ اعتدال اپنائیں۔

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾(۶۵)

اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا (یعنی بہت تنگ) کرلو اور نہ بالکل ہی کھول دو (کہ سبھی کچھ دے ڈالو اور انجام یہ ہو) کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔

﴿وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا. اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾(۶۶)

کھاؤ اور پیو اور بے جا نہ اڑاؤ کہ اللہ بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اسی طرح آپس کے معاشی معاملات و کاروبار میں عدل و توازن کا حکم دے کر لوگوں کی حق تلفی سے روکا گیا ہے۔

﴿وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ﴾(۶۷)

اور ماپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو۔ میں تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور مجھے تمہارے بارے میں ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تم کو گھیر کر رہے گا۔

﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ. ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾(۶۸)

اور جب ناپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو اور ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو یہ بہت اچھی بات اور انجام کے لحاظ سے بہت بہتر ہے۔

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ. الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ. وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ

Marfat.com

يُخۡسِرُوۡنَ﴾(٦٩)

ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے جو لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم کر دیں۔

آپس کے اہم مالی معاملات (جو قرض کی صورت میں ہوں) کو قلمبند کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس تحریر کے عمل میں کاتب کو عدل پر کاربند رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَلۡيَكۡتُبۡ بَّيۡنَكُمۡ كَاتِبٌۢ بِالۡعَدۡلِ﴾(٧٠)

اور لکھنے والا تم میں سے کسی کا نقصان نہ کرے بلکہ انصاف سے لکھے۔

معاشی امور سے متعلق آنحضرتﷺ کی گراں قدر ہدایات انسانیت کے لیے رہتی دنیا تک مشعل راہ ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہو کر مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر خوش حالی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں: مثلاً ارشاد ہے: من فقه الرجل رفقه في معيشته(٧١) آدم کی سمجھ داری یہ ہے کہ اپنا گزر اوقات نرمی (اعتدال) پر رکھے۔ ''ماجال من اقتصد'' (٧٢) جو شخص میانہ روی اختیار کرے وہ محتاج نہیں ہوتا۔ ''الاقتصاد فی النفقة نصف المعيشة'' (٧٣) میانہ روی معاشی زندگی کی خوش گواری کا نصف حصہ ہے۔

آنحضرتﷺ نے راہ خدا میں صدقہ وخیرات کرنے میں بھی اعتدال کی تلقین فرمائی ہے حضرت کعبؓ فرماتے ہیں (جب میں نے اپنے سارے مال کو صدقہ کر دینے کا ارادہ کیا تو) نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''اپنے مال میں سے کچھ بچا لو یہ تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔ تب میں نے عرض کیا کہ خیبر کی زمین میں جو میرا حصہ ہے وہ میں نے بچا لیا ہے''۔(٧٤) ایک اور صحابیؓ (جو اپنا سارا مال راہ خدا میں بذریعہ وصیت دینا چاہتا تھا) سے ارشاد فرمایا ''اپنے ورثہ کو صاحب مال چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ وہ محتاج رہ جائیں اور بھیک مانگتے پھریں۔'' (٧٥) الغرض دین اسلام ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں عدل وتوازن کی تعلیم دیتا ہے۔ مثلاً عبادات میں نماز کے قرأت کے متعلق ارشاد ہے۔

﴿ وَلَا تَجۡهَرۡ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتۡ بِهَا وَابۡتَغِ بَيۡنَ ذٰلِكَ سَبِيۡلًا ﴾(٧٦)

اور نماز نہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ (بالکل) آہستہ بلکہ اس کے بیچ کا طریقہ اختیار کرو چال ڈھال اور گفتگو میں بھی میانہ روی کو پسند کیا گیا ہے۔

وَاقۡصِدۡ فِيۡ مَشۡيِكَ وَاغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِكَ. اِنَّ اَنۡكَرَ الۡاَصۡوَاتِ لَصَوۡتُ الۡحَمِيۡرِ (٧٧)

اور اپنی چال میں اعتدال کیے رکھنا اور (بولتے وقت) اپنی آواز نیچی رکھنا کیونکہ (زیادہ اونچی آواز گدھوں کی سی ہے اور کچھ شک نہیں کہ) سب سے بری آواز گدھوں کی ہے۔

آنحضرتﷺ نے بھی عبادات میں میانہ روی کی تلقین فرمائی ہے ارشاد ہے:

''اکلفوا من العمل ما تطيقون فان الله لايمل حتى تملوا فان احب الاعمال الى الله ادومه وان اقل'' (٧٨)

لوگو! وہی اعمال کرو جن کی تم میں طاقت ہے اس واسطے کہ اللہ نہیں اکتاتا یہاں تک کہ تم خود ہی اکتا جاؤ اللہ تعالیٰ کو وہ عمل سب سے زیادہ پسند ہے جس پر ہمیشگی کی جائے اگرچہ وہ تھوڑا ہوا۔

Marfat.com

"ایاکم والغلو فی الدین فانما هلك من كان قبلكم بالغلو فی الدین"(۷۹)

دین میں غلو سے بچو بلاشبہ تم سے پہلے لوگ دین میں غلو (افراط وتفریط) سے تباہ ہوئے۔

"ما ازداد عبد قط فقها فی دینه الا ازداد قصدا فی عمله"(۸۰)

جس بندہ میں دین کی سمجھ کا اضافہ ہوتو اس میں عمل میں میانہ روی کا بھی اضافہ ہوتا ہے۔

آپ ؐ کا ایک اور ارشاد ہے" کسی آدمی کو اپنے اعمال کی وجہ سے نجات نہ ہوگی۔عرض کیا گیا یارسول اللہ آپ ؐ کی بھی؟ فرمایا ہاں، میری بھی نہ ہوگی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھ کو ڈھانپ لے تمہیں چاہیے کہ درستی کے ساتھ عمل کرتے رہو اور میانہ روی اختیار کرو صبح و شام اسی طرح رات کو کچھ چل لیا کرو اور اعتدال کے ساتھ چلا کرو تم منزل مقصود کو پہنچ جاؤ گے۔(۸۱) آنحضرت ﷺ نے تو کسی سے محبت یا عداوت کی صورت میں بھی افراط وتفرط سے بچتے ہوئے میانہ روی و اعتدال کی تلقین فرمائی ہے ارشاد ہے:

احبب حبیبك هونا ما، عسى ان یكون بغیضك یوما ما، وابغض بغیضك هونا ما، عسى ان یكون حبیبك یوما ما. (۸۲)

اپنے دوست سے نرم (معتدل) دوستی رکھ قریب ہے کہ وہ تیرا کسی دن دشمن ہو جائے اور اپنے دشمن سے نرم دشمنی رکھ قریب ہے کہ وہ تیرا کسی دن دوست ہو جائے۔

آپ ؐ نے ہر کام میں اعتدال وتوسط کو پیغمبرانہ اوصاف میں شمار فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے" اچھی سیرت اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت اور میانہ روی ایک حصہ ہے نبوت کے چوبیس حصوں میں سے"۔(۸۳)

خلاصۃ الکلام یہ کہ امت مسلمہ کی بقاء وترقی اور رفعت وعظمت اسی میں مضمر ہے کہ اتباع سنت کو حرز جاں بنایا جائے اور زندگی کی ہر حرکت وسکون کو عدل کی صفت سے آراستہ کیا جائے۔ ایسی صورت میں یقینی کامیابی و کامرانی کی خبر خود زبان رسالت ؐ سے سنائی گئی ہے۔ ارشاد ہے:"میری امت اسی وقت تک سرسبز رہے گی جب کہ یہ تین خصلتیں اس میں باقی رہیں گی۔ ایک تو یہ کہ جب وہ بات کریں تو سچ بولیں، دوم، جب وہ لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کریں اور اصناف کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ تیسرے یہ کہ جب ان سے رحم کی درخواست کی جائے تو وہ کمزوروں پر رحم کریں"۔(۸۴)

ماخذ ومصادر

۱- آل عمران: ۱۸...... ۲- الحدید: ۲۵...... ۳- النساء: ۱۰۵...... ۴- النحل: ۹۰...... ۵- ابن منظور الافریقی، لسان العرب...... ۶- البیضاوی، انوار التنزیل واسرار التاویل، النحل، آیت: ۹۰...... ۷- ابوالفضل بن فیاض علی، غریب القرآن فی لغات الفرقان، ڈومنین بک کنسرن حیدر آباد دکن، ۱۹۴۷ء، ۱/۲۳۶...... ۸- البقرۃ: ۱۴۳...... ۹- جامع ترمذی، کتاب الفتن، باب فی لزوم الجامعۃ، ۱۰- الاعراف: ۱۸۱...... ۱۱- النور: ۵۴...... ۱۲- الاحزاب: ۷۱...... ۱۳- النسآء: ۳...... ۱۴- بیہقی احمد بن حین، السنن الکبری، ۷/۲۹۷...... ۱۵- السنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب القسمۃ...... ۱۶- السنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی قسم بین النسآء...... ۱۷- بخاری، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب اذا استاذن الرجل نسآء ہ، ۱۸- النسآء: ۱۲۷...... ۱۹- الانعام: ۱۵۲......

Marfat.com

۲۰- النسآء:۱۰...... ۲۱- السنن ابن ماجہ، ابواب الادب، باب حق الیتیم...... ۲۲- بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الوصایا، باب قول اللہ تعالیٰ: ان الذین یاکلون اموال الیتٰمی...... ۲۳- بنی اسرائیل:۳۱...... ۲۴- بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب قتل الولد خشیۃ ان یاکل معہ...... ۲۵- ایضاً، باب الھبۃ للولد...... ۲۶- بیہقی، السنن الکبریٰ، کتاب الھبات، ۶/۷۷...... ۲۷- السنن ابی داؤد، کتاب الادب فی حق المملوک...... ۲۸- ایضاً، کتاب الجہاد، باب فی عبید المشرکین...... ۲۹- ایضاً، کتاب العتق، باب ای الرقاب افضل...... ۳۰- ایضاً، کتاب الخراج والفی، باب قسمۃ الفی...... ۳۱- منصور پوری، رحمت للعالمین، ۳/۳۸۷...... ۳۲- ص:۲۶...... ۳۳- المائدہ:۴۲...... ۳۴- النسآء: ۵۸...... ۳۵- السنن ابی داؤد، کتاب القود بغیر حدید...... ۳۶- سلمان منصوری پوری، رحمت للعالمین، لاہور، پروگریسو بکس، ۱۹۹۴ء، ۳/۳۸۷...... ۳۷- سبحانی رحمت اللہ، مخزن اخلاق، لاہور سنی پبلی کیشنز، ص:۳۰...... ۳۸- ایضاً، ص:۳۵، ۳۹- مخزن اخلاق، ص:۳۶...... ۴۰- بخاری، الجامع الصحیح، باب غزوۃ الخندق...... ۴۱- مبارک پوری صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، لاہور، مکتبہ سلفیہ، ۲۰۰۱ء ص:۴۱۲...... ۴۲- میرٹھی مفتی زین العابدین، تاریخ ملت، کراچی، دارالاشاعت ۲۰۰۲ء...... ۱/۹۱...... ۴۳- شبلی نعمانی، اخلاق نبوی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ص:۱۹...... ۴۴- بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الحدود، باب اقامۃ الحدود علی الشریف والوضیع...... ۴۵- دارقطنی، السنن، ۲/۳۰۷...... ۴۶- تاریخ ملت، ۱/۸۹......

۴۷- المائدہ:۹...... ۴۸- المائدہ:۲...... ۴۹- الشوریٰ: ۴۰...... ۵۰- النحل: ۱۶۲...... ۵۱- البقرہ: ۱۹۴...... ۵۲- السنن ابی داؤد، کتاب الاجارہ، باب تضمین العاریۃ...... ۵۳- بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب کتاب الحاکم الی عمالہ والقاضی...... ۵۴- مسند احمد، ۳/۲۲۳...... ۵۵- ابن ہشام عبدالملک، سیرۃ النبی، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۹۹۹ء، ۲/۲۴۳...... ۵۶- مسند احمد، ۶/۳۹۴...... ۵۷- دارمی، السنن، باب القود بین العبد وسیدہ...... ۵۸- المندری عبدالعظیم، الترغیب والترہیب، بیروت، دارالاحیا التراث العربی، ۳/۱۸۶...... ۵۹- دارمی السنن، باب القود بین الرجل والنسآء: ۲/۱۱۰...... ۶۰- مشکوٰۃ کتاب الامارہ...... ۶۱- مجموعۃ الحدیث المنجدیہ، ص:۳۰۳...... ۶۲- جامع ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماجآء فی القاضی...... ۶۳- بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب ھل یقضی القاضی اویفتی وھوغضبان...... ۶۴- الفرقان: ۶۷، ۶۵- بنی اسرائیل: ۲۹...... ۶۶- الاعراف: ۳۱...... ۶۷- ھود: ۸۴...... ۶۸- بنی اسرائیل: ۳۵...... ۶۹- المطففین: ۱-۳...... ۷۰- البقرہ: ۲۸۲...... ۷۱- مسند احمد، ۵/۹۴...... ۷۲- مسند احمد، ۱/۴۴۷...... ۷۳- علی متقی الھندی، کنزالعمال، بیروت، موسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۵ء، ۳/۴۹...... ۷۴- بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب لاصدقۃ الاعن ظھرغنی...... ۷۵- ایضاً، کتاب الوصایا، باب ان یترک ورثتہ اغنیاء خیرمن ان یتکففوا الناس...... ۷۶- بنی اسرائیل: ۱۱۰...... ۷۷- لقمان: ۱۹...... ۷۸- کنز العمال، ۳/۳۰...... ۷۹- کنز العمال، ۳/۳۵......

۸۰- کنزل العمال، ۳/۴۵...... ۸۱- بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الرقاق، باب القصد والمداومۃ علی العمل...... ۸۲- جامع ترمذی، ابواب البروالصلۃ، باب ماجآء فی الاقتصاد فی الحب والبغض...... ۸۳- ایضاً، باب ماجآء فی التانی والعجلۃ...... ۸۴- مسند ابی یعلی بحوالہ سورۃ رسول اکرم از عبدالحئی عارفی، ص:۴۸۰۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر کفایت اللہ ہمدانی - اسلام آباد

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ﴾ ﴿١﴾

ترجمہ:۔اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو، اللہ کیلئے گواہی دو۔

عدل اور گواہی کسی بھی معاشرے کے قیام کے سب سے اہم ستون ہیں اسی عمارت میں دنیا کی تمام عظمتیں چھپی ہوئی ہیں۔ اللہ کریم نے اپنی اس دنیا کو سنوارنے کے لئے سرور عالم ﷺ کی شخصیت کو تمام دنیا کیلئے کامل اور قابل تقلید نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا اور ساتھ ہی سرور عالم ﷺ کو لوگوں کے ساتھ عدل کرنے کی تلقین فرمائی۔ اللہ جل شانہ اپنے محبوب بندے اور سرور عالم ﷺ کو اس طرح عدل کا حکم دیتے ہیں۔

ترجمہ:۔ (اے نبی ﷺ کہہ دیجیے) کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔﴿۲﴾

سرور عالم ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں اس حکم الہی پر عمل کیا۔ امیر و غریب، خادم و آقا اور مسلم و کافر میں کسی قسم کا امتیاز نہیں رکھا۔ اسلام اپنے ماننے والوں کی ہر میدان میں راہنمائی فرماتا ہے۔ اسلام میں حقوق کا سب سے زیادہ خیال رکھا جاتا ہے اور یوں حقوق و فرائض کا ایک وسیع و عریض دائراہ قائم ہوجاتا ہے۔ اس دائرے میں رہ کر ہر کسی کو اپنے کام کرنا ہوتا ہے ایک فرد کا حق دوسرے کا فرض بن جاتا ہے اور ایک فرد کا فرض دوسرے کا حق بن جاتا ہے اور یوں اسلام بندہ اور خالق کے درمیان بھی اسی طرح کا رشتہ قائم کردیتا ہے ان تمام رشتوں پر جو چیز حاوی ہے وہ عدل ہے۔ اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے۔

عدل کا مفہوم و حقیقت عدل

عدل کے لغوی معنی برابر اور سیدھا کرنا، توازن اور تناسب برقرار رکھنا، افراط و تفریط سے بچنا اور کسی شے کو برابر حصوں میں اس طرح تقسیم کرنا کہ ہر حصہ برابر ہوجائے کسی حصے میں ذرہ برابر بھی شک نہ ہو اس کو عربی میں عدل کہتے ہیں۔

یوں یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ عدل کسی معاملے کو سیدھا کرنے، اونچ نیچ کی تفریق کو ختم کردینے، مساوات قائم کردینے، باہم توازن قائم کردینے، برابر تقسیم کرنے اور افراط و تفریط کے شک کو دور کردینے کی مکمل طاقت اور ہمت رکھتا ہے۔

عدل کو ہم انصاف بھی کہہ سکتے ہیں اس کے علاوہ قسط کو بھی عدل کا ہم معنی سمجھا جاتا ہے۔

اس تعریف کی رو سے نیکی یا بدی کا یکساں صلہ دینا، نیکی کا زیادہ صلہ دینا اور برائی کی زیادہ سزا دینا عدل کی ضد ہے۔

عدل کی ضد کو ظلم کہتے ہیں۔ اسلام میں ہر معاملہ اپنے مقام پر ہی رہتا ہے بلکہ اسلام بلاامتیاز ہر کسی سے عدل کا حکم دیتا ہے۔

عدل کے معنی برابر کرنا ہے۔ اصطلاح میں عدل سے مراد معاشرے کے ہر فرد کو اس کا صحیح مقام دینا یعنی جو جزا و سزا

Marfat.com

کا حق دار ہے اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے۔انصاف کے معنی نصف کرنا آدھا آدھا بانٹنا کے ہیں۔روز مرہ زندگی میں یہ لفظ بھی عدل کے ساتھ بولا جاتا ہے۔اور اسی کے مفہوم میں پختگی پیدا کرنا ہے۔مراد یہ ہے کہ معاشرہ کے کسی فرد کے ساتھ ظلم و زیادتی ہوجائے تو اس کی تلافی کی جائے اور ظالم سے اس کا بدلہ لیا جائے۔عدل و انصاف کے بغیر معاشرتی استحکام اور امن و سکون کا کوئی تصور نہیں کیا جاسکتا۔

اعتدال کو بھی عدل کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔اعتدال کا ماخذ عدل ہے۔اس کے معنی ہیں میانہ روی۔ اعتدال عدل کا وسیع تر مفہوم رکھنے والا لفظ ہے۔اعتدال کی رو سے انسان کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو عدل سے باہر ہو بلکہ اعتدال عدل کا مرہون منت ہے۔یہاں میانہ روی کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے جس کا معنی بھی عدل و انصاف کے قریب تر ہے یعنی کہ درمیانی راستہ ''نہ کم نہ زیادہ''۔

اس کے علاوہ مساوات کا لفظ بھی اسلام کی زندگی میں جابجا نظر آتا ہے۔مساوات بھی عدل کا ہم معنی ہے۔مگر بعض مقام ایسے بھی آجاتے ہیں کہ مساوات عدل کے منافی نظر آنے لگتی۔دراصل عدل سے مراد انسانی زندگی کے تمام شعبے خواہ معاشرتی معاملہ ہو یا معاشی سوچ،عدالتی دائرہ ہو یا سیاسی فکر۔انفرادی معاملہ ہو یا اجتماعی جھنجھٹ،عدل کی نظر میں سب برابر ہیں۔

یہاں یوں کہنا بجا نہ ہوگا کہ عدل ایک نظام ہے جس کے گرد کائنات کی ہر شے گھومتی ہے۔اس میں ہر مسائل کا حل موجود ہے۔﴿۳﴾

عدل کی اہمیت وفضیلت

عدل ظلم کی ضد ہے۔جس معاشرے میں عدل نہ ہوگا تو ظلم اس کی جگہ لے لے گا اور ظلم ہر معاشرے کیلئے تباہی کا باعث بنتا ہے۔عدل کا تقاضا حقوق وفرائض میں توازن پیدا کرنا ہے۔قرآن حکیم میں عدل و انصاف پر بہت زور دیا گیا ہے کہ عدل انسان کو اللہ کی محبت سے سرشار کردیتا ہے جب انسان عدل کررہا ہے تو ہر شے اس کے سامنے معمولی بن جاتی ہے اور اللہ جل شانہ کی محبت اس کے دل میں رچ بس جاتی ہے۔اللہ جل شانہ نے فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ﴾ ﴿۴﴾

ترجمہ:۔اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور اللہ جل شانہ کے لئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ۔

اسلام اللہ نے امت محمدیہ کیلئے بطور مذہب پسند فرماکر اس امت پر بڑا فضل فرمایا اور اسلام کو دین قرار دیا۔اگر اسلام دین فطرت ہے تو عدل اس کا اوڑھنا بچھونا ہے۔اس عالم فانی کا تمام نظام عدل پر قائم ہے۔اسلام دین ہے عدل کا، مساوات کا، میانہ روی کا،اور اعتدال کا۔افراط وتفریط میں اسلام درمیانی راہ کا حکم دیتا۔عدل کی اہمیت ہم کچھ اس طرح واضح کرسکتے ہیں۔

عدل کی مختلف صورتیں

عدل کی مختلف صورتیں مندرجہ ذیل ہیں:

عام معاشرے میں عدل

اس سے مراد یہ ہے کہ معاشرے کے تمام افراد کو باعزت اور پرسکون زندگی گزارنے کا پورا پورا موقع دیا جائے ہر

Marfat.com

فرد کو اس کی صلاحیت کے مطابق اس کا مقام دیا جائے۔

عدل کی قانونی شکل

عدل کی دوسری شکل قانون ہوتی ہے جو سب کے لئے برابر ہوتا ہے اور اس کے دروازے معاشرے کے ہر فرد پر کھلے ہونے چاہئیں۔ اور معاشرے کے ہر شخص کو اپنا فرض ادا کرنے کے بعد اپنا حق وصول کرنے کا مجاز ہونا چاہئے اگر اس کے حقوق پر کسی قسم کی دست درازی ہو تو اسے قانونی مدد حاصل کرنے کا پورا پورا اختیار ہے یہ قانونی عدل کی حد میں آتا ہے۔

عدل برائے حکومت

حکومت چلانے کیلئے سیاست کا سہارا لیا جاتا ہے اور ہر شہری اس عمل میں اپنا ووٹ ڈال کر برابر کا حق دار ہوتا ہے۔ یہاں سیاسی عدل سے مراد یہ ہے کہ معاشرے کے صاحب الرائے اور اہل فہم عناصر کو ملکی معاملات میں مشورہ دینے کا پورا پورا حق ہے اور حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس صائب الرائے فرد کی رائے کا احساس کرے۔

عدل معیشت کے میدان

معیشت کسی بھی معاشرے کی رگوں میں خون کا کردار ادا کرتی ہے۔ عدل کی بنیادوں کو ہلانے والا یہ عنصر نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ معاشی ناہمواری میں معاشرے میں بے راہ روی اور جرائم کو ہوا دیتی ہے اور یوں اسلام ہر فرد کو اپنی اہلیت کے مطابق جائز معاشی جدو جہد کا پورا پورا حق ہے۔ ہر فرد کو قومی وسائل سے اس کا حصہ عطا کرتا ہے اور کمزوروں اور غریب لوگوں کو معاشی تحفظ فراہم کرنے کی تاکید فرماتا ہے۔ آقا ﷺ نے فرمایا ہے:

''مزدور کی اُجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو'' ﴿۵﴾

عدل۔ زمانے کی جہانگیری محبت کی فراوانی

قرآن کریم اپنے ماننے والوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا بلکہ ہر معاملے میں ان کی راہنمائی کرتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے:۔

﴿تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی. وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ ﴿۶﴾

ترجمہ ومفہوم:۔ نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی میں باہم کسی کی مدد نہ کرو۔

دوسرے مقام پر فرمایا گیا:۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ. اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا. فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا. وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا﴾ ﴿۷﴾

ترجمہ ومفہوم:۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، انصاف پر قائم ہونے والے، اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو۔ گو تمہاری اپنی ذات یا ماں باپ اور قریبیوں کے خلاف ہو اگر کوئی امیر ہو یا غریب تو اللہ دونوں کا زیادہ خیر خواہ ہے۔ سو تم خواہش کی پیروی نہ کرو تاکہ عدل کر سکو اور اگر تم پیچ دار بات کر دیا تو

Marfat.com

یقیناً جو تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔

پیغمبر حق ﷺ کو اللہ کریم یوں عدل کا حکم فرماتے ہیں:۔

﴿اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾﴿۸﴾

ترجمہ:۔ مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمھارے درمیان انصاف کروں۔

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ ﴿۹﴾

ترجمہ ومفہوم:۔ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔

اسلام عدل کا سہارا لے کر اپنے ماننے والوں کے ہر باہمی معاملے کو بطریق احسن حل کرنے کا حکم دیتا ہے:۔

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ﴾﴿۱۰﴾

ترجمہ ومفہوم:۔ بے شک اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔سو تم اپنے بھائیوں میں (اگر کوئی لڑائی کا مقام آئے) اصلاح کروا دیا کرو۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو ہر معاملے میں عدل کا حکم دیتا ہے:۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾﴿۱۱﴾

ترجمہ ومفہوم:۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا گیا کہ عدل کے راستے میں کسی بھی امر کو اپنی راہ کی ٹھوکر نہ بننے دیا جائے۔

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا. اِعْدِلُوْا. هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾﴿۱۲﴾

ترجمہ ومفہوم:۔ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو، یہ تقویٰ کے قریب تر ہے۔

﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾﴿۱۳﴾

ترجمہ ومفہوم:۔اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کرو!

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰۤئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾﴿۱۴﴾

ترجمہ:۔اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور فرشتے اور علم والوں نے بھی کہا کہ وہی اللہ جل شانہ عدل و انصاف کے ساتھ قائم ہے۔

حیات النبی ﷺ سے عدل کے دروس

☆ حضرت حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ جس وقت میں سرور دوعالم کو لے کر اپنے گھر آئی اور آپ ﷺ کو اپنی گود میں لیا تو وہ خشک چھاتیاں جن میں دودھ کا نام ونشان تک نہ تھا مشک کی طرح دودھ سے بھر گئیں۔ اس سے پہلے میرا بیٹا بھوکا رہتا تھا اور ساری رات رو رو کر ہماری نیند حرام کردیتا تھا وہ بھی دودھ پی کر سوگیا۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ اپنے پستان

Marfat.com

سے دودھ پیا جب میں آپ ﷺ کو دوسرے پستان کا دودھ پلاتی تو آپ ﷺ ہرگز وہاں سے دودھ نہ پیتے اور وہ دودھ اپنے بھائی کے لئے چھوڑ دیتے، یہی تو عدل ہے کہ اپنا حصہ ہی لیا جائے اور دوسرے کے حصے کو منہ نہ لگایا جائے۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ عدل تو آپ ﷺ کی گھٹی میں بسا ہوا تھا۔

☆ تاریخ سے ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ ہر کوئی سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صادق اور امین کہتا تھا کیونکہ آپ ﷺ ہر کسی سے کیا گیا وعدہ مکمل کرتے تھے۔ اس طرح سے آپ کی نیک نامی کی دھوم چہار دانگ عالم میں پھیل گئی۔ اس زمانے میں بدوی عرب سے اچھا سلوک نہ کیا جاتا تھا بلکہ اس کو ایک نیچ قوم کی حیثیت حاصل تھی اور اس پر کوئی خاص ذمہ داری بھی عائد نہیں ہوتی تھی۔ وہاں پر ایک بڑی مکروہ رسم تھی کہ اگر کوئی عرب باشندہ کسی سے قتل ہو جاتا تو اس کا انتقام کسی ایک انفرادی شخص سے نہ لیا جاتا بلکہ اس قاتل آدمی کے قبیلے سے اس کا بدلہ لیا جاتا تھا اس طرح سے ایک نہ ختم ہونے والا لڑائی کا سلسلہ چل کھڑا ہوتا تھا۔ لہٰذا ان صحراؤں میں جو کوئی بھی کسی جرم کا مرتکب ہوتا تو اس کا خمیازہ اس کے تمام قبیلے کو بھگتنا پڑتا تھا۔ لیکن جب وہی بدو مکہ میں آ کر رہنے لگے تو ان کا طریق زندگی تبدیل ہونے لگا۔

☆ آپ سرور عالم ﷺ نے ہر آدمی کو اس کا پورا پورا حق دلایا۔ نبوت سے قبل ہی آپ ﷺ عادل و صادق مشہور تھے۔ سرور عالم ﷺ کے دشمنوں کو بھی ہمیشہ آپ ﷺ کے عدل پر مکمل اعتماد تھا۔ چنانچہ مشرکین مکہ اپنے گھمبیر جھگڑے آپ ﷺ کے پاس لایا کرتے تھے۔ کہ آپ ان کا فیصلہ عدل کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے فرمادیتے تھے۔

☆ ہجرت کے بعد یہود مدینہ نے میثاق مدینہ کی رو سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اختلافی امور کا حکم تسلیم فرمایا اور آپ ﷺ کے عدل پر پورا پورا اعتماد ظاہر کیا۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ اہل یہود سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سخت ترین دشمن تھے مگر وہ بھی آپ ﷺ کے عدل و انصاف سے خوش تھے۔ ایک مرتبہ ایک مسلمان اور یہودی کے مابین ایک مسئلے پر جھگڑا ہوگیا تو وہ دوڑ کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے مسئلے کا کہا تو آپ ﷺ نے دونوں فریقین کے بیانات سماعت فرما کر جو فیصلہ صادر فرمایا وہ تھا تو مسلمان کے خلاف مگر انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتا تھا۔

☆ ایک مرتبہ ایک فاطمہ نامی عورت ایک چوری کے الزام میں آپ ﷺ کی عدالت میں لائی گئی۔ اس عورت کا تعلق قریش سے تھا اور اہل قریش چاہتے تھے کہ ہماری عزت اور دبدبہ برقرار رہے۔ اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب آپ ﷺ اس چور عورت کو بری فرما دیں۔ چنانچہ اہل قریش نے آپ ﷺ کے غلام زادے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے توسط سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس چور عورت کی سفارش بھجوائی۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کو سن کر سخت برہم ہوئے آپ ﷺ کا چہرہ انور سرخ ہوگیا اور آپ ﷺ نے وقت فرمایا:۔

''بنی اسرائیل اس وجہ سے تباہ ہوگئے کہ وہ بارسوخ آدمیوں کے معاملہ میں نرمی برتتے تھے اور غرباء کے معاملے میں سختی کر کے ان کو سخت ترین سزائیں دیا کرتے تھے۔''

Marfat.com

پھر سرور عالمﷺ نے فرمایا! اللہ جل شانہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمدﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ چنانچہ سرور عالمﷺ کے حکم اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اس فاطمہ نامی عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا﴿۱۵﴾

سرور عالمﷺ عدل پر عمل کے ساتھ ساتھ اپنے احکامات مبارکہ میں بھی عدل پر بہت زیادہ زور دیا۔ سرور عالم ﷺ کے چند احکامات اس طرح ہیں:۔

☆ ظالم حکمران کے سامنے عدل کی بات کہنا افضل ترین جہاد ہے۔﴿۱۶﴾

☆ روز محشر جب اللہ جل شانہ واحدہ لا شریک کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا تو رب ذوالجلال اپنے سایہء رحمت میں جن سات خوش نصیبوں کو جگہ عطا فرمائیں گے ان میں ایک عادل بھی ہوگا۔﴿۱۷﴾

☆ ایک موقع پر سرور عالمﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالی نے حکم دیا ہے کہ ہر حال میں چاہے خوشی ہو یا غمی کلمہء حق کہوں۔

☆ سرور عالمﷺ بارگاہ اللہ جل شانہ وندی میں دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے فقر وغنا دونوں حالتوں میں عدل پر قائم رکھ۔

☆ ایک اور مقام پر آپﷺ نے فرمایا! جو شخص مسلمانوں کا حاکم بنا اس نے ان کے ساتھ خیانت کی۔ یعنی کہ عدل و انصاف سے ہٹا رہا اور اسی حال میں مرگیا تو اللہ جل شانہ اس پر جنت حرام فرمادیں گے اور عادل بادشاہ کے لئے یہ خوشخبری ہے کہ وہ جنتی ہے اور روز محشر اللہ جل شانہ اسے اپنے سایہء رحمت میں جگہ عطا فرمائیں گے۔

☆ اس کے علاوہ سرور عالمﷺ نے عدالتی فیصلے کے متعلق فرمایا کہ بعض لوگ اپنی چرب زبانی کی وجہ سے میری عدالت میں آکر اپنی چرب زبانی کی وجہ سے اپنے حق میں فیصلہ کروا لیتے ہیں مگر وہ تو جہنم کی آگ پھانک رہے ہوتے ہیں۔

☆ جب کعبہ بارشوں اور تباہ حال ہوگیا تو اہل مکہ کے سرداروں نے باہم مشورہ کرکے کعبہ کی عمارت کو ازسرنو تعمیر کرنے کا پروگرام بنایا۔ ہر قبیلے نے اپنی استطاعت کے مطابق تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جب عمارت مکمل ہوگئی تو جنت سے آیا ہوئے پتھر کے نصب کرنے کا وقت آپہنچا۔ یہ پتھر بڑا مقدس تھا اور اس کو نصب کرنے کی ہر سردار کے دل میں خواہش ہوئی۔ اس طرح تمام قبائل ایک دوسرے سے باہم پیکار ہوئے کہ وہ ہی اس پتھر کو نصب کرے گا۔

اس اختلاف کے پیش نظر قریب تھا کہ قریش کے دس قبائل کے درمیان خوفناک جنگ چھڑ جاتی اچانک سرور کونین ﷺ خانہ کعبہ کی طرف آتے ہوئے دکھائی دئے۔ مکہ کے سارے سردار کہہ اٹھے وہ آگیا ہمارا منصف سردار وہ ہی ہمارا فیصلہ کرے گا۔ لہذا آپﷺ نے فیصلہ دیا کہ جو آدمی کل کعبہ کے اندر داخل ہوگا وہ ہی اس مقدس پتھر کو نصب کرے گا۔ لہذا صبح ہوئی اور ہر سردار کی کوشش ہوئی کہ وہ ہی سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہو مگر یہ کیا ہوا کہ محمدﷺ سب سے پہلے کعبہ میں کھڑا ہے۔ تمام مکہ کے سردار اس بات پر متفق ہوگئے کہ محمدﷺ ہی ہمارا سردار ہے۔ وہ جو فیصلہ کرے گا وہ ہم کو قبول ہے۔ سرور کونینﷺ نے حکم دیا کہ ایک چادر لائی جائے۔ چادر لائی گئی۔ سرور کونینﷺ

Marfat.com

نے حجرالاسود کو اُٹھا کر چادر کے درمیان رکھا اور تمام سرداروں کو کہا کہ اس چادر کے کونوں کو پکڑ کر اٹھاؤ۔ تمام سردار اس مکرم چادر کو پکڑ کر بہت خوش ہوئے اور اس چادر کو اس مقام پر لے آئے جہاں اس مقدس پتھر کو رکھا جانا تھا آپ ﷺ نے حجر اسود کو اٹھا کر نصب کردیا اور ایک لڑائی کا جو سلسلہ نظر آرہا تھا ختم ہوگیا یہ صرف آپ ﷺ کے انصاف کی وجہ سے ممکن ہوا۔﴿۱۸﴾

☆ جب اہل مکہ نے سردار دو عالم ﷺ اور اہل اسلام کا مکہ میں قافیہ حیات تنگ کردیا تو آپ ﷺ نے اپنے تمام احباب کو مکہ چھوڑ دینے کا حکم ارشاد فرمادیا۔ تمام مسلمان اپنا وقت نکال کر اللہ کے نام پر اپنا گھر بار چھوڑ کر مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ ایسے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے حبیب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کے حکم سے مکہ کے در و دیوار کو اللہ حافظ کہہ کر ہجرت کیلئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اللہ کے جانثاروں کا یہ قافلہ چند دن غار ثور میں رہ کر سوئے مدینہ تیار ہوئے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زاد راہ کا بندوبست کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو اونٹنیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیں اور عرض کی یا رسول اللہ ان میں سے ایک آپ اپنے لئے پسند فرمالیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ آپ ﷺ وہ اونٹنی لے لیتے۔ کیونکہ ابوبکر صدیقؓ نے اسلام کی بڑی خدمت کی تھی۔ اس کی ہر خدمت کا صلہ اللہ کے ہاں بڑا عظیم ہے۔ مگر ایسا کرنا عدل کے شہنشاہ کے لئے ممکن نہ تھا عدل کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ جو کام ہورہا ہے وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا کے لئے ہورہا ہے۔ اس لئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں ان میں سے کسی اونٹنی پر اس وقت تک سوار نہیں ہونگا جب تک کہ میں اس کو خرید نہ لوں۔ آپ مجھے اس کی قیمت بتائیں اور سودا طے کرلیں۔ چنانچہ سودا طے ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الجدعاء نامی اونٹنی اپنے لئے پسند فرمائی۔ ذرا سوچیں! اللہ کا رسول ہر طرح کی آسائش سے دور ہے۔ غریب الوطنی ہے مگر عدل کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور اس آدمی سے بھی اونٹ مول لے کر سوار ہوئے جس کا اسلام میں بڑا نام ہے، بڑا کام ہے۔ یہ کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی سے ممکن نہیں۔

عدل و انصاف کا عالمی منشور

آپ ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں عدل و انصاف کی مندرجہ ذیل راہیں مرتب فرمائیں:۔

''اے لوگو! خوب سن لو۔ جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں نہ کسی عجمی کو عربی پر برتری حاصل ہے۔ نہ کوئی کالا کسی سرخ سے نہ کوئی سرخ کالے سے افضل ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو۔ آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ تمہارے غلام تمہارے غالم ہیں ان کے ساتھ انصاف کرو۔ ان کو وہ کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور وہ پہناؤ جو تم پہنتے ہو۔ آج جاہلیت کے تمام خون باطل کردئے گئے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون ربیعہ ابن حارث کا خون باطل کرتا ہوں۔ آج کے دن جاہلیت کے تمام سود باطل کرتا ہوں اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا سود عباس ابن مطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔ اے لوگوں عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو! تمھارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزت اسی طرح

Marfat.com

حرام ہے جیسے آج کے دن کی حرمت اور آج کے مہینے کی حرمت اور اس شہر کی حرمت۔ میں تمہارے درمیاں ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم اس کو مضبوطی سے تھاموں گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ اللہ کی کتاب ہے۔ اللہ عزوجل نے ہر حق دار کو اس کا حق دیا ہے۔ اب کسی کو وارث کے حق میں وصیت کرنے کا حق نہیں ہے بچہ اس کا جس کے بستر پر پیدا ہوا۔ زانی کے لئے پتھر ہیں اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔ جو بچہ اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے جو غلام اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے اس پر اللہ کی لعنت۔ سن لو! کسی عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ دینا جائز نہیں۔ قرض واجب الادا ہے جو چیز کسی سے عاریتاً لی جائے اس کو ادا کرنا ضروری ہے۔ عطیہ لوٹایا جائے۔ ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔

آخر میں ارشاد فرمایا کیا تم کو میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا؟ سب نے اونچی آواز سے کہا بے شک آپ ﷺ نے اللہ کا پیغام ہم تک پہنچا دیا۔ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان تک یہ پیغام پہنچا دیں جو یہاں حاضر نہیں۔''

آپ ﷺ نے اپنے دو ارشادات سے لوح انسانی کو عدل و مساوات کا سبق سکھا دیا۔ آپ ﷺ نے بتا دیا کہ کوئی کالا گورا نہیں، کوئی شریف وحقیر نہیں۔ سب اللہ کے بندے ہیں اور قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں اس لئے کہ جب تک لوگوں کے دل و دماغ میں انسانی مساوات کا وقیدہ راسخ نہ ہو جائے اس وقت تک عدل و انصاف کا کوئی محل تعمیر نہیں کیا جاسکتا۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا۔

> ''بے شک اللہ جل شانہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں کے سپرد کردوں۔ جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور ہر شے پر نظر رکھے ہوئے ہے۔''

یہاں آپ ﷺ نے فرمادیا کہ اقرباء پروری اچھی چیز نہیں ہے حق دار کو اس کا حق دو۔ اور ساتھ ہی فرمادیا کہ اگر تم عدالت کی کرسی پر بیٹھو تو فیصلہ قرآن کے مطابق کرو۔ اسی میں بھلائی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا کہ کرسئ عدالت پر ان لوگوں کو بٹھاؤ جو عدل و انصاف کر سکتے ہیں۔ اگر لالچی، کمزور مزاج، اور بداخلاق لوگ عدالت میں ہونگے تو وہ قانون کا حلیہ بگاڑ دیں گے۔ ان لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ عدل کا حکم فرماتے ہیں۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سرور عالم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے۔

> ''وہ بندہ جس کو اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا والی بناتا ہے اور وہ اس حالت میں مرتا ہے کہ وہ اپنی رعیت کے ساتھ دھوکے اور فریب کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے''

اس ارشاد سے ان لوگوں کو جھنجھوڑا جو عدل و انصاف کی کرسی پر بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں کہ اگر انہوں نے کسی وجہ سے عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا نہ کیا اور اس امانت کو دا کرنے میں خیانت سے کام لیا تو کان کھول کر سن لیں کہ جنت کے دروازے ان پر ہمیشہ کیلئے بند کر دئے جائیں گے اسی سلسلہ کا سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک پر جلال ارشاد سماعت فرمائیں۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں جن کو میری

Marfat.com

شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔ ایک وہ فرماں روا جو ظالم اور خائین ہے اور وہ آدمی جو دھوکہ دینے والا ہے اور دین کی حدو کو توڑنے والا ہے۔

عدل کے دنیاوی ثمرات وفوائد

عدل و انصاف کی موجودگی میں ہر انسان اپنے موجودہ مسائل سے بے نیاز ہو کر اپنی صلاحیتوں کے مطابق مطمئن انداز میں اپنا کام کرسکتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ خود بھی ترقی کرے گا اور معاشرے کی خدمت بھی کرے گا۔ اس کے برعکس عدل و انصاف کی عدم موجودگی انسان کو معاشرے سے بیزار کردیتی ہے، اور اس کے دو ہی نتیجے ہیں۔ معاشرے میں رہتے ہوئے اپنی صلاحیتوں کا ناجائز استعمال ہے یا اپنے معاشرے سے کٹ کر اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کو مستفید کرنا اور ہر دو صورتوں میں فرد اور معاشرہ ترقی کے حوالے سے بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔

عدل و انصاف انسان میں خودی اور خودداری کی روح پھونک دیتا ہے۔ اور اس کی عدم موجودگی انسان کو خودغرض بنا دیتی ہے باہمی احساس مٹ جاتا ہے۔ احترام انسانیت، معاشرتی وقار اور باہمی خیر خواہی کی جذبے جیسی چیزیں عنقاء ہوجاتی ہیں۔ ہر شخص دوسرے کا احساس کرنے کی بجائے چھینا جھپٹی پر اتر آتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں انسان نہیں رہتا بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر ہوجاتا ہے۔

عدل وانصاف کی موجودگی سے معاشرے میں نیکی اور بدی تصورات بیدار ہوتے ہیں اور معاشرے میں ان کے اپنے تصور کے مطابق نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنے کی صنف جاگتی ہے اور نظام عدل و انصاف کی عدم موجودگی ان عظیم کاموں کے وجود کی ضامن ہے اور یہ کام اشخاص ہی کیا کرتے ہیں۔ عدل و انصاف کی موجودگی برائی اور ظلم کی نسل کُشی کرتی ہے۔ مطلب واضح ہے جہاں عدل و انصاف نہیں ہوگا، وہاں نیکی اور برائی کا تصور مٹ جائے گا اور انسان حیوان سے بھی گر جائے گا۔ عدل و انصاف معاشرتی ترقی میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ جب ہر فرد سے اس کی صلاحیت کے مطابق کام لیا جائے اور اس کا حق اسے دیا جائے تو قیمتی افراد باہر جانے کی بجائے اپنی صلاحیتوں کو اپنی قوم کے لئے وقف کریں گے۔ نتیجہ ترقی کی رفتار میں بے پناہ اضافہ ہوگا۔

عدل و انصاف کی موجودگی قوموں کو ناقابل شکست بنا دیتی ہے، کیونکہ ہر فرد انفرادیت کی بجائے اجتماعی فائدے کی طرف دیکھتا ہے گویا کہ ہر فرد سپاہی بن جاتا ہے اور جس قوم کی یہ حالت ہو اسے شکست دینا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔ نظام انصاف کی مضبوطی ایک فرد سے لے کر پورے معاشرے پر کس کس انداز سے کون کون سے مثبت اثرات چھوڑتی ہے۔ اس کے برعکس عدل و انصاف کا نہ ہونا کن کن خوفناک نتائج کا باعث بنتا ہے۔

عدل و انصاف کی موجودگی کسی بھی ملک کو ساری دنیا میں ایک ممتاز اور مثالی ملک قرار دلوانے والے مقاصد میں سر فہرست ہے۔ جہاں عدل و انصاف ہوگا دنیا کے کئی ممالک اس ملک کو نمونہ بنا کو اس کی تقلید کریں گے۔ جس کے نتیجے میں دنیا ظلم سے عدل کی طرف مجموعی طور پر مائل ہوگی، اور اس طرح بتدریج دنیا سے فساد کا خاتمہ اور امن کا دور دورہ ہوگا۔ جس ملک میں عدل و انصاف کا نظام مضبوط ہوگا۔ دنیا کا ہر ملک اس سے سفارتی تعلقات قائم کرنے کی کوشش کرے گا، اور ملکوں کے درمیان مضبوط سفارتی تعلقات عالمی حالات پر مثبت اثرات مرتب کرتے ہیں۔ ان کی اہمیت واضح ہے۔

Marfat.com

عدل و انصاف چونکہ جرائم کے خاتمے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔اس لئے جس ملک میں سیکیورٹی کے حوالے سے ہر قسم کا اطمینان ہو۔ وہاں غیر ملکی سرمایہ کار خاصی دلچسپی لیتے ہیں اور بالخصوص غریب ملک بیرونی سرمایہ کاری کے کتنے حاجت مند ہوتے ہیں اور بیرونی سرمایہ کاری خاص طور پر موجودہ دور میں ملکی معیشت پر کس کس انداز سے مثبت اثرات مرتب کرتی ہے اور اس سے ملکی ترقی میں کس قدر تیزی سے اضافہ ہوتا ہے، ماہرین معاشیات کو تو معلوم ہی ہے ایک عام آدمی بھی اس کی اہمیت سے بخوبی واقف ہے۔

جس ملک میں عدل کا نظام مضبوط ہوگا وہ ملک معاشی و دفاعی لحاظ سے بھی مستحکم ہوگا کیونکہ جب حکومت عوام کا ہر لحاظ سے خیال رکھے گی تو عوام میں اجتماعی سوچ پیدا ہوگی وطن سے محبت کا جذبہ پیدا ہوگا، وطن کے دفاع اور اس کی ترقی کی فکر پروان چڑھے گی اور ہر طرف امن وسکون کی فضا قائم ہوجائے گی۔ ﴿۱۹﴾

بلاعنوان

زمانے کا ظلم وستم فطرت سے بار بار ایک ایسے نظام حیات کا تقاضہ کررہا تھا جس پر چل کر تمام کائنات اپنی منزلوں کی طرف گامزن ہوسکے تو اللہ کریم نے دنیا کے سب سے عظیم انسان ''سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کو پیدا فرما کر اس کمی کو پورا فرمادیا اور آپ ﷺ کو دین اسلام سے نواز دیا۔ یہ ایک ایسا نظام حیات ہے جو آج سے چودہ سو سال قبل انسان کی ضرویات زندگی کو پورا کرتا تھا اور اس میں اتنی لچک ہے یہ قیام قیامت تک آنے والی تمام تبدیلیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرسکتا ہے اور انسان کو صراط مستقیم کا راہی بنا سکتا ہے۔مگر آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک ایسا نظام چاہئے جو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آج کے انسان کے درمیان حائل ہونے والے مختلف پردوں کو اُٹھا دے آپ ﷺ کے مبارک دور اور دور حاضر میں موجود تبدیلیوں کی نشان دہی کر کے راہ راست کی طرف ہماری راہبری کردے۔یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ آپ ﷺ کی مقدس زندگی فقط ایک فرد کی سوانح حیات نہیں ہے بلکہ آپ ایک عظیم ترین مذہب کے بانی اور تمام انسانیت کے لئے پیغمبر بن کر آئے۔ آپ ﷺ ہی کی زندگی میں ہم قرآن مجید کا ترجمہ عمل کی زبان میں پڑھ سکتے ہیں۔ اور اسی کی روشنی میں ہم اجتماعی انقلاب کی کھٹن راہوں کو طے کرسکتے ہیں اور اسی سے ہم اپنی راہِ عمل متعین کر سکتے ہیں جن راہوں پر انسانیت چل کر اسلامی نظام حیات کی بہشت تک جاسکتی ہے۔آپ ﷺ کی جو سب سے بڑی خوبی تھی وہ آپ ﷺ کی صداقت و امانت تھی وہ انصاف تھا وہ سچائی اور اپنے رب کی واحدانیت پر یقین محکم تھا۔ یہی وہ وجہ تھی جس سے آپ ﷺ نے مختصر سے عرصہ میں پوری دنیا کے مشرکین کے نظریات کو ہلا کر رکھ دیا اور ان کو ایک اللہ کے سامنے سر جھکانے پر آمادہ کرلیا۔اور پھر ان کے درمیان عدل و انصاف کی وہ فضا قائم کردی کہ کسی کالے کو گورے پر اور کسی عربی کو عجمی پر کوئی سبقت نہ رہی۔ایک بدو کو یہ آزادی تھی کہ وہ آقا ﷺ پر بھی مقدمہ کرکے اپنے حق لے سکتا تھا۔ ہر کوئی آزاد تھا۔ آزاد فضا کا باسی تھا۔ شیر میں اتنی جان نہ تھی کہ وہ کسی بکری کی طرف دیکھتا۔ آپ ﷺ کے ایک شیدائیؓ نے فرمایا تھا کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری کا بچہ بھی بھوکا مرگیا تو قیامت کے دن مجھے جواب دینا پڑے گا۔

ہمارے معاشرے کی سب سے بڑی خرابی لاقانونیت ہے۔کیا چھوٹا کیا بڑا...... اپنے ہاتھ میں موجود قانون کو اپنی حفاظت کیلئے توڑ موڑ رہا ہے۔ جبکہ ہمارے مذہب اسلام میں ایسا کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں۔قرآن کہتا ہے:۔

Marfat.com

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ. اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا. فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا. وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا﴾﴿۲۰﴾

یہاں پر قانون اور عدل کے معاملے میں غفلت برتنے والوں کی اصلاح کی گئی ہے اور عدل کے خلاف ہر خرابی کو نکال دیا گیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ معاملات عدل و انصاف کی حمایت تمہارا مقصد ہو، جو کچھ کہو یا کرو، اللہ لگتی کہو، کرو، اور اللہ جل شانہ کے واسطے کہو اور کرو، عدل و انصاف کے فیصلے اور گواہی میں نہ تو اپنے نفس کا خیال بیچ میں آئے اور نہ عزیزوں، قرابت داروں کا احساس، نہ دولت مندوں کی طرف داری ملحوظ ہو، نہ محتاج پر رحم کا عنصر شامل ہو اور جو فیصلہ کیا جائے اس فیصلے کو ذاتی مفاد کی خاطر نہ کیا جائے اسی میں ہماری بقا ہے۔ جو قانون بنے تمام لوگ اس کا احترام کریں۔کوئی عہدہ قانون کی نظر میں برتری کا مستحق نہیں۔

قصہ مختصر

عدل دین اسلام کا بنیادی ستون ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور قیامت تک کے لئے مکمل دین ہے۔ اسلام زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں واضح احکامات ارشاد فرماتا ہے اور یہ فرد، معاشرے اور ملک وقوم تمام کے مابین عدل و انصاف کی ایک ایسی فضا قائم کرتا ہے کہ جس پر عمل کر کے انسان انسانیت کی معراج تک پہنچ سکتا ہے۔ اسلام ہر مکتبہ فکر، ہر مذہب اور ہر نسل کیلئے ہی نئی بلکہ یہ تمام مخلوق کیلئے کامل ضابطہ حیات ہے۔ اس میں خالق اور مخلوق کے درمیان حقوق و فرائض کی حدیں متعین ہیں اور جو آپس میں باہم نہیں ٹکراتیں۔ عبادات کی ادائیگی میں بھی یہاں عدل سے کام لیا گیا ہے، گویا کہ اسلام عدل وانصاف کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔جس طرح انسان کے جسم میں ہر عنصر ایک مقررہ مقدار سے موجود ہے اسی طرح ہر انسان کے لئے اس جہاں میں اس کے حقوق وفرائض عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق موجود ہیں۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اسلام کے سنہری اصول عدل و انصاف پر خود بھی کاربند ہوں اور اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اس کی ترویج کی بھرپور کوشش بھی کریں اور ہر سطح پر اپنے اختلافات کو بھلا کر عدل و انصاف کی فضا قائم کریں تا کہ قیامت کے دن جب ہم سے اپنے حقوق وفرائض کے بارے میں پوچھا جائے گا تو ہم اپنے زیر نگیں ریاست (خاندان جس کے ہم فرد اور سربراہ ہیں) کے امور کے بارے میں سرخرو ہوسکیں۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

کتابیات

﴿۱﴾قرآن مجید سورۃ النساء ۱۳۵...... ﴿۲﴾سورۃ شوریٰ۔۱۵...... ﴿۳﴾ نبی کریم ﷺ کے عدالتی فیصلے از محمد یٰسین سروہی...... ﴿۴﴾سورۃ المائدہ ...... ﴿۵﴾ ﴿ابن ماجہ ...... ﴿۶﴾المائدہ۔۳...... ﴿۷﴾النساء ۱۳۵...... ﴿۸﴾سورہ الشوریٰ...... ﴿۹﴾الحدید۔۲۵...... ﴿۱۰﴾(القرآن مجید۔ سورۃ الحجرات۔۱۰)...... ﴿۱۱﴾قرآن مجید سورۃ النحل۔۹۰...... ﴿۱۲﴾قرآن مجید۔ المائدہ۔۸...... ﴿۱۳﴾سورۃ الانعام۔۱۵۲...... ﴿۱۴﴾سورۃ آل عمران...... ﴿۱۵﴾بخاری شریف...... ﴿۱۶﴾ترمذی شریف...... ﴿۱۷﴾بخاری شریف...... ﴿۱۸﴾ نبی کریم ﷺ کے عدالتی فیصلے از محمد یٰسین سروہی...... ﴿۱۹﴾صحابہ کرامؓ کے عدالتی فیصلے از محمد یٰسین سروہی...... ﴿۲۰﴾النساء ۱۳۵۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

عبدالغفار۔ بہاولپور

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيمِ، وَمَا تَوۡفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَإِلَيۡهِ أُنِيبُ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَسَلَّم وبعد:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات اور احسن تقویم پر پیدا کیا ہے۔انسان کی یہ بہترین تخلیق جہاں خالق کے خود کمال کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہونے کی دلیل ہے وہیں اس بات کی بھی شاہد ہے کہ اگر اس عادل نے انسان کو تعدیل کے ساتھ پیدا کیا ہے تو انسان کا بھی فرض ہے کہ وہ عدل کو اپنا وتیرہ بنائے اور عدل وتوازن کے قیام کے لئے اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کی حیثیت سے نظام عدل کو قائم کرے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان تخلیق خداوندی کا شاہکار ہے۔معتدل و متناسب بنا کر جو مقصد اس کے سپرد کیا گیا ہے وہ بھی اس ترکیب تخلیق سے گہری مناسبت رکھتا ہے،یعنی ایک ایسا متوازن،معتدل اور متناسب نظام کا قیام جس میں ظلم واستحصال،اللہ سے بغاوت،اخلاقی اصولوں کی خلاف ورزی،حقوق انسانی کی پامالی نہ پائی جاتی ہو۔فرد اور معاشرہ،معیشت،سیاست،ثقافت،قانون،غرض ہر شعبہ حیات میں مکمل عدل پایا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے نظام عدل کے عملی قیام کے لئے مدینہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اور انتہائی مختصر مدت میں ایسی فلاحی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہوئے جس کی مثال تاریخ میں نہ اس پہلے موجود تھی اور نہ بعد میں قائم ہوسکی۔قیام عدل کے لئے آپ ﷺ نے جو اصول،لوازمات اور لائحہ عمل بتایا ہے اسے جب اور جہاں کہیں بھی اختیار کیا جائے گا تو معاشرے میں عدل وانصاف کے راستے کشادہ ہو جائیں گے،اور جب اور جہاں کہیں بھی ان اصولوں سے انحراف کیا جائے گا تو متضاد نتائج سامنے آئیں گے۔مکمل نظام زندگی کی حیثیت اسلام کا مقصود ومطلوب عدل اجتماعی کا قیام ہے۔سماجی اور قانونی سطح پر کامل مساوات،سیاسی سطح پر حریت اور معاشرتی سطح پر عدل و انصاف عدل اجتماعی کے تین نمایاں ترین مظاہر ہیں۔اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ بلا استثنیٰ قانون کی عام حکمرانی قائم رکھے اور بلاتفریق معاشی ومعاشرتی اور قانونی مساواۃ کا لحاظ رکھے۔ عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت- تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں،ایک اہم اور حساس موضوع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کا یہ پہلو ایسا ہے جس پر لکھنے کی نہ صرف دور جدید کا تقاضا ہے بلکہ اس کے لئے وسعت داماں کی بھی ضرورت ہے۔

مقالہ ہذا مندرجہ ذیل عناوین پر مشتمل ہے:

عدل کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

عدل مصدر ہے، اس کا مادہ ع د ل ہے۔ اس مادے میں برابری، مساوات اور انصاف کا مفہوم پایا جاتا ہے۔لسان العرب میں بیان کیا گیا ہے کہ عدل کا معنی سیدھا ہے اور یہ ظلم کی ضد ہے۔ لفظ عدل اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ میں سے ہے یعنی

Marfat.com

وہ خواہشات کی طرف مائل نہیں ہوتا، عدل حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کو کہتے ہیں۔

العَدْل أنه مُستقيم وهو ضِدُّ الجَوْر عَدَل الحاكِمُ فی الحکم يَعْدِلُ عَدْلاً وهو عادِلٌ من قوم عُدُولٍ وعَدْلٍ الأخيرة اسم للجمع كتَجْرِ وشَرْبٍ وعَدَل عليه فی القضيَّة فهو عادِلٌ وبَسَطَ الوالی عَدْلَه ومَعْدِلَته وفی أسماء الله سبحانه العَدْل هو الذی لا يَمِيلُ به الهوی فيَجورَ فی الحکم. (۱)

ازروئے اشتقاق یہ اصطلاح اسم ذات اور اسم صفت دونوں شکلوں میں استعمال ہوتی ہے لیکن معنوی اعتبار سے یہ دونوں ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہیں۔ اسم ذات کے طور پر عدل کے معنی انصاف یا دادرسی کے ہیں اور اسم صفت کے طور پر اس کے معنی مستقیم، منصفانہ اور متوازن کے آتے ہیں۔ اس طرح اس لفظ کا اطلاق جاندار اور غیر جاندار دونوں پر ہوتا ہے۔ اپنے معانی کی ان دونوں شکلوں میں یہ لفظ مذہب، حکمت اور قانون کی لغات میں مستعمل ہے۔ عَدل بالفتح کے معنی قیمت، فدیہ، مرد صالح اور حق وانصاف کے ہیں، بالکسرہ ہو اس کے معنی المثل کے ہیں۔(۲) اہل لغت نے اگرچہ العَدل اور العِدل کے معنی الگ الگ لیے ہیں، لیکن اس سلسلے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں الفاظ قریب المعنی ہیں۔ عَدل معنوی چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور عِدل ان چیزوں کے لیے بولا جاتا ہے جن کا ادراک حواسِ ظاہرہ سے ہوتا ہے۔

امام راغب الاصفہانیؒ عدل کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ:

العدل هو المساوات فی المکافات إن خیراً فخیرو إن شراً فشرّ. (۳)

''مکافات میں مساوات کا لحاظ رکھنا عدل ہے یعنی نیکی کا صلہ نیکی اور بدی کا صلہ بدی کی صورت میں ملنا چاہیے۔''

سیدشریف التعریفات میں لکھتے ہیں کہ: العدل هو امر المتوسط بين طرفی الافراط والتفریط. (۴)

''عدل افراط وتفریط کے درمیان ایک نقطہ مساوات ہے جو اطراف کو برابر رکھتا ہے اور حق پر آ کر رک جاتا ہے۔''

ابوالبقاءؒ نے عدل کو ظلم کی ضد لکھا ہے: العدل اصله ضد الجور. (۵)

علامہ عینیؒ کے نزدیک عدل سے مراد: العدل امتثال المأمورات وبذل الحق...۔ (۶)

''واجب التعمیل احکام کی تعمیل کا نام ہے عدل یہ ہے کہ حق کو تسلیم کیا جائے اور ظلم کا خاتمہ کر دیا جائے۔''

مجلة الاحكام العدلية کی ایک شق کے تحت عدل وہ ہے جس میں خیر کے رجحانات شر کے رجحانات پر غالب ہوں۔

العدل خلاف الجور وهو فی اللغة: القصد فی الأ مور، وهو عبارة عن الأمر المتوسط بين طرفی الافراط والتفریط والعدل من الناس، والعدل فی اصطلاح الفقهاء من تکون حسناته غالبة علی سیئاته. (۷)

''عدل ظلم کی ضد ہے اور لغوی اعتبار سے معاملات میں میانہ روی ہے اور یہ میانہ روی افراط وتفریط کے مابین ہے اور اسی طرح لوگوں کے درمیان عدل کرنا، فقہاء کی اصلاح میں عدل سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کی اچھائیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوں۔''

Marfat.com

عدل اصل میں عربی لفظ ہے، اُردو میں اس کا ہم معنی انصاف، انگریزی میں ''Justice'' اور عبرانی میں صداقاۃ اور مشپاط ہے۔

Twentieth Century Encyclopaedia & The Standard Jewish Encyclopidia

میں Justice کے ضمن میں مقالہ نگار لکھتا ہے:

> Equal distribution of right in expressing opinions: fair representation of fact respecting merit or demerit: equlity, impartiality.(8)
>
> The Biblical Hebrew words for Tzedek, Tzedakah, Mishpat possess many shades of meaning, Justice, righteousness, proper behaviour, fairness,integrity.(9)

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار نے عدل کے ضمن میں ابن رشدؒ کا قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ''اس اصطلاح کی کوئی ایسی جامع تعریف نہیں کی جاسکتی جو متفق علیہ ہو۔'' (۱۰) تاہم مذکورہ بالا تعریفات کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ عدل کا مفہوم مختلف مناسبتوں سے مختلف ہوتا ہے۔ عدل کا ایک مفہوم اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے ربّ کے درمیان عدل کرے، یعنی حق اللہ کو اپنی خواہش پر مقدم رکھے۔ دوسرا مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ انسان اپنی ذات کے ساتھ عدل کرے، یعنی اپنے نفس کو ایسی تمام باتوں اور چیزوں سے بچائے رکھے جن سے جسمانی و روحانی ہلاکت واذیت کا خطرہ ہو اور تیسرا مفہوم یہ ہے کہ اپنی ذات اور مخلوق کے درمیان عدل کرے یعنی تمام مخلوقات سے ہمدردی وخیر خواہی کا برتاو کرے۔ موجودہ دور میں عدل کو عدالت کے ساتھ منسلک کردیا گیا ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ عدل کا مفہوم اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے اور اس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں شامل ہیں۔

مترادفات عدل:

عدل ایک جامع اور کثیر الجہت اصطلاح ہے۔ قرآن و حدیث میں باہمی حقوق کی تعین کے لیے تین الفاظ عدل، قسط اور قضاء استعمال ہوئے ہیں، جبکہ میزان وہ معتدل نظام ہے جس کے تحت اجتماعی عدل قائم ہوتا ہے۔ مذکورہ تینوں معانی کی تائید قرآن حکیم کی بالترتیب مندرجہ ذیل آیات سے ہوتی ہے۔

عدل: ﴿وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ **(النساء ۴: ۵۸)**

''اور جب تم لوگوں کے مابین فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔''

قسط: ﴿وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ **(الحجرات ۴۹: ۹)**

''اور انصاف سے کام لو کہ خدا انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

قضاء: ﴿وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔'' **(المؤمنون ۴۰: ۲۰)**

Marfat.com

میزان: ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾

''ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔'' (الحدید ۲۵:۵۷)

آئمہ لغت نے عدل کے معنی القضاء بالحق یعنی حق اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے فیصلہ کرنا، اور قسط کے معنی النصیب بالعدل یعنی حق عدل و مساوات کے مطابق حق دار کو اس کا حق دلانا، کے بیان کئے ہیں۔ عدل کا تقاضا مساوات اور برابری ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ افراط و تفریط کے بغیر کے اس طرح معاملہ کرنا کہ کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو۔ عدل اور قسط میں فرق یہ ہے کہ عدل کے مفہوم میں محض برابری اور مساوات ہے جبکہ قسط کا مفہوم اس سے ذرا نازک تر اور دقیق تر ہے اس کے معنی پوری باریک بینی کے ساتھ حقوق کی ایسی تقسیم کہ ہر شخص کو اس کا جائز حصہ پورا پورا پہنچ جائے۔

عدل اجتماعی کا مفہوم:

عدل کے مختلف مفاہیم کو یکجا کیا جائے تو عدل کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے ربّ کے درمیان عدل کرے، انسان اپنی ذات اور مخلوق کے درمیان عدل کرے۔ عدل کے وسیع تر مفہوم میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں آتے ہیں۔ اگر کسی جگہ واقعتاً ایسا نظام موجود ہے جہاں کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں ہو رہی اور حکومت بھی اپنے فرائض اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے انجام دے رہی ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ معاشرے میں نظام عدل اجتماعی، سماجی انصاف (system of social justice) قائم ہے۔ گویا معاشرے میں عدل کے وسیع تر مفہوم کی عملی تطبیق کا نام عدل اجتماعی ہے۔

کسی بھی معاشرے کی بقاء کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس کے تمام عناصر کے تعلقات اور ربط و ضبط میں توازن پایا جائے۔ اس اصول سے انحراف کا مطلب یہ ہے کہ معاشرہ فطری توازن سے ہٹ گیا ہے، جس کا انجام تباہی و بربادی کی صورت میں نکلتا ہے۔ یہ اصول ہر معاشرے، ملک و ملت اور قوم کے لئے ہوتا ہے۔ اسی اصول پر عمل کر کے دینی و دنیوی ترقی ممکن ہے اور اسی کے ذریعے اخروی فوز و فلاح کا حصول ممکن ہوسکتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم پر پیدا کیا ہے[۱۱]۔ اس بناء پر مادہ پرست عناصر مجبور ہوتے ہیں کہ اپنے عزائم کو کسی نہ کسی طرح صلاح و خیر کا دھوکا دینے والا لباس پہنا کر سامنے لایا جائے۔ جنت میں بھی شیطان آدم علیہ السلام کو یہ کہہ کر دھوکا نہ دے سکتا تھا کہ میں تم سے خدا کی نافرمانی کرانا چاہتا ہوں، بلکہ اس نے یہ کہہ کر انہیں دھوکا دیا کہ ''کیا میں تمہیں وہ درخت بتاؤں جو حیات ابدی اور لازوال بادشاہی کا درخت ہے۔''[۱۲] اس فطرت کے پیش نظر انسان آج بھی جتنی غلطیوں اور حماقتوں میں مبتلا ہے وہ سب کسی نہ کسی پُرفریب نعرے میں ملفوف ہیں۔ ان میں سے ایک دھوکا وہ ہے جو عصر حاضر میں عدل اجتماعی اور اشتراکیت کے نام سے بنی نوع انسان کو دیا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کے پاس قرآن و سنت کی صورت میں ایک دائمی و ابدی ہدایت موجود ہے جو انہیں شیطانی وساوس پر متنبہ کرنے اور زندگی کے جملہ معاملات میں راہنمائی اور عدل اجتماعی کے قیام و بقاء کے لیے ابد تک کافی ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ان افراد پر شدید تنقید کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں بھی عدالت اجتماعیہ موجود

Marfat.com

ہے، صحیح بات یہ ہے کہ اسلام ہی میں عدالت اجتماعیہ ہے۔ اسلام دین حق ہے جو خالق کائنات نے انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے اور ان کے درمیان عدل قائم کرنا اور یہ طے کرنا کہ ان کے لے کیا چیز عدل ہے اور کیا عدل نہیں ہے، خالق کائنات کا ہی کام ہے۔ لہٰذا کوئی اور نہ اس کا مجاز ہے کہ عدل وظلم کا معیار تجویز کرے اور نہ ہی کسی میں یہ اہلیت پائی جاتی ہے کہ حقیقی عدل قائم کر سکے۔ اگر امت مسلمہ اس حقیقت کو دل و جان سے تسلیم کر لے تو وہ کبھی عدل اجتماعی کی تلاش میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر کسی دوسرے ماخذ کی طرف رجوع کرنے کی غلطی نہیں کرے گی۔ اسلام کا قائم ہونا اور عدل کا قائم ہو جانا دراصل نظام عدل اجتماعی کا ہی قیام ہے۔ (۱۳)

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں عدل اجتماعی کی ضرورت و اہمیت:

اسلام میں عدل اجتماعی یا سماجی انصاف کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ قرآن حکیم کی عمومی تعلیمات اور ان تصریحات کے جائزہ سے بخوبی ہوتا ہے جو ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور امت مسلمہ کے فرائض منصبی کے ضمن میں وارد ہوئی ہیں۔ ایمان باللہ اسلام کی اساس اول ہے، ایمان باللہ اور معرفت الٰہی کا واحد ذریعہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات ہیں۔ امام ترمذیؒ اور امام بیہقیؒ نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء حسنیٰ کی تفصیل پر مشتمل جو حدیث بیان کی ہے اس میں ا اللہ تعالیٰ کا ایک بلند نام العدل یعنی مجسم انصاف اور سراپا عدل بھی ہے۔ (۱۴) معاشرے میں عدل کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے، جس طرح اس کے بغیر انسان کھڑا نہیں ہو سکتا بعینہٖ عدل کے بغیر انسانی معاشرے کا قائم رہنا بھی محال ہے۔ خالق کائنات نے جس طرح اس کائنات کی بنیاد عدل و تواز ن پر قائم فرمائی ہے اسی طرح اس کا منشا یہ ہے کہ بندے بھی اپنی معاشرتی، سیاسی اور معاشی زندگی اس نظام عدل کی اساس پر استوار کریں۔ لہٰذا حقوق انسانی کی تنفیذ اور حفاظت کے لیے صیغۂ عدل کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ نظام عدل اجتماعی کے قیام کے بغیر انسان کی نجات اخروی اور رحمت خداوندی کا حصول ممکن نہیں ہے۔ باہمی معاملات میں عدل کم سے کم درجہ ہے، اس سے کم تر درجہ ظلم ہے اور برتر درجہ قسط اور احسان کا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ﴾ (النساء ۴:۵۸)

''بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچا دو اور جب فیصلہ کرنے لگو تو فیصلہ انصاف سے کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں جس بات کی نصیحت کرتا ہے وہ بہت اچھی ہے۔''

﴿وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (المائدة ۵:۴۲)

''اور اگر تم فیصلہ کرو تو ان کے درمیان مکمل عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔''

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ (النحل ۱۶:۹۰)

''بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل اور احسان کا۔''

﴿قُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (الشوریٰ ۴۲:۱۵)

Marfat.com

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ تمام کتب پر ایمان لاتا ہوں اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل رکھوں۔

﴿أَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ﴾ (الانعام ٦:١٥٣)

''انصاف کے ساتھ پورا پورا ناپ تول کرو، ہم کسی کو بھی اس کی برداشت سے زیادہ کا ذمہ دار نہیں ٹھہراتے، اور ہمیشہ انصاف پر مبنی بات کرو چاہے وہ (فریق مقدمہ) تمہارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔''

مدنی الطبع ہونے کی وجہ سے انسان میں ایک قسم کا حرص اور طمع پایا جاتا ہے، لہذا اللہ تعالیٰ نے اس کمزوری کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ہدایات دی ہیں کہ قرابت داری اور عداوت عدل کے اصولوں کو متاثر نہ کرنے پائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک انفرادی اور اجتماعی سطح پر یہ رویہ اختیار نہیں کیا جاتا اس وقت تک عدل اجتماعی کے قیام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ ہر مسلمان کو عادل ہونا چاہئے تاہم حاکم وقت کے لیے عادل ہونا اور بھی زیادہ ضروری ہے۔

مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ ابن قیم الجوزیہؒ کی زبانی یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ ''اللہ کے دین کا مقصد یہی ہے کہ اس کے بندوں کے درمیان تمام معاملات میں عدل کیا جائے تا کہ لوگ انصاف اور راستی پر قائم رہیں۔'' (١٥)

اسلام کے نظام عدل و قضاء سے متعلق جہاں قرآن حکیم کی متعدد آیات میں تصریح آئی ہے وہاں ان آیات کی تشریح و توضیح کے لیے احادیث نبوی ﷺ میں بھی خاصا وقیع مواد موجود ہے۔ مختصراً یہ کہ دین کا مقصود ہی دنیا میں نظامِ عدل اجتماعی کا قیام و بقاء ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سات ایسے افراد کا ذکر فرمایا جن کو بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ نصیب ہو گا، ان میں سے ایک عادل حکمران بھی ہے۔ (١٦)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان المقسطين عند الله على منابر من نور عن يمين الرحمن عزوجل و كلتا يديه يمين الذين يعدلون في حكمهم واهليهم وما ولوا. (١٧)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انصاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے ممبروں پر دائیں ہاتھ بٹھائے جائیں گے اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حکومتی معاملات میں، اپنے گھر والوں کے درمیان اور جو ذمہ داری بھی ان کے سپرد کی گئی ہو اس میں بھی انصاف کرتے ہوں۔''

إن أحب الناس إلى الله يوم القيامة وأدناهم منه مجلسا إمام عادل وأبغض الناس إلى الله وأبعدهم منه مجلسا إمام جائر. (١٨)

''قیامت کے روز اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور اس کے زیادہ قریب عادل حکمران ہوگا اور سب سے زیادہ مغبوض اور سب سے زیادہ دور ظالم حکمران ہوگا۔''

عن ابی هريرةؓ قال: ثلاثة لا تردّ دعوتهم، الصائم حتّى يفطر والامام العادل و دعوة المظلوم. (١٩)

''ابو ھریرۃؓ سے روایت ہے کہ تین افراد کی دعا رد نہیں کی جاتی۔ روزہ دار کی، عادل حکمران کی اور مظلوم کی۔''

Marfat.com

قال رسو ل الله ﷺ لاحسد الا فی اثنتین:رجل اتاه الله مالاً فسلطه علی هلکته فی الحق واخر اتاه حکمة فهو یقضی بها ویعلمها. (۲۰)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صرف دو چیزیں ایسی ہیں جن میں حسد کیا جا سکتا ہے ایک تو وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہو اور حق کے راستے میں اس کو خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت و دانائی سے نوازا وہ اس کے مطابق فیصلے بھی کرتا ہو اور لوگوں کو اس کی تعلیم بھی دیتا ہو۔''

حقیقت یہ ہے کہ بعثت انبیاء و رسل علیہ السلام او ر نزول کتب و شریعت کا مقصد ہی عدل اجتماعی پر مبنی نظام کا قیام تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے عدل اجتماعی پر مبنی ایسا معاشرہ قائم فرمایا کہ دوستی و دشمنی کی وجہ سے نہ تو اس کے قواعد وضوابط بدلتے ہیں اور نہ ہی افراد کی باہمی قرابت یا اقوام کے باہمی بغض وعناد سے متاثر ہوتا ہے۔ اس سے تمام انسان یکساں مستفید ہوتے ہیں، نہ تو حسب ونسب کا فرق ان میں تفریق و امتیاز کا باعث بنتا ہے نہ مال و جاہ کا، اسی طرح دوسری قومیں بھی اس سے مستفید ہوتی ہیں چاہے ان کے اور مسلمانوں کے درمیان عداوت و دشمنی ہی کیوں نہ ہو۔ عدل اجتماعی کے باب میں یہ ایسا بلند معیار ہے جسے آج تک کوئی قومی یا بین الاقوامی قانون نہیں پا سکا ہے۔

عدل اجتماعی کا معاشرتی پہلو:

معاشرتی سطح عدل کا اہم ترین تقاضا یہ ہی کہ تمام انسانوں کو پیدائشی طور پر مساوی تسلیم کیا جائے۔ مساوات حقیقی کے تمام لوازم مہیا ہونے سے انسانی ضمیر غلامانہ ذہنیت سے بری ہوجاتا ہے۔ انسان غربت و ذلت، تکلیف و مصیبت اور موت کے اندیشوں سے یہ سمجھ کر بے نیاز ہوجاتا ہے کہ کوئی بات اذن خداوندی کے بغیر نہیں سکتی۔ ایسی صورت حال میں انسانی ضمیر اس کا محتاج نہیں رہتا کہ کوئی اس کے لیے مساوات کے لفظی نعرے بلند کرے۔ کیونکہ ایسا مزاج بن جانے کے بعد اب وہ ان امتیازات کو برداشت کرنے سے انکار کردے گا جو صرف معاشرتی اور معاشی بنیادوں پر قائم ہیں۔ عدل اجتماعی کے قیام و بقاء کے لئے رسول اللہ ﷺ نے ایسی مساوات قائم کی کہ حقوق و فرائض کے باب میں، قانون کے سامنے اور اللہ کے حضور ہر جگہ اور ہر حیثیت سے تمام انسانوں کو مساوی قرار دیا۔ بتایا کہ عمل صالح کے سوا فضیلت و امتیاز کو کائی اور معیار نہیں ہے۔ یہ انسانیت کی ایک ایسی لاثانی معراج بلکہ،میلاد ثانی تھی جس میں ایک بلند تر انسان نے جنم لیا۔ قرآن حکیم اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ پوری جنس انسانی مٹی سے بنی ہے اور بلا استثناء ہر فرد ایک حقیر پانی سے وجود میں آیا ہے، منشا یہ ہے کہ ایک اصل ہونے اور ایک ہی طرح نشو ونما پانے کی حقیقت تمام انسانوں کے دلوں میں جاگزیں ہوجائے۔ رسول اللہ ﷺ کے متعدد فرامین میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ ''تمام انسان اولاد آدم ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔'' (۲۱) اسلام نے معاشرتی عدل کی بنیاد مندرجہ ذیل الہامی اصول پر رکھی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ﴾ (النحل۱۶:۹۰)

''اللہ تعالیٰ عدل واحسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔''

Marfat.com

مذکورہ آیت مبارکہ میں تین ایسی باتوں کا حکم دیا گیا ہے جن پر انسانی معاشرے کی درستی اور عدل اجتماعی کا انحصار ہے۔پہلی چیز عدل ہے جس کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔دوسری چیز احسان ہے جس سے مراد ہے نیک برتاؤ، رواداری، خوش خلقی، درگزر، باہمی مراعات اور ایک دوسرے کا پاس ولحاظ رکھنا ہے۔اس کی اہمیت اجتماعی زندگی میں عدل سے بھی زیادہ ہے۔عدل معاشرے کی اساس ہے جو اسے ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے جبکہ احسان معاشرے کا جمال اور اس کا کمال ہے جو اس میں خوش گواریاں اور شیر ینیاں پیدا کرتا ہے۔تیسری چیز صلہ رحمی ہے جو اعزہ واقارب کے معاملے میں احسان کی ایک خاص صورت متعین کرتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب استطاعت شخص اپنے مال میں اپنی ذات اور اپنے بچوں کے ساتھ اپنے رشتہ داروں کے حقوق بھی تسلیم کرے۔

شریعت الٰہی ہر خاندان کے خوش حال افراد کو اس امر کا ذمہ دار قرار دیتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لوگوں کو بھوکا ننگا نہ چھوڑیں۔یہی بات ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے مختلف ارشادات میں وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ. (۲۲)

"جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے روزی میں فراخی اور عمر میں برکت دی جائے تو اسے چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔"

مذکورہ حدیث کا انفرادی پہلو یہ ہے کہ انسان کے بیشتر خانگی معاملات اور معاشرتی تنازعات ذہنی تناؤ اور مالی پریشانی کے سبب وقوع پذیر ہوتے ہیں۔صلہ رحمی کی وجہ سے نہ صرف خانگی مسرت اور اطمینان قلب رہتا ہے بلکہ دولت اور رزق میں بھی برکت ہوتی ہے۔حدیث کا معاشرتی پہلو یہ ہے کہ صلہ رحمی سے عدل اجتماعی کے قیام میں مدد ملتی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے الہامی ہدایات کے مطابق ایسا نظام عدل قائم کیا جس کی رو سے نہ کوئی فرد بالذات کسی دوسرے فرد سے افضل ہے اور نہ ہی کسی قوم کا اپنے حسب ونسب کی اعتبار سے دیگر اقوام پر فضیلت کا دعویٰ درست ہے۔تمام افراد نسبی طور پر بھائی بھائی اور حسب کے اعتبار سی ایک دوسرے کے برابر ہیں۔اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اقوام اور قبائل برابر ہیں، اختلاف کی غرض محض یہ ہے کہ باہمی تعارف میں آسانی ہو اور لوگ ایک دوسرے سے ربط وتعلق پیدا کریں۔

﴿إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات ۴۹:۱۳)

"ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہیں مختلف گروہوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔اللہ کے نزدیک تم میں برتر وہی لوگ ہیں جو زیادہ تقویٰ شعار ہوں۔"

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى. (۲۳)

"اے لوگو تمہارا رب اور باپ ایک ہے، خبردار ماسوائے تقوا کے نہ یہی کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی کوئی فوقیت حاصل ہے اور نہ ہی کسی گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت ہے۔"

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے ماسوائے تقویٰ اور عمل صالح کے، ہر طرح کے امتیاز واحساس تفخر کو ختم کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات کے بارے میں چونکہ اندیشہ تھا کہ آپ ﷺ کی محبت و تعظیم غیر معمولی فضیلت و برتری کی شکل نہ اختیار کر لے، اس لئے قرآن حکیم نے اس حقیقت پر زور دیا ہے کہ محمد ﷺ بھی دیگر انسانوں کی طرح ایک انسان ہیں۔ (۲۴) اسی خدشہ کے پیش نظر آپ ﷺ نے قوم کو تنبیہ فرمائی ہے کہ:

لَا تُطْرُونِی كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُولُوا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ. (۲۵)

''میری تعریف میں ایسے غلو نہ کرنا جیسے نصاریٰ نے عیسیٰؑ کی تعریف میں کیا تھا، میں صرف اللہ کا بندہ اور پیغامبر ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ نے جو نظام عدل اجتماعی قائم فرمایا اس میں کسی بھی سطح پر بھی افراط و تفریط کی اجازت نہیں دی گئی۔ چونکہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ لوگ محمد ﷺ کے گھر والوں کا حد سے زیادہ احترام نہ کرنے لگیں۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے انہیں صاف طور پر آگاہ کر دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی حمایت نہیں کر سکیں گے:

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللّٰهِ لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِينِي مَا شِئْتِ مِنْ مَالِي لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا. (۲۶)

''اے اہل قریش، اے بنو عبد مناف، اے عباس ابن عبد المطلب، اے اللہ کے رسول کی پھوپھی صفیہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ اے فاطمہ بنت محمد میرے مال میں سے جو چاہو لے لو لیکن میں اللہ تعالیٰ کے حضو تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے معاشرتی زندگی کے ہر پہلو میں پوری مساوات قائم کرنے کی تلقین کی ہے۔ قلب انسانی کو ہر طرح کی احتیاج، خالی خولی مظاہر اور مصنوعی سماجی اقدار کے دباؤ سے آزاد کر کے مساوات کو اصولی طور پر متحقق کر دینے کے بعد اس امر کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی کہ اسلام الفاظ میں اور ظاہری شکلوں کی تعیین کے ساتھ بھی مساوات کا اعلان کرے۔ لیکن اس نے یہ بھی کیا، کیونکہ مساوات اسے بہت عزیز ہے۔ وہ اسے نسل و قبیلہ اور خاندان و مقام کی تنگیوں سے آزاد، مکمل انسانی شکل میں قائم دیکھنا چاہتا ہے کہ مغرب کے مادہ پرست نظاموں کی طرح اس مساوات کا دائرہ صرف اقتصادی امور تک محدود نہ ہو جائے، بلکہ زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہو۔

اسلام میں عدل اجتماعی کی بنیاد پختہ عقائد پر ہے۔ جس طرح عقائد اور عدل اجتماعی کا باہمی تعلق بہت گہرا ہے اسی طرح اسلام کا تصور عبادات بھی نہایت جامع اور عدل اجتماعی کے ساتھ مربوط ہے۔ چنانچہ عبادات محض چند مراسم عبودیت بجالانے کا نام نہیں ہے بلکہ عبادت یہ ہے کہ پوری زندگی اللہ کے قانون کے تابع ہو جائے۔ لہٰذا اخلاص نیت سے کیا جانے والا ہر ایسا کام جس کا تعلق معاشرتی فلاح اور رفاہ عامہ سے ہے، عبادت شمار ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ کی بے شمار احادیث مبارکہ اس

Marfat.com

بات کی تائید میں وارد ہوئی ہیں۔

السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ الْقَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ. (۲۷)

''غریبوں اور بیواؤں کی خدمت کرنے والا وہی درجہ رکھتا ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے، رات بھر نماز پڑھنے اور دن بھر روزہ رکھنے والے کا ہے۔''

قال رسول الله ﷺ الخلق كلهم عيال الله فأحب الخلق إلى الله أنفعهم لعياله. (۲۸)

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے، تو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اس کے عیال کو زیادہ نفع پہنچانے والا ہے۔''

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى. (۲۹)

عدل اجتماعی کا معاشی پہلو:

جس طرح معاشرتی سطح پر کامل انسانی مساوات اور باہمی اخوت کو اولین اہمیت حاصل ہے، اسی طرح سیاسی سطح پر یہی حیثیت حریت اور قانونی و دستوری برابری کو حاصل ہے۔ لیکن موجودہ دنیا میں عدل اجتماعی کا اولین تقاضا جس پر باقی تمام امور کا کلی دارومدار ہے، معاشی عدل اور کم از کم مواقع کے اعتبار سے کامل مساوات ہے۔ اسلام انفرادی سطح پر جو بلند ترین نصب العین عطا کرتا ہے وہ رضائے الٰہی کا حصول اور فلاح اخروی ہے، لیکن جس خطۂ ارضی میں عدل اجتماعی کے برعکس اجتماعی نظام ظالمانہ اور استحصالی ہوگا تو وہاں کے لوگوں میں نہ اپنے خالق و مالک کی معرفت کا شعور رہتا ہے اور نہ ہی انہیں اس کی فرصت ملتی ہے۔ معیشت اور معاشرت دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ کوئی بھی معاشرتی یا سیاسی نظام اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتا جب تک مستحکم معاشی نظام قائم نہ ہو اور اسی طرح معاشی استحکام کے بغیر سیاسی یا معاشرتی استحکام ممکن نہیں ہے۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کا نظام دودھاری تلوار کے مترادف ہے جو معاشرے کو دونوں اطراف سے کاٹتی ہے، کیونکہ اس کے نتیجے میں ایک جانب دولت کا ارتکاز ہو جاتا ہے اور دوسری جانب فقر و فاقہ اور احتیاج کا دور دورہ ہو جاتا ہے جس سے انسان ذلت و پستی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کاد الفقر ان یکون کفراً یعنی قریب ہے کہ فقر و احتیاج کفر کی صورت اختیار کرلیں۔ (۳۰)

رسول اللہ ﷺ نے معاشی عدل کی بنیاد اجتماعی تکافل کے مؤثر نظام پر قائم کی ہے۔ اسلام انفرادی آزادی کو اس کی بہترین شکل عطا کرتا ہے اور اعلیٰ ترین معنی میں انسانی مساوات قائم کرتا ہے۔ اسلام انفرادی آزادی کے بالمقابل انفرادی ذمہ داری کا اصول پیش کرتا ہے اور اس کے پہلو میں اجتماعی ذمہ داری کو جگہ دیتا ہے جس کا بار فرد اور جماعت دونوں پر ہے۔ اس ذمہ داری کو اجتماعی تکافل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ نظام عدل اجتماعی اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتا جب تک فرد اور اس کے اعزہ و اقارب کے مابین بھی تکافل کا اصول پوری طرح کارفرما نہ ہو۔ خاندان سماج کی عمارت کی بنیادی اینٹ ہے۔ باہمی

Marfat.com

کفالت کا نظام انسانی فطرت میں موجود میلانات و رجحانات کے پاکیزہ جذبات کے تقاضوں کی تکمیل پر قائم ہے۔اسلام کا بنایا ہوا یہ نظام ایک خاندان کے مختلف افراد اور یکے بعد دیگرے آنے والی مختلف پشتوں کے درمیان تکافل کا ایک اہم مظہر ہے۔ علاوہ ازیں یہ ضابطہ دولت کو مسلسل تقسیم کرتا رہتا ہے اور اس کو ایک جگہ اتنا زیادہ نہیں جمع ہونے دیتا کہ یہ اجتماع سماج کے لیے ایک خطرہ بن جائے۔ چنانچہ ہر فرد سب سے پہلے اس بات کا مکلّف ہے کہ اس کے ذمہ جو کام ہو اسے بحسن وخوبی انجام دے اور معاشرے کے مصالح کی نگرانی اس طرح ملحوظ رکھے جیسے تنہا اسی کو ان کا محافظ ونگراں بنادیا گیا ہو۔سماج میں ہر فرد بیک وقت نگران بھی ہے اور زیرنگران بھی،اس لئے عدل اجتماعی کے قیام و بقاء کی ذمہ داری سے کوئی فرد بھی بری الذمہ نہیں ہے۔

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالْإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ. (۳۱)

''تم میں ہرایک نگراں ہے اور اس سے اس کے زیردست لوگوں کی بابت باز پرس بھی ہوگی۔''

وأنا وارث من لا وارث له. أعقل عنه وأرثه . (۳۲)

''جس کا کوئی وارث نہ ہو تو میں اس کا وارث بنوں گا، میں اس کی جانب سے دیت بھی دوں گا اور وارث بھی ہوں گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے اجتماعی تکافل کو اس کی تمام ممکنہ شکلوں کے ساتھ قائم فرمایا۔ چنانچہ اسلام فرد کو اس حد تک آزادی عطا کرتا ہے جہاں تک وہ نہ اس کی ذات کے لیے مضر ہو اور نہ جماعت کی راہ میں رکاوٹ بنے۔اسلام جماعت کو اس کے پورے حقوق دیتا ہے لیکن ساتھ ہی اس کو ان حقوق کے مقابلہ میں بہت سی ذمہ داریوں کا مکلّف بھی ٹھہراتا ہے تاکہ زندگی اپنی سیدھی ڈگر پر آگے بڑھتی ہوئی ان بلند مقاصد تک جا پہنچے، جن کے لئے جماعت اور فرد دونوں یکساں طور پر کوشاں ہیں۔

عدل اجتماعی کا قانونی پہلو:

اسلامی تصور عدل کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ وہ ناقابل تنسیخ اور ناقابل ترمیم ہے۔ قانون سازی کا اختیار اللہ تعالی کو ہے۔ قوانین کی حدود مقرر کردی گئی ہیں زمانے کے تقاضوں کے مطابق انہیں حدود کے اندر قانون سازی کی جاسکتی ہے اور قرآن وسنت کے منافی کوئی قانون نہیں بنایا جاسکتا۔سماجی اور قانونی سطح پر بلاتخصیص تمام انسانوں کے لئے کامل مساوات عدل اجتماعی کی اساس اوّل ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾ **(المائدہ ۸:۵)**

''اے ایمان والو عدل وقسط کی گواہی دیتے ہوئے پوری قوت کے ساتھ اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرنے پائے کہ تم عدل سے انحراف کرو ہر حال میں عدل کرو یہی تقوی سے قریب تر ہے۔''

تعلیمات نبوی ﷺ میں حاکم وقت اور عام شہری کوئی بھی قانون سے بالا نہیں ہے۔ قانونی مساوات کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جتنا جرم کیا جائے اتنی ہی سزا دی جائے اور اسی کو سزا دی جائے جس نے جرم کا ارتکاب کیا ہے اسلام نے ایک

Marfat.com

آفاقی اصول دیا ہے۔ اسلام کے نظام عدل اجتماعی کا مقصود یہ ہے کہ معاشرہ کے افراد برابر کے حقوق کے مالک ہوں اور ان کے درمیان تباہ کن اختلافات بالکل پیدا نہ ہوں اگر پیدا ہوں تو ترقی نہ کریں۔ اسلام کے نظام عدل میں عدالت حاکم وقت سے لے کر عام شہری تک ہر ایک کو جواب دہی کے لیے طلب کر سکتی ہے اور قانون کے مطابق سزا بھی دے سکتی ہے۔ یہ قاضی کی ہے بلکہ قانون کی بالادستی ہے جو خود قاضی پر بھی نافذ ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے اولاد آدم کے حقوق کی مساوات کا اعلان کیا، قانون کی بالاتری قائم کی اور طاقتور اور کمزور کے لیے یکساں احکام نافذ کئے۔ قریش کے قبیلہ بنومخزوم کی ایک عورت فاطمہ بنت اسود سے چوری کا جرم سرزد ہو گیا تو سزا میں تخفیف کی سفارش کے لئے اسامہ بن زیدؓ کو بھیجا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور متغیر ہو گیا اور فرمایا تم خدا کی مقرر کردہ حد کو معاف کرنے کی سفارش کرتے ہو اور پھر خطبہ ارشاد فرمایا۔

يا أيّها النّاس إنّما ضلّ من كان قبلكم انهم كانوا اذا سرق الشريف تركوه واذا سرق الضعيف فيهم اقاموا عليه الحد وأيم الله لو ان فاطمة بنت محمد ﷺ سرقت لقطعت يدها. (۳۳)

''اے لوگو تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے گمراہ ہوئے کہ جب کوئی طاقتور چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور اگر کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کر دیتے، خدا کی قسم اگر فاطمہ بنتِ محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''

عبداللہ بن جبیر خزاعیؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک شاخ یا مسواک تھی جس سے ایک شخص کے پیٹ میں معمولی خراش آ گئی تو اس نے آپ ﷺ سے کہا کہ مجھے بدلہ لینے کی اجازت دیں۔ آپ ﷺ نے وہی شاخ اس کے ہاتھ میں دی اور فرمایا بدلہ لے لو۔ اس شخص نے آپ ﷺ کا پیٹ چوما اور کہا میں نے آپ ﷺ کو معاف کیا امید ہے آپ ﷺ قیامت کے روز میری شفاعت کریں گے۔ (۳۴) رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے ایک شخص کے پیٹ میں چوٹ آ گئی تو آپ ﷺ نے اس سے کہا آؤ بدلہ لے لو اس شخص نے آپ ﷺ کی ناف کا بوسہ لے کر اس چھڑی کو پھینک دیا اور کہا کہ اے اللہ کے نبی ''میرا یہی مقصد تھا کہ ہم آپ ﷺ کے بعد ظالموں کی سرکوبی کر سکیں اور ان سے اپنا بدلہ لے سکیں۔'' (۳۵)

معاشرے میں سرکش اور عادی مجرم بھی ہوتے ہیں اور شریف النفس بھی۔ عفو و درگذر سے مجرم اور زیادہ دلیر ہو جاتے ہیں اور ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور کہیں عفو و درگذر سزا دینے سے زیادہ مؤثر اور اصلاح کے کام میں کارگر ثابت ہوتا ہے شر پسند افراد کو راہ راست پر لانے کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے میں عدل و انصاف پر مبنی قواعد وضوابط ہوں، جرائم پیشہ افراد کے لیے سزا کا تعین ہو تاکہ شر پسند افراد پر امن شہریوں کا امن وسکون برباد نہ کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے قانون عدل کو جماعت اور حکومت کے ہاتھ میں اس لئے دیا ہے کہ یہ کسی ایک شخص کا کام نہیں ہے۔ قانون عدل پر ہی جماعت اور حکومت کا نظام قائم ہے، اس کے عدم وجود سے حکومت کا شیرازہ بکھر جائے اور کسی کی جان و مال و آبرو سلامت نہ رہے گی، لہٰذا عدل اجتماعی کے قیام و بقاء کے لئے ضروری ہے کہ انسانی جان کے تقدس کو پامال نہ ہونے دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے قصاص کا اہم اصول بیان فرما کر اسے انسانیت کے لئے زندگی قرار دیا ہے:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرة ۲:۱۷۹)

''اور اے عقلمندو تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے تا کہ تم (خونریزی سے) بچو۔''

اسلام کے تصور عدل اجتماعی میں نرمی اور سختی دونوں پہلو ہیں، جرم ثابت ہونے پر مجرم پر ترس کھانے کو معیوب قرار دیا گیا ہے۔ حدود کے معاملے میں عفو و درگزر تو درکنار، نرمی کرنا بھی موجب عتابِ خداوندی ہے۔ یہ سختی اس لئے کہ اس کے بغیر عدل اجتماعی کا قیام ممکن نہیں ہے۔

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ﴾ (النور ۲۴:۲)

''زانی اور زانیہ (غیر شادی شدہ) میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور تمہیں ان پر اللہ کے معاملے میں ہرگز ترس نہ آئے''۔

جہاں تک حقوق العباد کا تعلق ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ نے عفو و درگزر اور احسان کا معاملہ کرنے کی تلقین کی ہے۔ حتی کہ حدود میں بھی جرم ثابت ہونے سے قبل نرمی کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا مندرجہ ذیل قول متعدد کتب حدیث میں موجود ہے۔

عن عائشة رضی اللّٰه عنهاقالت، قال رسول اللّٰه ﷺ ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان کان له مخرج فخلوا سبیله فان الامام ان یخطئ فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبة۔ (۳۶)

''عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس حد تک ممکن ہو مسلمانوں سے حدود کو ساقط کرو، اگر بچنے کی کوئی صورت ہو تو اس کو چھوڑ دو، کسی حاکم کا معافی میں غلطی کرنا سزا میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔''

مذکورہ بالا ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ عفو و احسان کا مقام قانون عقوبت سے بلند ہے لیکن ان سب باتوں کے باوجود جب قانون عدل حرکت میں آتا ہے تو پوری سختی اور شدت کے ساتھ آتا ہے۔ نظام عدل اجتماعی کے قیام و بقاء کے لئے ضروری ہے کہ حدود و تعزیرات کے مؤثر نظام کو نافذ کیا جائے۔ اگرچہ مملکت خداداد پاکستان میں بھی قرآن و سنت پر مبنی حدود کا نظام حدود آرڈیننس کے نام سے نافذ العمل ہے تاہم بوجوہ اس پر اس کی روح کے مطابق عمل نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے اس نظام کے فیوض و برکات حاصل نہیں ہو سکے۔

عدل اجتماعی کا سیاسی پہلو:

سیاست فطرت انسانی کا تقاضا اور انبیاء کرامؑ کی سنت ہے۔ درحقیقت عدل اجتماعی کے کسی تصور کو اس وقت تک قیام و بقاء نصیب نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے پیچھے نہ صرف عدل اجتماعی کی ضرورت کا شدید احساس ہو بلکہ گہرے شعور کے ساتھ یہ بھی یقین ہو کہ اس طرح ایک اعلیٰ انسانی مقصد تک پہنچنا ممکن ہو سکے گا۔ ساتھ ہی مادی حالات ایسے ہونے چاہئیں کہ فرد اس

Marfat.com

نظام عدل سے وابستہ رہنے، اوراس کی حفاظت پر کمر بستہ ہوں۔محض قانون سازی کے ذریعےم عدل اجتماعی کا قیام مشکل ہے۔ ایسی قانون سازی اگر عمل میں آ بھی جائے تو سماج ان قوانین کے برقرار رکھنے اور انہیں پوری طرح نافذ کرنے پر قادر نہ ہو سکے گا۔ضروری ہے کہ افراد کے اندر ایسے پختہ عقائد موجوں ہوں جو نظام عدل اجتماعی کی تائید کریں، اور خارجی حالات بھی ایسے ہوں کہ اس کا قیام عملاً ممکن ہو سکے۔اس مقصد کے لئے انبیاء کرام نے سیاسی امور میں نہ صرف عملی حصہ بلکہ اس کے اصول بھی متعین کئے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ. (۳۷)

''بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کے ہاتھ میں ہوتی تھی، جب ایک نبی کا انتقال ہو جاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی آجاتا، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور میرے خلفاء موجود ہوں گے۔''

سیاسی سطح پر عدل اجتماعی کا بنیادی تقاضایہ ہے کہ ہر انسان کو بنیادی طور پر آزاد تسلیم کیا جائے۔رسول اللہ ﷺ نے سیاسی سطح پر حق حریت کو تسلیم کرتے ہوئے عوام الناس کو نہ صرف مذہبی و سیاسی آزادی کا حق دیا بلکہ اجتماعی معاملات میں شوریٰ کا طریقہ وضع کیا گیا ہے۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں اور مدینہ کے دیگر قبائل کے مابین جو معاہدہ (میثاق مدینہ) کیا اس میں تمام قبائل کو نہ صرف مذہبی اور سیاسی آزادی دی بلکہ آخر وقت تک اس معاہدے کا پاس بھی رکھا۔ (۳۸) آپ ﷺ نے عدل اجتماعی پر مبنی ایسا معاشرہ قائم کیا جس سے بلا تخصیص مذہب وجنس سب فیض یاب ہوئے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک پادری نے اپنے ایک دوست کے نام خط لکھا کہ:

یہ طائی (عرب) جنہیں خدا نے آج کل حکومت عطا فرمائی ہے اور یہ ہمارے مالک بن بیٹھے ہیں لیکن اس کے باوصف یہ لوگ عیسائی مذہب سے بالکل برسر پیکار نہیں ہیں بلکہ اس کے برعکس یہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور کلیساؤں کو جاگیریں عطا کرتے ہیں۔ (۳۹)

رسول اللہ ﷺ نے بحیثیت حکمران دیگر قبائل اور اقوام جو معاہدات کئے وہ آپ ﷺ کی سیاسی بصیرت اور معاملہ فہمی کی ایسی تاریخی دستاویز ہیں جن سے مذہبی رواداری، احترام آدمیت، تحمل و بردباری اور برداشت کا پتہ چلتا ہے۔عدل اجتماعی اور انسانی رواداری کی ایسی ہی تاریخی دستاویزات میں سے ایک وہ معاہدہ بھی ہے جو آپ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔آپ ﷺ نے تحریر فرمایا کہ:

نجران اور اس کے اطراف کے باشندوں کی جانیں، مذہب، زمینیں، اموال، غائب و حاضر، قافلے، قاصد اور مورتیں سب اللہ کی امان اور اس کے رسول کی ضمانت میں ہیں۔ان کی موجودہ حالت میں کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا۔نہ ان کے حقوق میں دخل اندازی کی جائے گی اور نہ مورتیں بگاڑی جائیں گی۔کوئی پادری اپنی پادریت سے، کوئی اسقف اپنی اسقفیت سے، کوئی راہب اپنی راہبانیت سے اور کنیسہ کا کوئی منتظم اپنے عہدے سے نہیں ہٹایا جائے گا۔ان کے قبضے میں کم یا زیادہ جو بھی ہے وہ اسی

Marfat.com

طرح رہے گا۔ زمانہ جاہلیت کے ان کے کسی جرم یا خون کا بدلہ نہیں لیا جائے گا، نہ ظلم کرنے دیا جائے گا اور نہ ان پر ظلم ہوگا۔ ان میں سے جو شخص سود کھائے گا وہ میری ضمانت سے بری ہے۔ اس صحیفے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے ایفاء کے بارے میں اللہ اور محمد ﷺ کی ذمہ داری ہے، یہاں تک کہ خدا کوئی دوسرا حکم نازل کردے۔ جب تک وہ لوگ مسلمانوں کے خیر خواہ رہیں گے ان کے ساتھ جو شرائط طے کی گئی ہیں ہم ان کی پابندی کریں گے اور ان کو ظلماً کسی بات پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ (۴۰)

مذکورہ شرائط اس سند نامے کی ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے عیسائیوں کو عطا کی تھی۔ سیاسی و مذہبی سطح پر حریت اور آزادیٔ ضمیر سے متعلق یہ ایک ایسی وقیع اور عظیم الشان یادگار ہے جو نہ صرف قرون اولیٰ میں عدل اجتماعی کے قیام و بقاء کا سبب بنی بلکہ موجودہ دور میں بھی اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے نظام عدل اجتماعی قائم کیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عدل اجتماعی کی مثال سمندر میں رواں ایسی کشتی سے دی ہے جس میں سوار ہر شخص اس کی سلامتی کا ذمہ دار ہے اور کسی کو انفرادی آزادی کے نام پر اپنی جگہ پر سوراخ کر دینے کا حق نہیں ہے۔ (۴۱) اس تمثیل میں بڑی عمدگی کے ساتھ یہ بیان کیا گیا ہے کہ فرد اور جماعت دونوں پر ایسے حالات میں کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے افراد کے مفادات و مصالح کے باہم مربوط اور ایک دوسرے پر منحصر ہونے کی ایسی عمدہ اور اچھوتی تصویر پیش کی ہے جو اس انفرادیت پسندانہ طرز فکر کے مقابلے میں پیش کی گئی ہے۔

عدل اجتماعی کے قیام و بقاء کے لئے ریاست وحکومت کا کردار:

عدل اجتماعی پر گفتگو طرز حکومت پر گفتگو کیے بغیر مکمل ہو ہی نہیں سکتی۔ بحیثیت دین اسلام کی اعلیٰ ترین قدر سماجی اور تمدنی انصاف ہے۔ اقامت دین کا اصل ہدف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ متوازن نظام عدل اجتماعی (system of social justice) قائم کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے عدل اجتماعی کے قیام کے لئے اصلاحی کوششوں کو سطح تک محدود رکھنے کی بجائے قلب وضمیر کی گہرائیوں کو ان کا اصلی ہدف قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے انسانی جسم کی فعالیت میں دل کے کردار کو مرکزی قرار دیا ہے اور اس کی درستگی پر پورے بدن کی اصلاح موقوف ہے، (۴۲) اسی طرح عدل اجتماعی کے قیام و بقاء کے لئے ریاست کے بنیادی ڈھانچہ کی اصلاح ناگزیر ہے۔ آپ ﷺ کے پیش نظر چونکہ کامل عدل اجتماعی کا قیام تھا لہذا آپ ﷺ نے یہ گوارا نہ کیا کہ محض اقتصادی عدل کا محدود نظام بن کر رہ جائے اور یہ بھی مناسب نہیں سمجھا کہ قانونی ذمہ داری ہی اس عدل کے قیام کا واحد سہارا ہو۔ چنانچہ آپ ﷺ نے نظام عدل کو ایک وسیع اور ہمہ گیر نظام عدل اجتماعی کی شکل دی اور اسے مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔ قرآن حکیم میں آپ ﷺ کا مقصد بعثت ہی نظام عدل اجتماعی کا قیام بتایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ﴾ (الحدید ۵۷:۲۵)

''ہم نے اپنے رُسولوں کو واضح نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔''

Marfat.com

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ مذکورہ آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انبیاء کرامؑ کے مشن کو بیان کرنے کے معاً بعد یہ فرمانا کہ ہم نے لوہا نازل کیا جس میں بڑا زور اور لوگوں کے لئے منافع ہیں، خود بخود اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہاں لوہے سے مراد سیاسی اور جنگی قوت ہے اور کلام کا مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو قیام عدل کی محض ایک اسکیم پیش کر دینے کے لئے مبعوث نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ بات بھی ان کے مشن میں شامل تھی کہ اس کو عملاً نافذ کرنے کی کوشش کی جائے اور وہ قوت فراہم کی جائے جس سے فی الواقع عدل قائم ہو سکے، اسے درہم برہم کرنے والوں کو سزا دی جا سکے اور اس کی مزاحمت کرنے والوں کا زور توڑا جا سکے۔ (۴۳)

قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ کا مقصد بعثت ہی یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو ہدایت اور دین حق یعنی نظام عدل آپ ﷺ کو دے کر مبعوث کیا گیا ہے اسے پورے نظام زندگی پر بالفعل قائم کر دیں۔ (۴۴) عدل و قسط پر مبنی نظام کے قیام کے لئے خارج میں ایک ایسی قوت کا وجود ناگزیر ہے جو مزاحمت کی صورت میں اس کی پشت پناہی کرے۔ اسلام کا نظام عدل روحانی اور مادی دونوں طرح کی اقدار پر حاوی ہے اور دونوں کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کر کے نافذ کرتا ہے، اس کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ حاکمیت صرف اللہ کی ہے اور وہی شریعت وضع کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، الوہیت اور حاکمیت تسلیم کر لینے کے بعد اسلام میں نظام حکومت مندرجہ ذیل تین بنیادی اصولوں پر مبنی ہے:

i- حکام کی جانب سے عدل اجتماعی کا قیام۔

ii- محکومین کی جانب سے معروف کی اطاعت۔

iii- حاکم اور محکوم کے مابین باہمی مشاورت۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ خلافت الٰہی اور نیابت خداوندی کے ساتھ پہلا فریضہ جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے سپرد کیا ہے وہ لوگوں کے درمیان حق اور انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تنفیذ ایک مستحکم اور صالح ریاست کے قیام سے ہی ممکن ہے۔ عدل اجتماعی پر مبنی ایسا نظام قائم کرنا امت مسلمہ کی اجتماعی ذمہ داری ہے جو لوگوں کی جان، مال، عزت و آبرو کی حفاظت کرے اور لوگوں کو قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارنے کا ماحول فراہم کرے۔ اسلام نے اپنی پوری تاریخ میں عدل اجتماعی پر مبنی نظام کی اہمیت کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا۔ تمام انبیاء کرامؑ وقت کی اجتماعی قوت کو اس کے تابع کرنے، اور زندگی کے ہر شعبہ کی اصلاح کے لئے جدوجہد کرتے رہے تاکہ خدا کی زمین پر خدا کا دین قائم ہو اور اسی کا قانون جاری و ساری ہو۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت محمد ﷺ نے باقاعدہ اسلامی ریاست اور اس میں ایک معیاری نظام حکومت قائم فرمایا، اس لئے کہ سیاسی استحکام کے بغیر مقاصد شریعت کا حصول ممکن ہی نہیں ہے۔

محکومین کی جانب سے اطاعت، حکمران کے اس اعتراف پر ہے کہ حکمرانی صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اس وقت تک ہے جب تک یہ وصف برقرار ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ، رسول اور اولی الامر کی اطاعت کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ (۴۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم کی اطاعت اس لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرے اور

Marfat.com

قرآن وسنت کا پاسبان بن کر حکومت کرے۔ اگر کوئی حاکم حدوداللہ سے تجاوز کرے اور معصیت کا حکم دے تو ایسے حاکم اطاعت لازم نہیں۔

عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ. (۵۶)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان کے لئے اولی لامر کی سمع و اطاعت لازم ہے خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند۔مگر جب اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو سمع و اطاعت لازم نہیں۔''

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَإِنْ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ. (۴۷)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حکم سنو اور اس کی تعمیل کرو،خواہ تم پر ایسا حبشی حاکم بنا دیا جائے جس کا سر کشمش کی مانند ہو۔''

عدل اجتماعی کے قیام و بقاء کے ضروری ہے کہ حاکم حدوداللہ کو قائم رکھیں،محکومین اطاعت کریں اور اجتماعی معاملات باہمی مشاورت سے طے کریں۔چنانچہ جن امور میں وحی کے ذریعے رہنمائی نہ کر دی جاتی تو ان میں رسول اللہ ﷺ مسلمانوں سے مشورہ کرتے تھے۔

قال رسول الله ﷺ إذا كان أمراؤكم خياركم وأغنياؤكم سمحاء كم وأمور كم شورى بينكم فظهر الأرض خير لكم من بطنها وإذا كان أمراؤكم شراركم وأغنياؤكم بخلاء كم وأموركم إلى نسائكم فبطن الأرض خير لكم من ظهرها. (۴۸)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہارے حاکم تم میں سے بہترین لوگ ہوں،تمہارے مال دار سخی ہوں اور تمہارے معاملات باہم مشاورت سے طے ہوں تو زمین کی پیٹھ اس کے پیٹ سے بہتر ہے،اور اگر تمہارے حاکم برے ہوں تمہارے مال دار بخیل ہوں اور معاملات عورتوں کے سپرد کر دیئے جائیں تو زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے بہتر ہے۔''

عدل اجتماعی کے قیام میں ریاست وحکومت کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا سکھائی ہے کہ ''اے پروردگار مجھ کو جہاں بھی تو داخل کر سچائی کے ساتھ داخل فرما اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔'' (۴۹) مطلب یہ کہ اے پروردگار یا تو مجھے خود اقتدار عطا کر یا کسی حکومت کو میرا مددگار بنا دے تاکہ اس کی طاقت سے میں دنیا کے بگاڑ کو درست کرسکوں،فواحش اور معاصی کے سیلاب کو روک سکوں اور تیرے قانون عدل کو جاری کر سکوں،رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان اللہ لیزع بالسلطان ما لا یزع بالقرآن ''اللہ تعالیٰ حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سد باب کر دیتا ہے جن کا سد باب قرآن سے نہیں۔ (۵۰) لہذا اقامت دین اور عدل اجتماعی کے قیام کے لئے حکومت چاہنا اور اس کے حصول کی کوشش کرنا نہ صرف جائز بلکہ مطلوب ومندوب ہے۔عدل

Marfat.com

اجتماعی کے قیام کی تمام کاوشیں اسی صورت میں بارآور ثابت ہوسکتی ہیں جب کوئی منظم حکومت اس جدوجہد کی پشت پناہی کے لئے موجود ہو۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے دین وسیاست کی دوئی کے تصور کو ختم کر دیا اور فرمایا کہ:

الاسلام والسلطان اخوان توأمان لا یصلح واحد منهما الا بصاحب، فالاسلام اسّ والسلطان حارس وما لا اس له منهدم وما لا حارس له ضائع (۵۱)

''اسلام اور حکومت دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہوسکتا۔ اسلام کی مثال ایک عمارت اور حکومت کی نگہبان کی ہے جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔''

گویا ریاست کا سب سے بڑا مقصد عدل اجتماعی کا قیام ہے۔ اگر ریاست اجتماعی عدل قائم نہ کرسکے تو وہ ناکام ریاست ہے۔ عدل اجتماعی کا قیام و بقاء صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ریاست کی قوت بھی خدا کے احکام کے تابع ہو اور زندگی کے تمام معاملات شریعت کی روشنی میں طے پائیں۔ حکومت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مکمل اطاعت کرتے ہوئے اس پورے عمل کی نگران و محافظ ہو، اور اس کی مجموعی قوت نظام عدل کے قیام کے لئے وقف ہو۔ بالفاظ دیگر عدل اجتماعی کا قیام اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

معاشی سطح پر عدل، قانونی سطح پر کامل مساوات اور سیاسی سطح پر حریت کے نتیجے میں رسول اللہ ﷺ نے عدل اجتماعی پر مبنی ایسا معاشرہ تشکیل دیا جس کا اعتراف مستشرقین نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ ایچ جی ویلز عدل اجتماعی کے حوالے سے آپ ﷺ کو شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہوا۔ خطبہ حجۃ الوداع کے کچھ اقتباسات نقل کرنے کے بعد موصوف لکھتا ہے کہ:

انسانی حریت، اخوت اور مساوات کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی کہے گئے تھے لیکن اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ ان اصولوں پر بالفعل ایک معاشرہ تاریخ انسانی میں پہلی بار محمد (ﷺ) نے قائم کیا۔ (۵۲)

پاکستان میں عدل اجتماعی کا قیام - تجاویز وسفارشات۔

قیام پاکستان کا بنیادی مقصد ایک ایسی مملکت کا حصول تھا جس میں اسلام کی آفاقی تعلیمات کو عصری تناظر میں نافذ کیا جا سکے۔

عالم اسلام میں صرف ایک مملکت خداداد پاکستان ہی ایک ایسی ریاست ہے جو خالصتاً اسلام کے نام پر حاصل کی گئی ہے۔ پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ کا جو نعرہ قیام پاکستان کے وقت لگایا گیا تھا وہ آج بھی زبان زد عام ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں قانون سازی کا عمل قیام پاکستان کے روز اول سے ہی کسی نہ کسی صورت میں جاری ہے۔ بعض لوگوں کا یہ تأثر درست نہیں ہے کہ اس سلسلے میں کوئی پیش رفت ہی نہیں ہوئی۔ جتنا کام ہوا ہے وہ بہت تھوڑا ہے اور اس کے مقابلہ میں جتنا کام ابھی کیا جانا باقی ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ لہٰذا نظام عدل کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ قیام پاکستان کے مقاصد کی تکمیل کی جائے۔

پاکستان میں عدل اجتماعی کے قیام کے لئے اسلام کی آفاقی تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کے فرمودات کے مطابق

Marfat.com

قانونی انصاف کی فراہمی کو افضل عمل کی حیثیت سے معاشرتی زندگی میں عملی شکل دینے کی ضرورت ہے۔اس وقت ملک کے تمام ادارے سخت اضمحلال کا شکار ہیں لیکن جس ادارے کی اصلاح کی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ فکر کرنی چاہیے وہ عدلیہ کا ادارہ ہے۔پولیس کی بدعنوانی اپنی جگہ لیکن عدلیہ کا ادارہ جس حد تک انصاف فراہم کرنے اور اپنے آپ کو مفادات، با اثر عناصر کے دباؤ اور خود حکومت وقت کی دراندازیوں سے بالا رکھ کر قیام عدل کے لئے جو کردار ادا کرسکتا ہے وہ اس میں کامیاب نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ عوام کا اعتماد پورے نظام عدل پر، نچلی سطح سے لے کر اعلیٰ ترین سطح تک بری طرح مجروح ہوا ہے۔عدلیہ کا وقار بحال کرنے کے لئے نہ صرف عدلیہ کو انتظامیہ سے مکمل طور پر آزاد کرنے اور ججوں کی تعداد میں اضافے کی ضرورت ہے، بلکہ ججوں کی مدت ملازمت پر بھی معروضی انداز میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔ مدت ملازمت مکمل ہونے کے بعد مختلف بالمعاوضہ ذمہ داریوں کے لئے ان کے دستیاب ہونے کے بھی اچھے نتائج سامنے نہیں آتے۔ ماضی میں جج حضرات میں سے کچھ نے جس طرح قانون اور عدل پر سیاسی اثرات کو قبول کیا وہ عدلیہ پر عوام کے اعتماد کو مجروح کرنے کا ذریعہ بنا ہے۔ان اہم معاملات میں آداب و روایات کی ذمہ داری خود عدلیہ پر عائد ہوتی ہے تا کہ اس کا کردار ہر طرح کی انگشت نمائی سے بالا رہے۔

عہد حاضر میں عدل اجتماعی کا اولین اور اہم ترین تقاضا معاشی عدل اور اقتصادی انصاف ہے۔پاکستان ایک زرعی معیشت کا حامل ملک ہے لہٰذا یہاں معاشی جبر اوراستحصال کا سب سے بڑا مظہر مروّجہ جاگیردارانہ نظام ہے جس کی موجودگی میں عدل اجتماعی کے قیام کی کوئی کوشش بارآور ثابت نہیں ہوسکتی۔حضرت عمرؓ کی اجتہادی بصیرت سے استفادہ کرتے ہوئے جاگیردارانہ نظام کو محدود کرنے کی ضرورت ہے۔

عدل اجتماعی کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے ہر پاکستانی پہلے اپنے وجود پر عدل کا نفاذ کرے، اپنے گھر اور تربیت اولاد کو عدل اجتماعی کے قیام کے لئے اولین اہمیت دے۔ جب معاشرے کا ہر فرد امانت و دیانت کا عملی نمونہ پیش کرے گا تو یقیناً ایک صالح معاشرہ وجود میں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں خلافت ارضی کا وعدہ صرف ان لوگوں سے کیا ہے جو ایمان لائیں اور عمل صالح کریں۔لہذا رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل تبدیلی نظام اور اصلاح احوال کے لئے بنیادی شرط ہے۔

پاکستان میں عدل اجتماعی کا قیام مخلص اور ایماندار قیادت کے بغیر ممکن نہیں ہے، مروّجہ ناقص جمہوری نظام کی بدولت صالح قیادت کا قانون ساز اداروں میں پہنچنا تقریباً ناممکن ہے۔اس مقصد کے لئے نہ صرف نظام تعلیم کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے بلکہ انتخابات کے طریقہ کو شفاف بنانے اور اس سے متعلقہ دستور پاکستان کی دفعات اور اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر سختی سے عمل درآمد کرنے کی ضرورت ہے۔

مصادر و مراجع

١- ابن منظور ابو الفضل جمال الدين محمد بن مكرم ،لسان العرب ،بذيل ماده عدل ،دار صادر بيروت ،١١/ ٤٣٠...... ٢- أيضاً ، ٩/ ٨٣...... ٣- الراغب الاصفهاني ،الحسين بن محمد ،مفردات فی غريب القرآن ،كتاب

Marfat.com

العین بذیل مادہ عدل ، دارقلم ،دمشق ،۱۹۹۲ء ،ص۵۲۲۔۔۔۔۔۔ ۴- السید الشریف ،علی بن محمد بن علی ،التعریفات ،کتاب العین ،فصل الدال ،عالم الکتب بیروت ،۱۹۹۶ء ،ص ۱۹۲۔۔۔۔۔۔ ۵- ابو البقاء الحسینی ،کلیات العلوم ،فصل العین ،مطبوعۃ مامر ،۱۲۸۷ھ ،ص ۶۴۔۔۔۔۔۔ ۶- العینی ،بدرالدین ابو محمدمحمود بن أحمد ، عمدۃ القاری ، دارالحدیث ،بیروت بوہڑگیٹ ،ملتان ،۲۸۱/۹۔۔۔۔۔۔ ۷- علی حیدر ،دررالحکام شرح مجلۃالأحکام ،المادۃ ۱۷۰ ،دارالکتب العلمیۃ بیروت ،۱۹۹۱ء ،۳۰۵/۱۵۔۔۔۔۔۔ ۸- Charles Smith,Twentieth Century Encyclopidia,4/173. ...... ۹- Roth,The Standard Jewiesj Encyclopidia ,1084 ...... ۱۰- دانش گاہ پنجاب ،اردو دائرہ معارف اسلامیہ ، بذیل مادہ عدل ،طبع اول ۱۹۷۶ء ،۴/۱۳۰۔۔۔۔۔۔ ۱۱- التین ۹۵:۸۔۔۔۔۔۔ ۱۲- طہ ۱۲۰:۲۰۔۔۔۔۔۔ ۱۳- دیکھئے: مودودی ، سید ابوالاعلیٰ ،اسلامی ریاست ،اسلامک پبلیکیشنز لاہور ، ۱۹۹۵ء ، ص۶۰۶۔۔۔۔۔۔ ۱۴- الترمذی ، محمد بن عیسی أبو عیسی ،جامع الترمذی ،کتاب الدعوات ،باب حدیث فی اسماء الحسنیٰ ،موسوعۃ الحدیث الشریف للکتب الستۃ ،دارالسلام للنشر والتوزیع ،۲۰۰۸ء /۱۴۲۹ھ ،رقم ۳۵۰۷ ؛ البیہقی ،أبو بکر أحمد بن الحسین بن علی ،السنن الکبری ،مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ الکائنۃ ،حیدر آباد ، الھندالطبعۃ الأولی ، 1344ھ ،رقم ۲۰۳۱۲۔۔۔۔۔۔ ۱۵۔ ابن القیم الجوزیہ ، الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ ، طبع مصر ،۱۹۶۱ ،ص ۱۷۔۔۔۔۔۔ ۱۶- البخاری ،أبو عبد اللہ محمد بن إسماعیل ،صحیح البخاری ،کتاب الآذان ،بَاب مَنْ جَلَسَ فِی الْمَسْجِدِ یَنْتَظِرُ الصَّلَاۃ ، موسوعۃ الحدیث الشریف للکتب الستۃ ،دارالسلام للنشر والتوزیع ،۲۰۰۸ء /۱۴۲۹ھ ، رقم ۶۶۰۔۔۔۔۔۔ ۱۷- مسلم بن الحجاج أبوالحسین القشیری ، صحیح مسلم ،کتاب الآمارۃ ، باب فضیلۃ الإمام العادل ، موسوعۃ الحدیث الشریف للکتب الستۃ ،دارالسلام للنشر والتوزیع ،۲۰۰۸ء /۱۴۲۹ھ ،رقم۴۷۲۱۔۔۔۔۔۔ ۱۸- الترمذی ،ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ،جامع الترمذی ، أبواب الاحکام ،باب ما جاء فی الامام العادل ،رقم۱۳۲۹۔۔۔۔۔۔ ۱۹- ابن ماجہ ، ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ ،السنن ،کتاب الصیام ، باب فی الصیام لاترد دعوتہ ،موسوعۃ الحدیث الشریف للکتب الستۃ ،دارالسلام للنشر والتوزیع ،۲۰۰۸ء /۱۴۲۹ھ ، رقم ۱۷۵۲۔۔۔۔۔۔ ۲۰- صحیح البخاری ، کتاب الاحکام ، بَاب اجر من قضی بالحکمۃ ، رقم۷۱۴۱۔۔۔۔۔۔ ۲۱- الکھف ۱۸:۱۱۰۔۔۔۔۔۔ ۲۲- صحیح البخاری ،کِتَاب الِاعْتِصَامِ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ ،بَاب مَنْ بُسِطَ لَهُ فِی الرِّزْقِ بِصِلَۃِ الرَّحِمِ ،رقم ۵۹۸۶۔۔۔۔۔۔ ۲۳- الترمذی ، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ،جامع الترمذی ،ابواب تفسیرالقرآن ،باب من سورۃ الحجرات ، رقم ۲۰۷۰۔۔۔۔۔۔ ۲۴- أحمد بن حنبل ، مسند الإمام أحمد بن حنبل ،المحقق شعیب الأرنؤوط وآخرون ،مؤسسۃ الرسالۃ ، 1420ھ ، 1999ء۔۔۔۔۔۔ ۲۵- صحیح البخاری ، کتاب الأنبیاء ،باب واذکر فی الکتاب مریم ،رقم ۳۴۴۵۔۔۔۔۔۔ ۲۶- أیضاً ،کتاب الوصایا ،باب هل یدخل النساء والولد فی الأقارب ،رقم ۲۸۵۳۔۔۔۔۔۔ ۲۷- صحیح البخاری ،کتاب النفقات ،باب فضل النفقۃ ، رقم۵۳۵۳۔۔۔۔۔۔ ۲۸- نور الدین علی بن أبی بکر الهیثمی ،مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ،أبواب فی قضاء الحوائج ونحوها ،باب فضل قضاء الحوائج ، دار الفکر ، بیروت

Marfat.com

1412ھ ،۳۴۹/۸، رقم ۷۴۰۷۳۔۔۔۔۔ ۲۹- صحیح البخاری ، کِتَاب الْأَدَبِ ،بَاب رَحْمَةِ النَّاسِ وَالْبَهَائِم ، ،رقم۶۰۱۱۔۔۔۔۔ ۳۰- البیهقی ، ا بوبکر احمد بن الحسین ،شعب الایمان ،دارالکتب العلمیة بیروت ، ۱۴۱۰ھ ،رقم ۲۶۱۲ ،۵/ ۲۶۷۔۔۔۔۔ ۳۱- أیضاً ،کتاب الجمعة ،بَاب الجمعة فی القری والمدن ،رقم۸۹۳۔۔۔۔۔ ۳۲- ابن ماجه ،محمد بن یزید أبو عبدالله ، سنن ابن ماجه ، کتاب ابواب الفرائض ،باب ذوی الارحام ، رقم۲۷۳۸۔۔۔۔۔ ۳۳- صحیح مسلم ،کتاب الحدود ، باب قطع السارق الشریف ،رقم ۴۴۱۰۔۔۔۔۔ ۳۴-الهیثمی ، نورالدین علی بن أبی بکر ،مجمع الزوائد ، کتاب الدیات ،دارالکتب العلمیة بیروت ،۱۹۸۸ء ،۲۸۹/۶۔۔۔۔۔ ۳۵- ایضاً۔۔۔۔۔ ۳۶- الترمذی ، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ، جامع الترمذی ، أبواب الحدود ، باب ماجاء فی درء الحدود ،رقم۱۴۲۴۔۔۔۔۔ ۳۷-صحیح البخاری ، کتاب الأنبیاء ، بَاب مَا ذُکِرَ عَنْ بَنِی إِسْرَائِیلَ ، رقم ۳۴۵۵۔۔۔۔۔ ۳۸- دیکھئے: السیرة النبویة ،لابن هشام ،۹۵/۲ ، المکتبة الشاملة۔۔۔۔۔ ۳۹- بحوالہ: عتیق الرحمٰن قریشی ، افکارِ معلم ، مذہب ، معاشرتی امن اور انسانی رواداری ،ستمبر۲۰۱۲ ،ص ۴۸۔۔۔۔۔ ۴۰- محمد مسعد یاقوت ، نبی الرحمة ، الزهراء للإعلام العربی ،الطبعة الأولی 2007 ، القاهرة ،ص ۱۱۲۔۔۔۔۔ ۴۱- صحیح البخاری ،کتاب الشرکة ،بَاب هَلْ یُقْرَعُ فِی الْقِسْمَةِ ،رقم ۲۴۹۳۔۔۔۔۔ ۴۲- صحیح البخاری ،کِتَاب الْإِیمَانِ، بِبَاب فَضْلِ مَنْ اسْتَبْرَأَ لِدِینِهِ، رقم ۵۲ ؛ صحیح مسلم ، المساقاة ، باب أَخْذِ الْحَلَالِ وَتَرْكِ الشُّبُهَاتِ ، رقم ۴۰۹۴۔۔۔۔۔ ۴۳- مودودی ،ابوالاعلیٰ ،سید ،تفہیم القرآن ،ادارہ ترجمان القرآن لاہور ،۲۰۰۰ء ، ۳۲۲/۵۔۔۔۔۔ ۴۴- الصف ۶:۱۹۔۔۔۔۔ ۴۵- النساء۴:۵۹۔۔۔۔۔ ۴۶- صحیح البخاری ،کِتَاب الْأَحْکَامِ ،بِبَاب السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ لِلْإِمَامِ مَا لَمْ تَکُنْ مَعْصِیَةً ، رقم ۷۱۴۴۔۔۔۔۔ ۴۷- ایضاً ،کِتَاب الْأَحْکَامِ ،بِبَاب السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ لِلْإِمَامِ مَا لَمْ تَکُنْ مَعْصِیَةً ، رقم ۷۱۴۲۔۔۔۔۔ ۴۸- جامع الترمذی ، کتاب الفتن عن رسول اللهﷺ ،باب ۷۸ متی یکون ظهر الارض خیرا... ، رقم ۲۲۶۶۔۔۔۔۔ ۴۹- بنی اسرائیل ۱۷: ۸۰۔۔۔۔۔ ۵۰- أحمد بن یحیی بن فضل الله القرشی ، شهاب الدین ، التعریف بالمصطلح الشریف ، بتحقیق محمد حسین شمس الدین ، دار الکتب العلمیة ، بیروت ، الطبعة :الأولی ، ۱۴۰۸ھ ۱۹۹۸ء ، باب والتقالید والتفاویض والتواقیع ،۱۴۰/۱۔ ابن کثیرؒ نے اس حدیث کوالبدایة والنهایة میں اور ابن الاثیرؒ نے جا مع الاصول میں نقل کر کے اسے حضرت عثمانؓ کا قول کہا ہے ،علی المتقیؒ نے کنز العمال میں نقل کیا ہے اور اسے حضرت عمرؓ کا قول کہا ہے۔۔۔۔۔

۵۱- السیوطی ، عبدالرحمٰن بن أبی بکر ،جلال الدین ،جامع الحدیث ،الهمزة مع الیاء ، رقم ۱۰۱۵۶۔۔۔۔۔

۵۲- بحوالہ: ڈاکٹر اسرار احمد ،اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت ، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ،۲۰۰۱ء ،ص ۱۴۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر حافظ عبدالقیوم۔ لاہور

لفظ ''عدل'' سے متعلق لغوی بحث:

العدالة والمعادلة کے لفظ میں مساوات کے معنی پائے جاتے ہیں اور معنی اضافی کے اعتبار سے استعمال ہوتا ہے، یعنی ایک دوسرے کے ہم وزن اور برابر ہونا ہے۔ اور عَدْلٌ و عِدْلٌ کے قریب قریب ایک ہی معنی ہیں۔ لیکن عَدْلٌ کا لفظ معنوی چیزوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے جیسے احکام شرعیہ۔ چناں چہ اسی معنی میں فرمایا: ﴿اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا﴾ ترجمہ: یا اس کے برابر روزے رکھنا۔ اور عِدْلٌ و عدیلٌ کے الفاظ ان چیزوں کے لیے بولے جاتے ہیں جن کا ادراک حواس ظاہرہ سے ہوتا ہے جیسے وہ چیزیں جن کا تعلق ناپ تول یا وزن سے ہوتا ہے پس ''عَدْل'' کے معنی دو چیزوں کا برابر ہونا ہے۔(۲)

اسماعیل بن عباد (م۔۳۸۵ھ) لکھتے ہیں کہ لفظ عدل باللہ کے معنی اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا ہے۔ وعَدَلَ باللّٰهِ: كفر (۳)۔

اسی طرح ''عدل'' کے معنی نظیر، مثل اور قیمت کے بھی ہیں۔ ''عندی عدل شاتك''، یا ''عندی عِدْل غلامِك''۔ میرے پاس تیری بکری کی مانند بکری ہے۔ یا میرے پاس تیرے غلام کی مانند ایک غلام ہے۔ والعدل: المثل. انعدل الطریق کا معنی ''انعرج'' ہوتا ہے کہ ہٹ جانا (۴)۔

علامہ زمخشری (م۔۵۳۸ھ) لکھتے ہیں کہ اہل عرب جب کہتے تھے کہ ''اللّٰهم لا عدل لكَ''۔ تو اس کا مطلب ہوتا تھا کہ اے اللہ آپ کے مثل کوئی نہیں ہے۔ ''أي لا مثل لك''۔ جب کسی پر کفارہ واجب ہوتا تھا تو اہل عرب کہتے تھے کہ علیہ عَدْلُ ذٰلک۔ کہ تم پر کفارہ لازم ہوگیا ہے۔ اسی طرح جب یہ کہا جائے کہ ''ولا قَبِل الله منك عَدْلاً'' کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے فدیہ قبول نہیں کرے گا یعنی ''أي لا فداءَ''۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''ما يَعدِلك عندی شیء'' میرے نزدیک تمہارے مشابہ کوئی چیز نہیں۔ ''أي ما يشبهك''۔ (۵)

ابومنصور محمد بن احمد الأزہری (م۔۳۷۰ھ) تہذیب اللغۃ میں لکھتے ہیں کہ اُموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے لفظ ''عدل'' کے معنی دریافت کرنے کے لیے مشہور تابعی سعید بن مسیّب کی طرف لکھا، تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ لفظ ''عدل'' کے چار معنی ہیں جو قرآن کریم میں بھی آئے ہیں:

الف۔ العدل فی الحکم. فیصلہ کرتے ہوئے عدل ﴿واذا حکمتم بین الناس أن تحکموا بالعدل﴾۔ (۶)

ب۔ العدل فی القول. قول میں عدل۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا﴾۔ (۷)

ج۔ العدل: الفدیة. قال اللہ: ﴿وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ﴾۔ اور اس سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ (۸)

د۔ العدل فی الاشراك. قال اللہ جلّ وعزّ: ﴿وَمِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴾۔ (۹)

Marfat.com

ابو منصور محمد بن احمد الأزہری مزید لکھتے ہیں کہ سعید بن مسیّب سے لفظ ''عدل'' کے یہ معنی بھی روایت کیے گئے ہیں کہ آیت کریمہ ﴿وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ (۱۰) میں لفظ ''عدل'' سے مراد ''ذوی عقل'' ہے۔ (۱۱)

اسی طرح لفظ ''عدل'' کے معنی ''استقامت'' کے بھی ہیں: العدل: الاستقامة. (۱۲)

کہا جاتا ہے کہ ''شرب حتی عدّل أی امتلأ'' کہ فلاں نے اتنا پانی پیا کہ وہ سیر ہو گیا۔ یہاں پر لفظ ''عدّل'' سیر ہونا کے معنی میں ہے۔ (۱۳)

ایڈورڈ لین (Edward Lane) مد القاموس میں لفظ ''عدل'' کے درج ذیل انگریزی معنی لکھتے ہیں:

Justice (Justly), Equity (equitably), Right (Rightly),(14)

یعنی انصاف کے لحاظ سے، مساویانہ اعتبار سے، درست طور پر۔

لفظ ''عدل'' اگرچہ درج بالا تمام معانی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے مگر عدل کے بنیادی معنی جو سامنے آتے ہیں وہ ''اعتدال'' (Moderation) کے ہیں۔ یعنی افراط و تفریط کے درمیان۔ اس طرح ''عدل'' محض ایک لفظ ہی نہیں بلکہ وصف کا نام ہے۔

علم الاضداد اور لفظ ''عدل'':

علم الاضداد میں ان الفاظ کو شمار کیا جاتا ہے جو متضاد معنی رکھتے ہیں۔ لفظ ''عدل'' کا تعلق بھی علم الاضداد سے ہے جو متضاد معنی رکھتا ہے، چناں چہ لفظ ''عدل'' جب باب سمع یسمع سے آئے تو اس کے معنی ''ظلم و جور'' کے ہوتے ہیں۔

اشیا کی تفہیم کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ چیزیں کو ضد سے پہچانا جائے، عربی ادب کا مقولہ ہے کہ ''تعرف الأشیاء بأضدادها''۔ علامہ الازہری تھذیب اللغۃ میں لکھتے ہیں کہ لفظ ''حدل'' یعنی ''ظلم'' کا متضاد لفظ ''عدل'' ہے: حَدْلٌ وضدّه عَدْلٌ۔ یقال: هذا قضاء عَدْلٍ غیر حَدْلٍ، (یہ فیصلہ ظلم پر نہیں بلکہ عدل پر مبنی ہے) (۱۵)۔

لفظ عدل کا استعمال اسلامی روایت میں:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''وَروی عن ابی عبید عن النبی ﷺ حین ذکر المدینة فقال: من أحدث فیها حدثا أو آوی مُحْدِثاً لم یقبل الله منه صَرْفاً ولا عَدْلاً'' جس نے مدینہ منورہ میں حدود اللہ سے تجاوز کیا تو اس سے نہ توبہ قبول کی جائے گی اور نہ ہی فدیہ لیا جائے گا۔ اس روایت میں لفظ ''عدل'' ''فدیہ'' کے معنی میں آیا ہے (۱۶)۔

حضرت عمر فاروق] سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''الحمد لِلّٰه الذی جعلنی فی قومٍ اذا ملتُ عَدَلُونی کما یُعْدَل السهم فی الثقاف أي قوّمونی''۔ کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے ایسی قوم میں پیدا کیا کہ جب میں حد سے تجاوز کرتا ہوں تو مجھے اس طرح سیدھا کر دیتے ہیں جس طرح تیروں کو سیدھا کرنے والے آلہ (مشین) میں تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے۔ اس روایت میں لفظ ''عدل'' قائم کرنے کے معنی میں ہے۔ (۱۷)

ایک عورت نے حجاج بن یوسف مخاطب ہو کر کہتی ہے: یا قاسط یا عادل. اہل لغت کہتے ہیں کہ یہاں لفظ ''قاسط'' اور لفظ ''عادل'' انصاف یا منصف کے معنی میں نہیں بلکہ ''ظالم'' کے معنی میں ہے، اور اس عورت کا اشارہ ان آیات کی طرف

Marfat.com

ہے: ﴿اَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ (۱۸) جو ظلم کرنے والے ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور دوسری آیت یہ ہے: ﴿وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾ (۱۹)(۲۰)۔

لفظ عدل کے مترادفات:

الفاظ کی تفہیم کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ متعلقہ لفظ کو اس کے مترادفات اور متضاد الفاظ کے درمیان رکھ کر دیکھا جائے۔ لفظ عدل کے مترادفات میں درج ذیل الفاظ ملتے ہیں: قسط، وسط، حَکم، وزن، سوی، قضی، قصد وغیرہ۔

لفظ ''قصد'' کے معنی عدل و اعتدال کے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ﴾ (۲۱)، اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ما عال مَن اقتصد'' (۲۲)، جس نے میانہ روی اختیار کی وہ کبھی محتاج نہ ہوا۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں ''الاقتصاد نصف المعیشۃ'' (۲۳)، میانہ روی نصف زندگی ہے۔

لفظ ''الوزن'' کے معنی کسی چیز کی مقدار معلوم کرنے کے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ﴾ (۲۴)، اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو۔ اس آیت کریم میں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ اپنے تمام اقوال و افعال میں عدل و انصاف کو مدنظر رکھو (۲۵)۔

لفظ ''قسط'' بھی مبنی بر عدل حصہ کو کہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ﴾ (۲۶) (تا کہ ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے)۔

لفظ ''وسط'' ''وَسَط الشیء'' ہر چیز کی درمیانی جگہ کو کہتے ہیں۔ جہاں سے اس کے دونوں اطراف کا فاصلہ مساوی ہو۔ دو چیزوں کے درمیان فاصل کو ''وسط'' کہا جاتا ہے۔ ''الوَسَط'' اس چیز کو کہا جاتا ہے جو دو مذموم اطراف کے درمیان واقع ہو یعنی معتدل جو افراط اور تفریط کے بالکل درمیان ہوتا ہے۔ مثلاً لفظ ''جودٌ'' جو اسراف اور بخل کے درمیانی درجہ کا نام ہے۔ اور اعتدال کی مناسبت سے یہ لفظ عَدْلٌ، نَصَفَةٌ، سَوَاءٌ کی طرح ہر عمدہ اور بہترین چیز کے لیے بولا جاتا ہے، مثلاً جو شخص اپنی قوم میں بلحاظِ حسب سب سے بہتر اور اونچے درجہ کا ہو اس کے متعلق کہا جاتا ہے: ''ھٰذا وسطھم حسباً''۔ چنانچہ اسی معنی میں امت مسلمہ کے متعلق قرآن کریم میں آیا ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ (۲۷)۔

قرآن کریم میں لفظ ''عدل'' محض عدالتی فیصلہ جات کے معنی میں نہیں آیا ہے۔ لفظ ''عدل'' کو عدالتی نظام سے مخصوص کرنے سے اس کے معانی میں وسعت نہیں بلکہ محدودیت آجاتی ہے۔ یہ بات ضروری نہیں کہ کسی بھی نزاعی مسئلہ کا فیصلہ کرنے والے کا فیصلہ عدل پر بھی مبنی ہو۔ اسی لیے شاید فیصلہ کرنے والے کو اسلامی تاریخ میں عادل نہیں بلکہ قاضی کہا گیا ہے۔ اسلام نے نظام عدالت نہیں بلکہ نظام قضاء قائم کیا۔ اسلامی تاریخ میں اور احادیث نبویہ میں جس قاضی کو ''عادل'' کہا گیا اس کو صفتِ عدل سے متصف ہونے کی وجہ سے کہا گیا۔

عدالتی مقدمات کے فیصلہ کے لیے الفاظ ''قضی'' اور ''حکم'' مستعمل ہیں۔

اسی طرح عدالتی مقدمات کے فیصلہ کے لیے انگریزی میں لفظ ''Adjudication'' مستعمل ہے۔ جس کے معنی تصفیہ اور فیصلہ کے ہیں۔

Marfat.com

درج بالا بحث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عدل، وسط، قسط، وزن، اور قصد وغیرہ قریب المعنی الفاظ ہیں۔

عدل اجتماعی کا تصوراور اہمیت۔۔۔۔۔قرآن وسنت کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی معرفت کے لیے پیدا کیا ہے۔ تا کہ انسان اللہ کی معرفت حاصل کر کے اپنے آپ کو صفات باری تعالیٰ سے متصف کر سکے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تخلّقوا بأخلاق الله'' کہ اپنے آپ کو اخلاق باری تعالیٰ سے مزین کرو۔ اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات میں سے دو صفات کو بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے:

الف)علم۔ ب) عدل

اللہ تعالیٰ کی صفتِ عدل ہی کے مطابق یہ کائنات معرض وجود میں آئی ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ عدل عالم آفاق اور عالم انفس میں جاری و ساری ہے۔ اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات کے ذکر کے بعد فرماتا ہے کہ اس کائنات میں ذرہ برابر بھی کجی نہ پاؤ گے۔ اس کائنات کی تخلیق عدل پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ﴾(۲۸) تم رحمٰن کی تخلیق میں کجی نہ پاؤ گے۔

امام غزالی (م۔ ۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:

> ''جو شخص اللہ تعالیٰ کے وصف، عدل کو معلوم کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ حتی المقدور اللہ تعالیٰ کے تمام افعال کا علم حاصل کرے حتیٰ کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی آفرینش میں باوجود اپنے مکرر و سہ کرّر غور وفکر کے کسی قسم کی کجی اور قصور نہ پائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کی شان وعظمت اس کو دم بخود بنادے گی۔ اور اس کے کاموں کا اعتدال و انتظام اس کو حیران کر دے گا۔ اس وقت عدل خداوندی کے معانی کا کوئی حصہ اس کے ذہن میں آ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کئی قسم کی جسمانی و روحانی اور کامل و ناقص موجودات بنائی ہیں۔ اور ہر شے کو اس کی آفرینش عطا کی ہے۔ اس لحاظ سے وہ جواد عالی حاصلہ ہے اور اس نے ہر چیز کو اس کی مناسب ترتیب میں رکھا ہے اس لحاظ سے وہ عدل ہے۔'' (۲۹)

جس طرح اس کائنات کی تخلیق عدل پر مبنی ہے اسی طرح انسان، جس کو عالم انفس بھی کہا جاتا ہے اس کی تخلیق بھی عدل پر مبنی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ﴾ (۳۰)

جس طرح عالم آفاق و انفس مبنی بر عدل ہیں اسی طرح انسان تشریعی طور پر اس عالم فانی میں اپنی ذات پر اور اپنی اجتماعی زندگی میں نظامِ عدل قائم کرے۔ اسی مقصد کے پیش نظر انسان کو خلیفۃ اللہ فی الأرض کہا گیا ہے۔

عدل اجتماعی کے مقاصد:

انسان کو اس دنیا میں جو خلافت نوازا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان میں دو صفات ایسی پائی جاتی ہیں جس کی وجہ سے اس کو خلافت سے نوازا گیا ہے: الف۔ علم ب۔ عدل

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ. اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ (۳۱)۔

Marfat.com

اس آیت کریمہ میں انسان کی دو صفات بیان کی گئی ہیں: ظلم اور جہل۔ ظلم و جہل کے الفاظ انسان کی تنقیص اور درماندگی پر نہیں بلکہ انسان کی عظمت پر دلالت کر رہے ہیں۔ کیونکہ انسان اپنے خمیر اور اپنی پیدائش کے لحاظ سے تو ظلم اور جہل ہی کا مالک ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف انسان ہی کے خمیر میں یہ بات رکھی ہے کہ اگر وہ چاہے تو ''ظلم''، و ''جہل'' کو ''عدل'' اور ''علم'' سے بدل سکتا ہے (ظلم و جہل کے متضاد عدل اور علم ہیں)۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی خلافت کا بارگراں جو انسان کے حصہ میں آیا تو اس کی وجہ ''علم'' اور ''عدل'' ہی ٹھہرے ہیں۔ علم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے نظام عدل کی پہچان ہے۔ یہی کام انسان کے ذمہ لگایا گیا ہے۔

ہر دین حق کی تعلیمات کا تقاضا قیامِ عدل ہے۔ امت مسلمہ کو معتدل امت کہا گیا ہے کہ وہ افراط وتفریط سے محفوظ ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ﴾ (۳۲)۔

انبیاء علیہم السلام کا مقصدِ بعثت یہی نظامِ عدل قائم کرنا رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾ (۳۳)

اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشا صرف یہی نہیں کہ صرف معاشرہ میں نظام عدل قائم کیا جائے بلکہ خود انسان یعنی فرد واحد کو بھی یہی حکم دیا ہے کہ وہ صفت عدل سے اپنے آپ کو مزین کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ ﴾(۳۴)

مفسرین کا کہنا ہے کہ اس آیت کریمہ میں بڑی جامعیت پائی جاتی ہے۔ اس آیت میں انسان کے تین پہلو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ان میں عدل قائم کیا جائے: الف۔ عقائد، ب۔ اخلاق، ج۔ معاملات

مفتی محمد شفیع لکھتے ابو حیان اندلسی کی تفسیر البحر المحیط کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ لفظ ''عدل'' میں عقیدہ کا اعتدال، عمل کا اعتدال اور اخلاق کا اعتدال سب شامل ہے۔ اسی طرح مفتی محمد شفیع ابن عربی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

> ''عدل کا ایک مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے رب کے درمیان عدل کرے، تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے حظِ نفس پر اور اس کی رضا جوئی کو اپنی خواہشات پر مقدم جانے، اور اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی ممنوعات و محرمات سے مکمل اجتناب کرے۔ دوسرا عدل یہ ہے آدمی خود اپنے نفس کے ساتھ عدل کا معاملہ کرے۔ وہ یہ ہے کہ اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جس میں اس کی جسمانی یا روحانی ہلاکت ہو۔ اس کی ایسی خواہشات کو پورا نہ کرے جو اس کے لیے انجام کار مضر ہوں، اور قناعت و صبر سے کام لے، نفس پر بلاوجہ زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔ تیسرا عدل اپنے نفس اوت تمام مخلوقات کے درمیان ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معاملہ کرے، اور کسی ادنیٰ اعلیٰ معاملہ میں کسی سے خیانت نہ کرے سب لوگوں کے لیے اپنے نفس سے امصاف کا مطالبہ کرے، کسی انسان کو اس کے کسی قول و فعل سے ظاہراً یا باطناً کوئی بایذاء اور تکلیف نہ پہونچے۔'' (۳۵)

Marfat.com

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ (۳۶)

مولانا اشرف علی تھانوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یہ کلام (قرآن کریم) ''واقعیت اور اعتدال کے اعتبار سے بھی کامل ہے۔ یعنی علوم و عقائد میں واقعیت اور اعمال ظاہری اور باطنی میں اعتدال لیے ہوئے ہے''۔ (۳۷)

درج بالا اس آیت کریمہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات اعتدال پر مبنی ہیں۔ اس لیے قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کی تمام تعلیمات سراسر اعتدال پر مبنی ہیں۔

عدل اجتماعی کا جدید مفہوم اور تاریخی ارتقاء

''عدل اجتماعی'' کی اصطلاح اپنا ایک فکری پس منظر رکھتی ہے، اس کا تعلق اسلامی تاریخ سے نہیں بلکہ مغرب کی فکری تاریخ سے ہے اور یہ اپنے معنوں میں ایک جدید اصطلاح ہے، جو ''Social Justice'' کا ترجمہ ہے۔ عربی میں اس اصطلاح کا ترجمہ ''العدالة الاجتماعية'' کیا گیا ہے۔ عدل اجتماعی کا جدید تصور سترویں اور اٹھارویں صدی عیسوی میں سرمایہ دارانہ نظام کے استحصال کے خلاف اور اس کے ردعمل میں سامنے آیا۔

عدل اجتماعی کی اصطلاح سب سے پہلے کس نے استعمال کی؟ اس بارے میں مختلف نام ملتے ہیں، لیو شیلڈز (Leo W. Shields) نے صرف ''عدل اجتماعی'' کی اصطلاح پر ایک کتاب لکھی ہے جو اُن کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''عدل اجتماعی'' کا جملہ میں سب سے پہلے ٹپاریلی (Tapparelli) کی فرانسیسی تحریر ''Saggi Teoretico di dritto naturale'' میں ملتا ہے جو ۱۸۴۵ء میں شائع ہوئی (۳۸)۔

ابراہیم حداد کی یہ رائے ہے اس اصطلاح کو جدید معنوں میں سب سے پہلے مشہور ماہر معاشریات سینٹ سائمن (Saint Simon) نے کیا تھا، لیکن بعد میں اس کے شاگرد لیرو (Leraux) نے اس کو سوشل ازم (Socialism) کی اصطلاح سے بدل دیا۔ جس کا عربی ترجمہ ''الاجتماعية'' کیا گیا:

''وقد اصطلح على اطلاق اسم العدالة الاجتماعية على هذين النوعين من الحق وكان أول من استعمل هذا الاسم الفيلسوف الفرنسي الشهير (سان سيمون) الذى طالب فى تاليفه الكثيرة باعادة تشكيل الهيئة الاجتماعية على أسس جديدة لتحقيق هذه العدالة، وذلك برفع الحكماء الىٰ مقاعد الحكم، وتطبيق القاعدة القائلة من كل فرد حسب مقدرتة ولكل فرد حسب أعماله، ولكن تلميذه ليراكس (Leraux) عدّل فيما بعد هذه التسمية واطلق عليها لفظة "سوسيالزم" (Socialisme) وجاء الكتاب والمؤلفون العرب الذين سبقونا يستعملون كلمة الاشتراكية" ترجمة لها مع انها تعنى "الاجتماعية" فى ترجمة اللفظية الصرف لها، و "العدالة الاجتماعية" فى مدلولها الصحيح القويم الشامل''.(۳۹)

اس لحاظ سے عدل اجتماعی اپنے جدید مفہوم کے اعتبار سے سرمایہ داری نظام کے رد میں پیش کیا جانے والا فلسفہ

Marfat.com

ہے۔ جو اشتراکیت (Socialism) سے متعلق ہے۔ اس طرح ''عدل اجتماعی'' کا تصور اشتراکیت کا مفہوم لیے ہوئے ہے۔ (اشتراکیت کا مفہوم اور اس کے خدوخال آگے چل کر بیان کیے جاتے ہیں)۔

> Social Justice is a relatively recent concept, born of the struggles surrounding the industrial revolution and the advent of socialist views on the organization of society.(40)

اسی طرح عدل اجتماعی کا جدید تصور صرف معاش تک محدود ہیں:

> ''This might be termed economic justice''(41)

مگر اس اصطلاح کے وجود میں آنے کے بعد دنیا بھر میں جدید مفکرین، علمائے مذاہب عالم نے اس اصطلاح کو اپنے اپنے فکری پس منظر میں دیکھا ہے۔ دنیا کی اکثر بڑی زبانوں میں ''عدل اجتماعی'' کے تصور پر ایک وسیع ذخیرہ ادب معرض وجود میں آیا ہے۔ اسی طرح اسلامی نقطۂ نظر سے بھی اس کے فلسفہ کو دیکھا گیا ہے۔ جن میں ابراہیم حداد، عبدالرحمٰن نصیر، سید قطب، سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی وغیرہ شامل ہیں۔

قرآن کریم اور اسلامی روایت میں ''العدالة الاجتماعية'' کے الفاظ نہیں پائے جاتے، مگر قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس میں آنے والا لفظ ''عدل'' آفاق و انفس اور انفرادی و اجتماعی دونوں پہلو کا مفہوم لیے ہوئے ہے۔ جب کہ عدل اجتماعی کا جدید تصور صرف معاش تک محدود ہیں۔

عدل اجتماعی کے مترادفات:

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ''عدل اجتماعی'' کی اصطلاح نہ صرف اپنا مفہوم بدلتی رہی بلکہ الفاظ بھی بدلتے رہے ہیں۔ عدل اجتماعی کے لیے سماجی فلاح (Social Welfare) کے الفاظ بھی مستعمل ہیں، جو جدید سرمایہ دارانہ نظام نے سوویت یونین کے سقوط کے بعد اپنا لیے ہیں۔ اب سماجی فلاح اور عدل اجتماعی کا تحفظ حقوق انسانی (Human Rights) کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔

اقوام متحدہ کے ملینیم مقاصد (Declaration United Nations Millennium) میں سے ایک مقصد اجتماعی عدل کا فروغ بھی ہے۔ اس طرح عدل اجتماعی، سماجی فلاح اور حقوق انسانی ایک ہی مفہوم لیے ہوئے ہیں۔

دین اسلام صرف معاشی عدل یا سماجی عدل کی بات نہیں کرتا بلکہ ایمانیات اور اس کے تقاضوں کے ساتھ عدل اجتماعی کرتا ہے۔ ایمانیات اور عدل اجتماعی دونوں الگ الگ نہیں بلکہ عدل اجتماعی ایمانیات ہی کا تقاضا ہے۔ صرف اور صرف عدل اجتماعی کی بات کرنا ایمانی تقاضوں کو پیش نظر نہ رکھنا دین نہیں بلکہ سیکولرازم ہے۔ کسی بھی تہذیب کا تصور عدلِ اجتماعی اس کی فکر و فلسفہ اور عقائد و نظریہ کے تابع ہوتا ہے۔ اس طرح اسلام سرمایہ دارانہ اور سوشل ازم کے تصور عدلِ اجتماعی کو قبول نہیں کرسکتا۔

عدل اجتماعی کا مغربی پس منظر:

نشاۃ ثانیہ (Renaissance) اور اس کے بعد تحریکِ اصلاح (Reformation) کے نتیجہ میں دنیا کے

Marfat.com

بارے میں لوگوں کے نقطۂ نظر میں اہم تبدیلی واقع ہوئی، غور وفکر اور بحث کے مناہج بدل گئے۔ اس سے قبل دنیا کے بارے میں لوگوں کے افکار و خیالات الہامی علم پر مبنی تھے اور معاشرہ کی اساس وحی کی روشنی میں ترتیب پائی تھی۔ لوگوں کو اس بات کے ماننے میں کوئی تامل نہیں تھا کہ انسان اور کائنات کا خالق و مالک ذاتِ باری تعالیٰ ہے اور وہی اس کو چلانے والا ہے۔ ان کا اس بات پر بھی یقین تھا کہ یہ مادی دنیا اس وسیع کائنات کا ایک چھوٹا سا جزو ہے۔ ان کا اس بات پر بھی ایمان تھا کہ فرشتے اور روح کا وجود ہے اور اس زندگی کے بعد دوسری زندگی بھی ہوگی۔ وہ یہ بھی مانتے تھے کہ جنت اور جہنم حقیقت ہیں، نیک اعمال کرنے والے جنت اور برے اعمال کے حاملین جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔ اسی تصور کی بنا پر انسان اس کائنات میں فوقیت رکھتا تھا۔

لیکن تحریک اصلاح کے بعد زندگی کا تصور بدل گیا اور دنیا کے بارے میں مادی تصور کو فوقیت حاصل ہوگئی۔ اب معاشرے کو فلسفیانہ اور سیکولر بنیادوں پر استوار کیا جانے لگا اور مذہب کو فرد کی نجی زندگی کا معاملہ قرار دے دیا اور پھر رفتہ رفتہ انسان الہامی علم اور اس کی روشنی میں ترتیب پانے والے علوم وفنون سے آزاد ہوتا چلا گیا اور محض حسیت اور تجربیت کو علم کی بنیاد قرار دے دیا۔ دنیا کو مکافاتِ عمل قرار دینے کی بجائے مقصود زندگی ٹھہرا دیا گیا۔ نقطۂ نظر کی اس تبدیلی نے مذہب، سیاسیات، سماجیات، تاریخ غرض زندگی کے ہر پہلو پر گہرے اثرات مرتسم کیے۔

۳۱/ اکتوبر ۱۵۱۷ء کو مارٹن لوتھر (Martin Luther) نے اپنے پچانوے اعتراضات جرمنی کے شہر وِٹن برگ (Wittenburg) کے کیتھولک (Catholic) چرچ کے دروازے پر چسپاں کر کے چرچ سے آزادی کا جو اعلان کیا وہ مذہب سے آزادی کا اعلان ثابت ہوا۔ اس سے لوگوں کو حق و ناحق کا فیصلہ روایتی طریقہ کے مطابق مذہب کے حوالے کرنے کی بجائے اپنی مرضی سے کرنے کا اختیار مل گیا۔ اسی طرح جب لوگوں نے کلیسا کا قانون ماننے سے انکار کر دیا جس سے وحی کی روشنی میں ترتیب پانے والی اخلاقی تعلیمات بے معنی ہو کر رہ گئیں جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرانسیسی شخص جان کیلوِن (John Calvin) اور پروٹسٹنٹ (Protestantism) مفکرین نے عیسائیت کی تاریخ میں پہلی مرتبہ جنیوا میں سود پر قرض دینا جائز قرار دے دیا۔ اس سے قبل سود پر قرض دینا اور سودی کاروبار حرمت کے دائرے میں داخل تھا۔

مغربی مفکر میکس ویبر (Max Weber) اپنی کتاب (Protestant Ethics anf The Spirit of Capitalism) میں لکھتا ہے کہ یورپ میں سرمایہ دارانہ (Capitalism) فکر وفلسفہ کے فروغ میں تحریک اصلاح کلیسا کے نتیجہ میں معرض وجود میں آنے والے عیسائی فرق کیلون ازم (Calvinism) اور پروٹسٹنٹ تعلیمات نے اہم کردار ادا کیا۔

اجتماعی عدل کے مختلف تصورات کا جائزہ

عدل اجتماعی سے متعلق اہم نظام ہائے فکر یہ ہیں: (الف) سرمایہ دارانہ نظام، (ب) اشتراکی نظام

سرمایہ دارانہ نظام کا تصورِ عدل اجتماعی اور اس کی اہمیت

فلسفہ تنویر (Enlightenment Philosophy) کی روشنی میں انسانیت کی فلاح اور اس کی تکالیف اور دکھوں کا مداوا ''آزادی'' کے تصور میں تلاش کیا گیا کہ۔ چناں چہ سیاست ہو یا معیشت، معاشرت ہو یا تعلیم سب میں فلسفہ تنویر

Marfat.com

(Enlightenment Philosophy) کی یہ بنیادی فکر واضح نظر آئے گی۔

سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت (Capitalist Economy) کو بازار معیشت (Market Economy) یا آزادانہ معیشت (Free Economy) بھی کہا جاتا ہے۔ اس پر حکومت یا ریاست کا کنٹرول کم سے کم ہوتا ہے۔تا کہ سرمایہ زیادہ سے زیادہ پھل پھول سکے۔ اس کو جدید کلاسیکی معاشیات کی اصطلاح میں ''نظریہ عدم مداخلت''(Laissez-Faire) کہا جاتا ہے۔ کہ یہ نظام اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ کہ اگر ہر شخص اپنے اپنے مفاد کی تحریک سے عمل پذیر ہوتو اس کے ذریعہ بیش ترین سماجی فلاح اپنے آپ ہی حاصل ہو جائے گی۔ اس صورت میں انفرادی فلاح اور سماجی فلاح میں تصادم نہ ہوگا اور آزاد قیمتوں کا نظام تمام معاشی وسائل کی بحسن وخوبی تقسیم اور مختلف اشیا و خدمات کی کارگزار پیداوار میں کامیاب ہوگا۔ ہر معاشی وسیلہ کو اس کی خدمت کا بیش ترین معاوضہ حاصل ہوگا، ہر شے اور خدمت کم ترین لاگت پر پیدا کی جائے گی۔ تمام معاشی وسائل بروئے کار لائے جائیں گے، ہر شخص کو روزگار ملے گا۔ اس صورت میں حکومت کی جانب سے معاشی دائرہ کار میں مداخلت کا کوئی جواز ہی نہیں ہے(۴۲)۔

''نظریہ عدم مداخلت'' درج بالا اپنے تمام اوصاف کے باوجود انسانیت کے لیے سم قاتل ثابت ہوا۔ یہی نظریہ ۱۹۲۹ء میں عالمی کساد بازاری (Great Depression) ۱۸۸۲ء کی عام ہڑتال (General Strike) کا سبب بنا۔

جدید معاشیات کے بانی آدم اسمتھ (Adam Smith) اپنی کتاب''The Wealth of Nations'' میں لکھتے ہیں کہ حرص اور خودغرضی چوں کہ انسان کے خمیر میں شامل ہیں، اس لیے اگر تمام افراد کو اپنے اپنے مفادات کی تکمیل کی پوری پوری آزادی دی جائے تو سخت محنت کے نتیجہ میں بالآخر دولت کی ریل پیل ہوگی، اور اس میں انسانیت کی فلاح ہوگی۔ یہ آزاد تجارت اور منڈی کی معیشت کا پہلا منضبط فلسفہ تھا۔ اس طرح سرمایہ دارانہ نظام کا قیام اور استحکام اس بات پر منحصر ہے کہ حرص اور حسد عام ہو۔ ہر آدمی حریص ہو اور زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی خواہش رکھتا ہو۔ اس کو جدید معاشیات کی اصطلاح میں''Accumulation'' کہتے ہیں۔ جدید معاشی تھیوری اس مفروضہ پر قائم ہے کہ ہر شخص فطرتاً خودغرض ہے۔ اور زیادہ زیادہ حصول لذت اس کی فطرت کا تقاضا ہے۔''آزادی'' جدید سیاسی اور جدید معاشی فکر کا بنیادی خاصہ ہے:

> "For liberal, freedom is first and foremost a political value. Economic freedom is a necessary corollary of political freedom, but liberty comes first."(43)

سرمایہ دارانہ نظام نے درج ذیل مراحل سے گزر کر موجودہ عالمی حیثیت حاصل کی ہے: ۱۔ تجارتی سرمایہ داری (Merchant Capitalism)۔ ۲۔ صنعتی سرمایہ داری (Industrial Capitalism)۔ ۳۔ مالیاتی سرمایہ داری (Financial Capitalism)۔ ۴۔ فلاحی سرمایہ داری (Welfare Capitalism)۔ ۵۔ ریاستی سرمایہ داری (State Capitalism)۔ ۶۔ عالمی سرمایہ داری (Global Capitalism)۔

سرمایہ دارانہ نظام کی درج بالا پہلی دو سے تین اقسام کا تعلق سترویں اور اٹھارویں صدی سے ہے۔ ان اقسام میں

Marfat.com

اگر چہ انسان کو دولت کی ریل پیل، دکھوں کے مداوا، اس دنیا ہی کو جنت بنانے کے سہانے خواب دکھائے گئے، مگر سرمایہ دارانہ نظام کے انہی مراحل میں انسانیت کا استحصال کیا گیا جس کے نتیجہ میں عدل اجتماعی کا تصور سامنے آیا۔ صنعتی انقلاب کے بعد کمزور، کم آمدنی والے طبقہ پر سرمایہ دار طبقہ کی طرف سے بے شمار ظلم ڈھائے گئے، اس کا معاشی استحصال کیا گیا۔

سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی خدوخال:

سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت میں درج ذیل اصولوں کی بنیاد پر انسانی معاشرہ میں سماجی فلاح اور عدل اجتماعی قائم ہوتا ہے۔

الف۔ ذاتی جائداد کا حق:

سرمایہ دارانہ معیشت کی بنیاد ذاتی جائداد کے حق پر ہوتی ہے۔ افراد نہ صرف اشیائے صرف بلکہ تمام ذرائع پیداوار کو جن میں اشیائے سرمایہ، محنت اور زمین شامل ہیں، اپنی ذاتی ملکیت میں رکھ سکتے ہیں۔ ذاتی ملکیت کا حق لامحدود ہے۔ اور نجی ملکیت پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہے۔ افراد کو وراثت کا بھی حق حاصل ہے۔ اور آزاد کاروبار کا بھی حق حاصل ہے۔

ب۔ صارفین کی حاکمیت (Consumer's Sovereignty):

سرمایہ دارانہ معیشت کی دوسری بڑی خاصیت یہ ہے کہ اس میں صارفین کی حاکمیت قائم ہوتی ہے۔ سرمایہ دارانہ معیشت کے حاملین مفکرین سرمایہ داری کو ''معاشی جمہوریت'' (Economic Democracy) کہنا پسند کرتے ہیں۔

ج۔ انتخاب کی آزادی (Freedom of Choice):

آزاد بازار کی بنیاد پر قائم سرمایہ دارانہ معیشت اسی وقت کامیابی سے کام کر سکتی ہے جب کہ درج ذیل خصوصیات کے ساتھ افراد کو انتخاب کی آزادی بھی حاصل ہو، اس آزادی کے تحت حسب ذیل امور آتے ہیں:

۱۔ اشیائے صرف میں انتخاب کی آزادی، ۲۔ صرف اور بچت میں انتخاب کی آزادی، ۳۔ سرمایہ کاری کی آزادی ۴۔ پیشوں کے انتخاب کی آزادی۔

د۔ محرک منافع (Profit Motive)

سرمایہ دارانہ معیشت میں معاشی اعمال کو چلانے والی قوت منافع کی قوت ہے اس کو اصطلاحاً محرک منافع (Profit Motive) کہتے ہیں، یعنی معاشی اعمال کی تحریک زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے سے ہوتی ہے۔ اس مفروضہ کے پس پشت بعض تاریخی عوامل بھی ہیں۔ ایک معاشی نظام کے طور پر سرمایہ داری کا ارتقاء اس وقت ہوا جب کہ یورپ میں انفرادیت پسندی (Individualism) نشاط پرستی (Hedonism) افادہ پرستی (Utilitarianism) مادہ پرستی (Materialism) اور آزاد خیالی (Liberalism) کے مختلف النوع اور اکثر متضاد نظریات رکھنے والے فلسفیانہ مکتبہ ہائے فکر پروان چڑھ رہے تھے۔ سرمایہ داری کے مختلف پہلوؤں پر ان فلسفوں کا اثر پڑا۔ اور ان زیر اثر مختلف قسم کے مفروضے سرمایہ دارانہ معاشیات میں در آئے۔

ھ۔ حکومت کی عدم مداخلت (Laissez-Faire)

سرمایہ دارانہ معیشت کا کلاسیکی تصور معاشی دائرہ کار میں حکومت کی عدم مداخلت کے اصول پر قائم تھا۔ اس کا مفہوم

Marfat.com

یہ ہے کہ حکومت قیمتوں اور مزدوری، شرح سود، شرح لگان وغیرہ پر کسی قسم کا کنٹرول نافذ نہیں کرے گی۔ ایڈم اسمتھ (Adam Smith) نے اپنی کتاب دولت اقوام جو جدید معاشیات کی بائبل سمجھی جاتی ہے۔ اس میں حکومت کے معاشی افعال و اعمال کے لیے درج ذیل امور کی نشان دہی کی ہے۔ ۱۔ دفاعی ذمہ داری۔ ۲۔ امن و امان قیام ۳۔ قانون و انتظام کی عمل داری (Law & Order) ۴۔ سماج کی ذمہ داری۔ سڑکوں کی تعمیر، صفائی روشنی کا انتظام وغیرہ۔ (۴۴)

اشتراکیت کا تصور عدل اجتماعی اور اس کی اہمیت

اشتراکیت دراصل سرمایہ دارانہ تصور عدل اجتماعی کے رد میں معرض وجود میں آنے والا عدل اجتماعی کا تصور لیے ہے۔ پرولتاریہ یعنی مزدور اور کم زور طبقہ، بنیادی سہولیات سے محروم طبقہ اور وہ طبقہ جو سرمایہ دار کا غلام بن کر رہ گیا تھا، اشتراکیت اس کے حقوق کے تحفظ کا نام ہے۔ کارل مارکس نے ان کے حقوق کے لیے آواز اٹھائی تھی۔ اشتراکی نظامِ معیشت میں درج ذیل اصولوں کی بنیاد پر سماجی فلاح اور عدل اجتماعی قائم ہوتا ہے۔

اشتراکیت کے بنیادی خدوخال:

معاشیات میں پیداوار کے چار عناصر بتلائے جاتے ہیں: ۱۔ زمین (Land) ۲۔ محنت (Labour) ۳۔ سرمایہ (Capital) ۴۔ تنظیم (Organization)۔

پیداوار میں سے ہر ایک کو اس حصہ ملتا ہے، زمین کو لگانیا کرایہ، کی صورت میں، قیمت کو اجرت کی صورت میں، سرمایہ کو سود کی صورت میں اور تنظیم کو منافع یا نقصان کی صورت میں۔ کارل مارکس اس نظریہ کی تردید کرتا ہے۔ وہ محنت کو الگ کر کے صرف اسی کو قیمت کا سرچشمہ قرار دیتا ہے۔ کارل مارکس اپنی کتاب داس کیپیٹل (Das Kapital) میں لکھتا ہے کہ چوں کہ فاضل قیمت سے منافع پیدا ہوتا ہے اور محنت ہی قیمت کو پیدا کرتی ہے اس لیے نفع کی شرح کا دارومدار سرمائے کی عضوی ہیئت (Organic Composition of Capitals) پر ہوگا۔

اسی طرح مارکس سرمایہ دارانہ نظام میں پیدا ہونے والا نظریہ فاضل قدر (Surplus Money) سے تین قوانین اخذ کرتا ہے: ۱۔ قانون اجتماع سرمایہ(The Law of Capital Accumulation)۔ قانون ارتکاز سرمایہ (The Law of Concentration of Capital)۔ تکثیری مصیبت کا قانون (The Law of Increasing Misery)(۴۵)۔

الف۔ نجی ملکیت کا خاتمہ:

اشتراکیت میں نجی ملکیت کا تصور نہیں پایا جاتا ہے۔ تمام وسائل پیداوار حکومت اور سماج کی ملکیت میں ہوتے ہیں۔ اور مختلف صنعتوں کے درمیان محنت کی تقسیم حکومت کے حکم سے ہوتی ہے۔

ب۔ منافع کی بجائے سماجی فلاح کے لیے پیداوار:

سرمایہ دارانہ نظام میں منافع حاصل کرنے کے لیے پیداوار کی جاتی ہے۔ اس طرح پیداوار کا محرک ہی منافع ہوتا ہے۔ جبکہ اشتراکی معیشت میں چوں کہ وسائل پیداوار پورے سماج کی ملکیت ہوتے ہیں اس لیے اس معاشی نظام میں پیداوار کا

Marfat.com

مقصد منافع حاصل کرنے کی بجائے عدل اجتماعی اور سماجی فلاح کو فروغ دینا ہوتا ہے۔

ج۔ مرکزی معاشی منصوبہ بندی:

سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں تو تمام معاشی فیصلے لا مرکزی (Decentralization) ہوتے ہیں۔ کیوں کہ یہ افراد کے ذریعے کیے جاتے ہیں۔ اشتراکی نظام کی یہ خصوصیت ہے کہ اس نظام میں معاشی فیصلوں کی مرکزیت ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لیے ملک میں ایک مرکزی منصوبہ بندی کمیشن قائم کیا جاتا ہے۔

د۔ معاشی مساوات:

سرمایہ دارانہ نظام کی ایک بری خرابی دولت اور آمدنی میں کی تقسیم میں عدم مساوات کی موجودگی ہے۔ اس عدم مساوات کا سب سے بڑا سبب ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت ہے۔ اشتراکی معیشت میں ذرائع پیداوار کی اجتماعی ملکیت ہوتی ہے۔ اس لیے آمدنی اور دولت میں عدم مساوات کا ایک بڑا سبب ختم ہو جاتا ہے۔

معاشی نمو اور معاشی ترقی:

اشتراکی معیشت میں مرکزی معاشی منصوبہ بندی کا عام طور پر مقصد یہ ہوتا ہے کہ ملک کو معاشی نمو اور معاشی ترقی کی راہ پر گامزن کیا جائے۔ اشتراکی معیشت میں سرمایہ دارانہ معیشت کی طرح معاشی اتار چڑھاؤ نہیں ہوتے۔ کیوں کہ مانگ اور فراہمی کی قوتیں آزادانہ ہو کر منصوبہ کے تابع رہتی ہیں۔ منصوبہ بندی کے ماہرین معیشت کے مستقبل کے لیے ایک راہ متعین کرتے ہیں اور ایسی حکمت عملی وضع کرتے ہیں کہ معیشت اسی راہ پر گامزن رہے۔

اشتراکی معیشت میں انفرادی آزادی:

سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں انتخاب کی آزادی ہوتی ہے۔ جبکہ اشتراکی نظام معیشت میں محدود آزادی ہوتی ہے جو ہنگامی حالات کی صورت میں ہمیشہ سماجی مصالح کے تابع رہتی ہے۔ اس اصول کے تحت کسی فرد کو دوسرے فرد کے معاشی استحصال کی آزادی نہیں ہے۔ وہ خود محنت کر سکتا ہے لیکن دوسرے فرد کی محنت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ معاشی استحصال کے خاتمہ کی خاطر ہی وسائل پیداوار اجتماعی ملکیت میں رکھے جاتے ہیں۔ تا کہ معاشرہ کا ہر فرد اُن سے متمتع ہو سکے۔ (۴۶)۔

بیسوی صدی میں اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام کی باہمی کشاکش...... تاریخی تناظر میں

سرمایہ دارانہ نظام کی بربریت کی وجہ سے مغرب میں مزدور طبقہ پر ہونے والے استحصال اور ظلم کے خلاف آواز اٹھنا شروع ہوئی، اور یہ کہا جانے لگا کہ دولت اور اشیا میں قدر دراصل محنت کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے، کیوں کہ اگر کسی شے کی کل قدر کا انحصار صرف وہ محنت ہے جو اُسے پیدا کرنے پر صَرف ہوئی ہے، تو کیوں نہ اُس کی قیمت انھی لوگوں کو ادا کر دی جائے جن کی محنت اس سلسلہ میں کام آئی، اور وہ مزدور طبقہ ہے جس کا ہر دَور میں استحصال ہوتا رہا ہے۔ کارل مارکس نے مزدوروں کے اس استحصال کے خلاف نہ صرف آواز اٹھائی بلکہ سرمایہ دارانہ نظام کی سفاکی کے خلاف عملی جدوجہد کا بھی آغاز کیا۔ دنیا بھر کے استحصالی طبقہ کو ایسا پلیٹ فارم فراہم کیا جس کے نتیجہ میں سرمایہ دارانہ نظام کے مفکرین نے انسانیت کی فلاح اور عدل اجتماعی کے لیے چند عملی اقدامات کیے۔ اور اشتراکی فکر کا نعرہ ''اجتماعی عدل'' کے تصور کو کسی حد تک اپنانے کی کوشش کی۔

Marfat.com

اشتراکی و سرمایہ دارانہ فکر کی باہمی کشاکش کے نتیجہ میں مخلوط معیشت (Mixed Economy) کا تصور سامنے آتا ہے۔ موجودہ معیشت کی فکری بنیادیں مخلوط معیشت کے تصور پر استوار ہیں۔

اسلام میں عدل اجتماعی کا تصور اور اہمیت

آفاقی اقدار اور اصول میں سے ایک اصول عدل کا قیام ہے۔ عدل زندگی کے کسی ایک پہلو کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام کائنات پر محیط ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ تخلیق کائنات کا مقصد ہی عدل کا قیام ہے تو یہ بات مبالغہ پر مبنی نہیں ہو گی۔ ذاتِ باری تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ''عدل'' ہے۔ کائنات کی تخلیق اپنے اندر عدل رکھتی ہے۔ قرآن کریم کی تعلیمات کو عدل پر مبنی کہا گیا۔ انسان اپنی تخلیق میں عدل کا راز مضمر ہے۔ خلافت انسانی کا بار امانت انسان کو صفات ظلم و جہل (جن کے متضاد عدل اور علم ہیں) کا حامل ہونے کی وجہ سے ملا ہے۔ قرآن کریم میں انبیاء اور رسل کا مقصدِ بعثت عدل کا قیام بیان کیا گیا ہے۔ اس امت مسلمہ کو معتدل امت کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ عبادات میں عدل کے پہلو کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ معاملات زندگی میں عدل پرزور دیا گیا ہے۔ باقی مذاہب نے دین و دنیا میں سے ایک پہلو کو لیتے ہیں جب کہ اسلام دین اور دنیا دونوں میں اعتدال رکھتا ہے، اس کی تعلیمات کسی ایک پہلو کی طرف نہیں جھکتی ہیں۔ جب عدل ہی زندگی کے تمام پہلو پر محیط ہے تو عدل کا قیام ہی انسانی زندگی کا خاصہ ٹھہرتا ہے۔

قرآن کریم میں دیگر ادیان و مذاہب اور فرق و نظریات (جیسے الحاد و دہریت وغیرہ) کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے صرف دو ہی الفاظ استعمال کیے ہیں: الف۔ ہوا ب۔ غلو

ادیان وفرق کے دو ہی رویے سامنے آتے ہیں کہ یا وہ ''ہوا'' کا شکار ہو کر ''اعتدال'' کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے ہیں، یا وہ دین میں ''غلو'' کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ کیوں کہ قرآن کریم سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انبیاء و رسل کی تعلیمات تو عدل پر ہی مبنی ہوتی ہیں۔ قرآن کریم میں آیات کی ایک کثیر تعداد ایسی ہے جس میں ہوا یعنی ذاتی خواہشات، نفسانی یا نفس امارہ کا اسیر ہو کر رہ جانا ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ﴾ (۴۷) کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ذاتی خواہش کو اللہ بنایا ہوا ہے۔ یعنی اپنی خواہشات ہی کا اسیر ہو کر رہ گیا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں ''غلو'' کے متعلق متعدد بار فرمایا گیا ہے: ﴿ يٰاهل الكتٰب لا تغلوا فى دينكم ﴾ (۴۸)۔ اے اہل کتاب دین میں غلو مت کرو۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو عیسائیت اور یہودیت ایک طرف اور الحاد و کفر اور شرک و بدعت دوسری طرف نظر آئیں گے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے اصول تفسیر کی روشنی میں دیکھا جائے تو آج مغربی تہذیب اور اس کے فلسفہِ عدلِ اجتماعی میں ''ہوا'' یعنی نفسانی خواہش ہی کی تسکین کا پہلو نمایاں نظر آئے گا۔ کیوں کہ آدم اسمتھ نے تو جدید معاشیات کی بنیاد ہی غرض اور حرص کو ابھارنے اور دولت کے انبار لگانے (Accumulation of Wealth) کے اصول پر رکھی ہے اس لیے سرمایہ داری کے ذریعے حقیقی عدل اجتماعی کا قیام ممکن ہی نہیں ہے۔ جب کہ دین حرص اور غرض کو فروغ دینے کے برعکس قناعت اور انفاق کی تعلیم کا حامل ہوتا ہے۔ اسی طرح اشتراکیت ہو یا سرمایہ داری دونوں کا مقصود ایک ہے کہ انسان کو نفس و ہوا کا بندہ بنانا ہوتا ہے۔ یعنی دونوں میں مادیت ہی کا غلبہ ہے (۴۹):

Marfat.com

زمامِ کار گر مزدور کے ہاتھ میں ہو پھر کیا
طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی
(علامہ اقبال)

معروف مغربی نقاد ایرش فرام (Eric Fromm) لکھتا ہے:

"Socialism, and especially Marxism, has stressed the necessity for social econimic changes, and neglected the necessity of inner change in human beings, without which economic change can never lead to the good society"(50)

اسی طرح اشتراکیت کی شکست کے بعد آج سرمایہ داری کی جس شکل اور قسم نے انسانیت پر اپنے پنجے گاڑھے ہوئے ہیں وہ عالمی سرمایہ داری Global Capitalism کہلاتی ہے، جو پہلے گیٹ (General Agreement on Trade Tarrif) اور اب ڈبلیو، ٹی، او (World Trade Organization) کے نام سے معروف ہے۔ اس عالمی سرمایہ داری کا تصور عدل اجتماعی بھی اتنا ہی خوفناک ہے جتنی تجارتی سرمایہ داری کا مرحلہ ظالمانہ تھا۔ جس پر عہد مابعد جدیدیت کے فلاسفہ ومفکرین واویلا کر رہے ہیں۔

اسلام ہر قسم کی معاشی فکر خواہ وہ سرمایہ دارانہ ہو یا اشتراکی، فاشزم کی فکر پر مبنی ہو یا مخلوط نظم معیشت سب کو تنقیدی نظر سے دیکھتا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں: ''میرے نزدیک فاشزم، کمیونزم، یا زمانۂ حال کے اور ازم کوئی حقیقت نہیں رکھتے، میرے عقیدے کی رو سے صرف اسلام ہی ایک حقیقت ہے، جو بنی نوع انسان کے لیے ہر نقطۂ نظر سے موجب نجات ہوسکتی ہے۔''

وحی پر مبنی معاشرہ میں سماجی طبقات (Social Stratification) سرمایہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ تقویٰ کی بنیاد پر ترتیب پاتے ہیں۔ تفرق زدہ، تکثیری (Pluralistic) اور مختلف الاوضاع (Heterogeneous) معاشرہ کی جگہ وحدت پر مبنی معاشرہ معرض وجود میں آتا ہے۔ وحی کی روشنی میں جو علوم ترتیب پاتے ہیں وہ انسانیت کے لیے سم قاتل نہیں بلکہ بنی نوع انسان کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیں گے۔ لذت پسند (Hedonistic) اور اضافی اخلاقیات نہیں بلکہ وحی کی روشنی میں ترتیب شدہ مطلق (Absolute) اخلاق پروان چڑھیں گے اور یہ بھی اسی وقت ممکن ہے جب وحی حقیقی کی روشنی میں ایک سیاسی نظام اپنی عملی صورت میں ترتیب پائے گا۔

عدل سیاسی شعبہ میں:

سیاسی شعبہ میں قیام امن کے لیے اسلام نے چار اصول بتائے ہیں:

الف۔ حاکمیت اعلیٰ ب۔ انصاف کی حکمرانی ج۔ شورائیت د۔ اطاعت وتعاون

ان چار اصولوں پر مبنی نظام ریاست وحکومت کے علاوہ اسلام کسی نظام کو تسلیم نہیں کرتا، خواہ وہ موروثی بادشاہت ہو یا آمریت، اشتراکیت ہو یا سرمایہ داری یا جدید مغربی جمہوریت۔ اسلام ان تمام سیاسی نظاموں کو عدل اجتماعی کے تقاضوں کی

Marfat.com

تکمیل کے منافی سمجھتا ہے۔ یہ نظام بیک وقت فرد کی آزادی ضمیر و عمل، تکمیل حاجات اور معاشرہ کے انضباط کی ضمانت نہیں دے سکتے۔ اس لیے فلاح انسانی کے حوالے سے اسلام ان تمام نظاموں کو رد کرتا ہے۔

عدل معاشرت میں:

ایک معاشرہ میں رہنے والے افراد ایک دوسرے کے ساتھ متعدد اور مختلف قسم کے رشتوں میں بندھے ہوتے ہیں۔ ان روابط میں توازن اور اعتدال قائم کرنا معاشرتی زندگی کی خوش گواری اور امن وسکون کا انحصار ہوتا ہے۔ اس شعبہ اسلام نے ایک جامع نظام ترتیب دیا ہے جس میں والدین، ہمسایوں، مسافروں، مہمانوں اور بیماروں، ناداروں، غرباء و مساکین وغیرہ کے حقوق کا تعین کیا ہے اور اس کے ساتھ افراد معاشرہ کی مختلف حیثیات میں خوش دلانہ تعاون اور ترحم پر مبنی ہم آہنگی پیدا کر دی ہے۔ اور اسے رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ بنا کر اس کے وقوع کے امکانات کو روشن کر دیا۔ معاشرت کے دائرہ میں قیام عدل کو سلسلہ میں اسلام نے خاندان کے ادارہ کو توجہ کا خصوصی مرکز بنایا ہے۔

اسلام اور معاشی عدل:

معاشی عدل نام ہے معاشی رشتوں میں توازن اور ہم آہنگی کا۔ معاشی کارکن کئی رشتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں۔ آجر اور اجیر، خریدار اور فروخت کار، صارف اور پیدا کنندہ، مقروض اور قرض خواہ معاشی عمل میں باہم دگر مربوط ہوتے ہیں۔ ان روابط میں اس طرح عدل و اعتدال قائم کرنا کسی حق تلفی نہ ہو معاشی عدل کہلاتا ہے۔

قرآن کریم کی تعلیمات پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انسانی معاشرہ میں معاشی تفاوت ایک فطری چیز ہے، تمام انسان معاشی لحاظ سے برابر ہوں یہ بات انسان کی فطرت اور عقل کے خلاف ٹھہرتی ہے۔ اس لیے قرآن کریم میں بھی اس معاشی تفاوت کو تسلیم کیا گیا ہے: ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾ (۵۱)

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا کہ اگر رزق کو اس طرح کثرت سے پھیلا دیا جاتا کہ تمام لوگوں کو بآسانی میسر ہو جاتا تو زمین میں اس طرح فساد پھیل جاتا کہ ہر انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہتا اور انسانی معاشرہ کا شیرازہ بکھر کر رہ جاتا: ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ﴾ (۵۲)۔ اللہ تعالیٰ میں اگرچہ رزق کی تقسیم تفاوت رکھا مگر اپنے نزدیک عزیز تر اس کو بنایا جو تقویٰ میں بڑھا ہوا ہوگا۔ اور تقویٰ کا تعلق معاشی تفاوت سے نہیں ہے بلکہ غریب اور امیر دونوں کے لیے مساوی اور برابر ہے: ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰـكُمْ﴾ (۵۲الف) اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز ترین وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ متقی ہے۔

البتہ زندگی کی معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والوں کو دین اسلام تنہا نہیں چھوڑتا بلکہ ان کی نصرت و اعانت کرتا ہے۔ قرآن کریم، نبی کریم ﷺ خلفائے راشدین اور فقہا و علما نے ان لوگوں کو اور ان کی کفالت عامہ کی مباحث کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے، بلکہ فرد اور حکومتِ وقت کی ذمہ داری قرار دیا ہے:

عہد خلافت اسلامیہ اور عدل اجتماعی:

قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کی طرف سے یتامیٰ و مساکین، اور رشتہ داروں کی زکوٰۃ، صدقات و خیرات کے ذریعے

Marfat.com

مالی اعانت صاحب استطاعت پر لازم قرار دی گئی ہے۔اسی طرح مختلف طریقوں سے بھی ضعفاء، غرباء و مساکین کی مالی نصرت کی جاتی ہے جیسے بیت المال، اصول حجر، اصول وقف، اصول کفالت، اصول ازالہِ اکراہ وغیرہ۔

سیدنا عمر فاروق کا عدل اجتماعی کے متعلق علامہ شبلی نعمانی ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ آیا اور شہر کے باہر اترا، اس کی خبر گیری اور حفاظت کے لیے خود تشریف لے گئے۔ پہرہ دیتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی، ادھر متوجہ ہوئے، دیکھا تو ایک شیر خوار بچہ ماں کی گود میں رو رہا ہے۔ ماں کو تاکید کی کہ بچہ کو بہلائے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ادھر سے گزر ہوا تو بچہ کو روتا پایا۔ غیظ میں آکر فرمایا کہ تو بڑی بے رحم ماں ہے۔ اس عورت نے کہا کہ تم کو اصل حقیقت معلوم نہیں، خواہ مخواہ مجھ کو دِق (تنگ) کرتے ہو۔ بات یہ ہے کہ عمرؓ نے حکم دیا ہے کہ بچے جب تک ماں کا دودھ نہ چھوڑیں، بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے، میں اس غرض سے اس کا دودھ چھڑاتی ہوں اور یہ اس وجہ سے روتا ہے۔ سیدنا عمرؓ پر رقت طاری ہوگئی اور کہا کہ ہائے عمر! تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا، اسی دن سے منادی عام کرا دی کہ بچہ جس دن پیدا ہو، اسی تاریخ سے اس کا روزینہ (وظیفہ) مقرر کیا جائے۔(۵۳)

چوں کہ خلافت اسلامیہ میں عدل اجتماعی کو ایک جزو لا ینفک کے طور پر لیا جاتا ہے اس لیے اسلامی تاریخ اس طرح کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

سیدنا عمر فاروقؓ ہی کی نسبت سے ڈنمارک حکومت نے بھی سماجی بہبود کے لیے عمر الاؤنس رکھا ہوا ہے۔ جب کہ یہ ایک غیر مسلم حکومت ہے۔

اسلام اور مغرب کا تصور عدل اجتماعی .... باہمی موازنہ:

کسی بھی قوم میں اس کے بانی کے فکری آثار شعوری یا لاشعوری طور پر موجود ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات ہی میں زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام کو عملی صورت میں نافذ کر دیا تھا۔ اس طرح نبی کریم ﷺ نے نہ صرف دین و دنیا میں اعتدال کے اصول کو قائم رکھا بلکہ اس بات کو بھی رد کر دیا کہ دین کا تعلق محض روحانیت تک محدود ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جس عقائد، عبادات معاملات، سیاست و معیشت بلکہ تمام پہلوؤں میں اعتدال کے اصول کو پیش نظر رکھا۔ اسی طرح صحابہ کرام نے بھی اعتدال کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

اس کے برعکس مغربی تصور عدل اجتماعی کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ مغرب میں ایک پہلو پر زور دیا گیا تو دوسرے پہلو کم زور ہو کر رہ گئے۔ مغرب نے سرمایہ دارانہ اور اشتراکی معیشت کے پھیلاؤ کو معاشرہ میں عدل اجتماعی کے فروغ کے لیے اہم قرار دیا تو خود مغرب ہی میں خاندانی نظام تباہ برباد ہو کر رہ گیا۔ حالاں کہ کسی تہذیب کی ترقی کا راز کسی ایک شعبہِ زندگی میں نہیں بلکہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں نمایاں ہونا چاہیے۔ اس لیے کسی تہذیب کی ترقی کو جزوی طور پر نہیں کلی طور پر (In Totality) دیکھا جاتا ہے۔

عہد مابعد جدیدیت اور سماجی عدل:

عہد مابعد جدیدیت (Postmodernism) جس کا آغاز ڈیوڈلیون (David Lyon) کے مطابق 1980ء

Marfat.com

سے ہوا۔ عہد مابعد جدید کے مفکرین مغرب کی ترقی اور عدل اجتماعی کے تصور کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جدید معاشرے کی تیزی سے تبدیل ہوتی ہوئی حالت، نئے معاشرے کا مزاج، مسائل، ذہنی رویے یا معاشرتی وثقافتی یا ثقافت کی تبدیلی جو ایک بحران (Crisis) کا درجہ رکھتی ہے۔ عہد مابعد جدیدیت تاریخی طور پر ایک جدیدیت کے بعد ہے اور اس سے گریز بھی ہے۔ عہد مابعد جدیدیت (Postmodernism) سے قبل مغرب میں جدیدیت (Modernism) روشن خیالی کے منصوبے (Enlightenment Project) کا حصہ تھی، جیسا کہ ہیبر ماس (Hebermas) کے حوالے سے مارک سی ٹیلر (Mark C. Taylor) لکھتے ہیں۔

"So understood, modernism is, as Hebermas continues to insist an contention of Enlightenment project."(54)

چنانچہ مغرب کا روشن خیالی کا منصوبہ انسان کی تاریخی اور سائنسی ترقی کے سہانے خواب سے عبارت تھا۔ مگر مغرب کے انسان نے سائنس سے جو توقعات وابستہ تھیں اس نے اتنے مسائل حل نہیں کیے جتنے پیدا کر دیے۔ اسی کے ساتھ نہ صرف یہ کہ سائنسی ترقی سے انسانی مسرت کا خواب پورا نہیں ہوا بلکہ برقیاتی اور تکنیکی تبدیلیوں سے معاشرہ دیکھتے ہی دیکھتے ابلاغی معاشرہ (Media Society) میں بدل گیا۔ اور نئے تجارتی طور پر طریقوں نے صارفیت (Consumerism) کی ایسی شکلوں کو پیدا کر دیا جن کا پہلے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

چنانچہ عہد مابعد جدیدیت کے مفکرین نے جن میں لیو تارڈ (Jean-Francois Lyoterd) جرگن ہیبر ماس (J.Hebermas) اور فوکو (fouicautl) وغیرہ شامل ہیں، اس کا ناقدانہ جائزہ پیش کیا ہے۔ اور عہد مابعد جدیدیت کے دور کی علمی وسائنسی ترقی کے خواب کو بکھیر کر رکھ دیا ہے۔

لیو تارڈ (Lyoterd) کا کہنا ہے کہ کمپیوٹر معاشرہ میں علم کی نوعیت یکسر بدل گئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"Data Banks are the Encyclopedia of tomorrow, they are "nature" for postmodern men and women."(55)

اسی طرح لیو تارڈ لکھتا ہے کہ پس جدجدیت (Knowledge) پوری طرح کمرشل قوتوں کے زیر سایہ آ گیا ہے۔ علم اب شخصیت کا جزو نہیں بلکہ منڈی کا مال ہے جسے خریدا اور بیچا جا سکتا ہے۔ علم اب حاکم نہیں بلکہ محکوم ہو گیا ہے اور علم جو پہلے ذہن انسانی کو جلا بخشنے یا شخصیت کو سنوارنے اور نکھارنے کے لئے حاصل کیا جاتا تھا، اب علم فقط اس لیے پیدا کیا جائے گا کہ منڈی معیشت میں اس سے منافع اندوزی کی جا سکے یا اس کو طاقت کے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ چنانچہ فوکو (Foucault) کے حوالے سے جان سٹوری (John Storey) لکھتے ہیں:

"Knowledge is not neutral or objective, Knowledge is produced for power relations."(56)

پس جدیدیت کا سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ کیا روشن خیالی کا پروجیکٹ کا نام ہو گیا؟ یہ منصوبہ (Project)

Marfat.com

اٹھارویں صدی کے فلاسفہ کی امید پرور اور حوصلہ مندانہ فکر سے یادگار چلا آتا تھا جنھوں نے انسان کی ترقی کا خواب دکھایا تھا اور جو سائنس کی معروضی پیش رفت، آفاقی اخلاقیات اور قانون کی بالادستی سے عبارت تھا۔ اور اس بات پر یقین و ایمان تھا کہ فطرت اور مادی وسائل پر قدرت حاصل ہوجانے سے ذات اور کائنات کا عرفان بڑھے گا، عدل وانصاف اور امن وامان کا دور دورہ ہوگا اور انسان مسلسل ترقی کی منازل طے کرتا چلا جائے گا۔

مگر روشن خیالی کے خوابوں کی جو تعبیر سامنے آئی ہے وہ نہ صرف حوصلہ افزا نہیں بلکہ مایوس کن بھی ہے۔ سائنس وٹیکنالوجی کی ترقی اور جدید کاری کے ساتھ دنیا کی جو تصویر بنی ہے وہ اس کے بالکل برعکس اور متضاد ہے جو روشن خیالی کے علمبرداروں نے دکھائی تھی، بظاہر آسائشوں اور ساز وسامان سے بھرپور زندگی، اندر سے کھوکھلی اور بے تہہ ہو چکی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت کے مادی فلسفہ کی وجہ سے فوری نتائج وکامیابی، منافع خوری، حرص وہوس، لالچ وطمع، اور اقتدار کی ہوس حاوی محرکات ٹھہرے ہیں۔ خوشی اور مسرت منڈی کا مال ہیں۔ اور ہر چیز کمرشل رنگ میں رنگ کر اپنی اصلیت سے محروم ہو چکی ہے۔ چنانچہ پس جدیدیت کے مفکرین جدیدیت کے سابقہ تصور کو چیلنج کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ انسان یقیناً ترقی (Progress) کر رہا ہے لیکن یہ ترقی کیفیتی اعتبار سے نہیں بلکہ کمیتی اعتبار سے ہے۔ کیفیتی اعتبار سے انسان کی یا علم کی جس ترقی کی ضمانت دی گئی تھی، افسوس کہ وہ پوری نہ ہوئی اور اس طرح روشن خیالی کا منصوبہ اپنی شکست سے دوچار ہو چکا ہے۔ فوکو (Foucault) کے نزدیک جدید کاری کے تمام خواب مثلاً صداقت مطلق کی جدلیات، انسان کی آزادی وحریت غیر طبقاتی معاشرہ وخوشحالی اور امن ومسرت کا خوش کن خواب، سب پر سوالیہ نشان لگ چکا ہے۔

درج بالا بحث دیکھنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ روشن خیالی اور تحریک اصلاح کے وقت سرمایہ داری فکر کے ذریعے اور بعد میں اشتراکی فلسفہ کے تحت انسانیت کو جو سہانے خواب دکھائے گئے تھے وہ عہد مابعد جدیدیت (Postmodernism) میں بکھر چکے ہیں۔ لہٰذا موجودہ دور میں جو ثقافتی ومعاشرتی مسائل ہیں، وحی کی تعلیمات کی روشنی میں ہی حل کیے جا سکتے ہیں۔ وحی حقیقی کی روشنی میں جو معاشرہ ترتیب پائے گا اس کی بنیاد حرص وہوس پر نہیں بلکہ محبت واخوت پر ہوگی۔

جدیدیت (Modernism) نے جس بے روح اور مادیت زدہ انسان کو پروان چڑھایا تھا وہ بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں اپنے سہانے خوابوں کو بکھرتا دیکھ کر اور ذہنی انتشار کا شکار ہو کر حقیقت مطلقہ کی تلاش میں سرگرداں نظر آنے لگا۔ کیونکہ اب اس نے مادیت، حرص وہوس، لالچ وطمع اور تعیشات کی آخری حدوں کو چھو کر اس حقیقت کو پا لیا تھا کہ یہ انسانیت کی معراج اور اسکی زندگی کا مقصود نہیں بلکہ یہ حیوانیت سے بھی بدتر اور مقام اسفل سافلین ہے روح کی پیاس نے جدید انسان کو دوبارہ مذہب کی طرف لوٹا دیا۔ کیونکہ عقلِ معاش وعقلِ وجزوی کی پیروی، حسیت وتجربیت پر مبنی علوم کبھی بھی مذہب کا متبادل نہیں پیش کر سکتیں۔

علامہ اقبال انسانیت کی موجودہ اخلاقی وروحانی تباہ حالی، مایوسی اور دل گرفتگی کا علاج سرمایہ داری یا اشتراکیت میں نہیں بلکہ مذہب حقیقی کے اختیار کرنے میں دیکھتے ہیں۔ علامہ لکھتے ہیں کہ ازمنہ متوسطہ کا نوفلاطونی تصوف ہو یا وطنیت پرستی اور نہ ہی الحادی اشتراکیت انسانیت کی مایوسی اور دل گرفتگی کا مداوا ہرگز نہیں کر سکتی، جس میں آج کل کی دنیا گرفتار ہے، اور جس کی

Marfat.com

وجہ سے تہذیب انسانی کو ایک زبردست خطرہ درپیش ہے:

"Neither the technique of medieval mysticism, nor nationalism, nor atheistic socialism can cure the ills of a despairing humanity. Surely the present moment is one of great crisis in the history of modern culture. The modern world stands in need of biological renewal. And religion, which in its higher manifestations is neither dogma, nor priesthood, nor ritual, can alone ethically prepare the modern man for the burden of the great responsibility which the advancement of modern science necessary involves, and restore to him that attitude of faith which makes him capable of winning a personality her and retaining it hereafter. It is only by rising to a fresh vision of his origion and future, his whence and whither that man will eventually triumph over a society motivated by an inhuman competition and a civilization which has lost its spiritual unity by its inner conflict of religious and political values."(57)

یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ اشتراکیت کے زوال کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ سرمایادارانہ نظام کو سند جواز مل گئی ہے، بلکہ یہ آج بھی اتنا ہی انسانیت کے لیے سم قاتل ہے جتنا کہ پہلے انسانیت سوز تھا۔

یہی وجہ ہے کہ روس کے زوال کے بعد عالمی سطح پر جو خلا پیدا ہوگیا ہے اسکو کوئی نظریہ (Ideology) نہیں بلکہ دین اسلام ابھر رہا ہے اور یہ ایسا دین ہے جس کے پاس وحی اصل صورت میں محفوظ ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان اور عدل اجتماعی

پاکستان کے ۱۹۷۳ء کے آئین میں عدل اجتماعی کا باقاعدہ ذکر موجود ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ پاکستان کے آئین میں جس عدل اجتماعی کا ذکر ملتا ہے زندگی کے کسی ایک شعبہ کے متعلق نہیں بلکہ تمام پہلوؤں کے متعلق ملتا ہے۔ ۱۹۷۳ء کے آئینِ پاکستان کے ابتدائیہ (Preamble) میں لکھا گیا ہے کہ جیسا کہ کُل عالم پر خدائے قادرِ مطلق کی حاکیت ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجوزہ اختیارات کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ان کا استعمال پاکستانی عوام کے پاس ایک مقدس امانت کی طرح ہے اور جیسا کہ پاکستانی عوام کی یہ خواہش ہے کہ وہ ایک ایسا نظام قائم کریں جس کے تحت جمہوریت، آزادی مساوات رواداری اور عدل اجتماعی (Social Justice) کے ان اصولوں پر مکمل طور پر عمل کیا جائے جو اسلام کی طرف سے مقرر کیے گئے ہیں:

Marfat.com

"Whereas sovereignty over the entire Universe belongs to Almighty Allah alone, and the authority to be exercised by the people of Pakistan within the limits prescribed by Him is a sacred trust; And whereas it is the will of the people of Pakistan to establish an order: Wherein the principles of democracy, freedom, equality, tolerance and Social Justice, as enunciated by Islam, shall be fully observed."(58)

آئینِ پاکستان کے آرٹیکل نمبر ۳۷ کے مطابق سماجی عدل (Social Justice) کا فروغ اور برائیوں کا سدِ باب کرنے کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔

Promotion of social justice and eradication of social evils.

The State shall:

(a) promote, with special care, the educational and economic interests of backward classes or areas;

(b) remove illiteracy and provide free and compulsory secondary education within minimum possible period;

(c) make technical and professional education generally available and higher education equally accessible to all on the basis of merit;

(d) ensure inexpensive and expeditious justice;

(e) make provision for securing just and humane conditions of work, ensuring that children and women are not employed in vocations unsuited to their age or sex, and for maternity benefits for women in employment;

(f) enable the people of different areas, through education, training, agricultural and industrial development and other methods, to participate fully in all forms of national activities, including employment in the service of Pakistan;

(g) prevent prostitution, gambling and taking of injurious drugs, printing, publication, circulation and display of obscene literature and advertisements;

(h) prevent the consumption of alcoholic liquor otherwise than for medicinal and, in the case of non-Muslims, religious purposes; and

Marfat.com

(i) decentralise the Government administration so as to facilitate expeditious di posal of its business to meet the convenience and requirements of the public.

آئینِ پاکستان کے آرٹیکل نمبر ۳۸ کے مطابق پاکستانی عوام کی سماجی اور معاشی فلاح و بہبود کے لیے بھی اقدامات کیے جائیں گے۔

Promotion of social and economic well-being of the people.

The State shall :

(a) secure the well-being of the people, irrespective of sex, caste, creed or race, by raising their standard of living, by preventing the concentration of wealth and means of production and distribution in the hands of a few to the detriment of general interest and by ensuring equitable adjustment of rights between employers and employees, and landlords and tenants;

(b) provide for all citizens, within the available resources of the country, facilities for work and adequate livelihood with reasonable rest and leisure;

(c) provide for all persons employed in the service of Pakistan or otherwise, social security by compulsory social insurance or other means;

(d) provide basic necessities of life, such as food, clothing. housing, education and medical relief, for all such citizens, irrespective of sex, caste, creed or race, as are permanently or temporarily unable to earn their livelihood on account of infirmity, sickness or unemployment;

(e) reduce disparity in the income and earnings of individuals, including persons in the various classes of the service of Pakistan; [17A]

(f) eliminate riba as early as possible [17B]

پاکستان کے آئین میں عدل اجتماعی تفصیلی ذکر موجود ہے مگر بدقسمتی سے اس پر عمل کرنے میں کوتاہی برتی جاتی ہے۔حکومت پاکستان کی طرف سے تساہل برتا جاتا ہے۔

سفارشات وتجاویز

الف۔ عدل اجتماعی کا تعلق کسی زندگی کے کسی ایک جہت سے نہیں بلکہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں سے اس کا تعلق ہے۔ لہٰذا جس تہذیب کے ایک پہلو میں تو عدل اجتماعی پایا جاتا ہو مگر باقی شعبہ ہائے زندگی اس سے عاری ہوں تو وہ

Marfat.com

تہذیب معتدل تہذیب (Moderate Civilization) کہلانے حق دار نہیں ہے۔

ب۔ سرمایہ دارانہ اور اشتراکی ممالک میں عدل اجتماعی کا ادھورا تصور ہے کہ ایک طرف لوگوں کو معاشی تحفظ دیا جاتا ہے تو دوسری طرف عائلی نظام زندگی تباہ کے دہانے پہنچ چکا ہے۔ روحانی زندگی کا تصور ختم ہو چکا ہے۔

ج۔ اسلام نے عہد نبوی میں اور عہد خلافت راشدہ میں زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے اجتماعی عدل کو عملی جامہ پہنایا۔ اس کے برعکس اسلام تو زندگی کے تمام پہلوؤں میں اعتدال کا پہلو لیے ہوئے ہے جیسا کہ قرآن و حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

د۔ اسلام کے معاشی شعبہ میں اس سلسلہ میں پورا نظام موجود ہے، جو تکافل کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کی تنفیذ کو مؤثر بنایا جانا چاہیے۔

ھ۔ آئین پاکستان میں اگر چہ عدل اجتماعی کا تفصیلی ذکر موجود ہے مگر عملاً تساہل برتا جاتا ہے۔ آئین پاکستان پر عمل کرتے ہوئے پاکستان کو صحیح معنی میں اسلامی فلاحی مملکت بنانے کے لیے عملی اقدامات کیے جائیں۔

و۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے سود سے پاک معیشت کو فروغ دیا جائے تاکہ ذات باری تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ سے جنگ نہیں بلکہ برکت اور نصرت و اعانت سے آغاز کیا جائے۔ جیسا کہ آئین پاکستان میں اس بات کا عہد کیا گیا ہے کہ سودی نظام کو ختم کیا جائے گا۔

حوالہ جات

۱۔ القرآن ۹۵/۵۔ ...... ۲۔ اصفہانی، راغب، المفردات فی غریب القرآن، ج ۲، ص ۷۶۔ ...... ۳۔ اسماعیل بن عباد، المحیط فی اللغۃ، تحقیق شیخ محمد حسن آل یاسین، عالم الکتاب، طبع اول، ۱۹۹۴ء، ص ۴۲۳۔ ...... ۴۔ اسماعیل بن عباد، المحیط فی اللغۃ، ص ۴۲۳۔ ...... ۵۔ زمخشری، جار اللہ، أساس البلاغۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ص ۴۹۰۔ ...... ۶۔ القرآن ۵۸/۴۔ ...... ۷۔ القرآن ۱۵۲/۶۔ ...... ۸۔ القرآن ۱۲۳/۲۔ ...... ۹۔ القرآن ۱۸۱/۷۔ الأزہری، ابو منصور محمد بن احمد، تھذیب اللغۃ، ج ۲، ص ۲۱۰۔ ...... ۱۰۔ القرآن ۶۵/۲ ...... ۱۱۔ الأزہری، ابو منصور محمد بن احمد، تھذیب اللغۃ، ج ۲، ص ۲۱۰۔ ...... ۱۲۔ الأزہری، ابو منصور محمد بن احمد، تھذیب اللغۃ، ج ۲، ص ۲۱۰۔ ...... ۱۳۔ الأزہری، ابو منصور محمد بن احمد، تھذیب اللغۃ، ج ۲، ص ۲۱۰۔ ......
۱۴۔ Lane, William Edward, Arabic-English, Lexicon, Islamic Book Centre, Lahore, p. 1971 ...... ۱۵۔ الأزہری، ابو منصور محمد بن احمد، تھذیب اللغۃ، ج ۲، ص ۲۰۹۔ ...... ۱۶۔ الأزہری، ابو منصور محمد بن احمد، تھذیب اللغۃ، ج ۲، ص ۲۰۹۔ ...... ۱۷۔ الأزہری، ابو منصور محمد بن احمد، تھذیب اللغۃ، ج ۲، ص ۲۰۹۔ ...... ۱۸۔ القرآن ۱۵/۷۲۔ ...... ۱۹۔ القرآن ۱۵۰/۶۔ ...... ۲۰۔ Lane, William Edward, Arabic-English, Lexicon, Islamic Book Centre, Lahore, vol. part: 5, p. 1975. ...... ۲۱۔ القرآن ۱۹/۳۱۔ ...... ۲۲۔ حنبل، احمد بن، المسند، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۹ء، (مسند عبد اللہ بن مسعود) ج ۳، ص ۳۴۲۔ ...... ۲۳۔ طبرانی، ابو القاسم، المعجم الأوسط، ج ۲، ۱۲۳۔ ...... ۲۴۔ القرآن ۹/۵۵۔ ...... ۲۵۔ اصفہانی، راغب، المفردات فی غریب القرآن، ج ۲، ص ۱۱۱۴۔ ...... ۲۶۔ القرآن ۱۴۳/۲۔ ...... ۲۷۔ اصفہانی، راغب، المفردات فی غریب القرآن، ج ۲، ص،

Marfat.com

۱۶۔۱۱۱۵۔ ...... ۲۸۔ القرآن ۳/۶۸ ...... ۲۹۔ غزالی، ابو حامد محمد بن محمد، الأسماء الحسنٰی، ص ۸۵۔ ...... ۳۰۔ القرآن ۷/۸۲۔
...... ۳۱۔ القرآن ۳۳/۷۲۔ ...... ۳۲۔ القرآن ۲/۱۴۳۔ ...... ۳۳۔ القرآن ۵۷/۲۵ ...... ۳۴۔ القرآن ۶/۱۱۵۔ ...... ۳۵۔
شفیع، مفتی محمد، معارف القرآن، ادارہ المعارف، کراچی، ج ۵، ص ۳۸۹۔ ...... ۳۶۔ القرآن ۱۶/۹۰۔ ...... ۳۷۔ تھانوی،
اشرف علی، بیان القرآن۔ ...... ۳۸۔ Leo W. Shields, The History and Meaning of the Term
Social Justice, Notre Dame, Indiana, 1941, p. 26. ...... ۳۹۔ ابراہیم حداد، العدالۃ الاجتماعیۃ،
دار الثقافۃ، بیروت، ۱۹۶۳ء، ص ۱۰،۱۱۔ ...... ۴۰۔ Social Justice in an Open World, United Nations,
New York, 2006, p. 3۔ ...... ۴۱۔ Social Justice in an Open World, United Nations, New
York, 2006, p. 3۔ ...... ۴۲۔ اوصاف، احمد، ڈاکٹر، علم معاشیات اور اسلامی معاشیات، ایفا پبلی کیشنز، نئی دہلی،
انڈیا، ۲۰۱۰ء، ص ۶۶، ۶۷۔ ...... ۴۳۔ King, Desmond S.,The New Right, The Dorsey Press,
1987, Chicago, p. 82۔ ...... Wolff, Jonathan, Social Justice, p. 172۔ ...... ۴۴۔ اوصاف،
احمد، ڈاکٹر، علم معاشیات اور اسلامی معاشیات، ص ۶۶، ۶۷۔ ...... ۴۵۔ قادر، سی اے، کارل مارکس اور اس کی تعلیمات، مغربی
پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۵۲، ۵۳، ۵۴۔ ...... ۴۶۔ اوصاف، احمد، ڈاکٹر، علم معاشیات اور اسلامی معاشیات، ص
۶۶، ۶۷۔ ...... ۴۷۔ القرآن ۲۵/۴۳۔ ...... ۴۸۔ القرآن ۴/۱۷۱۔ ...... ۴۹۔ رسالہ چراغ راہ، سوشل ازم نمبر، مدیر: خورشید
احمد، ص ۱۷۴۔۱۷۸۔ ...... ۵۰۔ Fromm. Eric, The Sane Society, Routledge, London,
2005, p. 265۔ ...... ۵۱۔ القرآن ۴۳/۳۲۔ ...... ۵۲۔ القرآن ۴۲/۲۷ ...... ۵۲الف۔ القرآن ۴۹/۱۳۔ ...... ۵۳۔
نعمانی، شبلی، الفاروق، نوید پبلی شرز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۳۳۹۔ ...... ۵۴۔ Reforming postmodernism" by
M.C Taylor, which is a part of "Postmodernism and Religion" Edited by
Philoppa Baerry. Routledge, London. 1992)۔ ...... ۵۵۔ Layotard, F., The
Postmodern Condition, p. 195)۔ ...... ۵۶۔ Story, Hohn, cultural theory and
Popular culture, p-167, Harvester wheatsheaf, London.1993)۔ ...... ۵۷۔ Iqbal,
Allama, Muhammad, Reconstruction of Religious Thoughts in Islam, p۔ ...... ۵۸۔
Constitution of Pakistan 1973(Preamble)۔ ...... ۵۹۔ Constitution of Pakistan
1973(Preamble)۔ ...... ۶۰۔ onstitution of Pakistan 1973.۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد مشتاق کلوٹا - کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ O

تیرے کردار کو قرآں نے کہا خلقِ عظیم　　تیرے اعدا نے بھی تسلیم کیا تجھ کو امیں
تو نے بخشی ہے نگاہوں کو وسیع النظری　　تو نے سینوں کو دیا ذوقِ وفا، سوزِ یقیں

اسلام ایک آخری دین ہے جو حضرت محمد(۱) مدثر(۲) صادق(۳) امین (۴) داع (۵)الامی (۶) فائق (۷)متلقی القرآن (۸) العالم (۹) العلیم (۱۰) المعلم (۱۱) مصد ق (۱۲) الحجۃ البالغۃ (۱۳)، مبشراً (۱۴)صاحب المعراج (۱۵)المرتل (۱۶) الحکیم (۱۷) المزکی (۱۸) ھادی اعظم (۱۹) خاتم النبیین (۲۰)الظاھر (۲۱) امام الناس (۲۲)احمد(۲۳) سید الثقلین(۲۴) رفیع الذکر(۲۵)عبداللہ (۲۶) المبتھل (۲۷) شاھداً (۲۸) المرتضی (۲۹) رؤف رحیم (۳۰) المجاھد(۳۱) ذوالقوۃ (۳۲) بشر کامل (۳۳)رسول کامل (۳۴) امام المتقین (۳۵) المسبح(۳۶)عبد کامل (۳۷) المنذر (۳۸) المؤید(۳۹) المتوکل (۴۰) العابد (۴۱) الذکر ﷺ(۴۲) کو آخری کتاب یعنی قرآن پاک کے ذریعے عطا فرمایا گیا ہے اس کا دائرہ نصیحت عالمگیری اور دور قیامت تک ہے۔ارشاد ربانی ہے: ﴿قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا﴾(۴۳)**ترجمہ**: ''اے محمد! کہہ دیجئے کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں''۔ افضل الانبیاء ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''کان کل نبی یبعث الیٰ قومہ خاصہ و بعثت الیٰ کل احمر و اسود'' (۴۴) **ترجمہ**: ''ہر نبی اپنی خاص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور میں تمام سرخ و سیاہ قوموں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں''۔

اسلام کے پورے نظام کی اساس اور معیشت و معاشرت کی بنیاد عدل اجتماعی پر ہے۔اگر غور سے دیکھا جائے تو پوری کائنات کا نظام ہی عدل پر قائم ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں عدل اجتماعی کا نظام قائم ہوگا وہاں سے خود بخود برائیوں کا انسداد ممکن ہوسکے گا۔اشرف الانبیاء ﷺ نے اپنے قول وفعل سے ایک ایسا معاشرہ تشکیل کر کے دکھایا جہاں ہر فرد انجانے اور لاعلمی میں گناہ کر لینے کے باوجود بھی خود ہی کو سزا پانے کی فکر میں رہتا۔الصادق و الامین ﷺ کی حیات طیبہ کا ایک امتیازی وصف ان کا عدل اجتماعی تھا۔ (۴۵)

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو اللہ اور اس کے خاتم النبیین ﷺ کی ہدایت کی روشنی میں زندگی کے تمام شعبوں کی تعمیر اور صورت گری کرتا ہے اور زندگی کے پہلو ہدایت الٰہی کو نور سے منور کرتا ہے خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، معاشرتی ہو یا

Marfat.com

تمدنی، مادی ہو یا روحانی، معاشی ہو یا سیاسی اور ملکی ہو یا بین الاقوامی اس کے ساتھ ساتھ پوری قوت سے زندگی کی روحانی حقیقت کا بھی اظہار کرتا ہے۔ یہ دعویٰ کہ اسلام زندگی کے تمام مسائل کو بہ حسن وخوبی حل کرتا ہے اور کوئی نظام یا نظریہ حیات اس پہلو سے اسلام کا مقابلہ نہیں کرسکتا محض ایک جذباتی دعویٰ نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے۔ (۴۶)

جب سیدنا محمد امام الانبیاء ﷺ دنیا میں ''باران رحمت'' بن کر تشریف لائے، اس وقت دنیا ہر قسم کے ظلم و استحصال، جور و تعدی کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی اور ہر طرف جہالت، جبر اور ناانصافی کا دور دورہ تھا۔ اونچی نسل اور اعلیٰ طبقے کے لوگ ہر طرح کی زیادتی، ہر نوع کے ظلم و جبر کو اپنا حق منصبی خیال کرتے تھے۔ چنانچہ ایک طرف ظالم و قاہر حکمرانوں کے سائے تلے، انسانیت پڑی سسک رہی تھی تو دوسری طرف تمام بڑے بڑے مذاہب اپنی افادیت کھو کر محض رسم و رواج کا مجموعہ بن چکے تھے۔ مولانا حالی نے اپنی مسدس میں اس دور کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

نہ یہ بخت و اقبال نصرانیوں کا   نہ دور دورہ تھا عبرانیوں کا
پریشان تھا شیرازہ ساسانیوں کا   پراگندہ دفتر تھا یونانیوں کا
چراغ اہل ایراں کا تھا ٹمٹماتا (۴۷)   جہاز اہلِ روما کا تھا ڈگمگاتا

عدل اجتماعی کی تعریف: ''عدل اجتماعی'' کی تعریف اس طرح کی گئی ہے: ''التقدير الصحيح والاعتراف الكامل بحقوق وجدارة كل فرد و احترامها'' (۴۸)

''عدل اجتماعی سے ایسا معاشی اور اقتصادی نظام مراد ہے جو معیشت کو اس طرح سے مضبوط کرے کہ معاشرے کے ہر فرد کو بلا تفریق ایسے مواقع میسر ہو جس میں وہ اپنی صلاحیتیں اور کوششیں بہترین طریقے سے بروئے کار لاسکیں، تاکہ وہ خود بھی مضبوط ہو اور ملکی معیشت بھی ترقی پذیر ہو۔'' (۴۸الف)

ابو نصر الفارابی کے مطابق:

''العدل والاً يكون في قسمة الخيرات المشتركة التي لاهل المدينة علٰى جميعهم فان لكل واحد من اهل المدينة قسطاً من هذه الخيرات مساوياً لاستنهاله، فنقصه عن ذلك و زيادته جور'' (۴۹)

Social Justice: Social justice is justice exercised within a society, particularly as it is exercised by and among the various social classes of that society. A socially just society is based on the principles of equality and solidarity, understands and values human rights, and recognizes the dignity of every human being.(50)

مختصر الفاظ میں ''عدل اجتماعی'' درحقیقت جس چیز کا نام ہے وہ یہ کہ ''افراد، خاندان، قبیلوں، برادریوں اور قوتوں میں سے ہر ایک کو مناسب آزادی بھی حاصل ہو اور اس کے ساتھ ظلم و زیادتی کو روکنے کے لیے یہ مختلف اجتماعی اداروں کو افراد پر ایک دوسرے پر اقتدار بھی حاصل ہو اور مختلف افراد اور گروہوں سے وہ خدمت بھی لی جاسکے جو اجتماعی فلاح کے لیے

Marfat.com

درکار ہے۔"(۵۱)

عدل کی تعریف: بنیادی طور پر یہ لفظ عربی کے تین حروف پر مشتمل ہے جو"ن، ص اور ف" ہیں۔ یہی حروف جب باب افعال کے وزن پر آتے ہیں تو لفظ انصاف بن جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ان حروف پر مبنی صرف یہی ایک لفظ"نصف" ہی آتا ہے۔ لفظ"انصاف" قرآن پاک میں کسی جگہ نہیں آیا۔ جن معنوں میں اردو والے"انصاف" کا مفہوم ادا کرتے ہیں ان کے لیے قرآن میں"عدل" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انصاف کو کسی نے بھی فقہی اصطلاح میں شمار نہیں کیا بلکہ یہ مفہوم ادا کرنے کے لیے لفظ"عدل" استعمال کیا جاتا ہے۔(۵۲)

عدل کی ترکیب"ع، د، ل" سے۔ اعتدال بھی اسی سے نکلا ہے جس کا معنی توازن (Balance) ہے۔ معتدل بھی عام استعمال کا لفظ ہے۔ یہ اس شے کے لیے استعمال ہوتا ہے جس میں توازن پایا جائے۔ عادل اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو عدل کرے۔ لفظ عدالت بھی اسی سے نکلا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں عدل کیا جاتا ہے۔ لفظ عدل اور اس خاندان کے الفاظ قرآن کریم میں کئی جگہ آتے ہیں۔ مثلاً

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ (۵۳) **ترجمہ:** "بے شک اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔"

قرآن و حدیث میں انصاف کا لفظ ان معنوں میں کہیں استعمال نہیں ہوا۔ قرآن و حدیث میں اس مفہوم کو ادا کرنے یا باہمی حقوق کی صحیح تعین کے لیے دو لفظ استعمال ہوئے ہیں ایک عدل اور دوسرا قسط (۵۴) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ (۵۵) **ترجمہ:** "جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔"

﴿وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (۵۶) **ترجمہ:** "اور انصاف سے کام لو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

ان کے علاوہ ایک تیسرا لفظ"قضا" بھی قرآن کریم میں آیا ہے قضا کے لفظی معنی کسی کام کو پورا کرنے یا فیصلہ کرنے کے ہیں مگر جب اس کے ساتھ بالحق کا استعمال ہو تو اس کا مفہوم عدل و انصاف پر مبنی فیصلہ ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ﴾ (۵۷) **ترجمہ:** "اور اللہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے"۔ قسط کا لفظ"لغت ذوی الاضداد" سے ہے گویا قسط کے ایک معنی تو عدل و انصاف کے ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ﴾ (۵۸) **ترجمہ:** "اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور وہ لوگ بھی جو انصاف پر قائم ہیں گواہی دیتے ہیں۔"

ظلم: اسلام عدل کو ظلم، زیادتی اور عدوان ہی کی ضد کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ عدل کے مواقع قدم قدم پر پیش آتے ہیں۔ مثلاً اس کا سب سے پہلا موقع حقوق اللہ اور حقوق نفس میں عدل ہے۔ جس طرح نفس کا حق اس طرح ادا کرنا کہ اللہ کا حق ضائع ہو جائے ظلم ہے۔ اسی طرح اللہ کا حق اس طرح ادا کرنا کہ نفس کا حق پامال ہو جائے یہ بھی ظلم ہے۔ نفس کے حقوق، اللہ کے حقوق، بندوں کے حقوق، ان سب میں توازن قائم رکھنا عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔ (۵۹) کلام مجید میں جتنی عدل و

Marfat.com

احسان کی توصیف وقیام عدل کی تاکید ہے اس سے زیادہ ظلم کی مذمت بیان ہوئی ہے۔

۱۔ ﴿وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (۶۰) **ترجمہ**: ''اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔''

۲۔ ﴿وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (۶۱) **ترجمہ**: ''اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا''

۳۔ ﴿وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا﴾ (۶۲) **ترجمہ**: ''اور ہم نے ظلم کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے''

۴۔ ﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا﴾ (۶۳) **ترجمہ**: ''ہم نے ظالموں کے لیے آتش دوزخ تیار کر رکھی ہے۔''

۵۔ ﴿اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ (۶۴) **ترجمہ**: ''بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

۶۔ ﴿اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ﴾ (۶۵) **ترجمہ**: ''ہاں ظلم کرنے والوں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔''

۷۔ ﴿وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ﴾ (۶۶) **ترجمہ**: ''اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں''

۸۔ ﴿مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ﴾ (۶۷) **ترجمہ**: ''ظالموں کا کوئی دوست نہیں۔''

ظلم احادیث مبارکہ کی روشنی میں:

۱۔قیامت کے دن ظلم اندھیروں کی شکل میں آئے گا۔ (۶۸)

۲۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ''میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام قرار دے رکھا ہے اور میں اسے تمہارے درمیان بھی حرام قرار دیتا ہوں۔اس لیے آپس میں ایک دوسرے پر ظلم مت کیا کرو'' (۶۹)

۳۔مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے وہ اس پر ظلم نہیں کرتا۔ (۷۰)

۴۔قیامت کے دن مظلوم ظالم سے قصاص لے گا، جانوروں کو بھی ایک دوسرے سے قصاص دلوایا جائے گا، حتیٰ کہ بے سینگ بکری کو سینگ والی بکری سے قصاص دلوایا جائے گا۔(۷۱)

۵۔بنی اسرائیل کے لوگوں میں سب سے پہلے یہی بیماری اور عیب پیدا ہوا تھا کہ وہ ظالم کو ظلم سے نہیں روکتے تھے، اے لوگو! تم ظالم کا ہاتھ روک لو، اسے حق تک محدود رہنے پر مجبور کردو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو ایک دوسرے پر مارے گا، جیسے بنی اسرائیل پر لعنت کی، اسی طرح تم پر بھی لعنت کرے گا۔(۷۲)

۶۔جس شخص پر ظلم ہو اور وہ اللہ کی خاطر اس پر خاموشی اختیار کرلے، اللہ تعالیٰ اس کی زبردست نصرت اور مدد فرماتا ہے۔(۷۳)

۷۔ایک دن ایسا آنے والا ہے جہاں کوئی درہم اور دینار نہ ہوگا، پھر اگر ظالم کے پاس نیکیاں ہوئیں تو وہ لے کر مظلوم کو دے دی جائیں گی، ورنہ مظلوم کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں گے۔ (۷۴)

عدل اور مفکرین کی آراء

۱۔شاہ ولی اللہ حجۃ البالغہ میں مملکت کے ارتقاء کے ضمن میں فرماتے ہیں ''تمدن و ترقی، معاشرتی اقدار کی بلندی اور سیاسی تنظیم کی ترقی کے ساتھ ساتھ بعض اوقات بخل و حسد، ریاء و کبر اور غضب وحقوق کے جذبات بھی ترقی کرتے رہتے ہیں۔اس لیے عمدہ اور پائیدار امن و امان، عمدہ نظام عدل پر ہی موقوف ہے اور عدل و انصاف کا قیام ہی سب سے اہم فریضہ ہے۔'' (۷۵)

۲۔ابن عربی نے فرمایا ''لفظ عدل کے معنی برابر کرنا ہیں''۔ ابو عبداللہ رازی نے فرمایا: ''عدل میں عقیدے کا اعتدال، عمل کا

Marfat.com

اعتدال اور اخلاق کا اعتدال مضمر ہے''۔ تفسیر ماجدی میں عدل سے مراد قوائے علمی و عملی ہیں۔ اعتدال اور توسط، اخلاق و معاملات اور عقائد و اعمال کے سارے شخصی مامورات اس میں آ گئے ہیں۔ (۷۶)

۳۔امام راغب کے نزدیک: ''عدل'' بدلہ دینے یا لینے میں برابری کا نام ہے۔ یعنی کوئی کسی کی ایک آنکھ پھوڑتا ہے تو اس کی وہی آنکھ پھوڑی جائے گی عدل اسی کا نام ہے۔ اگر ایک کے بجائے دونوں آنکھیں پھوڑی جائیں تو یہ ظلم ہوگا'' (۷۷)

علامہ عینی کے بقول: ''عدل واجب التمیل احکام کی تعمیل کا نام ہے۔ گویا عدل یہ ہے کہ تسلیم کرلیا جائے اور ظلم کا خاتمہ کردیا جائے۔'' (۷۸)

۴۔لارڈ ڈفنگ اپنی کتاب Road to Justice میں کہتا ہے ''اگر انصاف موجود ہوتو پھر برے اور ظالمانہ قوانین کی موجودگی میں بھی ایک ریاست سلامت رہ سکتی ہے لیکن اگر انصاف موجود نہیں تو کوئی بھی ملک زیادہ مدت تک سلامت نہیں رہ سکتا''، (۷۹)

۵۔میکاولی جیسا آمر اور خودسر شخص جو حکومت کے مخالفین کو کسی صورت معاف کرنے کا قائل نہیں وہ بھی عدل و انصاف کی اہمیت پر زور دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ''جہاں تک ممکن ہو عدل و انصاف کے تقاضے پورے کیے جائیں۔ (۸۰)

۶۔سوامی دیا نند نے انصاف کے بارے میں کہا ہے کہ ''اگر عدل و انصاف کو تباہ کیا گیا تو وہ اپنے تباہ کرنے والوں کو تباہ و برباد کردے گا اور عدل و انصاف کو محفوظ مصوّن رکھا گیا تو وہ اپنے محافظین کو محفوظ رکھے گا'' (۸۱)

۷۔ارسطو نے اپنی کتاب Publica میں عدل و انصاف کی تعریف یوں کی ہے: ''قانوناً جائز مناسب یا اس کے مساوی یعنی ترجیح اور امتیاز سے بالاتر۔'' (۸۲)

۸۔سالمنڈ نے اپنی کتاب ''فلسفہ قانون'' میں قانون کی تعریف ان الفاظ میں کرکے عدل و انصاف کا ذریعہ بتایا ہے: ''قانون ان اصولوں کے مجموعے کا نام ہے جس کو کسی مملکت یا ریاست نے عدل و انصاف کو بروئے عمل میں لانے کے لیے منظور اور نافذ کیا ہے۔'' (۸۳)

عدل اجتماعی قرآن پاک کی روشنی میں:

۱۔ ﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۸۴) **ترجمہ:** ''اور اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو عدل و انصاف سے فیصلہ کریں یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔

۲۔ ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (۸۵) **ترجمہ:** ''اے ایمان ولوں! تم عدل و انصاف کے ساتھ اللہ کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور تم کو کسی قوم کی دشمنی اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو بلکہ عدل کرو اور یہی تقویٰ کے قریب تر عمل ہے''۔

۳۔ ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ﴾ (۸۶) **ترجمہ:** ''بے شک اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ سو تم اپنے بھائیوں میں (اگر کوئی لڑائی کا مقام آئے) اصلاح کروا دیا کرو۔''

۴۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (۸۷) **ترجمہ:** ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔''

۵۔ ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ

Marfat.com

شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ (۸۸) **ترجمہ:** ''ہم نے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا اتارا۔ اس میں شدت کی سختی بھی ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی۔''

۶۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (۸۹) **ترجمہ:** ''اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کر دو اور جب لوگوں میں فیصلہ کیا کرو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔''

۷۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ (۹۰) **ترجمہ:** ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، انصاف پر قائم ہونے والے، اللہ کے کئے گواہی دینے والے رہو۔ گو تمہاری اپنی ذات یا ماں باپ اور قرابت داروں کے خلاف ہو اگر کوئی امیر ہو یا غریب تو اللہ دونوں کا زیادہ خیر خواہ ہے۔ سو تم خواہش کی پیروی نہ کرو تا کہ عدل کر سکو اور اگر تم پیچ دار بات کرو یا پہلو تہی کرو تو یقیناً جو تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔''

۸۔ ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (۹۱) **ترجمہ:** ''اور نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی میں باہم کسی کی مدد نہ کرو۔''

۹۔ ﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ (۹۲) **ترجمہ:** ''اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کرو''

۱۰۔ ﴿وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ﴾ (۹۳) ''اور وزن انصاف کے ساتھ پورا کرو! اور تولنے میں کمی نہ کرو۔''

۱۱۔ ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (۹۴) **ترجمہ:** ''مجھے تمہارے مابین عدل قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۱۲۔ ﴿وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۹۵) **ترجمہ:** '''عدل کرو اللہ عدل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

۱۳۔ ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ (۹۶) **ترجمہ:** ''اور آپ کے رب کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ پوری ہوگئی۔''

۱۴۔ ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾ (۹۷) **ترجمہ:** ''اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور فرشتے اور علم والوں نے بھی کہا کہ وہی اللہ جل شانہ عدل و انصاف کے ساتھ قائم ہے''

عدل اجتماعی رسول اللہ ﷺ کی نظر میں: (احادیث کی روشنی میں):

رحمت عالم ﷺ نے مختلف پیرائے میں عدل وانصاف کی ترغیب دی ہے اور لوگوں کے دلوں میں اسے راسخ کرنے کی جدوجہد فرمائی ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب امام عادل اور سب سے ناپسندیدہ ظالم حکمران ہے۔ (۹۸)

۲۔ احمد مجتبیٰ ﷺ نے فرمایا: ''تین شخصوں کی دعائیں رد نہیں کی جاتیں، روزہ دار کی بوقت افطار، منصف حاکم وخلیفہ کی، اور مظلوم کی۔ (۹۹)

۳۔ امام الوریٰ ﷺ نے منصف کا مرتبہ بیان فرمایا: ''انصاف ور سلطان کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔'' (۱۰۰)

۴۔ ایک دن کا انصاف ساٹھ سال کی عبادت سے بڑھا ہوا ہے۔ (۱۰۱)

۵۔ رحمت دو عالم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے خطاب کر کے فرمایا: ''اے ابو ہریرہ! ایک ساعت انصاف اس ساٹھ

Marfat.com

سال کی عبادت سے بہتر ہے جن کی راتیں شب بیداری میں گزریں اور دن روزے میں'' (۱۰۲)

۶۔ افضل البشر سیدنا محمد ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص انصاف کی کرسی پر بیٹھ کر انصاف سے گریز کرے، اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتے اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔'' (۱۰۳)

۷۔ امام الرسل سیدنا محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جس شخص نے مسلمانوں کے لیے منصف بننے کی خواہش کی اور اسے یہ منصب مل گیا، اس کے بعد اگر اس کے انصاف نے ظلم و زیادتی کو مغلوب کر ڈالا تو بلاشبہ اس کے لیے جنت ہے، اور اگر خدانخواستہ اس کا الٹا ہوا اور اس کا ظلم وستم ہی اس کے عدل و انصاف پر بازی لے گیا تو پھر اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ (۱۰۴)

۷۔ اللہ کی تائید قاضی کے ساتھ ہوتی ہے جب وہ فیصلہ کرے (الا یہ کہ فیصلہ حق کے خلاف نہ ہو۔) (۱۰۵)

۸۔ اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہے جب تک وہ اپنی خواہش پر فیصلہ نہ کرے۔ (۱۰۶)

۹۔ تو ان میں فیصلہ کر کیونکہ اللہ کی امداد قاضی کے ساتھ ہوتی ہے جب تک عمداً ظلم نہ کرے۔ (۱۰۷)

۱۰۔ فیصلہ میں رشوت دینے اور لینے والے پر اللہ لعنت کرتا ہے۔ (۱۰۸)

۱۱۔ جنت میں پہلے عادل فیصلہ کنندہ اور عادل بادشاہ داخل ہوگا۔ (۱۰۹)

۱۲۔ تجھ کو افسوس ہے کہ جب میں عدل نہ کروں تو کون کرے گا۔ (۱۱۰)

۱۳۔ ترازو اللہ کے ہاتھ میں ہے ایک قوم کو بلند کرتا ہے دوسری کو پست (۱۱۱)

۱۴۔ اپنی ادب کی لاٹھی اپنے گھر والوں سے دور نہ رکھ اور اپنی طرف سے ان سے انصاف کر۔ (۱۱۲)

۱۵۔ جو شخص قاضی بنتا ہے وہ گویا خود کو بغیر چھری کے ذبح کرتا ہے۔ (۱۱۳)

۱۶۔ بادشاہ کی نرم خوئی اور عدل سے کوئی چیز اہم نفع والی نہیں (۱۱۴)

۱۷۔ جو شخص قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔ (۱۱۵)

۱۸۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل کرو۔ (۱۱۶)

۱۹۔ بری وہ قوم ہے جو اللہ کی رضا کے لیے بھی عدل نہ کرے۔ (۱۱۷)

۲۰۔ وہ دو مقابل جو حاکم کے سامنے بیٹھیں ان میں فیصلہ کیا جائے گا۔ (۱۱۸)

۲۱۔ افضل الخلق سیدنا محمد ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ عادل تھے۔ (۱۱۹)

بعثت نبوی ﷺ کے وقت دنیا میں عدل و انصاف: احمدِ مرسل ﷺ کی بعثت سے قبل دنیا عدل وانصاف کے مفہوم سے نا آشنا تھی۔ طاقتور ظلم وستم کو اپنا حق سمجھتے تھے اور کمزور اپنی مظلومیت کو مقدر سمجھ کر برداشت کرنے پر مجبور تھے۔ (۱۲۰) فراعنۂ مصر کا خیال تھا کہ وہ سورج دیوتا ''راغ'' کا مظہر و مجسمہ ہیں۔ ہندوستان میں دو خاندان کو ''سورج بنسی'' (آفتاب زادے) اور ''چندر بنسی'' (ماہتاب زادے) کہا گیا ایران کے کسریٰ کو یہ زعم تھا کہ ان کی رگوں میں الٰہی خون گردش کررہا ہے، اس لیے اہل ملک انہیں تقدیس کی نظر سے دیکھتے تھے، کسریٰ پرویز کی تعریف یہ کی جاتی تھی کہ ''وہ خداؤں میں

Marfat.com

انسان لافانی اور انسانوں میں خدائے لاثانی، اس کا شرف رفیع ہے وہ سورج کے ساتھ طلوع ہوتا ہے اور اپنے نور سے تاریک راتوں کو روشن کرتا ہے۔'' (۱۲۱) قیاصرۂ روم بھی خدا سمجھے جاتے تھے اور ان کا لقب August ''عظیم وجلیل'' (۱۲۲) ہوتا تھا۔

چینی اپنے شہنشاہ کو آسمان زادہ سمجھتے تھے، ان کا اعتقاد تھا کہ آسمان نر اور زمین مادہ ہے، اور دونوں کے ملنے کسے یہ کائنات بنی ہے اور شہنشاہ ''ختا اوّل'' اس جوڑہ کی پہلی اولاد ہے۔(۱۲۳) عرب اپنے سوا سب کو عجم (بے زبان) سمجھتے تھے، قبیلہ قریش اپنے کو تمام قبائل عرب سے افضل سمجھتا تھا اور حج کے موقع پر بھی اپنی اس امتیازی شان کو برقرار رکھتا تھا وہ لوگوں سے میل جول نہیں رکھتا تھا اور عرفات میں حاجیوں کے ساتھ جانے کے بجائے حرم ہی میں ٹھہرا رہتا تھا اور مزدلفہ میں قیام کرتا تھا اور کہتا تھا کہ ''ہم اللہ کے شہر والے اور اس کے گھر کے رہنے والے ہیں'' اور کبھی کہتا تھا کہ ''ہم خواص ہیں۔'' (۱۲۴)

دنیا کے وہ سارے قوانین جو رائج تھے شہنشاہ و فرماں روا کو قانون سے بالاتر تصور کرتے ہیں۔ اِن کے نزدیک بادشاہ جرم کا ارتکاب نہیں کر سکتا ہے (The King Can do no wrong) یہ تصور شہنشاہی کے پیدائشی حق سے پیدا ہوتا ہے۔ The divine right of Kingship اس تصور کا ماخذ یہودیوں کا وہ عقیدہ بھی معلوم ہوتا ہے: ''بنی اسرائیل اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں'' یعنی The Chosen People of God اور اسی عقیدہ سے نصرانیوں کا عقیدہ متاثر نظر آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اس لیے ان سے غلطی کا ارتکاب ممکن نہیں اور پوپ اور پادری جو بھی ان کی جانشینی کا حق ادا کرے گا وہ بھی گناہ اور خطا سے پاک ہوگا۔ اسی فکر نے سماجی نظام زندگی میں عدم مساوات کا تصور رائج کر دیا اور ہر حاکم بالا کو یہ اختیار دے دیا کہ خود کو بادشاہ اور پیغمبر کا نمائندہ سمجھتے ہوئے اپنی زندگی کو سماجی قانون سے بالا تصور کرے۔ اسی عمل نے معاشرہ میں فساد کی بنیاد رکھ دی اور اونچ نیچ کا زہر پھیلا دیا۔(۱۲۵)

رُوما نے قانون سازی میں کمال پیدا کیا تھا اور رسول عربی ﷺ کی ولادت سے پانچ ہی سال پہلے مرنے والے شہنشاہ جسٹی نین نے رُومی قوانین کی تدوین کا کارنامہ انجام دلا کر دنیا کو ایک چیلنج دے دیا تھا کہ اس سے بہتر کوئی قانون لاؤ۔ اسی طرح ہندوؤں نے کچھ، مصریوں نے کچھ، ایرانیوں نے کچھ ایسے کارنامے چھوڑے تھے جن سے خاص خاص شعبوں میں انسانی ذہنیت پر اُن کی برتری مسلّم ہو چکی تھی اور ضرورت تھی کہ انسانی ذہن کی صحت مند بالیدگی کے لیے ان کچلنے والے مواقع کو دور کر دیا جائے اور انسان کو عقل، فکر، نظر، بصر، سمع، تفقہ، تدبر، شعور، علم وغیرہ سے خود کام لینے پر آمادہ کیا جائے۔ ان عطایائے فطری کو معطل کر لینا اسے انفرادی جوابدہی، سزا و جزا سے بھی علیحدہ کر لینا فی الحقیقت اطاعت شعار فرشتوں اور سرکش شیطانوں سے الگ ایک احسن تقویم والی مخلوق پیدا کرنے کی غرض کو فوت کر دیتا ہے۔(۱۲۶) ان تمہیدی نکات کے ساتھ دنیا کے بڑے بڑے ممالک کی عام حالت جو بعثت نبوی ﷺ کے وقت تھی، ضروری واقفیت حاصل کر لینی چاہیے۔

چین: چین نے اقصائے مشرق میں اپنی صلاحیتوں کے معراج کمال کا مظاہرہ اپنے مصلح کونگ فوت سیو (کنفوشیوس) (زمانہ ۵۵۱ء تا ۴۷۹ء) کی صورت میں کر دیا تھا۔ عہد نبوی ﷺ کے آغاز پر وہاں عجیب حالت تھی۔ کنفوشی نظام پارہ پارہ ہو چلا تھا۔ ہندو کا بدھ مت وہاں گھسنے اور ایک عبوری دور پیدا کرنے کا باعث بنا ہوا تھا۔ متاخر خاں (HUNS ہن) خانوادے کی حکومت عرصہ ہوا ختم ہو چکی تھی اور اس کی جگہ وائی (Way) وُو (Wo) اور شُو (Shu) کی تین حکومتیں قائم ہوئی تھیں اور خانہ

Marfat.com

جنگیوں کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ چھڑ گیا اور ملک کو انسانیت کی کسی خدمت کے ناقابل بناچکا تھا۔ گھریلو فتنے پر مستزاد تاتاریوں، ہسیونگ اور تبت والوں کے حملے بھی تھے۔ عرصہ دراز کے افتراق کے بعد خانوادہ سوئی نے ۵۸۹ء تا ۶۱۸ء تیس سال کے قلیل عرصے کے لیے ملک میں بہت کچھ وحدت پیدا کی۔ مگر ہجرت نبوی ﷺ سے پانچ سال قبل ہی اس کا خاتمہ ہوگیا۔ پھر ٹیانگ خاندان برسر اقتدار آیا تو آہستہ آہستہ کچھ حالت سدھری اور ملک میں امن اور یکجہتی تو پیدا ہوئی مگر ''ہم چوں من دیگرے نیست'' کا ترقی سوز جذبہ انہیں کچھ سیکھنے میں مانع رہا۔ (۱۲۷)

ہندوستان: ہند میں ایک ہزار سال قبل مسیح آریہ قبائل گھسے تھے۔ ذات پات کے نظام، مظاہر پرستی کی سطحیت کے تحت کروڑوں دیوتاؤں کی ایجاد، رہبانیت اور ترک دنیا کو انسانیت کا کمال سمجھنے کا جذبہ اور اسی طرح کی چیزیں اسے پوری انسانیت کی اجتماعی زندگی کی خدمت کے ناقابل بناچکی تھیں۔ کنفوشیوس کے ہم عصر زمانے میں گوتم بدھ نے برہمنوں کی مراسم پرستی کے خلاف احتجاج کر کے ایک دوسری انتہا پسندی کی تعلیم دی۔ علاج صحیح تھا، مگر ظاہر ہے کہ وہ عارضی ضرورتوں کے لیے تھا چند دن وہ پھلا پھولا۔ مگر ایک تو معتدل حالات کے لیے اس میں ٹھوس بنیادیں نہ تھیں، دوسرے بدھ مت اور برہمنیت کی کشمکش ایک دوسرے پر عارضی فتح کے بعد بالآخر بدھ مت کو بڑے مظالم کے بعد ہند سے خارج کردینے کا باعث بنی۔ عہد نبوی ﷺ سے پہلے ہند پر وسط ایشیاء کے سفید خان (HUNS) خانوادے کی حکومت تھی۔ مگر ولادت نبوی ﷺ سے پانچ سال پہلے ۵۶۵ء میں دریائے جیجون پر اس حکومت کو شکست ہوئی، تو ہند پر بھی اس کا تسلط جاتا رہا۔ پھر تھانیسر کے راجہ کا چھوٹا بیٹا ہرش (زمانہ ۶۰۶ تا ۶۴۸ء) شمالی ہند کا مالک بنا۔ آسام، بنگال، نیپال، مالوہ، گجرات، کاٹھیاوار وغیرہ اس نے رفتہ رفتہ فتح کیے۔ مگر ۶۱۰ء میں ہجرت نبوی ﷺ سے کچھ پہلے اس نے دکن کا رُخ کیا تو چلوکیا خاندان کے راجہ پلی کے سن دوم نے اسے دریائے نزابدار پر شکست دے دی۔ اس کی اولاد نہ تھی۔ اپنی رعایا کو اس نے آرام طلب بنالیا تھا۔ اس کی موت کے ساتھ اس کی شہنشاہی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور پھر صدیوں تک تباہ کارانہ خانہ جنگیاں ہوتی رہیں۔ چلوکیا والوں نے ہرش کو شکست تو دی مگر کانچی روم کے پلوا والوں کے ہاتھ خود بھی تباہ ہوگئے اور ان کی سلطنت پنپ نہ سکی۔ (۱۲۸)

ہندوستان اپنے ہمسایہ ممالک میں طبقاتی اختلافات اور انسانوں کے درمیان امتیازات میں سب سے آگے تھا، اس کا معاشرتی نظام ایسا جابرانہ تھا، جس میں کوئی نرمی اور لچک نہ تھی، اسے مذہبی تائید و حمایت بھی حاصل ہوتی تھی وہ باہر سے آنے والی نسل اور مذہب و تقدس کے اجارہ دار برہمنوں کی مصلحت پر مبنی تھا۔ اس میں موروثی اور نسل و خاندان کو بنیاد بنایا گیا تھا اور اسے سیاسی و دینی قانون کی حیثیت بھی حاصل تھی، جسے ہندوستان کے مذہبی علمبرداروں نے بنایا تھا، چنانچہ وہ معاشرہ کا عام قانون اور طرز زندگی بن گیا ہندوستان کے باشندوں کو چار طبقوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ا۔ برہمن اور مذہبی طبقہ، ۲۔فوجی اور سپاہی یعنی چھتری، ۳۔تجارت و زراعت کرنے والے یعنی ''ویش'' اور ۴۔خدمت گار یعنی ''شودر'' یہ سب سے نچلا طبقہ ہے جسے خالق کائنات نے اپنے پاؤں سے پیدا کیا اور ان کا فرض مذکورہ تین طبقات کی خدمات و راحت رسانی ہے۔

اس قانون نے برہمن کو وہ مرکزی وعظمت بخش دی جس میں کوئی شریک نہیں، برہمن کو بہر حال نجات یافتہ کہا جاتا ہے، چاہے وہ اپنے گناہوں اور بداعمالیوں سے تینوں دنیاؤں کو کیوں نہ تباہ کردے، اس پر کوئی محصول عائد نہیں ہوتا اسے کسی

Marfat.com

حال میں موت کی سزا نہیں دی جاسکتی، اس کے برخلاف شودر کو مال جمع کرنے، برہمن کے ساتھ بیٹھنے اور اسے چھونے یا مقدس کتابوں کی تعلیم پانے کا حق نہیں۔(۱۲۹)

اہل حرفہ جولاہوں، مچھیروں، قصابوں، نٹوں، مہتروں کو منوسمرتی کے احکام کے مطابق شہر کے اندر قیام کی اجازت نہیں، اس لیے وہ باہر ٹھہرتے تھے، اور اپنا کام انجام دینے کے لیے شہروں میں طلوع آفتاب کے بعد آتے تھے اور سورج ڈوبنے سے پہلے شہر سے نکل جاتے تھے اس قانون کے سبب انہیں شہری زندگی کی برکتوں اور لذتوں سے فیضاب ہونے کا کوئی موقع حاصل نہ تھا اور وہ ایک خستہ حال دیہاتی زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔(۱۳۰)

فرانسیسی مؤرخ ڈاکٹر گستاؤ لی بان لکھتا ہے کہ: ''جرائم اور ان کی سزا کی اہمیت بلحاظ اس نقصان کے نہیں قرار دی جاتی جو ان سے منتج ہوں بلکہ بلحاظ مجرم یا مظلوم کی ذات کے مثلاً: برہمن کو کسی بھی حالت میں ویسی سزا نہیں دی جاتی جیسی اور ذات کے اشخاص کو۔'' (۱۳۱)

اگر ملزم اعلیٰ ذات کا فرد ہوتا تو اس کی سزا ادنیٰ ہوتی اور اگر ادنیٰ طبقے کا فرد ہوتا تو اس کے لیے سزا شدید تر ہوتی۔ اگر قاتل برہمن ہوتا اور مقتول کسی اور طبقے سے تو برہمن سے قصاص نہ لیا جاتا اور اگر قاتل و مقتول دونوں برہمن ہوتے تو دونوں کا معاملہ خدا کے سپرد کردیا جاتا''۔(۱۳۲)

ترکستان: یہ بڑا مردم خیز خطہ ہے۔مگر سن عیسوی کی سات صدیوں تک یہاں کی حالت کا ہمیں کچھ علم نہیں ہے۔ عہد نبوی ﷺ کے ہم عصر خان (HUNS) تبت پر چھا گئے تھے اور مغربی ترکوں کی مدد سے راج کررہے تھے۔مگر ان میں کوئی متمدن نہ تھا اور نہ خودغرضی کے سوا انسانیت کی خدمت کے لیے ان میں کوئی بلند مطمح نظر ہے۔(۱۳۳)

سلطنت رومہ: یونان تو کبھی کا ختم ہوچکا تھا، اس کی جگہ یورپ میں رومی حکومت قائم ہوگئی تھی مگر جب وہ مشرقی و مغربی دوحصوں میں بٹ گئی تو ہم دیکھتے ہیں کہ عہد نبوی ﷺ کے زمانے میں مغربی رومیوں پر جرمن وغیرہ وحشی قبائل ٹوٹ پڑے اور پایہ تخت روما کے بھی مالک بن گئے تھے۔ان اَن پڑھ وحشیوں نے جو کچھ کیا ہوگا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے عیسائیت کو قبول کیا تو غیر عیسائیوں سے زیادہ بے رحمی اور بے اصولی دکھاتے رہے۔ ادھر مشرقی رومی حکومت قسطنطنیہ کے صدر مقام سے ہمسایہ ایرانویں کے ساتھ صدیوں تک آویزش میں مبتلا رہی۔ (۱۳۴)

سلطنت روما کے بارے میں ایک مصنف لکھتا ہے ''انصاف کا یہ حال تھا کہ جس طرح اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی تھی اور ان کے دام ٹھہرائے جاتے تھے، اسی طرح انصاف بھی فروخت ہوتا تھا اور رشوت و خیانت کی ہمت افزائی خود قوم کی طرف سے کی جاتی تھی۔(۱۳۵)

عہد نبوی ﷺ کے ابتدائی زمانے میں ایرانیوں نے اپنے حریفوں سے مصر اور شام وغیرہ تک چھین لیے تھے اور قرآن مجید ﴿غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ﴾(۱۳۶) یعنی رومی (ملک عرب سے) قریب ترین سرزمین میں مغلوب ہوگئے) کا اعلان کیا۔مگر ۶ ہجری یعنی صلح حدیبیہ کے زمانے میں نینویٰ (موصل) کے میدان پر رومی شہنشاہ ہرقل نے ایرانیوں کو ایسی فیصلہ کن شکست دی کہ ان کے ہاں شاہ گردیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا اور ایران سنبھل ہی نہ سکا۔قسطنطنیہ کے رومی (بیزنطینی) اس فتح

Marfat.com

سے کیا فائدہ اٹھاتے جب کہ صدیوں کی بیرونی جنگوں نے ایک طرف ملک کو تباہ و تاراج کر دیا تھا، تو دوسری طرف مذہبی فتنے بھی ان کے ناقابل بیان تھے۔(۱۳۷)

چنانچہ حضرت مسیح میں صرف خدائی طبیعت کا ہونا یا خدائی اور انسانی ہر دو طبیعتوں کا پایا جانا یا دو طبیعتوں مگر ایک مشیت کا پایا جانا وغیرہ نظریے فرقہ بندی پیدا کر رہے تھے اور ہر فرقہ انتہائی تنگ نظر تھا اور دوسرے پر اتنے مظالم کرتا رہا کہ جب حکمران فرقے سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی تو دوسرے فرقے کے عیسائی دل و جان سے ان اجنبی غیر مذہب والوں کو خوش آمدید کہتے اور ان کو مدد دیتے رہے اور مسلمانوں کے ماتحت رہنا ان کو غیر فرقے کے عیسائیوں کے ماتحت رہنے سے کہیں زیادہ اچھا معلوم ہوتا تھا۔ (۱۳۷۔الف)

ایران: کم و بیش یہی حال ایران کا تھا۔ مزدکیت کی دولت اور عورت میں اباحت پسندانہ اشتراکیت نے عرصے تک ملک کو نہ صرف خانہ جنگی میں مبتلا رکھا بلکہ بھرے بازار میں شہنشاہ سے مخاطب ہوکر کہا تھا کہ ''یہ تیری ملکہ بھی صرف تیری نہیں ہے بلکہ اس سے ہر شخص استفادہ کرسکتا ہے۔'' اور اس پر نہ اسے غیرت آئی اور نہ شرم آئی۔ پھر نوشیرواں تخت نشین ہوا تو اُس نے اپنے باپ کے عمل کو الٹ دیا اور اب آتش پرستی نے مزدکیت کے خلاف وہ ظلم ڈھائے کہ بیاں سے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ اسی زمانے میں رسول اکرم ﷺ کی ولادت ہوئی، مگر رومیوں نے ایرانیوں کو کچھ ایسی زک دی تھی کہ وہ پنپ نہ سکے۔ (۱۳۸)

''ایران کے سلاطین اس بات کے مدعی تھے کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے، اہل ایران بھی انہیں اسی نظریے سے دیکھتے تھے گویا وہ خدا ہیں۔ اُونچ نیچ کا فرق طبقوں کا تفاوت اور پیشوں کی تقسیم ایرانی سوسائٹی اور نظام زندگی کا اٹل قانون تھا۔'' (۱۳۹)

اس تسلط کی شدت کا اظہار اس سے بھی ہوتا ہے کہ جمشید کے عہد حکومت میں کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ بادشاہ نے اس کے کسی فعل کو ناپسند کیا ہے جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو اسی خواب کی بنا پر ایسا مجرم خیال کیا کہ خودکشی کرلی، اور زندہ رہنا بھی گوارا نہ کیا۔(۱۴۰)

حبش: حبش بھی کافی بڑا علاقہ ہے اس نے ایرانیوں سے یمن کا ملک چھین لیا تھا مگر جب یہ حبشی شمالی عرب میں بڑھے تو ولادت نبوی ﷺ کے سال یہ ''اصحاب الفیل'' کیڑا کھائے ہوئے کھوکھلے دانوں ﴿كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ﴾ (۱۴۰الف) کی طرح ختم ہوگئے اور جلدی ہی عہد نبوی ﷺ میں ان کی حکومت عرب میں بھی اور خود حبش میں بھی خانہ جنگیوں وغیرہ میں پھنس کر بے کار و معطل ہوگئی اور حبشہ میں گئے ہوئے مسلمان مہاجرین ہمیشہ خود حبش کی اُن خانہ جنگیوں سے پریشان رہے۔ (۱۴۱)

مذاہب عالم میں عدل اجتماعی کے مختلف تصورات

ا۔یھودی تصور عدل: شریعت موسویہ کے قانون عدل میں نہ کہیں لچک ہے اور نہ ہی عفو و درگزر کی گنجائش۔ تورات میں ہے ''اور جو انسان مار ڈالے گا سو مار ڈالا جائے گا اور اگر کوئی اپنے ہمسایہ کو چوٹ لگائے سو جیسا کرے گا ویسا پائے گا، توڑنے کے بدلے توڑنا، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت۔'' (۱۴۲)

دوسری بات جو یہودی تصور عدل میں پائی جاتی ہے وہ اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے درمیان امتیاز ہے۔ ایک ہی

Marfat.com

معاملہ اگر یہودی کے ساتھ کیا جاتا تو وہ ناجائز قرار دیا جاتا اور اگر غیر یہود سے کیا جاتا تو اسے عین مباح قرار دیا جاتا۔ بائبل کے درج ذیل اقتباسات اس بات کی واضح شہادت ہیں۔

۱۔ جو قرض ایک شخص نے دوسرے کو دیا ہو وہ سات سال بعد ضرور معاف کر دیا جائے مگر پردیسی سے تو اس کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ (۱۴۳)

۲۔ سود لینا ممنوع ہے۔ باپ بھائی کو سود پر قرض نہ دینا مگر پردیسی کو سود پر قرض دے سکتا ہے۔'' (۱۴۴)

۳۔ اگر کوئی شخص اپنے اسرائیلی بھائیوں میں سے کسی کو غلام بنانے یا فروخت کرنے کی نیت سے چراتا ہوا پکڑا جاتا ہے تو وہ چور مار ڈالا جائے۔ (۱۴۵)

۴۔ اگر اسرائیلی کا بیل کسی غیر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں مگر غیر اسرائیلی کا بیل کسی اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو اس پر تاوان ہے۔'' (۱۴۶)

۵۔ اگر کسی کو گری پڑی چیز ملے تو اسے گردوپیش کے لوگوں کو دکھانا چاہیے کہ وہ کس کی ہو سکتی ہے اگر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے اعلان کرنا چاہیے اور اگر کسی غیر اسرائیلی کی ہو تو اسے بلا اعلان وہ چیز اپنے پاس رکھ لینی چاہیے۔ (۱۴۷)

۶۔ ربی شموئیل لکھتا ہے اگر امی (بمعنی ان پڑھ اور جاہل) یہودی غیر اسرائیلیوں اور خصوصاً اہل عرب کو امی کہا کرتے تھے اور اسرائیلی کا مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش ہو تو قاضی کا فرض ہے کہ وہ اسرائیلی کو مقدمہ میں کامیاب کرائے۔ اگر اسرائیلی قانون کے مطابق اپنے مذہبی بھائی کو جتوا سکتا ہے تو اس کے مطابق جتوائے اور کہے کہ یہ ہمارا قانون ہے۔ اگر امیوں کے قانون کے مطابق جتوا سکتا ہو تو اس کے تحت جتوائے اور کہے یہ تمہارا قانون ہے اور اگر دونوں قانون اسرائیلیوں کے ساتھ نہ دیتے ہوں تو پھر جس حیلہ سے کامیاب کر سکتا ہو اسے کامیاب کرائے۔ (۱۴۸)

ب۔ عیسوی تصور عدل: موسوی تصور عدل میں درگزر کی کوئی گنجائش نہیں ملتی جب کہ عیسوی عدل اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہاں سب کچھ عفو و درگزر کے حوالے کر دیا گیا ہے اور قصاص کی کوئی گنجائش نہیں۔ حضرت عیسیٰ کی زبانی انجیل کے مندرجہ ذیل اقتباسات ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ کسی بدی کا بدلہ بدی سے نہ دو کیونکہ یہ کام تو حیوان بھی کرتے ہیں۔ بدی کا بدلہ نیکی کے ساتھ دو اور جو تم سے عداوت رکھے اس کے لیے دعا مانگو۔ (۱۴۹)

۲۔ آگ آگ سے نہیں بجھتی بلکہ پانی سے اس لیے کہتا ہوں کہ بدی پر بدی سے غالب نہ آؤ بلکہ نیکی کے ذریعہ سے۔ (۱۵۰)

۳۔ تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ تم خون نہ کرنا اور جو خون کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا، مگر میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصہ کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا اور جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہے گا وہ صدر عدالت کی سزا کے لائق ہوگا اور جو اسے احمق کہے گا وہ آتش جہنم کا سزاوار ہوگا۔ (۱۵۱)

۴۔ تم سن چکے ہو اگلوں سے کہا گیا تھا آنکھ کے بدلے، دانت کے بدلے دانت لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا، بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے، دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے، اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو

Marfat.com

چوغہ بھی اسے لے لینے دے اور جو کوئی تجھ کو ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔ جو کوئی تجھ سے مانگے اسے دے اور جو تجھ سے قرضہ چاہے اسے نہ موڑ۔ تم سن چکے ہو کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھ اور دشمن سے عداوت۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والے کے لیے دعا کرو۔ (۱۵۲)

۵۔ پطرس نے اپنے استاد حضرت عیسٰی سے پوچھا اے خداوندگار! ''میرا بھائی گناہ کرتا ہے تو کتنی دفعہ معاف کروں کیا سات دفعہ تک؟'' یسوع نے اس سے کہا: ''میں یہ نہیں کہتا کہ سات بار بلکہ ستر بار تک معاف کرتا رہے۔'' (۱۵۳)

ج۔ بدھ مت: عقلمند ہر چیز کا بھرپور جائزہ لیتا ہے تاکہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کر سکے۔ جلد بازی میں فیصلہ کرنا احمقوں کا کام ہے۔

د۔ کنفیوشس مت: جس میں عزت نفس ہے وہ انصاف کا خواہاں اور ہر قدم انصاف کے مطابق اٹھائے گا۔ صرف احمق ہی انصافی کر سکتے ہیں۔ (۱۵۴)

ہ۔ جین مت: میرے بھگوان: مجھے انصاف کے راستے پر چلا۔ میں ہمیشہ دوسروں کی طرف سے لعنت ملامت کے باوجود ثابت قدمی اور فوری موت نیز دائمی زندگی کے امکان سے بے پرواہ ہوں اور غربت و امارت کا مجھ پر کوئی اثر نہ ہو۔

و۔ شنتو مت: انصاف کے آگے ناانصافی کی ہار ہوگی۔ اگر تم نے کوئی وعدہ کیا تو ایمانداری کے ساتھ اسے پورا کرو بھلے ہی وہ وعدہ برے لوگوں سے کیا گیا ہو۔ انسان کو ہمیشہ انصاف پر چلنا چاہیے فکر میں بھی اور عمل میں بھی۔ (۱۵۵)

ہ۔ زرتشت مت: انصاف کو سمجھ کر بھی انصاف نہ کرنا بزدلی ہے۔ (۱۵۶)

جاھلی تصور عدل: عہد نبوی ﷺ سے پہلے عرب میں نہ کوئی باقاعدہ حکومت تھی نہ ہی کوئی عدل کا نظام رائج تھا، عدلیہ اور قانون دونوں مفقود تھے۔ لہٰذا اس معاشرہ میں بدامنی، لوٹ مار اور قتل و غارت گیری کا دور دورہ تھا۔ ان کا قانون محض وہ روایات تھیں جو متوارث چلی آ رہی تھیں۔ انہیں روایات کے مطابق مقدمات کے فیصلے ہوتے اور وہی دستور و آئین کی حیثیت رکھتی تھیں۔ خصومیات کے تصفیہ کے لیے عموماً درج ذیل طریقے اختیار کیے جاتے تھے۔

پنچائتی فیصلہ: دور جاہلیت میں قبائلی نظام رائج تھا۔ اگر مقدمہ کے فریقین ایک ہی قبیلہ سے تعلق رکھتے تو اپنا مقدمہ پنچایت میں پیش کرتے جس کا سربراہ قبیلہ کا سربراہ ہوتا تھا اور باقی ارکان اس کے ممبر، ان پنچایتوں کا فیصلہ قطعی ہوتا تھا اور فریقین کو ماننے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ (۱۵۷)

ثالثی فیصلہ: اگر فریقین مقدمہ مختلف قبائل سے متعلق ہوتے تو کسی ایسی شخصیت کو ثالث یا حکم تسلیم کر لیتے جو ان کے لیے غیر جانبدار ہوتا اور فریقین کو اس پر اعتبار ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پیشتر تنصیب حجر اسود کے معاملہ میں آپ ﷺ کو بھی اس دستور کے مطابق حکم تسلیم کیا گیا تھا۔ جب کہ بہت سے قبائل اس مسئلہ پر آپس میں الجھ گئے تھے۔ یہ ثالث اکثر اوقات عارضی یا ہنگامی طور پر منتخب کر لیے جاتے۔ قصی اور قضاعہ کی جنگ میں بنی کنانہ کے ایک شخص معمر بن عوف کو حکم بنایا گیا تھا۔ (۱۵۸)

لیکن بعض شخصیتیں ایسی بھی تھیں جو اپنی غیر جانبداری اور انصاف پروری کی صفات کی وجہ سے مستقل طور پر حکم سمجھی جاتی۔ عامر بن ظرب العدوانی کے پاس ہر جگہ سے تحکیم کے لیے مقدمات آتے تھے۔ (۱۵۹) قبیلہ تمیم کے سردار موروثی طور پر

Marfat.com

حکم مانے جاتے تھے۔میلان بن سلمہ ثقفی ہفتہ میں ایک دن حکم بن کر لوگوں کے فیصلے کیا کرتے تھے۔(۱۶۰)

کہانتی فیصلہ: پیچیدہ مقدمات میں کاہنوں کی طرف رجوع کیا جاتا تھا جو مذہبی پیشوا علم غیب کے مدعی ہوتے تھے۔ عبدالمطلب نے زمزم کی کھدائی کے وقت منت مانی تھی کہ اگر اس کے ہاں دس لڑکے پیدا ہوئے تو ان میں سے ایک کو اللہ کی راہ میں قربان کردوں گا۔ جب اللہ نے ان کو دس لڑکے دے دیئے تو عبداللہ کو منت پوری کرنے کی غرض سے لے کر چلے۔ مگر قبیلے والے اور اس کے دوسرے بھائی بہن اس بات پر آمادہ نہ ہوئے اور کہا کہ عبداللہ کے بجائے اونٹ قربان کیجئے۔ چنانچہ ایک کاہنہ کے پاس گئے اور اس کے کہنے کے مطابق عبداللہ اور دس دس اونٹوں کے درمیان قرعہ ڈالتے رہے حتیٰ کہ جب سو اونٹوں اور عبداللہ کے نام قرعہ ڈالا گیا تو اب کی باری قرعہ اونٹوں کے نام نکلا اور عبداللہ کی جان چھوٹی۔(۱۶۱) بعض قصوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کاہن بھی بعض دفعہ بیانات سننے سے پہلے ہی فیصلے دے دیتے تھے۔ ان کے فیصلوں کی تعمیل کرنے کے لیے کوئی عاملانہ طاقت تو نہ تھی لیکن لوگوں کے توہمات ہی تہدید کا کام کرجاتے تھے۔گو کاہنوں کی حیثیت نجی ہوتی۔لیکن جھگڑوں اور قانونی مسائل میں قانون کا کام دیتے تھے۔ان کے فیصلوں کو خدائی فیصلہ سمجھا جاتا جن کا خلاف مرافعہ کا چارہ کار نہ تھا۔

بتوں کے آستانوں پر فال گیری: اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے،غیب کی خبر معلوم کرنے یا باہمی نزاعی کے تصفیہ کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا تھا۔مشرکین مکہ نے ان اغراض کے لیے کعبہ کے اندر ''ہبل'' دیوتا کو مخصوص کر رکھا تھا۔اس کے استھان کے سامنے سات تیر رکھے ہوتے تھے جن پر مختلف الفاظ اور فقرات کندہ تھے۔کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ ہوتا یا کسی گمشدہ چیز کا پتہ پوچھنا مقصود ہوتا یا خون اور قصاص کے مقدمہ کا تصفیہ مطلوب ہوتا تو ہبل دیوتا کے پانسہ دار یا صاحب القدح کو نذرانہ پیش کرنے کے بعد انہیں غرض بتلائی جاتی۔ پانسہ دار ان تیروں کے ذریعے فال نکالتا۔اس پر لکھے ہوئے لفظ کو ہبل کا فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔(۱۶۲) مندرجہ بالا طریقے کسی نزاع کے تصفیہ کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ان کے نیچے کوئی قانونی بنیاد نہیں ہوتی تھی۔ پھر جو سزا و انتقام کے وحشیانہ طریقے اس دور میں رائج تھے انہیں سن کر بدن پر رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے۔

عدل اجتماعی کا تصور: اجتماعی عدل کے اسلامی تصور کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محدود معنی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں، بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل کا نام ہے۔زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرہ میں داخل ہے۔وہ فکر اور عمل،ضمیر اور وجدان سب پر چھایا ہوا ہے۔اس کا انحصار معاشی قدروں پر نہیں۔وہ وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے ساری مادی قدروں تک محدود نہیں۔وہ مادی،معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوش گوار امتزاج کا نام ہے۔اسلام کی نظر میں زندگی تعاون وہم آہنگی اور ہمدردی ومواساۃ کا نام ہے۔مسلمانوں کے درمیان خصوصاً اور عام انسانوں میں عملاً۔مسیحیت کا نقطۂ نگاہ بھی یہی ہے مگر وہ کوئی واضح اور متعین شریعت نہیں رکھتی اور نہ عالمِ واقعہ میں اس کا کوئی عملی اظہار اس کے سامنے ہے۔ اشتراکیت اسے طبقاتی کشمکش کا میدان سمجھتی ہے، تاکہ ایک طبقہ کے دوسرے طبقہ پر غلبہ کی شکل میں اشتراکیت کی عظیم تمنا پوری ہوسکے۔اسی سے واضح ہے کہ مسیحیت عالمِ مثال میں ایک خواب ہے جس میں انسانیت کو عالمِ بالا کی جھلک نظر آتی ہے۔اسلام انسانیت کے ازلی خواب کی عملی تعبیر ہے جو زمین پر قائم حقیقت کی شکل اختیار کر چکا ہے۔اور اشتراکیت ایک مخصوص دور کے

Marfat.com

انسانوں کے جذبۂ حسد کا دوسرا نام ہے۔اسلام اجتماعی عدل کے قیام میں انہی دو بنیادی اصولوں کو سامنے رکھتا ہے۔متوازن باہم مربوط اور مکمل وحدت اور افراد اور جماعتوں کے درمیان تعاون،دست گیری کی اسپرٹ۔اس عدل کے قیام میں اسلام انسانی فطرت کے بنیادی عناصر کا لحاظ رکھتا ہے اور انسانی صلاحیتوں کو بھی پوری طرح سامنے رکھتا ہے۔(۱۶۳)

عدل اجتماعی اور انسانی مساوات کے خطوط واضح کر دینے کے بعد اسلام نے سعی وجہد کے ذریعہ ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کے کھلے مواقع فراہم کیے ہیں۔اس مسابقت میں اقتصادی اقدار کے علاوہ دوسری قدروں کو بھی اہمیت دی گئی ہے اور عمل کی ترازو میں ان کا وزن بھی پوری طرح تسلیم کیا گیا ہے۔

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (۱۶۴)

ترجمہ: ''اللہ کے نزدیک تم میں سے بزرگ ترین وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔''

﴿يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾ (۱۶۵)

ترجمہ: ''تم میں سے جو لوگ صاحب ایمان ہیں اور جنہیں علم عطا ہوا ہے،اللہ اُن کو بلند مراتب سے سرفراز فرمائے گا''

﴿الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا﴾(۱۶۶)

ترجمہ: ''یہ مال اور یہ اولاد محض دنیوی زندگی کی ایک آرائش ہے،باقی رہ جانے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے نزدیک انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں اور انہی سے اچھی امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔''

اس طرح یہ بات بالکل واضح ہے کہ خالص معاشی اقدار کے علاوہ دوسری قدریں بھی اپنا وجود رکھتی ہیں،جن کی اہمیت کو اسلام پوری طرح ملحوظ رکھتا ہے۔جب لوگوں کے درمیان آمدنی اور مالی وسائل کے اعتبار سے تفاوت پایا جائے تو اسلام ان (غیر معاشی قدروں) کو سماج میں عدل وتوازن قائم رکھنے کا ذریعہ بناتا ہے۔(۱۶۷)

اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت: انسان کو اللہ تعالیٰ نے جس احسن تقویم پر پیدا کیا ہے اس کے عجیب کرشموں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عریاں اور فساد اور بے نقاب فتنے کی طرف کم ہی راغب ہوتا ہے اور اس بنا پر شیطان اکثر مجبور ہوتا ہے کہ اپنے فتنہ وفساد کو کسی نہ کسی طرح صلاح وخیر کا دھوکہ دینے والا لباس پہنا کر اس کے سامنے لائے۔ جنت میں آدم علیہ السلام کو یہ کہہ کر شیطان ہرگز دھوکا نہ دے سکتا تھا کہ میں تم سے اللہ کی نافرمانی کرانا چاہتا ہوں تاکہ تم جنت سے نکال دیئے جاؤ، بلکہ اس نے یہ کہہ کر انہیں دھوکا دیا کہ''هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَى'' (۱۶۸) **ترجمہ**: ''کیا میں تمہیں وہ درخت بتاؤں جو حیات ابدی اور لازوال بادشاہی کا درخت ہے''۔

اسلام محض ایک مذہب نہیں،دین ہے یہ محض انسان اور رب کے درمیان تعلق کا نام نہیں،بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات اور کامل اجتماعی نظام کا نام ہے۔جس میں''عدل اجتماعی'' کو ماٹو کی حیثیت حاصل ہے۔قرآن مجید میں اس کے لیے''دین حق'' اور''المیزان'' کے الفاظ آئے ہیں اور یہ بات نہایت قابل توجہ ہے کہ رسولوں کو مبعوث فرمانے اور آسمانی کتابوں کو نازل کرنے کا اصل مقصد''قیام نظام عدل اجتماعی'' قرار دیا گیا ہے۔(۱۶۹)

Marfat.com

اسلام کے نظامِ عدل اجتماعی کا، تصور توحید کے ساتھ گہرا رشتہ ہے، جس کی طرف علامہ اقبال نے اپنی مشہور نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں اشارات کیے ہیں، اسے نہایت خوبصورتی اور وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔(۱۷۰)

ایک مکمل نظام زندگی کی حیثیت سے اسلام کی اعلیٰ ترین قدر، اس کا آخری ہدف، اور اصل مقصود و مطلوب عدل اجتماعی یعنی سماجی انصاف یا سوشل جسٹس ہے جس کے تین نمایاں ترین مظاہر ہیں: ا۔سماجی اور قانونی سطح پر کامل مساوات(۲) سیاسی طرح پر حریت اور (۳) معاشی سطح پر عدل و انصاف۔ چنانچہ اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں نہ معاشرتی میدان میں اونچ نیچ اور ادنیٰ و اعلیٰ کا امتیاز ہو، نہ سیاسی میدان میں جبر و استعداد کا راج اور بندہ و آقا، حاکم و محکوم اور متکبرین اور مستضعفین کی تقسیم ہو، نہ اقتصادی میدان میں انسان ظلم اور استحصال کے باعث Havesاور Have notsیعنی مترفین ومحرومین میں منقسم ہوں !(۱۷۱)

اسلام میں عدل اجتماعی یا سماجی انصاف یعنی سوشل جسٹس کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس مسئلے میں قرآن حکیم کی عام تعلیمات پر مستزاد ان تصریحات کے جائزہ سے آسانی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے جو تین بلند ترین سطحوں یعنی ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور امت مسلمہ کے فرائض منصبی کے ضمن میں وارد ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء حسنیٰ کی تفصیل پر مشتمل جو حدیث امام ترمذی اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام نامی اور اسم گرامی ''العدل'' بھی ہے یعنی سراپا عدل اور مجسم انصاف۔قرآن حکیم میں اگرچہ اللہ تعالیٰ کا یہ نام تو وارد نہیں ہوا، تاہم متعدد مقامات پر اس کی اس شان کا ذکر موجود ہے مثلاً

﴿وَاللّٰهُ يَقْضِیْ بِالْحَقِّ﴾ (۱۷۲) **ترجمہ**: اور اللہ فیصلہ کرتا ہے حق کے ساتھ''

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ (۱۷۳) **ترجمہ**:''تیرے رب کی بات صدق و عدل کے جملہ معیارات کے مطابق پوری ہوچکی ہے۔''

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰۤئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾ (۱۷۴)

ترجمہ: خود اللہ بھی گواہ ہے اور سب فرشتے اور تمام اہل علم بھی گواہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عدل و انصاف کو قائم کرنے والا ہے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۱۷۵) **ترجمہ**: ''اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

اس اہم موضوع پر قرآن حکیم کی سب سے زیادہ انقلابی آیت ''سورہ الحدید'' کی آیت ہے جس کے بارے میں بلا خوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ اتنے مختصر الفاظ میں اس قدر جامع اور اتنی بھرپور اور گھمبیر انقلابی عبارت کی کوئی دوسری مثال دنیا کے پورے انقلابی لٹریچر میں کہیں نہیں مل سکتی۔

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ (۱۷۶)

ترجمہ: ۔ہم نے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ

Marfat.com

عدل پر قائم ہوں اور (جو لوگ اس میزان عدل کے نصب کرنے میں رکاوٹ بنیں، ان کی سرکوبی کے لیے) ہم نے لوہا اتار، جس میں (حرب وضرب) کی شدید قوت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کے لیے (کچھ دوسرے) فائدے بھی ہیں۔

اس آیۂ مبارک نے نہایت واشگاف الفاظ میں واضح کردیا ہے کہ:

اولاً: شریعت خداوندی کی اصل حیثیت ایک میزانِ عدل وقسط کی ہے جس میں انسانوں کے انفرادی اور اجتماعی حقوق وفرائض تولے جانے چاہئیں۔

ثانیاً: بعثت انبیا و رسل اور نزولِ وحی و کتب سے آخری مطلوب یہ ہے کہ اللہ کی عطا کردہ میزان عدل وقسط بالفعل نصب ہو اور جسے کچھ ملے اس میں تل کر ملے اور جس سے کچھ لیا جائے اس میں تول کرلیا جائے۔

ثالثاً: اس میزان عدل وقسط کو عملاً نصب کرنے کے ضمن میں جہاں اصل کام دعوت وتبلیغ، وعظ وتلقین، انذار وتبشیر اور ترغیب وترہیب سے لیا جائے گا وہاں قوت و طاقت کا استعمال بھی قطعاً غلط یا مطلقاً جائز نہیں، بلکہ حسب ضرورت نہ صرف جائز بلکہ بعض صورتوں میں فرض اور واجب ہوجاتا ہے۔

قرآنی عدل اجتماعی: قرآن حکیم کے طالب علم جانتے ہیں کہ اس کتاب عزیز کا ایک مستقل اصول یہ ہے کہ اس میں اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ ضرور آتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ الحدید کی اس آیت ۲۵ کی طرح سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۷ میں بھی کتاب و میزان کا ذکر یکجا وارد ہوا ہے۔ ﴿اللّٰہُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ﴾ یعنی ''وہ اللہ ہے جس نے کتاب بھی حق کے ساتھ نازل فرمائی اور میزان بھی۔'' اور اس سے قبل سورۃ الشوریٰ آیت ۱۵ میں نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے ع ''مجھے ہے حکم اذاں لاالہ الا اللہ'' کے انداز میں کہلوایا گیا ہے کہ ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ﴾ (۱۷۷) **ترجمہ:** ''مجھے حکم ہوا کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں''۔

سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ کی آیات میں ذرا سی لفظی ترتیب کے فرق کے ساتھ عدل وقسط کی گواہی اور نظام عدل وقسط کو قائم کرنے کے لیے پوری قوت کے ساتھ کھڑے ہوجانے کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ﴾ (۱۷۸)

ترجمہ: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، انصاف پر قائم ہونے والے، اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو گو تمہاری اپنی ذات یا ماں باپ اور قرابت داروں کے خلاف ہو''۔

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ (۱۷۹)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم عدل و انصاف کے ساتھ اللہ کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور تم کو کسی قوم کی دشمنی اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو بلکہ عدل کرو اور یہی تقویٰ کے قریب تر عمل ہے''

ظالموں اور متکبرین کو آخرت میں تو سزا ملے گی۔ بحیثیت دین، اسلام کی اعلیٰ ترین قدر سماجی اور تمدنی انصاف ہے

Marfat.com

اور اقامت دین یعنی اسلامی انقلاب کا اصل ہدف یہ ہے کہ اللہ کا عطا کردہ متوازن اور معتدل نظام عدل اجتماعی (سسٹم آف سوشل جسٹس) قائم کیا جائے۔

عربی زبان کے اس مقولے کے مطابق کہ ''الفضل ما شھدتْ به الاعداء'' ترجمہ ''اصل فضیلت اور خوبی وہ ہے جس کا اعتراف دشمن بھی کریں۔'' ایک شاتم رسول ﷺ کی گواہی پیش خدمت ہے۔ میری مراد ایچ جی ویلز (۱۸۰) سے ہے جس نے امام المرسلین ﷺ کی ذاتی اور ازدواجی زندگی پر نہایت رکیک حملے کیے ہیں، لیکن اس نے بھی اپنے آپ کو اس عدل اجتماعی کے حوالے سے امام الامم سیدنا محمد ﷺ کی خدمت میں شاندار ہدیہ تحسین پیش کرنے پر مجبور پایا۔ چنانچہ اپنی تالیف "A Concise History of the World" میں امام المتقین ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کے کچھ حصے نقل کرنے کے بعد اس نے لکھا: ''انسانی حریت، اخوت اور مساوات کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت کہے گئے تھے، چنانچہ مسیح ناصری کے یہاں بھی وہ بکثرت موجود ہیں، لیکن اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ ان اصولوں پر بالفعل ایک معاشرہ تاریخ انسانی میں پہلی بار قائم کیا محمد (ﷺ) نے۔''(۱۸۱)

بلاشبہ قرآنی شریعت ہی وہ واحد شریعت ہے جس میں انسان دوسرے انسان کی محکومی و بندگی سے آزاد ہے۔ اسلامی منہج کے سوا تمام مناہج اور مذاہب میں بعض لوگ اپنے ہی بعض لوگوں کو اس کے سوا اپنا رب بنالیتے ہیں۔ جہاں تک دین اسلام کا تعلق ہے، اس میں لوگ بندوں کی عبادت سے چھٹکارا پاکر بندوں کے رب کی عبادت کرتے ہیں، جو اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

بلاشبہ قرآنی شریعت ایک ایسا منہج ہے جو انسانی وجود کی حقیقت، انسانی ضروریات اور جس کائنات میں انسان رہ رہا ہے اس کی حقیقت اور اس کا انتظام کرنے والے نگرانوں کے اوصاف کے بارے میں علم مطلق پر قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنی شریعت کی بدولت انسانی افعال و مشاغل کے مابین کوئی تباہ کن تصادم پیدا ہوتا ہے نہ پروان چڑھتا ہے کیونکہ قرانی شریعت سراپا عدل و توازن ہے اور یہ وہ بے مثال اور نادر خوبی ہے جو انسان کے بنائے ہوئے کسی قانون اور منہج میں تا ابد دستیاب نہیں ہوسکتی کیونکہ انسان ہر چیز کے صرف ظاہر کو جانتا ہے۔ اسے کائنات، انسان اور زندگی کے صرف انہی پہلوؤں کے بارے میں علم ہے جس سے پردے ہٹے ہوئے ہیں اور یہ ظواہر کا علم بھی صرف ایک مقررہ مدت تک محدود ہے کیونکہ دنیاوی علوم کی نت نئی تحقیقات اور انکشافات ماضی کے علمی مسلمات کی تردید کرتے رہتے ہیں۔(۱۸۲)

جزا و سزا کا شرعی معیار اور عدل اجتماعی: اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی شریعت دونوں میں جزا و سزا کا تعین عمل کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ اسی عدل اجتماعی کا حصہ ہے جس کے باعث زمین و آسمان کا وجود برقرار ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا﴾ (۱۸۳) **ترجمہ**: ''اگر تم لوگ کھلم کھلا بھلائی کرتے رہو یا چھپا کر کرتے رہو یا برائی سے درگزر کردیا کرو تو اللہ تعالیٰ بھی معاف کرنے والا صاحب قدرت ہے۔''

اور فرمایا: ﴿وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾(۱۸۴) **ترجمہ**: ''ان کو چاہیے کہ معاف کردیا کریں اور درگزر کیا کریں، کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے''۔

Marfat.com

امام القبلتین ﷺ کا ارشاد ہے کہ "من لا یرحم لایُرحم" (۱۸۵) **ترجمہ**: "جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

جرم و سزا کے اسی اصول کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے چوری کرنے والے ہاتھ کو کاٹنے کا حکم دیا اور راہ زنی کرنے والے کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹنے کا قانون بنایا اور اسی طرح جانی نقصان، مالی نقصان اور زخموں کے قصاص کا قاعدہ مقرر فرمایا۔ اگر سزا بھی اسی نوعیت کی ہو سکے جس نوعیت کا جرم ہے تو شریعت کا اصل منشا یہی ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ آپؓ نے جھوٹی گواہی دینے والے کو الٹا کر کے سواری پر سوار کرنے اور اس کا چہرہ سیاہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ چوں کہ اس نے بات کو الٹا کیا تو حضرت عمرؓ نے اس کے چہرے کو الٹا کر دیا اور اس نے جھوٹ بول کر اپنا منہ کالا کیا تو آپؓ نے اس چہرہ پر سیاہی لگا کر اس کا منہ کالا کر دیا۔ (۱۸۶)

دین اسلام، عدل اجتماعی کا حقیقی مظہر: اسلام وہ دین ہے جو خالق کائنات اور رب کائنات نے انسان کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے اور انسانوں کے درمیان عدل قائم کرنا اور یہ طے کرنا کہ ان کے لیے کیا چیز عدل ہے اور کیا عدل نہیں ہے۔ چنانچہ عدل، اسلام سے الگ کسی چیز کا نام نہیں ہے۔ اسلام خود عدل ہے۔ اس کا قائم ہونا اور عدل کا قائم ہو جانا ایک ہی چیز ہے۔ عدل کی اصطلاح بہت وسیع مفہوم کی حامل ہے۔ یہ دراصل قانونی مساوات کے ساتھ ساتھ سماجی اور معاشی مساوات کا تقاضا بھی کرتی ہے اور اس کو عدل اجتماعی کا نام دیا گیا۔ جب تک معاشرے کے ہر شعبے میں عدل قائم نہیں ہوتا اس وقت تک اسلام کا مدعا اور تقاضا پورا نہیں ہوتا۔ (۱۸۷)

عدل اجتماعی کا تصور معاشرے میں اس وقت تک نہیں پنپ سکتا جب تک انسانی شخصیت کو پھلنے پھولنے اور نشوونما پانے کے لیے مواقع فراہم نہ کیے جائیں اور انسانی شخصیت کی نشوونما کے لیے ضروری ہے کہ دنیا میں فرد کو حریت حاصل ہو۔ اگر کسی معاشرے میں فرد کو اپنی پسند کے مطابق اپنی شخصیت کی تکمیل کے مواقع نہ ہوں تو اس کے اندر انسانیت ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے۔ اس کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ اس کی قوتیں اور قابلیتیں دب کر رہ جاتی ہیں اور اپنے آپ کو محصور و محبوس پا کر انسان جمود و تعطل کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کی ذمہ داری بالآخر ان پر عائد ہو جاتی ہے جو اس ظالمانہ نظام کے قائم کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ (۱۸۸)

عدل اجتماعی کے تصور کو سامنے رکھئے اور پھر اندازہ لگائیے کہ ظہور اسلام سے قبل انسانی معاشروں میں اول تو اس طرح کا کوئی نظام قائم ہی نہیں کیا گیا تھا جو کہ حقیقی معنوں میں عدل اجتماعی کے اصولوں کے نفاذ کا ذمہ دار بنتا اور اگر کہیں ریاست اور اداروں کی طاقت موجود تھی بھی تو طاقتوں نے کمزوروں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر رکھ دیا تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ ان بالاتر اداروں کی طاقت کو کمزوروں کے حقوق کی بازیابی کے لیے بروئے کار لائیں، ان طاقت کو خود اپنے اختیار و اقتدار کو مزید بڑھانے اور اپنے لیے مال و اسباب جمع کرنے میں صرف کرنے لگے اور قوت و طاقت کو اس حد تک جمع کر چکے کہ کمزوروں اور غلاموں کی زندگی و موت کا اختیار بھی اپنے ہاتھ میں سمجھنے لگے۔ (۱۸۹)

غلامی کا یہ دستور اگرچہ کوئی نیا نہیں تھا بلکہ یہ نوع انسانی کا ہم عمر ہے۔ تاریخی اعتبار سے اس کے آثار ہر زمانے اور ہر قوم میں دکھائی دیتے ہیں اس کی اصل بنیاد اس وقت پڑی جب انسانی معاشرہ وحشت کے مرحلے میں تھا اور اس وقت بھی پھلتا پھولتا رہا جب مادی تہذیب کی ترقی نے اس کی ضرورت کو رفع کر دیا تھا۔

Marfat.com

یہودی، یونانی، رومی اور قدیم المانی قوموں میں، جن کے قانونی و معاشرتی اداروں نے جدید زمانے کے رسم و رواج اور شعائر پر سب سے زیادہ اثر ڈالا ہے دونوں طرح کی غلامی، یعنی زرعی کمین پن بھی اور خانگی خدمت گزاری بھی، قانوناً جائز اور عملاً رائج تھی۔

جب سے عبرانی ایک ملت کی حیثیت سے وجود میں آئے اسی وقت سے ان کے یہاں دوقسم کی غلامی مروج تھی۔ ایسے اسرائیلیوں کو جو پاداش جرم میں غلام بنے تھے غیر نسل کے غلاموں سے اونچا درجہ دیا جاتا تھا۔ اسرائیلی غلام چھ سال کی خدمت کے بعد قانوناً آزاد ہوجاتا تھا۔ البتہ اس کو اختیار تھا کہ اس قانونی حق سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔ لیکن غلام، چاہے وہ ان قوموں سے تعلق رکھتے ہوئے جنہیں بنی اسرائیل کے بے رحمانی جنگوں کے ایک باقاعدہ سلسلے کے ذریعے زرعی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا، یا دغابازانہ حملوں میں گرفتار کیے گئے ہوں یا خریدے گئے ہوں، بہرصورت آزادی حاصل کرنے کے اس حق سے محروم تھے۔ یہ امتیاز قطعاً قومی جانبداری اور یہودیوں کی مصنوعی علیحدگی پسندی پر مبنی تھا۔ ان غلاموں اور لونڈیوں کو سخت سختیاں جھیلنی پڑتی تھیں۔ چاہے وہ زمینوں کے کیڑے ہوں، چاہے گھروں کے خدمت گزار، ان سے نفرت کی جاتی تھی۔(۱۹۰) اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس نے امیری غریبی، اونچ نیچ، اور ذات پات کو ختم کر کے عالمی بھائی چارے کا تصور پیش کیا۔: تیری دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے۔

عدل اجتماعی کی بنیادیں:

۱۔حاکمیت اعلیٰ: عدلِ اجتماعی کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کی زمین پر جہاں کہیں بھی انسان کا اختیار پایا جاتا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حاکیت کا قیام عمل میں لایا جائے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب زندگی سے بنیادی تضادات کو خارج کرتے ہوئے اپنے معاشی، سیاسی، معاشرتی، تعلیمی، قانونی اور ثقافتی مسائل کو صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہدایت و فرمان کا تابع کردیا جائے۔ گویا اسلامی عدل اجتماعی کی پہلی بنیاد توحید خالص ہے۔ توحید کا ایک اہم مطالبہ یہ ہے کہ خالق کائنات کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور جہاں کہیں بھی انسان کا اختیار ہو وہ جادۂ عدل کو اختیار کرے، یعنی حقوق و فرائض کی بجاآوری میں کسی سستی اور غیرذمہ داری کا شکار نہ ہو۔ میثاق مدینہ میں یہ قرار دیا گیا کہ حاکیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور ہر انفرادی اور اجتماعی و ریاستی معاملے میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اور یہ کہ جب کبھی تم میں کسی چیز کے متعلق اختلاف ہو تو اسے خدا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹایا جائے گا (کیونکہ آخری اور حتمی حکم اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ہے)(۱۹۱)

۲۔آزادی: عدلِ اجتماعی کی دوسری اہم بنیاد آزادی ہے، یعنی ایک شخص اپنے آپ کو ان تعصبات سے آزاد کرے جو بعض اوقات خاندانی روایات، توہمات، رسوم و رواج اور قبیلہ یا برادری کے صدیوں پرانے طرزِ عمل کو قانون کا درجہ دے دیتا ہے۔ حضرت موسٰی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو توحید اور عدل پر قائم ہونے کی دعوت دی تو ان کا ردعمل یہی تھا ﴿قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ﴾(۱۹۲) **ترجمہ:** ''کیا تو اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اُس طریقے سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور زمین میں بڑائی تم دونوں کی قائم ہوجائے''۔ یہ جاہلی عصبیت، یہ باپ دادا کی روایت پر فخر وناز اسلام کے تصور حق و باطل سے ٹکرانا ہے۔ اسلام جس عالمی اخلاقی

Marfat.com

نظام کو قائم کرنا چاہتا ہے اس میں عظمت اور قطعیت صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات کو اور اللہ کے بھیجے ہوئے انبیا ورسل کے فیصلوں کو حاصل ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو ایک انسان اپنے خالق کا ناشکرا اور اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہادی اور رہنما انبیائے کرام کی ہدایات کا منکر قرار پاتا ہے۔ اسی کا نام ظلم ہے۔

۳۔مساوات: اسلامی عدلِ اجتماعی کی تیسری بنیاد تمام انسانوں کو بحیثیت انسان یکساں قرار دینا ہے، کیونکہ تمام انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور رنگ ونسل یا زبان کی بنا پر ان میں کوئی تفریق کرنا ایک ظالمانہ رویہ ہے۔ چنانچہ تمام انسان قانون کی نگاہ میں مساوی ہیں۔ البتہ عقل کا مطالبہ ہے کہ اپنے وظیفہ حیات اور تقسیم کار کے لحاظ سے ان کی ذمہ داری اور جواب دہی یکساں نہ ہو۔ اس لیے بحیثیت انسان ان کے حقوق وہی ہیں جو ایک مومن اور مسلمان کے، لیکن اپنی ذمہ داری، صلاحیت اور کارکردگی کے لحاظ سے ان کا معاوضہ مختلف ہونا ایک فطری تقاضا عدل ہے۔ خطبہ حجتہ الوداع میں بھی اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔(۱۹۳)

۴۔دولت کی منصفانہ تقسیم: اسلام کے عدلِ اجتماعی میں تقسیم دولت کی بنیاد استطاعت، صلاحیت اور ضرورت کو قرار دیا گیا ہے۔ اگر ایک شخص استطاعت رکھتا ہو لیکن سعی نہ کرے، صلاحیت رکھتا ہو لیکن اپنے اختیار کو استعمال نہ کرے، تو وہ اُس کے برابر نہیں ہوسکتا جو اپنی صلاحیت اور ذمہ داری کو عدل کے ساتھ ادا کررہا ہو۔ گویا یہاں بنیاد نہ طبقاتی نظام ہے نہ زیادہ مال اور وسائل رکھنے والوں کی حکمرانی و برتری۔ یہ صلاحیت پر مبنی ایک ایسا نظامِ امانت ہے جس میں امانتیں صرف ان کے اہل کو ہی دی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے عدلِ اجتماعی کے اس پہلو کو واضح الفاظ میں بیان فرما دیا۔
ترجمہ: ''مسلمانو! اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو''۔(۱۹۴)

دولت کی گردش کو برقرار رکھنے کے لیے اسلامی عدلِ اجتماعی زکوٰۃ، انفاق اور صدقات کے نظام کو مستحکم کرتا ہے، دوسری جانب معاشرے کے کمزور عناصر کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے ان کی مالی اور تربیتی ضروریات کو بہتر بنا کر ان میں خود انحصاری پیدا کرتا ہے۔ نظامِ زکوٰۃ، انفاق، بیع اور تجارت کے فروغ کے نتیجے میں معاشی طور پر پس ماندہ افراد کو سہارا دے کر خودانحصاری کی طرف لے جاتا ہے۔

دورِ جدید کے چند فریب: شیطان پہلے ایک مدت تک دنیا کو حریت فرد (Individual Liberty)(۱۹۵)اور فراخ دلی (Liberalism)(۱۹۶) کے نام سے دھوکا دیتا رہا اور اس کی بنیاد پر اس نے اٹھارہویں صدی میں سرمایہ دارانہ اور لادینی جمہوریت کا ایک نظام قائم کرایا۔ ایک وقت اس نظام کے غلبے کا یہ حال تھا کہ دنیا میں اسے انسانی ترقی کا حرف آخر سمجھا جاتا تھا اور ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو ترقی پسند کہلانا چاہتا ہو مجبور تھا کہ اسی انفرادی آزادی اور فراخ دلی کا نعرہ لگائے۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ حیات انسانی کے لیے اگر کوئی نظام ہے تو بس وہ یہی سرمایہ دارانہ نظام اور یہی لادینی جمہوریت ہے جو مغرب میں قائم ہے۔ لیکن دیکھتے دیکھتے وہ وقت بھی آگیا جب ساری دنیا یہ محسوس کرنے لگی کہ اس شیطانی نظام نے زمین کو ظلم و جور سے بھر دیا ہے۔ اس کے بعد ابلیس لعین کے لیے یہ ممکن نہ رہا کہ اس نعرے سے مزید کچھ مدت تک نوع انسانی کو دھوکا دے سکے۔(۱۹۷)

Marfat.com

پھر کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ وہی شیطان ایک دوسرا فریب اشتراکیت کے نام سے بنالیا اور اب اس جھوٹ کے لباس میں وہ ایک دوسرا نظام قائم کروارہا ہے۔ یہ نیا نظام اس وقت تک دنیا کے متعدد ملکوں کو ایک ایسے ظلم عظیم سے لبریز کرچکا ہے جس کی کوئی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں پائی جاتی، مگر اس کے فریب کا یہ زور ہے کہ بہت سے دوسرے ملک اسے ترقی کا حرف آخر سمجھ کر قبول کرنے کے لیے تیار ہورہے ہیں۔ ابھی اس فریب کا پردہ پوری طرح چاک نہیں ہوا ہے۔(۱۹۸)

عدل اجتماعی کا بنیادی فلسفہ: اسلام انسانیت کو خیر کا پیغام دیتا ہے کہ عدل و انصاف کا نظام ساری انسانیت کے لیے، نہ صرف عرب اور نہ ہی صرف مسلم امت کے لیے خاص اور نہ صرف اسی تک محدود رکھا جاسکتا ہے بلکہ دوست ہو یا دشمن، اپنا ہو یا پرایا، سب کے لیے عدل کی میزان ایک ہی ہے۔ عدل کی اس طرح وضاحت فرمائی گئی کہ انبیائے کرام کی دلائل اور نشانیوں کے ساتھ بعثت اور کتابوں نیز میزان کے نازل ہونے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ عدل قائم کریں، تاکہ معاشرہ پر امن اور پرسکون رہے اور عدل یہی ہے کہ ہر حقدار کو اس کا حق دیا جائے، پھر یہ بھی حکم ہوا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (۱۹۹) **ترجمہ**: ''اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کردو اور جب لوگوں میں فیصلہ کیا کرو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔''

ان احکام میں عمومیت ہے اول تو یہ کہ امانتیں ان کے مالکان کو واپس دی جائیں اور جب بھی تمہیں، منصف بنایا جائے تو تم لوگوں کے معاملات کا عدل کے ساتھ فیصلہ کرو، کسی کے دباؤ میں آکر یا رشوت کی لالچ میں انصاف کا دامن ہرگز نہ چھوڑو۔

عمومیت احکام الٰہی میں اس لیے کہا کہ رب العالمین نے (بین الناس) فرمایا، صرف (بین المسلمین) نہیں فرمایا، لہٰذا یہ عدل صرف اپنی برادری یا مسلمان ہی کا حق نہیں بلکہ ایک کافر بھی تم سے فریاد کرے تو تم اس کی فریاد رسی عدل کے ساتھ کرو۔ یہی اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے جس کی کہیں بھی نظیر نہیں مل سکتی۔ ایک یہودی کا معاملہ تھا چند مسلمانوں اور منافقین نے مل کر ایک یہودی پر زرہ کی چوری کا الزام لگایا حالانکہ یہودی اس سے بری تھا اور چور وہ خود تھے، مقدمہ بارگاہ رسالت ﷺ میں پیش کیا گیا۔

غالباً مسلمانوں کو اپنے اسلام کا گھمنڈ تھا کہ رسول اللہ ان کی بات یہودی کے مقابلے میں تسلیم فرمائیں گے، لیکن اس سے قبل کے رسول اللہ ﷺ اس یہودی کے خلاف کوئی فیصلہ فرماتے، اللہ تعالیٰ نے فوراً وحی کے ذریعہ اپنے رسول اکرم ﷺ پر حق کو واضح فرمادیا، اگرچہ ناراضگی کا اظہار ضروری فرمایا لیکن آپ ﷺ کو بے انصافی سے بچا لیا۔ یہاں بھی حقیقت ثابت ہوجاتی ہے کہ کتاب الٰہی ساری انسانیت کے لیے کتاب رحمت ہے۔ (۲۰۰) ارشاد ربانی ہے کہ ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا﴾ (۲۰۱) **ترجمہ**: ''ہم نے یہ کتاب آپ (ﷺ) پر حق کے ساتھ نازل فرمائی ہے تاکہ جو راہ راست اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کو دکھائی ہے، اسی کے مطابق آپ (ﷺ) لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں اور آپ (ﷺ) بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑا کرنے والے نہ بنیں اور اللہ سے مغفرت طلب کریں وہ بڑا غفور ورحیم ہے۔''

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی شان کریمی ہے کہ وہ اپنے منکر اور باغی پر بھی ظلم گوارا نہیں فرماتا بلکہ اس کے ساتھ بھی عدل کا حکم

Marfat.com

دیتے ہوئے بروقت اپنے نبی کو براہ راست خبردار فرمادیتا ہے۔ اسی لیے اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کبھی بھی جذبات میں آ کر اپنے عزیز کی خاطر کسی غیر کے خلاف طرف داری کرتے ہوئے بے انصافی نہ کریں۔

قرآن مجید بار بار ہدایت فرماتا ہے کہ عدل و انصاف کو اپنے عزیز حتیٰ کہ اپنے والدین کی محبت سے بھی بلند رکھو۔ یہی عدل کی میزان کا حق اور اس کا تقاضا ہے کہ عدل پر کسی عزیز کی محبت یا کسی غیر سے نفرت کے جذبات کو غالب نہ آنے دیا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے اس کی نگاہ سے چھپ کر ہم کدھر جائیں گے؟ سورہ المائدہ میں مزید وضاحت کی گئی (خواہ کسی سے تمہیں بغض وعناد ہی کیوں نہ ہو اگر تمہارے ہاتھ میں عدل کی میزان ہے، تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم کسی ذاتی پر خاش کی بنا پر اس کے ساتھ بے انصافی کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا ظالم کو یہاں پناہ ملے گی اور نہ آخرت میں فلاح نصیب ہوگی۔) اس عدل کو عہد نبوی ﷺ سے خلفائے راشدین کے عہد تک قائم رکھا گیا۔ (۲۰۲)

عہد فاروقی کا مشہور واقعہ ہے کہ مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ کے بیٹے نے اس مصری قبطی کے منہ پر یہ کہتے ہوئے طمانچہ مارا کہ (لے، یہ گورنر کے بیٹے کا طمانچہ ہے) اس مظلوم نے عدل فاروقی پر یقین کے ساتھ فسطاط (مصر) سے حجاز کے سفر کی مشقتیں اٹھائیں جبکہ اس دور میں سفر آسان نہ تھا وہ قبطی جو پہلے رومی عیسائی تھا اور اس کے ملک میں انصاف تو کجا کوئی فریاد سننے والا نہ تھا۔

اس غریب نے اپنے وطن میں ظلم کی انتہا دیکھی تھی کہ عوام پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے تھے ان کو بلا وجہ سولی پر چڑھا دیا جاتا تھا اور مظلوم سر نہیں اٹھا سکتا تھا، اس قبطی کو یقین تھا کہ عدل فاروقی اسے پناہ دے گا، مدینہ آ کر اس نے امیر المومنین سے گورنر زادے کی شکایت کر دی۔ آپؓ نے سارا واقعہ سن کر حضرت عمرو بن العاصؓ اور ان کے بیٹے کو طلب کیا اور قبطی کو حکم دیا کہ ''اس گورنر کے بیٹے کے منہ پر اسی طرح طمانچہ مارو جس طرح اس نے تمہارے گال پر مارا تھا۔''

یہی نہیں بلکہ حضرت عمرو بن العاصؓ کو مخاطب کرتے ہوئے وہ تاریخی اور تاریخ ساز سوالیہ جملہ فرمایا جو جدید دور کے دستور اور عہد ناموں کا آغاز ہونا چاہیے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: ''اے عمرو بن العاص! تم نے اللہ کے بندوں کو کب سے اپنا غلام بنالیا ہے جبکہ ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد پیدا کیا ہے؟

اسلامی عدل کے حوالے سے دوسرا تاریخی واقعہ امیر المومنین حضرت علیؓ سے متعلق ہے، ایک موقع پر کسی نصرانی نے حضرت علیؓ کے خلاف قاضی شریح سے شکایت کی، قاضی صاحب نے حضرت علیؓ کو اپنی عدالت میں طلب کرلیا، حضرت علیؓ کے پاس اپنی برأت کا کوئی ثبوت نہ تھا۔ قاضی شریح نے حضرت علیؓ کے خلاف فیصلہ سنا دیا۔ نصرانی نے دیکھا تو اسلامی عدل کی شان کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور پکار اٹھا کہ ''ایسے فیصلے تو انبیائے کرام کیا کرتے تھے'' اور بھرے مجمع میں خود اعتراف کرتے ہوئے کہ حضرت علیؓ حق پر تھے، اسلام قبول کرلیا۔ ماضی کی تاریخ ان واقعات سے معمور ہے لیکن موجودہ اسلامی دور میں شاذ و نادر ہی عدل کی ایسی مثالیں ملتی ہوں گی۔ (۲۰۳)

اسلام میں عدل اجتماعی کے قیام کے ذرائع: اسلام کے پیش نظر چوں کہ کامل عدل اجتماعی کا قیام تھا، لہٰذا اس نے یہ گوارا نہ کیا کہ محض اقتصادی عدل کا محدود نظام بن کر رہ جائے اور یہ بھی مناسب نہیں سمجھا کہ قانونی ذمہ داری ہی اس

Marfat.com

عدل کے قیام کا واحد سہارا ہو، چناں چہ اسلام نے اس نظام عدل کو ایک وسیع اور ہمہ گیر انسانی نظام عدل کی شکل دیا اور اسے دو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔(۱) فرد کے اندر انسانی ضمیر (۲) سماج کی بیرونی زندگی میں قانون کی ضابطہ بندی۔ اس نے دونوں کو باہم اچھی طرح مضبوط رکھا۔ ان دونوں سے کام لیتے ہوئے ایک طرف تو وہ آدمی کے وجدان میں راسخ تاثرات اور جذبات کو ابھارتا ہے اور دوسری طرف وہ انسان کی فطری کمزوری سے بھی غافل نہیں رہتا۔ اسلام اچھی طرح اس بات کو جانتا ہے کہ انسان خارجی دنیا میں ایک ایسی قوت کا محتاج ہے جو اسے غلط روی سے باز رکھ سکے، جیسا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے ''کہ اللہ پاک حکمران کے ذریعہ سے اس سے زیادہ اصلاح و درستگی کر دیتا ہے جتنی قرآن کے ذریعے سے کرتا ہے'' (یزع اللہ بالسلطان اکثر مما یزع بالقرآن)۔(۲۰۴)

عدل اجتماعی کی قدر و منزلت: وہ عبارتیں قابل غور ہیں جن کی کوئی نظیر دیگر امتوں کے وارثوں میں نہیں پائی جاتی اور وہ درج ذیل صراحتیں جنہیں ہم نے اسلام اور اس کے نظام سیاسی میں عدل اجتماعی کے منزل و مرتبہ کی وضاحت کے لیے منتخب کیا ہے، قابل مطالعہ ہیں:

۱۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''دنیا میں لوگوں کے معاملات جن میں کئی قسم کے گناہ شامل ہوسکتے ہیں، عدل کے ساتھ ہی درست ہوسکتے ہیں اور اکثر حقوق کی درستی اس طرح ہوتی ہے کہ ظلم اس میں شامل ہوتا ہے اگرچہ گناہ میں وہ مشترک نہ بھی ہوں اور اس بارے میں کہا گیا ہے: ''اللہ تعالیٰ عدل کرنے والی ریاست کو قائم رکھتا ہے اگرچہ وہ کافرہ ہو اور اس ریاست کو قائم نہیں رکھتا جس میں عدل نہ ہو اگرچہ وہ مسلمان کی ہو اور کہا جاتا ہے کہ دنیا عدل اور فکر کے ساتھ تو قائم رہے گی لیکن ظلم اور اسلام کے ساتھ نہیں رہے گی۔ عدل ہر چیز کا نظام ہے جب دنیا کے معاملے کو عدل پر قائم کیا جائے گا تو وہ قائم ہوگی خواہ عدل کرنیوالے کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو اور جب اسے عدل سے قائم نہیں کیا جائے گا تو وہ قائم نہیں ہوگی، اگرچہ وہ صاحب ایمان ہو اور آخرت میں اسے کوئی اجر نہ ملے گا۔(۲۰۵)

۲۔ ابن قیم فرماتے ہیں ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول بھیجے اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں تا کہ لوگ عدل پر قائم ہوں اور عدل ہی ہے جس پر آسمان و زمین قائم ہیں اور جب عدل کی علامات ظاہر ہوگئیں اور اس کا چہرہ منور ہوا خواہ کسی طریقے سے ہوا، پس وہی تو اللہ کی شریعت اور اس کا دین ہے۔(۲۰۶)

اسلام میں عدل اجتماعی کا میدان متعین نہیں بلکہ وہ زندگی کے سارے پہلوؤں میں واجب ہے جن میں سیاسی، اقتصادی، اور اجتماعی پہلو بھی ہیں۔ نیز عدلیہ، فوج اور تعلیم کی سطح کے موسسات (Foundations) اور بغیر کسی استثناء کے افراد کی سطح پر اس کی تطبیق واجب ہے۔(۲۰۷)

عدل اجتماعی کائنات کی جان ہے: اگر گردش زمین ایک سیکنڈ کے لیے بھی راہ اعتدال سے ہٹ جائے تو کرۂ ارض تباہ و برباد ہوکر رہ جائے۔ یہ شمس و قمر نجوم و کواکب اگر اپنے اپنے نظام سے ذرہ برابر منحرف ہوجائیں تو کائناتی نظام درہم برہم ہوجائے۔ نظام عالم کو دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ سارا نظام عدل پر مبنی ہے۔(۲۰۸)

اسلام کا تصور عدل، کائنات میں کارفرما نظم اور میزان سے لے کر عدل اجتماعی تک پھیلا ہوا ہے۔ قرآن حکیم اور سنت

Marfat.com

نبوی ﷺ میں عدل پر بہت زور دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر تکوینی نظم وتوازن کے اصل ہونے کا ذکر کیا ہے اور اس سے استدلال کرتے ہوئے انسان کو نظم وضبط اور عدل کی نصیحت کی ہے ارشاد بانی ہے:

﴿اَلرَّحْمٰن. عَلَّمَ الْقُرْاٰن. خَلَقَ الْاِنْسَانَ. عَلَّمَهُ الْبَيَان. اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَا ن. وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰن. وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَان. اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ. وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ﴾

ترجمہ: ''رحمت والا (اللہ) جس نے قرآن سکھایا، انسان کو بنایا اور اس کو گویائی سکھائی، سورج اور چاند حساب کے ساتھ ہیں، اور بے تنے کے درخت اور تنے دار درخت اس کے زیر فرمان ہیں اور اسی نے آسمان کو اونچا کیا اور اسی نے ترازو (میزان) رکھ دی تاکہ تول میں کمی بیشی نہ کرو۔'' (۲۰۹)

سورج اور چاند ایک دوسرے کے پیچھے اپنے اپنے مقررہ حساب کے مطابق گردش میں ہیں، ہر ایک اپنی اپنی جگہ تیرتا پھرتا ہے۔ اللہ نے آسمان اور زمین کو حق اور عدل کے ساتھ پیدا کیا تاکہ تمام چیزیں حق وعدل کے ساتھ ہو جائیں۔ پس اللہ کا حکم ہے کہ جب وزن کرو تو سیدھی ترازو سے عدل وحق کے ساتھ وزن کرو کمی زیادتی نہ کرو۔ (۲۰۹الف) آسمان وزمین کی تخلیق کی اصلی غایت ومقصود بھی عالم میں عدل اجتماعی کا قیام ہے اور زمین میں امن وامان عدل وانصاف ہی کے ساتھ قائم رہ سکتا۔

اسلام انسان کو کائناتی وسعتوں سے آشنا کر کے اسے فطرت کے رازوں سے آگاہ کرنا چاہتا ہے۔ اللہ کا نور ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کائنات کے ذرے ذرے میں موجود ہے اور ہر لمحے حقائق کا ظہور اسی کے نور سے ہو رہا ہے۔ کائنات کی ہر شے اللہ کی حمد کر رہی ہے اور اسی کی عظمت کے گُن گا رہی ہے۔ قرآن حکیم کائناتی صلوٰۃ اور تسبیح کا اس طرح ذکر کرتا ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ. كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ. وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ﴾ **ترجمہ:** ''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں، وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ پرندے جو پر پھیلائے اڑ رہے ہیں؟ ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتا ہے اور یہ سب جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے''۔ (۲۱۰) قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل طویل آیت کے مضمون اور انداز بیان کو ملاحظہ کریں:

﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾

ترجمہ: ''جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کیلئے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لئے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعے زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے ہواؤں کی گردش میں، اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر

Marfat.com

رکھے گئے ہیں بے شمار نشانیاں ہیں۔"(۲۱۱)

مندرجہ بالا تمام آیات انسان کو غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بتا رہی ہیں کہ کائنات کا نظام عدل اجتماعی کا بہترین مظہر ہے۔

انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد عدل اجتماعی کا قیام: ارشاد ربانی ہے: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (۲۱۲) **ترجمہ:** "ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو بھی تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر رسول اکرم ﷺ تک تمام انبیاء کو بھیجنے اور کتب سماوی نازل کرنے کا اہم مقصد یہی تھا کہ دنیا میں انصاف اور اس کے ذریعہ سے امن وامان قائم ہو۔ ہر شخص اپنے دائرہ اختیار میں انصاف کو اپنا شعار بنالے اس آیت کا اگلا حصہ یوں ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾

ترجمہ: "ہم نے لوہا پیدا کیا جس میں سخت بڑائی ہے اور لوگوں کے لیے کئی دوسرے فائدے بھی ہیں"(۲۱۳)

یہاں لوہے کا ذکر کرکے اس بات کی طرف بھی اشارہ کردیا گیا ہے کہ اگر سرکش لوگ پندونصیحت اور وعظ وتبلیغ کے ذریعہ عدل وانصاف پر نہ آئیں تو انہیں تعزیر اور سزا پابند سلاسل ہونے سے مرعوب کر کے بھی عدل وانصاف کا قیام لازمی ہے۔(۲۱۴)

اللہ تعالیٰ کا مزید ارشاد ہے: ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۲۱۵) **ترجمہ:** "اور اگر مسلمانوں کے دوگروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے پھر اگر رجوع کرے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کردو اور انصاف کا خیال رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ (۲۱۶) **ترجمہ:** "جب بات کہو تو انصاف کرو خواہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو"

﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ (۲۱۷) **ترجمہ:** "اور انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ تول کرو۔"

﴿وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ (۲۱۸) **ترجمہ:** "اور آپ ﷺ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں سب پر ایمان لاتا ہوں اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان عدل رکھوں، اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی، ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے اور ہماری اور تمہاری کچھ بحث نہیں، اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کے پاس جانا ہے"۔

حضرت عائشہؓ کا ارشاد مروی ہے کہ "اسامہؓ نے نبی کریم ﷺ سے ایک عورت کے بارے میں سفارش کی تو آپ ﷺ

Marfat.com

نے فرمایا: ''تم میں سے جو پہلی امتیں گزری ہیں وہ اس لیے تباہ ہوئیں کہ وہ کم درجے کے لوگوں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھےقسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ (بنت محمدﷺ) بھی ایسا کرتیں تو میں اس کا ہاتھ ضرور کاٹتا۔'' (۲۱۹)

یہ ایک قول رسول ﷺ ہے، لیکن حقیقت میں ایک انسانی اور آفاقی اصول ہے، جو صرف مسلم معاشرے کے لیے قابل توجہ اور لائق تقلید نہیں بلکہ پوری انسانی سوسائٹی کا قیام، اس کا نظام اور استحکام اسی اصول میں پوشیدہ ہے۔ جب قانون کی بالادستی کی بات کی جاتی ہے تو اس سلوگن یا ماٹو کے لوازم میں دو چیزیں از خود شامل ہوجاتی ہیں اور ہونی چاہئیں کہ جرم جرم ہے خواہ کسی سے سرزد ہو، جرم کے ارتکاب کے بعد کوئی بڑے سے بڑا اور معزز سے معزز آدمی قابل رعایت اور ذی وجاہت نہیں رہتا، عزت و وجاہت صرف پاک صاف اور باکردار آدمی کے لیے ہے۔ قانون کا نفاذ علی الاطلاق ہو تو اس کی بالادستی کا اقرار بھی ہوتا ہے اور اظہار بھی، خوف اور رعایت جیسے دو عناصر قانون کی بالادستی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ قانون کسی شکل، نسل، رنگ، زبان، قد، شجرۂ نسب، مال اور عہدہ دیکھ کر حرکت نہ کرے یہ ہے کہ قانون کی حرمت اور اس کی بالادستی کا تصور، خواہ وہ قانون God Made ہو یا Man Made۔ (۲۲۰)

رسول اللہ ﷺ نے سات آدمیوں کا ذکر فرمایا ہے جنہیں قیامت کے دن اللہ کا سایہ نصیب ہوگا ان میں سے ایک عادل حاکم بھی ہوگا۔

ان آیات اور احادیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اسلامی ریاست پر اجتماعی عدل کی کتنی ذمہ داری ہے اور اسے پورا کرنے کے لیے قرآن و سنت نے کتنا زور دیا ہے۔ اسلامی ریاست نظری اور عملی لحاظ سے عدل اجتماعی کی بہترین مثال ہے۔ مسلمان معاشرے اسی لیے فساد کا شکار ہوگئے کہ ان کی ریاستیں عدل اجتماعی کے قیام کو نظر انداز کررہی ہیں۔ اسلامی ریاست میں قانون کی حکمرانی نہ ہو تو اسلامی ریاست کہلانے کی مستحق نہیں۔ (۲۲۱)

اسلام میں عدل اجتماعی اور اس کا امتیاز: عدل و احسان کسی خاص فرد یا کسی خاص قوم اور ملک کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ انسانوں کے ہر طبقہ اور گروہ کے لیے وسیع ہے۔ اس کا فیضان دوست دشمن ہر ایک کے لیے یکساں ہیں حتیٰ کہ جانوروں کے ساتھ بھی عدل و احسان کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف اخلاقی اپیل نہیں ہے، بلکہ قانون کی ایک دفعہ بھی ہے اگر کوئی شخص عدل و انصاف اور احسان و بھلائی کی حد توڑتا ہے تو اسلامی قانون اس کا ہاتھ پکڑے گا حتیٰ کہ جو لوگ اسلام کو دنیا سے مٹا دینے کی فکر میں لگے رہتے ہیں ان کے بارے میں بھی مسلمانوں کی ہدایت دی گئی ہے: ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (۲۲۲) **ترجمہ**: ''تمہیں کسی قم کی دشمنی عدل و انصاف سے انحراف پر نہ ابھارے، ہر حال میں عدل و انصاف سے کام لو یہی چیز پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے۔''

اسلام نے رحم و کرم کی تعلیم دی ہے۔ اس کی ہمہ گیری پر غور کیجئے، آپ کو کہیں بھی یہ نظر نہ آئے گا کہ اس نے یہ جذبہ کسی خاص نسل کے لیے مخصوص کر رکھا ہو بلکہ اس کا فیضان نہ صرف یہ کہ انسان و حیوان بلکہ ہر ذی حیات کے لیے عام ہے۔ ایک مسلمان کو دن میں نہ جانے کتنی بار ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' اور ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' کے ورد کا حکم دیا گیا تاکہ

Marfat.com

یہ جذبہ ہر وقت تازہ رہے پھر یہی نہیں بلکہ یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ مخلوق کے اوپر رحم کے نتیجہ میں تم خالق کے رحم و کرم کے مستحق ٹھہرو گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگ زمین میں رہتے بستے ہیں ان پر تم رحم کرو اللہ تم پر رحم کرے گا۔'' (۲۲۳)

ایک بار حضرت عمرو بن العاصؓ کے صاحبزادے کسی قبطی غلام کو مار رہے تھے کہ حضرت عمرؓ کا گذر ہوا آپ نے یہ منظر دیکھا تو بے چین ہوگئے اور فرمایا: ''تم نے ان کو کب سے غلام بنالیا ہے حالانکہ وہ اپنی ماؤں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے ہیں۔ (۲۲۴)

پھر آپؓ نے اخلاقی ہدایت دے کر خاموشی نہیں اختیار کرلی بلکہ بھرے مجمع میں ابن العاص کے صاحبزادے کو اسی قبطی سے پٹوایا۔

غور کیجئے کہ معاملہ ایک فرد کے ساتھ بے رحمی اور بے انصافی کا تھا مگر آپؓ نے اس موقع پر جو ہدایت دی وہ ایک فرد اور ایک گروہ کے لیے نہیں دی بلکہ یہ فرمایا: ''تم میں انسانوں کا خدا بننے کی خواہش کب سے پیدا ہوگئی ہے جب کہ تم کو اس کے خلاف تعلیم گئی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ عام انسانوں کے ساتھ بے رحمی اور بے انصافی اسلام میں محض اخلاقی ہی نہیں بلکہ قانونی جرم بھی ہے۔ (۲۲۵)

میثاق مدینہ اسوۂ نبوی ﷺ میں عدل اجتماعی کا ایک تاریخ ساز پہلو: تاریخ انسانی کے مختلف ادوار میں سیاسی قواعد وضوابط اور حکمرانی کے اصولوں کے حوالے سے کئی افکار و قوانین کو تحریری شکل میں لکھا گیا۔ مثلاً منوسمرتی (500 ق م) جو راجہ کے فرائض پر مشتمل ہے کوتلیا کی آرتھ شاستر (300 ق م) اور اس کے ہم عصر ارسطو (384۔ 322 ق م) کی تحریروں کو سیاسیات پر مشتمل تصانیف گردانا جاتا ہے اسی طرح گزشتہ صدی میں شہر ایتھنز کا دریافت ہونے والا دستور ہے مگر ان تمام تحریروں کی حیثیت حکمرانی کے لئے نصیحتی و مشاورتی یا درسی نوعیت کی ہے اور ان میں سے کوئی بھی تحریر ایسی نہیں ہے جسے کسی باقاعدہ اور منظم ریاست کا قابل نفاذ دستور کہا جاسکے۔

میثاق مدینہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی و معاہداتی اور آئینی و دستوری جدوجہد میں ایک نمایاں اور اساسی سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ میثاق مدینہ نے جہاں ایک طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت وتبلیغ کی مساعی کو ایک نئے مرحلے میں داخل کر دیا وہاں ابدالآباد تک عالمی منظرنامے میں بھی اسلام کو ایک نمایاں اور بے مثال مقام دے دیا۔ میثاق مدینہ کو کائنات انسانی کا سب سے پہلا تحریری دستور ہونے کا مقام حاصل ہے۔ صحرائے عرب کے امی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت دنیا کو پہلے جامع تحریری دستور سے متعارف کروایا جب ابھی دنیا کسی آئین یا دستور سے ناآشنا تھی۔ (۲۲۶)

میثاق مدینہ کی تاریخی اہمیت کے اعتراف میں اکثر اہل مغرب نے ہمیشہ تنگ نظری، تعصب اور علمی بخل کا مظاہرہ کیا۔ جب بھی عالمی تہذیب وتمدن کے ارتقاء کا تذکرہ ہوا، اہل مغرب نے اسلام کے درخشاں دور اور اس کے کارناموں کو درخور اعتناء نہیں سمجھا مثلاً برطانیہ سے شائع ہونے والے ''لائبریری آف ماڈرن نالج'' نے دنیا کے سیاسی وآئینی ارتقاء کو بیان کرتے ہوئے لکھا: ''دنیا کی پہلی ریاست جسے ہم جانتے ہیں 3200 ق م میں مصر میں قائم ہوئی، جب مصر کی دونوں مملکتیں متحد ہوئیں۔

Marfat.com

اس طرح ایک مرکز اور باقاعدہ نظام کی حامل سلطنت وجود میں آئی۔ اس کے بعد جو سلطنتیں وجود میں آئیں ان میں اہم ایران، چین اور روم ہیں جو دنیا کے بڑے حصے پر محیط تھیں۔ لیکن جو ریاست آج موجود ہے اس کا وجود اس ریاستی معیار پر مبنی ہے جو پانچویں صدی عیسوی میں سلطنت روما کے زوال کے بعد مغربی یورپ میں ارتقاء پذیر ہوئی۔''

اس کے بعد یورپ کے جاگیرداری نظام اور Dark Ages کا تذکرہ کرنے کے بعد تاریخ اسلام کے صدیوں پر محیط دور کو نظرانداز کرتے ہوئے مصنف لکھتا ہے: ''ریاست کے ارتقاء کی اگلی منزل، جیسا کہ ہم آج جانتے ہیں، علاقائی ریاستوں کا وجود میں آنا تھا یعنی ایک مقررہ علاقہ پر مشتمل ریاست جس کا ایک حکمران ہو۔۔۔۔۔۔ سترھویں صدی کے اختتام تک اس طرح کی ریاستوں کا وجود پورے یورپ میں عام تھا۔'' (۲۲۷)

یعنی دنیا کے سیاسی و آئینی ارتقاء کے سارے سفر میں مغربی مصنفین کو اسلام کا کوئی کردار نظر نہیں آتا۔ حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ یورپ نے اپنا موجودہ آئینی و سیاسی سفر صدیوں میں طے کیا۔ برطانیہ میں 1215ء میں محضر کبیر (Magna Carta) کے بعد 16 دسمبر 1689ء میں Bill of Rights, ۱۷۰۰ء میں The Act of Settlement اور ۱۹۱۱ء میں The Act of Parliament کو اختیار کیا گیا۔ امریکہ کا Constitutional Convention ۱۷۸۷ء اور فرانس میں قومی اسمبلی نے آئین کی منظوری ۱۷۹۱ء میں دی۔ میثاق مدینہ کے ذریعے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ ایک باقاعدہ تحریری دستور کا تصور دیا بلکہ وہ مذہب جس کی تبلیغ آپ ﷺ مکہ میں فرما رہے تھے۔ مدینہ آتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی سیاسی حیثیت کو اس نئے شہر کے مختلف المذاہب باسیوں سے منوا لیا۔ (۲۲۸)

اسلام کے بین الاقوامی قوانین کی بنیاد قرآن اور احادیث نبوی ہیں۔ لیکن ہمیں یہاں ان معاہدوں کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے جو خلفاء نے دوسرے ممالک کے ساتھ کیے تھے نہ ان احکام کو جنہیں انہوں نے فوج کے کمانڈروں کو بھیجا تھا۔ اسلام میں جنگ کے دوران بین الاقوامی تعلقات کے جو قوانین ہیں، اس کی شرح و توضیح میں محمد بن حسن شیبانی کی کتاب ''السیر الکبیر'' کا ایک نمایاں مقام ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں جنگ کے تمام اصول واحکام ہیں۔ اس کتاب کو لکھ کر محمد بن حسن شیبانی نے عالمی قانون کے میدان میں بڑے بڑے مغربی قانون دانوں پر سبقت حاصل کرلی ہے۔ جیسے گورٹیس (Hogo Gortius)(۲۲۹) اور وٹوریا (Vitoria)(۲۳۰) وغیرہ۔ (۲۳۱)

میثاق مدینہ کے تحت ریاست مدینہ میں ایک عادلانہ اور منصفانہ معاشرے کا قیام ممکن ہوا۔ اس سے قبل مذہبی اور سماجی اختلافات و تضادات کے باعث ہر قبیلہ اپنے رسوم و رواج کے تحت مقدمات کا فیصلہ کرتا تھا۔ میثاق مدینہ کے تحت پہلی مرتبہ یہاں ایک مرکزی عدالتی نظام وجود میں آیا۔ جس کے تحت آخری اعلیٰ ترین عدالتی اتھارٹی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلیم کیا گیا۔ اگرچہ میثاق مدینہ کے تحت لوکل لاء کا احترام بھی محفوظ رکھا گیا مگر ایک مرکزی عدالتی نظام کے قیام سے باہمی تضادات اور قانونی انتشار کا خاتمہ ہوگیا۔

خطبہ حجۃ الوداع عدل اجتماعی کا عالمی منشور: اُمتِ مسلمہ کے لیے قرآن و سنت ابدی ضابطۂ حیات اور دائمی ورلڈ آرڈر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمارے لیے صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسولؐ سرورِ کائنات، حضرت محمد مصطفیٰ

Marfat.com

ﷺ کے فرامین اور ان کے احکام کی اتباع اور پیروی ضروری ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع کی صورت میں ایک ابدی چارٹر اور مثالی ورلڈ آرڈر جاری فرمایا ہے۔ جس کی اتباع اور پیروی میں نہ صرف مسلم اُمّہ بلکہ قیامت تک آنے والی انسانیت کی فلاح اور نجات مضمر ہے۔ رحمت عالم، محسنِ انسانیت، خاتم الانبیاء، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے آخری حج (حجۃ الوداع) کے موقع پر، میدان عرفات میں ایک لاکھ تیس ہزار جاں نثاروں اور اپنے سچے جانشینوں (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے سامنے جو خطبہ ارشاد فرمایا، وہ خطبۂ حجۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے، جسے اس کی اہمیت اور اہتمام شان کے باعث حجّۃ الاسلام، حجّۃ البلاغ، حجّۃ التّمام اور حجّۃ الکمال کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ (۲۳۲)

رسول اللہ ﷺ نے انسانی نسلوں، طبقوں اور معاشروں کی ایک دوسرے پر مصنوعی فضیلت و برتری کے سب دعوؤں کو ختم فرما دیا اور انسانی مساوات کا عالمی اعلان فرما کر ساتھ ہی باہمی فضیلت کا دائمی عادلانہ اصول بھی مقرر فرما دیا۔ ارشاد فرمایا: ''تمام بنی نوع انسان، آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے تخلیق کیے گئے تھے۔ اب فضیلت و برتری کے سارے (جھوٹے) دعوے، جان و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔ اے لوگو! ''لوگو! رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے سب کے سب آدم علیہ السلام (کی اولاد ہو) اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے (پیدا کیا گیا ہے) (پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت (آدمؑ و حواؑ) سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا ترس ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا دانا اور بڑا باخبر ہے، نہ کسی عربی کو عجمی پر برتری حاصل ہے اور نہ کوئی عجمی کسی عربی پر فضیلت رکھتا ہے، نہ سیاہ فام سرخ فام پر فوقیت رکھتا ہے نہ سرخ فام سیاہ فام پر، فضیلت و برتری کا معیار صرف تقویٰ پر ہے، کیا میں نے پیغام الٰہی پہنچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہ، حاضرین نے جواب دیا! ہاں۔'' (۲۳۳)

یہ مساوات انسانی کا وہ عالمی اصول تھا جس پر حضور نبی کریم ﷺ نے بین الاقوامی سطح پر جمہوری اور عادلانہ انسانی معاشرے کی بنیاد رکھی یہی اصول آگے چل کر عالمی جمہوریت کے قیام کا باعث بنا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اسی ورلڈ آرڈر کے ذریعے سود کو استحصالی نظام قرار دے کر اسے کلیتاً مسترد بلکہ ختم کرنے کا اعلان فرمایا۔ ارشاد فرمایا: ''بے شک آج سے ہر قسم کا سود (اور سارا سودی نظام) منسوخ کیا جاتا ہے تم راس المال کے سوا نہ کچھ لے سکتے ہو اور نہ کچھ دے سکتے ہو۔ نہ تم سودی لین دین کی شکل میں ایک دوسرے پر ظلم کرو اور نہ قیامت کے دن تم پر ظلم کیا جائے گا۔ یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ سود (اور اس پر مبنی ہر قسم کا اقتصادی استحصال) ممنوع ہے۔'' (۲۳۴)

رسول اللہ ﷺ نے سابقہ عالمی نظام میں خواتین پر روا رکھے گئے تمام مظالم کے خاتمے کا اعلان فرمایا اور ان کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت فراہم کی۔ ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! بے شک تمہارے کچھ حقوق عورتوں پر واجب ہیں اور اسی طرح عورتوں کے کچھ حقوق تم پر واجب ہیں (ان کی پوری طرح حفاظت کرنا) عورتوں سے ہمیشہ بہتر سلوک کرنا اور عورتوں کے حقوق کے معاملے میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔'' (۲۳۵)

رسول اللہ ﷺ نے عالمی سطح پر عادلانہ اور غیر استحصالی انسانی معاشرہ قائم کرنے کے لئے یہ عظیم انقلابی اعلان بھی فرمایا:

Marfat.com

''لوگو! زیردست انسانوں کا خیال رکھنا، انہیں وہی کچھ کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور ایسا ہی پہناؤ جیسا تم خود پہنتے ہو۔'' (۲۳۶)

اس اعلان نے عالمی نظام سے غلامی کے خاتمے کی بنیاد رکھ دی اور انسانی طبقات میں غیر فطری تفاوت کے خلاف انقلاب آفریں نظم وضع کر دیا۔ الغرض رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع کے ذریعے انسانیت کو ایسا نیو ورلڈ آرڈر (نیا عالمی نظام) عطاء فرمایا جو آج بھی زندہ و تابندہ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آج عالم اسلام عملاً اس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ کر رہا ہے یا نہیں۔ اسلام کی تاریخ میں یہ نیو ورلڈ آرڈر آج بھی دنیا کو ایسے اصول فراہم کرتا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر دنیا امن کا گہوارہ بن سکتی ہے اس لئے امت مسلمہ کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کئے ہوئے ورلڈ آرڈر کی موجودگی میں کسی اور ورلڈ آرڈر کی ضرورت نہیں۔

بے نظیر و بے مثال آپ کا لطف و کرم　　بے حدود و بے بہا آپ کا خُلقِ عظیم
آپ رؤف ورحیم، آپ ہی دریتیم　　مخزنِ جود و سخا، منبعِ صدق و یقیں

امام العالمین ﷺ بے نظیر و لاثانی منصف و قاضی: نبی کریم ﷺ نے بطور منصف بھی انسانیت کے لیے عظیم اسوۃ چھوڑا ہے۔ قرآن پاک میں ایک جگہ نہیں مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ اس نے نبی کو قاضی مقرر کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے نزاعی معاملات وخصومات کے فیصلے کرنے پر من جانب اللہ مامور تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾ (۲۳۷) **ترجمہ:** ''اور ہم نے آپ ﷺ پر برحق کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ و نگہبان ہے پس آپ ﷺ لوگوں کے درمیان جو اللہ نے نازل کیا ہے اس کے مطابق حکم کیا کریں، اور جو (دین) حق آپ ﷺ کے پاس آچکا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی مت کریں۔''

اس آیات کریمہ کے شانِ نزول کے ذیل میں ابن عباسؓ کے اثر میں بروایت محمد اسحاق منقول ہے کہ ''ابن عباسؓ روایت ہے کہ کعب ابن اسد و ابن صلوبا اور عبداللہ ابن صوریا اور شاس ابن قیس ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ محمد ﷺ کے پاس جائیں شاید ہم انہیں دین کے معاملے میں فتنے میں ڈال سکیں۔ چنانچہ وہ آئے اور کہا: ''اے محمد ﷺ آپ ﷺ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے احبار، شرفا اور سر برآوردہ لوگ ہیں۔ اگر ہم آپ ﷺ کے متبع ہو جائیں تو یہود آپ ﷺ کے متبع ہو جائیں گے اور ہماری مخالفت نہیں کریں گے۔ ہمارا اپنی قوم کے ساتھ ایک جھگڑا ہے ہم وہ آپ ﷺ کے پاس لائے ہیں۔ آپ ﷺ ہمارے حق میں فیصلہ کر دیں ہم آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے۔ آپ ﷺ نے اس سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿اَنِ احْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ (۲۳۸)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگ عدل کرنے والے ہیں وہ اللہ کے پاس اس کے دائیں طرف نور کے منبروں پر ہوں گے۔ ان کے اوصاف یہ ہیں کہ وہ عدل کے ساتھ فیصلے کرتے ہیں اپنے دائرہ اختیارات میں عدل کرتے ہیں اور اپنے بال

Marfat.com

بچوں کے ساتھ بھی عدل کا برتاؤ کرتے ہیں۔" (۲۳۹) ایک اور روایت میں ہے کہ "دنیا میں عدل کرنے والوں کو قیامت کے دن رحمٰن کے سامنے موتیوں کے منبروں پر جگہ ملے گی، محض اس لیے کہ ان لوگوں نے زندگی میں انصاف کا دامن نہ چھوڑا تھا۔ (۲۴۰)

عدل اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور ساری کائنات نظام عدل و انصاف کے اصولوں پر چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ارادہ اور اختیار کی نعمت دے کر سخت آزمائش میں ڈال دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے عدل کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے یا نہیں اور انصاف کے ان اصولوں کو اختیار کرتا ہے جن پر چلنے سے فطرت کے تقاضے پورے ہوتے ہیں یا ظلم اور کج روی کے راہ پر چل کر عدل و انصاف کے اجتماعی اصولوں کو چیلنج کرتا ہے۔ (۲۴۱)

نمونہ سب کے لیے ہے نبی کی سیرت میں   کہ جو نظیر بھی ڈھونڈی گئی یہیں سے ملی

عالمگیر اقتصادی دہشت گردی: معاش، روزگار اور غربت کا مسئلہ آج ساری دنیا میں مسئلہ نمبر ا کی حیثیت رکھتا ہے۔ (۲۴۲) اس وقت پوری دنیا چند بڑے ممالک کے معاشی شکنجے میں جکڑی ہوئی ہے۔ معاشیات میں اب عام طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں غریب اور امیر کے خوفناک فرق کو دور نہیں کر سکتے۔ (۲۴۳) یورپ کے مفکرین نے جن افراط و تفریط کو اختیار کیا اس کی سزا سب سے زیادہ غریب عوام کو بھگتنی پڑی جو نجات کی امید لیکر ان داناؤں کے پیچھے چل کھڑے ہوئے تھے۔ یہ بیچارے جاگیرداروں کی چکی سے نکلے تو سرمایہ داری کے جال میں پھنسے اور اس سے نکلنے کی کوشش کی تو سوشلزم نے انہیں دبوچ لیا۔ (۲۴۴) دولت مشترکہ میں شامل 53 ممالک نے مطالبہ کیا ہے کہ IMF اور World Bank میں اصلاحات کے لیے ٹائم فریم طے کیا جائے اور ترقی پذیر ممالک کے قرضے معاف کر دیئے جائیں۔ دہشت پسندانہ کاروائیوں کو اگر غربت اور محرومی کا ردعمل قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ انہوں نے مزید کہا کہ انتہا پسندی کا فروغ کسی مذہب کے باعث نہیں بلکہ غربت، احساس محرومی اور استحصال کے باعث ہے۔ (۲۴۵) WHO کی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق ترقی پذیر ممالک کی مجموعی آبادیوں کے 28 فیصد عوام ناقص غذا یا خوراک کی عدم دستیابی کے مہیب مسئلے سے دوچار ہیں۔ مجموعی آبادیوں کے 30 فیصد عوام غربت کی نچلی سطح پر زندہ رہنے پر مجبور ہیں۔ (۲۴۶) نائجر، مالی، جنوبی سوڈان، ملاڈ جیسے ممالک تقریباً دوامی قحط اور بھوک مری کا شکار ہیں۔ تیسری دنیا میں لاکھوں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں ایک سے پندرہ برس کی عمر کے بچے ناقص اور ضرورت سے کم غذاؤں کی وجہ سے آنکھ اور پیٹ کے امراض کا شکار ہیں۔ (۲۴۷)

معیشت کی عالمگیریت کا مفہوم آزاد تجارت ہے۔ قوانین وضوابط کی کمی ہے، معاشی سرحدوں کو کھول کر بین الاقوامی سطح پر سرمایہ اور مشین کی آمد و رفت کو بے روک ٹوک فروغ دینا ہے۔ یہ پوری حکمت عملی امیر ممالک کے لیے انتہائی مفید ہے لیکن غریبوں کے لیے مفید کم ہے اور نقصان دہ زیادہ۔ اس مالیاتی نظام کی شہ رگ سود ہے۔ یہ امت مسلمہ کے لیے ایک ایسا چیلنج ہے جس سے عہدہ برآ ہونے کی استعداد اس کے دین نے اسے عطا کی ہے۔ (۲۴۸) مسلمانوں کو عالمی سطح پر جو چیلنج درپیش ہے اس کا ایک پہلو عالمگیریت ہے۔ عالمی ساہوکاروں اور گلوبل کیپٹلزم کے منتظمین نے پوری دنیا کو اپنی گرفت میں لینے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ دنیا کے معاشی وسائل پر کنٹرول اور انسانی معاشروں کو مغربی معاشرت و اخلاق کے نمونہ پر ڈھالنا ان کا ہدف ہے۔ عالمی میڈیا عالمگیریت کو خوبصورت بنا کر پیش کر رہا ہے اور انسانیت کو یہ یقین دلایا جا رہا ہے کہ اس کی فلاح و بہبود

Marfat.com

اسی میں مضمر ہے۔ حالانکہ یہ عالمی استعمار کا دوسرا نام ہے۔ چہرے کو روشن کر کے پیش کیا جا رہا ہے اور اندرونی تاریکی کو پوشیدہ رکھا جا رہا ہے۔(۲۴۹)

انسانی فلاح کے برعکس عالمگیریت کا رجحان آئیڈیل نہیں بلکہ زمینی حقیقت کی صورت اختیار کر رہا ہے۔ عالمگیر معاشی نظام کے موجودہ رجحان سے پسماندہ ممالک کی حالت خراب تر ہو رہی ہے۔ ان کی تکنیکی پسماندگی، علوم وفنون کی پسماندگی اور جمہوری پسماندگی ان کی محرومیوں کو زیادہ گھمبیر بنا رہی ہے۔ آج کی صورت حال میں انہیں صرف وہی حقوق ملیں گے جو ترقی یافتہ ممالک انہیں دینا چاہیں گے۔(۲۵۰)

عالمگیریت کے نتیجے میں بے حد خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں مثلاً عالمگیریت مزدور اور کارکن کے لیے نقصان دہ ہے۔ غریب اور امیر کے درمیان فرق بڑھ رہا ہے۔ یہ قومی حکومتوں کے لیے خطرہ ہے۔ اس سے کثیر القومی کمپنیاں طاقتور ہو رہی ہیں۔ اس کے نتیجے میں جو معاشی پالیسیاں تشکیل پا رہی ہے نتیجتاً تمام سرمایہ کھنچ کر سب سے بڑی معاشی قوت کے ہاں جائے گا اور تیسری دنیا کے لوگ مزید غربت کا شکار ہوں گے۔ اس کے نتیجے میں مغربی معاشرت اور ثقافت کا غلبہ ہوگا۔ طاقتور قوموں کے سوا باقی تمام قومیں محکوم ہوں گی۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کو کمزور قوموں کے قدرتی وسائل کی لوٹ مار کا اختیار مل جائے گا۔ اس سے کمزور ممالک کے اندر انتشار و فساد ہوگا۔ مذہبی اختلافات اور نسلی فسادات کی حوصلہ افزائی کی جائے گا تاکہ کمزور معاشروں سے عالمی ساہوکاروں اور سرمایہ داروں کی لوٹ کھسوٹ کے خلاف مزاحمت پیدا نہ ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عالمگیریت ایک عسکری خطرہ ہے۔ (۲۵۱) آج یورپین یونین، ناٹو، ایسیین، جی 8 ڈی 8 اور APEC کے اتحاد بین الاقوامی تعاون اور یکجہتی کو فروغ دے رہے ہیں اور اپنے سیاسی، فوجی اور معاشی مسائل باہم مل کر حل کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ ایک وسیع تر اتحاد کا حصہ بن کر ان ممالک کے اختلافات تنازعے نہیں بن پاتے اور اتحاد کے فریم ورک ہی میں ان کے جھگڑوں کا تصفیہ ہو جاتا ہے۔(۲۵۲)

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں عدل اجتماعی کا جائزہ

جہانِ عدل و احساں کا وہی بانی مبانی ہے — کلام اللہ کی تفسیر جس کی زندگانی ہے

تمام حاملان منصب نبوت اور جملہ کار پردازان رسالت اگرچہ تاریخ عالم کے مختلف ادوار، مختلف دیار و امصار، اور مختلف اقوام وملل میں متفرق تہذیبی وتمدنی تناظر میں تشریف لائے (۲۵۳) تاہم وہ سب کے سب ہدایت ربانی سے سرفراز، اللہ کے فرستادہ اس کے پیغامبر ﴿مِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا﴾ (۲۵۴) ﴿كُلًّا هَدَيْنَا﴾ (۲۵۵) صدق و صفا کے پیکر، داعی الیٰ الحق، اللہ کے پسندیدہ (الذین اصطفیٰ) (۲۵۶) المصطفین الاخیار (۲۵۷) اور منتخب خلائق (الذین اصطفینا من عبادنا) (۲۵۸) کل من الاخیار (۲۵۹) تھے اور بحیثیت مجموعی ان کے نبی، رسول، پیغمبر ہونے میں کوئی کلام نہیں کیا جاسکتا (لا نفرق بین احد منهم) (۲۶۰) لا نفرق بین احد من رسله (۲۶۱) البتہ یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ اپنے وجود ہستی، اپنی صفات، خصوصیات ذاتی اور اپنے اظہار کمالات منصبی کے اعتبار سے ہر نبی کی حیثیت الگ الگ، ہر رسول کا تشخص جدا جدا، ہر ایک کی فضیلت کا حوالہ مختلف ہے۔ (۲۶۲) اور ہر پیغمبر بجائے خود منفرد ومتفرد ہے۔(۲۶۳) اللہ رب العالمین کے فرستادہ نبی، برگزیدہ رسول، ہادیٔ کائنات اور پیغمبر انسانیت ہونے کی حیثیت سے ختم الرسل ﷺ کا فرض منصبی تھا کہ ا۔ تبلیغ دین اور ابلاغ حق

Marfat.com

فرمائیں(۲۶۴) اور اللہ نے جو پیغام عطا فرمایا ہے اسے من وعن بندگان خدا تک پہنچا کر حق امانت ادا کریں آیات، تعلیم کتاب وحکمت، تزکیہ نفس وقلوب (۲۶۵) اور تفسیر وتشریح کتاب فرمائیں (۲۶۶) ۳۔ جہد مسلسل اور دین حق کو دنیا میں غالب فرمائیں (۲۶۷)۔ ۴۔ لوگوں کے معاملات کا فیصلہ وحی الٰہی کی روشنی میں فرمائیں اور انہیں عدل اور قسط پر قائم فرمائیں (۲۶۸) ۵۔ جو سعید روحیں پیغام حق کو قبول کریں انہیں فوز وفلاح کی بشارت سنائیں اور جو شقی القلب دعوت ربانی کو ٹھکرانے پر تل جائیں انہیں اخروی نتائج اور انجام بد سے ڈرائیں۔ (۲۶۹)

خُلق ومحبت، رحمت ورافت، مہر ومروت لطف وعنایت حسنِ شعار سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

معاشرت و معاملات میں عدل اجتماعی: اسلام نے جن اخلاقی اور معاشرتی اقدار پر سب سے زیادہ زور دیا ہے ان میں سے ایک عدل و انصاف بھی ہے کیونکہ کوئی معاشرہ اس کے بغیر نہ صحت مند رہ سکتا ہے اور نہ باقی رہ سکتا ہے۔ معاشرہ کا سب سے بڑا ناسور بے انصافی اور ظلم ہے۔ قومیں اسی کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئی ہیں۔ طبقاتی کشمکش اسی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ رشک وحسد، کینہ وبغض، قہر وغضب کے جذبات لوگوں میں اسی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ (۲۷۰)

معاشرتی زندگی میں عدل و انصاف کی سب سے زیادہ تاکید ایسے شوہر کو کی گئی ہے جو ایک سے زائد شادیاں کرے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾ (۲۷۱) **ترجمہ** ''اگر تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ (کئی بیویوں میں) انصاف نہ کر پاؤ گے تو ایک ہی نکاح کرو''۔

یتیموں کے حقوق کی حفاظت کے لیے بھی عدل و انصاف ضروری ہے۔ اللہ جلہ شانہ کا فرمان ہے

﴿وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ﴾ (۲۷۲) **ترجمہ**: ''یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف کو ملحوظ رکھو

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی خطبہ شاید ہی ایسا ہو جس میں رسول اللہ ﷺ نے یہ نہ فرمایا ہو کہ: ''جس میں امانت نہیں اس کا ایمان نہیں اور جس کا عہد (وعدہ) مضبوط نہیں اس کا دین نہیں۔'' (۲۷۲۔الف)۔ آپ ﷺ نے عدل کرتے ہوئے کبھی بھی رشتہ داری کا خیال نہیں رکھا اور نہ کبھی اس سلسلے میں کسی سفارش کو قبول کیا۔

قبیلہ بنی مخزوم کی فاطمہ نامی ایک عورت چوری کے الزام میں گرفتار کر کے پیارے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائی گئی۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ جن سے پیارے نبی ﷺ بہت محبت کرتے تھے، انہوں نے اس کی سفارش کی تو پیارے رسول اللہ ﷺ نے ناگواری کا اظہار فرمایا۔ پیارے نبی ﷺ کے وہ ارشادات آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں جو آپ ﷺ نے قبیلہ بنی مخزوم کی فاطمہ نامی خاتون کی چوری سے متعلق سزا کی معافی کی سفارش سن کر ارشاد فرمائے۔ پیارے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''تم سے پہلی امتیں اسی لیے تباہ ہوگئیں کہ جب ان میں سے کوئی معزز شخص جرم کرتا تو چشم پوشی کرتے اور جب کسی معمولی آدمی سے جرم سرزد ہوتا تو سزا دیتے۔ اللہ کی قسم! اگر فاطمہؓ بنت محمد (ﷺ) بھی چوری کرتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا۔'' (۲۷۳)

ایک مرتبہ رسول ﷺ بازار سے گزر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ غلے کا ڈھیر زمین پر لگائے بیچ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس کے قریب تشریف لے گئے۔ غلے کو دیکھا، پھر اس ڈھیر میں ہاتھ ڈالا، اندر نمی محسوس ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے غلہ فروخت کرنے والے سے پوچھا ''یہ کیا ہے؟'' اس نے جواب دیا ''یارسول اللہ ﷺ بارش سے بھیگ گیا ہے''

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اگر بارش سے بھیگ گیا ہے تو اسے چھپایا کیوں؟ اوپر کیوں نہیں رکھا کہ ہر شخص کو نظر آئے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''جو لوگ دھوکا دیتے ہیں وہ ہم میں سے نہیں۔'' (۲۷۳۔الف)

محبت اور دشمنی میں میانہ روی کے بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث مروی ہے، ''اپنے دوست سے اعتدال کے ساتھ محبت کرو، ہوسکتا ہے کہ وہ کسی روز تمہارا دشمن ہوجائے اور اپنے دشمن سے دشمنی بھی اعتدال کے ساتھ کرو، ممکن ہے وہ کسی روز تمہارا دوست ہوجائے۔'' قرآن پاک میں مسلمانوں کو امت وسط یعنی بیچ کی امت کہا گیا ہے، جب کہ پیارے نبی ﷺ نے فرمایا، ''میانہ روی اچھی چیز ہے۔'' (الحدیث)

قانونی عدل اجتماعی: ریاست یا فرد کی حفاظت ایک لازمی امر ہے اور یہ اسی صورت ہوسکتا ہے جب عدل کے ذریعے حقدار کو حق دلایا جائے اور ظالم کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ یہ کسی قانون کے تحت ہی ہوسکتا ہے اور اسلام اس قانون کو عدل کا نام دیتا ہے۔ جہاں مخلوق کے درمیان برابری کی بنیاد پر حقوق اور فرائض کی تقسیم کی جائے ایک فرد یا گروہ دوسرے فرد یا گروہ کو زک یا تکلیف نہ پہنچائے اور اگر ایسا ہوجائے تو ایک عادل (یا عدالت) غلط اور صحیح فیصلہ کرکے معاملے کو احسن طریقے پر نمٹائے۔ عدل کے تحت خون کا بدلہ خون اور عضو کا بدلہ عضو ہے یعنی اگر ایک شخص دوسرے کو جتنی تکلیف یا نقصان پہنچاتا ہے، اسلامی نگاہ میں مظلوم کو حق ہے کہ وہ ظالم کو اتنی ہی تکلیف یا نقصان پہنچا سکتا ہے اور اس میں کسی رعایت یا لچک کی گنجائش نہیں۔ البتہ اگر مظلوم ظالم کو معاف کردے تو یہ احسان ہے۔ (۲۷۴)

قاضیوں اور قانون کے محافظوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ عدل و انصاف کی میزان کو مضبوطی سے تھامے رہیں اور کسی ایک فریق کی طرف ناجائز طور پر جھکاؤ نہ رکھیں۔ ارشاد ربانی ہے: **ترجمہ:** ''اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو'' (۲۷۵) **ترجمہ:** ''اور اگر تم فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو'' (۲۷۶)

حاکموں کو احکم الحاکمین کا حکم ہورہا ہے کہ فیصلے عدل کے ساتھ کرو، کسی حالت میں عدل کا دامن نہ چھوڑو۔ اللہ حاکم کے ساتھ ہوتا ہے جب تک وہ ظلم نہ کرے۔ میثاق مدینہ میں تمام فریقوں بالخصوص یہودیوں نے حضور سرور کائنات ﷺ کو اپنا حاکم یا ثالث تسلیم کرکے آنحضرت ﷺ کی انصاف پسندی اور عدل پروری کا لوہا مان لیا۔

سیاسی عدل اجتماعی: مسلمانوں کو غیر مسلم اقوام سے بہرصورت عدل و انصاف کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **ترجمہ:** ''اور کسی قوم کی عداوت تمہیں اس امر پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس کے ساتھ بے انصافی کرو، عدل کرو کہ یہی شان تقویٰ ہے'' (۲۷۷) آپ ﷺ نے فرمایا: ''دیکھو کسی کی عداوت اور ضد میں آکر عدل سے نہ ہٹ جانا، دوست ہو یا دشمن تمہیں عدل و انصاف کا ساتھ دینا چاہیے۔ تقویٰ سے زیادہ قریب یہی ہے۔ (الحدیث) بلاشبہ اسلام کی تہذیب کے نمایاں وصف عدل و اعتدال ہے جس کا اعتراف غیر مسلموں نے بھی کیا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں حکومت میں مسلمانوں کے لیے ایک محاذ جنگ پر رکے رہنا مشکل ہوگیا تو انہوں نے جو کچھ جزیہ وصول کیا تھا پورا لوٹا دیا۔ اس انصاف کو دیکھ کر غیر مسلم کہنے لگے ''اللہ تعالیٰ تمہیں ہمارے علاقے میں واپس لائے تاکہ ہم دشمنوں کے مقابلے میں تمہاری مدد کرسکیں، اگر ہم مذہب بھی حکمراں ہوتے تو وہ کچھ بھی نہ لوٹاتے، بلکہ ہمارا بچا کھچا سرمایہ بھی ہڑپ کرجاتے'' (۲۷۸) ایک ایسے ہی دوسرے موقع پر جب

Marfat.com

مسلمانوں نے یہودیوں کو ان کا زرومال اسی لیے لوٹا دیا کہ وہ ان کی حفاظت سے قاصر تھے تو یہودی پکار اٹھے ''یہی وہ عدل و انصاف ہے جس پر زمین و آسمان قائم ہیں''

تکریم بنی نوع آدم اور عدل اجتماعی: اسلام نے عظمتِ انسان کا جو تصوّر دیا ہے، وہ دنیا کی کسی تہذیب میں نہیں ملتا۔ قرآن مجید میں آتا ہے: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ **ترجمہ**: ''اور ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری میں سواری دی اور ان کو اچھی چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے ان کو بہتوں پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے، بڑی فضیلت دی ہے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا ﴿وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ (۲۷۹) ''**ترجمہ**: ''اس نے تم کو تمام جہان والوں پر فوقیت دی ہے''

اللہ نے انسان کو اس دنیا میں اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے تا کہ وہ اس کی صفات کا کلی طور پر اظہار کرے، خدا کا نائب ہونے کا تصوّر دنیا کی کسی کتاب نے نہیں دیا۔ خدا کی نیابت میں انسان کی عظمت کا راز مضمر ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ (۲۸۰) **ترجمہ**: ''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: ''خلق اللّٰہ ادم علیٰ صورتہ'' (۲۸۱) **ترجمہ**: ''اللہ نے آدمؑ کو بہترین صورت پر پیدا کیا ہے۔'' اسلام نے انسان کی اس عظمت کی وجہ سے یہ تعلیم دی ہے کہ ہر انسان ایک دوسرے کی عزّت و تکریم کرے اور محبت سے پیش آئے۔ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: ''الخلقُ عیال اللّٰہ فاحبّ الخلق الیٰ اللّٰہ من احسَن الیٰ عیالہ'' (۲۸۲) **ترجمہ**: ''ساری مخلوق عیال اللہ ہے اور اللہ سب سے زیادہ محبت اس سے کرتا ہے، جو اللہ کی مخلوق سے سب سے زیادہ بھلائی کرتا ہے''۔ رسولِ کریم ﷺ نے اسلام کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام کیا ہے؟ ''التعظیم لامر اللّٰہ والشفقة علیٰ عیال اللّٰہ'' (۲۸۳) اللہ کے احکام کی تعظیم کرو اور اللہ کی مخلوق سے محبت رکھو۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے **ترجمہ**: ''ہر مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت'' (۲۸۴)

حضرت قیسؓ اور حضرت سہیلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک یہودی کا جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو گئے آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا وہ ایک انسان نہیں ہے؟ ''آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب کوئی جنازہ دیکھو کھڑے ہو جایا کرو۔'' (۲۸۵)

آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''الراحمون یرحمھم الرحمن، ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء۔ (۲۸۶) **ترجمہ**: ''جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں، رحمٰن ان پر رحم کرتا ہے، اے اہل زمین! آپس میں رحم و کرم (احترام و اکرام) کا معاملہ رکھو، تا کہ بلند و برتر خدا تم پر رحم کرے۔''

ایک دوسری حدیث میں یوں ارشاد فرمایا: (۲۸۷) **ترجمہ**: ''وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کھائے اور ہمارے بڑے کی عزت نہ کرے اور اچھی بات کی تلقین نہ کرے اور بری بات سے باز نہ رکھے۔''

اسلام کسی ایک شخص کی جان بچانے کو پوری انسانیت کی جان بچانے اور کسی ایک شخص کی ہلاکت کو پوری انسانیت کی

Marfat.com

ہلاکت سے تشبیہہ دے کر ایک طرف احترام انسانیت، تحفظ انسانیت اور بقائے انسان کی ضمن میں اپنی تعلیمات کا خلاصہ پیش کررہا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''جس انسان نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین پر فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کردیا اور جس نے کسی کی زندگی بچالی تو اس نے تمام انسانوں ک بچالیا (۲۸۷۔الف)۔ اسلام ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ کہہ کر ہر فرد کو مذہبی آزادی کی نوید سناتا ہے۔ زبردستی، رہبانیت، سختی کی شدید الفاظ میں مذمت کرتا ہے۔

دین اور عقائد میں عدل اجتماعی: اسلامی تہذیب کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ وہ مذہبی رواداری کی علمبردار ہے۔ وہ ہر ایک سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہر مذہبی کتاب اور ہر پیغمبر کو مانا جائے اور ان کے درمیان کسی قسم کی تفریق نہ کی جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ﴾ (۲۸۸) **ترجمہ:** ''جو اللہ اور آخرت کے دن اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے۔ ایک موقع پر فرمایا گیا'': ﴿قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ (۲۸۹) **ترجمہ:** ''کہہ کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر، جو ہم پر اتارا گیا اور اس پر جو ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر اتارا گیا اور جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔''

ایک مقام پر ارشاد ہوا: ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ (۲۹۰) **ترجمہ:** ''رسولؐ اس پر ایمان لایا، جو اس کے رب سے اس کی طرف اتارا گیا اور مومن بھی اس اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں، ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں کچھ تفریق نہیں کرتے۔''

اسلام اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ قوت اور طاقت سے دین کی اشاعت کی جائے اور لوگوں کو جبراً دین منوایا جائے۔ دین کا اختیار کرنا لوگوں کی رضا و رغبت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اسلام محض مذہبی اختلاف کی بناء پر ایک دوسرے کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ (۲۹۱) **ترجمہ:** ''دین میں کوئی جبر نہیں۔'' حضرت عمرؓ کا غلام ''اسبق'' نصرانی تھا، آپؓ اس پر اسلام پیش کرتے تو وہ انکار کرتا آپؓ کہہ دیتے کہ خیر تیری مرضی اسلام جبر سے روکتا ہے۔ (۲۹۱الف) کسی کو جبراً اسلام میں داخل نہیں کیا جاسکتا۔ کسی پر جبر اور زبردستی کرنے کی ضرورت نہیں۔ کسی پر اسلام قبول کرانے کے لیے جبر اور زبردستی سے گریز کرنا چاہیے۔ ایک موقع پر فرمایا گیا: ﴿اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ (۲۹۲) **ترجمہ:** ''کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن بن جائیں۔

ازدواجی زندگی میں عدل اجتماعی: عورت کے حقوق اور اس کی شخصیت سے متعلق سب سے پہلے جو چیز ہمیں پیش نظر رکھنی ہوگی، وہ قرآن حکیم ہے، پھر سنت نبویؐ۔ چنانچہ قرآن حکیم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ﴾ (۲۹۳) **ترجمہ:** ''جیسے مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں، ایسے ہی عورتوں کے حقوق مرد پر ہیں۔''

Marfat.com

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (۲۹۴) **ترجمہ**: ''عورتیں مردوں کی اور تم مردوں کے لباس ہو۔

خواتین اسلام کی اصابت رائے اور فہم وفراست مسلمات میں سے ہے۔ ان کی رائے کا احترام اور ان کے مشورے کو لائق اعتنا سمجھا گیا اور ان کی تجاویز کو نہ صرف اہمیت دی گئی، بلکہ ان پر عمل درآمد بھی کیا گیا ہے اور ہر لحاظ سے ان پر فوائد بھی مرتب ہوئے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاہدے کی تکمیل کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا کہ یہیں (مقام حدیبیہ میں) قربانی کرلیں اور واپس چلیں لیکن فرمان رسالت مآب ﷺ سننے کے باوجود دراز خوردگی اور آفتہ خاطری کا یہ عالم تھا، کہ تعمیل ارشاد کے لیے کوئی نہیں اٹھا، تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ برابر یہی کیفیت قائم رہی۔ آپ کو صدمہ ہوا اور اندر تشریف لے گئے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، انہوں نے رائے دی کہ اب کسی سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔ آپؐ باہر تشریف لے جائیں، اپنے جانوروں کی قربانی کریں اور حلق (سرمنڈانا) کرالیں۔ آپؐ نے ایسا ہی کیا لوگ اب تک اس کے لیے متامل تھے، کہ شاید معاہدہ منسوخ ہو جائے، مگر جب آپ کو قربانی کرتے اور حلق کراتے دیکھا، تو سمجھ گئے، فیصلہ قطعی ہو چکا ہے اب تو یہ عالم تھا کہ لوگ ایک دوسرے پر گرے پڑ رہے تھے، ہر شخص چاہتا تھا سب سے پہلے وہ سرمنڈا لے۔(۲۹۵)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ میری ایک سوکن ہے، کیا مجھے اس بات سے گناہ ہوگا اگر میں یہ ظاہر کروں کہ مجھے خاوند کی طرف سے خوب مل رہا ہے جب کہ مجھے وہ چیزیں نہیں دیتا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو چیز تمہیں نہیں دی گئی اس کا جھوٹ موٹ اظہار کرنے والا جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح ہے۔'' (۲۹۵۔الف) ازدواجی زندگی میں عدل اجتماعی، خوشحال زندگی کی ضمانت ہے۔

معاشی عدل اجتماعی: عہد نبوی ﷺ کی اسلامی ریاست ابتدا میں معاشی پسماندگی کا شکار تھی۔ آپ ﷺ نے غیر مسلم قوتوں کے معاشی چنگل سے نکلنے کے لیے مدینہ میں اسلامی تجارت کو فروغ دیا۔(۲۹۶) زرعی پیداوار میں اضافہ کا رجحان پیدا کیا اور سودی کاروبار کا خاتمہ کیا۔ علاوہ ازیں مشرکین اور یہود کی تجارتی اجارہ داری کے خاتمے کے لیے تجارتی راستے پر آباد قبائل سے امن معاہدے کیے۔(۲۹۷) جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی مسلمانوں نے اپنا معاشی اعتبار قائم کرلیا اور غیروں کے تسلط سے آزاد ہوگئے۔ آپ ﷺ نے غیر معاشی اجارہ داری حاصل کرنے والی قوموں کے خلاف عملی اقدامات فرمائے۔(۲۹۸)

اسلام کے نزدیک معاشی مسئلہ اس قدر اہم اور پیچیدہ نہیں ہے جیسا کہ دور حاضرہ کی اور حکومتوں اور ملکوں میں سمجھا جاتا ہے اور جس کے حل کرنے کے لیے سوشلزم اور کمیونزم جیسی تحریکوں کو جنم لینا پڑا۔(۲۹۹)

مولانا حامد الانصاری لکھتے ہیں معاش کا مسئلہ انسانی فطرت کا قطعی مطالبہ اور اس کی تکمیل ایک خدائی فرض ہے حکومت کا کام ہے وہ خیال رکھے، جمہور کو ان کے حق کے مطابق کھانے پینے اور پاک صاف اعلیٰ زندگی بسر کرنے کی سہولت حاصل ہے۔(۳۰۰) قرآن کریم نے چار باتیں پیش کی ہیں، زمین معاشی پیداوار کا مخزن ہے۔(۳۰۱) دن معاشی دوڑ دھوپ کے لئے ہے۔(۳۰۲) معاشی پیداوار کا ارتکاز نہ ہو سب کو ملے۔(۳۰۳) خوشحالی میں خدا کو یاد رکھے، ورنہ معاش کا دائرہ تنگ

Marfat.com

ہو جائے گا۔((۳۰۴)ہر انسان پر لازم کیا گیا کہ وہ معاشی ذرائع تجارت صنعت، حرفت، ملازمت کے ذریعہ ضروریات زندگی حاصل کرے۔(۳۰۵)معیشت کی صحت مند نشوونما کی جو بیماریاں بری طرح متاثر کرتی ہیں ان میں ذخیرہ اندوزی، ناجائز منافع خوری، سٹہ بازی اور اسمگلنگ نمایاں ہیں۔(۳۰۶)

ذخیرہ اندوزی کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ بازار میں اشیائے فروختنی لانے والا مجاہد کی شان رکھتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملحد کے مقام پر ہے''(۳۰۷)۔سچے اور امین تاجر کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ''وہ تاجر جو سچ بولے اور امین ہو، وہ قیامت کو نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا'' (۳۰۸)۔آپ ﷺ نے مزید فرمایا''سامان روکنے والا مجرم ہے۔(۳۰۹)

''دولت مندی، محتاجی میں اور عبادت میں عدل و اعتدال اور میانہ روی کتنی اچھی روش ہے۔''(۳۱۰)

قول و فعل اور معاہدات میں عدل اجتماعی: آپ ﷺ کا جو معیار اخلاق شخصی حالتوں میں تھا وہی میدان جنگ میں بھی قائم رہا۔معاہدات نبوی ﷺ کا اطلاق ان معاہدات پر ہوتا ہے جو آپ ﷺ کی ہجرت کے بعد اور بالخصوص مدینہ کے قیام کے بعد مختلف اقوام و ملل سے کیے گئے۔(۳۱۱) قرآن کریم میں ۲۵ سے زائد مقامات پر پوری شدت کے ساتھ معاہدات کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اس پر بڑے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے۔(۳۱۲) آپ ﷺ کے معاہدات میں دو باتیں خاص نظر آتی ہیں پہلی یہ کہ معاہدات میں رواداری اور برداشت دوسری یہ کہ معاہدہ برابری کی بنیاد پر یا جھک کر قبول کر لیتے۔ آپ ﷺ کے معاہدات سے فاتح کی حیثیت نمایاں نہیں ہوتی بلکہ مصلح کی حیثیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔آپ ﷺ نے میثاق مدینہ کے نام سے جو معاہدہ کیا وہ یہودیوں کے ساتھ رواداری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

اسی طرح صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی:''قریش میں سے اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینے چلا جائے تو اسے واپس کر دیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان مدینے سے مکے آئے تو اُسے واپس نہیں کیا جائے گا''اس شرط کے بعد، حضرت ابو جندلؓ زنجیروں میں جکڑے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے اپنے جسم کے داغ دکھائے کہ اہل مکہ نے انہیں مسلمان ہوجانے پر کتنی اذیت دی ہے، درخواست کی کہ انہیں مدینہ ساتھ لے جایا جائے تو رسول اللہ ﷺ نے اس شفقت کے باوصف، جو رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں سے تھی، انہیں اپنے ہمراہ مدینے لے جانے سے محض اس لیے انکار کردیا کہ قریش سے معاہدہ ہو چکا تھا کہ مکہ سے بھاگ کر آنے والے مسلمانوں کو مدینے سے لوٹا دیا جائے گا۔حضرت ابو جندلؓ کی دردناک حالت تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے لیے بے قراری کا باعث تھی۔ پیارے رسول ﷺ نے فرمایا! اے ابو جندل! صبر کرو، ہم عہد شکنی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لیے کوئی راستہ نکالے گا۔'' (۳۱۳)

جنگ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی اور مسلمانوں کے لیے ایک ایک آدمی کی بڑی شدید ضرورت و اہمیت تھی۔اس موقع پر دو صحابی حذیفہ بن یمانؓ اور ابو حیلؓ پیارے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:''یا رسول اللہ ﷺ! ہم مکہ سے آرہے ہیں۔راستے میں کفار نے ہمیں گرفتار کرلیا تھا اور اس شرط پر رہا کیا ہے کہ ہم لڑائی میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہ دیں گے، لیکن یہ مجبوری کا عہد تھا۔ہم ضرور کافروں کے خلاف لڑیں گے اور رسول

Marfat.com

اللہ ﷺ کا ہر طرح سے ساتھ دیں گے۔''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''ہرگز نہیں! تم اپنا وعدہ پورا کرو اور میدان جنگ سے چلے جاؤ، ہم مسلمان ہر حال میں وعدہ پرا کریں گے۔ ہم کو صرف اللہ کی مدد درکار ہے۔''(۳۱۴)

آزادی و حریت میں عدل اجتماعی: جہاں تک آزادی اور حریت میں عدل اجتماعی کا تعلق ہے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہی دنیا میں پہلی مرتبہ انسانوں کی آزادی و حریت کا نعرہ بلند کیا اور اپنے ماننے والوں کو اس پر عمل پیرا ہونے کی تاکید فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ جب تشریف لائے تو اس وقت ساری دنیا میں غلامی کا رواج زوروں پر تھا۔ معمولی معمولی جنگوں پر ایک دوسرے کے اہل وعیال کو لونڈی غلام بنالیا جاتا تھا۔ ان حالات میں یہ تو ممکن نہ تھا کہ یک بارگی اس نظام کو ختم کردیا جائے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی اپنی پاکیزہ تعلیمات میں ''انسداد غلامی'' کے لیے تمام اساسی باتیں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر غلاموں کی آزادی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی نیکی ہے۔ ﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ. وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ. فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ (۳۱۵) **ترجمہ:** ''سو وہ شخص دین کی گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ گھاٹی کیا ہے، وہ کسی گردن غلامی سے چھڑا تا ہے۔''

اسی طرح قتل خطاء، ظہار اور قسم توڑ دینے وغیرہ کے کفاروں میں غلام کی آزادی کا حکم دیا گیا۔ نیز غلاموں کو ''بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ''(سو وہ لوگ تم ہی میں سے ہیں) کہہ کر ان کو مسلم معاشرے کا حصہ دار بنادیا۔(۳۱۶) آپ ﷺ نے ''كل مولود يولد على الفطرة''(۳۱۷) **ترجمہ:** ''ہر بچہ فطرت (سلیمہ) پر پیدا ہوتا ہے۔

اس سے اگر چہ یہاں مراد ہر بچے کا باطل مذہب کی قید سے آزاد ہونا ہے مگر فطرت سلیمہ کی اس خصوصیت میں اس کی آزادی اور حریت بھی شامل ہے۔

دین اور عقائد میں عدل اجتماعی: قرآن و حدیث میں انتہا پسندی کے لیے لفظ ''غلو'' مستعمل ہے۔ ''غلو'' کے لفظی معنی حد سے تجاوز کرنے کے لیے۔ جیسا کہ امام حصاص لکھا ہے:''الغلو في الدين هو مجاوزة حد الحق فيه'' (۳۱۸) دین کے معاملے میں مبالغہ آرائی سے کام لینا شریعت اسلامیہ کی رو سے حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ﴾(۳۱۹) ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾(۳۲۰) **ترجمہ:** ''اے کتاب والو مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں اور مت کہو اللہ کی شان میں مگر پکی بات''

دین اسلام ایک معتدل اور سیدھا مذہب ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (۳۲۱) **ترجمہ:** ''اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فطرت صحیح پر پیدا کیا اور اس اصلی اور جبلی فطرت کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہی دین اسلام سیدھا دین ہے کہ جو اس اصلی فطرت کے مطابق ہے اکثر لوگ جانتے نہیں۔''

دین اسلام میں ہر طرح کی سختی اور جبر و اکراہ سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ'' (۳۲۲) **ترجمہ:** ''دین میں کوئی جبر نہیں''

Marfat.com

آپ ﷺ نے فرمایا: (۳۲۳) **ترجمہ:** ''دین میں غلو کرنے سے اجتناب کرنا، کیونکہ تم سے پچھلی امتیں دین میں غلو کے سبب ہلاک ہوگئیں۔''

رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی کو دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ مکہ کی سرزمین باوجود اپنی وسعت کے قریش مکہ نے ظلم وستم کی وجہ سے آپ ﷺ پر تنگ کی ہوئی تھی۔ اس وقت بھی لوگوں کی اکثریت رسول اللہ ﷺ کے عدل سے متاثر ہوکر اسلام کے دائرے میں داخل ہورہے تھے۔ ابوسفیانؓ اور ان کی بیوی ہندؓ، ابوجہل کا بیٹا عکرمہؓ اور مکہ کی دوسری بڑی بڑی شخصیات آپ ﷺ کے عدل وانصاف سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرنے پر مجبور ہوتے۔

عبادات میں عدل اجتماعی: شریعت اسلامیہ نے عبادات میں بھی اعتدال اور میانہ روی کی روش اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ دعا یا نماز میں ایک مسلمان کی آواز معتدل ہونی چاہیے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا﴾ (۳۲۴) **ترجمہ:** ''اور تو نہ پکار اپنی دعا (یا نماز) میں اور چپکے پڑھ اور ڈھونڈ لے اس کے بیچ میں راہ''۔

دنیا کو ترک کردے اور رہبانیت اختیار کرلے۔ دن رات عبادات میں مشغول رہنا اور دینوی تقاضوں کو نظر انداز کرنا شریعت اسلامیہ کے مزاج اور اس کی روح کے خلاف ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہادی صراط مستقیم ﷺ کا ارشاد ہے (۳۲۵)۔ **ترجمہ:** ''اللہ کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور سب سے بڑھ کر پاسداری کرتا ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار (ناغہ) بھی کرتا ہوں رات میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور نکاح بھی میری سنت ہے، پس جو میری سنت سے گریز کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔''

ایک بار سرور انبیاء ﷺ مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک رسی دوستونوں کے درمیان باندھی ہوئی ہے۔ شفیع الامم ﷺ نے پوچھا: ''یہ رسی کس لیے ہے''؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ ام المومنین حضرت زینبؓ نے لٹکائی ہے۔ جب وہ عبادت کرتے کرتے تھک جاتی ہیں، تو اس سے لٹک کر تھکاوٹ اتارتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رسی کھول دو، جب تک تم میں سے کوئی تازہ دم رہے تو نماز پڑھے اور جب تھک جائے تو آرام کرلیا کرے۔ (۳۲۶)

ناپ تول اور کھانے پینے میں عدل: ہر شخص کو ہر حال میں سچائی اور انصاف کا دامن نہ چھوڑنا چاہیے۔ ناپ تول میں کمی بیشی نہیں کرنی چاہیے۔ یہ اسلام اور تعلیمات نبوی ﷺ کے منافی ہیں۔ کھانے پینے میں بھی عدل و انصاف سے کام لینا چاہیے۔ یعنی ضرورت کے مطابق کھایا جائے اور اگر فالتو بچ جائے تو جسے اس کی ضرورت ہو اسے دے دیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا﴾ **ترجمہ:** ''کھاؤ پیو لیکن فضول خرچی نہ کرو۔'' (۳۲۷) آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''کھاؤ اور پہنو اور صدقہ کرو اور اسراف اور خودنمائی سے رکو۔ (۳۲۸)

اسوۂ نبوی ﷺ میں عدل اجتماعی کے نظائر

بچپن میں سیدنا محمد ﷺ کا عدل و انصاف: حضرت حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ جس وقت میں رسول اللہ ﷺ کو لے کر اپنے گھر آئی اور آپ ﷺ کو اپنی گود میں لیا تو وہ خشک چھاتیاں جن میں دودھ کا نام ونشان تک نہ تھا، مشک

Marfat.com

کی طرح دودھ سے بھر گئیں۔ اس سے پہلے میرا بیٹا بھوکا رہتا تھا اور ساری رات رو رو کر ہماری نیندیں حرام کر دیتا تھا، وہ بھی دودھ پی کر سو گیا۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ اپنے حصہ کا دودھ پیا۔ جب میں آپ ﷺ کو دوسرے حصے سے دودھ پلاتی تو آپ ﷺ ہرگز وہاں سے دودھ نہ پیتے اور وہ دودھ اپنے بھائی کے لیے چھوڑ دیتے۔ اس وقت بھی رسول اللہ ﷺ عدل وانصاف سے کام لیتے تھے۔(۳۲۹)

میں ہی انصاف کروں گا: ایک دن ہادیٔ برحق ﷺ کوئی چیز تقسیم فرما رہے تھے کہ کہ بنو تمیم کا ذوالخویصرۃ (۳۳۰) نامی ایک آدمی آیا اور رسول اللہ ﷺ سے بات کرتے ہوئے بے حیائی سے کہنے لگا: ''اے محمد (ﷺ)! انصاف کرو'' حضرت عمرؓ جو اس موقع پر موجود تھے، نے عرض کی: ''مجھے اس منافق کی گردن زنی کی اجازت دیجیے۔'' لیکن رسول اللہ ﷺ نے اسے پسند نہ فرمایا، بلکہ حضرت عمرؓ اور پاس بیٹھے ہوئے دیگر صحابہ کرامؓ کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کے بعد اس شخص سے فرمایا: ''تیرا ناس ہو! اگر میں انصاف نہ کروں گا تو پھر اور کون انصاف کرے گا؟'' (۳۳۱) ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے یوں فرمایا: ''اگر میں نے انصاف نہ کیا تو میں ناکام و نامراد ہو جاؤں گا۔'' (۳۳۲)

بدلہ لے لو: اسلام نے عدلیہ کی بالادستی کا جو تصور پیش کیا ہے دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ جو اسلامی ریاست کے بانی بھی تھے، اس کے حاکم اور قاضی بھی، اپنے آپ کو اپنی عدالت میں اور لوگوں سے فرمایا: ''اگر میرے ذمہ کسی کا قرض ہو، اگر میں نے کسی کی جان و مال، آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان، مال اور آبرو حاضر ہے۔ اسی دنیا میں وہ اپنا بدلہ لے لے۔'' (۳۳۳) اس خطاب پر ایک آدمی آ کر چند روپوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ جو روپے دے دیے جاتے ہیں۔ ایک اور شخص آگے بڑھا، جسے کسی جنگ میں تقسیم غنیمت کے دوران ہجوم میں رسول اللہ ﷺ کی چھڑی لگ گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''مجھ سے انتقام لے لو'' اس نے عرض کیا: ''کیا میں مدعی نہیں رہا؟'' (۳۳۴)

آج تم سب آزاد ہو: فتح مکہ کے دن جب بعض صحابہ نے یہ نعرہ لگایا کہ آج جنگ کا دن ہے پرانے دشمنوں سے خوب بدلہ لیا جائے گا۔ جب یہ آواز آپ ﷺ کے گوش مبارک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''الیوم یوم المرحمۃ'' یعنی ''آج رحم و کرم کا دن ہے۔'' فتح مکہ کے دن جب قریش کی طاقت ٹوٹ گئی تو ان کو خدشہ ہوا کہ آج ہم سب کو قتل کر دیا جائے گا۔ سارے قریش آپ ﷺ کے فرمان قتل کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ ﷺ نے سب سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''قریش کے لوگو! کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کروں گا۔'' وہ سب بولے: ''ایک شریف بھتیجے کا طرز عمل'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہارے لیے وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائیوں کے لیے کہا تھا: لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ'' ''تم پر آج کوئی الزام نہیں۔ (۳۳۵)) پھر فرمایا: ''اذھبوا انتم الطلقاء'' یعنی ''جاؤ تم لوگ تمام سزاؤں سے بری ہو۔'' (۳۳۶)

کلید کعبہ کی واپسی: آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو جو اس سے پہلے کعبہ کے کلید بردار تھے۔ ان سے کنجی اپنے دست مبارک میں لے کر پھر واپس کر دی اور فرمایا: ''آج کا دن نیکی اور وفا شعاری کا ہے۔'' ''الیوم البر و الوفا'' اس موقع پر آپ ﷺ ان لوگوں سے انتقام لیتے، جنہوں نے مسلسل بیس سال تک مسلمانوں کے سانس خشک کر رکھے تھے، تو یہ بے انصافی نہ ہوتی، بلکہ انصاف ہوتا مگر آپ ﷺ نے عدل و انصاف سے بھی آگے انسانیت اور دوستی کی ایک اعلیٰ مثال قائم کر دی۔(۳۳۷)

Marfat.com

جانوروں کے ساتھ عدل: نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے کسی باغ میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک کمزور اور لاغر سا اونٹ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں سے آنسو آ گئے۔ اور وہ اپنی زبان میں کچھ شکایت کرنے لگا۔ نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا: ''اس اونٹ کا مالک کون ہے؟'' ایک انصاری نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا: یارسول اللہ ﷺ میں اس اونٹ کا مالک ہوں''۔ اس پر نبی رحمت ﷺ نے اس شخص سے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس جاندار کے حقوق میں کوتاہی نہ کرو!'' پھر فرمایا: ''اس اونٹ نے تمھارے بارے میں دو شکایتیں کی ہیں: ایک، یہ کہ تم اس سے کام اس کی حیثیت سے زیادہ لیتے ہو، اور دوسری یہ کہ تم اس کو اس کی ضرورت کے مطابق خوراک نہیں دیتے، یہ اس کے ساتھ زیادتی ہے''۔

اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں، طوالت کے سبب ان تمام مثالوں کو پیش کرنا ممکن نہیں۔

خلاصہ کلام: کیا دنیا ان حقائق سے آشنا نہیں کہ امریکہ اور یورپ جو قانون روما کے خوشہ چیں ہیں جن کے دبدبہ اور صولت کا ڈنکا آج چار دانگ عالم میں بج رہا ہے جن کی ظاہری چمک دمک میں معاشرتی اور تمدنی راہیں ڈھونڈی جاتی ہیں، ان عدالتوں میں بھی آج انصاف ناپید ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ایک ہی جرم کی مختلف سزائیں امریکہ کی مختلف حکومتوں میں دی جاتی ہیں۔ حالانکہ جغرافیائی ماحول میں کوئی اختلاف نہیں اور نفسیات انسانی میں ہم آہنگی موجود ہے لیکن اس کے علاوہ اگر کوئی سیاہ فام کسی سفید پر دراز دستی کا مرتکب ہوتا ہے تو اسے گردن زدنی تصور کیا جاتا ہے اور اگر کوئی سفید کسی سیاہ پر دراز دستی کرتا ہے تو امریکہ کی عدالت اسے قابل سزا نہیں سمجھتی۔ کیا ایسے ماحول میں انصاف ممکن ہے جہاں قوانین میں عدل گستری کی روح موجود نہ ہو۔ یورپ کے مختلف ملکوں میں مختلف قوانین نے قومی زندگی کو مختلف طبقات میں منقسم کر دیا ہے اور مراعات یافتہ طبقہ کے ساتھ خاص قسم کا سلوک جائز قرار دیا ہے جس نظریہ کی وجہ سے حریت اور مساوات کا تصور معاشرتی بحران کی گتھیوں کو سلجھانے سے قاصر ہے۔ ساری قوم عدم مساوات کا شکار ہے اس لیے جرائم کا انسداد ناممکن ہو گیا ہے اور عدالتوں میں عام لوگوں کو انصاف و دادرسی میسر نہیں۔

کسی بھی اسلامی غیر اسلامی معاشرے کی بقاء کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کے تمام عناصر کے تعلقات اور ربط و ضبط میں توازن و اعتدال پایا جائے۔ اس اصول سے انحراف کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ معاشرہ فطری اصول توازن سے ہٹ گیا ہے جس کا انجام تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یہ اصول ہر معاشرے، ملک و ملت اور قوم کے لیے ہے۔ اسلامی ریاست کی تشکیل میں بھی یہی اصول ہر قدم پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی اصول پر عمل کر کے دنیوی و مادی ترقی ممکن ہے اور اسی کے ذریعے اخروی فلاح کا حصول ممکن ہو سکتا ہے۔ فطرت کے اس اصول توازن کے تحت کاروبار حیات چلانے کے لیے اسلامی ریاست میں حکومتی سطح پر بعض اداروں کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے۔ نظم عدل و قضاء بھی انہی میں سے ایک ہے۔

اسلام میں عدل وانصاف کا سرچشمہ ذات باری تعالیٰ ہے اس کے سرچشمے سے پیدا ہونے والے قوانین کا نفاذ مسلمانوں کی جماعت کے سپرد ہے۔ چنانچہ اسلام میں قضا یا دادرسی یا عدل گستری کو اہم ترین انسانی فرائض میں شامل کرتے ہوئے اسے مملکت اسلامیہ کا اولین فرض قرار دیا گیا ہے۔ عدل و انصاف کی اہمیت قرآن حکیم میں جابجا عدل و انصاف کی آیات ملتی ہیں جس سے اس کی اہمیت اور عظمت واضح ہوتی ہے۔ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ سچائی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے

Marfat.com

اس کے لیے دوست اور دشمن، بڑے چھوٹے، افسر یا ماتحت میں کوئی تمیز نہیں ہونی چاہیے اور فیصلہ اللہ کے حکم کے مطابق کرنا چاہیے۔ اسی بنا پر ابو القاسم ﷺ نے فرمایا: ''انصاف کرنے والا امام جنتی ہے۔''

دنیا کا سارا نظام عدل و انصاف پر قائم ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت بھی قیام عدل و حق ہی کے لیے ہوتی ہے۔ عدل کا مفہوم یہ ہے کہ ہر شے اپنے اپنے مقام و محل پر حقوق فرائض کے اعتبار سے مساوی ہے۔ دنیا کی ہر چیز کے لیے اللہ تعالیٰ نے حدود مقرر کر دی ہیں۔ جب بھی کوئی اپنی مقررہ حدود سے متجاوز ہو جاتی ہے، فساد رونما ہو جاتا ہے۔ اس فساد کا ازالہ کرنا انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت کی غرض و غایت ہے۔ چنانچہ ان کے دنیا میں تشریف لانے سے انسانوں کی سرکشی، اطاعت اور بندگی میں بدل جاتی ہے۔ انسان کا ایک دوسرے پر ظلم، عدل و انصاف میں بدل جاتا ہے اور حقوق و فرائض میں مساوات کی ایک ایسی فضا پیدا ہو جاتی ہے کہ معاشرہ امن و امان کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

سید البشر ﷺ نے بے نظیر و بے مثال عدل کی صرف تعلیم و ہدایت ہی نہیں فرمائی بلکہ اس کے عملی نمونے بھی پیش کیے۔ دنیا کو یہ اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ انسان کامل ﷺ کی نگاہ میں عدل کے معاملے میں دوست و دشمن، امیر و غریب سب برابر ہیں۔ رسالت مآب ﷺ نے کسی شخص کو اس کی دشمنی کی بنا پر کبھی عدل سے محروم نہیں فرمایا، نہ کبھی آپ ﷺ کسی جھگڑے میں جانبداری سے کام لیا۔ جو حق تھا وہی ارشاد فرمایا اور جو انصاف کا تقاضا تھا اسے پورا کیا۔ رسول مجتبیٰ ﷺ کے بے لاگ انصاف اور حقیقی عدل پر سب کو اعتماد تھا۔ ظلم سے آپ ﷺ کو بے حد نفرت تھی۔ آپ ﷺ مظلوموں کے سب سے بڑے حامی و ناصر اور ان کے ساتھ عدل کے سب سے بڑے علمبردار تھے۔ مظلوم یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اسے اگر کہیں انصاف مل سکتا ہے تو وہ سراج منیر ﷺ کی بارگاہ میں۔ اس لیے یہودی بھی آپ ﷺ کے عدل پر یقین کامل کے ساتھ اپنے معاملات سلطان الانبیاء ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے، خواہ ان معاملات میں فریق مخالف مسلمان ہوتے۔ سید عادل ﷺ فیصلہ حق صاف صاف سناتے، خواہ کوئی بھی متاثر ہوتا۔ ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ اگر مسلمان کی زیادتی دیکھی تو فیصلہ یہودیوں کے حق میں فرمایا۔ اس طرح نظام عدل کو آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے استحکام نصیب ہوا اور ظلم و حق تلفی کے رجحان کا خاتمہ ہوا۔ نبوت سے پہلے بھی لوگوں کو درِ یتیم ﷺ کے عادلانہ مزاج کا اندازہ تھا۔ اس لیے جب بھی لوگوں میں اختلافات ہوتے، ثالثی کی درخواست دانائے سبل ﷺ سے ہی کی جاتی۔ خیر الانام ﷺ جو فیصلہ فرما دیتے لوگ اس پر سر تسلیم خم کرتے اور فیصلہ بہ جان و دل قبول کر لیتے۔

پیکر حسن و جمال ﷺ نے عدل کی راہ میں حائل ہونے والی ہر چیز کو دور فرمایا۔ پست و بلند کا فرق مٹایا۔ اپنے اور بیگانے کا امتیاز ختم کیا۔ مجرم کو اس کی جگہ پر رکھا اور اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جس کا وہ قانون اور عدل کی رو سے مستحق تھا۔ پیغمبر عالم ﷺ نے اپنے حقیقی عدل اور بے لاگ فیصلوں سے یہ ثابت کر دیا کہ اللہ کا قانون سب کے لیے یکساں ہے اور دنیا میں قیام عدل کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ بلا خوف و امتیاز اس کا مکمل قانون نافذ ہو۔ ہر فرد کو اس کا حق ملے، کسی کو اس وجہ سے عدل و انصاف سے محروم نہ رکھا جائے کہ وہ کمزور طبقے کا ہے۔ آفتاب رشد و ہدایت ﷺ کی سیرت طیبہ میں حقیقی عدل کے بے شمار شواہد ملتے ہیں اور ان کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شافع محشر ﷺ نے نظام عدل کو اپنے عملی نمونوں سے درجہ کمال تک پہنچا دیا۔ انصاف کی تاریخ میں ان کی کہیں اور نظیر نہیں ملتی۔

Marfat.com

اعتدال میدان عمل سیدنا محمد ﷺ کا عطا کردہ نظام عدل کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ یہاں انسانوں کا بنا ہوا نہیں بلکہ رب العالمین کا دیا ہوا قانون نافذ ہوتا ہے جس میں نہ کوئی افراط وتفریط ہے اور نہ ہی کسی کے لیے خاص امتیاز و تفریق۔ جو قانون فقیر کے لیے ہی وہی بادشاہ کے لیے بھی ہے اور جو آئین سرمایہ دار کے لیے ہے وہی ایک مزدور اور فاقہ مست کے لیے بھی۔ جو قوانین اپنوں کے لیے ہیں وہی غیروں کے لیے بھی۔ یہاں تک کہ حاکم ومحکوم میں سے کوئی بھی ان سے مستثنیٰ نہیں ہے اور وہ سب پر برابر لاگو ہیں۔ گویا کہ یہاں پر صحیح معنوں میں عدل کی حکومت یعنی Rule of Justice ہے۔

میرا مقصودِ نظر ہے وہ نگارِ زندگی　　جس کا خود مشتاق ہے پروردگارِ زندگی

حلم وعفو و درگزر کا ایک نقشِ دل نواز　　وہ کہ جس کی ہر ادا ہے اعتبارِ زندگی

حواشی وحوالہ جات

۱- (سورہ الفتح/ ۲۹) ۲-(سورہ مزمل/ آیت نمبر۱) ۳-(سورہ مدثر/ آیت نمبر۱) ۴-(سورہ الاحزاب/ آیت نمبر ۲۲) ۵- (سورہ الاحزاب/ ۴۶) ۶- (سورہ الاعراف/ ۱۵۸) ۷- (سورہ القلم/ ۴) ۸- (سورہ النمل/ ۴) ۹- (سورہ العلق/ ۴)، ۱۰- (سورہ بنی اسرائیل/ ۱) ۱۱- (سورہ آل عمران/ ۱۶۴) ۱۲- (سورہ البقرہ/ ۸۷) ۱۳- (سورہ الانعام/ ۱۴۹) ۱۴- (سورہ التوبتہ/ ۳۸) ۱۵- (سورہ النجم/ ۱۶) ۱۶- (سورہ المزمل/ ۴) ۱۷- (سورہ جمعہ/ ۲) ۱۸- (سورہ آل عمران/ ۶۴) ۱۹- (سورہ الشوریٰ/ ۵۶) ۲۰- (سورہ الاحزاب/ ۴۰) ۲۱- (سورہ القصف/ ۹) ۲۲- (سورہ سبا/ ۵) ۲۳- (سورہ القصف/ ۳۹) ۲۴- (سورہ الاحقاف/ ۴۳) ۲۵- (سورہ انشراح/ ۷) ۲۶- (سورہ جن/ ۱۹) ۲۷- (سورہ آل عمران/ ۶۱) ۲۸- (سورہ الاحزاب/ ۴۵) ۲۹- (سورہ الضحیٰ/ ۵) ۳۰- (سورہ التوبتہ/ ۱۲۸) ۳۱- (سورہ التحریم/ ۱۸) ۳۲- (سورہ التکویر/ ۲۰) ۳۳- (سورہ الکہف/ ۲۰) ۳۴- (سورہ حم سجدہ/ ۶) ۳۵- (سورہ سباء/ ۵) ۳۶- (سورہ النصر/ ۳) ۳۷- (سورہ الاحقاف/ ۱۳) ۳۸- (سورہ الرعد/ ۷) ۳۹- (سورہ الانفال/ ۶۲) ۴۰- (سورہ الفرقان/ ۵۸) ۴۱- (سورہ الحجر/ ۹۹) ۴۲- (سورہ الدھر/ ۲۵) ۴۳- (سورہ الاعراف/ ۱۵۷) ۴۴- (صحیح مسلم، باب المساجد) ...... (۴۵)(مولانا عبدالقیوم صدیقی، دین مبین، کراچی، کفایت اکیڈمی، ۱۹۶۶ء، ص ۱۶۵)...... (اسلام کا نظام عدل واحسان/ ڈاکٹر غلام سرور خان نیازی/ اسلام آباد/ وزارت مذہبی امور/ ۱۹۸۸ء/ ص ۲۹)...... (۴۷)(مسدس حالی/ مولانا الطاف حسین حالی/ لاہور/ آواز اشاعت گھر/ ص ۸۸)...... (۴۸)(دکتور محمد عمارۃ/ العدل الاجتماعی، ص، ۱۲ نیز دیکھیے عبدالرزاق کمونۃ الحسینی العدل الاجتماعی فی الاسلام، بیروت، مؤسستہ الأعلی المطبوعات، ص ۲)...... (۴۸الف) (ایضاً/ ص ۲)...... (۴۹)(ابونصر الفارابی، تحقیق فوزی متری نجار، بیروت، دارالمشرق، ۱۹۷۱ء، العدل الاجتماعی، نیز دیکھیے، عبدالرزاق کمونۃ الحسینی العدل الاجتماعی فی الاسلام، بیروت، مؤسستہ ا لأعلی المطبوعات، ص ۱۶)...... (۵۰) ......http://en.wikipedia.org/wiki/Social_justice#cite_note-autogenerated2006-0) (۵۱) (مودودی، سید ابو الاعلیٰ/ اسلام اور عدل اجتماعی/ لاہور/ اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۱۳)...... (اسلام میں عدل وقضا کا تصور/ شہزاد اقبال شام/ اسلام آباد/ شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی/ ۱۹۹۷ء/ ص ۱)...... (۵۳) (سورہ النحل/ آیت نمبر ۹۰) ترجمہ: ''بے شک اللہ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے۔''...... (۵۴) (سید شمیم حسین قادری/ اسلامی ریاست/ لاہور/ محکمہ

Marfat.com

اوقاف پنجاب/ ۲۰۰۱ء/ ص ۲۴۵)...... (۵۵)(سورہ النساء/ آیت نمبر۵۸)...... (سورہ الحجرات/ آیت نمبر ۹) ......
(۵۷)(سورہ مومن/آیت نمبر ۲۰)...... ...... (۵۸)(سورہ آل عمران/ آیت نمبر ۱۸)...... (۵۹)(پروفیسر عطاالله حسینی/
اسلام کی بنیادی تعلیمات/ کراچی/ گردیزی پبلیشرز/ ۲۰۰۶ء/ ص ۱۷۲)(۶۰) ...... (سورہ آل عمران/ آیت نمبر ۱۸)...... (۶۱)
(سورہ بقرہ/ آیت نمبر ۲۵۸)...... (۶۲) (سورہ فرقان/ آیت نمبر ۳۷)...... (۶۳) (سورہ کہف/ آیت نمبر ۲۹)......
(۶۸)(صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی، مسند احمد)...... (۶۹)(صحیح مسلم، ۶۵۷۲، دارمی)...... (۷۰)(صحیح
مسلم، ۶۵۷۸، ترمذی، مسند احمد)...... (۷۱) (صحیح مسلم، ۶۵۸۰، صحیح بخاری، ترمذی، مسند احمد)...... (۷۲) (ابوداؤد ۴۳۳۶،
ترمذی، مسند احمد)...... (۷۳) (مسند احمد، ۹۶۲۳)...... (صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد ۹۶۱۳)...... (۷۵) (سید شمیم حسین
قادری/اسلامی ریاست/ لاہور/محکمہ اوقاف پنجاب/ ۲۰۰۱ء/ ص ۲۴۹)...... (۷۶)(اسلام کا نظام عدل و احسان/ڈاکٹر غلام
سرور خان نیازی/اسلام آباد/ وزارت مذہبی امور/ ۱۹۸۸ء/ص ۳۴)...... (۷۷)(مسلمانوں کے سیاسی ادارے/ ڈاکٹر سنبل
انصار/ کراچی/ دارالاشاعت/ ۲۰۰۵/ص ۱۴۰)...... (۷۸) (ایضاً/ص ۱۴۰)...... (۷۹)(سید شمیم حسین قادری/اسلامی
ریاست/ لاہور/محکمہ اوقاف پنجاب/ ۲۰۰۱ء/ ص ۲۴۹)...... (۸۰)(پرنس میکاولی، باب ۸:۹)...... (۸۱)(فاروق اختر نجیب/
ریاست وسیاست/ ۱۹۸۱ء/ص ۱۶۶)...... (۸۲) (عابد حسین، جرم وسزا تاریخ کے آئینے میں، وفاقی اردو کالج، شعبہ قانون،
مقالہ ایل ایل ۱۹۹۳ء، کراچی/ ص ۱۷۴)...... (۸۳)(ایضاً/ ص ۱۷۴)...... (۸۴)(سورہ المائدہ/ آیت نمبر۴۲)......
(۸۵)(سورہ المائدہ/ آیت نمبر۸)...... (۸۶)(سورہ الحجرات/ آیت نمبر ۱۰)...... (۸۷)(سورہ النحل/ آیت نمبر ۹۰)......
(۸۸)(سورہ الحدید/ آیت نمبر ۲۵)...... (۸۹)(سورہ النساء/ آیت نمبر ۵۸) ...... (۹۰)(سورہ النساء/ آیت نمبر۱۳۵)......
(۹۱)(سورہ المائدہ/ آیت نمبر۲)...... (۹۲)(سورہ الانعام/ آیت نمبر ۱۵۳)...... (۹۳)(سورہ الرحمٰن/ آیت نمبر ۹)......
(۹۴)(سورہ الشوریٰ/ آیت نمبر ۵)...... (۹۵)(سورہ الحجرات/ آیت نمبر۹)...... (۹۶)(سورہ الانعام/آیت نمبر ۱۱۸)......
(۹۷)(سورہ آل عمران/ آیت نمبر ۱۸)...... (۹۸) (مشکوٰۃ)...... (۹۹) (کتاب الترغیب و الترہیب لابن حجر، کتاب القضاء/
ص ۲۰۶)...... (۱۰۰) (ایضاً/ص ۲۰۶)...... (۱۰۱) (ایضاً /ص ۲۰۶)...... (۱۰۲) (ایضاً/ص ۲۰۶)...... (۱۰۳) (ایضاً /ص
۲۰۷) ...... (۱۰۴)(سنن ابی داؤد)...... (۱۰۵)(مسند احمد) ...... (۱۰۶)(مسند الفردوس) ...... (۱۰۷)(طبرانی کبیر، صغیر،
اوسط) ...... (۱۰۸)(مسند احمد) ...... (۱۰۹)(مسند الفردوس للدیلمی) ...... (۱۱۰)(صحیح البخاری) ...... (۱۱۱)(ابن ماجہ/ مسند
البزار) .... (۱۱۲)(جامع البیان للطبری) ...... (۱۱۳)(ابو داؤد، الترمذی)...... (۱۱۴)(مسند الفردوس/۴/۳۴۴)......
(۱۱۵)(مسند احمد، مسند ابی یعلیٰ)...... (۱۱۶)(احیاء العلوم غزالی)...... (۱۱۷) (در منثور/۳/۴۵)...... (۱۱۸)(مسند احمد)......
(۱۱۹)(جامع الترمذی)...... (۱۲۰)(پروفیسر حسن الدین ہاشمی/ اسلامیات/لاہور/ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ/صفحہ نمبر ۹۶)......
(۱۲۱)(ایران بعہد ساسانیاں/ از ارتھر کرسٹن/ص ۶۴)...... (۱۲۲)(The Roman World/ Victor Chopart/
Page 418)...... (۱۲۳) (تاریخ چین از جیمس کارکرن)...... (۱۲۴)(بخاری عن عائشہؓ) ...... (۱۲۵)(نظام عدالت
اسلامی اور جدید/ محمد انیس الرحمان ایڈوکیٹ/ کراچی/ سید سلیمان ندوی اکیڈمی/ ۱۹۹۶ء/ص ۴۸)...... (۱۲۶)(ڈاکٹر حمیداللہ

Marfat.com

/رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/ کراچی/ دارالاشاعت/ ۲۰۰۳ء/ ص ۲۳۔۲۴)...... (۱۲۷)(تفصیلات انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا وغیرہ)(ڈاکٹر حمید اللہ/ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/ کراچی/ دارالاشاعت/ ۲۰۰۳ء/ ص ۲۴)...... (۱۲۸)(ماخوذ از انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا) (ڈاکٹر حمید اللہ/ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/ کراچی/ دارالاشاعت/ ۲۰۰۳ء/ ص ۲۵)...... (۱۲۹) (ہندوستان کے تمدنی و معاشرتی قوانین کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''منو شاستر کے ابواب (۱۔۲۔۸۔۹۔۱۰۔۱۱)...... (۱۳۰) (مولانا سید ابو الحسن ندوی/ تہذیب پر اسلام کے اثرات/ کراچی/ مجلس نشریات اسلام/ ص ۴۵)...... (۱۳۱)(ڈاکٹر گستاؤلی بان/ تمدن ہند/ ص ۲۲۷)...... (۱۳۲) (مسلم ثقافت ہندوستان میں/ ص ۱۶)...... (۱۳۳) (انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا)(ڈاکٹر حمید اللہ/ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/ کراچی/ دارالاشاعت/ ۲۰۰۳ء/ ص ۲۵)...... (۱۳۴)(ڈاکٹر حمید اللہ/ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/ کراچی / دارالاشاعت/ ۲۰۰۳ء/ ص ۲۶)...... (۱۳۵) (سید ابو الحسن علی ندوی/ مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر/ کراچی/ مجلس نشریات اسلام/ ص ۴۳)...... (۱۳۶) (سورہ روم/ آیت نمبر ۲ تا ۳)...... (۱۳۷۔الف) (دیکھیے ''شام کی فتح پر یادداشت'' نیز انحطاط و زوال روما مؤلف گبن)...... (۱۳۸)(کرستن سین، ساسانی)(ڈاکٹر حمید اللہ/ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/ کراچی/ دارالاشاعت/ ۲۰۰۳ء/ ص ۲۶۔۲۷)...... (۱۳۹)(سید ابو الحسن علی ندوی/ مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر/ کراچی/ مجلس نشریات اسلام/ ص ۵۰)...... (۱۴۰) (پروفیسر عبدالجبار شاکر/ سیرت مجمع کمالات/ سیالکوٹ/ ادارہ تعلیمات سیرت/ ۱۹۹۵ء / ص ۲۷۵)...... (۱۴۰۔الف) (سورہ الفیل/ آیت نمبر ۵)...... (۱۴۱)(ڈاکٹر حمید اللہ/ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/ کراچی/ دارالاشاعت/ ۲۰۰۳ء/ ص ۲۷)...... (۱۴۲)(احبار ۲۴:۱۷، خروج ۲۱:۱۲، گنتی ۳:۱۳، استثناء ۱۹:۱۱، ۱۲)...... (۱۴۳)(استثناء ۱۵:۳)...... (۱۴۴)(استثناء ۲۳:۲۰)...... (۱۴۵)(استثناء ۲۴:۷)...... (۱۴۶)(تلمود بحوالہ ابو الاعلیٰ مودودی/ تفہیم القرآن/ ج ۱/ سورہ نساء حاشیہ نمبر ۸)...... (۱۴۷)(تلمود بحوالہ ابو الاعلیٰ مودودی/ تفہیم القرآن/ ج ۱/ سورہ نساء حاشیہ نمبر ۸)...... (۱۴۸) (تلمود بحوالہ ابو الاعلیٰ مودودی/ تفہیم القرآن/ ج ۱/ سورہ نساء حاشیہ نمبر ۸)...... (۱۴۹)(متی ۵:۴۵، لوقا)...... (۱۵۰)(لوقا ۱۲۔۲۱)...... (۱۵۱) (متی ۵:۲۱، ۲۲)...... (۱۵۲)(متی ۵:۳۸ تا ۴۵)...... (۱۵۳)(متی ۱۸:۲۰)...... (۱۵۴)(اوبی گھئی/ اخلاقیات مذاہب عالم کی نظر میں/ لاہور/ اپنا ادارہ/ ۲۰۱۲ء/ ص ۱۴۴)...... (۱۵۵)(ایضاً/ ص ۱۴۵)...... (۱۵۶) (ایضاً/ ص ۱۴۶)...... (۱۵۷)(سید شمیم حسین قادری/ اسلامی ریاست/ لاہور/ محکمہ اوقاف پنجاب/ ۲۰۰۱ء/ ص ۲۵۸)......
(۱۵۸)(عبدالحفیظ/ برصغیر پاک و ہند میں اسلامی عدل گستری/ ادارہ تحقیقات اسلامیہ/ اسلام آباد/ ص ۲۴۔۲۵)......
(۱۵۹)(ایضاً/ ص ۲۴۔۲۵)...... (۱۶۰) (ایضاً/ ص ۲۴۔۲۵)...... (۱۶۱) (طبقات ابن سعد/ نفیس اکیڈمی/ کراچی/ ج اول/ ص ۱۳۸)...... (۱۶۲) (سید شمیم حسین قادری/ اسلامی ریاست/ لاہور/ محکمہ اوقاف پنجاب/ ۲۰۰۱ء/ ص ۲۵۹)...... (۱۶۳)(سید قطب شہید/ اسلام میں عدل اجتماعی مترجم ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی/ لاہور/ اسلامک پبلی کیشنز: ص ۹۷، ۹۸)......
(۱۶۴)(الحجرات: آیۃ ۱۳)...... (۱۶۵)(المجادلۃ: آیۃ ۱۱)...... (۱۶۶)(الکہف: آیۃ ۴۶)...... (۱۶۷)(سید قطب شہید/ اسلام میں عدل اجتماعی مترجم ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی/ لاہور/ اسلامک پبلی کیشنز/ ص ۱۰۲، ۱۰۳)...... (۱۶۸)(سورہ طہ ۱۲۰)......
(۱۶۹)(بحوالہ سورہ حدید/ آیت نمبر ۲۵)...... (۱۷۰)(تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں، ''ابلیس کی مجلس شوریٰ)......

Marfat.com

(۱۷۱)(اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت/ ڈاکٹر اسرار احمد/ لاہور/ مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن/ ۲۰۰۱ء/ ص ۷)......
(۱۷۲)(سورہ المومن/ ۲۰)...... (۱۷۳) (سورہ الانعام/ ۱۱۵)...... (۱۷۴)(سورہ آل عمران/ ۱۸)...... (۱۷۵)(المائدہ ۴۲/
الحجرات اور سورہ الممتحنہ)...... (۱۷۶)(سورہ الحدید/آ یت نمبر ۲۵)...... (۱۷۷)(سورہ الشوریٰ/ آیت نمبر ۱۵)......
(۱۷۸)(سورہ النساء/ آیت نمبر ۱۳۵)...... (۱۷۹) (سورہ المائدہ/آیت نمبر۸)...... (۱۸۰) Herbert George "H. G." Wells (21 September 1866 – 13 August 1946)[1] was an English author, now best known for his work in the science fiction genre. He was also a prolific writer in many other genres, including contemporary novels, history, politics and social commentary (http://en.wikipedia.org/wiki/H._G._Wells)...... (۱۸۱) (اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت/ ڈاکٹر اسرار احمد/ لاہور/ مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن/ ۲۰۰۱ء/ص ۱۴)...... (۱۸۲)(الدکتور محمد عبداللہ دراز/ دراسات اسلامیۃ فی العلاقات الاجتماعیۃ والدولیۃ/ص ۳۲) ...... (۱۸۳)(سورہ النساء/ ۱۴۹)...... (۱۸۴)(سورہ النور/ آیت نمبر ۲۲)...... (۱۸۵)(صحیح بخاری کتاب الأ دب، باب رحمۃ الولد وتقبیلہ و معانقتہ/۵/۲۲۳۵)...... (۱۸۶) (اسلام کا نظام حسبہ/ شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہ مترجم ڈاکٹر حافظ اکرام الحق یاسین/ اسلام آباد/شریعۃ اکیڈمی/ ۲۰۰۶ء/ ص۹۲)...... (۱۸۷) (ابو الاعلیٰ مودودی/ اسلامی ریاست/ لاہور/ اسلامک پبلی کیشنز/ص ۴۶۰)...... (۱۸۸)(اسد سلیم شیخ / اسلام ورلڈ آرڈر/ لاہور/ مکتبۃ القریش/۱۹۹۲ء/ص ۸۶)...... (۱۸۹)۔(ایضاً /ص ۸۷)...... (۱۹۰) (االیضاً/ص ۸۷)......
(۱۹۱)(میثاق مدینہ/ آرٹیکل ۲۸ بحوالہ ڈاکٹر طاہر القادری، میثاق مدینہ کا آئینی تجزیہ)...... (۱۹۲)(سورہ یونس/آیت نمبر ۷۸)
...... (۱۹۳) (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے: خطبہ حجتہ الوداع)...... (۱۹۴)(سورہ النساء/آیت نمبر ۴:۸۵)...... (۱۹۵)
The liberty of an individual to exercise freely those rights Individual liberty generallyaccepted as being outside of governmental control.(http://dictionary.reference.com/browse/individual+liberty)...... (۱۹۶)
Liberalism :(from the Latin liberalis)[1] is a broad political ideology or worldview founded on the ideas of liberty and equality.[2] Liberals espouse a wide array of views depending on their understanding of these principles, but generally liberals support ideas such as capitalism (either regulated or not),constitutionalism, liberal democracy, free press, free and fair elections, human rights, and the free exercise of religion.
(http://en.wikipedia.org/wiki/Liberalism)...... (۱۹۷)(اسلامی ریاست / مولانا سید ابو الا علیٰ مودودی/ لاہور/ اسلامک پبلی کیشنز/ ۲۰۱۰ء/ ص ۵۳۷)...... (۱۹۸) (ایضاً /ص ۵۳۸)...... (۱۹۹)(سورہ النساء/ آیت نمبر ۵۸)......

Marfat.com

(۲۰۰)(ڈاکٹر یوسف قرضاوی/ کیف تعامل مع القرآن ترجمہ قرآن حکیم اور ہماری زندگی مترجم ڈاکٹر عطیہ خلیل عرب/ لاہور/ مکتبہ تعمیر انسانیت/ ۲۰۱۰ء/ ص ۱۵۳)...... (۲۰۱)(سورہ النساء/ آیت نمبر ۱۰۵)...... (۲۰۲)(ایضاً بحوالہ ۲۰۰/ ص ۱۵۴)......

(۲۰۳) (ایضاً/ ص ۱۵۵)...... (۲۰۴)(سید قطب شہید/ اسلام میں عدل اجتماعی/ لاہور/ اسلامک پبلی کیشنز/ ص ۳۰)......

(۲۰۵)(حقوق الانسان فی الاسلام/ دکتور روایۃ الظھار/ ص ۲۹۸)...... (۲۰۶)(محمد یوسف/ عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت کی تشکیل/ لاہور/ مکتبہ اظہار القرآن/ ۲۰۰۶ء)...... (۲۰۷)(اسلامی کا سیاسی نظام/ ڈاکٹر سعود سلمان/ لاہور/ نشریات/ ۲۰۱۰ء/ ص ۱۵۲)...... (۲۰۸) (سید شمیم حسین قادری/ اسلامی ریاست/ لاہور/ محکمہ اوقاف پنجاب/ ۲۰۰۱ء/ ص ۲۴۸)...... (۲۰۹)(سورہ الرحمٰن/ آیت نمبر ۱ تا ۸)...... (۲۰۹الف)(تفسیر ابن کثیر/ لاہور/ مکتبہ قدوسیہ/ ج ۵/ ص ۲۳۱)...... (۲۱۰)(سورہ النور/ آیت نمبر ۴۱)...... (۲۱۱)(سورہ البقرہ / آیت نمبر ۱۶۴)...... (۲۱۲)(سورہ الحدید / آیت نمبر ۲۵)...... (۲۱۳)(سورہ الحدید/ آیت نمبر ۲۵)...... (۲۱۴) (سید شمیم حسین قادری/ اسلامی ریاست/ لاہور/ محکمہ اوقاف پنجاب/ ۲۰۰۱ء/ ص ۲۴۹)...... (۲۱۵)(سورہ الحجرات / آیت نمبر ۹)...... (۲۱۶)(سورہ الانعام / آیت نمبر ۱۵۲)...... (۲۱۷)(سورہ الانعام / آیت نمبر ۱۵۳)......

(۲۱۸)(سورہ الشوریٰ/ آیت نمبر ۱۵) ...... (۲۱۹)(صحیح بخاری/ کتاب الحدود، ۲۷/ ۱۰۰۳) ...... (۲۲۰)(صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی/ الہدیٰ/ لاہور/ ضیاء القرآن پبلی کیشنز/ ۲۰۰۱ء/ ص ۴۲)...... (۲۲۱)(ڈاکٹر خالد علوی/ اسلام کا معاشرتی نظام/ لاہور/ الفیصل ناشران/ ص ۲۹۱)...... (۲۲۲)(سورہ المائدہ/ آیت نمبر ۸) ...... (۲۲۳) (مشکوۃ) ...... (۲۲۴) (طبری/ جلد ۴/ ص ۲۲۵ بحوالہ نظام محکم فی الشرع و التاریخ) ...... (۲۲۵) (مجیب اللہ ندوی/ اسلام کے بین الاقوامی تصورات/ لاہور/ دیال سنگھ ریسرچ ٹرسٹ/ ۱۹۹۰ء/ ص ۴۲-۴۳)...... (۲۲۶)(ڈاکٹر طاہر القادری/ میثاق مدینہ/ لاہور/ منہاج القرآن پبلی کیشنز/ ص ۳)

...... (۲۲۷) (Reader's Digest Library, of Modern Knowledge, Vol.2, Ed.1979)......

(۲۲۸)(ڈاکٹر طاہر القادری/ میثاق مدینے کا آئینی تجزیہ/ لاہور/ منہاج القرآن/ ص ۲۲)...... (۲۲۹) Hugo Grotius (10 April 1583 – 28 August 1645), also known as Huig de Groot, Hugo Grocio or Hugo de Groot, was a jurist in the Dutch Republic. With Francisco de Vitoria and Alberico Gentili he laid the foundations for international law, based on natural law.(http://en.wikipedia.org/wiki/Hugo_Grotius)...... (۲۳۰) Francisco de Vitoria, OP (Francisco de Victoria; c. 1483, Vitoria – 12 August 1546, Salamanca)[1] raised in Burgos, was a Spanish Renaissance Roman Catholic philosopher, theologian and jurist, founder of the tradition in philosophy known as the School of Salamanca, noted especially for his contributions to the theory of just war and international law.(http://en.wikipedia.org/wiki/Francisco_de_Vitoria)...... (۲۳۱) (محمود علی شرقاوی/ عالمی

Marfat.com

تہذیب وثقافت پر اسلام کے اثرات،مترجم نجم الثاقب/ لاہور/ مکتبہ قاسم العلوم/ ص ۱۱۵)...... (۲۳۲) مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ ص ۲۷۸، سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد۔ ...... (۲۳۳) خطبۂ حجۃ الوداع کے متن اور دیگر تفصیلات کے لیے دیکھیے: بخاری صحیح بخاری، طبع دہلی، ۲۳۴۱۔ مسلم صحیح مسلم،نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۳۹۴۱۔۴۰۰۔ ابوداؤد سنن ابو داود، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی۔۲۶۲۱۔ ابن ماجہ سنن ابن ماجہ، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی۔ص ۱۹۴۔ ابن حجر عسقلانی فتح الباری،الطبعۃ الخیریۃ مصر، القاھرۃ،ص ۲۰۱۱۔ احمد بن حنبل المسند ،دارالمعارف مصر ۱۹۵۱ء، ۶۱۸۶۹۔ علی متقی الھندی کنز العمال فی سنن ال É قوال،مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدر آباد دکن ۱۹۵۴ء، ۱۵۹۵۔۱۶۶۔ حافظ ابو بکر الہیثمی / مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، بیروت،ص ۲۶۵۔ ص۲۷۴۔ ابن قیم الجوزی زاد المعادفی ھدی خیر العباد،مطبعۃ ال Éزھریۃ مصر، القاھرۃ ۱۳۶۶ھ۔ ملا علی القاری مرقاۃ المفاتیح ،مکتبۂ امدادیہ ملتان، ۲۹۸۵۔۔ ابن ھشام السیر ۃ النبویۃ ،دارالفکر بیروت، ۲۵۳۴۔۔ ابن جریر الطبر ی تاریخ الطبر ی، دارالمعا رف مصر، ۱۴۸۳۔۔ ابن سعد الطبقات الکبریٰ،دارالفکر بیروت، ۱۷۲۲، ۱۳۷۶۔ ابن ال É ثیر الجزری تاریخ الکامل،طبع مصر،۱۴۶۲۔۔مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ،سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سندھ،ص ۲۷۸۔ الجاحظ البیان والتبیین ،مطبعہ الاستقامۃ القاھرۃ ۱۹۴۷ء، ۲۹۲۔ جلال الدین السیوطی الاتقان فی علوم القرآن، مصر القاھرۃ ۱۹۵۱ء، ۱۷۸۱۔ احمد زکی صفوت جمھر ۃ خطب العرب، مصر ۱۹۳۲ء، ۱۵۷۱۔ شبلی نعمانی سیرت النبی مکتبہ مدنیہ، لاہور ۱۴۰۸ھ، ۹۳۲۔۹۴۔ ......
(۲۳۴)۔ابن ہشام السیر ۃ النبویۃ تحقیق طہٰ عبدالرؤف بیروت دارالجیل، ص/ ۱۸۵ ج/۴، اور سیرت حلبیہ ترجمہ ام السیر علی بن برہان الدین حلبی مترجم محمد اسلم کراچی دارالاشاعت ۱۹۹۹، ص/۲۹۰، ج/۶،۔ (۲۳۵)۔ابن ہشام السیر ۃ النبویۃ تحقیق طہٰ عبدالرؤف بیروت دارالجیل، ص/ ۱۸۵ ج/۴، اور سیرت حلبیہ ترجمہ ام السیر علی بن برہان الدین حلبی مترجم محمد اسلم کراچی دارالاشاعت ۱۹۹۹، ص/۲۹۰، ج/۶،۔ (۲۳۶)۔ابن ہشام السیر ۃ النبویۃ تحقیق طہٰ عبدالرؤف بیروت دارالجیل ص/۱۸۵ ج/۴، اور سیرت حلبیہ ترجمہ ام السیر علی بن برہان الدین حلبی مترجم محمد اسلم کراچی دارالاشاعت ۱۹۹۹، ص/۲۹۰، ج/۶۔.....
(۲۳۸)...... (۲۳۷)(سورہ المائدہ / آیت نمبر ۴۸)...... (۲۳۸)(تفسیر ابن کثیر/ ۲/ ۶۸) ...... (۲۳۹) (صحیح مسلم عن عبداللہ بن عمرو کتاب الا ملارۃ) ...... (۲۴۰)(مسند احمد/ ۶۴۸۵)...... (۲۴۱) (سید محمود الحسن/ ترجمان الحدیث/ حصہ اول/ لاہور/ اسلامک پبلی کیشنز/ ۲۰۰۲ء/ ص ۴۰۳)...... (۲۴۲)۔ (مولانا وحید الدین خان/سوشلزم اور اسلام / کراچی / فضلی سنز / ۱۹۸۵ء/ص ۱۷۴) (۲۴۳)۔ (ڈاکٹر فضل الرحمٰن / دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان /اسلام آباد/وفاقی وزارت مذہبی امور، زکوٰۃ وعشر/ ۲۰۰۸ء/ص ۱۹۷) (۲۴۴)۔ (بابر سلیمان / دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان/اسلام آباد/وفاقی وزارت مذہبی امور، زکوٰۃ وعشر/ ۲۰۰۸ء/ص ۵۲۳) (۲۴۵)۔ (اداریہ / روزنامہ خبریں / کراچی/ ۱۶ ستمبر ۲۰۰۶ء/ ص ۱۰) (۲۴۶)۔ (www.uno.org/who) (۲۴۷)۔(ڈاکٹر افضل الرحمٰن فریدی / دور حاضر کا کرب اور اسلام کا نظام رحمت /لاہور / مکتبہ خلیل / ص ۱۰) ...... (۲۴۸)۔(ڈاکٹر افضل الرحمٰن فریدی / دور حاضر کا کرب اور اسلام کا نظام رحمت /لاہور / مکتبہ خلیل / ص ۳۳۔۳۴)...... (۲۴۹)۔ (ڈاکٹر خالد علوی/ اسلام اور عالمگیریت / اسلام آباد / دعوۃ اکیڈمی / ۲۰۰۶ء/ ص ۵)...... (۲۵۰)۔ (محمود مرزا/ مسلم ریاست جدید کیسے بنائے / لاہور / دارالتذکیر / ۲۰۰۵ء/ص ۶۹۔۷۱) ...... (۲۵۱)۔ (ڈاکٹر خالد علوی/ اسلام اور

Marfat.com

عالمگیریت / اسلام آباد / دعوۃ اکیڈمی / ۲۰۰۶ء / ص ۱۳۔۱۹)...... (۲۵۲)۔ (محمد جاوید اقبال / مسلم دنیا میں اقتصادی تعاون کی ضرورت / روزنامہ جنگ / کراچی / ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۶ء ص ۶)...... (۲۵۳) (سورہ النحل / آیت نمبر ۳۶)۔ (۲۵۴) (سورہ مریم / آیت نمبر ۵۸)۔ (۲۵۵) (سورہ انعام / آیت نمبر ۸۴)۔ (۲۵۶) (سورہ النمل / آیت نمبر ۵۹)۔ (۲۵۷) (سورہ ص / آیت نمبر ۴۷) (۲۵۸) (سورہ فاطر / آیت نمبر ۳۲)۔ (۲۵۹) (سورہ ص / آیت نمبر ۴۸)۔ (۲۶۰) (سورہ آل عمران / آیت نمبر ۸۴، سورہ البقرہ آیت نمبر ۱۳۶)۔ (۲۶۱) (سورہ البقرہ / آیت نمبر ۲۸۵) ا۔ (۲۶۲) (سورہ البقرہ / آیت نمبر ۲۵۳) ا۔ (۲۶۳) (آنحضرتؐ اور دیگر انبیا و رسل کے درمیان اور باتوں کے علاوہ بقول قاضی عیاض ایک فرق اور بھی تفصیل کے لیے دیکھیئے الشفا / ج ا / ص ۲۴۶)۔ (۲۶۴) (سورہ مائدہ / ۶۷، ۹۹، سورہ عنکبوت / ۱۸، سورہ تغابن / ۱۲، سورہ اعراف / ۲۲، ۲۸، ۹۳، سورہ الجن / ۲۳، سورہ النحل / ۳۵)۔ (۲۶۵) (سورہ بقرہ / ۱۲۹، ۱۵۱، سورہ آل عمران / ۱۶۴، سورہ جمعہ / ۲، سورہ زمر / ۷۱)۔ (۲۶۶) (سورہ النحل / ۱۵)۔ (۲۶۷) (سورہ توبہ / ۳۲، سورہ الفتح / ۲۸، سورہ الصف / ۹)۔ (۲۶۸) (سورہ النساء / ۸۵، ۱۰۵، سورہ حدید / ۲۵)۔ (۲۶۹) (سورہ البقرہ / ۱۱۹، سورہ اسراء / ۱۰۵، سورہ فرقان / ۲۲، سورہ احزاب / ۴۵، سورہ فاطر / ۲۴، سورہ فتح / ۸)...... (۲۷۰) (پروفیسر عطاءاللہ حسینی / اسلام کی بنیادی تعلیمات / کراچی / گردیزی پبلیشرز / ۲۰۰۶ء / ص ۱۷۳)...... (۲۷۱) (سورہ النساء / آیت نمبر ۳)...... (۲۷۲) (سورہ النساء / ۱۲۷)...... (۲۷۲۔الف) (مشکوٰۃ)...... (۲۷۳) (متفق علیہ)...... (۲۷۳۔الف) (الحدیث)...... (۲۷۴) (سید قاسم محمود / اسلامی انسائیکلوپیڈیا / لاہور / الفیصل ناشران / اکتوبر ۲۰۰۵ء / ص ۱۱۵۷)...... (۲۷۵) (سورۃ انساء / آیت نمبر ۵۸)...... (۲۷۶) (سورہ المائدہ / ۴۲)...... (۲۷۷) (سورہ المائدہ / آیت نمبر ۸)...... (۲۷۸) (پروفیسر سعید اختر / اسلام کے اخلاقی اقدار / اسلام آباد / علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی / ص ۱۹۷)...... (۲۷۹) سورہ الاعراف / آیت نمبر ۱۴۰...... (۲۸۰) سورہ البقرہ / آیت نمبر ۳۰...... (۲۸۱) مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ص ۳۹۷۔...... (۲۸۲) بیہقی، السنن، کتاب الایمان۔...... (۲۸۳) بیہقی، السنن، کتاب الایمان...... (۲۸۴)۔رواہ البیہقی...... (۲۸۵)۔ صحیح بخاری عن قیس بحوالہ اسلامی جمہوریت ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ص ۴۴...... (۲۸۶)۔ جامع ترمذی بحوالہ فلسفہ اخلاق مکتبہ رحمانیہ لاہور ص ۵۲۷...... (۲۸۷)۔ جامع ترمذی بحوالہ فلسفہ اخلاق مکتبہ رحمانیہ لاہور ص ۵۲۹۔...... (۲۸۷۔الف) (سورہ آل عمران / آیت نمبر ۱۶۳)...... (۲۸۸) البقرہ / ۱۷۷...... (۲۸۹) آل عمران / ۸۴...... (۲۹۰) البقرہ / ۲۸۵...... (۲۹۱) البقرہ / ۲۵۶۔...... (۲۹۱۔الف) (تفسیر ابن کثیر / ج ا / ص ۲۵۴)...... (۲۹۲) یونس / ۹۹۔...... (۲۹۳) البقرۃ آیت نمبر ۲۲۸۔...... (۲۹۴) البقرۃ آیت نمبر ۲۲۸۔...... (۲۹۵) (سیرتِ نبی رحمت / محمد مشتاق کلوتا / کراچی / غازی بلیشرز / ص ۸۸)...... (۲۹۵۔الف) (صحیح بخاری)...... (۲۹۶) (ملاحظہ ہو عبدالرحمٰن بن عوف کی تجارت کی مثال / بخاری / جلد ا / ص ۵۶۱ / مزید مثالوں کے لیے ملاحظہ ہوں مسند احمد / ج ا / ص ۶۲ / ، ج ۳ / ص ۲۴۷ / ، ابن سعد: ج ۲ / ص ۵۹۔۶۰)...... (۲۹۷) (ابن سعد / ج ۲ / ص ۸ اور ۱۰ / ، بلاذری / فتوح البلدان / ص ۲۸۷)...... (۲۹۸) (ابن سعد / ج ۲ / ص ۶۲، نیز مسعودی: التنبیہ والاشراف / دار صعب / بیروت / ۲۱۵)...... (۲۹۹) (علامہ عبدالوحید خان / مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان / لاہور / دوست ایسوسی ایٹس / ۲۰۰۳ء / ص ۲۳)...... (۳۰۰) (حامد الانصاری، مولانا، اسلام کا نظام حکومت، ص / ۳۹۹)...... (۳۰۱)

Marfat.com

(القرآن رسورۃ الحجر ۱۵/۲۰)...... (۳۰۲) (القرآن رسورۃ النباء ۷۸/۱۱)...... (۳۰۳)(سورۃ الزخرف ۴۳/۳۲)...... (۳۰۴) (سورۃ طٰہٰ ۲۰/۱۲۴)...... (۳۰۵) مولانا حامدالانصاری، اسلام کا نظام حکومت، ص/۴۰۳ .... (۳۰۶) (پروفیسر کرم حیدرر ہمارے مسائل اور ان کا حل ر اسلام آباد ر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی ر ۱۹۸۱ء ر ص ۲۴۶) ...... (۳۰۷) (نہج الفصاحت رص ۴۲۲)...... (۳۰۸) (ابن ماجہ ر باب برکتہ الغازی فی مالہ ر رقم ۲۱۳۹)...... (۳۰۹) (جامع الترمذی ر ابواب البیوع) ...... (۳۱۰)(الحدیث)...... (۳۱۱)(اردو دائرہ معارف اسلامیہ (دانش گاہ پنجاب لاہور طبع اول ۱۹۸۶ء) ج ۱۹، ص ۱۶۶)...... (۳۱۲) (الفتح ۱۰، الانفال ۵۶، النحل ۹۱، البقرہ ۷۷، تفصیل کے لیے دیکھیے المعجم المفہرس لالفاظ القرآن محمد فواد عبدالباقی)...... (۳۱۳)(صفی الرحمٰن مبارکپوری/ الرحیق المختوم/ ص ۷۵۵)...... (۳۱۴)(پیارے رسول اللہ ﷺ کے پیارے اخلاق/ ڈاکٹر محمد مشتاق کلوٹا/ کراچی/ زم زم پبلیشرز/ ص ۳۱)...... (۳۱۵)(سورہ البلد/ آیت نمبر ۱۳) ...... (۳۱۶) (سورہ النساء/ آیت نمبر ۲۴-۲۵)...... (۳۱۷)(صحیح بخاری / کتاب التفسیر/ سورہ روم)...... (۳۱۸)(الجصاص، ابو بکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، مطبعتہ الاوقاف الاسلامیہ، الجزء الثالث، ص ۲۹۲)...... (۳۱۹) (سورہ المائدہ/ آیت نمبر ۷۷)...... (۳۲۰)(سورہ النساء / آیت نمبر ۱۷)...... (۳۲۱)(سورہ الروم / آیت نمبر ۳۰) ...... (۳۲۲)(سورہ البقرہ / آیت نمبر ۲۵۶)...... (۳۲۳)(النسائی، احمد بن شعیب (۳۰۳ھ)السنن، کتاب مناسک الحج، باب التقاط الحصۃ)...... (۳۲۴)(سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۱۱۰)...... (۳۲۵)(البخاری، محمد اسماعیل بن ابراہیم(۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح) ...... (۳۲۶)(سورہ الاعراف / آیت نمبر ۳۱)...... (۳۲۷)(تفسیر ابن کثیر/ ج ۲/ ۱۵۷)...... (۳۲۸)(محمد یٰسین سروہی، نبی کریم ﷺ کے عدالتی فیصلے، لاہور، مشتاق بک کارنر، ص ۸۶)...... (۳۲۹)(ممکن ہے اس شخص کا تعلق مغل نسل سے ہو، کیونکہ سیرت کی کتابوں میں اس کی یوں تصویر کشی کی گئی ہے کہ اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی، پیشانی اٹھی ہوئی، رخسار ابھرے ہوئے اور چہرہ ڈھال کی طرح گول تھا۔)...... (۳۳۰)(بخاری، الأدب/۹۰؛المناقب، ۲۰مسلم الزکاۃ، ۱۴۲، المسند الامام احمد/ ج ۳/ص ۶۵)...... (۳۳۱)(مسلم، الزکوۃ، ۱۴۲، المسند الامام احمد/ ج ۳/ص ۳۵۴)...... (۳۳۲) (سنن نسائی، کتاب القصاص، باب القود فی الطعنۃ) ...... (۳۳۳)(سنن نسائی، کتاب القصاص، باب القود حدید) ...... (۳۳۴)(سورہ یوسف/ آیت نمبر ۹۲)...... (۳۳۵)(صحیح بخاری)...... (۳۳۶)(سید سلیمان ندوی، سیرت النبی ﷺ / کراچی/ دارالاشاعت/ ص ۳۰۰)...... (۳۳۷)(سنن ابی داؤد)۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

سید محمد عثمان- کراچی

عدل لغت میں

عدل کے لغوی معنی برابری کے آتے ہیں اور اسی معنی میں لفظ عدل کا استعمال قرآن مقدس میں بھی ہوا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾ (۱)

اورعدل، ظلم کی ضد کو کہتے ہیں اور ظلم ''وضع الشیء فی غیر محله'' کا نام ہے، اس اعتبار سے عدل کی تعریف ''وضع الشیء فی محله'' ہوگی۔ عدل اپنے معنیٰ مصدری کے اعتبار سے عدالہ، عدولہ، معدلہ (بالکسر) اور معدلہ (بالفتح) کے ہم معنی ہے۔ اسی لیے کلام عرب میں استعمال ہوتا ہے: فلان من اهل المعدلة، فلاں شخص اہل عدل میں سے ہے اور گواہوں کو ان الفاظ کے ذریعے عادل قرار دیا جاتا ہے: انهم عدول یعنی وہ (گواہ) عادل ہیں۔ (۲)

امام راغب فرماتے ہیں کہ العَدل اور العِدل قریب المعنی الفاظ ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ عَدل کا استعمال ان چیزوں میں ہوتا ہے جن کا ادراک بصیرت سے ہوتا ہے، جیسے احکام وغیرہ جبکہ عِدل کا استعمال ان چیزوں میں ہوتا ہے جن کا ادراک حواس خمسہ کے ذریعے ہوتا ہے، جیسے مکیلات و موزونات وغیرہ (۳)۔ صاحب فتح القدیر عدل کی تعریف ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

> هو فصل الحكومة على ما فى كتاب الله سبحانه و تعالىٰ و سنة رسوله ﷺ لا الحكم بالرأى المجرّد (۴)

کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کو چھوڑ کر صرف عقل و رائے کی بنیاد پر فیصلہ نہ کرنے کا نام عدل ہے۔

امام ابن حزم نے عدل کی یہ تعریف فرمائی ہے:

> هوأن تعطى من نفسك الواجب وتأخذه (۵)

عدل اپنے حقوق کی پوری وصولیابی اور دوسروں کے حقوق کی مکمل ادائیگی کو کہتے ہیں۔

علامہ جرجانی عدل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> العدل الأمر المتوسط بين الافراط والتفريط والعدالة فى الشريعة: عبارة عن الاستقامة على طريق الحق بالاجتناب مماهو محظور دينا (۶)

افراط و تفریط سے بچ کر راہ اعتدال اختیار کرنا عدل ہے، اور اصطلاح شریعت میں دین کے اعتبار سے ممنوع سے احتراز کرتے ہوئے راہ حق پر ثابت قدم رہنے کا نام عدالت ہے۔

Marfat.com

ابن مسکویہ نے عدل کی ایک طویل تعریف اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''تہذیب الاخلاق'' میں ذکر کی ہے۔ابن مسکویہ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام مستحقین کے درمیان کسی قسم کا فرق کیے بغیر ہر مستحق کو اس کا حق دے دینا، برائی کرنے والے سے اس کی برائی کے بقدر اور قصور والے سے اس کے قصور کے برابر مؤاخذہ کرنے کا نام عدل ہے۔(۷)

لغوی بحث سے قطع نظر اس کا استعمال عوض، بدلہ، معاوضہ، انصاف، نصف نصف، طرف داری نہ کرنا جیسے متعدد معانی کے لئے ہوتا ہے۔ البتہ اردو زبان میں جو معنی عدل کے مترادف تصور کیے جاتے ہیں اور جسے عوام و خواص میں پزیرائی حاصل ہے، وہ انصاف اور مساوات ہیں، لیکن ''عدل'' کا تقاضا یہ ہے کہ عدل کو کلیتاً انصاف کے ہم پلہ وہم معنی قرار نہ دیا جائے کیوں کہ عدل مستقل دو حیثیتوں سے مرکب ہے۔ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو، دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے، چنانچہ بعض حیثیتوں سے تو عدل یقیناً معاشرے کے افراد کے درمیان مساوات چاہتا ہے، مثلاً حقوق شہریت میں، مگر دیگر بعض حیثیت سے مساوات سراسر خلاف عدل ہے، مثلاً والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی و اخلاقی مساوات اور اسی طرح اعلیٰ درجے کی خدمات انجام دینے والے اور کم درجے کی خدمت ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات عدل نہیں، بلکہ عین ظلم ہے۔(۸)

سب سے پہلے تو عدل خود اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور جن روایات میں اللہ تعالیٰ کے ۱۹۹ اسما کا ذکر آیا ہے، ان میں ایک نام عادل بھی ہے اور علما نے اس کے یہ معنی بیان کیے ہیں: اس کا فیصلہ حق ہوتا ہے، وہ حق بات کہتا ہے اور وہی کرتا ہے جو حق ہو۔(۹)

چنانچہ یہ سارا نظام جو آسمان سے زمین تک پھیلا ہوا ہے، نا صرف عدل و انصاف کی بنیاد پر قائم ہے، بلکہ خود قرآن میں اسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے، ارشاد ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (۱۰)

اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور اہل علم نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ انصاف قائم کرنے والا ہے، اس کے سوا کسی کی بندگی جائز نہیں وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات پر اپنی حکمرانی کو مکمل انصاف اور کامل عدل کے ساتھ قائم کیا ہے اور انسان کو بھی اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں عدل کے قیام اور زندگی کے ہر شعبے میں عدل پر کار بند رہنے کی تلقین کی ہے۔

عدل کی جہتیں قرآن حکیم میں

اللہ تعالیٰ نے اپنے عظیم الشان کلام میں عدل کی مختلف جہات کا ذکر کیا ہے اور اہلِ اسلام کی ایسے امور کی طرف رہنمائی فرمائی ہے، جن کی طرف کسی دوسرے مذہب نے کوئی تعارض نہیں کیا۔یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ عدل کی جہتیں قرآن حکیم میں کس طرح بیان ہوئی ہیں۔ چناں چہ ایک مقام پر قرآنِ پاک آنحضرت ﷺ سے یوں مخاطب ہوتا ہے:

Marfat.com

﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (۱۱)

مجھے تمہارے درمیان عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اور کہیں فیصلوں اور عدالتی نظام میں عدل کی تلقین ان الفاظ میں کی جاتی ہے:

﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (۱۲)

اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

کبھی کاتب کو تاکید ہوتی ہے کہ لکھنے کی صلاحیت نہ رکھنے والے عاقدین کے درمیان دستاویز عدل و انصاف کے ساتھ لکھی جائے:

﴿وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ﴾ (۱۳)

اور تم میں سے جو شخص لکھنا جانتا ہو، اسے انصاف کے ساتھ لکھنا چاہیے۔

اور کسی مقام پر صلح کرانے میں بھی عدل کی تاکید اس انداز میں کی جاتی ہے:

﴿فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ﴾ (۱۴)

چنانچہ اگر وہ (زیادتی کرنے والا گروہ) لوٹ آئے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرادو۔

قول میں عدل و انصاف کا حکم ان الفاظ میں ہوتا ہے:

﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا﴾ (۱۵)

اور جب بات کہو تو عدل سے کام لو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا﴾ (۱۶)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہا کرو۔

افعال و اعمال میں بھی عدل و انصاف اختیار کرنے پر زور دیا گیا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ (۱۷)

اے ایمان والو! انصاف کرنے والے بنو اللہ کی خاطر گواہی دینے والے۔

اقتصادی اور مالیاتی امور میں بھی عدل و انصاف کا حکم ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ﴾ (۱۸)

اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول میں کمی نہ کرو۔

شہادت و گواہی میں جہاں ایک طرف عادل ہونے کو شرط قرار دیا گیا تو دوسری جانب اس کے خالص اللہ کے لئے، عدل کے ساتھ دینے کی تاکید بھی فرمائی گئی:

﴿وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ﴾ (۱۹)

Marfat.com

اور اپنے میں سے دو آدمیوں کو گواہ بنالو جو عدل والے ہوں، اور اللہ کی خاطر سیدھی سیدھی گواہی دو۔

کسی قوم سے دشمنی کے باوجود اس کے ایسا خلاف ہو جانا کہ عدل و انصاف ہی کو ترک کر دیا جائے، اس سے بھی بھرپور انداز میں روکا گیا، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾ (۲۰)

اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔

حتی کہ گھریلو ازدواجی زندگی تک میں عدل کی تلقین کی گئی:

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ (۲۱)

اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم (بیویوں) کے درمیان عدل و انصاف نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو۔

غرض اس طرح قرآنِ حکیم نے ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر ہر پہلو میں رہنمائی فراہم کی ہے اور انسانی زندگی کی کوئی جہت ایسی نہیں چھوڑی، جس کے متعلق واضح احکامات نہ دیئے ہوں۔

زبان نبوت سے عدل کی تلقین

پیغمبر ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف طرز و انداز سے عدل کی تلقین فرمائی اور عدل پر اثر انداز ہونے والے کسی باریک پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا، مزید یہ کہ کبھی ترغیب اور کبھی ترہیب کے ذریعہ لوگوں کو عدل و انصاف کا پاس ولحاظ رکھنے کی تاکید فرمائی۔ ذیل میں ہم آپ ﷺ کے چند ارشادات پیش کر رہے ہیں، جن میں مختلف انداز سے عدل کی تلقین کی گئی ہے۔

حکم و قاضی کے فیصلے درست اور عدل و انصاف کے ساتھ اس وقت ہو سکتے ہیں جب اس کا ذہن حالت اعتدال میں ہو اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت درست کام کر رہی ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب قاضی حالت غضب میں نہ ہو، اسی بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

لا يقضين حكم بين اثنين و هو غضبان (۲۲)

ہرگز کوئی بھی فیصلہ کرنے والا دو آدمیوں کے درمیان غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔

عدل نہ ہو تو ظلم وجود میں آتا ہے اور دنیا و آخرت کی تباہی کا باعث بن جاتا ہے، اور آخرت کی تباہی دنیا کی تباہی و نقصان سے کئی گنا بڑی اور بڑھی ہوئی ہے، اس لئے حضور ﷺ نے اس کی نشاندہی ان الفاظ میں فرمائی:

الظلم ظلمات يوم القيامة (۲۳)

ظلم بروز قیامت تاریکی کی صورت میں ہوگا۔

تجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ لوگوں کا انداز گفتگو ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ کوئی سیدھی سادی گفتگو کرتا ہے اور کوئی اتنا چرب زبان ہوتا ہے کہ اپنی باطل بات کو بھی حق ثابت کر دیتا ہے۔ کوئی اشاروں، کنایوں میں بات کر کے اسے گنجلک بنانے کی کوشش کرتا ہے اور کوئی مبہم بات ذکر کر کے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے، ایسی صورت میں جب کوئی فریق

Marfat.com

مقدمہ فصیح و بلیغ گفتگو کرے اور اپنی چرب زبانی سے فریق ثانی کو دبا لے تو حکم و قاضی کے لیے ایسا فیصلہ بذات خود ایک آزمائش بن جاتا ہے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے اپنے حجرے کے پاس جھگڑے کی آواز سنی تو باہر نکل گئے اور فرمایا کہ میرے پاس لوگ اپنے مقدمات لے کر آتے ہیں تو کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ کوئی فریق دوسرے سے زیادہ چرب زبان ہو اور اس کی اسی چرب زبانی کی وجہ سے میں اس کے حق میں فیصلہ کردوں کیوں کہ میں بھی انسان ہی ہوں، لہٰذا جس کے لیے بھی میں نے دوسرے مسلمان کے حق میں سے غلط فیصلہ کردیا ہو تو درحقیقت میں نے اسے (قطعۂ ارضی نہیں بلکہ) قطعۂ نار حوالے کیا ہے، اب اس کی مرضی ہے کہ اس کو اپنے پاس رکھ کر عذاب بھگتے یا اسے حق دار کو واپس لوٹا دے۔(۲۴)

دنیاوی امور میں تمام مسلمان برابر ہیں، ان میں سے کسی فرد کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ ان کے جان، مال سب برابر ہیں، البتہ آخرت کے اعتبار سے ان میں فضیلت دینے والی چیز صرف اور صرف تقویٰ ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

انظر فإنك لست بخير من احمر ولا اسود إلا أن تفضله بتقوى الله (۲۵)

دیکھو! تم کسی گورے یا کالے سے بہتر نہیں ہو الا یہ کہ اللہ کے خوف و خشیت سے فضیلت والے ہوجاؤ۔

رسول اللہ ﷺ نے گزشتہ اقوام کی تباہی کے اسباب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تم سے پہلے کے لوگ اسی لیے تباہ و برباد ہوگئے کہ جب ان میں کوئی معزز چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور و ناتواں یہ فعل کرتا تو اس پر حدود نافذ فرما دیتے۔(۲۶)

عدل وظلم کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ جس میں ایمان و کفر، تقوی و فسق کا کوئی دخل نہیں، بلکہ جیسے عدل کی ضرورت ایک مسلم و متقی کو ہے بالکل اسی طرح اس کی ضرورت کافر و فاسق کو بھی ہے، اسی بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اتقوا دعوة المظلوم وان كان كافرا فإنه ليس دونه حجاب (۲۷)

مظلوم کی بددعا سے ڈرو اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ اس کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حائل نہیں ہوتا۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اسلام کا مقصودِ حقیقی ایک ایسے نظام عدل وقسط کا قیام واستحکام ہے جس کا اتمام واکمال احسان پر ہو، تاکہ ہر درجے ہر سطح پر، ہر جہت سے صرف یہی نہ دیکھا جائے کہ ہر رکنِ معاشرہ کا قول وعمل ترازوئے عدل وانصاف پر پورا اتر رہا ہے یا نہیں اور حق وفرض کی میزان میں کہیں جھکاؤ ہے یا نہیں بل کہ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ سب کچھ بہ طریق احسن بہ وجوہ احسن پورا ہو، محبت وشکر گزاری، عالی ظرفی، ایثار واخلاق اور خیر خواہی کے ساتھ۔ گویا کھانے والا صرف بہ قدر ضرورت ہی نہ کھائے اور پینے والا صرف بہ قدر ضرورت ہی نہ پیئے بل کہ کھانے اور پینے کا لطف بھی حاصل کرے، تاکہ شکر گزاری کے الفاظ اس کے دل کی گہرائیوں سے نکلیں اور جذبات احسان سے پلکیں بھیگ جائیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس نظام عدل واحسان کا قیام کیوں کر ممکن ہے؟ عوام الناس کہیں گے عدل کا نفاذ وقیام عدالت کی ذمے داری ہے، اور عدالتیں حکومت بناتی ہے، اس لئے حکومت کی ذمے داری ہے، مگر بہ نظر غائر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ یہ بہت

Marfat.com

محدود جواب، بڑا سرسری فیصلہ ہے۔

عدالت کے مقام و مرتبہ کے مجال اختلاف ہوسکتا ہے اور حکومت کی اہمیت، قوت اور اثرات سے بھی کون انکاری ہے؟ لیکن یہ تو دیکھئے کہ ادارہ کوئی ہو اور اس کی ساخت وشناخت کچھ ہو، اس کو چلانے والے، سنبھالنے والے بہ ہر حال افراد ہوتے ہیں۔ چناں چہ عدالت کے عہدوں پر افراد ہی کا تقرر ہوتا ہے۔ حکومت کے مناصب پر افراد ہی فائز ہوتے ہیں، افراد سے مل کر ہی معاشرہ کا وہ ہمہ گیر ادارہ وجود میں آتا ہے جس کی پہلی اکائی (واحدہ) خاندان ہے۔ یہ اکائی زوبین کے اتصال سے نمو پذیر ہوتی ہے یعنی کم از کم ایک اور ایک کا مجموعہ، یہ ایک کُل ہوا جس کا ہر جز الگ الگ بھی مستقل الذات ہے اور وحدت باہم بھی رکھتا ہے۔ پھر یہی وحدتیں آپس میں ضرب پا کر (Multiply) دریائے معاشرت کے دائرے بناتی چلی جاتی ہیں۔ جیسے ایک لہر کا ارتعاش ہزار لہروں کو جنم دیتا ہے اور پھر وہ سب سمندر کی وسعتوں میں کھو جاتی ہیں، اس لئے بیرونی منظر، ظاہری جوش نہ دیکھئے، اندر اتریئے تو معلوم ہوگا کہ نظام معاشرت کی اصلاح افرادِ معاشرہ کی اصلاح پر منحصر ہے، اور افراد کی اصلاح فرد کی اصلاح پر اور فرد کی اصلاح نفس کی اصلاح پر موقوف ہے۔(۲۸)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اجتماعی امور میں عدل کا نفاذ حقیقتاً ایک ایسا فعل ہے جس کا لحاظ رکھنے سے دنیا میں جنت کا سا منظر پیش کیا جا سکتا ہے، لیکن چونکہ عدل اجتماعی کے لیے عدل انفرادی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے بغیر عدل اجتماعی کو بہتر طریقے سے سمجھنا بھی دشوار ہے، لہذا اسی نکتے کے پیشِ نظر پہلے مختصر طور پر عدل انفرادی کو ذکر کیا جا رہا ہے۔

عدل انفرادی

اسلام زندگی کے تمام معاملات میں اعتدال و توازن اور توسط و میانہ روی کا تقاضا کرتا ہے اور اہل ایمان کے تمام صفات و کمالات اور اخلاق و معاملات میں عدل و اعتدال کے نفاذ کا حکم دیتا ہے۔ جس کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

چال میں اعتدال

انسان کو دنیا میں اپنی ضروریات کی تکمیل اور دینی اور دنیوی معاملات کے لئے چلنا ہی پڑتا ہے لیکن اسلام اس چال میں بھی اعتدال کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ﴾ (۲۹)

اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو۔

اور اس سے بڑھ کر جب کوئی شخص جماعت سے نماز پڑھنے جا رہا ہو، اس کو بھی حضور ﷺ نے بھاگنے سے منع فرما کر وقار اور سکون کے ساتھ چلنے کی تاکید فرمائی ہے۔

مال کے خرچ اور استعمال میں عدل

ضروریات کی تکمیل کا انحصار وسائل کے حصول اور ان کے خرچ و استعمال پر ہے سو اس خرچ کے سلسلے میں بھی اسلام رہنمائی فراہم کرتا ہے کہ نہ نمود و نمائش میں پڑ کر اسراف سے کام لیا جائے اور نہ ہی مال کی محبت میں بخل و کنجوسی کو اپنایا جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

Marfat.com

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾ (۳۰)

اور نہ تم (ایسے کنجوس بنو کہ) اپنے ہاتھ کو گردن سے باندھ کر رکھو اور نہ (ایسے فضول خرچ کہ) ہاتھ کو بالکل ہی کھلا چھوڑ دو، جس کے نتیجے میں تمھیں قابل ملامت اور قلاش ہو کر بیٹھنا پڑے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَلَاتُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَايُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ (۳۱)

کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو، یاد رکھو کہ اللہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

ازدواجی زندگی میں عدل

اسلام نے گھریلو زندگی اور بیویوں کے درمیان بھی عدل کا حکم دیا اور عدل قائم نہ ہونے کے اندیشے کے نتیجے میں ایک سے زائد شادی سے روک دیا گیا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ (۳۲)

اگر تمھیں یہ خطرہ ہو کہ تم (ایک سے زائد بیویوں) کے درمیان عدل نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرو۔

اور ایسے شخص کے بارے میں جو ایک سے زائد بیویوں کے درمیان عدل نہ کرے آپ ﷺ نے وعید سنائی کہ وہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کا کاندھا ایک جانب کو جھک رہا ہوگا۔ (۳۳)

اولاد کے درمیان عدل

اسلام اولاد کے درمیان بھی عدل کا حکم کرتا ہے اور کسی ایک بچے کے ساتھ ایسے برتاؤ اور رویے سے روکتا ہے جس کی وجہ سے دوسرے بچوں کی دل آزاری ہو چنانچہ جب حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے والد نے عطیے سے نوازا، اور اس کا علم آپ ﷺ کو ہوا تو آپ ﷺ نے سوال کیا:

أعطیت سائر ولدك مثل هذا؟ قال: لا، قال: فاتقو الله واعدلوا بين اولادكم (۳۴)

کیا تم نے اپنے تمام بچوں کو اسی طرح عطیہ دیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: نہیں (اس پر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل سے کام لو۔

عموماً لوگوں میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ لڑکے کو لڑکی پر ترجیح دیتے ہیں۔ یقیناً یہ خلاف عدل ہے، پھر اسلام اسے کیسے برداشت کرسکتا ہے؟ اسی بارے میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

جس شخص کی سرپرستی میں کوئی لڑکی ہو اور وہ اسے نہ تو زندہ دوگور کرے، نہ اس کی توہین کرے اور نہ اپنی اولاد نرینہ کو اس پر ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ (۳۵)

یتیموں کے ساتھ عدل

انسانی زندگی میں کبھی ایسے مواقع بھی آتے ہیں جب اسے کسی یتیم کی کفالت کی ذمہ داری اٹھانی پڑتی ہے اور اس کی

Marfat.com

تربیت و پرورش میں حصہ ڈالنا پڑتا ہے چونکہ اس موقع پر بھی بے اعتدالی اور عدل سے انحراف کا امکان بکثرت ہوتا ہے اس لیے قرآن حکیم اس بارے میں رہنمائی فراہم کرتے ہوئے یہ تعلیم دیتا ہے۔

﴿وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ﴾ (۳۶)

(اور آیات قرانی تمہیں تاکید کرتی ہے) کہ تم یتیموں کی خاطر عدل قائم کرو۔

اس کے علاوہ پیغمبر اسلام ﷺ مسلمانوں کے گھروں میں بہتر اور بدتر کا فیصلہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''مسلمانوں کے گھروں میں وہ گھر سب سے بہتر ہے، جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں کے گھروں میں سب سے بدتر وہ گھر ہے، جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو'۔(۳۷)

یہ عدل انفرادی کی چند مثالیں ہیں اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے انسان کی انفرادی زندگی میں عدل کے احکامات کے ذریعے جہاں ایک طرف اپنے ماننے والوں کی ذہنی تربیت کی، وہیں دوسری جانب انھیں ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کر دیا کہ جس کے ذریعے عدلِ اجتماعی پر کار بند رہنا سہل و آسان ہو جائے۔

عدل اجتماعی

عدل انفرادی کی طرح عدل اجتماعی کے لیے بھی قرآنِ حکیم اور تعلیمات نبوی ﷺ نے انسانوں کے لیے ایسے احکامات عطاء فرمائے جن کا تعلق زندگی کے ہر پہلو اور ہر معاملے سے ہے کیونکہ عدل ہی وہ صفت ہے جس سے دنیا میں ایک معیاری معاشرہ وجود میں آتا ہے اور اسی کے سبب یہ دنیا امن کا گہوارہ بن جاتی ہے، اور یہی مقصود ہے۔یہاں سے عدل اجتماعی کے چند ایسے احکامات کا ذکر کیا جا رہا ہے، جن پر عمل سے دنیا گویا جنت نظیر بن جاتی ہے۔

ا۔معاملات

انسانی زندگی میں ایک عام اور کثیر الوقوع معاملہ خرید و فروخت ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں سارا دخل ناپ تول اور پیمانوں کا ہوتا ہے اور ناپ تول میں اگر بے اعتدالی ہو، عدل و انصاف اور ایمانداری سے کام نہ لیا جائے تو اس کا نقصان معاشرے کے ہر طبقے کو ہوتا ہے، اسی لیے اسلام نے اس عام اور اہم پہلو کو نظر انداز نہیں کیا اور واضح طور پر اس بارے میں رہنمائی فرمائی۔ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ (۳۸) اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو۔

دوسری جگہ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے وعید بھی وارد ہوئی ہے، جس میں ارشاد ہے:

﴿وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ﴾ (۳۹) ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے بربادی ہے۔

عدل و انصاف کی بہت زیادہ ضرورت عدالتی معاملات میں بھی ہوتی ہے اور اسلام نے عدالتی نظام کے ہر پہلو پر کڑی نگاہ رکھتے ہوئے بھرپور رہنمائی فراہم کی ہے۔اس سلسلے میں ایک عظیم رہنمائی کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب فریقین لکھنا نہ جانتے ہوں اور تحریر و دستاویز کسی کاتب کی مدد سے لکھوائی جائے، اب اگر کاتب عدل سے کام نہ لے اور تحریر میں کچھ ردو بدل کردے تو اس سے بڑا فساد پیدا ہو، لہٰذا اس پہلو کی اصلاح کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

﴿وَلۡيَكۡتُبۡ بَّيۡنَكُمۡ كَاتِبٌ م بِالۡعَدۡلِ﴾ (۴۰)

اور تمہارے باہمی دستاویز کو کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھ دے۔

عدالتی نظام کی بنیاد شہادت پر ہوتی ہے اور اگر گواہ ہی عدل سے کام نہ لیں تو پورا نظام عدل تباہ و برباد ہوجائے۔ بالکل اسی طرح اگر قاضی فیصلے میں عدل کا لحاظ نہ رکھے تو مقصد عدالت ہی فوت ہوجائے اور عدالت ایک بے مقصد ادارہ بن کے رہ جائے اور عام طور پر گواہ و قاضی کے عدل سے روگردانی کی وجہ یا تو فریق ثانی کی قرابت داری بنتی ہے یا اس سے ذاتی دشمنی و عناد، اس معاملہ میں بھی قرآن حکیم ہمیں بہترین رہنمائی فراہم کرتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِذَاقُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡاوَلَوۡكَانَ ذَا قُرۡبٰى﴾ (۴۱)

اور جب (گواہی یا فیصلہ سنانے کے لیے) بات کہو تو عدل کا لحاظ رکھو، اگرچہ (فریق مقدمہ) قرابت دار ہی (کیوں نہ) ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ ز وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعۡدِلُوۡا ط اِعۡدِلُوۡا قف هُوَاَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى﴾ (۴۲)

اے ایمان والو! ایسے بن جاؤ کہ اللہ (کے احکام کی پابندی) کے لیے ہر وقت تیار ہو (اور) انصاف کی گواہی دو اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم نا انصافی کرو۔ عدل سے کام لو، یہی طریقہ تقوے سے قریب تر ہے۔

پہلی آیت میں دوستی و قرابت کی وجہ سے اور دوسری آیت میں کسی کی دشمنی کی وجہ سے شہادت اور قضا میں نا انصافی سے روکا گیا ہے اور ہر حال میں عدل پر کاربند رہنے کی تلقین کی گئی ہے کہ اسی راستے پر تقوے کے قریب تر ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔

۲۔ حکمران کے لیے عدل کی تاکید

عدل و انصاف حکومت و سلطنت کی عمارت کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے اور اگر یہ نہ ہو تو مظلوم کی داد رسی ممکن ہی نہیں ہے اسی لیے اسلام نے ہر قسم کے فیصلے کے لیے عدل کو ضروری قرار دیا ہے۔ اور حاکم کے لیے پہلا فرض اور پہلی شرط ہی عادل ہونے کی عائد کی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهۡلِهَا لا وَاِذَا حَكَمۡتُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ﴾ (۴۳)

یقیناً اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچاؤ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

حضرات مفسرین نے اس آیت میں ''امانت'' سے منصفانہ فیصلے ہی مراد لیے ہیں (۴۴) اور اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے بھی حاکمین کے لیے مشعل راہ ہیں کہ کس انداز میں لوگوں کے درمیان عدل قائم کیا اور انصاف کے ترازو کو

Marfat.com

کسی جانب جھکنے نہ دیا۔

فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا لیکن پندرہ بیس روز کے بعد محاصرہ اٹھا لینا پڑا، جب اس کی اطلاع حضرت صخر کو ہوئی، جو ایک رئیس تھے اور قوم کے سردار تھے، انہوں نے خود جا کر طائف کا نہ صرف محاصرہ کیا بلکہ ان کو اس قدر دبایا کہ وہ صلح پر مجبور ہوگئے، دوسری جانب حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ صخر نے میری پھوپھی کو قبضہ میں کر رکھا ہے، اس کے بعد بنو سلیم آئے اور کہا کہ جس زمانے میں ہم کافر تھے، صخر نے ہمارے چشمے پر قبضہ کر لیا تھا، اب ہم اسلام لے آئے ہیں تو ہمارا چشمہ ہمیں واپس دلایا جائے، دونوں باتیں مبنی برحق تھیں اور ان میں عدل کا تقاضا یہی تھا کہ فیصلہ صخر کے خلاف دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپ ﷺ نے ان کو پیغام بھیجا کہ مغیرہ بن شعبہ کی پھوپھی کو آزاد کر دیا جائے اور یہ کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کرتی ہے تو اپنے جان و مال کی مالک ہو جاتی ہے، اس لئے بنو سلیم کو ان کا چشمہ واپس کر دو اور حضرت صخر نے یہ دونوں باتیں منظور فرمالیں۔ راوی کہتے ہیں کہ جب آں حضرت ﷺ کے حکم سے صخر نے دونوں حکم منظور کیے تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے چہرہ انور پر شرم سے سرخی آ گئی کہ ان دونوں معاملوں میں صخر کو شکست ہوئی اور انہیں فتح طائف جیسے عظیم کارنامے کا کوئی بدلہ نہ مل سکا۔ (۴۵)

ایک مرتبہ ایک مخزومی عورت فاطمہ بنت قیس نے چوری کی۔ آپ ﷺ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا، چونکہ ان کا تعلق معزز گھرانے سے تھا، اس لیے صحابہ نے حضرت اسامہ بن زید کو، جن سے حضور ﷺ بہت انس رکھتے تھے، سفارش کے لیے بھیجا، آپ بے حد محبت کے باوجود حضرت اسامہ پر غصہ ہوئے اور فرمایا کہ پہلی امتیں اسی بنا پر تباہ و برباد ہوئیں کہ ان کے ہاں جب کوئی معمولی آدمی جرم کرتا تو اس کو سزا دیتے اور جب وہی جرم کسی بڑے مرتبے والے شخص سے صادر ہوتا تو اس کو چھوڑ دیتے، پھر فرمایا:

لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطع محمد یدها (۴۶)

اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی یہ جرم کرتی تو میں یقیناً اس کا ہاتھ کاٹتا۔

حضرت سرقؓ نے ایک دیہاتی شخص سے اونٹ خرید لیا لیکن قیمت کی ادائیگی پر قادر نہ ہوسکے، وہ انہیں پکڑ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا، حضور ﷺ نے حضرت سرق سے فرمایا کہ قیمت ادا کر دو لیکن انہوں نے اپنی غربت کا عذر کیا آخر آپ ﷺ نے دیہاتی کو حکم دیا کہ انہیں بازار لے جا کر فروخت کر دیں اور اپنی قیمت وصول کر لیں، وہ انہیں لے کر بازار گئے تو ایک صاحب نے انہیں قیمت دے کر خریدا اور پھر آزاد کر دیا۔ (۴۷)

طارق محاربی فرماتے ہیں کہ جب اسلام عرب میں پھیلنا شروع ہوا تو ہم اپنی مستورات کی ہمراہی میں ربذہ سے مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے اور شہر کے قریب ایک مقام پر قیام کیا، ابھی ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک سفید پوش صاحب آئے اور سلام کیا، ہم نے سلام کا جواب دیا، ہمارے پاس سرخ رنگ کا اونٹ تھا، انہوں نے اس کی قیمت پوچھی اور پھر ہماری بتائی ہوئی قیمت بغیر بھاؤ تاؤ کے قبول فرمالی اور اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف روانہ ہوگئے، جب وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہوگئے تو خیال آیا کہ قیمت تو وصول کی ہی نہیں اور ہم ان کو پہچانتے بھی نہیں، لوگوں نے ایک دوسرے پر الزام دھرنا شروع کیا

Marfat.com

تو ایک خاتون نے کہا کہ اطمینان رکھو، ہم نے ان کے جیسا کسی شخص کا چہرہ نہیں دیکھا جو چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہو، رات کو ان لوگوں کے پاس ایک شخص آیا کہ حضور نے تمہارے لیے کھانا اور کھجوریں بھیجی ہیں، اگلے دن صبح میں ہم لوگ مدینہ حاضر ہوئے۔

آپ ﷺ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے، ہمیں دیکھ کر ایک انصاری صحابی نے اٹھ کر کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ لوگ بنوثعلبہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی مورث نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کیا تھا، اس کے بدلہ میں ان کا ایک آدمی قتل کروا دیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''باپ کے بدلے میں بیٹے کو قتل نہیں کیا جا سکتا'' (۴۸)۔

۳۔ دشمن سے عدل

عدل و انصاف کا تعلق صرف مسلمانوں سے نہیں بلکہ تمام انسانوں سے ہے، کسی کے ایمان نہ لانے کی سبب اسے عدل جیسی نعمت عظمیٰ سے محروم نہیں رکھا جا سکتا۔ یہود و نصاریٰ اسلام کے کھلے دشمن تھے اس کے باوجود آپ ﷺ کے لیے قرآن میں یہ حکم نازل ہوا:

﴿وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ (۴۹)

اور کہہ دیجیے کہ میں تو ہر اس کتاب پر ایمان لایا ہوں، جو اللہ نے نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔ اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی بحث نہیں، اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کے پاس آخر سب کو لوٹنا ہے۔

اس آیت کریمہ میں جہاں ایک طرف امن عالم کا دستور بیان کر دیا گیا کہ متفق علیہ باتوں کی بنیاد پر اتحاد قائم کیا جائے اور مختلف فیہ باتوں سے صرف نظر کیا جائے، اسی طرح اس حکم عظیم کا بھی ذکر ہوا کہ سب کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کیا جائے اور عدل کے نفاذ میں کسی مذہب، قومیت اور زبان وغیرہ کو حائل نہ ہونے دیا جائے۔

حضرت ابوحدردؓ پر ایک یہودی کا قرض تھا اور ان کی مالی حالت درست نہ تھی، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب حضور خیبر کی مہم کا ارادہ فرما رہے تھے، حضرت ابوحدرد نے اس سے مہلت طلب کی، لیکن وہ نہ مانا اور آپ ﷺ کی خدمت میں مقدمہ لے گیا، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کا قرض ادا کر دو، انہوں نے عذر کیا، آپ نے پھر فرمایا، انہوں نے پھر وہی جواب دیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! غزوۂ خیبر قریب ہے، شاید وہاں سے واپسی پر کچھ ہاتھ آئے تو میں اس کو ادا کر دوں۔ آپ ﷺ نے پھر حکم دیا کہ فوراً ادا کرو، آخر اپنا تہبند اس یہودی کو قرض کے عوض میں دیا اور سر سے عمامہ اتار کر ستر پوشی کا سامان کیا۔ (۵۰)

عام حالات میں عدل کا قیام بہر حال ممکن ہے، لیکن جب اپنے جانثاروں اور چاہنے والوں کا خون سامنے ہو تو اس وقت عدل و انصاف سے کام لینا انتہائی دشوار عمل ہے، لیکن آپ ﷺ نے عملاً یہ ثابت کیا کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کا پاس کیا جائے گا اور عدل کے ترازو کو اس حال میں بھی کسی جانب جھکنے نہ دیا جائے گا۔ خیبر کی زمین کی تقسیم کے بعد

Marfat.com

ایک بار حضرت عبداللہ بن سہلؓ کھجوروں کی بٹائی کے لیے گئے، ان کے چچا زاد بھائی محیصہ بھی ساتھ تھے۔ عبداللہ ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ کسی نے ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیا اور لاش ایک گڑھے میں ڈال دی۔ حضرت محیصہؓ نے آپ ﷺ سے مدد طلب کی، آپ نے سوال کیا کہ کیا تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہود نے قتل کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر یہودیوں سے حلف لیا جائے گا۔ محیصہؓ نے عرض کیا کہ یہود کی قسم کا کیا اعتبار ہے؟ وہ تو سو بار بھی جھوٹی قسمیں کھا لیں گے، خیبر میں یہود کے سوا اور کوئی قوم آباد نہ تھی، اس لئے یہ امر تقریباً یقینی تھا کہ عبداللہ کے قاتل وہی ہیں، لیکن چونکہ عینی شہادت اور گواہی موجود نہ تھی اور اس کے بغیر فیصلہ کرنا انصاف اور عدل کے اسلامی مزاج و معیار کے خلاف تھا، اس لیے حضور ﷺ نے یہود کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی اور عبداللہ کی دیت بیت المال سے ادا فرمائی۔ (۵۱)

اسی عدل و انصاف کا نتیجہ تھا کہ یہود بھی اپنے مقدمات آپ ﷺ کی بارگاہ عدالت میں لاتے تھے اور آپ کی شریعت مطہرہ کے مطابق فیصلے کرواتے تھے۔

۴۔ میدان جنگ میں عدل و انصاف کا حکم

اسلام نے جنگ جیسے مسئلے میں بھی عدل و انصاف سے کام لینے کا حکم دیا ہے جو عدل اجتماعی کے سلسلے میں نہایت منفرد بات کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ انسان جب میدان جنگ میں اترتا ہے تو وہ یہ عزم لے کر اترتا ہے کہ اس نے دشمن کو نیست و نابود کرنا ہے، ایسے موقع پر ان کو عدل کی تلقین اسلام جیسا مذہب عدل و اعتدال اور رسول پاک ﷺ جیسی ذات محسن انسانیت ہی کر سکتی ہے۔ فتح مکہ کے بعد مشرکین کے خلاف اشہر حرم گزرنے کے بعد جہاد کا حکم ہوا، لیکن اس وقت بھی ان مشرکین سے جہاد روک دیا گیا جنہوں نے عہد کا پاس و لحاظ کیا تھا، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ﴾ (۵۲)

البتہ جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا، پھر ان لوگوں نے تمہارے ساتھ عہد میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور تمہارے خلاف کسی کی مدد بھی نہیں کی، تو ان کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کی مدت کو پورا کرو۔

میدان جنگ میں عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے نہایت واضح احکامات دیئے ہیں، جن میں سے چند پیش خدمت ہیں:

عن انس بن مالك، قال رسول الله ﷺ: انطلقوا بسم الله و في سبيل الله، تقاتلون اعداء الله في سبيل الله، لا تقتلوا شيخا فانيا ولا طفلا صغيرا، ولا مرأة ولا تغلوا (۵۳)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستے میں چلو، اللہ کے راستے میں اللہ کے دشمنوں سے قتال کرو، کسی بوڑھے کو قتل نہ کرنا، نہ کسی چھوٹے بچے کو اور نہ عورت کو، اور غبن بھی مت کرنا۔

اسی سلسلے کی کڑی عبادت گاہوں میں مقیم لوگوں کو قتل کرنے کی ممانعت ہے، ارشاد فرمایا:

Marfat.com

عن ابن عباس ان النبی ﷺ کان اذا بعث جیوشه قال لا تقتلوا اصحاب الصوامع (۵۴)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی لشکر کو روانہ فرماتے تو تاکید کرتے کہ عبادت گاہوں میں مقیم افراد کو قتل مت کرنا۔

آپ ﷺ نے غزوہ موتہ کے لیے لشکر روانہ فرماتے ہوئے امیر لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو دیگر نصائح کے ساتھ یہ نصیحت بھی فرمائی:

اوصیکم بتقوی اللہ و بمن معکم من المسلمین خیرا اغزوا باسم اللہ فی سبیل اللہ من کفر باللہ. لا تغدروا و لا تغلوا و لا تقتلوا ولیدا (۵۵)

میں تمہیں ہر حال میں تقویٰ و پرہیزگاری، اپنے ساتھیوں کے ساتھ خیرخواہی، اللہ کی راہ میں، اللہ کے نام پر اس سے کفر کرنے والوں سے جہاد، غداری و خیانت نہ کرنے اور کسی بچے کو قتل نہ کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔

میدان جنگ میں صرف لڑنے والوں کو قتل کرنا اور عورتوں، بچوں کے قتل عام سے روکنا بھی عین عدل کا تقاضا تھا۔

ذیل میں ہم وہ ہدایات درج کر رہے ہیں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شام کی طرف جانے والے لشکر کو دی تھیں۔

۱۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے قتل نہ کیے جائیں۔

۲۔ مثلہ نہ کیا جائے۔

۳۔ راہبوں اور عابدوں کو نہ ستایا جائے اور نہ ان کی عبادت گاہیں مسمار کی جائیں۔

۴۔ کوئی پھل دار درخت نہ کاٹا جائے اور نہ فصلیں جلائی جائیں۔

۵۔ آبادیاں ویران نہ کی جائیں۔

۶۔ جانوروں کو ہلاک نہ کیا جائے۔

۷۔ بدعہدی سے ہر حال میں احتراز کیا جائے۔

۸۔ جو لوگ اطاعت کریں تو ان کی جان و مال کا وہی احترام کیا جائے جو مسلمانوں کی جان و مال کا ہے۔

۹۔ اموال غنیمت میں خیانت نہ کی جائے۔

۱۰۔ جنگ میں پیٹھ نہ پھیری جائے۔ (۵۶)

اچانک حملے سے احتراز

اہل عرب اچانک حملہ کرنے کو معیوب نہیں سمجھتے تھے، بلکہ آخر شب میں عام طور پر جب سب سو رہے ہوتے تھے، اچانک حملہ آور ہو جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے اسے سخت ناپسند فرمایا اور اس کی ممانعت بھی فرمائی۔ حضرت انسؓ نے غزوہ خیبر میں آنحضرت ﷺ کے معمول کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے:

ان النبی ﷺ خرج الی خیبر فجاءها لیلا و کان اذا جاء قوما بلیل لا یغیر علیهم حتی

Marfat.com

یصبح(۵۷)

آپ ﷺ خیبر کے لئے نکلے تو رات کے وقت وہاں پہنچے، اور آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب کسی قوم پر رات کے وقت پہنچتے تھے تو صبح سے پہلے حملہ نہیں کرتے تھے۔

جلانے کی ممانعت

آپ ﷺ سے پہلے یہ رواج تھا کہ مخالفین کو شدت انتقام میں زندہ جلا دیا جاتا تھا، آپ ﷺ نے اس وحشیانہ حرکت سے منع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لا ینبغی ان یعذب بالنار الا رب النار (۵۸)

خالق نار کے سوا آگ کا عذاب دینا کسی کو سزاوار نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ہمیں جہاد کا حکم دیا اور ہدایت فرمائی کہ اگر فلاں، فلاں دو آدمی ملیں تو ان کو جلا دینا مگر جب ہم روانہ ہونے لگے تو واپس بلا کر فرمایا:

انکم امرتکم ان تحرقوا فلانا و فلانا بالنار وان النار لا یعذب بھا الا اللہ فان وجدتموھما فاقتلوھما (۵۹)

میں نے تم کو حکم دیا تھا کہ فلاں فلاں شخص کو جلا دینا مگر آگ کا عذاب سوائے خدا کے کوئی نہیں دے سکتا، اس لئے اگر انہیں پاؤ تو بس قتل کر دینا۔

مثلہ اور لوٹ مار کی ممانعت

اہل عرب کا دستور تھا کہ جنگ میں دشمن کے قتل کے بعد اس کے اعضا کاٹ دیتے تھے اور اس پر غیر انسانی تشدد کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان امور سے سختی سے منع فرمایا:

عن عبداللہ بن یزید عن النبی ﷺ انہ نھی عن النھبۃ والمثلۃ (۶۰)

عبداللہ بن یزید نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے لوٹ مار اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا۔

اسی طرح زمانہ جاہلیت میں لوٹ مار کا بھی عام رواج تھا، آپ ﷺ نے اس فعل قبیح سے بھی منع فرمایا، اس سلسلے میں ایک انصاری صحابی یہ واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

خرجنا مع رسول اللہ ﷺ فی سفر فاصاب الناس حاجۃ شدیدۃ وجھد واصابوا غنما فانتھبوھا، فان قدورنا لتغلی اذ جاء رسول اللہ ﷺ یمشی علی قوسہ فاکفا قدورنا بقوسہ ثم جعل یرمل اللحم بالتراب ثم قال ان النھبۃ لیست باحل من المیتۃ (۶۱)

ہم ایک سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ نکلے، اس میں لوگوں کو سخت مشکلات نے گھیر لیا۔ پھر کچھ بکریاں ملیں، ہر شخص نے جو ملا لوٹ لیا، صورت حال یہ ہوئی کہ گوشت ہماری ہانڈیوں میں ابل رہا تھا۔ اتنے

Marfat.com

میں آپ ﷺ اپنی کمان ٹیکتے ہوئے آئے اور اپنی کمان سے ہماری ہانڈیاں الٹ دیں، اور گوشت کو مٹی میں ملا دیا اور فرمایا کہ لوٹ کا مال مردار سے کم نہیں۔

باندھ کر قتل کرنے کی ممانعت

اسلام نے عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو چھوڑ کر صرف لڑنے اور مقابلے کے لئے آنے والوں کو مارنے کی اجازت دی، لیکن یہ اجازت بھی غیر مشروط نہیں ہے بلکہ اس کو قیود و ضوابط کا پابند بنایا گیا ہے، جیسے باندھ کر اور بالکل بے بس کر کے مارنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن خالدؓ نے چند قیدیوں کو باندھ کر قتل کرنے کا حکم دیا، یہ بات حضرت ابوایوب انصاریؓ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے فرمایا:

سمعت رسول الله ﷺ ینھی عن قتل الصبر فو الذی نفسی بیده لو کانت الدجاجة ما صبرتها فبلغ ذلك عبدالرحمن بن خالد بن ولید فأعتق اربع رقاب (٦٢)

میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے قتل صبر (باندھ کر مارنے) سے منع فرمایا ہے، خدا کی قسم اگر مرغی بھی ہوتی تو میں اسے اس طرح باندھ کر نہ مارتا۔ اس کی خبر جب عبدالرحمٰن بن خالد کو ملی تو انہوں نے چار غلام (اپنی غلطی کے کفارے کے طور پر) آزاد کر دیئے۔

سفیر کے قتل کی ممانعت

سفیر کی عزت و توقیر اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم سب سے پہلے آنحضرت ﷺ نے ہی دیا، جسے بعد میں آج کی مہذب دنیا نے بڑے فخر و امتیاز کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ آپ ﷺ نے عملاً ایسے حالات میں بھی سفیر کے عہدے کا لحاظ کیا، جب متعلقہ فریق کی ریشہ دوانیاں ناقابل برداشت اور اپنے عروج پر تھیں۔ جب مسیلمہ کے دو قاصد گستاخانہ پیغام لے کر دربار نبوت میں آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لولا ان الرسل لا تقتل لضربت اعناقکما (٦٣)

اگر سفیروں کو قتل نہ کرنے کی روایت نہ ہوتی تو میں تمہاری گردن مار دیتا۔

ان احکام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے میدان جنگ و جدال میں بھی کس قدر عدل و انصاف کا لحاظ کیا ہے بلکہ دیگر فاتحین عالم کے برعکس عملاً ایسا کر کے بھی دکھایا ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ عدل

اسلامی مملکت میں جس طرح مسلمانوں کو صنعت و حرفت، تجارت و زراعت اور دوسرے تمام شعبوں میں اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیاں مکمل آزادی اور اپنی پسند و دل چسپی سے سرانجام دینے کی اجازت ہے، بالکل اسی طرح غیر مسلموں کو بھی اس بات کی مکمل آزادی حاصل ہے کہ وہ مذکورہ تمام امور پوری آزادی و خودمختاری سے ادا کریں، حتیٰ کہ وہ چیزیں جو غیر مسلموں کی شریعت میں جائز سمجھی جاتی ہیں لیکن اسلام ان کی اجازت نہیں دیتا، اور مسلم معاشرے میں ان کا داخلہ منع ہے، غیر مسلموں کو ان کے بارے میں بھی مکمل آزادی حاصل ہے، چنانچہ غیر مسلموں کو اپنے درمیان شراب اور خنزیر کی خرید و فروخت کی بھی مکمل

Marfat.com

آزادی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کی ملکیت میں موجود خنزیر و شراب کو تلف کر دیتا ہے تو مسلمان اس کا تاوان ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ فقہا کی اس بارے میں وضاحت و صراحت ملاحظہ فرمائیں:

ويضمن المسلم قيمة خمره و خنزيره اذا أتلفه (٦٤)

مسلمان شراب اور خنزیر کی قیمت کا ضامن ہوگا، اگر اسے تلف کرے گا۔

اس کے ساتھ ساتھ اسلام اس بات کی بھی مکمل گنجائش دیتا ہے کہ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں سے کاروباری لین دین بھی ہوسکتا ہے، خرید و فروخت اور ادھار تک لیا جا سکتا ہے اور ان تمام امور میں عدل و انصاف سے کام لینا چاہیے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا یہود سے ادھار لینا بھی ثابت ہے، حضرت زید بن سعنہ جب ایمان نہیں لائے تھے، اس زمانے میں حضور ﷺ نے ان سے کچھ قرض لیا، معیاد پوری ہونے میں ابھی کچھ مدت باقی تھی کہ انہوں نے تقاضا کیا اور آپ ﷺ کو سخت سست کہا اور کہنے لگے کہ اے عبدالمطلب کے خاندان والو! تم ہمیشہ یوں ہی ٹال مٹول سے کام لیتے ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر غصے سے بے تاب ہوگئے اور ان سے فرمایا کہ اے خدا کے دشمن! تو رسول اللہ کی شان میں گستاخی کرتا ہے؟ مگر آپ ﷺ نے یہودی کی گستاخی کو نہایت تحمل سے برداشت کیا اور اسے کچھ کہنے کے بجائے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ مجھے تم سے یہ امید تھی کہ تم اسے سمجھاتے کہ نرمی سے تقاضا کرے اور مجھے کہتے کہ میں اس کا قرض ادا کردوں اور پھر ان سے فرمایا کہ اس کا قرض ادا کردو اور بیس صاع کھجور زیادہ ادا کرو۔ (٦٥)

جب آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت بنونضیر طاقتور تھے اور انہیں غلبہ حاصل تھا اور اس کا اثر قانون قصاص پر کچھ یوں پڑا کہ اگر بنوقریضہ کے کسی فرد کے ہاتھوں بنونضیر کا کوئی شخص مارا جاتا تو قاتل کو قصاص میں قتل کیا جاتا لیکن اگر بنوقریضہ کا کوئی شخص بنونضیر کے کسی فرد کے ہاتھوں قتل ہوجاتا تو صرف اس کی دیت ادا کی جاتی، جو سو اونٹ کھجور تھی، حضور ﷺ کی مدینہ آمد کے بعد ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا تو بنوقریظہ نے یہ مقدمہ آپ ﷺ کی عدالت میں پیش کیا، آپ نے تورات کے مطابق قصاص کا فیصلہ سنایا اور ان کے مابین طبقاتی فرق کو ختم فرمادیا۔ (٦٦)

٦۔ سزا میں عدل

مجرم کو سزا دینا عدل و انصاف کا تقاضا ہے کیونکہ اس جرم میں اس نے جس شخص کے حقوق تلف کیے ہیں، اس کا حق ہے کہ ظالم سے اس کا حق دلوایا جائے اور دوسری طرف مملکت میں امن کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ سزا کا نظام نافذ ہو کہ یہ نہ صرف آئندہ مجرم کو جرم سے باز رکھنے کا باعث بنتا ہے بلکہ اس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کے لیے بھی سزا کے نفاذ کے خوف سے ایسے جرم سے بچنا آسان ہوجاتا ہے۔ لیکن عدل و انصاف کا یہ بھی تقاضا ہے کہ سزا میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے بلکہ سزا، جرم کے مطابق ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ (٦٧)

اور کسی برائی کا بدلہ اس جیسی برائی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

Marfat.com

﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾ (٦٨)

اور اگر تم لوگ (کسی ظلم کا) بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی زیادتی تمہارے ساتھ کی گئی ہے۔

ان آیات کریمہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام نے ظالم کے ساتھ عدل و انصاف کا تو حکم دیا ہے، لیکن اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دی کہ ظالم کے ظلم کے جواب میں اس کے ساتھ بھی ظلم و زیادتی کا معاملہ کیا جائے۔

مظلوم کی مدد کرتے ہوئے ظالم پر ظلم سے بچنے اور اس کے حقوق کا خیال رکھنے کی تاکید اور حکم اسلام ہی کی تعلیمات کا اعجاز و اختصاص ہے، اسلام کے علاوہ دوسرے مذہبی لٹریچر میں اس نوعیت کی ہدایات اور تعلیمات نہیں ملتیں۔

۷۔ معاشی مساوات اور قدرتی وسائل کی عادلانہ تقسیم

اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے۔ جیسے تمام انسانوں کو آزادی کے ساتھ سانس لینے کا حق پوری مساوات و عدل کے ساتھ حاصل ہے، اسی طرح دیگر قدرتی وسائل، غذا، پانی، رہائش اور تعلیم وغیرہ کا حصول بھی انسان کا پیدائشی حق ہے، جس سے کوئی بھی اس کو محروم نہیں کر سکتا اور ان امور میں خود غرضانہ اور مسرفانہ تقسیم کا نتیجہ معاشرے میں فساد کی صورت میں نکلتا ہے۔ اسی لیے قرآن کریم نے انسانوں کو نصیحت کی ہے:

﴿وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ (٦٩)

اور دنیا میں اپنے حصے کو نظر انداز نہ کرو۔

مال فئے اس مال کو کہتے ہیں جو دشمن ایسی حالت میں چھوڑ جائے کہ مسلمانوں کو ان سے باقاعدہ لڑائی کرنی نہ پڑی ہو، قرآن حکیم میں مال فئے کے مصارف کے طور پر رسول ﷺ، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا ذکر ہے اور اس کے بعد اس تقسیم کی وجہ کچھ یوں بیان فرمائی گئی ہے:

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً ۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾ (٧٠)

تاکہ وہ مال صرف ان ہی لوگوں کے درمیان گردش کرتا نہ رہ جائے جو دولت مند ہیں۔

لہٰذا جس طرح حکومت کو حاصل ہونے والے مال پر سب کا حق ہے اور اس کا ارتکاز صرف دولت مندوں کے ہاتھوں میں ہونا پسندیدہ نہیں، بالکل اسی طرح قدرتی و معاشی وسائل پر بھی کوئی، کسی قسم کی اجارہ داری قائم نہیں کر سکتا۔

رسول اللہ ﷺ کا ذاتی عدل و انصاف اور عدلِ نبوی کے مظاہر

عدل و انصاف کا سب سے نازک اور آزمائش طلب پہلو یہ ہے کہ خود اپنے مقابلے میں بھی حق کا ساتھ دیا جائے اور رسول اللہ ﷺ کی ذات اس باب میں بھی حیات انسانی کے دوسرے ابواب کی طرح سب سے فائق نظر آتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ بعثت سے پہلے ہی سے یا کہہ لیجئے کہ اوائل عمر ہی سے انصاف اور عدل پسند فرماتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل قبائل قریش کے درمیان ایک معاہدہ ''حلف الفضول'' ہوا، جس میں یہ عہد کیا گیا کہ مظلوم کی حمایت و اعانت کریں گے، خواہ وہ اپنا ہو یا پرایا، دیسی ہو یا پردیسی، آپ ﷺ بھی اس وقت موجود تھے اور آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ اس معاہدے کے مقابلے میں اگر مجھے سرخ اونٹ بھی دیے جاتے تو ہرگز قبول نہ کرتا اور اگر اب زمانہ

Marfat.com

اسلام میں بھی اس قسم کے معاہدے کے لیے بلایا جائے تو ضرور قبول کروں گا۔(۷۱)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ مال غنیمت کی تقسیم کے دوران ایک شخص آپ ﷺ کے بے حد قریب آ گیا، جس کے نتیجے میں آپ ﷺ کا نیزا اس کے منہ پر لگ گیا اور اس کے چہرے پر خراش آ گئی، فرمایا: مجھ سے بدلہ لے لو، اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے معاف کر دیا۔(۷۲)

آپ ﷺ کے عدل و انصاف کا ایک اور عظیم نمونہ وہ خطبہ ہے جو آپ نے وفات سے چند دن پہلے ارشاد فرمایا، حضرت فضلؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ کو بخار چڑھ رہا ہے اور سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے فضل! میرا ہاتھ پکڑ لو، پھر میں نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا، یہاں تک کہ آپ منبر تک پہنچ کر اس پر بیٹھ گئے پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو آواز دے کر جمع کر لو، میں نے لوگوں کو جمع کر لیا، پھر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا:

> اے لوگو! میرا تم لوگوں کے پاس سے چلے جانے کا زمانہ قریب آ گیا ہے، اس لئے جس کی کمر پر میں نے مارا ہو تو میری کمر موجود ہے وہ بدلہ لے لے، آگاہ ہو جاؤ، اور جس کسی کو میں نے برا بھلا کہا ہو وہ مجھ سے بدلہ لے لے، جس کا کوئی مالی مطالبہ مجھ پر ہو تو میرا یہ مال حاضر ہے، وہ اس مال سے بدلہ لے لے۔کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ مجھ سے بدلہ لینے سے میرے دل میں بغض پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔آگاہ ہو جاؤ! بغض رکھنا نہ میری طبیعت میں ہے، نہ میرے لیے موزوں ہے۔خوب سمجھ لو کہ تم میں سے وہ شخص مجھے بہت محبوب ہے جو مجھ سے اپنا حق وصول کر لے یا معاف کر دے کہ میں اللہ تعالیٰ کے یہاں بشاشت قلب کے ساتھ جاؤں۔میں اپنے اسی اعلان کو ایک دفعہ کہہ دینے پر اکتفا کرنا نہیں چاہتا، میں تم میں دوبارہ بھی اس کا اعلان کروں گا۔

پھر آپ منبر سے اتر آئے اور ظہر کی نماز ادا کی پھر آپ ﷺ دوبارہ منبر پر تشریف لے گئے اور وہی اعلان فرمایا، نیز بغض کے متعلق بھی مضمون بالا کا اعادہ فرمایا پھر آپ نے ارشاد فرمایا:

> اے لوگو! جس کے ذمے کوئی حق ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اس حق کو ادا کر دے اور دنیا کی رسوائی کا خیال نہ کرے، آگاہ ہو جاؤ کہ دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت کم ہے۔

پھر ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میرے تین درہم آپ کے ذمے ہیں۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں کسی مطالبہ کرنے والے کی نہ تکذیب کرتا ہوں نہ اس کو قسم دیتا ہوں، لیکن میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ (یہ درہم) کیسے ہیں؟ اس نے عرض کیا کہ ایک دن ایک سائل آپ کے پاس آیا تھا تو آپ ﷺ نے حضرت فضلؓ سے فرمایا کہ تین درہم اس کو دے دو، اس کے بعد ایک اور صاحب اٹھے انہوں نے عرض کیا کہ میرے ذمے تین درہم بیت المال کے ہیں، میں نے خیانت سے لے لیے تھے۔حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تو نے کیوں خیانت کی تھی؟ اس نے عرض کیا کہ اس وقت مجھے سخت احتیاج تھی، حضور ﷺ نے حضرت فضلؓ سے فرمایا: ان سے وصول کر لو۔اس کے بعد پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

Marfat.com

اے لوگو! جس کسی کو اپنی کسی حالت کا اندیشہ ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ کھڑا ہو جائے، میں اس کے لیے دعا کر دوں گا۔

پھر ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! واللہ، میں بہت جھوٹا ہوں اور میں منافق ہوں اور بہت سونے والا ہوں، حضور ﷺ نے دعا فرمائی:

یا اللہ! اس کو سچائی عطا فرما، ایمان (کامل) عطا فرما اور نیند کی زیادتی سے اس کو صحت بخش دے۔

اس کے بعد ایک اور صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں جھوٹا ہوں، منافق ہوں، کوئی گناہ ایسا نہیں جو نہ کیا ہو۔ حضرت عمرؓ نے اس کو تنبیہ فرمائی کہ اپنے گناہوں کو پھیلاتے ہو؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اے خطاب کے بیٹے: چپ رہو، دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے ہلکی ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: یا اللہ! اس کو سچائی اور (کامل) ایمان نصیب فرما اور اس کے احوال کو بہتر بنا دے۔ پھر (حضرت) عمر نے کوئی بات کہی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، عمر میرے ساتھ ہے اور میں اس کے ساتھ ہوں اور میرے بعد حق عمر کے ساتھ ہے، چاہے وہ کہیں بھی ہو۔

پھر ایک صاحب اٹھے، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں بزدل ہوں، زیادہ سوتا ہوں۔ حضور ﷺ نے ان کے لیے بھی دعا فرمائی۔ حضرت فضلؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے ہم دیکھتے تھے کہ ان کے برابر کوئی بھی بہادر نہ تھا اور وہ ہم میں سب سے کم سونے والا تھا۔ پھر حضور ﷺ حضرت عائشہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور اس طرح عورتوں کے مجمع میں بھی اعلان فرمایا، جس طرح مردوں کے مجمع میں فرمایا تھا۔ پھر فرمایا: جس پر کسی چیز کا غلبہ ہو اس کو چاہیے کہ وہ بتا دے، ہم اس کے لیے دعا کریں گے۔ پس ایک صحابیہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اپنی زبان سے عاجز ہوں، آپ نے ان کے لیے بھی دعا فرمائی۔ (۷۳)

رسول اللہ ﷺ کے بے مثال عدل و انصاف کے مظاہر بہت سے ہیں، یہاں محض مثال کے لئے چند واقعات پر اکتفا کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے عدل کے مظاہر آپ کی بعثت بلکہ قبل البعثت سے دنیا سے پردہ فرمانے تک جا بجا نظر آتے ہیں، حتیٰ کہ جب بعثت کے بعد پہلی بار حکم جاری ہوا:

﴿وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (۷۴)

اور تم اپنے قریب ترین خاندان کو خبردار کرو۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے باری باری سب قریبی رشتے داروں کو دعوت دی اور سب سے

لا أغنی عنك من الله شيئا (۷۵)

کے الفاظ ادا فرمائے اور ابتدائی دعوت کے معاملے میں بھی عدل کو ملحوظ رکھا۔

مال فئے اور خمس غنیمت میں آپ ﷺ کے اعزا و اقربا کا بھی حصہ تھا، چنانچہ ان اموال کو آپ اپنے تمام رشتے داروں میں تقسیم فرماتے تھے اور اس کے علاوہ بھی آپ صلہ رحمی کے لیے اپنے عزیزوں کو اموال وغیرہ سے نوازتے رہتے تھے، لیکن ان

Marfat.com

اموال کی تقسیم کے دوران بھی اس قدر عدل و انصاف کا پاس و لحاظ رکھتے تھے کہ ان سب میں انتہائی معزز و مکرم حضرت عباسؓ کو بھی عطایا میں کسی قسم کی کوئی فضیلت نہیں دیتے تھے بلکہ ان کا حصہ بھی دوسروں کے برابر ہی مقرر فرماتے تھے۔(۷۶)

آپ ﷺ کی لاڈلی و چہیتی بیٹی حضرت فاطمہؓ نے اپنے گھر کے کام کاج کی زیادتی کی وجہ سے، اپنی معاونت کے لیے حضور ﷺ سے خادم طلب فرمایا، آپ ﷺ نے خادم عطا کرنے کی بجائے انہیں تسبیح، تحمید اور تکبیر پڑھنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا:

لا اعطيك وأدع أهل الصفة تطوى بطونهم من الجوع (۷۷)

اس طرح رسول رحمت ﷺ نے اصحاب صفہ کو اپنی لاڈلی بیٹی پر ترجیح دے کر عدل و ایثار کی ایک اعلیٰ مثال قائم فرمائی۔

آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس سے اگر غلطی سے بھی کسی کو تکلیف و اذیت پہنچ جاتی تو فوراً اپنی ذات کو بدلہ کے لیے پیش فرما دیتے اور لوگوں کے ہجوم میں بھی بدلہ دینے میں شرم و عار محسوس نہ فرماتے، غزوۂ بدر کے موقع پر آپ ﷺ اپنے اصحاب کی صفیں نیزے کی مدد سے درست فرما رہے تھے، جب کہ حضرت سواد بن عزیہ صف سے کچھ باہر نکلے ہوئے تھے، جب آپ ان کے پاس سے گزرے تو نیزے سے ان کو صف میں کرتے ہوئے فرمایا کہ اے سواد! صف درست رکھو، اس پر سواد نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ! (نیزا پیٹ میں) مار کر آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، لہٰذا آپ مجھے بدلہ دیجیے۔ آپ ﷺ نے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹا دیا اور فرمایا کہ بدلہ لے لو۔ دفعتاً حضرتؓ سواد نے حضور سے معانقہ کیا اور آپ کے بطن مبارک پر بوسہ لے لیا، حضور نے وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! جنگ کا موقع ہے اور ایسے وقت میں جان کا کیا بھروسہ، لہٰذا میں نے سوچا کہ میرا آخری زمانہ ایسا ہو کہ میرے جسم نے آپ کے جسم سے مس کیا ہو، یہ سن کر حضور ﷺ نے انہیں دعاؤں سے نوازا۔(۷۸)

غزوۂ بدر کے موقع پر جب دیگر قیدیوں کے ساتھ حضرت عباسؓ بھی قید ہوئے اور انہیں بھی فدیہ ادا کرنے کا حکم ملا تو بعض انصاری صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ حضرت عباس کو بغیر فدیے کے چھوڑ دیا جائے اور ان سے فدیہ نہ لیا جائے، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کا ایک درہم بھی نہ چھوڑو اور پورا فدیہ وصول کرو۔(۷۹)

آپ ﷺ نے غزوہ حنین کے موقع پر حضرت اقرع بن حابسؓ کو سو اونٹ عطا فرمائے، اس پر ایک آدمی نے اٹھ کر اعتراض کیا اور کہا کہ اس تقسیم میں عدل نہیں کیا گیا اور نہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہے، آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اگر اللہ اور اس کے رسول عدل نہیں کریں گے تو پھر کون عدل کرے گا؟(۸۰)

یہ بھی رسول اللہ ﷺ ہی کا مقام عدل ہے کہ آپ نے اس قدر اشتعال انگیز جملے کے باوجود اسے نا سمجھ خیال کر کے معاف کر دیا، اور اس پہ کسی قسم کی سختی نہیں کی۔ اس نرمی، رحمت، تلطف اور انکسار کی دوسری مثال ڈھونڈنا ممکن نہیں۔

اختتام

مذکورہ بحث سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قرآنِ حکیم اور تعلیماتِ نبوی ﷺ میں جس انداز سے عدل

Marfat.com

کے مختلف پہلوؤں اور مختلف سطحوں کی نشاندہی کی گئی ہے،اس سے پہلے دنیا ان سے قطعا نا آشناتھی،اسلام سے قبل عدل کا تصور صرف اور صرف ایک تھا، جسے ہم ''قانونی انصاف'' کا نام دے سکتے ہیں،اور یہ وہ تصور تھا جسے بادشاہ،اور حکمران و قاضی اپنی رعایا کے ساتھ روا رکھتے تھے،اس عدل کی بنیاد صرف اس پر ہے کہ فریقین کے موقف کو اطمینان سے سنا جائے،لوگوں کے دلائل اور گواہیاں سامنے رکھی جائیں،شواہد کو اچھی طرح جانچا جائے اور پھر جس کا موقف وزنی معلوم ہو،اس کے حق میں فیصلہ دے دیا جائے۔

اسلام نے عدل و انصاف کے صرف اس درجے پر اکتفا نہیں کیا،یہ تو اسلام کے نظامِ عدل کا ایک جز ہے، بلکہ اسلام نے جس طرح عدالتی نظام میں عدل کا حکم دیا ہے بالکل اسی طرح انسان کی انفرادی زندگی اور عدالتی نظام کے علاوہ عدل اجتماعی کے دیگر پہلوؤں میں بھی عدل و انصاف کی تلقین کی ہے اور سب سے بڑھ کر انسانوں کی تربیت،پیغمبر ہدایت ﷺ کے ذریعے،اس انداز میں کی کہ ہر انسان اپنے حقوق کے لئے لڑنے اور کوشاں رہنے کے بجائے،دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کے لئے کوشاں رہیں۔آج مغربی دنیا نے جس تصور،نظریے اور رویے کو جنم دیا ہے اور وہ فکر و رویہ ساری دنیا میں پھلتا،پھولتا دکھائی دے رہا ہے،وہ یہ ہے کہ ہر شخص صرف اپنی ذات اور اپنے حقوق کی فکر میں رہے اور دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کی کوئی پروا نہ کرے اور جب کسی بھی معاشرے میں یہ فکر اور ایسے رویے پروان چڑھ جاتے ہیں تو اس کا نتیجہ صرف اور صرف فساد اور آپس کے اختلاف کی صورت میں نکلتا ہے،(جبکہ اسلام اور پیغمبر اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے جن تعلیمات اور احکامات کا درس دیا ہے ان کے حقیقی نفاذ کی صورت میں نا صرف دنیا میں انفرادی و اجتماعی عدل و انصاف کا قیام عمل میں آ سکتا ہے بلکہ مکمل طور پر ظلم و نفرتوں کے خاتمے کی وجہ سے دنیا امن کا گہوارہ بن سکتی ہے۔(۸۱))

تنگ آ جائے گی خود اپنے چلن سے دنیا
تجھ سے سیکھے گا زمانہ تیرے انداز کبھی

ذکی کیفی

حوالہ جات

۱۔ النساء: آیت ۳...... ۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے:ابن فارس۔مقاییس اللغہ:ج۴،ص۲۴۶۔ابن منظور۔لسان العرب:ج۵،ص۲۸۳۸۔جوہری۔الصحاح:ج۵، ص۱۷۶۰...... ۳۔ راغب اصفہانی۔المفردات۔ بیروت: ۳۲۵...... ۴۔ ابن ہمام۔ فتح القدیر: ج ۱،ص۴۸۰...... ۵۔ابنِ حزم۔مداواۃ النفوس، تحقیق ابو حنیفہ بن محمد،مصر،مکتبۃ الصحابہ۱۴۰۷ھ: ص۸۱...... ۶۔جرجانی۔ التعریفات۔ بیروت: ۱۵۳...... ۷۔ ابن مسکویہ۔تہذیب الاخلاق۔ قاہرہ:ص ۱۵...... ۸۔ڈاکٹر نثار احمد۔مقالاتِ سیرت۔بہ عنوان اسلام کا نظامِ عدل و احسان اور برائیوں کا انسداد۔وزارت مذہبی امور،حکومت پاکستان،اسلام آباد۔۱۹۸۸ء:ج۱،ص ۲۶۰...... ۹۔ ندوی،سید سلیمان۔سیرت النبی ﷺ،کراچی،دارالاشاعت،ج۳،ص۴۶۹...... ۱۰۔آل عمران: ۱۸...... ۱۱۔ الشوریٰ:۱۵...... ۱۲۔ النساء: ۵۸...... ۱۳۔ البقرۃ:۲۸۲...... ۱۴۔ الحجرات:۹...... ۱۵۔ الانعام:۱۵۲...... ۱۶۔الاحزاب:۷۰...... ۱۷۔ النساء:۱۳۵...... ۱۸۔الرحمٰن:۹...... ۱۹۔ الطلاق:۲...... ۲۰۔ المائدۃ:۸...... ۲۱۔ النساء:۳...... ۲۲۔عبد الباقی،محمد فؤاد۔اللؤلؤ والمرجان،باب کراھۃ قضاء القاضی وھو غضبان،عیسی البابی الحلبی ۱۳۶۸ھ:ج۲،ص۲۲۶...... ۲۳۔بخاری،محمد

Marfat.com

بن اسماعیل۔ باب الظلم ظلمات یوم القیامۃ، ج۲، ص۸۶۴، رقم ۲۳۱۵...... ۲۴۔الحوفی، احمد محمد۔ من اخلاق النبی ﷺ مصر، لجنۃ التعریف بالاسلام، ص۱۰۴...... ۲۵۔الحوفی، احمد محمد۔ من اخلاق النبی ﷺ ص۱۰۳...... ۲۶۔الحوفی، احمد محمد۔ من اخلاق النبی ﷺ ص۱۰۴...... ۲۷۔المتقی، علاء الدین بن حسام الدین۔ کنز العمال، حیدر آباد دکن، دائرۃ المعارف االنظامیۃ ۱۳۱۲ھ: ج۲، ص۲۲...... ۲۸۔ڈاکٹر نثار احمد۔ مقالاتِ سیرت بہ عنوان اسلام کا نظامِ عدل و احسان اور برائیوں کا انسداد ۱۹۸۸ء: ج۱...... ۲۹۔لقمان: ۱۹...... ۳۰۔الاسراء: ۲۹...... ۳۱۔الاعراف: ۳۱...... ۳۲۔النساء: ۳...... ۳۳۔الحوفی، احمد محمد۔ من اخلاق النبی ﷺ ص۱۰۳...... ۳۴۔مسلم۔ کتاب الھبات، باب تفضیل بعض الاولاد فی الھبۃ، رقم: ۱۶۲۴...... ۳۵۔السجستانی، محمد بن اشعث۔ سنن ابی داود: ج۴، ص۳۷۵، رقم الحدیث ۵۱۴۶...... ۳۶۔النساء: ۱۲۷...... ۳۷۔سید فضل الرحمٰن۔ ہادی اعظم ﷺ، کراچی، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز: ص۴۴۶...... ۳۸۔الانعام: ۱۵۲...... ۳۹۔المطففین: ۱...... ۴۰۔البقرۃ: ۲۸۲...... ۴۱۔الانعام: ۱۵۲...... ۴۲۔المائدۃ: ۸...... ۴۳۔النساء: ۵۸...... ۴۴۔ندوی، سید سلیمان۔ سیرت النبی ﷺ: ج۶، ص۲۷۳...... ۴۵۔شبلی نعمانی۔ سیرت النبی ﷺ، ج۲، ص۵۷۰...... ۴۶۔بخاری۔ باب کراھیۃ الشفاعۃ فی الحد اذا رفع الی السلطان: ج۴، ص۱۲۲...... ۴۷۔دار قطنی: ج ۳ ص: ۳۰۷، ۳۰۸...... ۴۸۔دار قطنی: ج ۳، ۳۰۷، ۳۰۸...... ۴۹۔الشوریٰ: ۱۵...... ۵۰۔مسند احمد، باب حدیث ابی حدرد: ج۳، ص۲۲۳...... ۵۱۔نسائی، احمد بن شعیب۔ کتاب القسامۃ، باب تبدیۃ اہل الدم فی القسامۃ رقم: ۴۷۲۷...... ۵۲۔التوبۃ: ۴...... ۵۳۔ابن ابی شیبۃ: ج ۶، ص ۴۸۳، رقم ۳۳۱۱۸...... ۵۴۔ابن ابی شیبۃ: ج ۶، ص ۴۷۴، رقم ۳۳۱۳۲...... ۵۵۔الصالحی، محمد بن یوسف الشامی۔ سبل الہدی والرشاد/ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۳، ج ۶...... ۵۶۔مؤطا امام مالک۔ کتاب الجہاد، باب النھی عن قتل النساء و الولدان فی الغزو، ص۲۷۸...... ۵۷۔بخاری: ج ۳، ص۷۷، رقم ۲۷۸۵...... ۵۸۔ابو داود: ج۴، باب فی کراھۃ حرق العدو، ص۳۶۷، رقم ۵۲۶۸...... ۵۹۔بخاری: ج ۳، ص ۱۰۷۹، رقم ۲۷۹۵...... ۶۰۔بخاری: ج ۵، ص۱۲۰۰، رقم ۵۱۹۷...... ۶۱۔ابوداؤد: ج ۳، باب فی النھی، ص ۴۱۹، رقم ۲۷۰۵...... ۶۲۔ابوداؤد: ج ۲، باب فی قتل الاسیر بالنبل، ص۱۱۷، رقم ۲۶۸۷...... ۶۳۔حاکم۔ المستدرک: ج ۲، کتاب قسم الفیٔ، ص ۱۵۵، رقم ۲۶۳۲...... ۶۴۔ردالمختار: ج ۳، ص ۲۷۳...... ۶۵۔سید فضل الرحمٰن۔ ہادی اعظم ﷺ: ص ۶۳۰...... ۶۶۔ابوداؤد: ج۴، باب النفس بالنفس، ص ۱۶۵، رقم ۴۴۹۴...... ۶۷۔الشوریٰ: ۴۰...... ۶۸۔النحل: ۱۲۶...... ۶۹۔القصص: ۷۷...... ۷۰۔الحشر: ۷...... ۷۱۔سہیلی۔ روض الانف۔ بیروت: ج۱، ص۱۵۵...... ۷۲۔ابو داود: ج ۴، ص ۱۸۱، رقم الحدیث ۴۵۳۶...... ۷۳۔سید فضل الرحمٰن۔ ہادیٔ اعظم ﷺ، ص ۴۳۰...... ۷۴۔الشعراء: ۲۱۴...... ۷۵۔مسلم: ج۱، باب فی قولہ تعالیٰ "وانذر عشیرتک الاقربین" ص۱۳۳، رقم ۵۲۵...... ۷۶۔الحوفی، احمد محمد۔ من اخلاق النبی ﷺ ص۹۶...... ۷۷۔الحوفی، احمد محمد۔ من اخلاق النبی ﷺ ص۹۶، ۹۷...... ۷۸۔ابن ہشام۔ السیرۃ النبویہ۔ بیروت، دار المعرفہ: ج۲، ص۲۷۸...... ۷۹۔الحوفی، احمد محمد۔ من اخلاق النبی ﷺ ص۹۷، ۹۸...... ۸۰۔شرقاوی، عبداللہ۔ فتح المبدی۔ مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی ۱۳۳۹ھ: ج۲، ص۳۴۰...... ۸۱۔اس پوری بحث کی تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: ڈاکٹر محمود احمد غازی۔ محاضرات شریعت۔ لاہور، الفیصل ۲۰۰۹ء: ص ۶۸

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

شبیر احمد انصاری۔ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زیر نظر مقالہ میں عدل اجتماعی کے تصور اور اس کی اہمیت و حقانیت پر تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں گفتگو مقصود ہے۔ پورے عنوان کا احاطہ کرنے کے لئے اس کے اجزائے ترکیبی کو سمیٹنا ہوگا جس سے گفتگو کا دائرہ خود بہ خود مکمل ہو جائے گا تو آیئے پہلے لفظ ''عدل'' کو اس کے معنی و مفہوم کے آئینے میں دیکھتے ہیں پھر بتدریج مضمون کی جانب آگے بڑھتے ہیں۔

عدل عربی کا لفظ ہے اور خود اللہ رب العزت کا اور اس کے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا صفاتی نام ہے جس کی تعریف و تفہیم کا میدان کائنات کی وسعت کی طرح وسیع و عریض ہے اس لئے کہ پوری کائنات اور اس کے نظام کا دائرہ کار ''عدل'' ہی کا مرہون منت ہے۔ تاہم مفکرین اسلام کی آراء کی روشنی میں اس کی کچھ تعریفیں اور تفہیمات کا اختصار یہ حسب ذیل ہے۔

۱) علامہ راغب اصفہانی: کسی بوجھ کو برابر حصوں میں اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ ان دونوں میں سے کسی میں بھی کمی بیشی نہ ہو۔ اسے عدل کہا جاتا ہے۔ (المفردات، ص ۳۲۴)

۲) ابن منظور: ''.... عدل حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا نام ہے اور یہ جور کی ضد ہے....'' (لسان العرب ج ۱۱، ص: ۴۳۰)

۳) ابن فارس: ''العدل الحکم بالاستواء''. عدل برابری کے حکم کو کہتے ہیں اس کا ایک مفہوم یوں بھی ہے کہ دو مخالف انتہاؤں کے بالکل درمیان میں ہونا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عدل اعتقاد، عمل اور خلق میں اعتدال اور میانہ روی کا نام ہے۔ (معجم مقاس اللغہ۔ ج ۴، ص: ۲۴۶)

۴) علامہ بیضاوی: عدل تمام امور میں توسط اور میانہ روی کا نام ہے۔ اعتقاداً بھی، جیسے اللہ کے انکار اور شرک کے درمیان توحید متوسط کا اقرار۔ (تفسیر القرآن الکریم ص: ۳۰۳)

۵) علامہ آلوسی: عدل افراط و تفریط کی دونوں جوانب کے مابین میانہ روی کی رعایت رکھنے کو کہتے ہیں۔ (روح المعانی: ۱۴/ ۲۱۷)

۶) علامہ نسفی: عدل آپس کے حقوق میں تسوید و برابری، ظلم کو ترک کرنے اور ہر حق تک اس کا حق پہنچانے کا نام ہے (مدارک التنزیل ج ۲، ص: ۲۹۷)

۷) ابن العربی: ابن العربی کے قول کو عدل کی جامع ترین تعریف و توضیح تصور کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ عدل کا دائرہ بندے اور خدا، انسان اور اس کی ذات اور مخلوق خدا تک وسیع ہے۔ بندے اور خدا کے مابین عدل یہ ہے کہ انسان خدا کے

Marfat.com

حق اور اس کی رضا کو اپنے حق اور اپنی پسند سے مقدم تصور کرے۔ خدا کے ہر حکم پر عمل اور ہر نہی سے اجتناب کو اپنا مقصد زندگی سمجھے۔ انسان اور نفس کے مابین عدل یہ ہے کہ نفس کو مہلکات سے روکا جائے اور "نہی النفس عن الھویٰ" کے خدائی حکم کے تحت اللہ کی اتباع کے ذریعے نفس کو قناعت پسند بنایا جائے۔ اور انسان اور مخلوق خدا کے مابین عدل یہ ہے کہ انسانیت کی خیر خواہی اختیار کرے۔ خیانت سے اجتناب کرے۔ دوسروں کے لئے اپنی طرف سے ہر اعتبار سے انصاف کی فراہمی کو لازم گردانے، برائی سے ہر حالت میں بچے خواہ وہ قولاً ہو فعلاً ہو یا سراً ہو یا جبراً، مخلوق کی جانب سے پیش آنے والے مصائب کو برداشت کرے۔ (الجامع الاحکام القرآن، ج ۱۰، ص: ۱۶۶)

۸) ڈاکٹر انیس احمد: ایک بنیادی اصول جو شریعت کا مقصد بھی ہے اور جو انسانیت کے لئے ایک رہنما اصول کی حیثیت رکھتا ہے قرآن کریم کی وہ قدر ہے جسے ہم "عدل" سے تعبیر کرتے ہیں۔ محدود انسانی عقل و نظر کی بنا پر ہم نے بالعموم اس سے وہ انصاف مراد لیا ہے جو عدالتوں، پنچایتوں یا جرگوں کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔ جب کہ عدل ایک انتہائی وسیع، جامع اور عملی اصطلاح ہے جو معاشرتی، معاشی، سیاسی، مذہبی، جامع، اخلاقی اور تہذیبی و ثقافتی سرگرمیوں کو معنویت عطا کرتی ہے۔ (ترجمان القرآن، مارچ ۲۰۰۹، ص: ۵۴)

صراحت

عدل اخلاقی اقدار کا وہ پیمانہ قرار پاتا ہے کہ اس کی رو سے ہم جو کام بھی کریں اور جو بات بھی کہیں اس میں میزان صداقت اور میزان عمل کسی جانب بھی جھکنے نہ پائے بلکہ صرف وہی بات کہی جائے اور فقط وہی کام کیا جائے جو انصاف کی کسوٹی پر پورا اترے اور جس میں افراط و تفریط کا شائبہ تک نہ ہو۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے انفرادی طور پر سب کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنی ذاتی زندگی میں انصاف کا راستہ اختیار کرے یہ عدل و انصاف اس کے شعبہ زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔

علامہ منادی نے انصاف اور عدل کو مترادفات میں شمار فرمایا ہے۔ قرآن کریم کی روشنی میں فرد کی ذمہ داری ہے کہ عدل کا نفاذ کرے اور یہ بلا تخصص مذہب و نسل ہو۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ جو غیر مسلم ہمارے ماتحت ہوں ان کا خون ہمارے خون کے برابر ہے ان کی دیت مسلمانوں کی دیت کے برابر ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کفر کے ساتھ حکومت قائم رہ سکتی ہے لیکن ظلم کے ساتھ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے معاہدہ حلف الفضول کا احیاء فرمایا جس کا مقصد امن کا قیام، مسافروں کا تحفظ اور مظلوموں کی امداد تھا۔ عدل کا ایک اجتماعی پہلو صوبوں اور اس کے تمام باشندوں سے مساوی سلوک ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بھائی کی مدد کرو۔ اگر وہ ظالم ہے تو اس کو ظلم سے روکو اور اگر مظلوم ہے تو ظلم سے بچاؤ، یہی عدل ہے۔ جب تک عدل عام نہ ہو ظلم کا خاتمہ نہ ہو۔ مسلم امہ مجرم رہے گی۔ گویا عدل انفرادی اور معاشرتی سطح پر ایک مسلمان اور غیر مسلم دونوں کے لئے یکساں اہمیت رکھتا ہے اور صحت مند معاشرے کے قیام کے لئے مذہب، نسل، رنگ، زبان کی قید سے ماورا ہو کر شریعت تمام انسانوں کے لئے عدل کا قیام چاہتی ہے۔

آج ہم اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیں تو پہلی نظر میں ہی ملکی سطح سے لے کر بین الاقوامی سطح تک عدل و انصاف کا جسم خون آلود نظر آتا ہے اور اس ضمن میں مسلم امہ کی خاموشی اور عملی عدم جدوجہد کا جرم ناقابل معافی ہے۔ ابھی آئندہ صفحات میں

Marfat.com

قرآن مجید کے ارشادات اور حضور اکرم ﷺ کے فرمودات کا جو اعادہ سامنے آیا ہے۔ وہی میری اس گزارش کا ماخذ ہے۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کے ساتھ طاغوتی طاقتوں نے ایک ظلم روا رکھا ہوا ہے۔ کشمیر، فلسطین، افغانستان، عراق، میانمار اور دوسرے متعدد ملکوں، شہروں اور علاقوں میں مسلمان کسمپرسی اور ظلم و جور کا شکار ہیں۔ قید و بند کی صعوبتوں اور اذیتوں سے گزر رہے ہیں۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی جس کی فقط ایک تازہ مثال ہے۔ عدل پروری و احسان کا تقاضہ ہے کہ اس کے لئے مؤثر حکمت عملی اختیار کی جائے۔

عدل اجتماعی o تعریف و تفہیم

پروفیسر غلام محمد جعفر اپنے ایک مقالہ سیرت ''عدل اجتماعی'' کے موضوع پر اپنی فکر انگیز گفتگو کا اعادہ یوں پیش کرتے ہیں۔

''.... عدل اجتماعی کے بغیر ہمہ گیر اور عالمگیر تہذیب کا تصور شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید جو عالمگیر انسانی معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے اس کا ایک وصف عدل اجتماعی ہے۔ عدل اجتماعی کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے کے ہر ہر فرد کے تمام حقوق کا ٹھیک ٹھیک محفوظ ہونا۔ گویا عدل اجتماعی کے معرض وجود میں آنے کے لئے تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ معاشرے کے ہر ہر فرد کے حقوق محفوظ ہوں۔ دوم یہ کہ ہر قسم کے حقوق محفوظ ہوں اور سوم یہ کہ کامل طور پر محفوظ ہوں۔ چنانچہ جس معاشرے میں بعض افراد کے حقوق محفوظ ہوں اور بعض کے محفوظ نہ ہوں یا یہ کہ بعض قسم کے حقوق محفوظ ہوں اور دوسری بعض قسم کے محفوظ نہ ہوں یا یہ کہ سب کے ہر قسم کے حقوق محفوظ تو ہوں لیکن ناقص ہوں۔ کامل طور پر نہ ہوں۔ تو ان صورتوں میں معاشرے کے اندر جو حالات رونما ہوتے ہیں اسے عدل اجتماعی کا مظہر قرار نہیں دیا جا سکتا....''

عدل اجتماعی کی بنیادی اہمیت

عدل اجتماعی کو قرآن مجید کی نگاہ میں جو اعلیٰ اور بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس کا اندازہ سورہ الحدید کی اس آیت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

ترجمہ: ''.... بے شک ہم نے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تا کہ انسان عدل کو قائم کریں اور عدل پر قائم ہو جائیں ....''

یہ آیت کریمہ واضح کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی رشد و ہدایت کے لئے جتنے رسول مبعوث فرمائے اور ان پر جو کتب نازل کیں۔ ان سب کا مقصد یہ تھا کہ دنیا میں ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے جس میں ہر انسان کے تمام حقوق ٹھیک ٹھیک محفوظ ہوں اور کسی کو کسی سے حق تلفی کی شکایت نہ ہو۔ آنحضور اکرم ﷺ کی تعلیمات میں عدل کے قیام پر بہت زور دیا گیا۔ بے انصافی اور ظلم سے باز رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تو اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اگر وہ مظلوم ہو تب تو میں اس کی مدد کروں لیکن مجھے بتائیے کہ جب وہ ظالم ہو تو میں اس کی مدد کیسے کروں فرمایا اسے ظلم سے باز رکھو یا روکو کیونکہ یہ بھی اس کی مدد ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا عدل کرنے والے اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے منبروں پر ہوں گے اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی حکومت، اہل و عیال اور رعایا کے متعلق عدل سے کام لیتے ہیں۔

آنحضور اکرم ﷺ نے اپنی تعلیمات میں انسانی حقوق کے بارے میں واضح ہدایات فرمائی ہیں۔ ان حقوق کے تحفظ

Marfat.com

اور مکمل آزادی و پاسداری سے عالمگیر معاشرہ اور تہذیب کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔واضح رہے کہ عدل اجتماعی کے بغیر عالمگیر انسانی معاشرے کے قیام کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔آج دنیا میں جو فساد بپا ہے، امن وسکون ناپید ہوتا جارہا ہے، تشدد اور دہشت گردی کا جو دور دورہ ہے اس کے اسباب میں ایک بہت بڑی وجہ بلکہ سب سے مقدم وجہ عدل وانصاف کا فقدان ہی ہے۔قرآن کریم بار بار شدید الفاظ میں تنبیہ کر رہا ہے کہ معاشرہ ظلم اور ناانصافی سے دور اور باز رہے، اس لئے کہ اگر انسان اپنی گھریلو معاشرتی اور عمرانی زندگی میں ظالم اور ایک دوسرے کا حق مارنے والا ہو تو اس سے انسانیت کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ یہ سامنے کی حقیقت ہے کہ تہذیب وتمدن کی پوری عمارت گھر سے ہی تعمیر ہوتی ہے۔ اگر انسان کے گھر میں خرابی ہو، لوگ اپنے گھر کے اندر ظالم اور بے انصاف ہوں، بے رحم ہوں اور ایک دوسرے کے حقوق مارنے والے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی پوری تہذیب اور پورے تمدن کی عمارت انسانیت، شرافت اور اخلاق سے خالی ہوجائے گی کیونکہ جڑ اور بنیاد خراب ہوگی تو پھر بچا کیا!

عدل انفرادی و اجتماعی کے تصور کی تعلیم اور اہمیت قرآن حکیم کی نظر سے

ذرا سا غور کرنے پر بلکہ بلا غور وفکر بھی یہ حقیقت قطعی واضح ہے کہ نظام کائنات صرف اور صرف اللہ رب ذوالجلال کے مطلق عدل و انصاف کے طور پر قائم ہے۔قرآن خود اس امر کا اعادہ کرتا ہے کہ اللہ اپنی تمام مخلوقات پر اپنی حکمرانی مکمل انصاف اور کامل عدل کے ساتھ قائم فرمائے ہوئے ہے۔قرآن میں اللہ رب العزت کے ارشادات دیکھئے۔

۱)........ ترجمہ: ''....اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور اہل علم نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ انصاف کرنے والا ہے۔اس کے سوا کسی کی بندگی جائز نہیں وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے....'' (آل عمران: ۱۸)

اس آیت ربانی سے معلوم ہوا کہ عدل و انصاف صرف نظام حکومت وسلطنت کے برقرار رکھنے کے لئے ضروری نہیں بلکہ یہ وہ صفات ہیں جن کا ہر شعبہ میں ہونا ضروری ہے۔ ان کی اس اہمیت کے پیش نظر قرآن مجید نے جہاں دیگر اچھے اچھے کاموں کے احکامات بیان کئے ہیں وہاں سب سے پہلے عدل کا ذکر کیا ہے مثلاً یہ دیکھئے!

۲)........ ترجمہ: ''....بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے....'' (النحل: ۹۰)

معلوم ہوا کہ فلاح انسانیت کے لئے معاشرتی وعمرانی قانون کی بالا دستی، احترام اور عدل و انصاف کا قیام ناگزیر ہے۔ عام طور پر شاہی حکومتوں میں بادشاہوں اور شاہی خاندان کے افراد قانون سے بالاتر ہوتے تھے جب کہ رعایا کی ذرا سی بے ادبی وگستاخی بھی ناقابل معافی اور سخت ترین سزا کی مؤجب ہوتی تھی۔ اس کے برعکس دین اسلام نے صرف شریعت کی بالادستی قائم رکھی ہے۔ حاکم ومحکوم، امیر وغریب قانون کی نگاہ میں سب مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔

۳)........ ترجمہ: ''....اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے....'' (النساء: ۵۸)

بنی اسرائیل کی ایک بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ انصاف کی روح سے خالی ہوگئے تھے۔ وہ شخصی اور قومی اغراض کے لئے ایمان کو بالکل نگل جاتے تھے۔ انصاف کے گلے پر چھری پھیرنے میں انہیں ذرا تامل نہ ہوتا تھا۔اللہ ان کی اس بے انصافی

Marfat.com

پر تنبیہ کرنے کے بعد اب مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ تم کہیں ایسے بے انصاف نہ بن جانا خواہ کسی سے دوستی ہو یا دشمنی۔ ہر حال میں انصاف کی بات کہو۔ فیصلہ جب کرو عدل کے ساتھ کرو۔

۴)........ ترجمہ: ''....اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر اسی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ خداترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے ....'' (المائدہ:۸)

اللہ نے یہ فرمانے پر اکتفا نہیں کیا کہ انصاف کی روش پر چلو بلکہ یہ فرمایا کہ انصاف کے علم بردار بنو۔ تمہارا کام صرف انصاف کرنا نہیں ہے بلکہ انصاف کا پرچم لے کر اٹھنا ہے۔ تمہاری گواہی محض اللہ کے لئے ہونی چاہئے۔

۵)........ ترجمہ: ''....فیصلہ کرو تو ٹھیک انصاف کے ساتھ کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے....'' (مائدہ:۴۲)

اسلامی حکومت میں یہودیوں کے معاملات معاہدات پر مبنی ہوتے تھے۔ ان کے مقدمات کے فیصلے ان کے اپنے جج کرتے تھے لیکن یہ لوگ جن معاملات میں خود فیصلہ کرنا نہ چاہتے تھے تو ان کا فیصلہ کرانے کے لئے آپ ﷺ کے پاس اس اُمید پر آتے تھے کہ شاید آپ کی شریعت میں ان کے لیے کوئی دوسرا حکم ہو اور اس طرح وہ اپنے ہی قوانین سے بچ جائیں۔

۶)........ ترجمہ: ''....اے نبی ﷺ ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ جو راہ راست اللہ نے تمہیں دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ تم بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنو، اور اللہ سے درگزر کی درخواست کرو وہ بڑا درگزر کرنے والا اور رحیم ہے....'' (النساء:۱۰۶)

ایک قاضی کی حیثیت سے آپ ﷺ کا روداد کے مطابق فیصلہ کردینا خود آپ کے لیے کوئی گناہ نہ ہوتا اور ایسی صورتیں قاضیوں کو پیش آتی ہی رہتی ہیں کہ ان کے سامنے غلط روداد پیش کر کے حقیقت کے خلاف فیصلے حاصل کرلئے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انصاف کے معاملے میں کسی قسم کا تعصب نہ ہونا چاہیے۔ یہ ہرگز دیانت نہیں ہے کہ اپنے گروہ کا آدمی اگر برسر باطل ہو تو اس کی بے جا حمایت کی جائے اور اگر دوسرے گروہ کا آدمی ہو تو اس کے ساتھ بے انصافی کی جائے۔ جو شخص حاکم کو دھوکہ دے کر اپنے حق میں فیصلہ حاصل کرلیتا ہے وہ دراصل خود اپنے آپ کو اس غلط فہمی میں مبتلا کرتا ہے کہ ان تدبیروں سے حق اس کے ساتھ ہوگیا ہے۔ حالانکہ فی الواقع اللہ کے نزدیک حق جن کا ہے اسی کا رہتا ہے اور فریب خوردہ حاکم کے فیصلے سے حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ایک مقدمہ میں ایک مسلمان کے خلاف اور ایک بے گناہ یہودی کے حق میں آپ ﷺ نے فیصلہ صادر فرمایا تو اس منافق پر جاہلیت کا اس قدر سخت دورہ پڑا کہ وہ مدینہ سے نکل کر اسلام اور حضور ﷺ کے دشمنوں کے پاس مکہ چلا گیا اور کھلم کھلا مخالفت پر آمادہ ہوگیا۔ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔

۷)........ ترجمہ: ''....اے نبی تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے تھے کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو نازل کی گئی ہے تمہاری طرف مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لئے طاغوت کی طرف رجوع کریں حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا ہے....'' (النساء:۶۰)

Marfat.com

یہاں طاغوت سے مراد وہ حاکم ہے جو قانون الٰہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو اور وہ نظام عدالت ہے جو اللہ کے اقتدار اعلیٰ کا مطیع نہ ہو۔ قرآن کی رو سے اللہ پر ایمان اور طاغوت سے کفر دونوں لازم وملزوم ہیں۔ یہ منافقین کی عام روش تھی کہ جس مقدمے میں انہیں توقع ہوتی تھی کہ فیصلہ ان کے حق میں ہوگا تو اس کو آپ ﷺ کے پاس لے کر آتے تھے مگر جس میں اندیشہ ہوتا کہ فیصلہ ان کے خلاف ہوگا اس کو آپ کے پاس لانے سے انکار کر دیتے تھے۔

یہی حال اب بھی بہت سے منافقوں کا ہے کہ فیصلہ شریعت ان کے حق میں ہو تو سرآنکھوں پر ورنہ ہر اس قانون پر اس رسم ورواج اور ہر اس عدالت میں جائے پناہ لیں گے جس سے انہیں اپنے منشاء کے مطابق فیصلہ ہونے کی توقع ہو۔

۸)........ ترجمہ: ''...لہٰذا تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس سے منہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو...'' (مائدہ:۴۸)

۹)........ ترجمہ: ''...بس اے محمد تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو کہ یہ لوگ تم کو فتنے میں ڈال کر اس ہدایت سے ذرہ برابر منحرف نہ کرنے پائیں جو اللہ نے تمہاری طرف نازل کی ہے...'' (مائدہ:۴۹)

۱۰)........ ترجمہ: ''...اے رسول آپ فرماد یجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں...'' (الشوریٰ:۱۵)

مولانا مودودیؒ نے اپنی تفہیم میں لکھا ہے کہ اس جامع فقرے کے متعدد مطالب ہیں۔

☆ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ان ساری گروہ بندیوں سے الگ رہ کر بے لاگ انصاف پسندی اختیار کرنے پر مامور ہوں۔ میرا یہ کام نہیں کہ تعصب برتوں۔ میرا سب انسانوں سے یکساں تعلق ہے اور وہ ہے سراسر انصاف وعدل کا تعلق۔

☆ میں دنیا میں عدل قائم کرنے پر مامور ہوں۔ میرے سپرد یہ کام کیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے درمیان انصاف کروں اور ان بے اعتدالیوں اور بے انصافیوں کا خاتمہ کردوں جو تمہاری زندگیوں اور تمہارے معاشرے میں پائی جاتی ہیں۔

☆ میں جس حق کو تمہارے سامنے پیش کرنے پر مامور ہوں اس میں کسی کے لئے بھی کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اس میں اپنے اور غیر، بڑے اور چھوٹے، امیر اور غریب، شریف اور کمین کے لئے الگ الگ حقوق نہیں ہیں بلکہ جو کچھ ہے وہ سب کے لئے حق ہے۔ جو گناہ اور حرام ہے وہ سب کے لئے ہے۔ اس بے لاگ ضابطے میں خود میری اپنی ذات کے لئے بھی کوئی استثناء نہیں ہے۔

☆ ان کے علاوہ ایک مطلب جو ہجرت کے بعد واضح ہوا یہ ہے کہ میں خدا مقرر کیا ہوا قاضی اور جج ہوں۔ تمہارے درمیان انصاف قائم کرنا میری ذمہ داری ہے۔

۱۱)........ ترجمہ: ''...اور اگر اہل ایمان میں دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کرادو۔ پھر اگر ان میں سے ایک

Marfat.com

گروہ دوسرے گروہ سے زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر وہ پلٹ آئیں تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کرو اور اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں ....'' (الحجرات:۱۰)

مسلمانوں کا یہ کام نہیں کہ ان کی اپنی ملت کے دو گروہ جب آپس میں دست و گریبان ہوں اور وہ بیٹھے تماشہ دیکھ رہے ہوں بلکہ ایسی صورت میں انہیں بے چین اور متفکر ہوجانا چاہئے اور ان کے باہمی معاملات کی اصلاح کے لئے اپنی سعی مشکور کرنی چاہئے۔ اگر صلح و آشتی کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں تو پھر جو حق پر ہے اس کا ساتھ دیا جائے اور جو زیادتی کرنے والا ہو اس سے لڑیں۔ اس حکم کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو طاقت استعمال کر کے زیادتی و ناانصافی کا ازالہ کرنے پر قدرت رکھتے ہوں۔ قرآن و سنت کی رو سے جو بات حق ہو اسے اگر یہ باغی گروہ قبول کرنے پر آمادہ ہوجائے اور جو طرز عمل اس میزان حق کی رو سے زیادتی قرار پاتا ہے اس کو چھوڑ دے تو اس کے خلاف طاقت کا استعمال بند کر دینا چاہئے کیوں کہ یہی قتال کا مقصد اور اس کی آخری حد ہے۔ آیت مذکورہ کے مطابق محض صلح کرا دینے کا حکم نہیں ہے بلکہ عدل و انصاف کے ساتھ صلح کرانے کا حکم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی نگاہ میں وہ صلح کوئی قابل قدر چیز نہیں ہے جو حق و باطل کو نظر انداز کر کے فقط لڑائی روکنے کے لئے کرائی جائے۔ صلح وہی صحیح ہے جو انصاف کی عکاس ہو۔ یہ آیت مسلمانوں کی باہمی جنگ کے بارے میں شرعی قانون کی اصل بنیاد فراہم کرتی ہے۔

۱۲)........ ترجمہ: ''....آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان قائم کردی۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ تم میزان میں خلل نہ ڈالو۔ انصاف کے ساتھ ٹھیک تو لو اور مقدار میں ڈنڈی نہ مارو ....'' (الرحمان:۹)

تقریبا تمام مفسرین نے اس آیت کریم میں لفظ ''میزان'' کو ''عدل'' کا قائم مقام ٹھہرایا ہے اور صراحت کی ہے کہ اللہ نے کائنات کے اس پورے نظام کو ''عدل'' پر قائم فرمایا ہے۔ بے حد و حساب تارے اور سیارے جو فضا میں گھوم رہے ہیں۔ یہ عظیم الشان قوتیں جو اس عالم رنگ و بو میں کام کر رہی ہیں اور یہ لاتعداد مخلوقات اور اشیاء جو اس جہان میں پائی جاتی ہیں۔ ان سب کے درمیان اگر کمال درجے کا عدل و توازن نہ قائم کیا گیا ہوتا تو یہ بارگاہ ہستی ایک لمحہ کے لئے بھی نہ چل سکتی تھی۔ خود اس زمین پر کروڑوں سال سے ہوا، پانی اور خشکی میں جو مخلوقات موجود ہیں ان ہی کو دیکھ لیجئے کہ ان کی زندگیاں اس لئے برقرار ہیں کہ ان کے اسباب حیات میں پورا پورا عدل اور توازن پایا جاتا ہے۔

اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ چونکہ تم ایک متوازن کائنات میں رہتے ہو جس کا سارا نظام عدل پر قائم کیا گیا ہے اس لئے تمہیں بھی عدل پر قائم ہونا چاہئے۔ جن دائرے میں تمہیں اختیار دیا گیا ہے اس میں اگر تم بے انصافی کرو گے اور جن جن حقداروں کے حقوق تمہارے پاس ہیں اگر تم ان کے حق پامال کرو گے تو یہ فطرت کائنات سے تمہاری بغاوت ہوگی۔ یہ قرآن مجید کی تعلیم کا دوسرا اہم حصہ ہے جو اس میں بیان ہوا ہے۔ قرآن کی پہلی تعلیم توحید ہے اور دوسری عدل۔

۱۳)........ ترجمہ: ''.... (اے حبیب) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہوسکتے جب تک یہ اپنے تنازعات میں آپ کو حاکم نہ بنائیں اور آپ کے کیئے ہوئے فیصلہ کو دل و جان سے تسلیم نہ کریں....'' (النساء: ۶۵)

Marfat.com

ایک مرتبہ آپ ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو ایک شخص نے کہا یا محمد ﷺ مال کی تقسیم عدل وانصاف سے کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہوا۔ اگر میں عدل نہیں کروں گا تو دوسرا کون کرے گا۔

۱۴)........ ترجمہ: ''....انصاف پر قائم رہو اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو چاہے وہ تمہارے اپنے خلاف یا والدین اور عزیزوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو....'' (النساء: ۱۳۵)

۱۵)........ ترجمہ: ''....عطا کردہ بصیرت کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں....'' (النساء ۱۰۵)

۱۶)........ ترجمہ: ''....اور جب کچھ کہو تو انصاف سے کہو خواہ یہ بات تمہارے کسی قریبی عزیز سے متعلق ہو....'' (الانعام: ۱۵۲)

۱۷)........ ترجمہ: ''....اور کسی مومن مرد و عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرما دے تو پھر ان کا اپنے معاملے میں کچھ اختیار رہ جائے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی وہ صریح گمراہی میں جا پڑا....'' (الاحزاب: ۳۶)

مطلق شارع، سراپا عادل و منصف اور حاکم صرف اللہ

اسلام ایک نظام حیات ہے اللہ رب ذوالجلال شارع ہے۔ وہ عبادات کا بھی حکم دیتا ہے اور معاشرتی قوانین کا بھی۔ وہ معاشی ضابطوں کا اعلان بھی کرتا ہے اور اخلاقیات کی تعلیم بھی دیتا ہے اور وہ ایک مضبوط اجتماعیت پر مبنی ریاست کا حکم بھی دیتا ہے جہاں اسلام کا نظام عدل رائج اور قائم ہو۔ اللہ ایسا حاکم ہے جس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے وہ ایسا مدبر ہے جو اپنی حکمت اور دانائی کو اپنی قدرت اور طاقت سے دنیا میں نافذ کر کے رہتا ہے۔ جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں قرآن نے ایسے لوگوں کو فاسق اور ظالم بھی کہا ہے۔

- o...... اللہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (الاعراف، ۸۷:۷)
- o...... کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے۔ (التین: ۸:۹۵)
- o...... اللہ حکومت کر رہا ہے۔ کوئی اس کے فیصلوں پر نظر ثانی کرنے والا نہیں ہے اسے حساب لینے میں کچھ دیر نہیں لگتی۔ (الرعد، ۴۱:۱۳)
- o...... اللہ پر یقین رکھنے والوں کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے۔ (المائدہ، ۵۰:۵)
- o...... وہ اپنی حکومت اور اپنے احکام حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ (الکہف ۲۶:۱۸)
- o...... اللہ ہی اصل شارع ہے صرف اسی کے فیصلے حق پر مبنی ہوتے ہیں وہی امر حق بیان کرتا ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ (الانعام، ۵۷:۶)
- o...... آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا وہی مالک ہے۔ (الزمر: ۴۴:۳۰)
- o...... بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں (وہ تنہا حکومت کر رہا ہے)۔ (الفرقان، ۲:۲۵)

اور پھر رسول ﷺ بھی منصب عدالت پر فائز

حقیقی اور مطلق شارع و سراپا عادل و منصف تو اللہ ہی ہے تاہم اس نے اپنے آخری رسول کو بھی اپنی عطا کردہ

Marfat.com

شریعت کے مطابق عدل و انصاف کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

o...... اور (اے نبی ﷺ!) فیصلہ کرو تو ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ کرو۔ (المائدہ ۵:۴۲)

o...... جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ (النساء ۴: ۵۸)

o...... اے نبی آپ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق معاملات کا فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ (المائدہ، ۵: ۴۹)

o...... لہٰذا آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت کریں اور خواہش نفس کو خاطر میں نہ لائیں۔ (ص، ۳۸:۲۶)

شریعت کے مطابق عدل نہ کرنے والے کافر، ظالم اور فاسق ہیں

قرآن وسنت کے مطابق عدل وانصاف کی پاسداری نہ کرنے والوں کو اللہ نے الکافرون، الظالمون اور الفاسقون کے لفظوں سے ملعون معتوب فرمایا ہے اور اس مضمون کی آیات سورہ مائدہ اور سورہ النساء میں موجود ہیں کہ

''.... جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر، ظالم اور فاسق ہیں....''

عدل وانصاف کی بالادستی اور اجتہاد

فقہائے اُمت، علمائے ملت اور ماہرین قانون شریعت اسلامی، ذیلی اور فروعی امور میں قرآن وسنت کے سائے تلے مسائل کے حل کے لئے اجتہاد کے ذریعہ قانون سازی کرسکتے ہیں کہ آج کے عالمگیر عصری حالات و تناظر میں اس کی بے حد ضرورت ہے لیکن اس کے لئے حسب ذیل تین رہنما اصول پیش نظر ہونا ضروری ہیں۔

۱) اجتہاد کسی بھی قرآنی نص کے خلاف نہ ہو۔

۲) اجتہاد کسی حدیث، متواتر اور حدیث صحیح کے خلاف نہ ہو۔

۳) اجتہاد اجماع امت کے خلاف نہ ہو۔ (ترجمان القرآن، اکتوبر ۲۰۰۷، ص ۴۹)

اجتماعی عدل وانصاف O صراحتیں اور تمثیلات وتعلیمات نبوی ﷺ

ذیل میں چند ممتاز ارباب فکر و دانش کے دینی تحقیقی وفکری مقالہ جات سے اقتباسات پیش کر رہا ہوں جس کی روشنی میں موضوع کی وسعت، اہمیت، مرکزیت، جامعیت، صراحت سمٹ کر نکھر گئی ہے گویا موضوع کا دریا کوزے میں بند ہوگیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے!

☆...... تہذیب و ادب کی نابغہ روزگار شخصیت حکیم محمد سعید اپنے ایک مضمون میں عدل و انصاف کو اس طرح موضوع بناتے ہیں۔ اللہ کے سارے نبی دنیا میں عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے آئے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ بھی عدل وانصاف والے نظام زندگی کو مکمل کرنے کے لے تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے انصاف کی صرف تاکید ہی نہیں کی بلکہ اس کے عملی نمونے بھی پیش کیے۔ آپ کسی معاملے میں جانب داری نہ برتتے، اس لئے لوگوں کو بھی آپ ﷺ پر پورا پورا اعتماد تھا۔ چنانچہ نبوت سے پہلے مکے کے لوگوں میں اختلاف ہوجاتا تو آپ ﷺ ثالث مقرر کیے جاتے۔ لوگ آپ کے فیصلے کی پابندی کرتے اور اسے دل وجان سے قبول کرلیتے۔ مکے والوں نے جب خانہ کعبہ کی نئی تعمیر کی تو حجرا سود (جو ایک برکت والا پتھر ہے) کو اس کی جگہ پر

Marfat.com

رکھنے میں اختلاف ہوا۔ ہر سردار اس بات کا خواہش مند تھا کہ یہ سعادت اسے حاصل ہوا۔ آخر ہمارے حضورﷺ ثالث مقرر ہوئے۔ آپﷺ نے ایک چادر میں حجرا سود رکھا اور اس کے کونے سرداروں سے پکڑوا کر حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ آپﷺ کے اس منصفانہ اور عقل مندانہ فیصلے کی سب نے تعریف کی۔

نبی ہونے کے بعد کا واقعہ ہے کہ مدینے میں ایک مال دار عورت سے چوری کا جرم سرزد ہوا۔ آپﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ سفارش کے لئے آپﷺ کے پاس کئی امیر لوگ آئے مگر آپﷺ نے کسی کی سفارش قبول نہ کی۔ آپﷺ نے بڑے جلال کے ساتھ فرمایا، ''لوگو! تم سے پہلے قومیں اسی لئے تباہ ہوگئیں کہ جب ان میں سے کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے سزا نہ دی جاتی۔ خدا گواہ ہے کہ اگر محمد کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹا جاتا۔'' آپﷺ قانون میں اپنے اور بیگانے کا کوئی فرق نہ کرتے۔ آپﷺ نے یہ ثابت کردیا کہ اللہ کا قانون سب کے لئے یکساں ہے اور دنیا میں امن قائم کرنے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ بلا فرق و امتیاز اس کا مکمل قانون نافذ ہو اور ہر فرد کو اس کا حق ملے۔ کسی کو اس وجہ سے محروم نہ رکھا جائے کہ وہ کمزور طبقے کا ہے۔ (سب سے بڑے انسان، ص۱۱)

☆...... سید عزیز الرحمان نے اپنی کتاب ''درس سیرت'' میں عدل کے مفہوم اور اہمیت پر اس طرح روشنی ڈالی ہے کہ حضرت صخرؓ ایک عرب سردار ہیں، جب غزوۂ طائف ہوا تو اہل طائف کو مصالحت پر آمادہ کرنے میں انہی کاوشوں کا دخل تھا، ان کا یہ کارنامہ عہد نبوی کے اہم کارناموں میں سے ایک ہے، اس اعتبار سے وہ خصوصی اعزاز کے مستحق تھے لیکن ایک مرتبہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے آنحضرتﷺ کے پاس شکایت کی کہ ان کی پھوپھی حضرت صخرؓ کے قبضے میں ہیں، رسول اللہ نے یہ شکایت سن کر فیصلہ فرمایا کہ انہیں نہ صرف چھوڑ دیں بلکہ انہیں ان کے گھر پہنچا کر آئیں، اس واقعے کے بعد بنو سلیم حضرت صخرؓ کے بارے میں ایک اور شکایت لے کر آگئے، شکایت یہ تھی کہ جس زمانے میں وہ ایمان نہ لائے تھے حضرت صخرؓ نے ان کے پانی کے چشمے پر قبضہ کرلیا تھا اور اب چونکہ وہ اسلام لے آئے ہیں اس لئے ان کا چشمہ انہیں لوٹا دیا جائے، یہ شکایت معقول تھی اور مبنی بر حقیقت بھی، اس لیے نبی رحمتﷺ نے بنو سلیم کے حق میں فیصلہ فرمادیا اور حضرت صخرؓ کو بلا کر فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کرلیتی ہے تو وہ اپنے مال اور جان کی مالک ہوجاتی ہے، اس لئے ان کا چشمہ انہیں واپس کردیا جائے۔

آنحضرتﷺ کے دونوں فیصلے اگرچہ حضرت صخرؓ کے خلاف ہوئے مگر انہوں نے بغیر کسی تذبذب کے دونوں کو قبول کرلیا، مگر جب انہوں نے دونوں فیصلے قبول کرلئے تو شرم کی وجہ سے آنحضورﷺ کا چہرۂ انور سرخ ہوگیا۔ کیونکہ حضرت صخرؓ اپنی سابقہ خدمات کی وجہ سے خصوصی رعایت اور امتیازی سلوک کے مستحق تھے، نہ کہ مقدمات میں مسلسل ان کے خلاف فیصلہ کیا جاتا، آپﷺ نے اسی بنا پر شرم محسوس کی کہ وہ اسلامی حکومت کے لئے اس قدر اہم خدمت انجام دینے کے باوجود کسی اعزاز سے نوازے نہ جاسکے، الٹا انہیں اپنے خلاف دو فیصلوں کو قبول کرنا پڑا۔

یہ واقعہ ہمارے لیے ایک اہم درس کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس میں عدل وانصاف کا وہ بلند معیار پیش کیا گیا ہے جس کی مثال آج کی ہماری دنیا میں نظر آنا عملاً ناممکن ہوگئی ہے، غیر مسلموں سے تو کوئی شکایت نہیں کہ وہ ہمارے مخاطب ہی نہیں، بات تو ان کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اللہ کے رسولﷺ کو بھی ماننے کا دعویٰ رکھتے ہیں اور آپﷺ کے اسوۂ

Marfat.com

حسنہ کو اٹھتے بیٹھتے اپنانے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی باتیں بھی کرتے ہیں، لیکن جب عمل کا مرحلہ آتا ہے تو ہم ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے بجائے ایک دوسرے سے پیچھے ہٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس واقعے میں حضرت صخرؓ کا عمل بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہے، انہوں نے اپنی سابقہ امتیازی حیثیت کو اپنے لئے کمزوری نہیں بنایا بلکہ شریعت کے فیصلے کو دل وجان سے قبول کرلیا، اگرچہ اس میں انہیں وقتی طور پر پسپائی اختیار کرنی پڑی کہ دونوں فیصلے واضح طور پر ان کے خلاف جارہے تھے، لیکن ان کو یہ فیصلہ قبول کرنے میں کسی تذبذب کا شکار نہیں ہونا پڑا، یہ ان کے کامل ایمان کی واضح نشانی تھی، انہوں نے یہ فیصلے قبول کر کے اسلامی ریاست کو آزمائش سے بھی بچالیا جس سے وہ ان کے فیصلے قبول نہ کرنے کی صورت میں دوچار ہوسکتی تھی۔

درحقیقت انصاف اور عدل کا یہ سب سے مشکل مرحلہ ہے، یعنی اپنے خلاف ہونے والے عدل کو بہ خوشی برداشت و قبول کرنا، ورنہ مزاجاً اور طبعاً ہم صرف اس عدل کو عدل وانصاف تصور کرتے ہیں جس کے نتیجے میں مکمل طور پر ہمیں فوائد حاصل ہوں اور جس عدل میں ہم پر تھوڑی سی زد بھی پڑتی ہو وہ ہمارے لئے نہ صرف قابل قبول نہیں ہوتا بلکہ وہ ہمارے نظر میں عدل کی تعریف پر بھی پورا نہیں اترتا۔

درحقیقت آنحضرت ﷺ نے جس عدل وانصاف کی ہمیں تلقین فرمائی ہے اس کا آغاز ہی اپنی ذات سے ہوتا ہے، اسلام کی نظر میں عدل و انصاف کے معاملے میں کسی کو بھی استثنائی امتیاز حاصل نہیں، خود رسول اکرم ﷺ اپنی ذات پر بھی قوانین انصاف کا اطلاق اسی طرح فرماتے تھے جیسا کہ دیگر مسلمانوں اور غیر مسلم رعایا پر کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ مال غنیمت کی تقسیم کے دوران ایک شخص آپ ﷺ کے قریب ہوگیا جس کے نتیجے میں آپ ﷺ کے نیزے سے اسے زخم آگیا اور اس کا چہرہ زخمی ہوگیا، آپ ﷺ نے اسے بدلہ لینے کی فوراً پیشکش کردی، اگرچہ اس نے معاف کردیا، مگر آپ ﷺ نے اپنے آپ کو اس سے مستثنیٰ نہیں سمجھا، اس طرح اس دنیا سے پردہ فرمانے سے قبل آنحضرت ﷺ نے متعدد بار مجمع عام میں یہ اعلان فرمایا کہ اگر کسی کا کوئی حق یا رقم وغیرہ میرے ذمے ہے تو وہ حاصل کرلے یا معاف کردے، اس کے جواب میں صرف ایک شخص نے محض چند درہموں کا ذکر کیا جس کی ادیگی کے لیے آپ ﷺ نے حضرت فضل بن عباسؓ کو حکم دیا جنہوں نے فوراً ادائیگی کردی۔

یہ واقعات عام نوعیت کے نہیں ہیں، اگرچہ ہم انہیں پڑھتے ہیں مگر سرسری انداز میں اور پڑھ کر آگے بڑھ جاتے ہیں لیکن ان میں ہمارے لئے جو سبق پوشیدہ ہے جو درس عمل مضمر ہے، وہی ہماری توجہ کی اصل چیز ہے، اسی کو ہم نے حرزِ جاں بنانا ہے وہ یہ ہے کہ عدل وانصاف کو کس طرح ہماری زندگیوں کا عملی طور پر حصہ بنایا جاسکتا ہے؟

ایک جانب آپ ﷺ کی حیثیت کو نظر میں رکھیں، دوسری جانب آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہ کا تصور کریں، پھر آپ ﷺ سے منسوب ان واقعات پر غور کریں، اگر آپ ﷺ ان واقعات میں اپنی ذات کا عدل و انصاف کے مروجہ قوانین سے استثنا فرمالیتے تو کیا کسی جانب سے آپ کی تردید کی صدا بلند ہونے کا امکان تھا؟ یقیناً نہیں بلکہ بعد میں بھی اگر کبھی ایسا موقع پیش آیا اور کسی نے آپ ﷺ کے سامنے ایسی کوئی جسارت کی بھی تو اس میں بھی خود آپ ﷺ کی دی ہوئی تعلیمات کا ہی دخل تھا۔ یہ بات آپ ﷺ کے اس طرزِ عمل کی اہمیت اور قدر وقیمت کو اور بڑھادیتی ہے، اگر ہم اس پر غور کرنے کی کوشش کریں۔

Marfat.com

اگرچہ ان میں بہت سے واقعات ایسے ہیں جن کا تعلق امور حکومت وقوانین ریاست سے ہے اور ان سے حاصل ہونے والے سبق کا تعلق بھی حکومت وریاست کے ذمے داروں سے ہے، ہم جیسا ایک عام شخص یہ سوچ سکتا ہے کہ یہ سب تو ہمارے دائرہ اختیار ہی میں نہیں آتا، یہ بات اگر درست بھی ہو تو کس حد تک ہی درست ہوگی، کیونکہ ان واقعات اور رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے عدل و انصاف کا جو درس ہمیں مل رہا ہے، وہ محض انصاف کا ہے، اس کی کسی خاص صورت کا نہیں، ہم اپنی زندگیوں کا سنجیدگی اور خود احتسابی کی نظر سے جائزہ لیں تو یقیناً یہ حقیقت ہمارے سامنے آئے گی کہ دن رات میں بہت سے مواقع ایسے ہمیں پیش آتے ہیں جب ہم اسوۂ حسنہ کے اس پہلو پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔(درس سیرت، ص ۱۱۸ تا ۱۲۱)

پروفیسر غلام محمد جعفر رقم طراز ہیں کہ اسلام اور ایمان لوگوں کو سلامتی اور امن کی ضمانت فراہم کرتا ہے آج دنیا کے نقشہ پر بہت سی اقوام بستی ہیں۔ ہر قوم کا مذہب اور تہذیب جدا جدا ہے۔ دنیا کو پر امن اور دار الامن بنانے کے لئے لازم ہے کہ دنیا کے انسانوں کے مابین بلا لحاظ رنگ ونسل، مذہب وعقیدہ، علاقہ وقوم، ہم آہنگی اور یگانگت پیدا کی جائے۔ ہر ایک انسان کو اس کے اپنے عقیدہ اور مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کا حق دیا جائے۔ احترام آدمیت کو یقینی بنایا جائے انسانوں کے مابین مساوات اور اخوت کا رشتہ قائم کیا جائے۔ عدل و انصاف کو ہر حالت میں قائم کیا جائے انسان کے بنیادی حقوق کی پاسداری کی جائے۔ اس طرح انسان انسان کے ہاتھوں محفوظ و مامون رہے گا۔ انسانیت کی بقاء و ترقی عالمگیر معاشرہ اور عالمگیر تہذیب پر مبنی ہے۔ عالمگیر معاشرہ کا تصور قرآن مجید کے آفاقی تصور عدل کے بغیر ممکن نہیں اور عالمگیر تہذیب کا قصر رفیع اس وقت تک معرض و جود میں نہیں آ سکتا جب تک قرآن کے آفاقی تصورات یعنی عدل، مساوات، رواداری، احترام انسانیت اور اخلاق حسنہ کو انسانیت اپنا نہیں لیتی۔ ان تصورات کو عملی جامہ پہنانے سے ایسی تہذیب معرض و جود میں آئے گی جو خادم انسانیت ہوگی۔ جس میں ہر انسان کے حقوق محفوظ ہوں گے اور ہر ایک انسان کو عقیدہ و مذہب کی آزادی حاصل ہوگی اور ہر ایک انسان کو اپنی صلاحیت کے مطابق آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے یکساں مواقع حاصل ہوں گے۔

ایسی تہذیب جو انسانیت کی خادم ہو جس کی چھتری کے نیچے انسانیت کو امن نصیب ہو۔ دنیا کے انسانوں کے مابین نفرت کی بجائے محبت کو پروان چڑھائے۔ جس میں عدل و انصاف کا بول بالا ہو جس میں انسانی حقوق محفوظ ہوں۔ ہر کسی کو اپنے مذہب اور عقیدہ کے مطابق زندگی گزارنے کی آزادی حاصل ہو۔ وہ تہذیب صرف اور صرف آنحضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کی پیروی اور دین اسلام کی لائی ہوئی تعلیمات کی پیروی سے وجود میں آسکتی ہے اور یہ تہذیب آفاقی، عالمگیر اور ساری انسانیت کی خادم تہذیب ہوگی۔ آنحضور اکرم ﷺ سے قبل جتنے بھی انبیاء کرام اس دنیا میں مبعوث کیے گئے۔ ان کی نبوت خاص وقت اور خاص اقوام کے لیے تھی۔ (مقالات سیرت، وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان اسلام آباد، ۲۰۰۹، ص ۸۲، ۸۳)۔

محترمہ سعدیہ ہاشمی (مانسہرہ) اپنے ایک مقالہ میں تحریر کرتی ہیں کہ اسلامی تہذیب نے عدل و انصاف کی ایسی مشعلیں روشن کیں کہ جن سے تاریخ عالم انگشت بدنداں ہے۔ مؤرخین نے اعتراف کیا کہ انسانوں کو قانون اور انصاف کا راستہ صرف اسلامی تہذیب نے سکھایا، عدل وانصاف اسلامی تہذیب کا زرین تاج ہے۔ یہ تاج پوری طرح آب وتاب دکھا رہا ہے۔ حضور ﷺ عادل اعظم تھے۔ آفتاب عدل تھے۔ اندلس کی اسلامی تہذیب کے اثرات یورپ پہنچے تو انہوں نے ان کے عدل وانصاف

Marfat.com

کے فیصلوں سے خوشنما اثرات لیے۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ نے سینوں میں خدا اور رسول ﷺ سے عشق ومحبت کی ایسی بھٹی شعلہ زن کی تھی جس میں وقتی مصلحت وخود غرضی کا ہر شائبہ جل کر خاکستر ہوگیا تھا۔ آپ ﷺ نے اسلامی افکار وعقائد کو دلوں میں اس طرح راسخ کیا تھا کہ کسی بھی غیر اسلامی تصور کے ابھرنے کی گنجائش باقی نہ رہ گئی تھی۔ اگر حضور ﷺ کی دعوت آپ ﷺ کا پیغام صرف آپ ﷺ کی زبان کی حد تک رہتا تو یہ دعوت تمام تر خوبیوں کے باوجود دھوئیں کے مرغولوں کی طرح ہوا میں تحلیل ہوگئی ہوتی۔ اسے پانی کے بلبلوں اور سمندر کے جھاگوں سے زیادہ ثبات و دوام حاصل نہ ہوتا اگر لوگ حضور ﷺ کے قول وعمل میں ذرا سا بھی تضاد دیکھتے تو وہ پروانہ وار آپ ﷺ پر نچھاور نہ ہوتے۔ مگر انہوں نے دیکھا کہ اللہ کے یہ رسول ﷺ جو بھی لفظ زبان سے ادا فرماتے ہیں اُن کی زندگی خود اس کی آئینہ دار ہے آپ ﷺ کے قول وعمل کی یکسانیت وہ قوت محرکہ تھی جس نے صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں عظیم انقلاب برپا کردیا۔ آپ ﷺ کی زندگی کی ایک جھلک دیکھنے والا بے ساختہ پکار اٹھتا تھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

آپ ﷺ سخی اتنے کہ اپنا کھانا بھوکوں کو کھلا کر خود کئی کئی دن تک بھوکے رہتے۔ حضرت انسؓ اس بات کی گواہی پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ سے جب کوئی چیز طلب کی گئی تو آپ ﷺ کی زبان سے نہ نہیں سنی۔ ایک بار ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا دست سوال دراز کیا آپ ﷺ نے اس کو بے شمار بکریاں دیں اس نے اپنی قوم میں واپس جاکر کہا کہ ''تم سب لوگ اسلام قبول کرلو کیوں کہ محمد ﷺ اتنا عطا کرتے ہیں کہ پھر فقر وفاقہ کا کوئی ڈر نہیں رہتا۔'' آپ ﷺ بحیثیت انسان، انسان کی فلاح کے لیے اٹھے ہیں اسی چیز نے آپ ﷺ کی طرف ہر قوم کے انسانوں کو کھینچا اگر آپ ﷺ قریش کے اقتدار کے لئے بے چین ہوتے تو غیر قریشی عربوں کو کیا پڑی تھی کہ اس کام میں شریک ہوتے اگر آپ ﷺ عربی کی برتری کے لیے اٹھتے تو حبش کے بلالؓ، روم کے صہیبؓ اور فارس کے سلمانؓ کو کیا پڑی تھی کہ اس کام میں آپ ﷺ کا ساتھ دیتے؟ دراصل جس چیز نے سب کو کھینچا وہ خالص خدا پرستی تھی مکہ سے جب ہجرت کرنی پڑی تو دشمنوں کی امانتیں جو آپ ﷺ کے پاس تھیں حضرت علیؓ کے سپرد کرکے نکلے۔ خدا پرست نے اپنے جان کے دشمنوں کا مال پہنچانے کی کوشش کی۔ آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا آپ ﷺ خاتم النبین ہیں آپ کے بعد نہ کوئی نبی آیا ہے نہ آئے گا آپ ﷺ کی نبوت ابد تک کے لئے ہے یہ نبوت نہ صرف عرب کے لئے ہے بلکہ سارے عالم کے لئے ہے۔ (مقالات سیرت وزارت مذہبی امور، ۲۰۰۹ء ص ۵۵۹)

دربارِ رسول ﷺ کے فیصلے ایک نظر میں

اس مقالہ کے لیے وقیع مواد کی تلاش وجستجو کے دوران مجھے حسرت موہانی میموریل لائبریری شمالی ناظم آباد کراچی سے ایک نادر و نایاب کتاب کے حصول کی سعادت حاصل ہوئی۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس سے استفادہ پیش کرنے سے قبل یہاں اس کا مختصر سا تعارف بھی محفوظ کردوں۔ مکمل کتاب دوسو صفحات پر مشتمل ہے اس کے صفحہ نمبر۲ پر اندورنی سرورق یوں سامنے آتا ہے۔

Marfat.com

دربار رسول کے فیصلے

یعنی

مقدمات وخصومات کے وہ فیصلے جو حضور نے خود صادر فرمائے

مترجمہ

ابوالعرفان حکیم محمد عبدالرشید نقشبندی

ناشر

اقبال اکیڈمی: ظفر منزل، تاج پورہ، لاہور

قیمت: مجلد چار روپے / قیمت غیر مجلد تین روپے آٹھ آنے

صفحہ ۳ تا ۵ فہرست مضامین ہے۔ یہی فہرست میں بعنوان ''دربار رسول ﷺ کے فیصلے ایک نظر میں'' پیش کر رہا ہوں۔ یہ فہرست ہی اس قدر جامع ہے کہ پوری کتاب کا خاکہ اور مضمون خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ صفحہ نمبر ۵ پر طبع دوم جون ۱۹۴۴ء، تعداد ایک ہزار کی عبارت بھی درج ہے۔ صفحہ ۶ خالی ہے۔ صفحہ ۷ پر مترجم حکیم رشید نقشبندی نے اپنے ''عرض حال'' میں بتایا ہے کہ اصل کتاب ''اقضیۃ الرسول'' کے نام سے عربی زبان میں ہے جس میں مصنف نے آنحضرت ﷺ کے قریب قریب وہ تمام فیصلہ جات درج کر دیے ہیں۔ جو آپ نے اپنے زمانہ حیات میں صادر فرمائے تھے۔ ملک بھر کے اچھے رسائل میں اس کتاب پر نہایت حوصلہ افزاء ریویو لکھے گئے۔ صفحہ ۸ پر موجود علامہ سید سلمان ندوی کے دیباچہ کہا گیا ہے کہ یہ عربی کتاب مصر میں شائع ہوئی ہے۔ مترجم نے اسے بڑی محنت سے اردو میں منتقل کیا ہے۔ صفحہ ۹ اور ۱۰ پر کتاب کے عربی متن کے مؤلف عبداللہ محمد بن فرج المالکی کی تحریر کا ترجمہ ہے کچھ حصہ ملاحظہ کیجئے۔

یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں ان شاء اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ کے وہ فیصلہ جات بیان کرونگا جو مجھ تک پہنچے ہیں خواہ یہ فیصلہ جات ان مقدمات سے متعلق ہوں جن کو حضور نے خود طے فرمایا اور خواہ وہ ہوں جن میں فیصلے دیئے جانے کا حکم دیا ہو۔ اسلامی شریعت کی رو سے جس شخص کے سپرد لوگوں کے مقدمات طے کرنے کا کام ہو اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس حکم کے سوا کوئی فیصلہ دے جو اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں بیان فرمادیا ہے یا جس کے مطابق رسول ﷺ کا فیصلہ فرمانا ثابت ہو چکا ہو۔

قاضی کے اوصاف:

امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعیؒ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی حاکم کے لئے لوگوں میں مقدمات کا فیصلہ کرنا جائز نہیں تھا تاوقتیکہ وہ حدیث وفقہ دونوں کا عالم نہ ہو اور اس کی عقل ودانائی اور زہد وتقویٰ مسلمہ نہ ہو۔ امام مالکؒ فرمایا کرتے

Marfat.com

تھے کہ منصب قضا کا اہل ہونے کے لئے بعض اوصاف کی ضرورت ہے۔ آج میں وہ تمام ترکسی میں نہیں دیکھتا تاہم اگر ان میں سے یہ دو صفات بھی کسی میں موجود ہوں تو میری رائے میں اس کو منصب قضا پر مقرر کیا جاسکتا ہے: ''اول علم، دوم پرہیزگاری''۔

''دربارِ رسول ﷺ کے فیصلے ایک نظر میں'' کی فہرست مضامین

☆ یہود پر زنا میں رجم کا حکم
☆ قیدیوں کے بارے میں حکم
☆ سرداران یہود کا حشر
☆ کفار کے ساتھ صلح کرنے کا مسئلہ
☆ اہل بدر کی تعداد
☆ مال غنیمت کی تقسیم
☆ انفال کا ذکر
☆ فتح مکہ کے وقت امن دینے کے متعلق
☆ مشرکین کی امانتیں
☆ خیبر کے مال غنیمت کی تقسیم
☆ اجر و برکت کی ایک مثال
☆ عورت کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہے
☆ مہر کے بارے میں حکم
☆ متعہ کے بارے میں حکم
☆ بیویوں کی باریوں کے متعلق تصریح
☆ حائضہ کی طلاق کے بارے میں
☆ بیع سلم، ربا اور پیوند کیے ہوئے نخل کی بیع
☆ مشتری کے افلاس کا حکم
☆ پیداوار کی آفات کے بارے میں
☆ بیع اور شرط کے بارے میں
☆ حلف اٹھانے والے کے بارے میں
☆ تین سے کم طلاقیں
☆ جاسوس کے بارے میں حکم
☆ نماز قصر کرنے کا حکم
☆ جنگ احزاب اور بنی غطفان
☆ مال غنیمت کے حصوں کے متعلق
☆ سوداگروں کو پہلے جا ملنے اور زیادہ دودھ دکھلانے کی غرض سے جانور کو کئی دن تک نہ دوہنے کے بارے میں
☆ غائب کا حصہ
☆ بنی قریظہ اور بنی نضیر کے بارے میں حکم
☆ شادی شدہ زانی کے بارے میں فیصلہ
☆ بنی نضیر کے اموال اور خیبر کی تقسیم کے متعلق
☆ ایک معجزہ
☆ جزیہ کا حکم
☆ شوہر اور بیوی میں کام تقسیم
☆ آتش پرست کا اسلام لانا
☆ ام المومنین حضرت میمونہؓ کے نکاح کا واقعہ
☆ رضاع کے بارے میں ایک عورت کی شہادت
☆ قرء سے مراد حیض ہے یا طہر
☆ خلع کے بارے میں حکم
☆ سرقہ کا مال
☆ جس کو خرید و فروخت میں دھوکا دیا جاسکے
☆ شہادت کے مسائل
☆ حضرت علیؓ کو ایک حکم
☆ اظہار کے بارے میں حکم

Marfat.com

☆ لعان کی تصریح
☆ بے آباد اراضی کو آباد کرنا
☆ تقسیم اور مشترکہ کاشتکاری
☆ وصیت اور اس کی تعداد
☆ صدقہ، ہبہ اور ان کا ثواب
☆ مشتبہات میں حکم
☆ غلاموں کو آزاد کرنا
☆ ودائع اور امانات کے بارے میں
☆ اسلام میں تقسیم وراثت کا پہلا واقعہ
☆ دادیوں نانیوں کا حصہ
☆ ماموں کا ورثہ
☆ حرامی بچہ کے بارے میں
☆ ذوی الارحام کی میراث کے بارے میں
☆ مسلمان کی وصیت جس پر نصرانی شاہد ہو
☆ کتوں کے بارے میں حکم
☆ رسول اللہ ﷺ کا حکم مختلف امور میں
☆ باپ کی جلاوطنی اور واپسی
☆ آگ کے ساتھ جاندار کو ہلاک کرنے کی نہی
☆ رحم وکرم کی اعلیٰ مثال
☆ دو بستیوں کے درمیان مرا ہوا پایا گیا
☆ پتھر سے ہلاک کرنے والے کے بارے میں فیصلہ
☆ مقتول کے بارے میں جس کا قاتل معلوم نہ ہو
☆ عورت کو مار کر اُس کے پیٹ کا بچہ گرا دینے والے کے بارے میں فیصلہ
☆ زخم کا بدلا لیا جائے اور اُس وقت لیا جائے جب زخم اچھا ہو جائے
☆ تہمت زنا اور شراب کی حد کے بارے میں حکم
☆ تخییر کے معاملہ کی تصریح
☆ شفعہ کے بارے میں
☆ مساقاۃ، صلح، سہل گیری وغیرہ کے بارے میں
☆ اوقاف
☆ عمرہ
☆ قطع ذرائع
☆ پڑی چیز کے پانے کے بارے میں
☆ وراثت کے مالوں میں حکم
☆ بہن کا حصہ
☆ حقیقی اور خلاقی بھائی بہنیں
☆ عورت کی وراثت
☆ قیافہ شناسوں کے متعلق
☆ قاتل کو میراث سے محروم کرنے کے بارے میں
☆ بدچلن عورت کے بارے میں
☆ پانی سے ملحقہ زمین کے بارے میں
☆ کسی کے گھر میں نظر کرنا
☆ ہدیہ کی واپسی
☆ شہر طائف کا محاصرہ
☆ رسول اللہ ﷺ کے اوامر ونواہی
☆ رسول اللہ ﷺ کا کفار حرب کے بارے میں فیصلہ
☆ عاریت کے مضمون ہونے کے دلائل اور ان کا رد
☆ قاتل کو کس طرح حضور ﷺ کے سامنے لایا جاتا اور قتل کا اقبال کرایا جاتا
☆ باپ کی بیوی سے نکاح کرنے والے کے بارے میں فیصلہ
☆ دانت کے بارے میں فیصلہ میں قصاص لازم نہیں
☆ چور کے متعلق فیصلہ جس نے کئی مرتبہ چوری کی

Marfat.com

☆ اُس شخص کے بارے میں فیصلہ جس نے حضور کو گالی دی

☆ مسلمانوں کے اموال کے بارے میں جو مشرکوں کے ہاتھ آ گیا

☆ اُس ہدیہ کے بارے میں حکم جو کسی معاہد یا حربی نے پیش کیا

☆ اس مالِ غنیمت کے متعلق جو اللہ نے آپ ﷺ کو عطا فرمایا

☆ بعض ضعیف الایمان لوگوں کو آپ کی تقسیم غنائم پر اعتراض

☆ صحیح حرام کے فسخ کرنے اور کنوارے اور بیمار زانی پر حد قائم کرنے کے بارے میں حکم

☆ قاصد کے بارے میں حکم کہ اس کو قتل نہ کیا جائے اور کافروں کے عہد کو پورا کیا جائے

☆ امان کے بارے میں عورت کی امان کے متعلق حکم

☆ نکاح تفویض کا حکم جب کہ شوہر دخول سے پہلے مرجائے

☆ اس شخص کے متعلق حکم جسے نکاح کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ عورت حاملہ ہے

☆ کنیز کے بارے میں حکم جو شوہر کے نکاح میں آزاد کی گئی

☆ ملک یمین کو اپنے اوپر حرام کرنے والے کے بارے میں

☆ ماں بچہ کی زیادہ حق دار ہے اور خالہ بہ منزلہ ماں کے ہے

☆ مفلس قرار دیئے جانے کے بارے میں اور لاعلمی میں کوئی چیز خریدنے کے بارے میں

☆ اس شخص کے بارے میں حکم جو کہے کہ میرا باغ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے

☆ اُس مملوک کے آزاد کرنے کے بارے میں جس کی صورت بگاڑی جائے

☆ مانگی ہوئی چیز کے بارے میں جو غائب کی جاسکتی ہے

☆ سپرد کی ہوئی چیز پر جو نفع کمایا جائے وہ مال والے کا حق ہے

☆ اس شوہر دیدہ عورت کے بارے میں جس کا نکاح اس کے باپ نے اس کی رضا مندی کے بغیر کر دیا

☆ اس عورت کے بارے میں حکم جو اپنے شوہر کی طلاق پر شاہد عدل پیش کرے اور شوہر انکار کرے

مدح درشانِ عدالت ﷺ

امام بوصیریؒ نے اپنے مشہور زمانہ قصیدہ بردہ شریف میں آنحضرت ﷺ کی شان عدل وانصاف کو یوں نظم کیا ہے۔

وکَالصِّراط وکالمِیْزَانِ[1] مَعْدِلَكَ

فَالْقِسْطُ مِنْ غیرِھا فی النّاسِ لم یَقِمِ

اردو شعری ترجمہ: از مولانا مولانا محمد افضل منیر

ہیں ترازو عدل کی اور راستی کے ہیں صراط

ہے بغیر ان کے قیامِ انصاف کا بس کالعدم

اما بوصیریؒ ہی نے اپنے ایک اور قصیدہ الحمدیہ میں بھی آپ ﷺ کی شان عدالت کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

Marfat.com

محمد حاکمِ بالعدل ذوُ شرف

محمد معدِنُ الانعام والحِکم

ترجمہ: ......''محمدﷺ بے پناہ انصاف کرنے والے حاکم اور نعمتوں اور حکمتوں کے مخزن ہیں''

شخصیات خاندان اہل بیت اور صحابہ کرامؓ نے بھی اپنے شعری افکار میں آپﷺ کی شان انصاف پر وری کو عنوان بنایا ہے جیسے حضرت ابو طالب فرماتے ہیں:

ترجمہ: آپ بردبار، ہدایت والے، عدل فرمانے والے ہیں اور کبھی غصہ میں نہیں آئے۔آپ اللہ سے محبت کرنے والے ہیں۔جو آپ کی ذات سے غافل نہیں ہے(سیرت ابن ہشام)

خلاصہ

ورق تمام: مدح باقی

احقر نے گذشتہ صفحات میں اپنی شریعت کے بنیادی ماخذ احکامات قرآن حکیم، فرمودات رسول عظیمﷺ، دین و دانش کی نابغہ روزگار شخصیات اور دور حاضر کے کچھ ارباب فکر ونظر کے حوالے سے عدل و انصاف کی اہمیت و ہمہ گیریت پر گفتگو کا جو دائرہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے اس کی لکیریں شاید گہری نہ ہوں لیکن واضح ضرور ہیں اور ان لکیروں کی زبان سے مدعا کچھ یوں ادا ہو رہا ہے

☆ پوری کائنات اور اس کا ہر ہر طرح سے ہر ہر طرح کا انتظام و اہتمام ''عدل'' کے سوا کچھ نہیں ہے۔

☆ کائنات کی مطلق حاکمیت وعدالت صرف اللہ کی ہے۔

☆ اور پھر اللہ نے عدل وانصاف کی اپنی اس صفت محبوب سے اپنے پیارے حبیبﷺ کی حیات مبارکہ کو بھی منورومزین فرمایا اور ہر طرح سے آپﷺ کی رہنمائی فرمائی اور آپﷺ کو تاکید فرمائی کہ فیصلے صرف شریعت کے تابع ہوں اور بس۔

☆ اور پھر رسول اعظمﷺ نے اپنی سیرت مبارکہ کی روشنی میں بنی نوع انسان کے لئے جامع و اکمل ترین عالمگیر دائمی نمونہ تہذیب وعمل محفوظ فرمادیا جس مین توحید کی تعلیم کے فوراً بعد ''عدل و انصاف'' کی تعلیم کا ذکر سامنے آتا ہے۔

☆ یہ عدل ہی کی ''خوب سیرت شکل'' ہے کہ اظہار حسن کائنات کے لئے ہمارا ابلاغ بے نطق ہے۔تاہم ہمارے پاس سورہ رحمان سے ایک لفظ میزان (توازن) ضرور ہے۔

☆ یہ عدم عدل ہی کی ''مکروہ صورت'' ہے کہ آج ہم انفرادی واجتماعی اور ملکی و عالمی سطح پر شریعت کے مکمل اور انسانیت کے کم از کم مطلوبہ مقاصد کی تکمیل سے کوسوں دور ہیں، جس کے نتیجہ میں آج انسانیت نوحہ کناں ہے۔

☆ رشوت عدل و انصاف کی شاہرہ پر منہ کھولے کھڑا ایک اژدھا ہے۔

☆ عدل کا ایک اجتماعی پہلو مملکت اور اس کے تمام باشندوں سے مساوی سلوک ہے۔

☆ انسان چاند پر پہنچا لیکن نہیں پہنچا کیونکہ وہ تو زمین کے سینے پر درندگی، دہشت گردی اور سفاکیت کا ہل چلا کر اپنی

Marfat.com

نہایت خباثت کے ساتھ مسکراہٹیں بکھیر رہا ہے۔

☆ کائنات کی تاسیس و پیدائش عدل و توازن کے ساتھ وجود پذیر ہوئی اور اُس کی سب سے ارفع تخلیق ''انسان'' کی فہمائش و آزمائش میں کامیابی کی کلید صرف ''عدل'' ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''انصاف'' کی ایک گھڑی برس ہا برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ اس نے سراسر خسارہ اُٹھایا جس نے ''انصاف'' نہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بڑا جہاد یہ ہے کہ ''انصاف'' کی بات ظالم حاکم کے روبرو کہہ دی جائے۔ ''انصاف'' عبادت سے بڑھ کر اس لئے ہے کہ عبادت کا فائدہ صرف عابد کو پہنچتا ہے جب کہ ''انصاف'' کا ہر خاص و عام کو۔

☆ سورۃ والعصر کی تفہیم امام شافعیؒ کے مطابق کہ فیصلہ کن، حتمی اور آخری عدالت کے انعقاد کا وقت لمحہ بہ لمحہ قریب آتا جارہا ہے۔ ذرہ برابر نیکی اور ذرہ برابر بدی سب کی سماعت ناگزیر ہے۔

وما علینا الا لبلاغ

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر فیاض احمد۔ کراچی

سلام اس ذات اقدس پر سلام اس فخر دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر
(جگن ناتھ)

ہزاروں درود و سلام اس آقائے نامدار پر جو ''رب العالمین'' کی جانب سے ''رحمۃ للعالمین'' بن کر آئے۔ جس کے نور سے تمام عالم منور ہوا اور جس کے نطق سے دنیا مسحور ہوئی۔ آپ ﷺ نے اپنے حلم و بردباری سے دنیا کو امن کا گہوارہ بنا دیا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت میں دنیا کی فلاح و کامیابی پوشیدہ ہے۔ رحمت عالم ﷺ کو تمام انسانوں کی رہنمائی و ہدایت کے لئے رہتی دنیا تک نبی بنا کر بھیجا گیا۔ دونوں جہان میں کامیابی کے لئے ان پر قرآن کریم، آخری کتاب اتاری گئی اور جو آپ ﷺ پر ایمان لایا اس پر آپ ﷺ کی فرمانبرداری و اطاعت لازم قرار دی گئی۔ دین نام ہے اطاعت اور اتباع کا۔ خالق حقیقی نے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (۱)

بلاشبہ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں بہترین نمونہ ہے۔

محسن انسانیت، قائد تمدن، رہنمائے کاروانِ انسانیت حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ وہ واحد منبع ہے جس سے عالم اسلام کی زندگی اور انسانی معاشرے کی سعادت کے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ یہ انسان ہی ہے جس کو خلعت وجود بخشنے کے بعد اس کے خالق نے فرمایا کہ: ''آپ ﷺ کو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے نمونہ بنایا گیا۔(۲)

عنوان کی وضاحت:

محسن انسانیت سرور کائنات خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی چودہ صدیوں سے مورخین، محققین، دانشوروں، ادباء اور شعراء کا محبوب موضوع رہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ وہ موضوع ہے جس کے لئے دشمنوں اور دوستوں، مخالفین و موافقین سبھی نے مختلف اسباب کی بناء پر وہ کشش محسوس کی جس کی مثال کے لئے کوئی اور ہستی پیش نہیں کی جاسکتی۔ انگریز مستشرق ڈی ایس مارگولیس (D.S Margoliouth) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر جو کچھ بھی لکھا ہو مگر اس کی کتاب کے مقدمہ کا ابتدائی جملہ ضرب المثل اور آفاقی حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے، اپنی کتاب کا آغاز کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"The biographers of the prophet Muhammad from a long series

Marfat.com

which it is impossible to end but in which it would be honourable to find a place". (۳)

ایک اور متعصب انگریز مستشرق ایچ جی ویلز (H.G. Wells) جس نے نبی اکرم ﷺ کی ذاتی اور ازدواجی زندگی پر نہایت رکیک حملے کئے ہیں، لیکن اس نے بھی اپنے آپ کو اس عدلِ اجتماعی کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں شاندار ہدیہ تحسین پیش کرنے پر مجبور پایا۔ چنانچہ اپنی تالیف ''A Concise History of the World'' میں آنحضور ﷺ کے خطبے حجتہ الوداع کے کچھ حصے نقل کرنے کے بعد اس نے لکھا:

''انسانی حریت، اخوت اور مساوات کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت کہے گئے تھے، چنانچہ مسیح ناصری کے ہاں بھی وہ بکثرت موجود ہیں، لیکن اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ ان اصولوں پر بالفعل ایک معاشرہ تاریخ انسانی میں پہلی بار قائم کیا محمد ﷺ نے'' (a۳) حضرت محمد ﷺ کے سیرت نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے، جس کو ختم کرنا ممکن ہے لیکن اس میں جگہ پانا باعثِ شرف ہے، اسی شرف کے حصول کے لئے قلم طبع آزما ہوا۔ اس مقالہ کا عنوان عدلِ اجتماعی کا تصور و اہمیت بھی اسلامی تعلیمات کا ایک اہم جزو ہے۔ قربان جائے اسلام کی تعلیمات پر کہ جس نے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے کوئی بھی پہلو ایسا نہیں چھوڑا جس میں انسانیت کا بھلا نہ ہو۔ اور قربان جائیں ہمارے ماں باپ ہمارے آقا پر جو محسن انسانیت، قائد تمدن، رسول کامل (۴) امام المتقین (۵) امن عالم کے نقیب، عدل و انصاف کے پیکر رہنمائے کاروانِ انسانیت، خیر البشر، بشر کامل (۶) رحمۃ للعالمین، رؤف رحیم (۷) پیغمبر، معلم کتاب و حکمت، صاحبِ خلق عظیم، صاحبِ مقام محمود، شاہ امم، خاتم الرسلین، مونس دل شکستگاں، پشت پناہ خستگاں، ہادی اکرم، پیغمبر اعظم، جان عالم، فخر عالم، مینارہ نور، (۸) سید الثقلین (۹) خاتم النبیین (۱۰) حضرت محمد (۱۱) داع (۱۲) الامی (۱۳) فائق (فق) متلقی القرآن (۱۴) العالم (۱۵) العلیم (۱۶) المعلم (۱۷) مصدق (۱۸) الحجتہ البالغہ (۱۹)، مبشراً (۲۰) صاحب المعراج (۲۱) المرسل (۲۲) الحکیم (۲۳) المزمل (۲۴) ھادی اعظم (۲۵) الطاھر (۲۶) امام الناس (۲۷) احمد رفیع الذکر (۲۸)، عبداللہ (۲۹) المبتھل (۳۰) شاہداً (۳۱) المرتضی (۳۲) المجاہد (۳۳) ذوالقوۃ (۳۴) المسبح (۳۵) عبد کامل (۳۶) المنذر (۳۷) المؤید (۳۸) المتوکل (۳۹) العابد (۴۰) الذکر (۴۱) کو آخری کتاب یعنی قرآن پاک کے ذریعے عطا فرمایا گیا ہے اس کا دائرہ نصیحت عالمگیری اور دور قیامت تک ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (۴۲) ترجمہ ''اے محمد! کہہ دیجئے کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں''۔ ارشادِ باری ہے ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (۴۳) ترجمہ ''آپ ﷺ کی ذات دونوں جہانوں کے لئے رحمت ہے۔ انسان کے ذخیرہ اخلاق میں سب سے زیادہ کمیاب اور نادر الوجود شے دشمنوں پر رحم اور ان سے عفو و درگزر ہے، لیکن پیغمبر رحمت محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں یہ جنس فراواں تھی اپنے دشمنوں سے انتقام لینا انسانی فطرت کا لازمی حصہ ہے، لیکن یہی فطرت اور خصلت رحمت عالم کی سیرت طیبہ میں معدوم نظر آتی ہے، آپ ﷺ نے اپنے بدترین دشمنوں سے حسن سلوک، مثالی رواداری، عفو و درگزر کا عملی مظاہرہ پیش کرکے یہ ثابت کردیا کہ آپ ﷺ دونوں جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں، بقول شاعر:

Marfat.com

محبت کے یوں جس نے دریا بہائے
دل ان کا بھی چھینا جو سر لینے آئے
یہ بندہ نوازی کے جوہر دکھائے
کہ جو کھائے اور جواہر لٹائے
خوشی اپنی غیروں کے غم میں بُھلا دی
دیا درد جس نے اسے بھی دوا دی
اٹھائیں جن سے اذیتیں انہی کے حق میں دعائیں مانگیں
کسی میں یہ شان حلم بھی ہے ایسا کوئی حلیم بھی ہے

اسلام محض ایک مذہب نہیں ایک عالمگیر دین ہے جو جمال اولین حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ وہ واحد منبع ہے جس سے عالم اسلام کی زندگی اور انسانی معاشرے کی سعادت کے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات بابرکات پر بے شمار درود وسلام ہوں، آپ ﷺ نے اپنے حلم، بردباری اور بے پایاں شفقت و برداشت سے دنیا کو امن کا خطہ بنا دیا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات عالیہ اور لائے ہوئے نظام میں دنیا کی فلاح و بہبود پوشیدہ ہے آپ ﷺ نے دنیا کو عدل و انصاف کا ایسا نمونہ پیش کیا جو رہتی دنیا تک کے لئے کامیابی کا راستہ ہے۔ یہ جہان رنگ و بوجلوہ گاہ حیات ہے، زندگی کی رنگینیوں کے باعث یہ جہاں آباد ہے۔ یہ انسان ہی ہے جس کو خلعت وجود بخشنے کے بعد اس کے خالق نے فرمایا کہ " آپ ﷺ کو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے نمونہ بنایا گیا ہے" (۴۴) اسلام نے مذہب کے لیے ''دین'' کی اصطلاح متعارف کرائی ہے۔ قرآن وسنت میں اسلام اور دین کی اصطلاح بے شمار مقامات پر استعمال ہوئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (۴۵) ''بے شک اللہ کے نزدیک دین تو صرف اسلام ہے''۔ اسی طرح قرآن مجید میں اسلام کے لیے دین الحق کے الفاظ بھی آئے ہیں (۴۶) اسلام وہ دین ہے جو انسان کے فکر وعمل کو صحیح خطوط پر چلا کر اسے جسمانی و روحانی دنیا میں بانتیجہ و بامراد فرماتا ہے۔ اسلام دین حق بھی ہے اور کامل بھی جیسا کہ فرمایا ﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ ترجمہ ''کہہ دو کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے کے لیے ہی تھا'' (۴۷) اسلام کے علاوہ آج کوئی مذہب ایسا جامع و مانع نہیں ہے جو باعتبار اپنی تعلیمات کے اسلام جیسی جامعیت و جاذبیت اور کمال رکھتا ہو۔ (۴۸) اسلام محض انسان اور رب کے درمیان تعلق کا نام نہیں، ایک مکمل ضابطہء حیات اور کامل اجتماعی نظام کا نام ہے۔ جس میں ''عدل اجتماعی'' کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن کریم میں اس کے لئے ''دین حق'' اور ''المیزان'' کے الفاظ آئے ہیں۔ اور یہ بات نہایت قابل توجہ ہے کہ رسولوں کو مبعوث فرمانے اور آسمانی کتابوں کو نازل کرنے کا اصل مقصد ''قیام نظام عدل اجتماعی'' قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے کہ ''ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعد عدل) تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں'' (۴۹) ان ابتدائی کلمات کے بعد موضوع پر مطالعہ وتجزیہ پیش کرنے سے قبل عدلِ اجتماعی کا تعارف پیش خدمت ہے تا کہ عنوان کو سیرت طیبہ کی روشنی میں نکھارا جا سکے اور تقارب و ہم آہنگی کو نمایاں کیا جا سکے۔

Marfat.com

اسلام میں عدل کا تصور:

اسلام میں اس امر کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی شخص، یا انسانوں کا کوئی گروہ انسانی زندگی میں عدل کا کوئی فلسفہ اور اس کے قیام کا کوئی طریقہ بیٹھ کر خود گھڑ لے اور اسے بالجبر لوگوں پر مسلط کردے اور کسی بولنے والی زبان کو حرکت نہ کرنے دے۔ یہ مقام ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کو تو کیا خود محمد رسول ﷺ کو بھی حاصل نہ تھا۔ اسلام میں کسی ڈکٹیٹر کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ صرف خدا ہی کا یہ مقام ہے کہ انسان اس کے حکم کے آگے بے چوں و چرا سر جھکا دیں۔ محمد ﷺ خود بھی اس کے حکم کے تابع تھے۔ اور ان کے حکم کی اطاعت صرف اس لئے فرض تھی کہ وہ خدا کی طرف سے حکم دیتے تھے۔ (۵۰) حضور ﷺ کا غیر مسلم رعایا سے عدل وحسن سلوک کا حکم: ''خبر دار جس کسی نے معاہد (اقلیتی فرد) پر ظلم کیا یا اس کا حق مارا یا اس کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف دی یا اس سے کوئی چیز اس کی خوشی کے بغیر لی تو میں بروز قیامت اس کی طرف سے (مسلمان کے خلاف) جھگڑوں گا'' (۵۱)

اسلام اور سماجی انصاف:

اسلام کی اعلیٰ ترین قدر تقرب الی اللہ اور تعلق مع اللہ یعنی بندہ اور رب کے مابین خلوص و اخلاص اور باہمی محبت و ولایت کا رشتہ ہے۔ اس کے ساتھ آخری ہدف مقصد و مطلوب عدل اجتماعی یعنی سماجی انصاف یا سوشل جسٹس ہے جس کے تین نمایاں ترین مظاہر ہیں: (۱) سماجی اور قانونی سطح پر کامل مساوات (۲) سیاسی سطح پر حریت اور (۳) معاشی سطح پر عدل و انصاف۔ چنانچہ اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں نہ معاشرتی میدان میں اونچ نیچ اور ادنیٰ و اعلیٰ کا امتیاز ہو، نہ سیاسی میدان میں جبر و استعداد کا راج اور بندہ و آقا حاکم ومحکوم اور متکبرین اور مستضعفین کی تقسیم ہو، نہ اقتصادی میدان میں انسان ظلم اور استحصال کے باعث مترفین ومحرومین میں منقسم ہوں۔ (۵۲) اسلام میں عدل اجتماعی یا سماجی انصاف یعنی سوشل جسٹس کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ قرآنی تعلیمات سے آسانی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے جو تین بلند ترین سطحوں یعنی ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور امت مسلمہ کے فرائض منصبی کے ضمن میں وارد ہوئی ہیں۔ اسلام کی اصل اساس ایمان باللہ ہے، اور ایمان باللہ اور معرفت الٰہی کا واحد ذریعہ اللہ کے اسماء و صفات ہیں۔ اور اللہ کے ننانوے اسماء حسنیٰ کی تفصیل پر مشتمل جو حدیث امام ترمذیؒ اور امام بیہقیؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام ''العدل'' بھی ہے، یعنی سراپا عدل اور مجسم انصاف۔ قرآن حکیم میں اگرچہ اللہ تعالیٰ کا یہ نام تو وارد نہیں ہوا تاہم متعدد مقامات پر اس کی اس شان کا ذکر موجود ہے۔ مثلاً ''واللہ یقضی بالحق'' ''اور اللہ فیصلہ کرتا ہے حق کے ساتھ'' (۵۳) دوسری جگہ ارشاد ہے: ''تیرے رب کی بات صدق و عدل کے جملہ معیارات کے مطابق پوری ہوچکی ہے'' (۵۴) ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ''خود اللہ بھی گواہ ہے اور سب فرشتے اور تمام اہل علم بھی گواہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عدل و انصاف کو قائم کرنے والا ہے'' (۵۵) فرمانِ الٰہی ہے: ''اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے'' (۵۶) (۵۷) (۵۸) ایمان باللہ کے بعد درجہ اور مرتبہ ہے ایمان بالرسالت یعنی بعثت انبیاء و رُسل اور انزال کتاب وشریعت پر یقین کا۔ چنانچہ یہ بات بھی قرآن کریم نے نہایت واشگاف الفاظ میں واضح کردی ہے کہ ان جملہ امور کا اصل مقصد یہ ہے کہ: ''انسان عدل و انصاف پر قائم ہوں''۔ اس اہم موضوع پر قرآن کریم کی

Marfat.com

سب سے زیادہ انقلابی آیت سورۃ الحدید کی ہے جس کے بارے میں بغیر کسی تردُد کے کہا جا سکتا ہے کہ اتنے مختصر الفاظ میں اس قدر جامع اور اتنی بھرپور گھمبیر انقلابی عبارت کی کوئی دوسری مثال دنیا کی کسی بھی کتاب میں نہیں مل سکتی ارشاد باری ہے: ''یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں (یعنی معجزات و براہین) کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ اپنی کتاب بھی نازل فرمائی اور میزان بھی، تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں، اور (جولوگ اس میزان عدل کے نصب کرنے میں رکاوٹ بنیں ان کی سرکوبی کے لئے) ہم نے لوہا اتارا جس میں (حرب وضرب) کی شدید قوت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کے لئے (کچھ دوسرے) فائدے بھی ہیں۔ اور (اس سے اللہ کا اصل مقصد یہ ہے) کہ اللہ (ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو آزمائے اور یہ) دیکھے کہ کون ہیں جو (لوہے کی حربی قوت کے استعمال کے ذریعے) مدد کرتے ہیں اس کی اور اس کے رسولوں کی غیب میں ہوتے ہوئے (ورنہ) یقیناً اللہ (خود) نہایت زورآور اور مختار مطلق ہے'' (۵۹) شریعت خداوندی کی اصل حیثیت ایک میزانِ عدل و قسط کی ہے جس میں انسانوں کے انفرادی اور اجتماعی حقوق وفرائض تولے جانے چاہئیں۔ بعثت انبیاء و رسل اور نزولِ وحی و کتب سے آخری مطلوب یہ ہے کہ اللہ کی عطا کردہ میزانِ عدل و قسط بالفعل نصب ہو اور جسے کچھ ملے اس میں تُل کر ملے اور جس سے کچھ لیا جائے اس میں تول کر لیا جائے۔ اس میزان عدل و قسط کو عملاً نصب کرنے میں اصل کام دعوت وتبلیغ، وعظ وتلقین، انذار وتبشیر اور ترغیب و ترہیب ہے۔ (۶۰) ایک حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں'' قرآن و حدیث دونوں کی تعلیمات انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے ہیں۔ اس ضمن میں نظام عدل و قسط کا قائم کرنا ہے اور اس کے قیام میں پوری قوت استعمال کرنے کا حکم ہے۔ چنانچہ سورۃ مائدۃ میں ارشادِ باری ہے کہ: ''اے اہل ایمان! پوری قوت کے ساتھ عدل و قسط قائم کرنے والے اور اللہ کے حق میں گواہی دینے والے بنو، خواہ یہ گواہی تمہارے اپنے خلاف جاری ہو'' (۶۱) دوسری جگہ ارشادِ باری ہے کہ: ''اے ایمان والو! پوری قوت کے ساتھ اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ عدل و قسط کی گواہی دیتے ہوئے، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرنے پائے کہ تم عدل سے انحراف کرو ہر حال میں عدل سے کام لو، یہی تقویٰ سے قریب تر ہے'' (۶۲) قرآن و حدیث مظلوم اور محروم طبقات کو صرف صبر ہی کی تلقین نہیں کرتا بلکہ انتقام لینے کی اجازت بھی دیتا ہے۔ چنانچہ انفرادی سطح پر تو سورۃ النساء کی آیت کے الفاظ کفایت کرتے ہیں کہ: ''اللہ کو بری بات بلند آواز سے کہنا بالکل پسند نہیں، سوائے اس کے جس پر ظلم ہوا ہو'' (۶۳)

اسلام کا نظام حیات:

قرآن آسمانی، آفاقی، لاثانی و لافانی کلام الٰہی ہے قرآن کے نزول کے بعد آنے والے آخری فرزند آدم تک کیلئے اس میں رشد وہدایت موجود ہے۔ اس کی ضیاء سے ہردور میں بنی نوع انسان نے اپنی عقل، علم، فہم، فراست و صلاحیت کے مطابق رہنمائی حاصل کی ہے اور بعد میں آنے والوں کیلئے دعوت غوروفکر کیلئے مثالیں چھوڑی ہیں اور اس سے استفادہ کرکے اقوامِ عالم نے ترقی کے زینے طے کئے اور آج کی ترقی علومِ قرآن کی مرہونِ منت ہے، ورنہ تاریخ انسانی کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ نزول قرآن سے پہلے بھی آسمانی صحیفے نازل ہوتے رہے ہیں مگر انسان نے ترقی نہیں کی نہ جہاز بنے، نہ ایٹم بم بنے، نہ کمپیوٹر ایجاد ہوا۔ یہ ترقی صرف اور صرف نزولِ قرآن کے بعد کی ہے۔ قرآن احکاماتِ الٰہی کا ذریعہ اور حضور ﷺ کا

Marfat.com

طریقہ کامیابی کا راستہ ہے۔ اسلام قیامِ امن کے بعد عدلِ اجتماعی کی طرف متوجہ ہوا۔ارشاد باری ہے: ''اللہ انصاف (عدل) کرنے والوں کو پسند کرتا ہے'' (۶۴)اللہ کو اپنی مخلوق بہت عزیز ہے چنانچہ ارشادِ باری ہے کہ: اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں'' (۶۵) یہ قانون صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ ہر انسان کے لئے ہے۔اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت کرنا ریاست کے سربراہ کی ذمہ داری ہے۔اور یہی اسلام کا نظام حیات ہے۔

اسلام کے عطا کردہ بنیادی حقوق:

اسلامی ریاست میں شہریوں کو جن بنیادی حقوق کی ضمانت دی گئی ہے ان میں بلاامتیاز عقائد تمام شہریوں کو بحیثیت انسان یکساں طور پر حاصل ہیں ان کا مختصر جائزہ لیں تو یہ بنیادی حقوق سامنے آتے ہیں۔

(۱) تحفظِ جان:

اسلام نے انسانی جان کو انتہائی محترم قرار دیا ہے اور ایک انسان کے قتل کو تمام انسانوں کا قتل ٹھہرا کر تحفظِ جان کی اہمیت پر جس طرح زور دیا ہے اس کی نظیر دنیا کے مذہبی، اخلاقی یا قانونی لٹریچر میں کہیں نہیں ملتی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کردیا، اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی'' (۶۶) دوسری جگہ ارشادِ باری ہے: ''قتلِ نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ'' (۶۷) قتل کو اللہ نے ایک ایسا سنگین اور قبیح جرم قرار دیا ہے کہ اس کا مرتکب دنیا میں قصاص کی سزا پانے کے بعد مرکر جہنم رسید ہوتا ہے۔ آج کل ہمارے ملک میں کس قدر قتل انسانی عام ہے اللہ کی پناہ قاتل کو اگر پتا چل جائے کہ اس قتل کی کیا سزا ہے تو شاید ایسا نہ کرے۔ کیونکہ قاتل اللہ کے غضب اور اس کی لعنت کا مستقل نشانہ بنا رہتا ہے۔ ارشادِ باری ہے: ''وہ شخص جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے'' (۶۸)۔

(۲) تحفظِ ملکیت:

اسلامی ریاست میں ایسی تمام نجی املاک جو جائز ذرائع سے حاصل شدہ ہوں، جن سے شریعت کے مقرر کردہ تمام حقوق و واجبات مثلاً زکوۃ صدقات، ماں باپ، بیوی، بچوں، بھائی بہنوں اور دوسرے قریبی عزیزوں کی کفالت کے مصارف، حقوقِ وراثت، حقوق بیع و شراء اور دوسرے نفقات و واجبات ادا کردیئے گئے ہوں اور ملک کے دفاع، انتظامی امور، فلاح عامہ کے منصوبوں یا ہنگامی ضروریات مثلاً جنگ، قحط، سیلاب، زلزلہ اور وبا وغیرہ سے نمٹنے کے لئے حکومت کے عائد کردہ مستقل اور عارضی نوعیت کے ٹیکس بھی ادا کئے جاچکے ہوں نیز جنہیں حرام اور ناجائز مشاغل یا کاروبار میں صرف نہ کیا جارہا ہو، حکومت کی مداخلت سے قطعی محفوظ ہوں تو ان سے مالک کو یہ حقوق حاصل ہوں گے۔(الف) استعمال اور تصرف کا حق (ب) مزید نفع کمانے کے لئے کاروبار میں لگانے کا حق (ج) انتقال ملکیت کا حق (د) تحفظ ملکیت کا حق۔ قرآن کریم کا واضح حکم ہے: ''اور تم باطل طریقے سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ'' (۶۹) حکومت کو اگر کسی کی ذاتی ملکیت، اجتماعی مفاد کے تحت اپنے قبضہ میں لینے

Marfat.com

کی ضرورت پڑجائے تو وہ مالک کی مرضی سے معروف معاوضہ ادا کر کے اسے حاصل کرے گی۔(۷۰) تحفظِ ملکیت کی روشن مثالیں سیرتِ طیبہ ﷺ سے ملاحظہ فرمائیے۔ مدینہ میں مسجدِ نبوی کی تعمیر کے لئے حضور ﷺ نے جو زمین منتخب فرمائی وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی انہوں نے اپنی افتادہ زمین بلا قیمت دینے کی پیش کش کی مگر حضور ﷺ نے اس کی قیمت کا تخمینہ لگوایا اور اس وقت کی عام شرح کے مطابق معاوضہ دے کر یہ زمین حاصل کی۔(۷۱) جنگ حنین کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے صفوان بن امیہ سے زرہیں حاصل کیں، اور جب اس نے کہا کیا بلا معاوضہ لینے کا ارادہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں یہ مستعار ہیں اور جو ان میں سے ضائع ہوں گی ان کا معاوضہ دیا جائے گا۔(۷۲)

(۳) تحفظ آبرو:

اسلامی ریاست کے ہر شہری کا ایک اہم حق یہ ہے کہ اس کی عزت و آبرو کا تحفظ کیا جائے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے خطبہ حجتہ الوداع میں جان مال کے ساتھ ہی حرمت آبرو کا بھی حکم دیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اُڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے یاد کرو'' (۷۳) اور اسی سورۃ کی دوسری آیت میں ارشاد ہے: ''اور تم ایک دوسرے کی برائی پیٹھ پیچھے بیان نہ کرو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کیا کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں'' (۷۴) آپس کی گفتگو میں بدزبانی سے بھی سختی کے ساتھ روکا گیا ہے۔ ارشادِ باری ہے کہ: ''اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بدگوئی پر زبان کھولے، الّا یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو'' (۷۵) اس آیت میں جہاں بدگوئی سے منع کیا گیا ہے وہاں ظلم کے خلاف بھرپور آواز اٹھانے کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے اپنے متعدد ارشادات میں لوگوں کو بلاوجہ مارنے پیٹنے اور ان کی توہین و تذلیل کرنے سے منع کیا ہے ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان کی پشت محترم ہے (اس کی پٹائی نہیں کی جاسکتی) الّا یہ کہ اس نے سزا کے قابل جرم کیا ہو۔ جس نے بلاوجہ کسی مسلمان کو مارا اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضب ناک ہوگا''۔(۷۶) ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ: ''جس نے کسی دوسرے کی بے عزتی یا آبروریزی کی ہو یا کوئی اور ظلم کیا ہو تو وہ آج معاف کرالے اُس دن سے پہلے جب نہ روپیہ پیسہ ہوگا نہ مال و زر، البتہ نیک عمل اس کے پاس ہوگا جو لے لیا جائے گا۔ اس ظلم کے موافق اور اگر نیک عمل نہ ہوگا تو مظلوم کی برائیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی۔(۷۷) حضور ﷺ نے کسی کی بے عزتی کو بدترین زیادتی قرار دیا ہے۔ فرمایا آپ ﷺ نے کہ: ''بدترین زیادتی کسی مسلمان کی عزت پر ناحق حملہ کرنا ہے'' (۷۸) حضرت عمرؓ عاملوں کو رخصت کرتے وقت انہیں یہ ہدایت دیا کرتے تھے۔ ''میں تمہیں جابر و قاہر بنا کر نہیں بلکہ امام اور رہنما بنا کر بھیجتا ہوں، خبردار! مسلمانوں کو مار پیٹ کر انہیں ذلیل و خوار نہ کرنا'' (۷۹)

انسانی حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جو حقوق عطا فرمائے ہیں انہیں Fundamental Rights کہا جاتا ہے۔(۸۰) حق کے معنی ہیں وہ بات جو ثابت ہو اور اس سے انکار ممکن نہ ہو۔(۸۱) قرآن کریم میں یہ لفظ ۲۲۷ مرتبہ آیا ہے۔(۸۲) اور تین

Marfat.com

معانی میں استعمال ہوا ہے، ثابت کرنے (۸۳) حصہ (۸۴) اور سچ کے معنی میں (۸۵) علامہ شامی نے حق کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے: الحق ما یستحقه الرجل ۔ (۸۶) حق وہ ہے جس کا انسان مستحق ہو شریعت کی نگاہ میں حق وہی کہلائے گا جس کا شریعت اقرار کرتی ہو حقوق کی بنیادی طور سے دو قسمیں ہیں، حقوق اللہ اور حقوق العباد۔(۸۷) قسم دوم کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں، بدنیہ، مالیہ، عرضیہ۔(۸۸)

مغرب میں انسانی حقوق کے قوانین ۱۰۳۷ء میں شان کانریڈ ثانی (Conrad-II) نے جاری کئے، پھر ۱۱۷۸ء میں شاہ الفانسونہم نے ۱۲۱۵ء کو میگنا کارٹا (Magnacarta) قوانین جاری کئے، ۱۶۸۹ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے (Bill of Rights) جاری کیا۔ بالآخر ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ کا منشور انسانی جاری ہوا، جو آج نافذ العمل ہے۔(۸۹) حقوق کی اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم نے حکم دیا، اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں کے حقوق ادا کرو۔(۹۰) سورۂ بقرہ میں واضح کر دیا، قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کر لینے سے حقوق ادا نہیں ہوں گے۔(۹۱)

خواتین کے ساتھ عدل: خواتین کی حق تلفی کا مسلمانوں پر خصوصی الزام لگایا جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم نے زندگی (۹۲) تعلیم (۹۳) تربیت (۹۴) مساوات (۹۵) عزت (۹۶) عبادت (۹۷) شادی (۹۸) طلاق و خلع (۹۹) وراثت (۱۰۰) ملکیت (۱۰۱) حریت رائے (۱۰۲) اور ظلم کے خلاف احتجاج (۱۰۳) کا حق دیا ہے جس کا اعتراف کرتے ہوئے معروف مستشرق ایس پی اسکاٹ کہتا ہے: محمد (ﷺ) ہی واحد قانون عطا کرنے والے ہیں، جنہوں نے دنیا میں پہلی بار طبقہ نسواں کے لئے قوانین وضع کئے اور ان کے حقوق کا تحفظ کیا۔(۱۰۴) مسٹر پیئر کرپیٹس نے لکھا: محمد ﷺ نے عورتوں کے حقوق کی ایسی حفاظت کی کہ اس سے پہلے کسی نے نہیں کی۔(۱۰۵) لہٰذا مسلم حکمرانوں کی ذمہ داری ہے خواتین کی قرآن کریم سے شادی پر پابندی لگائیں، وراثت دلوانے کے لئے قانون سازی کریں، کاروکاری کی سزا عمر قید مقرر کریں، بالجبر شادی کی سزا مقرر کریں، خواتین کی بے حرمتی پر مقررہ شرعی سزائیں دیں۔ان کے ساتھ پورا پورا عدل کا معاملہ کرائیں کیونکہ یہی اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔

بچوں کے ساتھ عدل: بچوں کے حقوق کا نفاذ کیا جائے، اسلام نے والدین اور معاشرہ کے ذمہ داروں کو حکم دیا ہے۔ بچوں کے ساتھ بلا تفریق جنس، نسل، رنگ، یکساں سلوک یا عدل کریں، برادران یوسف کے واقعہ میں اسی کی تعلیم ہے، سورہ البقرہ (۱۰۶) اور سورہ النساء (۱۰۷) میں بچوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کا حکم دیا ہے، اسی طرح بچوں کو پرورش (۱۰۸) تربیت (۱۰۹) محبت (۱۱۰) کفالت (۱۱۱) کھیل کود (۱۱۲) عزت (۱۱۳) بچوں کے ساتھ عدل یہ ہے کہ ان کے اچھے نام رکھے جائیں اور اچھے نام سے پکارے جائیں (۱۱۴) اور بیماری کی صورت میں علاج کا حق دیا گیا ہے، سب سے اہم حق تعلیم ہے، ان حقوق پر مسلم ممالک کو قانون سازی کرنا چاہئے تاکہ مغربی میڈیا کو ہمارے خلاف انگلی اٹھانے کا موقع نہ ملے، اسی طرح مسلم امت کی ذمہ داری ہے مزدوروں، معذوروں و بے سہارا، اور خاص طور سے بچوں کے حقوق کی ادائیگی کو یقینی بنا کر کمزور طبقہ کے لئے اسلام میں جاذبیت پیدا کریں۔

Marfat.com

عدلِ اجتماعی یہ ہے کہ رواداری ہو اور فرقہ واریت کا خاتمہ کیا جائے:

آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں کے ساتھ جس اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا، دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارے جہاں کے لئے رحمۃ للعالمین (۱۱۵) بنا کر بھیجا ہے۔ اسلام نے مکمل آزادی دی ہے، جو چاہے اسلام قبول کرے جو چاہے کفر اختیار کرے۔(۱۱۶) آپ ﷺ نے امت مسلمہ کو بھی رواداری اختیار کرنے کا حکم دیا ہے فرمایا: مجھے نو باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ جس میں سے ایک ہے: والعدل في الرضاء والغضب (۱۱۷) یعنی غضب کی حالت میں بھی رواداری اور برداشت کا مظاہرہ کروں۔ عدم رواداری کے نتیجہ میں خود مسلمان آپس میں ٹکڑوں میں تقسیم ہیں اس کے علاوہ بعض پرتشدد واقعات کے سبب مسلمانوں کو غیر مسلموں کے سامنے بھی شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلو آپس میں جھگڑا نہ کرو، باہمی جھگڑے سے دشمن پر رعب ختم ہو جائے گا۔ (لہٰذا اگر کوئی مسلم فرد یا ملک زیادتی بھی کرے تو اسے قتل کرنا یا اس کے ملک پر قبضہ کرنا منع ہے) بلکہ صبر سے کام لینا چاہئے، اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم نے حکم دیا ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (۱۱۸)

اللہ کی رسی (یعنی قرآن کریم وسنت نبویہ) کو مضبوطی سے مل کر پکڑو آپس میں فرقہ واریت نہ پھیلاؤ۔

حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک ۔۔۔ کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلماں بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں ۔۔۔ کیا زمانہ میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

آپ ﷺ نے فرمایا: أيما رجل خرج يفرق بين أمتي فاضربوا عنقه ۔ (۱۱۹) ''جو مسلمانوں کو لڑانے کے لئے نکلے اس کی گردن اڑادو۔''

ہتک عزت کے معاملہ میں اسلام کا اصول یہ ہے کہ معاشرہ کا ہر فرد عزت دار ہے خواہ اس کا مقام و منصب اور مالی حیثیت کچھ ہی کیوں نہ ہو، یعنی اسلامی قانون میں کسی کو ہتک عزت کا دعویٰ پیش کرتے وقت یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ صاحبِ عزت ہے اور مدعا علیہ کے فعل تذلیل سے اس کی عزت کو واقعی بٹہ لگا ہے۔ اسی اصول مساوات کی بناء پر حضرت عمرؓ نے والی مصر حضرت عمرو بن العاص کے بیٹے محمد بن عمرو کو اس جرم میں ایک مصری سے پٹوایا کہ اس نے گھڑ دوڑ میں اس کا گھوڑا آگے آنے پر مصری کو پیٹا تھا اور اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ ''لے یہ کوڑے، میں شریفوں کا بیٹا ہوں'' حضرت عمرؓ نے باپ بیٹے کو مدینہ طلب کیا اور مصری کے ہاتھ میں درہ دے کر کہا کہ ''مار شریفوں کے بیٹے کو'' اور پھر اس کی مرمت ہو جانے کے بعد فرمایا ''عمرو بن العاص کی چندیا پر بھی درہ گھما، کیونکہ خدا کی قسم اس نے اس کی سلطنت ہی کے بل بوتے پر تجھے مارا تھا'' (۱۲۰) قرآن میں یوں تو ہر فرد کی عزت و آبرو کے تحفظ پر زور دیا گیا ہے لیکن ناموسِ خواتین کی حفاظت کے لئے تو غیر معمولی اندازِ فہمائش اختیار کیا گیا ہے، اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ: ''جو لوگ پاک دامن، بے خبر، مومن عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں، اُن پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے، وہ اس دن کو بھول نہ جائیں جبکہ ان کی اپنی زبانیں اور ان کے اپنے ہاتھ پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے۔ اس دن اللہ انہیں وہ بھرپور بدلہ دے گا جس کے وہ مستحق

Marfat.com

ہیں۔ اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی حق ہے سچ کو سچ کر دکھانے والا'' (۱۲۱)

نجی زندگی کا تحفظ:

اسلامی ریاست میں شہریوں کی نجی زندگی کو مکمل تحفظ فراہم کیا گیا ہے اور گھروں کی چاردیواری کو ایک محفوظ قلعہ کی حیثیت دی گئی ہے جس میں مداخلت کا کسی کو حق نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ کا حکم ہے: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو۔ یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے، توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے، پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دے دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ۔ یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے'' (۱۲۲) قرآن نے ایک شہری کے گھر کو بیرونی مداخلت سے محفوظ کرنے کے ساتھ ہی مسلمانوں کو یہ تاکید بھی کی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے راز ٹٹولنے، نجی معاملات کی ٹوہ لینے اور کھوج کرید میں پڑے رہنے سے سخت پرہیز کریں۔ فرمانِ ربانی بذریعہ کلام الٰہی: ''اور تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو تم خود اس سے گھن کھاتے ہو'' (۱۲۳) حضرت عمرؓ کے دور کا واقعہ ہے کہ ایک لڑکی نے حد شرعی سے بچنے کے لئے چھری سے خودکشی کی کوشش کی مگر زندہ بچ گئی اور پھر گناہ سے تائب ہوگئی۔ ایک شخص نے اسے نکاح کا پیغام دیا جو اس واقعہ سے لاعلم تھا۔ سرپرست نے حضرت عمرؓ سے پوچھا ''کیا میں اسے یہ واقعہ سنادوں''؟ آپ نے فرمایا ''کیا جس چیز کو اللہ نے چھپادیا ہے تو اس کا پردہ چاک کرنا چاہتا ہے؟ واللہ اگر تو نے کسی سے بھی اس کا ذکر کیا تو میں تجھے لوگوں کے لئے عبرت بنادوں گا جس طرح پاک دامن عفیفہ کی شادی کرتے ہیں اسی طرح اس کی شادی کر'' (۱۲۴) یہ ہے اسلام میں نجی زندگی کا تحفظ اور اس کا تقدس جو حکومت شریعت کے ان احکام و ہدایات پر عمل کرنے کی پابند ہوگی وہی ایک شاندار اور کامیاب حکومت ہوگی۔ (۱۲۵)

شخصی آزادی کا تحفظ:

اسلامی ریاست میں کسی شہری کو کھلی عدالت میں جرم ثابت کئے بغیر قید نہیں کیا جاسکتا۔ محض شکوک وشبہات کی بناء پر لوگوں کو گرفتار کرنا اور عدالتی کارروائی کے بغیر انہیں لے جا کر جیلوں میں ڈال دینا اسلام میں جائز نہیں۔ آج ''امتناعی نظر بندی'' کے زیرعنوان ''ریاست کی سلامتی'' کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے اسلامی قانون میں اس کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ قرآن کا واضح حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو آزادی عطا کی ہے اسے کوئی عام حکمران تو درکنار خود خدا کا رسولؐ بھی سلب نہیں کرسکتے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ''کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اس کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے بجائے تم میرے غلام بن جاؤ، وہ تو یہی کہے گا کہ ربانی (صرف خدا کے غلام) بنو جیسا کہ اس کتاب کی تعلیم کا تقاضا ہے، جسے تم پڑھتے ہو'' (۱۲۶) اسلامی قوانین حالات کے پابند نہیں انہیں ہنگامی حالت نافذ کرکے معطل نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ہر صورتِ حال میں نافذ العمل رہیں گے۔ اس لئے اسلامی ریاست میں شہریوں کو بلاجواز قید سے مکمل تحفظ حاصل ہوگا۔ (۱۲۷)

اسلام میں اجتماعی عدل کا مزاج:

اسلام میں اجتماعی عدل کے مزاج سے ہم صحیح معنوں میں اسی وقت آشنا ہوسکتے ہیں جب اُلوہیت، کائنات، حیات

Marfat.com

اور انسان کے بارے میں اسلامی فکر کو اجمالی طور پر سمجھ لیں۔ کیونکہ اجتماعی عدل کا اسلامی نظریہ اسی اصولی اور بنیادی فکر کی ایک فرع ہے جو اسلام کی تمام تعلیمات کا مرجع و منبع ہے۔(۱۲۸) اسلام نے خالق اور مخلوق، انسان، حیات، اور کائنات، انسان اور اس کی اپنی ذات، فرد اور آئندہ نسلوں کے باہمی تعلقات کی نوعیت اور مزاج سے بحث کی ہے۔ اس نے اس میں سے ہر ایک کے سلسلہ میں اپنے اصولی موقف اور تفصیلی نظریات کی بنیاد ایک جامع اور ہمہ گیر فکر پر رکھی ہے۔ اسلام کی اعلیٰ ترین قدر سماجی اور تمدنی انصاف ہے اور اقامت دین یعنی اسلامی تعلیمات کا اصل ہدف یہ ہے کہ اللہ کا عطا کردہ متوازن اور معتدل نظام عدلِ اجتماعی (سسٹم آف سوشل جسٹس) قائم کیا جائے۔ عربی زبان کا مقولہ ہے: **الفضل ما شهدت به الاعداء** ''اصل فضیلت اور خوبی وہ ہے جس کا اعتراف دشمن بھی کریں'' ایک متعصب انگریز مستشرق ایچ جی ویلز (H.G. Wells) جس نے نبی اکرم ﷺ کی ذاتی اور ازدواجی زندگی پر نہایت رکیک حملے کیے ہیں، لیکن اس نے بھی اپنے آپ کو اس عدلِ اجتماعی کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں شاندار ہدیہ تحسین پیش کرنے پر مجبور پایا۔ چنانچہ اپنی تالیف ''A Concise History of the World'' میں آنحضور ﷺ کے خطبے حجتہ الوداع کے کچھ حصے نقل کرنے کے بعد اس نے لکھا: ''انسانی حریت، اخوت اور مساوات کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت کہے گئے تھے، چنانچہ مسیح ناصری کے ہاں بھی وہ بکثرت موجود ہیں، لیکن اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ ان اصولوں پر بالفعل ایک معاشرہ تاریخ انسانی میں پہلی بار قائم کیا محمد ﷺ نے''(۱۲۹)۔

اسلام کا اخلاقی نظام و عدل اجتماعی:

انسان کے اندر اخلاقی حس ایک فطری حس ہے جو بعض صفات کو پسند اور بعض دوسری صفات کو ناپسند کرتی ہے، یہ حس انفرادی طور پر اشخاص میں چاہے کم و بیش ہو مگر مجموعی طور پر انسانیت کے شعور نے اخلاق کے بعض اوصاف پر خوبی کا اور بعض پر برائی کا ہمیشہ یکساں حکم لگایا ہے، سچائی، انصاف، پاسِ عہد اور امانت کو ہمیشہ سے انسانی اخلاقیات میں تعریف کا مستحق سمجھا گیا ہے اور کبھی کوئی ایسا دور نہیں گزرا جب جھوٹ، ظلم، بدکاری اور خیانت کو پسند کیا گیا ہو۔ ہمدردی، رحمدلی، فیاضی، فراخدلی اور عدل کی ہمیشہ قدر کی گئی ہے۔ اور خودغرضی، سنگدلی، بخل، اور تنگ نظری کو کبھی عزت کا مقام حاصل نہیں ہوا۔ صبر و تحمل، اخلاق و بردباری، اُولوالعزمی و شجاعت ہمیشہ سے وہ اوصاف رہے ہیں جو داد کے مستحق سمجھے گئے ہیں اور بے صبری، چھچھورپن، تلون مزاجی، پست حوصلگی اور بزدلی پر کبھی تحسین و آفرین کے پھول نہیں برسائے گئے۔(۱۳۰) اسلامی تعلیمات میں عدل اجتماعی کا مفہوم مظلوم اور محروم طبقات کو صرف صبر ہی کی تلقین کرنا نہیں بلکہ انتقام لینے کی اجازت بھی دیتا ہے، چنانچہ انفرادی سطح پر تو سورۃ النساء کی آیت کے یہ الفاظ کفایت کرتے ہیں کہ: ''اللہ کو بری بات بلند آواز سے کہنا بالکل پسند نہیں سوائے اس کے جس پر ظلم ہوا ہو''(۱۳۱) اور اجتماعی سطح پر عدل کے بارے میں نہایت واشگاف الفاظ میں کہا گیا ہے کہ: ''جن پر ظلم اور زیادتی کی جائے تو وہ اس کا بدلہ اور انتقام لیتے ہیں''(۱۳۲)۔

اسلام کا سیاسی نظام و عدل اجتماعی:

اسلام کے سیاسی نظام کی بنیاد تین اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ توحید، رسالت اور خلافت۔

توحید: توحید کے معنی یہ ہیں کہ خدا اس دنیا اور اس کے سب رہنے والوں کا خالق، پروردگار اور مالک ہے، حکومت و فرماں

Marfat.com

روائی اسی کی ہے، وہی حکم دینے اور منع کرنے کا حق رکھتا ہے، اور بندگی و طاعت بلاشرکت غیرے اسی کے لئے ہے۔ ہماری یہ ہستی جس کی بدولت ہم موجود ہیں ہمارے وہ اختیارات جو ہمیں دنیا کی موجودات پر حاصل ہیں اور خود یہ موجودات جن پر ہم اپنے اختیارات استعمال کرتے ہیں، ان میں سے کوئی چیز بھی نہ ہماری پیدا کردہ یا حاصل کردہ ہے اور نہ اسکی بخشش میں خدا کے ساتھ کوئی شریک ہے، اس لئے اپنی ہستی کا مقصد اور اپنی قوتوں کا مصرف اور اپنے اختیارات کی حدود متعین کرنا یہ تو ہمارا اپنا کام ہے نہ کسی دوسرے کو اس معاملہ میں دخل دینے کا حق ہے۔ یہ صرف خدا کا کام ہے جس نے ہم کو ان قوتوں اور اختیارات کے ساتھ پیدا کیا ہے اور دنیا کی یہ بہت سی چیزیں ہمارے تصرف میں دی ہیں۔ توحید کا یہ اصول انسانی حاکمیت کی سرے سے نفی کر دیتا ہے۔ ایک انسان ہو یا ایک خاندان یا ایک طبقہ یا ایک الگ گروہ یا ایک پوری قوم یا مجموعی طور پر تمام دنیا کے انسان، حاکمیت کا حق بہر حال کسی کو بھی نہیں پہنچتا۔ حاکم صرف خدا ہے اسی کا حکم ''قانون'' ہے۔(۱۳۳)

رسالت: خدا کا قانون جس ذریعے سے بندوں تک پہنچتا ہے اس کا نام ''رسالت'' ہے۔ اس ذریعے سے ہمیں دو چیزیں ملتی ہیں، ایک کتاب جس میں خود خدا نے اپنا قانون بیان کیا ہے، دوسرے کتاب کی مستند تشریح جو رسول نے خدا کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اپنے قول و عمل میں پیش کی ہے۔ خدا کی کتاب میں وہ تمام اصول بیان کر دیئے گئے ہیں جن پر انسانی زندگی کا نظامِ زندگی قائم ہونا چاہئے اور رسول نے کتاب کے اس منشاء کے مطابق عملاً ایک نظامِ زندگی بنا کر چلا کر اور اس کی ضروری تفصیلات بتا کر ہمارے لئے ایک نمونہ قائم کر دیا ہے انہی دو چیزوں کے مجموعے کا نام اسلامی اصطلاح میں شریعت ہے۔ اور یہی وہ اساسی دستور ہے جس پر اسلامی ریاست قائم ہوتی ہے۔

خلافت: اسلام انسان کو خدا کا خلیفہ قرار دیتا ہے اس خلافت کے تصور میں یہ چار شرطیں شامل ہیں۔ (۱) خلیفہ زمین کے اس حصے کا خادم ہے نہ کہ مالک۔ (۲) مالک کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق کام کرنے کا پابند ہے (۳) اپنے اختیارات کو ان حدود کے اندر استعمال کرے گا جو اس کے لئے مقرر کر دی گئیں ہیں۔ (۴) مسندِ خلافت پر بیٹھے ہوئے مالک کا منشاء پورا کرنا ہوگا نہ کہ اپنا۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے: ''تم خلیفہ بنائے گئے ہو دعوت الی اللہ اور لوگوں کی سیاست کے لئے'' (۱۳۴) ایک اور جگہ فرمانِ الٰہی ہے جس میں داؤد علیہ السلام کو اللہ نے حکم دیا تھا کہ انصاف (عدل) کے ساتھ فیصلے کرو اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرو جو تجھ کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی'' (۱۳۵) امام رازی فرماتے ہیں: ''جو شخص سیاسی قائد اور حکمران ہو اور اپنی ذاتی اغراض اور ذاتی مفاد کے لئے حکومت کرتا ہو تو اس کے نتیجے میں خرابی پیدا ہوگی۔ اور آخر کار یہ حکمران خود بھی تباہ ہو جائے گا۔ لیکن جو حکمران اور سیاسی لیڈر شریعت حقہ کا پابند ہو تو مصالح اور بھلائیاں پھیلیں گی اور ریاست کا نظام احسن طریقے سے چلتا رہے گا۔ (۱۳۶) تمام انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور وقار و حقوق کے معاملہ میں مساوی الحیثیت ہیں۔ ہر فرد نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب، سیاسی یا دوسرے نظریات، قومی و سماجی حیثیت، املاک، پیدائش یا کسی اور حیثیت اور کسی بھی قسم کے امتیاز کے بغیر اپنا سیاسی حق استعمال کرنے کا نہ صرف مجاز ہے بلکہ آزاد بھی ہے جس کو بہتر سمجھے اسے منتخب کرے۔ اسلام میں کسی بھی فرد پر زور یا زبردستی نہیں یہی اسلام کا عدلِ اجتماعی ہے۔ اسلام اُسی ذات کا مرتب کیا ہوا طریقہ زندگی ہے جس نے اس کائنات کو اور اس میں جاری قوانین کو بنایا ہے۔(۱۳۷)

Marfat.com

اسلام میں اجتماعی عدل کے قیام کے ذرائع:

اسلام اپنے کام کا آغاز خارج سے نہیں داخل سے کرتا اور اپنی اصلاحی کوششوں کو سطح تک محدود رکھنے کے بجائے قلب وضمیر کی گہرائیوں کو ان کا اصلی ہدف قرار دیتا ہے، لیکن ساتھ ہی وہ کبھی بھی زندگی کی واقعی صورتِ حال سے غفلت نہیں برتتا۔ وہ تو نفس انسانی کی حقیقت اور اس پر طاری ہونے والی مدّ وجزر اور قبض وبسط کی مختلف کیفیات کو نظر انداز کرتا ہے نہ اس حقیقت کو کہ ایک طرف بلند پرواز، نیک ارادے، اور جذباتِ عالیہ ہیں تو دوسری طرف پاؤں میں ضروریات کی زنجیر بھی ہے۔ انسان کی پرواز کتنی ہی بلند ہو، یہ جانِ ناتواں کمال مطلق تک پہنچنے سے قاصر ہی رہتی ہے۔ (ارشاد باری ہے کہ ''ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعد عدل) تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں'' (۱۳۸)۔ جو شخص بھی اس دین پر تحقیق کی خاطر انصاف کی نظر ڈالے گا یہ محسوس کرلے گا کہ اس نے تہذیبِ نفس کا بہت زیادہ اہتمام کیا ہے اور ہر پہلو سے اور ہر معاملہ میں نفس کی اصلاح و درستگی پر بہت زیادہ کوششیں صرف کی ہیں۔ چنانچہ اس دین نے اپنے نبی ﷺ کی جو سب سے اونچی تعریف کی وہ یہ ہے کہ: ''واقعی آپؐ بلند ترین اخلاق کے حامل ہیں'' (۱۳۹) انسانی ضمیر کی تربیت کرلینے کے بعد اس پر اعتماد کرنے میں اسلام نے بخل سے کام نہیں لیا ہے۔ چنانچہ اس نے اسی کو سارے قوانین کے نفاذ پر نگران ومحافظ بنادیا ہے۔ ان قوانین میں سے اکثر کے نافذ کرنے کا کام تو اس نے بالکل اسی کے حوالہ کردیا ہے۔ چنانچہ گواہی اکثر حالات میں اقامتِ حدود کی بنا پر قرار دی گئی ہے۔ اسی طرح حقوق کے ثابت کرنے میں بھی اکثر اسی کو فیصلہ کن مانا گیا ہے۔ گواہی کے معاملہ میں معلوم ہے کہ اس کا انحصار فرد کے ضمیر اور اِس عقیدے پر ہے کہ اللہ انسانی ضمیر کا نگراں ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے کہ: ''جو لوگ شریف عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور پھر اپنے اس دعوے پر چار گواہ نہ لاسکیں تو ان کو اَسی (۸۰) کوڑے مارو، اور ہمیشہ کے لئے ان کی گواہی قبول کرنا چھوڑ دو۔ یہ لوگ پکّے فاسق ہیں'' (۱۴۰) اسی سورۃ میں آگے بتایا گیا ہے کہ: ''جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس اپنے علاوہ دوسرے گواہ نہ ہوں تو ایسے افراد میں کسی ایک فرد کی شہادت اس طور پر لی جائے گی کہ وہ چار بار اللہ کو گواہ بنا کر یہ بیان دے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے، اور پانچویں بار یہ کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی پھٹکار پڑے۔ جس عورت پر الزام لگایا گیا ہے اس کے سر سے سزا ٹل جائے گی۔ اگر وہ چار بار اللہ کو گواہ بنا کر یہ بیان دے کہ مرد اپنے دعوے میں جھوٹا ہے، پانچویں بار اسے یہ کہنا ہوگا کہ اگر مرد سچا ہو تو خود مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو'' (۱۴۱) یہاں تک کہ جن امور میں وہ دستاویز لکھنے کا حکم دیتا ہے وہاں بھی گواہی کو ضروری قرار دیتا ہے۔ ''اے ایمان لانے والو! جب کسی مقرر مدّت کے لئے تم آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اُسے لکھ لیا کرو۔ فریقین کے درمیان انصاف کے ساتھ ایک شخص دستاویز تحریر کرے جسے اللہ نے لکھنے پڑھنے کی قابلیّت بخشی ہو اُسے لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہئے۔ وہ لکھے اور املا وہ شخص کرائے جس پر حق آتا ہے (یعنی قرض لینے والا)۔ اور اسے اللہ اپنے رب سے ڈرنا چاہئے کہ جو معاملہ طے ہوا ہو اس میں کوئی کمی بیشی نہ کرے۔ لیکن اگر قرض لینے والا خود نادان یا ضعیف ہو یا املا نہ کراسکتا ہو تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ املا کرائے۔ پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہی کرالو۔ اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تا کہ ایک بھول جائے تو دوسری اُسے یاد دلادے۔ یا گواہ ایسے لوگ ہونے چاہئیں جن کو گواہی تمہارے

Marfat.com

درمیان مقبول ہو'' (۱۴۲) گواہ بننا معاملہ ہوتے وقت بھی فرض ہے: ''گواہوں کو جب گواہ بننے کے لئے کہا جائے تو انھیں انکار نہیں کرنا چاہئے'' (۱۴۳) اور تقاضا کی نوبت آئے تو اس وقت بھی لازمی ہے: ''اور شہادت ہرگز نہ چھپاؤ، جو شہادت چھپاتا ہے اس کا دل گناہ میں آلود ہے'' (۱۴۴)

عدلِ اجتماعی پر انسانی ضمیر کا اثر:

اسلام انسانی ضمیر پر اُن حدود کے سلسلہ میں بھی اعتماد کر لیتا ہے جن میں سزا کوڑوں اور سنگساری تک جا پہنچتی ہے۔ یہی حال مالی حقوق کا بھی ہے کہ انسان کو عزت و شرف بخشنے اور اسے مطلوبہ سطح تک بلند کرنے کے لئے اس پر اتنا اعتماد کرنا ضروری بھی تھا۔ لیکن ایسا بھی نہیں کہ جس ضمیر پر اسلام نے اتنی بھاری ذمہ داریاں ڈال رکھی ہوں، جسے وہ نفاذِ قانون کا نگراں بناتا اور قانونی حدود سے بھی بلند و برتر معیار اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہو، اُسے اُس نے آزاد چھوڑ رکھا ہو، نہیں بلکہ اس نے اللہ کی خشیت کو اس کا نگران بنا کر کھڑا کیا (۱۴۵) اور اس کے سامنے اللہ کی ہمہ دم نگرانی کا نقشہ دل کش، اچھوتے اور موثر انداز میں پیش کیا ہے، فرمانِ الٰہی ہے کہ: ''کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی جہاں چوتھا (اللہ) خود نہ ہو، اور نہ ہی یہ ہوتا ہے کہ پانچ آدمی محوِ سرگوشی ہوں اور چھٹا (اللہ) خود نہ ہو۔ اسی طرح جب بھی اس سے کم یا زیادہ تعداد میں جمع ہو کر لوگ سرگوشیاں کرتے ہیں تو اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ خواہ وہ کہیں پر بھی ہوں۔ پھر قیامت کے دن اللہ ان سب کو ان کے کرتوت سے آگاہ کرے گا، حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہر بات کا پورا پورا علم رکھتا ہے'' (۱۴۶) دوسری جگہ ارشادِ باری ہے: ''ہم نے ہی تو انسان کو بنایا ہے، ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس کا نفس اسے کیا سکھاتا پڑھاتا رہتا ہے اور ہم اس سے اس کی شہ رگ کی بہ نسبت بھی زیادہ قریب ہیں۔ جب کہ اس کے دائیں اور بائیں بیٹھے دو نوٹ کرنے والے اس کی ساری باتیں نوٹ کرتے رہتے ہیں۔ وہ منہ سے کوئی لفظ بھی نہیں نکالتا مگر یہ کہ ایک نگران کار مستعد و تیار اس کے پاس (اس بات کو نوٹ کر لینے کے لئے) کھڑا رہتا ہے'' (۱۴۷) ایک اور جگہ ارشاد باری ہے: ''وہ تو چپکے سے کہی ہوئی بات بلکہ اس سے مخفی تر بات بھی جانتا ہے'' (۱۴۸)

حُسنِ عمل پر حسنِ انجام کی بشارت:

اسلام نے انسان کو حسنِ عمل پر حسنِ انجام کی بشارت دی ہے، اسے بداعمالیوں کے انجامِ بد سے ڈرایا بھی، اور اس پر اچھی طرح واضح کر دیا کہ اُسے اپنے ہر عمل کا دنیا و آخرت میں حساب دینا ہوگا۔ وہ نہ تو اپنے اعمال کے نتائج سے بچ سکتا ہے اور نہ جزا و سزا سے۔ قرآن میں اللہ کریم کا ارشاد ہے: ''قیامت کے دن ہم میزانِ عدل قائم کریں گے اور اس ترازو کی تول میں کسی پر کوئی زیادتی نہ ہوگی، پھر اگر کسی کا کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہوا تو ہم اس کو لا موجود کریں گے، اور ہم حساب لینے کو بالکل کافی ہیں'' (۱۴۹) اسی طرح کے صاف صاف فرمودات کے ذریعہ اسلام نے ضمیر کی نگرانی کے لئے خشیت و تقویٰ کی چوکی بٹھادی ہے اور اس طور پر اس کو حدودِ دین کے قیام کی ذمہ داری اور قوانینِ شرعی کے نفاذ کی دیکھ بھال کے عظیم منصب سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تیار کیا ہے۔ اجتماعی عدل کے قیام میں اسلام نے ایک طرف تو اسی تربیت یافتہ انسانی ضمیر پر اعتماد کیا ہے اور دوسری طرف قوانینِ شریعت پر انہی دو بنیادوں پر اس نے ایک ہم آہنگ متوازن اور موزوں انسانی سماج کی تشکیل کی ہے۔ ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہو اور ان کے امام کی اطاعت کرتے

Marfat.com

رہو'(۱۵۰) یہاں خوشی کا بھی ایک مقام ہے، مگر اس سے مراد خوشی وخوشحالی ہے جو خدا کے قانون کی پیروی سے اور اس کے نتیجہ میں حاصل ہو، اور یہ خوشی وخوش حالی جسمانی و مادی بھی ہے، ذہنی ونفسی بھی، آرٹسٹک اور روحانی بھی۔ نیز یہ خوشی وخوشحالی فرد کی بھی ہے، جماعت کی بھی اور تمام انسانیت کی بھی، ان تمام خوشیوں میں تصادم نہیں بلکہ توافق ہے۔(۱۵۱)

اسلامی نظامِ حکومت میں عدل اجتماعی:

اسلام کا تعلق زندگی کے ہر پہلو اور ہر طرح کے اعمال سے ہے۔ یہ نظام روحانی اور مادّی دونوں طرح کی قدروں پر حاوی ہے، اور دونوں کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کر کے نافذ کرتا ہے۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر بھی یہ ضروری ہے کہ اسلامی ریاست کے مزاج پر روشنی ڈالی جائے، کیونکہ طرزِ حکومت ان اقدار سے گہرا ربط رکھتا ہے۔ مزید برآں، قانون کو نافذ کرنا، معاشرہ کی مختلف پہلوؤں سے نگرانی کرنے، اس میں عدل او رتوازن برقرار رکھنے اور اسلامی اصولوں کے مطابق دولت کی تقسیم عمل میں لانے کا کام بھی بالآخر نظامِ حکومت ہی کے ذمہ کیا گیا ہے۔ اسلامی نظام کا بنیادی اصول دوسرے انسانی نظاموں کے بنیادی اصولوں سے یکسر مختلف ہے۔۔۔اس کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ حاکمیت صرف اللہ کی ہے اور وہی شریعت وضع کرسکتا ہے۔ دوسرے سارے نظام اس اصول پر مبنی ہیں کہ حاکمیت انسان کی ہے اور اپنے لئے شریعت وضع کرنے کا مجاز ہے۔ یہ دونوں اصول ایک دوسرے سے کبھی نہیں مل سکتے۔ اسی وجہ سے اسلامی نظام کسی دوسرے نظام سے میل نہیں کھاتا اور یہ کسی طرح جائز نہیں کہ اس کو اسلام کے سوا کسی دوسری صفت سے متصف کیا جائے۔(۱۵۲) اسلامی نظامِ حکومت میں عدل کے معاملے میں قرآن کا فیصلہ ہے کہ: اللہ تم کو عدل کا رویہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے'(۱۵۳) دوسری جگہ ارشادِ باری ہے کہ: ''جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل سے کرو'(۱۵۴) ایک اور جگہ اللہ نے فرمایا کہ: ''جب بات کہو انصاف کی کہو، خواہ معاملہ اپنے رشتے دار ہی کا کیوں نہ ہو'(۱۵۵) سورۃ مائدہ میں فرمایا کہ ''کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے'(۱۵۶) حدیث مبارکہ میں ہے یہ حدیث امام ترمذی نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے: ''قیامت کے دن اللہ کے نزدیک زیادہ قریب مقام پانے والا شخص امامِ عادل ہوگا اور سب سے زیادہ مبغوض اور شدید ترین عذاب کا مستحق شخص امامِ جابر ہوگا'(۱۵۷) یہ عدل مطلق کی سچی ترازو ہے کہ بغض ومحبت اس کی ڈنڈی ٹیڑھی نہیں کر سکتے اور نہ دوستی ودشمنی اس کے قواعد وضوابط کو بدل سکتے ہیں۔ عدل ہے جو افراد کی باہمی قرابت یا قوموں کے باہمی بغض وعناد، کسی سے بھی متاثر نہیں ہوتا۔ اس سے امت اسلامیہ کے سارے ہی افراد یکساں مستفید ہوتے ہیں، اسی طرح دوسری قومیں بھی اس سے مستفید ہوتی ہیں چاہے ان کے اور مسلمانوں کے درمیان عداوت ودشمنی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ عدل کے باب میں وہ بلند چوٹی ہے کہ آج تک نہ کوئی بین الاقوامی قانون اسے چھو سکا نہ ملکی قانون اسے پاسکا بلکہ کوئی قانون اس کے قریب بھی نہ پہنچ سکا۔

اسلام میں عدل کے امتیازی نمونے:

ایک مسلمان نے ایک اہل کتاب کو قتل کردیا اور وہ مقدمہ نبی کریم ﷺ کے پاس فیصلہ کے لئے آیا آپ ؐ نے کہا کہ میں اہل ذمہ کا حق ادا کرنے کا سب سے زیادہ ذمہ دار ہوں چنانچہ آپ نے قاتل کے بارے میں قتل کرنے کا حکم دیا اور اسے قتل کردیا گیا۔(۱۵۸) حضور اکرم ﷺ ذمیوں کے بارے میں مسلمانوں کو ہمیشہ متنبہ فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ ؐ نے ایک دن

Marfat.com

معاہدین کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: ''جس کسی نے کسی معاہد کو قتل کیا ہو۔ جنت کی ہوا بھی نہیں پائے گا حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہے'' (۱۵۹)

حضرت عمرؓ ایک مرتبہ صدقہ کے اونٹوں کو سخت گرمی میں تارکول لگا رہے تھے، کسی شخص نے کہا کسی غلام سے فرما دیا ہوتا، فرمایا ''مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہوگا''۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے اگر فرات کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی مر گیا تو مجھ سے اس کا حساب ہوگا۔ (۱۶۰)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی احتیاط کا یہ حال تھا کہ وہ عام باورچی خانہ میں (جو بیت المال کی طرف سے ہوتا تھا، اور جس پر عام مسلمانوں کا حق تھا) گرم کیا ہوا پانی نہیں استعمال کرتے تھے، اور مجبوراً کبھی اس کی نوبت آجاتی تو اس کی اجرت ادا کر دیا کرتے تھے، سرکاری کام کیلئے جو شمع جلتی تھی اس کی روشنی سے ذاتی کام نہ لیتے اگر کوئی ذاتی گفتگو چھیڑ دیتا تو فوراً اس کو گل کر دیتے تھے اور اپنا ذاتی چراغ منگوا لیتے تھے۔ کوئی پوچھتا کہ یہ کیا؟ تو آپ فرماتے یہ عدل کے خلاف ہے کہ میں ذاتی کام میں سرکاری مال استعمال کروں۔ (۱۶۱) باوجود اس کے کہ وہ اپنے وقت کے سب سے بڑے شہنشاہ تھے، اور بیک وقت قدیم بازنطینی سلطنت، ساسانی سلطنت اور جدید اسلامی سلطنت کے واحد فرماں روا تھے، ان کی معاشرت اور خرچ کا حال یہ تھا کہ ایک مرتبہ وہ اپنی بچیوں سے ملنے گئے تو دیکھا ہر ایک اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر بات کر رہی ہے، انہوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو ان کی دایہ نے کہا کہ آج گھر میں مسور کی دال اور لہسن کے سوا کھانے کو کچھ نہ تھا، ان بچیوں نے یہی کھایا۔ اور اس خیال سے کہ آپ کو اس کی بو سے تکلیف نہ ہو، منہ پر ہاتھ رکھ کر بات کرتی ہیں، عمر بن عبدالعزیزؒ یہ سن کر رونے لگے اور کہا کہ اے بیٹیو! اس میں تمہارا کیا فائدہ کہ تم انواع و اقسام کے کھانے کھاؤ اور تمہارے باپ کو جہنم میں لے جایا جائے، یہ سن کر بچیاں بھی رونے لگیں۔ یہ تھا خوف اس (میزان) یعنی عدل کا جو روزِ قیامت قائم کیا جائے گا۔ (۱۶۲) اس سلسلہ میں ایک واقعہ قابل ذکر ہے کہ عمرو بن العاصؓ (جو مصر کے گورنر تھے) کے بیٹے نے گھوڑ دوڑ کے موقع پر ایک مصری کے یہ جملہ کہنے پر کہ ''واللہ میرا گھوڑا آگے ہے''، مصری کے ایک تھپڑ مارا اور کہا کہ لو ایک شریف زادہ کا طمانچہ، اس نے حضرت عمرؓ سے جا کر شکایت کی، حضرت عمرؓ نے فوراً عمرو بن العاصؓ کو مع ان کے بیٹے کے طلب کیا، جب وہ آ گئے تو اس مصری سے کہا اس درہ سے ''شریف زادہ'' کو مارو اس نے عمرو بن العاصؓ کے بیٹے کو اتنے درے مارے کہ وہ زخموں سے چور چور ہو گئے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ اب یہ کوڑہ عمرو بن العاصؓ کے سر پر پھراؤ، اس لئے کہ اس لڑکے نے تم کو جو طمانچہ مارا وہ محض اپنے باپ کی حکومت کے گھمنڈ میں مارا، پھر آپؓ نے عمرو بن العاصؓ سے کہا: ''کب سے تم نے لوگوں کو غلام بنایا حالانکہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے''۔ (۱۶۳) یہ تھا عدلِ فاروقی جس کی مثال آج کی ترقی یافتہ دنیا میں کہیں نظر نہیں آتی۔

معروف محقق اور سیرت نگار ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے تحقیق اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ میثاق مدینہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔ جو عدل اجتماعی کا سب سے پہلا قانون ہے۔ (۱۶۴) میثاق مدینہ میں ۵۲ دفعات ہیں، پہلی ۲۳ دفعات انصار و مہاجرین سے متعلق قواعد پر مشتمل ہیں اور بقیہ حصہ یہودی قبائل کے حقوق و فرائض سے بحث کرتا ہے، ان دونوں میں ایک جملہ دہرایا گیا ہے کہ آخری عدالت مرافعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہوگی۔ یہودیوں سے متعلق جو دفعات ہیں

Marfat.com

ان میں بیان کیا گیا ہے کہ فدیہ، دیت ولاء اور جوار کے ادارے حسب سابق برقرار رہیں گے۔کوئی شخص قاتل اور ان کے مددگاروں کو اپنی پناہ میں لینے کا مجاز نہ ہوگا۔ عثمانیوں کے عہد میں جس فرقے نے سب سے زیادہ مزے اڑائے، وہ یہودی تھے۔ ہر عیسائی ملک میں یہودی دھتکارے جاتے تھے، ہسپانیہ میں جب آخری مسلم حکومت غرناطہ کا خاتمہ ۱۴۹۲ء میں ہوا تو یہودیوں پر بھی ہسپانوی عیسائیوں کا عتاب نازل ہوا، اس عتاب سے بچنے کے لئے انہوں نے بظاہر دین عیسوی اختیار کرلیا، لیکن جب فتح قسطنطنیہ کے بعد سلطان محمد فاتح نے یہودیوں کو مراعات دینا شروع کیں تو اس کا چرچا ہسپانیہ تک پہنچا، وہ تمام یہودی جو بظاہر عیسائی ہوگئے تھے، مملکت عثمانیہ پہنچے، سلطان محمد فاتح نے یہودیوں کو قسطنطنیہ میں بسایا اور اس قوم کو بھی ایک علیحدہ ملت کا درجہ دیا، ان کے بڑے ربی کو ''حاخم باشی'' مقرر کیا، یہاں قسطنطنیہ میں یہودی ترکوں کے ایسے منہ لگ گئے کہ ان کے ''حاخم باشی'' کا رتبہ بطریق اعظم سے بھی اعلیٰ کردیا گیا، اس عہدے دار کا درجہ صرف شیخ الاسلام کے بعد تھا، بازنطینیوں نے بھی ایسا حسن سلوک یہودیوں سے کبھی نہ کیا تھا، سلاطین عثمانیہ کے طبیب خاص اکثر یہودی ہوتے، اندلسی مسلمانوں کی طرح اندلسی یہودیوں نے بھی ترکوں کو فنون سکھائے، یہودیوں میں بھی کئی فرقے تھے جن میں سے ایک قرانطی نامی کے عقائد حنفی عقائد سے ملتے جلتے تھے، مملکت عثمانیہ میں پہنچ کر اندلسی یہودیوں نے عیسائی مذہب کو خیر باد کہا، یہ تمام پناہ گزین قسطنطنیہ کے علاوہ سالونیکا اور اور یا نپل میں بھی آباد ہوئے، اناطولیہ میں یہ لوگ بروسا، اماسیہ اور توقات کے شہروں میں بسے، یورپ کے کسی ملک میں یہودیوں کی تعداد اتنی نہ تھی جتنی کہ تنہا قسطنطنیہ میں تھی، شہر سالونیکا میں تو یہودیوں کو اکثریت حاصل ہوگئی، مسلمانوں نے یہودیوں کو مختلف صنعتی اصناف میں بھی داخل کیا کیونکہ یہودی اسلحہ سازی کے ماہر تھے، یہ لوگ یورپ کی مختلف زبانیں بھی جانتے تھے، اس لئے ان کو مترجم بھی مقرر کیا گیا، سلطان سلیمان عالی شان کے عہد میں اعلیٰ یہودی ربی کو ''کاخیہ'' کا رتبہ عطا ہوا اور اس کاخیہ کے ذریعے یہودیوں کو سلطان تک رسائی ہوتی تھی۔(۱۶۵)

عیسائیوں کے ساتھ عدل:

عیسائی مذہب کے بہت سے بنیادی عقائد میں اسلام سے حیرت انگیز حد تک مماثلت پائی جاتی ہے جبکہ انہیں عقائد میں یہودیت اور عیسائیت کے نظریات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔لیکن مسلمانوں نے عیسائیوں سے جنگ کرنے کی بجائے انہیں پہلے دعوت دی اور درمیان کی راہ (یعنی عدل کی راہ) پسند کی مگر عیسائیوں نے یہودیوں کے ساتھ مل کر سازشیں کیں اور بعد میں مسلسل جنگیں لڑیں۔

ابن الجوزی کا بیان ہے کہ آں حضرت ﷺ سات سال کے تھے کہ آپ ﷺ کی آنکھوں میں کوئی تکلیف پیدا ہوئی، قبل از اسلام مکہ طب میں جزیرۃ العرب کا سب سے بڑا مرکز تھا، اس کی شہادت اس سے ملتی ہے کہ عربی میں اطباء کی سیرت کی جو لغات ہیں، ان میں ایک ایسے طبیب کا ذکر ہے جس نے صحت وصفائی پر ایک کتاب تالیف کی تھی، لیکن اس کے باوجود مکہ کی طبی امداد آنحضرت ﷺ کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکی، آپ کے دادا عبد المطلب آپ کو ایک عیسائی راہب کے پاس لے گئے جو عکاظ کے قریب ایک خانقاہ میں رہتا تھا، اس عیسائی ''ڈاکٹر'' کے علاج سے آپ کو صحت مل گئی، اس آیت کریمہ سے عیسائی راہبوں اور درویشوں کے ساتھ آغاز اسلام کے جذبات و خیالات پر کافی روشنی پڑتی ہے، قرآن مجید میں ہے:''اور تحقیق تو پائے گا ان

Marfat.com

لوگوں کو زیادہ میلان رکھنے والا دوستی کا ایمان والوں کے ساتھ، جو کہتے ہیں ہم عیسائی ہیں، یہ اس لئے کہ ان میں پجاری اور راہب ہیں اور وہ غرور سے سرشار نہیں ہیں''۔ (۱۶۶)

آنحضرت ﷺ نے مظلوم صحابہؓ کو یہ مشورہ دیا کہ وہ ہجرت کر کے حبشہ چلے جائیں،اس ملک میں ایک ایسا بادشاہ حکمراں ہے جو کسی پر ظلم نہیں کرتا، یہ سچائی کی سرزمین ہے، وہاں اس وقت تک رہو، جب تک خدا تمہارے لئے اس عذاب سے بچنے کی کوئی صورت پیدا نہ کر دے جس میں تم مبتلا ہو۔ (۱۶۷)

جب کچھ عیسائی اہل حبشہ نجاشی کے سفیر بن کر مدینہ آئے تو اپنے خدام کو حکم دینے کے بجائے آنحضرت ﷺ نے ذاتی طور پر ان کی تواضع و مدارات کی، اور حکم دیا اہل حبشہ کو ان کے حال پر چھوڑ دو، تاوقتیکہ وہ تمہارے خلاف جارحانہ کارروائی عمل میں نہ لائیں! ''عیسائی حبشہ کے خلاف کوئی جنگ نہیں، خواہ وہ (یعنی حبشہ) غیر اسلامی'' ہی ہو۔ان مختلف واقعات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دل میں مسیح اور مسیحیوں کے ساتھ کتنی ہمدردی تھی، حالانکہ آپ نے ان کے عقائد و مراسم کی مخالفت کی (جنہیں آپ بعد کا اضافہ سمجھتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ عیسیٰ نے ان باتوں کی تعلیم نہیں دی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی علالت کے چند روز بعد بستر مرگ سے اُسامہؓ کے ماتحت ایک اور فوج روانہ کرنے کا حکم دیا تا کہ وہ مسلم سفیر کے عیسائی قاتل کے ملک پر حملہ کرے، اس کے بعد جوابی کارروائیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، اور چند ماہ بعد خلیفہ ابو بکرؓ نے سلطنتِ روم کے خلاف کھلی جنگ کا اعلان کر دیا (۱۶۸)

حضرت محمد ﷺ نے غیر مسلم رعایا کی حیثیت سے نجران کے عیسائی باشندوں کے ساتھ معاہدہ کیا انہیں انسانی اور مذہبی حقوق عطا فرمائے، یہ تاریخ ساز معاہدہ نجران ۶ ھ میں ہوا اور اس کی جملہ دفعات آج تک تاریخ میں محفوظ ہیں۔

عدل اجتماعی یعنی (مفاہمتی عمل) میں معاہدہ نجران: کے اصل متن اور اس میں درج معاہدہ کی رو سے عیسائی اقلیت کو مذہبی رواداری کے صلہ میں جو حقوق و مراعات حاصل ہوئے وہ درج ذیل ہیں:

۱- ان کی جان محفوظ رہے گی۔ ۲- ان کی زمین، جائیداد اور مال وغیرہ ان کے قبضہ میں رہے گی۔

۳- ان کے کسی مذہبی نظام میں تبدیلی نہیں کی جائے گی، مذہبی عہدیدار اپنے اپنے عہدوں پر برقرار رہیں گے۔

۴- صلیبوں اور مورتوں کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ ۵- ان کی کسی چیز پر قبضہ نہیں کیا جائے گا۔

۶- ان سے فوجی خدمت نہیں لی جائے گی۔ ۷- اور نہ پیداوار کا عشر لیا جائے گا۔

۸- ان کے ملک میں فوج نہ بھیجی جائیگی۔ ۹- ان کے معاملات اور مقدمات میں پورا پورا انصاف کیا جائے گا،

۱۰- ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے پائے گا۔ ۱۱- کوئی ناکردہ بے گناہ کسی مجرم کے بدلے میں نہ پکڑا جائے گا۔

۱۲- اور نہ کوئی ظالمانہ زحمت دی جائے گی۔

عدلِ اجتماعی کے لئے پائیدار حکمت عملی کی تشکیل تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں:

۱۔عدلِ اجتماعی کے لئے درگزر کی عادت اپنانا ہوگی: اسلام معافی اور درگزر کو پسند کرتا ہے، معاف کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اسوۂ رسول ﷺ ہمارے لئے نمونہ ہے چنانچہ ایک مثال پیش خدمت ہے، ولید بن مغیرہ آپ ﷺ کا صفِ اول کا

Marfat.com

دشمن تھا وہ طرح طرح سے آپ ﷺ کو ستاتا تھا قرآن میں اسی کے لئے کہا گیا ہے کہ ''جھلانے والے کی بات نہ سننا وہ بہت قسمیں کھاتا ہے طعنہ دیتا ہے ادھر کی اُدھر لگاتا ہے۔ بھلائی سے روکتا ہے حد سے بڑھا ہوا گنہگار درشت خو اور اس سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کی اصل میں خطا ہے'' (۱۶۹) رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھی درگزر کا معاملہ فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے اس کا راز کھولا تو سب کو پتا چل گیا۔ کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔

۲۔ عدلِ اجتماعی کے لئے تصور میزان رکھنا ہوگا: میزان کے متعلق اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ قیامت کے دن انصاف کے ترازو میں سب کو کھڑا کیا جائے گا اور پھر کسی پر بھی کچھ ظلم نہ کیا جائے گا زرتشتی عقیدہ کے مطابق لوگ پل صراط عبور کرلیں گے انہیں جنت میں داخل ہونے سے قبل اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا جو دو فرشتے لیں گے رشنو اور مہر ایک اور فرشتہ سروشازہ ہے، ان لوگوں کے لئے سفارش کرے گا کہ ان کی برائیاں معاف کردی جائیں تاکہ نامہ اعمال میں ان کی نیکیوں کا پلڑا بھاری رہے اس سفارش کی قبولیت کے بعد یہ لوگ اپنے اعمال کے اعتبار سے جنت کے مختلف درجوں میں داخل ہوں گے۔

۳۔ عدلِ اجتماعی کے لئے اصول اور فروع: اس آیت میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم (اور آپ کی معیت میں تمام مسلمانوں) کو حکم دیا گیا ہے کہ جو ''دین'' پچھلے تمام پیغمبروں کو دیا گیا تھا، وہی تم کو بھی دیا گیا ہے، تم اس کی سچی پیروی کرو، اس میں تفریق نہ پیدا کرو، مفسرین نے صراحت کی ہے کہ اس آیت میں ''الدین'' سے مراد صرف اساسی اصول دین ہے نہ کہ جزئیات و فروع سمیت تمام دین، کیوں کہ قرآن سے ثابت ہے کہ اساسی دین کے علاوہ شریعت اور منہاج میں ایک پیغمبر اور دوسرے پیغمبر کے درمیان فرق تھا، اس لئے تمام پیغمبروں کی مشترک پیروی صرف اساسی اور اصول دین میں ہوسکتی ہے جو کہ سب کے یہاں ایک رہا ہے نہ کہ شریعت اور منہاج میں جس میں ایک پیغمبر اور دوسرے پیغمبر کے درمیان فرق پایا جاتا ہے۔ اسلام میں یہ مطلوب ہے کہ سارا زور اور تاکید بنیادی تعلیمات پر دیا جائے، کیوں کہ بقیہ تمام چیزیں اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔

عدلِ اجتماعی کی جڑ اور شاخیں: قرآن میں کلمۂ ایمان کو درخت سے تشبیہہ دی گئی ہے (۱۷۰) یہ تشبیہہ بہت بامعنی ہے۔ درخت کا ایک حصہ وہ ہے جو جڑ کی صورت میں ہوتا ہے اس کا دوسرا حصہ وہ ہے جو شاخوں کی صورت میں ہوتا ہے، مثلاً ہر کسان یہ جانتا ہے کہ کھاد اور پانی دینے کا کام اسے جڑ میں کرنا ہے نہ کہ شاخوں میں جڑ میں پانی دینا بالواسطہ طور پر شاخوں اور پتیوں میں بھی پانی دینا ہے، کیوں کہ پتیوں اور شاخوں کو جڑوں ہی سے طاقت ملتی ہے نہ کہ خود پتوں اور شاخوں سے۔ بلکہ اسی طرح عدل کی بھی جڑ اور شاخیں ہیں۔ جس طرح دین کی جڑ اور اس کی شاخیں ہیں جن پر عمل نہ کرنے سے دین کا ہرا بھرا باغ کھڑا نہیں ہوسکتا۔ اسی حقیقت کو حدیث میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

> الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهی القلب۔ (متفق علیه)

> سن لو بے شک جسم کے اندر گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو تو پورا جسم درست ہو جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے، سن لو، بے شک وہ قلب ہے۔

''قلب'' اور ''جسم'' دو برابر کی چیزیں نہیں ہیں، بلکہ ان میں اصل اور فرع کی نسبت ہے، قلب گویا جڑ کی مانند ہے

Marfat.com

اور جسم شاخ کی مانند، اگر ہم جسم کی درستگی چاہتے ہوں تب بھی ہمیں قلب کی درستگی پر سارا زور صرف کرنا ہوگا، قلب کی درستگی پر زور دینا اگر ''اتباع صراط'' ہے تو جسم کی درستگی پر زور دینا ''اتباع سبل'' اس اصول کو سامنے رکھ کر موجودہ زمانہ کی حالت دیکھیں کہ اتباع صراط کے بجائے اتباع سبل کا نمونہ نظر آتی ہیں، اسی وجہ سے معاشرہ میں بگاڑ آیا ہے، (۱۷۱)

ان آیتوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قوموں پر جب لمبی مدت گزر جاتی ہے، تو ان کے افراد میں قساوت (بے حسی) آجاتی ہے، وہ دین کی حقیت کھو دیتے ہیں، ان کے اسلاف اگر حقائق پر جینے والے تھے، تو ان کی بعد کی نسلیں خوش فہمیوں کی بنیاد پر زندہ ہوتی ہیں، یہ بعد کے لوگ شکل و دین کے اعتبار سے زندہ نظر آتے ہیں، مگر وہ روح دین کے اعتبار سے مردہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ لہٰذا ضرورت ہے انفرادی و اجتماعی زندگی میں نظریہ و عمل میں ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ اس کے بعد ہی معاشرہ میں عدل اجتماعی مظاہرہ نظر آئے گا۔ اللہ کا فرمان ہے کہ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ (۱۷۲) اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کی قدم بقدم پیروی نہ کرو، آدھا تیتر آدھا بٹیر نہیں کہ کچھ قوانین اسلام کے قبول کرو کچھ فرنچ یا برٹش یہ سب لوگوں کے گھڑے ہوئے ظن وتخمین کی بنیاد پر تیار شدہ قوانین ہیں۔ اسی حقیقت پر قرآن کریم بار بار متنبہ کرتا ہے: ﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ﴾ (۱۷۳) وہ جس چیز کی پیروی کرتے ہیں وہ بجز گمان و خواہشات نفس کے اور کچھ نہیں۔ ﴿وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ (۱۷۴) ان کے پاس حقیقت کا کوئی علم نہیں وہ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں، اور گمان کا حال یہ ہے کہ وہ حق کی ضرورت کو کچھ بھی پورا نہیں کرتا۔ ﴿بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (۱۷۵) مگر ظالموں نے اپنی خواہشات نفس کی پیروی کی بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی علم ہو۔ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍO ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (۱۷۶) اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو تکبر کے ساتھ منہ موڑے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر کسی علم و ہدایت اور کتاب منیر سے جھگڑتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکا دیں۔ ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ﴾ (۱۷۷) اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جس نے اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے بجائے اپنی خواہش کا اتباع کیا۔ علم یقینی عطا کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ دنیا میں صرف اسلام واحد مذہب ہے جو علم یقینی اور قانون فطرت کا حامل ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا﴾ (۱۷۸) اے میرے ابا یقین جانئے کہ میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، لہٰذا آپ میری پیروی کیجئے، میں آپ کو سیدھے راستہ پر چلا دوں گا۔ ﴿وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ (۱۷۹) اور لوطؑ کو ہم نے قوت فیصلہ اور علم بخشا۔ حضرت موسیٰ اور داؤد اور سلیمان علیہم السلام کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ (۱۸۰) اور جب وہ اپنی پوری جوانی کو پہنچا اور پورا آدمی بن گیا تو ہم نے اسے قوت فیصلہ اور علم عطا کیا۔ ﴿وَكُلًّا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ (۱۸۱) اور ان میں سے ہر ایک کو ہم نے حکم اور علم عطا کیا۔ نبی کریم ﷺ سے فرمایا جاتا ہے: ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ﴾ (۱۸۲) اور اگر آپ ﷺ نے اس علم کے بعد جو آپ ﷺ کے پاس آیا ہے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ تعالیٰ

Marfat.com

سے آپ کو بچانے والا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا۔ بظاہر خطاب نبی کو ہے لیکن حقیقتاً ساری انسانیت کو خبردار کیا گیا ہے، گویا اسلام کا عادلانہ کلچر قائم کرنا امت مسلمہ کے فرائض میں شامل ہے۔ جو کہ ہم آہنگی و تقارب کی بنیاد ہے۔

قیامِ امن کے لئے عدل و مساوات کی اہمیت: قیامِ امن کے لئے اور اقوام کی طرح بحیثیت مسلم ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے وہ ذاتی زندگی میں عدل کا راستہ اختیار کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ﴿كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ﴾ (۱۸۳) یہ عدل اولاد کے معاملہ میں بھی ہونا چاہئے، عائلی زندگی میں بھی ہونا چاہئے، اگر کسی عدالت کا سربراہ ہے تو مدعی و مدعی علیہ کے درمیان عدل کا نفاذ کرے، اگر ملک کا سربراہ ہے تو اپنی عوام کے درمیان بلاتخصیص مذہب و نسل سب کے ساتھ برابری اور انصاف کا سلوک کرے، کسی کو مذہب و قومیت یا کسی اور بنیاد پر ظلم کا نشانہ نہ بنائے، علامہ مناوی نے انصاف اور عدل کو مترادفات میں شمار کیا ہے۔(۱۸۴) اللہ تعالیٰ نے عدل کا حکم قرآن کے ساتھ مشروط کر کے دیا ہے۔ ﴿لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ﴾ (۱۸۵) قرآن کے مطابق فرد کی ذمہ داری ہے اس کا نفاذ کرے اور عدل بلاتخصیص مذہب و نسل ہو حضرت علیؓ نے فرمایا جو غیر مسلم ہمارے ماتحت ہوں ان کا خون ہمارے خون کے برابر ہے، ان کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔(۱۸۶) مسلم امت کی بدقسمتی یہ ہے کہ بیشتر ممالک میں آمر حکمراں مسلط ہیں، عوام کو انصاف میسر نہیں ہے یا انصاف پیسوں کے ذریعہ حاصل کرنا پڑتا ہے، حالانکہ یہ مفت حاصل ہونا چاہئے، ضرورت ہے عدلیہ کو مکمل آزادی دی جائے اور عدلیہ ہر قانون و ہر فرد کے خلاف داد رسی کر سکے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کفر کے ساتھ حکومت قائم رہ سکتی ہے، ظلم کے ساتھ نہیں۔ یہی وجہ ہے آپ ﷺ نے معاہدہ حلف الفضول(۱۸۷) کا احیاء فرمایا جس کا مقصد امن کا قیام مسافروں کا تحفظ اور مظلوموں کی امداد تھا۔(۱۸۸) عدل کا ایک پہلو صوبوں اور صوبوں میں بسنے والی تمام قوموں سے برابری کا سلوک بھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا المسلمون شركاء في ثلاث الماء و الكلاء والناس. یعنی پانی چارہ اور آگ سب کو یکساں ملے، آج پانی اہم ترین تنازعہ کا سبب ہے، چارہ کی جگہ روزگار نے لے لی ہے، عبدالخالق سہریانی نے اس پر تفصیل سے لکھا ہے۔(۱۸۹) ظلم نام ہے: التصرف في حق الغير بغير حق (۱۹۰) یعنی غیر کی حق تلفی دوسری تعریف کی گئی ہے: وضع الشيئى في غير موضعه (۱۹۱) آپ ﷺ نے فرمایا: اِتَّقُوا الظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (۱۹۲) یعنی ظلم سے بچو ورنہ قیامت کے دن سامنے آئے گا، دوسری جگہ فرمایا: اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِماً اَوْ مَظْلُوْماً (۱۹۳) اپنے بھائی کی مدد کرو اگر ظالم ہے تو ظلم سے روکو مظلوم ہے تو ظلم سے بچاؤ، یہی عدل ہے، جب تک عدل عام نہ ہو ظلم کا خاتمہ نہ ہو اور سب کے ساتھ مساوی سلوک نہ ہو امت مسلمہ عنداللہ مجرم رہے گی۔

عدلِ اجتماعی، امن کا قیام اور امت مسلمہ: آج دنیا میں امن کے نام پر فساد کو فروغ دیا جا رہا ہے اور فسادی مسلمانوں کو ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں، قرآن کریم کے الفاظ میں جب ان سے کہا جاتا ہے فساد نہ پھیلاؤ تو کہتے ہیں: نَحْنُ مُصْلِحُوْن. (۱۹۴) ہم تو اصلاح کر رہے ہیں فساد نام ہے، إخراج الشيء عن حالة محمودة لا لغرض صحيح. (۱۹۵) یہی وجہ ہے سورۂ مائدہ میں فسادی کی سزا قتل بیان کی گئی ہے۔(۱۹۶) اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے ہر حال میں امن قائم رکھیں، فسادیوں کی پیروی نہ کریں۔(۱۹۷) اللہ تعالیٰ امن خراب کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔(۱۹۸) خود نبی نے دعاء مانگی ہے، ﴿رَبِّ انْصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ (۱۹۹) اے اللہ فسادیوں کے خلاف میری مدد فرما، یہ فساد کہیں مذہب کے نام

Marfat.com

پر کہیں قومیت کے نام اور کہیں امن کے نام پر برپا کیا جا رہا ہے۔ ہر فرد کی ذمہ داری ہے اپنے ملک و ملت کو عدم استحکام سے تحفظ فراہم کرنے کے لئے قیام امن میں حصّہ لے۔

عدلِ اجتماعی کے لئے جمہوریت و مشاورت کی ضرورت: کوئی بھی حکومت مستحکم و دائم اسی وقت ہو سکتی ہے، جبکہ اس کے باشندوں کو عدلِ اجتماعی کے لئے مشاورت میں شامل کیا جائے اور وہ اس شرکت کو محسوس کریں۔ نبی کریم ﷺ نے مدینہ کی حکومت کو استحکام بخشنے کے لئے ''مشورہ'' کو رائج کیا۔ مشورہ لینے کے لئے ادارہ وجود میں آتا ہے، جسے ''مجلس شوریٰ'' کہا جاتا ہے۔ اس میں ارباب حل وعقد سے ان کی آراء پوچھی جاتی ہے اور اس کی روشنی میں کسی فیصلہ پر پہنچتے ہیں۔(۲۰۰) اس کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں، شوریٰ کی روح یہ ہے کہ جماعت کے افراد میں سے ہر فرد اپنے علم اور قابلیت کے مطابق اپنی آراء اور خیالات پیش کرتا ہے۔ ایک دوسرے کے نظریات ملتے ہیں اور اس سے ایک اچھا فیصلہ ہاتھ آجاتا ہے۔اور عدلِ اجتماعی کے قیام میں اس سے مدد ملتی ہے۔(۲۰۱) نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگرچہ اللہ اور اس کا رسول مشورہ سے بے نیاز ہے۔ مگر شوریٰ کا حکم امت کے لئے رحمت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ما رأیت احداً اکثر مشورۃ لاصحابہ من النبی ﷺ۔ (۲۰۲) میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے میں اتنا زیادہ سرگرم ہو جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ یہی بات حضرت عائشہؓ نے فرمائی۔ ہم جب کتب سیرو تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ پہلو خوب واضح ہوکر سامنے آتا ہے۔ جو کہ عالمی جمہوری کلچر کی بنیاد ہے۔آپ ﷺ نے ہر اہم مسئلہ پر صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ ۱ھ میں نماز کے اجتماع کے لئے اذان کا مشورہ صحابہ سے ہوا۔ (۲۰۳) ۲ھ میں غزوہ بدر کے سلسلہ میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا۔(۲۰۴) ۲ھ میں غزوہ بدر میں قید ہونے والے مشرکین مکہ کے بارے میں مشورہ کیا۔(۲۰۵) ۵ھ میں غزوہ خندق کے موقع پر صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا، مدینہ میں رہ کر لڑیں یا باہر نکل کر۔(۲۰۶) ۶ھ میں حضرت عائشہؓ پر تہمت لگی تو صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔(۲۰۷) ۸ھ میں ہوازن کے چھ ہزار جنگی قیدیوں کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔(۲۰۸) ۱۰ھ میں معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر مقرر کرنے کے لئے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔(۲۰۹) خلفاء اربعہ نے بھی نبی کریم ﷺ کی اس سنت کو جاری رکھا۔ مشورہ کے بعد اس پر عمل کرنے کے لئے رائے عامہ تیار ہوجاتی ہے۔ ہر طبقہ اپنی شرکت کو محسوس کرتا ہے۔ اس طرح ملک کو استحکام حاصل ہوتا ہے اور ملک آمریت سے محفوظ رہتا ہے۔ اس کا اعتراف کرتے ہوئے ایک مستشرق آرمینس وان میری نے بجا طور پر اعتراف کیا ہے جسے ڈیماکریسی (حقیقی جمہوریت) کی بنا پر امتیاز اور فوقیت حاصل ہے، انسان کی عمرانی تاریخ سے آج تک اگر صحیح معنیٰ میں کوئی شورَوی حکومت قائم ہوئی ہے، تو بقسم کہنا درست ہوگا کہ وہ خلفاء راشدین ہی کی خلافت راشدہ تھی۔(۲۱۰) امت مسلمہ کی بدقسمتی ہے نئے عالمی نظام کے خالق نے اپنے لئے جمہوریت اور مسلم ملکوں کے لئے آمریت کو پسند کیا ہوا ہے تاکہ اپنے مفادات کے لئے انگلیوں پر نچا سکے لہٰذا ہماری ذمہ داری ہے کہ عدل اجتماعی اور اسلامی کلچر کو فروغ دیں، اور مشاورت کے بغیر اہم ملکی و ملی معاملات سرانجام نہ دیں۔

خلاصہ بحث

ہادی دین ومبین، سرورکونین، رحمتہ للعالمین، سید الاولین والآخرین، ہمارے آقا اور پیشوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

Marfat.com

رسول اعظم، مبلغ اعظم، خلق عظیم، رہبر تقویٰ ورہنمائے کاروان انسانیت کی سیرت طیبہ، مکارم اخلاق، انداز اطاعت، عبادت، حالات جلوت وخلوت، تمام اعمال و اقوال اور تعلقات ومعاملات زندگی۔ ہر قوم، ہر طبقہ، ہر جماعت اور ہر فرد کیلئے، ہر زمانہ اور ہر وقت میں بہترین نمونہ ومثال ہے۔ سرور کائنات نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ خصائل وشمائل، عادات وعبادات کا پورا ذخیرہ انسانیت کی فلاح وسعادت کا نصاب کامل اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ نبی کریمؐ کی شاہراہ سنت ہر خطرے سے مامون اور قابل تقلید بھی ہے۔ حضور اقدسؐ کے تمام آداب و خصائل اور آپؐ کی شاہراہ سنت تا قیامت باقی رہنے والا توشہ ہے۔ سنت نبویہ مطہرہ میں قائدین وتبعین، حکام ومحکومین، رہبران و مرشدین اور مجاہدین کیلئے رشد وہدایت ہے۔ تعلیمات نبویہ میں سیاست وحکومت، معاشرتی معاملات، انسانی تعلقات، اخلاق فاضلہ اور بین الاقوامی روابط، عدل اجتماعی سمیت جملہ میدانوں کیلئے اسوہ نمونہ ہے۔ سیرت طیبہ در اصل اس پیغام ربانی کے عملی پرتو سے عبارت ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کے سامنے پیش کیا تھا۔ اسی سیرت طیبہ کے بارے میں قرآن حکیم نے اعلان فرمایا: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ''یقیناً تمہارے لئے رسولؐ اللہ کی سیرت میں عمدہ نمونہ موجود ہے''(۲۱۱)۔

اسلام ظلم وستم، خودغرضی، سنگدلی، تنگ نظری کے الزام کی واشگاف تردید کرتے ہوئے دعویٰ کرتا ہے کہ دین اسلام عدل و انصاف، اتفاق واتحاد کا مذہب ہے۔(۴۷) یہ اجتماعی عدل و اخلاق اور محبت کا پیامبر ہے۔(۴۸) انسان کا ناصح ہے۔(۴۹) یہ اخوت و بھائی چارے کا پیغام بر ہے۔(۵۰) یہ آزادی فکر کا حامی ہے۔(۵۱) یہ دین متعدین (۵۲) اس کے علاوہ کافرین (۵۳) ظالمین (۵۴) مفسدین (۵۵) مسرفین (۵۶) خائنین (۵۷) متکبرین (۵۸) فرحین (۵۹) کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اس کی بجائے یہ دین محسنین (۶۰) متطہرین (۶۱) صابرین (۶۲) متوکلین (۶۳) مقسطین (۶۴) متقین (۶۵) مطہرین (۶۶) سے محبت رکھتا ہے۔ یہ دین کسی پر ظلم وتشدد ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔(۶۷) بلکہ زندگی کے ہر لمحے میں امن، سلامتی و مفاہمت اور عدل چاہتا ہے۔(۶۸) اور اس مقصد کے لیے امر بالمعروف ونہی عن المنکر اپنے اصولوں اور فرائض میں شامل کرتا ہے۔(۶۹) یہ دین مذہبی انتہا پسندی کی آڑ میں کسی پر ظلم وزیادتی یا تشدد کا روادار ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ فلسفہ انسانیت میں یہ انسان کو اللہ کا نائب اور خلیفہ تصور کرتا ہے۔(۷۰) یہ دین انسان کی عزت وعظمت کے بارے میں اس قدر حساس ہے کہ یہ ایک انسان کی دوسرے کے ساتھ بدکلامی (۷۱) بدگمانی (۷۲) بدی (۷۳) بہتان (۷۴) بے حیائی (۷۵) کو نہ صرف انسانی قدروں کے خلاف سمجھتا ہے بلکہ ان رذائل کی بھرپور مذمت بھی کرتا ہے۔ اس کے برعکس انسان کے لیے پاک دامنی (۷۶) پاکیزگی (۷۷) تقویٰ و پرہیزگاری (۷۸) تزکیہ نفس (۷۹) نیکی (۸۰) ثابت قدمی (۸۱)، حسن سلوک (۸۲) خشیت الٰہی (۸۳)، رضائے الٰہی (۸۴) صدق (۸۵) مساوات (۸۶) عفو و درگزر (۸۷) عمل صالح (۸۸) کو انسانی قدر ومنزلت کی علامات اور صفات عدل اجتماعی کو وقار دیتا ہے اور یہ سارے حوالے میرے نبی ﷺ کی سیرت و کردار کے روشن حوالے ہیں۔

اسلام ہی وہ مذہب ہے جو عدلِ اجتماعی کا علمبردار ہے اور ہر اچھی بات کو یہ کہہ کر لینے کا حکم دیتا ہے ''حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے'' آپ ﷺ کا غزوہ احزاب میں خندق کھودنا طائف میں منجنیق استعمال کرنا ہندی تلوار کی تعریف کرنا شلوار کو پسند کرنا مہر کیلئے انگوٹھی کا استعمال یہ سب اسلام کی اچھی باتوں میں ہم آہنگی کو فروغ دینے کے کھلے ثبوت ہیں اور چوری قتل،

Marfat.com

زنا، ظلم، جھوٹ، منافقت، دہشت گردی، سود خوری، منشیات وغیرہ پر اسلام وہی نقطہ نظر رکھتا ہے جو دنیا کی اقوام و تہذیبیں رکھتی ہیں بلکہ بے شمار افکار ہیں جن پر وہ عمل چھوڑ چکے ہیں لیکن اسلام سختی سے کاربند ہے جیسے سود خوری، منشیات کا استعمال زنا کاری وغیرہ۔ بلاشبہ عدلِ اجتماعی ہی وہ عمل ہے جس سے معاشرے میں اعتدال آسکتا ہے۔ تاریخِ انسانی میں انبیاء کی بابرکت شخصیتیں ہوں یا ہمارے نبی کریم ﷺ کی سیرت ہو سب ہی انسانیت کی بھلائی اور کامیابی کی راہیں وا کرتی ہیں اور تمام انبیا اپنی اپنی تعلیمات کے ذریعے بنی نوع انسانوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام دیتے گئے ہیں۔ جو بھی ان تعلیمات پر عمل کرے گا کامیاب ہوجائے گا۔ سیرتِ طیبہ ﷺ روشنی کا وہ مینارہ ہیں جس میں صرف کامیابی ہی کامیابی ہے۔ انہی الفاظ پر اپنا مقالہ ختم کرتا ہوں اور دعا گو ہوں اللہ اسلام کو سربلندی عطا فرمائے (آمین)

حواشی و حوالہ جات

۱- سورۂ احزاب، آیت ۲۱...... ۲- سورۂ والتین، آیت ۴/۹۵...... ۳- Margoliouth, D.S-Muhammad and the rise of Islam, London, New York ......۳a- H.H. Wells, A Concise History of the World...... ۴- سورہ حم سجدہ/ ۶...... ۵- سورہ سباء/ ۵...... ۶- سورہ الکہف/ ۲۰...... ۷- سورہ التوبتہ/ ۱۲۸...... ۸- سورہ الصف/ ۳۹...... ۹- سورہ الاحقاف/ ۴۳...... ۱۰- سورہ الاحزاب/ ۴۰...... ۱۱- سورہ الفتح/ ۲۹...... ۱۲- ۵- سورہ الاحزاب/ ۴۶...... ۱۳- سورہ الاعراف/ ۱۵۸...... ۱۴- سورہ القلم/ ۴...... ۱۵- سورہ النمل/ ۴...... ۱۶- سورہ العلق/ ۴...... ۱۷- سورہ بنی اسرائیل/ ۱...... ۱۸- سورہ آل عمران/ ۱۶۴...... ۱۹- سورہ البقرہ/ ۸۷...... ۲۰- سورہ الانعام/ ۱۴۹...... ۲۱- سورہ التوبتہ/ ۳۸...... ۲۲- سورہ النجم/ ۱۶...... ۲۳- سورہ المزمل/ ۴...... ۲۴- سورہ جمعہ/ ۲...... ۲۵- سورہ آل عمران/ ۶۴...... ۲۶- سورہ الشوریٰ/ ۶...... ۲۷- سورہ الصف/ ۹...... ۲۸- سورہ سبا/ ۵...... ۲۹- سورہ انشراح/ ۷...... ۳۰- سورہ جن/ ۱۹...... ۳۱- سورہ آل عمران/ ۶۱...... ۳۲- سورہ الاحزاب/ ۴۵...... ۳۳- سورہ الضحیٰ/ ۵...... ۳۴- سورہ التحریم/ ۱۸...... ۳۵- سورہ التکویر/ ۲۰...... ۳۶- سورہ النصر/ ۳...... ۳۷- سورہ الاحقاف/ ۱۳...... ۳۸- سورہ الرعد/ ۷...... ۳۹- سورہ الانفال/ ۶۲...... ۴۰- سورہ الفرقان/ ۵۸...... ۴۱- سورہ الحجر/ ۹۹...... ۴۲- سورہ الدھر/ ۲۵...... ۴۳- صحیح مسلم، باب المساجد...... ۴۴- سورہ الاعراف/ ۱۵۷...... ۴۵- پارہ ۷/ آیت: ۷۸...... ۴۶- علی اسد صدیقی، اسلامیات، کراچی، طاہر سنز، ۱۹۹۴ء، ص/ ۵۷...... ۴۷- سورہ بنی اسرائیل: ۱۷۔۱۸...... ۴۸- مولانا محمد طاہر قاسمی، عقائد اسلام، لاہور، طیب پبلیشرز ۲۰۰۲ء، ص/ ۱۵...... ۴۹- سورۃ الحدید: ۲۵...... ۵۰- سید ابوالاعلیٰ موودوی، اسلامی ریاست، ساتواں ایڈیشن ۱۹۷۹ء، اسلامک پبلیکشنز لمیٹڈ لاہور، ۱۹۶۲ء، ص/ ۴۳۱...... ۵۱- ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابوداؤد، جلد دوم، ص/ ۴۳۳...... ۵۲- ڈاکٹر اسرار احمد، اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت، انجمن خدام القرآن لاہور ۲۰۰۱ء، ص/ ۷...... ۵۳- سورۃ مومن: ۲۰...... ۵۴- سورۃ الانعام: ۱۱۵...... ۵۵- سورۃ آل عمران: ۱۸...... ۵۶- سورۃ المائدہ: ۴۲...... ۵۷- سورۃ الحجرات: ۹...... ۵۸- سورۃ ممتحنہ: ۸...... ۵۹- سورۃ الحدید: ۲۵...... ۶۰- ڈاکٹر اسرار احمد، اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت، انجمن خدام القرآن لاہور ۲۰۰۱ء، ص/ ۱۰...... ۶۱- سورۃ النساء: ۱۳۵...... ۶۲- سورۃ المائدہ: ۸...... ۶۳- سورۃ النساء: ۱۴۸...... ۶۴- سورہ الحجر/ ۱۵...... ۶۵- سورۃ المائدہ: ۴۵...... ۶۶- سورۃ المائدہ: ۳۲...... ۶۷- سورۃ بنی اسرائیل: ۳۳......

Marfat.com

۶۸- سورۃ النساء:۹۳...... ۶۹- سورۃ البقرہ:۱۸۸...... ۷۰- محمد صلاح الدین، بنیادی حقوق، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ص/۲۴۸...... ۷۱- نعیم صدیقی، محسنِ انسانیت، مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۷۲ء، ص/۲۲۴...... ۷۲- امین احسن اصلاحی، اسلامی ریاست، مطبوعہ مکتبہ جماعت اسلامی لاہور، ۱۹۵۰ء، ص/۱۳...... ۷۳- سورۃ الحجرات:۱۱...... ۷۴- سورۃ الحجرات:۱۲۰......
۷۵- سورۃ النساء:۱۴۸...... ۷۶- طبرانی...... ۷۷- بخاری...... ۷۸- ابوداؤد...... ۷۹- قاضی ابو یوسف مترجم محمد نجات اللہ صدیقی، کتاب الخراج، مطبوعہ چراغ راہ کراچی، ۱۹۶۶ء، ص/۳۶۷...... ۸۰- Al-Khudrawi` deeb. adiction ory of Islamic term berut 1995. p 101...... ۸۱- القونوی، قاسم بن عبداللہ، اُمیرعلی، انیس الفقہاء، سعودی عرب، جدہ، دارالوفاء ۱۹۸۶ء، ص/۲۱۶...... ۸۲- دیکھئے المعجم المفہرس محمد فؤاد عبدالباقی، تہران ۱۳۷۶ء، ص/۲۶۵......
۸۳- دیکھئے جہانگیری قرآنی اشاریہ، سرور حسین خان، کراچی مکتبہ اشاعت تعلیمات القرآن، ۱۹۹۲ء، ص/۳۲۵ تا ۳۲۶......
۸۴- ایضاً...... ۸۵- ایضاً...... ۸۶- شامی، ردالمختار علی درالمختار، ص/۱۱۸، ج/۴...... ۸۷- تھانوی، مولانا اشرف علی۔ مرتب محمد اقبال، لاہور ادارہ اسلامیات، ۲۰۰۰ء، ص/۴۳...... ۸۸- ایضاً، ص/۴۵...... ۸۹- صلاح الدین، بنیادی حقوق لاہور ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۷۸ء، ص/۴۲...... ۹۰- سورۃ الروم/۳۸...... ۹۱- سورۃ البقرۃ/۱۷۷...... ۹۲- سورۃ المائدہ/۳۲ اور سورۃ النحل/۵۸، سورۃ التکویر/۸-۹...... ۹۳- الکتانی، عبدالحی، نظام الحکومۃ النبویۃ المسمّیٰ التراتیب الاداریۃ بیروت دارالکتاب العربی، ص/۴۹، ج/۱، اور ص/۴۳۲، ج/۲...... ۹۴- سورۃ التحریم/۶ اور کتاب البر والصلۃ أبی الفرج عبدالرحمن بن الجوزی مکہ المکتبۃ التجاریۃ ۱۹۹۳ء، ص/۱۴۶...... ۹۵- سورۃ النساء/۹، موطا امام مالک، ص/۷۵۱، ج/۲...... ۹۶- مولانا محمد اشرف علی تھانوی، حقوق العباد، ص/۵۴...... ۹۷- سورۃ النحل/۹۷، سورۃ النساء/۲۴، سورۃ الاحزاب/۳۸...... ۹۸- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری کتاب النکاح، ص/۹۴، ج/۳...... ۹۹- ایضاً، کتاب الطلاق اور سنن الکبریٰ للبیہقی، ص/۲۱۵، ج/۷...... ۱۰۰- سورہ النساء/۷-۱۱...... ۱۰۱- تفصیل کے لئے دیکھئے محسن انسانیت اور حقوق انسانی حافظ محمد ثانی کراچی دارالاشاعت، ۱۹۹۹ء، ص/۱۰۱-۱۱۰ اور انسانی حقوق محمد رحیم حقانی، لاہور جمعیت پبلی کیشنز ۲۰۰۰ء......
۱۰۲- ایضاً اور بنیادی انسانی حقوق صلاح الدین، ص/۳۰۹...... ۱۰۳- سورۃ النساء/۱۴۸، سورۃ النور/۲۷، سورۃ احزاب/۵۳......
۱۰۴- محمد ثانی، حافظ محمد، تجلیات سیرت کراچی، فضلی سنز، ۱۹۹۶ء، ص/۲۳۰...... ۱۰۵- ایضاً...... ۱۰۶- سورۃ بقرہ/۲۲۰...... ۱۰۷- سورۃ النساء/۹...... ۱۰۸- غازی، ڈاکٹر محمود احمد، احکام بلوغت اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۹۰ء، ص/۵۰، اور بدائع الصنائع للکاسانی، قاہرہ مطبعۃ العاصمۃ، ص/۴۰...... ۱۰۹- سورۃ مریم/۵۵، سورۃ لقمان/۱۳-۱۹، سورۃ الاحزاب/۵۹، سورۃ التحریم/۶...... ۱۱۰- البخاری، محمد بن اسماعیل صحیح البخاری کتاب الادب باب رحمۃ الولد و تقبیلہ، ص/۷۵، ج/۷، اور صحیح مسلم کتاب الفضائل باب رحمۃ الصبیان، ص/۷۷، ج/۷...... ۱۱۱- سورۃ القصص، ۳/۲۸، سورۃ البقرۃ، ۲/۲۳۳ اور احکام بلوغت محمود احمد غازی، ص/۱۹...... ۱۱۲- سورۃ القصص ۲۶/ ۲۸، الحلال والحرام فی الاسلام، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، بیروت، المکتب الاسلامی، ۱۹۶۷ء، ص/۸۹...... ۱۱۳- ابن عبدالبر جامع بیان العلم وفضلہ، ص/۱۰۱، ج/۱، سنن ترمذی، کتاب البر والصلۃ باب ماجاء فی ادب الولد، ص/۳۳۷، ج/۴...... ۱۱۴- سورۃ الحجرات، ۱۱/۴۹ اور صحیح البخاری کتاب الادب باب ابغض

Marfat.com

الاسماء، ص/۱۱۹، ج/۷، صحیح مسلم کتاب الادب، ص/۱۶۹، ج/۶، سنن أبوداوٗد، کتاب الادب باب فی تغییر الاسماء، ص/۲۸۸، ج/۴، الادب المفرد، ص/۲۴۱...... ۱۱۵- سورۃ الانبیاء/۱۰۷...... ۱۱۶- سورۃ الکھف/۲۹ اور سورۃ الکافرون...... ۱۱۷- محمد کرم شاہ، پیر۔ ضیاء النبی، لاہور ضیاء القرآن، پبلی کیشنز ۱۴۱۸ھ، ص/۳۰۳، ج/۵، سورۃ الانفال/۴۶...... ۱۱۸- سورۃ آل عمران/۱۰۳...... ۱۱۹- موسوعۃ نظرۃ النعیم، ص/۴۲۲۳...... ۱۲۰- طنطاوی، مترجم عبد الصمد صارم، عمر بن خطاب، مطبوعہ البیان لاہور، ۱۹۷۱ء، ص/۱۸۷...... ۱۲۱- سورۃ النور:۲۳ تا ۲۵...... ۱۲۲- سورۃ النور:۲۷ تا ۲۸...... ۱۲۳- سورۃ الحجرات:۱۲...... ۱۲۴- طنطاوی، مترجم عبد الصمد صارم، عمر بن خطاب، مطبوعہ البیان لاہور، ۱۹۷۱ء، ص/۲۴۶...... ۱۲۵- محمد صلاح الدین، بنیادی حقوق، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ص/۲۵۸...... ۱۲۶- سورۃ آلِ عمران:۷۹...... ۱۲۷- محمد صلاح الدین، بنیادی حقوق، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ص/۲۶۴...... ۱۲۸- سید قطب شہید، مترجم ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، اسلام میں عدل اجتماعی، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، اشاعتِ سوم ۱۹۷۱ء، ص/۸۴...... ۱۲۹- H.G. Wells, A Concise History of the World...... ۱۳۰- سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی نظامِ زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، ۱۹۶۲ء، ص/۴۱۸...... ۱۳۱- سورۃ النساء:۱۴۸...... ۱۳۲- سورۃ الشوریٰ:۳۹...... ۱۳۳- سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی نظامِ زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، ۱۹۶۲ء، ص/۴۳۱...... ۱۳۴- تفسیر ابن کثیر، ج ۲۶، ص/۱۹۹...... ۱۳۵- سورۃ ص: ۲۶...... ۱۳۶- تفسیر ابن کثیر، ج ۲۶، ص/۱۹۹...... ۱۳۷- سید قطب شہید، مترجم ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، اسلام میں عدل اجتماعی، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، اشاعتِ سوم ۱۹۷۱ء، ص/۷۷...... ۱۳۸- سورۃ الحدید: ۲۵...... ۱۳۹- سورۃ القلم: ۴...... ۱۴۰- سورۃ القلم: ۴...... ۱۴۱- سورۃ النور: ۶ تا ۹...... ۱۴۲- سورۃ البقرہ: ۲۸۲...... ۱۴۳- سورۃ البقرہ: ۲۸۲...... ۱۴۴- سورۃ البقرہ: ۲۸۳...... ۱۴۵- سید قطب شہید، مترجم ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، اسلام میں عدل اجتماعی، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، اشاعتِ سوم ۱۹۷۱ء، ص/۲۰۴...... ۱۴۶- سورۃ المجادلہ: ۷...... ۱۴۷- سورۃ ق: ۱۶ تا ۱۸...... ۱۴۸- سورۃ طٰہٰ: ۷...... ۱۴۹- سورۃ الانبیاء: ۴۷...... ۱۵۰- امام بخاری، صحیح بخاری، باب الفتن، ج ۲، ص/۱۰۴۹...... ۱۵۱- سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی نظامِ زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، ۱۹۶۲ء، ص/۱۹۳...... ۱۵۲- سید قطب شہید، مترجم ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، اسلام میں عدل اجتماعی، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، اشاعتِ سوم ۱۹۷۱ء، ص/۲۴۵...... ۱۵۳- سورۃ النحل: ۹۰...... ۱۵۴- سورۃ النساء: ۵۸...... ۱۵۵- سورۃ الانعام: ۱۵۲...... ۱۵۶- سورۃ مائدہ: ۸...... ۱۵۷- امام ترمذی، جامع ترمذی، باب القضاء...... ۱۵۸- یحییٰ بن آدم القرشی، کتاب الخراج، مطبع المکتبۃ العلمیہ لاہور، ۱۳۹۵ھ، ص/۸۲...... ۱۵۹- محمد بن اسماعیل بخاری، بخاری شریف، کرزن پریس دہلی، ۱:۴۴۷...... ۱۶۰- ایضاً، ص/۳۵۱...... ۱۶۱- ماہنامہ نوائے قانون اسلام آباد جولائی ۱۹۹۲ء، ص/۲۹-۳۷...... ۱۶۲- ماہنامہ ساحل کراچی اکتوبر ۱۹۹۹ء، ص/۶۸-۷۰...... ۱۶۳- سورۃ النور/۳۱، سورۃ الاعراف/۴۶، سورۃ مریم/۱۷، سورۃ الاحزاب/۵۳...... ۱۶۴- سلیمانی، حکیم عبدالوحید۔ خاندانی منصوبہ بندی لاہور مکتبہ قدوسیہ اردو بازار، ص/۹، اور ص/۱۵ ، اور ص/۱۹، ۲۸۱- ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور اگست ۲۰۰۰ء، ص/۴-۹...... ۱۶۵- بخاری، محمد بن اسماعیل صحیح البخاری، ص/۵۶،۷۷، ج/۳...... ۱۶۶- سورۃ الرحمٰن/۵، الانعام/۹۶، الکھف/۴۰...... ۱۶۷- الجوھری، أبی نصر

Marfat.com

اسماعیل بن حماد الفارانی تاج اللغة المسمیٰ الصحاح، ص/۹۸-۹۹، ج/۱...... ۱۶۸- حسن المصطفویٰ التحقیق فی کلمات القرآن الکریم تہران وزارة الثقافة والا رشاد الاسلامی ۱۴۱۶ھ، ص/۲۱۰، ج/۲...... ۱۶۹- ابن خلدون عبدالرحمن مقدمہ ابن خلدون بیروت دارالمصحف ۱۹۷۸ء، ص/۲۲۵، ج/۱...... ۱۷۰- سورۃ التحریم/۶...... ۱۷۱- سورۃ آل عمران/۱۰۴...... ۱۷۲- سورۃ النساء، ۴/۱۰۵...... ۱۷۳- سعد اللہ، حافظ محمد، نفاذ شریعت میں تدریج، لاہور مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ روڈ ص/۳۷...... ۱۷۴- سہیلی، روض الانف، القاہرہ مکتبة الکلیات الأزہریة، ص/۱۵۷، ج/۱...... ۱۷۵- ابن سعد، طبقات ابن سعد بیروت دار صادر، ص/۱۲۸، ج/۱...... ۱۷۶- سہریانی، پروفیسر عبدالخالق بلوچ، اسلامی ریاست میں علاقائی حقوق کا تصور، جیکب آباد، مکتبہ اصلاح ملت ۱۹۹۰ء، ص/۸۷...... ۱۷۷- الصدیقی، محمد بن علان، دلیل الفالحین القاہرہ دارالریان ۱۴۰۷ھ، ص/۵۱۴، ج/۱، اور جامع العلوم والحکم بن رجب الحنبلی القاہرہ، مؤسسة الکتب، ص/۲۱۱...... ۱۷۸- جرجانی، التعریفات بیروت، درالکتب العلمیة ۱۴۰۳ھ، ص/۴۸...... ۱۷۹- العسقلانی، ابن حجر، فتح الباری القاہرہ، دارالریان للتراث ۱۴۰۷ھ، حدیث نمبر ۲۴۴۷، ج/۵، اور صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۵۷۸...... ۱۸۰- العسقلانی، ابن حجر، فتح الباری، حدیث نمبر ۲۴۴۴، ج/۵...... ۱۸۱- سورۃ بقرہ ۲/۱۱...... ۱۸۲- الکفوی، ابوالبقاء الکلیات معجم المصطلحات والفروق اللغویة بیروت، مؤسسة الرسالة ۱۹۹۳ء، ص/۱۵۴...... ۱۸۳- سورۃ النساء، ۴/۱۳۵...... ۱۸۴- ۱۱۰_المناوی، محمد بن عبدالرؤف التوقیف علی مہمات التعاریف القاہرہ ۱۴۱۰ھ، ص/۶۴...... ۱۸۵- ۱۱۱_سورۃ النساء، ۴/۱۰۵...... ۱۸۶- سعد اللہ، حافظ محمد، نفاذ شریعت میں تدریج، لاہور مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ روڈ ص/۳۷...... ۱۸۷- سہیلی، روض الانف، القاہرہ مکتبة الکلیات الأزہریة، ص/۱۵۷، ج/۱...... ۱۸۸- ابن سعد، طبقات ابن سعد بیروت دار صادر، ص/۱۲۸، ج/۱...... ۱۸۹- سہریانی، پروفیسر عبدالخالق بلوچ، اسلامی ریاست میں علاقائی حقوق کا تصور، جیکب آباد، مکتبہ اصلاح ملت ۱۹۹۰ء، ص/۸۷...... ۱۹۰- الصدیقی، محمد بن علان، دلیل الفالحین القاہرہ دارالریان ۱۴۰۷ھ، ص/۵۱۴، ج/۱، اور جامع العلوم والحکم بن رجب الحنبلی القاہرہ، مؤسسة الکتب، ص/۲۱۱...... ۱۹۱- جرجانی، التعریفات بیروت، درالکتب العلمیة ۱۴۰۳ھ، ص/۴۸...... ۱۹۲- العسقلانی، ابن حجر، فتح الباری القاہرہ، دارالریان للتراث ۱۴۰۷ھ، حدیث نمبر ۲۴۴۷، ج/۵، اور صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۵۷۸...... ۱۹۳- العسقلانی، ابن حجر، فتح الباری، حدیث نمبر ۲۴۴۴، ج/۵...... ۱۹۴- سورۃ بقرہ ۲/۱۱...... ۱۹۵- الکفوی، ابوالبقاء الکلیات معجم المصطلحات والفروق اللغویة بیروت، مؤسسة الرسالة ۱۹۹۳ء، ص/۱۵۴...... ۱۹۶- سورۃ المائدہ/۳۳...... ۱۹۷- سورۃ الاعراف/۱۴۲...... ۱۹۸- سورۃ القصص/۷۶...... ۱۹۹- سورۃ العنکبوت/۳۰...... ۲۰۰- حامد الانصاری، مولانا، اسلام کا نظام حکومت، لاہور، الفیصل ناشران اردوبازار، ص/۳۰۰...... ۲۰۱- پانی پتی، قاضی ثناء اللہ، تفسیر مظہری، کراچی، مظہری کتب خانہ، ص/۱۶۲، ج/۲...... ۲۰۲- حامد الانصاری، مولانا، اسلام کا نظام حکومت، ص/۳۰۱، بحوالہ فتح الباری، ص/۲۸۶، ج/۱۳...... ۲۰۳- العسقلانی، ابن حجر، فتح الباری، کتاب بدء الاذان، ص/۶۱، ج/۶...... ۲۰۴- ابن جریر طبری، تاریخ طبری، ص/۲۷۳، ج/۲، اور تاریخ ابن کثیر، ص/۴۵، ج/۲...... ۲۰۵- ابن کثیر، تاریخ ابن کثیر، ص/۲۹۶، ج/۳...... ۲۰۶- ابن جریر طبری، تاریخ طبری، ص/۱۱، ج/۳، اور

Marfat.com

تاریخ ابن کثیر، ص/۱۳، ج/۳...... ۲۰۷- ابن کثیر، تاریخ ابن کثیر، ص/۱۴۲، ج/۴ اور تاریخ طبری، ص/ ۶۸، ج/۳...... ۲۰۸- ابن کثیر، تاریخ ابن کثیر، ص/۳۵۴، ج/۴...... ۲۰۹- ابن کثیر، تاریخ ابن کثیر، ص/۹۹، ج/ ۵...... ۲۱۰- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ص/۸۷۲، ج/۲...... ۲۱۱- سورۃ احزاب:۲۱...... ۲۱۲- القرآن/سورہ البقرہ/آیت نمبر۲۱۳/سورہ آل عمران /آیت نمبر۱۹، ۱۰۳...... ۲۱۳- القرآن/سورہ النساء/آیت نمبر۸۶۔۱۱۴، ۱۴۸/سورہ الاعراف ۵۶...... ۲۱۴- القرآن /سورہ البقرہ /آیت نمبر۸۳/ آل عمران / آیت نمبر۱۷۲...... ۲۱۵- القرآن /سورہ البقرہ/ آیت نمبر۲۲۰، سورہ آل عمران / ۱۰۳...... ۲۱۶- القرآن / سورہ البقرہ / آیت نمبر۲۵۶، سورہ یونس / آیت نمبر۹۹۔۱۰۰...... ۲۱۷- القرآن / سورہ البقرہ / آیت نمبر۱۹۰...... ۲۱۸- القرآن / سورہ اآل عمران / آیت نمبر۳۲...... ۲۱۹- القرآن / سورہ البقرہ / آیت نمبر۲۵۶، سورہ یونس / آیت نمبر۹۹۔۱۰۰...... ۲۲۰- القرآن /سورہ البقرہ / آیت نمبر۱۹۰...... ۲۲۱- القرآن /سورہ اآل عمران / آیت نمبر۳۲...... ۲۲۲- القرآن /سورہ آل عمران / آیت نمبر۵۷...... ۲۲۳- القرآن / سورہ المائدہ / آیت نمبر۶۴...... ۲۲۴- القرآن / سورہ االانعام / آیت نمبر۱۴۱...... ۲۲۵- القرآن /سورہ االانفال / آیت نمبر۵۸...... ۲۲۶- القرآن / سورہ النحل/ آیت نمبر۲۳...... ۲۲۷- القرآن / سورہ القصص / آیت نمبر۷۶...... ۲۲۸- القرآن / سورہ البقرہ / آیت نمبر۱۹۵...... ۲۲۹- القرآن / سورہ البقرہ / آیت نمبر۲۲۲...... ۲۳۰- القرآن / سورہ آل عمران / آیت نمبر۴۶...... ۲۳۱- القرآن / سورہ آل عمران / آیت نمبر۱۵۹...... ۲۳۲- القرآن / سورہ المائدہ/ آیت نمبر۴۲...... ۲۳۳- القرآن / سورہ التوبہ/ آیت نمبر۷...... ۲۳۴- القرآن / سورہ التوبہ/ آیت نمبر۱۰۸...... ۲۳۵- القرآن / سورہ آل عمران / آیت نمبر۱۱۷۔۱۸۲، سورہ النساء/ آیت نمبر۴۰، سورہ الانعام / آیت نمبر۱۳۱...... ۲۳۶- القرآن / سورہ النساء/ آیت نمبر۸۳، سورہ المائدہ ۱۵۔۱۶، سورہ الفرقان ۶۳...... ۲۳۷- القرآن / سورہ آل عمران / آیت نمبر۱۱۴۔۱۱۰، سورہ الاعراف / آیت نمبر۱۹۹...... ۲۳۸- القرآن / سورہ البقرہ / آیت نمبر۳۰، سورہ فاطر/ آیت نمبر۳۹...... ۲۳۹- القرآن / سورہ لقمان / آیت نمبر۱۹، سورہ المجادلہ/ آیت نمبر۹...... ۲۴۰- القرآن / سورہ یونس / آیت نمبر۳۶...... ۲۴۱- القرآن / سورہ یونس / آیت نمبر۲۷، سورہ الجاثیہ/ آیت نمبر۲۱...... ۲۴۲- القرآن / سورہ الاحزاب / آیت نمبر۵۸...... ۲۴۳- القرآن / سورہ النور/ آیت نمبر۱۹...... ۲۴۵- القرآن / سورہ المومنون/ آیت نمبر۵۔۶...... ۲۴۶- القرآن / سورہ الذاریات/ آیت نمبر۱ تا ۵...... ۲۴۷- القرآن / سورہ القصص / آیت نمبر۸۳...... ۲۴۸- القرآن / سورہ الجمعہ/ آیت نمبر۲...... ۲۴۹- القرآن / سورہ ہود/ آیت نمبر۱۱۲...... ۲۵۰- القرآن / سورہ الطور/ آیت نمبر۴۸، ۴۹...... ۱۵۱- القرآن / سورہ بنی اسرائیل/ آیت نمبر۵۳...... ۲۵۲- القرآن / سورہ الحشر/ آیت نمبر۲۱، سورہ الملک/ آیت نمبر۱۲...... ۲۵۳- القرآن / سورہ البینہ/ آیت نمبر۷۔۸...... ۲۵۴- القرآن / سورہ الزمر / آیت نمبر۳۳ تا ۳۵...... ۲۵۵- القرآن / سورہ السجدہ / آیت نمبر۱۸...... ۲۵۶- القرآن / سورہ النحل/ آیت نمبر۱۲۶...... ۲۵۷- القرآن / سورہ القصص/ آیت نمبر۸۴

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

عبدالمہیمن۔ ہری پور

اسلام دنیا کے دیگر ادیان سے کئی اعتبار سے مختلف ہے اور اپنی ایک الگ پہچان رکھتا ہے۔اسلام اور دوسرے ادیانِ عالم میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلام اجتماعیت کا درس دیتا ہے جبکہ دیگر مذاہب میں اجتماعیت کا یہ تصور اس صورت میں نظر نہیں آتا ہے۔نماز ہے تو اس کو باجماعت قائم کرنا ہے، زکوٰۃ دوسروں کو ادا کرنی ہے، روزہ ہے تو سب نے مل کر ماہِ رمضان میں رکھنا ہے اور حج بھی سب نے مل کر ادا کرنا ہے۔ایسا ہی کچھ معاملہ والدین، اولاد، زوجین، ہمسایوں اور دیگر تعلقات کے حقوق کا بھی ہے۔ایک مسلمان کا تعلق اپنے رب کے ساتھ کوئی ذاتی نوعیت کا تعلق نہیں ہے بلکہ اس تعلق میں معاشرے کے دیگر افراد بھی شامل ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہء حیات اور ایک کامل اجتماعی نظام ہے اور اس نظام میں عدل اجتماعی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ عدل اجتماعی کے حوالے سے اسلام نے تین اہم کام کیے ہیں، اولاً اسلام نے عدل اجتماعی کا تصور پیش کیا، ثانیاً اسلام نے عدل اجتماعی کا طریق کار وضع کیا اور ثالثاً اسلام نے عدل اجتماعی کا عملی نمونہ پیش کیا۔دنیا کی قدیم نامور رومی اور یونانی تہذیبوں میں عدل اجتماعی کا کوئی شائبہ بھی نظر نہیں آتا اور یہی عالم دنیا کے دیگر مذاہب کا بھی ہے۔

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں عدل اجتماعی کے تصور کو واضح کرنے سے پہلے مختصراً عدل کی تعریف اور تشریح کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

عدل کے لغوی اور اصطلاحی معانی:

لغت میں عدل سے مراد استقامت ہے اور شریعت میں عدل سے مراد حق پہ قائم رہنا ہے اور حرام سے اجتناب کرنا ہے۔(۱) جبکہ عدل کے اصطلاحی معنی حقدار کو اس کا حق بغیر کسی کمی بیشی کے ادا کرنا، معاملات میں افراط و تفریط کے بغیر انصاف کرنا، لوگوں کے ساتھ حق کا معاملہ کرنا، ظلم نہ کرنا اور ان کے حقوق ادا کرنا ہے۔(۲)

کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح بانٹ دیا جائے کہ ان دو میں سے کسی میں ذرا بھی کمی یا بیشی نہ ہو تو اس کو عربی میں ''عدل'' کہتے ہیں اور اس سے وہ معنی پیدا ہوتے ہیں جن میں ہم اس لفظ کو اپنی زبان میں بولتے ہیں' یعنی جو بات ہم کہیں یا جو کام کریں اس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے اور وہی بات کہی اور وہی کام کیا جائے جو سچائی کی کسوٹی پر پورا اترے' اس تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ انصاف کے ترازو میں عدل و انصاف کا پلہ بھی کچھ کم بھاری نہیں۔

عدل سب سے پہلے خود اللہ تعالیٰ کی صفت ہے' جن روایتوں میں اللہ تعالیٰ کے ۹۹ نام گنائے گئے ہیں' ان میں ایک عدل (عدل والا) بھی ہے'علماء نے اس کے معنی یہ بتائے ہیں کہ اس کا فیصلہ حق ہوتا ہے' وہ حق بات کہتا ہے' اور وہی کرتا ہے جو حق ہے۔قرآن پاک میں کئی دفعہ یہ حقیقت مختلف لفظوں میں دہرائی گئی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

﴿وَاللّٰهُ يَقْضِىْ بِالْحَقِّ﴾(۳)

اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے

یہ عدل عملی کی طرف اشارہ ہے دوسری آیت میں ہے۔

﴿وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ﴾(۴)

اور اللہ حق بات کہتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے عدل قولی کو ظاہر کرتا ہے اور یہ دونوں باتیں قران پاک کی ذیل کی آیت میں یکجا ہیں۔

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾(۵)

اور تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ پوری ہو گئی۔

دنیا کا یہ سارا کارخانہ جو آسمان سے لے کر زمین تک پھیلا ہے صرف اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کے بل بوتے پر قائم ہے وہ اپنی تمام مخلوقات میں اپنی شہنشاہی پورے انصاف کے ساتھ قائم کئے ہوئے ہے اور یہی وحدانیت کی دلیل ہے ارشاد ہوتا ہے۔

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ﴾(۶)

اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا اور اللہ نہیں اور فرشتوں نے اور علم والوں نے وہی اللہ انصاف کو لے کر کھڑا ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدل وانصاف صرف نظم وسلطنت ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں عدل کی ضرورت ہے اور نظام عالم محض عدل کی وجہ سے قائم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت ہی جامع آیت میں جن اچھی باتوں کا حکم دیا ہے ان میں سب سے پہلے عدل و انصاف ہی کرنے کا حکم ہے، فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (۷)

''بے شک اللہ تعالیٰ انصاف اور نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے''۔

عدل وانصاف کی ضرورت خاص طور سے عدالتی معاملات میں ہوتی ہے اور اسلام نے عدالتی کاروبار کے ہر پہلو میں عدل وانصاف کا لحاظ رکھا ہے تحریری دستاویز کے متعلق حکم ہے کہ

﴿وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ ۢ بِالْعَدْلِ﴾(۸)

اور (تمہارے باہمی قرارداد کو) کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھ دے۔

عدل وانصاف حکومت وسلطنت کی عمارت کا ستون ہے اسی لئے اسلام نے ہر قسم کے مذہبی اور عدالتی فیصلے کے لئے عدل کو ضروری قرار دیا ہے کہ اگر عدل نہ ہو تو کسی مظلوم کی دادرسی ممکن ہی نہیں اسی لیے ایک حاکم کا پہلا فرض یہ ہے کہ عادل ہو۔

اسلام نے عدل و انصاف کا جو حکم دیا ہے وہ اخلاق معاشرت اور سیاست کے ہرایک گوشہ کو محیط ہے یعنی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس پر اسلام کی یہ اخلاقی تعلیم حاوی نہ ہو۔ مسلمان کو عادل ہونا چاہیے تاہم امام وحاکم وقت کے لیے عادل ہونا اور بھی زیادہ ضروری ہے۔(۹) اس لیے حدیث میں امام عادل کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے

Marfat.com

فرمایا ہے کہ ''قیامت کے دن جب کہ اللہ کے سایہ کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا' سات اشخاص کو اللہ اپنے سائے میں لے گا جن میں ایک شخص امام عادل ہوگا'' (۱۰)

عدل کی مختلف تعریفات:

عدل کیا ہے؟ عدل کی سادہ تعریف یہی ہے کہ ''حق دار کا حق ادا کرنا'' یعنی جس چیز کا جو حق ہے، وہ اسے دینا 'عدل' کہلاتا ہے۔ عدل کا مفہوم علماء یوں بیان کرتے ہیں:

''التسوية بين المتماثلات والتفرقة بين المختلفات''

''ہم مثل چیزوں میں برابری قائم کرنا اور مختلف چیزوں کے درمیان تفریق کا رویہ اپنانا۔'' (۱۱)

اس کی وضاحت نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے جسے حسین بن علیؓ نے روایت کیا ہے:

''كتاب الله فيه نبا ما كان قبلكم، وخبر ما بعدكم، وحكم ما بينكم، وهو الفصل ليس بالهزل...... من قال به صدق، ومن عمل به اجر، ومن حكم به عدل'' (۱۲)

''یہ اللہ کی کتاب ہے جس میں گزشتہ قوموں کے حالات ہیں اور آنے والے واقعات کی خبر ہے۔ یہ کتاب تمھارے درمیان پیش آنے والے مسائل کے لئے فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔ یہ فیصلہ کرنے والی کتاب ہے، کوئی مذاق نہیں..... جس نے اس کی بنا پر کوئی بات کہی تو سچ بولا، جس نے اس کی بنا پر عمل کیا تو وہ اجر کا مستحق ہوگیا اور جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا تو اس نے عدل کیا۔''

دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے معاملات عدل کے ساتھ ہی درست رہتے ہیں خواہ اس کے ساتھ ساتھ مختلف قسم کے گناہوں کا ارتکاب بھی ہو، بہ نسبت اس کے کہ لوگوں کے حقوق میں ظلم کیا جائے لیکن کسی گناہ میں ملوث نہ ہوا جائے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے:

''ان الله يقيم الدولة العادلة وان كانت كافرة ولا يقيم الظالمة وان كانت مسلمة''. (۱۳)

''اللہ تعالیٰ ایک عادل حکومت کو قائم و دائم رکھتا ہے اگر چہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو اور وہ کسی ظالم حکومت کو قائم نہیں رکھتا اگر چہ وہ مومن ہی ہو۔''

ایک دوسرا مقولہ ہے۔

''الدنيا تدوم مع العدل والكفر ولا تدوم مع الظلم والاسلام''. (۱۴)

''دنیا عدل اور کفر کے ساتھ تو قائم رہتی ہے لیکن ظلم اور اسلام کے ساتھ قائم نہیں رہتی۔''

اجتماعی عدل:

عدل کا تصور ان آیات، احادیث اور مختلف اقوال سے واضح ہوتا ہے تاہم اس حوالے سے ایک اہم نقطہ یہ ہے کہ اسلام میں عدل کا تصور فرد سے متعلق نہیں ہے بلکہ دراصل یہ ایک سماجی اور اجتماعی معاملہ ہے۔ مسلم معاشرے کے ذمہ دار افراد کا یہ فرض ہے کہ وہ معاشرے اور حکومت کی سطح پر عدل قائم کریں، اسی حوالے سے علامہ الصلابی یوں رقم طراز ہیں، ''اسلامی حکومت

Marfat.com

کے اہم مقاصد میں سے یہ چیز ہے کہ اسے اسلامی نظام کی بنیادوں پر قائم کرنے کی پوری کوشش کی جائے تا کہ ایک مسلم معاشرہ وجود میں آ سکے۔ انہی اہم بنیادوں میں سے عدل اور مساوات بھی ہے۔ عدل سے مراد اسلام کا وہ عادلانہ نظام ہے جو کسی اسلامی سماج اور اسلامی حکومت کے قائم کرنے میں بنیادی ستون کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایسا معاشرہ جس کی قیادت ظالم ہاتھوں میں ہواور وہ عدل سے نا آشنا ہو اسے اسلامی معاشرہ نہیں کہا جا سکتا۔ عوام کے درمیان انفرادی طور پر یا اجتماعی اور ملکی سطح پر عادلانہ نظام قائم کرنا کوئی نفلی کام نہیں ہے جس کو حاکم وقت یا امیر وقت کے مزاج اور خواہش پر چھوڑ دیا جائے، بلکہ لوگوں میں اس کا قیام اسلامی نقطہ نظر سے اسلام کے مقدس اوراہم ترین فرائض میں ہے اور امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ عدل وانصاف واجب ہے۔ حاکم وقت پر عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کرنا واجب ہے، اس کی تائید قرانی آیات اور سنت نبویﷺ سے ہوتی ہے کیوں کہ اسلامی ملک کا تقاضا ہے کہ ایسا اسلامی معاشرہ وجود میں آئے جس میں عدل ومساوات کی حکمرانی ہواور ظلم کی تمام تر شکلیں نا پید ہوں اور اس کا یہ بھی تقاضا ہے کہ ہر انسان جو اپنے حق کا طالب ہواس کے لئے میدان کشادہ ہو، راستے ہموار ہوں تا کہ آسان اور مختصر راستوں کے ذریعے سے اپنا حق لے سکے، اسے کسی مشقت یا رشوت ادا کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ نیز اسلامی حکومت کے اہم مقاصد میں سے ہے کہ وہ تمام اسباب ووسائل جو حصول حق کی راہ میں رکاوٹ بنیں انہیں ختم کر دے۔(۱۵) ایک مکمل نظام کی حیثیت سے اسلام کی اعلیٰ ترین قدر، اس کا آخری ہدف، اور اصل مقصود ومطلوب عدل اجتماعی یعنی سماجی انصاف ہے جس کے تین نمایاں ترین مظاہر ہیں، اولاً سماجی اور قانونی سطح پر مکمل مساوات، ثانیاً سیاسی سطح پر حریت اور ثالثاً معاشی سطح پر عدل و انصاف۔ چنانچہ اسلام ایک ایسا نظام قائم کرنا چاہتا ہے جس میں نہ معاشرتی میدان میں اونچ نیچ اور اعلیٰ وادنیٰ کا امتیاز ہو، نہ سیاسی میدان میں جبرواستعداد کا راج اور نہ بندہ وآقا، حاکم ومحکوم اور متکبرین اور مستضعفین کی تقسیم ہو، نہ اقتصادی نظام میں انسان ظلم اور استحصال کے باعث مترفین اور محرومین میں منقسم ہوں۔(۱۶)

عدل اجتماعی سے متعلق نبی کریمﷺ کی تعلیمات:

اس امر کے واضح ہو جانے کے بعد کہ اسلام میں عدل ایک اجتماعی معاملہ ہے، اس عدل اجتماعی کے بارے میں رہنمائی کی ضرورت پیش آتی ہے، اس حوالے سے سب سے بہترین رہنمائی صرف نبی کریمﷺ کی تعلیمات سے ممکن ہے۔ اسی اہم نقطے کے بارے میں نعیم صدیقی اپنی کتاب محسن انسانیت میں یوں لکھتے ہیں، ''سیرت پاکؐ سے صحیح استفادہ کرنے کے لئے اس اہم سوال کا جواب دینا ضرور سامنے ہونا چاہیے کہ حضورؐ کے پیش نظر تبدیلی کا دائرہ اور کام کا پیمانہ کیا تھا؟ تمدنی نظام میں حضور کوئی جزوی اصلاح چاہتے تھے یا ہمہ گیر؟ دعوت مذہبی واخلاقی تھی یا وہ سیاسی اہمیت بھی رکھتی تھی؟ بالالفاظ دیگر تمدنی دائرہ میں نصب العین کیا تھا؟

اس سوال کا جواب خود قران کریم میں بڑی وضاحت سے موجود ہے اور مختلف پیرایوں میں تکرار سے اسلامی دعوت کا مدّعا واضح کیا گیا ہے، ایک مقام پر جملہ انبیاء ورسل کی بعثت کا مقصود یوں بیان کیا ہے:۔

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (۱۷)

ہم نے اپنے رسولوں کو روشن دلائل دے کر جس مقصد کے لئے بھیجا ہے اور جس غرض کے لئے بھیجا ہے

Marfat.com

اور جس غرض کے لئے ان پر کتابیں نازل کی ہیں اور ان کو ضابطہ حق کی میزان عطا کی ہے وہ یہ ہے کہ لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں۔

بات نہایت ہی صاف ہے کہ دعوت حق کا منشا انسانی زندگی کو نظام قسط کے سانچے میں ڈھالنا اور تمدن میں عملاً عدل و توازن پیدا کرنا ہے اور یہی آپ ﷺ کی تعلیمات بھی تھیں۔

کسی بھی نظام حکومت کا چلنا اس کے دو وظائف کے صحیح طور پر انجام پانے پر منحصر ہے۔ ایک یہ کہ اس کا دفاع مضبوط رہے، دوسرے یہ کہ اس کا عدالتی نظام ٹھیک طریقے سے کام کرتا رہے اور اس کے قوانین نافذ ہوتے رہیں۔ لیکن محسن انسانیت کی حکومت جس اخلاقی نظریے اور جس تصور عدل پر قائم تھی اس میں بے جا سختی کا موقع نہ تھا۔ اس لئے مدینہ کے پانچویں کالم کو کسی قدر کھل کھیلنے کی راہیں مل گئی تھیں''۔(۱۸)

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے عدل اجتماعی کا تصور سامنے آتا ہے اس کو مولانا مودودی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: ''یہ تعلیمات صرف الفاظ کی حد تک ہی محدود نہیں رہیں بلکہ اسلام نے ان کے مطابق اہل ایمان کی ایک عالم گیر برادری عملاً قائم کر کے دکھا دی جس میں رنگ، نسل، زبان، وطن اور قومیت کی کوئی تمیز نہیں، جس میں اونچ نیچ اور چھوت چھات اور تفریق وتعصب کا کوئی تصور نہیں، جس میں شریک ہونے والے تمام انسان خواہ وہ کسی نسل وقوم اور ملک وطن سے تعلق رکھتے ہوں، بالکل مساویانہ حقوق کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں اور ہوئے ہیں۔ اسلام کے مخالفین تک کو یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ انسانی مساوات اور وحدت کے اصول کو جس کامیابی کے ساتھ مسلم معاشرے میں عملی شکل دی گئی ہے اس کی کوئی نظیر دنیا کے کسی دین اور کسی نظام میں نہیں پائی جاتی، نہ کبھی پائی گئی ہے۔ صرف اسلام ہی وہ دین ہے جس نے روئے زمین کے تمام گوشوں میں پھیلی ہوئی بے شمار نسلوں اور قوموں کو ملا کر ایک عقیدہ کی بناء پر ایک امت بنا دیا ہے''۔(۱۹)

جس معاشرے میں عدل نہیں ہو گا تو ایسے معاشرے کی حالت کیا ہو گی اور نبی کریم ﷺ نے اُس وقت کے عرب معاشرے میں عدل اجتماعی کس طرح قائم کیا، اس بارے میں علامہ رمضان البوطی یوں لکھتے ہیں: ''معاشرہ خواہ کوئی بھی ہو، افراد کے بکھرے ہوئے پراگندہ مجموعے سے صرف ایک چیز میں مختلف ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اس معاشرے کے افراد کے درمیان زندگی کے تمام میدانوں اور تمام ضروریات میں ایک دوسرے کا تعاون اور مدد کرنے کا اصول پایا جاتا ہے۔ اگر یہ اصول ان کے درمیان عدل اور مساوات کی میزان پر قائم ہو تو وہ معاشرہ عدل پرور اور پاکیزہ ہو گا اگر اس کی بنیاد ظلم اور جبر پر ہے تو وہ معاشرہ ظالم اور غیر متوازن ہو گا، اگر پاکیزہ معاشرہ زندگی اور روزی کے وسائل سے استفادہ کے معاملے میں عدل کی بنیاد پر قائم ہو تو اس عدل کی شفافیت اور صحیح طریقہ پر اس کی تنفیذ کی کیا ضمانت ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کو اس عدل اجتماعی کے اصولوں کی بنیاد بنایا جس کے نفاذ پر دنیا میں سب سے عظیم اور بے مثال معاشرتی نظام قائم ہوا''۔(۲۰)

عدل اجتماعی انسان کے تمام حقوق کا ضامن ہے، ان میں مذہبی، سیاسی، سماجی، معاشرتی، معاشی اور دیگر تمام حقوق اور آزادی شامل ہیں۔ ''دنیا میں ہزار ہا سال سے بادشاہ کی مطلق العنانی کا تصور چلا آ رہا تھا اس کا ہر حکم قانون تصور کیا جاتا تھا اور وہ خود کسی قانون کے تحت نہیں ہوتا تھا اسلام نے اس قانون کو باطل قرار دے کر بنی نوع انسان کو سیاسی آزادی

Marfat.com

کا جان افزا پیغام سنایا''۔(۲۱)

ڈاکٹر محمود احمد غازی عدل اجتماعی کے اصل تصور اور اس کے بنیادی عناصر کی ان الفاظ میں وضاحت کرتے ہیں،''دنیا میں عدل و انصاف اور حق و راستی کے مدعی سب ہی ہیں لیکن عدل حقیقی اور انصاف کامل اور حق مطلق صرف اللہ کی کتاب اور اس کی شریعت میں ہے جو نا قابل تغیر و تبدل ہے' وحی الٰہی کی رہنمائی سے ہٹ کر جن لوگوں نے عدل و انصاف کے مقاصد کو حاصل کرنا چاہا ہے وہ ہمیشہ ناکام رہے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے عدل کا تصور ہمیشہ اپنے ناقص خیالات' فاسد قیاسیات اور محض وہم و گمان کی بنیاد پر قائم کیا اور وہ عدل و انصاف اور حق و راستی کے حقیقی اور کامل مفہوم کا ادراک کرنے سے ہمیشہ قاصر رہے۔ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی پیروی اور ان کے ناقص تصوراتِ عدل کا اتباع راہ راست سے گمراہ کرنے کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہے''(۲۲)۔

نبی کریم ﷺ نے عدل اجتماعی کا جو جامع نظام قائم کیا اس کو نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم سنجیدہ طبقے نے بھی سراہا۔ کیرن آمسٹرانگ بھی انہی میں سے ایک ہیں، آپ لکھتے ہیں:''اسلامی معاشرے کی بنیاد مساوات کے اصول پہ رکھی گئی جس میں ہر شخص پر یکساں فرائض عائد ہوئے ہیں۔ اس معاشرے میں طبقہء امراء مبلغوں اور راہبوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی۔امیر اور غریب کے درمیان خلیج کو ختم کرنے کے لیے خدا کی راہ میں صدقہ و خیرات دینے کی تاکید کی گئی تھی اور کسی غلام کو آزاد کرنا ایک مستحسن اقدام قرار دیا گیا تھا۔ حضرت محمد ﷺ پر غلامی کو ختم نہ کرنے کا الزام لگایا گیا ہے لیکن یہ ایک غلط فیصلہ ہے۔عہد نامہ جدید کے مصنفوں نے بھی اس مسئلے کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا تھا۔واقعہ یہ ہے کہ پیغمبرِ اسلام نے مساوات اور بھائی چارے کے اصول رائج کر کے جزیرہ نما عرب میں حملوں اور تشدد پر قابو پانے کے ساتھ ساتھ غلامی میں بھی بڑی حد تک کمی کر دی تھی۔ اسلامی معاشرے میں ہر فرد کے ساتھ یکساں سلوک کرنے کو اساسی اصول قرار دیا گیا اور انصاف اور برابری کے لیے قوانین نافذ کئے گئے۔ اسلام نے مساوات اور سماجی انصاف کے اصول رائج کر کے مسلمانوں میں اخوت کے جذبے کو عملاً فروغ دیا اور تمام اہل اسلام کو سماجی اور سیاسی اعتبار سے ایک ہی سطح پر لا کھڑا کیا۔حضرت محمد ﷺ نے ہجرت کے فوراً بعد مسلمانوں میں مواخات یعنی بھائی چارہ قائم کرنے کا دستور نافذ کیا جس کی روح سے ہر مہاجر کو کسی ایک انصاری کے ساتھ رشتہ اخوت میں منسلک کر دیا گیا''۔(۲۳)

اسلام سے پہلے اہل عرب اس درجہ اخلاقی، مذہبی، سیاسی اور معاشی انحطاط کا شکار تھے کہ ان کے بیچ عدل اجتماعی کو اس صورت میں قائم کرنا اتنا آسان کام نہ تھا،مولانا کوثر نیازی اس عدلِ اجتماعی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:''اسلام کے راستے میں یہ شدائد و مشکلات کیوں کھڑی کی گئیں' اس کا سبب یہ ہے کہ اسلام فرسودہ اقدارِ حیات اور استحصالی نظام زیست کو بیخ و بن سے اکھاڑ دینا چاہتا تھا' چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اس نے نہ صرف پہلی استحصالی قدریں توڑ پھوڑ دیں بلکہ اس نے زندگی کی عمارت بالکل نئی بنیادوں پر استوار کی اور ایک ایسا نظام حیات دنیا کے سامنے رکھا جس میں نہ ظلم کی گنجائش تھی اور نہ زیادتی کی' جس میں نہ طبقاتی اونچ نیچ تھی اور نہ بڑے اور چھوٹے کا امتیاز تھا۔ جہاں ہر شخص ایک ہی تول تلتا' جہاں ہر ایک کے لئے زیست کی ایک جیسی راہیں کھلی تھیں' جہاں کسی خاص و عام کی تمیز نہ تھی جہاں عمر فاروقؓ کو جو سہولتیں میسر آئیں وہی کل کے غلام

Marfat.com

حبشی سیدنا بلالؓ اور کل کے ادنیٰ پیشہ ور مزدور سیدنا صہیبؓ رومی کو دی گئی تھیں جہاں نہ کوئی مالک تھا اور نہ کوئی مزدور اور جہاں نہ کوئی آقا تھا اور نہ غلام جہاں سارے کے سارے آدمی آدم کی اولاد قرار دیئے گئے تھے۔ میرا دعویٰ ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع میں حضورؐ نے انسانی مساوات کا جو پہلا عالمی چارٹر عطا کیا تھا نہ اس سے پہلے کسی مذہب، کسی مجلس یا کسی اجتماعی تحریک نے ایسا منشور پیش کیا تھا اور نہ بعد کے آنے والے اب تک کے تمام ادوار میں کوئی تنظیم یا تحریک اس میں اضافہ و ترمیم کر سکی ہے کہ اسلام کے داعی اور اس دنیا کے سب سے پہلے عوامی انقلاب کے بانی سرور دو عالمؐ کے نزدیک معاشرتی عدل محض روٹی کپڑے میں مساوات تک محدود نہ تھا بلکہ یہ ہر جہتی اور ہر نوعی مساوات کا نظام تھا''۔(۲۴)

اسی حوالے سے سید امیر علی اپنی کتاب روح اسلام میں لکھتے ہیں، ''اسلام کی تعلیمات انسانی مساوات کی قائل تھیں، اور اس میں اللہ تعالیٰ کی واحدانیت قائم کرنا بھی مقصود تھا۔ اس لئے پیغمبر اسلام نے انسانوں کی آزادیوں پر کسی قسم کی قدغن عائد نہیں کی تھی۔ اور پھر اس کے ساتھ ساتھ اسلام انسانوں کو غلام بنانے کے خلاف رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان مبلغین یا مجاہدین جن جن علاقوں میں پہنچے، ظلم وستم سے تنگ آئے ہوئے لوگوں نے ان کا کھلے دل سے خیر مقدم ہی کیا، کیوں کہ یہ لوگ ذمی رہ کر بھی کئی طرح کی مراعات اور حقوق و مفادات حاصل کر لیتے تھے اور جو لوگ صرف کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتے تھے وہ تو ہر طرح سے مسلمانوں کے برابر ہو جاتے تھے۔ لیکن کچھ غیر مسلم اور متعصب مورخین نے اپنی تحریروں میں انصاف سے کام نہیں لیا۔ حالانکہ افریقہ اور سپین کے لوگ جو صدیوں سے حکمرانوں کے ظلم وستم، ناانصافیوں اور تشدد کا شکار ہوتے رہتے تھے انھوں نے مسلمانوں کے زیر اقتدار آ کر زندگی کا امن وسکون اور معاشرتی عدل وانصاف بھی حاصل کیا''۔(۲۵)

یہ اجتماعی عدل ہی تھا جس کے لئے آنحضرتﷺ انتہائی فکر مند تھے اس لئے ابتدائی اور مکی سورتوں میں عدل کا کثرت سے ذکر ہے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ﴾ (۲۶) ''کہو کہ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے''۔

﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾(۲۷) ''اور ناپ تول کو انصاف سے پورا کرو''۔

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾(۲۸)

''بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا تا کہ لوگ انصاف کو قائم کریں''۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾(۲۹) ''بے شک اللہ تعالیٰ انصاف اور نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے''۔

﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا﴾(۳۰) ''جب تم کچھ کہو تو انصاف کرو''۔

''عدل برابری اور غیر جانب داری کے ساتھ انصاف کرنا ہے۔ کسی شخص کی عزت و احترام کا اس میں لحاظ نہ رکھا جائے۔ ایجابی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ طاقت ور کے مقابلہ میں کمزور کی حفاظت کی جائے اور منفی طور پر انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جرائم کو روکے۔ مظلومین کے حقوق دلائے اور مفسدین کو سزا دے۔ اسلام خدا کی حکومت زمین پر قائم کرنا چاہتا ہے اور انسان پر انسان کے ظلم کو روکتا ہے اور انسانوں کے ساتھ انسانیت دشمنی کو ختم کرتا ہے۔ فلاح عام کے لئے انصاف

Marfat.com

انتہائی ضروری ہے''۔(۳۱)

عدل اجتماعی مواخات میں:

نبی کریم علیہ السلام کی زندگی سے یوں تو عدل اجتماعی کی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں بلکہ یہ کہنا بالکل بے جا نہ ہوگا کہ سیرت النبی ﷺ عدل اجتماعی کی مثالوں سے بھی بھری ہے، ان ہی مثالوں میں ایک مواخات بھی ہے، اسی حوالے سے مولانا عبدالرؤف داناپوری اصح السیر میں لکھتے ہیں؛''ہجرت کے آٹھ مہینے بعد مواخات ہوا اور یہ مواخات اتنا قوی تھا کہ غزوہ بدر سے پہلے عقد مواخات کی بناء پر ورثہ جاری ہوتا تھا اور ذوی الارحام کو ورثہ نہیں ملتا تھا۔لیکن جب آیت نازل ہوئی ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ﴾ وذوی الارحام کو ورثہ ملنے لگا اور عقد مواخات کا ورثہ موقوف ہوا۔اس کے بعد ایک بسیط تحریر آپ ﷺ نے لکھوائی۔جس میں صراحت سے ظاہر کر دیا گیا کہ اب آئندہ آپس کے تعلقات کیسے ہوں گے۔مسلم کا غیر مسلم سے، یہود کا غیر یہود سے، انصار کا مہاجرین سے، مہاجرین کا انصار سے، ایک قبیلہ کا دوسرے قبیلہ سے برتاؤ کیسا ہوگا۔اور کس کس کے حقوق کیا ہوں گے۔ابن اسحٰق نے صحیفہ کی پوری عبارت نقل کی ہے اور یہ اس وقت کے نظام کے متعلق ایک مکمل دستاویز ہے۔ اس میں یہودیوں کو اپنے مذہب پر رہنے کا اختیار دیا گیا ہے ان کا جائیداد اور اموال سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا، فتنہ وفساد کا پورا سدباب کیا گیا ہے۔مدینہ کے تحفظ کے لیے مل کر کام کرنے کے شرائط وضع کر دیۓ گئے ہیں۔(۳۲)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں، نبی کریم ﷺ کی سیرت کے حوالے سے آپ کی خدمات بڑی گراں قدر ہیں۔مواخات اور اس کے نتیجے میں قائم ہونے والے معاشرے اور اس میں موجود عدل اجتماعی کے بارے میں آپ اپنی کتاب پیغمبر اسلام میں یوں لکھتے ہیں؛''سیاسی اور مذہبی بنیاد پر ایک جماعت کے قیام کی بات کی گئی جو مہاجرین اور انصار مدینہ پر مشتمل مسلم آبادی اور اس غیر مسلم آبادی پر مشتمل ہوناتھی جو سول حکومت کی مرکزیت کے نظام کو قبول کرنے کے لیے تیار تھی اور جنگ کی صورت میں مسلم آبادی کے شانہ بہ شانہ جنگ پر بھی آمادہ تھی اس جماعت (مسلم اور غیر مسلم) کا ذکر جسم واحد کی صورت میں کیا گیا ہے جو باقی دنیا سے منفرد تھی اور جس کے ہر ممبر کے حقوق مساوی تھے خصوصاً جنگ کے ایام میں اور ایک خصوصی شق میں یہود کے لئے دروازہ کھلا رکھا گیا کہ وہ باہمی مدد اور ہر ایک کے لئے انصاف پر مبنی اس سیاسی نظام میں شامل ہو جائیں۔اس آئین میں نظام انصاف کے حوالے سے ایک حقیقی انقلاب کی آمد کے آثار موجود تھے کیوں کہ اس میں سب کے لئے یکساں سلوک کی ضمانت تھی ہر شہری اس میں اپنا حصہ ڈالنے کا پابند تھا چاہے اس کا استعمال اس کے قبیلے کے خلاف ہو یا اس کے خاندان یا رشتے داروں کے خلاف،کوئی شخص کسی مجرم کو پناہ نہیں دے گا،جھگڑے یا تنازعہ کی صورت میں قانون اور انصاف کا ذریعہ خدا ہوگا اور اس کا رسول ﷺ منصف اعلیٰ کے فرائض انجام دے گا۔آئین میں کچھ مروج روایات جیسا کہ ''پہلے سے رائج ہے'' کے بیان سے ظاہر ہے اور کچھ ان میں بہتری لا کر جنگی قیدیوں کی آزادی کے تاوان کی ادائیگی کے لئے سماجی تحفظ کا ایک نظام بھی قائم کیا گیا تا کہ قتل یا زخمی ہونے کی صورت میں انتقام کا پرانا قانون تبدیل کیا جا سکے کیوں کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ قرض وغیرہ اور دوسری بھاری مالی ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے دوسرے مسلمانوں کی مدد کریں ہر قبیلہ یہ نظام چلانے میں خود مختار تھا لیکن ایک نئے نظریئے کے ساتھ کہ قبیلہ کوئی پتھر کا بنا ہوا ڈھانچہ نہ ہو جس کے باہمی رشتے محض پیدائش

Marfat.com

کے تعلق اور معاہدوں سے ہیں بلکہ یہ ایک رضا کارانہ فلاحی اور فعال تنظیم میں ڈھل جائے اس کا مشاہدہ اس مثال سے ہوسکتا ہے کہ مہاجرین مکہ جو نہ صرف بے شمار قبائل سے آئے تھے بلکہ ان میں سے بعض قبائل غیر عرب مثلاً حبشہ سے بھی تھے مگر انہوں نے (مدینہ آمد کے بعد) اپنے آپ کو ایک قبیلہ میں ڈھال لیا''۔(۳۳)

اسی حوالے سے ڈاکٹر حمیداللہ اپنی کتاب ''محمد رسول اللہ'' میں مزید لکھتے ہیں،''یہ معاشرہ کسی بھی دوسرے انسانی معاشرہ ہی کی طرح تھا جس میں اچھے اور برے لوگ موجود تھے یہ حقیقت ہے کہ اس دور میں بھی جرائم یعنی قتل، قانون کی خلاف ورزی اور چوری وغیرہ بھی تھے چاہے ان کی تعداد کتنی ہی کم کیوں نہ ہو اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ معاشرہ بھی عام انسانوں کا معاشرہ تھا اور اس میں صرف فرشتے یا محض شیطان نہیں رہتے تھے جو قابل ذکر بات ہے وہ یہ کہ ہر شخص کے ذہن میں یہ نقش تھا کہ وہ نیکی کو نیکی اور برائی کو برائی سمجھے کوئی شخص اپنے گناہوں اور جرموں پر فخر نہیں کرتا تھا معاشرہ اور عوامی رائے کا دباؤ ہر شخص کو اچھے عمل کی تعظیم پر مجبور کرتا تھا پولیس کا کوئی وجود نہیں تھا مگر لوگ ازخود پیش ہو کر ایسے جرموں کا بھی اعتراف کرتے تھے جن کی سزا موت ہوتی تھی وہ سمجھتے تھے کہ دنیا میں جرم کی سزا برداشت کرنا آخرت کی سزا سے بہتر ہے''۔(۳۴)

علامہ محمد الغزالی ''فقہ السیرۃ'' میں اسی معاشرے کے عدل اجتماعی کے بارے میں یوں لکھتے ہیں،''اس نئے معاشرے میں اللہ تعالیٰ سے خوف اور اخلاص کی بنیاد پر روحانی پہلو کو طاقت پہنچائی گئی اور سچی اخوت پر اس کی بنیاد اور ڈھانچے کو کھڑا کیا گیا۔اسی طرح عدل و مساوات اور تعاون کی دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ پالیسی استوار کی گئی''۔(۳۵)

عدل اجتماعی کی کوئی بھی ایسی صورت آپ ﷺ سے پہلے کبھی نظر آئی اور نہ آپ ﷺ کے بعد مشرق و مغرب میں کہیں بھی کوئی ایسا معاشرہ قائم نہ کر سکا۔وہ لوگ عام لوگ تھے اور وہ معاشرہ بھی عام لوگوں کا معاشرہ تھا مگر نبی کریم ﷺ نے عدلِ اجتماعی کی بدولت اس معاشرے کو سب سے ممتاز معاشرہ بنا دیا تھا۔

عدلِ اجتماعی میثاق مدینہ میں:

نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں کئی معاہدات بھی کیے اور ان معاہدات کے سرسری سے مطالعے سے بھی عدلِ اجتماعی کا عنصر نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے، مثال کے طور پہ میثاق مدینہ کو ہی لیجیے۔''میثاق مدینہ میں انسانوں کے حق مساوات کی حمایت کا ایک اہم اقدام یہ کیا گیا کہ بلاتفریق مرد و زن اور آزاد و غلام، سب کی امان کو یکساں ٹھہرایا گیا یہ اقدام وہاں پہلے سے موجود حالت کے یکسر متضاد تھا اس وقت عرب معاشرہ میں بالعموم انسانوں کے تین طبقات تھے۔ (۱) آزاد (۲) غلام (۳) موالی، ان طبقات میں غلام تو بنیادی انسانی حقوق سے بھی محروم تھے موالی (یعنی عقد موالات) جس میں جوار کی بناء پر کیا جانے والا عقد بھی شامل ہے، کے تحت آنے والے بھی آزاد کی طرح تمام حقوق سے مستفید نہ ہو سکتے تھے اگرچہ وہ معاشرتی اعتبار سے کتنے ہی عزوجاہ والے کیوں نہ ہوں اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جب اہل طائف کے ہاں سے ان کے انکار حق اور ظلم کے بعد واپس مکہ کی طرف واپس تشریف لائے تو پہلے اخنس بن شریق (بنو زہرہ کے حلیف) کو پیغام پناہ بھیجا، اس نے کہا''انا حلیف و الحلیف لا یجیر''میں حلیف ہوں اور حلیف پناہ دینے کا حق نہیں رکھتا پھر آپ ﷺ نے سہیل بن عمرو کو پیغام ارسال کیا اس نے جواب دیا''ان بنی عامر لا تجیر علی بنی کعب'' بنو عامر، بنو کعب کے حریف کو پناہ نہیں دے سکتا پھر آپ ﷺ

Marfat.com

نے مطعم بن عدی کو پیغام بھیجا تو انہوں نے آپ کو پناہ دی''۔(۳۶)

ایسا معاشرہ جس میں نبی کریم ﷺ جیسے شریف النفس، صادق اور امین کہلانے والے شخص کے لیے بھی پناہ نہ تھی، عدلِ اجتماعی کے بعد یکسر بدل گیا اور ہر خاص وعام کے ساتھ ایک سا معاملہ ہونے لگا۔ میثاقِ مدینہ کے نتیجے میں نبی کریم ﷺ نے عدل و انصاف کو جو مرکزیت دی اس کی مثال کہیں نہیں ملتی ہے۔ اس سے پہلے عدل کی حالت کیا تھی اور اس کے بعد عدل نے اجتماعی صورت کیسے حاصل کی اسی بارے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ ''خطباتِ بہاولپور'' میں لکھتے ہیں، ''رسول اللہ ﷺ نے دنیا کا یہ پہلا دستور تحریری طور پر منضبط کر کے نافذ کیا۔ اس میں ایک عجیب وغریب حکم دیا گیا جسے انقلابی نوعیت کا کہا جا سکتا ہے وہ یہ کہ انصاف بجائے انفرادی کہ مرکزی شئے ہوگی یعنی اگر کسی کو نقصان پہنچا تو وہ براہ راست مجرم کو سزا نہیں دے گا بلکہ مرکزی عدالت سے رجوع کرے گا، عدالت حالات سن کر بغیر رعایت کے پوری غیر جانب داری کے ساتھ مقدمے کا فیصلہ کرے گا اور ظالم کو سزا دے کر مظلوم کو اس کا حق دلائے گی۔ مدینے کی حد تک یہ ایک انقلابی حکم دیا گیا، اور انصاف جو وہاں انفرادی کام تھا اس کو ایک مرکزی اور حکومتی چیز قرار دیا گیا اس کے بعد مدینہ میں دو نئے ادارے ''انسٹی ٹیوشن'' قائم ہوتے اور ترقی کرتے نظر آتے ہیں، جو بعد میں سارے ملک میں پھیل جاتے ہیں ایک مفتی کا انسٹی ٹیوشن اور دوسرا قاضی کا''(۳۷)۔

عدلِ اجتماعی صلح حدیبیہ میں:

قریش مکہ کے ساتھ صلح کرتے وقت تو شاید مسلمانوں کے ذہن میں عدلِ اجتماعی کے حوالے سے کچھ زیادہ نہ ہو، مگر مابعد نے اس معاہدے کے مطلوب و مقصود کی بخوبی وضاحت کی، اسی سلسلے میں مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری ''صلح حدیبیہ کی دفعات کے حاصل'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ اہل اسلام اور اعدائے اسلام کے درمیان جو جنگیں ہوئیں ان کا منشا اور مقصد اس کے سوا کیا تھا کہ عقیدے اور دین کے بارے میں لوگوں کو مکمل آزادی اور خودمختاری حاصل ہو، یعنی اپنی مرضی سے جو شخص چاہے مسلمان ہو جائے یا کافر رہے، کوئی طاقت ان کی مرضی اور ارادے کے سامنے رکاوٹ نہ ہو، مسلمانوں کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ دشمن کے مال ضبط کیئے جائیں، انہیں موت کے گھاٹ اتارا جائے اور انہیں زبردستی مسلمان بنایا جائے۔(۳۸) اس معاہدے کی دفعات کہ دونوں نے اس بات پہ صلح کر لی ہے کہ دس سال تک جنگ روک دی جائے، جس دوران میں لوگ امن سے رہیں اور ایک دوسرے سے رکے رہیں اور یہ کہ لوگوں کے جان اور مال کو تحفظ حاصل ہوگا، عدل اجتماعی پہ دلالت کرتی ہیں۔

عدلِ اجتماعی دیگر معاہدات میں:

نبی کریم ﷺ کے دیگر معاہدات کی چند شقوں کا بھی مطالعہ کیا جائے تو عدل اجتماعی کے سلسلے میں کافی رہنمائی حاصل ہوتی ہے، مثال کے طور پہ چند دفعات ملاحظہ ہوں:

☆ بنی عوف کے یہودی اور مسلمان ایک امت ہوں گے یہود کے لئے ان کا دین ہوگا اور مسلمانوں کے لئے ان کا دین اپنے اپنے مذہبوں میں آزاد رہتے ہوئے تیسرے کے مقابلے میں ایک متحدہ طاقت ہوں گے۔

☆ یہود کے اہل وعیال ان کے خواص اور ماتحت خاندانوں اور افراد کی حیثیت خود یہود جیسی ہوگی، ان کے وہی حقوق ہوں گے جو یہود کے ہیں۔

Marfat.com

☆ یہود اپنے مصارف کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے مصارف کے۔

☆ رسول ﷺ نے ایک کتاب (تحریر) لکھی، مہاجرین اور انصار کے درمیان اس تحریر میں یہود سے بھی مصالحت کی صورت اختیار کی، ان سے معاہدہ کیا اور ان کو اپنے دین پر قائم رکھا اور جو جائیدادیں ان کی تھیں ان پر قائم رکھا کچھ شرطیں ان پر لگائیں اور کچھ شرطیں ان کے لئے تسلیم کیں۔

☆ قریش کے وہ افراد جو ہجرت کر کے آئے ہیں وہ اپنے حال پر بدستور رہیں گے (اُن کی آزادی اور ان کے حقوق بدستور رہیں گے) بنوعوف کی آزادی اور ان کے حقوق بدستور رہیں گے۔ قصاص، خون بہا اور دیت کے متعلق جو ان کا دستور ہے اور جو ان کے معاہدات ہیں وہ بدستور رہیں گے ان کا کوئی شخص قید ہو گا تو اس کا فدیہ وہ خود ادا کریں گے۔

☆ جو یہودی ہمارے ساتھ ہوں گے ان کی مدد کی جائے گی ان کے ساتھ ہمدردی کی جائے گی وہ مظلوم نہیں ہوں گے نہ ان کے ساتھ انتقامی کاروائی کی جائے گی۔(۳۹)

عدلِ اجتماعی مکاتیب نبوی ﷺ میں:

نبی کریم ﷺ نے دینِ حق کی اشاعت کے لئے مختلف بادشاہوں اور فرماں رواوں کو خطوط بھی لکھے، یہاں مثال کے طور پہ چند عبارات پیش کی جا رہی ہیں جن کی مدد سے عدل و انصاف کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کی فکر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

"بسم الله الرحمٰن الرحيم، هذا كتاب من محمد رسول الله لبني عاديا ان لهم الذمة وعليهم الجزية ولا عداء ولا جلاء الليل مد والنهار شد وكتب خالدبن سعيد"

''مہربان رحم والے اللہ کے نام سے۔ یہ تحریر ہے اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے بنو عادیا کے لئے۔ ان کے لئے ذمہ داری ہے اور ان پر جزیہ ہے، نہ ظلم ہو گا نہ جلاوطنی، رات (اس معاہدے کو) دراز کیا کرے گی تو دن اس میں شدت پیدا کیا کرے گا، اسے خالد بن سعید نے لکھا''۔

اسی طرح رسول کریم ﷺ کا منذر کے نام ایک خط ابن طولون وغیرہ کے ہاں ملتا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ جب تک تو اچھا کام کرتا رہے گا تجھے خدمت سے معزول نہیں کیا جائے گا۔(۴۰)

منذر بن ساوی کے نام آپ ﷺ نے یوں لکھا کہ میں نے خطا کاروں کو معاف کر دیا جب تک تم اصلاح کی راہ اختیار کئے رہو گے ہم تمھیں تمھارے عمل سے معزول نہیں کریں گے۔(۴۱) اسی طرح ہوذہ بن علی صاحبِ یمامہ کے نام آپ ﷺ نے یوں لکھا کہ تمھارے ماتحت جو کچھ ہے اسے برقرار رکھا جائے گا۔(۴۲) اسی طرح حارث بن ابی شمر غسانی حاکم دمشق کے نام آپ ﷺ نے یوں لکھا کہ تمھاری بادشاہت برقرار رہے گی۔(۴۳)

عدلِ اجتماعی کے محرکات:

ساتویں صدی عیسوی میں ظلم و جبر کے وسیع تناظر کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں ظلم و جبر کی مختلف سطحیں

Marfat.com

تھیں، تاہم ظالمانہ اور جابرانہ نظام کا اثر سب سے زیادہ معاشی سطح پر تھا۔اور اس معاملے میں ایران وروم، چین و ہندوستان، عرب وعجم کی تخصیص نہ تھی، کیوں کے ظلم و جبر، دراصل مسرفانہ زندگی کی ضرورت اور عیش پرستانہ طرزحیات اور اجارہ دارانہ و سرمایا دارانہ ذہنیت کی پیدا دار ہوتا ہے۔اور اس زندگی کے نمائندے اور نمونے متمدن و غیر متمدن تمام معاشروں میں پائے جاتے تھے، بہر حال معاشی سطح پر جو ادارے اس وقت انسانیت کا لہو چوس رہے تھے، ان میں سرفہرست سود تھا جو نہ صرف یہ کہ معاشی ظلم کی ایک مؤثر صورت ہے بلکہ تحفظ مال کی نفی اور عدل اجتماعی کی راہ کا سب سے بڑا پتھر ہے۔رسول اقدس ﷺ نے تحفظ مال وملکیت کے لئے جو مختلف احکام نافذ فرمائے اور جنہیں عدل اجتماعی کے نفاذ کے لئے محرک بنایا۔

عدل اجتماعی خطبہء حجتہ الوداع میں:

خطبہء حجتہ الوداع جسے حقوقِ انسانی کا عالمی منشور بھی کہا جاتا ہے بلاشبہ کسی تعارف کامحتاج نہیں ہے، خطبہء حجتہ الوداع کی جامعیت اور عدل و انصاف کے حوالے سے اس کی اہمیت بڑی عیاں ہے۔ حجتہ الوداع کے موقع پر اپنے خطبہ جلیلہ میں آپ ﷺ نے عدل اجتماعی کے حوالے سے سیر حاصل گفتگو فرمائی،اس سلسلہ میں فرمان رسالت یہ تھا کہ:

جان لو! کہ جاہلیت کا تمام سودی کاروبار،اب باطل ہے، البتہ اپنی اصل رقم لینے کا تمہیں حق ہے، کہ جس میں نہ اوروں پر ظلم ہو اور نہ تم پر ظلم (نقصان) اور اللہ نے یہ بات طے کر دی کہ سود (کی کوئی گنجائش نہیں)۔

اسی خطبہ میں ارشاد فرمایا: دیکھو میں نے حق پہنچا دیا ہے، پس اگر کسی کے پاس امانت ہو تو وہ اس بات کا پابند ہے، کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچا دے۔

یہ بھی فرمایا:لوگو ! اللہ نے میراث میں ہر وارث کا جداگانہ حصہ مقرر کر دیا ہے، اس لئے اب وارث کے حق میں (ایک تہائی سے زائد میں) کوئی وصیت جائز نہیں۔

پھر کہا:قرض قابل ادائیگی ہے، عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے۔

یہ بھی ارشاد رسالت مآب ﷺ تھا:لوگو! میری بات سن لو اور سمجھ لو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی اور تمام مسلمان باہم رشتۂ اخوت میں منسلک ہیں، پس کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کا مال لے کر مگر یہ کہ وہ برضا و رغبت دینا پسند کرے۔(۴۴)

عدل اجتماعی سیرت النبی ﷺ میں:

یوں تو نبی کریم ﷺ کی زندگی کا ہر واقعہ انسانی زندگی کے کسی نہ کسی پہلو سے متعلق رہنمائی اور نمونہ پیش کرتا ہے، یہاں مثال کے طور پر خصوصاً چند ان واقعات کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اس معاشرے میں پائے جانے والے عدل اجتماعی کی عکاسی کرتے ہیں۔

''رسول اللہ ﷺ نے ہر چیز میں اپنے آپ کو صحابہ کے ساتھ برابر شریک رکھا بلکہ اپنے لئے ان سے زیادہ خطرات، دگنی مشقت اور ذمہ داری سے محرومی پسند کی۔ جب مدینہ منورہ میں مسجد تیار ہوئی تو آپ ﷺ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح پتھر، مٹی، لکڑی اور اینٹ اٹھا کر لاتے''(۴۵)۔ جب بدر کی جنگ کے لئے نکلے تو آپ ﷺ نے حاصل شدہ اونٹ شمار کیے تو وہ

Marfat.com

ستر تھے آپ نے انھیں تقسیم کیا۔آپ ﷺ کے حصے میں جو اونٹ آیا اس میں حضرت علیؓ اور مرثد بن ابی مرثد غنوی بھی شریک تھے۔آنحضرت ﷺ بھی اس پر اپنی باری سے سوار ہوتے تھے۔آپ ﷺ نے بالکل اسی طرح کیا جیسے آپ کی فوج کے دوسرے آدمی کر رہے تھے۔ جولوگ آپ کے ساتھ اونٹ میں شریک تھے انہوں نے کہا: "نحن نمشي عنك" ، ہم آپ کی جگہ پیدل چلیں گے،تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ما انتما باقوٰى على الشيء منی وما انا باغنٰى عن الاجر منكما" (۴۶)،تم مجھ سے زیادہ طاقت ورنہیں ہو اور میں اجر لینے سے بے نیاز نہیں ہوں۔

پھر غزوہ خندق میں آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے خندق کھودتے رہے، پتھر اٹھاتے رہے،اپنے کندھے پر مٹی اٹھاتے رہے۔براء بن عازب کہتے ہیں،''كان النبى الله ينقل التراب يوم الخندق حتى أغمر بطنَه" (۴۷)رسول اللہ خندق کے دن مٹی اٹھا کر لے جاتے رہے یہاں تک کہ آپ کا بطن مبارک غبار آلود ہو گیا۔

آپ ﷺ اپنے صحابہؓ سے کھانے میں، پینے میں، لباس میں ہر چیز میں برابر کے شریک رہتے بلکہ ان کو اپنے سے اچھی چیز دیتے اور خود معمولی اور سخت چیز اختیار کر لیتے۔آپ ﷺ نے خطرناک ترین مواقع پر اپنے آپ کو ثابت قدم رکھا اور خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے صرف صحابہؓ کو تنہا نہیں چھوڑ دیا بلکہ اپنے صحابہ کی خدمت کرتے رہے حالانکہ دوسرے سپہ سالار ماتحتوں سے اپنی خدمت لیتے۔

رسول ﷺ پر اس معاملے میں جس کا اثر مسلمانوں کی مصلحت اور حالت پر پڑتا ہو اپنے صحابہ سے ضرور مشورہ کیا کرتے تھے خواہ وہ معاملہ جنگی ہو یہ نہ ہو آپ ﷺ نے غزوہ حدیبیہ کے سوا باقی تمام غزوات میں صحابہؓ سے مشورہ بھی لیا اور ان کی رائے کو ہمیشہ قبول بھی کیا۔اگر چہ آپ ﷺ کی ذاتی رائے ان کے خلاف ہی کیوں نہ ہو جیسے کہ آپ ﷺ نے عملی طور پر غزوہ احد میں کر کے دکھایا۔(۴۸)

ترکی کے مشہور مصنف فتح اللہ گولین عدل اجتماعی کے مظہر اس معاشرے کی ان الفاظ میں تصویر کشی کرتے ہیں، ''رسول اکرمؐ نے رنگ پر مبنی نسل پرستی اور امتیاز کا اتنی کامیابی سے قلع قمع کیا کہ،مثال کے طور پر، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حضرت بلالؓ کو، جو سیاہ فام تھے، کہا: بلال ہمارے آقا ہیں جنہیں ہمارے آقا ابو بکرؓ نے آزاد کرایا۔'' حضرت زید بن حارثہؓ ایک سیاہ فام غلام جنہیں رسول اکرم ﷺ نے آزاد کرایا،آپ ﷺ کے، متبنیٰ بنانے کی بندش والی وحی سے قبل، متبنیٰ تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کی زینب بنت جحشؓ سے، جو شریف ترین (غیر سیاہ فام) عرب اور مسلمان خاتون تھیں، شادی کی اس کے علاوہ آپ ﷺ نے حضرت زیدؓ کو بازنطینی سلطنت کے خلاف مسلمان فوج کا سپہ سالار بنایا، اگر چہ اس وقت میں حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، جعفرؓ ابن ابی طالب (رسول اکرم ﷺ کے چچیرے بھائی) اور حضرت خالد بن ولیدؓ اپنے زمانے کے ناقابل تسخیر جرنیل) جیسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے۔(۴۹)

سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے ارشادات طیبات سے اپنے امتیوں کے دلوں میں انسانی مساوات کے عقیدے کو پختہ کر دیا۔ بتا دیا کہ یہاں کوئی اعلیٰ ادنیٰ نہیں ہے یہاں کوئی شریف و حقیر نہیں ہے۔ سب اللہ وحدہ کے بندے ہیں اور قانون کی نگاہ میں یکساں اور برابر ہیں۔کیوں کہ جب تک لوگوں کے ذہنوں میں انسانی مساوات کا عقیدہ راسخ نہ ہو جائے اس وقت تک

Marfat.com

عدل و انصاف کا کوئی محل تعمیر نہیں کیا جا سکتا۔(۵۰)۔

غزوۂ بدر میں ایک ایمان افروز واقعہ رونما پذیر ہوا، جب کفار نے اپنی صف بندی کر لی تو نبی کریم ﷺ نے بھی مجاہدین کو صفیں بنانے کا حکم دیا، جب مجاہدین صفیں بنا چکے تو سرور عالم ﷺ ان کے معائنہ کے لئے تشریف لائے جب ایک صف کے سامنے سے حضور ﷺ گزر رہے تھے، ہاتھ میں ایک تیر تھا تو حضور ﷺ کا گزر حضرت سواد بن عزیہ کے پاس سے ہوا جو صف سے آگے نکلے ہوئے تھے حضور ﷺ کے دست مبارک میں جو تیر تھا اس سے ان کے شکم پر کچوکا دیا اور فرمایا اے سواد: صف کو درست کرو پیچھے ہٹو۔ پیچھے تو ہٹ گئے لیکن معاً ایک درخواست بھی کی، کہنے لگے:

"یا رسول اللہ! او جعتنی فقد بعثك الله بالحق و العدل فاقدنی"

"اے اللہ کے رسول! آپ نے مجھے تیر سے مارا ہے مجھے وہاں درد ہو رہا ہے۔ میں قصاص کی التجا کرتا ہوں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق اور عدل قائم کرنے کے لئے مبعوث فرمایا ہے"۔

سرکار دو عالم ﷺ نے فوراً اپنے شکم مبارک سے کپڑے کو ہٹا دیا اور فرمایا اے سواد! میں حاضر ہوں اپنا قصاص لے لو۔ سواد جھپٹ کر آئے اور حضور ﷺ کے شکم مبارک کو چوم لیا اور حضور ﷺ کو سینے سے لگا لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"ما حملك علىٰ هذا يا سواد؟"

"اے سواد! جو حرکت تم نے کی ہے اس کا باعث کیا ہے؟"

سواد نے عرض کی۔

"حضر ما ترىٰ واردت ان يكون اخر العهدبك ان يمس جلدى جلدك" (۵۱)

"یا رسول اللہ ﷺ! سارے حالات آپ کے سامنے ہیں میں یہ چاہتا ہوں کہ حضور ﷺ کی اس آخری ملاقات میں میری جلد حضور ﷺ کے جسم مبارک کے ساتھ چھو جائے۔"

اگر دو اشخاص کے درمیان جھگڑا ہوتا تو عدل فرماتے اور اگر کسی شخص کا نفس مبارک کے ساتھ کوئی معاملہ ہوتا تو رحم فرماتے۔ فاطمہ نامی ایک عورت نے مکہ میں چوری کی، لوگوں نے حضرت اسامہؓ سے سفارش کروائی جو آنحضرت ﷺ کو بہت پیارے تھے، فرمایا کیا تم حدود الٰہی میں سفارش کرتے ہو؟ سنو! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی ایسا کرتی، تو میں حد جاری کرتا۔(۵۲) قاضی محمد سلیمان منصور پوری اپنی کتاب رحمۃ للعالمین میں سوادؓ بن عمر کے واقعے کو بحوالۂ شفاء قاضی عیاض ص ۱۱ ۳، یوں لکھتے ہیں۔"سوادؓ بن عمر کہتے ہیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کے سامنے درس کا ایک رنگین کپڑا پہن کر گئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اور چھڑی سے ان کے شکم میں ٹھوکا بھی دیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں تو قصاص لوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے شکم برہنہ کر کے میرے سامنے کر دیا۔(۵۳)

مدینہ منورہ میں ایک یہودی نے نہایت بے رحمی سے ایک عورت کا سر پتھروں سے کچل کچل کر مارا تھا آنحضرت ﷺ نے اس کو بھی توریتی قصاص کے انداز میں اسی طرح قتل کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک واقعہ منقول ہے کہ اللہ نے حضور اقدس ﷺ کو حکم دیا کہ قبائل عرب کے پاس جائیں اس سفر میں حضرت علیؓ اور حضرت ابو بکرؓ

Marfat.com

حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تھے۔ اس دفعہ مختلف قبائل کا دورہ کرتے ہوئے شیبان بن ثعلبہ کے قبیلے کے پاس پہنچے حضور اقدس ﷺ نے پہلے کلمہ شہادت کی دعوت دی پھر ابن ثعلبہ کے خطیب مفروق نے عرض کیا کہ کس بات پر آپ دعوت دیتے ہیں تب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ﴾ تب بھی خطیب نے کہا کہ کس بات کی دعوت دیتے ہیں تو نبی کریم ﷺ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ تب خطیب قبیلہ مفروق نے کہا اے قریشی بھائی تو نے مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی دعوت دی بے شک وہ قوم حق سے دور جا پڑی جس نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کے خلاف مظاہرہ کیا اس کے بعد اس کے سردار نے کہا کہ جلدی میں کوئی فیصلہ کرنا مناسب نہیں ہمارا قبیلہ اس مسئلہ پر غور کرے گا۔(۵۴)

بحیثیتِ دینِ اسلام کی اعلیٰ ترین قدر سماجی اور تمدنی انصاف ہے اور اس کا ہدف معتدل نظامِ عدلِ اجتماعی کا قیام ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس نظام کو اس انداز میں قائم کیا کہ رہتی دنیا تک اس کی مثال نہیں مل سکتی ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کے نظام عدلِ اجتماعی کے عناصر کو کما حقہ سمجھا جائے تا کہ معاشرے میں اس کی مدد سے اصلاح کے عمل میں تیزی لائی جا سکے۔

مصادر و مراجع

(۱)۔ یاسر سلامہ، معجم الأحیاء التعریفات العلمیۃ، عمان، ۲۰۰۹، ط ۱، ص ۴۷۔...... (۲) سلیمان العید، النظام السیاسی فی الاسلام، بیروت، ص ۲۰۰۔...... (۳)۔(المؤمن۔۲۰)...... (۴)۔(الاحزاب۔۴)...... (۵)۔(الانعام۔۱۱۵)...... (۶)۔(آل عمران۔۱۸)...... (۷)۔(النحل۔۹۰)...... (۸)۔(البقرۃ۔۲۸۲)...... (۹)۔نعمانی، علامہ شبلی، سیرت النبی ﷺ ادارہ اسلامیات لاہور، ۲۰۰۲ء، ج ۶، ص ۵۰۸۔ ...... (۱۰)۔ بخاری کتاب المحاربین باب فضل من ترک الفواحش، ج ۱، ص ۱۹۱۔......

(۱۱)۔ ”مساوات یا عدل، شرعی نقطۂ نظر“ از محمد عمران صدیقی، ماہنامہ محدث لاہور، ج ۴۲، ش ۴، ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ، ص ۱۷۔......

(۱۲)۔ مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب فضائل القران، ج ۱۰، ص ۲۲۱۔...... (۱۳)۔ثریا، حجازی ابراھیم، العدل قوام المجتمعات، مصر، ص ۲۴۔...... (۱۴)۔ایضاً...... (۱۵)۔الصلابی علی محمد، عمر بن خطاب شخصیت اور کارنامے، ترجمہ شمیم احمد، القرقان مظفر گڑھ، ۲۰۰۱ء، ص ۲۷۱۔...... (۱۶)۔اسرار احمد، ڈاکٹر، اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت، انجمن خدام القرآن لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۷۔......

(۱۷)۔(الحدید۔۲۵)...... (۱۸)۔نعیم صدیقی، محسن انسانیت، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۸۷ء، ط ۱۵، ص ۳۲۔......

(۱۹)۔مودودی، ابوالاعلیٰ، سیرت سرور عالم، ادارہ ترجمان القران لاہور، ط ۸، ۲۰۰۹ء، ج دوم، ص ۷۴۴۔...... (۲۰)۔البوطی، محمد سعید رمضان، فقہ السیرۃ النبویۃ، ترجمہ رضی اسلام، نشریات لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۷۱۔...... (۲۱)۔بخاری، اسرار الرحمٰن، اسلام کا سیاسی نظام، نیو بک پیلس لاہور، ص ۲۸۴۔...... (۲۲)۔غازی، محمود احمد، ادب القاضی، ادارہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد، ۱۹۹۳ء، ط دوم، ص ۷۹۔...... (۲۳)۔کیرن آرمسٹرانگ، محمد ﷺ، ترجمہ نعیم اللہ، ابو ذر پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۳۰۷۔......

(۲۴)۔کوثر نیازی، مشاہدات و تاثرات، جنگ پبلشرز لاہور، ۱۹۹۱ء، ط دوم، ص ۲۲۔...... (۲۵)۔امیر علی، سید، روح اسلام، نذیر پبلیشرز لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۲۹۵۔...... (۲۶)۔(الاعراف۔۲۹)...... (۲۷)۔(الانعام۔۱۵۲)...... (۲۸)۔(الحدید۔۲۵)......

(۲۹)۔(النحل۔۹۰)...... (۳۰)۔(الانعام۔۱۵۲)...... (۳۱)۔”عہد نبوی میں مسلم معاشرے کی تشکیل“ از صاحبزادہ ساجد الرحمٰن،

Marfat.com

معارف اسلام آباد، ج۵، ش۲، جولائی۲۰۰۶ء، ص۵۶۸۔...... (۳۲)۔داناپوری، عبدالرؤف، اصح السیر، ادارہ اسلامیات لاہور، ۲۰۰۹ء، ص۱۲۰۔...... (۳۳)۔محمد حمیداللہ، ڈاکٹر، پیغمبر اسلام، ترجمہ خالد پرویز، بیکن بکس لاہور، ۲۰۱۱ء، ص۲۰۵...... (۳۴)۔محمد حمیداللہ، ڈاکٹر محمد رسول اللہ، ترجمہ خالد پرویز، بیکن بکس لاہور، ۲۰۰۵ء، ص۳۰۰۔...... (۳۵)۔غزالی، علامہ محمد، فقہ السیرۃ، ترجمہ ابومسعود اظہر، نشریات لاہور، ۲۰۱۰ء، ص۱۶۹۔...... (۳۶)۔الغزالی، محمد، حقوق الانسان بین تعالیم الاسلام و اعلان الامم المتحدہ...... (۳۷)۔محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، ط ۱۰، ص۳۰۴۔...... (۳۸)۔مبارکپوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، مکتبہ سلفیہ لاہور، ۲۰۰۰ء، ط ۳، ص۴۷۰۔...... (۳۹)۔محمد میاں، سید محمد رسول اللہ، جمعیۃ پبلیکیشنز لاہور، ۱۴۳۲ھ، ط۲، ص ۵۱۶۔...... (۴۰)۔محمد حمیداللہ، ڈاکٹر، رسول کریم ﷺ کی سیاسی زندگی، دار الاشاعت کراچی، ۲۰۰۳ء، ص۱۷۲۔...... (۴۱)۔مبارکپوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، مکتبہ سلفیہ لاہور، ۲۰۰۰ء، ط ۳، ص۴۸۸۔...... (۴۲)۔ایضاً۔...... (۴۳)۔ایضاً۔...... (۴۴)۔نثار احمد، ڈاکٹر، خطبہ حجۃ الوداع، بیت الحکمت لاہور، ۲۰۰۸ء ص۲۳۲، ابن کثیر ج، ص ۱۹۸۔...... (۴۵)۔بخاری باب ہجرۃ النبی الی المدینہ ج ۵، ص۷۸، ابن ہشام ج ۲، ص ۱۴۱۔...... (۴۶)۔ابن ہشام ج ۲، ص۲۶۴، ابن سعدج ۲، ص۲۱۔...... (۴۷)۔بخاری، کتاب المغازی باب غزوۃ الخندق ج۵، ص۱۴۵۔...... (۴۸)۔ابن سعدج ۲، ص ۳۸۔...... (۴۹)۔گولین، فتح اللہ، سیرت النبی، ترجمہ محمد یونس، جہانگیر بکس لاہور، ص۲۶۰۔...... (۵۰)۔الازھری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاالنبی ﷺ، ضیاء القران پبلی کیشنز لاہور، ۱۴۲۰ھ، ط۲، ج ۵، ص۴۱۰۔...... (۵۱)۔المقریزی، تقی الدین احمد بن علی، امتاع الاسماع، قاہرہ، ج ۱، ص۸۵۔...... (۵۲)۔ بخاری، کتاب الحدود، ج ۳، ص ۱۴۷۹۔...... (۵۳)۔منصور پوری، قاضی محمد سلیمان، رحمۃ للعالمین، مکتبہ اسلامیہ لاہور، ۲۰۰۶ء ج ۱، ص ۲۵۵۔...... (۵۴)۔البیھقی، ابو بکر احمد بن حسین، دلائل النبوۃ، دارالکتب بیروت، ج ۲، ص۴۲۲۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبویﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر پروفیسر حبیب اللہ- لاہور

دو جہانوں کے بادشاہﷺ کا دربار سجا ہوا تھا۔ اس اعلیٰ اور ارفع میٹنگ میں بڑا ہی اہم نکتہ ایجنڈے پر تھا۔ اسلامی سلطنت کے گورنرز، ایڈمنسٹریٹرز اور ججوں کو تقرر نامے ملنے تھے۔ عوامی آفیسرز میرٹ، پچھلے ریکارڈ، کردار، انصاف اور انتہائی راست بازی کے زریں اصولوں کو سامنے رکھ کر منتخب کئے گئے تھے۔ ان کو ٹرمز آف ریفرنس بتائے جا رہے تھے۔ اسلام کے عائد کردہ حقوق کے دائرے میں حاکم کو جن حدود کی پابندی کرنی چاہیئے حضورﷺ ان کی نشاندہی فرما رہے تھے۔

دیکھو! اپنے دروازے کبھی عوام الناس کے لئے بند نہ کرنا۔ ان کی شکایات کو ہمیشہ دور کرنا اور اگر کوئی ان سے زیادتی ہو تو اس کا ازالہ کرنا۔۔۔ اعلیٰ نسل کے گھوڑوں پر سواری نہ کرنا۔۔۔ میدے کی روٹی نہ کھانا۔۔ اور نہ ہی باریک کپڑے پہننا، نہ ضرورتمندوں کے لئے اپنے دروازے بند کرنا جب ان کو تم سے کوئی ضرورت ہو۔ اپنی ڈیلنگ میں خوش اخلاق ہونا اور اس کے ساتھ سچے، پاکیزہ اور ایماندار ہونا اور صرف اپنی تنخواہوں پر ہی گزارہ کرنا اور اس کے علاوہ کچھ اور قبول نہ کرنا۔

یہ حدود عدل مطلق کی سچی ترازو ہے۔ کسی اپنے کی حمایت اور غیر کی مخالفت میں اس کی ڈنڈی ٹیڑھی نہیں ہوسکتی! قرآن حکم دیتا ہے "جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل سے کرو" (النساء: ۵۸)۔ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور سب سے قریب مقام پانے والا شخص عادل حاکم ہوگا۔ (الشیخان، الترمذی)۔ چند ثانیے کا انصاف، ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے (الحدیث)۔

عدل اجتماعی کا تصور

تعریف (definition) اجتماعی عدل کے اسلامی تصور کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محدود معنی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرہ میں داخل ہیں۔ وہ وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے صرف مادی قدروں تک محدود نہیں۔ وہ فکر اور عمل، ضمیر اور وجدان سب پر چھایا ہوا ہے وہ مادی، معنوی اور روحانی، تمام تر اقدار، میں ایسے عدل کا حامی ہے جس سے ایک فلاحی مملکت قائم ہو سکے [ماخذ] [سید قطب، حوالہ ا،ص ۹۷]۔

جدید دور میں اسلامی نظام کے عدل اجتماعی کے تین بنیادی ستون ہیں:

۱- انفرادی آزادی (Individual Liberty)

۲- سماجی انصاف اور کامل انسانی مساوات (Social Jusice)

۳- معاشرے میں مکمل بھائی چارہ، ٹھوس اور پائیدار اجتماعی تکافل

Marfat.com

فرد و معاشرہ کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اچھا معاشرہ، اچھے افراد کی تخلیق و پرورش کرتا ہے اور اچھے افراد عمدہ اور بہتر معاشرہ کو معرض وجود میں لانے کا سبب قرار پاتے ہیں۔ جہاں ایک فرد معاشرے کی رہنمائی کرتا ہے، معاشرہ کو نئے نئے افکار و تصورات سے مالا مال کرتا ہے وہاں معاشرہ۔ ایک اچھا اور صالح معاشرہ۔ فرد کو اظہار ذات اور تکمیل و ارتقائے ذات کے وہ تمام مواقع عطا کرتا ہے۔ ایک تاریک و تنگ نظر اور برا معاشرہ افراد کے ذاتی حوصلوں اور امنگوں کو بری طرح متاثر اور مجروح کرتا ہے۔ اس بناء پر ضروری ہو جاتا ہے کہ فرد کے ساتھ معاشرے کو بھی نیک افکار و تصورات کی استواری کا ضامن تسلیم کیا جائے۔

انفرادی آزادی

اسلام میں اجتماعی عدل کی عمارت جن بنیادوں پر قائم ہے انفرادی آزادی اور مکمل آزادئ ضمیر انہی بنیادوں میں ایک اہم بنیاد ہے۔ یہی وہ اولین بنیاد ہے جس پر دوسری بنیادیں قائم ہیں۔ اللہ کی حاکمیت: اسلام کا نکتہ آغاز ضمیر انسانی کو غیر اللہ کی عبادت اور اطاعت و فرمانبرداری سے آزاد کراتا ہے۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو انسان پر کوئی اقتدار حاصل نہیں ہے۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اسے مارتا اور جلاتا ہو یا کوئی دوسرا نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتا ہو۔ آسمان و زمین میں بس وہی ایک ذات ہے جو انسان کو رزق عطا کرتی ہے۔ انسان اور خدا کے درمیان کوئی واسطہ حائل نہیں ہے۔ آسمان و زمین میں بس وہی ایک ذات ہے اس کے ماسواء سب بندے ہیں جو نہ خود اپنے لیے کچھ کر سکتے ہیں نہ دوسرے کے لیے۔ جب اللہ ایک ہے تو اس کی عبادت بھی یکساں ہو گی۔ سب کے سب لوگ اسی کی طرف متوجہ ہوں گے۔ کسی دوسرے کی عبادت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر کسی انسان کو اس کا بھی حق نہیں کہ وہ دوسرے انسان کو اپنا رب قرار دے۔ کسی کو کسی پر اگر کوئی برتری حاصل ہو سکتی ہے تو صرف نیک عمل اور تقویٰ کی بناء پر۔

قرآن بتاتا ہے کہ فکر و فاقہ کا خوف دراصل شیطانی وسوسے کا نتیجہ ہے جو اس طور پر ہماری طبیعت کو کمزور بنا کر ہم سے خود اعتمادی، خود داری اور اعتماد علی اللہ کی قیمتی صفات چھین لینا چاہتا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر یہ بات کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی کہ حصول معاش لوگوں کو سر جھکانے پر مجبور کر دے ان کی روزی دراصل صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ حقیر و ضعیف بندوں میں سے کسی کو اتنی قدر نہیں حاصل کہ کسی آدمی کو روزے دے یا اس میں کچھ تنگی ڈال دے۔

ان گزارشات سے ثابت ہوا کہ انسان کی انفرادی آزادی، مطلق اور مکمل آزادی ضمیر کی جو تعریف جدید دور میں کی جاتی ہے اس سے کہیں زیادہ آزادی قرآن کی ہدایات اور اسلام کے مزاج کے مطابق ایک انسان کو حاصل ہے۔ ضمیر انسانی، بندوں کی غلامی سے آزاد اور تعلق باللہ سے ہمہ دم بیدار شعور سے مامور ہوتے ہی جان و مال اور عزو جاہ کے سلسلہ میں، ہر طرح کے خدشات اور اندیشوں سے بلند ہو جاتا ہے۔ یہی وہ حقیقت فہم ہے جو قانون سازی اور تلقین و ہدایت کے سلسلہ میں اسلام کے بنیادی اور عمومی فلسفہ سے ہم آہنگ ہے۔

جائز انسانی خواہشات: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ زندگی کے تقاضوں کو پس پشت ڈال دینا ممکن نہیں ہوتا نہ ہی ضروریات زندگی کو ہمیشہ دبائے رکھنا ممکن ہے۔ زندگی کے تقاضوں کو کچلنا کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ خالق حیات نے انہیں عبث نہیں بنایا وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ انسان اس کو معطل رکھ کر ہر طرح کے نشو و ارتقاء سے محروم کر دے۔ ضروریات سے بے نیازی اور

Marfat.com

بلندی کا مطلب یہ نہیں کہ خود زندگی کو ناکارہ بنا کر چھوڑ دیا جائے۔ موزوں اور معقول صورت یہ ہوگی جس میں انسان کی قوتوں اور صلاحیتوں کو نشوونما کا پورا موقع ملے اور ساتھ ہی وہ ضروریات کی توہین آمیز حد تک غلامی سے بچا رہے اور خواہشات کا غلام نہ بنے، اسلام کو معاشرے میں اجتماعی عدل کی ایسی ہی شکل مطلوب ہے۔

اس کے برعکس کمیونزم کا نظریہ یہ ہے کہ آزادی ضمیر کی واحد ضامن معاشی آزادی ہے لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ فرد کو نظری قوانین، عدل و مساوات کی جو ضمانتیں اشتراکیت دیتا ہے ان سے بھی وہ معاشی دباؤ کے سبب محروم رہ جاتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ سماج میں معاشی آزادی کی ضمانت فکروشعور کی ایسی آزادی کے بغیر نہیں دی جاسکتی جس کی جڑیں قلب وضمیر میں گہری اتر چکی ہوں۔ انسان پر ضروریات، صلاحیتوں اور رجحانات کا جو دباؤ پڑتا ہے اس کا مقابلہ صرف قانون کے ذریعے نہیں کیا جاسکتا یعنی فرد کے مادی وسائل ہی صرف کافی نہیں۔ اگر اس کے پیچھے انفرادی احساس حریت بھی کارفرما ہو اور اسے قانون کی تائید حاصل رہے تو اس کا احساس معاشرے کے کمزور اور طاقتور، دونوں پر یکساں اجاگر ہوتا ہے۔

راقم الحروف نے ایک ایسے ملک سے، پاکستانی گورنمنٹ کے وظیفے پر پڑھتے ہوئے، انجینئرنگ کے انتہائی جدید موضوع پر ۱۹۸۵ء میں Ph.D کی ڈگری حاصل کی۔ جہاں برسوں سے اشتراکیت پر مبنی معاشرہ قائم تھا۔ میں وہاں پانچ سال رہا اور میری ساری پڑھائی Romanian زبان میں تھی اس لیے میں اس سے well-versed ہوں۔ رومانیہ کے intellectuals اور دوسرے ممالک سے پڑھنے کے لیے آئے ہوئے طلباء، میرے حلقہ احباب میں شامل تھے۔ رومانیہ کا دانشور طبقہ خاص کر پروفیسرز، اپنے معاشرہ میں فری تعلیم، میڈیکل، قانون کا حق اور ہر کسی کے لیے ملازمت کے مواقع، جیسی اچھائیوں سے ہمیں آگاہ کرتے رہتے تھے، یہاں تک تو یہ صحیح تھا، لیکن آزادی رائے کا نہ ہونا، بیگار لینا اور ہر سطح پر کرپشن عام ہونا غلط اقتصادی پالیسیوں کی وجہ سے foreign exchange (زرمبادلہ) کا کم ہونا اور باہر جانے کی ممانعت، یعنی اپنی مرضی اور ضمیر کے مطابق کوئی کام نہ کرسکنے کی وجہ سے اس معاشرے میں عجیب سی گھٹن پیدا ہوگئی تھی۔ بلیک (black marketing of currency) اور رشوت (gratification) نے اس کو اور اس جیسے دوسرے ممالک کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا تھا، انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو کمیونزم نظام آیا ہی ان برائیوں کو مٹانے کے لیے تھا کیونکہ ایسا نظام personal interest (یعنی ذاتی مفاد) کو ختم کر دیتا ہے۔

اسلام نے سعی و جہد کے ذریعے، ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کے کھلے مواقع فراہم کیے ہیں۔ معاشرے کے افراد میں ایک مثبت مقابلے سے معاشرہ پھلتا پھولتا اور ترقی کرتا ہے۔ مومن کامل کے لیے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اسے سوچنے اور کام کرنے کی قوتوں سے نوازا ہے وہ اپنی استعداد کے مطابق معاشرے کی ترقی وتعمیر میں اپنا کردار ادا کرے۔ مساوات بہرحال اسلامی معاشرے کی ایک لازمی شرط ہے۔ ہر کسی کو بڑھنے کے یکساں مواقع ملنے چاہئیں اس کی سوچ اور expression پر کوئی قدغن یا پابندی نہیں ہونی چاہیے۔ مومن کا ضمیر روشن (Broad minded) سوچ مثبت (Constructive thought) اور اڑان اونچی ہوتی ہے اور اس کا ہر قول وفعل سچا اور اسلام کے تابع ہونا چاہیے۔ کل الحلال، صدق مقال اور تقویٰ کمال اس کا شعار ہونا چاہیے۔

Marfat.com

غرضیکہ اسلام آزادی ضمیر کے معاملے میں تمام پہلوؤں کو سامنے رکھتا ہے اور ایک ballanced (متوازن) اور قرآن وسنت سے well assorted آزادی دیتا ہے۔ اسلام ہر گوشے کی طرف توجہ کر کے شعور و وجدان کو ایسی مکمل آزادی کی ضمانت دیتا ہے جو نہ صرف تصورات اور نظری قدروں پر مبنی ہے (یعنی عرف عام میں صرف theoretical ہے) نہ اس کا واحد سہارا اقتصادی اور مادی انتظامات ہیں بلکہ وہ بیک وقت ان دونوں بنیادوں پر قائم ہے۔ وہ زندگی کے عملی حقائق اور نفس انسانی کی قوت برداشت دونوں کو سامنے رکھتا ہے اور اس کی رعایت ملحوظ رکھتا ہے وہ انسان کے پاکیزہ ترین رجحانات کو اکساتا ہے اور جلا بخشتا ہے۔ اس کی اعلیٰ ترین صلاحیتوں اور قوتوں کو بیدار کرتا ہے۔ بالآخر اسے وجدان وشعور کی مکمل اور بے آمیز آزادی تک پہنچا دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دین متین اسلام ''مادر پدر آزادی'' جس سے dark ages (یعنی دور جاہلیت) کی یاد تازہ ہو جائے اور انسان شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں گر جائے، کو بری طرح discourage کرتا ہے ایسی flimsy (یعنی ناکارہ بودا) آزادی انسان کو صرف خواہشات کا غلام بنا کر رکھ دیتی ہے اور وہ اخلاقی کمزوری سے بری طرح demoralize اور dismay (بددل) ہو جاتا ہے۔

سماجی انصاف (social Justice)

انسان کا ضمیر و وجدان پوری طرح آزاد ہو گیا اور غلامانہ ذہنیت کے ہر شائبہ سے بری ہوا۔ انسان عزت و ذلت، تکلیف و مصیبت اور موت کے اندیشوں سے یہ سمجھ کر بے نیاز ہو گیا کہ کوئی بات اذن خداوندی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ سماجی اور اقتصادی قدروں کے دباؤ سے بھی نکل آیا اور دست سوال دراز کرنے کی ذلت سے بھی بچ گیا۔

ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
دیتا ہے تجھ کو کئی سجدوں سے نجات

خود اپنی خواہشات وا ہوا سے بھی بلند ہو کر اس یکتا اور منفرد خالق کی طرف متوجہ ہوا جس کی طرف بلاتمیز بندہ و آقا سارے انسان رخ کرتے ہیں اب معاشرے پر کچھ فرائض و لوازم ہیں کہ وہ بھی فرد کو social justice (یعنی سماجی انصاف) دے۔ وکی پیڈیا (wikipedia) جو ایک ''فری انسائیکلو پیڈیا'' ہے(۳۲) اور جسے تمام دنیا میں سکالرز صاحبان ریفرنس کے طور پر استعمال کرتے ہیں، میں social justice کی تعریف ایسے کی گئی ہے:

"A socially just society is based on the principles of equlity and solidarity, understands and values of human rights, and recognizes the dignity of every human being" [J. Zajda, S. Majhanoviich, V Rust]

پہلے پہل یہ اصطلاح (1840) J.L. Taparelli نے استعمال کی اور انہوں نے یہ اصطلاح St, Thomas Auinas کی تعلیمات پر مبنی تھی، اس کو مزید exposure ۱۸۴۸ء میں Antonio Rosmini-Serbati نے دیا۔ تقریباً ہر مذہب نے سماج میں انصاف پر زور دیا ہے مثلاً یہودی ربی Jonathan Sacks بیان کرتا ہے کہ سوشل جسٹس کو یہودیت میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ بات ان کے simcha (gladness or joy) اور tzedakh (charity) کی اور tkkun

Marfat.com

olam (mending the word) میں ظاہر ہوتا ہے۔ کیتھولک catholics کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ (jesus) کی تعلیم کے مطابق قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر شخص سے پوچھے گا کہ اس نے ضرورتمندوں اور غریبوں کے لیے کیا کیا؟ تم نے جو کچھ ان بھائیوں کے لیے کیا وہ میرے لیے کیا۔

اسلام کو اس لحاظ سے دنیا کے تمام مذاہب پر فوقیت حاصل ہے۔ جس طرح پھول اپنی خوشبو پر، آفتاب اپنی روشنی، آئینہ اپنی صفا پر اور چاند اپنی ضیاء پر ناز کرسکتا ہے اسی طرح اسلام اپنی حریت، اخوت اور مساوات کے زریں اصولوں پر ناز کرسکتا ہے۔ اسلام نے تو سماجی انصاف قائم کرنے پر بہت ہی زور دیا ہے۔ قرآن کریم میں بہت سی جگہوں پر ایسے ریفرنس ملتے ہیں جس میں، سماج میں، مساوات اور انصاف قائم رکھنے پر زور دیا گیا ہے۔ اسلام دولت کی منصفانہ تقسیم پر بھی زور دیتا ہے اور استحصال سے پاک معاشرے کی بنیاد رکھتا ہے۔ اسلام کے پانچ ارکان میں زکوٰۃ (alms-giving) ایک بنیادی رکن ہے۔ اسلام میں نہ صرف رزق حلال کمانے کے لیے کہا گیا ہے بلکہ اپنی حلال کمائی میں سے زکوٰۃ دینے (charity for poors) اور صدقہ و خیرات کرنے کی تاکید کی ہے۔ زکوٰۃ غریبوں اور یتیموں کے لیے ہے۔ ٹیکس گورنمنٹ پروجیکٹس کو مکمل کرنے کے لیے مالی وسائل مہیا کرنے، خیرات ایک charity اور صدقہ کوئی منت مان کر charity کرنے کو کہتے ہیں۔ کمال کی بات ہے کہ اشتراکی معاشرے میں سوشل جسٹس کی بڑی مختلف توجیہات کی جاتی ہیں یعنی اسے imperialism کی ضد کہا جاتا ہے آرٹیکل میں سوشل جسٹس کو ایسے وضع کیا گیا ہے:

> Barry Loberfeld, (2004) Social justice: Code for Comunism[25] What is "social justice"? The theory that implies and justifies the parctice of socialism. and what is "socialism"? domination by the State. What is "socialized" is state-controlled.
>
> Socialism, declared Marx "the positive abolition of private property [in order to effect] the return of man himself as a social, i.e, really human, being"

بیسویں صدی کے آخر میں اور اکیسویں صدی کے اوائل میں مغرب میں، سوشل جسٹس موومنٹس شروع ہوئیں۔ ان میں سے ایک Social Justice and reform coalition (ISARC) interfaith ہے۔ جس کا بنیادی مقصد مختلف مذہبی کمیونٹی کو متحرک کرنا اور ریسرچ، تعلیم کو فروغ دینا اور poverty alleviation کے ذریعے social equity (سماجی مساوات) اور human dignity (انسانی وقار) قائم کرنا ہے۔ اس کی ایک بڑی میٹنگ ۱۹۸۶ء میں کینیڈا کے صوبے Ontario میں ہوئی۔ جس میں تمام مذاہب میں سماجی انصاف قائم رکھنے کے لیے جو ہدایات دی گئی ہیں ان پر عمل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مختلف زعماء، تعلیمات نبویؐ کے مطابق، سوشل جسٹس، انفرادی آزادی، مساوات، بھائی چارے اور جمہوریت پر زور دیتے رہے ہیں [29-31] بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ نے 1943-14-24 کو، 30th آل

Marfat.com

انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ fraternity (اخوت) equality (مساوات) اور liberty (آزادی) پر یقین رکھتے ہیں۔ اسی طرح ۱۹۴۸-۰۲-۱۴ کو سبی دربار سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا ہم پاکستان میں اسلامی ڈیموکریسی، اسلامی مساوات اور آزادی، جو ہمیں اسلام نے دی ہے، اس کو یقینی بنائیں گے۔[31] اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ۷۰ کے عشرے میں ذوالفقار علی بھٹو (مرحوم) سابق وزیراعظم پاکستان (77-1972) نے 1970ء کا الیکشن سوشل جسٹس کے نعرے پر لڑا اور land slide وکٹری حاصل کی۔ سوشل جسٹس کا ترجمہ اسلامی مساوات سے کیا جاتا تھا۔ اس کا مرکزی خیال، عوام کو روٹی، کپڑا اور مکان مہیا کرنا تھا تاکہ ان کا سٹیٹس امپروو ہو اور غربت (poverty) جہالت (ignorance) اور بیماری (disesase) میں کمی آئے۔ چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ مرحوم وزیراعظم پہلے مرد مجاہد تھے جنہوں نے سب سے پہلے کھل کر پاکستانی عوام کی توجہ، سماجی انصاف حاصل کرنے کی طرف مبذول کروائی۔

اجتماعی کفالت

اسلام انفرادی آزادی کو اس کی بہترین شکل عطا کرتا اور اعلیٰ ترین معنوں میں اسلامی مساوات پیدا کرتا ہے لیکن ان دونوں کو بے قید و لگام نہیں چھوڑتا۔ ایک طرف سماج کا مفاد اور اس کا حق ہے اور دوسری طرف انسانیت کے تقاضوں کا پاس و لحاظ ہے اور ساتھ ہی دین کے بلند ترین مفاد کی قدر و قیمت بھی سامنے ہے۔ اس لیے اسلام انفرادی آزادی کے بالمقابل انفرادی ذمہ داری کا اصول پیش کرتا ہے اور فرد پر اجتماعی ذمہ داری ڈالتا ہے جس کا بار فرد اور جماعت دونوں پر ہے۔ اسی ذمہ داری کو ہم ''اجتماعی تکافل'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں [سید قطب [3] ص ۱۶۵] بالفاظ دیگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام جو مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیتا ہے اور معاشرے میں اخوت اور بھائی چارہ رکھنے پر زور دیتا ہے اور مشکل وقت میں ایک دوسرے کے کام آنے کا درس دیتا ہے وہی اجتماعی تکافل ہے۔

اسلام نے اجتماعی تکافل کا اصول پوری تفصیل کے ساتھ سامنے رکھا ہے۔ اسلام فرد اور اس کی ذات، فرد اور اس کا قریبی خاندان، فرد اور جماعت، فرد اور ملت، ایک قوم اور دوسری قوموں، ایک نسل اور آگے آنے والی نسلوں سب کے مابین اجتماعی تکافل کے اصول پر زور دیتا ہے۔ قوم و ملت پر اگر برا وقت آ جائے، ملت اسلامیہ، من حیث القوم اور پاکستانی مسلمان اپنی انفرادی حیثیت میں، اخوت اور بھائی چارہ کی اعلیٰ ترین مثالیں قائم کرتے ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں پاک بھارت جنگ، ۱۹۶۷ء میں اسرائیل کا مصر پر حملہ، ۱۹۷۳ء میں اسرائیل مصر جنگ ۲۰۰۸ء میں پاکستانی آزاد جموں و کشمیر میں تباہ کن زلزلے اور ۲۰۱۱ء میں پاکستان کے صوبہ سندھ میں زبردست سیلاب میں پاکستانی قوم نے یک جان دو قالب ہو کر ان تباہ کن جنگوں اور قدرتی آفت کا بھرپور طریقے سے مقابلہ کیا۔

عدل اجتماعی کی اہمیت

دنیا میں جب اسلام کی دعوت بلند کی گئی تو انسانیت مساوات سے ناآشنا تھی کوئی اس بات کا دعویدار تھا کہ وہ دیوتاؤں کی نسل سے ہے اور اس زعم میں مبتلا تھا کہ اس کی رگوں میں عام لوگوں کی طرح معمولی خون نہیں ہے بلکہ صاف اور خالص خون رواں دواں ہے۔ ایک طبقہ اپنے آپ کو خدا کے سر سے تخلیق کیے جانے کے سبب اپنے آپ کو معزز اور دوسرے

Marfat.com

طبقے کو خدا کے قدموں سے بنے ہونے کے سبب حقیر قرار دیا جاتا تھا۔ عورتوں کے بارے میں بے سروپا نظریات تھے یعنی ان کے جسم میں روح بھی ہوتی ہے یا نہیں اسلام سے پہلے انسان، انسان کا غلام تھا بلکہ شجر و حجر کا بھی غلام تھا۔ آقاؤں کے لیے لازم تھا کہ وہ غلاموں کو دردناک سزائیں دیں۔ ان حالات میں انسان کے دماغ میں حریت کا خیال کس طرح پیدا ہوسکتا تھا۔

ایسے حالات میں اسلام آیا اور اس نے مساوات کا درس دیا اور بتایا کہ کسی شخص کے عمل صالحہ اس کے عزت و شرف کے ضامن ہوتے ہیں۔ یہاں انسانیت نے ایک کمال کی جست لگائی جس کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اگر اسلام سب سے پہلے ان غلط اور گمراہ کن تخلیقات کا ازالہ نہ کرتا تو خدا، کائنات اور انسان کے متعلق دنیا میں عجیب تصورات رائج ہوتے! حریت (individual liberty) مساوات (social justice) اخوت (اجتماعی تکافل) کے اصول کبھی ہرگز دنیا میں قائم نہ ہو سکتے تھے دور جاہلیت ختم ہوا اور اصول سہ گانہ (حریت، مساوات، اخوت) کا سکہ رواں دواں ہوا۔ ہزاروں سلام ہوں، اس امی لقب، ہاشمی نسب سید الانبیاء، سرور اصفاء محمد مصطفیٰ ﷺ پر جس کی بدولت دنیا ان زریں اصولوں سے بہرہ اندوز ہوئی۔ لاکھوں رحمتیں نازل ہوں اس محسن اعظم، رسول اکرم، فخر دو جہاں، خاتم الانبیاء احمد مجتبیٰ ﷺ پر جس کے قدموں کی برکت سے دنیا میں رسوم پرستی کا خاتمہ ہوا اور خدا پرستی کا آغاز ہوا۔

سرور کائنات ﷺ فخر موجودات ﷺ کی نوازشات بے پایاں کے اس ابر گوہر بار نے ہندوستان کو بھی اپنی بخشش سے نوازا، حضور ﷺ کے حاشیہ برداروں یعنی علی ہجویریؒ المعروف حضرت داتا گنج بخشؒ، سلطان الہند آقائی و مولائی و سیدی حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ و حضرت محبوب الٰہی دہلویؒ، حضرت فرید الدین شکر گنج، حضرت بختیار کاکی، حضرت چراغ دہلویؒ، حضرت بندہ نواز گیسودراز چشتیؒ، حضرت مخدوم کلیریؒ، و حضرت مجدد الف ثانیؒ و حضرت مجدد دہلویؒ نے اپنی مساعی جمیلہ سے اس صنم کدۂ ہند کو حق الامکان مئے وحدت سے سرشار کیا اور لاکھوں بندگان خدا کا بیڑا پار کیا۔ ہندوستان کے ان بزرگوں اور مصلحین نے ایسا انقلاب پیدا کیا جس سے ہندوستان کے پسماندہ اور کچلے ہوئے عوام میں، مساوات اور اخوت کے زریں اصولوں سے، انسانوں جیسی زندگی گزارنے کی ڈھارس بندھ گئی۔ اسلام کی تعلیمات نے رامانج، وادودیال، کبیر، چیتن، نانک، رام موہن رائے، کیشب چندرسین، رام کرشن اور دیانند، یہ سب اسلامی تعلیمات حقہ کے خوشہ چین گزرے ہیں۔

اسلام کی اس آفاقی تعلیم نے یورپ میں، راجر بیکن، ولیم اوکم، ریمنڈلل، تھامس ایکوینائس، ایرزمس، ٹنڈل زونگلی، کالون اور لوتھر کو کم وبیش متاثر کیا۔ کہا جاتا ہے کہ لوتھر نے انہی تعلیمات کی وجہ سے یورپ کو پوپ پرستی کی لعنت سے نجات دلائی۔ خداوند ان سفید فام کا یہ براعظم ماسکو (Moscow) سے لے کر لزبن (Lisbon) تک، جہالت اور حماقت کی بدترین لعنت میں گرفتار رہا اور ظاہر ہے کہ لوتھر نے یہ سبق کہ ''پوپ معصوم عن الخطاء نہیں ہے'' یا'' بائبل ہماری ہدایت کے لیے کافی ہے اور عقائد میں کسی کی تقلید ضروری نہیں'' اسلام ہی سے سیکھا تھا۔

راقم الحروف نے اپنی کتب [19-21] میں حضور اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ اور ان کے مشن پر کچھ مغربی orientalists کی رائے درج کی ہے ان میں

Edward Gibbon & Simon Ockley (1870), John William Draper (1875),

Marfat.com

H.A.R. Gibb (1953), De Lacy O'Leary (1923), Thomas Carlyle (1888),

Michael H.Hart (1978) George bernad Shaw[13]

ان فاضل orientalists کی مشترکہ رائے ہے کہ حضور دو عالمﷺ کے اسوہ حسنہ اور تعلیمات نے نسل انسانی کو زبردست طریقے سے متاثر کیا وہ انﷺ کو "Savior of Mankind" اور the benefactor "savior of humanity" (کریم النفس) قرار دیتے ہیں۔ انﷺ کا مشن انسانیت کو سماجی انصاف سے روشناس کرنا تھا کیونکہ انﷺ کا قول ہے کہ کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی سبقت حاصل نہیں ہے اگر کوئی سبقت حاصل ہے تو صرف اس کے اخلاق و کردار پر مبنی ہے۔ آج اکیسویں صدی کے threshold پر جو ہم سوشل جسٹس کی بہت بات کرتے ہیں اور اس کے متلاشی ہیں۔ حضورﷺ نے اس کا درس چودہ سو سال پہلے دیا جس کی بنیاد پر ایک عظیم انقلاب برپا کی اور ایک عظیم فلاحی مملکت کی بنیاد رکھی جس کا چارٹر (Madina Charter) آج کی سائنسی اور جدید زندگی میں اتنا ہی effective (متاثر کن) ہے جتنا چودہ سو سال پہلے تھا۔

status of women

واضح رہے کہ اسلام نے عورت کو تمام حقوق اور ضمانتیں خالص انسانی جذبے کے تحت عطا کی ہیں۔ اس نے اس فتنے کے خلاف جنگ کی کہ عورت ایک معاشی بوجھ ہے اور پیدا ہوتے ہی اس سے نجات حاصل کرنی چاہیے۔ دور جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کا رواج عرب کے بعض قبائل میں معروف کا درجہ حاصل کر چکا تھا اس کے خلاف جہاد کا ''اسلام'' نے حکم دیا۔ یہاں یہ بات درج کرنا انتہائی ضروری ہے کہ مادہ پرست مغرب نے عورت کو جو آزادی دی ہے اس کا چشمہ خالص اور پاک انسانی منبع سے نہیں پھوٹتا ہے۔ عورت کو گھر سے اس لیے نکالا گیا کہ وہ محنت مزدوری کر کے کسب معاش کرے کیونکہ وہاں پر مرد نے عورت کی کفالت اور پرورش سے انکار کر دیا تھا۔ مادہ پرست مغرب نے اس کی ضرورت مندی کو غنیمت سمجھا اور جنسی محبت کی فراوانی کو تخفیف اجرت کا بہانہ بنا لیا تا کہ آجرین کم اجرت والی عورتوں کو مزدور رکھ سکیں کیونکہ ایسے سماج میں جو قوانین نافذ ہوتے ہیں وہ صرف مرد بناتے ہیں وہ male chauvinist ہوتے ہیں۔ اسلام کی طرح قوانین اللہ کے دیئے ہوئے نہیں جو اپنے بندوں میں مردوں اور عورتوں سب کے ساتھ عدل و انصاف برتتا ہے۔

یہ جو ہم دیکھتے ہیں کہ مادہ پرست مغرب بعض کاموں کے سلسلے میں عورتوں کو مردوں پر ترجیح دیتا ہے خاص کر تجارتی اداروں، سفارتخانوں، کونسل خانوں، خبر رسانی اور صحافت میں۔ عورت کو درحقیقت خاص غرض کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ بھوکی شہوتیں اور حریص نگاہیں ہمیشہ اس کا تعاقب کرتی رہتی ہیں۔ اشتراکیت کے پاس مساوات مرد و زن کے سلسلے میں بڑے بلند و بانگ دعوے ہیں حالانکہ اس کی مساوات کام اور اجرت تک محدود ہیں اور اسلام کی مساوات عورت اور مرد کے ہر گوشہ زندگی پر حاوی ہے۔ اشتراکیت کی نظر میں اصل مسئلہ پیسے کا ہے اس کے ماوراء کچھ بھی نہیں۔ سارے انسانی محرکات اور تمام انسانی تصورات مختلف عناصر میں کھینچ کر بس اسی ایک عنصر کے اندر سما گئے ہیں، تہہ میں اتر جائیے تو اس کا اصل سبب وہی نظر آئے گا جو ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ مرد عورت کی کفالت سے بچنا چاہتا ہے۔

Marfat.com

Ald Abd al-Raziq اپنی کتاب al-Islam wa Usul al-Hukm اور Emile Tyan اپنی کتاب Organisation judiciaire on pays D' Islam, Section III: La Justice dans I'Oeuvre de Hisrorie de Mahomet میں حضور اکرم ﷺ کے عدالتی نظام کو زیرِ بحث لائے ہیں۔ Tayan کے خیالات ایسے ہیں:

> "The Prophet (PBHU) introduced on law and worked within the frame work of the pre-Islamic usages and customs. He did not organise any judicial system. He maintained the pre-Islamic system of arbitration... Since he has no idea of judicial organization, hence appointments of provincial judges were apocryphal" (Nauz Billah)

Tayan کے ان خیالات کو مسترد کرتے ہوئے معروف پاکستانی سکالر م، ی، گورایا (۸) نے ان خیالات کو "عجیب" قرار دیا ہے۔ بلاشبہ اسلامی قانون اور عدالتی فیصلوں کا دور جاہلیت کے فیصلوں سے کوئی موازنہ/ مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام نے زراعت، تجارت، کامرس، زکوٰۃ، عشر، جزیہ، نکاح، طلاق، خلع، وراثت، حدود، مضاربہ، شراکت، سرقہ، قمار، جوا، شہادت، جہاد، خمس، غیر قانونی آمدنی غرضیکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر قانون وضع کیے ہیں اور پھر ان قوانین کی اگر پابندی نہ کی جائے تو اس کے لیے سنگین سزائیں تجویز کی ہیں جن پر عمل کیا جائے تو معاشرے میں فساد اور برائی جڑ سے اکھڑ جائیں گے۔

اس کے برعکس کچھ unbiased orientalists مثلاً Goldziher, Duncan B, Macdonald, Joseph Mjid Schacht Khadduri, N.J.Coulson نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے نوجوان مسلم کمیونٹی کے لیے اپنی سنت کی شکل میں ایک آئیڈیل لائحہ عمل وضع کیا اور اس طرح قبل اسلام کی جاہلانہ رسومات خود بخود ختم ہو گئیں۔ حضور ﷺ کا اسوہ حسنہ ہر مسلمان کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔(۸)

واضح رہے کہ حضور ﷺ نرے حاکم ہی نہ تھے۔ آپ بلاشبہ قانون دینے والے بھی تھے۔ Abd ul-Hayy al-Kattani نے اپنی کتاب Nizam al-Hukumah al-Nabawiyyah al-Musamma al-Taratib al-Idariyah اردو ترجمہ F.M. Majid (۸) نے اپنی کتاب میں ان گورنرز، ایڈمنسٹریٹرز، جن کے اسمائے گرامی لکھے ہیں جن کو حضور ﷺ نے مختلف صوبوں اور ضلعوں میں تعینات کیا۔ حضور ﷺ کے تقرر نامہ مبارک میں ان اصحاب کی place of duty اور دوسرے terms of reference بھی واضح کر دیے گئے تھے۔ اسلام کے عطا کردہ حقوق کے دائرہ میں حاکم کو جن حدود کی پابندی کرنی چاہیے ان کی بھی آپؐ نے نشاندہی کر دی تھی۔ یہ حدود اسلام کے اجتماعی عدل اور سیاسی نظام کی بنیاد اور اسلامی ریاست کے دستور کی اولین دفعہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں ان کے امین حکام اور افسر ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی صلاحیت کے اعتبار سے ان عہدوں کے لیے مناسب پائے گئے تھے اور ان عہدوں کو کما حقہ نبھانا ان کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ آپؐ ہی کے اسوہ پر خلفاء راشدین

Marfat.com

چلتے رہے۔ آپؐ کا حال یہ تھا کہ خود اپنی ذات سے بھی قصاص لیتے تھے۔ حالانکہ جس کا حق ہو خود وہی معاف کر دے۔ ایک دفعہ ایک قرض خواہ آیا اور آپؐ سے کچھ سختی کے ساتھ پیش آیا اس پر کچھ صحابہ کرام اس کی طرف لپکے آپؐ نے انہیں اشارہ کیا کہ اسے چھوڑ دیں کیونکہ قرض خوا کو کہنے سننے کا پورا حق ہوتا ہے۔

اسلام میں محنت کی عظمت (Diginty of labour)

اسلام میں اپنے ہاتھوں سے کام لے کر روزی کمانے والا عملی زندگی میں، عزت و احترام کا مستحق مانا جاتا ہے۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہوتا ہے اور اس پر فرض ہے کہ وہ اسلامی ریاست کی ترقی کے لیے کوئی نہ کوئی contribution کرے۔ محنت سے روزی کمانے والا، اللہ کا دوست اور اس کا حبیب ہے۔ کسی محنت کش کا پیشہ جو بھی ہو اس سے اس کی عزت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اسلام نے محنت کشوں اور غلاموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے پر زور دیا ہے۔ حدیث نبویؐ ہے کہ مزدور کی مزدوری، اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلند درجات کے حامل علماء جنہیں استاد تسلیم کیا جاتا تھا، وہ اپنی روزی، محنت مزدوری سے کماتے تھے۔

ابوحنیفہؒ پارچہ فروش تھے۔ آپ کے بعد بھی بہت سے فقہاء گزرے ہیں جو تاجر یا صناع تھے۔ مثلاً امام احمد بن عمر بن مہیر موچی تھے۔ ان کے والد امام ابوحنیفہؒ کے رفقاء محمد اور حسن کے شاگرد تھے۔ ایک طرف تو یہ جوتا بنانے کا کام کر کے روزی کماتے تھے اور دوسری طرف خلیفہ مہدی باللہ کے لیے کتاب الخراج مرتب کر رہے تھے اور اسی زمانہ میں انہوں نے فقہ پر اپنی گراں قدر تصانیف بھی مرتب کیں۔ اسی طرح کرابیسی کرابیس یعنی معمولی قسم کے کپڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ قفال تالا بنانے کا کام کرتے تھے، قطلو بغا درزی کا کام کرتے تھے۔ اپنے زمانہ کے مسلم استاد امام جصاص اپنے بیٹے گچ کاری کی طرف منسوب کیے جاتے تھے۔ پیتل کے برتن بیچنے والے (صفار) عطر فروش (صید لائی) حلوہ فروش (حلوائی) آٹا بیچنے والے (وقاق) صابون فروش (صابونی) جوتا بنانے والے (نعالی) سبزی فروش (بقالی) ہانڈی بیچنے والے (قدوری) وغیرہ وغیرہ کے نام ہمارے سامنے آتے ہیں۔

مساوات کے نمونے، حضورﷺ اور صحابہ کرامؓ کے اسوہ حسنہ سے چند تابندہ (illustrious) مثالیں

۱۔ زینب بنت جحش کی، جو قریش کے ہاشمی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، حضورﷺ نے ان کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام زیدؓ کے ساتھ کر دی۔ اس نبیؐ کے سوا کسی دوسرے شخص، یا اس کے دین کی قوت کے سوا کسی دوسری قوت کے بس میں نہ تھا کہ ایسا معجزہ کر دکھائے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں غلامی قانوناً ممنوع ہے، لیکن کسی نیگرو کے لیے کسی گوری نسل کی عورت کے ساتھ، خواہ وہ کتنی ہی گئی گزری ہو، شادی کرنا ممنوع ہے۔ یہی نہیں بلکہ نیگرو کا پبلک بسوں اور دوسری سواریوں میں گوروں کے پہلو میں بیٹھنا، ان کے ساتھ ریستوران یا تھیٹر میں جانا، یا کسی سرائے یا ہوٹل میں ٹھہرنا بھی آج تک ممنوع ہے۔

۲۔ ہجرت کے اولین دور میں جب محمدﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ کرائی تو ان کے آزاد کردہ غلام زیدؓ اور ان کے چچا حمزہؓ بھائی بھائی قرار پائے۔ اس طرح حضرت ابوبکرؓ اور خارجہ ابن زید بھائی بھائی قرار دیئے گئے

Marfat.com

اور خالد ابن رویحہ خشعمی اور بلال بن رباح کے درمیان مواخاۃ ہوئی۔ یہ بھائی چارہ الفاظ تک نہیں محدود رہا بلکہ زندگی کا ایک ایسا پختہ رشتہ بن گیا جو خونی رشتہ کے برابر تھا۔ جان و مال اور زندگی کے سارے ہی معاملات میں ان کے درمیان قرابت داری قائم ہوگئی۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے زید کو غزوۂ موتہ میں فوج کا کمانڈر بنا کر بھیجا۔ پھر ان کے بیٹے اسامہؓ کو روم کی لڑائی کے لیے جانے والے ایک ایسے لشکر کا سپہ سالار بنایا جس میں مہاجرین و انصار کی اکثریت شامل تھی۔ حالانکہ اسی لشکر میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ شامل تھے جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ان کے قریب ترین ساتھی اور وزیر رہے اور آپؐ کے بعد مسلمانوں کے کامل اتفاق سے خلیفہ چنے گئے۔ اسی لشکر میں سعدؓ بن ابی وقاص بھی تھے جو رسول اللہ ﷺ کے رشتہ دار تھے۔ ان کا تعلق بنی زہرہ سے تھا جن سے آپؐ کا ننھیالی رشتہ تھا۔ مزید برآں، یہ قریش کے ان افراد میں سے تھے جنہوں نے اسلام لانے میں سبقت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سترہ سال کی عمر میں اسلام لانے کی توفیق دی تھی۔ بڑی دولت وثروت کے مالک تھے۔ جنگی مہارت بھی تھی اور جہاد کی خصوصی صلاحیتیں رکھتے تھے۔

۴۔ خلیفۃ المسلمین عمرؓ بن الخطاب پانی کا مشکیزہ اٹھائے چلے آ رہے ہیں ان کے صاحبزادے ناپسندیدگی کے لہجہ میں ان سے پوچھتے ہیں۔ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے جواب دیا۔ ''میرا نفس غرور خود پسندی میں مبتلا ہو گیا تھا، میں نے چاہا کہ اسے ذلیل کروں'' بیداری احساس ملاحظہ ہو! انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ خود پسندی باقی رہے اور پروان چڑھے۔ انہیں اس بات کی ذرا پرواہ نہ ہوئی کہ وہ اتنی بڑی سرزمین کے مالک و مختار خلیفہ ہیں جس میں عرب کے علاوہ قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کے بیشتر ممالک شامل ہیں۔

۵۔ عمرؓ بن الخطاب ایک دن مکہ میں کہیں جا رہے تھے دیکھتے ہیں کہ ملازمین اپنے آقاؤں کے ساتھ کھانے میں شریک نہیں بلکہ کنارے پر کھڑے ہیں۔ ان کو غصہ آ گیا اور ناپسندیدگی کے لہجہ میں ان آقاؤں سے فرمایا۔ ''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنے خادموں کے ساتھ نیچ کا برتاؤ کرتے ہیں'' پھر آپ نے ان ملازمین کو بلا کر آقاؤں کے ساتھ بٹھا دیا تاکہ وہ ان کے ہم پیالہ و ہم نوالہ بن سکیں۔

۶۔ حضرت شعبیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت اُبی ابن کعبؓ کے درمیان کھجور کے ایک درخت کے بارے میں جھگڑا ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، آؤ ہم آپس کے فیصلے کے لیے کسی کو ثالث مقرر کر لیتے ہیں۔ چنانچہ ان دونوں حضرات نے حضرت زید بن ثابتؓ کو اپنا ثالث بنا لیا۔ جب دونوں حضرات حضرت زیدؓ کے پاس اندر داخل ہوئے تو حضرت زیدؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنے بستر کے سرہانے بٹھانا چاہا اور یوں کہا، اے امیر المؤمنین یہاں تشریف رکھیں۔ حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا، یہ پہلا ظلم ہے جو آپؓ نے اپنے فیصلہ میں کیا ہے، میں تو اپنے فریق مخالف کے ساتھ بیٹھوں گا اور انہوں نے قسم کھا کر کہا، حضرت زیدؓ صحیح قاضی تب بن سکتے ہیں جب کہ ان کے نزدیک عمرؓ اور ایک عام مسلمان برابر ہو۔

۷۔ حضرت زید بن اسلمؒ کہتے ہیں کہ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کا ایک گھر مدینہ منورہ کی مسجد نبویؐ کے بالکل ساتھ

Marfat.com

تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے کعبؓ کیلئے مقرر کیا۔ حضرت ابیؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا، میرا فیصلہ یہ ہے کہ آپؓ ان کی مرضی کے بغیر ان سے یہ گھر نہیں لے سکتے۔ حضرت ابیؓ نے کہا، میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے جب بیت المقدس کی تعمیر شروع کی تو جب بھی وہ کوئی دیوار بناتے تو صبح کو وہ گری ہوئی ہوتی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی بھیجی کہ اگر آپ کسی کی زمین میں بنانا چاہتے ہیں تو پہلے اسے راضی کر لیں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو چھوڑ دیا۔ بعد میں حضرت عباسؓ نے اپنی خوشی سے اس گھر کو مسجد مس شامل کر دیا۔

۸- حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں مصر میں میرے بھائی عبدالرحمٰن نے اور ان کے ساتھ ابو سر عقبہ بن حارث نے نبیذ پی (اگر پانی میں کھجوریں ڈال دی جائیں اور کچھ دیر کھجوریں اس میں پڑی رہیں اس سے پانی میٹھا ہو جاتا ہے، اسے نبیذ کہا جاتا ہے۔ زیادہ دیر پڑے رہنے سے اس میں نشہ بھی پیدا ہو جاتا ہے) جس سے انہیں نشہ ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کو اس قصہ کا پتہ چلا تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ عبدالرحمٰن کو میرے پاس بغیر کجاوہ کے اونٹ پر سوار کر کے بھیج دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا جب وہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے تو انہوں نے سو کوڑے لگائے پھر اسے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد وہ ایک مہینہ تو ٹھیک رہے پھر تقدیر الٰہی غالب آ گئی اور ان کا انتقال ہو گیا عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے کوڑے لگانے سے انکا انتقال ہوا ہے حالانکہ ان کا انتقال حضرت عمرؓ کے کوڑے لگانے سے نہیں بلکہ طبعی موت مرے۔

۹- حضرت عطاؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اپنے گورنروں کو حکم دیا کرتے تھے کہ وہ حج کے موقع پر ان کے پاس آیا کریں۔ جب سارے گورنر آ جاتے تو عام مسلمانوں کو جمع کر کے فرماتے۔ ''اے لوگو! میں نے اپنے گورنر تمہارے ہاں اس لیے نہیں بھیجے ہیں کہ وہ تمہاری کھال ادھیڑیں یا تمہارے مال پر قبضہ کریں یا تمہیں بے عزت کریں بلکہ میں نے تو صرف اس لیے ان کو بھیجا ہے تاکہ تمہیں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنے دیں اور تمہارے درمیان مال غنیمت تقسیم کریں لہٰذا جس کے ساتھ اس کے خلاف کیا گیا ہو کھڑا ہو جائے اور اپنی بات بتائے''۔

۱۰- ایک دن حضرت عمرؓ بیٹھے مسلمانوں کے درمیان کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے۔ لوگوں کا اجتماع ہجوم کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ سعدؓ بن ابی وقاص آگے بڑھے اور دوسرے لوگوں کو ہٹاتے ہوئے حضرت عمرؓ تک پہنچ گئے۔ عمرؓ نے یہ کہتے ہوئے ان پر درہ سنسنایا ''تو زمین پر اللہ کی حکومت کا کچھ رعب نہیں مانتا۔ میں نے ضروری سمجھا کہ تجھے جتلا دوں کہ اللہ کی حکومت تجھ سے مطلق مرعوب نہیں''۔

۱۱- حضرت عمرؓ خلیفہ کی حیثیت سے لوگوں کو خطاب کر رہے تھے۔ فرماتے ہیں ''اگر میرے اندر کوئی کجی دیکھو تو مجھے سیدھا کر دینا'' عامۃ المسلمین میں سے ایک فرد جواب دیتا ہے کہ ''اگر ہم نے تیرے اندر کوئی کجی دیکھی تو اپنی تلوار کی دھار سے تجھے سیدھا کر دیں گے'' حضرت عمرؓ نے اس پر صرف اتنا کہا ''اللہ کا شکر ہے جس نے عمرؓ کی رعایا میں ایسے فراد بھی پیدا کیے ہیں جو اسے اپنی تلواروں کی دھار سے سیدھا کر سکتے ہیں''۔

Marfat.com

۱۲- مسلمانوں کو غنیمت میں کچھ یمنی چادریں ملیں۔ حضرت عمرؓ نے تمام مسلمانوں کی طرح خود بھی ایک چادر پائی اور اپنے بیٹے عبداللہؓ کو بھی ایک چادر دی۔ ایک دن آپ یہ کپڑے پہن کر لوگوں سے خطاب کر رہے تھے ''لوگو! سنو اور اطاعت کرو تو ایک مسلمان (سلمان) نے اٹھ کر کہا کہ ہم پر آپ کی اطاعت واجب نہیں اور وجہ بتائی کہ آپ ہم سے لمبے قد کے ہیں آپ نے ایک چادر میں یہ پہناوا کیسے بنوا لیا۔ اس وقت حضرت عمرؓ نے اپنے فرزند حضرت عبداللہ کو بلایا جنہوں نے وضاحت کی کہ انہوں نے اپنی چادر حضرت عمرؓ کو دے دی تھی جس سے وہ یہ لباس بنوا سکے۔ اس کے بعد اس مسلمان نے کہا آپ حکم دیجئے ہم سنیں گے۔

اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو وہ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جس میں انتہائی غیر جانبداری سے، اللہ کے قانون اور انصاف کی بالادستی قائم رکھی گئی ہے۔ اگر ان کو رقم کیا جائے تو ایک دفتر درکار ہے۔ یہاں اختصار کے ساتھ چیدہ چیدہ واقعات درج کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

لب لباب Outlook

اسلام انسانیت کے لیے نظام کامل کا نمونہ پیش کرتا ہے جس کی نظیر آپ کو کسی دوسرے نظام میں، جس سے یہ دنیا اسلام سے پہلے یا اس کے بعد متعارف ہوئی ہو نہیں مل سکتی۔ دین پورے کا پورا ایک اکائی ہے، عبادت و معاملات، سیاسی اور مالی پالیسی، قوانین و ہدایات، عقیدہ و عمل، دنیا و آخرت سب کے سب ایک مکمل اور جامع نظام کے مربوط اور منظم اجزاء ہیں۔ اس کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ حاکمیت صرف اللہ کی ہے اور وہی شریعت وضع کر سکتا ہے۔ دوسرے سارے نظام اس اصول پر مبنی ہیں کہ حاکمیت انسان کی ہے اور وہ اپنے لیے شریعت وضع کرنے کا مجاز ہے۔ یہ دونوں اصول ایک دسرے سے کبھی نہیں مل سکتے اسی وجہ سے اسلامی نظام کسی دوسرے نظام سے میل نہیں کھاتا۔

دنیا اپنے آغاز سے اور بعد کے ادوار میں بہت سے نظاموں سے آشنا رہ چکی ہے۔ وہ اسلامی نظام نہ تو ان میں سے ایک نظام ہے اور نہ ان کا کوئی مرکب اور مخلوطہ ہے۔ اسلام معروف سماجی نظاموں سے بہت دور واقع ہے۔ اسلام دنیا میں تمام حصوں میں بسنے والے مسلمانوں کو برقرار دیتا ہے جبکہ سامراجی نظام کالونیز میں بٹا ہوا ہے اور ان کا استحصال کرتا ہے۔ یہ بات کہ اسلام سامراجی ہے اسلام کی روح اور اس کی تاریخ دونوں پر بڑی زیادتی ہے اور یہ بات زبردستی اس پر ٹھونس دی گئی ہے۔ اسلام اپنے عین مزاج کے اعتبار سے انسانی ہے کیونکہ اجتماعی عدل، وحدت انسانیت اور مساوات انسانیت کا نظریہ پوری قوت سے اس میں کار فرما ہے۔ اسی طرح اسلامی سوشلزم یا اسلامی جمہوریت اللہ سبحان کے بنائے ہوئے نظام اور انسانوں کے بنائے ہوئے نظاموں میں جوڑ لگانے کے مترادف ہے۔ ان نظاموں پر بشریت کی چھاپ ہے اور کسی طرح نقص و خطا سے پاک نہیں ہو سکتی جبکہ الٰہی نظام ان سے مبراء ہے۔ ایک محقق M.R. Amin نے کیمونزم اور سامراجیت کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "If we go back to the history, we have see how the prazis of communism after its rise in 1920s seemed to falter during Cold War and eventually collapsed in the 1980s and 1990s. We also observed that

Marfat.com

capitalism, instead of peace and security, produced exploitation, humilation, torture, burglary, and class discrimination, machiavllian hypocrisy and deception, political intervention through colonilism and imperialism. Again both communism and capitalism contributed to nuclear technology, biological warfare, and in the name of science and technology, other Destructive innovations......"

دوسری طرف ایک مسلم محقق، م و خاں نے اپنی تحقیقات کا لب لباب نکالا ہے کہ:

"Influence of the social revolution brought about by Prophet (PBUH) is still alive, not only Muslim countries but indirectly throughout the entire inhabited world. [considering Islamic universality] on Social Justice (equal justice) researchers have acknoledged that if, ever any system can truly survive, is Islam"

حوالہ جات

۱- قطب، سید العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام، مترجم صدیقی م، ن، ا۔ اسلام میں عدل اجتماعی، اشاعت ۸/ اگست ۱۹۸۹ء، ناشر
اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان، ص ۹۷-۱۲۴۔ ۲- ایضاً ibid ص ۱۴۴-۱۶۱۔ ۳- ایضاً ibid ص ۱۶۴-۱۶۵۔ ۴- ایضاً ibid
ص ۲۴۶-۲۶۲۔ ۵- ایضاً ibid ص ۳۹۵-۳۹۸۔ ۶- ایضاً ibid ص ۴۰۰-۴۰۸۔ ۷- ایضاً ibid ص ۴۲۶-۴۲۷۔ ۸-

Guraya, M. Y- Judical sytstem under Holy Prophet (PBUH) and first tow pious caliphs,
Shah N.H. Law Justice & Islam, -۹ Pub. Anjuman Himayat-I-Islam, Lahore p. 185-187.
Ch. M.S Fundamentals of Islamic -۱۰ Pub. Wajidalis, Lahore, Pakistan, p.40-41
-۱۱Economic system, www.muslimtents,com/shaufi/b16/b16_2.htm
-۱۲ www.tribune.com.ng/index.php/eyes-of-islam/2185-prophet-muhammad and justice.
www.rohama.org/en/news/1747/university of kashmir held symposium on % E2% 8
university of Kashmir (occupied Jammu & Kashmir) held symposium on "Prophet
Ridley Y-Saluting Prophet -۱۳ Muhammad (SAW) and concept of s...
Muhammad(PBUH) Love, nay social justice, The core of Muhammad's message,
Singh N.K. Human Rights inspired by -۱۴ www.islamicalling.wordpress.com
Amin -۱۵ Muhammad (PBUH) www.inspired by muhammad. com/human_rights.php

Marfat.com

M.R Muhammd (PBUH) in Global peace
-١٦ www.theindepdendentbd.com/faith/97371-muhammad-sm-in-global-peace.html.
"Justice, peace and Prophet Muhammad (PBUH) part3,
Prophet Muhammad (PBUH) The Savior of -١٧ www.al-islam.org/jusitce-peace/4.htm
١٨- عثمانی، ح، م، خ ۔ حضرت عمرؓ کے حیرت انگیز Mankind www.tebyan.net/newindex.aspx?pid=27813
واقعات، ناشر مکتبہ الحسن، اشاعت اول، ص ۱۶۰-۱۶۷۔ ١٩- Habibullah P- The Sacred Paraphernalia,
Habibullah P-The Belonging of -٢٠ p۔انمول گھڑی 2006, Edu, Press, Karachi, Pakistan, Ed.1
Holy Prophet (PBUH) Modalities of their making and shaping, 2002, Edu. Press,
Habibullah P- Holy Auxiliaries, -٢١ Karachi, Pakistan, Ed. 1, Auspecious moments, p.
Qadri A.A. Justice in Historical -٢٢ 2010, Salman Art Press, Lahore- Pakistan, Ed. 1,p.
٢٣- سلیم، ی، خ، اسلام اور مساوات، پیکو لمیٹڈ لاہور، ص ۸۴-۴۔ Islam, Kitab Bhavan, New Dehli, p.7-15
٢٤- ندوی، م، ح، اساسیات اسلام، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور، پاکستان، ص ۲۵-۲۷۔ ٢٥- Barry L.,
Social Justice: copde of Communism, discoverthenetworks.org/guides/z-social
، vol, 1, p363 مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن Ref. [10] comments -٢٦ Justice-code...2004.
٢٧- ibid comments مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن vol 2, p 446-449 ۔ ٢٨- القادری، تذکرے اور صحبتیں،
اشاعت ۲۰۱۲، منہاج القرآن، ص ۴۰-۷۷۔ ٢٩- Khan M.W- Social justice, lecture delivered at law
Chief Jusice of Pakistan- address opening -٣٠ college of Ranchi, India on 14 dec. 1991
Khawaja I- Qauid's philosophy in the light of -٣١ cermony of new judicaial year 2012-13
wikipedia, social justice -٣٢ Quran, Sep, 11, 2012

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

حافظ ابوطلحہ محمد اظہار الحسن۔ خوشاب

کسی بھی معاشرے کو اس وقت تک استحکام میسر نہیں آ سکتا جب تک کہ اس میں رہنے بسنے والے افراد کو بلاتفریقِ رنگ ونسل و ادنیٰ و اعلیٰ، بنیادی حقوق نہ مل رہے ہوں گویا حقوق سے عدم محرومی، عدم ظلم و جور اور حقوق کا میسر آجانا عدل و انصاف ہے۔ اسلام، اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور ابدی دین ہے اور اس کا طرۂ امتیاز ہی عدل سے عبارت ہے۔ اسلام میں سلامتی ہے۔ عدل ہے، تحفظ ہے اور جور وظلم کا نشاں تک نہیں۔

معاشرے کی بنیادی اکائی، ایک فرد ہے اور پھر اس کے گھر کے لوگ یا اس کا کنبہ ہے۔ دینِ اسلام اس بنیادی اکائی سے لے کر اس کی چوٹی یعنی حاکمِ وقت تک، سب کو بلاتفریق عدل کا حکم دیتا ہے اور ہر حال میں یعنی زندگی کے تمام معاملات میں عدل کو بروئے کار لانے کا پابند بناتا ہے جیسے شخصی یا گھریلو سطح پر عدل کی اپنی ایک اہمیت ہے کہ اس کے بغیر گھر میں بگاڑ آجاتا ہے اسی طرح قوموں کی ملی اور اجتماعی زندگی میں عدل و انصاف نہ ہو تو وہ امن اور فلاح سے محروم اور تباہی اور فساد سے دو چار ہو کر رہ جائے گی یہ ایسی حقیقت ہے کہ جس سے انحراف ممکن نہیں۔

- ☆ عدل کیا ہے؟
- ☆ عدل کے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کیا تقاضے ہیں؟
- ☆ قرآن وسنت کی روشنی میں اس کی کیا بنیادی تعلیمات دی گئی ہیں؟
- ☆ قیامِ عدل کیسے ممکن ہے؟
- ☆ عادلانہ نظام کی برکات اور اس کے ثمرات کیا کیا ہیں؟
- ☆ نیز عادلانہ نظام نہ ہونے کے مضرات کیا ہیں؟
- ☆ اسلام کی آغوش میں چشمِ فلک نے عدل کے عملی مظاہر کا کبھی نظارہ بھی کیا ہے؟

یہ اور ان جیسے دیگر اہم امور کے بارے میں اب ہم فکر وجستجو اور علم وتحقیق کے حوالے سے شریعتِ مطہرہ سے استفادہ کرتے ہیں:

عدل کی تعریف:

۱. العدل خلاف الجَور، وهو في اللغة: القصد في الامور، وهو عبارة عن الأمر المتوسط بين طرفي الافراط و التفريط. (۱)

''عدل، جور یعنی ظلم کی ضد ہے۔ لغوی اعتبار سے عدل، امورِ زندگی میں میانہ روی کا نام ہے۔ نیز

Marfat.com

یہ اِفراط وتفریط کی دو انتہاؤں سے بچتے ہوئے سراپا اعتدال ہے۔''

۲. والعدل ما قام فی النفوس انه مستقیم، وهو نقیض الجور. (۲)

۳. والعدل هو المعتدل الذی لا یمیل الٰی احد الطرفین من الخصماء. (۳)

''اور عدل وہ راہِ اعتدال ہے کہ خصم کے دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کی جانب ادنیٰ جھکاؤ کے بغیر جسے اختیار کرلیا جائے۔''

والعدل فی الحکم کما أمر اللّٰه تعالٰی باعطاء کل ذی حق حقه. (۴)

''حکام کو جس عدل کا حکم اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دیا ہے اس کا سادہ سا مفہوم یہ ہے کہ (بلا تفریق) ہر صاحبِ حق کو اس کا حق دیا جائے۔''

واضح رہے کہ عدل کا یہ حکم عام بھی ہے اور مطلق بھی۔ گویا حکم دینے والا ہر حال میں عدل کے تقاضے پورے کرے۔ رنگ ونسل، مالداری وغربت، بیگانگی وقرابت، اور فریقین کا ضُعف یا قوت وغیرہ کوئی بھی معاشرتی عُنصر حاکم یا قاضی کو بے لاگ انصاف سے روکنے نہ پائے۔ اسی بات کا عملی اظہار کرتے ہوئے، خلافتِ راشدہ کے اولین رکن، سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے زمامِ خلافت سنبھالتے ہوئے پہلے خطبے میں ہی ارشاد فرمایا تھا:

القوی عندی ضعیف حتٰی اٰخذ الحق منه، ان شاء اللّٰه. (۵)

''اگر اللہ نے چاہا تو ایک طاقتور آدمی میرے ہاں کمزور و بے بس ہوگا جب تک کہ میں اس سے (دوسرے کمزور شخص کا) حق لے کر نہ دے دوں۔''

عدل کی حقیقت:

ہمارے ہاں عدل کے مترادف استعمال ہونے والا لفظ انصاف ہے۔ عدل کے معنی برابری اور انصاف، فریقین کے درمیاں کسی چیز یا معاملہ کو نصف نصف کر دینے کو کہا جاتا ہے۔ لیکن کیا عدل و انصاف اپنے انہی معانی کے ساتھ خاص ہے؟ اور محض برابری ہی پر اس کا انحصار ہے؟

واضح رہے کہ ایسا بعض معاملات وقضیات میں ہوتا ہے کہ مال، زمین، روپیہ پیسہ یا دیگر کوئی چیز برابر کے دو شرکاء میں دو برابر حصوں میں بانٹ دی جائے لیکن عدل و انصاف صرف یہی نہیں کہلاتا کہ چیز دو حصوں میں برابر سرابر بٹ جائے بلکہ اس کی اصل اور جڑ تو یہ ہے کہ ہر حق والے کو اس کا حق دلایا جائے۔ حصے اور مقدار کے اعتبار سے وہ تھوڑا یا زیادہ کچھ بھی ہوسکتا ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ دینِ اسلام میں خالقِ کائنات نے عدل کے خاص قوانین عطا فرمائے ہیں وہ خالق کے بنائے اور بتائے ہوئے قوانین ہی سراپا عدل ہیں۔ صاحبِ کتاب، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ان کی وضاحت اور پہلی اسلامی فلاحی ریاست مدینہ طیبہ میں ان کا اجرا اور عملی نفاذ بھی کیا ہے۔ تو گویا اغیار کے خود ساختہ قوانین پر عمل کرنا عدل نہیں بلکہ قرآن وسنت کی روشنی میں عدل کے خاص قوانین اور اس کی اپنی حدود و قیود ہیں۔ انہی حدود و قیود کا نفاذ اور عملی اعتبار سے ان کی تنفیذ

Marfat.com

ہی کا نام عدل ہے۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

فان العدل فی کل ذلك هو ما جاء فی الکتاب والسنة. (٦)

''ان تمام امور میں عدل وہی ہے جو کتاب وسنت میں موجود ہے۔''

دوسری جگہ آپ رقم فرماتے ہیں:

''عدل یہ ہے کہ اللہ کی طے شدہ حدوں کو قائم کیا جائے اور جن حقوق کی ادائیگی کا مطالبہ رب تعالیٰ نے کیا ہے ان کی محافظت کی جائے۔'' (۷)

عدل کے معاشرتی دائرے:

عدل کی اہمیت کے پیش نظر شریعتِ اسلامیہ نے معاشرے میں ہر سطح پر عدل کا حکم دیا ہے تاکہ اوپر سے نیچے تک، راعی بھی اور رعایا بھی سبھی عدل پر کار بند ہوں۔ رعایا بھی صرف اپنے حکام سے عدل کی خواہاں نہ بلکہ خود بھی اپنے اپنے دائروں میں عدل کا نفوذ یقینی بنائے۔ یوں معاشرہ اپنی بنیادی اکائی سے لے کر اپنی آخری چوٹی تک سراپا عدل میں ڈھل جائے گا۔

☆ بچوں اور بچیوں کی حضانت و پرورش میں توازن اور اعتدال کو بروئے خاطر لایا جائے۔ اسلام سے قبل جاہلیت میں لڑکوں کی ولادت پر خوشی اور لڑکیوں کی پیدائش پر انتہائی ناگواری کا مظاہرہ کیا جاتا تھا قرآنِ حکیم نے یہاں ایک عادلانہ سوال اٹھا کر ظلم کے اس اقدام کے سامنے مضبوط بند باندھ دیا اور اس قبیح عمل کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ﴾(۸)

''اور جب زندہ گاڑ دی جانے والی بچی کے بارے سوال کیا جائے گا کہ کس جرم کی پاداش میں اسے قتل کیا گیا؟''

☆ ماں باپ کو حکم دیا کہ اپنی اولاد کے درمیان عدل کریں۔ فرمانِ نبوی ہے:

اتقوا الله واعدلوا فی اولادکم. (۹)

''اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کیا کرو۔''

☆ شوہر کو حکم دیا کہ اپنے بیوی بچوں کے بارے میں اللہ سے ڈرے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے گھر میں راعی بنایا اور سربراہ و قیم کا درجہ دیا ہے لہٰذا اپنے گھر کی رعایا سے عدل برتے۔ اس حوالے سے یہ فرمانِ نبوی بہت جامع ہے:

والرجل راع فی اهله و مسئول عن رعیته.(۱۰)

☆ عورت (بیوی) اپنے شوہر کے گھر کی (اس کی عدم موجودگی میں) نگران ہے اور اس سے گھر والوں کے بارے میں پُرسش ہوگی۔

والمرأة فی بیت زوجها راعیة و مسئولة عن رعیتها (۱۱)

☆ خادم یا نوکر بھی اپنے آقا کے مال پر نگران متعین ہے اور اس سے اس کے مال کے بارے میں پُرسش ہوگی۔

والخادم فی مال سیده راع و مسئول عن رعیته. (۱۲)

Marfat.com

☆ ایسا خاوند جس کے ہاں ایک سے زائد ازواج ہوں اسے بھی ان کے درمیان عادلانہ برتاؤ کی گہری تاکید کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَلَّا تَعُوْلُوْا﴾ (۱۳)

''پس اگر تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ (سب عورتوں سے) یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت (کافی ہے) یا لونڈی، جس کے تم مالک ہو۔ اس طرح تم بے انصافی سے بچ سکو گے۔''

خود صاحبِ شریعت حضرت محمد ﷺ کا عملی نمونہ بڑی صراحت کے ساتھ کتبِ حدیث میں مذکور ہے:

كان رسول الله ﷺ يقسم بين نسائه ثم يعدل ثم يقول اللّٰهم هٰذا فعلي فيما أملك فلا تلمني فيما تملك ولا أملك. (۱۴)

''رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج میں سب کچھ باقاعدہ سے تقسیم فرماتے اور اس میں عدل روا رکھتے اور پھر اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتے:

اے اللہ! جس قدر میرے بس میں تھا میں اس پر کاربند ہوں پس جو میرے دائرۂ اختیار میں نہیں تو اس میں مجھے لائقِ ملامت نہ ٹھہرانا۔''

☆ یتیم بچوں کے مال کے بارے میں عموماً کوتاہی کا اندیشہ تھا اور دورِ جاہلیت میں لوگ حیلے بہانوں سے ان کا مال ڈکار جاتے تھے اس پر رب العالمین نے باقاعدہ سے قرآنی سطروں میں واضح احکام نازل فرمائے۔ سورہ نساء کی پہلی دس آیات میں بڑے مضبوط اور مربوط طریقے سے ان کے حقوق ادا کرنے ان کے ساتھ عادلانہ برتاؤ کرنے جیسے اہم احکامات سے نوازا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا﴾ (۱۵)

''چاہیے کہ وہ اس بات سے ڈریں کہ وہ اگر اپنے پیچھے ناتواں بچے چھوڑ جاتے جن کے ضائع ہونے کا اندیشہ رہتا (تو ان کی چاہت کیا ہوتی؟) پس وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور درست بات کہیں۔''

☆ یتیم لڑکیوں کے ساتھ نکاح کے معاملے میں بھی کچھ اندیشے تھے لہٰذا قرآنِ کریم نے وہ حق بھی محفوظ کر دیا۔ یتیم بچیاں کبھی صاحبِ ثروت ہوتیں تو مال کی طلب میں لوگ ان سے شادی کا سوچتے، کبھی وہ پُر جمال ہوتیں تو اس خاطر لوگ ادھر للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے تو ضروری تھا کہ بہر حال ان کے ساتھ مناسب معاشرتی رویے اختیار کیے جائیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ (۱۶)

''اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے تم عدل قائم نہ رکھ سکو گے تو اور عورتوں میں سے جو تمہیں اچھی لگیں ان سے نکاح کر لو، دو دو، تین تین، چار چار سے۔

Marfat.com

☆ باہمی بات چیت میں بھی درست اور معتدل رویہ اپنایا جائے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَ اِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰی﴾ (۱۷)

''اور جب تم (کسی کی نسبت) کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو گو وہ (تمہارا) رشتہ دار ہو۔''

☆ آپس کے لین دین اور باہمی معاملات میں بھی عادلانہ رویوں کو اہمیت دی جائے۔ قرآنِ حکیم نے قرض کے احکام میں تحریر کی دفعات کے ذیل میں اس کا واضح حکم دیا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلۡيَكۡتُبۡ بَّيۡنَكُمۡ كَاتِبٌۢ بِالۡعَدۡلِ﴾ (۱۸)

''اور لکھنے والے کو چاہئے کہ تمہارا آپس کا معاملہ عدل سے لکھے۔''

☆ انسان کو اپنے ماتحتوں (غلاموں اور نوکروں) کے بارے میں عدل و احتیاط سے کام لینے کا حکم فرمایا۔

حدیثِ پاک میں ہے: ایک آدمی نے رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ حضور! میرے کچھ غلام ہیں جو میرے ساتھ جھوٹ بولتے، خیانت کرتے اور کچھ حکم عدولی کرتے ہیں جس پر میں انہیں مارتا ہوں اور گالیاں دیتا ہوں پس میرا اور اُن کا کیا معاملہ ہوگا؟ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: ان کے جھوٹ، خیانت اور نافرمانی کا جبکہ آپ کی مار پیٹ اور سزا کا حساب لیا جائے گا اگر تمہاری مار پیٹ ان کے جھوٹ اور خیانت کے برابر نکلی تو تم جزا و سزا سے بری ہو گے اور اگر تمہاری مار پیٹ ان کے خطاؤں سے بڑھ گئی تو جس قدر بڑھی اس کا تم سے حساب لیا جائے گا۔ وہ شخص رسولِ کریم ﷺ کی یہ باتیں سن کر ایک طرف ہو کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگ گیا۔ رسول اللہ ﷺ پھر اس سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے: کیا تم کتاب اللہ کی یہ آیت نہیں پڑھی؟

﴿وَ نَضَعُ الۡمَوَازِيۡنَ الۡقِسۡطَ لِيَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ فَلَا تُظۡلَمُ نَفۡسٌ شَيۡـًٔا وَ اِنۡ كَانَ مِثۡقَالَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ اَتَيۡنَا بِهَا وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيۡنَ﴾

''اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو کھڑی کریں گے تو کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے گی اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اس کو لا حاضر کریں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں۔

وہ آدمی کہنے لگا: حضور! پھر مجھے اپنے لئے اور ان کے لئے جدائی سے بہتر کوئی رستہ نظر نہیں آتا بس میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ آج سے میرے سب غلام آزاد ہیں۔ (۱۹)

آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری الفاظ میں بھی اس امر کا بار بار تذکرہ فرمایا۔

آپ کے مبارک الفاظ یہ تھے:

الصلاة الصلاة وما ملكت أيمانكم (۲۰)

☆ حاکمِ وقت بھی نگران ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پُرسش ہوگی۔

والامام راع و مسئول عن رعيته. (۲۱)

Marfat.com

☆ تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پرسش ہوگی۔

کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیته.(۲۲)

یوں عدل کا دائرہ کار بڑھاتے ہوئے شریعتِ مطہرہ نے زندگی کے انفرادی پہلوؤں سے آگے بڑھتے ہوئے اجتماعی یعنی قومی اور ملکی سطح پر نفاذِ عدل کے اہتمام کی تاکید کی کیونکہ اجتماعی سطح پر جرائم اور ظلم و جور کی روک تھام کا خاتمہ، نفاذِ عدل ہی سے ہوسکتا ہے۔

قرآنِ کریم کی روشن سطریں ہمیں اجتماعی اور معاشرتی سطح پر قتل و غارت اور جرائم کی روک تھام کی تاکید اور اس کی اہمیت کھلے انداز میں کرتی ہیں۔

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ (۲۳)

''جس نے کس شخص کو بلاعوضِ جان یا ملک میں فساد پھیلانے کے (جرم کے) بغیر، قتل کیا تو گویا اُس نے سب انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔''

اسی آیتِ مبارکہ میں قرآنِ حکیم نے دوسرے روشن پہلو سے بھی بڑے ہی واضح انداز میں روشناس کرایا۔ وہ قیامِ عدل سے ممکن ہو یا کسی اور خیر و فلاح کے عمل سے، بہر صورت لائقِ تحسین قرار دیا گیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ (۲۴)

''اور جس نے کسی ایک نفس کی جان بچائی تو گویا اُس نے سب انسانوں کی زندگی بچالی۔''

یہاں اجتماعی احساسِ ذمہ داری، قومی مفادات و نظریات کا تحفظ اور معاشرتی بقا کا سبق دے کر ہمارے شعور کو بیدار کیا گیا ہے جس کے تناظر میں عدلِ اجتماعی کی افادیت کھل کر سامنے آجاتی ہے کیونکہ قاضی یا حاکمِ وقت اپنے اچھے اور عادلانہ فیصلوں کے ساتھ معاشرے کی زندگی کو رونق بخش دیتے ہیں اور اگر ان کے فیصلے میں عدل کو روا نہیں رکھا جاتا تو وہ بذاتِ خود ایک معاشرتی جرم اور بسا اوقات معاشرتی قتل کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔

عدلِ اجتماعی کا قیام:

جیسا کہ گزشتہ سطور میں ہم نے تمام معاشرتی طبقات میں اپنی اپنی سطح پر عدل کی اہمیت پر نصوص پیش کی ہیں اور عدل کا عمومی دائرہ کار واضح کرنے کی ایک حد تک سعی کی ہے۔اب عدلِ اجتماعی جسے ہم سماجی انصاف یا سوشل جسٹس بھی کہہ سکتے ہیں، کے بارے میں قرآن و سنت اور مشاہیر کی آراء پیش کی جاتی ہیں پھر اس کے فوائد و برکات نیز اس کے متروک ہونے کی شکل میں اس کے مضرات و نقصانات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

پہلا مرحلہ، آیت تخییر:

یہ اُس وقت کی بات ہے جب یہودی، مسلمانوں کے معاہد تھے باقاعدہ رعایا کی حیثیت نہ رکھتے تھے اس لئے انہیں اپنے معاملات طے کرنے میں آزادی تھی وہ اپنے قوانین کے تحت جیسے چاہتے باہمی معاملات نمٹاتے۔مسلمانوں کو ان سے کچھ

Marfat.com

سروکار نہ تھی۔ انہی دنوں کی بات ہے کہ خیبر کے ایک معزز یہود گھرانے میں ایک مرد و عورت کے درمیان ناجائز تعلقات پائے گئے جس کی سزا، ان کی آسمانی کتاب تورات کے مطابق رَجم (سنگسار) تھی (۲۵ لیکن وہ اس سے بچنے کے لئے حضور نبی کریمa کے پاس آئے کہ اگر آپ نے رَجم کے علاوہ کوئی حکم دیا تو وہ قبول کرلیں اور رَجم سے جان چھوٹ جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی خداداد فراست سے کام لیا اور ان کے بڑے عالم ابن صوریا کو اللہ کی تاکیدی قسم دے کر پوچھا:

"قال اللّٰھم اذ نشدتنا فان نجد فی التوراۃ الرجم، قال النبی ﷺ فانی أحکم بما فی التوراۃ، فأمر به فرُجما."(۲۶)

تو اس نے واضح بتا دیا کہ تورات میں بھی رَجم ہی کا حکم ہے چنانچہ آپؐ نے بھی رَجم ہی کا حکم دیا اور انہیں سنگسار کردیا گیا۔

اس وقت نبی کریم ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ فَإِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾

"اگر یہ آپ کے پاس (کوئی مقدمہ فیصل کروانے) آئیں تو آپ ان کے درمیان فیصلہ کردیں یا ان سے اعراض برتیں، یہ لوگ آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے اور اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کرنا چاہیں تو انصاف سے فیصلہ کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"(۲۷)

اس آیت کی وجہ سے بعض فقہاء و ائمہ مسلم حاکم کے لئے اہلِ کتاب کے معاملے میں تخییر کے قائل ہیں جبکہ جمہور کے ہاں وجوب معتبر ہے۔

"الحاکم المسلم مخیر فی الحکم بین اھل الکتاب ان شاء حکم بینھم وان شاء أحالھم علی علماء ھم."(۲۸)

"وقال البیضاوی‌ولو تحاکم کتابیان الیٰ القاضی لم یجب علیه الحکم.وھو قول الشافعی. والأصح وجوبه،اذا کان المترافعان او أحدھما ذمیا،ل أنا التزمنا الذب عنھم، ومذھب ابی حنیفة:یجب مطلقا."(۲۹)

ابن عباسؓ، مجاہد(۳۰) اور عکرمہ(۳۱) وغیرہ اکابر سلف سے منقول ہے کہ حضور ﷺ کو یہ اختیار ابتدا میں تھا۔ آخر میں جب اسلام کا تسلط اور نفوذ کامل ہوگیا تو ارشاد ہوا ﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ (المائدہ ۵،۴۹) یعنی ان کے نزاعات کا فیصلہ قانونِ شریعت کے موافق کردیا کرو۔ مطلب یہ کہ اعراض اور کنارہ کشی کی ضرورت نہیں۔ نیز قرآنِ کریم نے بار بار اس پر زور دیا کہ کوئی شخص کتنا ہی شریر، ظالم اور بدمعاش کیوں نہ ہو مگر اس کے حق میں بھی تمہارا دامنِ عدالت ناانصافی کے چھینٹوں سے داغدار نہ ہونے پائے۔ یہی وہ خصلت ہے جس کے سہارے زمین و آسمان کا نظام قائم رہ سکتا ہے۔(۳۲)

Marfat.com

عدل اجتماعی سے متعلق واضح قرآنی احکام:

ڈاکٹر محمود احمد غازی رقم فرماتے ہیں:

''مدینہ طیبہ میں امورِ خارجہ اور عسکریات کے علاوہ سب سے اہم شعبہ جو تھا وہ صیغہ عدل و قضا تھا۔ اسلام آیا ہی عدل کے لئے ہے۔ اسلام کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں۔ اس لئے پہلی چیز جس کی طرف میثاقِ مدینہ میں بھی بار بار اشارہ موجود ہے اور حضور کے انتظامات میں بھی نظر آتا ہے کہ جو پہلا کام کیا گیا وہ عدل و قضا کا بندوبست تھا۔ خود رسول اللہ ﷺ کی حیثیت ایک اعلیٰ ترین عدالت کی تھی۔'' (۳۳)

آگے تحریر فرماتے ہیں:

''اس طرح سے مختلف قبائل میں جو قاضی مقرر تھے اور ان کا فیصلہ Confirmation کے لئے بعض صورتوں میں مدینہ منورہ میں بھیجا جاتا تھا بعض اوقات یہ بھی ہوا کہ قاضی کو پتہ نہیں چلا کہ اس معاملہ میں صحیح حکم کیا ہے یا ان کو تامل ہوا تو انہوں نے توثیق کے لئے اپنا فیصلہ حضور ﷺ کو بھیج دیا۔ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ از خود Suo Moto کارروائی کیا کرتے تھے اور خود ہدایات دیتے تھے کہ فلاں معاملہ کا فیصلہ اس طرح کرو'' (۳۴)

حضور ﷺ کے مقرر کردہ قاضی:

''حضور ﷺ نے جن لوگوں کو قاضی مقرر فرمایا ان میں سیدنا عمر بن الخطابؓ کا نام سب سے نمایاں ہے ان کو مدینہ کا قاضی مقرر فرمایا۔ آپ حضور ﷺ کی موجودگی میں مدینہ منورہ میں مقدمات کے فیصلے فرمایا کرتے تھے''۔ (۳۵)

''حضرت علیؓ کو یمن میں قاضی بنا کر بھیجا گیا۔ (۳۶)

سیدنا معاذ بن جبلؓ کو بھی رسولِ کریم ﷺ نے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا۔ جس کا تذکرہ سنن کی کتابوں میں موجود ہے۔ لیکن وہاں بھیجنے سے قبل آپ ﷺ نے باقاعدہ ان کا انٹرویو بھی لیا جو کہ درج ذیل ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے پوچھا:	جب کوئی قضیہ آپ کے سامنے آئے گا تو کیسے فیصلہ کریں گے؟
حضرت معاذؓ نے جواب دیا:	میں کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔
رسول اللہ ﷺ:	اگر کوئی (صریح) حکم کتاب اللہ میں نہ ملے تو کیا کرو گے؟
معاذؓ:	تب میں سنتِ رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا
رسول اللہ ﷺ:	اگر کوئی چیز کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ دونوں میں تمہیں نہ ملے تو......؟
معاذؓ:	تب میں اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا پورے غور و فکر کے بعد۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا: تمام حمد و شکر، اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے رسول اللہ کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جس سے خود رسول اللہ ﷺ کو خوشی حاصل ہوئی۔ (۳۷)

Marfat.com

دیوانِ مظالم Ombudsman:

ایک اعلیٰ سطحی عدالت جہاں حکام بالا، رؤساء اور دیگر بااثر افراد کے مظالم اور زیادتیوں کے خلاف باقاعدہ شکایات سنی جاتیں اور ان کا ازالہ کیا جاتا تھا۔ چونکہ عدل اسلام کا طرۂ امتیاز ہے اس لئے اس میں زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا گیا جہاں عدل کی رسائی نہ ہو چنانچہ عام لوگوں سے عدل کا برتاؤ ممکن ہے لیکن خاص لوگوں یعنی معاشرے کے سربرآوردہ لوگوں، امیر کبیر اور بڑے بڑے رؤسا سے عام لوگوں کے حقوق کا جو استحصال ہو وہاں عدل کا قیام معنی دارد۔ اس لئے قیامِ عدل کا یہ خاص شعبہ بھی اسلام ہی کے مرہونِ منت ہے۔

معروف اسلامی سکالر جناب محمود احمد غازی مرحوم لکھتے ہیں:

''آج Ombudsman کا ادارہ موجود ہے۔ اومبڈزمین کے ادارہ کے بارے عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ تصور سویڈن سے آیا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ اس ادارہ کا آغاز سویڈن سے نہیں بلکہ مدینہ منورہ میں ہوا تھا یہ ادارہ حضورﷺ نے قائم فرمایا تھا اور حضرت عمر فاروقؓ نے اس کو دیوانِ مظالم کے نام سے ترقی دی۔ دیوانِ مظالم دراصل ایک اعلیٰ سرکاری عدالت تھی جو اعلیٰ سرکاری حکام اور بااثر لوگوں کی زیادتیوں اور مظالم کے خلاف شہریوں کی شکایات سنا کرتی تھی۔

حضورﷺ کے زمانے میں اس کا بندوبست بعض علاقوں میں کیا گیا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس کو باقاعدہ شکل دی اس کے بعد دنیائے اسلام کے بیشتر مسلم ممالک میں یہ ادارہ قائم رہا۔ اسپین سے اس کو یورپیوں نے سیکھا وہاں سے بعض پادری غرناطہ اور قرطبہ کی درس گاہوں میں اس ادارہ کے بارے میں واقفیت حاصل کر کے گئے۔ انگلستان میں پارلیمنٹری کمیشن اور سویڈن میں اومبڈزمین کے نام سے یہ ادارہ بنایا گیا۔ اس وقت دیوانِ مظالم کے نام سے یہ ادارہ صرف سعودی عرب میں موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہاں یہ ادارہ چودہ سو سال سے مسلسل قائم ہے اور کسی نہ کسی حد تک اسی انداز میں کام کرتا ہے جس انداز میں ماضی میں کام کرتا تھا۔ (۳۸)

عدلِ اجتماعی اور وطن عزیز پاکستان:

قیام پاکستان کے اولین مقاصد کو دوہراتے ہوئے ایک موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے کہا تھا:

''ہم پاکستان اس لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ عہدِ حاضر میں اسلام کے اصولِ حریت و اخوت و مساوات کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرسکیں۔'' (۳۹)

حواشی وحوالہ جات

(۱) الموسوعۃ الفقہیۃ، وزارۃ الأوقاف والشؤن الاسلامیۃ، دولۃ کویت، ۲۰۰۷ء، جزء ۳۰، ص۸...... (۲) محمد احمد عبدالغنی، الدکتور، العدالۃ الاجتماعیۃ فی ضوء الفکر الاسلامی المعاصر، اطروحۃ لدرجۃ الدکتوراۃ، ۲۰۰۴، ص۵۶، الشاملۃ...... (۳) الرازی، الامام فخر الدین، التفسیر الکبیر المسمّٰی ب مفاتیح الغیب، ج ص...... (۴) محمد احمد عبدالغنی، الدکتور، العدالۃ الاجتماعیۃ فی ضوء الفکر الاسلامی المعاصر، ص۶۱...... (۵) الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الأمم والملوک، ۳/۲۰۳ الشاملۃ...... (۶) ابن تیمیہ، احمد بن الحلیم الحرانی (۷۲۸ھ)، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، ص...... (۷) المرجع السابق، ص...... (۸) سورۃ التکویر ۸۱: ۸-۹......

Marfat.com

(۹) مسلم، الجامع الصحیح...... (۱۰) بخاری، الجامع الصحیح محمد بن اسماعیل، کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ فی القری والمدن، رقم ۸۴۴۔ متن الحدیث الکامل: کلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیتہ والامام راع ومسئول عن رعیتہ والرجل راع فی اہلہ ومسئول عن رعیتہ والمرأۃ فی بیت زوجھا راعیۃ ومسئولۃ عن رعیتھا والخادم فی مال سیدہ راع ومسئول عن رعیتہ...... (۱۱) المرجع السابق، نفس الحدیث...... (۱۲) المرجع السابق، نفس الحدیث...... (۱۳) سورہ نساء۴:۳...... (۱۴) نسائی، سنن، کتاب عشرۃ النساء، باب میل الرجل الی بعض نساۂ دون بعض، رقم الحدیث:۳۸۸۲، موسوعۃ الحدیث، قرص، شرکۃ صخر...... (۱۵) سورۃ النساء، ۴:۹...... (۱۶) سورہ نساء۴:۳...... (۱۷) الأنعام ۶:...... (۱۸) البقرۃ ۲:...... (۱۹) ترمذی، جامع محمد بن عیسیٰ، کتاب تفسیر القرآن من سورۃ انبیاء، رقم الحدیث:۳۰۸۹...... (۲۰) الانبیاء ۲۱:۴۷...... (۲۱) ابوداؤد، سنن، ابوداؤ سلیمان بن الأشعث سجستانی، کتاب الادب، باب فی حق المملوک، رقم الحدیث:۴۴۸۹...... (۲۲) بخاری، الجامع الصحیح محمد بن اسماعیل، کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ فی القری والمدن، رقم ۸۴۴...... (۲۳) المرجع السابق...... (۲۴) المائدہ ۵:۳۲...... (۲۵) المائدہ ۵:۳۲...... (۲۶) توراۃ، استثناء۔ باب۲۲، آیہ۲۳،۲۴...... (۲۷) تفسیر قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح الأنصاری شمس الدین القرطبی،، دار عالم الکتب الریاض، ۲۰۰۳، عدد الأجزاء ۲۰، ۶/۱۷۸...... (۲۸) المائدۃ ۵:۳۲...... (۲۹) ایسر التفاسیر للجزائری، الجزائری، ابوبکر، مکتبۃ الشاملۃ، ۱/۳۵۱...... (۳۰) البحر المدید، تفسیر، ابن عجیبہ، احمد بن محمد بن مہدی الحسنی الشاذلی، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۲۰۰۲ء، عدد الأجزاء ۸، ۲/۲۵۰...... (۳۱) تفسیر عثمانی، شبیر احمد عثمانی، مولانا...... (۳۲) محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضراتِ سیرت، (چھٹا خطبہ، ریاست مدینہ: دستور اور نظامِ حکومت،) الفیصل ناشران لاہور، ستمبر ۲۰۰۹ ص ۳۵۵...... (۳۳) المرجع السابق...... (۳۴) محاضراتِ سیرت، محمود احمد غازی، ڈاکٹر، (چھٹا خطبہ، ریاست مدینہ: دستور اور نظامِ حکومت،) الفیصل ناشران لاہور، ستمبر ۲۰۰۹ ص ۳۵۶...... (۳۵) المرجع السابق...... (۳۶) ابوداؤد، سنن، ابوداؤ سلیمان بن الأشعث سجستانی، کتاب الأقضیۃ، باب اجتہاد الرأی فی القضاء، رقم الحدیث:۳۱۱۹...... (۳۷) محاضراتِ سیرت، محمود احمد غازی، ڈاکٹر، ص ۳۵۷...... (۳۸) اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت، ڈاکٹر اسرار احمد، مکتبہ مرکزی انجمن خدام الدین لاہور، اپریل ۲۰۰۱ء، صفحہ:۱۵۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

قاضی مطیع الرحمٰن- پنڈ کمال خان، ضلع ہری پور

عدل و انصاف اسلام سے قبل:

اسلامی نظام عدل کی اہمیت کا اندازہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اسلام سے قبل دنیا میں رائج نظام ہائے قانون کا سرسری جائزہ نہ لیا جائے۔ نبیؐ کی بعثت کے وقت دنیا ظلم و بربریت کا شکار تھی۔ حکمران رعایا کی جان مال اور آبرو سے کھیلتے تھے بے شمار انسان غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ عدل و انصاف کا نام ونشان نہ تھا۔ جنگل کا قانون تھا جس کی لاٹھی اس کی بھینس، زور آوروں کو کمزور انسانوں پر مظالم ڈھانے کی پوری آزادی تھی۔ وقت کی عظیم طاقتیں روم و ایران ظلم وستم کے گہوارے تھے۔

مثلاً ایک مصنف لکھتے ہیں۔۔۔۔ ایران کے سلاطین اس بات کے مدعی تھے کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے۔ اہل ایران بھی انہیں اسی نظر سے دیکھتے تھے۔ گویا وہ خدا ہیں۔ اونچ نیچ کا فرق، طبقوں کا تفاوت اور پیشوں کی تقسیم ایرانی سوسائٹی اور نظام زندگی کا اٹل قانون تھا(۱)۔ یہی حال ہندوستان کا تھا جہاں پر منور مہاراج کے قوانین فرقہ وارانہ عصبیت، ظلم و جور اور انسانی لاقانونیت کی منہ بولتی تصویر تھے۔ جہاں تک عرب کا تعلق ہے وہاں خانہ بدوش زندگی تھی یعنی ریاست یا مملکت کا وجود نہ تھا اور نہ ہی عدل گستری کے لیے کوئی منظم حکومت قائم تھی۔ لوگوں کے جھگڑوں کے فیصلے قدیم رسم و رواج کے مطابق ہوتے تھے۔ عربوں کے ہاں انصاف کے حصول کے تین طریقے تھے۔

۱- پنچ: قبائل اپنے اپنے پنچ مقرر کرتے جن کے روبرو فریقین کی حاضری ہوتی پنچ کا فیصلہ قطعی ہوتا۔

۲- کاہن: مذہبی پیشوا یا علم غیب کے مدعی ان کے فیصلوں کو خدائی فیصلہ سمجھا جاتا تھا اور جن کے خلاف چارہ جوئی ممکن نہ تھی۔

۳- شخصیات: بعض شخصیات کو بھی یہ منصب دے دیا جاتا تھا۔ بنی تمیم کے سردار موروثی طور پر سارے عرب کے حکم مانے جاتے تھے۔(۲)

حلف الفضول کا چوتھا طریقہ تمام قبائل کے حلف اٹھانے کے بعد معرض وجود میں آیا۔ یہ ایک قسم کا اجتماعی معاہدہ تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ کوئی شخص خواہ وہ کسی قبیلے سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو اگر اس کے ساتھ کوئی زیادتی ہوتی ہے تو اس کی مدد کی جائے اور ظالم کو سزا دی جائے۔ یہ معاہدہ ایک تاریخی اہمیت کا حامل تھا نبیؐ نے بھی قبل از بعثت اس معاہدے کی تشکیل وتکمیل میں حصہ لیا تھا جس پر آپ کو فخر تھا۔ برطانوی قانون کے مطابق سربراہ مملکت احتساب سے بالاتر ہے۔

The maxim The king can do no wrong meant not only that the king.

Marfat.com

could not be made liable by action, but also that wrong could not be imputed to the king, and there fore he could not be said to have authorised another to commit a wrong.

عدل اجتماعی کا تصور:

انسان مدنی الطبع ہے اور اجتماعیت پسند بھی اس کی تخلیق میں اجتماعیت پوشیدہ ہے۔ اس کے مصالح دین سے متعلق ہوں خواہ دنیا سے متعلق ہوں ان کی تکمیل اجتماعیت اور باہمی اشتراک و تعاون کے بغیر ممکن نہیں۔ خواہ یہ اجتماع خاندان کی شکل میں ہو یا ایک گاؤں کی شکل میں بڑے بڑے شہروں کی شکل میں ہو یا پھر جدید طرز کے ممالک کی شکل میں یا اس سے بھی آگے ملل کی شکل میں۔ بہرحال انسان اپنے آپ کو کسی نہ کسی اجتماعیت کے ساتھ ضرور وابستہ کرتا ہے۔ اجتماعی زندگی میں انسانوں کے درمیان تنازعات پیدا ہوتے ہیں ان کو طے کرنے اور فیصلہ کرنے کے لیے مملکت کا اجتماعی نظام وجود میں آتا ہے امام ابن تیمیہ کا نظریہ بھی یہی ہے کہ اپنی احتیاجات کی خاطر انسانوں کو باہمی تعاون درکار ہوتا ہے اور وہ مصائب وخطرات کے استیصال کے لیے ایک دوسرے کی مدد کے طالب ہوتے ہیں۔

وکل بنی آدم لا تتم مصالحتهم لا فی الدنیا ولا فی الآخرہ الا بالاجتماع و التناصر فالتعاون علٰی جلب منافعهم والتناصرلدفع مضارهم۔(۴)

امام شاطبیؒ کے نزدیک کسی فرد میں اتنی طاقت و استعداد نہیں ہوتی کہ وہ اپنی ذات اور پھر اہل وعیال کے مصالح کی تنہا نگرانی کرتا رہے۔ چہ جائیکہ ہر بنی نوع انسان، خاندان، یا تمام قبیلے کے مصالح کا تحفظ کر سکے۔(۵) یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشرہ قائم ہوتے ہی اجتماعی ادارے وجود میں آ گئے۔

نظام کائنات میں عدل و توازن:

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے۔ اس لیے اسلام ہی میں عدل اجتماعی ہے اس لیے کہ اسلام وہ دین حق ہے جو خالق کائنات نے انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے اور انسانوں کے درمیان عدل قائم کرتا اور یہ طے کرتا کہ ان کے لیے کیا چیز عدل ہے اور کیا عدل نہیں ہے۔ انسانوں کے خالق اور رب ہی کا کام ہے دوسرا کوئی نہ اس کا مجاز ہے کہ عدل وظلم کا معیار تجویز کرے اور نہ دوسرے کسی میں یہ اہلیت پائی جاتی ہے کہ حقیقی عدل قائم کر سکے۔ کائنات میں انسان کی حیثیت خدا کے مملوک اور رعیت کی ہے۔ اس لیے معیار عدل تجویز کرنا اس کا اپنا نہیں بلکہ اس کے مالک اور فرماں روا کا کام ہے۔ اعتدال پر قائم رہنا آئین قدرت کی شرط اول ہے جسکے تحت عناصر کی ترتیب میں بھی ایک حسین اور پختہ توازن قائم کیا گیا ہے۔ اگر یہ توازن نہ رہے تو نظم کائنات ہی درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ کیونکہ یہی نظام عالم کی اساس ہے۔ قرآن میں ارشاد ربانی ہے۔ ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا. لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ﴾(۶)" اور آپ کے رب کی ہر بات واقعیت اور اعتدال کی بنیاد پر پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اسلیے کہ کائنات میں اس کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں۔

پھر اس توازن و اعتدال کی خاطر مالک نے ہر شے کا ایک پختہ اندازہ مقرر فرما دیا۔ کہ ہر چیز طبعی طور پر اور متوازن

Marfat.com

طریقے سے جاری و ساری رہے ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ﴾ (۷) ''ہم نے ہر شے کو ایک انداز ے کے ساتھ تخلیق فرمایا ہے۔

اسلام میں عدل اجتماعی کا تصور:

قرآن حکیم نے زندگی کے تمام شعبوں میں عدل و انصاف سے کام لینے کا حکم دیا ہے اسلامی تہذیب و تمدن کو وجود میں لانے اور ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ تشکیل دینے کیلیے جو اصول عنایت فرمائے ہیں ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔ فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ﴾ (۸) ''بے شک اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتا ہے''۔ ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی﴾ (۹) اور جب بولو تو عدل کا (خیال رکھو) اگرچہ وہ شخص قرابت دار ہو۔ ﴿وَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ (۱۰) اور انصاف کے ساتھ پورا پورا تولو۔ ﴿وَلَا تَنْقُصُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ﴾ (۱۱) ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ ﴿وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (۱۲) اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ ﴿اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ. وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ﴾ (۱۳) یہ کہ تولنے میں زیادتی نہ کرو اور ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ وزن کرو اور ترازو میں گھاٹا نہ دو''۔

تعدد ازواج کے جواز کو عدل کی شرط سے مشروط کر کے علم وجود سے عورت کو محفوظ کر دیا گیا۔ ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ. ذٰلِکَ اَدْنٰی اَلَّا تَعُوْلُوْا﴾ (۱۴) ''لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو یا ان عورتوں کو زوجیت میں لاؤ جو تمہارے قبضہ میں آئی ہیں۔ بے انصافی سے بچنے کے لیے یہ زیادہ قرین ثواب ہے۔

﴿فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا. اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾ (۱۵)

''اور ان دونوں میں برابری کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کو ملحوظ رکھو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔''

عدل اجتماعی کے بارے میں سید قطب شہید کہتے ہیں ''جس عدل کو اسلام چاہتا ہے وہ بے لاگ عدل و انصاف ہے جو نہ محبت سے متاثر ہوتا ہے نہ عداوت سے نہ مال و جاہ سے دبتا ہے اور نہ حکام سے۔(۱۶)

ارشاد ربانی ہے ﴿وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُهَا﴾ (۱۷) ''یعنی برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہے'' یعنی اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو لے سکتے ہو لیکن اس کا لحاظ رہے کہ جس حد تک ظلم ہوا ہے اس سے زیادہ کے تم مجاز نہیں ہو۔ جس نے تمہاری انگلی کاٹی تم اس کی گردن نہیں کاٹ سکتے۔ اس ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ﴾ (۱۸) ''لیکن جو معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے''۔

یعنی عدل کا یہ تقاضا ہے کہ معاشرے میں پائی جانے والی تمام برائیوں کو دور کیا جائے اور اگر کسی جگہ ظلم روا ہو تو ظالم کو اس کے کیے کی پوری سزا ملنی چاہیے کیونکہ عدل کے بغیر کسی منظم معاشرے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اگر عدل و انصاف معاشرے میں نہ ہو تو طاقتور کمزور کو دبا لے اور داخلی فساد کی وجہ سے معاشرہ درہم برہم ہو جائے۔

Marfat.com

اسلام میں عدلیہ کا مقام انتظامیہ سے بہت بلند ہے۔ اسلامی مملکت کا سربراہ بھی اسلامی عدالت میں ملزم کی حیثیت سے عام مسلمانوں کی طرح طلب کیا جاسکتا ہے۔ اس سے باز پرس کی جاسکتی ہے اور جرم ثابت ہونے پر حد جاری کی جاسکتی ہے۔ غرضیکہ عدل یہ ہے کہ آدمی کے تمام عقائد اعمال، اخلاق، معاملات، جذبات اعتدال و انصاف کے ترازو میں تلے ہوں افراط و تفریط سے کوئی پلڑا جھکنے یا اٹھنے نہ پائے۔ یہاں تک کہ دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کا دامن نہ چھوٹے۔

سید مودودیؒ عدل کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ عدل کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقہ سے دیا جائے۔ دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن و تناسب ہے نہ کہ برابری بعض حیثیتوں سے عدل بے شک افراد معاشرہ میں مساوات چاہتا ہے۔ مثلاً حقوق شہریت میں مگر بعض دوسری حیثیتوں سے مساوات بالکل خلاف عدل ہے مثلاً والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی و اخلاقی مساوات اور اعلیٰ درجے کی خدمات انجام دینے والوں اور کم تر درجے کی خدمت ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ حقوق میں مساوات نہیں بلکہ توازن و تناسب ہے اور اس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، قانونی اور سیاسی و تمدنی حقوق پوری ایمان داری سے ادا کیے جائیں۔(۱۹)

سچ تو یہ ہے کہ انسان کبھی بھی اور کہیں بھی اس سے دکھی نہیں ہوا کہ وہ سوکھی کھاتا ہے یا مرغن وہ کبھی اس پر نہیں چیخا کہ وہ بند محلات کے بجائے جھونپڑی کی کھلی چھت سے تاروں بھری رات کا منظر کیوں دیکھتا ہے۔ وہ کبھی اس پر بھی نہیں چیخا کہ وہ زمین پر کیوں ہے ستاروں پر کیوں نہیں پہنچا۔ اس کے لیے تو اس کی زمین چاند ستارہ ہے۔ انسان جب کبھی رویا ہے اور چیخا ہے تو اس پر کہ اس کے ساتھ ناانصافی ہو، ظلم ہو، کوئی اس کی حق تلفی کرے۔

حضرت علیؓ نے اسلام کی تعلیمات اور انسانی تاریخ کے تجربات کا نچوڑ ایک جملے میں بیان فرما دیا ہے کہ "معاشرہ کفر کے ساتھ تو باقی رہ سکتا ہے لیکن انصاف کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا"۔

قرآن حکیم نے قسط کے علاوہ بھی تین الفاظ استعمال فرمائے جو عدل کے معانی رکھتے ہیں۔ قسطاس، میزان اور حق قسطاس اور میزان تو محض لفظ کے اعتبار سے دو ہیں ورنہ دونوں کے معنی ایک ہیں مثلاً ﴿وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ﴾(۲۱) اشارہ ہے عدل کی رعایت کا ان تمام اقوال و افعال میں جن کا انسان قصد کرتا ہے حق کا لفظ بھی قرآن میں عدل و انصاف کے معنی میں آیا ہے۔ ﴿فَاحْکُمْ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ﴾ اور ﴿فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾(۲۲) ان دونوں فقروں میں حق کا لفظ عدل و انصاف کے معنوں میں آیا ہے۔

خاتم النبیین کا ظہور

نہایت ہی پرفتن دور میں اسلام کا آفتاب عالم تاب طلوع ہوا۔ جس کی نورانی کرنوں سے دیکھتے ہی دیکھتے سارا عالم روشن ہو گیا ظلم و جور کا اندھیرا چھٹ گیا۔ سسکتی اور دم توڑتی انسانیت میں جان آ گئی جو لوگ کل تک سہمے ہوئے تھے اور مظالم کی چکی میں پس رہے تھے۔ اٹھ کھڑے ہوئے اور دین اسلام کے سائے تلے سکھ کا سانس لینے لگے۔ اسلام نے ان حالات میں

Marfat.com

انسانی مساوات اور اجتماعی عدل کا عملی نمونہ پیش کر کے انسانوں کو ذلت اور بربادی سے نکال کر امن اور سکون اور عدل و انصاف سے روشناس کرایا۔

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام اور پھر اپنے آخری پیامبر کو خدا کی زمین پر جس مقصد و ہدف کے حصول کے لیے بھیجا گیا تھا۔ وہ تعلیم کتاب وحکمت تھی اور اس کے ساتھ انسانوں کے درمیان عدل و انصاف کا قیام اور اسی بنیاد پر معاشرے اور ریاست کی تعمیر و تشکیل ارشاد ربانی ہے۔ ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (۲۳) ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیاں دیں اور ہدایت کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں''۔

عدل اور حضورؐ کے فرمان عالی:

رب کائنات نے آپ کو منصف اعلیٰ بنا کر بھیجا یہی وجہ ہے کہ اسلام بہت جلد عام لوگوں کے دلوں میں گھر کر گیا ورنہ آپ سے قبل دنیا حقیقی انصاف سے تہی دامن تھی۔ انسانوں کے حقوق کی ادائیگی سے متعلق آپ کے چند فرمان عالی یہ ہیں۔

۱- حضرت سلمیٰؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا تم میرے پاس مقدمات لاتے ہو اور ممکن ہے تم میں سے کوئی دوسرے سے زیادہ اپنی بات کو ثابت کرسکتا ہو اور میں جو سنتا ہوں اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔ پھر جس کو میں اس کے بھائی کا کوئی حق دلا دوں وہ اسے نہ لے اس لیے کہ میں اسے جہنم کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں۔ (۲۴) کیونکہ وہ غیر کافی ہے۔

۲- حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے ارشاد فرمایا جب حاکم اجتہاد کے ساتھ فیصلہ کرے اور وہ صحیح ہو تو اس میں دوہرا ثواب ہے اور اگر سوچ کر حکم نافذ کرے اور اس میں غلطی ہو تو ایک اجر ہے۔ (۲۵)

۳- حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبیؐ کو فرماتے سنا کہ قیامت کے روز عادل قاضی کو حساب کے لیے طلب کیا جائے گا۔ وہ اپنے حساب کی شدت کو محسوس کر کے آرزو کرے گا کہ کاش وہ دنیا میں دو شخصوں کے درمیان اپنی عمر میں ایک فیصلہ بھی نہ کرتا۔ (اسے ابن حبان نے روایت کیا ہے اور بیہقی نے اس کو نقل کیا ہے) اس میں اتنا اضافہ ہے کہ ''کبھی ایک کھجور کا فیصلہ بھی نہ کرتا۔ (۲۶)

۴- حضرت ابو امامہ حارثیؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا جس کسی نے اپنے مسلمان بھائی کا حق اپنی قسم کے ذریعے مارا۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے دوزخ واجب کر دی ہے اور اس پر جنت حرام کر دی ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسولؐ اگر چہ کوئی حقیر اور معمولی چیز ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ ''اگر چہ (۲۷) درخت پیلو کی ایک شاخ ہو''۔

۵- نبیؐ کا ارشاد ہے: ''اقيموا حدود الله فى القريب و البعيد، ولا ياخذكم فى الله لومة لائم'' (۲۸) ''اللہ کی حدود بلاتمیز دور و نزدیک پر جاری کرو اور کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ کرو۔

۶- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا جب کسی شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں عدل نہیں کرتا تو قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا نصف بدن خمیدہ ہوگا۔ (۲۹)

Marfat.com

۷۔ نبیؐ نے فرمایا ایک ساعت جو انصاف میں صرف کی جائے ساٹھ سال کی نفل (۳۰) عبادت سے افضل ہے۔

۸۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ سایہ الٰہی میں سب سے پہلے وہ لوگ جائیں گے جو اپنا حق ملنے پر اسے قبول کر لیتے ہیں اور دوسروں کا حق بخوشی دے دیتے ہیں۔(۳۱)

۹۔ حضرت سدیدہؓ سے مروی ہے کہ نبیؐ نے فرمایا قاضی تین ہیں ایک جنت میں دو دوزخ میں پس جس شخص نے حق کو پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا وہ جنتی ہے اور جس شخص نے حق کو جاننے کے باوجود فیصلہ میں ظلم کیا وہ دوزخی ہے اور جس شخص نے جہالت پر لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا وہ بھی دوزخی ہے۔(۳۲)

عدل مصطفیٰؐ کے چند گوشے

آیئے ذرا اس ہستی کے شب و روز کا مطالعہ کریں جسے رب کائنات نے رحمۃ للعالمین اور منصف اعظم بنا کر بھیجا ہے۔ آپؐ کے سامنے جب کوئی مسئلہ یا مقدمہ لایا گیا تو آپ نے بلاامتیاز رنگ و نسل ہر کسی کے ساتھ انصاف کیا اور عدل و انصاف کی ایسی روشن مثالیں قائم کیں جن میں آئندہ آنے والی قوموں کیلیے رہنمائی اور امن کا سبق پنہاں ہے۔

ایام رضاعت میں عدل:

نبیؐ کی ولادت کو چند ایام ہی گزرے تھے کہ آپ اپنی والدہ کی آغوش سے ماں حلیمہ سعدیہ کی آغوش رضاعت میں منتقل ہو گئے۔ جن کا اپنا شیر خوار بچہ بھی تھا۔ مشاہدے میں آیا کہ محمدؐ بن عبداللہ ماں کے دائیں طرف سے دودھ پیتے اور بائیں جانب منہ نہ لگاتے تھے۔(۳۳)

جنگ بدر میں عدل:

رسول کریمؐ کی عدالت امیر و غریب اور پست و بلند کی تفریق سے بالاتر تھی۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں جنگ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں کچھ لوگوں نے نبیؐ سے اجازت طلب کی کہ یارسول اللہؐ اگر آپ حکم دیں تو ہم آپ کے چچا حضرت عباسؓ کو فدیہ کے بغیر چھوڑ دیں۔ آپؐ نے فرمایا ''ایک درہم بھی ان سے نہ چھوڑو۔(۳۴)

شرکت محنت میں عدل:

براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ غزوہ خندق میں نبیؐ مٹی اٹھا کر لے جاتے رہے حتیٰ کہ آپؐ کا بطن مبارک غبار آلود ہو گیا۔(۳۵)

عدالت نبویؐ کا تاریخ ساز فیصلہ:

آپؐ نے اپنی زندگی میں جو عادلانہ فیصلے فرمائے ان کی مثال آپؐ کی سیرت مطہرہ سے ملتی ہے کہ جب قبیلہ بنی مخزوم کے خاندان کی ایک لڑکی نے چوری کی۔ قریش چونکہ حجاز کا ایک اونچا خاندان تھا انہیں فکر لاحق ہوئی اور نبیؐ کے بہت ہی قریبی ساتھی اسامہ بن زیدؓ سے سفارش کرائی تو نبیؐ نے فرمایا: ''تم سے پہلے لوگ اسی لیے ہلاک ہوئے کہ وہ سزا نچ کو دیتے تھے اور بڑی قوم کے لوگوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی وہ کام کرتی تو اسے بھی معاف نہ کرتا''۔

Marfat.com

حجر اسود رکھنے کا فیصلہ:

دور جاہلیت میں قبائل عرب کے درمیان جب حجر اسود کے سلسلہ میں تلواریں میان سے نکل آئیں اور کشت وخون کا بازار گرم ہونے کو تھا مگر آپؐ کے انصاف اور عدل پر مبنی فیصلے نے قوم کو ایک بڑے فتنہ سے بچا لیا۔(۳۶)

سرداران قریش کا مطالبہ رد

عرب کے چند سردار نبیؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے ہم آپ کے پاس کیسے آ کر بیٹھیں کہ آپ کے پاس غریب اور مخلص لوگ بیٹھتے ہیں۔ ان کو اپنے پاس سے الگ کریں تا کہ ہم آ سکیں۔ مگر نبیؐ جو رنگ ونسل اور خاک وخون کے بتوں کو توڑنے آئے تھے۔ انہوں نے ان مخلص لوگوں کو دھتکارنے سے انکار کر دیا۔(۳۷)

غزوہ تبوک

غزوہ تبوک کے دوران بھوک سے تنگ آ کر چند سپاہیوں نے ریوڑ کی ایک بکری ذبح کر لی۔ نبیؐ کو پتہ چلا تو آپ نے پکی ہوئی ہانڈیاں اپنی کمان سے الٹ دیں اسے حرام ٹھہرایا اور بکری کی قیمت ادا کر دی جو عدل وانصاف کی عمدہ مثال ہے۔(۳۸)

عقبہ بن عامرؓ کے ساتھ سفر

ایک بار نبیؐ سفر میں تھے۔ عقبہ بن عامرؓ آپ کے ہمراہ تھے لیکن اونٹ ایک تھا کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد نبیؐ نے حضرت عامرؓ کو اونٹ پر سوار ہونے کا حکم دیا اور خود نیچے اتر آئے۔ حضرت عقبہؓ ہچکچائے اور اس بات کو بے ادبی خیال کیا۔ مگر نبیؐ نے اصرار کیا اور عقبہؓ کو حکم کی تعمیل کرنا پڑی یہ تھی آقا وغلام اور اعلیٰ وادنیٰ کی تفریق ختم کر دینے اور عدل وانصاف کی مثال۔

دشمن کا اعتراف:

ربیع بن خثیم سے روایت ہے کہ بعثت سے قبل بھی لوگ مقدمات نبیؐ کے حضور میں فیصلہ کے لیے لایا کرتے تھے۔(۳۹)

عدل کی تلقین

ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے اپنے ایک بیٹے کو ہبہ کیا اور نبیؐ کی خدمت میں جا کر چاہا کہ اس معاملہ پر آپؐ کی گواہی بھی ہو جائے۔ آپؐ نے پوچھا کیا دیگر بچوں کو بھی ایک غلام دیا ہے۔ عرض کیا نہیں تو فرمایا ''میں ظلم کا شاہد نہ بنوں گا اسے واپس کر دو(۴۰)۔

بدلہ لینا

نبیؐ جنگ بدر کے لیے صف آرائی فرما رہے تھے۔ حضرت سواد بن عزیہؓ صف سے آگے نکلے ہوئے تھے۔ آپؐ نے ایک تیر کی لکڑی سے ان کے پیٹ کو ٹھوکا دیا اور فرمایا ''استو سواد (اے سواد، برابر ہو جاؤ) اس پر سواد نے حضورؐ سے قصاص طلب کیا آپ نے فوراً اپنا شکم مبارک ننگا کر دیا اور فرمایا قصاص لے لو۔(۴۱)

کنویں سے زم زم نہ نکالنا

نبیؐ نے زم زم کے کنویں میں خود ڈول ڈال کر پانی نہ نکالا صرف اس لیے کہ قریش (ہاشمی) اس کو اپنا حق نہ سمجھ لیں اور اس طرح دوسروں کی حق تلفی نہ ہو۔(۴۲)

Marfat.com

کھجوروں کا ادھار

ایک دفعہ نبیؐ نے ایک شخص سے کھجوریں ادھار لیں کچھ مدت بعد اس نے تقاضا کیا۔ نبیؐ نے ایک انصاری صحابی سے اس شخص کو کھجوریں دینے کا فرمایا۔ کھجوریں دی گئیں۔ مگر لینے والے نے انکار کر دیا کہ میری کھجوریں بہتر تھیں۔ صحابی نے کہا کہ تم حضورؐ کی کھجوریں لینے سے انکار کرتے ہو وہ بولا کہ اگر نبیؐ عدل نہ کریں گے تو کون عدل کرے گا۔ نبیؐ نے یہ جملے سنے تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا بالکل سچ ہے۔(۴۳)

یہود سے تعرض نہ کرنا

خیبر کے یہودیوں سے جب صلح ہوگئی اور وہاں کی زمین مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی۔ تو ایک موقع پر عبداللہ بن سہلؓ کھجوروں کی بٹائی کے لیے گئے تو انہیں قتل کر دیا گیا۔ ان کے چچازاد بھائی نے نبیؐ کے پاس استغاثہ کیا۔ نبیؐ نے گواہی طلب کی مگر عینی شہادت نہ ہونے کی وجہ سے یہود سے تعرض نہ کیا اور بیت المال سے دیت ادا کر دی۔(۴۴)

یہودی کے حق میں فیصلہ

ایک یہودی اور ایک منافق مسلمان آپس میں جھگڑ پڑے۔ دونوں نبیؐ کے پاس آئے نبیؐ نے دونوں کے دلائل سنکر یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔(۴۵) عدل ہی کا یہ تقاضا تھا کہ نبیؐ کے سچے پیروکار عمر فاروقؓ کو ایک معمولی شخص بھی بھری محفل میں اٹھ کر ان کو خدا سے ڈرائے اور خلیفہ وقت اس کے سامنے بے بس نظر آئے اسی جلیل القدر خلیفہ کو چشم فلک نے دیکھا کہ جب آپ کی سواری بیت المقدس میں داخل ہو رہی تھی تو سواری کی باگ ان کے ہاتھ میں تھی اور سوار ان کا غلام تھا جس کی سواری کی باری اس مقام پر آ گئی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ ابتدائی خطبہ میں فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک کمزور طاقتور ہے جب تک میں اسے اس کا حق نہ دلوا دوں اور ہر طاقتور کمزور ہے جب تک اس سے دوسروں کا حق نہ چھین لوں۔ امیر المؤمنین عمر فاروقؓ کا فرمان تھا کہ اگر بکری کا بچہ بھی دریائے فرات پر مر گیا تو میں ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے باز پرس کرے گا۔

عدل فاروقی

حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ سعد بن ابی وقاصؓ نے اپنے عہد گورنری میں اپنے لیے ایک محل بنوایا ہے جس کی وجہ سے عوام کو ان تک پہنچنے میں دقت ہوتی ہے تو آپ نے فوراً محل جلوا دیا۔(۴۵)

اسلامی نظام عدل کی خصوصیات

اسلام کی سربلندی اور عظمت کی سب سے بڑی وجہ اسلام کا نظام عدل ہے۔ جو حقیقی انصاف پر مبنی ہے۔ ہر شہری کے لیے آسان اور سستا ہے جس سے وہ بغیر کسی پریشانی کے اپنے حقوق کا تحفظ کر سکتا ہے۔ اس نظام عدل کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں۔

عدلیہ کا اسلامی دستور

یہ دستور مسلمانوں کے پاس اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ جامع اور مفصل و محفوظ قانون قرآن حکیم اور سنت نبویؐ کی شکل میں

Marfat.com

موجود ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے لیے مکمل رہنمائی کرتا ہے جبکہ فقہی مسائل میں اجماع قیاس اور اجتہاد کو بھی دین میں دلیل شرعی اور حجت ہونے کی بناء پر سند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

قانونی حکومت

اسلام کا قانون عدل انسانوں کا مرتب کردہ نہیں بلکہ رب العالمین کا دیا ہوا قانون ہے۔ جس میں کوئی افراط وتفریط نہیں۔ فقیر اور بادشاہ کے لیے ایک ہی قانون ہے۔ حاکم اور محکوم میں سے کوئی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں گویا صحیح معنوں میں Rule of Law ہے۔

طریق کار عادلانہ

اسلامی نظام عدل مکمل طور پر انتظامیہ سے آزاد ہوتا ہے۔ اسلام انسان کے اندر ایسا ایمان اور خوف خدا پیدا کرنا چاہتا ہے کہ مدعی اور مدعا علیہ، قاضی اور گواہ سب خود کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ سمجھیں اور یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اگر یہاں چرب زبانی اور دروغ گوئی سے کوئی غلط بات منوا بھی لیں تو آخرت میں محاسبہ سے بچ نہ سکیں گے۔

سستا اور آسان انصاف

حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب نبیؐ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ہمراہ یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو دونوں کو وصیت فرمائی کہ ”نرمی برتنا دشواری پیدا نہ کرنا، خوشخبری سنانا، نفرت انگیزی نہ کرنا اور باہم متحد رہنا آپس میں اختلاف نہ کرنا“ اس لیے یہ بات ہرگز جائز نہیں کہ عوام کے لیے انصاف کے حصول کو مشکل بنا دیا جائے اور ایسے قواعد وضوابط بنا دیے جائیں کہ عام آدمی انصاف تک نہ پہنچ سکے۔(۴۶)

عدل کی فضیلت ورظلم کی مذمت

جہاں اسلام نے عدل کا بول بالا کیا وہاں ظلم کو بڑا گناہ قرار دیا۔ زبان نبوت سے بھی عدل و انصاف کی فضیلت اور ظلم و جور کی مذمت کی گئی ہے جیسے کہ آپؐ کا ارشاد ہے ”کہ جس نے مسلمانوں کے لیے منصف بننے کی خواہش کی اور اسے یہ منصب مل گیا۔ اس کے بعد اس کے انصاف نے ظلم و زیادتی کو مغلوب کر ڈالا تو بلاشبہ اس کے لیے جنت ہے اور اگر اس کے الٹ ہوا تو پھر اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔(۴۶)

دعا رد نہیں ہوتی

نبیؐ نے فرمایا تین اشخاص کی دعائیں رد نہیں کی جاتیں روزہ دار کی افطار کے وقت، امام عادل کی، اور مظلوم کی دعا۔(۴۷)

صلح کو ترجیح

اسلامی عدالت جھگڑوں کو باقی رکھنے اور مقدمہ بازی کو طول دینے کے بجائے صلح کو ترجیح دیتی ہے۔ اس طرح بہت سے مقدمات راضی نامہ پر منتج ہو کر انجام کے اعتبار سے دیرپا ہوتے ہیں۔

گواہی اسلام کے قانون شہادت کے مطابق ہو

اسلامی عدالت کے نزدیک گواہ کا عادل ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ حاکم کا منصف ہونا۔ عادلانہ فیصلے تک پہنچنے

Marfat.com

کے لیے سچی گواہی ضروری ہے۔ گواہی کو اللہ تعالیٰ کی امانت قرار دیا گیا ہے۔ لہذا اسے چھپانا نہیں چاہیے۔ البتہ جس واقعہ کی گواہی دی جائے وہ سچا اور سورج کی مانند دیکھا ہو۔

اپیل کا حق

اسلام کا مقصد چونکہ ہر فرد کو انصاف فراہم کرنا ہے اس لیے اگر کسی فرد کو ابتدائی عدالت کے فیصلے سے اتفاق نہ ہو تو وہ براہ راست اسلامی مملکت کے بڑے قاضی کے پاس جانے کا حق رکھتا ہے۔

منصف یا قاضی کے اوصاف

اسلام میں عدل و انصاف کی اہمیت کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ منصب قضا پر ایسے افراد کو فائز کیا جائے جو ہر لحاظ سے اس کے اہل ہوں۔ تقرری سے قبل ان کے عیوب و محاسن اور قابلیت کو جانچ لیا جائے۔ کیونکہ اتنی بڑی ذمہ داری ہر کس و ناکس کو نہیں دی جاسکتی۔ عہد قضا قبول کرنا آسان ہے مگر اس کی نازک ذمہ داریاں اور فرائض ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ قرون اولیٰ میں جید، متقی اور نیکوکار لوگ بھی اسے قبول کرنے سے ہچکچاتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں وزارتِ عدل کا قلمدان حضرت عمرؓ کے پاس تھا حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ ذمہ داری سونپی (۴۸) دور عباسیہ میں قاضی ابو یوسفؒ اور مامون الرشید کے زمانے میں یحییٰ بن اکثم قاضی القضاۃ تھے۔

قاضی کا مسلمان ہونا

اللہ کا ارشاد ہے۔ ﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾ یعنی اللہ نے مسلمانوں پر کافروں کو کوئی اختیار نہیں دیا۔ چونکہ شریعت کا اصل مقصد اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے کرنا ہے۔ اس لیے کوئی غیر مسلم اس عہدہ کا اہل نہیں۔

عفت:

قاضی ہر لحاظ سے عفیف ہو۔ پاک دامن ہو، اس پر کسی قسم کی بددیانتی کا شبہ نہ ہو۔

عقل وفہم

بہترین عقل وفہم کا مالک ہو۔ مشکل معاملات کو سلجھانے کی اہلیت رکھتا ہو اور غور وفکر سے کام لیتا ہو۔ (۴۹)

عادل ہونا

قاضی و جج کے لیے عدل کی صفت ضروری ہے۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اگر کسی غیر معیاری کا تقرر کر دیا جائے تو اس کے تمام فیصلے کالعدم ہوں گے۔

جج مرد ہو بالغ ہو

نابالغ پر کوئی حکم واجب نہیں ہے۔ سوائے ابو حنیفہؒ کے تینوں امام کہتے ہیں کہ عورت منصب قضاء کی اہل نہیں ہے۔ ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ عورت حدود کے علاوہ تمام دوسرے معاملات میں قاضی بن سکتی ہے۔ دراصل عورت کی فطرت نفسیات اور اس کی شخصیت کے بعض پہلوؤں کی وجہ سے عورت کو بعض مشکل امور سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً سربراہ مملکت ہونا، جج ہونا، افواج کا کمانڈر انچیف اور عدالتوں میں گواہی دینا یہ تمام مشکل امور ہیں اور اسلام صنف نازک ہونے کے حوالے سے ان کو

Marfat.com

عورت کے سپرد کرنے کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔

جج مجتہد ہو

امام احمد حنبلؒ کی رائے ہے کہ جج اسے بنایا جائے جو مجتہد ہو قرآن و سنت اور اقوال صحابہؓ اور فقہاء کی آراء کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرسکتا ہو عربی زبان کا علم رکھتا ہو۔(۵۰) امام شافعیؒ بھی یہی رائے رکھتے ہیں کہ کسی غیر مجتہد کو قاضی (۵۱) نہ بنایا جائے۔

عہدہ کا طالب نہ ہو

جس شخص کو عہدہ قضا پر فائز کیا جائے۔ وہ ذاتی طور پر ہرگز اس کا طالب نہ ہو۔ نبیؐ عہدہ کے خواہشمند کو عہدہ سپرد کرنے سے اجتناب کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا ''خدا کی قسم میں کسی ایسے شخص کو اس کام کا ذمہ دار نہ بناؤں گا۔ جو مجھ سے اس کا سوال کرے گا۔(۵۲)

صاحب عناد نہ ہو

قاضی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ صاف دل اور مخلص ہو اور فیصلہ کے وقت اس کے دل میں کسی بھی فرد کے خلاف کوئی عناد یا بغض نہ ہو بلکہ کھلے ذہن کے ساتھ بات کی تہہ تک پہنچ کر بلاتفریق فیصلہ کرے۔

غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ دے

جج کو غصہ کی حالت میں فیصلہ نہیں لکھنا چاہیے کیونکہ جب طبیعت میں ٹھہراؤ نہ ہو اور ایک ہیجان کی سی کیفیت ہو تو صحیح فیصلہ پر پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا حاکم غصے کی حالت میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ دے۔(۵۳)

اختتامیہ

رسول اکرمؐ اور خلفائے راشدین کے دور میں نظام عدل پوری آب و تاب کے ساتھ قائم رہا۔ اس زمانہ میں مملکت کا پورا نظم ونسق قرآن و سنت نبویؐ کا آئینہ تھا۔ بدقسمتی سے برصغیر ہندو پاک میں انگریزی دور حکومت میں اسلامی قوانین اصلی شکل میں نہ رہے موجودہ پیچیدہ عدالتی نظام انگریزوں کا ورثہ ہے۔ اسلام کا نظام عدل اپنی نمایاں اور امتیازی خصوصیات کی بناء پر اپنی جگہ یقیناً بیمثال ہے یہ کسی خاص قوم، طبقے یا شخصیت کے لیے خاص رعایت کا متحمل نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ نظام ہے جو جامع اور مفصل قرآن و سنت نبویؐ کی شکل میں موجود اور محفوظ ہے۔ اسلام میں عدلیہ آزاد ہے حاکم وقت بھی طلبی پر عدالت میں حاضر ہوتا ہے اور قاضی وقت کے فیصلے کو رد نہیں کرسکتا۔ اگر دنیا والے اس کو صحیح معنوں میں اپنا لیں۔ تو اس سے مستفید ہو کہ دونوں جہاں کی کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

اب بھی موقع ہے محمدؐ کی غلامی کرلو
کیا خبر زیست کہاں بے سرو سامان ہو جائے

Marfat.com

حوالہ جات

۱-مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۵۰۔ ۲- انسائیکلو پیڈیا آف اسلام بذیل کاہن۔ ۳- D.Hood phillins, Contiuunal administration law pp 548-560 ۴- امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) تقی الدین ابو العباس احمد الحسبہ فی الاسلام ص ۵۔ ۵- الشاطبی (م ۷۹۰ھ) ابو اسحاق ابراہیم الموافقات فی اصول شریعہ ج ۲ ص ۱۷۷۔ ۶- سورۃ الانعام ۸:۱۱۵۔ ۷- سورۃ القمر ۲۷:۴۹۔ ۸- سورۃ النحل ۱۴:۹۰۔ ۹- سورۃ الانعام ۸:۱۵۲۔ ۱۰- سورۃ الانعام ۸:۱۵۲۔ ۱۱- سورۃ ہود ۱۲:۸۴۔ ۱۲- سورۃ النساء ۵:۵۸۔ ۱۳- سورۃ الرحمٰن: ۹-۸:۲۷۔ ۱۴- سورۃ النساء ۴:۳۔ ۱۵- سورۃ الحجرات ۲۶:۹۔ ۱۶- سید قطب سہید، امن عالم اور اسلام ص ۱۶۱۔ ۱۹۷۴ء لاہور۔ ۱۷- سورۃ الشوریٰ ۴۰: ۲۵۔ ۱۸- سورۃ الشوریٰ ۲۵:۴۰۔ ۱۹- تفہیم القرآن ج ۲، ص ۵۶۵۔ ۲۰- سورہ بنی اسرائیل ۱۵:۳۵۔ ۲۱- سورہ الرحمٰن ۲۷:۹۔ ۲۲- سورہ ص ۲۳:۲۶۔ ۲۳- سورہ الحدید ۲۷:۲۵۔ ۲۴- صحیح مسلم کتاب الاقضیہ حدیث ۹۶۸۔ ۲۵- صحیح مسلم کتاب الاقضیہ حدیث ۱۹۸۲۔ ۲۶- بلوغ المرام حصہ دوم ترجمہ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری حدیث ۱۱۹۶۔ ۲۷- بلوغ المرام حصہ دوم حدیث ۱۲۱۲ بحوالہ صحیح مسلم۔ ۲۸- مشکوٰۃ الصابیح باب الحدود۔ ۲۹- جامع ترمذی، ابو داؤد (منہاج سیا) ۳۰- ابن حجر عسقلانی ص ۲۰۶۔ ۳۱- صحیح بخاری۔ ۳۲- مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ صحیح بخاری۔ ۳۳- صحیح بخاری، مدارج النبوۃ ص ۳۱۔ ۳۴- صحیح بخاری باب فضل الجہاد۔ ۳۵- صحیح بخاری کتاب المغازی۔ ۳۶- رحمت عالمؐ علامہ سید سلیمان ندوی ص ۲۲۔ ۳۷- بحوالہ سورہ انعام آیت ۵۲ مفسر ابن کثیر۔ ۳۸- الرحیق المختوم۔ ۳۹- شفاء: ص ۱۵۔ ۴۰- صحیح مسلم کتاب الہبات۔ ۴۱- سیرت ابن ہشام۔ ۴۲- تجلیات نبوت، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ۔ ۴۳- سیرت الرسول الشیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہابؒ۔ ۴۴- صحیح بخاری و سنن نسائی۔ ۴۵- ابن تیمیہ، الحسبہ فی الاسلام ص ۵۹۔ ۴۶- کتاب الترغیب و الترہیب ابن حجر کتاب القصاص ص ۲۰۶۔ ۴۷- ایضاً۔ ص ۱۹۵۔ ۴۸- بیہقی جلد ۱۰ ص ۶۵۔ ۴۹- مشکوٰۃ المصابیح باب العمل فی القصاص ص ۳۲۴۔ ۵۰- المغنی، ابن قدامہ جلد ۹ ص ۴۴-۴۱۔ ۵۱- بدائع الصنائع، الکاسانی، ج ۷، ص ۳۔ ۵۲- مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الامارہ ص ۳۲۰۔ ۵۳- صحیح بخاری عن ابوھریرۃؓ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر شہزاد چنا - کراچی

جن اخلاقی اور معاشرتی امور پر اسلام نے سب سے زیادہ زور دیا ہے ان میں سے ایک عدل بھی ہے۔ اس عدل وانصاف پر دنیا کا نظام قائم ہے جس قوم اور جس معاشرے میں عدل وانصاف نہ ہو وہ رحمت خداوندی سے محروم رہے گا اور دنیا میں بھی ذلت ورسوائی اس کا مقدر ہے۔ قرآن پاک کتاب ونبوت کا مقصد ہی یہ بتاتا ہے کہ لوگوں کے درمیان میزان قائم ہو اور میزان سے مراد عدل وانصاف ہی کے قوانین ہیں۔ عدل سب سے پہلے خوداللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں سے ایک عادل (عدل والا)، بھی ہے گویا بندوں میں جو عدل کی صفت پائی جاتی ہے وہ عدل خداوندی ہی کا پرتو ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عدل کسی بھی معاشرہ میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے، عدل انفرادی ہو یا اجتماعی، جو معاشرہ اس سے صرف نظر کرتا ہے اس کی شکست وریخت نوشتہ دیوار بن جاتی ہے۔

معنی ومفہوم:

عدل کی لفظی معنی ہیں کسی چیز کو دوبرابر حصوں میں بانٹنا۔ مراد یہ ہے کہ جو بات ہم کہیں یا جو کام کریں اس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے اور وہی بات کہی جائے اور وہی کام کیا جائے جو سچائی کی کسوٹی پر پورا اترے۔ پس اسلامی اخلاق کی رو سے عدل وانصاف کا معنی ہے ہر شخص کے ساتھ بلا رورعایت وہ معاملہ کرنا جس کا وہ دراصل حق دار ہے۔ کیوں کہ عدل کے معنی ہیں کسی چیز کو اس کے صحیح موقع محل میں رکھنا۔ اس کی ضد ظلم کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو غلط جگہ پر رکھنا جو اس کے لیے مناسب نہ ہو۔

علاوہ ازیں سیرۃ النبی ﷺ کے مصنف لکھتے ہیں: ''کسی بوجھ کو دوبرابر حصوں میں اس طرح بانٹ دیا جائے کہ ان دو میں سے کسی میں ذرابرابر بھی کمی یا بیشی نہ ہو تو اس کو عربی میں ''عدل'' کہتے ہیں۔ اور اس سے وہ معنی پیدا ہوتے ہیں جن میں ہم اس لفظ کو اپنی زبان میں بولتے ہیں، یعنی جو بات ہم کہیں یا کام کریں اس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے اور وہی بات کہی اور وہی کام کیا جائے جو سچائی کی کسوٹی پر پورا اترے۔(۱)

جب کہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق: ''جدید تر مسلم ادبوں میں عدل کی اصطلاح میں مزید توسیع ہوئی ہے اور معاشی ومعاشرتی انصاف کا مفہوم بھی اس میں شامل ہوگیا ہے، لہذا یہ کسی فرد واحد کی کیفیت عدالت تک محدود نہیں بلکہ اجتماعی حالت انصاف بھی اس میں شامل ہوگئی ہے۔''(۲)

عدل دراصل سچائی اور راست بازی ہی کی ایک شکل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ بلا رورعایت وہ معاملہ کیا جائے اور اس کے بارے میں خدالگتی بات کہی جائے جس کا وہ مستحق ہے۔

Marfat.com

عدل کا ہمہ گیر اجتماعی تصور:

اسلامی تعلیمات میں ہمیں ''عدل'' کے ساتھ ساتھ ''احسان'' کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔قرآن مجید میں عدل کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد گرامی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (۳)

''اللہ عدل واحسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔''

درج بالا آیت کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں عدل کا ہمہ گیر اجتماعی تصور دیا ہے،جس میں انسانی معاشرے کی فلاح وبہبود اور مساویانہ حقوق کی تشریح ملتی ہے۔مفتی نامور مفسر قرآن مفتی محمد شفیع اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ آیت قرآن کریم کی جامع ترین آیت ہے، جس میں پوری اسلامی تعلیمات کو چند الفاظ میں سمو دیا گیا ہے، اس لیے سلف صالحین کے عہد مبارک سے آج تک دستور چلا آرہا ہے کہ جمعہ وعیدین کے خطبوں کے آخر میں یہ آیت تلاوت کی جاتی ہے''۔ آپ مزید لکھتے ہیں کہ: ''عدل اپنے نفس اور تمام مخلوقات کے درمیان ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معاملہ کرے، اور کسی ادنیٰ اعلیٰ معاملہ میں کسی سے خیانت نہ کرے، سب لوگوں کے لیے اپنے نفس سے انصاف کا مطالبہ کرے، کسی انسان کو اس کے کسی قول وفعل سے ظاہراً یا باطناً کوئی ایذا رسانی اور تکلیف نہ پہونچے۔'' (۴)

چنانچہ نامور سیرت نگار علامہ شبلی نعمانی وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

''عدل اور 'احسان' کے صحیح مفہوم کے سمجھنے کے لیے تھوڑی تفصیل کی ضرورت ہے۔ قانون کی بنیاد درحقیقت ''عدل'' پر ہے۔ عدل کے معنی ''برابر'' کے ہیں، جو شخص کسی کے ساتھ برائی کرے اس کے ساتھ اتنی ہی برائی کی جائے، یہ عدل ہے اور اس کو چھوڑ دینا اور معاف کر دینا اور درگزر کرنا یہ احسان ہے۔ اسلام میں ان دونوں کے الگ الگ مراتب ہیں، قانون عدل کو جماعت اور سلطنت کے ہاتھ میں اللہ نے دیا ہے یہ کسی ایک شخص کا کام نہیں ہے، اور احسان ہر شخص کے ہاتھ میں ہے اور یہ محض شخصی معاملہ ہے، قانون عدل ہی پر جماعت اور حکومت کا نظام قائم ہے، اگر اس کو مٹا دیا جائے تو جماعت اور حکومت کا شیرازہ بکھر جائے، اور کسی کی جان ومال وآبرو سلامت نہ رہے۔'' (۵)

جب کہ نامور مفسر سید ابوالاعلیٰ مودودی اسی حوالے معاشرے کی اصلاح اور فلاح کی بنیاد ''عدل'' پر رکھتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں:

''اس مختصر فقرے میں جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے جس پر پورے انسانی معاشرے کی درستی کا انحصار ہے۔ جن میں پہلی چیز عدل ہے، جس کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم

Marfat.com

ہو۔ دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔ اردو زبان میں اس مفہوم کو "انصاف" سے ادا کیا جاتا ہے۔ مگر یہ لفظ غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے۔ اس سے خواہ مخواہ یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان حقوق کی تقسیم نصف نصف کی بنیاد پر ہو۔ اور پھر اسی سے عدل کے معنی مساویانہ تقسیم حقوق کے سمجھ لیے گیے ہیں جو سراسر فطرت کے خلاف ہے۔ دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ برابری۔ بعض حیثیتوں سے مساوات بالکل خلاف عدل ہے، مثلاً والدین اولاد کے درمیان معاشرتی واخلاقی مساوات اور اعلیٰ درجے کی خدمات انجام دینے والوں اور کم تر درجے کی خدمت ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ حقوق میں مساوات نہیں بلکہ توازن وتناسب ہے،اور اس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی اور سیاسی وتمدنی حقوق پوری ایمان داری کے ساتھ ادا کیے جائیں۔" (٦)

عالم اسلام کے نامور داعی سید قطب نے عدل اجتماعی کے ہمہ گیر تصور کی خصوصیت ان لفظوں میں بیان کی ہے:

> "اجتماعی عدل کے اسلامی تصور کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محدود معنی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیراور جامع انسانی عدل ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے میں داخل ہیں۔ وہ فکر اور عمل، ضمیر اور وجدان سب پر چھایا ہوا ہے۔ اس کا انحصار معاشی قدروں پر نہیں۔ وہ وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے ساری مادی قدروں تک محدود نہیں۔ وہ مادی، معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوش گوار امتزاج کا نام ہے۔"(٧)

قیام عدل کے لیے رسولوں کا مبعوث ہونا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾(٨)

(ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ انسان، انصاف پر قائم ہو)۔

درج بالا آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ انسانی معاشرہ کی کامیابی وکامرانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اور پیغمبر مبعوث فرمائے، جن کی تعلیمات سے عدل کے قیام کے ساتھ ساتھ انصاف پر مبنی معاشرہ وجود میں آیا۔ صاحب تفہیم القرآن اس آیت کی بڑی جامع تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "حقیقت یہ ہے کہ عدل ہی اسلام کا مقصود ہے اور اسلام آیا ہی اس لیے ہے کہ عدل قائم کرے۔ اگر ایک مسلمان غافل نہ ہوتو وہ کبھی عدالت اجتماعیہ کی تلاش میں اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کر کسی دوسرے ماخذ کی طرف توجہ کرنے کی غلطی نہیں کرسکتا۔ جس لمحے اسے عدل کی ضرورت کا احساس ہوگا اسی لمحے اسے معلوم ہوجائے گا کہ عدل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی کے پاس نہ ہے، اور نہ ہوسکتا ہے اور وہ بھی جان لے گا کہ عدل قائم کرنے کے لیے اس کے سوا کچھ کرنا نہیں ہے کہ اسلام،

Marfat.com

پورا کا پورا اسلام، بلاکم وکاست اسلام، قائم کردیا جائے، اسلام الگ کسی چیز کا نام نہیں ہے۔ اسلام خود عدل ہے۔ اس کا قائم ہونا اور عدل کا قائم ہوجانا ایک ہی چیز ہے۔"(۹)

عدل اجتماعی کا قیام:

نبی کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ اور آپ ﷺ کے خلفائے راشدین کی طرز حکومت پر نگاہ ڈالیں گے تو بے لاگ عدل ہی ان حکومتوں کا بنیادی رکن نظر آتا ہے۔ عدل جو اپنے بیگانہ، مسلم وغیر مسلم، عربی یا عجمی، امیر اور غریب سب کے لیے یکساں اور بلا امتیاز تھا۔ اس کا واضح مثال ہمیں نبی کریم ﷺ کے اسوۂ مبارک میں ملتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کا ارشاد مروی ہے:

ان اسامة حكم النبی عن امراة فقال: انما هلك من كان قبلكم انهم كانوا يقيمون الحد على الوضيع ويتركون الشريف والذی نفسی بيده لو فاطمه (بنت محمد رسول الله) فعلت ذلك لقطعت يدها. (۱۰)

"اسامہ نے نبی کریم ﷺ سے ایک عورت کے بارے میں سفارش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو پہلی امتیں گزری ہیں وہ اس لیے تباہ ہوئیں کہ وہ کم درجے کے لوگوں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے۔ اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر فاطمہ (بنت محمد) بھی ایسا کرتیں تو میں اس کا ہاتھ ضرور کاٹتا۔"

اس حدیث سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ بنیادی طور پر اسلامی ریاست ہی اجتماعی عدل کے قیام کی بہترین صورت ہے۔ مسلمان معاشرے اس لیے فساد کا شکار ہوگئے کہ ان کی ریاستیں عدل اجتماعی کے قیام کو نظرانداز کررہی ہیں۔ اسلامی ریاست میں قانون کی حکمرانی نہ ہو تو اسلامی ریاست کہلانے کی مستحق نہیں ہے اور ریاستی نقطہ نظر سے ریاست کا سب سے اہم فرض یہی ہے کہ وہ اجتماعی عدل قائم کرے۔

اگرچہ تعلیمات نبوی ﷺ میں ہمیں عدل اجتماعی کے مختلف پہلوؤں کا درس ملتا ہے، جس سے معاشرے کی بھلائی اور انسانوں کی حقیقی کامیابی نمایاں نظر آتی ہے، مگر ہم ذیل میں چند اہم پہلوؤں کی نشاندہی کی کوشش کریں گے۔

معاشرتی عدل:

عدل اجتماعی کے ضمن میں سب سے پہلا مقام معاشرتی عدل کا ہے۔ مساوات اور احترام آدمیت اسلامی معاشرے کا وہ امتیاز ہے جس کی نظیر ساتویں نبوی دور سے لے کر بیسویں صدی تک کی تاریخ میں کوئی اور مذہب یا تمدن پیش نہیں کرسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع میں انسانی حقوق کا چارٹر عطا کیا گیا اس میں فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ کو قرار دیا گیا اور فرمایا گیا:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾(۱۱)

(اللہ کے نزدیک تم میں عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے)۔

یہی وجہ ہے کہ مساوات محمدی ﷺ کے داعی اسلامی معاشرہ و ریاست کو ذات پات، قبیلہ کے لاحقوں اور تفاخر (حتی

Marfat.com

کہ) گاڑیوں پر بھی عہدے ومنصب کی نمائش کی قطعی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے۔ کیوں کہ انہیں پہچان کے لیے نہیں تفاخر کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔ اس محمدی ﷺ چارٹر (خطبۃ حجۃ الوداع) کی پیروی میں ہر طبقہ کے قائدین کا اسلامی فریضہ ہے کہ وہ زبان، علاقائیت اور فرقہ واریت جیسے تمام تعصبات کے خلاف جہاد کے لیے کمربستہ ہوجائیں۔ اجتماعی عدل کا بنیادی تقاضا ہے کہ کسب معاش، تعلیم، علاج، حصول انصاف وغیرہ کے مواقع ریاست کی طرف سے ہر شہری کو یکساں طور پر مہیا کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ یہی تعلیمات نبوی ﷺ کا پہلا اور بنیادی نکتہ ہے۔

معاشی عدل:

معاشی عدل اجتماعی عدل کا سب سے اہم اور بنیادی حصہ ہے۔ معاشی ناہمواریوں کا سدباب اور معاشرے کے ہرفرد کے بنیادی انسانی ضروریات کی فراہمی اسلامی حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ معاشی ناانصافی طرح طرح کی عصبیتوں کو جنم دیتی ہے، اخلاقی بے راہ روی پیدا کرتی اور امن عامہ کے لیے خطرات اور فساد کے راستے کھولتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہر شہری کو صلاحیت واستعداد کے مطابق یکساں روزگار کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ ارتکاز دولت کے سدباب کے لیے زکوٰۃ وعشراور عدل وانصاف پر مبنی ٹیکسوں کا موثر نظام رائج کیا جائے۔ اس ضمن میں کسی طبقے (تاجر، صنعت کار، زراعت پیشہ یا ملازمت پیشہ) یا کسی فرقے کے ساتھ کوئی امتیاز یا استثنا نہ برتا جائے۔ قرآن مجید میں اس سلسلے میں واضح ارشاد ملتا ہے:

﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ. اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ﴾(۱۲)

(اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو، اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے)۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہوا:

﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ. اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۱۳)

(اور اگر تو فیصلہ کرے تو ان کے درمیان انصاف سے کر۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)۔

اس موقع پر ہم خلیفہ ثانی سیدنا عمرفاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت میں سے ایک اقتباس پیش کریں گے، جس میں ہمیں عدل اجتماعی کا ایک بے نظیر واقعہ سامنے آتا ہے:

> ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرتبہ کہیں سے مال آیا۔ آپ وہ مال لوگوں کے درمیان تقسیم کررہے تھے۔ لوگوں نے آپ کے گرد ہجوم کی صورت اختیار کرلی۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص لوگوں کو ادھر ادھر دھکیلتے ہوئے حضرت عمرؓ تک جا پہنچے۔ حضرت عمر رضہ نے اپنا درہ لہرایا اور حضرت سعدؓ کو ڈانٹتے ہوئے کہا ''تم لوگوں کو پیچھے ہٹا کر خود آگے بڑھ آئے ہو۔ زمین پر سلطان اللہ (خلافت) کے آداب کا پاس بھی تم نے نہیں رکھا۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں سبق سکھاؤں اور بتلاؤں کہ سلطان اللہ تم سے مرعوب نہیں ہوسکتا۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ آپ کا مقام ومرتبہ اسلامی معاشرہ میں مسلم تھا۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ ان سے محبت کرتے تھے اور ان کی قدر افزائی بھی فرماتے تھے مگر آپ مربی تھے۔ آپ نے محسوس کیا کہ اپنی قدرومنزلت کی وجہ سے حضرت سعدؓ نے دوسروں کو پیچھے دھکیل کر ان کے حقوق پر دست درازی کی ہے۔ اس طرح تو شرفا کمزوروں کی حق تلفی کرنے لگیں گے اور ضعفا مایوسی کا شکار ہوجائیں گے۔ راعی اور رعیت کے درمیان تعلق اسی صورت میں مستقیم رہ سکتا ہے جب کہ سارے لوگوں کو ایک ہی نظر سے دیکھا جائے۔"(۱۴)

حقیقت یہ ہے کہ ایک مثالی معاشرے کی روح عدل ومساوات ہوتے ہیں۔ نوع انسانی کی پوری تاریخ میں کوئی فرمانروا اپنے مذہبوں اور دوسروں سے فاروق اعظم کی سی رواداری، انسانیت نوازی، عدل اور مساوات کا ثبوت نہیں دے سکا۔ علاوہ ازیں عہدفاروقی کے انتظامی ڈھانچے کی اصل روح رعایا کے ساتھ عدل ومساوات برتتے اس کی فلاح وبہبود کے لیے ہرممکن کوشش کرنے اور شرف انسانی کو بحال کرنے پر مضمر تھی۔

عدالتی عدل:

عدل اجتماعی کے حوالے سے عدالتی عدل کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ عدالتی عدل کے ضمن میں قرآن مجید کا یہ فرمان ہمارا راہ نما اصول ہونا چاہیے:

﴿وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا. اِعْدِلُوْا. هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾(۱۵)

(اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کر یہی قرین تقویٰ ہے یعنی یہی تقویٰ کا تقاضا ہے)۔

کسی قسم کا کوئی نسبی، لسانی، معاشی یا سیاسی تعلق عدل وانصاف کی راہ میں حائل نہیں ہونا چاہیے۔ ایک قریشی عورت پر چوری کی حد کے بارے میں حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کی سفارش پر حضورﷺ کا ارشاد گرامی جو ہم اوپر نقل کرچکے ہیں نفاذ عدل ومساوات کی درخشندہ مثال ہی نہیں بلکہ معاشرے کے لیے ایک عملی نمونہ ہے۔

علاوہ ازیں عدالتی نظام کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ عدالتوں کی بہت ساری درجہ بندیاں ختم کرکے عدالتی نظام کی اس طرح ازسرنو تنظیم کی جائے کہ مقدمہ بازی کا طویل اور لامتناہی سلسلہ ختم اور حتمی انصاف جلد اور سستا ملنے کا معقول اہتمام یقینی بنایا جائے، یہی اجتماعی عدل کا تقاضا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے عدالتی کاروبار کے ہرپہلومیں عدل وانصاف کا لحاظ رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تحریری دستاویز کے متعلق حکم ہے کہ:

﴿وَلْیَکْتُبْ بَّیْنَکُمْ کَاتِبٌ بِالْعَدْلِ﴾ (۱۶)

(اور (تمہارے باہمی قرارداد کو) کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھ دے)

چنانچہ شہادت یا فیصلہ کے وقت دوحالتوں میں اکثرلوگوں کا ایمان ڈگمگا جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ فریق مقدمہ اپنا قرابت دار ہو یا اس کے گواہ یا حاکم کو عداوت ہو، لیکن نبی اکرمﷺ کا اسوۃ اور تعلیمات اس حالت میں بھی عدل وانصاف سے تجاوز کرنے کو جائز نہیں رکھتی۔

Marfat.com

تعلیمی عدل:

نبی کریم ﷺ نے آج سے چودہ سوسال پہلے طلب العلم فریضة علی کل مسلم فرما کر حصول علم کو ہر مسلمان کا حق ہی نہیں بلکہ فریضہ قرار دے دیا۔مگرافسوس اور ندامت کا مقام یہ ہے کہ علم کے میدان میں امامت کا منصب تو ہم کھو بیٹھے تھے، اب خواندگی جیسے ابتدائی تعلیمی مرحلہ میں بھی ہم بہت پسماندہ ہیں اور اس کی بنیادی وجہ تعلیم کے حصول میں عدل ومساوات کا نہ ہونا ہے۔ معیاری تعلیمی سہولتیں معاشرے کے ہر فرد تک یکساں فراہم نہ ہونے کی وجہ سے ہم علم کے میدان میں دوسری قوموں سے بہت پیچھے ہیں، جب کہ سیرت طیبہ ﷺ میں تو ہمیں علم حاصل کرنے کی رہنمائی ملتی ہے۔

قرآن مجید میں بھی ہمیں علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، فرمایا گیا:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾(۱۷)

(پڑھو (اے نبی ﷺ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی، پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ جانتا تھا)۔

گوکہ علم کے حصول کے لیے قرآن مجید کے واضح احکامات کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کا اسوۂ انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ عبادات، معاملات، معیشت، معاشرت، تعلیم، تربیت، سیاست، اخلاق، انفرادی یا اجتماعی زندگی، غرض کہ ہر پہلو کے لیے رسول ﷺ کا اسوۂ حسنہ بہترین نمونہ ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ عدل اجتماعی کے ضمن میں تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر لوگوں کے لیے علم کے حصول کے لیے یکساں اور مساوی مواقع پیدا کیے جائیں۔

نبی کریم ﷺ کے عدل کی چند جھلکیاں

نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کے مظہر تھے۔کون نہیں جانتا کہ جزیرۃ العرب کی فتح کے ساتھ لوگوں کے معاملات عدل وانصاف کے ساتھ طے کرنے کی ذمہ داری آپ ﷺ پر آپڑی تھی۔ آپ ﷺ اذیت ومصائب اور تصادم کے جن مراحل سے گزرے تھے ان کا فطری تقاضا تو یہ تھا کہ آپ ﷺ منتقم ہوتے، مخالفین کو حد سے بڑھ کر سزا دیتے اور دوستوں اور دشمنوں کے درمیان پیدا ہونے والے مسائل میں ہمیشہ دوستوں کا ساتھ دیتے لیکن آپ ﷺ کے حسن اخلاق نے عدل وانصاف کی شاندار مثالیں قائم کی ہیں۔

کتب سیرت وحدیث میں آپ ﷺ کے فیصلوں اور آپ ﷺ کے معاملات کی جو تفصیلات موجود ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی عدل کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔ جہاں تک اپنی ذات کا تعلق ہے تو اس کے لیے وہ روایت کافی ہے جسے ابن ہشام نے نقل کیا ہے۔ آپ ﷺ نے مرض الموت میں عام لوگوں کے درمیان اعلان کیا کہ میرے ذمہ کسی کا قرض آتا ہو یا میں کسی کی جان ومال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان و مال وآبرو حاضر ہے۔ اسی دنیا میں وہ انتقام لے لے۔ مجمع میں سناٹا تھا۔ صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو اسے دلوائے گئے۔(۱۸)

Marfat.com

لوگوں کے درمیان عدل قائم کرنے کے لیے آپ ﷺ نے جس طرح اہتمام کیا اس کی مثالیں بھی بے شمار ہیں۔ یہاں صرف چند ایک کا ذکر کریں گے۔

''اہل طائف کو مصالحت پر آمادہ کرنے میں ایک عرب سردار صخر رضی اللہ عنہ کا خاص کارنامہ ہے کہ اس نے محاصرہ کر کے انھیں اس صلح پر تیار کیا۔ لیکن اسی صخر رضی اللہ عنہ کے خلاف دو شکایتوں پر آپ ﷺ نے اس کے خلاف فیصلہ دیا۔ مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے شکایت کی کہ اس کی پھوپھی صخر رضی اللہ عنہ کے قبضے میں ہے، آپ ﷺ نے اسے نہ صرف چھوڑنے کا حکم دیا بلکہ فرمایا کہ اسے گھر پہنچا آؤ۔ اس کے بعد بنو سلیم نے کہا کہ جس زمانے میں ہم کافر تھے صخر رضی اللہ عنہ نے ہمارے چشمے پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب ہم اسلام لے آئے ہمارا چشمہ ہمیں واپس دلایا جائے۔ آپ ﷺ نے صخر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کرتی ہے تو وہ اپنے جان و مال کی مالک ہو جاتی ہے۔ اس لیے ان کو ان کا چشمہ واپس دے دو۔ صخر رضی اللہ عنہ کو منظور کرنا پڑا۔ راوی کا بیان ہے کہ جب صخر رضی اللہ عنہ نے آں حضور ﷺ کے دونوں احکام منظور کیے تو میں نے دیکھا کہ:

وجه رسول الله ﷺ يتغير عند ذلك حمرة حياء. (آنحضرت ﷺ کے چہرے پر شرم سے سرخی آگئی)(۱۹)

آپ ﷺ نے عادلانہ فیصلے میں اس کے کارنامے کا لحاظ بھی نہ کیا۔ وہ شخص جو عام حالات میں صلہ کا مستحق تھا آپ ﷺ نے دونوں فیصلے اس کے خلاف دیے۔

اسی طرح سیرت رسول میں ہمیں ایک اور تاریخی واقعہ ملتا ہے۔

> ''فتح خیبر کے بعد وہاں کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم کر دی گئیں تھیں۔ عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ اپنے چچازاد بھائی محیصہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھجوروں کی بٹائی لینے گئے۔ عبداللہ گلی میں جا رہے تھے کہ کسی نے ان کو قتل کر دیا اور لاش گڑھے میں ڈال دی۔ محیصہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے حضور استغاثہ دائر کیا۔ آپ ﷺ نے اس سے قسم کھانے کو کہا کہ عبداللہ کو یہودیوں نے قتل کیا ہے۔ محیصہ رضی اللہ نے کہا: ''میں نے اپنی آنکھ سے تو نہیں دیکھا'' آپ ﷺ نے فرمایا تو یہودیوں سے حلف لیا جائے۔ محیصہ رضی اللہ عنہ نے کہا حضور! یہودیوں کی قسم کا کیا اعتبار یہ سو دفعہ جھوٹی قسم کھالیں گے۔ خیبر میں یہودیوں کے اور کوئی قوم آباد نہ تھی۔ انھوں نے ہی عبداللہ کو قتل کیا ہوگا لیکن عینی شہادت نہ ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ نے انہیں کوئی سزا نہ دی اور خون بہا کے سو اونٹ بیت المال سے دلوائے۔''(۲۰)

چنانچہ نبی مہربان ﷺ کے اسوۃ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ آپ ﷺ سراپا رحمت اور معاشرے میں عدل کے فروغ میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ ﷺ کی ساری زندگی معاشرتی اصلاح اور عدل اجتماعی کے فروغ میں بسر ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین بھی اپنے اپنے دور میں عدل کے فروغ اور انصاف کے معاملے میں نہایت اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ اس سلسلے میں یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ معاشرے میں انسانی مساوات کے اعلیٰ معیار کا بیان اس وقت تک نامکمل رہے گا جب تک ہم اس بات کا جائزہ نہ لیں کہ اسلامی سماج کا اپنے بڑے آدمیوں کے ساتھ کیا سلوک تھا۔ جب تک بڑے

Marfat.com

چھوٹوں کے ساتھ ایک صف میں نہ کھڑے ہوں اور بزرگی و برتری کی واحد بنیاد حسب ونسب اور جاہ ومال نہیں صرف عمل نہ رہ جائے۔ صرف چھوٹوں کا احترام اور تعظیم حقیقی مساوات کے لیے کافی نہیں۔

عدل اجتماعی کے حوالے سے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کا کردار

اگرچہ مضمون کی طوالت کے باعث تمام صحابہ کرام کا عدل اجتماعی کے حوالے سے کردار بیان نہیں کیا جاسکتا، مگر ذیل میں چند اہم واقعات کا اجمالی تعارف پیش کیا جارہا ہے۔ امام یوسفؒ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں:

''مجھ سے عبدالملک ابن ابی سلیمان نے عطاء کے واسطہ سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کو لکھ بھیجا کہ حج کے موقع پر ان سے ملیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ آئے۔ آپ نے کھڑے ہوکر یہ تقریر کی:

لوگو! میں ان عمال کو اس لیے مقرر کرتا ہوں کہ راست روی کے ساتھ تمہاری سرپرستی ونگرانی کا فرض انجام دیں۔ میں نے انھیں اس لیے ہرگز نہیں مقرر کیا ہے کہ تمہاری جان ومال اور عزت وآبرو پر دست درازی کریں۔ لہٰذا اگر تم میں سے کسی کو کسی عامل کے خلاف ظلم وزیادتی کی شکایت ہوتو کھڑا ہوجائے۔''

راوی کہتا ہے کہ اس دن تمام لوگوں میں سے صرف ایک آدمی کھڑا ہوا اس نے کہا: ''امیرالمومنین! آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے (ناحق) مارے ہیں۔''

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''کیا تم اسے کوڑے مارنا چاہتے ہو، آؤ اور اس سے انتقام لو۔''

اس پر عمرؓو بن العاص نے اٹھ کر کہا کہ: ''امیرالمومنین! اگر آپ اپنے عمال کے ساتھ یہ سلوک کرنا شروع کردیں گے تو انھیں سخت گراں گزرے گا۔ یہ ایک مستقل طریقہ بن جائے گا جس پر آپ کے بعد کے لوگ بھی عمل کریں گے۔''

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''پھر، کیا میں اس آدمی کو بدلہ نہ دلواؤں جب کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو خود اپنی ذات سے بدلہ دلواتے دیکھا ہے۔ (پھر آپ نے اس آدمی سے مخاطب ہوکر فرمایا) آؤ اور اس (عامل) سے بدلہ لو۔''

عمرؓو بن العاص نے کہا کہ ہمیں اجازت دیجیے کہ اس آدمی کو راضی کرلیں۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: تمہیں اجازت ہے، چنانچہ ان لوگوں نے اس شخص کو دوسو دینار کے بدلے راضی کرلیا۔ ہر کوڑا دو دینار کے عوض پڑا۔'' (۲۱)

بات یہاں تک ختم نہیں ہوتی بلکہ آگے آتا ہے کہ:

''عمرؓو بن العاص نے دوسرے پر سے تو یہ بلا ٹال دی لیکن جب ان کے بیٹے کے ایک مصری لڑکے کو مارنے کا معاملہ پیش ہوا تو عمرؓ نے اسے بدلہ دلوایا اور ان سے کچھ بن نہ پڑی۔ بدلہ دلواتے وقت عمرؓ کہہ رہے تھے ''اس خاندانی شریف زادے کو مار'' عمرو بن العاص خود بھی سزا کا مزا چکھنے والے تھے مگر اس مصری نے معاف کردیا اور مارنے سے باز رہا۔'' (۲۲)

چنانچہ اب ہم اس بات کا بھی جائزہ لیں گے کہ عدل اجتماعی کے تصور کے سلسلے میں خلفاء اور بادشاہوں کے ساتھ ساتھ ان کی رعایا اظہار خیال اور تنقید میں کس آزادی کے ساتھ پیش آتی تھی۔

''عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ کی حیثیت میں لوگوں کو خطاب کررہے ہیں۔ فرماتے ہیں: ''اگر میرے اندر کوئی کجی دیکھو تو مجھے

Marfat.com

سیدھا کر دینا'' عامۃ الناس میں سے ایک فرد جواب دیتا ہے کہ: ''اگر ہم نے تیرے اندر کوئی کجی دیکھی تو اپنی تلوار کی دھار سے تجھے سیدھا کر دیں گے۔عمرؓ نے اس پر صرف اتنا کہا: ''اللہ کا شکر ہے جس نے عمرؓ کی رعایا میں ایسے افراد بھی پیدا کیے ہیں جو اسے صرف اپنی تلواروں کی دھار سے سیدھا کر سکتے ہیں۔''(۲۳)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی ہمیں اسلامی تاریخ کے مطالعے سے ملتا ہے جس سے عدل اجتماعی کے حوالے سے رعایا کا کردار سامنے آتا ہے اور یہ واقعہ بھی خلیفہ ثانی اور عادل حکمران حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت کا ایک بے نظیر واقعہ ہے۔

''مسلمانوں کو غنیمت میں کچھ یمنی چادریں ملیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام مسلمانوں کی طرح خود بھی ایک چادر اور اپنے بیٹے عبداللہؓ کو بھی ایک چادر دی۔ چوں کہ خلیفہ کو کپڑے کی ضرورت تھی لہٰذا عبداللہؓ نے اپنے حصے کی چادر بھی ان کو دے دی تا کہ دونوں کو ملا کر ایک کپڑا تیار ہو سکے۔ ایک دن آپ اسی کپڑے کو پہن کر لوگوں کو خطاب کرنے کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''لوگو! سنو اور اطاعت کرو''۔ سلمان نے اٹھ کر کہا: ہمارے اوپر آپ کی بات سننا اور اطاعت کرنا واجب نہ رہا۔عمرؓ نے پوچھا: کیوں؟ سلمان نے کہا: یہ بتایئے کہ یہ کپڑا آپ نے کیسے بنوالیا کیوں کہ آپ کے حصہ میں بھی ایک ہی چادر آئی تھی اور آپ لمبے قد کے آدمی ہیں۔ آپ نے فرمایا: جلد بازی سے کام نہ لو۔ پھر آپ نے پکارا: اے عبداللہ، مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر آپ نے پکارا: اے عبداللہ ابن عمر، وہ بولے: اے امیرالمومنین! میں حاضر ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''تمہیں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، بتاؤ کہ جس چادر کو میں نے تہہ بند بنایا ہے وہ تمہاری ہی چادر ہے کہ نہیں۔ انھوں نے کہا: ہاں۔ پھر سلمان نے کہا: اب آپ حکم دیجیے، ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔''(۲۴)

گو کہ یہاں پر سیرت صحابہ سے عدل اجتماعی کے حوالے سے مختصر طور پر چند واقعات کا ذکر کیا گیا۔ اب ہم دور حاضر میں عدل کے اجتماعی تصور اور کردار کے حوالے سے کچھ معروضات پیش کریں گے۔

دور حاضر میں عدل اجتماعی کا تصور:

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات اور نبی کریم ﷺ کی واضح ہدایات کا جب ہم آج دور حاضر کی مغربی تہذیب اور اس کے برتاؤ کے ساتھ کرتے ہیں جو یہ تہذیب ان ممالک کے ساتھ کرتی ہے تو اسلام اپنی تاریخ کے ہر دور میں زیادہ وسیع، بلند اور پاکیزہ نظر آتا ہے۔ آج ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تعلیم وتربیت اور معاشی تعمیر وترقی کے باب میں مغربی تہذیب کی خوبیوں سے ان ممالک کو قصداً محروم رکھا جاتا ہے جتنی طویل مدت تک ممکن ہو یہ ممالک مغربی استعمار کے لیے ایک دودھاری گائے بنے رہیں۔ اس کے علاوہ انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کے انسانی شرف وعزت کو ذلیل اور پامال کرنا، قصداً اخلاقی فساد پھیلانا، گروہی اور جماعتی فتنوں کے بیج بونا اور انھیں پروان چڑھانا اور قوموں، جماعتوں اور افراد کو ہر ممکن طریقے سے لوٹنا کھسوٹنا، استعماری طاقتوں کا شیوہ بن گیا ہے۔

علاوہ ازیں اہل مغرب آج جس مذہبی آزادی کا دم بھرتے ہیں اس سے پہلے ان کے یہاں وہ دور بھی گزر چکا ہے جس میں اندلس کی ''تحقیقاتی عدالتوں'' کی بہیمانہ سزائیں اور مشرق میں صلیبی جنگوں کی سفاکیاں ملتی ہیں۔ آج بھی یہ مذہبی آزادی محض ایک دکھاوا ہے۔ اس کے برعکس ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کے مقابلے میں اسلام اور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات نے

Marfat.com

عدل اجتماعی کے تصور کے سلسلے میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کے حقوق کا بھی وہ درس دیا کہ آج تک مسلمان اس پر عمل پیرا ہیں۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ بیان کرنا ضروری ہے:

''حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے نابینا کو ایک دروازے پر بھیک مانگتے دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ یہودی ہے۔ آپ نے ان سے پوچھا: ''تمہیں کس چیز نے اس حالت تک پہنچایا؟ اس نے جواب دیا: جزیہ، ضرورت اور بڑھاپا۔ عمرؓ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور اتنا کچھ دیا جو اس وقت کی ضروریات کے لیے کافی تھا۔ پھر آپ نے بیت المال کے خزانچی کو کہلا بھیجا کہ اس شخص اور اس جیسے دوسرے اشخاص کی طرف توجہ کرو۔ خدا کی قسم یہ انصاف کی بات نہیں کہ ہم اس کی جوانی (کی کمائی) کھائیں اور بڑھاپے میں اسے دھتکار دیں۔ زکاۃ فقرا اور مساکین کے لیے ہے اور یہ اہل کتاب کے مساکین میں سے ہے۔ آپؓ نے اس فرد اور اس جیسے دوسرے افراد کو جزیہ سے بری قرار دے دیا۔'' (۲۵)

یہی وجہ ہے کہ اسلام ہمہ گیر انسانی عدل اجتماعی کی اس بلند چوٹی پر رہا ہے جس تک یورپین تہذیب نہ پہنچی ہے نہ پہنچ سکے گی۔ کیوں کہ یہ جامد مادہ کی تہذیب ہے جو قتل وغارت گری، خوں ریزی اور زبردستی پر مبنی ہے۔ علاوہ ازیں آج مغرب پر جو مادی فکر چھایا ہوا ہے وہ اخلاق کی بنا منفعت کو قرار دیتا ہے اور مفادات او رتجارتی بازاروں کے لیے ایک دوسرے کا گلا کاٹنا سکھاتا ہے اور یہ فکر روحانی عنصر کو بے دخل کر دیتا ہے جب کہ اس کے برعکس اسلام اپنے نظام کی بنیاد ایک ایسے جامع تصور زندگی پر رکھتا ہے جو مادی طرز فکر کی یکسر نفی کر دیتا ہے۔ وہ عمل کی بنیاد روحانی اور اخلاقی عنصر پر رکھتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا. لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ﴾(۲۶)

(اور آپ ﷺ کے رب کی باتیں سچ اور عدل پر پوری ہیں۔ اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سنتا اور جانتا ہے)

چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ کائنات کا نظام عدل وتوازن پر قائم ہے اور اس نے انسانوں کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ عدل پر قائم رہیں۔ اس کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات میں عدل اجتماعی کا درس امت مسلمہ کے لیے وہ راہنمائی فراہم کرتا ہے کہ اگر ہم اس پر من وعن عمل کریں تو دین اور دنیا میں کامیاب ہوں گے۔

حوالہ جات

(۱) شبلی نعمانی، علامہ، سیرۃ النبی ج ۶، ناشران قرآن اکیڈمی لاہور، ۱۹۷۵ء، ص۴۳۴...... (۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۳، جامعہ پنجاب لاہور، طبع ۱۹۷۶، ص۶...... (۳) النحل ۱۶: ۹۰...... (۴) محمد شفیع، مفتی، مولانا، معارف القرآن ج ۵، ص ۳۸۸، ۳۸۹، ادارۃ المعارف کراچی...... (۵) سیرۃ النبی ج ۶، ناشران قرآن اکیڈمی لاہور، ۱۹۷۵ء، ص۱۰۵...... (۶) مودودی، مولانا، سید، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن ج۲، ص۵۶۵، ادارہ ترجمان القرآن لاہور...... (۷) سید قطب، اسلام میں عدل اجتماعی، ترجمہ، نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ایڈیشن ۱۱، ۲۰۰۶، ص۹۷...... (۸) الحدید ۵۷: ۲۵...... (۹) مودودی، مولانا، اسلام اور عدل اجتماعی، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، فروری ۲۰۰۶، ص۹...... (۱۰) بخاری، کتاب الحدود، ۲۷/ ۱۰۰۳...... (۱۱)

Marfat.com

الحجرات ۴۹:۱۳...... (۱۲) النساء ۵۸:۴...... (۱۳) المائدہ ۴۲:۵...... (۱۴) تلسمانی، عمر، شہید المحراب، ترجمہ محمد ادریس، حافظ، البدر پبلی کیشنز لاہور، اشاعت ششم، ص۲۱۵...... (۱۵) المائدہ ۵: ۸...... (۱۶) بقرۃ ۳۹:۲...... (۱۷) علق ۹۶: ۱ تا ۵...... (۱۸) علوی، خالد، ڈاکٹر، انسان کامل، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، طبع چہارم اگست ۲۰۰۲، ص ۶۴۸...... (۱۹) ایضاً، ص ۶۴۹...... (۲۰) بخاری، کتاب الدیات، باب ما جاء فی القسامہ، ۳۰/۴...... (۲۱) اسلام میں عدل اجتماعی، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ایڈیشن ۱۱، ۲۰۰۶، ص ۴۰۵...... (۲۲) ایضاً، ص ۴۰۶...... (۲۳) ایضاً، ص ۴۰۷...... (۲۴) ایضاً، ص ۴۰۸...... (۲۵) ایضاً، ص ۴۳۱...... (۲۶) الانعام ۶:۱۱۵۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیمات نبویﷺ کی روشنی میں

عامر سلطان- بھیرکنڈ، مانسہرہ

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (1)

﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾. (2)

﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (3)

کرہ ارض کا وہ حصہ جہاں بنی آدم آباد ہے آج ظلم وستم، خود غرضی، بے حسی، قتل و غارت، معاشی و معاشرتی بے انصافی و ناہمواری کی خون آشام آندھیوں میں ڈوبا ہوا ہے اور سسکتی و تڑپتی انسانیت مسیحا (جو ان کے زخموں پر مرہم رکھے) کی منتظر بیٹھی ہے اور دعا طلب ہے۔ ہر گزرتا دن شام کو مصائب میں اضافہ کر کے رخصت ہوتا ہے دنیا میں کبھی شخصی آزادی کے نام پر بے راہ روی کا بازار گرم ہوتا ہے۔ کہیں آزادی اظہار کے نام پر میرے آقا، رحمت دو عالم، حضور نامدار، محمد مصطفیﷺ کی شان میں گستاخی کی جا رہی ہے۔ کہیں مستشرقین، اسلام اور اسلام کی مقدس ہستیوں کی توہین کرنے کے لیے نام نہاد تحقیقی مواد اور زہریلی کتب و رسائل شائع کر رہے ہیں اور کہیں امت کی بیٹیاں ظلم وستم اور زیادتی کا شکار ہو رہی ہیں۔ کہیں معصوم و بے گناہ مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہے۔ دہشت گردی انتہا پسندی اور بنیاد پرستی کے نام پر امریکہ جیسی عالمی طاقتیں متحدہ ہو کر ایک طرف تو امت مسلمہ پر براہ راست حملہ آور ہیں تو دوسری طرف میڈیا کے ذریعے اپنی کاروائیوں کو جائز قرار دینے کے ساتھ ساتھ امت میں انتشار پھیلانے میں مصروف عمل ہیں۔ ان حالات میں اس امر کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ تعلیمات نبویﷺ کو عام کیا جائے اس پر تحقیقات ہوں۔ یہ از حد ضروری ہے اور پورے عالم کے مسائل کا حل بھی ہے۔

ایک وہ وقت تھا جب عالم مغرب کا جدید ترین تمدن بظاہر بڑا پر کشش نظر آتا تھا۔ علوم وفنون کی ترقی سے دنیا نے یہ فرض کر لیا کہ اب انسانیت کے ٹوٹے دلوں کا مداوا ہو جائے گا لیکن حقیقت جب کھلی تو وہ اس کے برعکس تھی ان کی ہمدردی کی تہہ میں جنگ و جدل، مطلب پرستی، استعمار پسندی اور تفریق رنگ ونسل چھپا ہوا تھا۔ اس کے برعکس آقائے مدنیﷺ کا لایا ہوا مذہب دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے۔ حضور نبیﷺ نے اسلامی معاشرے کی بنیاد عدل و انصاف پر رکھی۔ عدل خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی تعلیمات اسلامی کا لازمی جزو ہے۔ تعلیمات نبویﷺ کی روشنی میں عدل کے تصور، اہمیت، عدل کے قیام اور اس کے اثرات کو مقالہ ہٰذا کا موضوع بنایا گیا ہے۔

عدل

عدل (ع۔د۔ل) (بفتح الاوّل۔ وسکون دوم وسوم) (ع۔ا۔مذ) عدل کا لغوی معنی ہے کہ کسی انسان کو اس کا واجب حق دینا، برابر کرنا (4) اسی مناسبت سے حکام کا لوگوں کے آپس کے تنازعات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا عدل کہلاتا

Marfat.com

ہے(5)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾(6) کے مطابق عدل افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کو بھی کہا جاتا ہے مختلف حیثیتوں میں اس کا مفہوم مختلف ہوتا ہے انسان اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے حظ نفس پر اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کو اپنی خواہشات پر مقدم جانے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرے یہ انسان اور اللہ کے درمیان عدل ہے۔ انسان اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جس میں اسکی روحانی ہلاکت ہو یہ نفس کے ساتھ عدل ہے۔(7) اور تمام مخلوقات کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معاملہ کرے، قول وفعل سے کسی کو ایذا نہ پہنچائے یہ بھی عدل ہے۔ جب عدل تسلیم کیا جاتا ہے، تو ظلم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ عدل ظلم کی ضد ہے۔(8) حق دار کو حق دلانا اور جس کا حق نہیں ہے اس سے حق لینا عدل ہے۔

عدل اجتماعی

حضرت آدمؑ تا حضرت محمد ﷺ خاتم النبین تک تمام انبیائے اکرام کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ نہ صرف انسانوں کے اللہ سے ٹوٹے ہوئے رشتوں اور رابطوں کو بحال کیا جائے بلکہ ایک ایسا انسانی معاشرہ بھی قائم کرنا تھا جس میں انسانوں کے لیے باقاعدہ انفرادی اور اجتماعی عدل کا نظام قائم ہو۔ انفرادی عدل کا تقاضا یہ ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد اپنی اصل روح کے ساتھ ادا ہوں اور ان کی ادائیگی میں نیک نیتی شامل ہو۔ فرائض بطریق احسن ادا ہوں اور اللہ کی رضا مدنظر ہو۔ اور عدل اجتماعی یہ ہے کہ انسانی معاشرے کی تشکیل ایسے اصولوں پر کی جائے جو ظلم واستبداد، جارحیت اور زیادتی کا راستہ روکیں۔ اجتماعی زندگی کے تمام پہلو افراط وتفریط سے خالی ہوں اور باہم متوازن ہوں۔ معاشرے کا ہر فرد اپنے حقوق حاصل کر سکتا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے فرائض جانفشانی سے ادا کرتا ہو۔(9)

اسلام میں عدل اجتماعی کا تصور

باقی مذاہب عالم کے برعکس اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں بلکہ ضابطہ حیات ہے اور مکمل دین ہے اور ایک کامل اجتماعی نظام کا تصور پیش کرتا ہے قرآن مجید میں اسلام کے لیے دین حق اور المیز ان کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔(10)

اس آیت کریمہ

﴿اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاكَ اللّٰهُ﴾

(یقیناً ہم نے تم پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس طریقے پر عدل کرسکو جو اللہ نے تمہیں سکھایا ہے)(11)

سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت اور قرآن کریم کے نزول کا مقصد یہ تھا کہ ایک طرف بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ راست پر ڈالنا اور دوسرا لوگوں کے درمیان عدل والا نظام قائم کرنا تھا۔ اسی طرح حضرت داؤدؑ کو مخاطب کر کے کہا گیا کہ لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرو اور فیصلہ کرنے میں اپنی ذاتی خواہشات کی پیروی نہ کرو کہ وہ اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔ وہ لوگ جو اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں انہیں سخت عذاب ملتا ہے کیونکہ وہ حساب کے دن کو بھلا بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر مبعوث فرمایا اور اپنی نیابت کی ذمہ داری دینے کے ساتھ لوگوں کے درمیان عدل قائم کرنے کا حکم دیا اس سے بعثت انبیاء کا مقصد واضح ہوتا ہے اور اسلام کے سیاسی، معاشی، اور قانونی نظام میں

Marfat.com

عدل گستری کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ چونکہ عدل کا دائرہ بہت وسیع ہے اس کا اطلاق معاشرے میں موجود فرد واحد سے لے کر پورے معاشرے تک پھیلا ہوا ہے۔ عدل اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے تکوینی وتشریعی نظام میں عدل کو قائم رکھا ہوا ہے۔ کائنات کے تمام مظاہر میں عدل کی جھلک نظر آتی ہے جو اس بات کی متقاضی ہے کہ انسانی معاشرہ عدل کا عملی مظہر بن جائے۔

اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں نہ کوئی معاشرتی اونچ نیچ ہو، نہ سیاسی میدان میں جبرواستبداد کا راج ہواور نہ اقتصادی میدان میں ظلم واستحصال ہو۔(12) اسلام انفرادی طور پر تقرب الی اللہ کی دعوت دیتا ہے اور فلاح اخروی کے حصول کا نصب العین عطا کرتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف اس کے متوازی اجتماعی نظام عدل کے اصول بیان کر کے معاشرے میں زندگی بسر کرنے کا دستور بھی مہیا کرتا ہے۔ چنانچہ سورہ الحدید میں ارشاد ربانی ہے:

''ہم نے اپنے رسولوں کو روشن دلیلیں دے کر بھیجااور اس کے ساتھ ہم نے اتاری کتاب اور میزان یعنی قواعد عدل تا کہ لوگ عدل پر قائم ہوں''(13)

اس آیت کریمہ کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

ا۔ شریعت اسلامیہ ایک میزان عدل اور قسط کی طرح ہے جس میں انسانوں کے انفرادی اور اجتماعی اعمال،حقوق و فرائض،اور تمام اعمال قلبیہ و قالبیہ کی ٹھیک طریقے سے جانچ پڑتال ہو پاتی ہو۔(14)

۲۔ بعثت انبیاء اور نزول کتاب کا مقصد بھی یہی ہے کہ لوگ اخلاق واعمال اور عقائد میں بھی انصاف کے ساتھ چلیں اور افراط وتفریط کے راستے پر قدم بھی نہ ڈالیں۔(15) اس آیت کریمہ کے اگلے حصے کواگر دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جولوگ اس میزان عدل کو قائم کرنے میں رکاوٹ کا باعث بنیں ان کی سرکوبی کے لیے ہم نے لوہا اتارا جس میں لڑائی کے لیے بہترین قوت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کے لیے دوسرے فائدے بھی ہیں۔

یہاں بنیادی مقصود ومطلوب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو آزما کر دیکھے کہ کون سے ایسے وفادار بندے ہیں جو بن دیکھے اللہ کی محبت میں آخرت کے غائبانہ اجروثواب و جزا پر یقین کر کے اس کے دین اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔(16) دنیا دراصل دارامتحان ہے قرآن کے مطابق انسان کی حیات دنیاوی کا اصل مقصد آزمائش ہے اس کی تائید سورہ ملک کی آیات میں کی گئی ہے۔

﴿الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاتَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾

ترجمہ:''اللہ نے بنائی زندگی اور موت تا کہ تم کو جانچے کہ کون تم میں سے اچھے کام کرتا ہے''

موجودہ زندگی کا بدلہ اخروی زندگی میں دیا جائے گااس لیے اس دنیا کو دارالامتحان کہا گیا ہے۔

قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند احباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحان ہے زندگی (اقبال)

یہاں کے تمام اعمال کو اللہ کے ہاں پیش کرنا ہوگا اللہ کے حقوق سے بندوں کے حقوق کا معاملہ زیادہ سخت ہوگا۔ جن

Marfat.com

میں عدل کو نمایاں مقام حاصل ہے اور آخر میں یہ وضاحت کر دی کہ جو اس امتحان میں اللہ کی مرضی کے مطابق کامیابی حاصل کریں گے وہ (اللہ کے ہاں) بلند مرتبہ پائیں گے۔ اور وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مددگار قرار دیے جائیں گے۔

اسلامی نظام عدل کا نہایت ہی اہم ستون عدلیہ ہے عدلیہ (قضا) پر نظام ریاست چلتا ہے ڈاکٹر طاہر القادری نے اپنی کتاب مقدمہ سیرۃ الرسول ﷺ میں مدینہ کی اسلامی ریاست کے بارے میں کہا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ریاست میں عدلیہ کا باقاعدہ شعبہ قائم کیا تھا اور مختلف علاقوں میں حاکم مقرر کیے تھے اور حکماء کے مقرر کرنے کا بھی ایک قاعدہ مقرر فرمایا تھا اور ان سب سے بڑھ کر آپ ﷺ خود موجود تھے لوگوں کی انصاف کی فراہمی کی آخری منزل دربار نبوی ﷺ تھا۔(17)

عدل چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور یہ نبی اکرم ﷺ میں بدرجہ اتم موجود تھی حضرت ابو ھریرہؓ نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کی جو حدیث روایت کی ہے اس کے مطابق اللہ کا ایک اسم گرامی ''العدل'' بھی ہے اس کے علاوہ قرآن کریم کی تین سورتوں سورہ مومن، سورہ الانعام اور سورہ آل عمران کی مختلف آیات مبارکہ سے اللہ تعالیٰ کی عدل و انصاف والی صفت ظاہر ہوتی ہے۔

ارشاداتِ ربانی ''جب کہو تو انصاف سے کہو چاہے قرابت داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو'' (18) اور ''جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو'' (19) اور ''پس ان لوگوں کے درمیان اس چیز کے ساتھ حکم کرو جو اللہ نے نازل کی ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو'' (20) اور ''اے ایمان والو: انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لیے اللہ کے واسطے قائم رہنے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل سے ہٹ جاؤ۔ تم انصاف کرو کہ انصاف تقویٰ کے زیادہ قریب ہے'' (21) سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامی معاشرے کا قیام نظام عدل کے بغیر ناممکن ہے۔

قران پاک میں بڑے تاکیدی انداز میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والوں کے بارے میں بیان کیا گیا کہ ''وہ جو اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیا وہ کافر ہیں'' (22) اور ''وہ جو اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیا وہ ظالم ہیں'' (23) اور ''وہ جو اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیا وہ فاسق ہیں'' (24) ان لوگوں کے لیے جو عدل قائم کرتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے بڑے اجر کی نوید سنائی ہے۔ مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ اپنے حاکم اور اپنے گھر والوں میں اور ان لوگوں میں جن کے وہ حاکم ہیں عدل کرتے ہیں قیامت کے دن وہ اللہ کے نزدیک نُور کے منبروں پر ہوں گے۔ (25) صرف یہی نہیں بلکہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ (26) یہاں یہ امکان گویا ختم کر دیا گیا کہ کوئی شخص لاپرواہ ہو کر زندگی گزارے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرما دیا ہے تم یہ نہ سمجھو کہ تم کو عبث پیدا کیا گیا ہے بلکہ کوئی مقصد ہے۔ اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں عدل و انصاف ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ چونکہ اسلام دینِ فطرت ہے اس لیے باقی مذاہب کی بہ نسبت عدل کے قیام پر زیادہ زور دیتا ہے۔

Marfat.com

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو فرمایا (یہ حکم عام مسلمانوں کے لیے بھی ایسے ہی ہے)
﴿اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىکَ اللّٰہُ﴾ (27)
ترجمہ: ''یقیناً ہم نے تم پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے۔ تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس طریقے سے عدل قائم کرسکو جو تمہیں اللہ نے سکھایا ہے۔''

آقائے مدنی، سرورِ کونین، تاجدارِ ختمِ نبوت، رحمتِ دوعالم، محمد عربی ﷺ کی سیرت ایک فرد کی سیرت نہیں۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کسی ایک علاقے، ایک فرد یا ایک معاشرے کے لیے نہیں بلکہ ساری انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اور ساری انسانیت کے لیے مثالی اور عملی اسوہ حسنہ ہے۔(28) دراصل نبی اکرم ﷺ جو شریعت لے کر آئے وہ عالمگیر حیثیت رکھتی ہے۔ اور آپ ﷺ کی تعلیمات کسی شخص کی ذہنی اختراع نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ احکامات ہیں جو نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف لوگوں تک پہنچائے بلکہ پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ ﴿وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی. اِنۡ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی﴾ (اور نہیں بولتے اپنے نفس کی خواہش سے بلکہ یہ حکم ہے بھیجا ہوا) (29) رسول ﷺ اپنی طرف سے باتیں بنا کر اللہ کی طرف منسوب کریں اس کا قطعاً کوئی امکان نہیں۔ بلکہ آپ ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب اللہ کی طرف سے وحی کردہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کی تعلیمات نے ایک انقلاب برپا کیا۔ ایک تاریخ مرتب کی۔ پہلے احکامات کو نبی پاک ﷺ نے اپنی زندگی میں نافذ کیا پھر امت کو حکم دیا۔ کیونکہ یہی تو فرق ہے سادھوؤں، راہبوں اور درویشوں کی تعلیمات اور حالاتِ زندگی میں۔ اور سیرتِ طیبہ میں کہ آپ ﷺ نے تاابد قائم رہنے والے رہنما اصول دنیا کے لیے چھوڑے(30)۔ اسی کو بنیاد بنا کر یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی قوانین قیامت تک تمام معاملات میں امت کے لیے رہبر و رہنما ہیں۔ کیونکہ فلسفہ اسلام میں اتنی طاقت ہے کہ وہ ابتداء آفرینش سے لے کر روزِ محشر تک احاطہ کیے ہوئے ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک ان کو تھام کر رکھو گے گمراہ نہیں ہوگے۔ یہ اللہ کی کتاب اور میری سنّت ہے(31)۔ کسی بھی سطح پر کسی بھی مسئلے کا حل ان میں موجود ہے۔ خواہ انفرادی معاملہ ہو یا اجتماعی معاملہ ہو ہر پہلو کو عدل کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے لیے طریقہ اور احکامات موجود ہیں۔

پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ آج بھی اگر دنیا میں تمام تر شعبہ ہائے زندگی میں سنت رسول ﷺ کو نافذ کر دیا جائے تو دنیا کے سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ بلکہ سرے سے ختم ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے ایک جامع دستور عنایت فرمایا جو کہ آج تک قابلِ نفاذ ہے۔

تعلیمات نبوی ﷺ کے مطابق معاشرے میں سب سے اہم چیز ہے وہ عدل کا قیام ہے کیونکہ قیام عدل سے ظلم و عصبیّت، خودغرضی، بے مقصدیّت، لادینیّت، احساسِ برتری، تکبّر، نفرت، انتقام الغرض تمام ناجائز امور کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ اور آپ ﷺ نے ان تمام ناجائز امور کا باقاعدہ خاتمہ فرمایا۔ مثلاً آپ ﷺ نے عصبیّت کے بارے میں فرمایا کہ جو عصبیّت کی طرف دعوت دے وہ ہم میں سے نہیں۔ حضرت واثلہؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ عصبیّت کیا ہے؟ فرمایا ظلم

Marfat.com

میں اپنی قوم کا مددگار ہونا۔(32) ''رحمۃ للعالمین'' میں قاضی محمد سلیمان نے عدل و انصاف کے بیان میں ذکر کیا ہے کہ:

۱- نبی کریم ﷺ کی عدل و انصاف والی صفت کے دشمن بھی معترف تھے۔ ربیع بن خثیمؓ سے روایت ہے کہ بعثت سے پہلے بھی لوگ اپنے مقدمات کے فیصلے نبی کریم ﷺ سے کرواتے تھے۔

۲- حجرِ اسود کی تنصیب کے موقع پر جو جھگڑا قبائلِ قریش میں اٹھ کھڑا ہوا تھا اس پر نبی کریم ﷺ کی تجویز پر قرارداد منظور ہوئی تھی کہ صبح جو کوئی شخص سب سے پہلے کعبہ میں آئے گا وہی حکم ہوگا اور اس کا فیصلہ مانا جائے گا۔ صبح جب نبی کریم ﷺ سب سے پہلے تشریف لائے تو سب نے خوشی و مسرت سے پکار کر کہا تھا؛

هٰذا محمد هٰذا الامين قد رضينا به (لو محمد (ﷺ) آگئے ان کے فیصلے پر ہم سب خوش ہیں)

تیقّنِ انصاف کی حد تھی کہ فیصلہ سننے سے پہلے ہی ہر مخالف اس فیصلہ پر رضامند تھا۔

۳- فاطمہ بنتِ اسود نامی ایک عورت چوری کے جرم میں ماخوذ ہوئی۔ جب اس پر نبی کریم ﷺ نے فیصلہ فرمایا تو حضرت اسامہ بن زیدؓ جن سے حضور ﷺ بہت زیادہ محبت فرماتے تھے، نے بھولپن سے اس کی سفارش کر دی جس سے نبی کریم ﷺ ناخوش ہوئے اور فرمایا تم حدود اللہ میں مجھ سے سفارش کرتے ہو۔ اور خطبہ دیا کہ تم سے پہلی قومیں اس وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں کوئی معزز آدمی جرم کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور اگر کوئی غریب یا کمزور آدمی جرم کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنتِ محمد (ﷺ) بھی چوری کرتی تو میں اس کے بارے میں بھی یہی فیصلہ کرتا۔(33)

سیرت طیبہ میں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں غیر مسلم کے حق میں فیصلہ ہوا۔ چنانچہ غزوہ خیبر کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن سہلؓ کو کھجوروں کی بٹائی کے لیے بھیجا۔ ان کو وہاں کسی نے شہید کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن سہلؓ کے چچا حضرت محیصہؓ اور حضرت عبداللہ بن سہلؓ کے بھائی حضرت عبدالرحمانؓ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مقدمہ دائر کیا۔ اور یہودِ خیبر کو ان کا قاتل ٹھہرایا مگر کوئی بھی شہادت نہ پیش کر سکے۔ اس پر حضور ﷺ نے یہودِ خیبر کے خلاف کوئی بھی کاروائی نہ کی اور حضرت عبداللہ بن سہلؓ کا خون بہا اپنی طرف سے ادا کر دیا۔(34)

آپ ﷺ عدل کا اطلاق اپنی ذات عالیہ پر بھی فرمایا کرتے تھے۔ غزوہ خندق کے موقع پر صحابہ کرامؓ کے ساتھ خندق کی کھدائی میں برابر کے شریک رہے۔ ایک بار مالِ غنیمت کی تقسیم کے دوران ایک شخص آپ ﷺ سے چمٹ گیا آپ ﷺ نے اس کو ہٹانے کے لیے چھڑی سے ٹھوکا دیا جس سے اس کے چہرے پر خراش آگئی۔ آپ ﷺ نے اس کو فرمایا کہ مجھ سے بدلہ لے لو۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے معاف کر دیا۔(35)

الغرض حضور اقدس ﷺ کا عدل معاشرے کے ہر فرد چاہے وہ اپنا ہو، بیگانہ ہو، دوست ہو، دشمن ہو، مسلم ہو، غیر مسلم ہو، امیر ہو، غریب ہو، سب کے لیے یکساں تھا۔ حضور ﷺ کی زندگی سے کہیں بھی تعصب نظر نہیں آتا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ کی تربیت یافتہ جماعت آپ ﷺ کی تعلیمات پر ہمیشہ کاربند رہی۔

ترمذی شریف میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کا ہاتھ کاٹ کھایا۔ یعنی اپنے دانت اس کے ہاتھ میں گاڑ

Marfat.com

دیئے۔ ردّعمل میں جب دوسرے شخص نے اپنا ہاتھ کھینچا تو کاٹنے والے کے دو دانت گر گئے۔ یہ معاملہ جب حضورﷺ کے پاس آیا تو دانتوں سے محروم شخص نے مطالبہ کیا کہ مجھے دانتوں کا بدلہ یعنی دیت دلوائی جائے۔ حضورﷺ نے فریقین کے بیانات سننے کے بعد فیصلہ فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص دوسرے کو اسطرح کاٹتا ہے جس طرح اونٹ کاٹ کھاتا ہے۔ اس کے لیے کوئی دیت نہیں ہے۔(36) اسی طرح نبی کریمﷺ نے باپ کے اعمال کا بدلہ اس کی آل اولاد سے لینے سے بھی منع فرمایا۔

ایک دفعہ قبیلہ بنو ثعلبہ کے کچھ لوگ مدینہ آئے۔ ایک انصاری صحابیؓ نے کہا یا رسول اللہﷺ ان کے قبیلے کے مورثِ اعلیٰ نے ہمارے خاندان کے ایک آدمی کو قتل کیا تھا، کیا میں ان کے کسی آدمی کو قتل کر دوں۔ آپﷺ نے فرمایا کہ تم ہرگز باپ کا بدلہ اس کے بیٹے سے نہیں لے سکتے۔(37)

نبی کریمﷺ کا پیغام آفاقی تھا۔ جو کہ اپنے بیگانے سب کے لیے یکساں تھا۔ ترمذی شریف کی روایت ہے کہ حضرت ربیع بنتِ نضرؓ ایک صحابیہ تھیں۔ ان کے ہاتھ سے ایک کنیز کا دانت ٹوٹ گیا۔ اس کے ورثا نے دیت طلب کی۔ حضرت ربیع بنتِ نضرؓ کے انکار پر ان لوگوں نے دربارِ نبویﷺ میں دعویٰ دائر کر دیا۔ حضرت ربیع بنتِ نضرؓ بڑی مخلص صحابیہ تھیں حضورﷺ کو ان کا بڑا لحاظ تھا۔ جب یہ مقدمہ آپﷺ کے پاس آیا تو آپﷺ نے قصاص کا حکم صادر فرمایا۔ بہرحال اس کنیز کے ورثا نے دیت قبول کر لی ورنہ حضرت ربیع بنتِ نضرؓ کو دانت سے محروم ہونا پڑتا۔(38)

ابوداوٗد شریف کی روایت ہے کہ نبی پاکﷺ کے زمانے میں ایک عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی۔ اور وہ اس عورت سے کم سن بچہ بھی چھین لینا چاہتا تھا۔ وہ عورت نبی پاکﷺ کے پاس حاضر ہوئی۔ اور اپنے بچے کے لیے درخواست کی۔ حضورﷺ نے فرمایا کہ اگر تو دوسری شادی نہ کرے تو تیرا اس بچے پر زیادہ حق ہے۔(39)

نبی پاکﷺ کفار کے درمیان بھی فیصلے فرمایا کرتے تھے۔ ہجرت کے وقت مدینہ (یثرب) میں بنونضیر اور بنوقریظہ دو یہود قبائل آباد تھے۔ ان میں سے بنونضیر زیادہ طاقتور اور اثرورسوخ والا تھا۔ اس لیے بنوقریظہ کے کسی آدمی سے اگر بنونضیر کا کوئی آدمی قتل ہو جاتا تو بنونضیر والے بنوقریظہ کے اس آدمی کو جو قاتل ہوتا ضرور قتل کرتے۔ لیکن اس کے برعکس اگر بنونضیر کا کوئی آدمی اگر بنوقریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تو بنونضیر والے اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے خون بہا ادا کر کے معاملہ ختم کروا دیتے۔ ہجرت کے بعد اس طرح کا کوئی واقعہ پیش آیا تو بنوقریظہ نے دربارِ نبی پاکﷺ میں اپنا مقدمہ پیش کیا۔ نبی پاکﷺ نے فرمایا کہ تورات کے مطابق جان کا بدلہ جان ہے، اس لیے دونوں قبیلوں میں برابر کا قصاص ہوگا۔(40)

شمائل کبریٰ میں بحوالہ طبرانی لکھا ہے کہ وفات سے قبل آخری ایّام علالت میں نبی پاکﷺ نے ایک دن مجمع میں اعلان فرمایا کہ اگر کسی کا قرض میرے ذمّے ہو یا مالی مطالبہ ہو۔ تو وہ مجھ سے لے لے۔ میں نے کسی کی جان یا آبرو کو کوئی صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان اور آبرو حاضر ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہﷺ میرے تین درہم آپ کے ذمّہ ہیں۔ نبی پاکﷺ کے پوچھنے پر بتایا کہ آپﷺ کے پاس ایک سائل آیا تھا تو آپ نے مجھ سے لے کر دیئے تھے۔ آپﷺ نے اسی وقت اپنے ابن عم حضرت فضل بن عباسؓ سے دلوا دیئے۔(41)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاکﷺ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ قیامت کے دن سب سے پہلے اللہ کے سائے

Marfat.com

میں پہنچنے والا شخص کون ہوگا؟ عرض کیا گیا کہ اللہ اور اسکا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔فرمایا وہ لوگ ہیں جب ان کو حق دیا جائے تو قبول کر لیتے ہیں، اگر ان پر کسی کا حق ہو تو جب مانگا جائے دے دیتے ہیں، اور دوسروں کے بارے میں وہی مطالبہ کرتے ہیں جو اپنے لیے کرتے ہیں۔(42)

ان اصولوں کو رہنما سمجھتے ہوئے خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ نے اپنے اپنے حکم میں عدل وانصاف کو کمال درجے تک پہنچایا۔دنیا کے جس ملک میں بھی اسلامی فتوحات کا جھنڈا گاڑھا، عدل و انصاف کی مثالیں قائم کردیں۔اور جب تک اس پر قائم تھے سلطنت اسلامیہ کو بھی عروج تھا۔ اور جب امت عدل سے ہٹ گئی زوال شروع ہو گیا۔

شریعت اسلامیہ کے بنیادی شعبوں میں اخلاقیات، عبادات، اور معاملات ہیں۔گو کہ عدل کا تعلق انسان کے انفرادی اور اجتماعی اخلاقیات و عبادات سے بھی اسی طرح ہے جس طرح معاملات سے ہے۔موضوع کے قریب تر رہتے ہوئے اجتماعی عدل اور معاملات زندگی کے باہمی تعلق، اور قیامِ عدل کے نتائج پر بحث کی گئی ہے۔

عدلِ اجتماعی اور قرابت داری و عصبیت

ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ ترجمہ: اور جب کہو تو انصاف کے ساتھ کہو۔اگرچہ قرابت داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔(43) یہاں پر یہ باور کرا دیا گیا کہ قیام عدل میں قرابت داری پر حق کو فوقیت دینا لازم ہے۔چنانچہ فیصلے کسی بھی قسم کے علاقائی، نسلی، لسانی اور وطنی تعصب سے پاک اور بالا تر ہوں۔اگر فیصلوں پر کوئی ایسے جذبات غالب ہوئے تو ﴿كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ﴾ کی خلاف ورزی ہوگی۔

عدلِ اجتماعی اور سچی شہادت

ایک مرتبہ نبی پاک ﷺ کے پاس دو آدمیوں نے ایک مقدمہ پیش کیا۔ان میں سے ایک غنی تھا ایک فقیر تھا۔جناب رسول اللہ ﷺ کا رجحان فقیر کی طرف ہوا کیونکہ آپ ﷺ کے خیالِ مبارکہ میں آیا کہ فقیر غنی پر کیا ظلم کرے گا۔اس پر سورۃ النساء کی یہ آیت

> ”ترجمہ: اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہنے والے، اللہ ہی کے لیے گواہی دینے والے بن کر رہو۔اگرچہ تمہاری جانوں یا تمہارے ماں باپ یا تمہارے رشتہ داروں کے خلاف پڑ جائے۔ اگر غنی یا فقیر ہے تو اللہ کو دونوں کے ساتھ تم سے زیادہ تعلق ہے۔سو تم انصاف کرنے میں خواہش نفس کا اتباع نہ کرو۔اور اگر تم کج بیانی کرو گے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے“ (44)

نازل ہوئی۔اللہ نے انصاف کا حکم دیا اور واضح کر دیا کہ طرف داری و جانبداری انصاف کے منافی ہے۔دراصل انصاف کی بنیاد گواہی اور قسم پر ہے۔اسی لیے جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم پر سخت وعید آئی ہے۔اور گواہی میں کج بیانی (الفاظ کے ہیر پھیر) سے بھی منع فرمایا گیا کہ کہیں کسی سے بے انصافی نہ ہو جائے۔

عدلِ اجتماعی اور بغض وعناد

سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ

Marfat.com

﴿تَعْتَدُوْا﴾ ترجمہ: "کسی قوم کی دشمنی کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام سے روک دیا ہے، تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم زیادتی کر جاؤ۔" (45) اور ﴿وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾ ترجمہ: "تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو" (46) سے مقصود یہ ہے کہ کسی حاکم کو یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی پسند ناپسند کی بنیاد پر فیصلے کرے۔ کیونکہ یہ ثابت شدہ (بحوالہ گزشتہ) کہ فیصلہ صرف اور صرف اس کے مطابق ہوگا جو اللہ نے نازل کیا ہے۔ کسی قوم کی دشمنی، بغض اور عناد عدل وانصاف کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں اگر ایسا ہوگا تو اللہ کے حکم سے روگردانی ہوگی اور اس کے بارے میں سخت الفاظ آئے ہیں۔

عدلِ اجتماعی اور مساوات

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ترجمہ: "اے لوگو! بے شک ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں بانٹ دیا تا کہ تم ایک دوسرے سے پہچانے جاؤ۔ بے شک تم میں اللہ کے نزدیک فضیلت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔" (47) اور حضورِ اقدس ﷺ نے اپنے آخری حج کے خطبہ میں فرمایا کہ "اے لوگو! تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے مگر تقویٰ کی بنیاد پر" (48)۔

مساوات یہ ہے کہ معاشرے میں موجود تمام افراد کو برابر سمجھا جائے کسی کو حقیر نہ جانا جائے۔ معاشرے میں موجود تمام افراد کو ان کا جائز مقام دیا جائے مثلاً حقوقِ شہریت میں عدل کیا جائے۔ اس پر یہ بھی بتا دیا کہ بعض معاملات میں توازن و تناسب قائم رکھنا بھی مساوات ہے۔ جیسے معاشرتی واخلاقی مساوات۔ اور اعلیٰ درجے اور ادنیٰ درجے کی خدمات ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کا معاملہ۔ لیکن جس کا جتنا بھی حق بنتا ہے اس کو ادا کر دیا جائے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کے اخلاقی، قانونی، معاشرتی، سیاسی اور معاشی حقوق پوری طرح ادا کیے جائیں۔ آخر میں مقصد عدل کا قیام ہے۔

عدلِ اجتماعی اور احسان

حقوق کے معاملے میں اسلامی تعلیمات میں اتنا زور نہیں دیا گیا جتنا فرائض کی ادائیگی کے لیے دیا گیا۔ جب فرد اپنے فرائض کو پورا کرے گا تو دوسرے کے حقوق خود بخود پورے ہوتے چلے جائیں گے۔ اور بالآخر اسی احساس کے نتیجے میں اسے بھی اسکا حق بھی ملتا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "بیشک اللہ نے ہر چیز پر احسان کا حکم دیا ہے" (49) احسان سے مراد یہ ہے کہ نیک برتاؤ، فیاضانہ رویہ، ہمدردی کا معاملہ، رواداری، حسنِ خلق، عفوو درگزر، دوسرے کو اس کے حق سے زیادہ دینا، خود اپنے حق سے کم پر راضی ہوجانا، کسی کام کو اس طریقے پر سرانجام دینا جس طرح اس کو کرنے کا حق ہے۔ (50) احسان کی اہمیت عدل سے بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ اگر کسی معاملہ کی ابتداء عدل ہے تو اسکا کمال احسان ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے رب نے مجھے حکم دیا کہ جو مجھ پر ظلم کرے میں اسکو باوجود قدرتِ انتقام کے معاف کر دوں۔ جو مجھ سے قطع تعلق کرے میں اس کو اپنے ساتھ ملاؤں۔ جو محروم کرے میں اس سے حسنِ سلوک کروں۔ غضب اور خوشنودی دونوں حالتوں میں حق گوئی کو شیوہ بناؤں۔ تنگدستی اور فارغ البالی میں میانہ روی اختیار کروں۔ خلوت اور جلوت ہر حال میں اللہ سے ڈرتا رہوں۔ (51)

Marfat.com

عدلِ اجتماعی اور حسنِ سلوک

فرد معاشرے کی اکائی ہے۔ میاں بیوی سے خاندان کی بنیاد پڑتی ہے اور بہت سے خاندان مل کر معاشرہ تشکیل دیتے ہیں۔ انسان چونکہ معاشرے کے بغیر نہیں رہ سکتا اس لیے اسلام نے خاندان اور معاشرے میں رہنے والوں سے برتاؤ کے بھی اصول اور ضابطے مقرر کیے ہیں۔ معاشرے میں رہنے والوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہوتے ہیں جن کو حقوق العباد کہا جاتا ہے۔ حقوق العباد کو بعینہٖ عدل کے تقاضوں کے مطابق ادا کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ حقوق العباد میں سب سے پہلے والدین کے حقوق آتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔ ''ترجمہ: اور تمہارے رب کا حکم ہے اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ اور والدین کے ساتھ احسان کرو'' (52) اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے بعد والدین کے حقوق کا ذکر فرمایا۔ والدین کے بعد اولاد، قرابت داروں، اساتذہ، پڑوسی اور معاشرے کے عام افراد کے حقوق آتے ہیں۔ سب کے ساتھ طے شدہ اصولوں سے پیش آنا اور سب سے حسنِ سلوک کرنا لازم ہے۔ رسول خدا ﷺ کی سیرت پاک میں حقوق العباد کا ایک باقاعدہ منشور نظر آتا ہے۔

عدل اجتماعی اور بنیادی حقوق

جب رسولِ خدا ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو وہاں آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ اس ریاست کے نظام کو ابتدائی طور پر چلانے کے لیے میثاقِ مدینہ قائم کیا۔ جس کو دستورِ مدینہ کہا جاسکتا ہے۔ جس میں بنیادی حقوق کی ضمانت اور معاشرے کے تمام محروم طبقات (خواتین اور کمزور قبائل) اور غیر مسلموں کے حقوق کا بھی تحفظ کیا گیا۔ چنانچہ میثاقِ مدینہ کے حوالے سے ڈاکٹر طاہرالقادری اپنی کتاب ''مقدمہ سیرۃ الرسول'' میں رقمطراز ہیں کہ میثاقِ مدینہ میں مسلمانوں کے ادنیٰ ترین فرد کو یہ حق دیا گیا کہ وہ کسی کو بھی پناہ دے کر سب مسلمانوں پر پابندی عائد کر سکے گا۔ اور یہودیوں میں جو ہماری ریاست مدینہ کی اتباع کرے گا اسکو مساوات اور مدد حاصل ہوگی (جب تک وہ مسلمانوں پر ظلم کا مرتکب نہ ہو یا ان کے خلاف کسی مخالف کی مدد نہ کرے۔ اور ایمان والوں کا باہمی برتاؤ انصاف اور نیکی پر مبنی ہوگا اور مظلوم کی دادرسی لازمی کی جائے گی۔ (53)

ریاست میں قانون کی وضاحت اور نفاذ عدلیہ کی بنیادی ذمہ داری ہوتی ہے۔ مدینہ میں جب نبی کریم ﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو اس میں عدلیہ کا بنیادی ڈھانچہ بھی طے کیا گیا۔ عام طور پر یہ تھا کہ لوگ مقامی سطح پر اپنے قبائل کے سرداروں کے پاس مقدمے لے کر جاتے۔ اگر وہاں فیصلے نہ ہو پاتے تو حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں لاتے اور آپ ﷺ ان کے درمیان فیصلے فرماتے اس سے نہ صرف عدالتی امور طے پاتے بلکہ قوانین کی توضیح و تشریح کے ساتھ آئندہ تنازعات کو حل کرنے کے لیے قانون بھی بن جاتا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے مختلف مقامات پر عدالتی انتظامات بھی فرمائے۔ (54)

نبی پاک ﷺ کی زندگی سے انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی عدل و انصاف کے احکامات ملتے ہیں۔ گویا قیامت تک کے انسانوں کو بتا دیا کہ کون سا راستہ درست ہے اور کون سا راستہ تباہی والا ہے۔ دنیا میں جتنے بھی انقلابات آئے ہیں وہ سب خون ریزی پر منتج ہوئے لیکن ان کے برعکس نبی آخرالزماں ﷺ کا لایا ہوا انقلاب دنیا کو بقائے امن کی ضمانت دیتا نظر آتا ہے۔ نظرِ انصاف سے اگر دیکھا جائے تو کوئی بھی انسان یہ تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جس قدر جامع، ہمہ گیر، غالب و نافذ نبی پاک ﷺ کا لایا ہوا انقلاب ہے۔ اس کے مقابلہ میں دوسرے انقلابات قطعاً نامکمل اور ادھورے ہیں۔

Marfat.com

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ امت مسلمہ مسلسل تحقیق اور سعی کے ذریعے اسلام کی حقیقی روح کو سمجھے۔ اس کو اپنی زندگیوں کا شعار بنائے۔ اخلاقِ نبوی ﷺ اور تعلیماتِ نبوی ﷺ کو اپنائے۔ اور پھر جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے اسلام کا حقیقی چہرہ دنیا کے سامنے پیش کرے۔ جدید علوم وفنون اور سائنس و ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل کر کے عالمِ انسانیت کو شر اور شر پھیلانے والے عناصر سے نجات دلائے۔ اور امت کا ہر ہر فرد اس کام کو مقصدِ زندگی سمجھے اور اس میں اپنے آپ کو کھپا دے۔ صحابہ کرام کی طرح اپنی زندگی وقف کر دے۔ تو یہ آج بھی ناممکن نہیں کہ انسانیت کا نجات دہندہ یہ دین اور اس کے رسول پاک، رحمتِ دوعالم، خاتم النبیین ﷺ کی تعلیمات فتح نہ حاصل کر سکیں۔

حواشی

1. القران، سورۃ النحل آیت 90...... 2. القران، سورۃ الانعام آیت 152...... 3. القران، سورۃ النساء آیت 58...... 4. فیروز الغات، فیروز سنز لاہور...... 5. معارف القران، مکتبہ معارف القران کراچی، جلد 5، ص 389...... 6. القران، سورۃ النساء آیت 58...... 7. معارف القران، مکتبہ معارف القران کراچی، جلد 5، ص 389...... 8. المعجم الوسیط (لغت)...... 9. محمد ھارون معاویہ، اصلاحِ معاشرہ کے رہنما اصول، دارالاشاعت کراچی، ص 33 ...... 10. القران، سورۃ الشوریٰ آیت 15......

11. القران، سورۃ النساء آیت 105...... 12. ڈاکٹر اسرار احمد، اسلام میں عدلِ اجتماعی کی اہمیت، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القران، ص 3...... 13. القران، سورۃ الحدید آیت 25...... 14. مولانا شبیر احمد عثمانی، تفسیرِ عثمانی، دارالاشاعت کراچی، ص 651...... 15. مولانا شبیر احمد عثمانی، تفسیرِ عثمانی، دارالاشاعت کراچی، ص 651...... 16. مولانا شبیر احمد عثمانی، تفسیرِ عثمانی، دارالاشاعت کراچی، ص 652...... 17. ڈاکٹر طاہر القادری، مقدمہ سیرۃ الرسول ﷺ، ص 287...... 18. القران، سورۃ الانعام آیت 152...... 19. القران، سورۃ النساء آیت 58...... 20. القران، سورۃ المائدہ آیت 49...... 21. القران، سورۃ المائدہ آیت 8...... 22. القران، سورۃ المائدہ آیت 44...... 23. القران، سورۃ المائدہ آیت 45...... 24. القران، سورۃ المائدہ آیت 49...... 25. رواہ مسلم، 18/1827...... 26. ریاض الصالحین، الفلاح پرنٹر لاہور، 4/35 ص 111...... 27. القران، سورۃ النساء آیت 105...... 28. ساجد الرحمان، پیغمبرِ اخلاق، ادارہ تحقیقات اسلامی، ص 154...... 29. القران، سورۃ النجم آیت 4 - 3...... 30. بشریٰ بیگ، ''امت مسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک''، مقالاتِ سیرت (خواتین)، وزارتِ مذہبی امور پاکستان، ص 44 ...... 31. مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب اعتصام بالکتاب و السنۃ...... 32. محمد ھارون معاویہ، اصلاحِ معاشرہ کے رہنما اصول، دارالاشاعت کراچی، ص 34...... 33. قاضی محمد سلیمان، رحمۃ للعالمین، دارالاشاعت کراچی، ص 547...... 34. جامع الترمذی، قدیمی کتب خانہ، جلد اول، ص 263...... 35. جامع الترمذی، قدیمی کتب خانہ، جلد اول، ص 263...... 36. جامع الترمذی، قدیمی کتب خانہ، جلد اول، ص 261...... 37. محمد ھارون معاویہ، اصلاحِ معاشرہ کے رہنما اصول، دارالاشاعت کراچی، ص 56...... 38. صحیح البخاری، ص 1008...... 39. ابو داؤد شریف، الجزء السادس، باب 35 حدیث 2276...... 40. الدر المنصور علیٰ سنن ابی داؤد، مکتبہ الشیخ، ص 347...... 41. محمد ھارون معاویہ، اصلاحِ معاشرہ کے رہنما اصول، دارالاشاعت کراچی، ص 63...... 42. مشکوٰۃ المصابیح، ص 322...... 43.

Marfat.com

القران، سورۃ الانعام آیت 152...... 44. القران، سورۃ المائدہ آیت 2...... 45. القران، سورۃ المائدہ آیت 8...... 46. لباب العقول، ص 85...... 47. القران، سورۃ الحجرات آیت 13...... 48. یاسمین انصاری، ''امت مسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک''، مقالاتِ سیرت (خواتین)، وزارتِ مذہبی امور پاکستان، ص 477 ...... 49. مشکوٰۃ المصابیح، ص 43...... 50. مشکوٰۃ المصابیح، ص 43...... 51. القران، سورۃ بنی اسرائیل آیت 23...... 52. ڈاکٹر طاہرالقادری، مقدمہ سیرۃ الرسول ﷺ، ص287...... 53. ڈاکٹر طاہرالقادری، مقدمہ سیرۃ الرسول ﷺ، ص288...... 54. ڈاکٹر طاہر القادری، مقدمہ سیرۃ الرسول ﷺ، ص288۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد سلیم الدین جامعی۔ گوجرانوالہ

تمام حمد و ثناء کے لائق وہی ذات بے ہمتا ہے جو وحدہ لاشریک ماورائے تشکیک اور رب العالمین ہے۔ کروڑوں درود وسلام اس ذاتِ اقدس پر جو نبی آخر الزمان اور رحمۃ للعالمین ہیں اسی رب کریم نے اپنے محبوب پیغمبر علیہ السلام ﷺ کے ذریعے امت محمدیہ کو عدل و احسان اور صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا۔(۱) عدل کسی بھی اسلامی یا غیر اسلامی معاشرے کی بقاء وسکون کے لیے ایک لازمی عنصر ہے۔ ایک ریاست کی بقاء کے لیے یہ ضروری امر ہے کہ اس کے تمام اجزائے ترکیبی کے تعلقات اور ربط وضبط میں توازن اور اعتدال موجود ہو۔ اگر اس بنیادی اصول سے انحراف کیا جائے تو ریاست یا معاشرہ فطری اصول توازن سے ہٹ جاتا ہے جس کا انجام تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا ہے۔ انسان رب کریم کی افضل مخلوق ہے۔ انبیائے کرام وحی الٰہی کی روشنی میں اپنی امت کیلیے ضابطہ حیات وضع کرتے ہیں جس میں نہ کسی کے لیے رعایت ہوتی ہے اور نہ استثناء اگر کوئی انسانی ادارہ وحی الٰہی کی روشنی کے بغیر انسانوں کے لیے قانون سازی کرے گا تو وہ عدل پر مبنی نہیں ہوگی۔ اس قانون سازی میں کسی طبقے کو نوازا جائے گا اور کسی کو محروم کیا جائے گا۔ اس غیر فطری قانون سازی کے تباہ کن اثرات ریاست اور معاشرے کو راہ بقاء سے ہٹانے کے لیے کافی ہوتے ہیں جن کا مشاہدہ ہم موجودہ دور میں بخوبی کر سکتے ہیں۔

اسلامی ریاست اور نظام زندگی کی تشکیل میں عدل کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اصول عدل پر عمل پیرا ہو کر اپنی دنیوی و مادی ترقی ممکن ہوتی ہے اور اسی کے ذریعے اخروی فلاح حاصل ہوتی ہے۔ فطرت کے اس اصول توازن کے تحت نظام زندگی چلانے کے لیے ایک اسلامی یا غیر اسلامی ریاست حکومتی سطح پر بعض اداروں کا قیام عمل میں لاتی ہے۔ نظام عدل بھی انہی اداروں میں سے ایک ہے۔ اسلام نے عدل کو ایک بنیادی اہمیت دی ہے۔ رب عظیم کی کائنات میں صرف اور صرف اسی کا حکم چلتا ہے۔(۲) اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلے نہیں کرتے ہیں تو وہ کافر ہیں۔(۳) اسلامی ریاست میں قائم کردہ حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اسلام کو بطور نظام حیات بالفعل قائم کرے۔ جس طرح رب کریم کی بڑائی آسمانوں میں ہے اسی طرح اس بڑائی کو زمین پر قائم کیا جائے۔ ایسے ہی لوگ حکومت ملنے پر نظام نماز، زکوٰۃ قائم کرتے ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں۔(۴)

عدل کے معنی و مفہوم:

عدل عربی زبان کا لفظ ہے جو تین حروف ع، د، ل پر مشتمل ہے۔ لغوی معنی سیدھا کرنا، برابر کرنا، توازن قائم کرنا اور افراط و تفریط سے بچنا۔

اصطلاح اسلام میں عدل کا معنی زندگی کے تمام شعبوں میں توازن اور اعتدال قائم کرنا ہے۔ کسی چیز یا بوجھ کو دو برابر

Marfat.com

حصوں میں منقسم کرنا بھی عدل کہلاتا ہے۔ عدل کا ہم معنی لفظ قسط ہے اور اس کی ضد ظلم ہے کسی چیز کو اس کے صحیح موقع و محل میں رکھنا عدل کہلاتا ہے جبکہ ظلم کا معنی کسی بھی شے کو اس کے صحیح مقام سے الگ کر دینا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے یہ اس کا حق اور مقام ہے اگر کوئی صرف اور صرف اللہ ہی کی عبادت کرتا ہے تو یہ عدل ہے اور اگر اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی شریک عبادت کر لیا جائے تو یہ شرک اور ظلم ہو گا عام طور پر عدل کو انصاف کے ہم معنی سمجھا جاتا ہے۔ بلاشبہ عدل کے معنی میں انصاف کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے اور بعض دفعہ عدل سے مراد انصاف ہی ہوتا ہے درحقیقت انصاف ہی عدل نہیں ہے بلکہ عدل ایک ایسی اصطلاح جو وسیع مفہوم کی حامل ہے۔ لفظ انصاف میں عدل کا مکمل مفہوم نہیں پایا جاتا ہے۔ انصاف کے معنی کسی شے کو آدھا آدھا کرنا ہے جیسے قرآن پاک کی ایک آیت میں آتا ہے کہ ''اور تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا آدھا حصہ تمہیں ملے گا اگر وہ بے اولاد ہوں''۔(۵)

قرآن حکیم میں لفظ انصاف کسی بھی جگہ نہیں آیا ہے جن معنوں میں اردو زبان میں انصاف استعمال کیا جاتا ہے ان کے لیے قرآن حکیم عدل کی اصطلاح استعمال کرتا ہے اسی وجہ سے انصاف کو کسی نے بھی فقہی اصطلاح میں شمار نہیں کیا ہے۔ یہ مفہوم لفظ عدم سے ادا کیا جاتا ہے لفظ اعتدال بھی عدل سے نکلا ہے جس کا معنی توازن ہے۔ معتدل بھی عام استعمال کا لفظ ہے جس کا معنی ایسی شے ہے جس میں توازن پایا جائے۔ عادل کا لفظ اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو عدل کرتا ہے۔ عدل سے ہی لفظ عدالت نکلا ہے جو اس مقام یا جگہ کو کہتے ہیں جہاں معاملات عدل کیے جاتے ہیں۔ قرآن حکیم کی ایک آیت میں عدل کا لفظ انصاف کے لیے استعمال ہوا ہے۔(۶) تو دوسری آیت میں راہ راست سے ہٹ کر چلنے کے لیے آیا ہے۔(۷)

قدیم و جدید ادوار کے مفسرین قرآن نے عدل کے متعلق بہت بحثیں کی ہیں ان کے مطابق لفظ عدل کے اصلی معنی تو برابر کرنے کے ہیں تاہم مختلف نسبتوں سے عدل کے معنوں میں تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ عدل کا ایک مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور رب کے مابین عدل کرے۔ یعنی اللہ کے حقوق کو اپنے نفس پر اور اللہ کی رضا جوئی کو اپنی خواہشات پر ترجیح دے۔ اللہ کے احکامات کی مکمل پیروی کرے اور ممنوعات و محرمات سے مکمل پرہیز کرے۔ اپنے نفس کے ساتھ عدل کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جن سے اس کی جسمانی یا روحانی ہلاکت کا خدشہ ہو۔ عدل کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوقات کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی سے پیش آئے اور کسی معمولی بات میں بھی دوسرے کے ساتھ ذرا بھی خیانت نہ کرے۔ عدل سے مراد یہ بھی ہے کہ جب دو فریقین کے درمیان کسی معاملے کا فیصلہ کیا جائے تو کوئی ذاتی میلان، ذاتی رجحان یا قرابت داری کی عصبیت آڑے نہ آئے بلکہ صحیح اور درست فیصلہ کرے۔ عدل میں عقیدے، عمل اور اخلاق سب کا اعتدال شامل ہے۔ ایک اور مفہوم کے مطابق تصور عدل دو مستقل حقیقتوں پر مشتمل ہے ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن قائم ہو اور دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بلا روک ٹوک اور بے لاگ طریقے سے حاصل ہو۔ ان تمام آراء کے تناظر میں یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انصاف سے مراد کسی شے کو محض حسابی عمل کے قواعد پر آدھا آدھا کرنا ہوتا ہے جبکہ اس کے مقابل عدل کا دائرہ بہت وسیع ہے جو زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں متوازن اور معتدل راہ اختیار کرنا۔ لفظ عدل کو محض مقدمات کے فیصلے تک ہی محدود کر دینا بذات خود عدل کے منافی ہے۔ خود

Marfat.com

رسول کریم ﷺ کی تعلیمات اور عملی زندگی کے مطالعہ سے بھی یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آپ نے انفرادی زندگی سے اجتماعی زندگی تک، گھر سے بازار تک، بازار سے عدلیہ کے ایوان تک اور حکومتی ایوانوں سے مسجد و مکتب تک زندگی کے تمام شعبوں میں عدل کو اختیار کیا اور اختیار کرنے کا حکم دیا۔ عدل کے لغوی معنی میں ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ ''حق کے ساتھ فیصلہ اور ظلم کا متضاد'' کسی چیز یا شے کو اس کے درست مقام پر رکھنا ہی عدل ہے جب کسی چیز کو اس کے درست مقام پر نہیں رکھا جاتا یا کسی کو اس کے جائز حقوق نہیں دیئے جاتے ہیں تو یہ ظلم بن جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں عدل کا ذکر:

آخری کتاب ہدایت میں رب کریم نے بہت تواتر کے ساتھ عدل کا ذکر کیا ہے۔ عدل کا تعلق زندگی کے تمام شعبوں سے ہے۔ قرآن حکیم کی بہت سی آیات میں مختلف حوالوں سے عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ زندگی کے ان تمام شعبوں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

عدل و احسان کا عام حکم:

سورۃ النحل کی آیت ۹۰ میں ارشاد ربانی ہے کہ ''اللہ عدل او راحسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم سبق سیکھو''۔(۸)

اولین مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مطابق یہ قرآن پاک کی جامع ترین اور محکم آیت ہے۔ اس آیت میں پوری اسلامی تعلیمات کو چند الفاظ میں سمو دیا گیا ہے۔ اسی بناء پر سلف صالحین کے عہد مبارک سے آج تک یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ جمعہ وعیدین کے خطبوں میں اس آیت مبارکہ کی تلاوت بہت اہتمام سے کی جاتی ہے۔ اسی آیت کی وجہ سے ایک صحابی حضرت اکثم بن صیفیؓ اور ان کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔(۹)

مندرجہ بالا آیت میں رب کریم نے تین ایسی چیزوں کا حکم دیا جن پر پورے انسانی معاشرے کی درستگی کا انحصار ہے۔ یہ تین باتیں عدل، احسان اور صلہ رحمی ہیں اوپر کی تین بھلائیوں کے مقابلے میں آیت کے دوسرے حصے میں اللہ تعالیٰ انسانوں کو تین قسم کی برائیوں سے روکتا ہے یہ برائیاں انفرادی حیثیت سے افراد کو اور اجتماعی حیثیت سے پورے معاشرے کو خراب کرتی ہیں۔ یہ برائیاں فحشاء جس کا اطلاق تمام بیہودہ اور تمام شرمناک افعال پر ہوتا ہے۔ منکر سے مراد ہر وہ برائی ہے جسے انسان بالعموم برا جانتے ہیں۔ ہمیشہ سے برا کہتے رہے اور تمام شرائع الٰہی نے جس سے منع کیا ہے تیسری چیز بغی ہے جس کے معنی ہیں اپنی حد سے تجاوز کرنا اور دوسرے کے حقوق پر دست درازی کرنا چاہے اور حقوق خالق کے ہوں یا مخلوق کے۔ ایک اور آیت میں رب کریم نے انصاف کرنے کا حکم دیا اور فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔(۱۰)

ناپ تول میں عدل کا حکم:

روزمرہ کی عام زندگی میں عدل کو سب سے زیادہ ضرورت ناپ تول میں ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی برائی ہے جو انبیائے سابقین کی امتوں میں پائی جاتی تھی جیسے حضرت شعیب علیہ السلام کی امت میں یہ برائی موجود تھی۔ ناپ تول میں کمی ایک ایسی برائی ہے جس کے باعث حضرت شعیب علیہ السلام کی امت پر عذاب الٰہی نازل ہوا۔ ناپ تول میں عدل کے بارے

Marfat.com

میں ارشاد ربانی ہے: ''اور انصاف کے ساتھ پورا پورا ناپ تول کرو''۔(۱۱) سورۃ الرحمٰن میں ارشاد ہے:

﴿وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ﴾ اور وزن انصاف کے ساتھ پورا کرو اور تولنے میں کمی نہ کرو۔(۱۲)

عدالتی امور میں عدل و انصاف کا حکم

عدالتی معاملات میں عدل و انصاف کے بارے میں قرآن پاک نے مندرجہ ذیل ہدایات دی ہیں۔ عدالتی معاملات میں دستاویزات کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے اس لیے دستاویز لکھنے میں بھی عدل کا حکم دیا گیا ہے ''اور چاہیے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا عدل و انصاف کے ساتھ لکھے''۔(۱۳)

عدالت کے فیصلوں کی بنیاد میں گواہی کی بھی خاص اہمیت ہوتی ہے اس لیے گواہوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ صحیح صحیح گواہی دیں حکم الٰہی ہے۔ ''اور وہ (رحمٰن کے بندے) جھوٹے گواہی نہیں دیتے''۔(۱۴) ''اور جب تم بات کہو (یعنی گواہی دو) تو عدل سے کہو''(۱۵)۔ ''اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جس کے ذمہ اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے''۔(۱۶)

اور شہادت ہرگز نہ چھپاؤ جو شہادت چھپاتا ہے اس کا دل گناہ میں آلودہ ہے''۔(۱۷) عدالتی امور میں آخری اور اہم مرحلہ حتمی فیصلے کا ہوتا ہے۔ اس کے لیے بھی رب کریم نے عدل کا حکم دیا ہے۔ ''اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو''۔(۱۸)

صلح کراتے ہوئے عدل کا حکم

اسلام دو بھائیوں، دو اشخاص میں یا دو گروہوں میں کسی جھگڑے کی صورت میں صلح کرانے کی ترغیب دیتا ہے۔ میاں بیوی کے معاملات کو بھی عدل کے ذریعے نبٹانے کی تاکید کرتا ہے۔ صلح کراتے ہوئے بھی عدل و انصاف کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے ارشاد خداوندی ہے: ''پس ان دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرا دو''۔(۱۹)

غیر مسلموں کے ساتھ عدل کرنے کا حکم

دین مبین اسلام صرف مسلمانوں کے ساتھ ہی عدل و انصاف کرنے کی تلقین نہیں کرتا ہے بلکہ غیر مسلموں سے بھی عدل کا معاملہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ قرآن حکیم میں نبی کریم ﷺ کو بھی یہی حکم دیا گیا ہے۔ ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے (یہود و نصاریٰ) کے درمیان انصاف کروں''۔(۲۰)

دشمنوں کے ساتھ بھی عدل کا حکم

اسلام دشمنوں کے ساتھ بھی ظلم و ستم اور زیادتی و ناانصافی کو جائز نہیں سمجھتا ہے قرآن میں ارشاد ربانی ہے: ''تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف سے پھر جاؤ عدل کرو، یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے''۔(۲۱)

اپنی ذات سے عدل کرنا

یہ عدل و انصاف کا مشکل ترین مرحلہ ہے کہ اپنی خواہشات انسانی کے مقابلہ میں عدل و انصاف کا دامن نہ چھوڑا جائے۔ اپنی ذات سے عدل کرنے کا یہ معنی ہے کہ ہمت و طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہ لی جائے۔ جذبات و خواہشات کو بے لگام نہ چھوڑا جائے بلکہ راہ اعتدال کو اختیار کر و اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں عدل و توازن قائم کیا جائے۔ قرآنی حکم ہے۔ ''اے

Marfat.com

ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اللہ کے لیے گواہ بنو اگر چہ اپنی ذات کے خلاف یا ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہو'۔(۲۲)

قرض و ادھار کے معاملات میں عدل:

معاشرتی زندگی میں اکثر اوقات ضروریات زندگی پورا کرنے کے لیے قرض یا ادھار لینے کی نوبت آ جاتی ہے۔ ان معاملات میں ناانصافی اور بھول کا بہت زیادہ امکان ہوتا ہے۔ اس لیے رب کریم نے قرض و ادھار کے معاملات عدل کے ساتھ کرنے اور لکھنے کا حکم دیا ہے۔''اے ایمان والو! جب تم ایک دوسرے کو مدت مقررہ تک قرض دو تو لکھ لیا کرو اور چاہیے کہ تمہارے درمیان لکھنے والا عدل و انصاف سے لکھے''۔(۲۳)

عائلی زندگی میں عدل کا حکم

عائلی اور گھریلو زندگی کی کامیابی کا بڑا دارو مدار اس میں ہے کہ میاں، بیوی والدین اور اولاد ایک دوسرے کے باہمی حقوق عدل کے ساتھ ادا کرتے رہیں۔ عدل کی ضرورت اس وقت اور زیادہ ہو جاتی ہے جب کسی مرد کے نکاح میں ایک سے زائد بیویاں ہوں اسلام نے دوسرے، تیسرے اور چوتھے نکاح کو عدل کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ''پس اگر تمہیں خوف ہو کہ تم انصاف نہ کرسکو گے تو ایک (بیوی) ہی کافی ہے''(۲۴)

یتیموں کے ساتھ عدل کا حکم:

یتیم بچے معاشرے کے کمزور ترین افراد ہوتے ہیں۔ اسلام ان کے تمام حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔ ان کا مال ناجائز طریقے سے کمانا بھی منع ہے اور ان کے بالغ ہونے تک ان کے مال کی عدل کے ساتھ حفاظت کرنا اور انہیں منتقل کرنا بھی ضروری ہے۔ ان کے تمام معاملات میں عدل کرنے کا حکم ہے ''اور یتیموں کے ساتھ انصاف کو قائم رکھو''۔(۲۵)

امت محمدیہ ﷺ کی خصوصیت

قرآن حکیم نے امت محمدیہ کی ایک امتیازی اور بنیادی صفت عدل بیان کی ہے۔ یہ امت دین و دنیا کے ہر معاملے میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرتی ہے۔ اسی وجہ سے اسے امت وسط قرار دیا گیا ہے۔''ہم نے تمہیں امت وسط یعنی اعتدال پسند امت بنایا''۔(۲۶)

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت ۔ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

آج کی بھٹکی ہوئی انسانیت کو بالعموم اور امت مسلمہ کو بالخصوص سیرت طیبہ سے راہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ بنی نوع انسانی کوئی بھی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کا حل آپؐ کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ میں نہ ہو ضرورت صرف ایک کھوجنے اور دیکھنے والی آنکھ کی اور عمل کرنے والی سوچ کی ہے۔

نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو ستائش ربانی حاصل ہے۔(۲۷) حضور ﷺ کا پیغام اور تعلیمات اللہ کا فرمان اور آپؐ کی سیرت عمل بالقرآن ہے قرآن پاک اور آپؐ کی سیرت (ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ قرآن حکیم میں رب کریم نے انسانی ہدایت و رہنمائی کے لیے جو فرمایا نبی کریمؐ کی حیات طیبہ اس کی عملی تعبیر ہے۔

نبی آخر الزمان کی ذاتِ اقدس کاملیت، اکملیت اور جامعیت کا ایک حسین مرقع ہے۔ رب کریم نے جہاں

Marfat.com

حضور ﷺ کو اور بہت سی خصوصیات سے متصف کیا وہاں آپ کو عدل و انصاف اور نظام عدل و قضاء کا وہ لازوال ملکہ بھی عطا کیا جس کی مثال ملنا دشوار ہے۔ عدل اجتماعی اور عدل گستری اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ مقدس فریضہ ہے، انسانیت کا تقاضہ اور قومی ذمہ داری ہے تو پھر یہ کام وہی کرسکتا ہے جس کے ہونے کا احساس موجود ہو۔ نبی کریمؐ نے اپنی تعلیمات اور اسوۂ سے عرب کے گلہ بانوں کو جہاں بان و جہاں نگر بنا دیا۔ دوسروں کے حقوق پامال کرنے والوں کو عادل و منصف بنا دیا۔ نبی کریم کے عدل اجتماعی کے اسوۂ نے ہزاروں انسانوں کو منصب قضاء کی راہ دکھائی۔ سیرت طیبہ اور اسلامی تاریخ میں عدل و انصاف کے ایسے لازوال نمونے موجود ہیں جن کی نظیر نہ آج کے دور میں مل سکتی ہے اور نہ تا قیامت پیش کی جا سکے گی۔

احادیث نبویؐ اور عدل اجتماعی کا تصور:

ایک پیغمبر کی بعثت کا مقصد وحی الٰہی کی روشنی میں انسانوں کی رہنمائی کرنا ہوتا ہے۔ دنیا کے طاغوتی اور ظلم وستم پر مبنی فرسودہ نظام کی جگہ عدل و انصاف اور امن و آشتی کا نظام قائم کرنا کس قدر مشکل کام ہوتا ہے اس کا اندازہ ہم سیرت نبویؐ کے سرسری مطالعہ سے ہی بخوبی کر سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے ایک پیغمبر پیغمبر انقلاب ہوتا ہے۔ وہ وحی الٰہی کی روشنی میں اپنی تعلیمات اور اسوہ کی وجہ سے دنیا اور انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیتا ہے وہ جو نقش کھینچتا ہے وہ نقش جاوداں بن جاتا ہے اور اس کی حیات کا ہر لمحہ پیغمبرانہ لگتا ہے۔

نوع انسانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کیا۔ آپؐ نے نہ صرف انسانوں میں اعتدال و میانہ روی قائم کر کے دکھائی بلکہ ایسی اصولی ہدایات بھی امت کو عطا کیں جن پر عمل پیرا ہو کر ساری کائنات ارضی کے انسانی معاشروں میں توازن اور میانہ روی پیدا کر کے عدل کے تقاضوں کو پورا کیا جاسکتا ہے۔ عدل و انصاف اور عدل اجتماعی کے متعلق رسول کریم ﷺ کے ایسے جواہر آبدار دیں جو سراپا نور ہدایت ہیں اور اسی نور کی خوش نما شعاعوں سے انسانی زندگی کی ظلمتوں، مشکلوں اور تاریکیوں میں روشنی اور رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ کسی بھی دور اور عہد میں کوئی انسان حکمت و رہنمائی کے اس لازوال ذخیرے سے بے نیاز اور الگ ہو کر کامیابی و کامرانی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا ہے۔ ذیل میں کچھ احادیث نبویؐ کا تذکرہ ہے جو عدل و انصاف کے متعلق ہیں۔

عدل و انصاف کرنے والے حکمران کو آپؐ نے زمین پر اللہ کا سایہ قرار دیا۔(۲۸) بروایت حضرت ابوھریرہؓ رسول کریم ﷺ نے عادل و منصف حاکم وحکمران کے لیے اللہ تعالیٰ کے سایہ کی خوش خبری دی جب قیامت کے روز کوئی اور سایہ نہ ہوگا۔(۲۹)

ایسے لوگ جو حکومتی امور، اپنے اہل وعیال اور فرائض میں عدل و انصاف کرتے رہے ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے منبروں پر فروکش ہوں گے۔(۳۰)

ایسا صاحب اقتدار حاکم عادل جسے انصاف کی توفیق ملی ہو وہ جنت کا مستحق ہوگا۔(۳۱)

نظام عدالت کے انصاف کے متعلق آپؐ کا ایک نہایت ہی جامع ارشاد ہے کہ بار ثبوت مدعی پر ہے اور قسم مدعا علیہ پر(۳۲)۔

نظام عدل و انصاف کے بارے میں یہ ایک نہایت ہی سادہ اصول ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو مقدمات کے فیصلے ہونے کی راہ میں تمام مشکلات دور ہوسکتی ہیں۔ جو شخص کسی پر دعویٰ کرتا ہے ثبوت بہم پہنچانا اس کی ذمہ داری ہے اور عدم ثبوت

Marfat.com

کی بناء پر مدعٰی علیہ قسم کھانے کا پابند ہوگا نبی کریم ﷺ نے عدل و انصاف کو نہ صرف انفرادی زندگی میں رائج کیا بلکہ اس کا حصول تمام انسانوں کے لیے سہل بنایا۔ آپؐ نے ایک ایسا معاشرہ اور پھر ایک ایسی ریاست تشکیل دی جس می عدل اجتماعی کو ایک بنیادی اہمیت حاصل تھی۔

آپؐ نے منصب قضاء پر فائض ہونے والوں کے لیے سخت شرائط بھی بتائیں اور ان کو آخرت کی جوابدہی کے لیے بھی تیار رہنے کا حکم دیا۔ آپؐ نے منصب قضاء پر فائز ہونے والے شخص کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے اسے بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا ہو۔(۳۳)

یعنی قاضی کا فریضہ سرانجام دینا اتنا ہی مشکل کام ہے جتنا بغیر چھری کے ذبح کیا جانا۔ اس لیے منصب قضاء قبول کرنے والے کو اس راہ کی تمام مشکلات کا خوب اندازہ کر لینا چاہیے۔ روز قیامت عادل قاضی کا اس قدر سخت احتساب ہوگا کہ وہ تمنا کرے گا کہ کاش کبھی دو آدمیوں کے درمیان ایک کھجور کا بھی فیصلہ نہ کیا ہوتا۔(۳۴) عدل اجتماعی کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کا ایک سنہری اصول یہ بھی ہے کہ منصب قضاء یا کسی اور منصب پر ایسے شخص کو فائز نہ کیا جائے جو اس عہدہ یا منصب کا طلب گار ہوتا ہے۔(۳۵)

یہ ایک اہم ہدایت ہے کیونکہ ایسا شخص اپنے فرائض منصبی یا باطریق احسن ادا نہیں کر سکے گا۔ ایسے لوگ عموماً جاہ پسند اور ریا کار ہوتے ہیں۔ ان سے کسی بھلائی یا عدل و انصاف کی توقع نہیں رکھی جاسکتی ہے ان کا زیادہ وقت یا تو منصب کے حصول میں گزرتا ہے یا پھر منصب کی بقاء کی جدوجہد میں۔ ایسے مشاہدے آج کل ہمارے معاشرے میں عام ہیں اور ان کے نتائج بھی آنکھوں کے سامنے ہیں۔

لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کرنا نیکی کے بہترین اور افضل ترین کاموں میں سے ایک ہے۔ اس کے دنیا میں بھی، اچھے ثمرات نکلتے ہیں اور یہ اخروی اجر کے اعلیٰ ترین درجات کا بھی باعث ہے۔ کسی بھی ملک میں مادی وسائل سے ترقی و خوشحالی کے وہ نتائج نہیں نکلتے ہیں جو نظام عدل و انصاف قائم کرنے سے سامنے آتے ہیں۔ عدل و انصاف کرنے والا رب کریم کا پسندیدہ بن جاتا ہے۔ جو قاضی یا منصب اپنے علم وحکمت سے کام لیتا ہے اور لوگوں کے فیصلہ میں انصاف کرتا ہے یعنی ہر حق والے کو اس کا حق ملے اور اس کی داد رسی ہو، وہ قابل رشک ہے۔ جب تک نظام عدل و انصاف قائم رہے گا زمین و آسمان قائم رہیں گے۔ اللہ کے محبوب بندوں نے منصب قضا پر کام کرنے کو اللہ کی راہ میں ایک سال جہاد کرنے سے افضل جانا ہے۔ کسی نے منصب قضاء کی ذمہ داری کو چار غلام آزاد کرنے سے بہتر سمجھا ہے۔ عدل و انصاف کرنے والے کے لیے دو اجر ہوتے ہیں ایک اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کی وجہ سے اور دوسرے اس راہ میں آنے والی مصیبتوں کو برداشت کرنے پر۔

اسوۂ رسولؐ کی روشنی میں عدل اجتماعی کی اہمیت

نظام عدل و انصاف کو قائم کرنے اور منصب قضاء پر فائز ہونے والے کسی بھی منصف کے لیے ضروری ہے کہ:

- ذاتی پسند اور ناپسند سے بالاتر ہو کر فریقین سے حسن معاملہ کرے۔
- ہمہ وقت غیر جانبدار رہے۔

Marfat.com

- خوشی اور غصہ دونوں حالتوں میں عدل کا دامن نہ چھوڑے۔
- بلاامتیاز مذہب، رنگ ونسل اور قوم وملت کے فرائض منصبی ادا کرے۔
- عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے قرائن، شواہد استنباط اور اجتہاد سے کام لے۔
- بار ثبوت مدعی پر ڈالے اور قسم مدعا الیہ پر، گواہوں کی روشنی میں مقدمات کی صورت واضح کرے۔
- واقعاتی شواہد کو خوب کھوج و تلاش کے بعد قبول کرے۔
- فیصلے اپنی عقل، بصیرت کوشش اور علم کے مطابق کرے۔

مندرجہ بالا اوصاف کی روشنی میں جب ہم نبی کریمؐ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ آپؐ کا اسوہ عدل و انصاف ان سے کہیں بلند و برتر ہے۔ رسول کریمؐ نہ صرف ایک کامل منصب کی حیثیت سے مبعوث ہوئے بلکہ ایک منصف ساز کی حیثیت سے بھی تشریف لائے۔ جو مسائل بڑے بڑے فلسفیوں اور دماغ والوں کی سمجھ میں نہ آئے آپؐ نے وہ مسائل معمولی توجہ سے ہی حل کر دیئے۔ نبی کریمؐ الجھے ہوئے مقدمات و معاملات اور باہمی تنازعات کا فیصلہ اس حکمت و دانائی اور خوب صورتی سے کرتے کہ ہر فریق مطمئن اور مسرور ہو جاتا اور اپنے دل میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کرتا۔ آپؐ کی سیرت طیبہ، تعلیمات اور عدل و انصاف کے فیصلہ جات کا مطالعہ کر کے نسل انسانی کے ہزاروں افراد منصف بن گئے۔ تاریخ اسلام اپنے عدل و انصاف کے لازوال نمونوں کے تذکرے کے باعث قابل فخر ہے۔ مہذب اور متمدن دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا منصف آپؐ کے عدل و انصاف کے فیصلوں کے عشر عشیر تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔

ہادی برحق آنحضورﷺ نبوت سے قبل ہی مکہ میں ایک منصف اور صادق و امین کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ مکہ کا بچہ بچہ اس حقیقت سے آگاہ تھا کہ محمدؐ جو کچھ کہتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں وہ بالکل صحیح ہے۔ خود آپؐ کا سب سے بڑا مخالف ابوجہل بھی آپؐ کی ان خوبیوں کا معترف تھا۔ وہ آپؐ کی ذات سے دشمنی نہیں رکھتا تھا بلکہ اس دعوتِ الٰہی کا دشمن تھا جس کے آپؐ داعی تھے۔ یعنی وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے لیکن ظالم آیات الٰہی سے انکار کرتے رہے۔(۳۶)

قبل از اسلام زمانہ جاہلیت میں بھی اہل مکہ اپنے تنازعات میں نبی کریم کو حکم بناتے، آپؐ کے پاس مقدمات لاتے اور آپؐ کے فیصلوں کو قبول کرتے۔ حجر اسود کی خانہ خدا میں دوبارہ تنصیب کا مقدمہ بھی نبی کریمؐ کے مدبرانہ فیصلے سے حل ہوا۔ ہر قبیلہ کے سردار کی دلی خواہش یہ تھی کہ وہ حجر اسود کو اپنے ہاتھوں سے نصب کرے اور کوئی دوسرا اس میں شامل نہ ہو۔ فریقین کے مابین جھگڑے نے طول پکڑا اور قبائل قریش باہم مقابلے پر آ گئے۔ تاہم یہ مقدمہ جلد ہی آپؐ کے پاس آ گیا۔ قریش نے آپؐ کو حکم مانتے ہوئے اقرار کیا کہ آپؐ جو بھی فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہوگا۔ رسول کریمؐ نے اپنے استحقاق کے باوجود ایک چادر میں حجر اسود ڈالا اور قبائل کے تمام سرداروں نے چادر پکڑ کر اٹھائی نبی کریمؐ نے پھر حجر اسود کو اپنے ہاتھوں سے بیت اللہ کے کونے میں نصب کردیا۔ اس طرح آپؐ کی حکمت عملی سے قریش ایک بڑی جنگ سے بچ گئے۔(۳۷)

نبی کریمؐ نے مدینہ منورہ میں ایک قانونی و دستوری ریاست وحی الٰہی کی روشنی میں تشکیل دی۔ یہ دنیا کی پہلی ریاست تھی جس کا دستور لکھا گیا تھا اس میثاق مدینہ کے باعث مہاجرین، انصار اور یہود کے مابین حقوق و فرائض کا تعین ہوا۔ جس دن

Marfat.com

یہ ریاست بنی اسی رات کو مدینہ میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو بھوکا سویا ہو یا بے خانماں ہو۔ نبی کریمؐ نے اپنے اصحاب میں خود احتسابی اور تعلق باللہ کا ایسا تصور پیدا کر دیا تھا کہ نہ کوئی چرب زبانی سے فیصلہ اپنے حق میں کروا سکتا تھا اور نہ ہی کوئی جھوٹا دعویٰ کر سکتا تھا۔ حق پر ہوتے ہوئے بھی محض خوفِ الٰہی کے باعث ایک فریق دوسرے کے حق میں دست بردار ہو جاتا۔ مدینہ کے یہود نے جب تک اپنے عہد کی پاسداری کی وہ آرام وسکون سے رہتے رہے۔ نبی کریمؐ یہود کے ساتھ تمام معاملات میثاق مدینہ کے تحت چلاتے رہے۔ تاہم یہود اپنی بدعہدیوں کے باعث مدینہ منورہ سے جلا وطن ہوئے۔

رسول کریمؐ نے اپنے عہد پاک میں صحابہ کو منصب قضاء کی تربیت دی۔ ان کے لیے سخت شرائط طے کیں۔ مختلف محلوں میں قاضی مقرر کیے جو مقامی طور پر مقدمات کا فیصلہ کر دیتے۔ کوئی اہم مقدمہ ہوتا تو آپؐ کی عدالت میں آجاتا کسی فیصلہ پر نظرثانی کرنا ہوتی تو وہ بھی آپؐ کی عدالت میں پیش ہوتا۔

ایک بار ایک یہودی اور مسلمان میں جھگڑا ہو گیا دونوں آپؐ کی عدالت میں آ گئے۔ مقدمہ پیش ہوا، شہادتیں لی گئیں اور نبی کریمؐ نے فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا۔ وہ مسلمان درحقیقت منافق تھا۔ اس نے آپؐ کے فیصلے سے اختلاف کرتے ہوئے یہودی کو کہا کہ چلو عمر فاروق کی کچہری میں بھی مقدمہ پیش کر دیتے ہیں۔ حضرت عمر مقدمے کی روداد سن کر اٹھے اور تلوار سے مسلمان کا سرتن سے جدا کر دیا اور فرمایا جسے حضورؐ کا فیصلہ پسند نہیں ہے اس کی یہی سزا ہے جب اس واقعہ کی اطلاع نبی کریمؐ کو ہوئی تو آپؐ نے حضرت عمر سے پوچھا تم نے یہ کیا کیا؟ ساتھ ہی وحی الٰہی کا نزول ہوا جس نے فاروق اعظم کے فیصلے کی تصدیق کر دی۔ آپؐ کے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپؐ کو اپنے معاملات میں حاکم نہ بنائیں اور پھر آپؐ کے کیے ہوئے فیصلہ سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور دل و جان سے تسلیم کریں۔(۳۸)

قبیلہ بنی مخزوم کی عورت کا واقعہ تو آب زر کے ساتھ لکھنے کے قابل ہے۔ قریش کے اس قبیلے کی معزز عورت نے چوری کر لی۔ نبی کریمؐ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ قریش نے اس سزا کو اپنے لیے عار سمجھتے ہوئے حضرت اسامہ بن زید کے ذریعے اس سزا کو ساقط کروانا چاہا آپؐ کو یہ سن کر جلال آ گیا۔ فرمایا پہلی قوموں کی ہلاکت کی وجہ یہی تھی کہ جب کوئی بڑا جرم کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور غریب کو سزا دیتے۔ اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی ضرور کاٹ دیتا۔(۳۹)

غزوہ بدر کے موقع پر ایک صحابی سواد بن غزیہ تھوڑا سا صف سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ آپؐ نے چھڑی یا تیر سے سواد کے پیٹ کو ذرا دبا کر کہا کہ اندر ہو جاؤ۔ صحابی نے کہا میں بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ نبی کریمؐ نے بخوشی اپنے بدن سے قمیض اوپر کر کے بدلہ کے لیے پیش کر دیا تو وہ شخص آپؐ کے جسم اطہر کے ساتھ لپٹ گیا اور اپنی خوش بختی پر نازاں ہو گیا۔(۴۰)

حرفِ آخر

مندرجہ بالا صفحات میں نبی کریمؐ کی تعلیمات اور اسوہ کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے جو عدل و انصاف سے متعلقہ نہیں۔ عدلِ اجتماعی آپؐ کی تعلیمات کا بنیادی حصہ ہے۔ نبی کریمؐ کی عدالت تمام تکلفات سے مبرا تھی۔ آپؐ کے پاس جو بھی مقدمات آتے وہ فوراً فیصل ہو جاتے، نہ تاریخیں پڑتی تھیں، نہ وکیل ہوتے اور نہ ہی کچھ خرچ آتا۔ مدعی سے بار ثبوت مانگا جاتا۔ اگر شاہد نہ ملتا تو مدعا علیہ پر قسم ڈال دی جاتی بعض اوقات موقع پر جا کر شواہد اور تفصیلات معلوم کی جاتی تھیں۔ بعد ازاں مقدمے

Marfat.com

کی پوری جزئیات پر غور کر کے موقع پر ہی فیصلہ دے دیا جاتا۔

نبی کریمؐ کی کچہری میں کوئی تکلف نہ ہوتا۔نہ کوئی دربان ہوتا اور نہ ہی محرر اور وکیل ہوتے۔ سفارش کا بھی کوئی امکان نہیں تھا۔ آپؐ مسجد میں بوریئے پر بیٹھ جاتے اور فریقین بھی آپ ﷺ کے سامنے حاضر ہوتے۔ دونوں فریقوں کی بات سنی جاتی، گواہوں یا قسموں کے ذریعے بحث کی جاتی۔ فوراً فیصلہ صادر ہوتا، نہ سال لگتے نہ لمبی چوڑی تاریخ ملتی اور نہ ہی وقت اور پیسے کا ضیاع ہوتا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ فوراً اور سہل انصاف ملتا۔ یہ انصاف انفرادی بھی تھا اور مملکت کا مجموعی انتظام بھی عدل پر مبنی تھا۔ نبی کریمؐ نے اپنے اصحاب میں خود احتسابی اور تعلق باللہ کا تصور اس قدر پیدا کر دیا تھا کہ نہ کوئی چرب زبانی کرتا، نہ جھوٹی گواہی دیتا، نہ گواہی چھپاتا اور نہ ہی کوئی جھوٹا دعویٰ کرتا۔

مملکت خداداد پاکستان کا نظام عدل تعلیمات نبویؐ سے بالکل مطابقت نہیں رکھتا ہے حصول انصاف کے لیے بہت سا وقت اور پیسہ صرف ہوجاتا ہے پھر بھی انصاف نہیں ملتا ہے۔ تعلیمات نبویؐ اور سیرت طیبہ میں تمام عصری مسائل کا حل موجود ہے۔ عشق و محبت نام ہے نبی کریمؐ کے نقوش کف پا سے بصیرت اور بصارت حاصل کرنے کا۔ تعلیمات نبویؐ اور سیرت طیبہ کی یہ تابانی اگر ہمارے پیش نظر نہ رہی تو ہم اسی طرح سرگرداں رہیں گے۔ آج کی منتشر فکر، پریشان عقل اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو اسی چوکھٹ سے آسودگی حاصل ہوگی۔

تیرے در کے سوا آسودگی اور کہاں ملتی
زمانہ تیرے در پر ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا

حواشی

۱- النحل ۱۶:۹۰۔ ۲- یوسف ۱۲:۴۰۔ ۳- المائدہ ۵:۴۴۔ ۴- الحج ۲۲:۴۱۔ ۵- النساء ۴:۱۲۔ ۶- نحل ۱۶:۹۰۔ ۷- نمل ۲۷:۶۰۔ ۸- نحل ۱۶:۹۰۔ ۹- ابن کثیر حافظ ابو العلی کی کتاب معرفۃ الصحابہ۔ ۱۰- الحجرات ۴۹:۹۔ ۱۱- الانعام ۶:۱۵۲۔ ۱۲- الرحمٰن ۵۵:۹۔ ۱۳- البقرہ ۲:۲۸۲۔ ۱۴- الفرقان ۲۵:۷۲۔ ۱۵- الانعام ۶:۱۵۳۔ ۱۶- البقرہ ۲:۱۴۰۔ ۱۷- البقرہ ۲:۲۸۳۔ ۱۸- النساء ۴:۵۸۔ ۱۹- الحجرات ۴۹:۹۔ ۲۰- الشوریٰ ۴۲:۱۵۔ ۲۱- المائدہ ۵:۸۔ ۲۲- النساء ۴:۱۳۵۔ ۲۳- البقرہ ۲:۲۸۲۔ ۲۴- النساء ۴:۳۔ ۲۵- النساء ۴:۱۲۷۔ ۲۶- البقرہ ۲:۱۴۳۔ ۲۷- الاحزاب ۳۳:۳۶۔ ۲۸- بخاری و مسلم شریف۔ ۲۹- بخاری و مسلم شریف۔ ۳۰- مسلم شریف۔ ۳۱- مسلم شریف۔ ۳۲- سنن نسائی۔ ۳۳- ابو داؤد۔ ۳۴- رواہ احمد۔ ۳۵- بخاری شریف۔ ۳۶- الانعام ۶:۳۳۔ ۳۷- سیرت ابن ہشام۔ ۳۸- النساء ۴:۶۵۔ ۳۹- بخاری شریف۔ ۴۰- سیرت ابن ہشام۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

محمد برہان الحق۔جہلم

ا۔ معاشرتی عدل و مساوات:

انسان ایک معاشرتی حیوان یا یوں کہیے کہ ہمیشہ سے مدنی الطبع رہا ہے اور اپنی فطرت میں جماعتی زندگی کا محتاج ہے۔ بغیر اجتماعیت کے اس کی زندگی ناممکن ہے۔ انسان اپنی پیدائش سے لے کر موت تک معاشرے کا محتاج ہے۔ اس کا جسم عقل اور خلق جیسے اہم عطیات بھی خالق کائنات نے جماعتی علائق کے لیے عطا فرمائے ہیں۔ دنیا میں آتے ہی وہ ایک خاندان میں آنکھ کھولتا ہے۔ اپنی پرورش کے لیے دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ (بھائی، بہن یا رشتہ دار وغیرہ کا) پھر ہوش سنبھالتے ہی اسے ایک سوسائٹی سے، ایک برادری سے، ایک قوم سے، ایک تمدن سے، نظام معیشت سے اور نظام سیاست سے واسطہ پڑتا ہے۔ نیز فرد یا انسان اپنی ہر متعلقہ شے مثلاً خوراک، لباس، مکان اور زندگی کے ہر دوسرے شعبے میں جماعت کا دست نگر ہے اور اگر اس سے وہ تمام علائق حذف کر دیئے جائیں جو جماعت کی بدولت اس کو حاصل ہوتے ہیں، تو پھر اس کے پاس کچھ بھی نہیں رہتا۔ اس کی حیثیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ انسان کے اعمال اغراض اور عادات کی جماعتی زندگی کے بغیر کوئی قیمت نہیں ہے۔

تھوڑے سے غور وفکر سے یہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ ہر فرد دوسرے کی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے اور ان سے متاثر بھی ہوتا ہے اور اس لیے اس کو فطری طور پر مدنی الطبع تسلیم کر لیتا ہے۔ چنانچہ جماعت کا وجود افراد پر موقوف ہے اور افراد جماعت کے ہر فرد کا نفع ونقصان پر اثر انداز ہوتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے سہارے قائم و دائم ہیں۔ غرض انسان کے بے شمار روابط ہیں جو ایک ایک انسان کو دوسرے انسانوں سے اور دوسرے انسانوں کو اس سے جوڑے ہوتے ہیں۔ ان کی درستی پر ہی ایک ایک انسان کی، ایک معاشرے کی اور مجموعی طور پر تمام انسانوں کی فلاح و بہبود کا انحصار ہے اور وہ اللہ ہی ہے۔ جو انسانوں کو ان روابط کے لیے صحیح اور منصفانہ اور پائیدار اصول و حدود بتاتا ہے جہاں انسان اس کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر خود مختار بنا اور اس نے بزعم خود انصاف کرنا چاہا تو پھر نہ کوئی مستقل اصول باقی رہتا ہے اور نہ انصاف و راستی جس معاشرے سے انصاف غائب ہو جائے۔ وہ معاشرہ افراتفری، خودغرضی اور ظلم وتشدد کی مثال بن جاتا ہے۔

عدل و انصاف زندگی بوقلموں رعنائیوں اور دلآویزیوں کی جان ہے اگر عدل و انصاف کے سوتے خشک ہو جائیں تو سارا گلشن ہستی اجڑ کر رہ جائے۔ یہ عالمگیر صداقت ہے جو ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے اور جسے ہر کوئی تسلیم کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ ظالم اور سفاک لوگ جن کی بربریت اور ستم رانیوں نے شرف احسانیت کی دھجیاں اڑا دیں۔ وہ بھی یہ نہیں کہہ سکے کہ عدل وانصاف سے ظلم وعدوان بہتر ہے بلکہ جہاں تک ان سے بن پڑا وہ اپنی چیرہ دستیوں کو بھی عدل و انصاف کا لباس پہنا کر پیش کرتے رہے۔

Marfat.com

جب کبھی بھی ہم اقوام عالم کے دستاویزات، دساتیر اور قوانین پر تنقیدی نگاہ ڈالیں گے یا ڈالتے ہیں تو بجز حیرت وحسرت کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ حیرت اس لیے کہ انسانی عقل وشعور نے اسے کیوں قبول کیا اور حیرت اس لیے کہ بے کس ومجبور اقوام پر عدل کے نام پر کتنے ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے گئے۔ ہر عدل کے نام پر کتنے ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے گئے۔ ہر معاشرہ میں ہمیں جھوٹے امتیازات اور ظالمانہ مراعات کے صنم کدے آباد نظر آتے ہیں۔ مگر لوگ ہیں کہ فرط محبت وفرط عقیدت سے ان کے گرد محو طواف ہیں۔ جس جگہ عدل کا یہ عالم ہو وہاں عدل کا فرضی وجود تو ہوسکتا ہے مگر حقیقی وجود نہیں ہوسکتا۔ جو خیرات وبرکات کا سرچشمہ ہے اور جس کے گھنے اور خنک سائے میں ستم رسیدہ انسانوں کو سکون نصیب ہوتا۔

ہر حق شناس پر یہ بات اظہر من الشمس ہونی چاہیے کہ عدل کا جو جامع نظریہ اسلام نے پیش کیا اور جس کا نمونہ آقا کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارکہ ہے۔ اس کی نظیر دنیا کے قدیم و جدید دساتیر اور مجموعہ ہائے قوانین پیش نہیں کر سکتے۔ صرف اسلامی نظام عدل کی برتری گزشتہ زمانوں تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ انسانیت کا کارواں چودہ صدیاں بعد بھی اس مقام پر نہیں پہنچ سکا۔ جس پر نبی امی ﷺ کے فیض نگاہ اور حسن تربیت سے عرب کے اکھڑ مزاج جاہل بدو پہنچ گئے تھے۔

عدل لغت کی روشنی میں:

کتب لغات میں عدل کے جو معانی و مفاہیم بیان کیے گئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱- عدل معنیٰ برابری، مساوات، انصاف، نصیر اور مانند ہے۔(۱)

۲- عدل کا معنی دو کونوں کی برابری ہے۔(۲)

۳- سمع باب سے اس کا معنی امور میں میانہ روی، قائم مقام ٹھہرنا، فدیہ مساوات ہے۔

۴- ضرب باب سے اس کا معنی تیر کو سیدھا کرنا ہے۔(۳)

۵- امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ عدل وہ لفظ ہے جو مساوات اور برابری کو چاہتا ہے(۴)۔

۶- امام یمنی فرماتے ہیں کہ عدل واجب التعمیل احکام پر عمل درآمد کا نام ہے اور عدل یہ ہے کہ حق کو تسلیم کیا جائے اور ظلم کا خاتمہ کر دیا جائے۔

۷- العدالت کے ضمن میں اس کا معنی راہ حق پر مستقیم ہونا، انصاف وتقویٰ(۵)۔

امام راغب اصفہانی کے نزدیک عدل کی پانچ اقسام ہیں:۔ ۱- وہ عدل جو خالق ومخلوق کے درمیان دائر ہے جس کا مطلب مخلوق خالق کے احکامات کو جانے پھر مانے۔ ۲- وہ عدل جو انسان کے اندر ہو مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات نفسانی کے مقابلے میں عقل کے تقاضوں کے مطابق زندگی گزارے۔ ۳- وہ عدل جو انسان اور اپنے بڑوں کے درمیان دائر ہے۔ ان کی وصیتوں، نصیحتوں پر عمل کرنا۔ ۴- وہ عدل جو لوگوں کے درمیان ہوتا ہے معاملات، معاشرت و مضاربت میں حقوق اور عدل وبرابری کا لحاظ رکھنا۔ ۵- وہ عدل جو سلطنت اور حکومت کے متعلق ہے بادشاہ رعایا سے مساوات وخیر خواہی کا معاملہ کرے۔(۶)

عدل قرآن حکیم کی روشنی میں:

خالق کائنات، مالک کائنات، اللہ رب العزت نے اپنی لاریب او رپاک ومنزہ کتاب میں کئی مقامات پر عدل

Marfat.com

ومساوات کا حکم فرمایا ہے مگر جگہ کی قلت کے باعث چند آیات کریمہ بمعہ ترجمہ یہ ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

۱- ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ (۷) تم لوگوں میں حق (سچ) کے ساتھ حکم کرو۔

۲- ﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾(۸) اور یہ کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو۔

۳- ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾(۹) بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم فرماتا ہے۔

عدل و انصاف فرض ہے۔ افراط و تفریط سے اجتناب عدل و انصاف ہے۔ عدل و انصاف اقوال میں بھی ہے اور افعال میں بھی۔ عدل کا احاطہ بڑا وسیع ہے ہر نوع کا عدل فرض ہے۔ (۱۰)

اسلامی طرزِ زندگی یا نظام حیات محض عبادت کے چند طریقوں یا اخلاقیات کے کچھ اصولوں کے نام نہیں۔ یہ ایک ایسا طرز عمل ہے، جو اسلامی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔ اس نظام حیات کا ہر نظریہ اور اصول جامع، کامل اور ہمہ گیر ہے۔ یہ زمان و مکان کی قید سے آزاد اور ہر انسان کے لیے نہ صرف قابل عمل ہے بلکہ اس حیات و معاد کی اصلاح و فلاح کا واحد ضامن ہے۔ عدل و انصاف نص قطعی سے ثابت ہے جیسا کہ اوپر چند آیات طیبات رقم کی گئی ہیں۔

عدل اور تعلیمات نبوی:

مطلق عدل کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''میری امت اس وقت تک سرسبز رہے گی جب تک یہ تین خصلتیں ان میں باقی رہیں گی۔ ایک تو یہ کہ جب وہ بات کریں گے تو سچ بولیں گے۔ جب وہ معاملات کا فیصلہ کریں گے تو انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیں گے۔ تیسرا یہ کہ جب ان سے رحم کی درخواست کی جائے گی تو کمزوری پر رحم کریں گے''۔ (۱۱) حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا انصاف کرنے والوں کو قرب الٰہی میں نوری ممبر عطا ہوں گے۔ (۱۲)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''قیامت کے دن اللہ سے سب سے زیادہ قریب اور اللہ کو سب سے پیارا امام عادل ہوگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''ظالم حکمران کے سامنے حق و عدل کی بات کہنا افضل ترین جہاد ہے۔ (۱۳) المختصر عدل و انصاف کی تعلیمات نبوی میں بہت تاکید ہے۔

عدل کی اقسام:

عدل ہماری پوری زندگی پر محیط ہے۔ سہولت کی خاطر ہم اسے دو بڑے شعبوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ انفرادی عدل اور اجتماعی عدل۔

اجتماعی عدل:

اسلام کے عدل اجتماعی کی بنیاد باہمی تعاون، ہم آہنگی، ہمدردی و خیر خواہی کے جذبے پر ہے۔ جو معاشرے میں رہنے والے مختلف حیثیتوں کے مالک (حامل) انسانوں کو باہم مربوط و متوازن بنا کر ایک اکائی میں پرو دیتا ہے۔ حدیث شریف کے الفاظ ''جسد واحد اور بنیان مرصوص'' ہیں۔ اجتماعی عدل کو مندرجہ ذیل شعبوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

۱- عائلی زندگی اور عدل اجتماعی کا تصور:

عائلی زندگی پورے معاشرے کی بنیاد ہے وہ گھرانہ جنت کا نمونہ ہوتا ہے کہ جس میں میاں بیوی والدین اور اولاد ایک دوسرے کے باہمی حقوق عدل و انصاف سے ادا کرتے ہیں۔ ازدواج زندگی میں عدل کی سب سے زیادہ ضرورت اس شخص کو ہوتی ہے کہ جس کی ایک سے زائد بیویاں ہوں کیونکہ جیسا وہ ایک بیوی اس کی اولاد کی طرف زیادہ دھیان دے گا ان کی زیادہ نگہداشت کرے گا تو باقی عدم عدل و انصاف کا شکار ہوں گے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے عائلی زندگی میں عدل و انصاف کی عمدہ مثال قائم کی ہے۔ عائلی زندگی میں عدل و انصاف کو قائم رکھ کر اس گھر کو جنت بنایا جاسکتا ہے ورنہ جب گھرانہ عدم توازن اور انتشار کا شکار ہوگا تو اس گھرانہ کا سکون ختم ہو جائے گا۔ گھریلو افراد میں حسد و بغض کے جذبات پیدا ہو جائیں گے۔ بیٹوں اور بیٹیوں پر ترجیح نہ دی جائے اور اولاد کے درمیان بڑے اور چھوٹے کے حقوق میں تفاوت نہ کرنا چاہیے کیونکہ تمام اولاد والدین کیساتھ یکساں نسبت رکھتی ہے۔

زوجہ کے ساتھ عدل و انصاف:

اسلام نے ایک سے زائد بیویوں کی اجازت ان میں عدل و انصاف سے مشروط کی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ایسے خاوند کے متعلق ارشاد فرمایا ہے جو عدل نہیں کرتا۔ کہ ''جو ازواج میں عدل و انصاف نہیں کرتا کہ جب کسی کی دو بیویاں ہوں اور اس نے ان کے حقوق میں عدل نہ رکھا تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا آدھا جسم گر گیا ہوگا۔ (ٹیڑھا ہوگا) (۱۴)۔

لیکن یہاں عدل و انصاف سے مراد ظاہری عدل ہے قلبی عدل نہیں کیونکہ دل پر کسی کا اختیار نہیں۔ ہاں باقی اور غذا، لباس، رہائش، ظاہری سلوک میں عدل مطلوب ہے۔ محسن کائنات حضور نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ جب (باریاں) تقسیم فرماتے تو عدل و انصاف فرماتے اور کہتے تھے اے اللہ یہ میری تقسیم ہے ان چیزوں میں جن کا مجھے اختیار ہے اور مجھ سے ان چیزوں کے بارے میں ناراض نہ ہونا جن کا مجھے اختیار نہیں۔ (۱۵)

بیوی پر شوہر کے اور شوہر پر بیوی کے حقوق و فرائض خدا و مصطفیٰ ﷺ نے متعین و مقرر فرمائے ہیں جس معاشرے میں انہیں ملحوظ رکھا جائے گا وہاں پیار و محبت، امن و آشتی اور سکون و اطمینان کے سدا بہار پھول مسکرائیں گے اور جس معاشرے میں ان کو ملحوظ نہ رکھا جائے گا جس میں عدل و انصاف کو روا نہ رکھا جائے تو وہ جہنم زار بن جائے گا۔ اگر ماں کے حقوق بیوی کو دے دیئے جائیں تب بھی عدل و انصاف نہیں رہے گا۔

اولاد کے ساتھ عدل و انصاف:

باپ بیٹوں کو بیٹیوں پر ترجیح (فوقیت) نہ دے۔ ولد کا لفظ بیٹا اور بیٹی دونوں کو شامل ہے (والولد اسم یجمع الواحد و الکثیر والذکر والانثی)۔ لہٰذا دونوں کے حقوق ایک جیسے ہیں۔ (۱۶)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''من کانت له انثی فلم یئدها ولم یُهنها ولم یؤثر ولده علیها ادخله الله الجنة'' (جس کی لڑکی ہو پھر وہ اس لڑکی کو زندہ درگور نہ کرے نہ اس کو ذلیل سمجھے اور نہ لڑکے کو اس پر ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا) (۱۷)۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''جس نے دو بچیوں کو پالا پوسا میں اور وہ جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح

Marfat.com

ہوں گے۔ آپ نے شہادت کی اور اس کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کیا۔(۱۸) حضورﷺ نے فرمایا کہ ''تم اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو یہاں تک کہ بوسہ لینے میں بھی''۔(۱۹) اسی طرح محسن کائنات حضورﷺ نے فرمایا کہ ''اپنی اولاد کا اکرام کرو اور اچھے اداب سکھاؤ''۔ اور فرمایا ''اپنی اولاد کو برابری دو اگر میں کسی کو فضیلت دیتا تو لڑکیوں کو فضیلت دیتا۔'' اور فرمایا کہ ''عطیہ میں اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو جس طرح تم خود چاہتے ہو کہ وہ سب تمہارے ساتھ احسان و مہربانی میں عدل کریں۔(۲۰)

المختصر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عائلی زندگی میں عدل و انصاف قائم کرنے کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ اگر عائلی زندگی میں عدل و انصاف کو ملحوظ خاطر رکھیں گے تو وہ گھرانہ جنت کا منظر پیش کرے گا اور اگر عدل و انصاف کو ملحوظ خاطر رکھیں گے تو وہ گھرانہ فساد، انتشار کا شکار ہوگا اور جہنم کا منظر پیش کرے گا۔

۲۔ معاشرتی زندگی میں عدل:

عائلی زندگی کے بعد معاشرتی زندگی میں بھی عدل بہت ضروری ہے باہمی تعلقات اور دیگر معاملات میں اگر عدل کو ملحوظ خاطر نہ رکھا جائے تو معاشرہ بے انصافی اور عدم توازن کا شکار ہو جاتا ہے اسلام معاشرتی عدل و انصاف کا درس دیتا ہے۔ اس کی نظر میں تمام ابن آدم انسانی شرف میں برابر ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ کسی کے حق میں ادب و احترام کا پہلو زیادہ ہے اور کسی کے حق میں شفقت و محبت کا پہلو زیادہ ہے۔ عمر میں بڑے احترام کے زیادہ حقدار ہیں اور کم عمر شفقت و محبت کے زیادہ حقدار ہیں۔ معاشرتی حقوق میں سب سے نازک پہلو یتیموں کے حقوق کا ہے کیونکہ اکثر لوگ یتیموں کی کفالت و پرورش کے بہانے سے ان کا مال غصب کرجاتے ہیں اسلام کی نظر میں یہ پسندیدہ نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ﴿وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ﴾(۲۱) اور تم یتیموں کے بارے میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو۔

یتیم:

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یتیم کے بارے میں تاکید فرمائی ہے آپﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص یتیم کی کفالت کرے وہ یتیم اسی گھر کا ہو یا غیر کا۔ میں اور وہ جنت میں اس طرح ہوں گے حضورﷺ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ کیا اور دونوں انگلیوں کے تھوڑا سا فاصلہ کیا۔(۲۲) اسی طرح حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''مسلمانوں کا سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ احسان کیا جائے اور سب سے برا گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ برا سلوک کیا جائے۔(۲۳)

حضور نبی کریمﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو فرمایا کہ ''اے معاذ! میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو سچ بولو، وعدے وفا کرو، امانتیں ادا کرو، خیانت چھوڑ دو، یتیم پر رحم کرو، پڑوسی کی حفاظت کرو، غصہ پی جاؤ، عاجزی اختیار کرو، سلام کرو، گفتگو میں نرمی کرو، ایمان پر ثابت قدم رہو، قرآن میں تدبر و تفکر کرو، آخرت سے محبت کرو، حساب سے ڈرو، امیدیں کم کرو، اچھے کام کرو، اور میں تمہیں روکتا ہوں مسلمان کو گالی نہ دو۔ سچے کی تکذیب اور جھوٹے کی تصدیق نہ کرو انصاف پرور حکمران کی نافرمانی نہ کرو اے معاذ ہر جگہ اللہ کو یاد کرو، ہر گناہ سے توبہ کرو، پوشیدہ گناہ ہو تو پوشیدہ اعلانیہ گناہ ہو تو اعلانیہ توبہ کرو۔(۲۴)

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تین افراد عرش کے سائے میں ہوں گے ان میں سے ایک وہ آدمی جو اپنے مال سے اچھا کھانا تیار کرے اور یتیموں کو کھلائے۔(۲۵)

Marfat.com

بوڑھوں کے بارے میں تعلیمات نبوی:

جوانوں کو چاہیے کہ اپنے بڑے بوڑھوں اور سن رسیدہ لوگوں کی ان کے بڑھاپے اور معمر ہونے کی وجہ سے عزت کریں۔ ان کے سامنے ادب و لحاظ سے رہیں۔ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جو نوجوان کسی بوڑھے کی اس کے بڑھاپے کی وجہ سے عزت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے میں دوسرے نوجوانوں کو اس کی عزت کے لیے مقرر کردے گا۔(۲۶)

حضورﷺ نے فرمایا کہ بوڑھے مسلمانوں کی تعظیم و تکریم بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم سے ہے۔(۲۷) رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جو بڑوں کا ادب و احترام نہیں کرتا وہ ہمارے طریقے پر نہیں۔(۲۸)

عامۃ الناس کے بارے میں تعلیمات نبوی:

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اخوت اسلامی کا رشتہ ملحوظ رکھیں عدل و انصاف کے ساتھ پیش آئیں کسی مسلمان پر ظلم نہ کریں۔ اگر کوئی دوسرا ظلم کرے تو مسلمان بھائی کو بے مدد نہ چھوڑے بلکہ اس کی مدد کرے۔

حضورﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ خود اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو بے ورد چھوڑے۔(۲۹) جن جن صورتوں میں شریعت نے سزاؤں یا لڑائیوں کی اجازت دی ہے ان صورتوں میں خبردار حد سے زیادہ نہ بڑھے۔ ہرگز ظلم نہ کرے عدل و انصاف سے کام لے۔ یہ شریعت اسلام کی مقدس تعلیم کی رو سے ہر انسان کا ہر انسان پر حق ہے۔

حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''یعنی رحم کرنے والوں پر رحمان رحم فرماتا ہے تم لوگ زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔(۳۰)

ناپ تول میں عدل و انصاف:

اسلام نے ناپ تول میں بھی (تجارت، خرید و فروخت) عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیا ہے کاروبار میں وزن و پیمانہ کی اہمیت مسلمہ ہے۔ اگر ناپ تول میں کمی کی جائے یا ملاوٹ کی جائے یا مال میں نقص پیدا کیا جائے تو معاشرہ میں ناانصافی و بددیانتی کی فضا جنم لیتی ہے۔ جس سے پورا معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک نے اس برائی پر خاص توجہ دیتے ہوئے عدل و انصاف کا حکم دیا ہے۔ ﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ (۳۱)۔ اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کرو۔

حضور نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص اشیاء میں ملاوٹ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔(۳۲)

ایک دفعہ حضور نبی کریمﷺ بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک دکان پر غلہ کو دیکھا اور اس میں ہاتھ ڈالا تو وہ اندر سے گیلا تھا۔ آپﷺ نے پوچھا یہ گیلا کیوں ہے؟ اس نے کہا کہ بارش کی وجہ سے آپﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کو غلہ دیتے وقت دھوکہ میں نہ رکھنا۔ او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

حضورﷺ اپنی نبوت سے پہلے بھی ہمیشہ دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنے لین دین میں منصف اور ایماندار تھے۔ حضورﷺ نے فرمایا کہ ''تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اٹھائے جائیں گے سوائے اس تاجر کے جو متقی ہو اور لوگوں کے ساتھ احسان کرے اور سچ بولے۔(۳۳)

Marfat.com

غیر مسلموں کے ساتھ عدل و انصاف:

اسلام صرف اپنوں کے ساتھ عدل و انصاف کرنے کی تلقین نہیں کرتا بلکہ غیر مسلموں اور دشمنوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف ملحوظ رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ نیز عدل و انصاف کے وقت ہر قسم کے تعصب، عناد، حسد و رقابت اور کینہ و دشمنی کو نظر انداز کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ ''اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ عدل نہ کرو، عدل کرو یہ تقویٰ کے قریب ہے۔'' (۳۴)

یہود و نصاریٰ اسلام کے کھلے دشمن تھے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضورﷺ کو حکم فرمایا کہ ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (۳۵) اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔ ایک دفعہ ایک مسلمان اور یہودی کے درمیان جھگڑا ہو گیا تو آپﷺ نے ان دونوں کی باتیں سن کر آپؐ نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرما دیا۔ (۳۶)

اسلام میں عدل اجتماعی کا ایک اہم نکتہ مساوات انسانی ہے۔ اسلام کی نگاہ میں یہ سماجی عدل کی اہم بنیاد ہے نہ دولت نہ خون نہ عہدہ و منصب نہ رنگ نہ نسل نہ علاقہ نہ مذہب کوئی بھی چیز معیار فضیلت نہیں۔ اسلام ایسے ہر تعصب سے پاک ہے اس کے نزدیک تمام اجسام انسانی مٹی سے بنے ہیں۔ قبائل اور نسلیں تو محض تعارف کے لیے ہیں۔ یہ صرف اسلام کا ہی طرہ امتیاز ہے کہ اس میں سب کو برابری کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ حضورﷺ نے عدل و انصاف کرتے وقت عربی و عجمی، خادم و آقا اور مسلم و کافر کے درمیان امتیاز نہ برتا۔

عدالتی عدل و انصاف اور تعلیمات نبوی:

عدل و انصاف کی خاص طور پر ضرورت عدالتی معاملات میں ہوتی ہے کیونکہ یہاں ہی حق و باطل، جائز و ناجائز صحیح اور غلط میں فرق کیا جاتا ہے۔ اس لیے اسلام نے عدالتی معاملات کے ہر پہلو میں عدل و انصاف اختیار کرنے کی تاکید کی ہے۔ اسی طرح گواہ کو بھی چاہیے کہ وہ سچی گواہی دے۔ اس میں دوستی و قرابت داری کا قطعاً لحاظ نہ رکھا جائے بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشیوں و رضا جوئی کا طلب گار ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اور جب تم گواہی (بات) کہو تو عدالت کو ملحوظ رکھو چاہیے کوئی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو''۔ حضورﷺ نے عدل کرنے میں اس حد تک احتیاط کی تاکید فرمائی ہے کہ کوئی حاکم دو شخصوں کے درمیان اس وقت تک فیصلہ نہ کرے جب تک کہ وہ غصہ کی حالت میں ہو (۳۷)۔

اسلام ہمیں کسی کے ساتھ امتیازی سلوک کی اجازت نہیں دیتا چاہے ظالم ہو چاہے کوئی کتنا طاقتور ہو چاہے وہ ظالم حکمران ہی کیوں نہ ہو۔ سب اسلام کی نظر میں برابر ہیں وراثت کا مسئلہ ہو یا جائیداد کا الغرض کوئی بھی مسئلہ ہو کسی بھی قسم کا ہے انصاف کرنا چاہیے۔

طبرانی حضرت امام باھلی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرمﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم مجھے پانچ چیزوں کی ضمانت دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ ۱- وراثت کی تقسیم میں ناانصافی نہ کرو۔ ۲- لوگوں کو اپنی طرف سے انصاف دو۔ ۳- دشمن کے مقابلے میں بزدلی نہ دکھاؤ۔ ۴- مال غنیمت میں خیانت نہ کرو۔ ۴- ظالم اور مظلوم کے درمیان عدل کرو۔ (۳۸)

Marfat.com

محسن کائنات اور عدل و انصاف:

حضورﷺ کے عدل و انصاف، امانت و پاکبازی اور سچائی کا یہ حال تھا کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ امانت دار، سب سے بڑھ کر عادل اور سب سے بڑھ کر پاکباز اور راست گو تھے۔ حضورﷺ نے ہر آدمی کو اس کا پورا پورا اور صحیح حق دلایا۔ نبوت سے قبل ہی آپ عادل، صادق اور امین مشہور تھے۔ آپ کے دشمنوں کو بھی ہمیشہ آپ کے عدل و انصاف پر مکمل اعتماد تھا۔ چنانچہ مشرکین مکہ اپنے پیچیدہ جھگڑوں کا فیصلہ آپﷺ سے کرواتے۔

حجر اسود کی تنصیب:

خانہ کعبہ کی تعمیر نو کا تنازعہ بڑا تاریخی ہے حجر اسود کے نصب کرنے میں قبائل مکہ میں جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے تلواریں سونت لیں۔ بالآخر معاملہ آپﷺ کے پاس لایا گیا اور یہ معاملہ بڑی ہی خوش اسلوبی سے طے پا گیا اور جھگڑا ختم ہو گیا۔(۳۹)

بنو مخزوم کی عورت فاطمہ کی چوری:

ایک مرتبہ بنو مخزوم کی ایک معزز گھرانے کی ایک فاطمہ نامی عورت نے چوری کی۔ مقدمہ حضورﷺ کے پاس لایا گیا۔ قریش اپنی عزت کے پیش نظر چاہتے تھے کہ اس عورت کو سزا نہ ہو۔ مختلف اصحاب اور پھر حضرت اسامہ بن زید سے سفارش کرائی گئی۔ آپﷺ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور فرمایا بنی اسرائیل اس وجہ سے تباہ ہو گئے کہ وہ بااثر آدمیوں کے معاملے میں نرمی برتتے اور غرباء کے معاملے میں سختی کر کے انہیں سزا دیتے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا(۴۰)۔

عدل کریں:

ایک دفعہ ایک بدو نے کہا آپ عدل نہیں کر رہے۔ آپﷺ نے فرمایا کہ میں عدل نہیں کروں گا تو کون کرے گا۔(۴۱)

بدلہ لے لو:

ایک دفعہ حضورﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے اس وقت آپ کے ہاتھ میں پتلی سی لکڑی تھی آپ نے ایک شخص کو ہٹایا۔ اتفاق سے لکڑی کا سرا اس شخص کے منہ پر (ایک روایت میں پیٹ) پر لگ گئی اور خراش آ گئی اسی وقت فرمایا بدلہ لے لو اس نے عرض کی حضور میں نے معاف کیا یہ عدل ہے۔(۴۲)

خطبہ حجۃ الوداع:

حضورﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں عدل، امن و سلامتی حریت فکر و عمل، آزادی عقیدہ، محبت و رواداری اور عورتوں کے حقوق کے تحفظ کا اعلان کیا(۴۳)۔ المختصر آپﷺ کی تعلیمات میں عدل و انصاف کی بہت تاکید آئی ہے۔

اسلامی نظام عدل اور برٹش نظام عدل میں فرق:

یہاں پر ضروری ہے کہ ہم اسلامی نظام عدل اور برٹش رائج الوقت رومن نظام عدل کے فرق کو جانچیں۔ رائج الوقت رومن اور برٹش نظام عدل کا کوئی بھی نکتہ اسلامی نظام عدل کے خدوخال سے نہیں ملتا اور دونوں نظاموں میں اتنی وہمی مماثلت

Marfat.com

بھی نہیں ہے جتنی کہ ڈارون کی فریب خوردہ نگاہ کو بندر اور انسان میں نظر آتی ہے۔ بہرحال یہاں پر ہم صرف چند نکات میں فرق جانیں گے۔

۱- اسلامی نظام عدل میں اقتدار اعلیٰ خاص اللہ کے لیے ہے۔ جبکہ رومن نظام میں بادشاہ کے لیے ہے۔

۲- اسلامی نظام میں جزا سزا اللہ کا حق ہے قاضی اللہ کا نائب ہے جبکہ رومن نظام میں جج بادشاہ کا نمائندہ ہے۔

۳- اسلامی نظام عدل میں قاضی کے لیے ایمان اور اسلام کی شرط ہے جبکہ رومن نظام میں مردود کافر بھی جج ہوسکتا ہے۔

۴- اسلامی نظام عدل میں احکام شریعت کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرنے والا قاضی نہیں ہوسکتا جبکہ رومن میں یہ رکاوٹ نہیں۔

۵- اسلامی نظام میں عدل اللہ کا حکم ہے اس لیے قاضی ان قوانین شریعت کے تحت کارروائی کرے گا۔ جو اللہ کی وحی پر مبنی ہیں۔ جبکہ رومن نظام عدل میں جج ان قوانین عدلیہ کا پابند ہے جو انسانی فکر پر مبنی ہیں۔

۶- اسلامی نظام عدل میں فیصلے کی بنیاد مقرر کردہ نصاب شہادت کے مطابق ان عادل گواہوں کی گواہی پر ہے جو مسلمان ہوں اور جس معاملے میں شہادت دے رہے ہوں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خائن اور خائنہ کی اور کسی کے دشمن کی شہادت کو رد فرما دیا جبکہ رومن نظام میں فیصلے کی بنیاد گواہوں کے بیان پر ہے۔

۷- اسلامی نظام عدل میں لالچ و خوف کے دباؤ سے دی جانے والی شہادت ناقابل اعتبار ہے جبکہ رومن نظام میں اجرت اور دھمکی کی گواہی پر بھی عام فیصلے ہوتے ہیں۔ اب ہم عدل کے چند ثمرات ملاحظہ کرتے ہیں۔

عدل کے ثمرات وفوائد:

عدل و انصاف کے بے شمار فوائد و ثمرات ہیں۔

استحکام معاشرہ:

عدل و انصاف سے معاشرہ کو استحکام حاصل ہوتا ہے حقدار کو اس کا حق مل جاتا ہے۔

معاشرتی مساوات:

اسلام کے نظام عدل میں مال و دولت، رنگ ونسل، ملت و مذہب اور عقیدہ کی بنیاد پر کسی کو ترجیح نہیں دی جاتی۔ تمام کو ایک نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

دنیا کی کامیابی:

عدل و انصاف اختیار کرنے سے افراط و تفریط سے بچ جاتا ہے یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اعتدال کی راہ ہی زندگی میں کامیابی کی ضامن ہے۔

اجر آخرت:

عدل و انصاف ایک عظیم اخلاقی فریضہ ہے۔ اسے اللہ کے ہاں خاص مقام حاصل ہے قرآن میں جگہ جگہ جہاد کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عادل بادشاہ کو قیامت کے دن سایہ خدا میں رہنے کی بشارت

Marfat.com

سنائی ہے جس دن کوئی سایہ نہ ہوگا۔

افضل جہاد:

ترمذی شریف میں ہے کہ ظالم حکمران کے سامنے حق و عدل کی بات کہنا افضل جہاد ہے نیز عادل حاکم کی دعا قبول ہوتی ہے اور وہ جنتی ہے۔

حقوق کی حفاظت:

عدل سے کمزور طبقوں کے حقوق کا تحفظ ہو جاتا ہے۔

المختصر: یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے عدل و انصاف کا معیار بلند رکھا ہے۔

سبق پڑھ پھر صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

حواشی

۱- فیروز اللغات، ص ۸۹۱، فیروز سنز پبلشنگ۔ ۲- المنجد ص ۶۳۶، کتب خانہ دارالاشاعت کراچی، ۳- المنجد از لوئیس معلوف ص ۷۸۲، مطبوعہ دارالاشاعت، المفردات ص ۳۲۵، مطبوعہ کراچی، المصباح المنیر مطبوعہ مصر جلد۲، ص۲۱، تاج العروس، مطبوعہ مصر جلد ۹، ص۸، اسلامی اصطلاحات، ص۱۶۵، الفروق اللغویہ ص۱۷۵، ص۲۶۲۔ ۴- الذریعۃ الی مکارم الشریعۃ ص ۲۴۴۔ ۵- اسلامی اصطلاحات، ص۱۶۵۔ ۶- الذریعۃ الی مکارم الشریعہ ص۲۴۴۔ ۷- سورۃ ص: ۲۶۔ ۸-سورۃ النساء: ۵۸۔ ۹- سورۃ النحل : ۹۰۔ ۱۰- احکام القرآن جلد۳، ص۱۹۰، االکشاف جلد۲، ص ۸۶ ج۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص۵۸۶، الجامع الاحکام القرآن، جلد۱۰، ص۱۶۶۔ ۱۱- اسوۂ رسول اکرم، ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ، ص۵۴۶، ۱۲-خزائن العرفان، سورۃ النساء: ۵۸۔ ۱۳- ترمذی شریف۔ ۱۴-الترغیب و الترہیب جلد دوم حصہ اول ص ۴۷۔ آفاقی تہذیب و تمدن، ص۱۶۱، جامع ترمذی، جلد۱، ص۱۳۶۔ ۱۵- الترغیب والترہیب جلد دوم حصہ اول ص ۴۷، سنن نسائی شریف۔ ۱۶- لسان العرب، جلد دوم ص ۴۳۵۳۔ ۱۷- ابو داود شریف، الترغیب والترہیب جلد۲ حصہ ا ص ۵۳، مترجم شرح السنہ، مسلم شریف۔ ۱۸- الترغیب و الترہیب جلد۲ حصہ ا ص۵۲۔ ۱۹- ابن النجار، قانون شریعت، ص ۵۰۸۔ ۲۰- قانون شریعت ص ۵۰۸۔ ۲۱- سورۃ النساء: ۱۲۷۔ ۲۲- بخاری شریف، شرح السنہ، مسند امام احمد، مسلم شریف، الترغیب و الترہیب جلد ۲ حصہ، ص۵۶۵۔ ۲۳- ابن ماجہ شریف۔ ۲۴- حلیۃ الاولیاء جلد اول صفحہ نمبر ۳۰۴۔ ۲۵- روح البیان جلد۱ ص۸۹۔ ۲۶- ترمذی شریف، تسہیل اعجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد ص۵۰، مشکوٰۃ شریف جلد۲ ص ۴۲۳، مجتبائی۔ ۲۷- بیہقی شریف۔ ۲۸- ترمذی شریف۔ ۲۹- تسہیل اعجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد ص ۵۲۔ ۳۰- مشکوٰۃ شریف جلد۲، ص ۴۲۳، مجتبائی۔ ۳۱- سورۃ الانعام: ۱۵۲۔ ۳۲-مخزن الاخلاق ص ۵۹۔ ۳۳- ترمذی و ابن ماجہ و دارمی۔ ۳۴- سورۃ المائدہ: ۸۔ ۳۵- سورۃ الشوریٰ: ۱۵۔ ۳۶- تاریخ اسلام، اکبر شاہ نجیب آبادی ص ۲۰۲۔ ۳۷- مسند امام شافعی حدیث نمبر ۱۶۸۰، ۱۶۸۱۔ المسند، دارالمعرفۃ بیروت حدیث نمبر ۵۶۰۷۹۲، الجامع الصغیر مصر حدیث نمبر ۱۷۱۷۔ ترمذی شریف، بیروت حدیث نمبر ۱۱۳۴، السنن الکبریٰ دارالکتب العلمیہ حدیث نمبر ۵۹۶۲، صحیح ابن حبان دارالفکر بیروت حدیث نمبر

Marfat.com

۵۰۷۰، السنن، بیروت لبنان، حدیث نمبر ۳۵۹۰۔ ۳۸- خدام الدین، لاہور ۱۴/ جنوری ۱۹۷۷ء، ص۱۹۔ ۳۹- تاریخ ابن خلدون اردو جلد ا ص ۳۶، نفیس اکیڈمی، شفاء شریف شبیر برادرز، ص۱۰۲، شرح مواہب اللدنیہ جلد ۱، ص ۲۰۳ تا ص ۲۰۶، سیرۃ النبی جلد ا ص ۲۱۰، سیرۃ النبویہ جلد ا ص ۲۰۱، آفاقی تہذیب و تمدن ص ۱۰۶، رحمۃ للعالمین حصہ ا ص۳۹۔ ۴۰- آفاقی تہذیب و تمدن ص ۱۰۶، صحیح بخاری، کتاب الدعوت، رحمۃ للعالمین حصہ ا، ص۲۶۰، مخزن اخلاق ص ۴۹، ۴۱- مدارج النبوۃ حصہ اول ص ۱۰۸، شفا شریف ص ۱۰۳، شمائل ترمذی ص۲۱۔ ۴۲- معارج النبوۃ ص ۶۲۷، مکتبہ نبویہ شفا شریف ص ۳۱۱، رحمۃ للعالمین ص ۲۶۰، حصہ ا۔ ۴۳- اسلام کا سنہری دور ص ۲۹۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

محمد اویس سرور- لاہور

''عدل'' عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا لغوی معنی ''برابری'' ہے۔ لفظ اعتدال (توازن)، عادل (عدل کرنے والا)، عدالت، عدلیہ اور معتدل وغیرہ الفاظ عدل سے ہی نکلے ہیں۔ اصطلاحی تناظر میں عدل سے مراد یہ ہے:

''هُوَ إِعْطَاءُ الْمَرْءِ مَا لَهُ وَأَخْذُ مَا عَلَيْهِ''(۱)

''ایک انسان کا حق اس کو دینا اور اس کی ذمہ داری کو اس سے وصول کرنا عدل ہے''

علامہ شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۴۱۳ء/۸۱۶ھ) ''كِتَابُ التَّعْرِيْفَاتِ'' میں لکھتے ہیں:

''هُوَ عِبَارَةٌ عَنِ الْأَمْرِ الْمُتَوَسِّطِ بَيْنَ طَرَفَيِ الْإِفْرَاطِ وَالتَّفْرِيْطِ''(۲)

''افراط وتفریط سے اجتناب کرتے ہوئے درمیانی راستے پر چلنا عدل ہے''

اس کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے:

''اَلْحُكْمُ بِالْحَقِّ ضِدَّ الْجَوْرِ''(۳)

''حق کے ساتھ فیصلہ، ظلم کا متضاد''

عدل کی مذکورہ بالا تعریفات سے واضح ہوتا ہے کہ ''کسی شے کو اس کے درست مقام پر رکھنا عدل اور اس کے درست مقام سے اس کو ہٹا دینا ظلم ہے''۔

عدل کے مفہوم کی جامعیت

شریعت اسلامیہ میں عدل ایک وسیع مفہوم کا حامل لفظ ہے۔ اخلاقی فضائل اور رذائل کا شاید ہی کوئی پہلو ایسا ہو جو لفظ عدل کے تحت نہ آتا ہو۔ شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی سورۂ نحل کی وہ مشہور آیت جو جمعہ کے خطبہ میں پڑھی جاتی ہے اور مفسرین کے بیان کے مطابق قرآن مجید کی سب سے جامع آیت ہے، اس میں سب سے پہلے عدل کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾(۴)

''بے شک اللہ انصاف کا، احسان کا، اور رشتہ داروں کو (ان کے حقوق) دینے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی، بدی اور ظلم سے روکتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت قبول کرو''۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۹۴۹ء/۱۳۶۹ھ) اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''قرآن کو ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ

Marfat.com

شَیْءٍ﴾ فرمایا تھا۔ یہ آیت اس کا ایک نمونہ ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک خیر وشر کے بیان کو اس آیت میں اکٹھا کر دیا ہے۔ گویا کوئی عقیدہ، خلق، نیت، عمل، معاملہ اچھا یا برا ایسا نہیں جو امراً ونہیاً اس کے تحت میں داخل نہ ہو گیا ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر قرآن میں کوئی دوسری آیت نہ ہوتی تو تنہا یہ ہی آیت ﴿تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ﴾ کا ثبوت دینے کے لیے کافی تھی۔ شاید اسی لیے خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے خطبۂ جمعہ کے آخر میں اس کو درج کر کے امت کے لیے اسوۂ حسنہ قائم کر دیا'' (۵)۔

مولانا عدل کی حقیقت کو مزید آشکارا کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''عدل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے تمام عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات، جذبات اعتدال کی ترازو میں تلے ہوں، افراط وتفریط سے کوئی پلہ جھکنے یا اٹھنے نہ پائے، سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرتے وقت انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اس کا ظاہر وباطن یکساں ہو جو بات اپنے لیے پسند نہ کرتا ہو اپنے بھائی کے لیے بھی پسند نہ کرے'' (٦)

انسانی زندگی میں باہم اختلاف پیدا ہونا بالکل فطری امر ہے۔ اس اختلاف کو دور کرنے کے لیے اسلام نے نظامِ عدل وضع کیا ہے جو معاشرے کے تمام عناصر کو اپنے اپنے مقام پر رکھتا ہے۔ اس نظام کا تقاضا ہے کہ ہر سطح پر عدل کا اہتمام کیا جائے۔ لہٰذا عدل کسی مخصوص شعبے کے ساتھ خاص نہیں بلکہ روزمرہ زندگی کے تمام اقوال وافعال میں توازن پیدا کرنے کا نام ''عدل'' ہے۔

عدلِ اجتماعی کا مفہوم

تعلیماتِ نبویہ کی روشنی میں ہر شخص کا اپنے فرائض کو ادا کرنا اور اپنے حقوق کو وصول کرنا ''عدلِ اجتماعی'' ہے۔ عدلِ اجتماعی کی حقیقت ہمیں اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتی ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''فَأَعْطِ كُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ''

''ہر صاحبِ حق کو اس کا حق ادا کرو'' (٧)

اس حدیث میں فرائض کی ادائیگی کی تعلیم دی گئی۔ فرائض کی ادائیگی کا حتمی نتیجہ حقوق کی وصولیابی کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔ اس کا نام ''عدلِ اجتماعی'' ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی اس آیت میں عدلِ اجتماعی کو چند الفاظ میں جامع تعبیر کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (٨)

''(مسلمانو!) یقیناً اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچاؤ، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو''

امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عدلِ اجتماعی کے منہج کو انتہائی بلاغت اور ایجاز کے ساتھ اپنے صاحب زادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے ایک خط میں بیان فرمایا، آپ فرماتے ہیں:

Marfat.com

''اے میرے بیٹے! اپنی ذات کو اپنے اور دوسروں کے درمیان ایک میزان بنا لو، جو اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کرو، جو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو وہ دوسروں کے لیے بھی ناپسند کرو، کسی پر ظلم مت کرو جیسا کہ تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم پر ظلم کیا جائے۔ لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو جیسا کہ تم چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ کیا جائے۔ جس بات کو تم دوسروں میں ناپسند کرتے ہو اس کو اپنی ذات میں بھی ناپسند کرو اور جس بات کو دوسروں میں پسند کرتے ہو اسے خود میں بھی پسند کرو، جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے بارے میں گفتگو نہ کرو، اور ایسی بات نہ کرو جس کے بارے میں تمہیں ناپسند ہو کہ وہ بات تمہیں کہی جائے''(۹)

سیّد قطب نے اپنی کتاب ''العدالة الاجتماعية فى الاسلام'' میں عدل اجتماعی کے تصور پر جو گفتگو کی ہے، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے انسان کے فطری تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے انسانیت کے درمیان عدل کو فروغ دیا۔ اسلام نہ تو اہلِ مال کے حقوق غصب کرتا ہے اور نہ ہی فقراء کو فقر کی وادی میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے لیے چھوڑتا ہے۔ اسلام نے جہاں اغنیاء پر زکوٰۃ اور صدقات کی صورت میں غریبوں کی مدد کو لازم قرار دیا ہے تو دوسری جانب فقراء کو دستِ سوال دراز کرنے کے بجائے تعفف کی زندگی گزارنے کی ترغیب دی ہے۔ بائع کے حقوق کو بھی بیان کیا گیا ہے اور گاہک کے حقوق کو بھی۔ اگر آجر کے فرائض کی تفصیل ہمیں ملتی ہے تو اجیر کو بھی اس کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا گیا ہے۔ حاکم ومحکوم کے فرائض، امیر وغریب کے فرائض، آقا وملازم کے فرائض، ماں باپ اور اولاد کے فرائض، استاد اور شاگرد کے فرائض کی تفصیل کا بیان درحقیقت عدلِ اجتماعی کے فروغ کا اولین زینہ ہے۔ نظام اشتراکیت کے برعکس اسلام نے فرد کی ملکیت کو تسلیم کیا ہے لیکن اس پر کچھ ایسی ذمہ داریاں عائد کی ہیں کہ وہ معاشرے تنگ دست اور نادار افراد کی مدد سے ہاتھ نہ کھینچے۔ اسی طرح سرمایہ دارانہ نظام کے برخلاف اسلام فرد کو مادیت کی پٹی آنکھوں پر چڑھا کر اندھا دھند مال کمانے کی بھی اجازت نہیں دیتا بلکہ اس نے تجارت کے بھی کچھ آداب مقرر کیے ہیں۔ انسان کے فطری تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے، اخلاقیات کے دامن سے وابستہ رہنے کی ترغیب کے ساتھ، ماتحتوں کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے، ہر ذی حق کو اس کا حق دینا اسلام کے نظامِ عدل اجتماعی کا خلاصہ ہے۔ سید قطب ''عدل اجتماعی'' کے مفہوم پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اسلام نے خالق اور مخلوق کے درمیانی تعلق کا بھی لحاظ رکھا ہے اور کائنات، زندگی اور انسان کے مابین پایا جانے والا تعلق بھی ملحوظ ہے۔ ایک انسان کا اس کے اپنے نفس کے ساتھ تعلق، فرد اور جماعت کا تعلق، رعایا اور ریاست کا تعلق، تمام انسانی جماعتوں کا تعلق، ایک نسل کا دوسری نسلوں اور ایک خاندان کا دوسرے خاندان سے تعلق...... اس سب کی تفصیل اپنی فروع اور جزئیات کے ساتھ بیان کردی گئی ہے''(۱۰)

عدل اجتماعی کی بنیادیں اور وسائل

سید قطب کے مطابق اسلامی نظامِ زندگی میں عدل اجتماعی کو جن بنیادوں پر قائم کیا گیا ہے، ان کا دائرہ سمٹ کر تین

Marfat.com

اجزاء پر محیط پر ہے:

(۱) مطلق وجدانی آزادی

(۲) کامل انسانی مساوات

(۳) مضبوط اجتماعی تعاون

سید قطب نے عدلِ اجتماعی کی ان تینوں بنیادوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ تفصیل کے لیے ان کی کتاب ''العدالة الاجتماعية فى الإسلام'' دیکھی جاسکتی ہے۔

نبوی تعلیمات کے مطابق عدلِ اجتماعی کے نفاذ کے لیے جن دو بنیادوں پر محنت کرنا ضروری ہے ان میں سے ایک تو ان کا ضمیر اور اس کا نفس ہے۔ جبکہ دوسری بنیاد معاشرے میں قانون کی عمل داری اور قانون کی طاقت ہے۔ اسلام نے ان دونوں بنیادوں کے قیام کو عدلِ اجتماعی کا زینہ بتایا ہے اور ان کے نفاذ کی کوشش کی ہے۔(۱۱)

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: پیغمبرِ عدل

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل وانصاف کی آواز کو ایک ایسے زمانے اور حالات میں بلند فرمایا جب کہ ظلم وستم میں پسی ہوئی انسانیت انصاف کی بھیک مانگ رہی تھی، جبکہ ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کا قانون نافذ تھا، حکمرانوں کا وطیرہ رعایا کا خون چوسنا اور طاقت ور کا پیشہ غریب کے حق پر ڈاکہ ڈالنا تھا۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل وانصاف کا پرچم بلند کیا اور انسانیت کو ظلم وستم کی وادی سے نکال کر اسلام کے عدل میں لانے کا فیصلہ کیا۔ آپ نے سسکتی انسانیت کے غموں کا علاج دیا اور تڑپتی ہوئی نسلوں کے دکھوں کا مداوا کیا۔ آپ نے غریبوں، غلاموں اور عورتوں کو اس کا حق دلایا۔ آپ نے اگر امامِ عادل کو جنت کی خوشخبری دی تو ظالم حکمران کو اللہ تعالیٰ کے غضب کی وعید بھی سنائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل کی ہر شکل کو اپنانے اور پھیلانے پر اپنی توجہ مرکوز فرمائی، لیکن چونکہ اجتماعی عدل، انفرادی عدل سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، اس لیے اس کے نفاذ میں آپ کی مساعی بے مثال اور بے نظیر تھیں۔ آپ نے خود بھی عدل وانصاف کے دامن کو تھاما اور اپنے ماننے والوں کو بھی تاحیات اسی سے جڑے رہنے کی تلقین فرمائی۔ پھر زمین وآسمان اس دور کے بھی شاہد ہوئے جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عدالت میں ایک مسلمان اور ایک یہودی ایک مقدمہ لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ یہودی حق پر ہے تو آپ بلا تردد مسلمان کے خلاف اور یہودی کے حق میں فیصلہ فرمادیا۔(۱۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ نظام عدل اور دوسرے نظام ہائے عدل میں دو بنیادی خصائص ......خود احتسابی اور تعلق باللہ...... کا فرق ہے، جن کے باعث خصومات کی معتدبہ تعداد ابتدائی مراحل ہی میں چھٹ جاتی ہے۔ اس کی بڑی وجہ مسلمان کا ایمان اور عقیدہ ہے جو اسے ہر لمحے اور ہر لحظہ عدل وانصاف کی طرف مائل رکھتا ہے۔

قرآن مجید میں عدل کا حکم

قرآنی اصولوں کے مطابق عدل اسلامی نظام حیات کی ایک بنیادی اور اساسی صفت ہے۔ اسلام زندگی کے ہر پہلو

Marfat.com

میں جس عدل اور جس توازن واعتدال کا فروغ اور اشاعت چاہتا ہے اس کے لیے اس نے بہت سے وسائل پیدا کیے ہیں جن کے ذریعے خلقِ خدا عدل سے معمور زندگی گزار سکتی ہے۔

ظلم سے اجتناب اور انصاف، دین اسلام کے بنیادی اجزا میں سے ہے۔ قرآن کریم اور حدیث شریف کے قطعی نصوص میں اس کی صراحت آئی ہے اور اس کا صاف صاف حکم دیا گیا ہے جس میں کسی رخصت یا اجتہاد کی گنجائش نہیں۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾(۱۳)

''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو''

مسلم فرد اور اسلامی معاشرہ جس عدل سے واقف ہیں وہ خالص و بے لوث اور مفاد ومنفعت سے پاک ہوتا ہے۔ دوستی یا دشمنی سے اس میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ ہی قرابت ونسب کے رشتے اس پر اثر انداز ہوتے ہیں:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (۱۴)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو۔ یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے''

قرآن مجید میں عملی عدل کے ساتھ ساتھ کلام اور قول وقرار میں بھی عدل سے وابستہ رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ (۱۵)

''اور جو بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو''

عادل حکمران اور منصف قاضی کی فضیلت

عدلِ اجتماعی کی سب سے زیادہ مؤثر اور اہم صورت عدالتی نظام کا عدل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدلِ اجتماعی کی اس صورت کے نفاذ کی اہمیت کی متعدد مواقع پر مختلف تعبیرات اور متنوع اسالیب کے ساتھ بیان فرمایا۔ اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر عادل حکمران اور انصاف پسند قاضی کے فضائل بیان فرمائے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَلٰى يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُوْا﴾(۱۶)

''لوگوں میں انصاف کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دائیں جانب نور کے منبروں پر

Marfat.com

ہونگے۔ یہ لوگ دنیاوی زندگی میں فیصلہ کرتے ہوئے، اہل وعیال کے درمیان اور اپنی ذمہ داریوں میں عدل سے کام لیا کرتے تھے''

عدل پسند حکمران اور قاضی کا اللہ کے یہاں کیا مقام ہے، اس کے لیے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ملاحظہ فرمایئے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب اور اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب عادل حکمران ہوگا اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ مبغوض اور اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور ظالم حکمران ہوگا۔(۱۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کو صدقے سے تعبیر فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تَعْدِلُ بَيْنَ الْاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ''(۱۸)

''تمہارا دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرنا بھی صدقہ ہے''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے صحابہ سے دریافت فرمایا ''کیا تم جانتے ہو کہ قیامت کے دن سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ حاصل کرنے والے لوگ کون ہونگے؟'' انہوں نے عرض کیا کہ ''اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ اور بہتر جانتے ہیں'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ لوگ جنہیں ان کا حق دیا جائے تو قبول کرلیں، جب ان سے مانگا جائے تو عطا کردیں اور جب وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں تو وہی فیصلہ کریں جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں'' (۱۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سات خوش نصیب لوگوں کا تذکرہ فرمایا جنہیں اللہ تعالیٰ اس دن اپنے عرش کے سایے میں جگہ عطا فرمائے گا جس دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، ان سات خوش نصیبوں میں سب سے پہلے آپ نے جس کا تذکرہ کیا وہ ہے: ((اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ))(۲۰) ''عدل سے کام لینے والا حکمران یا قاضی''۔

عدل وانصاف سے کام لینے والا قاضی اور حکمران اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شانِ محبوبیت حاصل کرلیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو رد نہیں فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امامِ عادل کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُ))(۲۱) ''امام عادل کی دعا رد نہیں کی جاتی''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنِ قضاء کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک قاضی کے ساتھ ہوتا ہے جب تک وہ بے انصافی نہ کرے، جب وہ بے انصافی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور شیطان اس قاضی کے ساتھ ہوجاتا ہے۔(۲۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عادل حکمران کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور ظالم حکمران کے لیے بد دعا کی:

((اَللّٰهُمَّ مَن وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِم فَاشْقُقْ عَلَيْهِ وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَقَ

Marfat.com

بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ))(۲۳)

''اے اللہ! جو میری امت کا حکمران بنے اور ان پر ظلم اور سختی کرے، تو اس پر سختی فرما، اور جو کوئی میری امت کا حکمران بنے اور ان کے ساتھ نرمی اور بھلائی کا معاملہ کرے تو اے اللہ! تو بھی اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ فرما''

ظالم حکمران وقاضی کی سزا

عدل کے مدمقابل جو صفتِ سیئہ ہے اس کا نام ''ظلم'' ہے، دوسرے لفظوں میں عدل کے نہ ہونے کا ظلم اور عدل سے کام نہ لینے والا ظالم ہے۔ قرآن مجید میں ظالموں کو اللہ کا باغی، مبغوض اور سرکش قرار دیا گیا ہے اور ان لوگوں کے لیے جہنم کا فیصلہ ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بارہا اہلِ ظلم کو ان کے ظلم سے باز رہنے کی تلقین فرمائی اور اس خصلت کو قیامت کے دن کی تاریکیوں سے تعبیر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((اتَّقُوا الظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ))(۲۴)

''ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن اندھیروں اور تاریکیوں کی شکل میں ہوگا''

حضرت بریدہ بن حصیب سے مروی ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضیوں کی تین قسمیں بیان فرمائیں، جن میں سے دو کے لیے جہنم اور ایک کے لیے جنت کا فیصلہ ہے۔ جس کے لیے جنت کا فیصلہ ہے یہ وہ قاضی ہے جو حق کو جانتا تھا اور اس نے حق کی بنیاد پر فیصلہ کیا۔ قاضی کی دوسری قسم وہ ہے جس نے جہالت کی بنیاد پر غلط فیصلہ کیا یہ جہنم میں جائے گا۔ تیسرا وہ جو حق کو جانتا تو تھا لیکن اس نے جان بوجھ کر ظلم کرتے ہوئے غلط فیصلہ کیا تو یہ بھی جہنم میں جائے گا۔(۲۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن عدمِ علم کا عذر قابل قبول نہ ہوگا۔ عدالت وقضا کے حساس منصب پر فائز ہونے والوں کو اس منصب کے حقوق وآداب اور تفصیلات وجزئیات سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے منصبِ قضاء عطا کیا اور انہیں لوگوں کے درمیان انصاف کی ذمہ داری تفویض کی تو ان پر لازم ہے کہ وہ اس ذمہ داری کو پورے عدل اور انصاف کے ساتھ انجام دیں۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کوئی ذمہ داری عطا کریں، اگر اس کا انتقال اس حال میں ہو کہ وہ اس ذمہ داری میں خیانت سے کام لے رہا ہو تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا۔(۲۶)

یوں تو ہر ناانصافی اور ظلم برا اور قابل نفرت ہے، لیکن حکمران اور قاضی جب عدل وانصاف کے دامن کو تار تار کر دیں تو اس سے بڑا ظلم کوئی نہیں ہوسکتا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءً يُّعْرَفُ بِقَدْرِ غَدْرَتِهِ وَإِنَّ أَكْبَرَ الْغَدْرِ غَدْرُ أَمِيرِ عَامَّةٍ))(۲۷)

''قیامت کے دن ہر خیانت کرنے والے کا ایک جھنڈا ہوگا جس سے اس کی خیانت پہچانی جائے گی، اور سب سے بڑی خیانت رعایا کے حکمران کی خیانت ہے''

Marfat.com

خلیفہ اور حاکمِ وقت کی ذمہ داری

عدل سے متعلق آیات کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ نظامِ عدل کا قیام خلیفہ یا امام کے اولین فرائض میں سے ہے۔ اس تصور کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾(۲۸)

''اے داود! ہم نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا تو تم لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خلیفہ، امام، حاکم وقت، سلطان یا آج کل کی اصطلاح میں صدر اور وزیر اعظم کا اولین کام لوگوں کے درمیان درست فیصلے کرنا ہے۔ یہ فیصلے بہت سی اقسام کے ہوسکتے ہیں۔ لوگوں کے مابین نزاعات پیدا ہونے پر خلیفہ حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کا پابند ہے۔ کلیدی عہدوں پر تقرری کے لیے چناؤ کا مرحلہ آئے تو اہل ترین افراد کے حق میں فیصلہ کرنا ہی عدل ہے۔ مختلف مواقع پر ملک کے لیے کئی راستوں (Options) میں سے بہترین کا انتخاب بھی عدل ہے۔ معاشرے میں مختلف طبقات کے مفادات کے باہم ٹکراؤ کی صورت میں متوازن اور درست فیصلہ کرنا بھی عدل ہے۔ مختصر یہ کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق سربراہِ مملکت وہ حتمی ادارہ ہے جو قیامِ عدل پر مامور ہے۔ وہ حالات کے مطابق خود عدل کرے اور معاملات میں وسعت کے پیشِ نظر یہ کام بہت سے دوسرے افراد کو بھی تفویض (Delegate) کرسکتا ہے۔

اولاد اور بیویوں کے درمیان بھی عدل کا حکم

عدلِ اجتماعی کی ایک صورت اولاد کے درمیان عدل اور برابری سے کام لینا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل کی اس صورت کو اپنانے پر بھی زور دیا۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے کوئی چیز بطورِ تحفہ عطا کی۔ اس پر میری والدہ حضرت عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا کو اشکال ہوا۔ انہوں نے میرے والد سے کہا کہ میں اس بات پر راضی نہیں جب تک آپ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ بنائیں۔ چنانچہ میرے والد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری بات عرض کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا ''کیا تم نے اپنے سب بچوں کو یہ چیز دی ہے؟'' انہوں نے منفی میں جواب دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔ پھر میرے والد نے مجھے وہ چیز دینے سے رجوع کرلیا۔(۲۹)

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے والوں کو ان کے درمیان انصاف کی تاکید فرمائی۔ ان کے حقوق بیان فرمائے اور دوسروں سے زیادہ خود اس پر عمل کرکے دکھایا۔

سیرتِ طیبہ سے عدل کی روشن مثالیں

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل وانصاف کی صرف دعوت ہی نہیں دی یا اسے ایک خوشنما معاشرتی رجحان کی حیثیت سے متعارف نہیں کرایا بلکہ دوسروں سے بڑھ کر خود اس وصف کو اپنایا اور کہنے سے زیادہ کرکے دکھایا۔ سیرت طیبہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل وانصاف کی بے شمار روشن مثالیں موجود ہیں، جن میں سے چند کا تذکرہ یہاں کیا جارہا ہے:

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے ارادے سے باہر تشریف لائے، ایک آدمی نے آپ کی اونٹنی کی لگام پکڑ لی

Marfat.com

اور کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! میری حاجت پوری کیجیے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا ''مجھے جانے دو، تمہاری حاجت پوری کی جائے گی'' تین مرتبہ اس آدمی نے یہی کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں مرتبہ اسے یہی جواب دیا، بالآخر جب وہ باز نہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کوڑا لے کر اسے مارا اور اس سے فرمایا کہ مجھے جانے دو، تمہاری حاجت پوری کی جائے گی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو استفسار فرمایا ''وہ شخص کہاں ہے جسے میں نے ابھی کوڑا مارا تھا'' لوگ ادھر ادھر دیکھنے لگے، یہاں تک کہ وہ آدمی آخری صفوں میں سے ظاہر ہوا اور کہنے لگا ''میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب سے پناہ چاہتا ہوں''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا ''قریب آؤ اور اپنا بدلہ لے لو'' پھر آپ نے کوڑا اس کو دیا۔ لیکن اس نے بدلہ لینے کے بجائے عرض کیا کہ میں آپ کو معاف کرتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا ''کیا تم واقعی معاف کرتے ہو؟''

اس نے کہا ''جی ہاں، میں معاف کرتا ہوں''۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر کوئی مومن کسی مومن پر ظلم کرے اور اس ظلم کا بدلہ دنیا میں اسے نہ دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اس کا بدلہ دلوائے گا'' (۳۰)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی اور حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قبیلۂ بنو ساعدہ کے ایک آدمی کی کھجوریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ واجب الاداء تھیں۔ وہ ان کا مطالبہ کرنے کے لیے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے انصار کے ایک صاحب کو حکم دیا کہ ان کی کھجوریں انہیں ادا کردیں۔ ان انصاری صحابی نے ان کو کسی دوسری قسم کی کھجوریں دینا چاہیں جنہیں لینے سے انہوں نے انکار کردیا۔

ان انصاری نے کہا کہ کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھجوریں لینے سے انکار کر رہے ہو؟

اس آدمی نے کہا کہ ہاں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر عدل کا ذمہ دار کون ہوسکتا ہے؟

اس کی یہ بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور آپ نے فرمایا ''یہ شخص سچ کہتا ہے، مجھ سے بڑھ کر انصاف کا ذمہ دار کون ہوسکتا ہے! اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی پاک نہیں فرماتا جس کا کمزور اس کے طاقت ور سے اپنا حق وصول نہ کرسکے''۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''اے خولہ! اس کا حق اس کی خوشی کے مطابق ادا کردو، جب کوئی حق والا اپنے حق کو وصول کرنے کے بعد خوشی کے ساتھ نکلتا ہے تو زمین کے چوپائے اور سمندر کی مچھلیاں اس کے حق کو ادا کرنے والے کے لیے رحمت کی دعا کرتی ہیں۔ اور اگر کوئی شخص کسی کا حق پوری طرح ادا کرنے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود ادا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں ہر دن اور ہر رات میں ایک گناہ لکھتے ہیں'' (۳۱)

Marfat.com

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو ان کی ایک غلطی پر ہاتھ میں پکڑی چھڑی چبھو دی۔ انہوں نے اس کے بدلے کا مطالبہ کردیا۔ لوگوں نے حیران ہوکر کہا کہ کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدلہ لو گے؟'' وہ صاحب کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کی کھال کو میری کھال پر ترجیح نہیں دی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بطن مبارک سے کپڑا ہٹا دیا اور فرمایا ''تم اپنا بدلہ لے لو''۔

وہ صاحب آگے بڑھے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن مبارک کا بوسہ لیا اور کہا ''میں قیامت کے دن آپ کی سفارش کا امیدوار بننا چاہتا تھا'' (۳۲)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک مخزومی عورت نے چوری کی۔ (وہ عورت چونکہ اپنے قبیلے میں نمایاں مقام رکھتی تھی، اس لیے) لوگوں کو اس کا ہاتھ کٹنے پر فساد کا اندیشہ ہوا۔ لہٰذا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کی سفارش کرنا چاہی۔ اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری کے اظہار میں فرمایا:

''کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کررہے ہو؟''

پھر آپ نے کھڑے ہوکر خطبہ دیا، جس میں ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تھا تو اس پر حد جاری کرتے تھے۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد (رضی اللہ عنہا) بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا'' (۳۳)

تعلیماتِ نبویہ میں عدل کا مقام

اسلامی نظامِ حیات میں عدل کا مقام بہت بلند ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارے یہاں عدل کا تعلق بالعموم محض عدالت سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ عدالت تو عدل کے حصول کے لیے آخری چارہ ہے۔ شریعتِ محمدیہ کے مطابق عدل کا پہلا تعلق انسان کے ایمان سے ہے۔ ایمان مضبوط ہو تو عدالتیں خالی رہتی ہیں۔ لوگ اپنے بے شمار معاملات خود ہی طے کرلیتے ہیں، انہیں بہت کم معاملات میں عدالت سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔

''عدالت کے علاوہ بھی زندگی میں قدم قدم پر عدل کی ضرورت پڑتی ہے۔ کسی دفتر میں ایک افسر جب اپنے ماتحت کی سالانہ خفیہ کارکردگی (Annual Confidential Report) لکھتا ہے تو یہاں بھی اس کا سامنا عدل سے ہوتا ہے۔ کوئی مجاز افسر جب چند ٹھیکے داروں میں سے کسی ایک کو کوئی سرکاری کام تفویض کرتا ہے تو یہاں بھی عدل ہی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ قانون ساز ادارے کا رکن جب کسی قانون کے حق میں یا مخالفت میں اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے تو یہاں بھی عدل ہونا چاہیے۔ کوئی استاد جب طالب علموں کے پرچوں کی جانچ پڑتال کرکے ان کی درجہ بندی کرتا ہے تو یہاں بھی عدل کا

Marfat.com

بہترین موقع ہوتا ہے۔ دو یا دو سے زائد بیویوں میں بھی عدل ہی کے لیے حکم دیا گیا ہے۔ صدرِ مملکت جب اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کرتا ہے تو اسے بھی ملکی مفاد سامنے رکھتے ہوئے عدل کے تحت یہ کاروائی کرنا چاہیے۔ وزیر اعظم کی طرف آیئے! وزراء کی تقرری سے لے کر قومی اہمیت کے تمام فیصلوں میں قدم قدم پر عدل کی ضرورت پیش آتی ہے۔ عدل محض کسی نظام کا نام نہیں ہے۔ یہ درست انسانی رویوں سے تشکیل پانے والی ایک کیفیت ہے جو انسانی ذہن سے شروع ہوکر اس کے اعمال وافعال تک آ پہنچتی ہے۔ اسلامی معاشرے میں ہر شخص اساسی طور پر عادل ہوتا ہے۔ وہ گھر کے اندر ہوتو عدل کرتا ہے، وہ دفتر میں ہو تو عدل ہی سے فیصلے کرتا ہے، وہ منڈی بازار میں ہو تو ناپ تول کے ذریعے عدل کرتا ہے، وہ استاد ہو تو اپنی بہترین صلاحیتوں کے ذریعے عدل کرتا ہے"۔(۳۴)

اسلامی معاشرے کے ان سب عادل افراد میں بہترین فرد جب منصبِ قضاء پر فائز کردیا جائے تو محکمۂ قضاء وجود میں آتا ہے جہاں آخری چارہ کے طور پر لوگ حصولِ عدل کے لیے جاتے ہیں۔ تعلیماتِ نبویہ میں عدل کا یہی تصور ہے۔

حواشی وتعلیقات

(۱) المعجم الوسيط، لمجمع اللغة العربية، مادة: ع،د،ل، ص:۵۸۸، الطبعة الرابعة، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴م، مكتبه الشرق الدولية مصر...... (۲) الجرجاني: كتاب التعريفات، ص:؟؟...... (۳) أحمد رضا: معجم متن اللغة، ج۴ ص۴۷، ۱۹۵۹م، مكتبة دار الحياة، بيروت...... (۴) سورة النحل، الآية:۹۰...... (۵) عثمانی، مولانا شبیر احمد: تفسیر عثمانی، ص: ۳۶۶، مطبوعہ تاج کمپنی، پاکستان...... (۶) عثمانی، مولانا شبیر احمد: تفسیر عثمانی، ص: ۳۶۶...... (۷) صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب من أقسم على أخيه ليفطر في التطوع، رقم الحديث:۱۸۳۲...... (۸) سورة النساء، الآية:۵۸...... (۹) المتقي، علاء الدين بن حسام الدين (۹۷۵ھ): كنز العمال في السنن والأقوال، باب خطب علي ومواعظه، ج ۱۶ ص ۱۶۷، رقم الحديث:۴۴۲۱۵، مؤسسة الرسالة، بيروت. الطبعة الخامسة، ۱۹۸۵...... (۱۰) سيد قطب: العدالة الاجتماعية في الإسلام، ص:۲۰، الطبعة الثالثة عشرة، دارالشرق، مصر...... (۱۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: سيد قطب: العدالة الاجتماعية في الإسلام، ص:۶۳۔۷۵...... (۱۲) مؤطا الإمام مالک، كتاب الأقضية، باب الترغيب في القضاء بالحق، رقم:۱۲۰۶...... (۱۳) سورة النساء، الآية:۵۸...... (۱۴) سورة المائدة، الآية:۸...... (۱۵) سورة الأنعام، الآية:۱۵۲...... (۱۶) سنن النسائي، كتاب آداب القضاة، باب فضل الحاكم العادل في حكمه، رقم الحديث:۵۲۸۴...... (۱۷) سنن الترمذی، کتاب الأحکام عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ماجاء في الإمام العادل، رقم الحديث:۱۲۵۰...... (۱۸) صحيح البخاری، كتاب الجهاد والسير، باب من أخذ بالركاب ونحوه، رقم:۲۷۶۷...... (۱۹) مسند أحمد بن حنبل، حديث السيدة عائشة، رقم الحديث:۲۳۲۴۳...... (۲۰) صحيح البخاری، كتاب الأذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة وفضل المساجد، رقم الحديث:۶۲۰...... (۲۱) مسند أحمد، باقي مسند المكثرين، رقم الحديث:۹۳۴۸...... (۲۲) سنن الترمذی، كتاب الأحكام عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ماجاء في الإمام العادل، رقم الحديث:۱۲۵۱...... (۲۳) صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل، رقم الحديث:۳۴۰۷...... (۲۴) صحيح

Marfat.com

مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الظلم، رقم:۴۶۷۵...... (۲۵) سنن ابن ماجہ، کتاب الأحکام، باب الحاکم یجتهد فیصیب الحق، رقم:۲۳۰۶...... (۲۶) صحیح البخاري، کتاب الأحکام، باب من استرعي رعیة فلم ینصحها، رقم:۶۶۱۷...... (۲۷) مسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابة،رقم الحدیث:۵۸۲۰...... (۲۸) سورۃ ص، الآیة: ۲۶:۳۸...... (۲۹) صحیح مسلم، کتاب الھبات، باب کراھة تفضیل بعض الأولاد في الھبة، رقم الحدیث: ۳۰۵۵...... (۳۰) مصنف عبد الرزاق، ج۹، ص۴۵۶، رقم الحدیث:۱۸۰۳۷...... (۳۱) الکاندھلوي، محمد یوسف:حیاۃ الصحابة، ج۲ ص۸۲، دارالکتب العلمیة، بیروت...... (۳۲) مصنف عبد الرزاق، ج۹ ص۴۶۶، رقم الحدیث:۱۸۰۳۸...... (۳۳) صحیح البخاري، کتاب الحدود، باب کراھیة الشفاعة في الحد إذا رفع إلی السلطان، رقم:۶۲۹۰...... (۳۴) شہزاد اقبال شام، اسلام میں عدل وقضاء کا تصور،ص۲۵،۲۶، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد،طبع خامس ۲۰۰۶ء۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

غریب اللہ رازی۔ فورٹ عباس، ضلع بہاولنگر

دنیا کی تہذیبوں کے سفر میں دین اسلام کا ظہور تاریخ انسانی کے سب سے اہم موڑ پر ہوا۔ یہ وہ دور ہے جب انسانیت قدیم دور سے نکل کر جدید دور میں داخل ہوئی انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لئے وحی اور الہام کا سلسلہ مکمل ہوا۔ آخری رسول حضرت محمد ﷺ دنیا میں تشریف لائے۔ بنی نوع انسان تک اللہ تبارک و تعالیٰ کا آخری پیغام پہنچ گیا۔ انسانیت اپنے بچپن کے دور میں سے نکل آئی جہاں پر انگلی پکڑ کر چلنا سکھانا ضروری تھا۔ اب وہ اپنی عمر کے اس حصے میں پہنچ گئی تھی جہاں اسے بُرے بھلے کی ساری باتیں سمجھا کر سیدھی راہ دکھا دی گئی۔ تہذیب کا باقی سفر اسے خود اپنے پاؤں پر کرنا تھا۔ یہ انسانی شرف اور عزت کی بلندی تھی یہی وہ مرحلہ تھا جہاں کائنات کے انسانوں کے لئے انسان کامل حضرت محمد ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا گیا اور آپ کی امت کو قیامت تک آنے والے انسانوں کی رہنمائی کا شرف عطا ہوا۔ (1) اسلام کے مسلمہ اصولوں مثلاً احتساب، یقین کامل، نظم و ضبط، حسن کارکردگی، دیانت داری، تخلیق، میانہ روی، عزت و احترام، اجتماعی عمل، بردباری، عقل و دانش اور عدل و انصاف کے بارے میں اسوہ حسنہ کی صورت میں عملی نمونہ دنیا کے سامنے موجود ہے۔ جو ہمارے لئے نہ صرف مشعل راہ ہے بلکہ مینارہ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔ دیکھا جائے تو عدل و انصاف ہی کے گرد ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی گھومتی ہے۔ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جہاں عدل و انصاف کی ضرورت نہ ہو۔ (2)

لفظ عدل تین حروف پر مشتمل ہے۔ عدل کے لغوی معنی سیدھا کرنا۔ افراط و تفریط کے سامنے توازن قائم کرنا اصطلاح میں عدل کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھنے کو کہتے ہیں۔ اردو میں انصاف کا لفظ بھی عدل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لفظ اعتدال بھی اسی سے بنا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت اس کا عادل ہونا بھی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا کلام قرآن مجید سراپا عدل ہے اسلام میں عدل و انصاف کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ قرآن مجید کے احکامات سے لگایا جا سکتا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے عدل انفرادی و اجتماعی، معاشی و معاشرتی، قانونی و سیاسی غرضیکہ عدل کے تمام پہلوؤں پر ہماری مدد فرمائی ہے۔ بنیادی طور پر عدل کو دو بڑی قسموں یا شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ 1۔ انفرادی عدل، 2۔ اجتماعی عدل۔

1- انفرادی عدل انسان کی انفرادی زندگی کا دارومدار اس پر ہے اس کے ہر کام میں اعتدال پایا جاتا ہے۔ اسلام صحت کی بقاء کے لئے، کھانے پینے، دیناوی معاملات اور عبادت کے درمیان توازن قائم کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے عبادت میں اعتدال کو اپنی صفت قرار دیا ہے۔ جب تین اصحاب رسول ﷺ کی ایک جماعت میں سے ایک نے یہ عہد کیا کہ میں ساری رات عبادت کیا کروں گا اور سویا نہیں کروں گا، دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور تیسرے نے کہا کہ میں نکاح نہیں کرونگا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ان تینوں کو اس سے روکا اور فرمایا کہ میں رات کو عبادت بھی

Marfat.com

کرتا ہوں سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں افطاری بھی کرتا ہوں اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کیے ہیں پھر فرمایا ترجمہ حدیث: جس نے میری سنت سے انحراف کیا وہ مجھ سے نہیں۔(3) انسان کی انفرادی زندگی میں عدل کا بہت تعلق ہے۔ عدل انسان کے ساتھ ہر لحہ اور ہر قدم پر ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ زندگی عیش وعشرت کا نام نہیں ہے۔ بلکہ عدل کے اصولوں اور ضابطوں پر عمل کرنے کا نام ہے۔ زندگی میں عبادت، بندگی، خدمت خلق، خرید وفروخت، لین دین اور ناپ تول، نظم و ضبط میں عدل موجود ہے تو بہت بڑی عظمت ہے۔ اگر انسانی زندگی عدل سے مزین نہیں تو بے کار ہے۔ کیونکہ عمل کے ساتھ عدل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی۔

2- اجتماعی عدل اسلام امن و سلامتی کا داعی مذہب ہے۔ اسلام نے عدل و انصاف کا جو حکم دیا ہے وہ ہر ایک شعبہ پر محیط ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس پر عدل حاوی نہ ہو اللہ رب العزت نے فرمایا

ترجمہ: ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ انصاف پر قائم رہو(4)

جب ہم عدل اجتماعی کی بات کرتے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ افراد، خاندانوں، قبیلوں برادریوں اور قوموں میں ہر ایک کو مناسب آزادی حاصل ہو۔ عدل اجتماعی کے حوالے سے خدائے بزرگ و برتر کا حکم ہے:

ترجمہ: اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان حکم یا فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو اور کسی گروہ کی دشمنی تمام کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو یہ تقویٰ کے قریب تر ہے (5)

حضور نبی کریم ﷺ کی مشہور حدیث ہے کہ:

ترجمہ: جب تیرے سامنے دو فریق اپنا معاملہ لے کر بیٹھیں تو ان کا فیصلہ نہ کرو جب تک دوسرے کی بات نہ سن لو جس طرح پہلے کی سنی ہے (6)

دور حاضر میں بڑی بڑی طاقتیں حقوق انسانی کی بات کرتی ہیں لیکن یہ اسلام کے انسانی حقوق کے چارٹر کا مقابلہ نہیں کرسکتی جو محبوب خدا ﷺ نے دنیا کو دیا ہے۔ یہ دنیا کا پہلا تحریری دستور ہے جس میں نہ صرف مسلمانوں بلکہ عیسائیوں اور یہودیوں کے حقوق کی ضمانت بھی دی گئی ہے۔ دنیا کا عالمی منشور انسانی 10 دسمبر 1948 کو منظور کیا گیا۔ یورپ میں انسانی حقوق دو تین صدیوں سے پہلے اپنی تاریخ نہیں رکھتا تھا۔ آج جو انسانی حقوق ہیں ان کے پیچھے کوئی سند نہیں اور نہ ہی کوئی قوت نافذہ ہے۔ بڑی بڑی قوتیں جو حقوق انسانی کی بات کرتی ہیں سب سے زیادہ انسانی حقوق کی پامالی ان کے ہاں ہوتی ہے۔ انسانی حقوق کا جو منشور قرآن مجید نے پیش کیا ہے اور جس کا خلاصہ حضور سرور کائنات ﷺ نے اپنے آخری خطبہ، خطبہ حجتہ الوداع میں پیش فرمایا ہے۔ دنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یورپی تہذیب بظاہر تو خوش آئند، پُر فریب اور روشن نظر آتی ہے۔ جو نظر کو خیرہ کرتی ہے لیکن یہ اندر سے کھوکھلی ہے۔ اس کے دکھوں کا مداوا اور اس کی تمام مشکلات کا حل تو صرف اور صرف اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔ (7)

Marfat.com

علامہ محمد اقبال نے مارچ 1907 میں بہانگ دہل اعلان کر دیا تھا۔

دیار مغرب میں رہنے والو خدا کی بستی دکان نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرکم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا (8)

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ کہ نظام اسلام کا مقصد خدائی قوانین کی حکمرانی ہے۔

ترجمہ: حکم نہیں مگر اللہ کا (9) وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں مانتا (10)

قرآن مجید میں بار بار حکم دیا گیا ہے کہ عدل قائم کرو۔ مثال کے طور پر ارشاد ربانی ہے کہ

ترجمہ: اے ایمان والو عدل کرو۔ اللہ کے لئے انصاف کے ساتھ گواہی دو۔ اگرچہ یہ خود تمھارے والدین قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ (11)

قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے پھر فرمایا

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو اور کسی کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو جو کچھ تم ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔(12)

قرآن مجید فرقان حمید میں ایک اور مقام پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے

ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان انصاف کروں (13)

اسلام نے راہ عدل کی راہ میں آنے والے روڑے ہٹائے ہیں۔ کیوں انسان کی فطرت میں جذبات رکھے گئے ہیں؟ جو گاہے بگاہے اسے انصاف سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انسانی فکر ونظر اور کردار وعمل کی پختہ گری جن اجزاء سے ہوئی ہے خالق کائنات مالک کل کو سب کچھ اس بارے میں معلوم ہے۔ اس لئے عدل و انصاف کی راہ میں جو روڑے حائل تھے احکام باری تعالیٰ نے انکے بارے میں وضاحت فرما دی۔ مرض کی شناخت کے بعد اس کا علاج آسان ہو جاتا ہے۔ عدل و انصاف کی راہ میں عام طور پر دو چیزیں حائل ہوتی ہیں۔

(1)۔ کسی کی بے جا حمایت اور طرف داری (2)۔ کسی سے مخالفت یا دشمنی

رب تعالیٰ نے ان دونوں راہوں سے انصاف کی پامالی کی بندش فرمادی اور بنی نوع انسان کو خبردار کیا ہے کہ انصاف کے معاملہ میں امیر غریب، رشتہ دار و اجنبی، مسلم و غیر مسلم کے درمیان قطعاً تمیز نہ کی جائے۔ ذرہ برابر فرق نہ رکھا جائے اسلام کے نظام عدل میں سب برابر ہیں۔(14)

اسلام میں قاضیوں اور ججوں کے لئے اجر وسزا کا جو تصور اسلام نے پیش کیا ہے دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

Marfat.com

ترجمہ: اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عادل قاضی، جج ہے (15)

نبی کریم فخر موجودات آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ قیامت کے دن جب خدا کے سایہ کے علاوہ کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا سات شخصوں کو خدا اپنے سایہ میں لے گا جن میں سے ایک شخص عادل اور انصاف کرنے والا ہوگا (16)۔

عدل کرنے والوں کو قرب الٰہی میں نوری منبر عطا ہوں گے (16) الف۔

حاکم جب تک ظلم نہ کرے اللہ اس کا ساتھ دیتا ہے۔ جب وہ ظلم شروع کرتا ہے۔ اللہ اسے اس کے نفس کے حوالے کر دیتا ہے۔ (16) ب۔

دنیا میں اسلامی نظام عدل کا قیام وہی نظام کرسکتا ہے جو انسانی خرد برد اور سیاہ کاریوں سے مامون و محفوظ ہو جس کے نفاذ عمل کی زمام ایسے ہاتھوں میں ہو۔ جو انسانی بہبود کی تڑپ کے ساتھ ساتھ اپنے قلوب میں پیدا کرنے والے کا خوف بھی رکھتے ہوں۔ خالق کائنات پر مکمل یقین رکھتے ہوں۔ ان کے سینے میں احساس زندہ ہو کہ ہمیں اعمال و کردار کا پورا حساب چکانا ہے۔ صرف اسلامی نظام عدل اپنے اندر یہ پوری صلاحیتیں رکھتا ہے۔ اسلام میں اصل قانون خدا کا ہے۔ نفاذ قانون کے سلسلہ میں یہ دیکھا جائے گا کہ قاضی ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت اور یوم حساب پر مستحکم ہے۔ قوانین اللہ کا سب سے زیادہ اپنی ذات پر نافذ کرنے والا ہے۔ (17)

زر۔ زن۔ زمین دنیا میں سب سے زیادہ مسائل زر، زن اور زمین کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ چھوٹی عدالتوں سے لے کر بڑی عدالتوں تک اکثریت انہی سے متعلق ہے ہمارے موقر وکلاء، مجسٹریٹ اور جج صاحبان انہی مقدمات کی سماعت کرنے میں مصروف ہیں۔ اگر ہماری عدالتیں مقدمات کو نپٹانے میں اسلام کی روشن تعلیمات کو سامنے رکھیں اور اس کے مطابق فیصلہ صادر فرمائیں تو مجسٹریٹ اور جج صاحبان دین اور دنیا میں سرخروئی حاصل کریں گے (18)۔ ایک رپورٹ کے مطابق اس وقت پاکستان میں 30 لاکھ مقدمات زیر التواء ہیں۔ انصاف میں تاخیر کا نوٹس نہیں لیا جارہا (18) الف۔ لیکن ہمارے ملک میں عدلیہ ہے عدل نہیں انصاف کے حصول کے لئے یہ کہاوت مشہور ہے کہ پاکستان میں انصاف حاصل کرنے کے لئے آدم علیہ السلام جتنی عمر۔ حضرت ایوب علیہ السلام جیسا صبر اور قارون کا خزانہ ہونا چاہیے (19)۔

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مفکر پاکستان شاعر اسلام فرماتے ہیں

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائیگا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا (20)

اے مسلمان تو پھر صداقت، عدالت اور شجاعت کا سبق پڑھ یعنی اپنے اندر اوصاف حمیدہ اور صفات برگزیدہ پیدا کر اس لئے کہ دنیا کی قوموں کو سردار اور امام کی ضرورت ہے اور تو ہی ہے جو یہ فرض انجام دے سکتا ہے۔ صداقت سے مراد ہے کہ مسلمان اس دنیا میں سچائیوں کا عملی پیکر ہو۔ جن کی تصدیق قرآن مجید کر رہا ہے اور وہ دنیا کو اپنی سچائیوں کی دعوت دیتا ہے۔ عدالت سے مراد یہ ہے کہ خدا کے بندوں کا انتظام اس کے حوالے ہو تو اپنے پرائے میں تمیز کئے بغیر سب سے عدل کا برتاؤ

Marfat.com

کرے۔شجاعت سے مراد یہ ہے کہ جب خدا کی راہ میں باطل قوتوں اور طاقتوں سے نبرد آزمائی کا موقع آجائے تو مسلمان عزم و ہمت اور جراءت و پامردی کی تلوار بن جائے دشمن کی بڑی سے بڑی طاقت اسے حراساں نہ کر سکے جس قوم میں یہ اوصاف پیدا ہو جائیں وہی دنیا کی امامت کا فرض سرانجام دے سکتی ہے۔اس کے لئے یہ منصب زیبا ہے۔

مولانا ابو اعلیٰ مودودی عدل کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

> عدل جس کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان توازن اور تناسب قائم ہو۔ دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقہ سے دیا جائے۔ عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن و تناسب ہے نہ کہ برابری، اللہ تعالیٰ نے بھی جس چیز کا حکم دیا ہے وہ حقوق میں مساوات نہیں بلکہ توازن و تناسب ہے ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی اور سیاسی و تمدنی حقوق پوری ایمانداری کے ساتھ ادا کئے جائیں(21)

ہم اپنی روزمرہ زندگی کا جائزہ لیں تو عدل و انصاف تقریباً مفقود ہے زندگی کے کسی بھی شعبے میں عدل وانصاف نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن کریم اور اسوہ حسنہ کی سنہری تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ہے مغربی تہذیب و تمدن کی چکاچوند روشنی نے ہمیں اسلام کی روشنی سے بیگانہ کر دیا ہے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر
تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر (22)

خداوند باری تعالیٰ کا قانون ہر شخص کے ساتھ ہر حال میں عدل کا برتاؤ کرتا ہے حالت صلح میں بھی اور حالت جنگ میں بھی۔قرآن مجید کی تعلیمات کی رو سے ایک مسلمان حالت جنگ میں بھی عدل سے تجاوز نہیں کر سکتا اگرچہ یورپ کی تعلیم ہے کہ محبت اور جنگ میں ہر بات جائز ہے۔مغربی قانون اور اخلاق کی رو سے ایک قوم اپنی دشمن قوم کے ساتھ ہر قسم کی بدی برائی کر سکتی ہے مثلاً وعدہ کر کے مکر سکتی ہے۔ دھوکہ دے سکتی ہے لیکن خداوند تعالیٰ کا قانون ساری مخلوق کے لئے مفید ہے۔ اسلام ہمیں دوست دشمن دونوں کے ساتھ عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے۔ نہ وہ کسی کی طرف داری کرتا ہے نہ وہ کسی سے مرعوب ہوتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کو علم تھا کہ میری مخلوق کو عدل و انصاف کی شدید ضرورت لاحق ہو گی عدل وانصاف کے بغیر پورا نظام زندگی تہس نہس ہو جائے گا۔ اس لئے بنی نوع انسان عدل وانصاف کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھام لے اور کسی بھی شعبے میں بے انصافی نہ ہونے دے۔ برائیاں ختم ہو جائیں گی اور عدل و انصاف کا بول بالا ہو گا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں دستاویز تحریر کرنا کس قدر اہم اور کس قدر قیمتی ہے اس کا طریقہ کار پوری تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے۔قرض کے لین دین اور کاروباری نقطہ نظر سے دستاویز کا تحریر کرنے کے بارے میں حکم ہے:

ترجمہ: دستاویز لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے (23)

عدل و انصاف کے ضمن میں قرآن مجید میں بہت سے ضروری مسائل پیش کئے گئے ہیں ان میں یتیموں کی وارثت،

Marfat.com

امانت، ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان عدل و انصاف، گواہی، ناپ تول، عدالتی عدل و انصاف خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو مسلم معاشرے کی عبارت ان پر استوار ہے۔ عدل میں بھلائی ہے۔ قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا، صلہ رحمی اختیار کرنا عدل و احسان کا سبق دیتا ہے احسان سے مراد نیک برتاؤ، فیاضانہ معاملہ، ہمدردانہ رویہ، رواداری، خوش خلقی، درگزر، باہمی مروت، ایک دوسرے کا پاس لحاظ، دوسرے کو اس کے حق سے زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کم پر راضی ہو جانا یہ عدل سے زائد ایک چیز ہے۔ عدل معاشرے کی اساس ہے تو احسان اس کا جمال و کمال ہے۔ عدل اگر معاشرے کو ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں خوش گواریاں اور شیرینیاں پیدا کرتا ہے۔ (24)

حضور نبی کریم ﷺ کی انصاف پروری

حضور اقدس حضرت محمد ﷺ کی انصاف پروری بہت مشہور تھی کہ غیر مسلم بھی اپنے معاملات کا انصاف کرانے کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اسلامی عدل کی امتیازی خصوصیت ہے کہ یہاں فیصلہ رنگ و نسل، مذہب قبیلہ، امیری غریبی کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ صرف اور صرف اللہ کے احکامات کو مدنظر رکھ کر ہوتا ہے۔ مجرم چاہے کتنا ہی امیر کبیر اور بااثر، عزت و دولت کا مالک ہو یا فقیر مسکین انصاف کے معاملے میں سب برابر ہیں۔ قریش کی معزز خاتون نے چوری کا ارتکاب کیا تو آپ ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کی سزا سنائی۔ جب بعض صحابہ نے سفارش کرنا چاہی تو آپ ﷺ نے سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اگلی قومیں اس لئے ملیا میٹ ہوگئیں کہ جب کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تو معاف کر دیتے اور چھوٹا کرتا تو سزا دیتے۔ پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ یہ حقیقت ہر مسلم پر واضح ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی پوری زندگی بحیثیت سپریم کورٹ اپنے پیروکاروں کے مسائل اور مقدمات سننے اور ان کے فیصلے کرنے میں صرف کر دی۔ (25)

عدل بین الناس: اسلامی ریاست کی بنیاد قانون سب کے لیے یکساں ہے پر رکھی گئی۔ آپ کو بے لاگ عدل و انصاف کرنے پر مامور کیا گیا تھا اس لئے آپ کی طرف سے امتیازی سلوک کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ حق جس کا ساتھی ہے میں اس کا ساتھی اور مددگار ہوں۔ حق جس کے خلاف ہے میں اس کا مخالف ہوں۔ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ میری ذات بھی قانون الٰہی سے مستثنیٰ نہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں میں نے رسول ﷺ کو خود اپنی ذات سے بدلہ لیتے ہوئے دیکھا۔

حضور ﷺ کی طرف سے قضاء کی تربیت

حضور ﷺ نے اپنے بہت سے صحابہ کرام کی خود قضاء کی تربیت کی وہ اصولی ہدایات دیں جو ان کے عہدہ قضاء کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآہ ہونے میں مشعل ہدایت ثابت ہوں۔ حضرت معاذ بن جبل کو جب یمن کا قاضی مقرر کیا تو باقاعدہ انکا انٹرویو لیا یہ بھی تربیت کا ایک انداز تھا پوچھا کہ معاذ فیصلے کیسے کرو گے۔ انہوں نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ اللہ عزوجل کی کتاب میرے پاس ہے۔ اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر سوال کیا کہ اگر کتاب میں تمہیں کوئی حکم نہ ملے تو پھر کیا کرو گے۔ عرض کیا پھر اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کرونگا۔ اس پر مزید سوال کیا گیا کہ اگر سنت میں بھی کوئی حکم نہ ملے تو پھر کیا کرو گے۔ حضرت معاذ نے کہا کہ پھر میں اجتہاد کروں گا اس میں کسی صحیح راستے تک پہنچنے میں

Marfat.com

کوئی کوتاہی نہیں کرونگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے جواب، ان کی صلاحیت اور اجتہادی بصیرت کو سراہا اور انہیں یمن کے عہدہ قضاء پر مامور فرمایا۔

حضرت علی کو بھی یمن کے ایک علاقہ کا قاضی مقرر فرمایا۔ حضرت علی اس وقت کم عمر تھے اس لئے انہوں نے اس اہم منصب کو قبول کرنے میں ہچکچاہٹ کا اظہار کیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ''اللہ تعالیٰ یقیناً تمہارے قلب کی راہنمائی فرمائے گا تمہاری زبان میں ثبات عطا فرمائے گا۔ جب تمہارے سامنے دو فریق پیش ہوں تو جب تک دونوں فریقوں کی بات نہ سن لو۔ ہرگز فیصلہ نہ کرنا اس لئے کہ مسئلہ کے واضح ہونے کا یہی ایک طریقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ایک انداز یہ بھی رہا کہ وہ اپنے قاضیوں کو تحریری ہدایات بھی دیتے تھے۔ حضرت علاء بن الحضری کو بحرین میں قضاء کی ذمہ داریاں سونپیں تو انہیں تحریری ہدایات بھیجیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی خط میں وہاں کے لوگوں کے لئے بھی ضروری ہدایات تحریر کرائیں (27)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابی حضرت عمرو بن العاص کو حکم دیا مقدمہ کا فیصلہ کریں۔ حضرت عمرو بن العاص نے کہا کہ آپ ﷺ موجود ہیں آپ ﷺ کا فیصلہ کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ تم کرو گے حضرت عمرو بن العاص نے پوچھا اگر میں فیصلہ کرلوں تو مجھے کیا اجر ملے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر صحیح فیصلہ کرو گے تو تمہیں دس گنا اجر ملے گا، اگر تم نے فیصلہ تک پہنچنے کی پوری کوشش کی لیکن پھر بھی غلطی ہوگئی تو بھی ایک نیکی کا اجر وثواب ملے گا۔ سیرت طیبہ میں عدالت کے طریقہ کے بارہ میں واضح اور اصولی ہدایات ملتی ہیں۔

اسی طرح قاضی کے لیے بھی ہے کہ وہ غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے (28)

حضرت عمرؓ کی عدل کے بارے میں ہدایات

اسلام میں عدل کا قیام چونکہ بہت بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین نے عدلیہ کے استحکام اور نظام عدل سے متعلق اصولی ہدایات کی خوب ترویج کی۔ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کی قاضی شریح کے نام تفصیلی ہدایات اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کے نام ایک خط اہم دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فقہاء کرام نے اس خط کو دستور العمل قرار دیا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام حضرت عمرؓ کا خط 34 چھوٹے چھوٹے جامع بلیغ جملوں پر مشتمل تھا۔ انہیں چونتیس دفعات کہا جا سکتا ہے۔ عدالتی نظم ونسق کی تاریخ میں اب ان سے بہتر اصول پیش نہیں کئے جا سکے۔ ان اصولوں کی بنیاد پر آج دنیا کے کسی بھی خطہ میں عدلیہ کو منظم کیا جائے تو عدل وانصاف پر مبنی ایک مہذب معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔ صحابہ کرام کے بعد فقہاء نے عدالتی نظام اور طریق کار کو ایک باقاعدہ اور مستقل فن کی حیثیت سے مرتب کر کے پیش کیا۔ امام یوسف متوفی 182 غالباً پہلے فقیہ ہیں جنہوں نے اس موضوع پر کتاب لکھی۔ امام محمد ایشبانی متوفی 180 نے بھی اس موضوع پر کتاب لکھی۔ قاضی ابو بکر احمد بن الخصاف نے بھی اس موضوع پر جامع کتاب لکھی۔ اس موضوع پر ادب القاضی، لسان الحکام، معین الحکام

Marfat.com

کے ناموں سے فقہائے احناف کی 19/20 کتابیں عربی میں موجود ہیں۔ادارہ تحقیقات اسلامی نے ادب القاضی کے نام سے 1982 میں ایک کتاب شائع کی اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا خاکہ پاکستان کے ضابطہ فوج داری ودیوانی کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔ نظام قضاء اور عدالت پر ایک مجاہد الاسلام قاضی کی کتاب اسلامی عدالت ہے یہ کتاب بھارت میں فقہ اکیڈمی نے 1980 میں شائع کی۔ مالکی حنبلی قضاء بھی عدل کے اس علمی ذخیرہ سے استفادہ کر تے رہے ہیں(30)

قرآن وسنت نے ساری امت کے لئے دو چیزیں فرض قرار دی ہیں۔ ایک علم، دوسرے غور وفکر اور عقل و ذہانت سے کام لینا۔ جہاں تک علم کا تعلق ہے اسلام میں اس کی اہمیت کا اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے۔ کہ پہلی وحی میں اقراء کا لفظ دو مرتبہ آیا عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی لفظ مکرر آئے تو اس سے مراد مبالغہ ہوتا ہے اس کا مطلب پڑھئے اور خوب پڑھئے۔ پہلی وحی میں قلم کا ذکر بھی ہے قلم نام ہے اس آلہ کا جس کے ذریعے تحریر وجود میں آئے۔

دوسری چیز غور وفکر عقل و ذہانت کا استعمال استدلال۔ استنباط،صلاحیت نتائج وعواقب پر نظر رکھنا قرآن وسنت کی اصطلاح میں یہ چیز حکمت کہلاتی ہے۔ حکمت کی تعریف یہ کی گئی ہے۔یعنی علم اور عقل کے ذریعے حق کو پا لینا حکمت کہلاتا ہے۔ قرآن مجید کی 800 کے قریب آیات غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں۔ (31)

قانون کی حکمرانی

قانون کی حکمرانی کا قیام ہر جمہوری معاشرے کی ضرورت ہے ہر حکومت کی اولین ترجیح ہوتی ہے کہ ملک میں قانون کی حکمرانی کا بول بالا ہو۔ قانون کی بالادستی کے بغیر افراد معاشرہ میں کامیاب و کامران نہیں ہو سکتے صحت مند معاشرہ کی تشکیل میں قانون کی حکمرانی مدد دیتی ہے۔

عدل کے فضائل وثمرات

☆ عدل انسانوں میں زہد وتقویٰ پیدا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔
☆ عدل انسانوں کو بربادی سے بچاتا ہے اور امن و امان کے قیام میں مدد دیتا ہے۔
☆ عدل انسانوں کے لئے دنیا وآخرت میں کامیابی اور فلاح کا ذریعہ ہے۔
☆ عدل انسانوں کومکارم اخلاق کی بنیادیں فراہم کرتا ہے۔جس پر حسن اخلاق کی بلندتر عمارت بن سکتی ہے۔
☆ عدل انسانوں کے رزق کے وسائل و ذرائع میں پاکیزگی پیدا کرتا ہے اور انہیں ایفائے عہد پر قائم رکھتا ہے۔
☆ عدل انسانوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل سکھاتا ہے اور صابر وشاکر رہنے کی توفیق دیتا ہے۔
☆ عدل انسانوں کی امر بالمعروف ونہی ان المنکر پر عمل کرنے میں معاونت کرتا ہے۔
☆ عدل سے انسانوں میں ضبط ونفس عفو وحلم کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔
☆ عدل انسانوں میں تواضع انکساری پیدا کر کے اسے وسعت ظرف عطا کرتا ہے۔
☆ عدل انسانوں میں قناعت پسندی، میانہ روی، مستقل مزاجی اور فیاضی پیدا کرتا ہے۔
☆ عدل انسانوں کو امانت، دیانت، شرافت اور صداقت کی صفات سے آراستہ کرتا ہے۔

Marfat.com

☆ عدل انسان کو ایمان کی شاخ شرم و حیا کا اسیر بناتا ہے۔

☆ عدل انسانوں کی بہترین خصلتوں میں سے ایک ہے جو مہد سے لے کر لحد تک اس کی راہنمائی کرتا ہے۔ (32)

معاشرتی امور میں عدل کا جائزہ لیا جائے تو اسے بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے بغیر پاکیزہ معاشرہ تکمیل نہیں پا سکتا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ زندگی عام کھیل ہے اور یہ کسی نظم و ضبط کی پابند نہیں ہے لیکن:

☆ فضا میں اڑنے والے پرندے اپنی شیریں آواز میں کہتے ہیں کہ زندگی میں عدل قدرت کی خوبصورتی کا اظہار ہے

☆ طلوع ہوتا ہوا سورج ہمیں یہ بتاتا ہے کہ عدل کے بغیر زندگی کے رنگوں میں بقاء نہیں۔

☆ دوپہر کی سخت گرمی میں مرجھائے ہوئے پھول ہمیں یہ کہتے ہیں کہ زندگی عدل کی کہانیوں کا ایک مجموعہ ہے۔

☆ ہسپتال کے بستر لیٹا ہوا دائم المرض مریض ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ عدل کے بغیر زندگی ایک روگ ہے۔

☆ خوبصورت کتابوں کے مصنف و مولف کہتے ہیں کہ زندگی کے ماضی و مستقبل سے عدل جھلکنا چاہیے۔

☆ دانشوروں کی ہدایت ہے کہ زندگی عدل کے ساتھ عبادت ہے محبت اور رعنائی ہے۔

☆ ماہرین معاشرہ کا کہنا ہے کہ زندگی کا مقصد اور حاصل عدل کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔

☆ مولانا ابوالکلام کہتے ہیں کہ عدل حصول تقویٰ کے موثر ترین اور قریب ترین اسباب میں سے ہے۔

☆ مولانا سید مودودی کا کہنا ہے کہ عدل لازوال اور سنہری تعلیمات پر مبنی ہے اسے حرز جاں بنانے میں نجات ہے۔

☆ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کہتے ہیں کہ عدل ملت اسلامیہ، تہذیب و تمدن اور دین حنیف کا وارث و امین ہے۔ (33)

قیامت عدل و انصاف کا عالمی دن

دنیا میں جہاں بھی نظر ڈالیں تو ہر طرف ظلم ہی ظلم نظر آتا ہے۔ اس لئے کہ انسان کے اپنے بنائے ہوئے قانون یہاں لاگو ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے قوانین کو دور پھینک دیا گیا ہے۔ انسان کے بنائے ہوئے قانون میں کمزوریاں ہیں اور یہی ظلم کی جڑ اور بنیاد ہیں۔ انسان عادل نہیں بنی نوع انسانیت عدل نہیں کرتی اس لئے دنیا کے نظام کے اختتام پر جب دوبارہ دنیا کے لوگوں کو زندہ کر کے بروز قیامت حشر میں حاضر کیا جائے گا تو یہ دن اللہ کا ہوگا۔ یہ دن دنیا کے لوگوں کے لئے بدلے کا دن ہوگا۔ یہ دن عدل کا دن ہوگا اور دنیا کے حساب کا دن ہوگا اور وہ اعمال جو بنی نوع انسانی نے دنیاوی زندگی میں کئے اور اپنی مرضی کو استعمال کرتے ہوئے قانون خداوندی سے انحراف کیا۔ اس دن لوگوں کو دنیا میں کئے ہوئے ظلم و ناانصافی کی سزا ملے گی۔ اس لئے کہ اللہ کا ہر نظام عدل و انصاف پر قائم ہے۔ دنیا کی ابتداء بھی عدل سے ہے اور اس کی انتہا بھی عدل پر ہوگی۔

عالمی ناانصافی اور اقوام متحدہ

اقوام متحدہ اس لئے وجود میں آئی تھی کہ کوئی طاقتور ملک کسی کمزور ملک کو نقصان نہ پہنچا سکے اور نہ ہی اپنی جارحیت کا نشانہ بنا سکے۔ اقوام متحدہ کمزور ملک کے لئے ڈھال بنے۔ طاقتور ملک کی جارحیت کی راہ میں رکاوٹ بنے۔ لیکن اقوام متحدہ کے ہوتے ہوئے سب کچھ ہوا اور ہو رہا ہے۔ افغانستان اور عراق کی سرحدوں کی خلاف ورزیاں ہوئیں ان پر غاصبانہ قبضہ ہوا۔ بڑی بے رحمی اور بے دردی سے انسانی جان و مال کا اتلاف ہوا۔ اس پر اقوام متحدہ کا رول ایک تماشائی کے سوا کچھ نہ تھا اور نہ

Marfat.com

ہے۔ جو کچھ اقوام متحدہ کے وجود میں آنے سے پہلے ہو رہا تھا۔ وہی سب کچھ آج بھی ہو رہا ہے۔ بلکہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ بدتر منظم انداز میں ہو رہا ہے۔ اسرائیل جب چاہتا ہے فلسطینیوں پر چڑھ دوڑتا ہے۔ گھروں آبادیوں کو ویرانے میں تبدیل کر دیتا ہے۔ عالمی انصاف کی راہ میں ویٹو پاور بھی بڑی رکاوٹ ہے۔ ویٹو کا اختیار اقوام متحدہ کے یکساں حقوق و مساوات کے دعوے کی ضد ہے۔ ویٹو پاور رکھنے والی طاقتیں کسی بھی مسئلہ کو جو ان کے مفاد اور انکی مرضی کے خلاف ہو حل نہیں ہونے دیتیں۔ بلکہ الجھائے اور لٹکائے رکھتی ہیں۔ جنرل اسمبلی کوئی قرار داد پاس کر بھی دے تو یہ ویٹو استعمال کر کے کالعدم اور بے وزن کر دیتی ہیں۔ اسلام کسی کو ویٹو کا حق نہیں دیتا۔ یہاں تک کہ سارے انبیاء کے سردار حضرت محمد ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے کوئی استثنائی حق نہیں دیا۔ خلفائے راشدین سمیت کسی حکمران کو ویٹو پاور حاصل نہیں تھی۔

انسانی حقوق کے بڑے علمبردار امریکہ کا عمل

امریکہ آج دنیا کا سب سے بڑا انسانی حقوق کا علم بردار بنا ہوا ہے۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ وہ ان کا احترام نہیں کرتا اپنے مقابل ملکوں اور اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ انسانی حقوق کو پامال کرنے اور کمزوروں اور چھوٹے ممالک کے ساتھ زیادتی کرنے میں سب سے آگے ہے۔ جو ملک اس کے اشاروں پر نہ چلیں۔ اس کے مفادات کو اپنے مفادات پر مقدم نہ رکھیں تو ان میں آپس میں اختلافات و انتشار پیدا کر دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کو آگے لاتا ہے جو اس کے لئے مفید اور کارآمد ہوں۔ ان پر مختلف الزامات لگا کر، ڈرا دھمکا کر اپنی مرضی کے مطابق چلنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اس سے بھی بات نہ بنے تو اقوام متحدہ کی چوکھٹ پر کھینچ لاتا ہے۔ اپنے حواریوں اور موالیوں کے ذریعے ان کے خلاف قرارداد منظور کروا کر ان پر اقتصادی، معاشی اور سماجی پابندیاں لگوا کر ان کا ناطقہ بند کروا دیتا ہے۔ تو اس سے ان کی بغاوت کرنے اور حکم عدولی کرنے کا بدلہ لیا جاتا ہے۔ فوج کشی کروا کر ان ملکوں پر قبضہ کروایا جاتا ہے۔ اپنے آلہ کار جو بے عقل، غدار، ملت فروش، کاٹھ کے اُلو اور مٹی کے مادھو ہیں انہیں اقتدار کی کرسی پر بٹھا دیتا ہے پھر وہ وہی بولتے ہیں جو امریکہ بولتا ہے۔ (33) الف

مسلم عالمی حقوق انسانی کونسل کی ضرورت

مسلمانوں کے لئے ایک عالمی اسلامی حقوق انسانی کونسل کے قیام کی اشد ضرورت ہے۔ دنیا کے تمام اسلامی ممالک ایک بلاک بنالیں۔ کتاب وسنت کی روشنی میں مسلم عالمی پلیٹ فارم سے عدل و انصاف کے ساتھ اپنے معاملات طے کریں دوسرے جب بھی ان کے پاس آئیں وہ دنیا کے مسائل کے حل کے لئے اپنا تعاون پیش کریں۔ موجودہ وقت اور حالات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اقوام متحدہ مسلم ممالک کے دکھ درد کا علاج نہیں اس کے پاس نہ تو ان کے مسائل کا حل ہے نہ ہی ان کے لئے امن و انصاف۔ مسلمانوں کے لئے صرف ذلت و رسوائی۔ تباہی بربادی، غلامی ومحکومی ہے۔ مسلمانوں کو ہر حال میں انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اسلام ہر حال میں ظلم و زیادتی کا خاتمہ چاہتا ہے۔ اس کے لئے اس نے ایک جامع اور مکمل قانون پیش کیا ہے۔ جس سے عدل و انصاف کے تقاضے ہر پہلو سے پورے ہوتے ہیں۔ اسلام میں انسان کو وہ تمام حقوق ملتے ہیں جو اسے فی الواقع ملنے چاہئیں۔ جن کی ضرورت کل کی طرح آج بھی ہے۔ اسلامی قانون متمدن دنیا کے بڑے حصے پر صدیوں تک نافذ رہا ہے۔ دنیا اس کا کامیاب تجربہ بھی کر چکی ہے۔ (33) ب

Marfat.com

عدل وانصاف کی برتری

مساوات عدل انصاف کا ایک لازمی تقاضا ہے کہ معاشرے میں قانون کو برتری حاصل ہو تا کہ ہر شخص اطمینان کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دے سکے اور قانون اس کی پشت پر ہو۔ اس لئے اس کے ساتھ کوئی ناانصافی یا اس کی حق تلفی نہ ہو سکے۔ اس سے پہلے اس کا تصور نہ تھا۔ اسلام نے وضاحت کے ساتھ یہ بات کہی کہ قانون کے سامنے سب برابر ہیں۔ اس کے مقابلے پر کسی کو دُم مارنے کی اجازت نہیں۔ انصاف کے لئے ضروری ہے کہ جرم عدالت سے ثابت ہو یہ تصور بھی اسلام ہی سے اخذ کیا گیا۔ اسلام کے نزدیک ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ دیکھے کہ کہیں قانون مجروح تو نہیں ہو رہا۔ یہ صرف مسلمانوں کے دین اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس کے نام میں اس کا مقصد اسے پیغام کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔ 14 صد سال کا طویل عرصہ گزرنے کے بعد بھی اسلام کی پوری اور اصلی تعلیمات کا محفوظ ہونا بھی ہمارے دین کی ایک امتیازی خصوصیت ہے۔

پاکستان سپریم کورٹ کے تاریخی فیصلے

پاکستان سپریم کورٹ کی تاریخ قیام پاکستان سے شروع ہوتی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں فیڈرل کورٹ آف انڈیا 1937 میں قائم ہوئی۔ 1947 میں فیڈرل کورٹ آف پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ 1956 کے آئین میں اسے سپریم کورٹ کا نام دیا گیا۔ سپریم کورٹ نے پہلے کراچی دارالحکومت میں کام کیا۔ کچھ عرصہ لاہور ہائی کورٹ کی عمارت میں کام کیا۔ 1990 میں سپریم کورٹ کی موجودہ عمارت قائم ہوئی۔ یہ عمارت اسلامی اور جاپانی طرز تعمیر کا نمونہ ہے۔ بھارت کے 29 صوبے ہیں ان کے لئے صرف دہلی میں سپریم کورٹ موجود ہے جبکہ پاکستان میں سپریم کورٹ کی لاہور، کوئٹہ، کراچی میں برانچ رجسٹریاں موجود ہیں۔ جنرل پرویز مشرف کے دور میں چیف جسٹس افتخار چوہدری کے انکار سے عدلیہ کی آزادی کا سفر شروع ہوا۔ نواز شریف کے لانگ مارچ کے باعث عوامی دباؤ پر موجودہ حکومت کو ججز کو بحال کرنا پڑا۔ اس وقت عدلیہ کی پشت پر ملک کے 18 کروڑ عوام ہیں۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ عدلیہ کی آزادی اور اس کی اتھارٹی کی قوت سامنے آرہی ہے۔ عدالت عظمیٰ نے اپنی بحالی کے بعد بڑے بڑے تاریخی فیصلے کئے۔ جو عالمی میڈیا میں نمایاں ہوئے۔ سپریم کورٹ کے فیصلے ملک میں آئین اور قانون کی بالادستی کا اہم ثبوت ہیں۔ حج سکینڈل، این آئی سی ایل، سٹیل مل سکینڈل سامنے آنے پر عدالت عظمیٰ کا کردار ناقابل فراموش ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ سپریم کورٹ نے وزیر اعظم کو دوٹوک سزا سنائی اور چیف جسٹس نے اپنے بیٹے کو کٹہرے میں کھڑا کر دیا۔ سپریم کورٹ کی مداخلت سے اربوں روپے قومی خزانے میں جمع ہو گئے۔ بدنام زمانہ این آر او کو ختم کیا۔ ان اقدامات سے سپریم کورٹ کے وقار میں زبردست اضافہ ہوا۔ کراچی کے حالات کا جائزہ لیا اور سپریم کورٹ نے بلوچستان کے مسئلہ کو حل کر کے عظیم قومی خدمت کی ہے اور نظریہ ضرورت کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا ہے۔ کیونکہ ملکی ترقی اور استحکام صرف قانون کی فرمانروائی سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ عدلیہ نئی تاریخ رقم کر رہی ہے۔ ماضی میں ملک کی عدلیہ میں جو کچھ بیت چکا ہے وہ بھیانک اور خطرناک ہے۔ (34)

پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ عدل سے انحراف ہے

پاکستان کی 65 سالہ تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ عدل سے انحراف

Marfat.com

ہے، میرٹ کی پامالی ہے، پاکستان میں مارشلاؤں کا سبب میرٹ سے ہٹ کر فیصلے کرنا ہیں۔ آزادی کا نصف سے زائد عرصہ ہم نے مارشل لاء میں گزارا ہے۔ اگر جنرل محمد ایوب خان کو بروقت ریٹائر کر دیا جاتا اور اس کی مدت ملازمت میں توسیع نہ ہوتی تو جنرل ایوب کو کبھی مارشل لاء لگانے کا موقع نہ ملتا۔ میرٹ سے ہٹ کر فیصلہ کیا گیا تو ملک کو گیارہ سال اس کی حکومت کو برداشت کرنا پڑا۔

وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے جنرل ضیاء الحق کو پانچ سینئر جرنیلوں پر ترجیح دی اور اسے میرٹ کے برعکس ترقی دے کر چیف آف آرمی سٹاف بنایا۔ جنرل ضیاء الحق کے چیف آف آرمی سٹاف بننے سے پانچ سینئر جرنیل ریٹائر ہوگئے۔ جنرل ضیاء کی میرٹ کے خلاف پروموشن نے ملک کو ایک اور مارشل لاء سے دوچار کردیا۔ یہ مارشل لاء بھی قوم نے مزید گیارہ سال بھگتا ہے۔

میاں محمد نواز شریف وزیر اعظم پاکستان نے میرٹ سے ہٹ کر جنرل پرویز مشرف کو آرمی کا سربراہ بنایا۔ جنرل افتخار علی اور علی قلی خان کی سنیارٹی کو رد کر دیا گیا۔ میرٹ کے برعکس اس فیصلہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جنرل پرویز مشرف نے ملک میں ایک بار پھر مارشل لاء لگایا اور قوم و ملک کو میرٹ کی خلاف ورزی کی سزا مزید نو سال تک بھگتنا پڑی۔ ہمارے سول وزراء اعظم مردم شناس نہ تھے۔ نااہل حکمرانوں نے وقتی مصلحتوں کے تحت میرٹ کی خلاف ورزی کی اور عدل سے انحراف کی سزا انہیں اپنے دور حکومت میں ہی بھگتنا پڑی اور ملک و قوم کو میرٹ کی خلاف ورزی پر سنگین نتائج کا سامنا کرنا پڑا۔ (35)

انصاف کی پہلی سیڑھی تھانہ

جو لوگ قانون کی عزت نہیں کرتے
لاریب وہ خود اپنی حفاظت نہیں کرتے

پولیس کا محکمہ خلفائے راشدین میں سے حضرت عمر فاروقؓ نے قائم کیا۔ حضرت عمرؓ خود رات کو رعایا کے حالات جاننے کے لئے گشت کیا کرتے تھے اور بغیر بتائے لوگوں کی دادرسی کیا کرتے تھے تاکہ لوگوں کو پتہ نہ چل سکے کہ ہمارے کام آنے والا خود امیر المومنین ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں نے لڑاؤ اور حکومت کرو پروگرام کے تحت پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ آزادی کے بعد تعزیرات ہند کا نام بدل کر تعزیرات پاکستان رکھ لیا اور 1979 سے حدود کے قوانین لاگو ہیں لیکن ان پر عمل کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ ملک میں جرائم کم ہونے کی بجائے بڑھ رہے ہیں اور جدت اختیار کر رہے ہیں۔ لاقانونیت کا دور دورہ ہے۔ انسان کوئی قیمت نہیں رکھتا اس کا احترام کیسے ہوسکتا ہے۔ ہمارے ملک میں تھانہ انصاف کی پہلی سیڑھی ہے۔ تھانہ جات محبت کی علامت کی بجائے دہشت کا نشان بن چکے ہیں۔ کرپشن اور بدعنوانی نے تھانوں میں انصاف کی فراہمی بند کر رکھی ہے۔ لوگ عدم تحفظ کا شکار ہیں۔ تھانہ سے عوام کو انصاف میسر نہیں ہوتا۔ پاکستان میں پولیس شتر بے مہار ہے اور اس کی کوئی کل سیدھی نہیں۔ اختیارات سے تجاوز پولیس کا معمول بن چکا ہے۔ تھانوں میں چٹی دلالوں کے وارے نیارے ہیں۔ ملک سے ٹاؤٹ ازم کا خاتمہ نہیں ہو سکا۔ تھانے نیلام ہوتے ہیں۔ منتھلی نیچے سے اوپر تک جاتی ہے ہر حکومت نے پولیس کو سہولتیں فراہم کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ہے۔ اس کے باوجود تھانوں میں انصاف کی فراہمی میں حائل رکاوٹیں دور نہ ہو

Marfat.com

سکیں۔ پولیس آفیسر زبانی دعوؤں کے سوا اور کچھ نہ کر سکے۔ ملکی تاریخ میں یہ بھی ایک ریکارڈ ہے کہ پاکستان میں ایس ایچ اوز کو تین ماہ سے زائد ایک ہی تھانہ میں نہیں رہنے دیا جاتا۔ عوام اس بات پر متفق ہیں کہ جس طرح کنویں میں گر جانے والی اینٹ خشک نہیں نکالی جاسکتی اسی طرح تھانے میں طلب کیا گیا شخص پولیس کی مٹھی گرم کیے بغیر نہیں نکل سکتا۔ پولیس تشدد کرتی ہے اور تشدد کے ڈر سے رقم بٹوری جاتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں تشدد نہیں ہوتا۔ جدید طریقوں سے تفتیش ہو رہی ہے۔ اب تو جھوٹ پکڑنے والا آلہ بھی وجود میں آچکا ہے۔ تھانوں میں جھوٹ پکڑنے والے آلے فراہم کیے جائیں۔ انصاف کی فراہمی کے لئے پولیس کو ہفتہ وار چھٹی دی جائے۔ تنخواہوں میں معقول اضافہ کیا جائے۔ تھانوں میں ڈیوٹی شفٹس مقرر کی جائیں۔ پولیس اور عوام کے درمیان حائل خلیج کو ختم کرنے کے لئے عملی اقدامات کئے جائیں۔ مصالحتی کمیٹیوں کو متحرک کیا جائے اور شرعی حدود کے قوانین پر عمل کروایا جائے۔ جس طرح سعودی عرب حدود پر عمل کرنے سے امن و امان کا گہوارہ بن چکا ہے۔ پاکستان کو بھی پرامن خطہ میں تبدیل کیا جائے۔

ماتحت عدلیہ کو کرپشن سے پاک کیا جائے

ملک بھر میں ماتحت عدلیہ میں کوئی تبدیلی نہیں آسکی۔ یہاں بھی کرپشن اور بدعنوانی جاری ہے۔ عدالت عظمیٰ کو اس کا بھی نوٹس لینا چاہیے کہ ماتحت عدلیہ کے اداروں کی کارکردگی نے بھی عام آدمی کو سخت مایوس کر رکھا ہے۔ پاکستان میں امیر اور غریب کے لئے الگ الگ قوانین ہیں۔ جب عام آدمی اس بارہ میں سوچتا ہے تو انصاف پر سے اس کا اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ قانون شکنی اس کی عادت بن جاتی ہے۔ انصاف میں تاخیر بھی لوگوں کو انصاف سے بدظن کر رہی ہے۔ ہر پیشی پر اٹھنے والے اخراجات عام آدمی کو متاثر کر رہے ہیں۔ بڑے لوگ اور بڑے مجرم عدالتوں سے رعائت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور معاشرے میں دندناتے پھرتے ہیں۔ اس سے امن و امان کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ ماتحت عدلیہ کی حالت بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ (36)

دہشت گردی کے خلاف قانون سازی

9/11 کے واقعات کے بعد پاکستان نے دہشت گردی کی عالمی جنگ میں شرکت کی یہ اس کی تاریخی غلطی تھی۔ پاکستان دس سالوں کے اندر دہشت گردی کی لپیٹ میں بری طرح پھنس چکا ہے۔ جگہ جگہ تخریب کاری اور حساس مقامات و تنصیبات پر مسلح حملوں نے پاکستان کی قومی سلامتی پر ایک نشان لگا دیا ہے۔ 40 ہزار افراد اور 70 ارب سے زائد نقصان اٹھا چکا ہے۔ گزشتہ دس سالوں میں حکومتوں نے اپنے اقتدار کی طوالت کے لئے اور اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے بہت قانون سازی کی۔ حکومت نے توہین عدالت کا قانون تین یوم میں پاس کرایا لیکن گزشتہ دس سالوں میں دہشت گردی کے خلاف حکومت اور پارلیمنٹ قانون سازی کرنے میں ناکام رہی یہ عجیب بات ہے کہ ملک میں انسداد دہشت گردی کے لئے عدالتیں موجود ہیں لیکن انسداد دہشت گردی کے لئے اب تک قانون سازی نہیں کی گئی۔ دہشت گردوں کو عام قوانین کے تحت ہی سزائیں دی جارہی ہیں۔ ساڑھے چار سال کے بعد 5 ستمبر 2012 کو وفاقی کابینہ نے دہشت گردی کے خاتمے اور شدت پسندوں کی معاونت کرنے والے افراد کی بیخ کنی کے لئے انسداد دہشت گردی ترمیمی بل 2012 کے مسودے کو منظور کر لیا ہے۔ جس کے تحت

Marfat.com

شدت پسندوں کی معاونت کرنے والوں کے خلاف دہشت گردی ایکٹ کے تحت کاروائی کی جائے گی۔ اس بل کے تحت فون کالز، مختصر پیغامات، ایس ایم ایس، ای میلز کو ملزمان کے خلاف بطور ثبوت پیش کیا جاسکے گا۔ انسداد دہشت گردی بل کے تحت دہشتگردوں کی مالی معاونت کرنے والے شخص یا گروہ کو کریمنل قانون کے تحت سزادی جا سکے گی۔ کالعدم تنظیموں سے روابط پر اثاثے اور بینک اکاؤنٹ ضبط کئے جاسکیں گے۔حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنی بقایا مدت میں دہشت گردی کے خلاف قانون سازی کرے تا کہ ملک سے دہشت گردی کی لعنت کوختم کیا جاسکے۔ (37)

حوالہ جات

1۔اسلامیات لازمی بی اے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد ...... 2۔دیباچہ عدل و انصاف پروفیسر محمد حنیف شاہد ...... 3۔ حدیث بخاری شریف ...... 4۔قرآن مجید سورۃ الحدید 57-25 ...... 5۔قرآن مجید سورۃ النساء 58-4، سورۃ مائدہ 8-5 ...... 6۔ اسلامی ریاست صفحہ 379، بحوالہ ابوداؤ۔ ترمذی و احمد ...... 7۔کتاب عدل و انصاف صفحہ نمبر 9-1 پروفیسر حنیف شاہد ...... 8۔ کلیات اقبال اردو صفحہ 15 ...... 9۔قرآن مجید سورۃ کہف آیت 26 ...... 10۔قرآن مجید سورۃ الاعراف آیت 7 ...... 11۔ قرآن مجید سورۃ النساء 135-4 ...... 12۔قرآن مجید سورۃ المائدہ 6-5 ...... 13۔قرآن مجید سورۃ اشوری 15-42 ...... 14۔ مفاہمتی عمل کے لئے پائیدار حکمت عملی کی تشکیل تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی مقالہ 2011 ...... 15۔الحدیث جلد 2 ترجمہ مشکوۃ المصابیح صفحہ 9-6 ...... 16۔کتاب اخلاق مولفہ محمد حنیف شاہد صفحہ 43-42 ...... 16 (الف) تفسیر احسن البیان سورۃ النساء 54-4 ...... 16 (ب) سنن ابن ماجہ کتاب الاحکام ...... 17۔ مفاہمتی عمل کے لئے پائیدار حکمت عملی کی تشکیل تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی مقالہ 2011 ...... 18۔عدل و انصاف صفحہ نمبر 17 محمد حنیف شاہد ...... 18 (الف) روزنامہ اوصاف اداریہ 6 ستمبر 2012 ...... 19۔سنڈے میگزین ڈیلی اوصاف 2012 ...... 20۔کلیات اقبال اردو صفحہ 270 ...... 21۔تفہیم القرآن جلد دوئم صفحہ نمبر 565 حاشیہ 88 ...... 22۔کلیات اقبال صفحہ 204 ...... 23۔سورۃ البقرہ 2-282 ...... 24۔سورۃ النساء 3-4 ...... 25۔عدل و انصاف صفحہ نمبر 78 حنیف شاہد ...... 26۔اسلامی ریاست مولفہ مولانا سید مودودی صفحہ نمبر 401 ...... 27۔عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت محمد یوسف فاروقی ...... 28۔حدیث شریف مسلم الجامع ...... 29۔خط کی تفصیل کے لئے المصاف، ادب القاضی ...... 30۔قضاء کی خدمات، عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت کی تشکیل ...... 31۔قضاء اور علمی فکری صلاحیت، عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت کی تشکیل ...... 32۔کلیات اقبال اردو صفحہ 204 ...... 33۔اسلامیات (بی۔اے) علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد ...... 33۔الف کتاب اسلام اور انسانی حقوق (پروفیسر ڈاکٹر علامہ ایاز ظہیر ہاشمی ...... 33۔ب عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت کی تشکیل محمد یوسف فاروقی ...... 34۔سنڈے میگزین اوصاف 15 جولائی 2012 ...... 35۔روزنامہ نوائے وقت 16 جون 2009 ...... 36۔بار ایسوسی ایشن کی قرارداد آف دسمبر 2011 ...... 37۔ اداریہ روزنامہ اوصاف 5 ستمبر 2012۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ظفر علی۔ چشتیاں، ضلع بہاولنگر

اسلام اللہ تعالیٰ کی انمول اور بیش بہا نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں ''امن و سلامتی'' اور ''اطاعت و تسلیم'' یہ نجات اخروی کے ساتھ ساتھ دنیوی فلاح پر بھی بھرپور توجہ دیتا ہے بلکہ آخرت کی کامیابی کو دنیا میں سرانجام دیئے گئے اعمال صالحہ پر منحصر قرار دیتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے ساری مخلوق گویا اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور مخلوق سے بھلائی کرنے والا اللہ تعالیٰ کو نہایت محبوب ہے۔(۱) نیز معیار فضیلت ذات پات یا حسب و نسب کی بجائے تقویٰ ہے فتنہ و فساد کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے اور بھائی چارے، ہم آہنگی اور صلح و صفائی کی تاکید و تلقین کی گئی ہے۔ جناب رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے:

الدین النصیحة لِلّٰه ولکتابه ولرسوله ولائمة المسلمین و عامتهم (صحیح مسلم)

ترجمہ: دین خیر خواہی (کا نام) ہے اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کی کتاب کے لیے اور اس کے رسول ﷺ کے لیے اور مسلمانوں کے راہنماؤں کے لیے اور عام لوگوں کے لیے۔

اس خیر خواہی کے سلسلے میں عدل و احسان سرفہرست ہیں۔(۲) ''عدل'' کے معنی ''برابری'' ہیں۔ العدل اور العدل تقریباً ہم معنی سمجھے جاتے ہیں۔ عدل کی دو اقسام ہیں: (۱) عدل مطلق: یعنی بدلہ مثلاً جو آدمی ہمیں ایذاء نہ دے، اسے ایذا نہ دی جائے۔ (۲) عدل شرعی: شریعت اسلامیہ کی رو سے جرائم قرار دیئے جانے والے کاموں کی سزا و عقوبت (۲)۔ اس کا متضاد ''جور'' یعنی ''ظلم و زیادتی'' ہے جبکہ قصداً، قسط اور سویۃ اس کے مترادفات کے طور پر مستعمل ہیں۔(۴)

قرآن پاک میں عدل کی ضرورت و اہمیت کو خوب واضح فرمایا گیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا. اِعْدِلُوْا. هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ. اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (المائدہ ۵:۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے لیے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو نہ چھوڑو، عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خوب خبر رکھنے والا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے:

﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ. اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (المائدہ ۵۵:۴۲)

ترجمہ: اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے مابین عدل کے ساتھ فیصلہ کیجئے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل کرنے

Marfat.com

والوں کے ساتھ محبت کرتا ہے۔

دو متحارب فریقوں کے درمیان بھی عدل و انصاف کے مطابق صلح کرانا ضروری ہے اور کسی ایک فریق کے ساتھ زیادتی ممنوع ہے۔ نیز ناپ تول میں بھی عدل کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح دو فریقوں کے درمیان کوئی معاہدہ تحریر کرنے والے کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

﴿وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ﴾ (البقرہ۲:۲۸۲)

ترجمہ: اور چاہیے کہ تمہارے مابین [ہونے والے معاہدے کو] لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے ہر مسلمان کو عادل ہونا چاہیے تاہم حکمرانوں اور قضاۃ کے لیے عادل ہونا اور بھی ضروری ہے۔ ایک حدیث مبارکہ کی رو سے قیامت کے دن سات اشخاص اللہ تعالیٰ کے سائے میں ہوں گے جبکہ اس دن کوئی سایہ نہ ہوگا (صحیح بخاری(۱)

قرآن پاک میں عدل کے ساتھ ساتھ احسان کا حکم دیا گیا ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ. يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (النحل:۹۰)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان اور رشتے داروں کے بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہے اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور سرکشی سے منع فرماتا ہے۔

یہ آیت مبارکہ عدل اجتماعی پر دلالت کرتی ہے۔ قاضی ثناء اللہ عثمانیؒ (م ۱۲۲۵ھ) اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں کہ لفظ ''عدل'' ''مساوات'' کا متقاضی ہے یعنی بھلائی کا بدلہ بھلائی سے اور برائی کا بدلہ برائی سے دیا جائے۔ نیز اس سے مراد اعتدال اور توسط ہے یعنی مثلاً جبر اور قدر کے مابین، کنجوسی اور فضول خرچی کے مابین وغیرہ اور احسان سے مراد ہے تطوع اور زائد بھلائی اور اسی طرح سے ''عدل'' سے مراد حق پر استقامت بھی ہے۔(۱) علامہ محمود آلوسی بغدادیؒ (۱۲۷۰ھ) نے بیان کیا ہے کہ عدل سے مراد افراط اور تفریط کے مابین توسط (اور امتیاز) ہے اور احسان سے مراد برائی کرنے والے کے ساتھ بھلائی کرنا۔ نیز وہ امام رازیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ العدل سے مراد ضروری اعمال صالحہ اور انفاق واجبہ ہیں جبکہ احسان زائد اعمال صالحہ اور صدقات و خیرات کو کہا جاتا ہے۔ امام موصوفؒ ایک حدیث مبارکہ بھی اس ضمن میں لائے ہیں (جناب رسالت مآب ﷺ نے اسلامی تعلیمات کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا) التعظیم لامر اللّٰه والشفقة على عيال الله (۲) (ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعظیم (وتکمیل) اور اس کی مخلوق پر شفقت) اور یہ کہ مخلوق پر شفقت کی بہت سی اقسام ہیں جن میں صلہ رحمی سرفہرست ہے۔(۳)

سورۃ الماعون میں بھی یتیم کو دھکے دینے اور محتاج کو کھانا نہ کھلانے والے کو دین کی تکذیب کا مرتکب قرار دیا گیا ہے۔ نیز سورۃ البقرہ کی ایک آیت مبارکہ میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ﴾ (۲:۲۳۷)

Marfat.com

ترجمہ: اور آپس میں احسان کرنے سے غفلت مت کرو۔

اگرچہ یہ حکم مہر کی ادائیگی کے ضمن میں صادر فرمایا گیا ہے مگر دیگر مالی معاملات پر بھی قرآنی منشاء کی رو سے اس کا اطلاق ہوتا ہے ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ. قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَ قْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ. وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ (البقرہ۲:۲۱۵)

ترجمہ: (لوگ) آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کیا کریں۔ آپؐ فرما دیجئے کہ جو کچھ مال تم کو صرف کرنا ہو سو ماں باپ کا حق ہے اور رشتے داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافر کا اور جونسا نیک کام کرو گے سو اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے۔

ایک دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ. قُلِ الْعَفْوَ﴾ (البقرہ۲:۲۱۹)

ترجمہ: اور (لوگ) آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں آپ فرما دیجئے کہ جو بچے خرچ میں ہیں۔

جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

يا ابن آدم انك ان تبذل الفضل خير لك وان تمسكه شرلك ولا تلام علىٰ كفاف وابدا بمن تعول واليد العليا خير من اليد السفلى۔ (صحیح مسلم)

ترجمہ: اے آدم علیہ السلام کے فرزند! تیرے لیے فاضل مال کا (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) خرچ کر دینا بہتر ہے اور اسے روک لینا تیرے لیے برا ہے۔ اپنی ضروریات کی تکمیل کرنے کی حد تک تجھ پر کوئی ملامت نہیں اور خرچ کرنے میں ابتداء ان لوگوں (پر خرچ کرنے) سے کرو جن کی پرورش تمہارے ذمہ ہو اور دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

نیز حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کی قیادت میں ایک لشکر ساحل سمندر کی طرف بھجوایا جس کی تعداد تین سو تھی اور راوی خود بھی اس میں شامل تھے۔ یہ حضرات جب کچھ مسافت طے کر چکے تو ان کا زادِ راہ ختم ہو گیا۔ اس پر حضرت ابوعبیدہؓ نے حکم دیا کہ تمام لوگ اپنا اپنا توشہ لا کر ایک جگہ اکٹھا رکھ دیں۔ اس طرح کھجور کے دو تھیلے جمع ہو گئے۔ وہ انہیں ہر روز تھوڑا تھوڑا کھانے کو دیتے رہے یہاں تک کہ آخر میں صرف ایک ایک کھجور ملنے لگی۔ (صحیح بخاری)

ایک اور حدیث مبارکہ ہے:

قال النبی ﷺ ان الاشعريين اذا ارملوا فى الفرو اوقل طعام عيالهم بالمدينة جمعوا ما كان عندهم فى ثوب واحد ثم اقتسموه فى اناء واحد بالسوية فهم منى وانا منهم. (صحیح بخاری)

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اشعری لوگ جب جہاد میں تنگی میں مبتلا ہوتے ہیں یا مدینہ (منورہ)

Marfat.com

میں ان کے متعلقین کے پاس خوراک کم پڑ جاتی ہے تو ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے اسے ایک کپڑے میں جمع کر لیتے ہیں اور پھر اسے ایک ہی برتن سے اپنے درمیان مساوی طور پر تقسیم کر لیتے ہیں۔ اس لیے وہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔

ایک دوسری حدیث مبارکہ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ مال و دولت میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی محتاجوں کا حق ہے:

قال رسول اللہ ﷺ ان فی المال لحقاً سوی الزکوٰۃ ثم تلا ﴿لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاخر والملائکۃ والکتاب والنبیین واٰتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ والیتمی والمسکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب﴾.(۱)(ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

ترجمہ: جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (مستحق لوگوں کا) حق ہے پھر یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی کچھ سارا کمال اسی میں نہیں (آ گیا) کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کر لو یا مغرب کو لیکن (اصلی) کمال یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر (بھی) اور فرشتوں اور سب کتب (سماویہ) پر اور پیغمبروں اور (وہ شخص) مال دیتا ہو اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنے (حاجت مند) رشتہ داروں اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور قیدی اور غلاموں کی گردن چھڑانے کو۔۔۔

ہجرت مدینہ کے فوراً بعد جناب رسالت مآب ﷺ کا انصار اور مہاجرین کے مابین رشتہ اخوت کی استواری بھی عدل اجتماعی کی جانب ایک قدم تھا۔ اس موقع پر انصار کا ایثار ایک ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اسی طرح ۱۸ھ میں قحط پڑا۔ یہ نو ماہ تک رہا دیہاتوں کی آبادی کا بڑا حصہ مدینہ منورہ میں آ بسا تا کہ کچھ خوراک مل سکے۔ خلیفہ وقت حضرت عمرؓ دوسرے علاقوں سے غلہ، تیل اور دیگر خوردنی اشیاء منگواتے رہے اور لوگوں میں تقسیم کرتے رہے۔ ہزاروں کی تعداد میں مویشی وغیرہ باہر سے منگوا کر ذبح کرتے رہے اور ذاتی طور پر سارے انتظامات کی نگرانی کرتے رہے۔ وہ قحط کا مقابلہ جنگی بنیادوں پر کرتے رہے۔ اسی دوران انہوں نے فرمایا کہ لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے مال نہ ملتا تو وہ ہر گھر والوں کے ساتھ ان کی تعداد کے برابر دوسرے افراد کو شامل کر دیتے تا کہ وہ ان کی آدھی خوراک اپنے حصے میں لیں۔(۳)

متذکرہ بالا قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ بات خوب واضح ہے کہ معاشرے کے دولت مند افراد کا فرض بنتا ہے کہ وہ غریب کی امداد و معاونت کرتے رہیں۔ اس امداد کے بدلے میں اجر عظیم کا وعدہ فرمایا گیا ہے مثلاً اصل صدقے کا سات سو گنا یا اس سے بھی زیادہ(۱) اگر دولتمند طبقہ بوجوہ یہ کام سرانجام نہ دے سکے تو ریاست کو یہ ذمہ داری سنبھالنا پڑتی ہے کہ وہ امیر لوگوں سے حسب ضرورت مال لے کر غریبوں کی مالی معاونت کرے چنانچہ امام ابن حزمؒ (۴۵۶ھ) تحریر فرماتے کہ ہر ملک کے مالداروں پر فرض ہے کہ اپنے غریب افراد کی کفالت کریں اور وسائل کم ہونے کی صورت میں حاکم وقت انہیں اس کام پر جبراً آمادہ کرے گا۔(۲) امام غزالیؒ، امام نوویؒ اور جصاصؒ کا بھی یہی مؤقف ہے۔(۳) مولانا حفظ الرحمٰن

Marfat.com

سیوہاروی، ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی اور محمد شجاعت نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے۔(۴) صدیقی صاحب کی رائے ملاحظہ کیجئے:

''یہ بات قرآن، سنت، خلفاء کے طرزِ عمل اور فقہی اجماع سے ثابت ہے کہ تمام رعایا کی بنیادی ضرورت کو پورا کرنا اسلامی حکومت کا بنیادی فریضہ ہے۔ اسے منسوخ نہیں کیا جاسکتا (خوراک، مکان، لباس، طبی سہولیات اور تعلیم) بعض صورتوں میں ٹرانسپورٹ اور خدمت بھی شامل کی جاسکتی ہیں۔ ان کا معیار اوسط درجے کا ہونا چاہیے اور معاشی وسائل کو سامنے رکھتے ہوئے یہ حکومت کی ذمہ داری ہے''۔(۵)

یہاں یہ بات دوبارہ واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عدل اجتماعی صرف معاشی کفالت نہیں بلکہ اس میں آزادیٔ ضمیر اور مساواتِ انسانی بھی شامل ہیں۔ آزادیٔ ضمیر کو احساس حریت یا عزتِ نفس بھی کہا جاسکتا ہے۔ یہی احساس انسان کو تعمیری اور مفید نقطہ نظر اپنانے کی طرف راغب کرتا ہے۔ وہ غیر اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ خلط ملط تصورات سے اجتناب کرتا ہے اور ہمہ وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کی طرف توجہ رکھتا ہے۔ وہ اپنی روزی جائز طریقوں سے کمانے اور مخلوق خدا کی بہتری میں کوشاں رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی امیدیں وابستہ رکھتا ہے۔ الغرض وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو اس کے احساس حریت کو نقصان پہنچائے۔ البتہ یہ بات بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ وہ بھول چوک کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرے اور اپنی کوتاہی پر افسوس اور پشیمانی کا اظہار کرتے ہوئے راہِ مستقیم پر گامزن ہونے کے لیے کوشاں رہے۔ یہی افسوس پشیمانی اور معافی طلبی اس کے احساس حریت میں عمدگی کا باعث ہوتے ہیں۔ مساوات انسانی بھی عدل اجتماعی کا ایک عنصر ہے۔ تمام انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے ناطے سے برابر درجہ رکھتے ہیں۔ رنگ ونسل وغیرہ کے امتیازات اسلام میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ تمیز رنگ و بو برما حرام است۔

بے جا طرف داری یا عصبیت اسلام میں ممنوع قرار دی گئی ہیں۔ جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: **لیس منا من دعا الی عصبیة ولیس منا من قاتل علی عصبیة ولیس منا من مات علیٰ عصبیة** ۔(سنن ابی داؤد) ترجمہ: وہ ہم میں سے نہیں جو لوگوں کو عصبیت کی طرف بلائے اور جو تعصب کی بناء پر لڑے اور جو تعصب پر مرے۔ ذاتیں اور خاندان صرف جان پہچان کے لیے ہیں نہ کہ فخر و مباہات کے لیے کسی کو حقیر یا کم مرتبہ سمجھنے کی مذمت کی گئی ہے۔ انسانی مساوات کے نظریے کو تقویت دینے کے لیے اعلیٰ اخلاق اپنانے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ (البقرہ۲:۸۳) ترجمہ: اور لوگوں سے بات (خوب) اچھی طرح کیا کرو۔

جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: **ان المومن لیدرك بحسن خلقه درجة قائم اللیل وصائم النهار** (سنن ابی داؤد) ترجمہ: صاحب ایمان بندہ اپنے اچھے اخلاق سے ان لوگوں کا درجہ حاصل کرلیتا ہے جو رات بھی نفلی نمازیں پڑھتے ہوں اور دن بھر روزہ رکھتے ہوں۔

حسد اور بدگمانی انسانی مساوات کے لیے نہایت ضرر رساں ہیں۔ انہیں ختم کرنے کے لیے جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: **اذا نظر احدکم الی من فضل علیه فی المال والخلق فینظر الی من هو اسفل منه ممکن فضل علیه** ۔(صحیح بخاری) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی خود سے مال اور صورت کے لحاظ سے برتری رکھنے والے شخص کی طرف دیکھے تو

Marfat.com

اسے ان (دونوں چیزوں) کے لحاظ سے خود سے کمتر شخص کی طرف (بھی) دیکھنا چاہیے۔

دراصل، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ دین خیر خواہی اور بھلائی چاہنے کا نام ہے۔ اس لیے اہل ثروت غرباء کی ہمدردی، عزت اور مالی معاونت کے کاموں سے ہرگز غافل نہ ہوں اور وہ گاہے بگاہے اور حسب ضرورت ان کی مالی مدد انہیں اپنا بھائی سمجھتے ہوئے لوجہ اللہ کرتے رہیں اور اگر وہ اس مبارک کام سے پہلو تہی اختیار کرتے نظر آئیں تو حکومت کا فرض ہے کہ وہ دولت مندوں سے حسب ضرورت ٹیکس وصول کر کے غریب طبقے کی ضروریات پوری کرتے رہیں۔ نیز حکمرانوں کے محاسبے اور ان کی نااہلی کے ضمن میں اسلام نے درج ذیل اقدامات تجویز کیے ہیں۔(ا) ۱- خوف آخرت: ذمہ داریوں کے بارے میں جواب دہی۔ ۲- عدالتی محاسبہ۔ ۳- مجلس شوریٰ (یا پارلیمنٹ) کے ذریعے محاسبہ۔

حکومت کے پاس اقتدار ہوتا ہے اس کے پاس حکام ہوتے ہیں۔ مجلس شوریٰ یا پارلیمنٹ ہوتی ہے۔ ان سب لوگوں کے ہوتے ہوئے بھی اگر ضرورت محسوس ہو تو ارباب علم وفضل سے بھی راہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ارباب حکومت، اپنی بشری کمزوریوں کے باوجود اگر مخلص اور باہمت ہوں تو سیدھے راستے پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں وقت کے تقاضوں کے ساتھ ضروری حد تک ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت موجود ہے مگر بنیادی امور کی رعایت بہرصورت ضروری اور لازمی ہے۔ نئے مسائل کے حل کے لیے ''اجتہاد'' کیا جاسکتا ہے مگر یہ حق صرف حقیقی ارباب علم وفضل کو حاصل ہے۔ حکومت ان حضرات کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ مزید یہ کہ ''استحسان'' مصالح مرسلہ اور سد ذرائع کے فقہی اصولوں سے حسب موقع کام لیا جاسکتا ہے۔

استحسان (Approbation): ''عد الشیء حسن'' (یعنی شے کو اچھا تصور کرنا) فقہی اصطلاح میں استحسان سے مراد یہ ہے کہ وہ محض طبعی خواہش پر مبنی نہ ہو بلکہ شارع علیہ السلام کا مقصد معلوم کر کے اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

مصالح مرسلہ (public Inlerests)é وہ اصول ہیں جن کی تائید یا تردید میں کوئی معین شرعی قاعدہ نہ ہو اور جن کے ذریعے ان شرعی مقاصد کی حفاظت کی جاتی ہے جن کا علم کتاب، سنت یا اجماع سے حاصل ہوتا ہے۔

سد ذرائع (Prohibition of evasive legal devices): منع ما کان وسیلة الی الفساد یعنی ایسے کاموں کا سدباب جو باعث خرابی بن سکتے ہوں''۔ سد ذرائع سے مراد ان تمام راستوں اور راہوں کو بند کر دینا ہے جو شرعی احکام کے ترک کر دینے یا ان میں حیلہ اختیار کرنے کا سبب بنتے ہیں اور بالآخر ممنوعہ کاموں کے ارتکاب کا باعث بنتے ہیں۔(ا)

عدل اجتماعی کے نظام کو کامیاب بنانے کے لیے اسلامی ریاست کے لیے ضروری ہے کہ وہ بھلائی کے فروغ اور برائی کے خاتمے کے لیے کوشاں رہے۔ نیز اخلاق عامہ کی اصلاح کے لیے سرگرم رہے اور مالی معاملات میں بدعنوانی کی روک تھام کرے۔ ریاست کی معاونت کے لیے اس مقصد کے لیے محکمہ احتساب یا حسبہ کا قیام ضروری ہوتا ہے۔ عہد نبوی ﷺ میں اس بارے میں متعدد بنیادی اقدام اٹھائے گئے مثلاً مدینہ منورہ کے تاجروں کو اس بات سے منع کر دیا گیا کہ شہر سے باہر جا کر دیہات سے آنے والے تجارتی مال کو خرید لیں۔ نیز آپ ﷺ نے کاروباری سرگرمیوں کی نگرانی کے لیے ایک خصوصی افسر مقرر فرمایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں اس شعبے کو مزید وسعت دی۔ بعد میں یہ کام جاری رہے۔ اس سلسلے میں کافی سارا ذخیرہ

Marfat.com

کتب دستیاب ہے۔ اس ذخیرے میں سے ایک کتاب ''معالم القربۃ فی احکام الحسبۃ'' مصنفہ ابن الاخوۃ (م ۷۲۹ھ/ ۱۳۲۹ء) کا مختصر سا تعارف مفید رہے گا۔ موصوف نے اخلاق عامہ کی اصلاح و درستی کے طریقوں کے علاوہ صنعت وحرفت کی تقریباً ایک سو اصناف کے بارے میں لکھا ہے اور ان میں سے ہر ایک کی اصلاح وغیرہ کے لیے اقدامات تجویز کیے ہیں۔ علاوہ ازیں احتساب کی اہمیت، اس کے آداب اور دیگر متعلقہ امور پر بحث کی ہے اور آخر میں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ کتاب میں بیان کردہ برائیوں کے علاوہ ان سے ملتی جلتی اور بھی بہت سی برائیاں ہیں جن کے بارے میں دینی روح کو پیش نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ نیز یہ کہ برائیوں کو نظر انداز کرنا گویا ان کا حکم دینا ہے اور یہ برائیوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔(۴)

یہ بات چودھویں صدی عیسوی/ آٹھویں صدی ہجری کے بارے میں ہے اور آج کے دور میں یہ فہرست ازحد طویل ہو چکی ہوگی۔ اسلامی حکومت کا فرض بنتا ہے کہ عدل اجتماعی کے قیام کے لیے شعبہ احتساب سے مناسب مدد حاصل کرنے کا اہتمام کرے تاکہ ملاوٹ، دھوکے بازی اور کاروباری بدعنوانیوں اور برے اخلاق و عادات کا محاسبہ جاری رکھا جاسکے۔

اس ساری بحث سے یہ امر خوب عیاں ہے کہ تعلیمات نبوی ﷺ میں عدل اجتماعی کے قیام اور نفاذ پر بہت زور دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے قیام و نفاذ کے عملی طریقے بھی بیان کر دیئے گئے ہیں۔ نیز اسلامی تعلیمات کی روشنی میں نئے اور موزوں طریقے بھی اختیار کیے جاسکتے ہیں۔ اصلاح و درستی کے لیے صرف سزا و جزاء کا تصور نہیں پیش کیا گیا بلکہ اخلاقیات پر بھی زور دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو رشتہ اخوت میں پرو دیا گیا ہے اور غیر مسلموں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے بلکہ ہر ذی روح کے ساتھ بھلائی کو نیکی قرار دیا گیا ہے جناب رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے: ''فی کل ذات کبد رطبۃ اجر'' (صحیح بخاری) ترجمہ: ہر تازہ جگر والی چیز (سے بھلائی) میں اجر ہے۔

دنیا میں اس دور میں انسانی حقوق پر بڑا زور دیا جا رہا ہے جو کہ ایک نہایت مستحسن بات ہے مگر دنیا میں غلبہ و اقتدار رکھنے والے ممالک کا اس ضمن میں معیار دوہرا ہے۔ وہ کسی پر ظلم وتعدی کے مرتکب ہوں تو کوئی بات نہیں اور اس بارے میں کئی تاویلیں پیش کرتے ہیں۔ مگر کوئی اور اسی طرح کی زیادتی کرلے تو وہ قابل گردن زدنی قرار پاتا ہے۔ بہرحال ظلم و زیادتی کسی جانب سے بھی ہوں، ناقابل معافی بھی ہیں۔ اہل مغرب نہیں جانتے کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے آج سے تقریباً چودہ صدیاں پہلے انسانی حقوق کا چارٹر پیش فرمایا تھا جس کی رو سے کسی سے بھی ظلم گناہ اور جرم ہے۔ اسی طرح یہ لوگ اپنی سمجھ اور دانست کے مطابق فلاحی مملکتیں قائم کر چکے ہیں جہاں ان کے خیال میں عدل اجتماعی ان کے ہاں نمایاں طور پر جلوہ گر ہے۔ مگر وہ یہ بات فراموش کیے ہوئے ہیں کہ صرف مادی ضروریات کو پورا کر دینا ہی کافی نہیں بلکہ انسان کی روحانی اور اخلاقی ضروریات کو پورا کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ انسان مادہ اور روح سے مرکب ہے۔ مغرب کی یہی خامی اس کی مادہ پرستی اور خام خیالی کی آئینہ دار ہے وہاں کے لوگ مالی طور پر خوشحال ہونے کے باوجود پریشان اور بے چین ہیں اور اپنی تہذیب کی ''کرشمہ سازیوں'' کے شاکی دکھائی دیتے ہیں گویا زبان حال سے کہتے نظر آتے ہیں۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
مگر یہ جھوٹے نگوں کی میناکاری ہے

Marfat.com

اس خامی کو اسلام نے دنیا و دین کو باہم شیر و شکر کر کے ختم کر دیا ہے اور انہیں ایک ناقابل تقسیم اکائی کی شکل عطا کی ہے۔ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں عدل اجتماعی کے تصور کو اجاگر کرنے کی کوشش مقالہ ھذا کے گزشتہ صفحات میں کی گئی ہے جس کے بغیر کوئی مثالی فلاحی مملکت وجود میں نہیں آ سکتی۔ اس ضمن میں خوفِ خدا، خلوص اور دیانت جیسے اوصاف کا ہونا ضروری ہے مگر کیا کہا جائے ہم مسلمانوں کی اکثریت ان اوصاف سے کافی حد تک عاری نظر آتی ہے۔ سید سلیمان ندویؒ کے خیال کے مطابق ہمارے اندر نو مسلموں کا سا ایمانی جذبہ آ جائے تو یہ کام کوئی مشکل نہیں اور اپنی بشری اور فطری کمزوریوں کے باوجود ہم عدل اجتماعی کے نظام کا نفاذ ان شاء اللہ تعالیٰ عمل میں لا سکیں گے۔ لیکن اس کے لیے ذہنی ہم آہنگی اور جہد مسلسل کی سخت ضرورت ہے اور ہمارے پاس بطور نظیر عہد نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ میں نافذ ہونے والے عدل اجتماعی کا نمونہ اور ماڈل موجود ہے عدل اجتماعی کے نظام کا نفاذ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اسلام (اور تعلیمات نبوی ﷺ) کا مقصد انسانوں بلکہ تمام جانداروں کی حقیقی فلاح و بہبود ہے اور امت مسلمہ کا کام اس بارے میں اہل عالم کی راہنمائی ہے انہیں اس بابرکت نظام کو خود نافذ العمل کر کے اہل عالم کے لیے ایک عملی مثال قائم کرنا ہے تاکہ ناداروں اور غریبوں کو قوت لایموت کا اہتمام ہو سکے اور پریشان اور پراگندہ ذہن امیر طبقہ کو بھلائی کے کاموں کی طرف راغب کر کے انہیں ذہنی سکون اور طمانیت سے ہمکنار کیا جا سکے۔

آخرت میں یہ بات دہرانا نامناسب نہ ہوگا کہ عدل اجتماعی کے قیام و نفاذ کے لیے حکومت اور عوام ہر دو ذمہ دار ہیں مگر ان ہر دو میں سے زیادہ ذمہ داری حکومت اور ریاست پر آتی ہے کیونکہ قوت نافذہ حکومت کے پاس ہوتی ہے جبکہ عوام اسے کارہائے خیر کی طرف متوجہ کر کے ان کی انجام دہی میں اس کا ہاتھ بٹا سکتے ہیں۔ ہمارے پاس عدل اجتماعی متذکرہ بالا بہترین نمونے اور ماڈل کے ساتھ ساتھ زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی کے لیے مسلم مفکرین اور علماء کا مرتب کردہ ایک عظیم الشان ذخیرہ کتب بھی موجود ہے۔ فقہی لحاظ سے شعبہ ہائے حیات کو مندرجہ ذیل سات اقسام میں منقسم کیا جا سکتا ہے: ۱- عبادات، ۲- مناکحات، ۳- معاملات، ۴- السیاسیۃ الشرعیہ (ریاست اور عوام کے تعلقات) ۵- عقوبات/ جنایات ۶- ادب القاضی (قانون قضاء و عدل) ۷- سیر (بین الاقوامی تعلقات سے متعلقہ اصول وضوابط)(۱) اور ان تمام شعبہ جات سے متعلق ذخیرہ کتب کی تفصیل سے اہل علم و فضل خوب متعارف ہیں اور ان سب کی فہرستیں اختصار کے پیش نظر، اس مقالہ میں شامل کرنا ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کو جذبۂ ایمانی سے معمور فرما کر عدل اجتماعی کے نظام کے نفاذ کی توفیق عطا فرمائے اور محض بحث و مباحثے کی دنیا سے نکال کر جادۂ عمل پر گامزن ہونے کی طاقت بخشے۔ آمین ثم آمین۔

حواشی

۱- بیہقی، شعب الایمان، بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح۔ ۲- العدل: ماقام فی النفوس انه مستقیم" (ابن منظور: قاموس العرب، مصر، ب ت)۔ ۳- امام راغب اصفہانیؒ: المفردات فی غریب القرآن، تحقیق و ضبط، محمد سید گیلانی، کراچی، ب ت)۔ ۴- ای ڈبلیو لین Aralie English Lexicon: (E.W. Lane)اناَ اشاعت مکرر (اشاعت اول ایڈنبرا ۱۸۷۷ء) ۵- سید سلیمان ندویؒ:

Marfat.com

سیرت النبیؐ، جلد سوم، لاہور ب ت، ص ۳۶۳۔ ۶–تفسیر مظہری، دہلی، ب ت۔ ۷– بیہقی: شعب الایمان۔ ۸– روح المعانی فی
تفسیر القرآن العظمی والسبع المثانی، بیروت، ب ت۔ ۹–سورۃ البقرہ ۲:۱۷۷۔ ۱۰– مولانا ابوالحسن علی ندوی: نبی رحمت، حصہ اول،
کراچی، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء، ص ۱۹۷–۱۹۸۔ ۱۱– محمد نجات اللہ صدیقی: اسلام کا نظریہ ملکیت، بار پنجم، لاہور ۱۹۸۹ء، ص ۱۰۶، ۲۲۹
(حصہ دوم)۔ ۱۲– سورۃ البقرہ ۲:۲۶۱۔ ۱۳– المحلی، تصحیح احمد محمد شاکر، بیروت ب ت، ج ۶، ۱۵۶۔ ۱۴– اسلام کا نظریہ ملکیت، حصہ
دوم، ص ۱۱۶–۱۱۷۔ ۱۵– حفظ الرحمٰن: اسلام کا اقتصادی نظام، بار دوم لاہور ۱۹۸۱ء، ص ۴۳–۴۶ محمد شجاعت: Social Justice
in Islam، بار اول نئی دہلی ۲۰۰۴ء، ص ۲۹۳–۲۹۶۔ ۱۶– Munawwar Iqbal (Ed): Distributive Justice and
Need fulfilment in Islamic Economy، لیسٹر (leicester) ۱۹۸۶ء میں شامل ڈاکٹر نجات صدیقی کا مقالہ بعنوان:
"The Gurantee of a minimum level of living in an Islamic state" کی تلخیص وغیرہ، ص ۲۸۰، یہاں یہ
بیان کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ ابو عبید قاسم بن سلامؒ نے اپنی تصنیف کتاب الاموال (تصحیح محمد حامد الفقی)، سانگلہ ہل ب ت، میں
ایک باب اس عنوان کے تحت قائم کیا ہے: ''ھل فی المال حق سوی زکوٰة الحول'' ص ۳۵۷۔ ۱۷– Social Justice
in Islam ص ۱۷۲۔ ۱۸– استحسان، مصالح مرسلہ اور سد ذرائع کی تفصیل کے درج ذیل کتب کا مطالعہ مفید رہے گا۔
۱۹–الدکتور محمد رواس قلعہ جی و دیگر: معجم اللغۃ الفقہاء، کراچی ب ت۔ ۲۰– ڈاکٹر عرفان خالد ڈھلوں (مرتب) علم اصول فقہ،
ایک تعارف، بار اول اسلام آباد ۲۰۰۶۔ ۲۱– الدکتور عبدالکریم زیدان: الوجیز فی اصول الفقہ، بیروت ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔
۲۲–احتساب کے بارے میں یہ معروضات ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی: اسلام کا نظریہ ملکیت، حصہ دوم، ص ۱۷۳، ص ۱۸۱ سے ماخوذ
ہیں ابن الاخوۃ کی متذکرہ بالا کتاب راقم نے خود بھی دیکھی ہے۔ اسے روبن لیوی (Rebun Levy) نے کیمرج سے ۱۹۳۷ء
میں شائع کرایا ہے۔ عربی متن کے ساتھ انگریزی میں اس کی تلخیص بھی شامل کر دی گئی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

محمد یاسین سروہی- ڈاکخانہ خاص ہرچوکی، ضلع قصور

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم o ﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾

اور اگر آپ ﷺ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو عدل و انصاف سے فیصلہ کریں۔ یقیناً اللہ تعالی انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔﴿۱﴾

تعارف

اسلام تمام انسانیت کی فلاح کا مذہب ہے۔ جس کی بنیاد دنیا کے سب سے عظیم انسان "محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" نے قرآن کے فراہم کردہ زاویوں پر رکھی۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعہ نے آج کے انسان اور انسانیت کے درمیان حائل ہونے والے تمام پردوں کو اُٹھا دیا۔ اور یوں ہم آپ ﷺ کے مبارک دور اور دور حاضر میں موجود تبدیلیوں کی نشان دہی کر کے ہی ہم راہ راست کی طرف پلٹ سکتے ہیں۔ وہ مقدس زندگی فقط ایک فرد کی سوانح حیات نہیں ہے۔ بلکہ وہ عظیم ترین مذہب کی آئینہ دار ہے۔ آپ ﷺ ہی کی زندگی میں ہم قرآن مجید کا ترجمہ عمل کی زبان میں پڑھ سکتے ہیں۔ اور اسی کی روشنی میں ہم اجتماعی انقلاب کی کٹھن راہوں کو طے کر سکتے ہیں اور اسی سے ہم اپنی راہ عمل متعین کر سکتے ہیں جن راہوں پر انسانیت چل کر اسلامی نظام حیات کی بہشت تک جا سکتی ہے۔ اہل اسلام نے ان ہدایات پر عمل کر کے عروج کا حسین زمانہ بھی دیکھا اور ان سے تغافل برت کر آج ہر جگہ رسوا ہو رہے ہیں۔

ہماری تباہی جس سنت نبوی ﷺ کو ترک کرنے کی وجہ سے ہو رہی ہے وہ ہے عدل و انصاف سے دوری...... معاشرے کی سب سے بڑی خرابی بھی عدل سے دوری ہے۔ ہر چھوٹا...... ہر بڑا...... اپنے ہاتھ میں موجود قانون کو اپنی حفاظت کیلئے توڑ مروڑ کر عدل کے چہرے کو مسخ کر رہا ہے۔ جبکہ ہمارے مذہب اسلام میں ایسا کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ قرآن فرماتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ. اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا. فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا. وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾﴿۲﴾

اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ، اللہ کیلئے گواہی دو، چاہے اس میں تمھارا اپنا نقصان ہو، یا ماں باپ کا، یا رشتہ داروں کا۔ جس پر گواہی دو وہ غنی ہو یا فقیر۔ بہر حال اللہ کو اس کا سب سے زیادہ

Marfat.com

اختیار حاصل ہے، تو خواہش کے پیچھے نہ جاؤ کہ حق سے الگ پڑو۔ اور اگر تم ہیر پھیر کر دیا منہ پھیر لو، تو اللہ کو سب کاموں کی خبر ہے۔

درج ذیل مضمون میں ہم اسلام کا نظام عدل تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں زیر بحث لائیں گے اور دیکھیں گے کہ اسلام کس طرح اپنے ماننے والوں کو دوسرے کے ساتھ عدل و انصاف کی تعلیم دیتا ہے۔

عدل کے معنی و مفہوم

عدل کے لغوی معنی ہیں: ۱) برابر اور سیدھا کرنا۔ ۲) توازن اور تناسب برقرار رکھنا۔ ۳) افراط و تفریط سے بچنا۔ ۴) کسی شے کو دو برابر حصوں میں اس طرح تقسیم کرنا کہ ہر حصہ برابر ہو جائے کسی حصے میں ذرہ برابر بھی شک نہ ہو اس کو عربی میں عدل کہتے ہیں۔ گویا عدل کے معنی ہوئے سیدھا کرنا، اونچ نیچ کی تفریق کو ختم کر دینا، مساوات قائم کر دینا، باہم توازن قائم کر دینا، برابر تقسیم کرنا اور افراط و تفریط کے شک کو دور کر دینا۔ عدل کو ہم انصاف بھی کہہ سکتے ہیں اس کے علاوہ قسط کو بھی عدل کا ہم معنی سمجھا جاتا ہے۔

اس تعریف کی رو سے نیکی یا بدی کا یکساں صلہ دینا، نیکی کا زیادہ صلہ دینا اور برائی کی زیادہ سزا دینا ظلم کے معنی میں آتا ہے۔ یعنی وضع الشیء فی محلہ کسی چیز کو اس کے اصل مقام پر رکھنا، اور کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرنا عدل کہلاتا ہے۔

عدل کے معنی برابر کرنا ہے۔ اصطلاح میں عدل سے مراد معاشرے کے ہر فرد کو اس کا صحیح مقام دینا یعنی جو جزا و سزا کا حق دار ہے اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے۔ انصاف کے معنی نصف کرنا آدھا آدھا بانٹنا کے ہیں۔ روز مرہ زندگی میں یہ لفظ بھی عدل کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ اور اسی کے مفہوم میں پختگی پیدا کرنا ہے۔ مراد یہ ہے کہ معاشرہ کے کسی فرد کے ساتھ ظلم و زیادتی ہو جائے تو اس کی تلافی کی جائے اور ظالم سے اس کا بدلہ لیا جائے۔ عدل و انصاف کے بغیر معاشرتی استحکام اور امن و سکون کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔

عدل کے ساتھ ایک اور لفظ استعمال ہوتا ہے جس کو اعتدال کہتے ہیں۔ اعتدال کا ماخذ عدل ہے۔ اس کے معنی ہیں میانہ روی۔ اعتدال عدل کا وسیع تر مفہوم رکھنے والا لفظ ہے۔ اعتدال کی رو سے انسان کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو عدل سے باہر ہو بلکہ اعتدال عدل کا مرہون منت ہے۔ اسلام زندگی کے ہر شعبے میں یکسانیت قائم کرنا چاہتا ہے۔ عدل کے ساتھ ایک اور لفظ استعمال ہوتا ہے جس کو میانہ روی کہا جاتا ہے۔ یعنی کہ درمیانی راستہ۔

میانہ روی سے متعلق سرور کونین ﷺ کا فرمان ہے کہ "خیر الامور اوسطھا" معاملات میں بہترین رویہ میانہ روی ہے۔ اس کے علاوہ مساوات کا لفظ بھی اسلامی تعلیمات میں جابجا نظر آتا ہے۔ مساوات کو عدل کا ہم معنی تصور کیا جاتا ہے۔ مگر بعض مقام ایسے بھی آجاتے ہیں کہ مساوات عدل کے منافی نظر آنے لگتی ہے۔ مثلاً صدر کی تنخواہ اور ایک عام چپڑاسی کی تنخواہ۔ حقیقت میں دونوں ہی ملک کیلئے کام کرتے ہیں مگر اتنی افراط و تفریط کیوں؟ جبکہ دونوں کی ضروریات زندگی ایک جیسی ہی ہیں۔ اگر اس طرح کے معاملے میں مساوات کو برقرار رکھا جائے تو عدل کی حدیں ٹوٹتی ہیں۔ دراصل عدل سے مراد انسانی زندگی کے تمام شعبے خواہ معاشرتی معاملہ ہو یا معاشی سوچ، عدالتی دائرہ ہو یا سیاسی فکر۔ انفرادی معاملہ ہو یا اجتماعی جھنجھٹ۔ سب

Marfat.com

میں حقوق کی مناسب اور برابر تقسیم ہے۔

گویا عدل ایک ایسا دائرہ ہے جس میں انسان کی زندگی کو ہر طرح کے مسائل کا حل میسر ہے۔ اور اس سے فرار کا نام ظلم ہے۔

عدل کی اقسام

اسلام میں عدل کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے اگر چہ معاشرتی زندگی میں عدل کی بہت سی اقسام ہیں لیکن عدل کی مندرجہ ذیل اقسام زیادہ اہم ہیں:

معاشرتی عدل

اس سے مراد ہے کہ معاشرے کے تمام افراد کو باعزت اور پرسکون زندگی گزارنے کا پورا پورا موقع دیا جائے ہر فرد کو اس کی صلاحیت کے مطابق اس کا مقام دیا جائے۔

قانونی عدل

قانون کے دروازے معاشرے کے ہر فرد پر کھلے رہنے چاہئیں۔ ہر شخص اپنے فرائض ادا کرنے کے بعد اپنے حقوق وصول کرنے کا اہل ہے اگر اس کے حقوق پر کسی قسم کی دست درازی ہوتو اسے قانونی مدد حاصل کرنے کا پورا پورا اختیار ہے۔

سیاسی عدل

فی زمانہ شہریوں کی امور مملکت میں شمولیت ایک لازمی امر سمجھا جاتا ہے۔ سیاسی عدل سے مراد یہ ہے کہ معاشرے کے صاحب الرائے اور ذی فہم عناصر کو ملکی معاملات میں مشورہ دینے کا پورا پورا حق ہے۔

معاشی عدل

معاشرے کے ہر فرد کو اپنی اہلیت کے مطابق جائز معاشی جدو جہد کا پورا پورا حق ہے۔ ہر فرد کو قومی وسائل سے اس کا حصہ ملنا چاہئے۔ اسلام نے اس سلسلے میں کمزوروں اور غریب لوگوں کو معاشی تحفظ فراہم کرنے کی تاکید فرمائی اور ساتھ ہی اعتدال کا حکم بھی فرمایا گیا۔ اسلامی معاشیات کا بڑا سنہرا اصول ہے کہ ''ما عال من اقتصد'' یعنی اعتدال سے انسان تنگ دست نہیں ہوتا۔ انفرادی زندگی میں مادہ اور روح کے ساتھ توازن ہی کامیابی کی ضامن ہے۔ اس لئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ مزدور کی اُجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔﴿۳﴾

انفرادی عدل

اسلام مذہب ہی اعتدال کا ہے اور یہ دنیا میں عدل و اعتدال کے قیام کا درس دیتا ہے۔ اس کے علاوہ دین و دنیا میں مکمل توازن و تناسب قائم رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ سرور عالم ﷺ کا عدل کے بارے میں ارشاد ہے کہ ''اچھی سیرت، وقار اور میانہ روی نبوت کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے''۔ میانہ روی کا مطلب ہے کہ ہر کام اور ہر حال میں افراط و تفریط سے دور رہا جائے اور اعتدال کی روش اختیار کی جائے۔ آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات میں اعتدال کے متعلق بارہا فرمایا اور عدل کرنے اور اس پر قائم رہنے کا حکم دیا۔

Marfat.com

عائلی عدل

عدل انسانی زندگی کے سب شعبوں کا احاطہ کرتا ہے۔ان شعبوں میں ایک شعبہ عائلی شعبہ ہے۔ اور یہ شعبہ پورے معاشرے کی جان ہے۔ وہ گھرانہ جنت کا نمونہ ہوتا ہے جہاں والدین، میاں بیوی،اولاد ایک دوسرے کے باہمی حقوق عدل و انصاف سے ادا کرتے ہیں۔عائلی زندگی میں عدل کی سب سے زیادہ ضرورت اس شخص کو ہوتی ہے جس کی دو یا دو سے زیادہ بیویاں ہوں۔ کیونکہ وہ ایک بیوی اور اس کی اولاد کی طرف زیادہ توجہ دے گا۔ تو لازما دوسری بیوی اور اس کے بچوں کے حقوق صحیح طرح ادا نہیں کرسکیں گے۔ اس طرح نا انصافی اور بے راہ روی کی فضا قائم ہو گی۔ جس سے اس گھر کا سکون تباہ و برباد ہوجائے گا۔اور پورا گھرانہ جہنم بن جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جب بعض خصوصی حالات کے پیش نظر ایک سے زائد شادیوں کی اجازت دی ہے اور ساتھ ہی عدل و انصاف کا بھی حکم دیا ہے۔اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً﴾﴿۴﴾

پس اگر تمہیں ڈر ہو کہ عدل نہ کرسکو گے تو ایک ہی بیوی کافی ہے۔

اس حکم الٰہی سے ظاہر ہوتا ہے اگر ایک آدمی اپنی بیویوں میں عدل قائم کرنے کی قوت نہ رکھتا ہو تو اسے فقط ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا چاہیئے۔عدل سے مراد نان نفقہ اور جنسی تعلقات میں مساوات و برابری قائم رکھنا ہے۔سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات میں عدل کی بہترین مثال پیش کی ہے۔گھریلو زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے اولاد میں عدل و انصاف قائم رکھنا بھی ضروری ہے۔ ورنہ ان میں حسد و بغض کے جذبات پیدا ہو جائیں گے۔ بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح نہ دی جائے اور اولاد کے درمیان بڑے اور چھوٹے کے حقوق میں تفاوت نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ تمام اولاد کو والدین کے ساتھ یکساں نسبت ہوتی ہے۔سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار اس امر کی تاکید فرمائی کہ لڑکے لڑکیوں میں فرق نہ کیا کرو۔ اور ہر معاملہ میں ان سے یکساں سلوک روا رکھوں۔

جب ہم عائلی زندگی سے باہر آتے ہیں تو ہمارا واسطہ معاشرتی زندگی سے پڑتا ہے جس میں عدل از حد لازمی ہے۔باہمی تعلقات اور دیگر معاملات میں اگر عدل کو شامل حال رکھا جائے تو معاشرہ بے انصافی اور عدم توازن سے بچ جاتا ہے۔اسلام معاشرتی عدل و انصاف کا درس دیتا ہے۔اس کی نظر میں تمام ابن آدم برابر ہیں۔لیکن فرق صرف یہ ہے کہ کسی کیلئے ادب و احترام زیادہ ہے اور کسی کیلئے شفقت و محبت زیادہ ہے۔عمر میں بڑے احترام کے زیادہ حق دار ہیں اور چھوٹے شفقت و محبت کے حق دار۔معاشرتی امور میں سب سے زیادہ حق یتیموں اور مساکین کا ہے کیونکہ چند ڈاکو صفت سفید پوش یتیموں کی کفالت کی آڑ میں ان کی جائیداد اور مال کو ہڑپ کر جاتے ہیں۔ اللہ جل شانہ یتیموں کے بارے میں خصوصی عدل کا حکم دیتا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاَنۡ تَقُوۡمُوۡا لِلۡيَتٰمٰى بِالۡقِسۡطِ﴾﴿۵﴾

اور یہ کہ تم یتیموں کے بارے میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھ۔

معاشرتی معاملات میں تجارت اور خرید وفروخت کو اہم مقام حاصل ہے۔کاروباری لین دین میں اسلام عدل کا حکم دیتا

Marfat.com

ہے۔تجارت میں عدل جس شے سے برقرار رہ سکتا ہے وہ ہے پیمانہ،وزن اور نرخ۔اگر ناپ تول میں کمی، اشیاء میں ملاوٹ، یا دھوکہ فریب، یا اچھا مال دکھا کر اچھا ریٹ مقرر کرلیا جائے اور مال گھٹیا دے دیا جائے تو اس طرح معاشرے میں نا انصافی و بددیانتی کی فضا جنم لیتی ہے۔جس سے پورا معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس موذی بیماری کے بارے میں ارشادفرماتے ہیں۔

﴿وَ اَقِیۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَ لَا تُخۡسِرُوا الۡمِیۡزَانَ﴾﴿۶﴾

اور وزن انصاف کے ساتھ پورا کرو!اور تولنے میں کمی نہ کرو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم جو کہ اہل مدین کے نام سے مشہور تھی پر اللہ کا عذاب اس لئے نازل ہوا کہ وہ سخت بد دیانت تھی۔کاروبار میں لین دین کا کوئی اصول نہ تھا،کوئی نرخ مقرر نہ تھا اور نہ ہی کوئی پیمانہ تھا جس سے وہ ناپ تول کا کام کرتے۔بلکہ ان کے خود ساختہ پیمانے اور نرخ تھے۔اس لئے وہ قوم اہل عالم کے لئے عبرت بنی کیونکہ وہ بد دیانت تھی۔معاشرتی لین دین سے اگر ہم الگ ہوں تو جماعت بندی، قبیلہ یا گروہی معاملات ہمارے آگے آتے ہیں۔گروہی معاملات میں عدل و انصاف کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ارشاد ہے کہ اگر دو مسلمانوں کی جماعتیں باہم جھگڑ پڑیں تو ان میں مصالحت کروادیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا بِالۡعَدۡلِ وَ اَقۡسِطُوۡا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ﴾

''تو ان کے درمیان انصاف سے صلح کرادو،اور عدل کرو۔(یقیناً) اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے''۔

متحارب گروہوں کے درمیان جو بھی مصالحت ہوگی وہ انصاف اور عدل پر مبنی ہونی چاہئے۔یہ بڑا نازک مسئلہ ہوتا ہے۔بعض اوقات متحارب گروہوں میں سے ایک گروہ اپنا دوست بھی ہوسکتا ہے مگر ہر طرح کی صورتحال میں بھی مومن کو عدل پر ڈٹے رہنے کا حکم ہے۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ''اور اگر مسلمانوں کی دو پارٹیاں باہم لڑ پڑیں تو ان میں صلح کروادیں۔ پھر اگر ایک پارٹی دوسری پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرے تم اس سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ حکم الٰہی کی طرف رجوع کرے۔جب وہ رجوع کرے تو دونوں میں عدل و انصاف کے ساتھ صلح کروا دو۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''﴿۷﴾

عدالتیں کسی بھی ملک وقوم اور معاشرے میں اہم مقام رکھتی ہیں۔اور عدالتوں میں عدل و انصاف بہت ضروری ہے۔عدالتیں صرف عدل و انصاف ہی کے لئے معرض وجود میں آتی ہیں۔ کیونکہ یہیں حق و باطل اور جھوٹ سچ میں فرق واضح ہوتا ہے اس لئے اسلام نے عدالتی کاروبار کے ہر شعبے اور پہلو میں عدل اختیار کرنے کا سختی سے حکم دیا ہے۔ اور قرآن حکیم میں عدالتی ضوابط سے متعلق امور بدرجہا کثرت سے موجود ہیں۔کسی بھی عدالت کی کارروائی سے قبل مقدمے کی نوعیت کو اسی لئے ضابطۂ تحریر میں لایا جاتا ہے تاکہ انصاف کی حدیں متعین کرنے میں مدد مل سکے۔اس ضابطۂ تحریر کے بارے میں قرآن مجید اس طرح فرماتا ہے۔

Marfat.com

﴿وَلۡيَكۡتُبۡ بَّيۡنَكُمۡ كَاتِبٌۢ بِالۡعَدۡلِ﴾﴿۸﴾

اور کاتب کو چاہئے کہ تمہارے درمیان عدل کے ساتھ لکھے

عدالتی نظام میں شہادت کو بھی ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔شہادت کو دستاویزات کے بعد سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔لیکن شہادت دیتے وقت اکثر اوقات ذاتی مفادات،خاندانی امور اور دنیاوی معاملات حائل ہوجاتے ہیں۔اس لئے اسلام نے اس بات پر زور دیا ہے کہ گواہ بلا رو رعایت ہمیشہ سچی گواہی دے۔ چنانچہ اللہ جل شانہ اس معاملے کے واسطے اس طرح فرماتے ہیں:

﴿وَاِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى﴾﴿۹﴾

اور جب تم (گواہی کی) بات کہوتو عدل کوملحوظ رکھو چاہے۔کوئی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

گواہی کے بارے میں سرور عالم ﷺ فرماتے ہیں۔'جھوٹی گواہی دینا گناہ کبیرہ ہے'﴿۱۰﴾

عدالتی نظام میں قاضی جس کوعرف عام میں جج کہا جاتا ہے اس کا عادل ہونا بہت ضروری ہے۔ہر سطح کے حاکم کے لئے لازم ہے کہ جب اس کے سامنے مقدمات پیش ہوں تو سبھی طبقوں میں پورا پورا انصاف کرے۔اس معاملے میں اللہ جل شانہ نے اس طرح فرمایا:''بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اس کے مالکوں کو پہنچاؤ اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کروتو عدل کے ساتھ کرو'﴿۱۱﴾

انصاف کی روح اس وقت مردہ ہوجاتی ہے۔جب ایک عادل کسی آدمی سے رشوت لے کر معاملے کو الٹ کردیتا ہے۔ یہ رشوت بہت ہی بری شے ہے اس کے بارے میں سرور کونین ﷺ فرماتے ہیں کہ رشوت لینے اور دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔

اللہ جل شانہ نے ایک جگہ اس طرح فرمایا:''ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ اور اسے حاکموں تک پہنچنے کا ذریعہ نہ بناؤ'' یعنی اس مال کو رشوت کے طور پر حاکموں کومت پیش کریں رشوت ہی ان تک پہنچنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔

﴿وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعۡدِلُوۡا. اِعۡدِلُوۡا. هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى﴾﴿۱۲﴾

اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل تقویٰ کے قریب ہے''

یہود ونصاریٰ اسلام کے کھلے دشمن تھے۔اس پر بھی اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب رسول ﷺ سے فرمایا:۔

اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔﴿۱۳﴾

عدل پیدا کرنے والے امور

کسی بھی معاشرے میں عدل و انصاف قائم کرنے میں چندعوامل کارفرما ہوتے ہیں۔وہ امور اس طرح ہیں۔ان امور میں خوف خدا تمام اچھے اعمال کا محرک ہے۔اگر انسان کے دل میں خوف خدا ہے تو ہر طرح کے مشکل حالات میں بھی وہ عدل پر قائم رہتا ہے۔خوف الٰہی ایک عادل کو بے انصافی سے روکتی ہے۔خلفائے راشدین میں خوفِ الٰہی کی صفت بدرجہ اتم موجود تھی۔اس لئے وہ ہر طرح کے دباؤ سے بالاتر ہوکر انصاف کرتے تھے۔

Marfat.com

آخرت پر ایمان بھی عدل و انصاف کی ایک کڑی ہے۔ آخرت پر ایمان جتنا زیادہ پختہ ہوگا اتنا ہی زیادہ انسان انصاف پسند ہوگا۔ جب انسان کو یہ احساس ہوگا کہ مرنے کے بعد اسے اللہ جل شانہ کی عدالت میں حاضر ہونا ہوگا اور اپنے کئے کا حساب کتاب دینا ہوگا تو یہ احساس انسان کو گناہ سے روکے گا۔اس طرح انسان اپنی زندگی اللہ جل شانہ کے احکامات کے مطابق بسر کرنے لگے گا۔ کیونکہ اس کا ایمان ہے کہ اگر وہ کوئی غلط کام کرے گا تو اس کی ایک دن پکڑ ہوگی۔اور جب انسان اپنے ساتھ عدل کرنے والے کو دیکھے گا کہ وہ آرام سے ہے تو وہ بھی اپنی زندگی میں عدل کو جگہ دے گا اور اس طرح معاشرے میں عدل و انصاف کو جلا ملے گی۔

عملی زندگی میں کامیابی کیلئے ضروری ہے کہ حاکم وقت اللہ جل شانہ کا خوف محسوس کرے اور اس کے علاوہ وہ انصاف پسند بھی ہو تو معاشرے میں انصاف کی لہر دوڑ جائے گی۔ خداترس حاکم کے ساتھ ساتھ اس کی انتظامیہ بھی خدا ترس ہو جائے گی۔ اور اسلامی معاشرہ وجود میں آئے گا۔

تقویٰ اور عدل لازم وملزوم ہیں اور عدل تقویٰ سے قریب تر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى﴾﴿۱۴﴾ عدل کرو یہ تقویٰ کے قریب تر ہے۔

عدل ہی کیوں لازمی؟

عدل ظلم کی ضد ہے۔ جس معاشرے میں عدل نہ ہوگا تو ظلم اس کی جگہ لے لے گا اور ظلم ہر معاشرے کے لئے تباہی کا باعث بنتا ہے۔ عدل کا تقاضا حقوق و فرائض میں توازن پیدا کرنا ہے۔قرآن حکیم میں عدل و انصاف پر بہت زور دیا گیا ہے کہ عدل انسان کو اللہ کی محبت سے سرشار کردیتا ہے جب انسان عدل کررہا ہے تو ہر شے اس کے سامنے معمولی بن جاتی ہے اور اللہ جل شانہ کی محبت اس کے دل میں رچ بس جاتی ہے۔اللہ کریم فرماتے ہیں:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ بِالۡقِسۡطِ﴾﴿۱۵﴾ اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو۔

یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدل کو ان اشیاء میں شامل فرمادیا ہے جن کی وجہ سے لوگوں میں مقابلہ ہوتا ہے کیونکہ جس چیز کو رب کائنات خصوصی اہمیت دیں۔اسے رسول اللہ ﷺ کس طرح نظر انداز فرماسکتے ہیں اور یہ نظام عدل کی اہمیت کا بین ثبوت ہے۔

عدل کی اہمیت

اسلام دین ہے عدل کا، مساوات کا، میانہ روی کا،اور اعتدال کا۔افراط و تفریط میں اسلام درمیانی راہ کا حکم دیتا ہے۔عدل کی اہمیت ہم کچھ اس طرح واضح کرسکتے ہیں۔اسلام اللہ نے امت محمدیہ کے لئے بطور مذہب پسند فرما کر اس امت پر بڑا فضل فرمایا اور اسلام کو دین قرار دیا۔ اگر اسلام دین فطرت ہے تو عدل اس کا اوڑھنا بچھونا ہے۔اس عالم فانی کا تمام نظام عدل پر قائم ہے۔ آپ ذرا سورج کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ سراسر عدل پر قائم ہے اس کے علاوہ اجرام فلکی اپنے اپنے محور میں اپنی رفتار سے محوگردش ہیں۔ اجرام فلکی کا ایک بھی نمائندہ اس اصول قدرت سے منحرف نظر نہیں آتا۔اگر ایک سیارہ دوسرے سیارے کے محور میں دخل اندازی کرے گا تو تمام کائنات کا نظام درہم برہم ہوکر رہ جائے گا۔یہ تو رہا نظام شمسی کا

Marfat.com

عدل ......آپ ذرا اپنے جسم کا معائنہ کریں اگر آپ کے جسم کا ایک بھی عضو کام کرنا چھوڑ دے اور آپ کے ساتھ عدل نہ کرے تو آپ بیمار پڑ جائیں گے۔

احکام الٰہی اور عدل

عدل سب سے پہلے خود اللہ جل شانہ کی صفت ہے۔ اور اللہ جل شانہ کے صفاتی ناموں میں ایک نام عادل بھی ہے۔اس لئے اللہ جل شانہ اپنے بندوں اور تمام کائنات کو عدل و انصاف کا حکم مرحمت فرماتا ہے۔اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے۔

﴿اِنَّ اللهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾﴿۱۶﴾ بے شک اللہ جل شانہ عدل و احسان کا حکم فرماتے ہیں۔

عدل صرف نظام کائنات چلانے کے لئے ہی کافی نہیں بلکہ یہ تو انسان کی زندگی کے ہر شعبہ کا جزو لازم ہے۔اسلام نے عدل و انصاف کا ایک اعلیٰ معیار قائم کیا ہے کہ اس میں شاہ و گدا، امیر و غریب اور ذات پات کی کوئی قید نہیں۔ اسلام کی نظر میں سب برابر ہیں۔کسی کا بڑا ہونا یا کسی کا اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھنا یا کسی کا امیر ہونا یا کسی کا حکومت کے سربراہ کا بیٹا ہونا انصاف و عدل کے نفاذ اور حدود سے دور نہیں ہوسکتا۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾﴿۱۷﴾ اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو، اللہ کے لئے گواہی دو۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ جل شانہ فرماتے ہیں۔

☆ اپنی ذات کے خلاف بھی حق بات کہنا،کسی کے اعلیٰ خاندان و رتبے کی وجہ سے حق بات کو نہ چھپانا، انصاف کے معاملے میں کسی مفلوک الحال پر ترس نہ کھانا بلکہ انصاف کے تقاضے پورے کرنا،دشمنان اسلام اور غیر مسلموں کے معاملے میں بھی عدل کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھنا۔

تو گویا اللہ جل شانہ کے فرمان سے یہ امر عیاں ہوجاتا ہے،کہ اے مومنو!انصاف پر قائم رہو۔خواہ یہ تمھاری ذات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو،یا تمہارے ماں باپ اور قرابت داروں کے خلاف ہو۔تم شاہ ہو یا گدا،یا تم جیسے بھی ہو،اللہ جل شانہ ان سب کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے۔ لہٰذا حکم ہے کہ تم عدل کرنے میں دل کی خواہش کا ساتھ نہ دو۔اگر تم دل کی خواہش میں دب کر عدل کی حدوں کو چھپاؤ گے اللہ تعالیٰ تمھارے سب کارناموں سے باخبر ہے مگر تم اپنے اعمال کے بارے میں نہیں جانتے۔عدل کے بارے میں قرآن کریم مزید یوں فرماتا ہے:۔

﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾﴿۱۸﴾

”اور اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو عدل و انصاف سے فیصلہ کریں یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے“۔

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعْدِلُوْا. اِعْدِلُوْا. هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾﴿۱۹﴾

”اے ایمان والو! تم عدل و انصاف کے ساتھ اللہ کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہوجاؤ اور تم کو کسی

Marfat.com

قوم کی دشمنی اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو بلکہ عدل کرو اور یہی تقویٰ کے قریب تر عمل ہے''۔

﴿إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾﴿۲۰﴾

بلا شبہ اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا. اِعْدِلُوا. هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾﴿۲۱﴾

اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو، یہ تقویٰ کے قریب تر ہے۔

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾﴿۲۲﴾

ہم نے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا اتارا۔ اس میں شدت کی سختی بھی ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾﴿۲۳﴾

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کر دو اور جب لوگوں میں فیصلہ کیا کرو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔

﴿وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ﴾﴿۲۴﴾

اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کرو!

ان آیات میں عدل کے خلاف ایک ایک ریشہ کو جڑ سے نکال کر پھینک دیا گیا ہے۔ کہا گیا کہ معاملات عدل کی حمایت تمہارا مقصد ہو جو کچھ کہو یا کرو اللہ جل شانہ لگتی کہو یا کرو یا۔ اللہ تعالیٰ کے واسطے کہو۔ عدل کے فیصلے اور گواہی میں نہ تو اپنے نفس کا خیال بیچ میں آنے دو، نہ عزیزوں اور قرابت داروں کا، نہ دولت مندوں کی طرف داری ہو، نہ محتاج پر رحم کا عنصر شامل ہو۔ پھر اس فیصلہ اور گواہی میں دولت مند کی خاطر نہ کرو اور نہ محتاج پر ترس کھاؤ اور قرابت کو بھی نہ دیکھو۔ جو حق ہو وہ کرو یا کہو پھر کہنے میں کوئی توڑ موڑ نہ کرو کہ سننے والا شبہ میں پڑ جائے یا پوری بات نہ سمجھ آئے، یا فیصلے میں کچھ چھپا لو تو یہ سب باتیں عدل کے خلاف ہیں، کسی غریب کی غربت پر ترس کھا کر فیصلہ میں ردو بدل کر دینا، بظاہر نیکی کا کام دکھائی دیتا ہے مگر حقیقت میں یہ ایک مقدس فریب ہے۔ فیصلہ میں ترس کھا کر بے ایمانی کرنا بھی ویسا ہی ہے جیسا کسی کی خاطر رکھ کر کسی کی بزرگی مان کر یا کسی کی بڑائی سے مرعوب ہو کر بے ایمانی کرنا ہے غرض یہ ہے کہ عدل وانصاف کی راہ میں کوئی اچھا یا برا جذبہ حاکم کیلئے ٹھوکر کا پتھر نہ بنے۔

قیام عدل وقسط تمام انبیاء و رسل کی بعثت کا مقصد ہے۔

چنانچہ اس کا مقصد ہے کہ قیام عدل امام عادل کے بغیر ناممکن ہے اس لئے امام عادل کی فضیلت و بزرگی کی بہت ہی تاکید کی گئی ہے۔ مجھے تمہارے مابین عدل قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ عدل کرنے والے اللہ تعالیٰ کے دائیں جانب نورانی منبروں پر ہونگے۔ چنانچہ امام عادل میں سربراہ ریاست، سربراہ ادارہ۔ سربراہ گھر غرض ہر آدمی شامل ہے۔ خواہ وہ تین افراد کا

Marfat.com

ہی ذمہ دار کیوں نہ ہو، اگر وہ عدل سے کام کرے گا تو وہ روز قیامت عرش کے سائے میں ہوگا۔ سارا نظام عالم صرف اللہ تعالی کے عدل و انصاف ہی پر قائم ہے اور وہ خود بھی پورا پورا انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ یعنی کہ اللہ کا سارا نظام صرف اور صرف عدل پر قائم ہے۔ یہ عدل اللہ جل شانہ کی مخصوص صفت ہے اسی کا اس نے حکم دیا ہے کہ خواہ اپنے ہوں یا پرائے دوست ہوں یا دشمن، سب کے ساتھ عدل و انصاف کرنا ضروری ہے۔

عدل احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں

☆ عن عمرو بن العاص انه سمع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يقول اذا حكم الحاكم فاجتهد ثم اصاب فله اجران واذا حكم فاجتهد ثم اخطأ فله اجر﴿۲۵﴾

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی فیصلہ کرنے والا اپنی کوشش کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کا فیصلہ درست ہو تو اس کی لئے دو اجر ہیں اور اگر اس کی کوشش کے باوجود اس سے غلطی ہو جائے تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔

☆ عن ابی هريره رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وآله وسلم قال سبعة يظلهم الله تعالى فى ظله يوم لا ظل انا ظله امام عدل و چاب نشا فى عبادة الله ﴿۲۶﴾

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی رحمت و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا سات آدمی قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سائے میں ہوں گے جب اللہ کے عرش کے علاوہ کسی چیز کا سایہ نہیں ہوگا۔ ان میں پہلا وہ امام یا حاکم ہے جو انصاف کرتا ہو۔ دوسرا وہ جوان ہے جو اللہ کی اطاعت میں مگن رہتا ہے۔

☆ عن ام السلمه ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال انما انا بشر وانه ياتينى الخصم فلعل بعضكم ان يكون ابلغ من بعض فاحسب انه صادق فا قضى له بذلك فمن قضيت له بحق مسلم فانما هى قطعة من النار فليا خذ ها او ليتر كها﴿۲۷﴾

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا بلاشبہ میں ایک انسان ہوں اور میرے پاس لوگوں کے جھگڑے آتے ہیں، عین ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی دوسرے کی نسبت چرب زبان ہو اور اس کی چرب زبانی کی وجہ سے میں یہی سمجھوں کہ وہ سچا ہے۔ یاد رکھو اگر کسی کی چرب زبانی کی وجہ سے میں نے کسی حق دار مسلمان کے خلاف اس کے حق میں فیصلہ کردیا تو وہ جہنم کا ٹکڑا ہے جس کا جی چاہے اسے رکھ لے ورنہ چھوڑ دے۔

☆ عن ابن عباس رضى الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى بشاهد ويمين﴿۲۸﴾

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک گواہ اور ایک قسم کی بنا پر فیصلہ صادر فرمایا ہے۔ وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ فیصلے میں کن کن باتوں کا خیال رکھا گیا۔

☆ وعن ابى هريرة رضى الله تعاله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم من ولى القضاء فقد

Marfat.com

ذبح بغیر سکین.﴿۲۹﴾

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص کو منصب قضاء پر فائز کیا گیا تو سمجھ لو کہ اسے بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا''

☆ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان المقسطین عنداللہ علی منابرمن نور عن یمین الرحمن﴿۳۰﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عادل حکمران اللہ کے پاس دائیں طرف نورانی منبروں پر ہوں گے۔

☆ من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی﴿۳۱﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی،جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔جس نے میرے عادل حکمران کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی،اور جس نے میرے عادل حکمران کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی

☆ ان احب الناس الی اللہ یوم القیامة وادناھم مجلسًا امام عادل﴿۳۲﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب قیامت کے روز امام عادل ہوگا۔

☆ عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثلاثه لا ترد دعوتھم الصائم حتی یفطر والامام العادل و دعوة المظلوم﴿۳۳﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین افراد کی دعا رد نہیں ہوتی۔ روزہ دار کی دعا افطار کے وقت، عادل حکمران کی اور مظلوم کی

☆ عن عمر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم السلطان ظل اللہ فی الارض یاوی الیه کل مظلوم من عبادہ فان عدل کان له الاجرو کان علی الرعیه الشکر﴿۳۴﴾

حضرت عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسلامی حکومت یا عادل حکمران زمین پر اللہ کی رحمت کا سایہ ہے جس کے پاس اللہ کے بندوں میں ہر مظلوم دادرسی اور انصاف کے لئے رجوع کرتا ہے۔ اگر اس نے انصاف کیا تو اس کا اسی کو اجر ملے گا اور رعیت پر اس انصاف کا شکر واجب ہو جائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے عدل کو بہت زیادہ اہمیت دی۔ عادل حاکم تو بہت ہی زیادہ اعزازات کا حامل ہے۔ آپ ﷺ نے عادل حاکم کو اس کی غلطی پر بھی ایک اجر کا حق دار قرار دیا ہے بشرطیکہ اس کی نیت درست ہو۔ حاکم کو قیامت کے روز عظیم اجر کا حق دار قرار دیا گیا ہے جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوگا،اور یہ عدل و انصاف کی خصوصی اہمیت کی واضح دلیل ہے۔

سیدنا ابن بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد گرامی سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قاضی تین قسم کے ہیں۔ دو قسم کے جہنمی ہیں اور ایک قسم کا جنتی ہے۔ ایسا قاضی جس نے حق بات کو پہچانا اور اس کے

Marfat.com

مطابق فیصلہ کیا وہ جنتی ہے اور ایسا قاضی جس نے جہالت کی بناء پر فیصلہ کیا یا حق کو پہچاننے کے باوجود ظلم کیا، دونوں جہنمی ہیں۔اس حدیث کو اگر بنظر دقیق دیکھا جائے تو کئی باتیں سامنے آتی ہیں۔جن میں سے بعض تو اس طرح ہیں۔

☆ اسلام میں نظام عدل کے علم برداروں کی تربیت پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔

☆ نبی کریم ﷺ نے انصاف سے غفلت یا انصاف نہ کرنے والے کو جہنمی قرار دیا ہے،علم و عدل کی دولت سے بہرہ ور قاضی ہی جنت کا حقدار ہوگا اس کے علاوہ جہنم کا ایندھن بنیں گے، اسلام میں نظام انصاف کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، گویا کہ عدل ہی زندگی ہے اور عدل سے فراری بربادی کا دوسرا نام۔

قرآنی احکامات اور احادیث سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود نہ صرف فیصلے فرمایا کرتے تھے بلکہ اس قدر کثرت سے یہ کام ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شک گزرا کہ بعض لوگ چرب زبانی کی وجہ سے غلط کو درست اور درست کو غلط ثابت کروالیتے ہیں اسی لئے ایسے لوگوں کو وعید سنائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عدل وانصاف قاضی اور اس کے لوازمات اسلامی معاشرے کا جزو لاینفک ہیں۔

اسلام میں سب سے زیادہ عادل حاکم پر زور دیا گیا ہے کیونکہ اس کیلئے بڑے مشکل لمحے آجاتے ہیں اگر وہ صحیح فیصلہ کرے گا تو یہ دنیا دار لوگ اس سے ناراض ہو جائیں گے اگر غلط فیصلہ دے گا تو آخرت کے عذاب میں مبتلا ہو جائے گا۔ یہاں بغیر چھری کے ہلاکت کا مقصد معنوی ہے۔ اس سے مراد تو اس کے دین کی بربادی و تباہی ہے بدن کی نہیں۔چھری سے ذبح کرنے سے مذبوح کو تکلیف کم ہوتی ہے اور بغیر چھری کے مارنے سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں ڈرانے اور خوف دلانے میں مبالغہ کا بیان کیا گیا ہے مگر یاد رہے کہ گلا گھونٹنے کو ذبح کرنا نہیں کہتے۔

قاضی کو چاہیئے کہ وہ غصے،تشویش، بھوک، پیاس، زیادہ شکم سیری، بیماری، جلد بازی،اونگھ اور نیند کا غلبہ وغیرہ کی حالت میں کوئی فیصلہ نہ کرے عین ممکن ہے کہ قاضی اس حالت میں فیصلہ غلط کر بیٹھے اور اس کے دین کا نقصان ہو جائے۔

قوموں کی ترقی کا راز عدل

وعن جابر رضی اللہ تعالی عنہ قال:سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول کیف تقدس امۃ لا یؤخذ من شدیدھم نضعیفھم﴿۳۵﴾

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ وہ امت کیسے پاک ہوسکتی ہے جس میں طاقت ور سے کمزور کا حق نہ دلوایا جاسکے۔

اس حدیث کی رو سے طاقت ور کمزور کا حق دلانا فرض ہے اگر کسی حکومت کے کارندے اور حاکم کمزور کو اس کا جائز حق دلوانے میں دیدہ دانستہ کوتاہی کے مرتکب ہوں اور قوم ان سے پوچھ نہ سکے اور ان کے ہاتھ پکڑ کر ان کو جواب دہی پر مجبور نہ کرسکے تو پھر ساری قوم مجبور شمار ہوگی کیونکہ آج کے دور میں ان کا انتخاب اور سلیکشن عوام ہی اپنے ووٹوں سے کرتے ہیں۔کرسی عدالت اور کرسی اقتدار پر براجمان کرانے والے یہی عوام ہیں۔ لہذا عوام کو اپنے بچاؤ کی خاطر حکمرانوں پر غلط اقدام کی برملا مخالفت کرنی چاہیئے اور ان کو راہ راست پر لانے کیلئے ہر ممکن تدبیر بروئے کار لانی چاہیئے۔گویا جو غریب وکمزور کا ہمدرد نہیں وہ

Marfat.com

آخرت میں جواب دہی کیلئے تیار رہے۔

اسلام کا احسان عظیم

قال عمر بن الخطاب واللہ ما یزع اللہ بالسلطان اعظم مما یزع بالقرآن ﴿۳۶﴾

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حکومت کی طاقت (عادل حکمران) کے ذریعے سے ان برائیوں کا سدباب کردیتا ہے۔ جن کا سدباب قرآن سے نہیں کرتا۔

السلطان ظل اللہ فی الارض فمن اکرمہ فقد اکرمہ اللہ و من اھانہ اھانہ اللہ ﴿اقوال فقہاء﴾

ترجمہ ومفہوم:۔ اسلامی حکومت زمین پر اللہ کی رحمت کا سایہ ہے جس نے اس قسم کی عادل حکومت کا احترام کیا تو اللہ اس پر اپنا کرم فرمائے گا اور جس نے اس حکومت کی توہین کی تو اللہ اسے ذلیل کردے گا۔

عدل اور اسوہ رسول ﷺ

سرور عالم ﷺ کی شخصیت کو اللہ جل شانہ نے تمام دنیا کے کامل اور قابل تقلید نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا اور ساتھ ہی سرور عالم ﷺ کو لوگوں کے ساتھ عدل کرنے کی تلقین فرمائی۔ اللہ جل شانہ اپنے محبوب بندے اور سرور عالم ﷺ کو اس طرح عدل کا حکم دیتے ہیں:

﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ﴾﴿۳۷﴾ (اے نبی ﷺ کہہ دیجئے) کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔

سرور عالم ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں اس حکم الٰہی پر عمل کیا۔ امیر وغریب، خادم و آقا اور مسلم و کافر میں کسی قسم کا امتیاز نہیں۔ آپ سرور عالم ﷺ نے ہر آدمی کو اس کا پورا پورا حق دلایا۔ نبوت سے قبل ہی آپ ﷺ عادل و صادق مشہور تھے۔۔سرور عالم ﷺ کے دشمنوں کو بھی ہمیشہ آپ ﷺ کے عدل پر مکمل اعتماد تھا۔ چنانچہ مشرکین مکہ اپنے گھمبیر جھگڑے آپ ﷺ کے پاس لایا کرتے تھے۔ کہ آپ ان کا فیصلہ عدل کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے فرمادیتے تھے۔

آپ ﷺ بچپن سے ہی بڑے انصاف پسند تھے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ جس وقت سرور دوعالم کو لے کر اپنے گھر آئی اور آپ ﷺ کو اپنی گود میں لیا تو وہ خشک چھاتیاں جن میں دودھ کا نام ونشان تک نہ تھا، مشک کی طرح دودھ سے بھر گئیں۔ اس سے پہلے میرا بیٹا بھوکا رہتا تھا اور ساری رات رو رو کر ہماری نیند حرام کردیتا تھا وہ بھی دودھ پی کر سو گیا۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ اپنے پستان سے دودھ پیا جب میں آپ ﷺ کو دوسرے پستان کا دودھ پلاتی تو آپ ﷺ ہرگز وہاں سے دودھ نہ پیتے اور وہ دودھ اپنے بھائی کے لئے چھوڑ دیتے۔ یہی تو عدل ہے کہ اپنا حصہ ہی لیا جائے اور دوسرے کے حصے کو منہ نہ لگایا جائے۔

خانہ کعبہ کی تعمیر نو کا جھگڑا ایک تاریخی تنازعہ ہے۔ ممکن تھا کہ اہل مکہ اپنی تلواریں سونت کر ایک دوسرے کے خلاف کھڑے ہو جاتے آپ ﷺ نے اپنی بصارت سے اس کو حل فرما دیا۔ اور مکہ کے ہر سردار کو اس حجر اسود کی تعمیر کا مبارک شرف ملا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ میدان بدر میں بھی اپنی چھڑی سے تکلیف ملنے پر صحابی کے سامنے بدلا لینے کیلئے خود کو پیش کردیتے ہیں جبکہ میدان جنگ سجا ہوا مگر انصاف ہی مقدم ومکرم ہے۔

Marfat.com

ہجرت کے بعد یہود مدینہ نے میثاق مدینہ کی رو سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اختلافی امور کا حکم تسلیم فرمایا اور آپ ﷺ کے عدل پر پورا پورا اعتماد ظاہر کیا۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ اہل یہود سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سخت ترین دشمن تھے مگر وہ بھی آپ ﷺ کے عدل و انصاف سے خوش تھے۔ ایک مرتبہ ایک مسلمان اور یہودی کے مابین ایک مسئلے پر جھگڑا ہوگیا تو وہ دوڑ کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے مسئلے کا کہا تو آپ ﷺ نے دونوں فریقین کے بیانات سماعت فرما کر جو فیصلہ صادر فرمایا وہ تھا تو مسلمان کے خلاف مگر انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک فاطمہ نامی عورت ایک چوری کے الزام میں آپ ﷺ کی عدالت میں لائی گئی۔ اس عورت کا تعلق قریش سے تھا اور اہل قریش چاہتے تھے کہ ہماری عزت اور دبدبہ برقرار رہے۔ اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب آپ ﷺ اس چور عورت کو بری فرما دیں۔ چنانچہ اہل قریش نے آپ ﷺ کے غلام زادے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے توسط سے سرور عالم ﷺ کے پاس اس چور عورت کی سفارش بھجوائی۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کو سن کر سخت برہم ہوئے آپ ﷺ کا چہرہ انور سرخ ہوگیا اور آپ ﷺ نے اُس وقت فرمایا:۔

''بنی اسرائیل اس وجہ سے تباہ ہوگئے کہ وہ بارسوخ آدمیوں کے معاملہ میں نرمی برتتے تھے اور غرباء کے معاملے میں سختی کر کے ان کو سخت ترین سزائیں دیا کرتے تھے۔''

پھر سرور عالم ﷺ نے فرمایا! اللہ جل شانہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ چنانچہ سرور عالم ﷺ کے حکم اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اس فاطمہ نامی عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ یہ فاطمہ آپ ﷺ کی پھوپھی زاد کی بیٹی تھی ﴿بخاری شریف﴾

عدل کے بارے میں سرور عالم ﷺ کے چند احکامات اس طرح ہیں:۔

☆ ظالم حکمران کے سامنے عدل کی بات کہنا افضل ترین جہاد ہے۔ ﴿ترمذی شریف﴾

☆ روز محشر جب اللہ جل شانہ واحدہ لاشریک کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا تو رب ذوالجلال اپنے سایہء رحمت میں جن سات خوش نصیبوں کو جگہ عطا فرمائیں گے ان میں ایک عادل حکمران بھی ہوگا۔ ﴿بخاری شریف﴾

☆ ایک موقع پر سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہر حال میں چاہے خوشی ہو یا غمی کلمۂ حق کہوں۔

☆ سرور عالم ﷺ بارگاہ اللہ جل شانہ میں دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے فقر و غنا دونوں حالتوں میں عدل پر قائم رکھ۔

☆ ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا! جو شخص مسلمانوں کا حاکم بنا اس نے ان کے ساتھ خیانت کی۔ یعنی عدل و انصاف سے ہٹا رہا اور اسی حال میں مرگیا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام فرمادیں گے اور عادل بادشاہ کیلئے یہ خوشخبری ہے کہ وہ جنتی ہے اور روز محشر اللہ کریم اسے اپنے سایہء رحمت میں جگہ عطا فرمائیں گے۔

اسلامی نظریۂ عدل

عدل ایک قرآنی اصطلاح ہے۔ لغات قرآن کے محقق اور قرآنی اصطلاحات کے مسلم شارح علامہ راغب اصفہانی نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ:۔

Marfat.com

[illegible] ... بندوں کے حقوق ... انصاف ... [illegible]

[illegible] ... خود غرضی ... [illegible]

[illegible] ... انسان ... [illegible]

[illegible] ... دونوں زندگیوں کی اصلاح ... [illegible]

[illegible] ... سے مکمل پاک ہے ... [illegible]

[illegible] ... عدل ... اور داد خواہ دونوں کو اللہ تعالیٰ کے ... [illegible]

[illegible] ... حیثیت کا خیال رکھنے سے ہوتی ہے۔ اس بنا پر اسلامی نظام
[illegible] ... جب تک اس کے خلاف جرم

Marfat.com

ثابت نہ ہو جائے۔ چنانچہ ملزم کی حیثیت سے کسی پر کوئی دست درازی انسان کی بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔

☆ اسلامی نظام عدل کی ایک اساس اللہ تعالی جل شانہ کی خشیت بھی ہے۔ اس کے بارے میں اللہ جل شانہ کا حکم ہے۔

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾﴿۳۸﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا منصف اور عادل نہیں ہو سکتا جب تک وہ فضیلت علم کا حامل نہ ہو۔ یہاں علم کی تعریف میں اللہ کی بزرگی اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر ایمان کے علاوہ شرعی قوانین و اصول، انسانی نفسیات، ماحول اور دیگر موثرات وعوامل شامل ہیں۔

☆ عدل و انصاف کے باب میں اسلام تمام انسانوں کو یکساں درجہ دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمول یا غربت، دوسروں پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت، سرکاری یا معاشرتی حیثیت و مرتبت، جاہ و منصب، رشتے داری، قرابت یا اس نوع کے دیگر تعلقات و روابط انصاف کی راہ میں کوئی مثبت یا منفی اثر نہیں ڈال سکتی۔

☆ اسلام کا نظام عدل اجرائے حکم کے معاملے میں کسی مشینی طریق کار کا حامل نہیں ہے اس کے نزدیک عمد، خطا اور نسیان اپنی نوعیت میں الگ الگ اسباب ہیں۔ جن میں مادی اور معنوی شواہد کی روشنی میں فرق و امتیاز کرنا شرعی عدالت پر فائز شخصیت کی اس فراست و بصیرت پر منحصر ہے۔ جو اسے اللہ جل شانہ کے احکام سے ہمہ وقت راہ ہدایت حاصل کرنے کا طالب اور اللہ کے احکام و ہدایت پر قائم رہنے کا پابند بناتی ہے۔

☆ اسلامی نظام عدل کے بنیادی اصولوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکام، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک اور سلف صالحین کی انصاف پسندی کے بے شمار نظائر موجود ہیں۔ جن کی بناء پر اسلام کا نظام عدل بھی اسی شجر طیب کی طرح ہے جیسا کہ کلمہ طیبہ کے بارے میں قرآن فرماتا ہے۔

﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ﴾﴿۳۹﴾ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھی ذات کا درخت جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمانوں تک پہنچی ہوئیں ہیں

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آج اس شجر عدل کی جڑیں ہمارے معاشرے میں کس قدر پیوست زمین ہیں اور شاخیں کتنی بلند آسمانوں میں پہنچی ہوئی ہیں ﴿۴۰﴾

عدل وانصاف کے ثمرات وفوائد

عدل و انصاف کے کئی ایک فوائد ہیں۔ عدل کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے معاشرے کو استحکام حاصل ہوتا ہے۔ حق دار کو اس کا حق مل جاتا ہے اور وہ مطمئن ہو جاتا ہے۔ ظالم کو اس کے ظلم کی سزا ملتی ہے اور آئندہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ غریب و کمزور لوگوں کی زندگی محفوظ ہو جاتی ہے۔ اور وہ امن وسکون حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح ایک صحت مند معاشرہ قائم ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

اسلامی عدل کی نظر میں مال و دولت، رنگ و ملت، مذہب وعقیدہ کی کوئی قید نہیں۔ تمام افراد کو یکساں نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے معاشرہ میں مساوات قائم ہوتی ہے۔ عدل یعنی اعتدال اختیار کرنے سے انسان افراط وتفریط سے بچ جاتا ہے۔ یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ اعتدال کی راہ ہی زندگی میں کامیابی کی ضامن ہے۔

عدل ایک عظیم الشان اخلاقی فضیلت ہے۔ جس کیلئے آخرت میں بڑے اجر کا وعدہ ہے اور اسے اللہ تعالی کے ہاں خاص مقام حاصل ہے۔ چنانچہ سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ اپنے ماتحتوں میں جن کی ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی ہے انصاف کرتے ہیں وہ اللہ جل شانہ کے پاس نور کے میناروں پر ہوں گے۔ رسول اکرم ﷺ نے ظالم حکمران کے سامنے حق وعدل کی بات کہنے کو افضل ترین جہاد کہا ہے۔ چنانچہ سرور عالم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

افضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جابر ﴿۴۱﴾ ظالم حکمران کے سامنے حق وعدل کی بات کہنے کو افضل ترین جہاد کہا ہے

انصاف کا دن ستر دنوں کی مسلسل عبادت کے برابر ہے۔ رشوت معاشرتی نا انصافی کا ذریعہ بنتی ہے۔ رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں دوزخی ہیں۔

نیز عادل حاکم کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اور وہ جنتی ہے ﴿۴۲﴾

انصاف کرنے والوں کا معاوضہ حب الٰہی ہے۔ ارشاد اللہ جل شانہ ہے۔

﴿إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ ﴿۴۳﴾ یقیناً اللہ تعالی انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے

عدل سے کمزور طبقوں کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہے۔ کیونکہ عدل سے جان، مال اور عزت محفوظ ہو جاتی ہے۔ اور لوگ ایک دوسرے پر دست درازی نہیں کرتے۔

اجتماعی عدل کے دنیاوی اثرات

عدل کی موجودگی انسان کیلئے اطمینان اور سکون کا باعث ہوتی ہے۔ اس کے برعکس انصاف کا نہ ہونا انسان کو انصاف چھیننے پر مجبور کرتا ہے اور انصاف چھیننے کا کوئی بھی راستہ سیدھا نہیں ہے، خواہ وہ انتقام کا راستہ ہو یا جرائم کے انتقام کا۔ یہ دونوں چیزیں اندھی ہوتی ہیں اور ان سے معاشرہ مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔

عدل وانصاف کا مطلب یہ بھی ہے کہ ہر انسان گرد و پیش سے بے نیاز ہو کر اپنی صلاحیتوں کے مطابق مطمئن انداز میں اپنا کام کرسکتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ خود بھی ترقی کرے گا اور معاشرے کی خدمت بھی کرے گا۔ اس کے برعکس عدل و انصاف کی عدم موجودگی انسان کو معاشرے سے بیزار کر دیتی ہے، اور اس کے دو ہی نتیجے ہیں۔ معاشرے میں رہتے ہوئے اپنی صلاحیتوں کا ناجائز استعمال ہے یا اپنے معاشرے سے کٹ کر اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کو مستفید کرنا اور ہر دو صورتوں میں فرد اور معاشرہ ترقی کے حوالے سے بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔

عدل و انصاف کی عدم موجودگی انسان کو خود غرض بنا دیتی ہے باہمی احساس مٹ جاتا ہے۔ احترام انسانیت، معاشرتی وقار اور باہمی خیر خواہی کے جذبے جیسی چیزیں عنقا ہو جاتی ہیں۔ ہر شخص دوسرے کا احساس کرنے کی بجائے چھینا جھپٹی

Marfat.com

پر اتر آتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں انسان نہیں رہتا بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر ہوجاتا ہے۔ گویا عدل و انصاف انسانیت کی شان اور اس کی عدم موجودگی انسانیت کی توہین ہے۔

دنیا کے ہر معاشرے میں مختلف تصورات کے ساتھ نیکی اور برائی کا تصور ہے اور معاشرے میں ان کے اپنے تصور کے مطابق نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا عظیم کام رہے ہیں اور نظام عدل کی موجودگی ان عظیم کاموں کے وجود کی ضامن ہے اور یہ کام اشخاص ہی کیا کرتے ہیں۔ عدل کی موجودگی برائی کی جڑیں کاٹتی ہے۔ مطلب واضح ہے جہاں عدل و انصاف نہیں ہوگا، وہاں نیکی اور برائی کا تصور مٹ جائے گا۔ اور جہاں نیکی اور برائی کا تصور مٹ جائے، وہاں انفرادی اور اجتماعی زندگی کی حالت زار کسی تبصرے کی محتاج نہیں۔ عوام الناس کی جان، مال وعزت اور دینی آزادی کی حفاظت ہر حکومت کی ذمہ داری ہے وہ حکومت کسی قبیلے پر ہو یا کسی علاقے پر اور یہ چیزیں صرف عدل و انصاف کی موجودگی میں ہی محفوظ رہ سکتی ہیں۔

عدل و انصاف معاشرے میں جرائم کے خاتمے کے لئے سب سے اہم اور بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ کیونکہ جب مجرموں کو سزا ملے گی، مظلوموں کو ان کا حق ملے گا تو جرائم بتدریج ختم ہوتے چلے جائیں گے۔ عدل و انصاف معاشرتی ترقی میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ جب ہر فرد سے اس کی صلاحیت کے مطابق کام لیا جائے اور اس کا حق اسے دیا جائے گا تو قیمتی افراد باہر جانے کی بجائے اپنی صلاحیتوں کو اپنی قوم کے لئے وقف کریں گے۔ نتیجہ ترقی کی رفتار میں بے پناہ اضافہ ہوگا۔

طبقاتی کشمکش معاشرتی زندگی کے لئے زہر ہلاہل ہے۔ نظام انصاف کی موجودگی میں اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ عدل و انصاف کی عدم موجودگی اس کشمکش کو پیدا کرنے والا سب سے بینادی عنصر ہے۔ عدل و انصاف کی موجودگی نسل انسانی کی بقاء کی امین ہے۔ جہاں عدل و انصاف ہو، وہاں باہمی قتل وغارت گری نہیں ہوگی۔ اس کے برعکس عدل و انصاف کی عدم موجودگی میں قتل و غارت ایک یقینی امر ہے اور جہاں قتل و غارت ہوگی وہاں نسل انسانی کی بقاء کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔

عدل و انصاف کی موجودگی معاشرے کی اجتماعی مثبت سوچ کی ضمانت ہے۔ جہاں عدل و انصاف ہوگا وہاں لوگ مثبت انداز سے سوچیں گے اور معاشرہ بہت جلد اقوام عالم میں ایک ممتاز مقام حاصل کرلے گا۔ اس کے برعکس عدل و انصاف کی عدم موجودگی میں جب اذہان منفی خطوط پر سوچیں گے تو نتیجہ تباہی اور بربادی ہے۔ عدل و انصاف کی موجودگی غداری کے خاتمے کی دنیا ہے، کیونکہ عناصر معاشرے کی زیادتیوں کا انتقام پوری قوم سے لینے کے لئے غداری اور تخریب کاری کی صورت میں میدان میں اترتے ہیں۔

عدل و انصاف معاشرے کو قائم رکھنے والا بنیادی ستون ہے۔ کیونکہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بقول "کفر پر قائم معاشرہ باقی رہ سکتا ہے لیکن جس معاشرے میں ظلم ہو وہ باقی نہیں رہ سکتا"۔ اور ظلم کا کوئی وجود نہیں عدل و انصاف کا نہ ہونا ہی ظلم ہے۔ عدل و انصاف کی موجودگی معاشرے کو سیسہ پلائی دیوار بنا دیتی ہے۔ کیونکہ انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق جب باہمی تنازعات حل ہوں گے تو محبتیں بڑھیں گی۔ نفرتیں ختم ہونگی، معاشرہ واقعی اتفاق واتحاد اور باہمی احساس کی عملی تصویر پیش کرے گا۔

عدل و انصاف کی موجودگی قوموں کو ناقابل شکست بنا دیتی ہے، کیونکہ ہر فرد انفرادیت کی بجائے اجتماعی فائدے کی طرف دیکھتا ہے گویا کہ ہر فرد سپاہی بن جاتا ہے اور جس قوم کی یہ حالت ہو اسے شکست دینا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی

Marfat.com

ہے۔نظام انصاف کی مضبوطی ایک فرد سے لے کر پورے معاشرے پر کس کس انداز سے کون کون سے مثبت اثرات چھوڑتی ہے۔اس کے برعکس عدل وانصاف کا نہ ہونا کن کن خوفناک نتائج کا باعث بنتا ہے۔

عدل و انصاف کی موجودگی کسی بھی ملک کو ساری دنیا میں ایک ممتاز اور مثالی ملک قرار دلوانے والے مقاصد میں سر فہرست ہے۔ جہاں عدل و انصاف ہوگا دنیا کے کئی ممالک اس ملک کو نمونہ بنا کو اس کی تقلید کریں گے۔جس کے نتیجے میں دنیا ظلم سے عدل کی طرف مجموعی طور پر مائل ہوگی، اوراس طرح بتدریج دنیا سے فساد کا خاتمہ اور امن کا دور دورہ ہوگا۔

جس ملک میں عدل و انصاف کا نظام مضبوط ہوگا۔ دنیا کا ہر ملک اس سے سفارتی تعلقات قائم کرنے کی کوشش کرے گا، اور ملکوں کے درمیان مضبوط سفارتی تعلقات عالمی حالات پر مثبت اثرات مرتب کرتے ہیں۔ان کی اہمیت واضح ہے۔عدل و انصاف چونکہ جرائم کے خاتمے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔اس لئے جس ملک میں سکیورٹی کے حوالے سے ہر قسم کا اطمینان ہو۔ وہاں غیر ملکی سرمایہ کارخاصی دلچسپی لیتے ہیں اور بالخصوص غریب ملک بیرونی سرمایہ کاری کے کتنے حاجت مند ہوتے ہیں اور بیرونی سرمایہ کاری خاص طور پر موجودہ دور میں ملکی معیشت پر کس کس انداز سے مثبت اثرات مرتب کرتی ہے اور اس سے ملکی ترقی میں کس قدر تیزی سے اضافہ ہوتا ہے، ماہرین معاشیات کوتو معلوم ہی ہے ایک عام آدمی بھی اس کی اہمیت سے بخوبی واقف ہے

کسی بھی ملک کے نظام انصاف کا عالمی تجارت کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے کیونکہ اولاً تو جس ملک میں نظام عدل و انصاف مضبوط ہوگا۔ عالمی منڈی میں اس کی مصنوعات پر بہت کم اعتراضات ہوں گے۔ ثانیاً کسی بھی ملک کی مصنوعات اسی وقت عالمی منڈی میں اپنی صحیح قدر و قیمت حاصل کرسکتی ہیں۔ جب اس ملک کی حکومت ان مصنوعات کی بھر پور سرپرستی کررہی ہوایسا صرف اورصرف عدل و انصاف کرنے والی حکومت کرسکتی ہے۔

عدل و انصاف جس ملک میں مضبوط ہوگا وہ ملک دفاعی لحاظ سے بھی مستحکم ہوگا کیونکہ جب حکومت عوام کا ہرلحاظ سے خیال رکھے گی تو عوام میں اجتماعی سوچ پیدا ہوگی۔ وطن سے محبت کا جذبہ پیدا ہوگا، وطن کے دفاع اوراس کی ترقی کی فکر ہوگی۔ وطن دشمنوں سے نفرت ہوگی اور انہی سوچوں کے نتیجے میں ملک کا بچہ بچہ سپاہی بن جائے گا، پھر نہ کوئی بیرونی دشمن حملہ کرسکے گا اور نہ اندرون ملک علیحدگی کی تحریکیں پنپ سکیں گی۔ نہ کوئی غدار ہوگا اور نہ کسی تخریب کار کو اپنی کارروائیاں کرنے کا موقع مل سکے گا۔ سرحدیں غیر محفوظ نہیں ہونگی، لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ دردسر نہیں بنے گا، فوج دفاع کو چھوڑ کر اندرونی کاموں میں مشغول نہیں ہوگی، غرباء کو ان کا حق ملے گا۔ ہرطرف فلاح ہی فلاح ہوگی، تعمیر وتعمیر ہی ہوگی، اجاڑ کا نام ونشان نہ ہوگا۔

بے لاگ تبصرہ

زندہ قوموں کی زندگی میں عدل روح کی حیثیت رکھتا ہے اور زندہ قوموں کی عدالتوں میں جوفیصلہ کیا جاتا اس فیصلے کو ذاتی مفاد کی خاطر استعمال نہیں کیاجاتا کیونکہ اسی میں ان کی بقا ہے۔ جو قانون بنتا ہے تمام لوگ اس کا احترام کرتے ہیں۔کوئی عہدہ قانون کی نظر میں برتری کا مستحق نہیں۔

مگر ہم مسلمانوں نے اپنی اس میراث کوترک کردیا ہے اور عادت سی بنالی ہے کہ ہم جہاں کہیں بھی جائیں امتیازی

Marfat.com

سلوک کے حق دار بن جائیں۔ ہماری زبان ہی قانون ہو اور ہم جہاں کہیں بھی رہیں سب چیزیں ہمارے دائرہ اختیار میں ہوں۔ جبکہ اس کے برعکس بحیثیت مسلمان ہمارا قانون ''لاء آف رول'' نہیں ''لاء آف جسٹس'' ہے جس کی اصل ہیئت قرآن مجید کی شکل میں تا قیامت محفوظ و مامون رہے گی۔

ہم اس بات کا بھی استحقاق کرتے ہیں کہ لوگ ہمیں امیر المومنین کے عظیم منصب پر بٹھائیں اور ہمیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مقام دیں مگر ہم اُس منصب کی خاطر کچھ بھی قربان نہیں کرنا چاہتے۔ کرسی کے فرائض ادا نہیں کرنا چاہتے۔ ہم چاہتے تو ہیں کہ لوگ ہمارا استقبال حضرت فاروق اعظمؓ کی طرح کریں مگر ہم غلام کو اپنی سواری پر نہیں بٹھا سکتے، ہم اپنے ہمسائے کی خبر گیری نہیں کر سکتے ہم اپنے بیٹے سے درہم چھین کر بیت المال میں نہیں داخل کر سکتے۔ ہم چاہتے تو ہیں کہ لوگ ہمارا تذکرہ حضرت عثمان غنیؓ کی حیثیت سے کریں مگر ہم اپنی دولت سے خدمت خلق کیلئے کنواں تو درکنار فقیر کو ایک روپیہ نہیں دے سکتے، ہم لوگوں کے آرام کی خاطر اپنا آرام قربان نہیں کر سکتے۔ ہم چاہتے تو ہیں کہ لوگ ہمیں حضرت علیؓ کی مانند شیر خدا کے لقب سے یاد فرمائیں مگر ہم خود حاکم بن کر قاضی کی عدالت میں جانا اپنی توہین خیال کرتے ہیں بلکہ عدالت کو اپنے گھر منگوانا پسند کرتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں لوگ ہمیں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح کا مہمان خصوصی خیال کریں مگر ہم احد کی تقریر نہیں کر سکتے۔

ہم چاہتے ہیں کہ لوگ ہمیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ سمجھ کر خلیفہ پنجم مان لیں مگر ہم وزیر اعظم بن کر گدڑی پہن کر گلیوں میں پھرنا تو درکنار اپنے وطن کا پانی پینا پسند نہیں کرتے اس سے ہماری صحت خراب ہو جائے گی۔ ہم ٹکہ خرچ کئے بغیر جنت کو خریدنے کی ٹھیکے دار بننا چاہتے ہیں مگر اپنے ایمان کی قیمت ادا نہیں کرنا چاہتے، ہماری خواہش تو ہے کہ ہم جہاں کہیں جائیں ہماری عظمت کے ڈنکے بجیں ہماری زبان سے ادا کردہ ہر لفظ قانون بن جائے۔ تمام لوگ ہم کو سلام کریں۔ ہم ایسا سب کچھ چاہتے ہیں جو ہم دیکھتے ہیں مگر اپنے سانسوں کے ساتھ، اپنے عہدے کے ساتھ، اپنے فرائض کے ساتھ، اپنے ملک کے ساتھ، اپنے خاندان کے ساتھ، اپنی رعایا کے ساتھ اور سب سے بڑھ کر اپنے رب ذوالجلال کی طرف سے عطا کردہ زندگی کے ساتھ عدل نہیں کرنا چاہتے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو لوگ کیا کہیں گے کہ حاکم، وزیر، مشیر، ناظم، فلاں عامل کا پی اے، فلاں دفتر کا کلرک ایسا ہے کہ عوام کے ساتھ پیدل جا رہا ہے ہماری تو خواہش یہ ہوتی ہے کہ جو چیز ہم استعمال کر رہے ہیں وہ کسی کی دسترس میں نہ ہو، کوئی آدمی اس مال کو خرید نہ سکے۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق (۴۴)

اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اور ہمارے جوان تہذیب حاضر کی مرعوبیت کا بوجھ سر سے اتار پھینکیں اور اس مادہ پرستانہ دور کے خلاف فکری کام کا علم اٹھائیں۔ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کو کتابوں سے نکال کر نئے سرے سے اپنی عملی زندگیوں کے اوراق میں سجائیں۔ اسے ایک اجتماعی نظام کی صورت میں مرتب کر دیں۔ قرآن حکیم کو جزدانوں سے نکال کر اپنی پیشانیوں میں بسائیں، ایک اللہ کے سامنے گردن جھکائیں، اپنی انا کو ختم کر کے مخلوق خدا کی انا کا احترام کریں اس طرح ہم راہ نجات کھولنے والی وہ تیسری طاقت بنیں گے جس کی جگہ تاریخ میں خالی پڑی ہے۔ ایسا اسی صورت ممکن ہے جب ہم سب اسلام کی طرف سے

Marfat.com

عائد قوانین کا احترام کریں گے۔

میں جانتا ہوں یہ کاوش عدل سے باغی فرعونوں کے دلوں میں کوئی انقلاب تو نہیں لا سکے گی مگر انہیں اتنا سوچنے پر مجبور کر دے گی کہ ان کی سوچ اور کردار غلط تھا اور ہے۔ یہ سچ ہے کہ ایک جگنو کے دمکنے سے تیرگی کی دبیز تہہ بھی نہیں اچٹ سکتی، یہ بھی درست ہے کہ ایک بے آبرو ہوتی مسلمان بیٹی کی سسکیوں کی آواز کی ہلکی سی گونج سے سب لوگ باخبر نہیں ہو سکتے، رات کی گہری تاریکی ایک دیئے کی لو سے نہیں چھٹ سکتی۔ لیکن سیاہ شب کا غبار بن کر جینے سے، جھوٹ کو سچ کا آنچل اوڑھانے سے، تاریکی کو روز روشن سمجھنے سے اور ذاتی مفادات کی خاطر لوگوں کا حق دبانے سے زندگی کا مقصد حاصل نہیں ہوا کرتا اس سے تو عاقبت خراب ہوا کرتی ہے۔ زندگی کا مقصد تو عدل و انصاف رواداری اور مساوات کے سنہری اصولوں سے ہوتا ہے۔ زندگی کی معراج تو اللہ کے احکام پر عمل اور محمد ﷺ کے نقش قدم پر چلنے سے مل سکتی ہے۔

حرف آخر

اگر ہم بنظر غائر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ مسلمان کی سب سے بڑی خرابی جس کو یہ اپنی خوبی تصور کرتے ہیں وہ عدل و انصاف سے انحراف۔ وہ اس بات کے لئے کوشاں ہے کہ کس طرح کسی کے حق پر ڈاکہ ڈالا جائے؟ کسی کے حقوق کو کس طرح چھینا جائے؟ اور کس طرح اپنی حکومت اور شان وشوکت میں اضافہ کیا جائے؟ اسے اس بات کا بالکل احساس نہیں کہ مجھ پر اپنے ہمسائے کے کیا حقوق ہیں۔ اگر میں حاکم ہوں تو میری رعایا مجھ سے کس بات کی توقع کرتی ہے۔ بلکہ وہ تو اپنی رعایا کو زرخرید غلام سے بھی کم تر تصور کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر ان کو پیٹ بھر کر کھانا مل گیا تو ہمارے لئے کون آلہ کار رہے گا؟ اصل میں اسی ہوس اقتدار اور احساس ذمہ داری کے فقدان نے مسلمانوں کو تباہ و برباد کیا ہے۔

خلفائے راشدین کی زندگیاں ہمارے سامنے وہ مینارۂ نور ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روشنی حاصل کر کے اس کو عملی معنوں میں ہمارے سامنے پیش کیا۔ آپ اس منظر کو دیکھیں جب سخت دھوپ میں حضرت عمر صحرا نوردی کر رہے تھے۔ پوچھا گیا کہ کیا ہو رہا ہے تو جواب ملا بیت المال کا اونٹ گم گیا ہے اس کو تلاش کر رہا ہوں۔ ایک بار سیدنا عمرؓ شام کی طرف محو سفر تھے کہ راستے میں ایک بوڑھی اماں ملیں جو خلیفہ کو کوس رہی تھی۔ پوچھا کیا وجہ ہے؟ جواب ملا کہ کئی دنوں سے مجھے کھانا وغیرہ نہیں ملا۔ پھر پوچھا گیا کہ کیا تم نے خلیفہ کو اپنی موجودگی کا بتایا تھا؟ اس بوڑھی اماں کی زبان سے تاریخی جواب ادا ہوا کہ اگر عمر کو میرا حال معلوم نہیں تو اس کو خلیفہ بننے کا بھی کوئی حق نہیں۔ ہمارے خلفائے راشدین کی یہ خوبی تھی کہ ان کے دور کو سنہری دور کہا جاتا ہے۔ ان کو اپنی رعایا کا بہت زیادہ احساس تھا۔ وہ ایک اللہ سے ڈرتے تھے تو مادی طاقتوں کے دعویدار ان سے ڈرتے تھے۔

ایک دن ایک رومی سفیر مدینہ میں آیا اور اس نے پوچھا کہ مسلمانوں کے خلیفہ کا محل کہاں ہے؟ مسلمان محل کے نام سے واقف نہ تھے جب ان کو سمجھایا گیا تو انہوں نے اس سفیر کو بتایا کہ ہمارے خلیفہ کا محل نہیں ہوتا۔ بس تم ہمارے خلیفہ کو مسجد میں تلاش کرو۔ وہ سفیر مسجد میں گیا تو کیا دیکھا کہ ایک آدمی مسجد کے ننگے فرش پر پڑا سو رہا ہے۔ اس کا نہ کوئی گارڈ ہے اور نہ ہی کوئی دربان۔ سفیر سے کہا گیا کہ یہ ہمارا خلیفہ ہے۔ جب سفیر نے یہ منظر دیکھا کہ یہ ہے وہ آدمی جس کے مجاہدوں کے آگے اللہ کی زمین بھی سمٹ جاتی ہے۔

Marfat.com

مگر ہم نے یہ شان وشوکت گنوا دی ہے آج ہم نے جو اپنے حکمران مسلط کر رکھے ہیں انہیں ہماری مطلق خبر نہیں وہ اپنی قوت، مادی حیثیت اور ظاہری رکھ رکھاؤ کو بلند کرنے میں مگن ہیں۔ آج دریائے نیل کے کنارے کتے کا بھوک سے مرجانے پر باز پرس کا احساس بھی مر چکا ہے۔ ہمارے ذہن ہمارے جرائم کے عقوبت خانے بن چکے ہیں۔ آج ہم جسد واحد کی بجائے اکائی کو ترجیح دے رہے ہیں۔ آج غیر ملکی حملوں نے ہمیں اپنے گھروندوں میں بھی محفوظ نہیں رہنے دیا۔ انہوں نے بارہا ہمارے محبوب ﷺ کی ذات اقدس پر حملے کئے، انہوں نے ہمارے قرآن کی توہین کی، ہماری حکومتوں کو پامال کیا، ہماری بیٹیوں کو سرعام رسوا کیا۔ آج وہ طاقت وقوت ہمیں کیوں حاصل نہیں؟ جو ایک مسلمان کا خاصہ تھی۔ اس کا ایک ہی جواب ہے وہ یہ کہ ہم نے ایک اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے محبوب ﷺ کی اتباع کو ترک کر دیا ہے۔ انہوں نے غیر اللہ کے پجارے ہونے کے باوجود ہمارے قرآن اور عدل وانصاف کو مضبوطی سے تھام لیا ہے۔ اس لئے وہ قومیں ہمیں کچل رہی ہیں۔

آج اگر ہم نے اپنا ماضی دوہرانا ہے تو یہ اسی صورت ممکن ہوگا جب ہم کتاب اللہ وسنت رسول ﷺ پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ، عدل وانصاف پر کاربند ہو جائیں گے، انفرادی طور پر ہمارا یہ فرض ہے کہ ہمیں جو منصب بھی دیا جائے ہم اس سے انصاف کریں۔ وہ فیصلہ کریں جو ہمارے مفادات سے تو ٹکرائے مگر کتاب اللہ سے نہ ٹکرائے...... اسی میں ہماری بقا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے ہمیں سیرت رسول ﷺ پر عمل کرنے، اپنے معاشرے میں عدل وانصاف قائم کرنے، اور عدل وانصاف کو خود پر لاگو کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جو کرنی ہے جہانگیری محمد ﷺ کی غلامی کر
عرب کا تاج سر پہ رکھ خدا وند عجم ہوجا ﴿۴۵﴾

دعا ہے کہ اللہ کریم ہم سب کو نبی کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلنے اور دین اسلام پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

کتابیات

﴿۱﴾سورۃ المائدہ ۔۴۲﴾ ...... ﴿۲﴾النساء ۱۳۵﴾...... ﴿۳﴾ابن ماجہ ﴾ ...... ﴿۴﴾سورۃ النساء۔۳﴾...... ﴿۵﴾سورۃ النساء آیۃ مبارکہ ۱۲۷﴾...... ﴿۶﴾الرحمٰن ؛۹﴾...... ﴿۷﴾ ﴿۲۹۔۹﴾ ...... ﴿۸﴾سورۃ البقرہ ۲۸۲﴾...... ﴿۹﴾ ﴿۱۵۲:۲﴾...... ﴿۱۰﴾بخاری﴾...... ﴿۱۱﴾قرآن مجید، سورۃ النساء ۵۸﴾ ...... ﴿۱۲﴾ ﴿۸:۴﴾...... ﴿۱۳﴾ سورۃ الشوریٰ:۔۷۵﴾...... ﴿۱۴﴾النساء ۸﴾...... ﴿۱۵﴾سورۃ المائدہ﴾...... ﴿۱۶﴾سورۃ النحل ۹۰﴾...... ﴿۱۷﴾۔سورۃ النساء ۱۳۵﴾...... ﴿۱۸﴾سورۃ المائدہ ۔۴۲﴾...... ﴿۱۹﴾سورۃ المائدہ: 8﴾...... ﴿۲۰﴾سورۃ النحل۔۹۰﴾...... ﴿۲۱﴾المائدہ۔۸﴾...... ﴿۲۲﴾النساء۔۱۳۵﴾...... ﴿۲۳﴾النساء ۵۸﴾...... ﴿۲۴﴾قرآن مجید ،سورۃ مبارکہ الانعام ۔۱۵۲﴾...... ﴿۲۵﴾صحیح البخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب اجر الحاکم اذا اجتھاد﴾...... ﴿۲۶﴾صحیح البخاری کتاب الاذان باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوٰۃ﴾...... ﴿۲۷﴾فتح الباری ۱۳۔ ۱۷۲﴾...... ﴿۲۸﴾صحیح مسلم کتاب الاقضیۃ باب الیمین علی المدعی﴾...... ﴿۲۹﴾بلوغ المرام ص۔۸۸۸﴾...... ﴿۳۰﴾مسلم

Marfat.com

کتاب الامارۃ﴾...... ﴿۳۱﴾﴿بخاری کتاب الجہاد﴾...... ﴿۳۲﴾﴿ترمذی ۔ ابواب الاحکام﴾...... ﴿۳۳﴾﴿الترغیب ج۔۳،ص۶۶﴾...... ﴿۳۴﴾﴿الترغیب للترمذی ص۳، ۶۸،بحوالہ ابن ماجہ﴾...... ﴿۳۵﴾﴿ابن ماجہ﴾...... ﴿۳۶﴾﴿کنز العمال﴾...... ﴿۳۷﴾﴿سورۃ شوریٰ ۔۱۵﴾...... ﴿۳۸﴾﴿فاطر ۲۸﴾...... ﴿۳۹﴾﴿ابراہیم ۔۲۴﴾...... ﴿۴۰﴾ ﴿حکیم محمد سعید ،فکرستان۔ص۔۸۲۔ہمدرد فائنڈیشن پریس کراچی۔۱۹۹۲﴾...... ﴿۴۱﴾﴿جامع ترمذی﴾...... ﴿۴۲﴾ ﴿ترمذی﴾...... ﴿۴۳﴾﴿قرآن مجید سورۃ الحجرات :۹﴾...... ﴿۴۴﴾﴿علامہ اقبال﴾...... ﴿۴۵﴾ علامہ اقبال۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

حافظ محمد زوہیب - کراچی

فلسفہ عدل:

اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں نہ معاشرتی میدان میں اونچ نیچ نہ ہی سیاسی میدان میں اور نہ ہی کسی میدان میں کوئی تفریق ہو دنیا کا سارا نظام جو زمین و آسمان تک پھیلا ہوا ہے صرف اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کی بنا پر قائم ہے ظلم کے خلاف استعمال ہونے والا لفظ ''عدل'' ہے ایک مکمل نظام زندگی کی حیثیت سے اسلام کی اعلیٰ ترین قدر اس کا آخری ہدف اور اصل مقصود و مطلوب ''عدل اجتماعی'' یعنی سماجی انصاف یا سوشل جسٹس ہے۔ اسلام نے عدل کو بڑی اہمیت دی۔ عدل کے بغیر فلاحی معاشرہ وجود میں نہیں لایا جاسکتا۔

کسی بھی معاشرے میں خوشحال اور امن و ارتقاء کے مراحل اسی وقت طے ہو سکتے ہیں جب وہاں عدل موجود ہو۔(۱)

آپ ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد معاشرے میں عدل و انصاف کی فراہمی تھی۔ رسالت مآب ﷺ کی مختلف حیثیتیں تھیں۔ بحیثیت نبی، رسل، خاتم النبین، ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے آپ کی بنیادی ذمہ داری ''عدل اجتماعی'' تھی۔ سیرت کی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کے عہد میں ''عدل اجتماعی'' ایسا تھا کہ کوئی شخص شکوہ نہیں کرسکتا تھا کہ اس کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے بعد میں خلفائے راشدین نے بھی اس پر عمل کرکے دکھایا۔ ''عدل اجتماعی'' کا مقصد یہی ہے کہ معاشرے سے امیر و غریب میں تخصیص ختم ہوجائے اور سب ایک ہی صف میں کھڑے ہوجائیں۔

عدل کے لغوی معنی:

عدل کے لغوی معنے ہیں برابری کرنا۔ عدل السهم تیر کو سیدھا کرنا عدلا وعدالة وعدولة ومعدلة انصاف کرنا (۲) امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں العدالة والمعادلة کے لفظ میں مساوات کے معنی پائے جاتے ہیں اور معنی اور اضافی اعتبار سے استعمال ہوتا ہے یعنی ایک دوسرے کے ہم وزن اور برابر ہونا (۳)

عدل از روئے قرآن:

قرآن مجید کا اگر مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انفرادیت سے اجتماعیت تک عدل پر زور دیا ہے۔

(i) اللہ سراپا عدل ہے: ارشاد ہوتا ہے

ترجمہ ''اور اللہ فیصلہ کرتا ہے حق کے ساتھ'' (۴)

(ii) عدل کرنے والوں سے اللہ کی محبت: اللہ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے جو عدل کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ ''بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔'' (۵)

Marfat.com

(iii) اللہ کے عدل پر فرشتے اور تمام لوگ گواہ:

ترجمہ ''خود اللہ بھی گواہ ہے اور فرشتے اور تمام اہل علم بھی گواہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عدل وانصاف کو قائم کرنے والا ہے۔

(iv) رسالت کا مقصد عدل اجتماعی ہے:

ایمان باللہ کے بعد دوسرا درجہ ایمان بالرسالت ہے یعنی انبیاء و رسل کا بنیادی مقصد معاشرے میں توحید کے ساتھ ساتھ عدل و انصاف کی فراہمی بھی قائم کرنی ہے۔ارشاد ہوتا ہے۔

ترجمہ ''یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ انصاف نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔''(۶)

(v) رسول کی زبانی اور عدل اجتماعی:

قرآن نے خود رسول کی زبانی یہ الفاظ ادا کروائے۔ ارشاد ہوتا ہے

ترجمہ ''اور مجھے حکم دیا گیا کہ میں تمہارے مابین عدل کروں۔'' (۷)

(vi) اُمت مسلمہ پر زمہ داری اور عدل اجتماعی:

نبی اکرم ﷺ نبوت کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد اب قیامت تک رسالت کے مشن کی تکمیل اور فرائض رسالت کی ادائیگی کی ذمہ داری اُمت مسلمہ پر بحیثیت مجموعی عائد ہوگئی ہے۔اس ضمن میں قرآن مجید میں دو مقامات پر "شهادة علی الناس" کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔(۸) عدل اجتماعی کو قائم کرنے کیلئے مسلمانوں کو عدل و قسط کی گواہی اور نظام عدل کو قائم کرنے کیلئے پوری قوت کے ساتھ کھڑے ہوجانے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

ترجمہ ''اور اللہ کے حق میں گواہی دینے والے بنو خواہ یہ گواہی تمہارے خلاف ہی جاری ہو۔''(۹)

الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ یہی آیت سورہ مائدہ میں بھی آئی ہے۔(۱۰) اسلام کی اعلیٰ تر قدر سماجی اور تمدنی انصاف اور اقامت دین یعنی اسلامی انقلاب کا اصل ہدف یہ ہے کہ اللہ کا عطا کردہ متوازی اور معتدل عدل اجتماعی کو قائم کیا جائے۔(۱۱)

(vii) عدل کرنے والے تقویٰ کے زیادہ قریب ہیں:

تقویٰ کے معنی ہوشیار رہنا یعنی بری باتوں سے بچنا اللہ کے نزدیک عدل کرنے والے تقویٰ کے زیادہ قریب ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ ''عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔''(۱۲)

عدل اجتماعی اور سنت نبوی ﷺ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ۔ ''یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔''(۱۳)

آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں جو فیصلے کئے وہ تاریخی حیثیت رکھتے ہیں بحیثیت انفرادی آپ ﷺ نے عدل قائم کیا۔

Marfat.com

بحیثیت سربراہ آپ ﷺ نے عدل اجتماعی کو قائم کیا۔ جیسے کہ رسالت کا ایک مقصد قرآن نے عدل بھی بیان کیا ہے۔(۱۴)

آپ ﷺ نے اس پر عمل کر کے دکھایا۔ آپ ﷺ لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ وحی کے مطابق فرماتے آپ ﷺ مدعی اور مدعی علیہ دونوں کی گفتگو توجہ سے سنتے۔ اثبات واقعے کی صورتیں آپ ﷺ کے ہاں بینہ قسم شہادت تحریر، فراست درایت سے واقعہ کی اثبات یا نفی وغیرہ تھیں۔(۱۵)

آپ ﷺ نے جس عالمگیر عدل وانصاف کی ترغیب دلائی اس کی چند مثالیں یہاں مذکورہ ہیں۔

نبوت سے قبل عدل اجتماعی:

حضور ﷺ کو ابھی نبوت نہیں ملی تھی مگر اس کے باوجود آپ ﷺ کی فہم و فراست اپنی مثال آپ تھی۔ سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے کہ قریش کو کعبہ کی دوبارہ تعمیری ضرورت پیش آئی اس کیلئے تیاری شروع کردی اس وقت رحمت عالم کی حضرت خدیجہ سے شادی کو دس سال گزر چکے تھے۔(۱۶) ہر قبیلہ اپنے اپنے حصے کے مطابق سامان فراہم کرنے میں مشغول ہوگیا۔ چنانچہ تعمیر کا کام زور وشور سے شروع ہوگیا۔ حضور ﷺ اپنے چچا حضرت عباسؓ کے شریک کار تھے۔(۱۷) کام انتہائی تسلی سے جاری رہا مگر جب ''حجر اسود'' نصب کرنے کا وقت آیا تو قبائلی عصبیت شروع ہوگئی۔ قریب تھا کہ تلواریں نکل جائیں پانچ دن تک حالات ایسے ہی رہے پھر فیصلہ یہ ہوا کہ جو کل سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوگا اس کا حکم بنادیا جائے گا اللہ اکبر دوسری صبح سب سے پہلے آپ ﷺ حرم میں داخل ہوگئے لوگوں کی خوشی کی انتہاء نہ تھی پھر آپ نے فیصلہ فرمایا میرے پاس چادر لے آؤ آپ نے چادر درمیان میں رکھی ہر قبیلے کے افراد کو بلایا اور فرمایا سب مل کر چادر کو پکڑ لو سب نے پکڑ لیا اور آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ''حجر اسود'' کو نسب کردیا۔(۱۸) یہ عدل اجتماعی کی نبوت سے پہلے آپ ﷺ نے ایک مثال قائم کرکے دکھائی جس سے معاملہ خوش اسلوبی سے نمٹ گیا۔

عدل مصطفیٰ ﷺ اور مشرکین مکہ:

مشرکین مکہ سے متعلق سورہ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ ''بے شک مشرکین نجس ہیں(۱۹) آپ ﷺ نے ان کے ساتھ بھی عدل کیا باوجود اس کے کہ ان لوگوں نے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کو سخت اذیتیں دیں۔ (بعض مشرکوں کو جو حضور ﷺ کے ساتھ کسی معاہدے میں شریک نہ تھے اور نہ حج کے موقع پر حاضر تھے۔ یہ اطلاع ملی کہ پیغمبر اسلام ﷺ ماہ محترم کے اختتام کے بعد ایسے لوگوں کے ساتھ جنگ کا حکم دیا ہے تو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ حضور کے ساتھ تجدید عہد کریں۔ یہ واقعہ ماہ محترم کے اختتام پر ہوا۔ حضور ﷺ نے ان کے ساتھ اسلام کی ادائیگی نماز، زکوٰۃ کی شرائط پیش کیں جو انہوں نے منظور نہ کیں اس کے باوجود حضور ﷺ نے ان کو اپنے علاقوں میں واپس جانے کی اجازت دے دی)۔(۲۰)

عادل حکمراں کی فضیلت اور ارشادات نبوی:

معاشرہ اسی وقت کامیاب ہوسکتا ہے جب معاشرے میں عدل اجتماعی کو فروغ دیا جائے۔ عدل اجتماعی کو فروغ اس صورت میں ہوگا جب ریاست کا سربراہ عادل ہو۔ ''حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک انصاف کرنے والے اللہ کے پاس نور کے منبروں پر ہوں گے یعنی وہ لوگ جو اپنے گھر والوں کے بارے میں جو

Marfat.com

ان کے کام سپرد ہیں انصاف کا اہتمام کرتے ہیں۔"(۲۱)

حضرت عیاض روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا تین قسم کے لوگ جنتی ہیں۔"ایک وہ حکمراں جو انصاف کرنے والا اور اعمال کی خیر کی توفیق سے بہرہ ور ہو اور دوسرا وہ آدمی جو ہر مسلمان اور رشتہ دار کیلئے مہربان اور نرم دل ہو۔ تیسرا مانگنے سے گریزاں وہ شخص جو عیال دار ہونے کے باوجود سوال سے بچنے والا ہو۔"(۲۲)

حدود اللہ اور عدل اجتماعی:

سیرت کی کتابوں میں ایک واقعہ ملتا ہے فاطمہ نامی ایک عورت نے مکے میں چوری کی لوگوں نے اُسامہ بن زید جو آنحضرت ﷺ کو بہت پیارے تھے سفارش کرائی نبی نے فرمایا تم حدود الٰہی میں سفارش کراتے ہو سنو اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ ایسا کرتی تو میں حد جاری کرتا۔(۲۳)

عدل مصطفی ﷺ کی اعلیٰ مثال:

سواد بن عمر کہتے ہیں کہ وہ ایک روز آنحضرت ﷺ کے سامنے رنگین کپڑا پہن کر گئے آپ ﷺ نے خط خط فرمایا اور چھڑی سے ان کے شکم میں ٹھوکا بھی دیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں قصاص تو لوں گا آپ ﷺ نے جھٹ اپنا شکم برہنہ کر کے میرے سامنے کر دیا۔(۲۴)

ظلم کرنے والوں کا انجام:

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:"جس کسی نے ظالمانہ طور پر بالشت بھر زمین لی قیامت کے دن اس کے گلے میں سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا"۔(۲۵)

دور خلافت راشدہ اور عدل اجتماعی:

آپ ﷺ نے عدل اجتماعی پر جو معاشرہ قائم کیا آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی سنت کو صحابہ نے جاری رکھا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:"میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں"اس لئے آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے قرآن وسنت کی روشنی میں عدل اجتماعی کو قائم رکھا بلکہ جب کبھی ایسا موقع آیا کہ عدالت کے کٹہرے میں جانا ہو تو خلفائے راشدین نے وہاں جانے سے بھی گریز نہ کیا۔

حضرت ابو بکرؓ اور عدل اجتماعی (۱۱ھ تا ۱۳ھ):

مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے۔ ہجرت کے کٹھن مرحلوں میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہمرکاب رہے۔ آپ اسلام کے سب سے پہلے خلیفہ تھے۔ آپ کا دور شورش سے بھرپور رہا۔ مگر پھر بھی آپؓ نے جزیرہ نما عرب میں عدل اجتماعی کو فروغ دیا۔ ابھی مدعیان نبوت کی طرف سے اطمینان ہوا تو منکرین زکوٰۃ نے سر اٹھالیا۔ جب زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی تو غریب کی دیکھ بھال کون کرے گا۔ اس لئے آپؓ نے ان کے خلاف جہاد کا حکم دیا۔ لوگوں نے کہا توحید اور رسالت کا جو اقرار کرلے ان کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی جاسکتی۔ آپؓ نے جواب دیا ہر وہ شخص جو شریعت کے کسی رکن کی خلاف ورزی کرے گا میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔(۲۶) چنانچہ نہایت مستعدی کے ساتھ منکرین کے

Marfat.com

خلاف جہاد کیا گیا اور ان سے زکوۃ لی گئی یہ آپؓ کا تدبرانہ فیصلہ تھا اس کی وجہ لوگوں نے اجتماعی طور پر زکوۃ ادا کی۔

حضرت عمرؓ اور عدل اجتماعی (۱۳ھ ۲۴ھ)

آپؓ کا دور حکومت اسلام کا سنہرا دور کہلاتا ہے۔ آپؓ کے دور میں بڑی بڑی فتوحات ہوئیں۔ آپؓ نے اپنے دور میں سب سے زیادہ اصلاحات نافذ کیں۔ آپؓ نے مختلف محکمے بنائے اسی میں سے ایک محکمہ ''محکمہ انصاف'' بھی تھا۔ آپؓ کسی کے ساتھ رعایت نہیں برتتے۔ اسی لئے آپؓ نے انصاف کا ایک الگ محکمہ قائم کردیا۔ تمام ضلعوں میں عدالتیں قائم کی گئیں۔ مقدمات کا فیصلہ قرآن مجید کے احکام کی روشنی میں کیا جاتا۔(۲۷) ''کسی حکومت کے عدل و مساوات کے جانچنے کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ غیر قومون کے ساتھ اس کا طرز عمل کیا ہے''۔(۲۸) بیت المقدس کی فتح کے بعد جو معاہدہ حضرت عمرؓ نے عیسائیوں سے کیا وہ کچھ اس طرح سے تھا۔ ''یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیرالمومنین عمرؓ نے اہل ایلیا کو دی۔ ان کی جان ومال، گرجا، صلیب، تندرسب بیمار، اور ان تمام اہل مذہب کیلیئے ہے۔ نہ ان کے گرجا میں سکونت اختیار کی جائے گی نہ ڈھائے جائیں گے نہ ان کے احاطوں کو نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان کے مالوں میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہیں کیا جائے گا نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔''(۲۹)

حضرت عثمانؓ اور عدل اجتماعی (۲۴ھ تا ۳۵ھ)

حضرت عثمانؓ بنی امیہ میں سے تھے۔ اسلام کے تیسرے خلیفہ تھے۔ آپؓ نے عہد فاروقی کے نظام میں کوئی ترمیم نہیں کی۔ عدل و انصاف کے معاملے میں حضرت عمرؓ کے پیرو تھے۔(۳۰) اگرچہ آپؓ کی خلافت کے آخری ایام میں بہت مخالفین ہوگئے تھے مگر اس کے باوجود آپؓ نے عدل اجتماعی کے معاملے میں کوئی تخصیص نہیں کی۔

حضرت علیؓ اور عدل اجتماعی (۳۵ھ تا ۴۰ھ)

آپ حضرت ابوطالبؓ کے بیٹے اور داماد رسول ﷺ تھے۔ خلفائے راشدین میں سے آپؓ سب سے آخری خلیفہ تھے۔ عدل کے معاملے میں آپؓ کی سیرت سے متعلق بے پناہ واقعات ملتے ہیں۔ تاریخ میں آتا ہے ''ایک مرتبہ آپ کی ذرہ گر پڑی اور ایک نصرانی کے ہاتھ لگی۔ حضرت علیؓ نے اس سے دیکھ کر پہچان لیا اور قاضی شریح کی عدالت میں دعویٰ کیا۔ نصرانی کا دعویٰ تھا کہ وہ اس کی ذرہ ہے۔ قاضی نے حضرت علیؓ سے پوچھا آپؓ کے پاس کوئی ثبوت ہے۔ آپؓ نے فرمایا نہیں چنانچہ قاضی شریح نے نصرانی کے حق میں فیصلہ سنادیا۔ اس پر اتنا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہوگیا''۔(۳۱) خلفائے راشدین نے معاشرے کی اصلاح کیلیئے دین اسلام کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ معاشرے میں ''عدل اجتماعی'' کو فروغ دیا جس کی وجہ سے ان کا دور عدل و انصاف پر مبنی ایک فلاحی دور کہلایا۔

عدل اجتماعی اور یہود:

اللہ کے نزدیک دین دراصل اسلام ہی ہے جس وقت آدم کو دنیا میں بھیجا اس وقت سے دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ ''بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔''(۳۲) مگر بعد میں لوگوں نے اپنے اپنے مذہب کے نام رکھ

Marfat.com

لئے۔ یہود اور نصاریٰ جو کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی قوم کہلائی انہوں نے اصل تعلیمات کو بھلا کر اس میں تحریف کرڈالی۔ ارشاد ہوتا ہے: ''وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں اور جو کچھ نصیحت انہیں کی گئی تھی اس کا بہت بڑا حصہ بھلا بیٹھے۔''(۳۳) انبیاء کا بنیادی کاموں میں سے ایک کام عدل بھی کرنا ہے۔ مگر ان لوگوں نے ہر معاملے میں تحریف کرڈالی۔ عدل کے معاملے میں انہوں نے یہی کیا۔ خواتین کا معاملہ دیکھا جائے ان کی حیثیت ایک لونڈی کی سی تھی۔ جائیداد میں انہیں کچھ حصہ نہ دیا جاتا اس کے برعکس اسلام نے عورتوں کو تمام حقوق دیئے اسی طرح انہوں نے طبقاتی تقسیم بھی کرڈالی۔ اللہ کے نزدیک تمام انسان برابر ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی تاریخ بتاتی ہے کہ انہوں نے عدل کے معاملے میں کوتاہی برتی اور جب جب عدل سے پیچھے ہٹے عذاب الٰہی ان کا مقدر بنا۔ یہود سے متعلق اللہ کا ارشاد ہے: ''اور وہ کیسے اپنے توراۃ ہوتے ہوئے جس میں احکام الٰہی ہیں پھر تم کو منصف بناتے ہیں اس کے بعد پھر جاتے ہیں، دراصل یہ ایمان و یقین والے نہیں۔''(۳۴)

عیسائیت اور عدل

عیسائیوں نے بھی عدل کے معاملے میں کوتاہی برتی حضرت عیسیٰؑ نے جو تعلیمات دیں وہ خالصتاً انصاف پر مبنی تھیں اسی لئے اللہ کا ارشاد ہے:

ترجمہ ''اور انجیل والوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انجیل میں نازل فرمایا اسی کے مطابق حکم کریں اور جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ فاسق ہے۔''(۳۵)

عدل نہ کرنے کی وجہ سے اہل کتاب کا اپنی کتاب کی اصل تعلیم سے منحرف ہونا ہے۔ یہی وہ یہود و نصاریٰ ہیں جنہوں نے عدل اجتماعی تو لگایا مگر آج تک عدل اجتماعی کہیں نظر نہیں آیا۔ عراق، افغانستان کا حال سب کے سامنے ہے۔ اقوام متحدہ جو امن کا راگ الاپتا ہے مگر حیرانی کی بات یہ ہے کہ اقوام متحدہ میں پانچ ممالک کو ویٹو کا حق دیا گیا ہے۔ جب توازن ہی ختم ہوگیا تو عدل اجتماعی کہاں نظر آئے گا۔

عدل اجتماعی اور دور حاضر:

آپ ﷺ نے جس عالمگیر عدل و انصاف کی ترغیب دلائی اور اس کو عملی طور پر رائج کیا اس کی رو سے سب انسان برابر تھے۔ آپ ﷺ اسلام کے بدترین دشمن کے ساتھ بھی انصاف سے کام لیتے تھے۔ آج ہمارا ملک جس ظلم و تعدی، ناانصافی، بددیانتی، لوٹ مار اور حقوق کی پامالی کا شکار ہے اس کے نتیجے میں فساد و انتشار اور بے چینی و اضطراب کا طوفان امڈ چلا آرہا ہے اس کی بنیادی وجہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے غفلت ہے۔ ساتھ ہی عدل و انصاف سے بے پرواہی ہے۔ اس کا حل ایک اور صرف ایک ہے۔ حقیقی موثر اور بے لاگ عدل کا فروغ، یہاں ہم ان چیزوں کو دیکھیں گے جن کو اگر ہم اپنی زندگی میں لے آئیں اور معاشرے میں قائم کریں تو عدل و انصاف پر مبنی ایک صحت مند معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔

اسلام کا مقصد ہی عدل ہے:

اسلام آیا ہی اسی لئے ہے کہ عدل کو قائم کریں۔(۳۶) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ ''ہم نے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب و میزان نازل کی تاکہ

Marfat.com

انسان انصاف پر قائم ہو۔'' (۳۷)

عدل اسلام سے الگ چیز نہیں بلکہ اسلام ہی خود عدل ہے۔

سربراہ ریاست اور عدل اجتماعی:

رسالت مآب ﷺ کے بعد فرائض رسالت کی ادائیگی کی ذمہ داری اُمت مسلمہ پر بحیثیت مجموعی عائد ہوگئی ہے۔ عدل اجتماعی کی ذمہ داری سربراہ ریاست پر ہوگی۔ ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ ''اے اہل ایمان پوری قوت کے ساتھ عدل وقسط کے قائم کرنے والے اور اللہ کے حق میں گواہی دینے والے بنو۔ گو یہ گواہی تمہارے اپنے خلاف ہی جارہی ہو۔'' (۳۸)

اُمت مسلمہ پر ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے حکمران کے احکامات پر عمل کرے اگر حکمران عادل ہوں۔ ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ ''اے اہل ایمان اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔'' (۳۹)

ریاست کا سربراہ جب عادل ہوگا تو معاشرے میں عدل اجتماعی کو فروغ دے گا لیکن اگر یہی حکمراں عدل کو قائم نہیں کرے گا تو معاشرے میں افراتفری پھیل جائے گی۔ سب سے زیادہ سخت محاسبہ حکمراں سے ہی ہوگا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''قیامت کے روز عادل قاضی کو بلایا جائے گا اور اس کا اس قدر سخت محاسبہ ہوگا کہ وہ تمنا کرے گا کاش کبھی دو آدمیوں کے درمیان کھجور کا بھی فیصلہ نہ کیا ہوتا۔'' (۴۰) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ ''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو عدل کے ساتھ کرو۔'' (۴۱)

جمہوریت اور عدل اجتماعی:

جمہوریت کا اصول یہ ہے کہ سب برابر ہیں۔ ریاست کا سربراہ عوام کا منتخب نمائندہ ہوگا۔ قرآن نے بھی جمہوریت کے فروغ کیلئے اقدامات کئے۔ ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ اور ان کا کام باہمی مشورے سے ہوتا ہے۔'' (۴۲) حکومت کی بھاگ دوڑ کسی ایک طبقے یا خاندان تک محدود نہ رہے بلکہ عوام جس کو منتخب کرے اسی کو ریاست کا سربراہ تسلیم کرلیا جائے۔ اسی سے معاشرے میں مساوات قائم ہوگی اور عدل اجتماعی کو فروغ ہوگا، امیر و غریب میں تخصیص ختم ہوجائے گی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

ترجمہ ''سنو اور مانو اگرچہ تمہارے اوپر کسی حبشی غلام کو حکمراں بنادیا جائے جس کا سر منقا جیسا ہو۔'' (۴۳)

مالی معاملات اور عدل اجتماعی:

دولت اگر ایک ہاتھ میں رہے گی تو معاشرے میں غربت ہوگی اور غربت ہوگی تو معاشرے میں جرائم ہوں گے کیونکہ انسان پیٹ کیلئے ہی لڑتا ہے۔ اگر اسے اس کی محنت کا صلہ نہ ملے تو ریاست میں جرائم کی شرح بڑھ جائے گی۔ اسی لئے قرآن میں ایک مقام پر آیا ہے کہ دولت امیروں کے ہاتھوں میں نہ رہ جائے۔ ارشاد ہوتا ہے: ''بستیوں والوں کا جو مال اللہ تعالیٰ نے تمہارے لڑے بھڑے بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگائے وہ اللہ کا اور رسول کا قربت والوں، یتیموں، مسکینوں کا اور مسافروں کا ہے تاکہ دولت، دولت مندوں کے ہاتھوں میں نہ رہ جائے۔ (۴۴) تاریخ کی کتابوں میں حضرت عمر سے متعلق

Marfat.com

ایک واقعہ ملتا ہے۔ کتاب الخراج میں لکھا ہے مفتوحہ علاقوں کے بارے میں ایک رائے یہ تھی کہ ان کی تمام زمینیں باشندوں میں مال غنیمت کی حیثیت رکھتیں ہیں جنہیں اس قانون غنیمت کے مطابق سورہ انفال میں بیان ہوا ہے۔(۴۵) مجاہدوں میں تقسیم ہوجانا چاہیے اگر ایسا ہوتا ان کا صرف پانچواں حصہ بیت المال کی ملکیت قرار پاتا اور باقی چار حصے مجاہدوں میں تقسیم ہوجاتے۔ اس طرح تمام اراضی انفرادی جاگیریں بن جاتیں اور اس کے نتیجے میں تاریخ انسانی کا بدترین جاگیردارانہ نظام قائم ہوجاتا بلکہ ان کے تمام باشندے مسلمانوں کے شخصی غلام بن جاتے اس صورت کو قبول کرنے سے حضرت عمر نے صاف انکار کردیا۔ چنانچہ ان کے فہم قرآن نے فیصلہ کیا کہ اموال غنیمت کا اطلاق صرف ان اموال منقولہ پر کیا جائے جو عین موقع جنگ پر حاصل ہو۔ جیسے ہتھیار، سامان رسد اور گھوڑے اور دوسرے مال مویشی اور دیگر اموال غیر منقولہ کو مال فئے قرار دیا جائے یعنی مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت قرار پائے۔ اس پر شدید نزع کا بازار گرم ہوگیا۔ حضرت عمر کی اس رائے سے حضرت بلال نے اختلاف کیا پانچ پانچ ارکان کا ایک کمیشن بیٹھایا گیا جنہوں نے باالاتفاق حضرت عمر کی رائے کی تصویب کی۔(۴۶) اس طرح یہ دولت اجتماعی ملکیت قرار پائی آج کے اس جدید دور میں بھی ایسا ہی ہونا چاہیے تاکہ دولت کی تقسیم صرف اغنیاء تک محدود نہ رہے۔

معاشرت اور عدل اجتماعی:

انسان کے خالق نے اسے ایک معاشرت پسند حیوان کی فطرت عطا فرمائی اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی تخلیق اس طرح نہیں ہوئی کہ خالق اسے آسمان پر کہیں بنا کر بالکل عالم شباب براہ راست زمین پر نازل کرتا۔ اور پھر مراحل سے گزارے بغیر کسی عالم ماہتاب میں اسے واپس لے جاتا۔ اس کے برخلاف اس کا معاملہ یہ ہے کہ وہ تہہ بر تہہ ظلمتوں میں سے ایک ناتواں بچے کی حیثیت سے وجود پذیر ہوتا ہے۔(۴۷) جس طرح سب انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں اسی طرح سب کی ماں بھی اصلاً ایک ہی ہے۔ عورت اور مرد کے مقابلے میں کوئی حقیر فروتر مخلوق نہیں بلکہ اس شرف میں سب برابر کے شریک ہیں۔ یہ اساسات ہیں جن پر معاشرے کی بنیاد قائم کرنے کیلئے انبیاء کے دین میں زوجین کی مستقل رفاقت کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے: ''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہارے لئے جوڑے بنائے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اس نے تمہارے اندر محبت اور ہمدردی ودیعت فرمائی بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان کیلئے جو غور کرنے والے ہیں۔''(۴۸)

معاش اور عدل اجتماعی:

جو قانون اللہ نے اپنے آخری پیغمبر ﷺ کی وساطت سے انسان کو دیا اس کی بناء اس اصول پر قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا آزمائش کیلئے بنائی۔(۴۹) اس وجہ سے اس کا نظام اس نے اس طرح قائم کیا کہ یہاں سب لوگ ایک دوسرے کے محتاج اور محتاج الیہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔(۵۰) ہر شخص کا اپنا ذہن ہوتا ہے۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ہر شخص کو اس کی ذہانت کی بل بوتے پر اس کیلئے رزق مہیا کرے کوئی محقق ہوتا ہے، کوئی دانشور، کوئی حکیم، کوئی عالم، کوئی سائنسدان، کوئی لیڈر پیدا ہوتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر ایک کو صلاحیت کے بل بوتے پر آگے بڑھایا جائے۔ معیشت میں یہی عدل اجتماعی کی نشانی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ''کیا یہ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں ہم نے ہی ان کی زندگانی دنیا کی روزی ان میں

Marfat.com

سے تقسیم کی ہے اور ایک کو دوسرے سے بلند کیا ہے۔"(۵۱)

قاضی اور عدل اجتماعی:

لفظ قضاء قرآن کریم میں مختلف معنی میں مستعمل ہوا ہے مگر اس کے عام معنی حکم اور "فرمان" کے ہیں۔ قضاء اس قول کو کہتے ہیں جو اولی الامر کی جانب سے اس کا بجالانا لازمی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ "اور آپ کے رب نے حکم دیا کہ نہ عبادت کرو اس کے سوا کسی کی۔"(۵۲)

شرعی اصطلاح میں حکومت کے مقرر کردہ بااختیار ادارے کی طرف سے کتاب وسنت اور احکام شرعیہ کی روشنی میں لوگوں کے تنازعات کا تصفیہ کرنے کا نام قضاء ہے۔(۵۳) ایک قاضی کا بنیادی کام یہ ہے کہ وہ فیصلہ انصاف کے ساتھ کرے۔ ارشاد ہوتا ہے: "اگر تم فیصلہ کرو تو ان کے درمیان کامل عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔"(۵۴) اسلامی ریاست کی خصوصیت یہی ہونی چاہیے کہ ایسے لوگوں کو اہم سرکاری اور بالخصوص عدالتی مناصب پر فائز نہ کیا جائے جو عدل و انصاف کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں۔ جب عدل و انصاف ہی نہیں ہوگا تو عدل اجتماعی کیسے قائم ہوگا۔ قضاء کوئی آسان کام نہیں، قیامت کے دن قاضی سے سخت ترین محاسبہ ہوگا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "قیامت کے روز قاضی عادل کو بلایا جائے گا اور اس کا اس قدر سخت محاسبہ ہوگا کہ وہ تمنا کرے گا کاش کبھی دو آدمیوں کے درمیان ایک فیصلہ بھی نہ کیا ہوتا۔"(۵۵)

پاکستان میں عدل اجتماعی کی صورتحال:

پاکستان میں سستا اور فوری انصاف دلانے کے دعویٰ ماضی کی حکومتیں کرتی رہیں ہیں۔ لیکن اس ضمن میں کسی بھی جمہوری یا فوجی آمریت نے کوئی ٹھوس کام نہیں کیا۔ عدالت کا کام ہی انصاف دلانا ہے۔ مگر بدقسمتی سے آج پاکستان کو بنے ہوئے ساٹھ سال سے زائد عرصہ ہوگیا ہے مگر کہیں انصاف نظر نہیں آیا۔ پاکستان میں آزاد عدلیہ کی بحالی کے باوجود پاکستان کی عدالتوں میں زیر التواء مقدموں کی تعداد تیرہ لاکھ سے تجاوز کرگئی ہے۔(۵۶) زیر سماعت مقدمات پر فیصلوں کی شرح ایک فیصد سے بھی کم ہے۔ پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں، سپریم کورٹ چار ہائی کورٹس اور فیڈرل شریعت کورٹ میں زیر التواء مقدموں کی تعداد ایک لاکھ پچاسی ہزار سے زیادہ ہے۔ ان میں سے بعض مقدمات ایک عشرے سے بھی زیادہ عرصے سے زیر التوا ہیں۔(۵۷) قیدی فیصلے کے منتظر ہیں۔ جب تک انصاف نہیں ملے گا اس وقت تک ملک سے بدامنی ختم نہیں ہوسکتی۔ عدالت کا مقصد ہی حق دار کو اس کا حق دلانا ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان میں آزاد عدلیہ ہونے کے باوجود عدل اجتماعی کا قیام عمل میں نہیں آرہا۔ وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ انصاف کی فراہمی بروقت نہیں ہورہی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (۵۸)

اور ایسا نہیں ہورہا۔ ضرورت عدل اجتماعی کو فوری قائم کرنا اور زیر التواء مقدمات کا فیصلہ فوری سنایا جائے۔

اقوام متحدہ اور عدل اجتماعی

اقوام متحدہ امن و سلامتی کا مرکز ہے مگر تاریخ بتاتی ہے کہ اقوام متحدہ نے کبھی بھی عدل و انصاف کے معاملے میں انصاف نہیں کیا اسرائیل ایک عرصے سے فلسطین پر قابض ہے مگر آج تک فلسطینیوں کو انصاف نہیں مل سکا صرف فلسطین ہی نہیں

Marfat.com

بلکہ اور بھی کمزور ریاستوں کے ساتھ ناانصافیاں چلی آرہی ہیں اور امن کا ادارہ خاموش تماشائی بنا ہا ہے حد تو یہ ہے کہ ۵ ممالک کو ویٹو پاور دیدی گئی ہے جس سے توازن ختم ہوگیا ہے ایران، عراق، افغانستان وغیرہ کا بھی یہی حال رہا ہے امن کے ادارہ کو عدل اجتماعی کو فروغ دینا چاہیے نا کہ امتیاز برتا جائے۔ جب امتیاز نہیں ہوگا تو دنیا امن کا گہوارہ بن جائے گا۔

حرف آخر:

یہ آپ ﷺ کی تعلیم ہی تھی کہ مستشرقین بھی آپؐ کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے اسلام آیا ہی اسلئے ہے کہ معاشرے سے برائیاں ختم ہو جائیں اسلام میں ہی عدل ہے اور اسلام نے عدل کو فروغ دیا ہے اور یہ اس وقت موثر ہوگا جب سیرت طیبہ سے استفادہ کرتے ہوئے حقیقی شکل میں نافذ کیا جائے۔ جس کے دائرہ اثر سے معاشرہ کا کوئی طبقہ مستثنیٰ یا محفوظ نہ ہو۔ اور سب ایک ہی صف میں کھڑیں ہو جائیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

حواشی وحوالہ جات

(۱) المنجد، لویس معلوف، مترجم مولانا عبدالحفیظ بلیاوی، نظر ثانی، قاری عبدالستار، ص ۳۵۵ مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۰ء...... (۲) مفردات القرآن، جلد دوم، امام راغب اصفہانی، مترجم مولانا محمد عبدہ، ص ۱۵۵، اسلامی اکیڈمی اردو بازار لاہور، ۲۰۰۱ء...... (۳) اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت، ڈاکٹر اسرار احمد، انجمن خدام القرآن لاہور، اگست ۱۹۹۸ء...... (۴) الانعام ۱۵...... (۵) الحجرات ۹...... (۶) آل عمران ۱۸...... (۷) الحدید ۲۵...... (۸) شوریٰ ۱۵...... (۹) البقرة ۱۴۳...... (۱۰) النسآء ۱۳۵...... (۱۱) المائدۃ ۹...... (۱۲) المائدۃ ۹...... (۱۳) الاحزاب ۲۱...... (۱۴) الحدید ۲۵...... (۱۵) مسلمانوں کا نظم مملکت، ڈاکٹر حسن ابراھیم حسن، مترجم، مولوی علیم اللہ صدیقی، ص ۲۲، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۹۷ء...... (۱۶) ضیاء النبی ﷺ، پیر کرم شاہ الازھری، ص ۱۵۱، مکتبہ مجددیہ کراچی،...... (۱۷) ضیاء النبی ﷺ، پیر کرم شاہ الازھری، ص ۱۵۱، ایضاً...... (۱۸) رحمۃ للعالمین، قاضی سلیمان منصور پوری، ص ۱۳۷، دارالاشاعت کراچی، اگست ۱۹۹۹ء...... (۱۹) التوبۃ ۲۸...... (۲۰) عدالت نبوی ﷺ، شیخ احمد اسماعیل، ص ۳۲، گردیزی پبلشرز کراچی...... (۲۱) صحیح مسلم، کتاب الامارة، مسلم بن حجاج بن مسلم قشیری، مترجم وحید الزماں، دارالاشاعت کراچی...... (۲۲) صحیح مسلم، کتاب الامارة، مسلم بن حجاج بن مسلم قشیری، مترجم وحید الزماں، دارالاشاعت کراچی...... (۲۳) رحمۃ للعالمین، قاضی سلیمان منصور پوری، ص ۲۲۲، دارالاشاعت کراچی...... (۲۴) رحمۃ للعالمین، قاضی سلیمان منصور پوری، ص ۲۲۲، ایضاً...... (۲۵) مشکوٰۃ المصابیح، شیخ ولید الدین الخطیب تبریزی مترجم، مولانا محمد صادق خلیل حدیث نمبر ۳۵۵، مکتبہ محمدیہ، چیچہ وطنی...... (۲۶) تاریخ اسلام، ڈاکٹر حمید الدین، ص ۹۶، دارالاشاعت کراچی، جولائی ۱۹۹۵ء...... (۲۷) تاریخ اسلام، ڈاکٹر حمید الدین، ص ۱۲۱، دارالاشاعت کراچی، جولائی ۱۹۹۵ء...... (۲۸) تاریخ اسلام، شاہ معین الندوی، جلد اول، ص ۱۸۶، غضنفر اکیڈمی کراچی...... (۲۹) تاریخ اسلام، شاہ معین الندوی، جلد اول، ص ۱۸۶، ایضاً...... (۳۰) تاریخ اسلام،

Marfat.com

ڈاکٹر حمید الدین، دارالشاعت کراچی ۱۹۹۹ء...... (۳۱) تاریخ اسلام، شاہ معین الندوی، غضنفر اکیڈمی کراچی...... (۳۲) آل عمران ۱۹...... (۳۳) المائدۃ ۱۳...... (۳۴) المائدۃ ۴۳...... (۳۵) المائدۃ ۴۷...... (۳۶) اسلامی ریاست، مولانا مودودی، ص ۱۰۷، ادارہ ترجمان القرآن لاہور...... (۳۷) الحدید ۲۵...... (۳۸) النسآء ۱۴۵...... (۳۹) النسآء ۷۹...... (۴۰) النسآء ۱۳۵...... (۴۱) النسآء ۵۸...... (۴۲) شوریٰ ۳۸...... (۴۳) بخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، مترجم وحید الزماں، حدیث ۱۴۲۷، دارالاشاعت کراچی...... (۴۴) الحشر ۷...... (۴۵) الانفال ۴۱...... (۴۶) کتاب الخراج، قاضی ابو یوسف، مترجم، ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، دارالاشاعت کراچی اگست ۲۰۰۷ء...... (۴۷) میزان، جاوید احمد غامدی، ص ۴۵۵، المورد اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور، فروری ۲۰۰۹ء...... (۴۸) الروم ۳۰...... (۴۹) میزان، جاوید احمد غامدی، ص ۵۱۰ المورد اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور، فروری ۲۰۰۹ء...... (۵۰) میزان، جاوید احمد غامدی، ص ۵۵۵، المورد اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور، فروری ۲۰۰۹ء...... (۵۱) الزخرف ۴۳...... (۵۲) بنی اسرائیل ۲۳...... (۵۳) تاریخ فقہ، ڈاکٹر فضل احمد، ص ۱۹۲، غضنفر اکیڈمی کراچی، سن اشاعت ۱۹۹۹ء ...... (۵۴) المائدۃ ۸۳...... (۵۵) مسند احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبل، مترجم، مولانا ظفر اقبال، جلد چہارم، حدیث ۱۰۶، مکتبہ رحمانیہ لاہور...... (۵۶) عدل و انصاف، شکیلہ صدیقی، روزنامہ جنگ کراچی، 5-7-11...... (۵۷) عدل و انصاف، شکیلہ صدیقی، ایضاً...... (۵۸) النسآء ۵۸۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ابو طاہر سلیمی۔ چنیوٹ

کردار اس غیرت عیسیٰ کا ہر درد کا درماں کل بھی رہا ہے

اخلاق اس خلقؐ کے پیکر کا، ہر زخم کا مرہم آج بھی ہے

ہماری زندہ جاوید تہذیب انسانیت پروری کا ایک نیا پہلو ہے۔اسلامی تہذیب کی یہ خصوصیت عقائد و نظریات کی تاریخ بھی نئی ہے اور قدیم تہذیبوں کی تاریخ میں بھی نئی ہے۔جو بعض اقوام یا ادیان کی پیدا کردہ ہے۔اسلام نے جب ہماری تہذیب کی بنیاد ڈالی اس نے سابقہ ادیان کی نسبت تنگ نظری کا رویہ اختیار نہ کیا اور نہ دوسرے مذاہب و افکار کے خلاف کسی قسم کا تعصب پیدا نہ کیا۔ بلکہ تہذیب اسلامی کا شعار یہ رہا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ﴾ (سورہ زمر ۱۷)

ترجمہ: سو میرے ان بندوں کو خوش خبری دے دیجئے جو توجہ سے بات سنتے ہیں پھر اس میں سے اچھی بات پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔

عدل عربی زبانی کا لفظ ہے۔علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ ان دونوں میں سے کسی میں بھی کمی بیشی نہ ہو اسے عدل کہتے ہیں (بحوالہ کتاب المعروف صفحہ 224 بحوالہ حسین بن محمد راغب اصفہانی) عدل یہ ہے کہ جو بھی کام کیا جائے بات کی جائے عمل کیا جائے۔اس میں میزان صداقت کسی جانب بھی جھکنے نہ پائے بلکہ صرف وہی بات کہی جائے، وہی کام کیا جائے جو انصاف کی کسوٹی پر ہر طرح سے پورا اترے۔جس کو نبی اکرمؐ نے عملی طور پر نافذ کر کے دکھایا۔اجتماعی عدل کے بغیر کوئی بھی ریاست استحکام حاصل کر نہیں سکتی۔ریاست کی ترقی کے لیئے نظام عدل کا قیام ابتدائی ضرورت ہے۔کیونکہ اس کا تعلق عوام سے ہے۔جب تک کسی ریاست میں بسنے والے تمام افراد کو بلا تفریق مذہب و ملت انصاف نہیں ملے گا ان کو ذہنی طور پر آسودہ اور حکومت سے مطمئن نہیں کیا جاسکتا۔کیونکہ مطمئن قوم ہی حکومت سے تعاون کرے گی اور عوام کا عدم اطمینان ریاست کو استحکام کا شکار کر دیتی ہے۔نبی اکرمؐ نے استحکام کی راہ میں رکاوٹ بننے والے اس عمل کی بیخ کنی کی اور فوری انصاف اجتماعی عدل قائم کرنے والا نظام قائم کیا۔آپؐ کے جانی دشمن بھی آپؐ کے عدل کے معترف تھے اور اپنے مقدمات و معاملات کے فیصلے آپؐ سے کرواتے۔آپؐ نے اجتماعی عدل کی ایسی مثالیں قائم کیں کہ تاریخ انسانی انگشتِ بدنداں ہے۔حجر اسود کی تنصیب آپؐ کی اجتماعی عدل کی ایک ایسی بہترین مثال ہے۔جس سے بڑی خون ریز جنگ ٹل گئی اور آپؐ کی عادلانہ حکمت عملی پر قائم قبائل عش عش کر اٹھے۔آپؐ نے عدل کو اس طرح نافذ کیا کہ تمام غیر منصفانہ فیصلوں کو اپنے قدموں تلے روند ڈالا۔آپؐ نے یہود کے دو قبائل بنو نضیر اور بنو قریضہ میں عزت و شرف کا غیر فطری اور غیر

Marfat.com

معقول معیار رائج تھا۔ بنوقریظہ کا کوئی شخص بنونضیر کے کسی فرد کو قتل کر دیتا تو بدلے میں قاتل کو بھی مار دیا جاتا۔ جبکہ بنونضیر کا کوئی فرد بنوقریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو بدلے میں قتل نہیں کیا جاتا بلکہ اس کا خون بہا سو وسق کھجور کی صورت میں ادا کر دیا جاتا تھا۔ گویا شرف و مرتبے کے لحاظ سے بنونضیر کو بنوقریظہ پر فوقیت حاصل تھی۔ اجتماعی عدل کے داعیؐ کے سامنے جب یہ معاملہ پیش کیا گیا تو آپؐ نے تورات کے قانون کے مطابق تمام قبائل میں برابر کا قصاص جاری فرما دیا۔ آیئے عدل اجتماعی کا ایک اور روشن ورق پلٹتے ہیں۔ حضرت سرقؓ ایک صحابی سے فرمایا اونٹ کی قیمت ادا کرو۔ انہوں نے رقم نہ ہونے کا عذر پیش کیا۔ آپؐ نے صحابی سے فرمایا اونٹ کی قیمت ادا کرو۔ انہوں نے رقم نہ ہونے کا عذر پیش کیا آپؐ نے بلاتفریق صحابی دیہاتی سے فرمایا کہ انہیں بازار لے جا کر فروخت کر دو اور اپنی قیمت وصول کر لو۔ وہ دیہاتی ان صحابی کو بازار لے گیا۔ وہاں ایک اور صحابی نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔ سنن دار قطنی جلد دوئم)۔

(کردار کا یہ حال صداقت ہی صداقت
اخلاق کا یہ رنگ کہ قرآن ہی قرآن)

حضرت اکثمؓ مکہ سے کچھ فاصلے پر رہتے تھے جو کہ اپنی قوم کے سردار تھے۔ جب اس کو نبی اکرمؐ کے اعلان نبوت کی خبر ملی تو اس نے اپنے قبیلے کے دو افراد نبی اکرمؐ کی خدمت میں معلومات حاصل کرنے کے لیئے بھیجے۔ جنہوں نے آپ کی خدمت میں دو سوال بھیجے: i۔ آپ کون ہیں ii۔ آپ کیا ہیں؟ نبی اکرمؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا میں محمدؐ بن عبد اللہ ہوں اور اللہ کا رسولؐ ہوں۔ مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے۔ آپؐ نے اپنی تعلیمات کے متعلق ایک آیت قرآنِ مجید تلاوت فرمائی۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ تم عدل و احسان کا معاملہ کرو اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک برتو، نیز برے کاموں اور منکرات و سرکشی سے بچتے رہو۔

(حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں یہ قرآن کی جامع ترین آیات میں سے ہے) قاصدوں نے یہ جواب سنا اور جا کر اکثمؓ کو بتا دیا۔ وہ سلیم فطرت آدمی تھا بات کو سمجھا اور قبیلے والوں سے کہا: اس قسم کا جواب ایک سچا آدمی ہی دے سکتا ہے، میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا ہے، تم بھی قبول کر لو۔ اور پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ حضرت عثمان بن مظعون کہتے ہیں۔ اس آیت کی وجہ سے میرے دل میں ایمان مضبوط ہوا۔ اس آیت کی اکملیت کی وجہ سے حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس کو خطبہ جمعہ میں شامل فرمایا۔ مختلف معنی کے لحاظ سے عدل کے مفہوم میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ عدل کا ایک

i۔ مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور رب کے درمیان عدل کرے

ii۔ اپنے نفس کے ساتھ عدل کرے یعنی ایسی تمام چیزوں سے بچے جن سے جسمانی اور روحانی ہلاکت کا پہلو نکلتا ہو

iii۔ یہ بھی عدل کے ضمرے میں آتا ہے کہ انسان مخلوق کے ساتھ ہمدردی کرے کسی کے ساتھ خیانت نہ کرے ہر کسی کی بلاتفریق خیر خواہی چاہے

iv۔ دو فریقوں کے درمیان درست فیصلہ کرے عدل میں عقیدے عمل اور اخلاق کا اعتدال سب شامل ہیں۔

دراصل عدل کا تصور دو حقیقتوں کا مرکب ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن دوسرا ہر ایک کو اس کا

Marfat.com

حق ملنا چاہیے گویا عدل کا دائرہ ان تمام حقائق کے پیش نظر بہت وسیع ہے۔ جو زندگی کے ہر پہلو میں عدل انفرادی زندگی سے اجتماعی زندگی تک گھر سے بازار تک عدلیہ کے درو دیوار سے حکومت کے ایوانوں، مسجد سے مدرسہ تک، مسلمانوں سے غیر مسلموں تک سب کے سب میں عدل اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ہم اسی اجتماعی عدل کی بات کر رہے ہیں۔

اجتماعی عدل قرآنِ مجید کی روشنی میں

i۔ ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ﴾ (سورۃ حجرات)

ترجمہ: تم میں سے اللہ کے نزدیک معزز وہ ہے جو متقی ہو۔

اسلام میں کسی خاص گروہ یا قبیلے کے لیئے شرافت یا بزرگی نہیں بلکہ تقویٰ اور پرہیز گاری شرافت کا معیار قرار دے کر اجتماعی عدل کی ایسی بنیاد فراہم کر دی جو کہ دوسرے مذہب میں نہیں۔

ii۔ خود اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (سورۃ النحل 90)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ آپ کو عدل واحسان کا حکم دیتا ہے۔

گویا آپؐ کی نبوت کی ایک خصوصی عدل واحسان بھی ہے۔

iii۔ آپؐ کے اجتماعی عدل کی قرآن نے ان الفاظ میں گواہی دی۔

﴿وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا. اِعْدِلُوْا. ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ (مائدہ 5/8)

ترجمہ: یعنی کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم ان سے ناانصافی کرو ہر صورت میں انصاف کرو یہ ہی تقویٰ کے قریب ہے۔

iv۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (سورۃ النساء)

ترجمہ: اللہ کا حکم تمہارے لیئے یہ ہے کہ جس کی امانت ہو اس کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو عدل کے ساتھ کرو۔

V۔ ﴿اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ﴾ (سورۃ الممتحنۃ 8/60)

غیر مذہب والوں س بھی نیکی کرو اور پورا پورا انصاف کرو۔

vi۔ ﴿یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ﴾ (سورۃ ص 26)

اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے اس لیے تم لوگوں کے درمیان حق کا فیصلہ کرو اور خواہش کے پیچھے نہ چلو ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے گی۔

viii۔ ﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (سورۃ مائدہ 45)

Marfat.com

اور جو لوگ ان احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ نے نازل کیلئے ہیں تو وہی ظالم لوگ ہیں (کیونکہ عدل اور مساوات کا اصول اس کے علاوہ کہیں نہیں)

x۔ ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ﴾ (سورة مائده)

لہٰذا ان کے درمیان اس حکم کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے اوران لوگوں کی خواہش کے مطابق نہ چلو

ix۔ کیا اس سے بڑی عدل اجتماعی کی کوئی مثال ہوسکتی ہے۔

iix۔ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (نساء 65)

اے محمدؐ تمہارے رب کی قسم یہ کبھی صاحب ایمان نہیں ہوسکتے جب تک اپنے باہمی اختلاف میں تم کو فیصلہ نہیں کرنے والے نہ مان لیں۔ اور جو تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں سراسر تسلیم کرلیں۔

اتر کو هم وما يدينون (ان کے اپنے مذہب پر عمل کرنے دو)۔

مندرجہ بالا آیات اجتماعی عدل کی ٹھوس بنیاد فراہم کرتی ہیں۔ جن میں پوری انسانیت کو مخاطب کیا گیا ہے۔ کسی ایک آیت میں بھی صرف مسلمانوں کو مخاطب نہیں کیا گیا دراصل اسلام انفرادیت نہیں اجتماعیت پر زور دیتا ہے۔

اجتماعی عدل تعلیمات نبویؐ (احادیث کی روشنی میں)

1۔ فتح مکہ کے موقعہ پر آپؐ نے فرمایا۔ يا معشر قريش ان الله قد اذهب عنكم نخوة جاهلية وتعظمها بالآباء، الناس من آدم وآدم من تراب (تاریخ ابن ہشام صفحہ 412 جلد2)

اے گروہ قریش اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا فخر خدا نے مٹا دیا ہے تمام انسان آدم کی نسل سے ہیں اور آدمی مٹی سے بنے ہیں۔

2۔ خطبہ حجۃ الوادع کے موقع پر آپؐ نے فرمایا۔

ليس لعربى على عجمى ولا لعجمى فضل كلكم ابناء آدم وآدم من تراب

عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں تم سب کو (تاریخ ابن ہشام) سب آدم کی بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

یہ دونوں فرامین اجتماعی عدل کی ایسی ٹھوس اور پائیدار حکمت عملی فراہم کرتے ہیں کہ یہ شرف انسانیت کا مظہر ہیں۔

3۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا حکمرانوں کا ایک دن کا انصاف اللہ کو ستر سال کی عبادت سے زیادہ پسند ہے۔

4۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا جب کہیں سایہ نہیں ہوگا عادل بادشاہ اللہ کے عرش کے سائے تلے ہوگا۔

5۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا اللہ کے نزدیک اور زیادہ محبوب عادل بادشاہ ہے۔

6۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا جس نے دو فریقوں میں ظلم کے ساتھ فیصلہ کیا تو ظالموں پر اللہ کی لعنت۔

7۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا جو شخص حکمران بنا اور رعایا کی اپنے گھر والوں کی طرح حفاظت نہ کی اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

Marfat.com

8- نبی اکرمؐ نے فرمایا عدل کرنے والے قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے۔

9- انصر اخاك ظالماً او مظلوماً (بخاری 6/98)

ترجمہ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہے یا مظلوم (ظالم کو ظلم سے روکنا بھی عدل ہے)

10- نبی اکرمؐ کسی کو حکمران بنا کر بھیجتے تو فرماتے

اتق دعوة المظلوم فانه ليس بينها وبين الله حجاب (کتاب مذکور ص 98)

مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ اس کے اور خدا کے مابین کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

11- حق الله علی عباده ان يعبدوه لايشركوا به شيئا و حق العباد على الله اذا فعلوه ان لايعذبهم (بخاری عن معاذ بن جبل کتاب الرقاق)

اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے اسی کی عبادت کریں اور کسی کو بھی اس کا شریک نہ بنائیں بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جب وہ اللہ کا حق ادا کریں تب وہ انہیں عذاب نہ دے۔

12- جو مذہب اللہ اور بندے کے معاملے میں مذکورہ بالا حد تک عدل کا قائل ہو۔

حقوق اللہ توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں لیکن حقوق العباد میں اللہ عدل سے کام لیتے ہیں نبی اکرمؐ نے فرمایا۔

يغفر كل ذنب للشهيد الا الدّين (شہید کے سب گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں مگر قرض نہیں)

13- اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب امام عادل اور سب سے مبغوض ظالم حکمران ہے۔

14- عادل حاکم کی دعا قبول ہوتی ہے وہ جنتی ہے۔

15- نبی اکرمؐ نے فرمایا ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن تاریکی بن جائے گا۔

16- حضرت مقدام بن معدیکربؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا افلحت يا قديم ان مت ولم تكن اميرا ولا كاتبا ولا عريفا۔

اے قدیم اگر تمہیں اس حالت میں موت آئے کہ نہ تم کبھی امیر ہے نہ کاتب (حکومت) نہ کسی قوم کے نمائندے تو تم کامیاب ہو گئے۔

یہ حدیث ان لوگوں کے لیے کافی ہے جو حکمرانی کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔

مندرجہ بالا احادیث انسانیت میں عدل اجتماعی قائم کرنے کے کیلئے ہیں اللہ رب للعالمین ہے اور نبی اکرمؐ رحمۃ للعالمین ہیں اس لیے اللہ اور رسول کے وضع کردہ قوانین کسی خاص قوم یا نسل کے لیے نہیں ہیں۔ بلکہ اجتماعی طور پر تمام عالمین میں بسنے والی تمام مخلوقات کیلئے ہیں اور عدل اجتماعی اسی کا نام ہے۔

17- نبی اکرمؐ صبح شام دعا فرمایا کرتے تھے۔ اللّٰهم انى اعوذ بك ان اضل او اضل او ازل او ازل او اظلم او اجهل اويجهل علىّ.

اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ صحیح راہ سے بھٹکوں یا بھٹکا دیا جاؤں پھسلوں یا پھسلا دیا جاؤں۔

Marfat.com

18۔ من قُتل دون مظلمته فهو شهيد (نسائی)

جو کوئی اپنے اوپر کیے جانے والے ظلم سے بچاؤ کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے۔

عدل مشاہیر اسلام کی نظر میں

نبی اکرمؐ کے تربیت یافتہ روشن ستارے جو نبوی تعلیمات کے ذریعے سوچتے ہیں، جن کا ہر عمل اسوۂ حسنہ کا بہترین نمونہ ہے۔

1۔ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں:

السلطان ظل الله فی الارض یاوی الیه کل مظلوم من عباد الله (ابن هشام)

صالح حکومت زمین میں اللہ کے حق کا سایہ ہے جسکے دامن میں بندگان خدا میں سے ہر مظلوم پناہ پاتا ہے۔

2۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک سپہ سالار کو ضروری ہدایات دیکر روانہ کرتے وقت عدل کی طرف ان الفاظ کے ساتھ توجہ دلائی۔

لیس بین الله وبین احد نسبة الابطاعة فالناس شریفهم وضعیفهم فی دین الله سواء (تاریخ طبری)

اللہ اور کسی شخص کے درمیان کوئی رشتہ نہیں مگر اسکی اطاعت کی وجہ سے خدا کے قانون میں شریف اور حقیر سب برابر ہیں۔

3۔ حضرت عمرؓ نے عتبہ کو خط میں فرمایا۔

دو مسلمانوں کو ظلم سے دور رکھنا اور ذمیوں کے معاملے میں خدا سے ڈرتا رہنا۔

4۔ امام غزالی فرماتے ہیں

سلطنت کفر کی حالت میں برقرار رہ سکتی ہے لیکن ظلم کی حالت میں تادیر قائم نہیں رہ سکتی۔ (کیمیائے سعادت)

5۔ حضرت امام ابو یوسفؒ نے اپنی کتاب خراج میں لکھا ہے۔

مسلمانوں کیلئے ایک محاذ جنگ پر رہنا مشکل ہو گیا تو انہوں نے جو جزیہ اور ٹیکس وصول کیا تھا یہ کہہ واپس کر دیا کہ ہم جا رہے ہیں تمہاری حفاظت نہیں کرتے اسلئے جزیہ واپس۔

6۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت اسامہ کے لشکر کو روانہ کرتے وقت ان سے فرمایا۔ دشمن کو دھوکہ نہ دینا بدعہدی نہ کرنا اور ہر معاملے میں عدل کرنا۔

7۔ حضرت عمرؓ کو کسی نے کہا کہ اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کو خلیفہ نامزد کر دیں تو آپ نے فرمایا کیا ایسے شخص کو خلیفہ نامزد کر دوں جو ٹھیک طریقہ سے اپنی بیوی کو طلاق بھی نہیں دے سکتا۔

8۔ سمرقند کے کاہنوں نے خلافت راشدہ کے نمونہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کی طرف ایک قاصد بھیجا کہ ان کے ملک پر ناجائز قبضہ کیا گیا کیونکہ نہ تو اعلان جنگ ہوا نہ ہی ہمیں اسلام کی دعوت دی گئی حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے یہ سنا تو ایک رقعہ حاکم شہر کو لکھا کہ دونوں فریق قاضی کی عدالت میں پیش ہوں کاہنوں کا سردار اور مسلمانوں کے امیر قتیبہ بن مسلم قاضی کی عدالت میں پیش ہوئے قاضی نے کاہنوں کے سردار کی طرف سے مسلمانوں کے امیر سے پوچھا کہ کیا ان کے اعتراضات درست ہیں تو سردار نے کہا لڑائی تو ہوتی دھوکہ ہے قاضی نے امیر سے پوچھا کیا اہل

Marfat.com

سمرقند کو اسلام کی دعوت دی گئی یا جزیہ دینے پر آمادہ کیا گیا اور انکار کی صورت میں لڑائی کی دعوت دی گئی امیر نے جواب دیا نہیں قاضی نے فیصلہ دیتے ہوئے کہا اللہ اور اسکے رسولؐ نے دھوکہ دہی سے منع فرمایا ہے لہٰذا مسلمان فوراً سے نکل جائیں اور امیر قتیبہ بن مسلم نے فوراً سمرقند خالی کر دیا یہ دیکھ کر اہل سمرقند نے اسلام قبول کر لیا۔

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زمان اپنے عمل کا حساب

ہے کوئی جو اس طرح مفتوحہ ملک کو خالی کر دے یہ پیغمبر اسلامؐ کی آفاقی تعلیمات اور اجتماعی عدل کی تعلیمات کا نمونہ ہے مشاہیر کے چند واقعات اور فرامین محض اس لیے پیش کیے گئے کہ جو لوگ آج کل نظام اسلام کو نا قابل عمل قرار دیتے ہیں ان کو پتہ چل سکے کہ محمدؐ کے شیدائیوں نے اسی کو نافذ کر کے چلا کر دکھایا۔

تا کس نباشد در دو جہاں محتاج کس
نکتہ شرح مبین این است وبس

اجتماعی عدل کے مزاج کو اس وقت تک درست طور پر نہیں سمجھا جا سکتا جب تک ہم (1) الوہیت (2) کائنات (3) حیات (4) انسان کے بارے میں اسلامی فکر کو اجمالی طور پر سمجھ نہ لیں۔ کیونکہ اجتماعی عدل کا نبویؐ نظریہ اسی اصول اور بنیادی فکر ایک جزہے جو اسلام کی تعلیمات کا مرکز ہے۔

الوہیت (وحدانیت)

نبی اکرمؐ کے پیش نظر پوری انسانی زندگی کو ایک نئے سانچے میں ڈھالنے کا کام تھا۔ اس لیے آپؐ کی اصلاحی کوششیں نہ تو کشمکش کا شکار رہیں اور نہ آپؐ نے ہر مسئلے کے لیئے الگ علاج تجویز فرمایا۔ اسلام کے پاس الوہیت کائنات حیات اور انسان کے بارے میں ایک جامع تصور اور نظریہ موجود ہے اس کے نظریات، قوانین درود، عبادات، معاملات کا ایک دوسرے سے گہرا ربط ہے اسی جامع فکر کی روشنی میں اسکی عملی پالیسی بنتی ہے۔ یہ طریقہ نبوی ﷺ کی تعلیمات کے منافی ہے کہ ہر نئی صورت حال کے لیئے ایک نئی اور آزاد پالیسی بنالی جائے جس کا دوسری سے کوئی تعلق نہ ہو۔ الوہیت سے مراد اللہ کے بنائے ہوئے قوانین پر کامل واکمل یقین نہ ہوگا تو اجتماعی عدل کا نظام قائم کرنا ممکن نہیں کیونکہ کائنات میں تمام فیصلے اللہ کی مرضی سے ہوتے ہیں اللہ کے بنائے ہوئے نظام عدل نمایاں ہے وقت پر موسموں کا آنا جانا، پابندی وقت کے ساتھ سورج چاند ستاروں کا طلوع وغروب ہونا، غرضیکہ اللہ کی کائنات اجتماعی عدل کا بہترین نمونہ ہے۔ کسی بھی معاملے میں اللہ اور اسکے رسول کو حکم مانے بغیر فیصلہ کرنا باطل قرار دیا گیا ہے۔

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

کائنات:

کائنات میں موجود ہر شے کی ایک حکمت ہے جو مقصد کائنات سے ہم آہنگ ہے حو کہ کائنات کے موجد کا ارادہ

Marfat.com

توحید اور پھر اس کی تنظیم وتدبیر کی دیکھ بھال کرتا ہے وہی ارادہ ہر شے میں اس امر کی رعایت بھی ملحوظ رکھتا ہے کہ وہ وجود کلی کے لیے نفع کلی کی حامل اور اس سے ہم آہنگ پالیسی اختیار کر کے کائنات کو خالق کائنات کی مرضی سے چلائے۔

حیات:

حیات کا وجود چونکہ ایک ہی مطلق اور کامل ارادہ سے براہ راست صادر ہونے کے باعث ایک ایسی وحدت ہے جس کے اجزاء باہم مربوط وہم آہنگ ہیں۔ اس لیے وہ زندگی حیات اور خاص طور پر حیات کے اعلیٰ ترین مظہر اخلاقی زندگی کیلئے سازگار اور موافق بلکہ مددگار اور معاون ماحول کا ہونا ضروری ہے۔

زندگی

کائنات نہ تو زندگی کی دشمن ہے نہ انسان کی بلکہ وہ اللہ کی مخلوق اور انسان کی زندگی گزارنے والوں کا یہ کام نہیں کہ وہ قدرت سے پنجہ آزمائی کریں۔ کیونکہ انہوں نے اسکی آغوش میں پرورش پائی ہے اور وہ اور قدرت دونوں اسی کائنات سے تعلق رکھتے ہیں اور ساری کائنات ایک ہی ادارے سے صادر رہتا ہے جو اس کے مونس وغم خوار ہیں۔

ان کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری

کائنات کی مختلف قوتوں اور اجزاء یا انسان کی مختلف صلاحیتوں کی وحدت کا راز اسی میں پوشیدہ ہے یہ ہی قوت ہے جو انسان اور زندگی کے واقعاتی پہلو خواب اور تخیل کو ایک اکائی بنائے رکھتی ہے اس عظیم وحدت سے اسلام کے فرائض وقوانین ہدایات وحدود کی راہیں ابھرتی ہیں کائنات حیات اور انسان کے بارے میں اسلامی طرز فکر کی یہ بنیاد اگر سمجھ میں آجائے تو تعلیمات نبویؐ میں اجتماعی عدل کے بنیادی خطوط خود بخود واضح ہو جاتے ہیں اجتماعی عدل کے نبوی تصور کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ محدود معنی میں کسی ایک شعبہ کا عدل نہیں بلکہ ایک ہم گیر جامع انسانی عدل ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرہ میں داخل ہیں وہ فکر اور عمل ضمیر اور وجدان سب پر چھایا ہوا ہے اس کا انحصار کسی ایک شعبہ پر نہیں وہ وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے صرف مادی قدروں تک محدود نہیں وہ مادی معنوی اور روحانی تمام تر مفہوم کے اعتبار سے ساری مادی قدروں تک محدود نہیں وہ مادی معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوش گوار امتزاج کا نام ہے

ہیں جذب باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں اجتماعی عدل کے بنیادیں

i۔ مطلق اور مکمل آزادی ضمیر　　ii۔ کامل انسانی مساوات　　iii۔ ٹھوس اور پائیدار اجتماعی کفالت

i۔ مطلق اور مکمل آزادی ضمیر

اجتماعی عدل کو کوئی تصور اس وقت تک پوری طرح شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا نہ اسے اس وقت تک بقا نصیب ہوسکتا ہے کہ اس کے پیچھے اس عدل کی اجتماعی ضرورت کا شدید احساس اور انفرادی استحقاق کا گہرا شعور نہ موجود ہو۔ تا کہ اعلیٰ انسانی

Marfat.com

مقاصد تک پہنچا ممکن ہو سکے گا۔ تعلیمات نبویؐ ایک ایسی اجتماعی عدل کے قیام کی ضمانت دے جس میں کوئی انسان اپنی حدود سے تجاوز نہ کرے۔ کوئی بھی انسان بلا مکمل آزادی کے کبھی کمزوری وکمتری کے احساس اور غلامانہ ذہنیت سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ نہ اجتماعی عدل میں سے اپنا حصہ وصول کر سکتا ہے اور نہ اس کے ملنے کے بعد اسکی مشقت کو سہہ کر اسکی ذمہ داریوں کو نباہ سکتا ہے تعلیمات نبویؐ میں اجتماعی عدل کی عمارت جن بنیادوں پر قائم ہے۔ یہ آزادی انہی بنیادوں میں سے ایک اہم بنیاد ہے بلکہ اوّلین بنیاد ہے جس پر دوسری بنیادیں قائم ہیں۔

وائے نادانی کی تو محتاج ساقی ہوگیا
مے بھی تو مینا بھی تو ساقی بھی تو محفل بھی تو

ii۔ کامل انسانی مساوات

معاشرہ اس وقت تک اجتماعی عدل کی بہاروں سے فیض یاب نہیں ہوسکتا جب تک کامل انسانی مساوات نہ ہو۔ کامل انسانی مساوات معاشرتی امن کا باعث اور عدل کے حقیقی معنوں میں نفاذ کا ذریعہ ہے۔ اسلام سے قبل خاندانی برتری کا دور دورہ تھا جو کہ تعلیمات نبویؐ نے ختم کر دیا او درس دیا موت وزندگی، حقوق وفرائض دنیا اور آخرت میں غرض ہر جگہ دہشت سے تمام انسانوں کو مساوی قرار دیا عزت وشرافت کا معیار صرف تقویٰ کو قرار دیا۔ تعلیمات نبویؐ میں زندگی کے ہر پہلو کو لیا گیا ہے اجتماعی شعبوں کو بھی اور ضمیر ووجدان کے گوشوں کو بھی دراصل کامل انسانی مساوات ہی اجتماعی عدل کا دوسرا نام ہے۔

انسان کو شائشہ وخوددار بنایا
تہذیب وتمدن تیرے شرمندہ احسان

iii۔ ٹھوس اور پائیدار اجتماعی کفالت:

مکمل آزادی ضمیر اور کامل انسانی مساوات عطا کرنے کے ساتھ تعلیمات نبویؐ ہر فرد میں دو شخصیتیں پیدا کر دیتا ہے بھلائی برائی میں ایک دوسرے میں تعاون کرنے کا فرض بھی ادا کرتی ہے جو ایک دوسرے پر نظر رکھتی ہے پس ایک آزادی اور ذمہ داری دونوں برابر ہیں۔ اور ایک دوسرے پر منحصر ہیں۔ خاندان میں کفالت باہمی کے بارے میں پس یہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ ہی اس ادارہ کی شیرازہ بندی کرنے والا اصول ہے تعلیمات نبویؐ اجتماعی کفالت کی اسکی تمام ممکن شکلوں کے ساتھ قائم کرتی ہیں اس کی کوشش ہے کہ ہر آن یہ اصول اسے کے سامنے رہے کہ فرد اور جماعت کے مقاصد ایک ہی ہوں زندگی کے سارے پہلو ایک دوسرے کے ہم آہنگ رہیں ارو ایک دوسرے کی تکمیل کریں لہٰذا وہ فرد اکو ایک حد تک آزادی دیتی ہے یہ تعلیماتؐ جماعت کو پورے حقوق دے کر ذمہ داریوں کا ٹھہراتی ہیں تا کہ زندگی سیدھی اور ہموار راہ پر آگے بڑھے اور بلند مقاصد تک جا پہنچے جس کے طلب گار جماعت اور فرد دونوں یکساں طور پر ہوں۔ مکمل آزادی ضمیر کامل انسانی مساوات اور ٹھوس وپائیدار اجتماعی تکامل انہی تینوں نبیادوں پر اجتماعی عدل کی عمارت ہوتی ہے اور انسانی عدل کا نظریہ عملی جامہ پہنتا ہے۔

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
یہ کہ ٹوٹا ہوا تارا کامل نہ بن جائے

Marfat.com

تعلیمات نبویؐ میں اجتماعی عدل کے قیام کے ذرائع:

تعلیمات نبویؐ کے پیش نظر چونکہ کامل اجتماعی عدل کا قیام تھا لہٰذا اس نے یہ گوارا نہ کیا کہ عدل کو کسی شعبہ تک محدود کردیا جائے اور یہ بھی مناسب نہیں سمجھا کہ قانونی ذمہ داری ہی اس عدل کے قیام کا واحد ذریعہ ہو۔ چنانچہ تعلیمات نبویؐ نے اس نظام عدل کو ایک وسیع اور ہمہ گیر انسانی عدل کی شکل دی اور اسے دو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔

1۔فرد کے داخل میں انسانی ضمیر 2۔سماج کی خارجی دنیا میں قانونی ضابطہ بندی۔

نبویؐ اجتماعی عدل نے دونوں کو باہم اچھی طرح مربوط کیا ایک طرف تو وہ آدمی کے وجدان میں راسخ اثرات اور جذبات کو ابھارتا ہے۔ دوسری طرف وہ انسان کی فطری کمزوری سے بھی غافل نہیں رہتا وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ انسان خارج میں ایک ایسی قوت کا شدت سے محتاج ہے جو اسے غلط روی سے باز رکھ سکے۔ تعلیمات نبویؐ اپنے طریق کار کے مطابق اس ضمن میں دو بنیادی اصولوں پر اعتماد کرتا ہے۔ **i۔ قانون سازی۔ ii۔ ترغیب وتلقین**

i۔ قانون سازی

ان ہی دو طریقوں سے کام لے کر زندگی کے ہر شعبہ میں اجتماعی عدل قائم کیا جاسکتا ہے مسلمانوں کے ابتدائی دور عروج میں اس طریقہ کار سے بھرپور فائدہ اٹھایا گیا ہے اور گذشتہ پندرہ سو سال میں اس نے اپنی برکات سے نوازا اس کے اندر اب بھی حال و مستقبل میں پھر سے وہی نبویؐ عہد کی فیض رسانی جاری کردے لیکن یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب اسے درست سمجھا جائے اور صحیح رخ پر چلایا جائے اور سب لوگ بھی سیدھی راہ پر چل پڑیں۔ تعلیمات نبویؐ میں عدل اجتماعی پر اس وقت بحث مکمل نہیں ہوتی جب تک بلا لحاظ رنگ ونسل ملک وملت عادلانہ قانون سازی بھی ضروری ہے تاکہ نبوی ﷺ تعلیمات کے زیر اثر اجتماعی عدل قائم ہوسکے۔

ریاست حکومت

نبویؐ تعلیمات انسانیت کے مختلف مسائل کے ایسے حل پیش کرتا ہے جو اپنی جگہ مستقل اور شان میں منفرد ہیں۔ یہاں ریاست اور رعایا دونوں سے تعلیمات نبویؐ اللہ کو حاضر وناظر جان کر اس کے پاس ولحاظ کا مطالبہ کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ عدل کے قیام کی آخری ضمانت صرف خوف خدا ہے تعلیمات نبوی انسانی ضمیر کی تطہیر وتزکیہ کے بعد تعزیرات اور مالیات سے متعلق بڑے بڑے امور کی کل ذمہ داری اسکے سپرد کرتا ہے۔ اب اگر خود اس ضمیر میں ہی خوف خدا موجود نہ ہو تو پھر عدل اجتماعی کی ضمانت دینے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ قانون کی زد سے بچے عوام حکام ججوں کی دھوکہ دینے کی گنجائش نکل ہی آیا کرتی ہے۔

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
کہ سرِ آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی

اقتصادی پالیساں:

اجتماعی عدل کا مفہوم دیگر شعبہ ہائے زندگی سے کہیں زیادہ اور وسیع اور بلند تر چیز ہے۔ نبویؐ تعلیمات کی روشنی میں اقتصادی پالیساں اجتماعی عدل میں اہم کردار ادا کرتی ہے اسلئے اقتصادیات کے ذکر کے بغیر اجتماعی عدل کا مفہوم واضح نہیں

Marfat.com

ہوتا ہے مال و دولت سے اس طرح فائدہ اٹھایا جانا بھی تعلیمات نبویؐ کا عنصر ہے کہ اجتماعی عدل قائم ہو۔

دراصل اجتماعی عدل کے ضمن میں اقتصادی پالیسی کا بیان ہمارا مقصد ہے تعلیمات نبویؐ نے جو مکمل نظام دیا ہے اس میں ایک شعبے کو دوسرے سے الگ کرنا بڑا دشوار ہے اس نظام کے اہم نکات یہ ہیں۔

1۔ تمام وسائل اللہ کی ملکیت ہیں جو کہ احکام شریعت کے مطابق استعمال کیے جائیں۔

2۔ افراد کو ان کے عمل کے مطابق انفرادی ملکیت کا حق ہے تا کہ فرد کو اپنی روزی کی طرف سے اطمینان ہو تا کہ وہ شریعت کے نفاذ اور حساب کی ذمہ داری ادا کرسکیں۔

3۔ انفرادی ملکیت میں حدود وقیود کا پابند بنایا گیا تا کہ فرد اور جماعت کو حد سے تجاوز نہ کرنے دیا۔

4۔ نبویؐ تعلیمات میں زندگی کا بنیادی طریقہ انفرادی ملکیت کے اصول کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے کفالت باہمی پر توجہ دینا ہے۔

بالا اقتصادی نظام کے ذریعے سے کہیں زیادہ او ر بہتر اجتماعی عدل قائم ہوتا ہے۔ جتنا انسان کی وضع کردہ کسی دوسرے نظام سے ممکن نہیں جس میں صحیح او ر غلط دونوں کی آمیزش ہوگی۔

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس تو مصطفویؐ ہے

مفتوحہ ممالک سے سلوک:

مفتوحہ ممالک کے ساتھ سلوک اسلامی عدل کا ایسا درخشاں باب ہے جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی کتب تاریخ اس ضمن میں ہماری روشن مثالوں سے بھری پڑی ہیں تعلیمات نبویؐ ہمہ گیر انسانی عدل اجتماعی کی وہ بلند تعلیمات ہیں جس تک یورپ کی تہذیب والے نہ پہنچ سکے کیوں کہ یورپی تہذیب جامد مادہ کی تہذیب ہے۔

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق ومغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

صلاحیتوں کا استعمال

اجتماعی عدل اس اسلامی زندگی کا ایک جز ہے یہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک یہ پوری زندگی میں عملی شکل اختیار نہ کرے۔ اسکی بقاء مضبوط بنیادوں پر قائم ہے۔ ضروری ہے کہ اس پر پوری طرح ایمان او رصلاحیتو ں پر کامل اعتماد ہو۔ ایسا نہ ہو یہ عدل معنوی نبیادوں سے محروم ہوجائے اور صرف قانون کے جبر اور ضابطہ پر پابندی کے بل پر قائم ہو۔ کیونکہ جبر کی عمر صرف ایک لمحہ ہوتی ہے۔

حسن تقاضا حسن ادا:

ایک یہودی زید بن سعد نے قبل از وقت آپؐ سے قرض کی ادائیگی کا سختی سے مطالبہ کیا حضرت عمرؓ نے اس کو سزا دینا چاہی تو آپؐ نے فرمایا عمرؓ تمہیں چاہیے تھا کہ اسے حسن تقاضا اور مجھے حسن ادا کی تلقین کرتے یہ ہی عدل کا تقاضا ہے۔

Marfat.com

حسن تجلیات کے حلقے میں آگئے
صد شکر کہ ہم نجات کے حلقے میں آگئے

حضورؐ کی سیرت طیبہ کا مطالبہ کرنے والے فرد کو ہر چیز واضح اور چمکتے ہوئے آفتاب کی طرح روشن نظر آئی ہے آپؐ کا شخصی کردار، رحمت شفقت، عبادت، شجاعت، عدالت، صداقت سخاوت، فراست، متانت، ایثار، احساس، ذمہ داری عاجزی اور تواضع صبر ثابت قدمی دانش مندی سب کی کیفیت اور عملی نمونے مل جاتے ہیں اسی طرح آپؐ کی گھریلو زندگی میں اچھے باپ، نانا، کے بہترین نمونے ملتے ہیں اجتماعی زندگی میں اچھے دوست، ساتھی، شفیق، سردار اور بیواؤں، یتیموں اور مساکین کے مددگار کا بہترین نمونہ ہمیں آپ کی ذات میں ملتا ہے اسی طرح ملی زندگی میں عدل وانصاف افواج کی کمانداری، انتظامات، حکومت، رعایا پروری سیاسی سوجھ بوجھ دوستوں کی دلداری، دشمنوں سے حسن سلوک کا ایسا مکمل اور بہترین نقشہ ہمیں سیرت طیبہ میں دکھائی دیتا ہے۔ اور کمال یہ ہے کہ انفرادی واجتماعی زندگی کے یہ سارے نمونے ایک ہی مقدس انسان میں مل جاتے ہیں۔

تیرے اوصاف کا اک بھی باب پورا نہ ہوا
زندگیاں ختم ہوئیں او رقلم ٹوٹ گیا

خوشی، غم، تونگری، افلاس، سرداری، حکومت، اقتدار، ناتوانی، صلح، جنگ، مساوات، عدل، جنگ امن، اخلاص، دوستی، دشمنی، وغیرہ ان باتوں سے جس کو بھی جب بھی واسطہ پڑے گا آپ کو ان حالتوں میں کیا یقین رکھنا چاہتے اور کیا عمل کرنا چاہتے کہ آپ کامیاب رہیں اور خالق بھی خوش ہو۔ اس کا جواب آپ کو رسول اللہ کی سیرت میں ہی مل سکتا ہے۔

ہم کو شعور زیست سکھایا حضورؐ نے
تفریق کے رنگ وفرق کو مٹایا حضورؐ نے
رب کریم نے کیا تخلیق آدمی
انسان آدمی کو بنایا حضورؐ نے
دے کر ہرایک قلب کو ایمان کی روشنی
سینوں میں آفتاب جگایا حضورؐ نے

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی - کراچی

الحمدُ للّٰہ ربّ العالمین والعاقبۃُ للمُتّقین والصّلوٰۃُ والسّلامُ علٰی سیّد المُرسلین وعلٰی آلہ واصحابہ اجمعین. و بعد:فقد قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ فی کلامہ المُبین ﴿کِتَابٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ﴾(۱)

و قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ:﴿ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَهْلِهَا لا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ط اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُكُمْ بِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِیْعًا م بَصِیْرًا﴾(۲)

وقالَ تعالیٰ:﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ م بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾(۳)

﴿وَقَالَ النّبی ﷺ:یا اباھُریرۃ جورُ ساعۃ فی حکم اشدّ واعظمُ عنداللّٰہ من معاصی ستّین سنۃ وعدلُ ساعۃ خیرٌمن عبادۃ ستین سنۃ قیام لیلھا و صیام نہارھا﴾(۴).

لوح بھی تُو، قلم بھی تُو، تیرا وُجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تُونے طلوعِ آفتاب
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پاگئے
عقل، غیاب و جستجو، عشق، حضورو اضطراب(۵)

عدل کا لغوی و اصطلاحی مفہوم:

☆......عدل کی تعریف:

ع۔ د۔ ل کے مادہ میں مساوات اور برابری کا مفہوم پایا جاتا ہے۔''العدل'' عین کے کسرہ سے جانور کی پیٹھ پر لدے ہوئے ایک طرف کے بوجھ کو کہتے ہیں، جو دوسری طرف کے بوجھ کے برابر ہوتا ہے۔ امرِ متوسط اور معتدل کو بھی عدل کہتے ہیں۔ موسمِ ربیع اور موسمِ خریف میں دن رات برابر ہوتے ہیں۔ اس لیے عربی میں ان کے لیے''الاعتدال الربیعی اور الاعتدال الخریفی'' کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ تو عدل کے اصلی معنیٰ ہیں مساوی اور برابر ہونا، اس لیے تنازعات میں انصاف و مساوات کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کو عدالت کہا جاتا ہے۔''عدل'' کے معنیٰ میں ذرا وسعت دی جائے تو تناسب و توازن

Marfat.com

کا قرار اس ضمن میں آئے گا۔ امام راغب اصفہانیؒ کا قول ہے:"العدل هو المساوات فی المكافات"۔ مکافات میں مساوات کا لحاظ رکھنا عدل ہے۔(٦) عدل اللہ تعالیٰ کی صفتِ عظیم ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام گنائے گئے ہیں، جو فی الحقیقت صفاتِ باری تعالیٰ ہیں۔ ان میں ایک نام یا صفت ''عدل'' بھی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ حق ہوتا ہے۔ وہ حق بات کہتا ہے اور وہی کرتا ہے جو حق ہے۔

ابن العربی عدل کے دائرۂ کار کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''عدل کا دائرہ بندہ و خدا، انسان اور اس کی ذات، انسان اور مخلوقِ خدا تک وسیع ہے، بندۂ خدا کے مابین عدل یہ ہے کہ انسان خدا کے حق اور اس کی رضا کو اپنے حق اور اپنی پسند سے مقدم تصور کرے، خدا کے ہر حکم پر عمل اور ہر نہی سے اجتناب کو اپنا مقصدِ زندگی سمجھے، انسان اور نفس کے مابین عدل یہ ہے کہ نفس کو مہلکات سے روکا جائے اور "ونهى النّفس عن الهوىٰ" کے خدائی حکم کے تحت اللہ کی اتباع کے ذریعے نفس کو قناعت پسند بنائے اور انسان اور مخلوقِ خدا کے مابین عدل یہ ہے کہ انسانیت کی خیرخواہی اختیار کرے، خیانت سے اجتناب کرے، دوسرے کے لیے اپنی طرف سے ہر اعتبار سے انصاف کی فراہمی کو لازم گردانے، بُرائی سے ہر حالت میں بچے، خواہ وہ قولاً ہو فعلاً، سراً ہو یا جہراً، مخلوق کی جانب سے پیش آنے والے مصائب کو برداشت کرے۔''(٧)

ابوالبرکات النسفی "مدارك التنزيل" میں لکھتے ہیں:''عدل'' باہمی حقوق میں انصاف، برابری، ظلم کے سدباب اور ہر حق دار کو اس کا حق پہنچانے کا نام ہے۔(٨)

علامہ زبیدی ''عدل'' کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"العدل ضدُّ الجور، هو ما قام فی النفوس انه مُستقيم، وقيل هو الأمر المتوسط بين الافراط والتفريط."(٩)

جب کہ شریف جرجانی لکھتے ہیں:"العدل" عبارة عن الأمر المتوسط بين طرفی الافراط والتفريط......وقيل: العدل مصدر بمعنى: العدالة وهو الاعتدال والاستقامة وهو الميل الیٰ الحق".(١٠)

''لسان العرب'' کے مؤلف ابن منظور الافریقی کے بقول ''عدل'' حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا نام ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "العدل ما قام فی النفوس انه مستقيم، وهو ضدالجور عدل الحاكم فی الحُكم...... وفی اسماء اللّٰه تعالىٰ، العدل، هوالّذى لا يميل بهِ الهوىٰ فيجور فی الحُكم...... والعدالة والعدولة والمعدلة والمعدلة، كلّه العدل."(١١)

علامہ آلوسی ''روح المعانی'' میں لکھتے ہیں:''عدل'' افراط و تفریط کی دونوں جانبوں کے درمیان توازن کی رعایت کا نام ہے۔"العدل: مراعاة التوسط بين طرفی الافراط والتفريط وهو رأس الفضائل كُلها يندرج تحته فضيلة القوة العقلية الملكية...... وقيل: العدل ان يّنصف و ينتصف."(١٢)

مشہور مفسر علامہ قرطبی ''عدل'' کے معنیٰ و مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں!"اختلف العلماء فی تاويل العدل والاحسان، فقال على بن ابى طالبؓ: العدل الانصاف...... وقال ابن عطية: العدل هو كل مفروض من عقائد و شرائع فی اداء الامانات، وترك الظلم والانصاف واعطاء الحق."(١٣)

Marfat.com

جب کہ قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول ''جامع العلوم'' میں ''عدل'' کے متعلق لکھتے ہیں:''العدل: ضدّ الظّلم و احقاق الحق واخراج الحق عن الباطل ای ممتازاً عنه والامر المتوسط بین الافراط والتفریط...... والعدالة فی اللّغة الاستواء وضدّ الجور وفی الشرع الاستقامة علیٰ الطریق الحق بالاجتناب عماهو محظور ممنوع فی دینه.(۱۴)

مختصر یہ کہ ''عدل'' کے معنی عربی لغت میں ''تسویة العدلین'' کے ہیں۔ یعنی کسی وزن اور قیمت کا دو برابر حصّوں میں اس طرح تقسیم کرنا کہ دونوں میں ذرا بھی کمی بیشی نہ ہو۔ دونوں حصّے بالکل برابر ہوں۔ قرآنی اصطلاح میں ''عدل'' کہتے ہیں کہ جو کام ہم کریں، اس میں سچائی کی میزان کا پلڑا کسی طرف ذرا بھی جھکنے نہ پائے، وہی بات کہی جائے اور وہی کام کیا جائے، جو سچائی کی ترازو پر پورا اور انصاف کی کسوٹی پر کھرا اترے۔ اسلامی نظام اور مسلم تہذیب و اخلاق کی اہم خصوصیت اور اس کا بڑا حصّہ ''عدل'' ہی ہے۔ اس کے بغیر اخلاق ایک بے معنیٰ شے ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (۱۵)

البتہ ہم نے اپنے رسول، کھلی ہوئی نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی، تاکہ لوگ اپنے (تمام معاملات میں) عدل قائم کریں۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ رسولوں کی بعثت اور کتاب اور میزان کے ساتھ نزول کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں عدل و انصاف قائم کیا جائے۔

''عدل'' کے معنیٰ و مفہوم کی جامعیت اور ہمہ گیریت:

''عدل'' ایک نہایت جامع لفظ ہے۔ اس سے مراد انسان اور انسان کے درمیان عدل ہے۔ کمزور اور طاقتور کے درمیان عدل ہے۔ غریب اور امیر کے درمیان عدل ہے۔ ریاست اور عوام کے درمیان عدل ہے۔ غرض حقوق اللہ، حقوق العباد، حقوق النفس کی ادائیگی و توازن کا نام عدل ہے۔ اگر تمام انسانوں کے باہمی تعلقات کی بنیاد قوّت کے بجائے عدل کو قرار دیا جائے تو ہماری پوری زندگی معاشی، معاشرتی، سیاسی اور بین الاقوامی تمام شعبہ ہائے زندگی کی عمارت اخلاقی بنیادوں پر مستحکم ہوسکتی ہے اور فضائے عالم سے جنگ و ظلم کے بادل چھٹ سکتے ہیں۔(۱۶)

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایک منصفانہ اور عادلانہ عالمگیر نظام اسی وقت قائم ہوسکتا ہے، جب دنیائے انسانیت اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء و رُسل علیہم السّلام کی ہدایت اور خدا کی آخری کتاب، انبیائے کرامؑ بالخصوص محسنِ انسانیت، ہادیِ عالم، سیّدِ عرب وعجم، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے عدل و انصاف کا سبق سیکھ کر اپنی پوری زندگی کو اللہ کی مقرر کی ہوئی میزانِ عدل میں تولنے اور پرکھنے کے لیے تیار ہوجائے۔ اسے ''عدلِ اجتماعی'' سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ یہ عالمگیر عدل ایک عالمگیر خدائی قانون اور میزانِ قسط کے ذریعے بروئے کار آتا اور قائم ہوتا ہے۔ وہ خدا جس کی نگاہ میں ساری مخلوق کا مفاد یکساں ہے، جس کے نزدیک بمصداق ''الخلق عیال اللّٰه'' تمام بنی نوعِ انسان گویا ایک خاندان اور ایک ماں باپ کی اولاد کی طرح آپس میں مساوی حیثیت رکھتے ہیں اور جس کی خاص صفت ہی عدل ہے، اس کا ہر فیصلہ عدل و سچائی پر مبنی ہوتا ہے۔ حقوق و فرائض پوری ایمانداری اور سچائی کے ساتھ ادا کرنا اور ان میں کسی قسم کی کمی نہ کرنا ''عدلِ اجتماعی'' ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہایت

Marfat.com

جامع قرآنی آیت میں عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ(۱۷) بلا شبہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف اور نیکی اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

عدلِ اجتماعی کی تعریف، معنی و مفہوم:

''عدلِ اجتماعی'' کی مختلف تعریفیں بیان کی گئی ہیں۔

☆...... ایک تعریف ''عدلِ اجتماعی'' کی یہ بیان کی گئی ہے کہ "التقدير الصحيح والاعتراف الكامل بحقوق وجدارة كل فرد واحترامها"۔(۱۸) ☆...... دوسری تعریف یہ بیان کی گئی:"الفضيلة والخصلة الاخلاقية اللّتان تحفران على القسطاس و احترام حقوق الغير"(۱۹)

عدلِ اجتماعی کی ایک تعریف ان الفاظ میں کی گئی:"نظام اقتصادی، يضبط انشاط الاقتصادی علىٰ وجه يتيح لكلّ افراد المجتمع، فرص متكافئة لتوظيف امكانياتهم ومقدّراتهم وعائد مكافی لمجهودا تهم، طبقاً لقواعد منظمة لعلاقات النّاس قبل هٰذا النشاط."(۲۰)

جب کہ ابونصر فارابی نے ''عدلِ اجتماعی'' کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے:"العدل اوّلاً يكون فی قسمة الخيرات المشتركة اللّتی لأهل المدينة علىٰ جميعهم...... فانّ لكلّ واحد من اهل المدينة قسطاً من هٰذه الخيرات مساوياً لاستنهاله، فنقصةً عن ذٰلك وزيادته جور."(۲۲)

مختصر الفاظ میں ''عدلِ اجتماعی'' درحقیقت جس چیز کا نام ہے، وہ یہ کہ افراد، خاندانوں، قبیلوں، برادریوں اور قوموں میں سے ہر ایک کو مناسب آزادی بھی حاصل ہو اور اس کے ساتھ ظلم و زیادتی کو روکنے کے لیے مختلف اجتماعی اداروں کو افراد پر اور ایک دوسرے پر اقتدار بھی حاصل ہو اور مختلف افراد اور گروہوں سے وہ خدمت بھی لی جاسکے، جو اجتماعی فلاح کے لیے درکار ہے۔(۲۳)

عدلِ اجتماعی کا اسلامی تصوّر:

"العدالة الاجتماعية فی الاسلام" کے مؤلف سیّد قطب شہید لکھتے ہیں:''اسلام میں ''عدلِ اجتماعی'' کے تصوّر سے ہم صحیح طور پر اسی وقت آگاہ ہوسکتے ہیں، جب الوہیت، کائنات، زندگی اور انسان کے متعلق اسلامی فکر اور نظریے کو اجمالی طور پر سمجھ لیں، کیوں کہ عدلِ اجتماعی کا اسلامی نظریہ اسی اصول اور بنیادی فکر کی ایک شاخ ہے، جو اسلام کی تمام تعلیمات کا مرجع و منبع ہے۔ اسلام کے پاس الوہیت، کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں ایک جامع تصوّر اور ایک مکمل نظریہ ہے، اس کی تمام فروع اور جزئیات اسی نظریے سے نکلی ہیں، اس کے نظریات و قوانین اس کی متعین کردہ حدود، عبادات اور معاملات کے باب میں اس کی ہدایات تمام اصل سے گہرا ربط رکھتی ہیں۔(۲۴)

اسلام عبادات، کاروبارِ زندگی، عقیدہ و عمل، روحانیت اور مادیت، معاشی قدروں اور معنوی قدروں، دنیا و آخرت، زمین و آسمان سب کے درمیان وحدت کا قائل ہے۔ اسی عظیم وحدت سے اسلام کے فرائض و قوانین، ہدایات و تعلیمات اور سیاسی و معاشی امور میں اس کا نقطۂ نظر واضح ہوتا ہے۔ اس کی روشنی میں وہ حقوق و فرائض متعین کرتا اور نفع و نقصان کی تقسیم عمل میں لاتا

Marfat.com

ہے۔ کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں اسلامی طرزِ فکر کی یہ اساس اگر ہماری سمجھ میں پوری طرح آجائے تو اسلام میں ''عدلِ اجتماعی'' کے بنیادی خطوط بخود واضح ہوجاتے ہیں۔(۲۵)

عدلِ اجتماعی کے اسلامی تصوّر کی بنیادی خصوصیت اور جامعیت:

''عدلِ اجتماعی'' کے اسلامی تصور کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ محدود معنیٰ میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں، بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے میں داخل ہیں۔ یہ فکر وعمل، ضمیر اور وجدان سب پر حاوی ہے، اس کا انحصار صرف معاشی قدروں پر نہیں، یہ وسیع تر تصوّر کے اعتبار سے ساری مادی قدروں تک محدود نہیں، یہ مادی، معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوش گوار امتزاج کا نام ہے۔(۲۶) ''عدلِ اجتماعی'' کے قیام میں اسلام انسانی فطرت کے بنیادی عناصر کا لحاظ رکھتا ہے، انسانی صلاحیتوں کو بھی پوری طرح پیشِ نظر رکھتا ہے۔(۲۷) اسلام کی نظر میں عدل، انسانی مساوات کا نام ہے، تمام اقدار حیات کی متوازن اور ہم آہنگ تحصیلِ عدل میں آتی ہے، ان اقدار میں خالص معاشی اقدار بھی شامل ہیں۔(۲۸)

اسلام میں عدلِ اجتماعی کا نظام اور اس کے بنیادی اصول:

اسلام کائنات، حیات اور انسان کی بابت ایک بنیادی نظریہ رکھتا ہے۔''عدلِ اجتماعی'' کا تصوّر اسی بنیادی فکر کا پرتو ہے، یہ نظریہ اسلامی عدل کو ایسا وسیع اور جامع انسانی عدل کے طور پر پیش کرتا ہے، جو صرف مادی امور یا معاشی مسائل تک محدود نہیں، اس کے نزدیک زندگی کی قدریں بہ یک وقت مادی بھی ہیں اور معنوی بھی، دونوں میں تفریق صحیح نہیں۔ انسانیت ایک جامع وحدت ہے، جس کے مختلف عناصر باہم مربوط وہم آہنگ اور ذمّے داریوں میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔(۲۹)

''عدلِ اجتماعی'' کا اسلامی نظام تین بنیادی اصولوں پر مبنی ہے:

(۱)......مطلق اور مکمل آزادیِ ضمیر۔

(۲)......کامل انسانی مساوات۔

(۳)......ٹھوس اور پائیدار اجتماعی تکافل۔(۳۰)

اسلام اس بات کو بنیادی اہمیت دیتا ہے کہ لوگوں کی عزّت وآبرو اور ان کے شرف وجاہ کے تحفّظ کی ضمانت دی جائے۔ اس میں خودداری اور عزّتِ نفس پرورش پائے اور وہ عدل وانصاف کے قیام کے نگراں ومحافظ بن کر رہیں، وہ چاہتا ہے اس طرح قانون کے علاوہ ان باتوں کے ذریعے بھی وہ ایک مکمل اور ایک مطلق عدلِ اجتماعی کے قیام کی ضمانت دے، جس میں کوئی اپنی حد سے تجاوز نہ کرے۔ ان اغراض ومقاصد کے پیشِ نظر اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ انسان اپنی جان، پیٹ بھرنے کے لیے غذا اور زندگی میں اپنی حیثیت ان تمام کے سلسلے میں ہر طرح کے خوف سے آزاد رہے۔(۳۱)

عدلِ اجتماعی اور اسلام کی اقتصادی پالیسی:

''عدلِ اجتماعی'' کے موضوع پر بحث کرتے وقت سب سے زیادہ اہمیت اقتصادی پالیسی کو دی جاتی ہے، تاہم اسلام میں ہم جس چیز کو''عدلِ اجتماعی'' سے تعبیر کرتے ہیں، وہ اقتصادی پالیسی سے کہیں زیادہ وسیع اور بلند تر شے ہے...... اسلام اقتصاد کے

Marfat.com

باب میں جو پالیسی اختیار کرتا ہے، وہ اس کی جامع فکر اور بنیادی نظریے کے عین مطابق ہے، اسلام اقتصادی پالیسی کے ضمن میں بھی پہلے اس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ اللہ واحد کی بندگی کا اصول قائم ہو جس کا طریقہ یہ ہے کہ دولت کا استعمال اللہ کے قانون کے تابع ہو جائے، یہ قانون فرد اور جماعت دونوں کے مصالح کی پوری رعایت رکھتے ہوئے اس سلسلے میں ایک موزوں و مناسب درمیانی راستہ اختیار کرتا ہے، جس میں نہ تو فرد کی حق تلفی ہوتی ہے، نہ جماعت کے مفاد کو کوئی نقصان پہنچتا ہے، وہ نہ تو فطرت کی راہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے، نہ زندگی کے حقیقی انمول ضوابط یا اس کے اعلیٰ مقاصد کی راہ میں روڑے اٹکاتا ہے۔ اس پالیسی کو کامیابی کے ساتھ انجام تک پہنچانے کے لیے اسلام دو بنیادی طریقے اختیار کرتا ہے۔ یعنی قانونی ضابطہ بندی اور ہدایت وتلقین۔ قانون کے ذریعے وہ ایسے عملی مقاصد حاصل کرتا ہے، جو اپنی جگہ ایک صالح و ترقی پذیر سماج کی تعمیر کے لیے کافی ہیں اور ہدایات وتلقین کے ذریعے وہ حاجات کی غلامی سے بلند ہونے، زندگی کے بلند تر تصور کی جانب متوجہ ہونے اور بحیثیت مجموعی زندگی کو ''آئیڈیل'' کی حد تک بلند کر دینے جیسے اعلیٰ مقاصد کی طرف اقدام کرتا ہے۔(۳۲)

اسلام میں ''عدلِ اجتماعی'' کی عمارت جن بنیادوں پر قائم ہے، آزادی ضمیر انہی بنیادوں میں سے ایک اہم بنیاد ہے، بلکہ یہی وہ اوّلین بنیاد ہے، جس پر دوسری بنیادیں قائم ہیں۔(۳۳)

مختصر یہ کہ مکمل آزادیِ ضمیر، کامل انسانی مساوات اور ٹھوس اور پائیدار اجتماعی تکافل انہی تین بنیادوں پر ''عدلِ اجتماعی'' کی عمارت قائم ہوتی اور انسانی عدل کا نظریہ عمل کا جامہ پہنتا ہے۔(۳۴)

دینِ اسلام۔ عدلِ اجتماعی کا حقیقی مظہر:

یہ ایک حقیقت ہے کہ دینِ اسلام ہی دراصل ''عدلِ اجتماعی'' کا حقیقی مظہر ہے، چناں چہ اسلام جس طرح ایک کامل ومکمل نظامِ زندگی اور ابدی ضابطۂ حیات ہے، اسی طرح یہ ایمانیات، عبادات، معاملات، اخلاقیات، اقتصادیات، معاشیات، معاشرت، آدابِ زندگی اور دستورِ حیات کے حوالے سے ''عدلِ اجتماعی'' کا مظہر ہے۔ دینِ اسلام چوں کہ دینِ فطرت ہے، لہٰذا اس کا پورا نظام اور اسلامی تعلیمات ہر لحاظ سے عدلِ اجتماعی کی مظہر ہیں۔ خود کائنات اور نظامِ کائنات جس طرح قدرت کا تخلیقی شاہکار ہیں، بالکل اسی طرح کائنات کا مربوط نظام اور نظامِ قدرت ''عدلِ اجتماعی'' کا عملی اظہار ہیں۔ اسلام وہ دینِ حق ہے، جو خالقِ کائنات اور ربِ کائنات نے انسان کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے، چناں چہ انسانوں کے درمیان عدل قائم کرنا اور یہ طے کرنا کہ ان کے لیے کیا چیز عدل ہے اور کیا عدل نہیں ہے۔ یہ انسانوں کے خالق و رب ہی کا کام ہے، دوسرا کوئی نہ اس کا مجاز ہے کہ عدل وظلم کا حصار تجویز کرے اور نہ دوسرے کسی میں یہ اہلیت پائی جاتی ہے کہ وہ حقیقی عدل قائم کر سکے۔ انسان اپنا مالک اور حاکم نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے معیارِ عدل خود تجویز کر لینے کا مجاز ہو، کائنات میں اس کی حیثیت اللہ کی مخلوق اور رعیت کی ہے، اس لیے معیارِ عدل تجویز کرنا اس کا اپنا نہیں، بلکہ اس کے مالکِ حقیقی اور فرماں روا کا کام ہے...... حقیقی عدل صرف اسی نظام میں ہو سکتا ہے، جو ایک عالم الغیب والشہادۃ اور سبوح و قدوس ہستی نے بنایا ہے۔(۳۵)

عدلِ اجتماعی: اسلامی معاشرے کا ایک اہم عنصر:

عدل کی اصطلاح بہت وسیع مفہوم کی حامل ہے۔ یہ دراصل قانونی مساوات کے ساتھ ساتھ سماجی اور معاشی مساوات کا تقاضا

Marfat.com

بھی کرتی ہے۔ اسے ''عدلِ اجتماعی'' کا نام دیا گیا ہے۔ جب تک معاشرے کے ہر شعبے میں عدل قائم نہیں ہوتا، اس وقت تک اسلام کا مدعا اور تقاضا پورا نہیں ہوتا۔ ''عدلِ اجتماعی'' کا تصور معاشرے میں اس وقت تک نہیں پنپ سکتا، جب تک انسانی شخصیت کو پھلنے پھولنے اور نشوونما پانے کے لیے مواقع فراہم نہ کیے جائیں اور انسانی شخصیت کی نشوونما کے لیے ضروری ہے کہ دنیا میں فرد کو حریت حاصل ہو۔(۳۶)

گویا کہ افراد پر خاندانوں کا، خاندانوں پر قبیلوں اور برادریوں کا اور تمام افراد اور چھوٹے اداروں پر ریاست کا اقتدار ہو، تاکہ کوئی اپنی حد سے تجاوز کر کے دوسروں پر ظلم و تعدی نہ کر سکے اور اس سے بھی زیادہ ضروری ہے کہ ہر قوم اور ریاست کی آزادی و خودمختاری برقرار رہے اور کوئی بالاتر قوّت وجود میں آئے، تاکہ یہ قومیں اور ریاستیں حد سے تجاوز نہ کر سکیں۔

عدلِ اجتماعی کے اس تصور کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اندازہ لگایئے کہ ظہورِ اسلام سے قبل انسانی معاشروں میں اوّل تو اس طرح کا کوئی نظام قائم ہی نہیں کیا گیا تھا، جو کہ حقیقی معنوں میں ''عدلِ اجتماعی'' کے اصولوں کے نفاذ کا ذمّہ دار بنتا اور اگر کہیں ریاست اور اداروں کی طاقت موجود تھی، تو طاقتوروں نے کمزوروں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر رکھ دیا تھا۔ غلامی کا یہ دستور اگرچہ کوئی نیا نہیں تھا، بلکہ یہ نوعِ انسانی کا ہم عمر ہے۔ تاریخی اعتبار سے اس کے آثار ہر زمانے اور ہر قوم میں دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی اصل بنیاد اس وقت پڑی جب انسانی معاشرہ وحشت کے مرحلے میں تھا۔(۳۷)

عدلِ اجتماعی: شریعتِ محمدیؐ کی اساس اور بنیاد:

تحکیم بالعدل: اسلام کے نزدیک اسلامی ریاست کا ایک بنیادی عنصر عدل ہے: ارشاد ربانی ہے: ﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾(۳۸) ''اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو تمہارا فیصلہ عدل کے ماتحت ہونا چاہیے۔'' ایک مقام پر فرمایا گیا: ''اور (اے محمدؐ) کہہ دو کہ اللہ نے جو کتاب بھی نازل کی، میں اُس پر ایمان لایا۔ اور مجھے (یہ) حکم (بھی) دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف (عدل) کروں۔'' ﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾(۳۹) ''اور جب کہو، انصاف کی کہو، خواہ معاملہ اپنے رشتے دار ہی کا کیوں نہ ہو۔''

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾(۴۰) ''اور کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ ہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔'' اسلامی حکومت میں عدلِ اجتماعی وہ بنیادی چیز ہے جس کے مقابلے میں کوئی رعایت نہیں کی جاسکتی۔ سیرتِ رسول ﷺ اور اسلامی تاریخ کا عصرِ اوّل (یعنی خلفائے راشدینؓ کا دورِ خلافت) اس بات کا گواہ ہے کہ عدل کے مقابلے میں مذہب کی بھی رعایت نہیں کی گئی۔(۴۱)

اسلام میں عدلِ اجتماعی کا مطلب یہ ہے کہ قانونِ الٰہی (یعنی قرآن و سنّت کے احکامات) سب کے لیے یکساں ہیں اور اسے مملکت کے ادنیٰ شخص سے لے کر اعلیٰ شخص (مع سربراہ) سب پر یکساں نافذ ہونا چاہیے۔ قانونِ الٰہی میں کسی بھی شخص کے لیے کسی امتیازی سلوک یا رعایت کی گنجائش نہیں، کسی کے حق کی ادائیگی میں کسی قسم کا تعصب یا عصبیت آڑے نہیں آنی چاہیے۔ انصاف کی نظر میں سب انسان برابر ہیں۔ باعتبارِ انسان سب کے حقوق یکساں ہیں۔ قانونِ الٰہی اور اس کی ہمہ گیری سے خواص تو کیا خود رسول اللہ ﷺ بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بیان فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو خود اپنی ذات سے

Marfat.com

بدلہ لیتے دیکھا ہے۔''(۴۲)غرض اسلام ایک ایسے ہمہ گیر عدل کی دعوت دیتا ہے، جو تمام انسانوں کے لیے یکساں ہے۔ وہ سیاستِ شرعیہ (یا دینی حکومت) کی بنیاد عدل پر رکھتا ہے اور اسے حکومت کی ایک بہت ہی اہم بنیاد اور عنصر قرار دیتا ہے۔

ڈاکٹر جمال الدین عطیہ ''شریعتِ اسلامی کا عمومی تصوّر'' میں لکھتے ہیں: اسلام کی اساس ہی عدل پر رکھی گئی ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے: ﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾(۴۳) ''اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔'' ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ﴾(۴۴) ''بے شک، اللہ انصاف کا حکم دیتا ہے''۔ ایک موقع پر فرمایا گیا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ج اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا قف فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ج وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾(۴۵) ''اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لیے سچّی گواہی دو۔ خواہ (اس میں) تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتے داروں کا نقصان ہی ہو۔ اگر کوئی امیر یا فقیر ہو تو خدا ان کا خیر خواہ ہے۔ تو تم خواہشِ نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا۔ اگر تم پیچدار شہادت دو گے یا (شہادت سے) بچنا چاہو گے تو (جان رکھو) خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔'' ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾(۴۶) ''اور لوگوں کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔''(۴۷) ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (۴۷) ''اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تم میں انصاف کروں۔''(۴۸)''اللہ تعالیٰ کا اپنے انبیاءؑ کو بھیجنے اور آسمانی کتابیں نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ انصاف قائم کریں۔'' وہ انصاف جس نے زمین و آسمان کو قائم رکھا ہوا ہے، جہاں بھی عدل کی علامات پائی جائیں اور عدل جس شکل میں بھی موجود ہو، وہاں اللہ کا دین اور اس کی شریعت لازماً ہوگی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سب سے بڑھ کر علم رکھنے والا، سب سے بہتر حکم دینے والا، سب سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے۔(۴۹)

ابنِ قیم فرماتے ہیں: اللہ عدل کے طریقوں کو خوب جانتا ہے۔ لہٰذا اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ عدل کے طریقے مقرر کرے، عدل کے نشانات کا تعین کرے اور ان کے جھنڈے اور علامات کا تعین کرے اور اسے یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے نشاناتِ راہ سے دوبارہ ظاہر اور واضح چیزوں کو دائرۂ عدل سے نکال لے اور ان کے موجود ہوتے ہوئے بھی شرعی فیصلہ ان کے مطابق نہ دے۔ یعنی کوئی اصول بظاہر عدل نظر آئے، مگر شریعت اسے عدل قرار نہ دے......'' بلکہ اللہ رب العزّت نے جو شریعت ہمیں دی ہے، اس کا مقصد ہی بندوں کے درمیان قیامِ عدل اور لوگوں کو انصاف پر قائم رکھنا ہے۔ عدل و انصاف جس طریقے پر بھی قائم ہوسکتا ہو، وہ طریقہ دین کے مخالف نہیں، بلکہ وہ دین ہی ہے، یہ کہنا درست نہیں ہے کہ عادلانہ سیاست شریعت کے خلاف ہے، بلکہ وہ نہ صرف شریعت کے مطابق ہے، بلکہ شریعت کا جزء ہے۔ درحقیقت عادلانہ سیاست بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا عادلانہ نظام ہی ہے، لیکن ہم اسے آج کی اصطلاح میں سیاست کا نام دے دیتے ہیں۔(۵۰)

عدل کی قیمت کا تعین امام ابنِ تیمیہؒ کے اس قول سے کیا جاسکتا ہے کہ اس دنیا میں لوگوں کے معاملات عدل و انصاف کے ساتھ ہی درست رہ سکتے ہیں، خواہ قیامِ عدل کے ساتھ اس میں دیگر گناہوں کا ارتکاب بھی ہو، لیکن اگر دیگر گناہ نہ بھی ہوں، لیکن حقوق تلفی اور ظلم کا دور دورہ ہو تو پھر معاملات کا پہلی صورت کے مقابلے میں درست رہنا زیادہ دشوار ہے...... اللہ تعالیٰ ایک

Marfat.com

عادل حکومت کو قائم رکھتا ہے، خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، لیکن ظالم حکومت کو مٹا دیتا ہے، خواہ وہ مسلمانوں کی حکومت ہی کیوں نہ ہو...... دنیا عدل اور کفر کے ساتھ قائم رہ سکتی ہے لیکن ظلم اور اسلام کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتی۔(۵۱)

شریعتِ اسلامی میں عدلِ اجتماعی کے مختلف مدارج:

عدل مختلف اور متعدد میدانوں میں ہوسکتا ہے:(۱) اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے عدل:اس حوالے سے ارشاد ربانی ہے: ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا﴾ (۵۲) ''اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو کھڑی کریں گے تو کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے گی۔'' اسے اخروی عدل کہتے ہیں، یہ اعلیٰ معیار کا عدل ہوگا۔(۲) حاکم کا رعایا کے ساتھ عدل۔(۳) جج کا فریقین کے درمیان عدل۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:(۴) افراد کا ایک دوسرے سے عدل۔ ﴿وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ﴾(۵۳) اور لکھنے والا تم میں انصاف سے لکھے۔ ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾(۵۴) اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ یکساں سلوک نہ کرسکو گے تو ایک عورت کافی ہے۔ ﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾(۵۵) اور جب تم کسی کی نسبت کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو، گو کہ یہ تمہارا رشتہ دار ہی ہو۔مختصر یہ کہ عدل شریعت کا اساسی رکن ہے، بلکہ وہ شریعت کا اسی طرح ستون ہے، جس طرح عقیدۂ توحید اس کے لیے ستون ہے۔(۵۶)

عدلِ اجتماعی کا قیام: اسلامی ریاست کا بنیادی فریضہ:

اسلامی ریاست کا مقصد ریاست کے تمام افراد کو احکامِ خداوندی کا پابند بنانا اور ان کی معاشی و معاشرتی بہبود کا خیال رکھنا ہے۔ اسلامی ریاست کے فرائض میں وہ تمام باتیں شامل ہیں جو جدید ریاست کے فرائض میں شامل ہیں، بلکہ اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست کی حیثیت سے ان سے بڑھ کر بھی کچھ فرائض رکھتی ہے، جنہیں مختصراً یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

☆......شریعتِ اسلامی کا نفاذ۔

☆......نظامِ شوریٰ کا قیام۔

☆......اجتماعی عدل کا قیام۔

☆......انسانی حقوق کا تحفظ۔

☆......مساوات۔

☆......غیر مسلموں سے رواداری۔

اسلامی ریاست کی یہ ذمّے داری ہے کہ ان فرائض سے عہدہ برآ ہو۔قرآن و سنّت میں ان فرائض کے متعلق واضح ارشادات ملتے ہیں۔(۵۷)

اسلام میں عدل کا تصوّر اور عدلِ اجتماعی کا فلسفہ:

اسلام نے دینِ فطرت ہوتے ہوئے انسانوں کو زندگی میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی۔ کیوں کہ اعتدال اور عدلِ اجتماعی خالقِ کائنات کے آئین قدرت کی شرط اول ہے، جس کے تحت عناصر کی ترتیب میں بھی ایک حسین اور پختہ توازن قائم کیا گیا ہے۔ اگر یہ توازن نہ رہے تو نظامِ کائنات ہی درہم برہم ہوکر رہ جائے۔ کیوں کہ یہی نظامِ عالم کی اساس

Marfat.com

ہے۔ قرآن نے اس حقیقت کو یہ کہہ کر آشکار فرمایا: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۗ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ﴾ (۵۸) اور آپؐ کے رب کی ہر بات واقعیت اور اعتدال کی بنیاد پر پایۂ تکمیل کو پہنچی، اس لیے کہ کائنات میں اس کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں۔ پھر اس توازن و اعتدال کی خاطر اللہ نے ہر شے کا ایک پختہ اندازہ فرما دیا کہ ہر چیز طبعی طور پر اور متوازن طریقے سے جاری و ساری رہے۔ چنانچہ اعلان ہوا کہ: ﴿اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾(۵۹) ہم نے ہر شے کو ایک اندازے کے ساتھ تخلیق فرمایا ہے۔ لیکن جہاں پر عناصر میں یہ اعتدال طبعی اور جبری ہے، وہاں پر اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے حضرتِ انسان کے لیے اسے اختیاری اور انتخابی شے بنا دیا، تاکہ اگر وہ چاہے تو اسے اختیار کر کے فلاح دارین حاصل کر لے اور اگر چاہے تو شرک کر کے دنیا و آخرت کی صعوبتوں کا شکار ہو جائے۔ اس اختیار اور انتخاب کی بنیاد پر انسان کو معاشرے میں نظامِ عدل قائم کرنے اور ہر زاویۂ زندگی میں عدل و انصاف کو اپنانے کی ہدایت فرمائی۔ انبیائے کرامؑ کی بعثت اور کتبِ ساوی کے نزول کا مقصد بھی یہی تھا کہ لوگ عدل و اعتدال کو اپنائیں اور زندگی میں جادۂ عدل سے ہٹنے کی کوشش نہ کریں۔ کیوں کہ انسانی زندگی میں امن اور سکون کا انحصار عدل پر ہے اور عدل ہی کے سہارے معاشرے کو توازن اور اعتدال کے ساتھ منظم کیا جاسکتا ہے(۶۰)۔ چنانچہ اسلام میں یہی بات نظامِ عدل کی اساس اور بنیاد ہے۔

قانون مکافات میں اعتدال اور عدلِ اجتماعی:

اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ایک فرد سے لے کر جماعت تک زندگی کے ہر شعبے میں عدل قائم کرنے کی تعلیم دی۔ کیونکہ ہر زاویۂ حیات میں اسلامی فکر کی اصل الاصول بات یہی ہے۔ اسلامی معیشت، معاشرت، سیاست اور قانون کے پس منظر میں بھی یہی مرکزی تصور کارگر ہے اور دینِ کامل کے سارے ضابطے اسی پر قائم ہیں۔ اس بناء پر حضور اکرم ﷺ نے جہاں پر معیشت میں اسراف اور بخل کی دو انتہائی راہوں کو چھوڑ کر انفاق فی سبیل اللہ کا معتدل راستہ دکھایا وہاں پر سیاست میں بھی مغربی جمہوریت اور آمریت کے دو انتہائی راستوں کے برخلاف اعتدال پر مبنی شورائیت کا سیاسی نظام تجویز فرمایا۔ اسی طرح جہاں پر رہبانیت اور قارونیت کی افراط و تفریط سے نجات دلائی، وہاں پر اعتدال اور توازن پر مبنی عدل اجتماعی کے اسلامی تصور کو پیش فرمایا۔ اسی بنیاد پر جہاں ایک طرف: ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا ۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾(۶۱) کی آیت کریمہ میں ایک جان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا۔ وہاں دوسری طرف ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ﴾(۶۲) کے اعلان کے ذریعے قتل کا قصاص واجب قرار دیا، تاکہ قانون مکافات میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور محمد عربی ﷺ کا نظامِ عدل پوری طرح قائم ہو جائے۔(۶۳)

بے لاگ عدل اور قانونی مساوات کا نظریہ، عدلِ اجتماعی کی روح:

مغربی فلسفۂ قانون کا ایک اصول یہ ہے کہ صدرِ ریاست حکومتی عدالتوں میں جوابدہ نہیں ہوتا، اسلامی نظام میں کسی فرد کو خواہ وہ ریاست کا سربراہ ہی کیوں نہ ہو، قانون سے بالاتر نہیں سمجھا جاتا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے خلاف ضمان (Tort) اور دیوانی دونوں قسم کے دعوے سن کر مدعیوں کے حق میں فیصلے دیے۔ اس قسم کے فیصلے قانون کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ انہی نظیروں کی وجہ سے عہدِ خلافتِ راشدہؓ میں خلیفۂ وقت کو بھی قاضی ایک معمولی فریق مقدمہ کی حیثیت سے طلب

Marfat.com

کرلیتا تھا اور اسے حاضر ہوکر جوابدہی کرنی پڑتی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے واضح فرما دیا کہ حدود کے معاملے میں بڑے اور چھوٹے، امیر اور غریب میں امتیاز نہیں ہوسکتا۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ ارشاد فرمایا: "ایُّھا النّاس! انّما اھلک الّذین قبلکُم انّھم کانُوا اذا سرق فیھِم الشّریف ترکُوہُ واذا سرق فیھِم الضّعیف اقامُوا علیہ الحدّ وایم اللہ لو انّ فاطمة بنتِ محمّدٌ سرقت لقطعتُ یدھا"(٦٤) "لوگو! تم سے پہلی اُمّتیں اس لیے ہلاک ہوئی ہیں کہ ان میں سے جب کوئی صاحبِ حیثیت آدمی چوری کرتا تھا، تو وہ اسے چھوڑ دیتے تھے اور کمزور آدمی چوری کرتا، تو اسے سزا دیتے تھے۔ خدا کی قسم، اگر فاطمہ بنتِ محمد بھی چوری کرتی، تو میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالتا۔"

نبی اکرم ﷺ نے "حجۃ الوداع" کے موقع پر اپنے تاریخ ساز اور مشہور خطبے میں جو تصریحات فرمائیں، یہ تاریخ میں منشورِ انسانیت کے مترادف ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص کے بنیادی حقوق، یعنی جان و مال و آبرو محفوظ اور قابلِ احترام ہیں۔ امانت کی واپسی اور قرض کی ادائیگی فرائض میں شامل ہے۔ ربٰو لینے یا دینے کی قطعی ممانعت کی گئی اور ارشاد ہوا کہ قرض خواہ کو صرف اصل رقم واپس ہوگی۔ قتلِ عمد کے لیے قصاص اور شبہ عمد کے لیے دیت ہوگی۔ زوجین کے لیے ایک دوسرے پر حقوق کی صراحت کی گئی۔ کسی کا مال غصب کرنے اور کسی مسلمان بھائی سے لڑائی کے خلاف سخت تہدید کی گئی، احترامِ فرد کا معیار رنگ و نسل کی اضافی قدروں کی بجائے تقویٰ قرار دیا گیا۔(٦٥) "خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔" قیامت کے دن ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ حساب دینا ہوگا کہ اس نے یہ ذمّے داری کس طور پر پوری کی تھی۔ ان کے علاوہ قانونِ شہادت، اراضی کے متعلق ارشادات اور جان و مال کے تحفظ وغیرہ کے بارے میں بھی قوانین موجود ہیں۔ جسٹس عبدالحمید کے ان الفاظ میں: "تمام مقننین کے نزدیک اس قانون کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں امن و عافیت اور نظم و نسق کی فضا طاری رہے۔ ہر شخص کو اس امر کی ضمانت دی جاسکے کہ وہ اپنے حق کے مطابق لطف اندوز ہوسکتا ہے اور دوسرے لوگوں کے حقوق اور مراعات سے متعلق خلاف ورزیوں کو روکا جاسکے۔ انہی مقاصد کی تحصیل کی خاطر رسول مقبول ﷺ تمام عمر کوشاں رہے اور آپؐ نے ضابطۂ قانون کے بنیادی اصول مرتب کردیے۔ اپنے ان احکام کی روشنی میں اصولوں کی مطابقت میں آئین تیار کرنے کا کام بعد میں آنے والوں کے لیے اٹھا رکھا، تاکہ وہ ان کے زمانے کے حالت کے لیے مناسب ہو اور ان کی احتیاج پوری ہوسکے۔

انصاف سب کے لیے: عدلِ اجتماعی کے نبویؐ تصوّر کی بنیاد:

اسلام انسانیت کو خیر کا پیغام دیتا ہے کہ عدل و انصاف کا نظام ساری انسانیت کے لیے ہے، نہ صرف عرب اور نہ ہی صرف مسلم اُمّت کے لیے خاص اور نہ صرف اسی تک محدود رکھا جاسکتا ہے، بلکہ دوست ہو یا دشمن، اپنا ہو یا پرایا، سب کے لیے عدل کی میزان ایک ہی ہے۔ اللہ رب العزت اپنے انبیاء کی بعثت کے مقاصد بیان فرماتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾(٦٦)

عدل کی اس طرح وضاحت فرمائی گئی کہ انبیائے کرامؑ کی دلائل اور نشانیوں کے ساتھ بعثت اور کتابوں نیز میزان کے نازل ہونے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ عدل قائم کریں، تاکہ معاشرہ پُرامن اور پُرسکون رہے اور عدل یہی ہے کہ ہر حقدار کو اس کا حق دیا جائے۔ پھر یہ بھی حکم ہوا: عرب دنیا کے نامور محقق، معروف مذہبی اسکالر ڈاکٹر محمد یوسف القرضاوی اپنی کتاب "کیف

Marfat.com

نتعامل مع القرآن" میں لکھتے ہیں: ان احکام میں عمومیت ہے، اوّل تو یہ کہ امانتیں ان کے مالکان کو واپس دی جائیں اور جب بھی تمہیں منصف بنایا جائے تو تم لوگوں کے معاملات کا عدل کے ساتھ فیصلہ کرو، کسی کے دباؤ میں آ کر یا رشوت کی لالچ میں انصاف کا دامن ہرگز نہ چھوڑو۔ عمومیت احکامِ الٰہی میں اس لیے کہا کہ رب العالمین نے (بین النّاس) فرمایا۔ صرف (بین المسلمین) نہیں فرمایا۔ لہٰذا یہ عدل صرف اپنی برادری یا مسلمان ہی کا حق نہیں بلکہ ایک کافر بھی تم سے فریاد کرے تو تم اس کی فریاد رسی عدل کے ساتھ کرو۔ یہی اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے، جس کی کہیں بھی نظیر نہیں مل سکتی۔ ایک یہودی کا معاملہ تھا، چند مسلمانوں اور منافقین نے مل کر ایک یہودی پر زرہ کی چوری کا الزام لگایا، حالانکہ یہودی اس سے بری تھا، مقدمہ بارگاہِ رسالت مآبؐ میں پیش کیا گیا۔ غالباً مسلمانوں کو یہ گمان تھا کہ حضور اکرم ﷺ ان کی بات یہودی کے مقابلے میں سچ تسلیم فرمائیں گے، لیکن اس سے قبل کہ حضور اکرم ﷺ اس یہودی کے خلاف کوئی فیصلہ فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً وحی کے ذریعے اپنے رسول اکرم ﷺ پر حق واضح فرما دیا، آپ کو بے انصافی سے بچا لیا۔ یہاں بھی یہ حقیقت ثابت ہوجاتی ہے کہ کتابِ الٰہی ساری انسانیت کے لیے کتابِ رحمت ہے۔

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا﴾ (۶۷)

اے نبیؐ! ہم نے یہ کتاب آپؐ پر حق کے ساتھ نازل فرمائی ہے، تاکہ جو راہِ راست اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھائی ہے، اسی کے مطابق آپؐ لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں اور آپؐ بد دیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑا کرنے والے نہ بنیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی ہے کہ وہ اپنے منکر اور باغی پر بھی ظلم گوارا نہیں فرماتا، بلکہ اس کے ساتھ بھی عدل کا حکم دیتے ہوئے بروقت اپنے نبی کو براہِ راست خبردار فرما دیتا ہے۔ اسی لیے اہلِ ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کبھی بھی جذبات میں آ کر اپنے عزیز کی خاطر کسی غیر کے خلاف طرف داری کرتے ہوئے بے انصافی نہ کریں۔ (۶۸)

ڈاکٹر یوسف القرضاوی مزید لکھتے ہیں: قرآن مجید بارہا ہدایت فرماتا ہے کہ عدل و انصاف کو اپنے عزیز حتیٰ کہ اپنے والدین کی محبت سے بھی بلند رکھو۔ یہی عدل کی میزان کا حق اور اس کا تقاضا ہے کہ عدل پر کسی عزیز کی محبت یا کسی غیر سے نفرت کے جذبات کو غالب نہ آنے دیا جائے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے، اس کی نگاہ سے چھپ کر ہم کدھر جائیں گے؟ "سورۃ المائدۃ" میں مزید وضاحت کی گئی، خواہ کسی سے تمہیں بغض و عناد ہی کیوں نہ ہو، اگر تمہارے ہاتھ میں عدل کی میزان ہے، تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم کسی ذاتی پرخاش کی بناء پر اس کے ساتھ بے انصافی کرو۔ بے شک، اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا، (ظالم کو یہاں پناہ ملے گی اور نہ آخرت میں فلاح نصیب ہوگی) اس عدل کو دورِ نبویؐ سے خلفائے راشدینؓ کے عہد تک قائم رکھا گیا۔ (۶۹)

عہدِ فاروقیؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ کے بیٹے نے ایک مصری قبطی کے منہ پر یہ کہتے ہوئے طمانچہ مارا کہ (لے، یہ گورنر کے بیٹے کا طمانچہ ہے) اس مظلوم نے عدلِ فاروقی پر یقین کے ساتھ فسطاط (مصر) سے حجاز کے سفر کی مشقتیں اٹھائیں، جب کہ اس دور میں سفر آسان نہ تھا، وہ قبطی جو پہلے رومی عیسائی تھا اور اس کے ملک میں انصاف تو کجا کوئی فریاد سننے والا نہ تھا۔

Marfat.com

اس غریب نے اپنے وطن میں ظلم کی انتہا دیکھی تھی کہ عوام پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے تھے، ان کو بلاوجہ سولی پر چڑھا دیا جاتا تھا اور مظلوم سرنہیں اٹھا سکتا تھا، قبطی کو یقین تھا کہ عدلِ فاروقی اسے پناہ دے گا، مدینہ آکر اس نے امیرالمومنینؓ سے گورنر زادے کی شکایت کردی۔ آپ نے سارا واقعہ سن کر حضرت عمرو بن العاصؓ اور ان کے بیٹے کو طلب کرلیا اور قبطی کو حکم دیا کہ ''اس گورنر زادے کے منہ پر اسی طرح طمانچہ مارو، جس طرح اس نے تمہارے گال پر مارا تھا'' یہی نہیں، بلکہ پھر حضرت عمرو بن العاصؓ کو مخاطب کرتے ہوئے وہ تاریخ ساز جملہ ارشاد فرمایا، جو جدید دور کے دستور اور عہد ناموں کا آغاز ہونا چاہیے۔ فاروق اعظمؓ نے فرمایا: ''متٰی استعبدتُم النّاس وقدولدتھُم اُمّھُم احراراً''۔ (عمرو بن العاص) تم نے اللہ کے بندوں کو کب سے اپنا غلام بنا لیا ہے؟ جب کہ ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد پیدا کیا ہے۔ اسلامی عدل کے حوالے سے دوسرا تاریخی واقعہ امیرالمومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے متعلق ہے، ایک موقع پر کسی نصرانی نے حضرت علیؓ کے خلاف قاضی شریح سے شکایت کی، قاضی صاحب نے حضرت علیؓ کو اپنی عدالت میں طلب کرلیا، حضرت علیؓ کے پاس اپنی برأت کا کوئی ثبوت نہ تھا۔ قاضی شریح نے حضرت علیؓ کے خلاف فیصلہ سنا دیا۔ نصرانی نے یہ دیکھا تو اسلامی عدل کی شان کے آگے سرِ تسلیم خم کردیا اور پکار اٹھا کہ ''ایسے فیصلے تو انبیائے کرام کیا کرتے تھے۔'' اور بھرے مجمع میں خود اعتراف کرتے ہوئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے، اسلام قبول کرلیا۔ ماضی کی تاریخ ان واقعات سے معمور ہے، لیکن موجودہ اسلامی دور میں شاذ و نادر ہی عدل کی ایسی مثالیں ملتی ہوں گی۔(۷۰)

بے لاگ عدل کا پیغمبرانہ فلسفہ اور عدلِ اجتماعی کے تقاضے:

بے لاگ عدل کی فراہمی، عدالتوں کو حق وصداقت کی راہ پر گامزن رکھنے اور عدلِ اجتماعی کے اسلامی تقاضوں کے تحت عہدِ رسالتؐ اور عہدِ صدیقیؓ کے اصولوں کو جس طرح تفصیل کے ساتھ حضرت عمرؓ نے ایک لائحہ عمل کی صورت میں مرتب کردیا تھا۔ اگر ان پر عمل نہیں کیا جائے گا، تو عدل و انصاف کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ جدید عدالتیں اگر اس لائحہ عمل پر عمل پیرا ہوں اور روحِ قرآنی کو قبول کریں تو آج بھی انسانی سماج کو عدل و انصاف حاصل ہوسکتا ہے۔(۷۱)

بعثتِ نبویؐ سے قبل عالمی تہذیبوں اور انسانی معاشروں میں ظلم و نا انصافی کا دور دورہ، عدلِ اجتماعی کا فقدان:

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ انسانیت کے محسنِ اعظم، سیّدِ عرب وعجم، فخرِ دو عالم، ہادیِ اعظم، حضرت محمد ﷺ نے انسانی تاریخ کے جس دور میں زمین پر پہلی سانس لی، اس وقت پوری انسانیت تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی، کہیں دورِ وحشت طاری تھا، کہیں شرک وبُت پرستی کی لعنت مسلّط تھی، کہیں جنگ و جدل کا سلسلہ چل رہا تھا، مصر، ہندوستان، بابل ونینوا اور چین و یونان میں جیسی کچھ تہذیب بھی تھی، وہ اپنی تمام شمعیں گل کر چکی تھی، کنفیوشس اور مانی کی تعلیم دم بخود تھی، ویدانیت اور بدھ مت کے تصورات سربہ گریباں تھے، جسٹینین کا ضابطہ اور سولن کا قانون بے بس تھا، رومی اور ایرانی تمدنوں کی ظاہری چمک دمک کے باوجود بادشاہ خدا بنے ہوئے تھے، جاگیردار طبقوں اور مذہبی عناصر کی ملی بھگت قائم تھی، رعایا سے بھاری ٹیکس، رشوتیں اور نذرانے وصول کیے جاتے تھے، ان سے جانوروں کی طرح بیگار لی جاتی، دو عالمی سلطنتوں کی باہمی جنگوں میں کبھی اِدھر کے لوگ

Marfat.com

پستے اور کبھی اُدھر کے، مظلوموں کی کوئی آواز اور کہیں داد رسی نہ تھی۔ وہ ظلم و نا انصافی کے خلاف احتجاج نہیں کر سکتے تھے، ان کے مسائل کا کوئی حل نہ تھا۔ ان کی روحیں چیختی تھیں، مگر دادرسی کے لیے اس کا جواب کسی طرف سے نہ ملتا تھا، خود سرزمینِ عرب میں تمدن کی صبح ابھی تک ظہور پزیر نہیں ہوئی تھی، ہر طرف انتشار تھا، جنگ و جدل اور لوٹ مار کا دور دورہ تھا۔ شراب، زنا اور جوئے سے تربیت پانے والی جاہلی ثقافت زوروں پر تھی۔(۷۲)

تاریخ کے اس تاریک ترین دور میں دنیا کی حالت کا نقشہ ڈینی سن (Denison) نے اپنی کتاب (Emotion as the Basis of Civilization) (جذبات بحثیت اساس تمدن) میں اس طرح سے کھینچا ہے۔ ''اس وقت ایسا دکھائی دیتا تھا کہ تہذیب کا وہ قصرِ مشید جس کی تعمیر پر چار ہزار سال صرف ہوئے تھے، منہدم ہونے کے قریب پہنچ چکا تھا اور نوعِ انسانی پھر اسی بربریت کی طرف لوٹ جانے والی تھی، جہاں ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کے خون کا پیاسا تھا اور آئین وضوابط کو کوئی جانتا تک نہ تھا، قدیم قبائلی آئین و مسالک اپنی قوت و احترام کو کھو چکے تھے۔(۷۳)

مولانا الطاف حسین حالی نے ''مسدّس مدّ و جزر اسلام'' میں اس کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے:

نہ وہ دور دورہ تھا عبرانیوں کا — نہ یہ بخت و اقبال نصرانیوں کا
پراگندہ دفتر تھا یونانیوں کا — پریشاں تھا شیرازہ ساسانیوں کا
جہاز اہلِ روما کا تھا ڈگمگاتا — چراغ اہلِ ایراں کا تھا ٹمٹماتا
ادھر ہند میں ہر طرف تھا اندھیرا — کہ تھا گیان گن کا لدا یاں سے ڈیرا
ادھر تھا عجم کو جہالت نے گھیرا — کہ دل سب نے کیش و کنش سے تھا پھیرا
نہ بھگوان کا دھیان تھا گیانوں میں — نہ یزداں پرستی تھی یزدانوں میں
ہوا ہر طرف موجزن تھی بلا کی — گلوں پر چُھری چل رہی تھی جفا کی
عقوبت کی حد تھی، نہ پرسش خطا کی — پڑی لٹ رہی تھی ودیعت خدا کی
زمیں پر تھا ابرِ ستم کا دڑیڑا — تباہی میں تھا نوعِ انسانی کا بیڑا
وہ قومیں جو ہیں آج غم خوارِ انساں — درندوں کی اور ان کی طبیعت تھی یکساں
جہاں عدل کے آج جاری ہیں فرماں — بہت دُور پہنچا تھا وان ظلم و طغیاں(۷۴)

یہ تھے ظلم و نا انصافی پر مبنی وہ حالات جن کی طبق و طبق تاریکیوں کے مقابلے میں پیغمبرِ رحمت، قائدِ انسانیت، محسنِ اعظم حضرت محمد ﷺ یکہ و تنہا بہت بڑی تبدیلی کا پیغام لے کر اٹھے، عدل و انصاف پر مبنی ایک مثالی اسلامی فلاحی معاشرہ قائم فرمایا اور ایک ایسا انقلاب برپا کیا، جس کی نظیر پوری انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

بعثتِ نبویؐ سے قبل عالمی تہذیبوں اور مختلف انسانی معاشروں میں ظلم و نا انصافی کا دور دورہ اور عدلِ اجتماعی کا یکسر فقدان تھا۔ عالمی تہذیبیں اور مختلف انسانی معاشرے ظلم و جبر، نا انصافی اور بدترین طبقاتی تقسیم کا شکار تھے، ظلم و نا انصافی، درندگی و سفاکی کے مناظر عام تھے۔ ذیل میں اس حوالے سے مختلف تہذیبوں کا مختصر تاریخی جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

Marfat.com

قدیم ایرانی تہذیب:

قدیم ایرانی تہذیب میں سوسائٹی چار حصوں میں منقسم تھی: (۱) آزرواں...... مذہبی طبقہ (۲) آرتشتیاران، فوجی طبقہ (۳) دبسراں......عمال طبقہ (۴) استر یوشاں دہشتاں......عوام پیشہ افراد، کاشتکار(۷۵)۔

قدیم ایران کا قانون اس طبقاتی تقسیم کو قائم کرنے کی غرض سے وضع کیا گیا تھا، عوام کو حکومتی معاملات میں مداخلت کی اجازت نہیں تھی، نچلی ذات کا کوئی فرد نہ سرکاری دفاتر میں ملازم ہوسکتا تھا، نہ اعلیٰ طبقے کی جائیداد خرید سکتا تھا۔(۷۶)اگر غلام دوسری مرتبہ کسی جرم کا ارتکاب کرتا تو اس کے آقا کو حاصل تھا کہ اس کی زندگی کا خاتمہ کردے یا اسے ہر وہ سزا دے جو تصور میں آسکتی ہے۔(۷۷)ایران بعہد ساسانیاں کا مصنف پروفیسر آرتھر کرسٹن رقم طراز ہے:

''قدیم ایرانی تہذیب میں مملکت کے قانون میں بعض سزائیں ایسی بھی رائج تھیں، جو بہت ظالمانہ اور قابلِ نفرت تھیں، مثلاً ایک شخص کے جرم میں اس کے تمام رشتے داروں کوقتل کردیا جاتا تھا۔(۷۸)قیدیوں کو تاریک کنوؤں میں قید کردیا جاتا، ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے جاتے...... عدل و انصاف کے دوہرے معیار کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات اپنے مخالفین اور باغیوں کی آنکھوں میں گرم سلائی پھروا کر یا کھولتا ہوا تیل ڈلوا کر اندھا کردیتے تھے، زندہ قیدیوں کی ساری یا آدھی کھال کھنچوا دینے کا ظالمانہ دستور رائج تھا۔(۷۹)

ہاتھیوں کے پاؤں تلے روند ڈالنے کی سزا ساسانیوں کے عہد میں عام طور پر رائج تھی۔(۸۰)

نامور مغربی مورخ ول ڈیوران "The Age of Faith" میں لکھتا ہے:بسا اوقات ملزموں سے کہا جاتا کہ وہ آگ میں گرم کیے ہوئے سرخ لوہے پر چلیں یا بھڑکتی ہوئی آگ میں سے چل کر گزریں یا زہریلی خوراک کھائیں، اگر اس آزمائش میں وہ زندہ بچ جائیں، تو انہیں بے گناہ قرار دے دیا جاتا اور اگر وہ اس آزمائش میں پورے نہ اترتے تو انہیں مجرم یقین کرلیا جاتا اور سزا دی جاتی۔(۸۱)

قدیم یونانی تہذیب:

یونان کے مشہور مفکر ارسطو نے اپنی مشہور کتاب ''السیاسۃ'' کے آٹھویں باب میں لکھا ہے:''قانون تمام اہلِ ملک کے لیے یکساں نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مساویانہ انطباق صرف ان افراد پر ہوگا، جو نسب اور قابلیت کے لحاظ سے مساوی ہیں، رہا حکمراں طبقہ تو ان لوگوں کے لیے قانون نہیں بنایا جاتا، بلکہ یہ لوگ بذاتِ خود قانون ہیں اور یہ کھلا مذاق ہے کہ امراء اور شاہی طبقے کو قانون اور دستور کی پابندی پر مجبور کیا جائے۔''(۸۲)

وادیٔ دجلہ وفرات کی معاشرتی زندگی (قدیم سمیری تہذیب)

سمیری معاشرہ مندرجہ ذیل طبقات پر مشتمل تھا:

☆......فرمانروا:۔ اس طبقے کے ہاتھ میں زمام حکومت تھی۔ اسے قانون بنانے اور حکومت کرنے کا اختیار تھا۔

☆......کاہن و پجاری:۔ وہ مذہبی طبقہ تھا جو عوام اور خواص کا مرجع اور علوم وفنون کا واحد اجارہ دار تھا۔ سیاسی اور مذہبی اختیارات کی علیحدگی نے گو انہیں مندروں، محلوں اور دو مخالف مرکزوں میں تقسیم کردیا تھا۔ پھر بھی فرمانرواؤں کو اپنے اقتدار کو قائم

Marfat.com

رکھنے کے لیے اس مذہبی طبقے کے سامنے جھکنا پڑتا تھا۔

☆...... امراء:۔ یہ بڑے بڑے زمینداروں، تاجروں اور ساہوکاروں پر مشتمل تھا۔ ملک کے تمام مادی وسائل پر قابض تھا۔ اس وجہ سے اس کا اثر ونفوذ پورے معاشرے پر گہرا تھا۔

☆...... اہلِ ہنر اور اہلِ پیشہ:۔ اس طبقے میں اطباء، قانون گو، صناع اور ملازمین شامل تھے۔ سمیری معاشرے کا یہ بھی ایک با اثر طبقہ تھا۔

☆...... زرعی مزدور، کاشت کار:۔ یہ طبقہ تہی دست ومفلس تھا۔ اس کی حالت غلاموں سے بہتر نہ تھی، یہ اپنی عرق ریزی کا معاوضہ اتنا کم پاتا تھا کہ اپنے اہل وعیال کو فاقے سے بچانا بھی اس کے لیے دشوار تھا۔

☆...... غلام:۔ معاشرے کا سب سے گرا ہوا اور پست طبقہ تھا۔ اس طبقے میں زیادہ تر اسیرانِ جنگ شامل تھے۔ مجرم اور مقروض بھی اکثر غلام بنائے جاتے تھے اور اس طبقے میں شامل کردیے جاتے تھے، جو تمام انسانی اور شہری حقوق سے محروم تھا۔ سمیری عدالت اور مذہب نے ان کو تمام حقوق سے محروم کررکھا تھا۔(۸۳)

قدیم بابلی تہذیب:

بابل میں دیگر قدیم اقوام کی طرح یہ نظریہ تھا کہ بیٹی باپ کی جائیداد کا ایک حصہ ہے، اسے بیٹی کو بیچنے کا حق ہے۔لڑکی باپ کی جائیداد پر جہیز کے علاوہ کوئی اور حق نہیں رکھتی تھی۔ وہ قانونی اور مذہبی طور پر ترکہ اور میراث سے محروم تھی۔ مرد کو اپنی بیوی فروخت کرنے کا بھی حق حاصل تھا۔ اگر غلطی سے وہ شوہر سے کہہ دیتی کہ ''تم میرے شوہر نہیں ہو'' تو اسے بڑا جرم سمجھا جاتا اور اسے اس جرم میں دریا میں ڈبو دیا جاتا۔(ظلم و نا انصافی اور لاقانونیت کا دور دورہ تھا) بابلی شہروں میں غلاموں اور عورتوں کی خرید وفروخت کے لیے بازار لگتے تھے۔ ان بازاروں میں باپ اپنی بیٹیوں کو فروخت کے لیے لے جاتے تھے اور زیادہ داموں پر انہیں فروخت کرنے کی کوشش کرتے، اس طرح خرید وفروخت مذہبی اور قانونی طور پر جائز تھی۔ عدلِ اجتماعی کا اس معاشرے اور تہذیب میں تصور بھی محال تھا۔

قدیم چینی تہذیب:

''چینی تہذیب'' قدیم ترین انسانی تہذیبوں میں شمار ہوتی ہے۔ قدیم چینی تہذیب میں اہلِ چین اپنے بادشاہ کو آسمان کا بیٹا تصور کرتے تھے۔(۸۴)

چنانچہ بادشاہ ہر قانون سے آزاد اور عدالت کے کٹہرے سے مستثنٰی تصور کیے جاتے تھے۔ بے لاگ عدل اور عدلِ اجتماعی کا فلسفہ یہاں بھی مفقود تھا۔ تمام ضابطے اور تمام قوانین عام افراد اور رعایا سے متعلق تھے۔ بسا اوقات اس نظریے کی آڑ لے کر ظالم بادشاہوں نے ان لوگوں کے سر قلم کردیے جنہوں نے ان کے مظالم اور نا انصافی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، کیوں کہ قدیم چینی تہذیب میں بادشاہوں کا یہ پختہ نظریہ تھا کہ وہ آسمان کی اولاد ہیں، یہ زمین پر آسمان دیوتا کے نمائندے ہیں، اس لیے کسی فرد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان کی بادشاہی اور مطلق العنان حکمرانی پر اعتراض کرے۔(۸۵) ارسطو جیسا نامور مفکر ''السیاسۃ'' میں امراء اور شاہی طبقے کو قانون اور دستور سے بالا اور ماوراء قرار دیتے ہوئے مزید لکھتا ہے:''یہ عدل کے خلاف ہے

Marfat.com

کہ (شاہی طبقے سے وابستہ) کسی سردار یا حاکم کو کسی عام آدمی یا رعایا کے کسی عام فرد کے بدلے قتل کیا جائے، یا اسے جلا وطن کیا جائے اور اسے عام لوگوں کی سطح پر اترنے پر مجبور کیا جائے۔'' (۸۶) قدیم یونان میں دستور اور قانون کے متعلق ان تصورات سے واضح طور پر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان کے نزدیک عدلِ اجتماعی کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ بلکہ قانون اور عدل و انصاف رعایا اور امراء و شاہی طبقے کے درمیان بازیچۂ اطفال بنا ہوا تھا۔

قدیم رومی تہذیب:

قدیم رومی سلطنت ''سلطنتِ روما'' کی آبادی دو طبقوں میں منقسم تھی۔ ایک شاہی امراء کا، دوسرا رعایا کا طبقہ تھا۔ امراء کا طبقہ خوش حال اور تمام اختیارات کا مالک تھا۔ اس طبقے کو معاشرتی، معاشی، اقتصادی اور قانونی اعتبار سے دوسرے طبقے یعنی عوام اور رعایا پر برتری اور بالادستی حاصل تھی۔ شہریت کے تمام حقوق و مراعات انہیں حاصل تھے، جب کہ رعایا مذکورہ مراعات اور حقوق سے یکسر محروم تھی۔ آبادی کا بڑا طبقہ عوام پر مشتمل تھا، یہ صرف جزوی حیثیت کے شہری تھے۔ (۸۷) جسٹینین نے رومی قانون کی تدوین کی تھی۔ وہ قانونی نقطۂ نگاہ سے سماج کو تین حصّوں میں تقسیم کرتا ہے۔

(۱)...... ہنسٹرس (Honestiores) یعنی ملک کا اعلیٰ ترین طبقہ جو امراء پر مشتمل تھا۔ بغاوت کے علاوہ اس طبقے کے کسی فرد کو کسی بھی جرم میں سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی۔

(۲)...... ہمولرس (Humiliores) اس طبقے کو غیر معمولی حالات میں موت کی سزا دی جاسکتی تھی، ورنہ عموماً قید کی سزا دی جاتی تھی۔

(۳)...... سروی (Servi) سب سے نچلا طبقہ تھا۔ جس کے افراد کو معمولی جرائم کی پاداش میں قتل کی سزا دی جاتی تھی۔ آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔ درندوں کے سامنے پھینک کر ہڈیاں چبوا دی جاتی تھیں۔ (Cambridge Medieval History, voll P 106-10T)

قدیم ہندوستانی تہذیب:

''منوشاستر'' ہندوؤں کی مذہبی اور قانونی دستاویز ہے، جسے درجۂ استناد حاصل ہے۔ اس میں تحریر ہے: ''قادرِ مطلق نے دنیا کی بہبود کے لیے برہمن (معاشرے کے سب سے برتر اور بالاتر طبقے کو) اپنے منہ سے، چھتری کو اپنے بازوؤں سے، ویش کو اپنی رانوں سے اور شودر (معاشرے کے سب سے کم تر طبقے کو) اپنے پیروں سے پیدا کیا ہے۔ (۸۸) چنانچہ طے پایا کہ اگر کوئی شودر منتروں کو زبانی یاد کرلے تو مار مار کر اس کے ٹکڑے کردیے جائیں، اگر وہ وید پڑھ لے تو اس کی زبان کاٹ ڈالی جائے، اگر وہ منتروں کو سن لے تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے۔

ہندو معاشرے میں عدل و انصاف، بے لاگ عدل اور عدلِ اجتماعی کا کوئی تصور موجود نہ تھا، طبقاتی نظام اور معاشرتی اونچ نیچ نے طبقہ واریت کے تصور کو فروغ دیا، وہاں عدلِ اجتماعی اور عدل و مساوات کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ چناں چہ عدالتی معاملات میں فیصلہ کرتے وقت یہ دیکھا جاتا کہ مجرم کون ہے۔ اگر وہ اعلیٰ ذات کا فرد ہوتا تو اس کے لیے اور سزا مقرر کی جاتی، اگر ادنیٰ طبقے کا فرد ہوتا تو اسے اور سزا دی جاتی، جو اعلیٰ طبقے کی سزا سے شدید تر ہوتی۔ اگر قاتل برہمن ہوتا اور مقتول کسی اور طبقے سے تو

Marfat.com

برہمن سے قصاص نہ لیا جاتا، بلکہ اس پر صرف کفارہ لازم تھا، اگر قاتل مقتول دونوں برہمن ہوتے تو قاتل برہمن سے کفارہ بھی نہ لیا جاتا، بلکہ اس کا معاملہ خدا کے سپرد کردیا جاتا، معاشرے کے اعلیٰ طبقات یعنی برہمن اور کھتری کو کوئی سزا نہیں دی جاتی تھی۔ یہ گویا قانون اور عدل کی میزان سے بالاتر اور ماورا تھے۔(۸۹)

ہندوؤں کی مذہبی کتب میں شودروں کے متعلق حسب ذیل تعقی دفعات ہیں: ☆...... اگر کسی برہمن کو کسی شودر کے ہاتھ سے کوئی تکلیف پہنچے تو اس کی سزا بجز قتل کے اور کوئی نہیں۔

☆...... کسی شودر کی زبان سے کسی برہمن کے لیے گالی نکل جائے، تو سزا کے طور پر اس کی زبان گدی سے باہر کھینچ لی جائے۔

☆...... کوئی شودر کسی برہمن یا اس کے خاندان سے حقارت آمیز لہجے میں کلام کرے تو اس کی سزا یہ ہے کہ ایک خنجر جس کا طول دس انگل ہو۔ سخت گرم کرنے کے بعد اس کے منہ میں رکھا جائے۔

☆...... شودر کی زبان سے کوئی کلمہ نصیحت نکل جائے تو اس کے منہ اور کان میں کھولتا ہوا تیل ڈالا جائے۔

☆...... برہمن اگر کسی شودر کی چوری کرے تو اس کی سزا صرف یہ ہے، شودر کو مال کا تاوان دلایا جائے۔ اگر شودر کسی برہمن کی چوری کرتا ہے تو شودر کو دہکتی ہوئی آگ میں جلا دیا جائے۔

☆...... شودر جس عضو سے برہمن کی ہتک کرے، وہی عضو اس کا کاٹ دیا جائے۔ اگر وہ برہمن کے برابر بیٹھ جائے تو کمر پر داغ لگا کر چوتڑ کٹوا کر ملک سے باہر نکال دیا جائے۔

قانونی تفاوت:

منو کے قانون میں جرائم کی سزائیں عدل و انصاف پر مبنی نہیں۔ طبقاتی تقسیم کے اصول کو مدِنظر رکھ کر سزاؤں کو نافذ کیا جاتا تھا۔ منو لکھتا ہے:

''ایسے جرائم کے لیے جن کا ذکر منو دھرم شاستر باب نہم ۲۳۷ میں ہے، برہمن کو درمیانی سزا دی جائے گی۔ یا وہ ملک بدر کردیا جائے گا، لیکن اس کا روپیہ اور مال اس سے نہ لیا جائے گا، لیکن دوسری ذاتوں کے اشخاص کی جو عمداً ان جرائم کے مرتکب ہوں، کل جائیداد ضبط ہونی چاہیے اور اگر عمداً مرتکب نہ ہوں تو وہ ملک بدر کردیے جائیں۔(۹۰)

ہندوستانی معاشرے میں مندرجہ بالا چار ذاتوں کے علاوہ ''عوام'' کا شمار ہوتا تھا۔ جنہیں انتیاجا (Antiaja) ہدی (Hadi) ڈوما (Doma) چنڈالہ (Chandala) بڈھاتو (Badhatu) وغیرہ ناموں سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس طبقے کو اونچی ذات کے لوگوں سے دور شہر سے باہر رہنا پڑتا تھا...... ہندوستان میں طبقاتی تقسیم کے لحاظ سے شودر جانوروں سے بھی پست درجہ رکھتا تھا۔(۹۱)

قدیم مصری تہذیب:

مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ عالمی تہذیبوں میں قدیم ترین تہذیب اہلِ مصر کی ہے، یہی وہ خطہ ہے جہاں تہذیب و تمدن کی شمع روشن ہوئی، قدیم مصری تہذیب میں بادشاہ کو ''الٰہ'' یعنی دیوتا تصور کیا جاتا تھا۔ مصر میں بادشاہ کے متعلق رعایا کا یہی عقیدہ تھا کہ یہ خدائی خاندان کا ایک فرد ہے اور خدا نے ہی اسے حکومت، اختیار اور اقتدار بخشا ہے۔ اس طرح رعایا کے دلوں

Marfat.com

میں بادشاہ کے لیے یہی عقیدہ تھا کہ یہ خدائی خاندان کا ایک فرد ہے۔(گویا وہ ہر احتساب ہر قانون سے بالا اور ماوراء تھا) اور خود خدا نے ہی اسے یہ حکومت اور سلطنت بخشی ہے۔(۹۲)

قدیم مصری تہذیب میں معاشرتی زندگی تین طبقات میں منقسم تھی۔(ا)طبقۂ شاہی (۲) پروہت (۳) عوام و رعایا۔

بادشاہ اور طبقۂ شاہی سے وابستہ افراد معاشرے میں با اثر اور مصر کی معاشرتی زندگی کا مرکز و محور ہوتے تھے۔ وہی تمام طبقات و اختیارات کا منبع و مصدر سمجھے جاتے تھے۔ قانونی طور پر بادشاہ کے اختیارات پر کوئی پابندی اور حد بندی نہ تھی۔ (بالادست طبقے ہی زیرِ دست طبقے پر دستوری اور قانونی طور پر تفوق رکھتے تھے۔ یہاں معاشرتی زندگی میں عدلِ اجتماعی کا کوئی تصوّر نہ تھا)(۹۳)۔

شاہی طبقے اور رعایا میں بہت فاصلہ تھا۔ شاہی طبقہ بادشاہ اور اس کے امراء دستور اور قانون سے ماوراء تھے، بے لاگ عدل، قانون کی بالادستی اور عدلِ اجتماعی کا یہاں کوئی تصوّر نہ تھا۔ رعایا اور عام افراد غلام سمجھے جاتے تھے، وہ ہر حکم اور ہر قانون کے پابند تھے۔ جب کہ بادشاہ اور امراء کا طبقہ ہر بندش اور پابندی سے آزاد تھا۔ آقاؤں کو غلاموں اور زیردست طبقے پر ہر طرح کا تسلط و غلبہ حاصل ہوتا۔ انہیں یہ اختیار بھی حاصل تھا کہ اپنے ان غلاموں کو زندہ رکھیں یا قتل کردیں۔(۹۴)

عالمی مذاہب میں عدلِ اجتماعی کا تصوّر:

الہامی مذاہب کا فلسفۂ عدل:

(۱) اسلام: دینِ اسلام کی عدل اجتماعی کے حوالے سے بنیادی تعلیم یہ ہے کہ ہر حال میں انصاف پسندی اور ایمانداری سے کام کرو۔ اللہ تعالیٰ کبھی نا انصافی نہیں کرتا اور چاہتا ہے کہ اس کے ماننے والے انصاف کے راستے پر چلیں۔ سو ایمان والو! ہر وقت اور ہر حالت میں انصاف پسندی سے کام لو۔

قرآن وسنّت کی تعلیمات اور تعلیماتِ نبویؐ میں عدلِ اجتماعی کے مظاہر اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات کے بنیادی ماخذ ہیں۔

(۲) یہودیت: تورات، عہد نامۂ قدیم کی تعلیم یہ ہے کہ خدا انصاف کو پسند کرتا ہے اور انصاف ہی اس کی کرسی کا پایہ ہے۔ سچی زندگی اسی کی ہوگی، جو اپنے ساتھی انسانوں کے ساتھ ہمیشہ انصاف سے کام لے گا۔

(۳) عیسائیت: انجیل مقدّس یہ تعلیم دیتی نظر آتی ہے: سارے فیصلے انصاف کے ساتھ کرو۔ خبردار رہو، کہیں تم نا انصافی کے غار میں نہ گر پڑو۔ خدا انصاف والا ہے اور ہر شخص کے ساتھ انصاف کرے گا، اس کے عمل کے لحاظ سے۔

غیر الہامی مذاہب کا فلسفۂ عدل:

(۱) ہندو مت: سادھوؤں اور سنتوں کو نقصان پہنچانے والا خود اپنے جال کا شکار ہوجائے گا۔ یہی پرماتما کا انصاف ہے۔

(۲) بدھ مت: عقلمند ہر چیز کا بھرپور جائزہ لیتا ہے، تاکہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرسکے، جلد بازی میں فیصلہ کرنا احمقوں کا کام ہے۔

(۳) جین مت: جین مت میں یہ تعلیم ملتی ہے، میرے بھگوان! مجھے انصاف کے راستے پر چلا۔ میں ہمیشہ دوسروں کی طرف سے لعنت ملامت کے باوجود ثابت قدم اور فوری موت نیز دائمی زندگی کے امکان سے بے پروا ہوں اور غربت و امارت کا مجھ پر

Marfat.com

کبھی کوئی اثر نہ ہو۔

(٤) کنفیوشس مت: جس میں عزّتِ نفس ہے، وہ انصاف کا خواہاں اور ہر قدم انصاف کے مطابق اٹھائے گا۔ صرف احمق ہی ناانصافی کرسکتے ہیں۔

(٥) سکھ مت: سکھ مت میں یہ تصور ملتا ہے کہ ہمارے اعمال اچھے ہوں یا بُرے، فیصلے کے لیے تیری عدالت میں پیش ہوں گے۔ ہم میں سے کچھ تیرے دربار سے قریب ہوں گے۔ کچھ دُور دُور رہیں گے۔ جو تجھ سے لو لگائیں گے، مصیبتوں سے مکتی پائیں گے۔ نانک، ان کے چہروں پر مسرّت سے جگمگا اٹھیں گے۔ اور دوسروں کو بھی وہ مکتی دلائیں گے۔ اگر تم نے ہمارے اعمال کی بنا پر ہمارا فیصلہ کیا تو ہم نہیں بچ پائیں گے۔ اس لیے اے سب کو بخشنے والے، ہمیں بخش دے اور زندگی کے اس سمندر میں نانک کی نیّا پار لگا۔

زرتشت مت: انصاف کو سمجھ کر بھی انصاف نہ کرنا بزدلی ہے۔(٩٥)

تاریخ عالم کے نامور مفکرین اور مقننین کا نظریۂ عدل اجتماعی اور اس کی بے چارگی:

قانونِ حمورابی، منوشاستر، سولن کے قوانین، کسریٰ کی توقیعات، بدھ کے اصول، دھنوتری اور دیوجانس کے تجربات، حکیم اقلیدس کی مساحت، اسپارٹا کی اشتراکیت، مزدک کی اباحیت، ارسطو کی اشرافیت، افلاطون کی جمہوریت اور جسٹینین کے قانونِ روما سے دنیا کی تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے، دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ فارس اور یونان، مصر و ہندوستان، چین اور روما کے قوانین نے کیسے کیسے رُوپ دھارے اور کیا کیا گل کھلائے۔(٩٦) متذکرہ بالا جتنے قوانین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ان میں سے کوئی قانون ایسا نظر نہیں آتا، جس میں امتیازیت کی روح کارفرما نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ ان قوانین کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جتنی عدالتیں قائم کی گئیں، ان میں انصاف کے طلب گاروں کو انصاف اور حقداروں کو حق نہ مل سکا۔ سماج کا کمزور طبقہ ہمیشہ مضبوط طبقے کی چیرہ دستیوں کا شکار رہا۔ غلاموں کی آہ فلک شگاف بھی ان عدالتوں کے دروازوں کے اندر نہ جاسکی۔ آج بھی دنیا کا بیشتر حصہ جسٹینین کے قانون اور اس کی مختلف شکلوں کو اپنی مدّتی زندگی کی ترقی و فلاح کے لیے قبول کیے بیٹھا ہے، لیکن کیا اس حقیقت سے انکار کیا جاسکتا ہے کہ روما کے قوانین (Roman Law) ایک ایسے مغرور اور عیش پرست دماغ کی تخلیق ہیں جو نفسیات انسانی کے تجزیے سے قاصر ہے، اسی لیے اس قانون کی نگاہ میں محمود و ایاز ایک صف میں کھڑے نہیں کیے جاسکتے۔ اسی قانونِ روما کے بل بوتے پر سرمایہ دار، مزدوروں کی اور جاگیردار کسانوں کی زندگیاں تلخ کرتے رہتے ہیں، نادار قومیں متمول قوموں کی حرص و ہوس کا شکار ہیں۔ کمزور آج بھی انصاف کے لیے تڑپ رہا ہے۔(٩٧)

انصاف کا حال یہ تھا کہ بقول سیل SALE جس طرح اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور ان کے دام ٹھہرائے جاتے ہیں، اسی طرح انصاف بھی فروخت ہوتا تھا، رشوت و خیانت کی ہمت افزائی خود قوم کی طرف سے ہوتی تھی۔ گبن کہتا ہے ''چھٹی صدی عیسوی میں سلطنت کا زوال اور اس کی پستی انتہا پر تھی، اس کی مثال اس بڑے تناور اور گھنے درخت کی تھی جس کے سائے میں دنیا کی قومیں کبھی پناہ لیتی تھیں اور اب اس کا صرف تنا رہ گیا ہو، جو روز بروز سوکھتا جارہا ہو۔''(٩٨) مشہور مغربی مصنف رابرٹ بریفالٹ Robert Briffault لکھتا ہے:

Marfat.com

From the fifth to tenth century Europe lay sunk in a night of barbarism which grew darker and darker. It was a barbarism for more awful and horrible than that of the primitive savage, for it was the decomposing body of what had once been a great civilization. The eatures and impress that civilization were all but completely affected. When its development had been fullest, e.g., in Italy and Gaul, all was ruin squalor, dissolution.(۹۹)

''پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی اور یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جا رہی تھی، اس دور کی وحشت و بربریت زمانۂ قدیم کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی چڑھی تھی، کیوں کہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کی لاش کی تھی جو سڑ گئی ہو، اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی، وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا اور گزشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا، جیسے اٹلی و فرانس، وہاں تباہی، طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔''(۱۰۰)

اسلام سے قبل عرب جاہلیت کا نظریہ عدل و انصاف

عہدِ جاہلیت کے عرب معاشرے میں عدل اجتماعی کا فقدان:

ڈاکٹر صبحی محمصانی اس عہد کے نظامِ عدل و انصاف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں! اس زمانے میں قوانین کا نفاذ قبیلے کی رائے عامہ اور اس کے سردار کے اقتدار پر موقوف تھا اور کبھی یہ مصداق جس کی لاٹھی اس کی بھینس' انفرادی اقتدار پر بھی۔(۱۰۱) زمانۂ جاہلیت میں عرب کے بدوی قبائل میں کوئی حکمراں' کوئی حکومت نہ تھی' کوئی عدالت بھی نہیں ہوا کرتی تھی' لہٰذا کسی شخص کو انصاف حاصل کرنے کے لئے کسی کے پاس جا کر شکایت کرنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ مظلوم کیا کرے''دست خود دھان خود'' ہر شخص اپنی بساط کے مطابق اپنے ظالم سے بدلہ لے گا۔ اگر ظالم کمزور ہو تو بدلہ آسان تھا لیکن اگر ظالم قوی تر ہو تو کمزور کے لئے کوئی امکان نہیں تھا کہ وہ انصاف حاصل کر سکے۔(۱۰۲)

عہد جاہلیت کے عرب معاشرے میں کسی مرکزی حکومت کی شیرازہ بندی نہ تھی۔ ان کی اجتماعی زندگی کی بنیاد قبیلے اور قبائلی عصبیت پر تھی۔ ہر فرد اپنے قبیلے سے وابستہ تھا، خواہ قرابت داری کے ذریعہ ہو یا باہمی عہد و پیمان کے واسطے سے۔ چنانچہ وہ اپنے قبیلے کی جانب داری کرتا تھا۔ قبائل اور رشتہ داریوں کی بنیاد پر عصبیت اور جتھ بندی عرب میں بڑی سخت تھی اور اس عصبیت کی بنیاد جاہلی مزاج تھا' جس کی روح اس مشہور جملے سے شروع ہوتی ہے!''انصر اخاك ظالماً او مظلوما'' اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم' چنانچہ وہ اپنے حلیف اور بھائی کی ہر حال میں مدد کرنا ضروری سمجھتے تھے خواہ وہ برسر حق ہو یا برسر باطل۔ یہ صورتحال صرف عرب معاشرے تک محدود نہ تھی بلکہ بعثتِ نبویؐ کے وقت پوری انسانی دنیا میں شرافت و اخلاق کی اعلیٰ اقدار اور

Marfat.com

عدل و انصاف کے فقدان کا یہی عالم تھا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اس تاریخی حقیقت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں!''خلاصہ یہ ہے کہ اس صدی میں روئے زمین پر کوئی ایسی قوم نظر نہیں آتی تھی جو مزاج کے اعتبار سے صالح کہی جا سکے' اور نہ ایسی کوئی سوسائٹی تھی جو شرافت و اخلاق کے اعلیٰ قدروں کی حامل ہو' نہ ایسی کوئی حکومت تھی جس کی بنیاد عدل و انصاف اور رحم پر ہو۔ (۱۰۳)

اسلام سے قبل عرب عہد جاہلیت میں انسانیت کو ادنیٰ اور اعلیٰ' شریف اور رذیل کے ناقابل عبور خطوط پر تقسیم کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ ''قصاص'' کے معاملے میں ان کا نظریہ یہ تھا کہ معزز شریف اور قابلِ حیثیت رتبے کے حامل مقتول کا قاتل اگر کوئی رذیل (نچلے طبقہ کا فرد) ہوتا تو قاتل کے خاندان سے مقتول کا ہم رتبہ فرد تلاش کر کے اس کو قصاص میں قتل کیا جاتا۔

ان کا نظریہ تھا!''ان دم القتيل الشريف لايغسل إلاّ بدم شريف مثله''(۱۰۴) شریف اور معزز آدمی کا خون اسی کے ہم مرتبہ شریف (معزز) آدمی کے خون سے دھویا جاسکتا ہے' جاہلی عرب شاعر قراد بن جنش الصادری کا یہ شعر ملاحظہ کیجئے جس سے عہد جاہلیت کے اس جاہلانہ دستور کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے!

أبانسابهم قتلىٰ ومافي دمائهم وفاء وهنّ الشّافيات الحوائم(۱۰۵)

ہم نے ان لوگوں کے بدلے کچھ لوگوں کو قتل کیا حالانکہ ان کے خون ان کے برابر نہ تھے اور یہی خون پیاسوں کو شفاء دینے والے ہیں۔

آزاد فرد کا قاتل اگر غلام ہوتا تو غلام سے قصاص لینا ناکافی سمجھا جاتا اور غلام کے مالک یا کسی اور آزاد رشتے دار کا سر مانگا جاتا' یا کوئی آزاد کسی غلام کو قتل کرتا تو قاتل کا قصاص گوارا نہ کیا جاتا بلکہ کمتر معاوضہ دیا جاتا۔ (۱۰۶) قصاص کی طرح دیت میں بھی عدم مساوات کا یہ اصول کارفرما تھا' چنانچہ انسانی برادری میں تفاوت اور عدم مساوات اس درجے تھی کہ عرب قبائل کے سرداروں اور معزز افراد کی دیت (خون بہا) کمتر درجہ اور کم حیثیت لوگوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ سب سے زیادہ دیت حکمرانوں اور بادشاہوں کی ایک ہزار اونٹ تھی' اس کے بعد درجہ بدرجہ شرفائے قوم اور قبائل کے سرداروں کی' اس کے بعد کمزوروں' معاشرے کے کم حیثیت کم تر افراد اور غلاموں کی' حتی کہ بعض مقتولین کی ''دیت'' صرف پانچ اونٹ' اور بعض اوقات اس سے بھی کم ہوتی۔ اس نظریئے کو قیدیوں کے ''فدیہ'' میں بھی ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ (۱۰۷)

محمود شکری آلوسی ''بلوغ الأرب في أحوال العرب'' میں لکھتے ہیں!(حکمرانوں' قبائل کے سرداروں) چونکہ انکے ہاں بادشاہ بہت سے امور میں ممتاز تھے اس لئے انہوں نے بادشاہ کے قتل کی صورت میں ایک ہزار اونٹ دیت (خون بہا) مقرر کی۔ قراد بن حنش الصادری کہتا ہے!

بعشر مئين للملوك سعٰى بها ليوفى سيار بن عمرو فأسرعا

ایک ہزار اونٹ جو بادشاہوں کی دیت ہوتی ہے اس کے ایفاء کے لئے سیار بن عمرو نے کوشش کی اور ایفاء کرنے کی جلدی کی۔

سیار بن عمرو بن جابر الفزاری نے اسود بن منذر کو جس کے بیٹے کو حارث بن ظالم نے قتل کر دیا تھا خون بہا ''دیت'' کے طور پر ایک ہزار اونٹ ادا کرنے کا ذمہ لے لیا تھا حالانکہ ایک ہزار اونٹ بادشاہ کا خون بہا ہوتا تھا۔ (۱۰۸)

Marfat.com

شہنشاہوں اور فرماں رواؤں کے عدالتی استثنٰی کا تصوّر:
انصاف کی روح اور عدلِ اجتماعی کے منافی عمل:

آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی دنیا کے بیشتر دساتیر، شہنشاہوں اور فرماں رواؤں کو قانون سے بالا تصوّر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک بادشاہ جرم کا ارتکاب نہیں کرسکتا، یہ تصوّر کہ شہنشاہ پیدائشی حق پر پیدا ہوتا ہے۔"The King Right of God" اس تصور کا ماخذ یہودیوں کا وہ عقیدہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ "The Chosen People of God" اور اسی عقیدے سے نصرانیوں کا عقیدہ متاثر نظر آتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کے بیٹے ہیں، اس لیے ان سے غلطی کا ارتکاب ممکن نہیں اور پوپ اور پادری جو بھی ان کی جانشینی کا حق ادا کرے گا، وہ بھی گناہ اور خطا سے پاک ہوگا۔ اسی فکر نے سماجی نظامِ زندگی میں عدم مساوات کا تصوّر رائج کردیا اور ہر حاکم بالا کو یہ اختیار دے دیا کہ خود کو بادشاہ اور پیغمبر کا نمائندہ سمجھتے ہوئے اپنی زندگی کو سماجی قانون سے بالاتر تصوّر کرے۔(۱۰۹)

استاذ شیخ محمد ابوزہرہ لکھتے ہیں: شریعتِ اسلامی نے انسانوں اور اجناس کے درمیان انصاف، مساوات اور عدلِ اجتماعی پر رکھی ہے۔ چناں چہ گورے، کالے، عربی عجمی (بادشاہ و رعایا) میں کوئی امتیاز اور کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن جب ہم مغربی قانون کو دیکھتے ہیں تو اس کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اہلِ مغرب کے لیے ہے اور اس کے تمام قانونی حقوق اہلِ مغرب کے لیے ہیں۔(۱۱۰)

اسی عمل نے معاشرے میں فساد کی بنیاد رکھ دی اور اونچ نیچ کا زہر پھیلا دیا۔ دنیا کی تاریخ میں محمدی تحریک کا یہ ایک شاندار کارنامہ ہے کہ اس تحریک نے اہلِ عالم کے دل و دماغ میں اس حقیقت کو جاگزیں کرنے کی سعی بلیغ کی کہ سوسائٹی کا کوئی فرد غلام ہو یا آقا، محکوم ہو یا حاکم، پرجا ہو یا راجا، امّتی ہو یا پیغمبر قانون سے بالاتر نہیں، ورنہ پھر عدل و انصاف کا تصوّر ایک مغالطے کے سوا اور کچھ باقی نہیں رہ سکتا، یہی وجہ تھی کہ جب ایک مرتبہ لوگوں نے سرورِ کائنات ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ذریعے چوری کی مرتکب خاتون کی سفارش عدالتِ نبویؐ میں پیش کی تو انسانیت کے محسنِ اعظم حضرت محمد ﷺ نے تنبیہہ کرتے ہوئے اعلان کیا کہ قانون سے کوئی بالا تصوّر نہیں کیا جاسکتا، اگر پیغمبر کی بیٹی چوری کرے گی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالا جائے گا اور اسی تصوّر کا اثر تھا کہ فاروقِ اعظمؓ نے جبلہ بن ایہم شہزادۂ غسان کے اسلام کو ایک بدوی عرب کے طلب وانصاف پر قربان کردیا اور اپنے بیٹے کو بھی سو درّے لگوائے۔(۱۱۱)

بے لاگ عدل کا اسلامی فلسفہ اور محسنِ انسانیت ﷺ کا تاریخ ساز کردار:

انسانیت کے محسنِ اعظم سید عرب وعجم حضرت محمد ﷺ نے انسانی تاریخ کے اس غیر عادلانہ اور جبر واستحصال، ظلم و استبداد اور طبقاتی تقسیم کے اس تاریک دور میں جو مثالی نظریہ عدل و مساوات متعارف فرمایا اس میں بادشاہ وفقیر، وزیر و امیر، دولتمند و حاجتمند، غنی وگدا، تاجدار و چوبدار، فرماں روا و بے نوا، قوم وقبیلہ، خاندان، رنگ ونسل، امیر وغریب، حاکم ومحکوم کا کوئی امتیاز نہیں اور بقول اقبال! ''خون شہ رنگین تراز معمار نیست'' بادشاہ کا خون معمار کے خون سے زیادہ رنگین تو نہیں ہوتا کا مثالی اور عادلانہ نظام متعارف فرمایا۔

Marfat.com

آپ ﷺ نے امت کے لئے لائے ہوئے احکامات اپنے اوپر بھی مساوی طور پر واجب التعمیل قرار دیئے اور عہدِ نبویؐ میں ذاتِ اقدسؐ کے خلاف دیوانی اور ٹارٹ (ضمان) کے جو مقدمات دائر ہوئے نظائر کی موجودگی میں کہا جاسکتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے ''King can do not wrong'' بادشاہ کسی فعل ناجائز کا مرتکب ہو ہی نہیں سکتا کے نظریئے کو مسترد کردیا۔(۱۱۲)

عدل اجتماعی کا تصوّر و اہمیت.....قرآن کریم کی روشنی میں:

قرآن کریم چھ ہزار دو سو چھتیس (۶۲۳۶) آیات پر مشتمل ہے، جو مجمل یا مفصل طور پر عبادات، عقائد، فرائض، اصول و احکام، معاملات، امن و سلامتی اور حالتِ جنگ میں اقوام کے باہمی تعلقات، اصول جہاں بانی، قیامِ عدل، اجتماعی انصاف (عدلِ اجتماعی) اور اجتماعی یک جہتی کے سلسلے میں گراں مایہ احکام و ہدایات کا خزینہ ہے، مزید برآں انہی آیات میں راہ نمائی ملتی ہے۔ ذیل میں ''عدل اجتماعی اور انصاف کی بالادستی'' کے سلسلے میں قرآنِ کریم کی تعلیمات ملاحظہ ہوں: عدلِ اجتماعی کی بدولت نظام عالم قائم ہے، اگر عدل و انصاف ختم ہوجائے تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہوجائے اور یہ دنیا جہنم کا نمونہ بن جائے۔ اسلام نے جس تفصیل سے ''عدل'' کے تمام پہلوؤں کو واضح کیا ہے، اس کی مثال دیگر مذاہب میں نہیں ملتی۔ اسلامی عقیدے کی رو سے سب سے بڑا عادل خود اللہ تعالیٰ ہے، چنانچہ عدل اس کے اسمائے حسنیٰ میں شامل ہے، وہ اپنے عدل ہی سے کارخانۂ عالم کو سنبھالے ہوئے ہے: ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾ (۱۱۳) اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے بھی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ عدل و انصاف کے ساتھ کارخانۂ عالم کو سنبھالے ہوئے ہے۔ انبیاء علیہم السّلام کی بعثت کا مقصد بھی عدل و انصاف کا قیام ہے: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾(۱۱۴) تحقیق ہم نے پیغمبروں کو کھلے معجزے دے کر بھیجا اور ہم نے ان کی معرفت کتابیں اتاریں اور ترازو کو رواج دیا، تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ قرآنِ کریم کے نزول کا مقصد بھی عدل و انصاف کا قیام ہے، رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوتا ہے: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾(۱۱۵) ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپؐ پر اتاری تاکہ جیسا آپ کو خدا نے سمجھایا ہے، اس کے مطابق لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کریں، اور دغا بازوں کے حامی نہ بنیں۔ اللہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے: وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ(۱۱۶) اور جب فیصلہ کرو تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، کیوں کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے ارشاد ہوتا ہے: وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (۱۱۷) اور انصاف کو ملحوظ رکھو، بے شک، اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾(۱۱۸) بے شک، اللہ انصاف اور نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے۔

گواہی میں خواہ وہ کسی قرابت مند ہی کا معاملہ ہو، عدل کو ملحوظ رکھو۔ ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ (۱۱۹) اور (گواہی یا فیصلے میں) جب بات کہو تو خواہ قرابت مند ہی کے مقابلے میں ہو، انصاف کا لحاظ رکھو۔

اپنی ذات اور والدین کے معاملے میں بھی شہادت میں انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

Marfat.com

﴿كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾(۱۲۰)

مسلمانو، مضبوطی کے ساتھ انصاف پر قائم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، اگرچہ یہ گواہی تمہاری ذات یا ماں باپ اور رشتے داروں کے خلاف ہی کیوں نہ پڑے، اگر ان میں کوئی مالدار یا محتاج ہے تو اللہ تم سے زیادہ ان کا خیرخواہ ہے تو تم انصاف کرنے میں اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ حق سے انحراف کرنے لگے اور اگر دبی زبان سے گواہی دو گے یا گواہی سے پہلو تہی کرو گے، تو جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے واقف ہے۔ان آیات میں مقدمات اور گواہی میں انصاف کے خلاف جتنے پہلو نکل سکتے تھے، سب کی جڑ کاٹ دی گئی، ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا ۢ بَصِيْرًا﴾(۱۲۱) اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچاؤ اور جب لوگوں کے جھگڑے میں فیصلے کرو، تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، اللہ تمہیں جو نصیحت کرتا ہے، وہ بہت اچھی ہے اور اللہ سنتا دیکھتا ہے۔

دشمنوں کے معاملے میں بھی عدل کا حکم:

دشمنوں کے ساتھ بھی بے انصافی کی ممانعت اور جادۂ انصاف پر قائم رہنے کی تاکید ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (۱۲۲) مسلمانو! خدا کے واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے پر آمادہ رہو، اور لوگوں کی عداوت تمہیں اس جرم کے ارتکاب کی باعث نہ بنائے کہ تم (معاملات میں ان کے ساتھ) انصاف نہ کرو، ہر حال میں انصاف کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، کیوں کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے واقف ہے۔ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾(۱۲۳) اور مسلمانو! بعض لوگوں نے تمہیں حرمت والی مسجد (خانہ کعبہ) سے روکا ہے، تو یہ عداوت تمہارے لیے زیادتی کرنے کا باعث نہ ہو اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار بنو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں مددگار نہ بنو اور اللہ سے ڈرو، کیوں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

ظلم و ناانصافی کی مذمت:

عدل و انصاف رحم و کرم، عفو و درگزر اور احسان و سلوک سے جس طرح انسان سنورتا ہے، معاشرہ سرسبز ہوتا ہے، دنیا شاد و آباد ہوتی ہے، اسی طرح ظلم سے انسانی فطرت مسخ ہوجاتی ہے، اس کی درندگی سے معاشرہ تباہ ہوتا ہے اور دنیا ویران ہوجاتی ہے، اس لیے قرآن کریم میں جتنی عدل و احسان کی توصیف و قیامِ عدل کی تاکید ہے، اس سے زیادہ ظلم کی مذمت بیان ہوئی ہے۔

اللہ ظلم کو پسند نہیں کرتا۔ اس سلسلے میں فرمایا گیا: ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾(۱۲۴) اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں

Marfat.com

رکھتا۔ظالم ہدایت الٰہی سے محروم ہیں: ﴿وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾(۱۲۵) اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ظالموں کے لیے نہایت سخت اور دائمی عذاب ہے: ﴿وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا﴾(۱۲۶) اور ہم نے ظلم کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا﴾ (۱۲۷) ہم نے ظالموں کے لیے آتشِ دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ ﴿اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾(۱۲۸) بے شک، ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ظالموں پر خدا کی پھٹکار ہے: ﴿اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ﴾ (۱۲۹) ہاں ظلم کرنے والوں پر خدا کی پھٹکار ہے۔ظالموں کا کوئی دوست نہیں:فرمایا گیا: ﴿مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ﴾(۱۳۰) ظالموں کا کوئی دوست نہیں۔قرآنِ کریم میں ظلم کے لیے دو اور الفاظ ''بغی (سرکشی) اور عدوان (تعدی)'' بھی استعمال ہوئے ہیں: ﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ﴾(۱۳۱) اور کہہ دیجیے کہ میرے رب نے بے حیائی کے کاموں کو خواہ وہ کُھلے ہوئے ہوں یا چھپے ہوئے اور گناہ اور ناحق کی سرکشی کو حرام ٹھہرایا ہے۔اسی بناء پر اسلام میں زندگی کے ہر شعبے میں عدل کو بڑا مقام حاصل ہے اور ظلم اسلامی نظامِ حیات میں ایک بہت بڑا جرم اور گناہِ عظیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زبانِ نبوتؐ سے بھی عدل و انصاف کی فضیلت کا بیان ہوا اور ظلم و جور کی مذمت کی گئی۔ جیسا کہ آپؐ کا ارشادِ گرامی ہے:''جس نے مسلمانوں کے لیے منصف بننے کی خواہش کی اور اسے یہ منصب مل گیا، اس کے بعد اس کے انصاف نے ظلم و زیادتی کو مغلوب کر ڈالا تو بلاشبہ، اس کے لیے جنت ہے اور اگر اس کا الٹا ہوا تو پھر اس کا ٹھکانا جہنم ہے''۔(۱۳۲) نیز فرمایا کہ جو انصاف کی کرسی پر بیٹھ کر انصاف سے گریز کرے، اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔

یہ بھی فرمایا گیا:"یا اباھریرة جور ساعة فی حکم اشدّ واعظم عنداللّٰہ من معاصی ستّین سنة وعدل ساعة خیرٌمن عبادة ستین سنة قیام لیلها وصیام نهارها" (۱۳۳)۔اے ابوہریرہ، ایک گھڑی کا ظلم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساٹھ سال کی معصیت سے بڑھا ہوا اور زیادہ سخت ہے جب کہ ایک گھڑی کا انصاف ان ساٹھ سالوں کی عبادت سے بہتر ہے جن کی راتیں شب بیداری میں گزریں اور دن روزے میں۔عدل و انصاف کی فضیلت کے بیان میں فرمایا گیا:"ثلاثةٌ لاتردّ دعوتهم الصّائم حین یفطرو الامام العادل والمظلوم."(۱۳۴) تین شخصوں کی دعائیں رد نہیں کی جاتیں۔ روزے دار کی بوقت افطار، منصف حاکم کی اور مظلوم کی۔

حضورِ اکرم ﷺ نے خود اپنے عہد میں عدل و انصاف کے تمام تر تقاضوں کو عملاً پورا کر کے دکھا دیا اور اپنے اسوۂ حسنہ سے انصاف کا ایک ایسا نظام پیش فرمایا کہ آج تک دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔اسی طرح صحابۂ کرامؓ کی زندگیوں کا بھی مطالعہ کریں، آپ کو ہر جگہ اسوۂ رسول ﷺ کے مطابق عدل و انصاف کی حکمرانی نظر آئے گی۔جس میں چھوٹے بڑے، امیر وفقیر، شریف و وضیع اور سلطان و گدا کی کوئی تمیز باقی نہیں ہے۔کیوں کہ اسلامی قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔(۱۳۵)

احادیث میں مختلف عنوانات سے ظلم کی مذمت کی گئی ہے اور ظالموں کے لیے بڑی وعید آئی ہے۔مسلم کی ایک طویل حدیث قدسی کا ٹکڑا ہے:"یاعبادی انّی حرّمتُ الظُّلم علٰی نفسی وجعلته بینکم محرماً فلا تظالموا."(۱۳۶) اے میرے بندو، میں نے اپنی ذات پر ظلم حرام کرلیا ہے اور تم لوگوں کے درمیان بھی ظلم حرام کیا ہے، اس لیے ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

Marfat.com

مسلم کی دوسری روایت میں ہے:"اتقوا الظُّلم فانّ الظُّلم ظلمات یوم القیامة."(۱۳۷)ظلم سے بچو، کیوں کہ ظلم قیامت کے دن کے ظلمات (اندھیروں) میں سے ہے۔

خدا اور مظلوم کی بد دعا کے درمیان کوئی حجاب نہیں: "اتق من دعوة المظلوم فانّها لیس بینها وبین اللّٰه حجاب."(۱۳۸) مظلوم کی بد دعا سے بچو، کیوں کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ عزوجل ظالم کو ڈھیل دیتا ہے، لیکن جب اسے پکڑ لیتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا اور یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَةٌ ط اِنَّ اَخْذَہٗٓ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ﴾ (۱۳۹)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنے بھائی پر کسی طرح کا ظلم کیا ہو، اس کی آبرو ریزی کی ہو یا کوئی اور ظلم کیا ہو، اسے چاہیے کہ آج اس دن سے پہلے اپنے ظلم کو معاف کرالے، جب اس کے پاس دوسروں کو دینے کے لیے درہم و دینار کچھ پاس نہ ہوں گے، ورنہ اس کے پاس جو نیک عمل ہوں گے، وہ بقدر ظلم اس سے چھین لیے جائیں گے اور اگر نیک عمل ہوں گے تو مظلوم کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیے جائیں گے۔(۱۴۰) اس قسم کی اور بہت سی روایتیں ہیں جن سے ظلم کی مذمت ثابت ہوتی ہے۔

عدلِ اجتماعی کا تصوّر و اہمیت...... احادیثِ نبویؐ کی روشنی میں:

عن بریدةؓ قال، قال رسول اللّٰه ﷺ القضاة، ثلٰثةٌ واحدٌ فی الجنّة واثنان فی النّارا فامّا الّذی فی الجنة فرجلٌ عرف الحقّ فجار فی الحُکم فهو فی النّار ورجلٌ قضٰی للنّاس علیٰ جهل فهو فی النّار.(۱۴۱) "حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قاضی (منصف) تین قسم کے ہیں۔ ایک قسم جنّت میں جائے گی اور دو قسمیں دوزخ میں۔ جنت کا حق دار وہ شخص ہے، جس نے حق کو پہچان کر اس کے مطابق فیصلہ کیا اور جس شخص نے حق کو پہچان کر فیصلہ کرنے میں ظلم کیا، وہ دوزخ میں ہے۔ اسی طرح جس شخص نے جہالت میں لوگوں کے فیصلے کیے، وہ بھی دوزخ میں ہوگا۔"

حدیث کے مطابق اسلامی حکومت کے قاضی (منصف) میں دو بنیادی شرطیں ہونا ضروری ہیں:(۱)...... قانون کی پوری واقفیت۔(۲)...... ہر معاملے میں عدل و انصاف کے تقاضوں کا لحاظ۔

اگر ان دونوں اوصاف میں سے کوئی وصف موجود نہیں ہے تو وہ اس قابل نہیں ہے کہ اسے اسلامی عدالت میں قاضی کا منصب سونپا جائے۔

"عن ابی هُریرةؓ قال، قال رسول اللّٰه ﷺ من جعل قاضیاً بین النّاس فقد ذُبح بغیر سکّین."(۱۴۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو لوگوں کے درمیان (فیصلہ کرنے کے لیے) قاضی بنایا گیا، وہ گویا چھری کے بغیر ہی ذبح کر دیا گیا۔"

یعنی قضا کا منصب انتہائی نازک ذمہ داری کا منصب ہے۔ اگر قاضی غیر منصفانہ روش اختیار کرتا ہے تو خدا کے ہاں پکڑا جائے گا اور اگر انصاف کی راہ پر چلتا ہے تو بااثر مجرموں کی دشمنی کا نشانہ بنتا ہے۔

"عن عبادة بن الصّامتؓ قال، قال رسول اللّٰه ﷺ اقیمُوا حدُود اللّٰه فی القریب والبعید ولا تأخُذکُم فی اللّٰه

Marfat.com

لومة لائم."(۱۴۳) ''حضرت عبادہؓ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے سے قریب والوں اور دور والوں پر (یکساں) حد جاری کرو۔ اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی تمہیں پروانہیں ہونی چاہیے۔''

اسلامی ریاست مدینہ کے قائد و حاکم، امام الانبیاء، تاجدارِ عالم، سیّد عرب و عجم، ہادیِ اعظم، حضرت محمد ﷺ نے انسانی تاریخ میں بے لاگ عدل کا مثالی تصور پیش کیا، عدل کی بالادستی اور انصاف کی فراہمی میں عدل اجتماعی کا نظریہ اس طرح متعارف کرایا کہ حاکم وقت اور ریاست کے عام فرد کے درمیان طبقاتی تقسیم اور تمام امتیازات کا خاتمہ فرما کر معاشرے میں عدلِ اجتماعی کو یقینی بنایا۔

''عن ابی سعید الخُدریؓ قال: بینما رسول اللّٰه ﷺ یقسمُ قسماً اقبل رجلٌ فاکبّ علیه فطعنه رسول اللّٰه ﷺ بعُرجُون کان معه فجرح بوجهه فقال لهٗ رسول اللّٰه ﷺ تعال، فاستقد، قال بل عفوتُ یا رسول اللّٰه ﷺ.(۱۴۴) حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ اس اثناء میں کہ رسول اللہ ﷺ (مالِ غنیمت) تقسیم فرما رہے تھے، ایک آدمی آتے ہی رسول اللہ ﷺ پر جُھک پڑا، (کہ وہ ہجوم میں جلدی سے اپنا حصّہ وصول کرلے) آنحضرت ﷺ نے کھجور کی چھڑی سے (جو اس وقت آپؐ کے پاس تھی) اسے ایسا کچوکا دیا کہ اس کا چہرہ زخمی ہوگیا۔ آپؐ نے اس سے فرمایا (بھائی) آیئے، مجھ سے اس کا بدلہ لے لیجیے، وہ بولا سرکار! میں نے معاف کیا۔

اسلام کا نظامِ عدل و انصاف دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہے، اس کے قانون کی نگاہ میں اسلامی ریاست کا صدر اور عام شہری برابر ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کرکے عملاً اس کی توثیق کردی۔ ''عن ابی فراسؓ قال: خطبنا عمربن الخطّابؓ فقال: انّی لم اُبعث عُمّا لی لیضربُوا ابشارکُم ولا لیأخذوا اموالکُم فمن فعل بهٖ ذٰلك فلیرفعه الیّ اُقصّه منه قال عمرو بن العاصؓ لو انّ رجلاً ادّب بعض رعیتهٖ اتقصّهٗ منه؟ قال: ای والّذی نفسی بیدهٖ اُقصّهٗ وقد رایتُ رسول اللّٰه ﷺ اقصّ من نفسهٖ."(۱۴۵) ابوفراسؓ کہتے ہیں کہ امیرالمومنین سیدنا عمر بن الخطابؓ نے اپنے خطبے میں ہم سے فرمایا، میں نے اپنے گورنروں کو اس لیے نہیں بھیجا کہ وہ تمہاری پٹائی کریں اور ناحق تم سے مال وصول کریں، اس سلسلے میں جس آدمی کو کوئی شکایت ہو، وہ میرے پاس آئے، میں اس سے قصاص دلواؤں گا۔ (مصر کے گورنر) حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا اگر کوئی حاکم، تہذیب سکھانے کی غرض سے کسی آدمی کو سزا دے تو کیا آپ اس سے بھی بدلہ دلوائیں گے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ہاں، اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری زندگی ہے، میں اسے بدلہ دلاؤں گا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آنجنابؐ نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کردیا۔

تعلیماتِ نبویؐ اور عدل کی فضیلت و اہمیت:

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ☆...... ''قیامت کے روز جب اللہ کے سایہ کے سوا کسی کا سایہ نہ ہوگا، حق تعالیٰ سات اشخاص کو اپنے قرب میں خاص سایہ مرحمت فرمائے گا۔ ان میں شرف اوّلیت امام عادل کو حاصل ہوگی۔(۱۴۶)

☆...... حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''عدل کرنے والے اللہ رب العزت

Marfat.com

کے پاس نور کے منبروں پر ہوں گے، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اہل وعیال کے معاملات میں اور جو کام ان کے سپرد ہوں، ان میں عدل کرتے تھے۔'' (۱۴۷)

☆...... یہ بھی حضورا کرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ عادل حاکم کا ایک دن زاہد کی ساٹھ سالہ عبادت سے بہتر ہے۔'' (۱۴۸)

یہ اس لیے کہ زاہد کی عبادت سے صرف اس کی ذات ہی کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ عبادت میں استغفار ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی صوابدید پر ہے کہ وہ استغفار کی بناء پر بھی بخشے نہ بخشے۔ عادل چیف جسٹس یا عادل سربراہ انتظامیہ کے ایک فیصلے سے بسا اوقات بے شمار انسانوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور انصاف کی قدروں کو تقویت ملتی ہے۔ عادل حاکم کی ایک نیکی عظیم ثواب کا موجب ہوگی اور اس کے ایک ظالمانہ فیصلے کا گناہ بھی بے حد وحساب ہوگا۔ (۱۴۹)

عدالتِ نبویؐ کا ایک تاریخ ساز فیصلہ:

اسلامی نظامِ عدل میں بلا رعایت اور عادلانہ طریق کار سے فیصلے صادر کرنے کا جو دستور العمل نبی اکرم ﷺ نے تجویز فرمایا، اس کی مثال خود آپؐ ہی کی سیرتِ مطہرہ سے ملتی ہے، جب کہ آپؐ کے عہد میں ایک ایسی خاتون چوری کی مرتکب ہوئی جو شریف اور اونچے خاندان کی تھی، قریش کو اس کی بڑی فکر ہوئی۔ انہوں نے سوچنا شروع کیا کہ کون شخص ایسا ہوسکتا ہے، جو رسول اللہ ﷺ سے اس کی سفارش کرے۔ بالآخر طے پایا کہ اس کی جرأت صرف اسامہ بن زیدؓ ہی کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ وہ آپ کے بڑے چہیتے ہیں۔ لوگوں کے اصرار پر حضرت اسامہؓ نے لب کشائی کی جسارت کی۔ تو حضورا کرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''انّما هلك من كان قبلكُم انّهُم كانُوا يقيمون الحدّ علىٰ الوضيع ويتركون الشّريف، والّذى نفسى بيدهٖ لوفاطمة فعلت ذٰلك لقطعتُ يدها.'' تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ سزا کمزور لوگوں کو دیتے اور شریفوں کو چھوڑ دیتے۔ قسم ہے اس ذات کی، جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، اگر فاطمہؓ میری بیٹی وہ کام کرتی تو یقیناً میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ (۱۵۰)

تعلیماتِ نبویؐ میں عدلِ اجتماعی کا تصوّر، قانون کی بالادستی اور احترامِ انسانیت کا مثالی منشور:
بعثتِ نبویؐ سے قبل عالمگیر جہالت وتاریکی اور ظلم وناانصافی کا دور دورہ:

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت سرورِ کائنات، محسنِ انسانیت، حضرت محمد ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے، سارا عالم ظلم و استبداد کے عذاب میں مبتلا تھا۔ وحشت و جہالت کا دور دورہ تھا۔ بہیمانہ طاقت کی حکومت تھی۔ میزان عدل ٹوٹ چکا تھا۔ انسانیت زخموں سے چُور چُور تھی۔ وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی، بے رحم بادشاہت تھی، ظالم امارت تھی، ان کے خونیں ہاتھوں نے اطاعت گزاروں کی گردنیں دبوچی ہوئی تھیں، حاکم بےضمیر تھے۔ ان کی زندگی کا مقصد نفس پرستی اور بوالہوسی کے سوا کچھ نہ تھا۔ نسلِ انسانی گرفتار بلا وعذاب تھی، عقل گرفتار تھی۔ جسم گرفتار تھا، غاصبانہ ذہنیت، غلامانہ عقیدت تھی۔ بادشاہ اور رؤسا اپنی اپنی استحصالی اور استبدادی کارروائیوں میں جھوٹے خداؤں کا رُوپ دھار رہے تھے۔ وہ زمین پر خدا بنے بیٹھے تھے۔ ان کے وحشیانہ چنگل میں عوام بالکل بے بس اور مجبور تھے۔ اللہ کی اطاعت نابود تھی۔ ایمان وصداقت کا تصوّر مفقود تھا۔ واقعات اور مقدمات کا فیصلہ سلاطین اور امراء کے محض اشاروں پر ہوتا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ سے پہلے بادشاہ کی ذات ہر عیب سے پاک سمجھی جاتی

Marfat.com

تھی۔ وہ قانون اور اخلاق سے بالاتر ہوتا تھا۔ فراعنۂ مصر کو تو دیوتا تصور کیا جاتا تھا۔ روم کے قیصر اور ایران کے کسریٰ بھی مافوق البشر شمار کیے جاتے تھے۔(۱۵۱)

ایسے پُرفتن اور تاریک دور میں اسلام کا آفتاب عالم طلوع ہوا، جس کی نورانی کرنوں سے دیکھتے ہی دیکھتے سارا عالم روشن ہوگیا۔ بھٹکے ہوؤں نے راہ پائی۔ ظلم وجور کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھٹ گیا اور سسکتی، دم توڑتی انسانیت میں جان آگئی، جو لوگ کل تک سہمے ہوئے تھے اور مظالم کے اندر دب چکے تھے۔ اٹھ کھڑے ہوئے اور دینِ اسلام کے ہمہ گیر سائے تلے سکھ کا سانس لینے لگے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نبی اکرم ﷺ نے کائناتِ انسانی کو اسلام کے ایسے منصفانہ اور عادلانہ قوانین عطا فرمائے، جو باہمی ہمدردی، حسن سلوک، اخوت و مروت اور عدل و انصاف کے ابدی اصولوں پر مبنی ہیں، جن سے دینِ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات اور کامل نظام زندگی بن کر دنیا والوں کے سامنے اس طرح اجاگر ہوا کہ چہار دانگ عالم پر چھا گیا۔(۱۵۲)

اسلام میں قانون کی نظر میں امیر، غریب، بلاتفریق مذہب و ملت مسلم یا غیر مسلم سب برابر ہیں۔ جرم کی سزا میں کسی کی رعایت نہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ﴾ (۱۵۳) اے لوگو، جو ایمان لائے ہو۔ انصاف پر قائم رہو۔ اللہ کو حاضر و ناظر جان کر سچّی گواہی دو، اگرچہ اس کے نتیجے میں اس کا نقصان تمہاری ذات کو کیوں نہ پہنچے، یا تمہارے والدین یا اقربا ہی کو کیوں نہ پہنچے۔ دوسری جگہ آتا ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾(۱۵۴) اے ایمان والو، بوقت گواہی انصاف پر ڈٹے رہو۔ کسی قوم سے دشمنی کی وجہ سے انصاف کو ہاتھ سے جانے نہ دو، عدل کرو، یہی عمل تقویٰ کی جان ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (۱۵۵)۔ اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔

خلیفۂ اول سیّدنا صدیق اکبرؓ نے اپنے پہلے خطبے میں اسی انصاف کی طرف واضح ارشاد فرمایا: ''ان اقواکم عندی الضّعیف حتّٰی اخذله بحقّهٖ وانّ اضعفکم عندی القوی حتّٰی اخذمنه الحق.'' بلاشبہ، تمہارے زبردست لوگ میرے نزدیک اس وقت تک کمزور ہیں، جب تک میں ان سے ان پر واجب شدہ حق نہ لے لوں اور بلاشبہ تمہارے کمزور لوگ میرے پاس اس وقت تک زبردست (طاقت ور) ہیں، جب تک میں ان کا غصب شدہ حق واپس نہ دلا دوں۔(۱۵۶)

ہندو دانش ور بابو بپین چندر پال لکھتا ہے: ''اسلام نے اخوت اور برادرانہ روابط پر جس قدر زور دیا ہے اور وہ جس شدّ ومد سے اس پر عمل پیرا ہوا، اس کی مثال دنیا کا کوئی مذہب پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس میں ہندوؤں کی طرح ذات پات کا رواج موجود نہیں۔ یہ مسلمانوں کی انتہائی ہمدردی اور خدا ترسی ہی تھی جس نے ہندوستان جیسے عظیم الشان ملک میں مذہبی زندگی اور خیالات میں انقلاب عظیم برپا کردیا۔ اسلام نے سیاسی طور پر بنی نوع انسان کو ایسے حقوق عطا کیے، جو رومیوں اور دیگر اقوام نے صدیوں میں بھی اپنی رعایا کو نہ دیے تھے۔ اسلام نے ٹیکس محدود کرایا۔ قانوناً سب انسانوں کو ایک دوسرے کے مساوی بنا دیا۔ حکومت خود اختیاری کے قانون رائج کیے، بادشاہوں کے اختیارات پر پابندیاں عائد کردیں۔'' (۱۵۷)

Marfat.com

شاہِ غسان کا واقعہ:

غسانی بادشاہ جبلہ ابن ایہم کا مشہور واقعہ ہے کہ جب اس نے ایک معمولی عرب کو پیٹ ڈالا اور یہ مقدمہ دربارِ فاروقیؓ میں آیا تو آپ نے اس کی قطعاً رعایت نہیں کی کہ نومسلم ہے یا بادشاہ ہے۔ اور دوٹوک فیصلہ دیا کہ: یا تم اسے راضی کرو یا وہ تمہاری اسی طرح پٹائی کرے گا جس طرح تم نے اسے مارا ہے۔(۱۵۸)

یہ فیصلہ شاہِ غسان پر شاق گزرا اور اس نے سوال کیا کہ کیا بادشاہ اور عام رعایا کے درمیان تمہارے نزدیک کوئی فرق نہیں؟ جس پر آپ نے ارشاد فرمایا: "لا قد جمع بينكما الاسلام". (۱۵۹) بالکل نہیں، تم دونوں کو اسلام نے ایک ہی سطح پر لا کھڑا کیا ہے۔

اسلامی نظامِ عدل میں فرانسیسی مصنف ڈاکٹر گستاؤلی بان عدل کی برتری کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں ہر شخص برابر سمجھا جاتا تھا اور ایک ہی قانون سب کے لیے تھا۔ حضرت علیؓ بنفس نفیس عدالت کے سامنے مدعی بن کر آئے اور ایک شخص پر دعویٰ کیا، جس نے آپ کی زرہ چُرائی تھی۔''(۱۶۰) آگے چل کر وہ غسان کے نصرانی بادشاہ کا مذکورہ بالا واقعہ لکھ کر حضرت عمرؓ کا وہ جواب جو انہوں نے بادشاہ کو دیا۔ یوں تحریر کرتا ہے: ''اسلام کا قانون یہی ہے، اسلام میں نہ کسی رُتبے کی وجہ سے عزّت ہے، نہ ذات کی، کیوں کہ پیغمبر علیہ السلام کی نظر میں سب برابر ہیں۔ اسی لیے ان کے خلفاء میں بھی یہی روایات قائم رہیں گی۔''(۱۶۱)

علمبردار عدل و انصاف سیدنا عمر بن خطابؓ کا خطبۂ حج:

ایک دفعہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے حج کے موقع پر پورے حدودِ خلافت کے گورنروں کو ایک عظیم اجتماع میں یکجا جمع کیا اور لوگوں سے خطاب فرمایا:

''سنو! اگر ان میں سے کسی نے تم لوگوں میں سے کسی پر ظلم وستم ڈھایا ہے، تو اسے چاہیے کہ آج اس مجمع میں کھڑا ہو اور مظالم کی تفصیل بیان کرے۔(۱۶۲)

ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے امیرالمومنینؓ کو مخاطب کرکے عرض کیا: "يا امير المومنين، عاملك ضربني مأة سوط."(۱۶۳) اے امیرالمومنینؓ، آپ کے فلاں عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے تحقیق حال کے بعد شکایت کنندہ سے فرمایا۔ اٹھو اور اپنا بدلہ لے لو۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر حضرت عمر بن العاصؓ نے عرض کیا۔ اے امیرالمومنین! آپ نے یہ دروازہ کھول دیا تو پھر کبھی بند نہ ہوگا۔ حالانکہ یہ چیز آپ کے عمال پر بہت شاق ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: ''کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں انصاف نہ کروں، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ خود رسول اکرم ﷺ اپنی ذات اقدس کو بلا تکلف بدلے کے لیے پیش فرما دیا کرتے تھے۔(۱۶۴) اس کے بعد فاروقِ اعظمؓ نے اس مظلوم کو حکم دیا کہ اے شخص، کھڑا ہو جا اور بدلہ لے لے۔

دربارِ فاروقیؓ میں مظلوم مصری کی دادرسی:

ایسے ہی آپ نے ایک مظلوم مصری کی شکایت پر مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ کے صاحبزادے کو اس مصری کے ساتھ زیادتی کرنے کے بدلے اسی سے کوڑے لگوائے، جب مصری نے اپنا بدلہ لے لیا تو آپ نے فرمایا، سن لو کہ انصاف میں کسی کی

Marfat.com

تمیز نہیں ہوا کرتی، جو بھی جرم کا مرتکب ہوگا، بدلہ پائے گا۔ اس کے بعد گورنر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

"مذ عبدتم النّاس وقد ولدتھم اُمّھاتھم احرارا" (۱۶۵)۔ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا تھا، تم نے کب سے انہیں غلام بنا لیا ہے۔(۱۶۶)

شاہ و گدا کے لیے یکساں قانون۔ اسلام کے فلسفۂ عدل اجتماعی کا امتیاز:

ان حقائق سے واضح ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کے عطا کردہ نظام عدل کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ یہاں انسانوں کا بنایا ہوا نہیں، بلکہ رب العالمین کا دیا ہوا قانون نافذ ہوتا ہے۔ جس میں نہ کوئی افراط و تفریط ہے اور نہ ہی کسی کے لیے خاص امتیاز و تفریق جو قانون عام فرد کے لیے ہے، وہی بادشاہ کے لیے بھی ہے اور جو آئین سرمایہ دار کے لیے ہے، وہی ایک مزدور اور فاقہ مست کے لیے بھی۔ ایسے ہی جو قوانین اپنوں کے لیے ہیں، وہی غیروں کے لیے بھی یہاں تک کہ حاکم و محکوم میں سے کوئی بھی ان سے مستثنیٰ نہیں ہے اور وہ سب پر برابر لاگو ہیں، گویا کہ یہاں صحیح معنوں میں عدل کی حکومت یعنی Rule of Justice ہے۔(۱۶۷)

نظام کائنات عدلِ اجتماعی سے وابستہ ہے:

اللہ تعالیٰ نے نظامِ کائنات کے قیام و قرار میں بھی عدل کے اصول کو کارفرما رکھا ہے۔ ''عدل'' یعنی ترتیب و توازن ایسا آفاقی اصول ہے کہ مادہ کی نامیاتی (Organic) یا غیر نامیاتی (InOrganic) اشکال بھی اس اصول کے تحت اپنی بقا اور وجود کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ پانی اور ہوا جو کہ قدرت کے بیش قیمت انعامات ہیں، ان کا کیمیائی تجزیہ ثابت کرتا ہے کہ وہاں بھی توازن موجود ہے، جب کہ ہائیڈروجن کے دو سالمے (Molecules) آکسیجن کے ایک سالمہ کے ساتھ مخصوص حالت میں نہ ملائے جائیں، تو پانی وجود میں نہیں آسکتا۔ ایسی ہی مثال ہوا کی ہے، اس میں بھی مختلف عناصر یعنی آکسیجن، نائٹروجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ وغیرہ میں خاص تناسب موجود ہے۔ جو نہ صرف حیاتِ انسانی کے لیے اہم ہے، بلکہ نباتات و حیوانات کے لیے بھی اہم ہے۔ اگر کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار زیادہ ہوجائے تو زندگی ناممکن ہوجائے۔ انسانی جسم میں مختلف عناصر کی کمی بیشی سے مختلف عوارض اور امراض پیدا ہوتے ہیں۔ قصہ مختصر کارخانۂ ہستی کا سارا نظامِ اعتدال و توازن پر قائم ہے۔ حسن و جمال کیا ہے، تناسب و اعتدال میں ایک کیفیت ہے، اگر انسان میں ہے تو وہ خوبصورت انسان ہے، نباتات میں ہے تو وہ پھول ہے۔ عمارت میں ہے تو تاج محل ہے۔ نغمہ کی حلاوت کیا ہے، سُروں کی ترکیب و اعتدال ایک سُر بھی بے محل ہو تو نغمے کی کیفیت جاتی رہے۔(۱۶۸) اللہ تعالیٰ نے جس طرح کائنات کی بنیاد توازن عدل پر قائم کی ہے۔ اسی طرح انسان کو یہ موقع بخشا کہ وہ مظاہرِ فطرت سے از خود سبق سیکھ کر اپنی معاشرتی، سیاسی، معاشی زندگی کی اساس بھی اسی اصول کے تابع کرے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں انبیائے کرامؑ کے ذمّے یہ کام سونپا گیا کہ وہ انسان کو عدل کے مفہوم سے آگاہ کریں۔ ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾(۱۶۹) ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی، تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

انبیائے کرامؑ ارشادِ ربّانی پر عمل پیرا رہے، مگر اسلام سے پہلے ان کی کامیابی محدود رہی اور فرشتوں کی پیش گوئی ایسی غلط نہ نکلی

Marfat.com

کہ انسان دنیا میں فساد برپا کرتا رہے گا اور مقصدِ تخلیق پورا نہیں کرے گا۔ انسان پستی میں گرتا رہا کہ غیرت ربانی جوش میں آئی اور اپنی شاہکار تخلیق کی تکمیل کردار اور عدل کے صحیح مفہوم سے آگاہی کرانے کے لیے ''خاتم النبیینﷺ'' کو مبعوث فرمایا۔ اب اللہ تعالیٰ نے غالباً پہلی مرتبہ درسِ اخلاق کے علاوہ انسان کی عقلِ سلیم کو جھنجوڑا اور مظاہرِ فطرت میں مضمر قانونِ عدل و توازن کی طرف توجہ دلائی، سورۂ ملک میں ارشاد ربانی ہے: ﴿الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ط مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَ لا هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ﴾ (۱۷۰) وہ ذات، جس نے تہہ بہ تہہ سات آسمان بنائے، تم رحمٰن کی (کسی) تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے، پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے۔

نظامِ کائنات میں اہتمامِ عدل و توازن کی جانب توجہ دلانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو کہا کہ وہ اپنے معاملات کی بنیاد بھی اسی اصول پر قائم کرے۔ ارشاد ہوا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (۱۷۱) بے شک، اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عدل و احسان کا ذکر ساتھ ساتھ کیا ہے، اس لیے کہ اس ذات میں یہ دونوں صفات موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ ان صفات کا جلوہ اپنے بندوں میں بھی دیکھنا چاہتا ہے۔ (۱۷۲)

نظامِ کائنات، قدرت کا شاہ کار۔ عدلِ اجتماعی کا مظہر:

ساری کائنات ایک میزانِ عدل پر قائم ہے۔ تمام مظاہرِ فطرت ایک عادلانہ نظام کے پابند ہیں، سورج، چاند اور ستارے ایک خاص نظام کے تحت، گردش کر رہے ہیں، جمادات و نباتات، صحرا و دریا، پرند و چرند، سب نے اسی نظام کے آگے سر جھکا دیا ہے۔ یہ فطری نظام قدیم ہے، اللہ نے جب آسمان کو پیدا کیا تو اسی وقت ایک میزانِ عدل بھی قائم کر دیا۔

انسان فطرت کا اعلیٰ ترین مظہر ہے۔ اس لیے خدا کی تمام مخلوقات کی طرح اپنی فلاح اور بقا کے لیے اسی فطری نظام عدل کا پابند ہے۔ لیکن وہ تو تمام مخلوقات میں اشرف ہے۔ اس سبب سے اللہ کے نظام عدل کا بھی اسے سب سے زیادہ پابند ہونا چاہیے۔

دینِ اسلام...... عدلِ اجتماعی کا مثالی پیغام:

دین، ایمان اور عقائد میں عدلِ اجتماعی:

قرآن کریم میں ایک مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ (۱۷۳) ''اے کتاب والو، مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں اور مت کہو اللہ کی شان میں مگر پکی بات۔''

دینِ اسلام ایک معتدل اور سیدھا مذہب ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ط لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ق وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (۱۷۴) اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فطرت صحیح پر پیدا کیا اور اس اصلی اور جبلی فطرت کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہی دین اسلام سیدھا دین ہے کہ جو اس اصلی فطرت کے مطابق ہے، اکثر لوگ جانتے نہیں۔

قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا﴾ (۱۷۵) ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک امت وسط بنایا ہے، تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ رہو اور رسولﷺ

Marfat.com

تم پر گواہ ہوں۔

قدیم و جدید مفسرین کے مطابق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان درحقیقت امّت محمدؐ کی امامت کا اعلان تھا، اسی طرح کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی اس راہ نمائی کی طرف بھی تھا، جس سے رسول اکرم ﷺ کی پیروی قبول کرنے والوں کو سیدھی راہ ''صراطِ مستقیم'' معلوم ہوئی اور وہ ترقی کرتے کرتے اس مرتبے پر پہنچے کہ ''امتِ وسط'' قرار دیئے گئے۔(۱۷۶)

مفسرین کے مطابق ''امّتِ وسط کا لفظ اپنے اندر اس قدر وسیع معنویت رکھتا ہے کہ کسی دوسرے لفظ سے اس کے ترجمے کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ اس سے مراد ایک ایسا اعلیٰ و اشرف گروہ ہے، جو عدل و انصاف اور توسط و اعتدال کی راہ پر قائم ہو جو دنیا کی قوموں کے درمیان صدر کی حیثیت رکھتا ہو، جس کا تعلق سب کے ساتھ یکساں حق اور راستی کا ہو، اور ناحق اور ناروا تعلق کسی سے نہ ہو، چنانچہ اس آیتِ مبارکہ میں جہاں امت محمدؐ کی فضیلت و سرفرازی کا تذکرہ ہے، وہیں اس پر ذمے داری کا بہت بڑا بار بھی ہے، اس کے معنٰی یہ ہیں کہ جس طرح رسولِ اکرم ﷺ امّت کے لیے خدا ترسی، راست روی، اور حق پرستی کی زندہ شہادت بنے، اسی طرح اس امت کو بھی تمام دنیا کے لیے زندہ شہادت بننا ہے، اپنا قائدانہ کردار ادا کرنا ہے، حتیٰ کہ اس کے قول وعمل، سیرت و کردار اور حسنِ سلوک کو دیکھ کر دنیا جان لے کہ خدا ترسی اسی کا نام ہے۔ راست روی یہ ہے، عدل اسے کہتے ہیں، حق پرستی ایسی ہوتی ہے اور اسلام دنیا بھر کے انسانوں کو کچھ بتانے اور پیغام دینے آیا ہے۔''(۱۷۷)

دین میں غلو اور انتہا پسندی ایک ایسی اصطلاح ہے جس کی اسلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ یہ دین کی حقیقی تعلیمات، اسلام کے پیغامِ امن و سلامتی اور پیغمبرِ رحمت، محسنِ انسانیتؐ کے اسوۂ حسنہ اور سیرتِ طیّبہ کے منافی عمل ہے۔ ''انتہا پسندی'' کو قرآن نے ''غلوفی الدین'' سے تعبیر کیا ہے۔(۱۷۸) چنانچہ قرآنِ کریم نے اہلِ کتاب کی مذہبی انتہا پسندی، مبالغہ آمیزی اور شدت پسندی کو غلوفی الدین اور ناپسندیدگی سے دیکھتے ہوئے واضح طور پر ارشاد فرمایا: ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ (۱۷۹)(ترجمہ) اے اہل کتاب! غلو نہ کرو دین میں اور نہ کہو اللہ کے بارے میں حق کے سوا۔ جبکہ ''سورۃ المائدہ'' میں فرمایا گیا: ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ﴾ (۱۸۰) (ترجمہ) کہہ دیں اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق مبالغہ نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو اس سے قبل گمراہ ہوچکے ہیں اور انہوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور وہ خود بھی بہک گئے۔

راہِ خدا میں مال خرچ کرنے میں عدلِ اجتماعی:

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾(۱۸۱) ''اور نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن میں باندھ لے اور نہ اسے بالکل کھول دے کہ تُو بیٹھ جائے ملامت کا نشانہ بن کر تھکا ہارا''۔

عبادات میں عدلِ اجتماعی:

شریعتِ اسلامی نے عبادات میں بھی عدلِ اجتماعی یعنی اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا ہے۔ دعا یا نماز میں ایک مسلمان کی آواز معتدل ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ

Marfat.com

سَبِيلًا﴾(۱۸۲) ''اور پکار کر مت پڑھ اپنی نماز اور نہ چپکے پڑھ اور ڈھونڈ لے اس کے بیچ کی راہ۔''

ترکِ دنیا رہبانیت اختیار کرنا۔ دن رات عبادات میں مشغول رہنا اور دنیوی تقاضوں کو نظر انداز کرنا شریعت اسلامی کے مزاج اور روح کے خلاف ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اما واللّٰہِ اِنّی لاخشاکُم اللّٰہ وأتقاکُم له، لٰکنّی اَصومُ وافطر واُصلّی واَرقد، واتزَوّج النّساء، فمن رَغبَ عن سُنّتی فلیسَ مِنّی.''(۱۸۳) ''اللہ کی قسم، میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور سب سے بڑھ کر پاسداری کرتا ہوں، لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار (ناغہ) بھی کرتا ہوں، رات میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور نکاح بھی میری سنّت ہے، پس جو میری سنّت سے گریز کرے، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔''

نیک اعمال میں عدلِ اجتماعی:

حدیث نبویؐ ہے: ''خیرُ الاُمور اوسطُھا''(۱۸۴) ''تمام امور میں بہترین وہ ہے، جو اعتدال پر ہو۔'' ایک حدیث میں آیا ہے: ''والاقتصاد جزء من خمسة و عشرین جزا من النبوّة''(۱۸۵) ترجمہ: ''اعتدال نبوت کا پچیسواں جز ہے۔'' آپؐ کا ارشادِ گرامی ہے: ترجمہ:۔ اے لوگو! ایسے اعمال اختیار کرو، جن کی تم طاقت رکھتے ہو، اللہ تعالیٰ عمل سے نہیں تھکتا، البتہ تم تھک جاتے ہو، سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے، جس پر آدمی ہمیشہ قائم رہے خواہ تھوڑا ہو۔(۱۸۶)

راہِ خدا میں مال خرچ کرنے میں عدل:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾(۱۸۷) ''اور نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن میں باندھ لے اور نہ اس کو بالکل کھول دے کہ تو بیٹھ جائے، ملامت کا نشانہ بن کر تھکا ہارا۔''

مسلمان نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں، بلکہ درمیان راہ چلتے ہیں جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾(۱۸۸) ''اور جو خرچ کریں تو فضول خرچی نہ کریں اور نہ بہت تنگی کریں اور ہے اس کے بیچ میں ایک سیدھی گزران۔''

حدیث نبویؐ ہے ''کھاؤ پیو، پہنو اور صدقہ کرو، مگر اس میں اسراف یا گھمنڈ نہ ہو۔ اور ابن عباسؓ نے کہا ہے، اسراف اور گھمنڈ سے بچتے ہوئے، جو جی چاہے اور جو جی چاہو پہنو۔''(۱۸۹)

معاشی نظام کو مستحکم رکھنے کے لیے جتنی اہمیت طلبِ رزق میں اعتدال و قناعت کی ہے، اس سے کہیں زیادہ خرچ میں اعتدال کی ہے۔ حدیثِ نبویؐ ہے: ''الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة''(۱۹۰)۔

غیر مسلموں سے تعلقات کے حوالے سے عدلِ اجتماعی کا تصور:

قرآن کریم میں غیر مسلموں کے متعلق ایک مقام پر واضح اور اصولی طور پر ارشاد فرمایا گیا: ﴿لَا یَنْھٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ○ اِنَّمَا یَنْھٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ وَظٰھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْھُمْ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ

Marfat.com

﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾(۱۹۱) ''اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے منع نہیں فرماتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور عدل و انصاف کا برتاؤ کرو، جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ تو تمہیں ان لوگوں سے دوستی کرنے سے روکتا ہے، جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے بے دخل کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کی، ان سے جو شخص دوستی کرے، وہی ظالم ہے''۔

مشہور مفسر قرآن علامہ ابن جریر طبریؒ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس کی بہترین توجیہ یہ ہے کہ کسی بھی دین وملت کے وہ افراد جو برسر جنگ نہ ہوں، ان کے ساتھ عدل و انصاف اور حسن سلوک کیا جائے گا۔(۱۹۲)

نامور عرب محقق ڈاکٹر یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:''یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بیت المال سے صرف غریب مسلمان ہی نہیں مستفید ہوتے، بلکہ ان کے علاوہ وہ غیر مسلم جو ذمی کہلاتے ہیں اور اسلامی مملکت کے زیر سایہ زندگی گزارنے کا عہد کیے ہوتے ہیں، ان کا بھی حق ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے بیت المال سے فیض یاب ہوں۔ چنانچہ امام یوسف نے ''کتاب الخراج'' میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے اس معاہدے کو بعینہٖ نقل کیا ہے، جو ان کے اور حیرہ کے باشندوں کے درمیان عراق میں ہوا تھا۔ حیرہ کے یہ باشندے عیسائی تھے، یہ سیاسی معاہدہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ تنگدستی، بیماری یا بڑھاپے کی صورت میں مسلمان اس قوم کے ساتھ مکمل تعاون کی ذمہ داری اپنے اوپر عائد کرتے ہیں۔ یہ اسلامی تاریخ میں اپنی نوعیت کی پہلی سماجی گارنٹی تھی، جو اسلامی افواج کے سالار حضرت خالد بن ولیدؓ نے اس قوم کو دی، جس نے اپنے مذہب پر برقرار رہنے کو پسند کیا تھا۔(۱۹۳)

علامہ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:''اسلام جہاں اپنے مخالفین کے ساتھ عدل اور حسن سلوک کرنے سے نہیں روکتا، خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، یہاں تک کہ وہ بت پرست مشرک ہی کیوں نہ ہوں، وہاں وہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے ساتھ خصوصی رعایت برتتا ہے، خواہ وہ دارالاسلام میں رہتے ہوں یا اس سے باہر۔''(۱۹۴)

''خرچ میں اعتدال آدھی معیشت ہے۔''

حقوق العباد کی ادائیگی میں عدلِ اجتماعی:

حقوق العباد کی ادائیگی دین کا اہم شعبہ ہے، شریعت اور دین کا خلاصہ ہی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ہے۔ ان میں محسنِ انسانیت ﷺ نے عدل و احسان، مساوات، اعتدال کی تعلیم دی ہے۔ مثلاً بڑوں اور چھوٹوں سے متعلق ارشاد فرمایا:''جو ہمارے چھوٹے پر شفقت نہ کرے، اور ہمارے بڑے کا ادب نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔''(۱۹۵)

بقول علامہ سیّد سلیمان ندوی:''حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ ترازو ٹھیک اور سیدھی رہے تو ہر انسانی جماعت میں چھوٹوں اور بڑوں، افسروں، ماتحتوں، آقاؤں، نوکروں اور بزرگوں اور عزیزوں کے درمیان کسی قسم کی ناگواری اور آزردگی پیدا نہ ہونے پائے، جب کبھی چھوٹوں اور بڑوں میں کسی قسم کی ناگواری پیش آتی ہے، تو اس کا سبب یہی ہوا ہے کہ ترازو کے ان دونوں پلڑوں میں توازن قائم نہیں رہتا ہے۔''(۱۹۶)

Marfat.com

اسلامی معیشت اور اقتصادی نظام میں عدلِ اجتماعی کی ضمانت:

اسلام ریاست کے معاشی وظائف کا ایک مثبت تصوّر پیش کرتا ہے اور سماجی فلاح اور معاشی انصاف کے قیام کو اس کی اولین ذمّے داری قرار دیتا ہے۔ زکوٰۃ سماجی فلاح کی ایک اسکیم ہے، جس کے نظام کو ریاست کے ہاتھوں قائم کیا جاتا ہے، معاشی قانون سازی اور عدلیہ کی طاقتوں کے ذریعے ریاست عدلِ اجتماعی قائم کرتی ہے۔ جس کا کوئی وارث نہیں، اس کی ریاست وارث ہے اور جس کا کوئی ولی نہیں، اس کی ریاست ولی ہے۔ ناداروں، اپاہجوں اور محتاجوں کی مدد ریاست کا فرض ہے اور یہ بھی اس کی ذمّے داری ہے کہ تمام شہریوں کو ان کی بنیادی ضرورتیں فراہم کرے۔ اسی بنیاد پر حکم ہے کہ: ''السلطان ولی من لا ولی له'' حکومت ہر اس شخص کی ولی (دست گیر و مددگار) ہے، جس کا کوئی ولی نہ ہو۔

ایک اور حدیث میں ہے: ''من ترك كلّاً فالينا ''۔ یعنی جس مرنے والے نے ذمّے داریوں کا کوئی بار (مثلاً قرض یا بے سہارا کنبہ) چھوڑا ہو، وہ ہمارے ذمّے ہے۔

ایک خلیفۂ راشد نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے: ''خدا کی قسم، اگر میں زندہ رہا تو صفا کی پہاڑیوں میں جو چرواہا اپنی بکریاں چراتا ہے، اس کو اس مال میں سے حصّہ پہنچے گا اور اس کے لیے اس کو کوئی زحمت نہیں اٹھانی پڑے گی۔'' اور یہ کہا: ''خدا کی قسم، اگر اہلِ عراق کی بیواؤں کی خدمت کے لیے زندہ رہا، تو ان کو اس حال میں چھوڑ جاؤں گا کہ میرے بعد ان کو کسی اور کی مدد کی احتیاج باقی نہ رہے گی۔'' (۱۹۷)

حضرت علیؓ نے اس بات کو اس طرح ادا کیا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے دولت مند لوگوں پر ان کے اموال میں اتنی مقدار مقرر کی ہے، جو غربا کے لیے کافی ہوسکے۔ اس کے باوجود اگر وہ بھوکے، ننگے اور تنگ دست ہوں تو یہ صرف دولت مندوں کی عدم توجہی اور بخل کی وجہ سے ہوسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ ان امرا سے قیامت کے دن محاسبہ کرے گا۔''

ان احکام کے مطابق جو نظام قائم ہوتا ہے، اس میں زمین اپنے خزانے اگل دیتی ہے اور آسمان اپنی نعمتوں کی بارش کرنے لگتا ہے اور افلاس و تنگ دستی ختم ہوجاتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اے لوگو! صدقہ دو، کیوں کہ تم پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی صدقہ لیے لیے پھرے گا، مگر وہ کسی ایسے شخص کو نہ پائے گا، جو اسے قبول کرے۔'' (یعنی اس کا حاجت مند ہو)۔ چنانچہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مثالی دورِ حکومت (۹۹ھ تا ۱۰۱ھ/ ۷۱۷ء تا ۷۱۹ء) میں لوگوں کو اس حد تک فراخی نصیب ہوگئی تھی کہ لوگ زکوٰۃ کا مال لیے پھرتے تھے اور کوئی انہیں وصول کرنے والا نہیں تھا۔ یحییٰ بن سعد کا بیان ہے: ''مجھے امیرالمومنین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے افریقہ صدقات کی وصولی کے لیے روانہ فرمایا، میں نے صدقات اکٹھے کیے اور ایسے لوگوں کو تلاش کیا جنہیں زکوٰۃ کی رقم تقسیم کرسکوں مگر ایسا کوئی شخص نہ ملا جو زکوٰۃ قبول کرلے، بالآخر زکوٰۃ کی اس رقم سے غلام خرید کر آزاد کیے۔ (۱۹۸)

یہ ہے، اسلام کا معاشی نظام اور درحقیقت انسانیت کی نجات انہی اصولوں میں مضمر ہے۔ اس کی اصل خصوصیت یہ ہے کہ اس کا مرکزی تصوّر انسان اور اس کی معاشی اور اخلاقی فلاح ہے۔ وہ معاشی ترقی کو اعلیٰ ترین مدارج تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ سماجی انصاف، آزادی اور اخلاقی ترقی کو اوّلین اہمیت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے اس کا معاشی نظام سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں

Marfat.com

سے اپنے مقصد، اپنے مزاج اور اپنے اصولوں کے اعتبار سے مختلف ہے اور ہر حیثیت سے ان سے اعلیٰ اور برتر ہے۔(۱۹۹)

اسلام اقتصادی اور معاشی معاملات میں ''عدلِ اجتماعی'' کا درس دیتا ہے۔ سیّدالمرسلین، محبّ المساکین، یتیموں کے مولیٰ، غریبوں کے والی، حضرت محمد ﷺ نے معاشی عدل اور اس مسئلے کے حل کے لیے زندگی کے فطری اصولوں کو ملحوظ رکھا ہے، آپؐ کی معاشی اصلاحات کے چار ستون ہیں، جو عدلِ اجتماعی کا حقیقی مظہر ہیں:

(۱) زندگی کے فطری اصولوں کو درہم برہم نہ کیا جائے، البتہ فطرت کے راستے سے جہاں انحراف ہوا ہے، وہیں سے اسے موڑ کر فطرت ہی کے راستے پر ڈال دیا جائے۔

(۲) اس کے لیے خارجی طور پر نظامِ تمدن میں قوانین نافذ کرنے کے ساتھ ساتھ اخلاق اور ذہنیت کی اصلاح پر پورا زور صرف کیا جائے اور نفس انسانی کی تطہیر کی جائے۔

(۳) حکومتی طاقت کو اس معاملے میں صرف ناگزیر صورتوں میں استعمال کیا جائے۔

(۴) انسانوں کے درمیان صلاحیتوں اور قابلیتوں کا جو تفاوت موجود ہوتا ہے، اسے حد فطرت سے تجاوز کر کے ظلم و ناانصافی کا سبب نہ بننے دیا جائے۔(۲۰۰)

اس غرض کے لیے محسنِ انسانیت ﷺ نے معاشی اسکیم متعارف فرمائی، وہ دنیا کی تمام اسکیموں سے ممتاز ہے، اس کی خصوصیات یہ ہیں:

۱) معاشی ظلم اور بے جا استحصال کا سدِّباب۔

(۲) معاشی اقدار کو اخلاقی اقدار سے علیحدہ نہیں کیا گیا، بلکہ مجموعی نظامِ حیات میں معاشی مسئلے کو رکھ کر اس کا حل دریافت کیا گیا۔

(۳) بنی نوع انسان کو اکتساب رزق کے کھلے مواقع فراہم کیے گئے۔

(۴) افراد کی شخصی ملکیت کے حقوق کو محدود کر دیا گیا اور دیگر افراد معاشرہ کے مفاد کی خاطر ضروری اور لازمی پابندیاں عائد کی گئیں، تاکہ غریب رشتے داروں، ہمسایوں، دوستوں، حاجت مندوں اور معذوروں کی کفالت کا سامان ہو سکے۔

(۵) عدلِ اجتماعی کے اصول کے تحت معاشی توازن کو برقرار رکھا گیا، چناں چہ ایک جانب بخل سے روکا گیا اور دوسری جانب اسراف اور فضول خرچی سے منع کیا گیا۔

(۶) دولت کو ''عدلِ اجتماعی'' کے اصول پر زیادہ سے زیادہ گردش میں رکھنے کا انتظام کیا گیا اور اس امر کا اہتمام کیا گیا کہ ان لوگوں کو ضرور حصّہ ملے، جو کسی نہ کسی وجہ سے کسبِ معاش سے محروم رہ گئے ہیں۔(۲۰۱)

اسلام کے اقتصادی نظام اور معیشت میں عدلِ اجتماعی کا تصوّر......معاشی امور اور اقتصادیات میں عدل:

دولت میں بھی عدل ہونا چاہیے، بخل درست ہے، نہ فضول خرچی۔ قرآن حکیم نے بخیل کا انجام یوں بیان کیا ہے۔

﴿یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ O كَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ﴾(۲۰۲) جس نے گن گن کر مال کو اکٹھا، کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا۔ ہرگز نہیں، وہ تو ضرور چکنا چور کرنے والی جگہ (دوزخ) میں ڈالا جائے گا۔

Marfat.com

فضول خرچی کی ان الفاظ میں مذمت ہے: ﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا O اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْآ اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾ (۲۰۳) دولت کو بے جا مت اڑاؤ، کیوں کہ دولت کو بے جا اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے بخل و اسراف کے درمیان اقتصاد اور میانہ روی کا حکم دیا ہے۔ ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾(۲۰۴) نہ اپنے ہاتھوں کو گردن تک باندھ لو، نہ بالکل چھوڑ دو۔نبی کریم ﷺ کا ایک خوبصورت پُرحکمت ارشاد ہے:"الاقتصاد نصف المعیشة."(۲۰۵) ''میانہ روی نصف معیشت ہے۔''

معاملاتِ کسب میں عدلِ اجتماعی:

کسبِ معاش کے دوران فریق معاملہ کے ساتھ ایک مسلمان کو عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا نہیں چاہیے اور جذبہ خیر سگالی، خیر خواہی سے کام لینا چاہیے،تول اور وزن تک یہ اصول کارفرما رہتا ہے۔قرآن حکیم میں ہے: ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ O الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ O وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ O اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ O لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾(۲۰۶) ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے، جو لوگوں سے ناپ تول کرلیں تو پورا پورا لیں اور جب ان کو ناپ تول کردیں تو کم دیں، کیا وہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ قیامت کے روز انہیں پیش ہونا ہے۔''احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ جب دوسروں سے کوئی چیز خریدے تو مقدار اور وزن میں قدرے کمی گوارا کرے، لیکن جب فروخت کرے تو قدرے زیادہ دے۔

آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ کوئی چیز خریدی اور وزن کرنے والے سے فرمایا:"زِن وارجح""تول کر دو اور جھکتا دو۔" یہی طرزِ عمل بزرگانِ دین نے اختیار کیا، وہ کس حد تک احتیاط کرتے تھے، اس کا ایک واقعہ سے اندازہ لگا لیجیے۔حضرت فضیل جب کسی کو کوئی چیز دیتے تھے تو اچھی طرح مانجھ لیتے تھے، تاکہ میل کچیل سے اصلی وزن نہ بڑھ جائے۔

اسلامی نظامِ معیشت وکفالت عامہ......عدلِ اجتماعی کی ایک روشن مثال:

سماجی عدل اور انسانی مساوات کے علاوہ اجتماعی عدل کا تصور اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا، جب تک محرومین کو معاشی تحفظ حاصل نہ ہو۔اور انہیں معاشی میدان میں آگے بڑھنے کا موقع میسر نہ ہو۔اسلام میں سب کو حصولِ رزق کے مساوی مواقع ملتے ہیں۔تاکہ وہ کارزارِ حیات میں اپنا مقام پیدا کرلیں کسی شخص کی راہ میں حسب ونسب روڑا نہیں اٹکاتا۔اہلِ حکومت کو اعزا و احباب پروری کے لیے کوئی رعایت نہیں دی گئی۔اسلام ہر فرد کو بنیادی ضرورت کی تکمیل کی ضمانت دیتا ہے اور مزید حاصل کرنے کے لیے سعی کی دعوت دیتا ہے۔اسلام عیش کوشی کی راہیں مسدود کرتا ہے۔امیر طبقہ انفاق فی سبیل اللہ نہیں کرتا تو وہ جہنم کا ایندھن بنتا ہے اور بعض حالات میں حکومت پر فرض ہے کہ وہ ان سے دولت چھین کر حق داروں کو دے۔اللہ تعالیٰ نے محرومین کے لیے اس ''حق'' کو محفوظ کیا ہے۔

﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (۲۰۷) ان کے اموال میں حاجت مندوں اور محرومین کا حق ہے۔

شخصی اور اجتماعی عدل جس معاشرے میں رائج ہوگا، اسے دنیا میں ہی لطف جنت نصیب ہوگا۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے رابا کسے کارے نباشد(۲۰۸)

Marfat.com

بہشت وہاں ہوتی ہے جہاں کچھ تکلیف نہ ہو۔ کسی کو کسی سے کوئی حاجت نہ ہو۔

علم بردارِ عدل و انصاف، سیدنا عمر بن خطابؓ جن کا عہدِ خلافت پوری اسلامی اور انسانی تاریخ میں مثالی حیثیت کا حامل ہے، آپ نے زکوٰۃ و صدقات اور دیگر محاصل کو نظمِ معیشت و کفالتِ عامّہ میں امیرالمومنین کی حیثیت سے کس طرح استعمال فرمایا اور آپ کو رعایا کی کفالت عامّہ کا کس درجہ احساس تھا، ذیل میں درج آپ کے اس فرمان سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ نیز اس سے اسلام کے نظامِ کفالت کا بھی بہ خوبی پتا چلتا ہے۔ ''میری یہ خواہش رہتی ہے کہ کسی کی کوئی حاجت دیکھوں تو اسے فوراً پورا کردوں۔ جہاں تک ہو سکے، ہم ایک دوسرے کی ضروریات کی کفالت کریں اور جب ہم تنہا ایسا کرنے سے عاجز آجائیں، تو پھر مل کر کریں۔ یہاں تک کہ ہم سب کا معیار زندگی برابر ہوجائے۔ کاش کہ تمہیں پتہ چل جاتا کہ تمہارے بارے میں میرے دل میں کیا جذبات ہیں۔ لیکن میں تو انہیں صرف عمل کے ذریعے تمہیں بتانا چاہتا ہوں، اللہ کی قسم! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تمہیں اپنا غلام بنائے رکھوں۔ میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، جس پر خلافت کی امانت مسلط کردی گئی ہے، مجھے چاہیے کہ میں اسے پورا کردوں اور پھر اسے تمہیں واپس کردوں۔ اس صورت میں تمہاری ضروریات کے پیچھے چلوں، یہاں تک کہ تم سیر ہوکر اپنے گھروں میں سو جاؤ اور اس طرح میں تمہارے معاملے میں سعادت مند ہوجاؤں اور اگر میں امانت کو اٹھا تو لوں، مگر تمہیں مجبور کردوں کہ تم اپنی ضروریات کے ساتھ میرے گھر تک آؤ، تو اس صورت میں تمہارے معاملے میں بدبخت بن جاؤں گا۔ پھر کیا ہوگا، چند دن عیش کرلوں گا، مگر ایک لمبی مدت تک غم اور افسوس کرتا رہوں گا اور میرا یہ حال ہوگا کہ نہ کچھ کہہ سکوں گا اور نہ مجھے جواب دیا جائے گا۔'' (۲۰۹)

عدلِ اجتماعی کا تصوّر اور اس کا قیام: قرآنِ کریم اور تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں!

ریاست کا سب سے بڑا مقصد اجتماعی عدل کا قیام ہے۔ اگر کوئی ریاست عدلِ اجتماعی کے قیام میں ناکام ہو تو وہ بیکار ہے۔ معاشرتی نقطۂ نظر سے بھی ریاست کا سب سے اہم فرض یہی ہے کہ عدلِ اجتماعی کو قائم کرے۔ اسلامی ریاست اس اہم فریضے پر خاص توجہ دیتی ہے۔ قرآنِ کریم اور تعلیماتِ نبویؐ میں عدل کو خصوصیت سے بیان کیا گیا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (۲۱۰) ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری، تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

اس آیت میں لوہے سے مراد سیاسی قوّت ہے اور کتاب و میزان وہ معتدل نظام ہے، جس کے تحت عدلِ اجتماعی قائم ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ج اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا قف فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ج وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ (۲۱۱) اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور اللہ کے لیے گواہ بنو، اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو (فریق معاملہ) خواہ مال دار ہو یا غریب، تو اللہ ان کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے، لہٰذا اپنی خواہشوں کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو، اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ

Marfat.com

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا لا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾(۲۱۲) بے شک، اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچاؤ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ کرو۔

ایک موقع پر فرمایا گیا: ﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾(۲۱۳) اور انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ تول کرو۔

﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾(۲۱۴) جب بات کہو تو انصاف کرو خواہ (فریق مقدمہ اپنا) رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ایک مقام پر رسالت مآبؐ سے ارشاد کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ج وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ط اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ط لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ط لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ط اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ج وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾(۲۱۵) اور آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں سب پر ایمان لاتا ہوں اور مجھے یہ (بھی) حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان عدل رکھوں۔ اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، اور ہماری اور تمہاری کچھ بحث نہیں۔ اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کے پاس جانا ہے۔

قرآنِ کریم کی طرح سنّتِ رسولؐ، آپؐ کے اسوۂ حسنہ اور تعلیماتِ نبویؐ میں بھی ''عدلِ اجتماعی'' کو کلیدی اور بنیادی اہمیت حاصل ہے، اس سلسلے میں ام المومنین سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مروی ہے:ان اسامة حكم النبیؐ عن امرأة فقال: انّما هلكَ من كان قبلكُم انّهم كانوا يقيمون الحدّ علىٰ الوضيع ويتركون الشّريف والّذى نفسى بيدهٖ لوفاطمة (بنتِ محمد رسول اللّٰه) فعلت ذٰلك لقطعت يُدها(۲۱۶) حضرت اُسامہ بن زیدؓ نے نبی کریم ﷺ سے ایک عورت کے بارے میں سفارش کی تو آپؐ نے فرمایا: تم سے جو پہلی اُمتیں گزری ہیں، وہ اس لیے تباہ ہوئیں کہ وہ کم درجے کے لوگوں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے، قسم ہے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر فاطمہؓ (بنتِ محمدؐ) بھی ایسا کرتیں تو میں اس کا ہاتھ ضرور کاٹتا۔

حضور اکرم ﷺ نے سات آدمیوں کا ذکر فرمایا ہے، جنہیں قیامت کے دن خدا کا سایہ نصیب ہوگا، ان میں سے ایک عادل حاکم بھی ہے۔

ان آیات واحادیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اسلامی ریاست پر عدلِ اجتماعی کی کتنی ذمے داری ہے اور اسے پورا کرنے کے لیے قرآن وسنّت نے کتنا زور دیا ہے۔ اسلامی ریاست نظری اور عملی لحاظ سے عدلِ اجتماعی کی بہترین مثال ہے۔ مسلمان معاشرے اسی لیے فساد کا شکار ہوگئے کہ ان کی ریاستیں عدلِ اجتماعی کے قیام کو نظر انداز کر رہی ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ اسلامی ریاست میں قانون کی حکمرانی نہ ہو تو وہ اسلامی ریاست کہلانے کی مستحق نہیں۔(۲۱۷)

قرآن کریم اور تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں انصاف کی بالادستی وعدلِ اجتماعی کے بنیادی اصول:

قرآنِ کریم کی مختلف آیات اور احادیثِ مبارکہ سے درج ذیل دستوری وآئینی اصول مترشح ہوتے ہیں:

☆......اسلامی ریاست میں اعلیٰ ترین حاکمیت اللہ اور رسول ﷺ (Supreme Authority of Almighty Allah and Holy Prophet) کی ہوگی۔

☆......قرآن وسنت ملک کا اعلیٰ ترین قانون (Quran and Sunnah Supreme Law of State) ہوگا۔

Marfat.com

☆......عدلیہ کی بالادستی(Supremacy of Judiciary) کو ہر حال میں یقینی بنایا جائے گا۔

☆......حکومت کا مقصد نظامِ عدل و فلاح کا قیام (Purpose of Govt: Maintenance of Justice and Welfare System) ہوگا نہ کسی شخصی اقتدار کا قیام۔

☆...... اقتدار کے اختیار کا مقصود خلافتِ نبویؐ کا نفاذ (Viceregency of Holy Prophet in Exercise of Govt Powers) ہوگا۔

☆......مذہبی آزادی کی ضمانت(Guarentee of Religious Freedom) دی جائے گی۔

☆......سیاسی آزادی کی ضمانت(Guarentee of Political Freedom) دی جائے گی۔

☆...... بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت(Guarentee of Equal Human Rights) ہوگی۔

☆......حکومتی اختیارات کی جواب دہی(Accountability in Exercise of Govt Powers) ریاست کے آئینی نظام کا حصہ ہوگی۔(۲۱۸)

بین الاقوامیت کے دو اہم ستون:

عملی اعتبار سے بین الاقوامیت کے دو اہم ستون ہیں۔ ایک بے لاگ انصاف، دوسرے معاہدات کی پابندی اگر یہ کہا جائے کہ بین الاقوامیت کی عمارت کے قیام و بقا کا سارا دارومدار ان ہی دونوں ستونوں پر ہے، تو اس میں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہ ہوگا۔ لیکن یہ بات افسوس سے کہنی پڑتی ہے کہ موجودہ مادی بین الاقوامیت نے یہی نہیں کہ دونوں کو کوئی پائیداری نہیں بخشی بلکہ ان میں ایسے مہیب قسم کے شگاف ڈال دیے ہیں کہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ عمارت کب زمین پر آپڑے گی۔

اسلام نے دوسرے اصولوں کے ساتھ ان دونوں اصولوں پر سختی سے عمل کرنے کی ترغیب دی ہے، ان اصولوں کی پابندی مسلمانوں پر اخلاقی اعتبار سے بھی ضروری قرار دی گئی ہے اور قانونی اعتبار سے بھی ضروری ہے۔(۲۱۹)

عہدِ نبویؐ کے مسلم معاشرے کے امتیازی اصول:

(۱)......مساوات۔(۲)......آزادی۔(۳)......اخوت۔(۴)......عدل۔(۵)......رواداری۔(۲۲۰)

یہ عدلِ اجتماعی تھا، جس کے لیے آنحضرت ﷺ انتہائی فکر مند تھے، اس لیے ابتدائی اور مکی سورتوں میں عدل کا کثرت سے ذکر ہے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل آیتیں ملاحظہ ہوں۔

☆......﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ﴾(۲۲۱) کہو کہ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے۔

☆......﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾(۲۲۲)اور ناپ تول کو انصاف سے پورا کرو۔

☆......﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (۲۲۳) بے شک، ہم نے اپنے رسول نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا، تاکہ لوگ انصاف کو قائم کریں۔

☆......﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (۲۲۴) بے شک، اللہ تعالیٰ انصاف اور نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے۔

☆......﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا﴾(۲۲۵)جب تم کچھ کہو تو انصاف کرو۔(۲۲۶)

Marfat.com

تاج دار عدل و انصاف ﷺ کی مختلف شعبوں میں قانون سازی:

رسولِ کریم ﷺ نے زندگی کے مختلف شعبوں میں قانون سازی کی۔ چند نمایاں قوانین بطور مثال پیش کیے جاتے ہیں۔

☆...... قانون میں مساوات کا اصول وضع کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:''قصاص اور دیت میں سب مسلمان برابر ہیں۔''

☆......رسول کریم ﷺ نے فوجداری مقدمات میں مجرم کی سفارش کو ممنوع قرار دیا اور فرمایا:''جو شخص اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزاؤں میں نرمی برتنے کی سفارش کرتا ہے، وہ گویا اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے۔''

☆......پرانے زمانے میں قانون حمورابی کے مطابق اگر کوئی شخص کسی کی بیٹی یا بیٹے کو قتل کر دیتا تو بدلے میں اس کی بیٹی یا بیٹے کو قتل کیا جاتا۔ قاتل کو سزا نہ دی جاتی۔

رسولِ اکرم ﷺ نے اس بے انصافی کا خاتمہ کیا اور اصل قاتل کو سزا کا مستحق قرار دیا۔

☆...... زمانۂ جاہلیت میں قصاص اور دیت میں یکسانیت نہ تھی، طاقتور قبائل کے افراد کا خون بہا کمزور قبائل کے افراد کے خون بہا سے دوگنا لیا جاتا تھا۔ رسول کریم ﷺ نے اس بے انصافی کا خاتمہ کرتے ہوئے فرمایا:''قصاص اور دیت میں تمام مسلمان برابر ہیں۔''اسلامی تاریخ میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی عدالت میں مسلم اور غیر مسلم کا مقدمہ پیش ہوا اور غیر مسلم کو حق پر سمجھتے ہوئے مسلم کے خلاف فیصلہ دے دیا گیا۔ ہجرت کے فوراً بعد یہود سے جو''میثاق مدینہ'' ہوا، اس کی آخری شرط یہ تھی کہ''باہم آئندہ کوئی جھگڑا اور اختلاف پیدا ہوا تو وہ فیصلہ کے لیے حضور اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیا جائے گا اور آپ کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا۔'' غور کیجیے، اپنے تو اپنے غیروں کو بھی رسول کریم ﷺ کے عدل و انصاف پر کس قدر اعتماد تھا۔(۲۲۷)

تاج دارِ عدل و انصاف کا فلسفۂ عدل اجتماعی:

دنیا کا سارا نظام عدل و انصاف ہی پر قائم ہے۔ انبیائے کرامؑ کی بعثت بھی قیامِ عدل وحق ہی کے لیے ہوئی۔ دنیا کی ہر چیز کے لیے اللہ تعالیٰ نے حدود مقرر کر دی ہیں، جب بھی کوئی چیز اپنی مقررہ حدود سے متجاوز ہو جاتی ہے، فساد رونما ہو جاتا ہے۔ اس فساد کا ازالہ کرنا انبیائے کرامؑ کی بعثت کی غرض و غایت ہے۔ چناں چہ ان کے دنیا میں تشریف لانے سے انسانوں کی سرکشی، اطاعت اور بندگی میں بدل جاتی ہے۔ انسان کا ایک دوسرے پر ظلم، عدل و انصاف میں بدل جاتا ہے اور حقوق و فرائض میں مساوات کی ایک ایسی فضا پیدا ہو جاتی ہے کہ انسانی معاشرہ امن و امان کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

ایسا ہمہ گیر نظامِ عدل صرف رسولِ اکرم حضرت محمد ﷺ ہی نے عطا فرمایا کہ جو صرف قانون کا اقتضا ہی پورا نہیں کرتا، بلکہ زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہے۔ اس نظام سے انسانی اعمال و کردار کے لیے ایسی میزان قائم ہوگئی کہ نقطۂ عدل سے انحراف کی نشان دہی آسان ہوگئی۔ اس لیے انفرادی اور اجتماعی سطح پر کہیں بھی ظلم کا نام و نشان پایا جائے تو اسے اسلامی نظامِ عدل کے ذریعے مٹایا جا سکتا ہے۔

آپؐ نے انصاف کی صرف تعلیم و ہدایت ہی نہیں فرمائی، بلکہ اس کے عملی نمونے بھی پیش کیے۔ دنیا کو یہ اچھی طرح اندازہ ہوگیا کہ آپؐ کی نگاہ میں عدل و انصاف کے معاملے میں دوست و دشمن، امیر و غریب سب برابر ہیں۔ آپؐ نے کسی شخص کو اس

Marfat.com

کی دشمنی کی بناء پر کبھی عدل و انصاف سے محروم نہیں فرمایا، نہ کبھی آپؐ نے کسی جھگڑے میں جانب داری سے کام لیا۔ جو حق تھا، وہی ارشاد فرمایا اور جو انصاف کا تقاضا تھا، اسے پورا کیا۔ آپؐ کے بے لاگ انصاف اور حقیقی عدل پر سب کو اعتماد تھا۔ ظلم سے آپ کو بے حد نفرت تھی۔ آپؐ مظلوموں کے سب سے بڑے حامی و ناصر اور ان کے ساتھ عدل و انصاف کے سب سے بڑے علم بردار تھے۔ مظلوم یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اسے اگر کہیں انصاف مل سکتا ہے، تو وہ رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ ہے۔ اس لیے یہودی بھی آپؐ کے عدل و انصاف پر یقینِ کامل کے ساتھ اپنے معاملات آپؐ کی خدمت میں پیش کرتے، خواہ ان معاملات میں فریق مخالف مسلمان ہوتے۔ حضور اکرم ﷺ فیصلۂ حق صاف صاف سناتے، خواہ کوئی بھی متاثر ہوتا۔ ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ اگر مسلمانوں کی زیادتی دیکھی تو فیصلہ یہودیوں کے حق میں فرمایا۔ اس طرح نظامِ عدل کو آپؐ کی مثالی تعلیمات اور آپؐ کے اسوۂ حسنہ سے استحکام نصیب ہوا اور ظلم و حق تلفی کے رجحان کا خاتمہ ہوا۔

آپؐ نے عدل و انصاف کی راہ میں حائل ہونے والی ہر چیز کو دُور فرمایا۔ پست و بلند کا فرق مٹایا۔ اپنے اور بیگانے کا امتیاز ختم کیا۔ مجرم کو اس کی جگہ پر رکھا اور اس کے ساتھ وہی سلوک کیا، جس کا وہ قانون عدل کی رو سے مستحق تھا۔ آپؐ نے اپنے حقیقی عدل و انصاف، عدلِ اجتماعی اور بے لاگ فیصلوں سے یہ ثابت کردیا کہ اللہ کا قانون سب کے لیے یکساں ہے اور دنیا میں قیامِ عدل کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ بلاخوف و امتیاز اس کا مکمل قانون نافذ ہو۔ ہر فرد کو اس کا حق ملے، کسی کو اس وجہ سے عدل و انصاف سے محروم نہ رکھا جائے کہ وہ کمزور طبقے کا فرد ہے۔ آپؐ کی سیرتِ طیّبہ اور تعلیمات میں حقیقی عدل و انصاف کے بے شمار شواہد ملتے ہیں، ان کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ نے نظامِ عدل کو اپنے عملی نمونوں سے درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔ انصاف کی تاریخ میں ان کی کہیں اور نظیر نہیں ملتی۔ (۲۲۸)

حضور اکرم ﷺ کا فلسفۂ عدل و مساوات اور سیرتِ طیّبہ میں عدلِ اجتماعی کے مظاہر:

حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کا مظہر تھے۔ کون نہیں جانتا کہ جزیرہ نمائے عرب کی فتح کے ساتھ لوگوں کے معاملات عدل و انصاف کے ساتھ طے کرنے کی ذمّے داری آپؐ پر آپڑی تھی۔ آپؐ اذیت و مصائب اور تصادم کے جن مراحل سے گزرے تھے، ان کا فطری تقاضا تو یہ تھا کہ آپؐ منتقم ہوتے، مخالفین کو حد سے بڑھ کر سزا دیتے اور دوستوں اور دشمنوں کے درمیان پیدا ہونے والے مسائل میں ہمیشہ دوستوں کا ساتھ دیتے، لیکن آپؐ کے حُسنِ اخلاق نے عدل و انصاف کی شاندار مثالیں قائم کی ہیں۔ آنحضور ﷺ کے سامنے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا وہ حکم رہا جس میں عدل قائم کرنے کے لیے کہا گیا۔

ارشادِ باری ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (۲۲۹) ’’اے ایمان والو، اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوجایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ عدل چھوڑ دو۔ عدل کیا کرو کہ یہی حق کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔‘‘

کتبِ سیرت و حدیث میں آپؐ کے فیصلوں اور آپؐ کے معاملات کی جو تفصیلات موجود ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے کبھی عدل و انصاف (اور عدلِ اجتماعی) کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا، جہاں تک اپنی ذات کا تعلق ہے تو اس کے لیے وہ

Marfat.com

روایت کافی ہے، جسے ابنِ ہشام نے نقل کیا ہے۔ آپؐ نے مرض الموت میں عام لوگوں کے درمیان اعلان کیا کہ اگر میرے ذمّے کسی کا قرض آتا ہو، یا میں نے کسی کی جان و مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو، تو میری جان و مال و آبرو حاضر ہے۔ اسی دنیا میں وہ انتقام لے لے۔ مجمع میں سناٹا تھا۔ صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا، جو اسے دلوا دیے گئے۔(۲۳۰)

☆...... لوگوں کے درمیان عدل قائم کرنے کے لیے آپؐ نے جس طرح اہتمام کیا، اس کی مثالیں بھی بے شمار ہیں، یہاں صرف چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اہلِ طائف کو مصالحت پر آمادہ کرنے میں ایک عرب سردار صخرؓ کا خاص کارنامہ ہے کہ اس نے محاصرہ کر کے انہیں اس صلح پر تیار کیا، لیکن اسی صخرؓ کے خلاف دو شکایتوں پر آپؐ نے ان کے خلاف فیصلہ دیا۔ مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ نے شکایت کی کہ اس کی پھوپھی، صخرؓ کے قبضے میں ہے۔ آپؐ نے اسے نہ صرف چھوڑنے کا حکم دیا بلکہ فرمایا کہ اسے گھر پہنچا آؤ۔ اس کے بعد بنو سلیم نے کہا کہ جس زمانے میں ہم کافر تھے، صخرؓ نے ہمارے چشمے پر قبضہ کرلیا تھا۔ اب ہم اسلام لے آئے، ہمارا چشمہ ہمیں واپس دلایا جائے۔ آپؐ نے صخرؓ کو بلایا اور فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کرتی ہے تو وہ اپنے جان و مال کی مالک ہوجاتی ہے۔ اس لیے ان کو ان کا چشمہ واپس دے دو۔ صخرؓ کو منظور کرنا پڑا راوی کا بیان ہے کہ جب صخرؓ نے آنحضورﷺ کے دونوں احکام منظور کیے تو میں نے دیکھا کہ: ''وجهُ رسول الله ﷺ يتغيّر عند ذٰلك حُمرةً حياءً''، رسول اللہﷺ کا چہرۂ مبارک حیا کے باعث سرخ ہوگیا۔(۲۳۱)

آپؐ نے عادلانہ فیصلے میں اس کے کارنامے کا لحاظ بھی نہ کیا۔ وہ شخص جو عام حالات میں صلہ کا مستحق تھا۔ آپؐ نے دونوں حکم اس کے خلاف دیے۔(۲۳۲)

☆...... اسی طرح فاطمہ مخزومیہ کا واقعہ مشہور ہے۔ آپؐ نے عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اس کے خلاف سزا کا فیصلہ دیا، تو آپؐ کے محبوبِ خاص اسامہ بن زیدؓ نے سفارش کی جس پر آپؐ کو غصّہ آیا اور فرمایا: ''انما اَهلَكَ الّذين من قبلكُم انّهُم كانُوا اذا سَرقَ فِيهم الشّريف تركُوهُ واذا سَرقَ فِيهم الضّعيف اقامُوا عليه الحدّ.''(۲۳۳) ''تم سے پہلے لوگ (بنی اسرائیل) اس لیے تباہ ہوئے کہ وہ غرباء پر حد جاری کرتے اور امراء سے درگزر کرتے تھے۔''

☆...... فتح خیبر کے بعد وہاں کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم کردی گئی تھیں۔ عبداللہ بن سہلؓ اپنے چچازاد بھائی محیصہؓ کے ساتھ کھجوروں کی بٹائی لینے گئے۔ عبداللہ گلی میں جارہے تھے کہ کسی نے ان کو قتل کردیا اور لاش گڑھے میں ڈال دی۔ محیصہؓ نے رسول اللہﷺ کے حضور استغاثہ دائر کیا۔ آپؐ نے اس سے قسم کھانے کو کہا کہ عبداللہ کو یہودیوں نے قتل کیا ہے۔ محیصہؓ نے کہا: ''میں نے اپنی آنکھ سے تو نہیں دیکھا۔'' آپؐ نے فرمایا تو یہودیوں سے حلف لیا جائے۔ محیصہؓ نے کہا حضورؐ! یہودیوں کی قسم کا کیا اعتبار، یہ سو دفعہ جھوٹی قسم کھالیں گے۔ خیبر میں یہودیوں کے علاوہ اور کوئی قوم آباد نہ تھی۔ انہوں نے ہی عبداللہ کو قتل کیا ہوگا، لیکن عینی شہادت نہ ہونے کی وجہ سے آپؐ نے انہیں کوئی سزا نہ دی اور خون بہا کے سو اونٹ بیت المال سے دلوائے۔(۲۳۴)

☆...... دارقطنی نے ایک قافلے سے سرخ اونٹ لینے والا واقعہ نقل کیا ہے۔ اسی کا دوسرا حصّہ یہ ہے کہ دوسرے دن یہ لوگ مدینہ میں داخل ہوئے تو آنحضورﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ طارق محاربی کہتے ہیں کہ ہمیں دیکھ کر ایک انصاری نے اٹھ کر کہا یا رسول اللہﷺ یہ لوگ قبیلہ بنو ثعلبہ سے ہیں اور ان کے مورث نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کیا تھا، اس کے بدلے ان

Marfat.com

کا ایک آدمی قتل کرا دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا: "الا لا یجنیٰ والدٌ علیٰ ولدہ۔" (۲۳۵) "باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جاسکتا۔"

اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں، جو آنحضورﷺ کی صفت عدل کو واضح کرتی ہیں۔ (۲۳۶)

اسوۂ نبویؐ: بے لاگ عدل اور قانون کی بالادستی کا تاریخ ساز نمونہ!

"صحیح بخاری" میں درج ایک حدیث رسولﷺ ملاحظہ کریجیے: رسول اکرمﷺ نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلی اُمتیں اس وجہ سے ہلاک ہوگئیں کہ جب ان کا کوئی صاحب حیثیت اور ذی وجاہت شخص چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اسے سزا دیتے تھے، خدا کی قسم! اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ نے بھی چوری کی ہوتی، تو میں اس کا ہاتھ بھی ضرور کاٹ دیتا۔"

یہ ایک قولِ رسولؐ ہے، لیکن درحقیقت ایک انسانی اور آفاقی اصول ہے، جو صرف مسلم معاشرے کے لیے قابل توجہ اور لائق تقلید نہیں، بلکہ پوری انسانی سوسائٹی کا قیام، اس کا نظام اور استحکام اسی اصول میں پوشیدہ ہے، جب Rule of Law یعنی قانون کی بالادستی کی بات کی جاتی ہے تو اس سلوگن یا ماٹو کے لوازم میں یہ چیزیں از خود شامل ہوجاتی ہیں اور ہونی چاہئیں کہ جرم جرم ہے، خواہ کسی سے سرزد ہو، جرم کے ارتکاب کے بعد کوئی بڑے سے بڑا اور معزز سے معزز آدمی قابلِ رعایت اور ذی وجاہت نہیں رہتا، عزّت و وجاہت صرف پاک صاف اور باکردار آدمی کے لیے ہے۔ مجرم کو بچانے کے لیے سفارش ڈھونڈنا گویا قانون کو بالادست نہیں بلکہ زیردست کرنے کا حربہ ہے، قانون کا نفاذ علی الاطلاق ہوتو اس کی بالادستی کا اقرار بھی ہوتا ہے اور اظہار بھی، خوف اور رعایت جیسے دو عناصر قانون کی بالادستی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ قانون کسی کی شکل، نسل، رنگ، زبان، قد، شجرۂ نسب، مال اور عہدہ دیکھ کر حرکت نہ کرے، یہ ہے قانون کی حرمت اور اس کی بالادستی کا تصور، خواہ وہ قانون God Made ہو یا Man Made، انسان کے بنے ہوئے قانون میں تو ایسے خلاء ممکن ہیں، جو مجرم کے لیے رعایت نکالیں، یا اس میں ایسے چور دروازے ہوں، جن سے مجرم نکل جائے، کیوں کہ انسان اپنے گردو پیش، مستقبل کے خدشات، دوستوں اور رشتہ داروں کے مفادات و جذبات سے ضرور متاثر ہوتا ہے، شاید انسان پہلے ہی کچھ ایسی شقیں رکھ دے، جو قانون کے نفاذ کے معاملے میں شاہ و گدا میں تمیز کرتی ہوں، امیر اور غریب میں فرق رکھتی ہوں اور قوی اور کمزور میں امتیاز برتتی ہوں، لیکن اللہ کے دیے قانون میں ایسا کوئی عیب، سقم اور خلاء نہیں، کیوں کہ اللہ "لم یلد اور ولم یُولد" ہے، اس کی کوئی برادری اور رشتہ داری نہیں، وہ مستقبل کے کسی اندیشے اور وسوسے سے دوچار نہیں، اس کا کوئی سگا یا سوتیلا نہیں، وہ کسی کی موافقت اور مخالفت سے ماوراء اور بے نیاز ہے، اس لیے اس نے جو کہا اور جو دیا، وہ جامع بھی ہے، محکم بھی، واضح بھی ہے اور اٹل بھی ہے۔ (۲۳۷)

بعثت سے قبل انسانیت کے محسن اعظمؐ کا عادلانہ کردار اور عدل اجتماعی:

بعثت نبویؐ اور نزول قرآن کے دیگر مقاصد کے ساتھ ایک اہم مقصد "عدل و انصاف" کے قیام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہﷺ کو حکم ہوتا ہے!

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ۔ وَلَا تَکُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا﴾ (۲۳۸) ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپﷺ پر نازل کی، تاکہ جیسا کہ خدا نے آپﷺ کو سمجھایا ہے، اس کے مطابق لوگوں میں انصاف

Marfat.com

کے ساتھ فیصلہ کیا کریں اور دغا بازوں کے حامی نہ بنیں۔

ہادیٔ آخر و اعظم محسنِ عالم حضرت محمد ﷺ کو محسنِ انسانیت اور نبی رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا، آپؐ کی دنیا میں آمد اور مقصدِ بعثت بیان کرتے ہوئے اللہ عزّ وجل ارشاد فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (۲۳۹) البتہ تمہارے پاس آیا ایک رسول تمہی میں سے تشریف لائے، جو تمہیں تکلیف پہنچے، انہیں گراں گزرتی ہے، تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں، مومنوں پر شفیق، نہایت مہربان۔

رحمۃ للعالمین، سید المرسلین ﷺ کے مثالی اُسوۂ حسنہ میں ایک اہم اور نمایاں ترین وصف انسان دوستی، فلاحِ انسانیت اور معاشرے کے غریب، لاچار اور بے بس و بے کس افراد کی ہر ممکن مدد اور کفالت بھی ہے، چنانچہ رازدارِ نبوت، زوجۂ رسول سیدہ خدیجہؓ نے بعثتِ نبویؐ کے اس اہم اور تاریخی موڑ پر جب آپؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی، آپؐ کی تائید اور حوصلہ افزائی کے طور پر جو تاریخی کلمات کہے، وہ آپؐ کی شخصی عظمت، عدل و انصاف کی بالادستی کے لیے آپؐ کے کردار، انسان دوستی، فلاحِ انسانیت اور صفتِ رحمۃ للعالمینی کا منہ بولتا ثبوت ہیں، آپ نے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے کہا: ''کلاّ و اللّٰہ لا یُخزیك اللّٰہ ابداً، انّك لتصلُ الرّحم و تحملُ الکلّ و تکسبُ المعدُوم و تُقری الضّیف و تُعین علیٰ نوائب الحقّ.'' (۲۴۰) ہرگز نہیں، بخدا اللہ آپؐ کو کبھی بھی بے آبرو نہیں کرے گا، کیوں کہ آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں، بے آسرا لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، فقیر لوگوں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، اور حق کی وجہ سے پہنچنے والے مصائب میں اہلِ حق کی اعانت کرتے ہیں۔

☆...... عدل و انصاف کے قیام میں انسانیت کے محسن اعظم سید عرب و عجم حضرت محمد ﷺ کا کردار تاریخ انسانی کا مثالی شاہکار ہے۔ اس حوالے سے آپ ﷺ کا تاریخی کردار بعثت کے بعد عدل و انصاف کے عملی نفاذ کے حوالے سے تاریخ عدل و انصاف کا سنہرا باب ہے۔ تاہم سید المرسلین ﷺ کا زمانہ قبل از نبوت بھی اس تاریخی اور مثالی جدوجہد کا عملی شاہکار ہے، اس کی ایک جھلک ''معاہدہ حلف الفضول ذوالقعدہ ۲۷ قبل ہجری/دسمبر ۵۸۶ء میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ''معاہدہ حلف الفضول' سرزمین عرب بالخصوص مکہ کی ریاست میں عرب تاریخ میں پہلی مرتبہ قیامِ امن' بنیادی انسانی حقوق' مظلوموں اور بے کسوں کی داد رسی کا پہلا تاریخ ساز معاہدہ ہے جس میں شریک ہونے والے رضا کار متحدہ طور سے اپنے شہر مکہ میں ظالموں کا ہاتھ روکتے اور مظلوموں کا حق دلاتے۔ (۲۴۱) بیشتر مورخین اور سیرت نگار معاہدہ حلف الفضول کا محرک عہد جاہلیت کے ایک مخصوص واقعہ کو قرار دیتے ہیں وہ یہ کہ بنو زبید کا ایک شخص مکہ میں کچھ مال بغرض تجارت لایا جسے عاص بن وائل نے خرید لیا لیکن اس کی قیمت ادا نہ کی وہ داد رسی کی غرض سے مدعی بن کر قبائل قریش میں فریاد لے کر گیا' مگر عاص بن وائل نے وجاہت سے اس کی فریاد رسی کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی۔ ایک صبح جب قریش خانہ کعبہ کے گرد جمع تھے تو اس تاجر نے چند شاکیانہ اور دردمندانہ اشعار پڑھ کر اپنی بے بسی ظاہر کی جس کے نتیجے میں معاہدہ ''حلف الفضول'' عمل میں آیا۔ (۲۴۲)

جب کہ سید امیر علی نے ایک اور واقعہ کو اس کا سبب قرار دیا ہے! جس میں قبیلہ بنی قین کا مشہور شاعر حنظلہ اگرچہ ایک ہی مرتبہ قریش کے عبداللہ بن جدعان کے زیرِ حمایت مکہ آیا لیکن اس کے باوجود سرِ بازار لٹ گیا۔ بے آئینی کے ایک اور واقعہ نے

Marfat.com

ایسی نازک صورتحال اختیار کرلی کہ اس کا تدارک ضروری ہوگیا۔(۲۴۳)

چنانچہ انسانیت کے محسنِ اعظم ﷺ کی تحریک اور کوششوں کے نتیجے میں بنوہاشم، بنوعبدالمطلب، بنو اسد بن العزیٰ، بنو زہرہ بن کلاب اور بنو تیم بن مرّہ عبداللہ بن جدعان جو اپنی قوم کے سردار تھے ان کے گھر جمع ہوئے اور معاہدہ ''حلف الفضول'' طے پایا۔(۲۴۴) ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں! اس معاہدہ ''حلف الفضول'' میں ایک رضا کار جماعت شریک ہوئی جس کا مقصد تھا حدودِ شہر میں ہر مظلوم کی خواہ وہ شہری ہو یا کہ اجنبی، مدد کرنا اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھنا جب تک ظالم حق رسانی نہ کرے۔(۲۴۵)

☆......بعثتِ نبویؐ سے قبل آپؐ کے تاریخ ساز کردار کے حوالے سے قدیم و جدید تمام سیرت نگاروں نے یہ واقعہ تفصیل سے نقل کیا ہے کہ: مکے والوں نے جب خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تو حجرِ اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے میں باہمی اختلاف ہوا۔ ہر قبیلے کا سردار اس بات کا خواہش مند تھا کہ یہ سعادت اُسے حاصل ہو۔ آخر رسول اکرم ﷺ ثالث مقرر ہوئے۔ آپؐ نے ایک چادر پر حجرِ اسود رکھا اور اس کے کونے سب سرداروں سے ایک ساتھ پکڑوا کر اٹھایا اور اس کی جگہ رکھ دیا۔ آپؐ کے اس منصفانہ اور حکیمانہ فیصلے کو سب نے تسلیم کیا اور سب نے تعریف کی۔(۲۴۶)

میثاقِ مدینہ: ریاستِ مدینہ میں عدلِ اجتماعی کے قیام کی تاریخی دستاویز:

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (مرحوم) نے میثاقِ مدینہ کے متن، اہمیت اور اثرات پر بہت عمدہ اور تحقیقی بحث کی ہے، اس حوالے سے متعدد مغربی مصنفین کے مصادر اور مقالہ نگاروں کے حوالے بھی ذکر کیے ہیں۔(۲۴۷) ''میثاقِ مدینہ'' میں واضح اور دوٹوک الفاظ میں اس امر کی صراحت کردی گئی کہ غیر مسلم یہودیوں کو ان کے دین کی پوری آزادی ہوگی، چنانچہ ایک دفعہ کے الفاظ ہیں: ''للمسلمین دینھُم وللیھود دینھُم'' یعنی مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا دین اور یہودیوں کے لیے یہودیوں کا دین ہے۔ مدینے میں جتنے بھی باشندے آباد تھے، ان کو دینی، عدالتی اور قانونی آزادی کا اطمینان دلایا گیا تھا۔(۲۴۸) اس تاریخ ساز معاہدے کی بدولت عدلِ اجتماعی کی بنیاد پر مذہبی آزادی اور رواداری کا اصول وضع ہوا، نیز جن بنیادوں پر غیر مسلموں سے اتحاد و تعاون ہوسکتا ہے، ان کی نشان دہی ہوئی۔(۲۴۹) ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ ''میثاقِ مدینہ'' دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔(۲۵۰) چنانچہ موصوف نے اس تاریخی حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے انگریزی میں ایک کتاب (The First Written Constitution in the World) لکھی، جو ۱۹۷۵ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ ''میثاقِ مدینہ'' رسول اکرم ﷺ کی سیاسی بصیرت اور حسنِ تدبر کا مثالی شاہکار ہونے کے ساتھ ساتھ رواداری، امن و سلامتی، مذہبی آزادی اور عدل و انصاف کے ہر جوہر سے مزیّن ہے، یہ وہ تاریخی منشور ہے، جس کی بدولت رسول اکرم ﷺ نے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرے میں قائم فرمایا، جس سے شرکائے معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے عقیدہ و مذہب پر اسلام کے فلسفۂ عدل و انصاف کی بناء پر آزادی اور حصولِ انصاف کا حق حاصل ہوا، رواداری اور مذہبی آزادی کا اصول وضع ہوا۔ ہر قسم کے ظلم و ناانصافی کا خاتمہ ہوا۔ رواداری، امن و سلامتی، مذہبی آزادی اور عدل و انصاف کا ہر جوہر اس میں موجود ہے۔

معروف محقق اور ممتاز سیرت نگار ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں: ''یہ معاہدہ اس عہد کی قانونی عبارت اور دستاویز نویسی کا ایک مکمل نمونہ ہے، اس کی اہمیت اسلامی مورخوں سے کہیں زیادہ یورپی عیسائیوں نے محسوس کی، ولہا وزن، میور، گریملے، اسپرنگر،

Marfat.com

وینسنگ، کائتانی، پول وغیرہ کے علاوہ ایک جرمن مورخ رانکے (Ranke) نے مختصر تاریخ عالم لکھتے ہوئے بھی اس دستاویز کا ذکر کرنا ضروری خیال کیا ہے۔(۲۵۱) میثاقِ مدینہ کی بدولت آپؐ عدل اجتماعی پر مبنی ایک بین الاقوامی معاشرہ تشکیل دینے میں مصروف ہوگئے۔

☆...... اس معاہدے کی بدولت بقول سرولیم میور، آپؐ نے ایک عظیم مدبّر حکومت اور سیاست دان کی طرح مختلف الخیال، مختلف العقیدہ اور آپس میں منتشر لوگوں کو متحد اور یکجا کرنے کا کام بڑی مہارت سے سرانجام دیا، آپؐ ایک ایسی ریاست اور ایک ایسے معاشرے کا آغاز کرنے میں کامیاب ہوگئے، جو بین الاقوامیت کے اصول پر مبنی تھا۔(۲۵۲)

☆...... آنحضرت ﷺ کے جاری کردہ اسی نظام کی بدولت عدلِ اجتماعی پر مبنی ایک مضبوط اسلامی ریاست اور صالح معاشرہ معرضِ وجود میں آیا۔(۲۵۳) عہد نبویؐ میں ذاتِ اقدسؐ کے خلاف دیوانی اور ٹارٹ (ضمان) کے جو مقدمات دائر ہوئے، ان نظائر کی موجودگی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے (King Can Do No Wrong) بادشاہ کسی فعل ناجائز کا مرتکب ہو ہی نہیں سکتا، کو یکسر مسترد کردیا اور جب ملک کا قوی ترین شخص قانون کی خلاف ورزی پر عدالتی داروگیر سے محفوظ نہ رہ سکے، تو دیگر عہدے دار اور عام لوگ بھی تعمیل زیادہ توجہ کے ساتھ کریں گے۔(۲۵۴)

معاہدۂ نجران: غیرمسلم اقلیتوں سے حسنِ سلوک اور عدلِ اجتماعی کی ایک روشن مثال:

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں قریب قریب پورا جزیرۃ العرب زیرنگیں ہوچکا تھا، غیرمسلم رعایا کی حیثیت سے سب سے پہلا معاملہ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ پیش آیا، ان کو آپؐ نے جو حقوق دیئے اور ان سے جو معاہدات طے پائے، وہ اب تک تاریخ میں محفوظ ہیں۔ ''معاہدۂ نجران'' اس حوالے سے بنیادی تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ اس دستاویز اور تاریخی منشور کے ذریعے رسول اکرمؐ نے اسلامی ریاست میں غیرمسلم باشندوں کے حقوق کے تحفظ، ان سے حسن سلوک، رواداری اور اعتدال پسندی کی تعلیم اور ہدایات جاری کیں، ان سے تعلقات کے راہ نما اصول فراہم کیے، اس تاریخی دستاویز کا کم وبیش اسلامی تاریخ اور سیرت کی ہر کتاب میں تذکرہ ملتا ہے۔ (۲۵۵) آپؐ نے تحریری فرمان جاری فرمایا: ''نجران اور اس کے اطراف کے باشندوں کی جانیں، ان کا مذہب، ان کی زمینیں، ان کا مال، ان کے حاضر و غائب، ان کے قافلے، ان کے قاصد، ان کی مورتیں، اللہ کی امان اور اس کے رسولؐ کی ضمانت میں ہیں، ان کی موجودہ حالت میں کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کے حقوق میں سے کسی حق میں دست اندازی کی جائے گی، اور نہ مورتیں بگاڑی جائیں گی، کوئی (پادری اپنی پادریت) سے، اسقف اپنی اسقفیت سے، کوئی راہب اپنی رہبانیت سے، کنیسہ کا کوئی منتظم اپنے عہدے سے نہ ہٹایا جائے گا اور جو بھی کم یا زیادہ ان کے قبضے میں ہے، اسی طرح رہے گا، ان کے زمانۂ جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا بدلہ نہ لیا جائے گا، نہ ان کو ظلم کرنے دیا جائے گا اور نہ ان پر ظلم ہوگا، ان سے جو شخص سود کھائے گا، وہ میری ضمانت سے بری ہے، اس صحیفے میں جو لکھا گیا ہے، اس کے ایفا کے بارے میں اللہ کی امان اور محمد النبی ﷺ کی ذمے داری ہے، یہاں تک کہ اس بارے میں خدا کا کوئی دوسرا حکم نازل نہ ہو، جب تک وہ لوگ مسلمانوں کے خیرخواہ رہیں گے، ان کے ساتھ جو شرائط کی گئی ہیں، ہم ان کی پابندی کریں گے، ان کو ظلم سے کسی بات پر مجبور نہ کیا جائے گا۔'' یہ ایک نہایت وقیع اور عظیم الشان پروانۂ آزادی اور دنیا کی تاریخ میں اعلیٰ درجے کی مساواتِ حقوق کی ایک

Marfat.com

شریفانہ اور قابلِ وقعت یادگار ہے۔ (۲۵۶)

فتح مکہ ...... رواداری، احترامِ انسانیت اور عدلِ اجتماعی کا شاہ کار:

پیغمبر رحمت، محسن انسانیتؐ کی حیاتِ طیبہ عفو و درگزر، تحمل و برداشت اور رواداری سے عبارت ہے، تاہم اس کا تاریخ ساز موقع ''فتح مکہ'' رمضان ۸ھ/جنوری ۶۳۰ء ہے کہ جب آپ کو اپنے بدترین دشمنوں، کفار مکہ پر کامل اختیار اور اقتدار حاصل تھا، اس تاریخی موقع پر محسن انسانیتؐ کی سیرتِ طیبہ میں عفوو درگزر، تحمل و برداشت اور رواداری کا وہ تاریخی اور شاندار نمونہ نظر آتا ہے جو فتوحات کی پوری انسانی تاریخ میں آپؐ کو ممتاز کرتا ہے۔(۲۵۷) آپؐ نے اس موقع پر تمام امیدوں اور تصورات کے برخلاف رواداری پر مبنی مثالی انقلابی اعلان فرمایا:"اليوم يوم المرحمة" (۲۵۸) ''آج تو رحم و کرم، عفو و درگز اور ایثار و رواداری کا دن ہے، آج عفو عام کا دن ہے۔''فتح مکہ کے سلسلے میں ابن اسحاق نے یہ روایت ذکر کی ہے: ''انّ رسول الله ﷺ لمّا انتهىٰ الىٰ ذى طوىٰ وقف على راحلته وانّ رسول الله ﷺ ليضع رأسه تواضعاً لله حين رأىٰ ما اكرمه الله به من الفتح حتىٰ ان عتنونه ليكاد يمس واسطة الرحل'' (۲۵۹) ترجمہ: جب رسول اللہ ﷺ وادی ذی طویٰ میں پہنچے اور آپؐ نے دیکھ لیا کہ اللہ نے آپ کو فتح سے سرفراز کیا ہے، تو آپؐ نے ازراہِ تواضع اپنی سواری پر سر جھکا لیا اور یہاں تک جھکے کہ آپؐ کی ٹھوڑی قریب تھی کہ کجاوے کی لکڑی سے ٹکرا جاتی۔

"SPIRIT OF ISLAM" کے مصنف سیّد امیر علی لکھتے ہیں: بالکل بجا طور پر کہا گیا ہے کہ فتوحات کی تاریخ میں اس فاتحانہ ورود کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ (۲۶۰)

رواداری کے حوالے سے نبی رحمت ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں ''فتح مکہ'' ایسا تاریخ ساز واقعہ ہے کہ جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔(۲۶۱)

ہندو سیرت نگار سوامی لکشمن پرشاد کہتا ہے: جذباتِ صلح و آشتی کا ایسا بدیع المثال نمونہ تاریخ کے صفحات پیش کرنے سے قاصر ہیں۔'' (۲۶۲)

یورپین دانشور ارتھر گلیمن (ARTHUR GILLMAN) بیان کرتا ہے: ''محمد ﷺ کی فتح درحقیقت دنیا کی فتح تھی، سیاست کی فتح تھی، انہوں نے ذاتی مفاد کی ہر علامت کو مٹا ڈالا اور ظالمانہ نظام سلطنت کو جڑ سے اکھاڑ دیا، (۲۶۳) ایک اور یورپین دانشور اپنے تاثرات یوں قلمبند کرتا ہے: ''یہ ایک عجیب و غریب منظر تھا، ایسا عجیب و غریب جس کی کوئی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ حقائق دراصل حقائق ہیں اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا دشمنوں پر فتح کا دن درحقیقت حضور اکرم ﷺ کا اپنے نفس پر سب سے زیادہ قدرت کا دن تھا، انہوں نے انتہائی فراخ دلی سے قریش مکہ کے تمام مظالم کو معاف کردیا، مکے کی ساری آبادی کو پناہ دی۔ (۲۶۴) آرتھر گلیمن (ARTHUR GILLMAN) رقم طراز ہے: ''حضرت محمد ﷺ حد درجہ قابل تعریف ہیں کیونکہ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے اپنے مخالفوں کی سابقہ بدسلوکی اور قدرتی طور پر اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی انتقام خیز ناراضگی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی افواج کو ہر قسم کی خوں ریزی سے روکا۔'' (ARTHUR GILLMAN/ THE SARACENS,P.104) سٹین لے لین پول (STANLEY LANE POOL) لکھتا ہے: ''فتح مکہ کے موقع پر حضرت محمد

Marfat.com

ﷺ کی اپنے دشمنوں پر عظیم فتح کا دن ان کے عظیم ترین ضبط نفس کا بھی تھا۔ قریش کفار مکہ نے جن کو برسہا برس اپنی مختلف تکلیفوں اور نفرت و حقارت کا نشانہ بنایا، انہوں نے قریش کو معاف کردیا اور اہل مکہ کو بھی عام معافی سے نوازا۔'' (۲۶۵) ہندو سیرت نگار سوامی لکشمن پرشاد لکھتا ہے۔ یہ وہ فقید المثال مظاہرہ اور واقعہ ہے جس کا جواب تاریخ عالم پیش نہیں کرسکتی۔ (۲۶۶) آپؐ نے تمام توقعات اور امکانات کے برعکس نہایت وضاحت کے ساتھ کامل رواداری اور عفو عام کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں فرمایا: "الیوم یوم المرحمة" (۲۶۷) ''آج تو رحم و کرم، عفو و درگزر اور ایثار و رواداری کا دن ہے، آج عفو عام کا دن ہے۔'' اس طرح فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے اپنے بدترین دشمن کفار اور مشرکین مکہ سے حسن سلوک، مثالی رواداری، عفو و درگزر کا مظاہرہ کرکے یہ ثابت کردیا کہ آپؐ دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں:

سلام اس پر کہ اسرارِ محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے

سلام اس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں کھا کر دعائیں دیں (۲۶۸)

خطبہ حجۃ الوداع: اعلیٰ انسانی اقدار کے تحفظ اور عدلِ اجتماعی کا تاریخ ساز منشور:

حجۃ الوداع (۹ ذی الحجہ ۱۰ھ بروز جمعہ ۶/ مارچ ۶۳۲ء میں آپ ﷺ نے ان بلیغ الفاظ میں اس کا اعلان فرمایا! ''الیوم استدار الزّمان کھیئته یوم خلق الله السّموات والارض'' (۲۶۹) ''آج زمانہ پھر پھر کر اسی مرکز پر آ گیا جس پر وہ اس دن تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا''۔

یہ ایک ایسا عظیم الشان انقلاب تھا جس نے تمام خود ساختہ قوانین' سیاسی تکلفات اور مظالم سے لبریز شاہانہ نظام ہائے سلطنت کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ پھینکا۔ اس انقلاب نے نہ صرف کسریٰ و قیصر کی شخصیتوں کا خاتمہ کردیا بلکہ کسرویت اور قیصریت کو صفحۂ ہستی سے فنا کردیا۔ یہی پیش گوئی ان الفاظ میں ظاہر ہوئی !''اذاھلك کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ' واذاھلك قیصر فلا قیصر بعدہ'' (۲۷۰) جب کسریٰ ہلاک ہوگیا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں۔ اور جب قیصر ہلاک ہوگیا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں۔

اور اس کے بعد ایک ایسی عادلانہ سلطنت کی بنیاد ڈالی گئی جس کا قانون خدا کا قانون' جس کی حکومت خدا کی حکومت' اور جس میں ہر فرد ایک طرح سے خود ہی اپنا حاکم اور خود ہی اپنا محکوم تھا۔

اسی تاریخی حقیقت کا اعتراف ''THE HISTORY AND CONQUESTS OF THE SARACENSE'' کا مصنف مغربی مورخ ایڈورڈ' اے۔ فری مین کرتے ہوئے لکھتا ہے! ''محمد ﷺ وہ عظیم مقنن تھے جن کی قسمت میں اپنے عہد کی دنیا کو مکمل طور پر بدل ڈالنا اور آنے والے تمام زمانوں میں دنیا پر اہم اثرات مرتب کرنا لکھ دیا گیا تھا''۔ (۲۷۱) انسانیت کے محسن اعظم ﷺ نے انسانیت کے ان باطل' ظالمانہ' غیر مساویانہ اور فرسودہ قوانین کو جو انسانیت پر مذہب' تہذیب و تمدن اور فلسفے کے نام پر نافذ تھے، حاکم مطلق کی طرف سے ادا کردہ فطری' انسانی مساوات اور نظریۂ عدل پر مبنی قوانین کا عملی نفاذ کرکے

Marfat.com

ان تمام باطل اور فرسودہ قوانین کے خاتمے کا اعلان کرتے ہوئے خطبۂ حجۃ الوداع کے تاریخی موقع پر انسانیت کے نام اپنے ابدی پیغام میں فرمایا! الا کلّ شیء من أمر الجاھلیة موضوع تحت قدمی. آ گاہ رہو! تمام امور جاہلیت میرے قدموں کے نیچے پامال ہیں۔

الا اِن مآثر الجاھلیة وان کل دم وماء ومال یدعی به کانت فی الجاھلیة فھو موضوعة تحت قدمی ھاتین غیر السّدانة والسّقایة، والعمد قود، وشبه العمد ما قتل بالعصٰی والحجر وفیه مائة بعیر، فمن زاد فھومن أھل الجاھلیة، ألا ھل بلغت؟ اللّٰھم فاشھد...... یا معشر القریش! ان اللہ قد أذھب عنکم نخو الجاھلیة وتعظمھا بالآباء، ایّھا الناس! ربّکم واحد وان أباکم واحد، کلکم من آدم و آدم من تراب، (ثم تلا) ﴿یا ایھاالناس اِنّا خلقناکم من ذکر وأنثیٰ وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا، اِن أکرمکم عنداللہ اتقاکم، انّ اللہ علیم خبیر﴾ ولیس لعربی فضل علٰی عجمی، ولا لعجمی فضل علی عربی، ولا أسود علی أحمر، ولا أحمر علی أسود اِلا بالتقویٰ...... ألا لا یجنی جان الاّ علیٰ نفسه، ألا لا یجنی جان علی ولدہ ولا مولود علی ولدہ...... واِنیّ مسؤول وانکم مسؤلون. (۲۷۲) اور تمام آثار جاہلیت خون بہا، پانی اور کسی کی طرف مال کا جھوٹا دعویٰ سب میرے ان قدموں کے نیچے پامال ہیں، البتہ بیت اللہ کی نگہبانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کا منصب برقرار رہے گا۔ اور قتل عمد جان بوجھ کر قتل پر قصاص ہے، اور شبہ عمد جو لاٹھی یا پتھر سے قتل کیا جائے اس میں سو اونٹ کی دیت ہے۔ اور جس نے زیادتی کی (قصاص و دیت میں عدم مساوات/عدل و انصاف سے انحراف) وہ اہل جاہلیت میں سے ہے۔ سنو! کیا میں نے پیغام الٰہی پہنچادیا؟ اے اللہ تو گواہ رہ۔ ...... اے اہلِ قریش! اللہ نے تم کو جاہلیت کی نحوست اور غرور نسب سے پاک کردیا۔ لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے، سب کے سب آدم کی اولاد ہو) اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے (پیدا کیا گیا ہے) (پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی)! اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت (آدم وحوا) سے پیدا کیا ہے اور تمھیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کردیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا ترس ہے۔ بلاشبہ اللہ بڑا دانا اور بڑا باخبر ہے۔ نہ کسی عربی کو عجمی پر برتری حاصل ہے اور نہ کوئی عجمی کسی عربی پر فضیلت رکھتا ہے۔ نہ سیاہ فام سرخ فام پر فوقیت رکھتا ہے، نہ سرخ فام سیاہ فام پر۔ فضیلت و برتری کا معیار صرف تقویٰ پر ہے...... غور سے سنو! کوئی مجرم جرم نہیں کرتا مگر اس کی اپنی ذات پر ہے۔ خبردار! کوئی مجرم جرم نہیں کرتا ہے کہ جس کی ذمہ داری اس کے بیٹے پر ہو، اور نہ کوئی بیٹا جرم کرتا ہے جس کی ذمہ داری اس کے باپ پر ہو...... اور حق تعالیٰ کے نزدیک مجھ سے بھی باز پرس ہوگی اور تم سے بھی۔

پیغمبر آخر و اعظم حضرت محمد ﷺ نے بعثت نبوت کے بعد مکہ معظمہ میں بارہ سال پانچ ماہ اور چند روز قیام فرمایا، یہ زمانہ اساسی عقائد، بنیادی اسلامی قوانین کے ظہور اور اسلامی معاشرے کی تنظیم کا زمانہ تھا۔ ہجرت مدینہ کے بعد مدینے میں دس سال قیام ہوا، یہاں دینی جماعت نے ملّی تنظیم سے ربط پیدا کیا، اجتماعی ہیئت قائم ہوئی، میدانِ جنگ گرم ہوئے، معاہدے طے پائے، معاہدہ شکنوں کے خلاف انضباطی کارروائی عمل میں لائی گئی، اسلام کے اصولوں کی حکومت قائم ہوئی اور ایک اللہ کے نام پر ساری دنیا کو

Marfat.com

جمع کرنے کے لئے عالمگیر فتح کا رخ متعین ہوا۔ ۲۳ سال کی مدت میں دنیا بدل گئی، ایک بڑی اور بے مثال تبدیلی رونما ہوئی جس نے مدت کے تصورات، زمانہ دراز کے خیالات، عرصے کی تنظیمات اور سالہا سال کی اقوام کی تاریخ اور حکومتوں کو ختم کر دیا۔ ساری عمر کے دشمن دوست ہوگئے، صدیوں کے جنگجو قبائل ایک امت بن گئے، تمام بھلائیوں کی حکومت قائم ہوگئی اور برائیوں کی ہر عمارت اپنی بنیادوں پر بیٹھ گئی۔ اسلام کا دور شروع ہوا، اسلام کا نظام عدل و انصاف اور انسانی مساوات عملی بنیادوں پر قائم ہوا، اسلامی حکومت کی تاسیس عمل میں آئی جو دنیا میں سب سے برے تھے، سب سے اچھے ہوگئے، جو برے کاموں کے لئے مشہور تھے انکے سارے کام اچھے ہوگئے، خدا کی شان ہے کہ پلک جھپکتے ہی ساری دنیا میں ایک ایسا انقلاب آیا کہ اس سے بہتر انقلاب نہ تاریخ نے دیکھا ہے اور نہ اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے مثالی نظام عدل و انصاف سے علیحدہ ہو کر آئندہ تاریخ دیکھے گی۔

یتیموں کے لیے وہ ابرِ رحمت — وہ تسکینِ قلوبِ بے کساں ہے
کرم اس کا ہے زخمِ جاں کا مرہم — غموں کی دھوپ میں وہ سائباں ہے
ادائے لطف ہے اس کی جہاں پر — کرم اس کا محیط ہر زماں ہے
وہ روحِ علم، وہ جانِ مساوات — صداقت کا، امانت کا نشاں ہے
اُسی کا ہے مرے لب پر قصیدہ — وہی جو باعثِ آرامِ جاں ہے (۲۷۳)

﴿حواشی و حوالہ جات﴾

(۱) سورۂ ابراہیم/۱...... (۲) النساء/۵۸...... (۳) المائدہ/۸...... (۴) منذری/الترغیب والترہیب، ص ۲۰۶...... (۵) محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر/کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۶ء، ص ۴۰۵...... (۶) راغب اصفہانی/المفردات فی غریب القرآن، مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۶۱ء، ص ۳۲۵...... (۷) قرطبی، ابو عبداللہ، محمد الانصاری/ الجامع لاحکام القرآن، بیروت، ۱/۱۶۶...... (۸) النسفی، ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود/ مدارک التنزیل (تفسیر نسفی) بیروت، دارالاحیاء الکتب العربیۃ، ۲/۲۹۷...... (۹) زبیدی/تاج العروس، بیروت، دارصادر، ۱۳۸۶ھ-۱۹۶۶ء، ج ۸، ص ۹...... (۱۰) سیّد شریف الجرجانی/ التعریفات، ص ۱۰۶...... (۱۱) ابن منظور الافریقی/لسان العرب، طبعۃ ایران، قم، ۱۴۰۵ھ- ۱۱/۴۳۱...... (۱۲) آلوسی/ روح المعانی، مکتبہ رشیدیہ، لاہور، ۱۵/۲۱۷...... (۱۳) قرطبی/تفسیر القرطبی، دارالکتب المصریۃ، ۱۳۵۹ھ-۱۹۴۰، ۱۶۶۱...... (۱۴) قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول/ جامع العلوم الملقب بدستور العلماء/ دائرۃ المعارف النظامیہ الطبعۃ الاولیٰ/ ص ج ۲/۳۰۴...... (۱۵) الحدید/ ۲۵...... (۱۶) سیّد یحییٰ ندوی/ اسلام کا تہذیبی نظام، کراچی، پاک اکیڈمی، ۱۹۶۴ء، ص ۲۶۸...... (۱۷) النحل/۹۰...... (۱۸) دکتور محمد عمارۃ/ العدل الاجتماعی، ص ۲/ نیز دیکھیے: عبدالرزاق کمونۃ الحسینی/ العدل الاجتماعی فی الاسلام، بیروت، مؤسسۃ الاعلیٰ، ص ۱۶...... (۱۹) ایضاً ص ۲...... (۲۱) ایضاً ص ۲...... (۲۲) ابونصر الفارابی/ تحقیق فوزی متری نجار، بیروت، دارالمشرق، ۱۹۲۱ء، العدل الاجتماعی، نیز دیکھیے: عبدالرزاق کمونۃ الحسینی/ العدل الاجتماعی فی الاسلام، ص ۱۶...... (۲۳) مودودی، سیّد ابوالاعلیٰ/ اسلام اور عدل اجتماعی، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۱۳...... (۲۴) قطب شہید/ اسلام میں عدلِ اجتماعی، ترجمہ ''العدالۃ

Marfat.com

اجتماعیہ فی الاسلام، ترجمہ: ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص ۱۳..... (۲۵) ایضاً، ص ۶۰.....
(۲۶) سید قطب شہید، اسلام میں عدل اجتماعی، ص ۵۰..... (۲۷) ایضاً، ص ۹۱..... (۲۸) ایضاً، ص ۱۰۰..... (۲۹) اسلام میں
عدل اجتماعی، ص ۹۰ا..... (۳۰) ایضاً، ص ۱۱۱..... (۳۱) اسلام میں عدل اجتماعی، ص ۱۲۰..... (۳۲) سید قطب شہید، اسلام میں
عدل اجتماعی، ص ۳۵-۳۶..... (۳۳) ایضاً، ص ۳۳..... (۳۴) ایضاً، ص ۵۹..... (۳۵) مودودی، سید ابو الاعلیٰ، اسلام اور
عدل اجتماعی، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۱..... (۳۶) مودودی، سید ابو الاعلیٰ، اسلامی ریاست، لاہور، ترجمان
القرآن، ص ۴۶..... (۳۷) اسلم، سید شیخ، اسلامک ورلڈ آرڈر، لاہور، مکتبہ قریش، ۱۹۹۲ء، ص ۳۷..... (۳۸)
النحل ۵۱..... (۳۹) الانعام ۱۵۲..... (۴۰) المائدہ ۸..... (۴۱) احمد علی خان، ڈاکٹر، اسلام کا فلسفہ سیاست، دہلی، ندوۃ
المصنفین، ۱۹۵۹ء، ص ۹۰..... (۴۲) قاضی ابو یوسف، کتاب الخراج، مطبوعہ بیروت، ص ۱۱۶..... (۴۳) النساء ۵۸..... (۴۴)
النحل ۹۰..... (۴۵) النساء ۱۳۵..... (۴۶) المائدہ ۸..... (۴۷) الشوریٰ ۱۵..... (۴۸) جمال الدین عطیہ، ڈاکٹر، شریعت
اسلامی کا عمومی تصور، اسلام آباد، شریعہ اکیڈمی، ۲۰۰۲ء، ص ۷۳..... (۴۹) ایضاً، ص ۷۴..... (۵۰) ابن قیم، اعلام الموقعین،
بیروت، ۳/۱۲-۱۳..... (۵۱) ابن تیمیہ الحسبہ، مطبوعات الشعب، ص ۹..... (۵۲) الانبیاء ۴۷..... (۵۳) البقرہ ۲۸۲.....
(۵۴) النساء ۳..... (۵۵) الانعام ۱۵۲..... (۵۶) جمال الدین عطیہ، شریعت اسلامی کا عمومی تصور، ص ۷۵،۷۶..... (۵۷)
خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، لاہور، الفیصل ناشران، ص ۲۷۶..... (۵۸) الانعام ۱۵۱..... (۵۹) القمر ۴۹.....
(۶۰) عبدالجبار شیخ، پروفیسر، سیرت مجمع کمالاتؐ، سیالکوٹ، ادارہ تعلیمات سیرتؐ، ۱۹۹۵ء، ص ۲۷۲-۲۷۳..... (۶۱)
المائدہ/۳۲..... (۶۲) البقرہ ۱۷۹..... (۶۳) ایضاً سیرت مجمع کمالاتؐ، ص ۲۷۴..... (۶۴) مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الحدود،
باب قطع السارق وغیرہ والنہی عن الشفاعۃ فی الحدود، ۱۱۴/۵..... (۶۵) ابوداؤد/السنن، کتاب الاقضیۃ، باب فی طلب القضاء
۸/۴، بحوالہ: خالد علوی، ڈاکٹر/ انسان کاملؐ، لاہور، الفیصل ناشران، ۲۰۰۲ء، ص ۴۷۲..... (۶۶) الحدید: ۲۵..... (۶۷)
النساء:۱۰۵..... (۶۸) قرضاوی، ڈاکٹر محمد یوسف/کیف تعامل مع القرآن، ترجمہ: قرآن حکیم اور ہماری زندگی، ڈاکٹر عطیہ خلیل
عرب، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۲۰۱۰ء، ص ۱۵۳..... (۶۹) ایضاً ص ۱۵۴..... (۷۰) ایضاً ص ۱۵۴،۱۵۵..... (۷۱) محمد انیس
الرحمن، ایڈووکیٹ، نظام عدالت اسلامی، ص ۵۰،۵۱..... (۷۲) نعیم صدیقی/ سید انسانیتؐ، لاہور، ادارہ معارف اسلامی،
۱۹۸۲ء، ص ۱۵..... (۷۳) ظفر علی قریشی، محسن انسانیتؐ، اسلام آباد، دعوہ اکیڈمی، ۱۹۹۵ء، ص ۶..... (۷۴) حالی، مولانا الطاف
حسین/ مسدس حالی، کراچی، فضلی سنز، ۱۹۹۹ء، ص ۴۲،۴۳..... (۷۵) آرتھر کرسٹن/ ایران بعہد ساسانیاں، کراچی، انجمن ترقی
اردو، ص ۱۲۶..... (۷۶) ایضاً، ص ۴۳..... (۷۷) بحوالہ: سیرتِ سیّدالبشرؐ/ چوہدری غلام رسول چیمہ، ص ۴۲..... (۷۸) آرتھر
کرسٹن/ ایران بعہد ساسانیاں، ص ۴۰۰،۴۰۱..... (۷۹) ایضاً ص ۴۰۶..... (۸۰) ایضاً ص ۴۰۷..... (۸۱) ول ڈیورانٹ/ دی
ایج آف فیتھ، مطبوعہ لندن، ص ۱۴۱..... (۸۲) ارسطو/ السیاسۃ، ترجمہ احمد لطفی سیّد، مطبوعہ مصر، ص ۲۱۷..... (۸۳) غلام رسول
چیمہ، پروفیسر/ سیرتِ سیّدالبشرؐ، لاہور، علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۴ء، ص ۴۰..... (۸۴) عبدالمعید/ عہد نبویؐ کا اسلامی معاشرہ،
ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، اپریل ۱۹۹۷ء..... (۸۵) پیر محمد کرم شاہ الازہری/ ضیاء النبیؐ، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۳۸/۱.....

Marfat.com

(۸۶) ایضاً، السیاسۃ ص ۲۳۴...... (۸۷) پیر محمد کرم شاہ الازہری/ ضیاء النبیؐ،۱/۱۳۱، ۱۳۲...... (۸۸) منو شاستر باب اول/۳۱...... (۸۹) عبدالمجید سالک/ مسلم ثقافت ہندوستان میں، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۵۸ء، ص ۱۶، پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء النبیؐ، ۱/۱۹۹...... (۹۰) منو۔ باب نہم ۲۴۱،۲۴۲...... (۹۱) غلام رسول چیمہ/ سیرتِ سیّدالبشرؐ،ص ۴۳...... (۹۲) ول ڈیورانٹ/ قصۃ الحضارۃ، قاہرہ، ۱۹۳۵ء، ۲/۹۴، بحوالہ: پیر محمد کرم شاہ الازہری/ ضیاء النبیؐ، ۱/۱۴۶...... (۹۳) غلام رسول چیمہ، پروفیسر/ سیرتِ سیّدالبشرؐ، ص ۴۳...... (۹۴) غلام رسول چیمہ، پروفیسر/ سیرت خیرالبشرؐ، ص ۴۴...... (۹۵) اوپی گھئی/اخلاقیات مذاہبِ عالم کی نظر میں، ۲۰۱۲ء، لاہور، اپنا ادارہ، ص ۱۴۴،۱۴۵...... (۹۶) محمد انیس الرحمٰن ایڈووکیٹ/ نظامِ عدالت اسلامی اور جدید، سید سلیمان ندوی اکیڈمی، کراچی، ۱۹۹۶ء، ص ۲۰...... (۹۷) ایضاً ص ۲۱...... (۹۸) ابوالحسن علی ندوی، مولانا، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، کراچی، مجلسِ نشریات اسلام، ص ۳۷...... (۹۹) (Robert Briffault) The making of humanity Oxford...... (۱۰۰) ابوالحسن علی ندوی، مولانا، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، کراچی، مجلسِ نشریات اسلام، ص ۳۱۔۳۲...... (۱۰۱) ڈاکٹر صبحی محمصانی/ فلسفہ شریعت اسلام ص ۶' مترجم محمد احمد رضوی' مجلس ترقی ادب لاہور' ۱۹۸۵ء...... (۱۰۲) ڈاکٹر محمد حمیداللہ/ خطبات بہاولپور ص ۳۴۱' ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۹۲ء...... (۱۰۳) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی/ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۹۸' مجلس نشریات اسلام کراچی' ۱۹۷۴ء...... (۱۰۴) ڈاکٹر جوادعلی/ المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام ۴/۵۴۲، بیروت ۱۹۷۰ء...... (۱۰۵) محمود شکری آلوسی / بلوغ الارب فی احوال العرب ۳/۴۸۸، مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن، مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۶۷ء...... (۱۰۶) ڈاکٹر محمد حمیداللہ/ عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی ص ۱۵۱...... (۱۰۷) ڈاکٹر جوادعلی/ المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام ۴/۴۴۵...... (۱۰۸) محمود شکری آلوسی/ بلوغ الأرب فی أحوال العرب ۳/۴۸۶' ۴۸۷...... (۱۰۹) محمد انیس الرحمٰن ایڈووکیٹ/ نظام عدالت، ص ۴۷...... (۱۱۰) محمد ابوزہرہ/ الفقہ الاسلامی و القانون الرومی، قاہرہ، ۱۳۸۱ھ، ص ۸،۹...... (۱۱۱) محمد انیس الرحمٰن ایڈووکیٹ/ نظام عدالت اسلامی اور جدید، ص ۴۸...... (۱۱۲) ڈاکٹر محمد حمیداللہ/ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی ص ۸۲' ص ۸۳...... (۱۱۳) آل عمران/ ۱۸...... (۱۱۴) الحدید:/۲۵...... (۱۱۵) النساء/ ۱۰۵...... (۱۱۶) المائدہ/۴۲...... (۱۱۷) الحجرات:/۹...... (۱۱۸) النحل/۹۰...... (۱۱۹) الانعام/۱۵۲...... (۱۲۰) النساء/ ۱۳۵...... (۱۲۱) النساء/ ۵۸...... (۱۲۲) المائدہ/ ۸...... (۱۲۳) المائدہ/۲...... (۱۲۴) آل عمران/۵۷...... (۱۲۵) البقرہ: /۲۵۸...... (۱۲۶) الفرقان/ ۳۷...... (۱۲۷) کہف/ ۲۹...... (۱۲۸) ابراہیم/۲۲...... (۱۲۹) ھود/ ۱۸...... (۱۳۰) مومن/ ۱۸...... (۱۳۱) اعراف/۳۳...... (۱۳۲) منذری/الترغیب والترہیب، ص ۲۰۶...... (۱۳۳) ایضاً ص ۲۰۶...... (۱۳۴) حوالہ سابقہ، ص ۲۰۶...... (۱۳۵) محمد عبدالجبار شیخ / سیرت مجمع کمالاتؐ ص ۲۹۰...... (۱۳۶) مسلم/ الجامع الصحیح، کتاب البروالصلۃ والآداب باب تحریم الظلم...... (۱۳۷) مسلم/ الجامع الصحیح، کتاب البروالصلۃ والآداب باب تحریم الظلم...... (۱۳۸) بخاری/ الجامع الصحیح، کتاب المظالم باب الاتقاء والحذر من دعوۃ المظلوم...... (۱۳۹) ھود/۱۰۲...... (۱۴۰) بخاری/ الجامع الصحیح، کتاب المظالم...... (۱۴۱) مشکوٰۃ/ باب العمل فی القضاء...... (۱۴۲) مشکوٰۃ/ باب العمل فی القضاء...... (۱۴۳) مشکوٰۃ/ کتاب الحدود...... (۱۴۴) ابوداؤد/ السنن، کراچی، قدیمی کتب خانہ، کتاب الدّیات...... (۱۴۵) ابو داؤد/ السنن، کتاب

Marfat.com

الدّیات...... (۱۴۶) بخاری، محمد بن اسماعیل/ کتاب الزکوٰۃ، کتاب الحدود...... (۱۴۷) نسائی/ السنن، آداب القضاۃ، ج ۲، ص ۳۰۲...... (۱۴۸) طبرانی/ المعجم، نصب الرایہ، کتاب ادب القاضی...... (۱۴۹) سیّد اوصاف علی/ حقوق العباد، ملتان، مکتبہ امدادیہ، ص ۱۸۴...... (۱۵۰) عبدالجبار شیخ، پروفیسر/ سیرت مجمع کمالاتؐ، سیالکوٹ، ادارہ تعلیماتِ سیرتؐ، ۱۹۹۵ء، ص ۲۸۹...... (۱۵۱) سیّد واجد رضوی/ پیغمبر رحمتؐ اور انسان کے بنیادی مسائل، لاہور، مکتبہ مدنیہ، ۱۹۹۱ء، ص ۱۳...... (۱۵۲) سیرتِ مجمع کمالاتؐ، ص ۶۷۲...... (۱۵۳) النساء/۱۳۵...... (۱۵۴) المائدہ/۸...... (۱۵۵) النساء/۵۸...... (۱۵۶) ابو عبید/ کتاب الاموال، قاہرہ، ص ۶۶۳...... (۱۵۷) اسلام اور پیغمبرِ اسلامؐ غیروں کی نظر میں، ص ۱۲،۲۲/ بحوالہ: غلام رسول چیمہ، پروفیسر/ اسلام کا عمرانی نظام، لاہور، مکتبہ علم و عرفان، ۲۰۰۲ء...... (۱۵۸) اشہر مشاہیر الاسلام، ۲/۲۸۲...... (۱۵۹) اشہر مشاہیر الاسلام، ص ۲۸۲، ج ۲...... (۱۶۰) گستاولی بان/ تمدن عرب، مترجم سید علی بلگرامی، ص ۱۲۲...... (۱۶۱) تمدن عرب، ص ۴۲۱...... (۱۶۲) ابن سعد/ الطبقات الکبریٰ، ۳/۱۱۲، کتاب الخراج، ص ۶۶...... (۱۶۳) طبقات ابن سعد ۳/۱۱۲۔ قاضی ابو یوسف/ کتاب الخراج، ص ۶۶...... (۱۶۴) طبقات ابن سعد ۳/۱۱۲۔ کتاب الخراج ص ۶۶...... (۱۶۵) اشہر مشاہیر الاسلام ۲/۳۸۳...... (۱۶۶) بحوالہ: محمد عبدالجبار شیخ، پروفیسر/ سیرت مجمع کمالاتؐ، ص ۳۸۲،۴۸۲...... (۱۶۷) ایضاً ص ۴۸۲...... (۱۶۸) تفسیر ام الکتاب ''مولانا ابوالکلام آزاد، ص ۱۲۷...... (۱۶۹) الحدید/۲۵...... (۱۷۰) الملک/ ۳...... (۱۷۱) النحل/ ۹۰...... (۱۷۲) اوصاف علی/ حقوق العباد، ملتان، مکتبہ امدادیہ، ۱۹۷۹ء ص ۱۷۷،۱۷۸...... (۱۷۳) سورۃ النساء/ ۱۷...... (۱۷۴) الروم/ ۳۰...... (۱۷۵) البقرہ/۱۴۳...... (۱۷۶) دیکھئے آیت کے ذیل میں: ابن جریر الطبری/تفسیر الطبری، بیروت، داراحیاء التراث لعربی، ۴۲۱۔ امام فخر الرازی/ التفسیر الکبیر، تہران، مکتبۃ العلوم الاسلامی۔ محمد بن احمد الانصاری، القرطبی/ الجامع لاحکام القرآن، بیروت، دارالمعرفہ، علامہ آلوسی/روح المعانی، بیروت، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ، محمد بن علی الشوکانی/ فتح القدیر، مصطفی البابی الحلبی ۱۳۴۹ھ/ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی/ التفسیر المنیر فی العقیدہ والشرع والمنہج، بیروت، دارالمعرفہ، قاضی ثناء اللہ پانی پتی/ التفسیر المظہری، کوئٹہ، مکتبہ حبیبیہ۔ محمد شفیع، مفتی/ معارف القرآن، کراچی، ادارۃ المعارف۔ مودودی، سیدابوالاعلیٰ/ سیرت سرور عالمؐ، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۷۸ء، ۲/۴۵۹...... (۱۷۷) مودودی، سیدابوالاعلیٰ/ سیرت سرور عالمؐ ۲/۴۶۰...... (۱۷۸) دیکھیے: النساء/۱۷۱، المائدہ/۷۷...... (۱۷۹) النساء/۱۷۱...... (۱۸۰) المائدہ/۷۷...... (۱۸۱) بنی اسرائیل/۲۹...... (۱۸۲) سورۂ بنی اسرائیل/۱۱۰...... (۱۸۳) البخاری، محمد بن اسماعیل/ الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح...... (۱۸۴) ابنِ اثیر/ جامع الاصول، ۳۲۳...... (۱۸۵) ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث/ السنن، کتاب الادب، باب فی الوقار...... (۱۸۶) ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث/ السنن، کتاب الصلوٰۃ...... (۱۸۷) سورۂ بنی اسرائیل/۲۹...... (۱۸۸) سورہ الفرقان/۶۷...... (۱۸۹) البخاری، محمد بن اسماعیل/ الجامع الصحیح، کتاب اللباس...... (۱۹۰) فیض القدیر، ج ۱، ص ۱۴۵...... (۱۹۱) الممتحنۃ/ ۸،۹...... (۱۹۲) ابن جریر طبری/ جامع البیان، قاہرہ، مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۷۳ھ ۲۲،۲۲۔۶۶...... (۱۹۳) یوسف القرضاوی/ مشکلات الفقر وکیف عالجھا الاسلام، مترجم نصیر احمد ملی، لاہور، مکتبہ اسلامیہ، ۲۰۰۴ء، ص ۶۷۱...... (۱۹۴) یوسف القرضاوی/ الحلال و الحرام فی الاسلام۔ ص ۲۲۴...... (۱۹۵) الترمذی، الجامع، ابواب البر و الصلۃ، باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان...... (۱۹۶) ندوی/ سیّد سلیمان، سیرۃ النبی ﷺ، ج ۶، ص ۲۳۰...... (۱۹۷)

Marfat.com

خورشید احمد، پروفیسر/ اسلامی نظریۂ حیات، کراچی، شعبہ تصنیف و تالیف، جامعہ کراچی، ۲۰۰۲ء، ص ۴۶۳...... (۱۹۸) ابن عبدالحکیم/ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، بیروت، ۱۳۸۷ھ، ص ۶۹...... (۱۹۹) خورشید احمد، پروفیسر/اسلامی ضابطۂ حیات، ص ۴۶۴......

(۲۰۰) سیّد واجد رضوی/ پیغمبر رحمتؐ اور انسان کے بنیادی مسائل، لاہور، مکتبہ مدنیہ، ۱۹۹۱ء، ص ۲۴۵...... (۲۰۱) ایضاً ص ۲۴۷...... (۲۰۲) الھمزہ/ ۳،۴...... (۲۰۳) بنی اسرائیل /۲۶،۲۷...... (۲۰۴) بنی اسرائیل ۲۹...... (۲۰۵) علی متقی الھندی/کنزالعمال......(۲۰۶) المطففین، ۱ تا ۵...... (۲۰۷) الذّاریت/۱۹...... (۲۰۸) بحوالہ: اوصاف علی/ حقوق العباد، ص ۲۰۰...... (۲۰۹) ابن کثیر/البدایہ والنھایہ ۷/۴۵۔ نیز دیکھیے ابو عبید/ کتاب الاموال، قاہرہ ۱۳۵۳ھ، ص ۲۳۸...... (۲۱۰) الحدید/۲۵...... (۲۱۱) النساء ۱۳۵...... (۲۱۲) النساء:۵۸...... (۲۱۳) الانعام/۱۵۲...... (۲۱۴) الانعام/۱۵۲...... (۲۱۵) الشوریٰ/۱۵...... (۲۱۶) بخاری/کتاب الحدود...... (۲۱۷) خالد علوی، ڈاکٹر/ اسلام کا معاشرتی نظام، لاہور، الفیصل ناشران، ص ۲۸۹،۲۹۰...... (۲۱۸) محمد طاہر القادری، ڈاکٹر/ سیرۃ الرسولؐ کی آئینی و دستوری اہمیت، لاہور، منہاج القرآن پبلی کیشنز، ص ۲۶،۲۷...... (۲۱۹) مجیب اللہ ندوی/ اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات، لاہور، دیال سنگھ ریسرچ ٹرسٹ، ۱۹۹۹ء، ص ۵۹...... (۲۱۰) صاحبزادہ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن/ اسلامی معاشرے کی تاسیس وتشکیل، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۹۴ء، ص ۱۵۵...... (۲۲۱) الاعراف/ ۲۹...... (۲۲۲) الانعام/۱۵۲...... (۲۲۳) الحدید/۲۵...... (۲۲۴) النحل/۹۰...... (۲۲۵) الانعام/۱۵۲...... (۲۲۶) بحوالہ: صاحبزادہ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن/ اسلامی معاشرے کی تاسیس وتشکیل، ص ۱۵۸...... (۲۲۷) غلام رسول چیمہ، پروفیسر/ سیرت سیدالبشرؐ لاہور، علم وعرفان پبلشرز، ۲۰۰۴ء، ص ۲۵۷...... (۲۲۸) دانائے سبلؐ، ہمدرد فاؤنڈیشن، کراچی، ۱۹۹۹ء، ص ۱۰۴،۱۰۵...... (۲۲۹) المائدہ/۸...... (۲۳۰) ابن کثیر/ السیرۃ النبویہ، بیروت، ۱۹۷۸ء، ۴/۴۵۷......

(۲۳۱) ابوداؤد/ السنن، کتاب الخراج، ۳/ ۴۴۸،۴۵۰...... (۲۳۲) خالد علوی، ڈاکٹر/خلق عظیم، اسلام آباد، دعوہ اکیڈمی، ۲۰۰۲ء، ص ۱۱۹،۱۲۰...... (۲۳۳) ترمذی، کتاب الحدود، باب ماجاء فی کراہیتہ ان یشفع فی الحدود ۴/ ۳۸، ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب الشفاعہ فی الحدود، ۲/۸۵۱...... (۲۳۴) بخاری/الجامع الصحیح، کتاب الدیات، باب ماجاء فی القسامہ، ۴/۳۰، ترمذی/ کتاب الدیات، باب ماجاء فی القسامہ، ۴/۳۰، سیرۃ، ۳/۳۶۹۔۳۷۰(۲۳۵) دارقطنی/ سنن، کتاب البیوع، ۳/ ۴۵...... (۲۳۶) خالد علوی، ڈاکٹر/ انسان کاملؐ، لاہور، الفیصل ناشران، ص ۶۴۹،۶۵۰(۲۳۷) خورشید احمد گیلانی/ الہدیٰ، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص ۴۱،۴۲...... (۲۳۸) النساء/۱۰۵...... (۲۳۹) التوبہ/۱۲۸...... (۲۴۰) بخاری/ الجامع الصحیح، کراچی، اصح المطابع، ۱/۳ (باب بدء الوحی)...... (۲۴۱) ڈاکٹر محمد حمید اللہ/ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی ص ۵۸(۲۴۲) ڈاکٹر عمر فروخ/ تاریخ الجاھلیۃ ص ۱۳۲' دارالعلم بیروت ۱۹۶۴ء...... (۲۴۳) سید امیر علی/ روح اسلام ص ۸۷' مترجم محمد ہادی حسین' ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۹۲ء...... (۲۴۴) ابن سعد/ الطبقات ۱/۱۲۸' ۱۲۹' دارصادر بیروت' نیز دیکھیے! ڈاکٹر عمر فروخ/ تاریخ الجاھلیۃ ص ۱۳۲......

(۲۴۵) ڈاکٹر محمد حمید اللہ/ عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی ص ۱۴۴' اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۸۷ء...... (۲۴۶) سیرت النبیؐ کے حوالے سے یہ تاریخی واقعہ قدیم و جدید تمام سیرت نگاروں نے ذکر کیا ہے...... (۲۴۷) دیکھیے: محمد حمید اللہ، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ میں نظامِ حکمرانی، کراچی، اردو اکیڈمی، ۱۹۸۷ء، ص ۱۹۶۔۱۹۷۔ دیگر تفصیل کے لیے دیکھیے، راقم الحروف کا تحقیقی مقالہ، میثاقِ مدینہ،

Marfat.com

سیاست نبویؐ کا مثالی شاہکار، مطبوعہ السیرہ، کراچی، ششماہی، ربیع الاول ۱۴۳۱ھ، ص ۱۳۳۔۱۶۶...... (۲۴۸) محمد حمیداللہ، ڈاکٹر/
عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکمرانی، ص ۱۰۶...... (۲۴۹) محمد رسول اللہؐ (مقالاتِ سیرت النبیؐ) لاہور، مطبوعہ شعبہ اردو دائرہ معارفِ
اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۸۳ء، ص ۱۲۷...... (۲۵۰) محمد حمیداللہ، ڈاکٹر/ عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی، ص ۶۷۔ ایضاً، رسولِ اکرمؐ
کی سیاسی زندگی، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۸۷ء، ص ۲۵۵۔ ایضاً، خطباتِ بہاول پور، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۹۶ء،
ص ۲۳۶)...... (۲۵۱) محمد حمیداللہ/ عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۷ء، ص ۷۷...... (۲۵۲) Syed
Ameer Ali/ The Spirt of Islam. Karachi, 1969, P.58...... (۲۵۳) محمد رسول اللہؐ (مقالہ سیرت النبیؐ) اردو
دائرہ معارف اسلامیہ، ص ۱۶۷، ۱۶۸)...... (۲۵۴) محمد حمیداللہ/ عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص ۸۲،۸۳...... (۲۵۵)
البلاذری/فتوح البلدان، قاہرہ، دارالنشر، ص ۲۷)...... (۲۵۶) حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر/رسول اکرمؐ اور رواداری، کراچی، فضلی سنز،
۱۹۹۸ء، ص ۱۹۳)...... (۲۵۷) تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن سید الناس/عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، قاہرہ،
۱۹۷۰، الواقدی/محمد بن عمر/کتاب المغازی، بیروت، موسستہ الرسالہ، محمود شیث خطاب/الرسول القائد، بغداد، مکتبۃ الحیاۃ،
۱۹۶۰...... (۲۵۸) ابن قیم الجوزی/زادالمعاد، بیروت، مکتبہ الرسالہ، ۱۹۷۹ء، ۱/۴۲۳...... (۲۵۹) ابن ہشام/ السیرۃ النبویہؐ
۴/۳۴...... (۲۶۰) امیرعلی/روح اسلام، ص ۱۲۹...... (۲۶۱) جی سنگھ دارا/ رسول عربیؐ، لاہور، سیرت اکیڈمی، ۱۹۸۹ء، ص
۱۱۸...... (۲۶۲) ایضاً ص ۳۹۴...... (۲۶۳) ARTHER GILLMAN/THE SARACENS, LONDON,
P.184,185...... (۲۶۴) ماہنامہ فاران، کراچی، سیرت نمبر جنوری ۱۹۵۶ء...... (۲۶۵) (STANLEY LANE
POOL/THE SPEECHES AND TABLE TALK OF THE PROPHET MUHAMMAD,
LONDON, 1986,P.46)...... (۲۶۶) سوامی لکشمن پرشاد/عرب کا چاند، ص ۱۶۲...... (۲۶۷) ابن قیم الجوزی/زادالمعاد،
۱/۴۲۳...... (۲۶۸) ماہرالقادری، بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری از رفیع الدین اشفاق، کراچی، اردو اکیڈمی، ۱۹۷۶ء، ص ۶۱۶......
(۲۶۹) ابن حجر عسقلانی/فتح الباری ۸/۴۹، دارالمعرفۃ بیروت...... (۲۷۰) بخاری/الجامع الصحیح، باب علامات النبوۃ، نور محمد
اصح المطابع کراچی...... (۲۷۱) EDWARD A. FREEMAN/ THE HISTORY AND CONQUESTS
OF THE SARACENS, P.31, LONDON. 1871...... (۲۷۲) علی متقی الھندی/کنزالعمال ۵/۱۵۹۔ ۱۶۶،
دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۹۵۴ء...... (۲۷۳) بحوالہ: نعت رنگ، کراچی، شمارہ ۲۳، اگست ۲۰۱۲ء، ص ۳۶۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

محمد ریاض- شیوہ، صوابی

تمہید:

انیسوی صدی کے اوائل میں افادیت پسندی کا نظریہ تسلیم کیا گیا چنانچہ ریاست کے مقاصد میں سے یہ مقصد قرار پایا کہ وہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے یہی وجہ ہے کہ دور حاضر میں ریاست کا مقصد اعلیٰ رعایا کی معاشی و معاشرتی فلاح وبہبود پایا۔ اسی دور میں فلاحی ریاست (welfare state) کے نعرہ سے اس دور کا انسان متعارف ہوا۔ فلاحی معاشرے (Social welfare) کی اصطلاح سے کان آشنا ہوئے۔ عدل اجتماعی (Social Justice) کی آواز بلند ہوگئی فرد و جماعت اور رعایا و ریاست کی ذمہ داریوں کا تعین ہونے لگا فلاحی ریاست کے اہداف و مقاصد کی نشاندہی کی گئی اور ان ہی مقاصد کے حصول کی کامیابی ریاست کی کامیابی کا معیار ٹھہرا۔ چنانچہ بہترین ریاست وہ قرار پائی جو اپنے شہریوں کو جان و مال اور ناموس کا تحفظ فراہم کر سکے جو ان کا بنیادی حق ہے انہیں جملہ انسانی بنیادی ضروریات وتعلیم، صحت کے لیے علاج، گھر، کھانا پینا وغیرہ۔) مہیا کرے بیرونی جارحیت سے انہیں تحفظ دے بہتر خارجہ پالیسی کے ذریعے بین الاقوام میں انہیں باعزت مقام دے ہر شہری کو فوری اور ستا انصاف فراہم اور قانون کی حکمرانی کو یقینی بنائے۔ ہر فرد کو ایسی شخصی آزادی کا موقع میسر ہو جس سے دوسرے کی آزادی متاثر نہ ہو۔ ان اہداف کے حصول میں کامیاب ریاست ایک فلاحی اور رول ماڈل ریاست کہلاتی ہے اسلام کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ پہلی اسلامی ریاست میں عدل اجتماعی کے پورے عناصر بدرجہ اتم موجود تھے بنیادی انسانی ضرورت کی فراہمی، ستا اور فوری انصاف، صحت مند معاشی سرگرمیوں کی بلاتفریق رنگ ونسل آزادی، دولت کی منصفانہ تقسیم، سماجی تحفظ اور کمزور کو طاقتور کے مقابلہ میں تحفظ فراہم کرنا اور دنیا و آخرت کے نفع کو رعایا کی طرف کھینچنا اور ہر طرح کی دینی و دنیوی مضرت ونقصان کو ان سے دفع کرنا ریاست اور رعایا کی مجموعی ذمہ داری تھی۔ علامہ شاطبی نے اپنی کتاب الموافقات میں شریعت اسلامی کے جمہل احکامات کا مقصد یہی بتایا ہے کہ جلب منفعت اور دفع مضرت۔ چنانچہ مولانا وحید الدین اپنے مقالہ میں ہندو دانشور۔ swam vivekanada سے نقل کرتے ہیں کہ:

If ever any religion approached to this equality in any appreciable meaner it is Islam and Islam alone.

تعارف:

عدل کا لفظ عربی زبان کا ہے اور کئی معنوں میں مستعمل ہے لغت میں اس کے معنی برابر یکسانیت کے بھی ہیں اور عدل عدول سے تجاوز کو بھی کہتے ہیں نحوی، علماء اسباب منع صرف میں عدول کے معنی میں عدل کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ امام

Marfat.com

راغب مفردات ص ۳۲۹ میں لفظ عدل کے لغوی معنی بیان کرتے ہیں۔ العدل و المعادلة لفظ یقتضی معنی المساواة والعدل بفتح العین وبکسر العین یتقاربان لکن الاول یستعمل فیما یدرك بالصیرة کالاحکام والثانی فیما یدرك بالحاسة کالموزونات والمعدودات ۔

قرآن کریم میں لفظ عدل ۱۴ مرتبہ مستعمل ہے اور اس کا مادہ ۲۸ مرتبہ، قرآن کریم میں کبھی جرم کے فدیہ کو بھی عدل کیا گیا ہے چنانچہ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۴۸ میں ہے کہ ﴿وَلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ﴾ وغیرہ وغیرہ۔ لکھنے میں انصاف سے کام لینے کے لیے البقرہ آیت ۲۸۲ میں ہے ﴿وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ﴾ اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کے معنی میں سورۃ النسا آیت نمبر ۵۸ میں لفظ عدل کا استعمال ہے۔ ﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾. اعتدال کے معنی میں بھی مستعمل ہے یعنی عقیدہ اور اعمال میں اعتدال اپنانا اور افراط وتفریط سے بچنا چنانچہ سورۃ النحل آیت نمبر ۹۰ میں مفسرین نے آیت کے معنی اعتدال سے بھی کیے ہیں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی﴾ قرآن کریم میں لفظ عدل مختلف معانی میں مستعمل ہے۔ اسماء رجال کے علماء عدل اور عدالت کی اپنی تشریح کرتے ہیں کیونکہ لامشاحة فی الاصطلاح۔

جہاں تک عدل اجتماعی کی بات ہے تو مولانا مودودیؒ نے اپنی کتاب اسلامی ریاست کے ص ۶۰۳ میں اسے Social Jusice کے انگریزی لفظ کا ہم معنی قرار دیا ہے اور عدل اجتماعی کی تعریف یوں کی ہے۔ عدالت اجتماعیہ درحقیقت جس چیز کا نام ہے وہ یہ ہے کہ افراد، خاندانوں، قبیلوں، برادریوں اور قوموں میں سے ہر ایک کو مناسب آزادی بھی حاصل ہو اور اس کے ساتھ ظلم و عداوت کو روکنے کے لیے مختلف اجتماعی اداروں کو افراط پر اور ایک دوسرے پر اقتدار بھی حاصل رہے اور مختلف افراد و مجتمعات سے وہ خدمات لی جاسکے جو اجتماعی فلاح کے لیے درکار ہے۔ (اسلامی ریاست مقالہ بعنوان اسلام اور عدل اجتماعی ص ۶۱۱، مولانا مودودی صاحب)

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی لکھتے ہیں کہ عدل اجتماعی سے مراد یہ ہے کہ حکومت اپنی تمام رعایا کو بنیادی ضروریات زندگی لازمی فراہم کرے۔ (اسلام کا انتظامی قانون ص ۴۰۱)۔ دلیل میں مصنف نے حضور کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ ''السلطان ولی من لاولی له'' حکمران اسکا سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہیں۔ یہ حدیث مسند احمد کی ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے اپنی کتابوں میں روایت کی ہے۔ حضور ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایک فلاحی ریاست کی تشکیل میں فرد اور جماعت کی بھی ذمہ داری ہے اور حکمران بھی اس کے لیے لوگوں کو اور اللہ کو جوابدہ ہیں۔ حضرت عمرؓ کا قول ''کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کتا بھی بھوک سے مرجائے تو کل عمر سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا اسی جواز کی واضح دلیل ہے اس لیے فلاحی معاشرہ اور ریاست وجود میں لانے کے لیے قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں فرد کے کردار کو بھی بڑا عمل دخل ہے اور یہ اپنی حیثیت میں اس کے لیے جوابدہ بھی ہے کہ یہ خود سے بھی ایسی کوشش کرے جس کے نتیجے میں فلاحی معاشرہ وجود میں آئے قرآن کریم نے افراد کو یہ حکم دیا ہے کہ ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی. وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المائدہ آیت ۲) اس طرح ﴿وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ لوگوں سے بھلائی کی بات کرو۔ اس لیے عدل اجتماعی کے قیام میں فرد اور جماعت رعیت اور ریاست کے کردار اور تعلیمات نبوی ﷺ میں عدل اجتماعی کے تصور و اہمیت کی بحث ذیل کے

Marfat.com

سطور میں زیب قرطاس ہے۔

عدل اجتماعی کا تصور:

سرمایہ دارانہ نظام کے علمبردار اور اشتراکیت کے دعویدار آج جس عدل اجتماعی کے دعویدار ہیں دنیا نے ہر دور کے تاریک پہلو اور واضح تضادات پر مبنی معاشروں اور ریاستوں کا مشاہدہ کرلیا۔ اشتراکیت تو خودکشی سے دوچار ہو چکا ہے کیونکہ روس میں اس کا تجربہ ناکام ہو چکا ہے اور یہ مصنوعی اور جبر کے تحت لائی ہوئی مساوات اب چین میں بھی دم توڑ رہی ہیں چنانچہ چینی معاشرہ میں اب بڑی جدت اور امیر وغریب کا فرق واضح نظر آ رہا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے حامل ملک جس طرح غریب ممالک کے خام وسائل لوٹ کر اپنے عوام کو زندگی کی سہولیات فراہم کر رہے تھے موجودہ مالی و اقتصادی بحران نے اس سب کچھ کے باوجود ان کے غبارے سے ہوا نکال دی ہے اور سودی نظام پر مبنی معیشت ہر چوراہے اور چوک پر دم توڑ رہی ہے چونکہ اسلام کا عدل اجتماعی ان کے سامنے نہیں اس لئے کبھی وہ اشتراکیت کے نعرے بلند کر رہے ہیں اور کبھی Zero Intrest پر مبنی نظام کے لیے کتبے اور بینرز اٹھائے احتجاج کر رہے ہیں زیرو انٹرسٹ دراصل اسلامی نظام معیشت ہے لیکن سازش کے تحت ان مظلوموں سے اسلام کا نام چھپایا جا رہا ہے ان دونوں نظاموں کی ناکامی اور ناانصافی پر مبنی معاشرے کو دنیا آزما چکی ہے اب اسلام کے عدل اجتماعی پر مبنی نظام کے لیے فضا سازگار ہے لیکن مخلص رجال کار کے آگے آنے اور میدان میں ہونے کی ضرورت ہے تاکہ دنیا کو یہ بات دلیل و منطق کی زبان میں سمجھا سکے کہ اسلام ہی عدل اجتماعی ہے۔

فرد اور عدل اجتماعی:

دین اسلام کی تعلیمات سے واقف ہر فرد یہ بات جانتا ہے کہ بحیثیت فرد بھی اس کی بہت بڑی ذمہ داریاں ہیں وہ جہاں بھی ہے وہاں کی مسؤلیت اس کے ذمہ ہے ارشاد نبوی ﷺ ہے: **کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیتہ، الامام راع و مسؤول عن رعیتہ والرجل راع فی اھلہ ومسؤول عن رعیتہ والمراۃ راعیۃ فی بیت زوجھا ومسؤولۃ عن رعیتھا والخادم راع فی مال سیدہ و مسؤول عن رعیتہ۔** (ریاض الصالحین ص ۲۳۹، ابوزکریا یحییٰ شرف النووی) بحوالہ متفق علیہ۔

اس حدیث نے ذمہ داری اور مسؤلیت کو کتنی وسعت دی ہے قرآن نے بیوی کے نفقہ، رہائش اور بنیادی ضروریات کی ذمہ داری خاوند پر ڈالی ہے ریاست اس وقت ذمہ دار ہے جب خاوند نہ ہو اس طرح زیر تربیت بچوں کے اخراجات بھی والد کے ذمہ ہیں۔ البتہ جب سرپرست نہ ہو یا اس قابل نہ ہو کہ ان کے خوراک و پوشاک اور رہائش کا بندوبست کر سکے تو پھر معاشرہ اور ریاست کی طرف یہ ذمہ داری منتقل ہوتی ہے حضور صلعم کا فرمان ہے کہ خرچ میں اپنے اہل وعیال سے شروع کرو **وابدأ بمن تعول** (صحیح بخاری) حضور ﷺ نے اہل وعیال پر خرچ کرنے میں ذمہ داری کے ساتھ صدقہ کرنے کا ثواب ملنے کی خوشخبری سنائی ہے **اذا انفق الرجل علیٰ اھلہ نفقۃ یحتسبھا فھی لہ صدقۃ** (ریاض الصالحین ص ۱۲۸، امام نووی) معاشرے میں بے کس، غریب اور مجبور لوگوں کی مدد اور دادرسی کرنا ریاست کے ساتھ افراد کی بھی ذمہ داری ہے چنانچہ قرآن وسنت کی تعلیمات میں یہ ترغیب شد و مد سے موجود ہے۔

﴿وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِى الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ

Marfat.com

﴿وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ. وَمَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ (النساء:۳۶)

﴿قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ (البقرہ: ۲۱۵)

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ. قُلِ الْعَفْوَ﴾ (البقرہ:۲۱۹)

﴿وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (الذاریات:۱۹)

المحروم سے وہ شخص مراد ہے جس پر مالی افتاد ہو۔ دوسری جگہ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ. لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (المعارج: ۲۵)

مناسب مالی حیثیت والوں کو حکم خداوندی ہے کہ آپ لوگ زکوۃ ادا کیا کریں۔ اتوا الزکٰوۃ کا حکم ۲۰ بار قرآن کریم میں مذکور ہے ریاست کو بھی قرآن نے پابند کیا ہے کہ ﴿خُذْمِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ (التوبہ:۱۰۳) اس طرح حدیث میں ہے کہ توخذ من اغنیا ھم وترد علی فقراھم۔ زکوۃ کے علاوہ عشر، خمس، خراج اور نفل صدقات وغیرہ مختلف ذرائع سے غریبوں کی دادرسی کی ترغیب وتاکید کی گئی ہے غلہ اور پھل نیز جانوروں کے مخصوص تعداد پر مختلف شرح سے زکوۃ لاگو کی گئی ہے اس طرح سال بھر مخیّر حضرات کے جمع شدہ سرمائے سے غریبوں کے لیے کچھ نہ کچھ سرمایہ خرچ کرنے کے اسباب پیدا کیے گئے ہیں تاکہ سرمایہ بھی چند امیر ہاتھوں میں مرتکز نہ رہے اور مجبور و بے سہارا افراد کی مدد بھی ہوتی رہے۔ مسلمان میں اسلام نے ہمدردی و اخلاص اور رحم وشفقت کے ایسے جذبات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ کسی حکومتی مداخلت کے بغیر اللہ کی رضا کی خاطر مساکین و یتامیٰ اور بے بس کی دستگیری کریں چنانچہ قرآن ایسے لوگوں کا نقشہ یوں کھینچتا ہے کہ ﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا﴾ (الدھر:۸) صحیح مسلم میں حضورﷺ نے فرمایا طعام الواحد یکفی الاثنین۔ الخ ایک آدمی کا طعام دو کے لیے کفایت کرتا ہے اور دو کا چار کے لیے۔ حضورﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے مالدار مسلمانوں کا یہ ذہن بنایا کہ وہ خود سے اپنے مال کے لیے مستحق اور بہتر افراد تلاش کریں اور مستحق افراد کو استغنا اختیار کرنے اور محنت سے کمانے کی ترغیب دی۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اپنی ذاتی ضرورت کو قربان کر کے دوسرے کی ضرورت پوری کرنے کا جذبہ پیدا کرلو جسے ایثار کہتے دور صحابہ اور اسلامی تاریخ میں ایثار کے بہت سارے واقعات مذکور ہیں ایثار کے ساتھ احسان کا بھی حکم خداوندی ہے کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى﴾ (النحل: ۹۰) حدیث میں ہے کہ اَحسِن من اساء الیک یعنی جو تیرے ساتھ برا سلوک کرے اس سے بھلائی کر۔ اس سے نبوت کے مزاج کو سمجھا جاسکتا ہے کہ حضورﷺ کس طرح کا معاشرہ تشکیل دینا چاہتے تھے ظلم پر مبنی ہر قسم کے لین دین کو آپؐ نے کالعدم قرار دیا اس لیے تناجس (یعنی فقط قیمت بڑھانے کے لیے سودا کرنا حالانکہ خریدنے کا ارادہ نہیں) کو منع فرمایا بیع غرر، بیع حاضر للبادی، بیع ملامہ، بیع مزابنہ، بیع منابذہ، بیع بالقاء الحجر وغیرہ طرز کے تمام سودے ختم اور باطل قرار دیئے جس میں کسی انسان کو دھوکہ دیا جاسکتا ہو یا باعث نزاع ہو۔

تجارت میں ناپ اور تول کے بارے میں تاکیدی احکامات جاری کیے کہ عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے: ﴿وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ﴾ (الرحمٰن: ۹) اور انصاف کے ساتھ

Marfat.com

سیدھی ترازو تولو، اور مت گھٹاؤ تول، ناپ تول میں کمی و بیشی دراصل دوسروں کے حق پر ڈاکہ ڈالنا ہے حضرت شعیبؑ بھی اپنی قوم سے یہی کہتے رہے کہ: ﴿اَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُخۡسِرِيۡنَ. وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ. وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ﴾(الشعراء: ۱۸۱-۱۸۲) حضرت شعیب کی اپنی قوم کو نصیحت تھی کہ ﴿وَلَا تَنۡقُصُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ﴾(ھود:۸۴) ﴿وَيٰقَوۡمِ اَوۡفُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ﴾(ھود:۸۵) سورۃ بنی اسرائیل میں جو اخلاقی نصیحتیں فرمائی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے۔ ﴿وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ اِذَا كِلۡتُمۡ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ. ذٰلِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا﴾(بنی اسرائیل:۳۵) دراصل اس دھندے میں ملوث لوگ آخرت پر ایمان میں کمزور پڑ جانے سے یہ مکروہ عمل کرتے ہیں اس لیے سورۃ مطففین میں ایسے لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ ﴿وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ. الَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ. وَاِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَ﴾(مطففین: آیت ا سے ۳)۔

یعنی گھٹا کر دینے والوں کے لیے بربادی ہے جو اوروں سے جب ناپ کرلیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ یا تول کر دیں تو گھٹا دیں۔ آگے ڈرایا ہے کہ ﴿اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ. لِيَوۡمٍ عَظِيۡمٍ﴾(مطففین: ۴،۵) حضورﷺ نے اپنے پیروکاروں کو یہ بات ذہن نشین کرا دی کہ اگر کوئی بندہ عدالت و ریاست کے سامنے چرب زبانی سے کام لیکر ناحق دوسروں کا حق لے گا تو وہ اپنے لیے آگ کا ٹکڑا حاصل کرے گا۔ یعنی قانون کی نظر سے اگر بچ بھی جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش ہونے سے نہیں بچ سکے گا اس اعتقاد کی پختگی نے اسلامی معاشرہ میں تعاون علی البر دوسروں کی بھلائی و خیرخواہی کے نیک جذبات اور ایثار و احسان پر مبنی واقعات جنم دیئے۔ شریعت اسلامیہ نے انسانوں کو نقصان دینے والے اعمال و اخلاقِ فاسدہ کا سختی سے قلع قمع کیا۔ انسانی جان کے تحفظ کے لیے قصاص کا قانون نافذ کیا مال کی حفاظت کڑی سزا تجویز کر دی نسب کو مشکوک بنانے کے سارے عوامل و اسباب کا باریک بینی سے جائزہ لیکر سدباب کیا دھوکہ دہی، رشوت خوری، کرپشن، وعدہ خلافی، جھوٹ، سود خوری پر مبنی کاروبار اور ظلم و زیادتی کا ازالہ کیا نیز فلاحی معاشرہ تشکیل دینے کے لیے مسلمان فرد کی ایسی تربیت و تہذیب کی جو رہتی دنیا تک نمونہ و مثال ہوگی چنانچہ حضورﷺ نے فرمایا: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده (صحیح بخاری ص ۶، ج۱) یعنی حقیقی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ و زبان سے مسلمان محفوظ رہے اور آپﷺ نے فرمایا کہ لا یؤمن احدکم حتٰی یحب لاخیه ما یحب لنفسه (صحیح بخاری حدیث نمبر ۵۳،۵۴) ایمان نہیں لایا وہ شخص اس وقت تک جب تک کہ اس کا یہ جذبہ نہ بنے کہ جو اپنے لیے پسند کرتا ہے وہ اپنے بھائی کے لیے پسند نہ کرے۔ یہ حدیث عدل اجتماعی کے بارے میں تعلیمات نبویﷺ کا خلاصہ اور نچوڑ پیش کر رہی ہے اور انسانی نفسیات کو جھنجوڑ رہی ہے کہ اسلامی معاشرے میں رہنے والے فرد کے دوسروں کے بارے میں احساسات و جذبات کتنے تعمیری ہونے چاہییں۔

ایک موقع پر حضورﷺ نے ہمسایوں کے بارے میں تاکید کی جس کے ساتھ بندے نے زندگی گزارنا ہوتی ہے کہ من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلا یؤذ جاره (بخاری باب من کان یومن باللہ ص ۱۰۵۲) ایک روایت میں ہے کہ حضورﷺ نے قسم کھا کر تین دفعہ فرمایا: واللهِ لایؤمن واللهِ لایؤمن واللهِ لا یؤمن قیل: ومن یارسول الله؟ قال الذی لایأمن جاره بوائقه (اسلام کا معاشرتی نظام ص ۲۵۴) (صحیح بخاری، ڈاکٹر خالد علوی) حضور صلعم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں اللہ

Marfat.com

کی قسم وہ شخص مؤمن نہیں اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں چنانچہ آپؐ سے پوچھا گیا کہ کون شخص؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو حضور صلعم نے اپنے مسلمان بھائی کو ڈرانے سے بھی منع کیا اور تمام ایسے منفی جذبات سے روکا جس سے اسلامی اخوت اور بھائی چارے کی فضا میں خلل آئے اور آپس میں نفرت اور عدم اعتماد کا ماحول پیدا ہو جائے۔ چنانچہ آپؐ کا ارشاد ہے کہ لا تحاسدوا ولا تناجشوا ولا تباغضوا ولا تدابروا ولا يبيع بعضكم على بيع بعض و كونوا عباد الله اخواناً المسلم اخو المسلم لا يظلمه ولا يحقره ولا يخذله (صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۵۶۴)

قرآن کریم میں ہے کہ ﴿لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ﴾ اور ﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ﴾ (الحجرات:۱۱) غیبت کرنے کو بھی معاشرہ کے لیے مضر قرار دیا گیا چنانچہ ہر نقصان دہ چیز کو حضورﷺ نے منع فرمایا حضورﷺ نے ایک موقع پر ایک ایسے صحابی کو سمجھایا جس نے اپنے بچوں میں عدل و انصاف سے کام نہیں لیا تھا، ایک بچے کو نوکر تحفہ میں دیا تھا اور دوسروں کو نظر انداز کر دیا تھا۔ آپؐ نے یہ رویہ ناپسند فرمایا اور نصیحت کی کہ: اتقوا الله واعدلوا فی اولاد كم (ریاض الصالحین ص ۵۱۷، امام یحیٰ بن شرف النووی بحوالہ صحیح بخاری و مسلم) اسلامی تعلیمات نے ریاست و جماعت کو عدل اجتماعی کا پابند ضرور کیا ہے لیکن فرد کی تربیت بھی ایسی کی ہے کہ اس کا ہر قدم فلاحی معاشرہ وجود میں لانے کی طرف اٹھتا جائے المیہ یہ ہے کہ ابلیسی نعروں نے جدید تعلیم یافتہ مسلمان کو یہ باور کرا دیا ہے کہ عدل اجتماعی (Social justice) کا تصور اسی دور کا تحفہ ہے اور اس سے پہلے دنیا میں یہ نظریہ نہیں تھا۔ یہ بات اس حد تک درست ہے کہ مغربی اور مشرقی دنیا میں جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام رائج تھا اور یہ غریب کے استیصال پر مبنی نظام تھا چند ہاتھوں اور افراد کے قبضے میں سارے حکومتی وسائل ہوتے تھے اور وہی زمین پر مصنوعی خدا بنے بیٹھے ہوتے تھے پوری رعیت ان چند افراد و خاندانوں کی خواہش کی تکمیل میں جویاں و کوشاں رہتی تھی اور بس لیکن اسلام نے قوم و نسل اور زبان و رنگ کے یہ مصنوعی بندھن اسی وقت توڑ دیئے تھے جب نسلی امتیاز کے خلاف بولنا بڑی مصیبت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ ایسے حالات میں قرآن کریم نے یہ نعرہ بلند کیا کہ ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا. اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳) فتح مکہ کے بعد حضورﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ انسانیت پر احسان عظیم ہے: يا معشر قريش ان الله قد اذهب عنكم نخوة الجاهلية وتعصبها بالآباء، يايها الناس كلكم من آدم وآدم من تراب لا فخر للانساب لا فضل للعربي على العجمي ولا للعجمي على العربي ان اكرمكم عند الله اتقاكم. (اسلام کا معاشرتی نظام ص ۱۳۵، ڈاکٹر خالد علوی بحوالہ ابن ہشام ص ۵۴، ج ۳)

مسند احمد میں حجۃ الوداع کے خطبہ میں بھی یہی مضمون حضورﷺ سے منقول ہے حضورﷺ نے ایسا معاشرہ تشکیل دیا کہ جس میں ایک سترہ سال کا لڑکا جس کا باپ غلام تھا ترقی کر کے اسلامی لشکر کا سپہ سالار مقرر ہوا جسے تاریخ اسامہؓ بن زید کے نام سے جانتی ہے آپؐ کا فرمان ہے کہ اگر تم پر کوئی نکٹا غلام بھی امیر بنایا جائے بشرطیکہ وہ تمہاری قیادت کتاب اللہ کے مطابق کرے تو اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ الفاظ ہیں ان امر عليكم عبد مجدع يقود كم بكتاب الله فاسمعوا واطيعوا (اسلامی ریاست ص ۳۸۳، مولانا ابوالاعلیٰؒ مودودی صاحب بحوالہ صحیح مسلم) ان تعلیمات کی بدولت غریب اور غلام طبقے سے تعلق رکھنے والے اجلے کردار کے حامل افراد حکومتی گورنر اور عامل مقرر ہوئے۔ اسلام دراصل آیا ہی عدل اجتماعی کے قیام کے

Marfat.com

لیے ہے یہی حقیقت حضرت ربعیؓ بن عامر نے رستم کے دربار میں انہیں سمجھائی تھی ابن کثیر نے اپنی مشہور تصنیف البدایۃ والنہایۃ ص ۳۹، ج ۷۔ میں وہ تاریخ ساز منظر قلمبند کیا ہے ج سعد بن ابی العاص نے حضرت ربعی کو رستم کے پاس بھیجا تو انہوں نے آنے کا مقصد پوچھا آپؓ نے فرمایا کہ الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الى عبادة الله وحده ومن ضيق الدنيا الى سعتها ومن جور الاديان الى عدل الاسلام.

ظاہر ہے یہ صرف قانونی عدل کی بات نہیں بلکہ عدل اجتماعی کی بات ہے جو زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہے صحابی رسولؐ حضرت عبداللہ بن رواحہ کے بارے میں یہ صراحت کہ حضورﷺ نے آپؓ کو خیبر کے یہود سے غلہ لانے پر عامل مقرر کیا تھا چنانچہ عبداللہ بن رواحہ جب معاہدے کے مطابق فصل بٹائی کے وقت جاتے تو وہ غلے کو دو برابر حصوں میں بانٹ کر یہود کو اختیار دیتے جو حصہ تم کو پسند ہو اور تمہیں چاہیے وہ لے لے آپؓ کے اس سلوک اور رویے سے خیبر کے یہودی اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ پکار اٹھے۔ بهذا العدل قامت السموٰت والارض (فتوح البلدان علامہ بلاذری ص ۲۷، طبری ص ۱۵۸۹، علامہ ابن جریر)

معاملات میں یہ عدل برتنا اور ہر حق دار کو اس کا حق دینا مسلمانوں کی امتیازی نشانی ہے حضورﷺ نے ہر فرد کو یہ حقیقت سمجھا دی کہ یہ حق دار کو اس کا حق دینا ضروری ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن العاص کی طویل روایت ہے جس میں حضورﷺ نے اسے سمجھایا کہ: فان لجسدك عليك حقاً وان لعينيك عليك حقا وان لزوجك عليك حقا وان لزورك عليك حقا اس حدیث کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ وان لولدك عليك حقا (ریاض الصالحین ص ۷۸، ۷۹، للامام النووی) اگر ہر فرد اپنے حصے کے فرائض بجا لائے جیسا کہ اسلام چاہتا ہے تو زیست کا بوجھ ہلکا ہلکا ہوگا اور اسے رعایا کی دادرسی اور مدد میں نہایت آسانی ہوگی۔

ریاست و جماعت اور عدل اجتماعی:

عدل اجتماعی کے قیام کے لیے اسلام نے مسلمانوں کی جماعت اور ریاست پر زیادہ ذمہ داری عائد کی ہے۔ اقامت دین میں عدل اجتماعی کا قیام نہایت بنیادی اور دینی فریضہ ہے سیکولر ذہن والے لوگ فلاحی معاشرہ اور ریاست ضرورت کی بنیاد پر قائم کرنا چاہتے ہیں مسلمانوں کے ہاں یہ عبادت ہے جب ضرورت ہو تو پھر وہ چیز ختم ہو جاتی ہے جبکہ عبادت ختم نہیں ہوتی اسلام کا تصور یہ ہے کہ تمام مخلوق اللہ کا کنبہ اور خاندان کی مانند ہے اور ساری مخلوق کی بھلائی اللہ کی محبوبیت کا ذریعہ ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ الخلق عيال الله فاحب الخلق الى الله من احسن الى عياله (مشکوٰۃ کتاب الادب ص ۴۱۳، ج ۲) ایک صحابیؓ کو حضور نے فرمایا کہ خير الناس من ينفع الناس لوگوں میں بہترین وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے یہی عدل اجتماعی کا بہترین پہلو ہے البتہ اسلام صرف دنیا کے نفع پہنچانے کو اصل نہیں سمجھتا بلکہ آخرت کے نفع کو دنیا پر ترجیح دیتا ہے اس طرح صرف دنیا کے نقصان کو نظر میں نہیں رکھتا بلکہ آخرت کے نقصان سے بچنے کی ہر ممکن تدبیر کرتا ہے سیکولر نظام میں آخرت اور خدا کے عقیدے کو بالکل درخور اعتناء نہیں سمجھا جاتا۔ اسلامی ریاست کا مقصد صالح معاشرے کا قیام و تحفظ ہے جس میں تمام رعایا کو زندگی کی لازمی بنیادی ضروریات میسر ہوں پڑوسی کے بھوکا رہنے سے ساتھ کا پڑوسی گناہگار اور خدا کے ہاں جوابدہ ہے اور رعایا کے بھوکے پیاسے اور لباس و مکان کے مناسب بندوبست نہ ہونے پر ریاست ذمہ دار اور جوابدہ ہے ریاست کی ذمہ داری ہے

Marfat.com

کہ وہ دولت پر چند افراد اور خاندانوں کی اجارہ داری قائم نہ ہونے دے سرمایہ کو گردش میں رکھنے اور اہلیت و قابلیت کے مطابق ہر شہری کو کمانے کے جائز و حلال طریقوں سے مواقع فراہم کرے اور بے سہارا شہریوں کا کفیل بنے حضورؐ کا ارشاد انا وارث من لاوارث له اسی تناظر میں ہے کہ اسلامی ریاست کے سربراہ ہونے کے ناطے اس کی کفالت کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے لی۔ اس طرح السلطان ولی من لاولی له کا بھی یہی پس منظر ہے فوری اور سستا انصاف اسلام کا ہدف اولین ہے۔ Justice for all قانون سب کے لیے کا نعرہ تو سب نے لگایا ہے لیکن اپنے آپ کو قانون کے حوالہ کرنا اور قصاص و بدلہ کے لیے پیش کرنا محمد عربی ﷺ اور آپؐ کے جانثاروں کی امتیازی صفت ہے جس پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے حضور ﷺ نے اپنے آپ کو غزوہ بدر کے موقع پر حضرت سویدؓ کے چھڑی لگنے کے بدلہ لینے کے مطالبہ پر پیش کرنا دنیا کی تاریخ کا روشن باب ہے اس عظیم سپہ سالار اور سید الانبیاء نے حضرت سویدؓ کے مطالبہ پر اپنے بطن مبارک سے کپڑا ہٹایا تا کہ بدلہ لیا جاسکے۔

اسی واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی صاحب اپنی کتاب اسلام کا انتظامی قانون ص ۲۰ پر لکھتے ہیں کہ قانون کی کروڑوں کتابیں جدید دنیا نے شائع کی ہیں لیکن ان کتابوں کے مطابق بادشاہ ایک عام شہری کی عدالت میں طلب نہیں ہوسکتا۔ اسلامی نظام عدل میں معاشرے کی تربیت خوف خدا اور تصور آخرت سے ہے اس نظام میں جرم ثابت ہونے پر عبرتناک سزائیں ملتی ہیں اس نظام میں شہادت (گواہی) کا معیار بہت بلند ہے انصاف مفت اور فوری طور پر ملتا ہے۔ حضور ﷺ کے علاوہ بھی آپؐ کے صحابہؓ اور پیروکاروں کے بیسیوں واقعات تاریخ کا حصہ ہیں جنہوں نے جرم کرنے پر خود کو قانون کے حوالہ کیا صحیح بخاری میں ماعز اسلمی کا واقعہ مشہور و معروف ہے جو زنا کی حد کے لیے اپنے آپ کو پیش کر رہے تھے حالانکہ کسی کی گواہی موجود نہیں سبحان اللہ۔

اسلامی اور غیر اسلامی مفکرین کی آراء سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ریاست کا سب سے بڑا مقصد اجتماعی عدل کا قیام ہے اگر کوئی ریاست اجتماعی عدل کے قیام میں ناکام ہو تو وہ بیکار ہے معاشرتی نقطہ نظر سے بھی ریاست کا سب سے اہم فرض یہی ہے کہ وہ عدل اجتماعی کو قائم کرے۔ قرآن کریم نے اللہ کے رسولوں کے دنیا میں بھیجنے میں اسی حکمت کا ذکر کیا ہے کہ ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید: ۲۵) ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔ ڈاکٹر خالد علوی صاحب اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں میزان اور کتاب سے مراد وہ معتدل نظام ہے جس کے تحت اجتماعی عدل قائم ہوتا ہے۔ (اسلام کا معاشرتی نظام عنوان اجتماعی عدل کا قیام ص ۲۸۹، ڈاکٹر خالد علوی)

قرآن کریم میں مسلمانوں کی جماعت سے بھی کہا گیا ہے کہ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ﴾ (النساء: ۱۳۵) اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور اللہ کے لیے گواہ بنو اگرچہ تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑے۔ انصاف و شہادت کے بارے میں اتنے واضح اور بے غبار احکامات اسلام کے نظام عدل ہی کا حصہ ہے گواہوں کے بارے میں بھی ارشاد ربانی ہے کہ وہ عادل ہوں ارشاد ربانی ہے کہ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا

Marfat.com

عَدْلٍ مِّنكُمْ﴾ (المائدہ: ۱۰۶) اے ایمان والو! جب تم سے کسی کو موت پہنچے تو تمہارے درمیان دو گواہ معتبر ہونے چاہئیں وصیت کرتے وقت اس آیت نے گواہوں کے سٹیٹس کو بھی واضح کر دیا۔

عدل اجتماعی کے حقیقی اثرات سے مستفید ہونے کے لیے ضروری ہے کہ تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں معاشی انصاف، قانونی انصاف اور معاشرتی انصاف کی فراہمی یقینی بنائی جائے تاکہ حقیقی اسلامی فلاحی ریاست وجود میں آئے۔

معاشی انصاف:

معاشی انصاف یا معاشی عدل و مساوات کا مفہوم وہ نہیں جو دور حاضر میں بعض ریاستوں اور حکومتوں نے جبر کے تحت قائم کیا ہے بلکہ بقول ڈاکٹر خالد علوی اسلامی مساوات سے مراد یہ ہے کہ معاشی میدان میں کام کرنے کے مساوی مواقع ہر فرد کو ریاست کی طرف سے مہیا کیے جائیں اور تقسیم زر میں کوئی امتیاز روا نہ رکھا جائے۔عدل اجتماعی کا تقاضا ہے کہ ریاست ان افراد کی کفالت کرے جن کا کوئی کفیل نہ ہو۔ عدل اجتماعی کا تقاضا ہے کہ ریاست ان افراد کی کفالت کرے جن کا کوئی کفیل نہ ہو یہ اجتماعی حق ہے جسے حضورﷺ نے یوں فرمایا کہ انا وارث من لاوارث له (ابو داود ۱۴۹، ج ۳) ڈاکٹر خالد علوی نے اپنی کتاب اسلام کا معاشرتی نظام ص ۳۰۳ پر لکھا ہے کہ اسلامی ریاست معاشی مساوات میں لوگوں کی صلاحیتوں اور ان کی مجبوریوں کا لحاظ رکھتی ہے۔صحابہ کرام میں حضرت عثمانؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف بڑے صاحب حیثیت لوگ تھے اسلامی ریاست نے کبھی بھی جبری طور پر ان کے مال پر قبضہ کی کوشش نہیں کی۔ معاشی عدل کا تقاضا ہے کہ اسلامی معاشرے کی بنیاد امیر و غریب اور چھوٹے بڑے کی بنیاد پر نہیں بلکہ بحیثیت مجموعی عوام کی فلاح و بہبود پر رکھی جائے ہر شخص کو اس کی لازمی ابتدائی ضروریات، کھانا، کپڑا، مکان، تعلیم، علاج وغیرہ مہیا کرنا اور اسلامی معاشرہ کو صحیح معنوں میں فلاحی معاشرہ بنانا عدل کا بنیادی اور فطری تقاضا ہے۔ (آئینہ تہذیب و تمدن ص ۱۴۰)۔

قانونی انصاف:

اسلام کی نظر میں قانونی طور پر ساری رعایا برابر ہے اور فوج داری اور دیوانی قوانین میں مسلم اور غیر مسلم میں بھی کوئی فرق نہیں البتہ ان کے شخصی قوانین علیحدہ ہوں گے ہر طبقہ کے لوگ ایک ہی نظام عدالت کے ماتحت ہوں گے قانون کی نظر میں سب برابر ہوں گے بقول ڈاکٹر لیاقت علی خان نبی اکرمﷺ نے اپنے اور اپنے خاندان کے لیے کبھی کوئی استثناء گوارا نہیں کیا اسلام کا انتظامی قانون ص:۲۰۔ ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی۔ قریش کی ایک معزز خاتون فاطمہ مخزومیہ نے چوری کی۔ معاملہ حضورﷺ کی عدالت میں پہنچا آپؐ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا چنانچہ قبیلہ کے معزز لوگوں نے حضرت اسامہ بن زید کی سفارش کرائی آنحضرتﷺ نے حدود اللہ میں سفارش سن کر جو تاریخی خطبہ دیا وہ اسلامی قانون مساوات کا روشن باب ہے آپؐ نے فرمایا: انما هلك من كان قبلكم انهم كانوا يقيمون الحد على الوضيع و يتركون الشريف، والذى نفسى بيده لو فاطمة (بنت محمد) فعلت ذلك لقطعت يدها ۔ (بخاری کتاب الحدود ص ۱۰۰۳، ج ۲) تم سے قبل جو امتیں گزری ہیں وہ اس لیے تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کمتر درجہ کے لوگوں کو جرم کی سزا دیتے تھے اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر محمدؐ کی بیٹی (فاطمہؓ) بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کے ہاتھ کاٹتا۔

Marfat.com

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَاِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى﴾ (الانعام: ۱۵۲) اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو عدل و انصاف سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔ ﴿وَقُلۡ اٰمَنۡتُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنۡ كِتٰبٍ‌ۚ وَاُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَيۡنَكُمُ﴾ (الشوریٰ: ۱۵) ﴿قُلۡ اَمَرَ رَبِّىۡ بِالۡقِسۡطِ﴾ (الاعراف: ۲۹) ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ﴾ (النحل: ۹۰) ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهۡلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمۡتُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ﴾ (النساء: ۵۸) ﴿وَاِنۡ حَكَمۡتَ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ﴾ (المائدہ: ۴۲) قرآن نے انسانی نفسیات کو مدنظر رکھ کر حکم دیا ہے کہ انصاف میں دشمنی بھی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے ارشاد ہے: ﴿وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ اَنۡ صَدُّوۡكُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ اَنۡ تَعۡتَدُوۡا‌ ۘ وَتَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰى﴾۔ دوسری چیز ذات اور رشتہ دار و احباب کی ناجائز طرفداری سو اس سے بھی منع فرمایا کہ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوَّامِيۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ اَوِ الۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ﴾ (النساء: ۱۳۵) اسلامی تعلیمات میں قانونی عدل کی فراہمی کے لیے جو ضابطہ بنایا گیا ہے اس کے خدوخال اس طرح ہیں۔

۱- مدعی اور مدعا علیہ کے بیانات سن کر فیصلہ کیا جائے ارشاد ہے: فاذا جلس بین یدیك الخصمان فلا تقض حتیٰ تسمع کلام الآخر کما سمعت کلام الاول۔

۲- قانون ظاہری شہادتوں پر فیصلہ کرتا ہے اندرونی نیتوں پر نہیں قال رسول اللہ ﷺ امرت ان احکم بالظاهر والله یتولی السرائر.

۳- قاضی دیکھنے اور بات کرنے میں فریقین میں مساوات رکھے۔ سوّ بین الخصمین فی لحظك ولفظك.

۴- قاضی (جج) غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔ کما نبّه علیه السلام: لا یقضی القاضی بین الاثنین وهو غضبان ۔

۵- محض شک کی بناء پر سزا نہ دے بلکہ ملزم کو شک کا فائدہ دینا چاہیے قال النبی ﷺ ان الامام ان یخطئ فی العفو خیر من ان یخطئ فی العقوبة۔

۶- مدعی کے ذمہ ثبوت اور عدم ثبوت کی صورت میں مدعا علیہ کے ذمہ اپنی بے گناہی کی قسم ہوگی۔ البینة علی المدعی والیمین علی من انکر۔

۷- حدیث معاذ کی روشنی میں فیصلہ کرتے وقت سب سے پہلے قرآن پھر سنت رسولؐ پھر قیاس و اجتہاد کی ترتیب ہو۔ (ملخص از اسلامیات اختیاری برائے جماعت نہم و دہم ص ۱۲۲ تا ۱۲۴) اسلام کے عدالتی نظام پر صرف مسلمانوں کو نہیں بلکہ غیر مسلموں کو بھی غیر متزلزل اعتقاد و اعتماد رہا ہے حضور ﷺ اور خلفائے راشدین اور بعد کے ادوار اس کے گواہ ہیں۔

معاشرتی انصاف:

اسلام کا معاشرتی انصاف یہ ہے کہ انسانی تمدن کو اسلام کے قانون حقوق و فرائض کے مطابق ڈھالا جائے اور ان حقوق و فرائض میں اعلیٰ توازن پیدا کیا جائے ظاہر ہے کہ فساد و بگاڑ اسی صورت میں پیدا ہوتا ہے جب حقوق و فرائض کی ادائیگی میں اسلامی تعلیمات کی پاسداری نہ کی جائے اسلام نے ریاست اور شہری کے درمیان اعتماد کو پروان چڑھایا ہے۔ اسلامی

Marfat.com

ریاست اپنے شہریوں میں معاشرتی مساوات کی قائل ہوتی ہے اس کی نظر میں تمام شہری جو شہریت کے مطلوبہ کوائف پر پورا اترتے ہوں برابر ہیں حضورﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں یہی مساوات تعلیم فرمائی تھیں۔ ایھا الناس! ان ربکم واحد وان اباکم واحد کلکم لآدم وآدم من تراب (مسند احمد) تقویٰ اور پاکیزہ کردار ہی ایک ایسی صفت ہے جس کی بدولت انسان اعلیٰ مقام پا سکتا ہے اور بس۔ اسلامی معاشرتی عدل کا تقاضا ہے کہ لوگوں کی شخصی زندگی میں بغیر وجہ مداخلت نہ کی جائے ان کی شخصی آزادی جو قانون کے دائرے میں ہو سلب نہ کی جائے والی مصر کو حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ مُذ کم عبدتم الناس وقد ولدتھم امھاتھم احراراً۔

عدل اجتماعی کی اہمیت:

لوگوں کو بنیادی ضروریات کی فراہمی اور فلاحی ریاست کا قیام حضورﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں اس قدر اہمیت رکھتا ہے کہ قرآن میں بار بار عدل سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے جو معاشرہ قانون کی حکمرانی اور عدل اجتماعی سے محروم ہو وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے حضرت علیؓ کا مشہور قول ہے کہ الملك يبقى مع الكفر ولا يبقىٰ مع الظلم ۔ دوسری جنگ عظیم کی ابتداء میں ونسٹن چرچل جو برطانیہ کا وزیراعظم تھا سے کسی نے پوچھا کہ آپ یہ جنگ جیت جائیں گے اس نے کہا کہ کیا میری عدالتوں میں انصاف ہو رہا ہے؟ جب اسے ہاں میں جواب ملا تو اس نے کہا ضرور جیت جاؤں گا کیونکہ جس ریاست میں انصاف ملے اس کے عوام اپنے ملک کی حفاظت کے لیے بے جگری سے لڑتے ہیں اور وہ جنگ جیتنے کے بعد سب سے پہلے ملک کی عدلیہ کو مبارک باد دینے لگا۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کتا بھوک سے مر گیا تو عمرؓ کل اللہ کے ہاں جوابدہ ہوگا عدل اجتماعی پر قرآن وسنت کے دلائل مقالہ کے اندر پیش ہو چکے ہیں اس لیے ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

ابتداء میں ونسٹن چرچل جو برطانیہ کا وزیراعظم تھا سے کسی نے پوچھا کہ آپ یہ جنگ جیت جائیں گے اس نے کہا کہ کیا میری عدالتوں میں انصاف ہو رہا ہے؟ جب اسے ہاں میں جواب ملا تو اس نے کہا ضرور جیت جاؤں گا کیونکہ جس ریاست میں انصاف ملے اس کے عوام اپنے ملک کی حفاظت کے لیے بے جگری سے لڑتے ہیں اور وہ جنگ جیتنے کے بعد سب سے پہلے ملک کی عدلیہ کو مبارک باد دینے لگا۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کتا بھوک سے مر گیا تو عمرؓ کل اللہ کے ہاں جوابدہ ہوگا عدل اجتماعی پر قرآن وسنت کے دلائل مقالہ کے اندر پیش ہو چکے ہیں اس لیے ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

عبدالحکیم خان- کراچی

عدل کا مفہوم اپنے دائرہ کار میں بہت وسیع ہے اور عدل کے لغوی معنی انصاف، برابری، تناسب، معیار اور ہم وزن کے ہیں۔ شرایت کے تحت معاشرہ میں ہر انسان کو آزادی کے ساتھ اس کا حقیقی حق دیا جانا چاہیے۔ جو اس کا پیدائش اور بنیادی حق ہے۔ لیکن اکثر اس کو اس حق سے محروم کر دیا جاتا ہے اور عدل ہی اس کا بدلہ ہے برے کام یا بدی کا برابر کا بدلہ عدل شمار کیا جاتا ہے اور اس سے زیادہ کا ظلم کے زمرے میں شمار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوقات میں اشرف بنایا ہے اور اس میں اپنی رحمت کے ذریعے رحم اور اس کے ساتھ عناد کا جذبہ بھی ودیعت کیا ہے تاکہ نیکی اور بدی کی پرکھ ہو سکے۔ نیکی یا بھلائی انسان کو انسان بناتی ہے جبکہ بدی یا برائی انسان کو تحت الثریٰ کی عمیق گہرائیوں میں دھکیل دیتی ہے اور عناد ظلم کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور عدل اس کا ازالہ کرتا ہے۔

عدل کا تقاضا ہے راستی، ایمان داری، پاکیزگی افراط اور تفریط سے بچنا، مساوی اور صحیح خوبی ٹھیک نیز فیصلے میں ملنے والی چیز award علاوہ ازیں انعام reward انعام، فیصلہ دینا۔ تاکہ عدل قائم ہو اور انصاف کا بول بالا ہو اور حق دار کو پورا حق ملے۔

اللہ تعالیٰ سب سے عظیم عادل اور منصف ہے وہ اپنے بندوں پر اپنے کرم کی رحمتیں انفرادی اور اجتماعی عدل کے ساتھ نازل کر کے ان کی رہنمائی اپنے برگزیدہ بندوں اور حضرت محمد ﷺ کے توسط سے کرتا ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ انسان کو عدل کا راستہ دکھانے اور برائی سے روکنے کے دو بڑے ماخذ ہیں۔ عدل کے مقابلے میں ظلم ہے۔ ظلم کی لاتعداد اقسام ہیں جس میں خودریزی بھی شامل ہے نیز کسی چیز کو اس کی مناسب جگہ یا ٹھیک جگہ پر نہ رکھنا بھی ظلم کہلاتا ہے۔ انسان کی شرشت میں ظلم بھی شامل ہے۔ یہ نہ صرف اپنے جیسے انسانوں بلکہ جانوروں پر بھی ظلم کرنے سے نہیں چوکتا۔ قرآن حکیم کا سورہ المائدہ میں ارشاد ہے۔

ترجمہ: ''اے ایمان والو! (وحشی) شکار کو قتل مت کرو جبکہ تم حالت احرام میں ہو اور جو شخص تم میں سے اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس پر پاداش واجب ہوگی جو کہ مساوی ہوگی اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کریں''۔ نیز قرآن حکیم کی سورہ الزلزال ۶ میں ارشاد ہے: ترجمہ:''جو شخص (دنیا) میں ذرا برابر نیکی کرگیا۔ وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرا برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا''۔

عدل کی اصل روح فیصلے وغیرہ میں غیر جانبداری ہے برابری اور مناسب رویہ مساوات میں Equibiuri: State of Balnce ہے۔ اس بناء پر اس کے دو امور ہیں یعنی انفرادی عدل اور اجتماعی عدل ہے۔ سورہ الاحزاب میں ارشاد ہے۔ ترجمہ: یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے''۔ علاوہ ازیں سورہ الانبیاء میں ارشاد ہے۔ ترجمہ: ''ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے''۔ دنیا میں انصاف کے لیے حاکم وقت، حاکم عدالت یا قاضی ہوتا ہے جو

Marfat.com

قانون کی پاسداری کرتا ہے۔ اسلامی ریاست میں حضرت محمد ﷺ حاکم وقت کے ساتھ ساتھ حاکم عدالت بھی تھے۔

Hazart Muhammad was th find law gives and EKE the Justice. These are the top 100 more unfuencial human beings of human history. 1-Prophet Muhammad (PBUH). 2- Isac newton. 3- Jesus chise. 4-Buddha. 5- confucius. 6- St. Paul etc.

نیز بانی پاکستان نے بھی Lincons Inn میں اس وجہ سے داخلہ لیا تھا کہ اس کے بورڈ پر حضرت محمد ﷺ کا نام سرفہرست تھا۔ اسلامی ریاست اور اس کے معاشرے میں عدل و انصاف کی بڑی اہمیت ہے۔ عدل کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کی بہت سی احادیث ہیں۔ قرآن حکیم قانون کا سرچشمہ ہدایت ہے آپ نے ۹ھ میں عدلیہ کا محکمہ قائم کیا اور آپؐ اس کے منصف اعلیٰ تھے۔ ایک شعبہ افتاء کے نام سے قائم تھا جس کا کام لوگوں کو بلا اجرت قانونی مشورہ دینا ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں نامور صحابہ بھی فتوے جاری کرتے تھے۔

نیز فقہاء کے تحت مقدمات کے فیصلے صادر کیے جاتے تھے۔ لوگوں کی اصلاح وعمال کی دیکھ بھال ناپ تول اور اشیاء خرید و فروخت کے لیے آپ خود بازار کا چکر لگاتے تھے تا کہ لوگوں کو آرام ہو۔ آپؐ کا فرمان تھا ''اگر قاضی غصے کی حالت میں ہو تو اس فیصلے سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ اس میں انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوسکتے''۔ اسلامی ریاست میں آپ کے علاوہ قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس بھی تھے۔ حضور اکرم نے اپنے دور میں انصاف کی بہترین روایت قائم کی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے۔

ترجمہ: ''اگر تم معاملات کا فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے''۔

اسلامی مملکت میں حکومت کا سربراہ اور ایک عام آدمی دونوں یکساں طور پر قانون کے سامنے جواب دہ ہیں۔ کسی کو برتری حاصل نہیں ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں انفرادی طور پر قانون خداوندی کے سامنے جواب دہ ہوں بنا بریں انصاف عربی زبان کے لفظ نصف سے مشتق ہے۔ جس کے معنی دو برابر کے حصے ہیں۔ نیز انصاف سے مراد عدل Justice ہے اور عدل کا لفظ قرآن حکیم میں ۱۳ مرتبہ آیا ہے عدل و انصاف توازن قائم کرتا ہے۔ انصاف کا متضاد ظلم کہلاتا ہے جس کے معنی حق تلفی کے ہیں اسلام حق تلفی کی نفی کرتا ہے۔ عدل اور حکم ربی: ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (شوریٰ) ترجمہ: اے نبی کہہ دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں''۔

ایک دفعہ ایک یہودی اور مسلمان کے درمیان تنازعہ پیدا ہوا اور انصاف کے لیے آپؐ سے رجوع کیا گیا تو آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا کہ وہ حق پر تھا اور یہ عدل کا تقاضا تھا۔ نیز انفرادی عدل سے مراد ذاتی عدل ہے اور انسان اپنے ذاتی معاملات میں اس کو ترجیح دیتا ہے کہ اس کا فائدہ اور نقصان کس چیز میں ہے اور وہ اپنے لیے اس کا تقاضا کرتا ہے۔ انسان میں لالچ کا مادہ ہے جب تک اس کے مزاج میں اعتدال نہ ہو تو وہ عدل پر قائم نہیں رہ سکتا ہے۔ عدل نیکی کی راہ دکھاتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے۔ ''ترجمہ: تم طاقت کے مطابق بوجھ اٹھاؤ۔ اجتماعی عدل سے مراد معاشرے کے گونا گوں حصے ہیں۔

قرآنی تعلیمات کی تفسیر سیرت رسول اکرمؐ ہے جس کے مطابق انسانی زندگی کے تمام امور میں عدل قائم کرنے کی تلقین ہے یہاں تک کہ گفتگو میں بھی عدل قائم کرنے کی ہدایت ہے: ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا﴾ ''جب بات کرو، انصاف سے کرو''۔ نیز ازواج

Marfat.com

کے ساتھ عدل کے لیے ہدایت ہے: ''پس ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو معلق چھوڑ دو'' (سورہ نساء: ۱۲۹)۔

علاوہ ازیں دوسری جگہ ارشاد ہے: ''اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم انصاف نہ کرسکو گے تو ایک بیوی پر قناعت کرو''۔اور اجتماعی عدل کے تصور سے مراد یہ ہے کہ وہ انسانی زندگی کے تمام امور کو اپنے دائرہ اختیار میں ڑلاتا ہے تا کہ انسانوں کی اجتماعی طور سے حق تلفی نہ ہو۔ بلکہ برابری اور مساوات ہو، میزان ہو۔ چونکہ انسانی زندگی کے کئی دراصل ہوتے ہیں جن سے تمام انسان گزرتے ہیں ان میں چند نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔

مثلاً معاشرتی عدل، قانونی عدل، معاشی عدل، سیاسی عدل، اقلیتوں کے ساتھ عدل، اقوام کے ساتھ عدل، پرنٹ میڈیا اور الیکٹرونک میڈیا کے ساتھ عدل اور جانوروں کے ساتھ عدل خرید و فروخت میں عدل ازواج کے ساتھ عدل، نباتات کے ساتھ عدل، مزدوروں کے ساتھ عدل، مذہبی عدل، یتیموں کے ساتھ عدل۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ خوشی اور ناراضگی دونوں حالتوں میں انصاف کی بات کہو''۔ اس حدیث سے واضح ہے کہ حاکم وقت، حاکم عدالت، چیف جسٹس کو ہر حالت میں انصاف کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

معاشرتی عدل:

معاشرتی عدل کے معنی یہ ہے کہ معاشرے کے ہر ادارے اور طبقے کو عدل و انصاف مہیا کیا جائے جس میں رنگ و نسل، علاقائیت لسانی عصبیت، ذات پات کی بندش، اونچ نیچ نہ ہو اس کی بہترین اور لازوال مثال حضرت محمد ﷺ کا حجۃ الوداع کا وہ خطبہ ہے جو آپؐ نے ۶۳۲ء ۱۰ ھ میں دیا تھا۔ جو اسلامی تعلیمات کا جامع نچوڑ ہے۔ اسلام کسی بھی مذہب کو برا نہیں کہتا ہے۔ اس خطبے کی بناء پر جنگ عظیم دوم ۱۹۴۶ء تا ۱۹۳۹ء میں اقوام متحدہ UNO کا چارٹر Charter ۲۴/ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں وجود میں آیا جو حضرت محمد ﷺ کے حجۃ الوداع کے خطبے سے اخذ کیا گیا ہے۔ غیر اقوام کو بھی اسلام کا احترام کرنا چاہیے۔

اس طرح آئی ایل او کے اصول، قواعد اور حقوق مزدوروں کے لیے ''حضور اکرمؐ کی حدیث مبارکہ کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو'' اسلام نے ایک مثال قائم کی ہے۔ on 18th June 1998 the International Lahore reganigation adlopeted the ILO declaration on Fundamental Principles and Rights al work and its Fullow up in geneva, swizerland in force. یہ سب عمل میں آئے اور قانونی عدل کے باعث جو اسلام نے تجویز کیا ہے اس کے باعث عالمی کورٹ International coul of Jusice: The world court وجود میں آیا جو اقوام کے درمیان فیصلہ کرتا ہے۔ اس کو دنیا کے مذاہب کے لیے ایک اخلاقی قانون واضح کرنا چاہیے تا کہ انتشار نہ ہو۔

معاشی عدل

معاشی عدل سے مراد ہے کہ انسان اپنا مال بے دردی سے خرچ نہ کرے بلکہ زیادہ خرچ سے اپنے آپ کو ہلکان نہ

Marfat.com

کرے اور نہ ہی کنجوسی اختیار کرے بلکہ اس میں میانہ روی اور اعتدال کو ملحوظ خاطر رکھے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ترجمہ: اللہ کے خاص بندے جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف (زیادہ) اور نہ ہی بخل (کنجوسی) سے کام لیتے ہیں۔'' دوسری جگہ ارشاد ہے۔ (مسند احمد) ''ما عال من اقتصد'' ترجمہ: ''وہ محتاج نہیں ہوا جس نے میانہ روی اختیار کی''۔ معاشی انصاف اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وسائل رزق اور معیشت پر چند لوگوں کی اجارہ داری نہ بلکہ تمام شہریوں کے لیے یکساں مواقع ہوں۔ اس طرح حشر ۵۹ پ میں تلقین کی گئی ہے۔ ترجمہ: تاکہ دولت تمہارے امیروں کے درمیان نہ رہے۔

قرآن حکیم کی النحل آیت ۱۳ میں ارشاد ہے: ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ انصاف اور نیکی کا حکم دیتا ہے''۔

قانونی عدل:

قانونی عدل اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اگر حاکم وقت حاکم عدلیہ یا قاضی کے سامنے کوئی فریاد پیش کی جائے تو وہ امیر یا غریب کی طرف داری نہ کرے بلکہ انصاف کے تقاضوں کو پورا کرے۔ ایک مرتبہ بنومخزوم کی فاطمہ نے چوری کی تو اس پر حد سرقہ (ہاتھ کاٹنے کی سزا) نافذ ہوئی تو قریش کے لوگوں نے اس کی سفارش کی تو آپؐ نے فرمایا کہ تم سے پہلے کی امتیں اس لیے ہلاک ہوئیں کہ اہل ثروت کو رعایت دیتی تھیں اور غریب لوگوں پر قانون کا نفاذ کیا جاتا تھا۔

معاشرتی عدل:

اس سے مراد یہ ہے کہ معاشرے کے ہر طبقے کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے اور ان کو اپنی اپنی تہذیب اور تمدن کے رسم ورواج کی آزادی ہو اسلام نے غیر مسلموں کے حقوق کی پاسداری کی ہے۔

سیاسی عدل:

اس سے مراد یہ ہے کہ معاشرے کے طبقات یہ محسوس کریں کہ ان کے ساتھ اور ان کے حقوق کے ساتھ انصاف برتا جارہا ہے اس بارے میں قرآن حکیم کا ارشاد المائدہ آیت ۱۸ میں اس طرح ہے۔ ترجمہ: اور کسی قوم کی عداوت نہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم بے انصاف کرنے لگو، عدل کرو، یہی پرہیزگاری کے قریب ترین ہے''۔

پرنٹ میڈیا اور الیکٹرونک میڈیا کے ساتھ عدل

پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کہ یہ کام ہے کہ وہ قوم کو سیدھا راستہ دکھانے کی کوشش کرے کیونکہ عوام ان کو اشتہار کے ذریعے روزگار فراہم کرتے ہیں۔

جانوروں کے ساتھ عدل:

اسلام جانوروں کے ساتھ عدل کا حکم دیتا ہے کہ جانوروں کو جب پالو تو ان کے دانے دنکے کا اہتمام کرو۔ ایک

Marfat.com

مرتبہ حضور اکرم نے راستے سے گزرتے ہوئے ایک اونٹ کو بلبلاتے دیکھا تو مالک سے کہا اس کو دانہ پانی دو۔

نباتات کے ساتھ عدل:

اسلام نباتات کے ساتھ بھی عدل کی تلقین کرتا ہے ہرے بھرے درختوں کو نہ کاٹو، کھیتوں کو اجاڑ نہ کرو، نخلستان میں درخت انسانوں اور جانوروں کی تسکین کا باعث ہوتے ہیں۔

خرید وفروخت میں عدل:

سورۃ الرحمٰن آیت ۷ تا ۹ میں ارشاد ہے۔ ترجمہ: اور (اس نے) میزان (عدل) قائم کی تاکہ تم تولنے میں زیادتی نہ کرو اور وزن کو انصاف کے ساتھ ٹھیک کرو اور ناپ تول میں کمی نہ کرو''۔

ازواج کے ساتھ عدل:

اسلام نے شرعاً چار تک شادیوں کی اجازت دی ہے لیکن اس شرط کے ساتھ اگر تمہیں خدشہ ہو کہ ایک سے زائد کے ساتھ انصاف نہ کر پاؤ گے تو پھر ایک بیوی پر اکتفا کرو۔ (سورۃ النساء آیت ۳)

یتیموں کے ساتھ عدل:

سورۃ النساء آیت ۱۲۷ میں ارشاد ہے۔ ''یتیموں کے معاملات میں انصاف کو ملحوظ رکھو''۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے سورۃ النساء آیت ۲ ''یتیم کے مال کو اپنے مال میں شامل کر کے نہ کھاؤ''۔ نیز حکومت پاکستان کو حضور اکرم کے خلاف اور مواد کے خلاف UNO سے رجوع کرنا چاہیے۔

شرائط عدل:

حاکم عدالت، قاضی جسٹس کو شرعی حدود سے واقف ہونا چاہیے۔ قرآن حکیم اور احادیث نے جائز اور ناجائز حرام و حلال کی تفصیل بیان کی ہے اس سے پوری واقفیت لازمی ہے۔ سچائی، دیانت داری استقامت، رواداری، اعتدال، حریص نہ ہونا، لوگوں کی جان و مال کی اور عزت آبرو کی مکمل انصافی اور برابری کا انصاف۔

عدل کے ثمرات:

حکومت پاکستان پر یہ لازم ہے کہ ریاست میں نظام عدل کا انتظام کرے۔ انتظامیہ، عدلیہ اور پولیس، فوج اور احتساب کا انتظام کرے چونکہ عدل کی روح کا تقاضا اعتدال اور انصاف کا ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے ملک میں امن و امان قائم

Marfat.com

ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کو پسند کرتا ہے۔ پاکستان میں نظام عدل کی ضرورت ہے تاکہ ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو۔

عدل اجتماعی کی اہمیت:

اللہ تعالیٰ عظیم عادل ہے۔ عدل ایک ایسا محور ہے۔ جس کے تحت کائنات کا نظام جاری و ساری ہے۔ کائنات کی ہر چیز ایک توازن کے ساتھ حرکت میں ہے۔ قرآن حکیم نے اس کو ''میزان کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ عدل انسان کو افراط اور تفریط سے روکتا ہے۔ وہ نیک عمل کرے اور اور اپنے کام میں میانہ روی اختیار کرے۔ قرآنی دلیل ہے: ''تیرے رب کا حکم صدق و عدل میں کامل ہے۔ یہی اجتماعی عدل کی اہمیت ہے پاکستان میں نظام عدل کی ضرورت ہے جس سے ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہوگا۔

حوالہ جات

۱- قرآن حکیم۔ ۲- احادیث مبارکہ۔ ۳- قرآن و سیرت، Islamic Studies ۴- اسلامیات لازمی، برائے ہائر کلاسز۔ ۵- تاریخ اسلام۔ ۶- اسلامی تہذیب وتمدن۔ ۷- سیرت النبی ﷺ۔ ۸- رحمۃ للعالمین کا اسوہ حسنہ۔ ۹- اسلام کا نظام حکومت۔ ۱۰- The new Encyclopaedia Britannica ۱۱- ریڈیو TV کے مذہبی پروگرام اور Net work ۱۲- مختلف اخبارات کے مذہبی کالم۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر محمد عرفان خٹک - مردان

اسلام میں اجتماعی عدل کے مزاج سے ہم صحیح طور پر اس وقت آشنا ہو سکتے ہیں۔ جب الوہیت، کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں اسلامی فکر کو اجمالی طور پر سمجھ لیں۔ کیونکہ اجتماعی عدل کا اسلامی نظریہ اسی اصول و بنیادی فکر کی ایک فرع ہے جو اسلام کی تمام تعلیمات کا مرجع ومنبع ہے۔

اسلام کے پیش نظر پوری انسانی زندگی کو ایک نئے سانچے میں ڈھالنے کا کام تھا اس لیے نہ تو اس کی اصلاحی کوششیں ہو رہی ہیں اور نہ اس نے ہر مسئلہ کے لیے الگ الگ علاج تجویز کیے ہیں۔ اس کے پاس الوہیت، کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں ایک جامع تصور اور ایک مکمل نظریہ ہے۔ اس کی تمام فروع اور جزئیات اس نظریہ سے نکلی ہیں۔ اس کے نظریات وقوانین اس کی متعین کردہ حدود اور عبادات و معاملات کے باب میں اس کی ہدایات سب کے سب اس اصل سے گہرا ربط رکھتی ہیں۔ اس جامع اور مکمل فکر کی روشنی میں اس کی عملی پالیسی بھی بنتی ہے۔

یہ طریقہ اسلامی مزاج کے بالکل منافی ہے کہ ہر نئی صورت حال کے لیے ایک نئی اور آزاد پالیسی وضع کر لی جائے۔ جو دوسرے امور میں اختیار کی ہوئی پالیسی سے کوئی ربط نہ رکھتی ہو یا ہر مسئلہ کے لیے علیحدہ حل تلاش کیے جائیں۔ اس بنیادی فکر کا صحیح مفہوم اور فہم اسلامی اصول وضوابط کا سمجھنا آسان کر دیتا ہے۔

اسلام مساوات عدل اور انصاف کا دین ہے جس میں اجتماعی عدل کا حقیقی اور مکمل فکر موجود ہے جس کا فکری ماخذ قرآن و حدیث، رسولِ پاکؐ کی سیرت پاک ہے اور آپؐ کے طرز عمل اخذ کیا جاسکتا ہے۔ اسلام نے خالق اور مخلوق انسان، حیات اور کائنات، انسان اور اس کی اپنی ذات فرد اور جماعت، فرد اور سیاست بحیثیت مجموعی اقوام انسانی اور موجودہ اور آئندہ نسلوں کے باہمی تعلقات کی نوعیت اور مزاج سے بحث کی ہے اور ہر ایک کے سلسلہ میں اپنے اصولی مؤقف اور تفصیلی نظریات کی بنیاد ایک جامع اور ہمہ گیر فکر پر رکھی ہے جو کہ عدل اجتماعی کا تصور کہلاتا ہے۔ جب قرآن مجید نے واضح طور پر اعلان کیا کہ:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا. اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ (الحجرات: آیت ۱۳)

ترجمہ: اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر تمہیں مختلف گروہوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں برتر وہی لوگ ہیں جو زیادہ متقی اور پرہیز گار ہوں"۔

Marfat.com

اس آیت کریمہ میں قوموں اور قبیلوں کا یہ اختلاف اس لیے نہیں کہ لوگ ایک دوسرے کے مقابلہ میں فخر کریں اور ایک دوسرے پر سبقت لیں اس کی غرض صرف یہ ہے کہ باہمی تعارف میں آسانی ہو اور لوگ ایک دوسرے سے ربط و تعلق پیدا کریں اللہ کے نزدیک یہ ساری قومیں اور قبائل برابر ہیں۔

دراصل برابری کا یہ اصول عدل اجتماعی کا تصور ہے امتیاز و برتری جہاں جس شکل میں بھی پایا جاسکتا ہے اسلام اور قرآن اسے مٹا دینے کا حکم دیتا ہے بغیر اس امتیاز و برتری کے جس کی بنیاد تقویٰ اور عمل صالح پر ہو۔ نبی کریمؐ کی مثال لے لیجئے قرآن پاک بار بار اس حقیقت پر زور دیتا ہے کہ وہ بھی تمام دوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان ہیں خود محمدﷺ بھی اس بات کو بار بار دہراتے رہتے ہیں کیونکہ آپؐ نبی تھے قوم کے چہیتے تھے اور قوم کے دل میں آپؐ کی عزت و عظمت جاگزیں تھی۔ اندیشہ تھا کہ یہ محبت و تعظیم غیر معمولی فضیلت و برتری دے دینے کی شکل نہ اختیار کرے اسی اندیشہ کے تحت آپؐ نے قوم کو نصیحت فرماتے ہیں۔

"لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسی ابن مریم فانما انا عبد اللہ و رسولہ" (بخاری شریف)

ترجمہ: میری تعریف میں اس طرح غلو نہ کرنا جس پرح غلو انصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کی تعریف میں کیا تھا کیونکہ میں صرف اللہ کا بندہ اور رسول ہوں۔

ایک دفعہ آپؐ کچھ لوگوں کے پاس گئے وہ تعظیماً کھڑے ہو گئے آپؐ نے فرمایا:

من سرہ ان یتمثل لہ الرجال قیاماً فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ (بخاری شریف)

ترجمہ: جسے اس بات سے بڑی خوشی ہوتی ہو کہ لوگ اس کے احترام میں سروقد کھڑے ہو جایا کریں وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنا لے"۔

مذکورہ احادیث اور تعلیمات نبوی سے مراد امتیازی برتاؤ ہے۔ حضور نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ میں اس طرح کے کئی مثالیں موجود ہیں جس سے ہمیں مساوات اور عدل اجتماعی کا درس ملتا ہے۔ اسی تعلیمات نبویؐ کی پیروی کرتے ہوئے جب حضرت عمر فاروقؓ کا ابی بن کعب سے کچھ نزاع ہوئی۔ زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ پیش ہوا جب امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ ابی بن کعب کے عدالت میں پیش ہوئے تو ابی نے تعظیم کے لیے جگہ خالی کر دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ پہلی ناانصافی ہے جو تم نے اس مقدمہ میں کیا یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔

یہی وہ عدل اجتماعی کا تصور ہے جس میں ایک عام آدمی اور امیر المؤمنین برابر ہیں عدل اجتماعی کا مطلب یہی ہے کہ عدل و انصاف کے معاملہ میں اعلیٰ و ادنیٰ غریب و دولتمند کے مابین کوئی امتیازی رویہ بروئے کار نہ لایا جائے۔ عدل و انصاف کا ترازو تمام انسانیت و بشریت کے لیے برابر ہے۔ جہاں حاکم و محکومیت، حاکمیت اور صاحب امر کی بات آ جاتی ہے تو قرآن عظیم فرقان حمید محکومین کو ان الفاظ سے اطاعت کا حکم دیتا ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء: آیت ۵۹)

اس آیت قرآنی سے معلوم ہوا کہ صاحب امر کی اطاعت اس کی ذات کی خاطر نہیں ہوتی بلکہ اس کی اطاعت اس

Marfat.com

لیے کی جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت تسلیم کر کے اس کے اقتدار کے آگے سر تسلیم خم کر دیتا ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی شریعت کا پاسبان بن کر رہتا ہے۔ اس ضمن میں سرورِ کونین حضرت محمدؐ فرماتے ہیں:

على المرء المسلم السمع و الطاعة فيما.... (بخاری و مسلم)

ترجمہ: ہر مسلمان پر لازم ہے کہ صاحب امر کا حکم مانے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

استمعوا واطيعوا، وان استعمل عليكم عبد حبشي كان راسه زبيبة ما اقام فيكم كتاب الله تعالىٰ۔ (بخاری شریف)

ترجمہ: حکم سنو اور اس کی تعمیل کرو۔ خواہ تم پر ایک حبشی کو حاکم بنا دیا جائے جس کا سر کشمکش کے دانہ کے مانند ہو جب تک کہ وہ تمہارے درمیان کتاب اللہ کے احکامِ نافذ کرتا ہے۔

اس حدیث نبویؐ میں یہ بات بالکل صاف کر دی گئی ہے کہ سمع و اطاعت اس وقت تک ہونی چاہیے جب تک کہ کتاب اللہ کو قائم کیا جائے۔ یہاں پر احکامات کے بجا آوری کو مشروط کر دیا گیا ہے۔ قرآن پاک اور شریعت رسولؐ سے یہی راز عدل اجتماعی اور بلاامتیاز انصاف کا ہے کہ ایک حاکم تعلیمات نبویؐ اور ارشاداتِ قرآنی کی روشنی میں فیصلہ کرے نہ کہ کسی اعلیٰ کو ادنیٰ پر صرف اس کی شان، رتبہ اور عظمت کی سبب فوقیت دے اس طرح کے احکام عدل اجتماعی کے زمرہ میں بالکل نہیں آتے۔

اس لیے ہمیشہ کے لیے صحابہ کرام اور امراء وقت نے تعلیمات نبویؐ سے استفادہ کر کے عدل اجتماعی کا تصور اور اہمیت کو زندہ رکھا ہے اور بذات خود امیر المومنین کے مقابلے میں ایک عام اور غیر مذہب کے حق میں فیصلہ دیا۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے اپنی زرہ کو ایک عیسائی کے پاس پائی اسے لے کر اپنے قاضی شریح کے پاس گئے اور ایک عام آدمی کی طرح اس کے خلاف مقدمہ پیش کیا اور فرمایا کہ یہ زرہ میری ہے شریح نے عیسائی سے دریافت کیا اس نے کہا زرہ تو یقیناً میری ہے شریح نے حضرت علیؓ سے ثبوت طلب کیا حضرت علیؓ نے ثبوت پیش کرنے سے معذرت ظاہر کی۔ چنانچہ قاضی نے یہ فیصلہ کیا کہ زرہ عیسائی کو دے دی جائے۔ عدل اجتماعی اس طرح کے انصاف کے نام ہے۔

تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو عدل اجتماعی کے شان کو جو چیز دوبالا کرتا ہے وہ اسی طرح حق پر مبنی اور شریعت کے حکم اور دوسے کیے جانے والے فیصلے ہیں جو کہ ہر عام و خاص یعنی پوری انسانیت کے لیے عام اور یکساں ہوتے ہیں۔ تعلیمات نبویؐ سے حاصل کردہ عدل اجتماع کے تصور کا ایک اور مثال پیش خدمت کروں گا۔ رواہ الجماعۃ میں ایک حدیث نقل کیا گیا ہے جس کا مفہوم کچھ یوں ہے:

''بنی اسرائیل جب کوئی معتبر آدمی چوری کے مرتکب ہو جاتا تو اسے بری کر دیا جاتا اور اگر کوئی کمزور اور معمولی آدمی چوری کے الزام میں پکڑا جاتا تو اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جاتے''۔

اس ضمن میں حضور نبی کریمؐ نے واضح طور پر عدل اجتماعی کا تصور پیش کرتے ہوئے فرمایا: ''میں تو اگر فاطمہؓ بھی چوری کر دیتی تو اس کے ہاتھ کاٹ دیتا''۔ سبحان اللہ اسے کہتے ہیں عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت رعایا کا عام آدمی کیا کہ اگر خون جگر

Marfat.com

بھی ہو تو عدل کا تقاضا ہے کہ سزا وہی دی جائے گی جو ایک جرم کے لیے قرآن و حدیث، شریعت اور سیرت النبیؐ نے تجویز کیا ہے اس حدیث نبویؐ سے یہ معلوم ہوا کہ رنگ و نسل کی طرح اسلام کے تصور عدل میں کسی کے اعلیٰ منصب اور مرتبے کو کوئی اہمیت نہیں۔ مسجد نبویؐ کو وسعت دینے کے سلسلے میں جو واقعہ پیش آیا وہ بھی تصور عدل اجتماعی کا آئینہ دار ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے مسجد نبویؐ کو وسیع کرنا چاہا تو گرد و پیش کے تمام مکانات قیمتاً خرید کے لیے لیکن حضرت عباسؓ نے اپنے مکان کے بیچنے سے انکار کر دیا حضرت عمر فاروقؓ کافی معاوضہ دینے کی پیش کی مگر حضرت عباسؓ کسی طرح بھی راضی نہ ہوئے۔ آخر مقدمہ ابی بن کعب کے پاس گیا انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمرؓ کو یہ جبر حضرت عباسؓ کا مکان خریدنے کا کوئی حق نہیں۔ پھر حضرت عباسؓ نے عدل اجتماعی کے اس فیصلے کے بعد بلاقیمت مکان دے دیا۔ جب ہم اس واقعہ میں امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی شان اور مرتبہ کو مدنظر رکھیں اور پھر ابی بن کعب کے فیصلے پر نگاہ جما دیں تو ہمیں تعلیمات نبوی کی روشنی میں عدل اجتماعی کے تصور اور اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

اس طرح کے بے شمار واقعات، فرمودات حضورﷺ اور قرآنی آیات سے وضع کردہ عدل و انصاف کے اجتماعی تصور اور قوانین شرعی کے نفاذ کی روشنی میں انسانی مساوات کے جو حدود متعین کیے ہیں۔ زندگی کے تمام ہی پہلوؤں پر حاوی ہیں اور اس کے اندر اجتماعی عدل کے تصور اپنی تمام صورتوں سمیت متحقق ہونے کی ضمانت بھی مضمر ہے اللہ تعالیٰ تمام عالم اسلام کو عدل اجتماعی کے تصور اور اپنے پیارے نبی حضرت محمدؐ کی سیرت طیبہ کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

☆☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

حافظ محمد اکرم- عارف والا، ضلع پاکپتن

اس کائنات رنگ و بو میں ہر سو عدل و انصاف کا نظام کارفرما ہے۔ کائنات کی ہر چیز نظام عدل کے گرد محو گردش ہے۔ ہر شعبہ زیست عدل و انصاف کے بغیر اپنا وجود قائم رکھنے سے قاصر ہے۔ اگر عدل و انصاف عنقاء ہو جائے تو کارخانہ حیات خزاں آشنا ہو جائے گا۔ فصل بہار کے عطر بیز جھونکے بھی اس کی عروق مردہ میں تازہ خون کی روانی کو برقرار نہ رکھ سکیں گے۔ عدل سے مراد معنوی طور پر کسی شے کو اس کے درست مقام پر رکھنا ہے۔ شرعی اصطلاح میں عدل سے مراد لوگوں میں انصاف کرنا ان کے حقوق دلوانا، ظلم کا خاتمہ کرنا، عدل اسلامی تعلیمات میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ نیز عدل کے معنی ہیں افراط تفریط سے بچنا! یعنی کسی شے کا زیادہ ہونا نہ کم ہونا یہ درجہ مقام وسط یعنی درمیانی ہے۔ گر بنظر غائر دیکھا جائے تو دنیا میں جو بھی برائیاں ہیں وہ افراط وتفریط ہی کا نتیجہ ہیں یعنی اجتماعی عدل کے قیام میں جو چیز سد سکندری ثابت ہوتی ہے وہ افراط تفریط ہے۔ عدل اجتماعی جیسا کہ مفہوم سے ظاہر ہے کہ ایسا عدل جو سب کے لیے ہو، سب کا ہدف ہو سب کا مطمع نظر ہو اور سب اس کے حصول کے خواہاں ہوں۔ نیز سب کے لیے مدد معاون ثابت ہو یہ اسلام کا طرہ امتیاز ہے کہ اجتماعی عدل کے حامی اسلام کے ہر سنہری دور میں موجود رہے ہیں۔

احادیث مبارکہ میں اسوہ حسنہٗ سے عدل کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے آپ ﷺ کے مبارک عہد میں عدل کرنے میں کافر و مسلمان میں کوئی امتیاز نہ رکھا جاتا تھا، ایک دفعہ ایک یہودی اور مسلمان میں کسی بات پر تنازعہ ہوا، وہ دونوں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے دونوں کا موقف سنا اور پھر یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ مشہور واقعہ ہے کہ جب قبیلہ بنو مخزوم کی عورت فاطمہ چوری کے جرم میں پکڑی گئی۔ آپ ﷺ نے حد شرعی جاری کرنے کا حکم دے دیا لوگوں نے سفارش کی آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور تنبیہ فرمائی کہ تم سے پہلے قومیں اس لیے تباہ ہوگئیں کہ اگر ان کا کوئی غریب جرم کرتا تو سزاوار ہوتا اور اگر امیر باا ثر کوئی جرم کرتا تو وہ چھوڑ دیا جاتا۔ خبردار! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی اسی جرم میں پکڑی جاتی تو حد شرعی جاری ہوتی۔ اسلام نے جس شرح و بسط سے عدل و انصاف کے جملہ پہلوؤں کو متبین کیا ہے دیگر مذاہب میں ایسی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ اسلامی عقیدہ کی رو سے سب سے بڑا عادل، منصف خدائے وحدہ لاشریک ہے۔ چنانچہ اسمائے باری تعالیٰ میں اسم عدل بھی شامل ہے وہ اپنے عدل سے ہی کارخانہ عالم کو سنبھالے ہوئے ہے۔

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ﴾ (آل عمران: ۱۸)

ترجمہ: اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور اہل علم بھی شاہد ہیں

Marfat.com

کہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف سے کارخانہ عالم کو سنبھالے ہوئے ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا تو ان کی بعثت کا ایک مقصد عدل و انصاف کا قیام بھی تھا۔ دنیا میں ظلم و استبداد کی چکی میں پسنے والی انسانیت کا درماں عدل و انصاف سے کرنا تھا۔ عدل و انصاف کے تریاق سے ظلم کے زہر ہلاہل کو نیست و نابود کرنا تھا۔

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید)

ترجمہ: بے شک ہم نے پیغمبروں کو کھلے معجزے دے کر بھیجا اور ہم نے ان پر کتابیں اتاریں اور ترازو کو رواج دیا تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک نازل فرمایا تو اس عظیم کتاب کے نزول کا مقصد بھی عدل و انصاف قرار دیا۔ اس حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب میں رسالت مآب ﷺ کو حکم ہوتا ہے۔

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۗ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا﴾ (آل عمران:۱۸۰)

ترجمہ: ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری تاکہ جیسا تم کو خدا نے سمجھایا ہے اس کے مطابق لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو اور دغا بازوں کے حامی نہ ہو۔

انسان جو انسانیت کے منصب رفیعہ پر متمکن ہونے کے ساتھ ساتھ حلقہ بگوش اسلام بھی ہو تو پھر اس کی حرکت اس کی نشست و برخاست، اس کے قیام وقعود سب کے سب رضائے الٰہی کے حصول کے متمنی ہوتے ہیں۔ وہ پورا وقت اس خواہش کی تکمیل کے لیے مختص کر دیتا ہے اور اسی میں وہ اپنی کامیابی و کامرانی تصور کرتا ہے۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلمان میں اسی لیے نمازی

قرآن مجید جہاں دیگر شعبہ ہائے حیات میں انسان کی راہنمائی کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا وہاں حسب الٰہی اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے بھی عدل و انصاف کو انتہائی ناگزیر قرار دیتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾ (الحجرات:۹)

ترجمہ: اور انصاف کرو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا، عدل کرنے والے اللہ کے پاس نور کے منبروں پر رحمٰن کے دائیں جانب بیٹھے ہوں گے اور رحمٰن کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں (اعلیٰ مراتب پر ہوں گے) جو لوگ اپنے گھر والوں اور جن پر ان کو حاکم بنایا گیا ہے۔ ان میں عدل سے فیصلے کریں گے۔ (صحیح مسلم: ۱۸۲۷) ضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا کہ جب دنیا کی بقاء میں صرف ایک دن رہ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس دن کو طویل کر دے گا حتیٰ کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو بھیجے گا جس کا نام میرے نام کے موافق اور جس کے والد کا نام

Marfat.com

میرے والد کے نام کے موافق ہوگا۔ وہ زمین میں عدل و انصاف کو اس طرح بھر دے گا جس طرح زمین پہلے ظلم و ناانصافی سے بھری ہوگی۔(سنن ابو داؤد رقم الحدیث ۴۲۸۲)

حضرت نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد مجھے رسالتمآبؐ کے پاس لے کر گئے اور عرض کہ آپؐ گواہ ہو جائیں کہ میں نے نعمان کو اتنی اتنی چیزیں ہبہ کردی ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا جتنی چیزیں تم نے نعمان کو دی ہیں بقیہ بیٹوں کو بھی اتنی ہی چیزیں دی ہیں۔ اس نے کہا کہ نہیں تو پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے سوا کسی اور کو گواہ بنا لو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہیں اس سے خوشی نہیں ہوگی کہ تمہارے بیٹے تمہارے ساتھ نیکی کرنے میں برابر ہوں؟ اس نے کہا کہ کیوں نہیں! پھر آپ ﷺ نے کہا کہ تم بھی ان کے ساتھ برابر کا سلوک کرو ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے کہا کہ مجھے گواہ نہ بناؤ کیونکہ میں ظلم پر گواہی نہیں دیتا۔ مندرجہ بالا آیات مبارکہ اور احادیث شریف سے عدل اجتماعی کی بابت وضاحت ہوتی ہے۔ اسی عظیم صفت سے متصف قضاہ نے معرکتہ الاراء فیصلے سنائے اور معاشرے میں استبدادی قوتوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے میں ایک اہم کردار ادا کیا ایسے سپوتوں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔

اسلام نے اولین بار ایک ایسے معاشرے کو جنم دیا جو صراط مستقیم اور راہ اعتدال پر گامزن رہا (اعتدال کے لفظ میں ہی لفظ عدل شامل ہے جو ایک قوم کو صحیح خطوط پر استوار کرنے کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس معاشرے کا ہر فرد نیکی کا گرویدہ اور بدی سے متنفر تھا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا فرض منصبی بنا کر اسلامی معاشرہ ''امت وسط'' کے لقب کا مستحق ہوا۔ دنیا میں اجتماعی عدل کو اسی طرح قائم کیا جاسکتا ہے کہ برائی کی جڑ کاٹ دی جائے اور شجر برکو بار آور بنانے کے لیے جہد مسلسل کی جائے۔ اسی طرح دنیا کے نظم میں اعتدال پیدا ہوسکتا ہے اور دراصل یہی عدل اجتماعی ہے جس سے ہر مستحق عدل کو انصاف نصیب ہوتا ہے۔ اس سے ظلم وستم کے بادل چھٹتے ہیں عدل و انصاف کی بادنسیم اٹھکیلیاں کرتی ہے، ظلم کے عفریت کے جڑوں سے اسے رستگاری ملتی ہے اور عدل کا پھریرا اس کے سر پر منڈلاتا ہے۔ عدل و انصاف کی فاختہ اس کے گھر کی منڈیر پر بیٹھتی ہے۔

ایک دفعہ پیغمبر عالم ﷺ نے ایک اعرابی سے کچھ قرض لیا اور ایک معینہ مدت تک واپس کرنے کا کہا مقررہ وقت پر جب وہ اعرابی آیا اور اپنے قرض کی واپسی کے لیے کہا تو اتفاقاً اس وقت قرض کی واپسی کا انتظام نہ ہو سکا اور آپ ﷺ نے اعرابی سے مزید مہلت طلب کی اور کہا کہ فی الوقت میں آپ کو آپ کی مطلوبہ رقم واپس نہیں لوٹا سکتا چند ایام کے بعد ممکن ہوسکے گا۔ یہ گفتگو سن کر اعرابی کو طیش آ گیا اور غیض وغضب کی حالت میں مغلظات بکنے لگا۔ حضرت عمرؓ جو اس وقت رسالت کے سائے میں تھے نے اس اعرابی کو پکڑ لیا قریب تھا کہ وہ اس کو سزا مالایطاق دیتے لیکن حضور رسالت مآب ﷺ نے حضرت عمرؓ کو منع فرما دیا اور فرمایا کہ میں اس کا مقروض ہوں اور قرض لوٹانا میرا فرض ہے اور یہ اس کا حق مجھ پر ہے۔ لہٰذا اس وقت بردباری اور صبر وتحمل کی ضرورت ہے۔ بالآخر آپ ﷺ نے ایک صحابی سے قرض لے کر اس اعرابی کا قرض ادا کر دیا۔

اعرابی نے سوچا کہ میں حضور ﷺ کے صحابہ کے جم غفیر میں تھا۔ اگر وہ چاہتے تو میرا زجر وتوبیخ سے مار پیٹ سے، حلیہ بگاڑ دیتے لیکن حضور ﷺ کے منع کرنے پر وہ اپنے عزائم کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ مجھے میرے رویے پر اظہار برہمی کرنا

Marfat.com

آن کی آقائے نامدار کے ساتھ والہانہ عقیدت تھی اور آپ ﷺ کا ان کو روکنا سراسر عدل و انصاف تھا۔ اس ماحول سے متاثر ہو کر اعرابی حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ عدل اجتماعی کی ایسی عظیم مثال شاذ ہی ملتی ہے کہ ایک غیر مسلم کے ساتھ عدل کیا جا رہا ہے۔ حضور کریم ﷺ کی پوری تعلیمات اس قسم کے واقعات سے مزین ہیں۔

غزوہ خندق میں جب مدینے کی ایک جانب کھائی کھودنے کا فیصلہ ہوا تو صحابہ کرامؓ کے ساتھ ساتھ حضور اکرم ﷺ برابر کے شریک تھے۔ خندق کی کھدائی اور مٹی ہٹانے میں جس طرح دیگر صحابہ کرام مصروف عمل تھے بالکل اسی طرح تاج نبوت کو اپنے سر سجانے والے بھی مصروف کار تھا۔ آپ ﷺ نے اس تاثر کو ختم کرنے کے لیے پیہم جدوجہد کی کہ اسلامی تعلیمات میں تشدد ہے اور یہ امتیازی طرز عمل کی داعی ہیں۔ عدل اجتماعی یہی ہے کہ ایسے انصاف کا مظاہرہ کیا جائے جس سے دیگر تمام افراد مستفید ہوں۔ اس وقت اگر سرکار دو عالم ﷺ خندق کی کھدائی میں شریک نہ ہوتے تو کوئی صحابی ٹس سے مس نہ ہوتا بلکہ آپ ﷺ کے تمام صحابہ آپ ﷺ کے لیے جان تک قربان کرنے کو اپنے لیے اعزاز سمجھتے ہیں۔ آپ ﷺ کا یہ فعل آنے والی انسانیت کے لیے عدل و انصاف اور مساوات کی تاریخ رقم کر گیا۔

فتح مکہ کے موقع پر قریش کے ظالم سردار آپ ﷺ کے سامنے سرنگوں کھڑے ہیں ان کے ذہن افسردہ ہیں۔ ان کے قلب رنجیدہ ہیں اجسام ہیبت نبوت کے سامنے سرزہ براندام ہیں ان میں آمنہ کے لعل کو، مدینے کے تاجدار کو، دریتیم کو، فخر المرسلین کو دوران قیام مکہ پہنچائی گئیں۔ ہمہ قسم تکلیفیں ازبر ہیں ظلم کے توڑے گئے پہاڑ رہ رہ کر یاد آ رہے ہیں۔ اب قصر کفرو شرک منہدم ہو چکا ہے۔ علم اسلام بلند ہو چکا ہے سرداران قریش اس انتظار میں ہیں کہ ابھی آواز آئے گی کہ ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے ان کے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں۔ ان کے آرام و سکون کو برباد کر دیا جائے اسی عالم تذبذب میں صدائے مسرت نوید جانفزا لے کر بلند ہوتی ہے کہ لاتثریب علیکم الیوم آج کے دن تم پر کوئی پکڑ نہیں ہے عام معافی کا اعلان ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ چاہتے تو ان سے ظلم کا بدلہ لے سکتے تھے لیکن شان رحمت للعالمین کے عملبردار نے معاف کر دیا ان کے پہنچائے گئے زخموں پر کوئی اور فرمانروا ہوتا تو مرہم ان پر ظلم و استبداد کی صورت میں رکھتا اور اسی میں ہی اس کی انا کی تسکین ہوتی ہے لیکن آپ ﷺ چونکہ سراپا رحمت اور مجسمہ عدل و انصاف تھے آپ ﷺ نے عام معافی کا اعلان کر دیا اور معدودے چند لوگوں کے علاوہ کسی سے کوئی انتقام نہ لیا گیا۔ یہ عدل و انصاف غیر انفرادی کی ایک عظیم مثال ہے جو خود پر کیے گئے مظالم کے بدلے میں معافی اعلان کر کے امت کے سامنے پیش کی۔ آپ ﷺ نے یہ نہیں کہا کہ فلاح قبیلے کو بخش دیا جائے اور فلاں کو عقوبت خانوں میں ڈال دیا جائے۔ آپ ﷺ نے ظلم کے بدلے عدل و انصاف اور احسان کا مظاہرہ کیا کرم خوردہ سماج کو عدل و انصاف کے حیات بخش خون سے زندگی بخشی اور شان عفو و درگزر کا منظم الم نشرح ہوا۔

مت کہو گر برا کہے کوئی

بخش دو گر خطا کرے کوئی

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ ''ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے تمہیں عدل اور احسان کا''۔ قرآن پاک میں جو حکم آتا ہے وہ کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ بشرطیکہ مخاطب

Marfat.com

صاحب ایمان ہو دین اسلام کی خلعت فاخرہ اس نے زیب تن کی ہو غیر مسلم مکلف نہیں ہوتا۔ اب اگر کوئی شخص زرق برق لباس میں ملبوس ہو یا چیتھڑوں سے وہ صرف اپنے ستر کو ڈھانپ سکتا ہو۔ چمنستان وگلستان میں رہائش پذیر ہو یا کسی ویانی میں لگائی گئی جھونپڑی میں وحشت سے پریشان حال ہو علم و دانش کا شہسوار ہو یا بحر جہالت میں اس کی ناؤ ٹامکٹوئیاں مار رہی ہو۔ آسمان معرفت کا آفتاب ہو ماہتاب ہو یا حروف ابجد ازبر کرنے والا طفل مکتب، الغرض کوئی بھی ذوی العقول ہو بشرطیکہ مسلمان ہوتو وہ اس بات کا پابند ہے کہ عدل والا ہے کا مظاہرہ کرے۔ اس سے عدل اجتماعی کا تصور آفتاب نصف النہار کی طرح متبادر ہے۔ مسلمان ہونے کے ناطے جس طرح دیگر عبادات کی پابندی لازمی ہے اس طرح عدل و انصاف سے معاشرہ کو اسلامی معاشرہ بنانے میں اہم کردار ادا کرنا بھی ناگزیر ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿اُدۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً﴾ ''ترجمہ: اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ اگر کوئی صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے، زکوٰۃ کی بروقت ادائیگی اس کا پسندیدہ عمل ہے حرمین شریفین کی زیارت کے لیے حج اور عمرہ کی غرض سے سفر کا متمنی رہتا ہے۔ مساکین کے ساتھ حسن سلوک اس کا طرہ امتیاز ہے۔ سخاوت کی صورت میں حاتم طائی کا ہم پلہ ہے۔ پھر بھی وہ اسلام کے زیور سے اس وقت تک مرصع و مزین نہیں ہوسکتا جب تک اس کے دل و دماغ میں قلب ونظر میں ادراک وشعور میں عدل و انصاف کی منور ومستنید کرنیں جلوہ گر نہ ہوں عدل و انصاف کا تاج سر پر سجانے والا شخص معاشرے کے ماتھے کا جھومر ہوتا ہے۔ اور اس کے برعکس ظالم و جابر شخص ملک وقوم کے لیے ناسور ثابت ہوتا ہے۔

انجمنیں سب ہیں عادل و منصف کی
ظالم لوگ تنہا جیا کرتے ہیں

جملہ عبادات کا اگر بنظر غائر مشاہدہ کیا جائے تو یہ بات مترشح ہو جاتی ہے کہ ہر عبادت میں عدل شامل ہے۔ عدل کی جامع تعریف جو سلف صالحین سے منقول ہے وہ یہی ہے کہ ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھنا اور اس سے سرمو برابر انحراف نہ کرنا عدل ہے۔ جملہ عبادات کی کماحقہ ادائیگی بغیر عدل کے ناممکن ہے شرعی نقطہ نظر سے ایسا عدل ہی عدل اجتماعی کے تقاضے پورے کرسکتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے دور پر اگر نظر دوڑائیں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ انہوں نے عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ ان کی اقتدار کرو ہدایت پا جاؤ گے صحابہ کرامؓ کی زندگیاں ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کا زمانہ ہے اور کسی مقام پر لوگوں کے درمیان دوڑ کا مقابلہ ہوتا ہے اس مقابلے میں حضرت عمر بن العاصؓ کا بیٹا بھی شریک ہوتا ہے اس مقابلے میں ایک عام شخص کا بیٹا جیت جاتا ہے اور حضرت عمرو بن العاص کے بیٹے کو شکست ہو جاتی ہے مجدی اور سروری کا تصور صحابی کے بیٹے کے دل میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ ہزیمت اور شکست نے اعضاء پر اعصاب شکن حملے کیے، دل و دماغ نے حقیقت کا اعتراف کرنے میں عجز کا اظہار کیا، تعصب کی عینک نے فاتح کی تصویر مکدر دکھائی، دریں اثناء صحابی رسول کے بیٹے ن یمقابلہ جیتنے والے کو تھپڑ رسید کردیا۔ جب یہ خبر اس لڑکے کے والد کو پہنچی تو اس نے یہ تمام واقعہ حضرت عمرؓ کے روبرو پیش کیا۔ آپؓ جو نبی کریمؐ کے بعد عدل

Marfat.com

میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے نے حضرت عمرو بن العاص کو طلب فرمایا اور ساری صورتحال سے آگاہ کیا کہ تمہارے بیٹے نے یہ زیادتی کی ہے اور شکست اٹھانے کے بعد اس فاتح لڑکے کو کہا ہے کہ تم نہیں جانتے کہ میں معزز لوگوں کا بیٹا ہوں۔ پھر آپؓ اس کے بیٹے کو اور مظلوم فاتح کو آمنے سامنے کھڑا کیا اور فاتح کو فرمایا کہ معزز لوگوں کے بیٹے کو مار اور یوں فیصلہ کر کے عدل و انصاف کے تقاضے پورے کیے۔

عدل کا تقاضا یہ بھی کہ مجرموں کو ان کے جرم کی پوری سزا دی جائے اسلام کی عدالت میں ان سے کوئی رو رعایت نہیں ورنہ حکومت اور معاشرے کا نظام اپنے وجود کو قائم رکھنے میں قاصر رہے گا۔ اگرچہ مسلمان اجتماعی طور پر عدل کے پابند ہیں، یعنی معاشرے کا، قوم، ملک کا ہر فرد عدل کا پابند ہے۔ ہر ایک اپنی بساط کے مطابق عدل کے تقاضے پورے کرنے کے لیے مستعد ہے تاہم اسلامی ریاست اس سے آزاد نہیں ہو سکتی لازماً اس کو بھی عدل و انصاف کا پابند ہونا چاہیے۔ عدل و انصاف کی فراہمی اسلامی عدالت کا فرض اولین ہے ہمیں اپنے اکابرین سلف صالحین اور برگزیدہ ہستیوں کے عمل سے یہی بات متبین ہوتی ہے کہ انہوں نے ہر زمانے میں عدل و انصاف کے دامن کو تھامے رکھا اور تمام معاملات میں عزت و عظمت نے ان کا استقبال کیا۔

☆ علامہ ابن ہمام نے فرمایا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلہ کرنا عدل ہے نہ کہ محض اپنی رائے سے۔

☆ عبدالرحمٰن بن ناصر الدین سعدی نے کہا حقوق واجبہ کو خرچ کرنا اور مستحقین میں برابر حقوق تقسیم کرنا عدل ہے۔

ابن حزم نے کہا نفس کے حقوق ادا کرنا اور اس سے دوسروں کے حقوق حاصل کرنا عدل ہے۔ علامہ شریفؒ جرجانی نے کہ افراط اور تفریط کے درمیان امر متوسط عدل ہے اور جو کام دین میں منع ہوں ان سے بچتے ہوئے صراط مستقیم پر قائم رہنا عدل ہے۔ (تبیان القرآن۔ سعیدی)

امام غزالیؒ عدل کا تصور واضح کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں: بندہ کا حصہ عدل میں بالکل ظاہر ہے اس میں کوئی خفا نہیں ہے عدل کے لیے اس کے نفس کی صفات میں سے اس کے لیے جو پہلی چیز واجب ہے وہ یہ ہے کہ اس کی شہوت اور اس کا غضب اس کی عقل اور اس کے دین کے تابع ہوں کیونکہ اگر اس نے اپنی عقل کو اپنی شہوت اور غضب کے تابع کر دیا تو اس نے اپنے اوپر ظلم کیا اور عدل کے لیے دوسری چیز یہ واجب ہے کہ وہ تمام معاملات میں حدود شرع کی رعایت کرے اور ہر عضو میں اس کا عدل یہ ہے کہ وہ اپنے عضو کو شریعت کے اذن کے مطابق استعمال کرے اور اپنے اہل و عیال میں اس کا عدل یہ ہے کہ ان کے جائز حقوق کو ادا کرنے اور اگر وہ حکومت کے کسی منصب پر فائز ہے تو اس کا عدل یہ ہے کہ وہ اپنے تمام فرائض کو نہایت دیانتداری سے ادا کرے۔ (تبیان القرآن۔ سعیدی)

۱۔ عدل کرنے والا دنیا اور آخرت میں مامون ہو جاتا ہے۔ دنیا میں تعریف و تحسین اور آخرت میں اجر و ثواب کا مستحق گردانا جاتا ہے۔

۲۔ عادل بادشاہ کی حکومت اور سلطنت کو استحکام حاصل ہوتا ہے اور دشمن کے حملے کے وقت عوام اس کی پشت پر ہوتے ہیں۔

Marfat.com

۳- عادل حکمران سے مخلوق راضی رہتی ہے اور ان کی رضا کی وجہ سے اس سے اللہ بھی راضی رہتا ہے۔

۴- عدل و انصاف کرنے والا پہلے اپنے اعضاء کے ساتھ عدل کرتا ہے۔ اور ان کو گناہوں سے بچاتا ہے اور اپنے اہل و عیال سے عدل کرتا ہے ان کو برائیوں سے اجتناب کرنے کی تلقین کرتا ہے اور نیکی کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور پھر عام مسلمان اور معاشرے میں نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے۔

۵- عدل اور انصاف سوشلزم اور کیپٹلزم کا راستہ روکتا ہے اور اسلامی نظام معیشت کی راہ ہموار کرتا ہے۔

۶- عدل و انصاف سے نبی کی سنت اور آپؐ کی سیرت کی اتباع حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

۷- عدل اور انصاف لوگوں کے حقوق اور ان کی امانتوں کی حفاظت کا ضامن ہے اور اس سے معاشرہ بے چینی، خلفشاری اور انارکی سے محفوظ رہتا ہے۔

۸- عدل و انصاف قائم کرنا لا الہ الا اللہ کی شہادت میں اخلاص کی علامت ہے۔

۹- عدل و انصاف کرنے والے کو قیامت کے دن نور کا لباس پہنایا جائے گا۔

۱۰- عدل و انصاف کرنے والا قیامت کے دن اللہ کی لعنت سے، فرشتوں کی لعنت سے اور لوگوں کی لعنت سے محفوظ رہے گا۔

جس نے مجھ سے کوئی بدلہ لینا ہے لے لے میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے اپنے آپ کو بھی قصاص کے لیے پیش کر کے واضح کر دیا کہ بحیثیت بشری نبی کی ذات بھی قوانین شرعیہ سے بالاتر نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے یہ مثال قائم کر کے امت مسلمہ کے لیے راہ عمل کا تعین کر دیا وہ ہستی جس کے بارے میں ہے کہ بعد از خدائے بزرگ توئی قصہ مختصر کی صدائیں منبر و محراب میں بلند ہوتی ہیں۔ جن کے توسل سے دعائیں اجابت کا جامہ زیب تن کرتی ہیں۔ جن کے نقش قدیم پر چلنا باعث رحمت و نجات ہے جن کی حیات طیبہ ہمارے لیے نمونہ کامل ہے وہ اگر اپنے آپ کو قانون سے بالاتر نہیں سمجھتے تو ماؤشما کس گنتی میں ہیں۔

آج ہم میں سے اگر کوئی دنیاوی عہدے پر فائز ہو اور اس فانی زندگی کو اخروی زندگی پر ترجیح دے تو اس کی نظر میں اس عارضی زندگی کی چمک دمک اخروی زندگی کی ابدی خوشی سے کہیں بالاتر ہو اور وہ اپنے آپ کو قانون سے مستثنیٰ گردانتا ہو تو پھر اس کی عقل پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے۔ اس کا یہ فعل قابل نفرت تو ہوسکتا ہے قابل تحسین ہرگز نہیں ہوسکتا۔ وہ ہستی جس کی اطاعت کو جس کی اطاعت کو جس کی فرمانبرداری کو جس کی اتباع کو خالق کائنات خود اپنی اطاعت کہے اور وہ اپنے آپ کو قانون سے بالاتر نہ سمجھے اور وقت وفات علی الاعلان کہے کہ جس کسی نے بدلے لینا ہے لے تو ایک عام شخص کیسے مستثنیٰ ہوسکتا ہے قانون کی پابندی ہر کس و ناکس کے لیے لازمی ہے زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں عدل کی ضرورت نہ پڑتی ہو ایک مثالی معاشرہ کے قیام کے لیے عدل و انصاف انتہائی ناگزیر ہے۔

لین دین، معاملات، ملازمتیں، باہمی تعلقات کے تمام پہلوؤں میں عدل و انصاف کی ضرورت پڑتی ہے اور اس سے فرار ناممکن ہے ہر معاملہ میں توازن لازمی ہے جہاں اس کی کمی ہوگی وہاں حقوق تلف ہوں گے، خون خرابہ ہوگا، فسق و فجور گا، خلفشاری ہوگی، بدامنی ہوگی، انارکی ہوگی، کساد بزاری ہوگی زندگی بے بندگی شرمندگی میں بدل کر رہ جائے گی انسانوں کی

Marfat.com

برادری کے قیام کا انحصار عدل پر ہے۔ اقوام اور قبائل کے تعلقات کا دارومدار عدل و انصاف پر ہے عدالتی فیصلوں پر عملدرآمد کرانا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے امن قائم ہوتا ہے جہاں کہیں عدالتی عمل میں بگاڑ پیدا ہوا وہاں نقص امن نے بھیانک شکل اختیار کرلی۔ عدالتوں کا قیام اسی لیے ہوتا ہے کہ وہ عوام الناس کے درمیان عدل قائم کریں۔ ظالم سے مظلوم کا حق دلوائیں ظلم و استبداد کی چکی میں پسنے والی انسانیت کے زخموں پر مرہم لگائیں۔ بلاتفریق عدل و انصاف کا بول بالا کریں اور اپنے رستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کا سدباب کریں۔

عدالتی فیصلوں پر عملدرآمد کروانے کے لیے ریاست کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے عدالت کے ساتھ تعاون کرے۔ قانون سے کوئی ماوراء نہیں ہوتا ہماری تاریخ کے اوراق اس قسم کے فیصلوں سے بھرے پڑے ہیں کہ حکمرانوں نے خود اپنے آپ کو کٹہرے میں پیش کیا جب دل و دماغ میں یہ فتور پیدا ہو جاتا ہے کہ میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہوں میرا سلسلہ نسب دیگر لوگوں سے ارفع ہے، میں قانون کی گرفت سے بالاتر ہوں تو پھر عدالتی نظام تعطل کا شکار ہو جاتا ہے اور جملہ اراکین عدالت بددلی کا شکار ہو جاتے ہیں اس طرح ان کے فیصلہ کرنے کی قوت متاثر ہوتی ہے۔ ملک قوم اور معاشرہ اس اندھے قانون میں زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے ایسا قانون جو چھوٹے بڑے، امین وغریب، آجر و اجیر میں فرق روا رکھے وہ ایک عظیم عدلیہ کے قیام کا باعث نہیں بن سکتا۔

دور نبوی ﷺ ہو، دور خلفائے راشدین ہو، دور بنو امیہ ہو، دور بنو عباس ہو جتنے ادوار بھی گزرے ہیں سب میں قانون الٰہی کی حکمرانی رہی ہے۔ خدائی قانون سب کے لیے ایک ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں اگر کوئی بزعم خویش کسی اعلیٰ نسل کے تعلق رکھتا ہے اور وہ اسلامی قوانین کی دھجیاں اڑاتا ہے، اسلامی شعار کی بے حرمتی کرتا ہے تو اس کے لیے جو عذاب آخرت مقرر ہے وہ ضرور اس کا سزاوار ٹھہرے گا۔ اس کے برعکس اگر کوئی سیدھا سادھا مسلمان ہے ایک عام گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ سادا لباس مگر پاک زیب تن کرتا ہے۔ احکام الٰہی کی بجا آوری میں کوئی پس و پیش نہیں کرتا۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل پیرا ہے تو اس کو صرف اس وجہ سے آخرت کے انعامات سے محروم نہیں رکھا جائے گا کہ وہ ایک عظیم گھرانے سے تعلق نہیں رکھتا ہے یا اس کی نسبت کمزور ہے اس کو وہ تمام انعامات جس کا وعدہ کیا ہے ضرور ملیں گے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے کہ ”اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں عورت اور مرد سے پیدا کیا اور تمہیں قومیں اور قبائل بنایا تاکہ تمہاری پہچان ہو بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل وہ ہے جو پرہیزگار ہے“ یعنی فضیلت کا دارومدار تقویٰ پر ہے نا کہ مال ومتاع جائیداد پر یا رنگ ونسل پر ہے جو پرہیزگار ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت والا ہے اور جو پرہیزگار نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت والا نہیں ہے۔ دنیا میں اس کا ایک مقام ممکن ہے دنیا میں اس کی آؤ بھگت کی جاسکتی ہے اس فانی زندگی کے ایام وہ اچھے گزار سکتا ہے۔ اس عارضی زندگی کے شب و روز رنگین بنا سکتا ہے لیکن حقیقی زندگی اور ابدی زندگی میں آسائش و آرام مفقود ہے۔ اپنے حقیقی مالک، خالق اور رازق جس کی رضا ہر مسلمان کا مقصد حیات ہوتی ہے اس سے وہ کوسوں دور ہے اور یہی اس کی ناکامی ہے اور اس کے خائب و خاسر ہونے کا سبب عدم انصاف وتقویٰ ہے اگر وہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی نظر میں اعلیٰ مقام حاصل کرے اور مناصب رفیعہ پر متمکن ہو جائے تو اس کو تقویٰ اختیار کرنا ہوگا اور اس کو درعدالت پر دستک دینا ہوگی۔

Marfat.com

کیونکہ یہی منزل کے قریب کرنے میں اس کے لیے معاون ثابت ہوگی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ ''ترجمہ: عدل کرو وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے''۔ یہ فطری بات ہے کہ ہر انسان اس امر کا خواہاں ہے جس میں اس کی منفعت زیادہ ہو اس کے مفاد میں ہو، مندرجہ بالا آیات مکرمہ سے یہ مستفاد ہوتا ہے اور یہ مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ انصاف کرو یہ تمہیں تقویٰ کی معراج پر پہنچا دے گا اور تمہیں تقویٰ کی معراج پر پہنچا دے گا اور تمہیں اخروی زندگی میں کامیابی مل جائے گی۔ عدل و انصاف کا شجر سایہ دار اس وقت بار آور ثابت ہوگا جب ہم ہر شعبے میں عدل و انصاف کے بیج بوئیں گے۔ کیونکہ عدل ہر شعبے میں ہوگا تو پھر ہی اس کے اثرات مرتب ہوں گے اور پھر ہی یہ عدل اجتماعی ہوگا اور اگر صرف یہ کسی ایک شعبہ میں ہو اور دیگر شعبہ جات اس کے وجود سے خالی ہوں تو ایسا عدل انفرادی تو کہلا سکتا ہے عدل اجتماعی ہرگز نہیں ہے۔

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں اگر ہم دیکھیں تو عہد نبوی سے لے کر اب تک جہاں بھی اسلام کے پیروکار موجود ہیں وہاں زندگی کے تمام شعبوں میں عدل و انصاف کا نور نظر آتا ہے۔ اگر کسی پہلو کی کوکھ عدل سے خالی ہو تو وہاں خلفشاری اور بے چینی تو ہوگی سکون و اطمینان محال ہے۔ عدل کا جیسا قبل ازیں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک چیز کو اس کا اصل مقام دینا برابری مساوات اور یکسانیت اس میں داخل ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے شعبے میں عدل و انصاف کا نور نظر آتا ہے۔ اگر کسی پہلو کی کوکھ عدل سے خالی ہو تو وہاں خلفشاری اور بے چینی تو ہوگی سکون و اطمینان محال ہے۔ عدل کا جیسا قبل ازیں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک چیز کو اس کا اصل مقام دینا برابری مساوات اور یکسانیت اس میں داخل ہیں، ہر شخص اپنے اپنے شعبے میں عدل کا پابند ہے اور پھر یہ مل کر ایک اجتماعی شکل اختیار کر جاتا ہے جس سے معاشرتی، معاشی اور سیاسی تمام شعبے اس کی پرنور کرنوں سے منور و مستفید ہو جاتے ہیں اور ایک عظیم معاشرے کی تشکیل ہو جاتی ہے۔

ایک خطیب اگر محراب و منبر کے تقدس کا خیال رکھتے ہوئے دوران خطابت عدل و انصاف کا مظاہر کرے گا تو اس کے سامعین پر اس کا خوشگوار اثر پڑے گا۔ خطیب اور واعظ کا عدل یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے مطابق اپنی وعظ و نصیحت کے مضمون کو مرتب کرے فرقہ واریت اور مسلکی آگ کو ہوا نہ دے۔ اس طرح اس کا وعظ جہاں پر تاثیر ہوگا وہاں اس کے دوررس میں نتائج بھی برآمد ہوں گے۔ ایک جج اور منصف جس کا منصب ہی انصاف کرنا ہے وہ بھی صرف اسی صورت کامیاب عادل اور منصف ہو سکتا ہے کہ اس کے مطالعہ کی میز رشوت، اقربا پروری، تعصب اور خود غرضی کی گرد سے پاک اور صاف ہو اور اس کا ذہن ریاست میں استحکام بخشنے گا آرزومند ہو اور اس کے جذبات جذبہ حب الوطنی سے معمور ہوں۔

سیاستدان اگر خدمت خلق کا جذبہ لے کر آئے گا اور اسمبلیوں کی نشستوں کی زینت بنے گا تو وہ بھی صرف اس صورت میں کامیابی کے گلستان و چمنستان میں گل چینی کر سکتا ہے جب اس کی رگوں میں دوڑنے والا خون عدل و انصاف کے حیات بخش قطروں کی صورت میں محو گردش ہو اگر وہ عدل و انصاف کے زیور سے مزین ہوگا تو راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کا خاتمہ اس کے لیے مشکل نہ ہوگا اور حقوق العباد کی پاسداری میں اسمبلی میں اٹھنے والی اس کی آواز ایوانوں کو ہلاک کر رکھ دے گی۔ ظلم و ستم کی گھنگھور گھٹائیں چھٹ جائیں گی اور عدل و انصاف کا آفتاب نمودار ہو جائے گا۔

Marfat.com

انسان اگر اپنے اعضاء سے عدل کرے جس مقصد کے لیے وہ بنائے گئے ہیں اسی مقصد کے لیے استعمال کرے تو وہ تندرست وتوانا رہیں گے اور اپنے ہدف کے حصول میں مستعد رہیں گے اگر وہ غلط استعمال ہوں گے تو ان میں اضمحلال پیدا ہو جائے گا توازن برقرار رہ نہ سکے گا کسان کا عدل یہ ہے کہ وہ اپنے کھیت وکھلیان کو سرسبز وشاداب بنانے کیلیے شب و روز کاوش کرے بیج بونے سے لے کر فصل کی برداشت تک انتھک محنت کرے اور یوں اس کی یہ کوشش رنگ لائے گی اور فصل میں خاطر خواہ فائدہ ہوگا اور اس کے کھیت وکھلیان اس کی دن رات کی محنت سے کشت زعفران کا نمونہ پیش کریں گے اور اس نے اپنی اس فصل کے ساتھ عدل نہ کیا تو پھر نفع بخش چیز کے علاوہ خس وخاشاک ہی آئیں گے جو منفعت سے خالی ہوں گے۔

شعبہ تدریس میں عدل کی صورت اس طرح مترشح ہوتی ہے کہ معلم اور متعلم دونوں عدل و انصاف کے تقاضے پورے کریں۔ متعلم کے لیے یہ عدل ہے کہ وہ ہمہ تن گوش ہو کر تعلیم حاصل کرنے اور اپنا پورا وقت اور مکمل توجہ اس کی طرف گامزن رکھے اور معلم کے لیے یہ عدل ہے کہ وہ اپنی تدریس کو کامیاب بنانے کے لیے سبق پڑھانے سے پہلے اس کا مطالعہ کر کے آئے طلباء کو روحانی تربیت کرے، پورا وقت تدریس پر صرف کرے، طلباء کی ہر لحاظ سے ترتیب کرے، اگر یہ دونوں معلم اور متعلم اپنی ذات کے ساتھ عدل نہیں کریں گے تو معلم کی دی ہوئی تعلیم اور متعلم کے پڑھے ہوئے اسباق، معاشرے میں قوم میں اور ملک میں کوئی اہم کردار ادا کرنے سے قاصر رہیں گے۔ نتیجتاً ظلم وستم، جبر واستبداد کے مہیب سائے ملک کے تعلیمی اداروں اور جامعات کو اپنی گرفت میں لے لیں گے اور تعلیمی ہدف کبھی پورا نہ ہو سکے گا۔

طبی شعبہ کی طرف جاتے ہیں تو اس میں بھی کامیابی اسی صورت میں متبین ہوتی نظر آتی ہے کہ مسیحا اپنے پیشہ سے وفا کرے، طبیب اپنے شعبہ سے مخلص ہو اور یہ اخلاص صرف اسی صورت میں پیدا ہوسکتا ہے کہ طبیب مساوات اور عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اگر وہ عادل ہے تو وہ اپنے پیشہ سے وفا کر رہا ہے اس کے برعکس ہے تو وہ حقیقتاً مسیحائی کی عظیم صفت سے متصف نہ ہے۔ کسی مریض کو وہ کافی دیر تک چیک کرے اور اس کو مفید اور متمتع مشورے سے نوازتا رہے اور کسی کے لیے صرف نبض پر ہاتھ رکھنے کا وقت اس کے پاس ہو تو یہ عدل نہیں بلکہ ظلم ہے جو ایک کامیاب طبیب بننے میں بڑی رکاوٹ ثابت ہوتا ہے اور یہ ایک مسیحا کے لیے قطعاً مناسب نہ ہے کہ وہ امیر غریب اور چھوٹے بڑے میں دوران تشخیص فرق روا رکھے، عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے ہی وہ اپنے پیشہ سے مخلص رہ سکتا ہے اور اسی میں اس کی کامیابی ہے۔

الغرض زندگی کے جملہ شعبوں میں اگر عدل و انصاف کی بادنسیم نہ پہنچی تو پھر وہ ظلم و استبداد کے عفریت کے خونخوار جبڑوں سے کبھی محفوظ نہ رہ سکیں گے اور بحیثیت مسلمان اگر ہم نے عدل و انصاف کا دامن نہ تھاما تو پھر ہم نام کے تو مسلمان ہوں گے۔ حقیقی اسلامی کے روح پرور مناظر سے ہماری آنکھوں کو کبھی ٹھنڈک نصیب نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ عدل اسلامی احکامات کا ایک جزو لاینفک ہے اور مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک قرآن مجید کے مطابق ہے۔

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ کے مصداق اسلام میں پورا پورا داخل نہ ہو جائے اجتماعی عدل ہی کامیابی وکامرانی کے قصر سلطان پر آشیانہ بنانے کا باعث بنتا ہے لیکن آج ہم اس عظیم صفت سے محروم ہیں اور دیار غیر کی آب و ہوا کے مسموم جھونکوں نے ہماری خودداری عزت نفس، اوالولعزمی مساوات اور عدل و انصاف جیسی عظیم

Marfat.com

خصوصیات کو یکسر ختم کر دیا ہے۔ ہمارے سلف صالحین ان خصائل حمیدہ سے مرصع و مزین تھے اور ان کو دیکھ کر کفر و شرک کے در و دیوار لرزہ براندام ہو جایا کرتے تھے اور آج ہم ہیں کہ بالکل بے بس۔

مثال ماہ چمکتا تھا جس کا داغ سجود
خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی

اسلام نے عدل و انصاف کے عمل کو پورا کرنے کے لیے اصول وضع کیے ہیں جو کچھ یوں ہیں:

۱- مدعی اور مدعا علیہ دونوں عدالت میں یکساں سمجھا جائے فیصلہ اس وقت ہو جب سماعت مکمل ہو جائے۔

۲- فیصلہ ظاہر بیانات اور دلائل پر ہو کیونکہ قانون لوگوں کی نیابت اور دلی ارادوں پر مواخذہ نہیں کرتا ہے۔ فرمان رسالتمآب ہے:

مجھے حکم دیا گیا ظاہر کو دیکھ کر فیصلہ کروں اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلی بھید جانتا ہے۔

۳- حضورﷺ نے جب حضرت علیؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو نصیحت فرمائی کہ کوئی فیصلہ اس وقت تک نہ کرنا جب تک فریقین مقدمہ کو مکمل نہ سن لیں۔

۴- عدالت کا یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ شہادت و ثبوت مہیا کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے عدم شہادت کی صورت میں مدعا علیہ سے بے گناہی کی قسم لی جاتی ہے۔

۵- عدالتی کارروائی میں قاضی کو بڑی اہمیت حاصل ہے اس لیے اسے فریقین میں سے کسی کی رعایت کرنے کا حکم نہیں ہے اس کا جھکاؤ اگر کسی طرف ہو تو اس سے انصاف کی توقع عبث ہے۔ یہ تعلیمات نبوی کا نتیجہ تھا کہ عرب کے بدو راہبر اور رہنما بن گئے اور عرب کے صحراؤں میں بہار آ گئی اور دنیا کے اندر اسلام کے جھنڈے لہرانے لگے کفر و شرک کے در و دیوار میں زلزلہ آ گیا اور عدل و انصاف ہے ہر سو چرچے ہونے لگے۔

اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا
خاک کے ذروں کو ہمدوش ثریا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

آج اگر ہم تعلیمات نبوی ﷺ پر عمل کرتے ہوئے انصاف کا دامن تھام لیں اور زندگی کے جملہ شعبوں میں اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو ہمارے جملہ امور تحسین و خوبی سرانجام پانے لگیں گے اور دیگر اقوام سے ہم کسی صورت بھی پیچھے نہ رہیں گے۔ اگر عدل اجتماعی جیسا کہ دور نبوی ﷺ میں تھا۔ دور خلوت راشدین میں دور صحابہ کرامؓ میں تھا، دور تابعین میں تھا، دور ائمہ مجتہدین میں تھا دور سلف صالحین میں تھا، آج ہماری حیات کے جملہ پہلوؤں کا اٹوٹ انگ بن جائے تو ہماری ترقی و عروج کی تمام راہیں وا ہو جائیں گی۔ ہم اگر سوچیں تو ہماری بقاء کا راز تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں عدو انصاف کے جملہ تقاضوں کو پورا کرنے میں مضمر ہے۔

Marfat.com

کٹتا ہے ظالم کا سر عادل کی شمشیر سے
ہے بقاء مظلوم کی انصاف کی زنجیر سے

گلشن عدل کی بہار اس وقت رنگا رنگ پھول کھلا سکتی ہے جب مطمع نظر یہ نہ ہو کہ عدل ہونا چاہیے بلکہ یہ ہو کہ عدل ہوتا ہوا نظر آنا چاہیے جب معاشرے کا ہر فرد صرف یہ کہتا رہے کہ عدل ہونا چاہیے، عدل کیوں نہیں ہوتا تو وہ صرف زبانی کلامی ہوگی اور اگر ہر کس و ناکس اس تگ و دو میں رہے کہ عدل ہو اور باہمی معاملات میں عدل ہوتا دکھائی بھی دے تو یہ عدل کی اعلیٰ ترین صورت ہے کیونکہ اس میں عدل ہوتا ہوا دکھائی دے رہا ہے نہ کہ زبانی جمع خرچ ہے۔

شیخ سعدیؒ نے گلستان میں ایک حکایت نقل کی ہے کہ نوشیرواں جو عدل میں ید طولیٰ رکھتا تھا نے ایک مرتبہ شکار کیا اور اسے روسٹ کرنے کے لیے داروغہ مطبخ (کچن مینجر) کو کہا جب روسٹ ہوا تو نمک نہیں تھا۔ اس نے قریبی گاؤں میں کسی شخص کو نمک کے لیے بھیجا جب نوشیرواں کو علم ہوا تو اس نے پوچھا نمک کی قیمت ادا کر دی ہے۔ تو داروغۂ مطبخ حیرت سے انگشت بدنداں رہ گیا اور کہا کہ جناب نمک ایک معمولی سی چیز ہے۔ اس کی قیمت! نوشیرواں نے کہا کہ دنیا میں ظلم کی بنیاد پہلے بہت کمزور اور تھوڑی تھی جو آیا اس پر اضافہ کرتا چلا گیا حتیٰ کہ نوبت بایں جارسید کہ ظلم غالب گیا اور عدل مغلوب ہو گیا۔ سعدیؒ نے اپنے دو اشعار میں مزید وضاحت یوں کی ہے اگر بادشاہ رعایا کے کسی باغ سے سیب کا ایک دانہ مت توڑے تو اس کے نوکر جا کر سیب کے پورے درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے اور اگر کوئی سالانہ کسی گاؤں سے مرغی کا ایک انڈہ بھی مفت لے لے تو اس کا لشکر ہزاروں مرغوں کو سیخ پر چڑھا دے گا۔

اس واقعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہورہی ہے کہ عدل کے زبانی کلامی نعرے لگانے کی بجائے اس کو عملی جامہ پہنانا چاہیے اس سے عدل و انصاف پھر ایک ولولے سے معاشرے کے جملہ پہلوؤں پر اثر انداز ہوتا ہے اور اگر عملی جامہ پہنانے کا کام آنے والی نسل کے سپرد کر دیا جائے اور خود ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ کر اس کے دور رس نتائج کا انتظار کیا جائے تو یہ کج فہمی کورذوقی کے ساتھ ساتھ فریب نظری بھی ہے۔

عدل اجتماعی کا اظہار جن ہستیوں نے کیا وہ آسمان پر عدل و انصاف پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے ان کے بے لاگ فیصلے انسانیت کے لیے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھے ان نفوس قدسہ نے عدل و انصاف کا دامن تھاما تو پھر تمام رشتہ داریاں، قرابت داریاں، مالی لالچ، درہم و دینار ان کے رستے کو کبھی نہ روک سکے اور جادہ عدل و انصاف پر چل کر معاشرے کی تقدیر کو بدل کر رکھ دیا۔ غیر ملکی اقوام نے ان نابغہ روزگار ہستیوں کے فیصلوں کو بنظر تحسین دیکھا اور ان کو اپنی عملی زندگی میں منطبق کیا تو ان کے عدالتی نظام میں چار چاند لگ گئے اور امیر سے غریب کو انصاف ملنے لگا قوی نے ضعیف کو انصاف بہم پہنچانے میں کبھی پس و پیش نہ کیا۔ اس کے علی الرغم ایک ہم ہیں جنہوں نے اپنی اس وراثت کو کھو دیا۔ ہمارے عادل حکمرانوں نے شہوت پرستی، خود غرضی، قرابت داری کو ملحوظ خاطر رکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمار عدالتی نظام بہتری کی بجائے کہتری کا شکار ہو گیا۔ ایک فیصلہ جس کو صرف دس دن درکار تھے دس سال تک لٹک گیا، منصب صاحبان تساہل پسندی اور کاہلی کا شکار ہو گئے پہلی بات تو یہ ہے کہ سائل اور مدعی اپنے فیصلے کا انتظار کرتے کرتے داعی اجل کو لبیک کہہ دیتا ہے یا فیصلہ ہوتا ہے تو پھر بالکل غیر متوقع ہو جاتا

Marfat.com

ہے۔ عدالتی نظام کی برتری کے سبب معاشرتی نظام، سیاسی نظام، سماجی نظام ابتری کا شکار ہو جاتا ہے جس سے ملک وقوم میں رزائل اخلاق جنم لیتے ہیں اور خصائل حمیدہ کی عنادل خوش الحان کسی اور چمنستان کا رخ کر لیتی ہیں۔

ملک میں افلاس، مفلوک الحالی، غربت، جیسی آفات و بلیات کا بسیرا ہو جاتا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے عدالتی نظام کو بہتر بنایا جائے اہلیت کے مال جج صاحبان متعین کیے جائیں۔ جو انصاف کی فراہمی کو یقینی بنانے میں کلیدی کردار ادا کریں۔ ملک وقوم کی فلاح کے لیے اس سمت توجہ کی اشد ضرورت ہے عدل اجتماعی ہی ہمیں ظلم و استبداد کے ناسور سے بذریعہ نشتر انصاف فاسد مادے کو باہر نکالنے میں ممدو معاون ثابت ہوسکتا ہے۔ بوریا نشیں سے لے کر قصر سلطانی میں رہائش پذیر ہر ایک کے لیے عدل و انصاف کی اشد ضرورت ہے۔ اسی میں رضائے باری تعالیٰ اور رضائے رسول اللہ شامل ہے اور اسی میں ہی ہماری اخروی و دینوی کامیابی پنہاں ہے۔

ہماری تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ غزوہ بدر کے بعد جب اپنے بیٹے عبدالرحمٰن بن ابوبکر کے ساتھ ہمکلام ہوتے ہیں تو وہ دوران گفتگو کہتا ہے کہ آپ غزوہ بدر میں ایک مرتبہ میرے سامنے آئے لیکن احترام پدری آڑے آ گیا اور میں نے آپ پر وار نہ کیا جواباً جو جملہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ارشاد فرمایا تاریخ کے اوراق اس پر نازل کرتے ہیں آپؓ نے کہا کہ اگر تم میرے سامنے آ جاتے تو میں کبھی نہ چھوڑتا اور تم پر ضرور وار کر دیتا۔ آپ کی صداقت کے مسلم اور غیر مسلم سب معترف ہیں آپؓ نے کہہ دیا گویا اس پر عمل ہو گیا۔ اسی طرح خلیفہ ثانی اپنے بیٹے پر حد نافذ کرتے ہیں فرزند عمرؓ جب بسمل ہو کر گر جاتے ہیں تو آپؓ حد پوری کرنے کے بعد اسے اٹھا لیتے ہیں آپؓ فرماتے ہیں کہ میں نے تم پر حد بحیثیت امیر المومنین نافذ کی اور آپ کو جو اٹھا رہا ہوں یہ میرا خونی رشتہ ہے۔ یعنی بحیثیت باپ اٹھا رہا ہوں یہاں ہر جگہ پر عدل ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ قانون کی پاسداری دکھائی دے رہی ہے عدل اجتماعی کرنیں نور افشاں ہیں لیکن آج صورتحال اس کے برعکس ہیں اگر کوئی زنجیر عدل کھینچتا بھی ہے تو یہ خوف اسے ضرور دامن گیر ہوتا ہے کہ عادل اور منصف کی غیر جانبداری خارجی عوامل کے سبب مشکوک ہے اس لیے عدل کی توقع عبث ہے۔

خانۂ عدل سے منصف کی سدا گونجتی ہے
اور ڈر جاتے ہیں زنجیر ہلاتے ہوئے لوگ

عادل اور منصف کے بارے میں پیدا شدہ اس قسم کے تاثر کے خاتمے کی اشد ضرورت ہے اور وہ صرف اور صرف تعلیمات قرآن و سنت پر عمل پیرا ہونے سے ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ ہر جگہ پر بالعموم اور ایک ارض پاک میں بالخصوص یہ انتہائی ناگزیر ہے۔ ہماری ترقی کی تمام راہیں عدل و انصاف سے ہی کھلتی ہیں۔ عدل و انصاف کے تصور سے عاری قوم کبھی ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتی۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

عبداللہ مری- جیکب آباد

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جس احسن تقویم پر پیدا کیا ہے اس کے عجیب کرشموں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عریاں فساد اور بے نقاب فتنے کی طرف کم ہی راغب ہوتا ہے اور اس بناء پر شیطان اکثر مجبور ہوتا ہے کہ اپنے فتنہ و فساد کو کسی نے کسی طرح صلاح و خیر کا دھوکہ دینے والا لباس پہنا کر اس کے سامنے لائے۔ جنت میں آدم علیہ السلام کو یہ کہہ کر شیطان ہرگنا دھوکہ نہ دے سکتا تھا کہ میں تم سے خدا کی نافرمانی کرنا چاہتا ہوں تاکہ تم جنت سے نکال دیئے جاو بلکہ اس نے یہ کہہ کر انہیں دھوکہ دیا کہ ﴿هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾ (کیا میں تمہیں وہ درخت بتاوں جو حیات ابدی اور لازوال بادشاہی کا درخت ہے)۔ یہی انسان کی فطرت آج تک بھی چل رہی ہے۔ آج بھی جتنی غلطیوں اور حماقتوں میں شیطان اس کو بتلا کر رہا ہے وہ سب کسی نہ کسی پرفریب نعرے اور کسی نہ کسی لباس زور کے سہارے مقبول ہو رہی ہیں۔

دور جدید کے چند فریب

انہی دھوکوں میں سے ایک بہت بڑا دھوکا وہ ہے جو موجودہ زمانے میں اجتماعی عدل (Social Justice) کے نام سے بنی نوع انسان کو دیا جا رہا ہے۔ شیطان پہلے ایک مدت تک دنیا کو حریت فرد (Indivdual Liberty) اور (Liberalism) کے نام سے دھوکہ دیتا رہا اور اس کی بنیاد پر اس نے اٹھارویں صدی میں سرمایہ داری اور لادینی جمہوریت کا ایک نظام قائم کرایا۔ ایک وقت اس نظام کے غلبے کا یہ حال تھا کہ دنیا میں اسے انسانی ترقی کا حرف آخر سمجھا جاتا تھا اور ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو ترقی پسند کہلاتا چاہتا ہو مجبور تھا کہ اسی انفرادی آزادی اور فراخ دلی کا نعرہ لگائے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ حیات انسانی کے لیے اگر کوئی نظام ہے کو بس وہ یہی سرمایہ داری نظام اور یہی لادینی جمہوریت ہے جو مغرب میں قائم ہے۔ لیکن دیکھتے دیکھتے وہ وقت بھی آ گیا جب ساری دنیا یہ محسوس کرنے لگی کہ اس شیطانی نظام نے زمین کو ظلم و جور سے بھر دیا ہے۔ اس کے بعد ابلیس لعین کے لیے ممکن نہ رہا کہ اس نعرے سے مزید کچھ مدت تک نوع انسانی کو دھوکہ دے سکے۔

پھر کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ وہی شیطان ایک دوسرا فریب اجتماعی عدل اور اشتراکیت کے نام سے بنا لایا اور اب اس جھوٹ کے لباس میں وہ ایک دوسرا نظام قائم کروا رہا ہے۔ یہ نیا نظام اس وقت تک دنیا کے متعدد ملکوں کو ایک ایسے ظلم عظیم سے بزیر کر چکا ہے جس کی کوئی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ مگر اس کے فریب کا یہ زور ہے کہ بہت سے دوسرے ملک اسے ترقی کا حرف آخر سمجھ کر قبول کرنے کے لیے تیار ہو رہے ہیں ابھی اس فریب کا پردہ پوری طرح چاک نہیں ہوا ہے۔

مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ان کے پاس خدا کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت میں ایک دائمی و ابدی ہدایت

Marfat.com

موجود ہے جو انہیں شیطانی وساوس پر متنبہ کرنے اور زندگی کے تمام معاملات میں ہدایت کی روشنی دکھانے کے لیے ابد تک کافی ہے، مگر یہ مساکین اپنے دین سے جاہل اور استعمار کی تہذیبی و فکری ساخت سے بری طرح مغلوب ہیں۔ اس لیے ہر وہ نعرہ جو دنیا کی غالب قوموں کے کیمپ سے بلند ہوتا ہے، اس کی صدائے بازگشت فوراً ہی یہاں سے بلند ہونی شروع ہو جاتی ہے جس زمانے میں انقلاب فرانس کے اٹھائے ہوئے افکار کا زور تھا، مسلمان ملکوں میں ہر تعلیم یافتہ آدمی اپنا فرض سمجھتا تھا کہ انہی افکار کا موقع بے موقع اظہار کرے اور انہی کے سامنے میں اپنے آپ کو ڈھالے۔ اس کے بغیر وہ سمجھتا تھا کہ اس کی کوئی عزت قائم نہ ہوگی اور وہ رجعت پسند سمجھا جائے یہ دور جب گزر گیا تو ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگوں کی سمت قبلہ بھی تبدیل ہونے لگا۔ نیا دور آتے ہی اجتماعی عدل اور اشتراکیت کے نعرے بلند کرنے والے ہمارے درمیان پیدا ہونے لگے۔ یہاں تک بھی قابل صبر تھی لیکن غضب یہ ہے کہ ایک گروہ ہمارے اندر ایسا بھی اٹھتا رہا ہے جو اپنے قبلے کی ہر تبدیلی کے ساتھ چاہتا ہے کہ اسلام بھی اپنا قبلہ تبدیل کرے گویا اسلام کے بغیر یہ بیچارے جی نہیں سکتے۔ اس کا ان کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ لیکن ان کی خواہش یہ ہے کہ جس کی پیروی کر کے یہ ترقی کرنا چاہتے ہیں اس کے پیرو سے اسلام بھی مشرف ہو جائے اور دین رجعی ہونے کے الزام سے بچ جائے۔ اسی بناء پر پہلے کوشش کی جاتی تھی کہ حریت فردا اور فراخ دلی اور سرمایہ داری اور بے دین جمہوریت کے مغربی تصورات کو عین اسلامی ثابت کیا جائے، اور اسی بناء پر اب یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ اسلام میں بھی اشتراکی تصور کی عدالت اجتماعیہ موجود ہے۔ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر ہمارے تعلیم یافتہ لوگوں کی ذہنی غلامی اور ان کی جاہلیت کی طغیانی آلت کی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔

عدالت اجتماعیہ کی حقیقت

میں اس مختصر مقالے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ عدالت اجتماعیہ درحقیقت نام کس چیز کا ہے اور اس کے قیام کی صحیح صورت کیا ہے۔ اگر چہ اس امر کی امید بہت کم ہے جو لوگ اشتراکیت کو عدالت اجتماعی کے قیام کی واحد صورت سمجھ کر اسے نافذ کرنے پر تلے ہوئے ہیں وہ اپنی غلطی مان لیں گے اور اس سے رجوع کر لیں گے، کیونکہ جاہل جب تک محض جاہل رہتا ہے اس کی اصلاح کے بہت کچھ امکانات باقی رہتے ہیں، مگر جب وہ حاکم کہا جاتا ہے تو ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ﴾ کا زعم اسے کسی سمجھانے والے کی بات سمجھنے کے قابل نہیں رہنے دیتا۔ لیکن عامۃ الناس خدا کے فضل سے ہر وقت اس قابل رہتے ہیں کہ معقول طریقے سے بات سمجھا کر انہیں شیطان کے فریبوں پر متنبہ کیا جا سکے اور یہی عامۃ الناس ہیں جنہیں فریب دے کر گمراہ اور گمراہ کن لوگ اپنی ضلالتوں کو فروغ دیتے ہیں اس لیے میرے اس مقالے کی غرض دراصل عام لوگوں کے سامنے حقیقت کو کھول کر بیان کر دینا ہے۔

اسلام ہی میں عدالت اجتماعیہ

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات جو میں اپنے مسلمان بھائیوں کو سمجھانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جو لوگ اسلام میں

Marfat.com

بھی عدالت اجتماعیہ موجود ہے کا نعرہ بلند کرتے ہیں وہ بالکل ایک غلط بات کہتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اسلام ہی میں عدالت اجتماعیہ ہے۔ اسلام وہ دین حق ہے جو خالق کائنات اور رب کائنات نے انسان کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے اور انسانوں کے درمیان عدل قائم کرنا اور یہ طے کرنا کہ ان کے لیے کیا چیز عدل ہے اور کیا عدل نہیں ہے، انسانوں کے خالق و رب ہی کا کام ہے دوسرا کوئی نہ اس کا مجاز ہے کہ عدل وظلم کا معیار تجویز کرے اور نہ دوسرے کسی میں یہ اہلیت پائی جاتی ہے کہ حقیقی عدل قائم کر سکے۔ انسان اپنا آپ مالک اور حاکم نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے معیار عدل خود تجویز کر لینے کا مجاز ہو۔ کائنات میں اس کی حیثیت خدا کے مملوک اور عبیت کی ہے۔ اس لیے معیار عدل تجویز کرنا اس کا اپنا نہیں بلکہ اس کے مالک اور فرماں روا کا کام ہے۔ پھر انسان، خواہ کتنے ہی بلند مرتبے کا ہو اور خود ایک انسان نہیں بہت سے بلند مرتبہ انسان مل کر بھی اپنا ذہن استعمال کرلیں بہرحال انسانی علم کی حدودیں وعقل انسانی کی کوتاہی و نارسائی اور انسانی عقل پر خواہشات وہ نہیں ہے کہ انسان خود اپنے لیے کوئی ایسا نظام بنا سکے جو درحقیقت عدل پر مبنی ہو۔ انسان کے بنائے ہوئے نظام میں ابتداء بظاہر کیسا ہی عدل نظر آئے، بہت جلدی عملی تجربہ یہ ثابت کردیتا ہے کہ فی الحقیقت اس میں عدل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہر انسانی نظام کچھ مدت تک چلنے کے بعد ناقص ثابت ہو جاتا ہے اور انسان اس سے بیزار ہو کر ایک دوسرے احمقانہ تجربے کی طرف پیش قدمی کرنے لگتا ہے۔ حقیقی عدل صرف اسی نظام میں ہوسکتا ہے جو ایک عالم الغیب والشہادۃ اور سبوح و قدوس ہستی نے بنایا ہے۔

عدل ہی اسلام کا مقصود

دوسری بات جو آغاز ہی میں سمجھ لینی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص اسلام میں عدل ہے کہتا ہے وہ حقیقت سے کم تر بات کہتا ہے حقیقت یہ ہے کہ عدل ہی اسلام کا مقصود ہے اور اسلام آیا ہی اس لیے ہے کہ عدل قائم کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ. اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾ (الحدید: ۲۵)

ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ انسان انصاف پر قائم ہو، اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں سخت طاقت اور لوگوں کے لیے فوائد ہیں تاکہ اللہ یہ معلوم کرے کہ کون بے دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ قوی اور زبردست ہے۔

یہ دو باتیں ہیں جن سے اگر ایک مسلمان غافل نہ ہو تو وہ کبھی عدالت اجتماعیہ کی تلاش میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر کسی دوسرے ماخذ کی طرف توجہ کرنے کی غلطی نہیں کرسکتا۔ جس لمحے اس عدل کی ضرورت کا احساس ہو گا اسی لمحے اسے معلوم ہو جائے گا کہ عدل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی کے پاس نہ ہے اور نہ ہوسکتا ہے اور وہ یہ بھی جان لے گا کہ عدل قائم کرنے کے لیے اس کے سوا کچھ کرنا نہیں ہے کہ اسلام پورا کا پورا اسلام، بلاکم وکاست اسلام، قائم

Marfat.com

کر دیا جائے۔ عدل، اسلام سے الگ کسی چیز کا نام نہیں ہے۔ اسلام خود عدل ہے۔ اس کا قائم ہونا اور عدل کا قائم ہو جانا ایک ہی چیز ہے۔

عدل اجتماعی کیا ہے؟

اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ عدل اجتماعی درحقیقت ہے کس چیز کا نام ہے اور اس کے قیام کی صحیح صورت کیا ہے؟

انسانی شخصیت کا نشوونما

ہر انسانی معاشرہ ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں افراد سے مل کر بنتا ہے۔ اس مرکب کا ہر فرد ذی روح، ذی عقل اور ذی شعور ہے۔ ہر فرد اپنے ایک مستقل شخصیت رکھتا ہے جسے پھلنے پھولنے اور نشوونما پانے کے لیے مواقع درکار ہیں۔ ہر فرد کا اپنا ایک ذاتی ذوق ہے۔ اس کے اپنے نفس کی کچھ رغبات و خواہشات ہیں۔ اس کے اپنے جسم و روح کی کچھ ضروریات ہیں۔ ان افراد کی حیثیت کسی مشین کے بے روح پرزوں کی سی نہیں ہے کہ اصل چیز مشین ہو اور یہ پرزے اس مشین ہی کے لیے مطلوب ہوں اور بجائے خود پرزوں کی کوئی شخصیت نہ ہو۔ بلکہ اس کے برعکس انسانی معاشرے جیتے جاگتے انسانوں کا ایک مجموعہ ہے۔ یہ افراد اس مجموعے کے لیے نہیں ہیں بلکہ مجموعہ ان افراد کے لیے ہے اور افراد جمع ہو کر یہ مجموعہ بناتے ہی اس غرض کے لیے ہیں کہ ایک دوسرے کی مدد سے انہیں اپنی ضروریات حاصل کرنے اور اپنے نفس و جسم کے مطالبات اور تقاضے پورے کرنے کے مواقع ملیں۔

انفرادی جوابدہی

پھر یہ تمام افراد فرداً فرداً خدا کے سامنے جوابدہ ہیں ہر ایک کو اس دنیا میں ایک خاص مدت امتحان (جو ہر فرد کے لیے الگ مقرر ہے) گزارنے کے بعد اپنے خدا کے حضور جا کر حساب کتاب دینا ہے کہ جو قوتیں اور صلاحیتیں اسے دنیا میں دی گئی تھیں ان سے کام لے کر اور جو ذرائع اسے عطا کیے گئے تھے ان پر کام کر کے وہ اپنی کیا شخصیت بنا کر لایا ہے۔ خدا کے سامنے انسان کی یہ جوابدہی اجتماعی نہیں بلکہ انفرادی ہے وہاں کنبے اور قبیلے اور قومیں کھڑی ہو کر حساب نہیں دیں گی، بلکہ دنیا کے تمام رشتوں سے کاٹ کر اللہ تعالیٰ ہر انسان کو الگ الگ اپنی عدالت میں حاضر کرے گا اور فرداً فرداً اس سے پوچھے گا کہ تو کیا کر کے آیا ہے اور کیا بن کر آیا ہے۔

انفرادی آزادی

یہ دونوں امور۔۔۔۔ یعنی دنیا میں انسانی شخصیت کا نشوونما اور آخرت میں انسان کی جوابدہی اسی بات کے طالب ہیں کہ دنیا میں فرد کو حریت حاصل ہو اگر کسی معاشرے میں فرد کو اپنی پسند کے مطابق اپنی شخصیت کی تکمیل کے مواقع حاصل نہ ہو

Marfat.com

تو ان کے اندر انسانیت ٹھٹھر کر رہ جاتی ہیں، اس کا دم گھٹنے لگتا ہے، اس کی قوتیں اور قابلیتیں دب کر رہ جاتی ہیں اور اپنے آپ کو محصور ومحبوس پا کر انسان جمود وتعطل کا شکار ہو جاتا ہے پھر آخرت میں ان محبوس ومحصور افراد کے قصور کی بیشتر ذمہ داریاں ان لوگوں کی طرف منتقل ہو جانے والے ہیں جو اس قسم کے اجتماعی نظام کو بنانے اور چلانے کے ذمہ دار ہوں۔ ان سے صرف ان کے انفرادی اعمال کا محاسبہ نہ ہوگا بلکہ اس بات کا محاسبہ بھی ہوگا انہوں نے ایک جابرانہ نظام قائم کر کے دوسرے بے شمار انسانوں کو ان کی مرضی کے خلاف اپنی مرضی کے مطابق ناقص شخصیتیں بننے پر مجبور کیا۔ ظاہر ہے کہ کوئی مومن باآخرت یہ بھاری بوجھ اٹھا کر خدا کے سامنے جانے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ وہ اگر خدا سے ڈرنے والا انسان ہے تو لازماً وہ افراد کو زیادہ سے زیادہ حریت دینے کی طرف مائل ہوگا تاکہ ہر فرد جو کچھ بھی بنے اپنی ذمہ داری پر بنے، اس کے ایک غلط شخصیت بننے کی ذمہ داری اجتماعی نظام چلانے والے پر عائد نہ ہو جائے۔

اجتماعی ادارے اور ان کا اقتدار

یہ معاملہ تو ہے انفرادی آزادی کا دوسری طرف معاشرے کو دیکھئے جو قبیلوں اور قوموں اور پوری انسانیت کی شکل میں علی الترتیب قائم ہوتا ہے اس کی ابتداء ایک مرد اور ایک عورت اور ان کی اولاد سے ہوتی ہے جس سے خاندان بنتا ہے۔ ان خاندانوں سے قبیلے اور برادریاں بنتی ہیں، اس سے ایک قوم وجود میں آتی ہے، اور قوم اپنے اجتماعی ارادوں کی تنفیذ کے لیے ایک ریاست کا نظام بناتی ہے اور ان مختلف شکلوں میں یہ اجتماعی ادارے اصلاً جس غرض کے لیے مطلوب ہیں وہ یہ ہے کہ ان کی حفاظت اور ان کی مدد سے فرد کو اپنی شخصیت کی تکمیل کے وہ مواقع نصیب ہوسکیں جو وہ تنہا اپنے بل بوتے پر حاصل نہیں کرسکتا۔ لیکن اس بنیادی مقصد کا حصول اس کے بغیر نہیں ہوسکتا کہ ان میں سے ہر ایک ادارے کو افراد پر اور بڑے ادارے کو چھوٹے اداروں پر اقتدار حاصل ہوتا کہ وہ افراد کی ایسی آزادی کو روک سکیں جو دوسروں پر دست درازی کی حد تک پہنچتی ہو اور افراد سے وہ خدمت لے سکیں جو بحیثیت مجموعی تمام افراد معاشرہ کی فلاح وترقی کے لیے مطلوب ہو۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر عدالت اجتماعیہ کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے اور انفرادیت و اجتماعیت کے متضاد و تقاضے ایک گتھی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ایک طرف انسانی فلاح اس بات کی متقاضی ہے کہ فرد کو معاشرے میں آزادی حاصل ہو تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں اور اپنی پسند کے مطابق اپنی شخصیت کی تکمیل کر سکے۔ اور اسی طرح خاندان، قبیلے، برادریاں اور مختلف گروہ بھی اپنے سے بڑے دائرے کے اندر اس آزادی سے متمتع ہوں جو ان کے اپنے دائرۂ عمل میں انہیں حاصل ہونی ضروری ہے۔ مگر دوسری طرف انسانی فلاح ہی اس بات کا بھی تقاضا کرتی ہے کہ افراد پر خاندان کا، خاندانوں پر قبیلوں اور برادریوں کا اور تمام افراد اور چھوٹے اداروں پر ریاست کا اقتدار ہو، تاکہ کوئی اپنی حد سے تجاوز کر کے دوسروں پر ظلم وتعدی نہ کر سکے اور یہی مسئلہ آگے چل کر پوری انسانیت کے لیے بھی پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف ہر قوم اور ریاست کی آزادی وخود مختاری کا برقرار رہنا بھی ضروری ہے اور دوسری طرف کسی بالاتر قوت ضابطہ کا ہونا بھی ضروری ہے کہ یہ قومیں اور ریاستیں حد سے تجاوز نہ کرسکیں اب عدالت اجتماعیہ درحقیقت جس چیز کا نام ہے وہ یہ ہے کہ افراد، خاندانوں، قبیلوں برادریوں اور قوموں میں سے ہر ایک کو مناسب آزادی بھی حاصل ہو اور اس کے ساتھ

Marfat.com

ظلم و عدوان کو روکنے کے لیے مختلف اجتماعی اداروں کو افراد پر اوز ایک دوسرے پر اقتدار بھی حاصل رہے اور مختلف افراد و مجتمعات سے وہ خدمت بھی لی جاسکے جو اجتماعی فلاح کے لیے درکار ہے۔

سرمایہ داری اور اشتراکیت کی خامیاں

اس حقیقت کو جو شخص اچھی طرح سمجھ لے گا وہ پہلی ہی نظر میں یہ جان لے گا کہ جس طرح حریت فرد، فراخ دلی، سرمایہ داری اور بے دین جمہوریت کا وہ نظام اجتماعی عدل کے منافی تھا جو انقلاب فرانس کے نتیجے میں قائم ہوا تھا، ٹھیک اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اشتراکیت بھی اس کے قطعی منافی ہے جو کارل مارکس اور انجلز کے نظریات کی پیروی میں اختیار کی جا رہی ہے۔ پہلے نظام کا قصور یہ تھا کہ اس نے فرد کو حد مناسب سے زیادہ آزادی دے کر خاندان، قبیلے، برادری، معاشرے اور قوم پر تعدی کرنے کی کھلی چھوٹ دے دی اور اس سے اجتماعی فلاح کی خدمت لینے کے لیے معاشرے کی قوت ضابطہ کو بہت ڈھیلا کر دیا اور اس دوسرے نظام کا قصور یہ ہے کہ یہ ریاست کو حد سے زیادہ طاقت ور بنا کر افراد، خاندانوں، قبیلوں اور برادریوں کی آزادی قریب قریب بالکل سلب کر لیتا ہے اور افراد سے مجتمع کی خدمت لینے کے لیے ریاست کو اتنا زیادہ اقتدار دے دیتا ہے کہ افراد فری روح انسانوں کے بجائے ایک مشین کے بے روح پرزوں کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ بالکل جھوٹ کہتا ہے جو کہتا ہے کہ اس طریقے سے عدالت اجتماعیہ قائم ہوسکتی ہے۔

اشتراکیت ظلم اجتماعی کی بدترین شکل

درحقیقت یہ ظلم اجتماعی کی وہ بدترین صورت ہے جو کبھی کسی نمبرود، کسی فرعون اور کسی چنگیز خان کے دور میں بھی نہ رہی تھی۔ آخر اس چیزوں کو کون صاحب عقل اجتماعی عدل سے تعبیر کرسکتا ہے کہ ایک شخص یا چند اشخاص بیٹھ کر اپنا ایک اجتماعی فلسفہ تصنیف کرلیں، پھر حکومت کے غیر محدود اختیارات سے کام لے کر اس فلسفے کو زبردستی ایک پورے ملک کے رہنے والے کروڑوں افراد پر زبردستی مسلط کر دیں۔ لوگوں کے اموال ضباط کریں، زمینوں پر قبضہ کرلیں، کارخانوں کو قومی ملکیت بنائیں اور پوری ملک کو ایک ایسے جیل خانے میں تبدیل کر دیں جس میں تنقید، فریاد، شکایت، استغاثے اور عدالتی انصاف کا ہر دروازہ لوگوں کے لیے مسدود ہو۔ ملک کے اندر کوئی جماعت نہ ہو، کوئی تنظیم نہ ہو، کوئی پلیٹ فارم نہ ہو جس پر لوگ زبان کھول سکیں، کوئی پریس نہ ہو جس میں لوگ اظہار خیال کرسکیں اور کوئی عدالت نہ ہو جس کا دروازہ انصاف کے لیے کھٹکھٹا سکیں۔ جاسوسی کا نظام اتنے بڑے پیمانے پر پھیلا دیا جائے کہ ہر ایک آدمی دوسرے آدمی سے ڈرنے لگے کہ کہیں یہ جاسوس نہ ہو، حتیٰ کہ اپنے گھر میں بھی ایک آدمی زبان کھولتے ہوئے پہلے چاروں طرف دیکھ لے کہ کوئی کان اس کی بات سننے اور کوئی زبان اسے حکومت تک پہنچانے کے لیے کہیں پاس ہی موجود نہ ہو۔ پھر جمہوریت کا فریب دینے کے لیے انتخابات کروائے جائیں، مگر پوری کوشش کی جائے کہ اس فلسفے کے تصنیف کرنے والوں سے اختلاف رکھنے والا کوئی شخص ان انتخابات میں حصہ نہ لے سکے اور نہ کوئی ایسا شخص ان میں داخل ہو سکے جو خود اپنی کوئی رائے بھی رکھتا ہو اور اپنا ضمیر فروخت کرنے والا بھی نہ ہو۔

Marfat.com

بالفرض اس طریقے سے اگر معاشی دولت کی مساوی تقسیم ہو بھی سکے درآنحالیکہ آج تک کوئی اشتراکی نظام ایسا نہیں کرسکا ہے تب بھی کیا عدل محض معاشی مساوات کا نام ہے؟ میں یہ سوال نہیں کرتا کہ اس نظم کے حاکموں اور محکوموں کے درمیان بھی معاشی مساوات ہے یا نہیں؟ میں بھی نہیں پوچھتا کہ اس نظام کا ڈکٹیٹر اور اس کے اندر رہنے والا ایک کسان کیا اپنے معیار زندگی میں مساوی ہیں؟ میں صرف یہ پوچھتا ہوں کہ اگر ان سب کے درمیان واقعی پوری معاشی مساوات قائم بھی ہو جائے تو کیا اس کا نام اجتماعی عدل ہوگا؟ کیا عدل یہی ہے کہ ڈکٹیٹر اور اس کے ساتھیوں نے جو فلسفہ گھڑا ہے اس کو تو وہ پولیس اور فوج اور جاسوسی نظام کی طاقت سے بالجبر ساری قوم پر مسلط کر دینے میں بھی آزاد ہو اور قوم کا کوئی فرد اس کے فلسفے پر یا اس کی تنفیذ کے کسی چھوٹے سے جزوی عمل پر محض زبان سے ایک لفظ نکالنے تک میں آزاد نہ ہو؟ کیا یہ عدل ہے کہ ڈکٹیٹر اور اس کے چند مٹھی بھر حامی اپنے فلسفے کی ترویج کے لیے تمام ملک کے ذرائع و مسائل استعمال کرنے اور ہر قسم کی تنظیمات بنانے کے حق دار ہوں مگر ان سے مختلف رائے رکھنے والے دو آدمی بھی مل کر کوئی تنظیم نہ کرسکیں، کسی مجمع کو خطاب نہ کرسکیں اور کسی پریس میں ایک لفظ بھی شائع نہ کراسکیں؟ کیا یہ عدل ہے کہ تمام زمینداروں اور کارخانہ داروں کو بے دخل کر کے پورے ملک میں صرف ایک ہی زمیندار اور کارخانہ دار رہ جائے جس کا نام حکومت ہو اور وہ حکومت چند گنے چنے آدمیوں کے ہاتھ میں ہو اور وہ آدمی ایسی تمام تدابیر اختیار کرلیں جس سے پوری قوم بالکل بے بس ہو جائے اور حکومت کے اختیارات کا ان کے ہاتھ سے نکل کر دوسروں کے ہاتھ میں چلا جانا قطعی ناممکن ہو جائے انسان اگر محض پیٹ کا نام نہیں ہے اور انسانی زندگی اگر صرف معاش تک محدود نہیں ہے، تو محض معاشی مساوات کو عدل کیسے کہا جاسکتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں ظلم و جور قائم کر کے اور انسانیت کے ہر رخ کو دبا کر صرف معاشی دولت کی تقسیم میں لوگوں کو برابر بھی کر دیا جائے اور خود ڈکٹیٹر اور اس کے اذناب بھی اپنے معیار زندگی میں لوگوں کے برابر ہو کر رہیں، تب بھی اس ظلم عظیم کے ذریعہ سے یہ مساوات قائم کرنا اجتماعی عدل قرار نہیں پاسکتا بلکہ یہ جیسا کہ ابھی میں آپ سے عرض کر چکا ہوں، وہ بدترین اجتماعی ظلم ہے جس سے تاریخ انسانی کبھی اس سے پہلے آشنا نہ ہوئی تھی۔

اسلام میں عدل کا تصور

اب میں اختصار کے ساتھ آپ کو بتاؤں گا کہ اسلام میں جس چیز کا نام عدل ہے وہ کیا ہے۔ اسلام میں اس امر کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی شخص، یا انسانوں کا کوئی گروہ انسانی زندگی میں عدل کا کوئی فلسفہ اور اس کے قیام کا کوئی طریقہ بیٹھ کر خود گھڑ لے اور اسے بالجبر لوگوں پر مسلط کر دے اور کسی بولنے والی زبان کو حرکت نہ کرنے دے۔ یہ مقام ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کو تو کیا، خود محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی حاصل نہ تھا۔ اسلام میں کسی ڈکٹیٹر کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ صرف خدا ہی کا یہ مقام ہے کہ انسان اس کے حکم کے آگے بے چون و چرا سر جھکا دیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ خود بھی اس کے حکم کے تابع تھے اور ان کے حکم کی اطاعت صرف اس لیے فرض تھی کہ وہ خدا کی طرف سے حکم دیتے تھے کہ معاذ اللہ اپنے نفس سے گھڑ کر کوئی فلسفہ لے آتے تھے۔ رسول ﷺ اور خلفائے رسول کے نظام حکم میں صرف شریعت الٰہیہ تنقید سے بالاتر تھی۔ اس کے بعد ہر شخص کو ہر وقت ہر معاملے میں زبان کھولنے کا پورا حاصل تھا۔

Marfat.com

عدل واحسان

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ﴾ (النحل:۹۰)

اللہ عدل اور احسان صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔

اس مختصر سے فقرے میں تین ایسی چیزوں کا حکم دیا گیا ہے جن پر پورے انسانی معاشرے کی درستی کا انحصار ہے۔

پہلی چیز عدل ہے جس کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے اور دو زبان میں اس مفہوم کو لفظ انصاف سے ادا کیا جاتا ہے مگر یہ لفظ غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے اس سے خواہ مخواہ یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان حقوق کی تقسیم نصف نصف کی بنیاد پر ہو اور پھر اسی سے عدل کے معنی مساویانہ تقسیم حقوق کے سمجھ لیے گئے ہیں جو سراسر فطرت کے خلاف ہے۔ دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ برابری۔ بعض حیثیتوں سے تو عدل بے شک افراد معاشرہ میں مساوات چاہتا ہے مثلاً حقوق شہریت میں مگر بعض دوسری حیثیتوں سے مساوات بالکل خلف عدل ہے۔ مثلاً والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی و اخلاقی مساوات، اور اعلیٰ درجے کے خدمات انجام دینے والوں اور کم تر درجے کی خدمات ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ حقوق میں مساوات نہیں بلکہ توازن و تناسب ہے اور اس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی اور سیاسی و تمدنی حقوق پوری ایمان داری کے ساتھ ادا کیے جائیں۔

حوالہ جات

(۱) اسلامی ریاست، مولانا مودودیؒ۔ (۲) خلافت وجمہوریت، مولانا عبدالرحمٰن کیلانی۔ (۳) مطالعہ سیرت رسول ﷺ، مولانا وحید الدین خان۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ابرار خان- ایسوڑی پایاں، نوشہرہ

عدل کی تعریف:

قرآنِ کریم نے عدل کی تعریف برابر کے معنوں (یعدلون، فعدلك) میں کی ہے:(۱)اسی طرح لفظ قسط بھی عدل کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔(۲)لغت میں اس کے معنی ہیں:عدلٌ وعدالۃٌ وعدولۃٌ ومقدمۃٌ:انصاف کرنا، عدل-عدلاً: تیر کو سیدھا کرنا، برابر کرنا(۳) جب کہ اردو میں اس کے معنی:سیدھی راہ، بیچ کی راہ، توازن، غیر جانبداری، انصاف، ایمانداری۔عدل، برابر کے دو بوجھ جو مرّہ جانور کے دونوں جانب لادے جائیں۔(۴)

عدل اور قسط کا مفہوم:

''ائمہ لغت نے عدل کے معنی القضاء بالحق بیان کیے ہیں یعنی حق کے مطابق فیصلہ کرنا اور قسط کے معنی ہیں النصیب۔یعنی حصہ اور حق۔دونوں کا حاصلِ مراد ایک ہے یعنی حقدار کو اس حق دلانا۔(۵)

قضا اور احتساب کا مفہوم:

قضا کی تعریف:

''اور تیرے رب نے فیصلہ کردیا ہے کہ عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی''(۶)قضاء کے معنی ہیں لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرنا اور اس قانون کے مطابق فیصلہ کرنا جو اللہ نے نازل کیا ہے۔(۷)

مفسرین کے مطابق:عدل سے بڑھ کر کوئی معروف نہیں اور ظلم سے بدتر کوئی منکر نہیں(۱۸)۔ جب کہ آئمہ امت نے ایمان کے بعد حق کے مطابق فیصلے کرنے کو قوی ترین فرائض اور مقدس ترین عبادات میں شمار کیا ہے(۹)۔

الفارابی کے مطابق: عدل سب سے پہلے اچھی مشترک چیزوں مثلاً سلامتی، مال و متاع، عزت و کرامت اور درجات وغیرہ، جن میں ہر ایک کا اہلیت کے مطابق حصہ ہوتا ہے، تقسیم ہوتا ہے۔اس میں کمی و بیشی ظلم ہے۔کسی شخص کے حصے میں کمی اس پر ظلم ہے اور اہلیت سے زائد حصہ ملنا اہلِ شر پر ظلم ہے۔اس لیے عدل پر زور دیتے ہوئے کہا گیا ہے:شہر (ریاست) کے اجزا اور اس اجزا کے درجات آپس میں محبت کے ذریعہ متحد اور مربوط اور عدل و اعمال سے مضبوط و محفوظ ہوتے ہیں۔(۱۰)

احتساب کی تعریف ابنِ قیم کے مطابق:''وہ حکم جو لوگوں پر ان کی طرف سے دعویٰ کے بغیر ہوتا ہے اور کسی کے دعویٰ پر موقوف نہیں، اسے الحسبہ کہتے ہیں اور اس کی نگرانی کرنے والے کو حسبہ یعنی محتسب۔''(۱۱)

Marfat.com

احتساب عدل ہی کی ایک شاخ ہے اور عدل سے اس کا گہرا تعلق رہا ہے، نیز محتسب حسبتہ اللہ اور احتساب اللہ ہر اس حکم کو بجالاتے رہتے ہیں، جو عدل یعنی معروف اور ظلم یعنی منکر میں امتیاز روا رکھتے ہوئے اسے احتساب کرنے کی طرف، مائل کرتے ہیں۔اسی لیے فقہاء کرام نے اس حقیقت کا اعادہ کیا کہ حقوق اللہ، حقوق العباد اور مشترکہ حقوق کی نفی اور ان سے پہلو تہی بھی ظلم ہے اور ان کا ازالہ ہر لحاظ سے عدل (۱۲)۔

حاکم، قاضی (جج) اور محتسب کے اختیارات:

''وہ منصف (جج) جسے شریعتِ اسلامی کے نظریے کے مطابق ان تمام مقدمات کا فیصلہ کرنا پڑتا ہے' جن پر دیوانی یا فوجداری قانون کا اطلاق ہوتا ہے۔تاہم عملی طور پر تمام مشرقی اسلامی ممالک میں زمانہ قدیم سے قانونی نظم ونسق کے دو طریقے چلے آتے ہیں' جو کسی حد تک بجا طور پر دینی اور دنیوی کے نام سے ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔فقط وہ امور جن کا دین سے گہرا تعلق ہے' مثلاً ازدواجی تعلقات یا وراثت سے متعلق مقدمات یا خیرات ومبرات و اوقاف سے متعلق قانونی مسائل وغیرہ' قاضی کے پاس قانون شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کے لیے لائے جاتے ہیں۔باقی تمام معاملات مشرق میں مقبولِ عام رائے کے مطابق حکام کے انتظامی حلقہ اختیار میں آتے ہیں''۔(۱۳)

آپ ﷺ نے نبوت وقبل از نبوت عدل و انصاف کی ایسی روایت کی طرح ڈالی' جس کی انسانی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔انہوں نے نبوت کے بعد قرآن کی روشنی میں حیرت انگیز فیصلے کیے' جسے تاریخ نے رہتی دنیا تک محفوظ کیا۔حدود، قصاص، دیت، قسامت، قتل، جہاد و قتال، مالِ غنیمت، مالِ فئی، عہدو پیمان، حلال وحرام، رضاعت، طلاق وخلع، عدت، جھگڑوں، تنازعاتِ متفرق، فرائض، تجارت، لین دین، خرید وفرخت و دیگر متفرق مسائل ''الموسوعۃ القضائیۃ'' (۱۴) نے قیامت تک آنے والے انسانوں اور عدل سے وابستہ حکام و اہلِ قضا (جج) کے لیے رہنما اصول فراہم کیے، جس کی پیروی یقینی کامیابی کی ضامن ثابت ہوگی۔

''علمِ وحی پر مشتمل تمام کتب وصحائف میں انصاف پروری اور عدل گستری کی تعلیم دی گئی ہے۔اسلامی ریاست میں عدل کے نفاذ کے ذمہ دار ادارے قائم کیے گئے۔اسلامی عدالتوں سے انسانی حقوق کے اتلاف' بشری اختلافات اور باہمی تنازعات نیز ریاست سے متعلقہ امورِ اجتماعی خرابیوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے عظیم الشان فیصلے کیے ہیں اور نظائر چھوڑے ہیں۔ان سب کا مطالعہ دینی حکمت وبصیرت کے بہت سے باب روشن کرتا ہے۔''(۱۵)

عدل کی اقسام:(۱۶)

۱:عدلِ انفرادی

۲:عدلِ اجتماعی

Marfat.com

عدلِ انفرادی:

انفرادی اعمال و معاملات میں عدل توازن و اعتدال قائم رکھنا انفرادی عدل کے دائرے میں آتا ہے کہ یہ فرد کی ذات تک محدود ہوتا ہے۔

عدلِ اجتماعی کا مفہوم:

اجتماعی عدل سے مراد زندگی کے تمام شعبوں میں بحیثیت مجموعی عدل توازن و اعتدال قائم رکھنا، جس کے بہت سارے شعبے ہیں: مثلاً کلمۂ عدل، کسی پر زیادتی نہ کرنا، حفظِ مراتب، ادائے حق اور عدالتی انصاف وغیرہ۔ سید قطب شہید کے مطابق عدلِ اجتماعی تین اصولوں پر قائم ہے:

۱: مطلق اور مکمل آزادیِ ضمیر

۲: کامل انسانی مساوات

۳: ٹھوس اور پائیدار اجتماعی تکافل۔(۱۷)

معیشت یعنی نظامِ اقتصاد، اجرت، آجر و اجیر، کاروبار، سود، انفاق فی سبیل اللہ، زکوٰۃ وغیرہ کے اصول وضوابط و دیگر جملہ معاشی و معاشرتی معاملات کی بنیاد عدل کے ہمہ گیر تصور پر رکھی گئی (۱۸)۔

عدل کی روح:

عدل کا تقاضا مساوات اور برابری نہیں ہے بلکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی شخص کے ساتھ بغیر کسی افراط وتفریط کے وہ معاملہ کرنا جس کا وہ مستحق ہے۔ عدل و انصاف کی ترازو ایسی صحیح اور متوازن ہونی چاہیے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اس کے دونوں پلڑوں میں سے کسی کو جھکا نہ سکے۔ اور ظلم کے معنے ہیں ''وضع الشیء فی غیرِ محلہ'' کسی چیز کو اس کے اصل مقام کے علاوہ دوسرے مقام پر رکھنا۔'' یعنی حق دار کی حق تلفی کرنا۔ کسی شخص کا حق روک لینا اور دبا دینا بھی ظلم ہے اور اس کا حق دوسرے شخص کو دے دینا بھی ظلم ہے اور حق کی ادائیگی میں کمی کرنا یا تاخیر کرنا بھی ظلم ہے۔(۱۹)

اللہ تعالیٰ، نظامِ کائنات اور عدل:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں: اور اس نے آسمان کو بلند کیا۔ اور میزان قائم کیا تاکہ تول میں حد شکنی نہ کرو، اور وزن قائم کرو۔ انصاف اور میزان میں کمی نہ کرو۔''(۲۰)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے انسان کس چیز نے تجھے بھول میں ڈال دیا ہے تیرے ربِ کریم کے، جس نے تجھے خلق کیا۔ پھر تجھ میں ہمواری پیدا کی۔ پھر تجھ میں عدل (توازن) کا نظام قائم کیا۔''(۲۱)

ربِ کائنات نے نظامِ ارض وسما، حجم و وزن، افراط وتفریط، وحدت و کثرت، تغیر وتبدل، حرکت وسکون، بنجر و زرخیز،

Marfat.com

خشک و سیراب، فنا و بقا اور موت وحیات کے لحاظ سے پوری کائنات میں حکمت و تدبر کا حیرت انگیز توازن قائم کیا ہے، جس میں صاحبِ عقل وبصیرت کے لیے بہت ساری نشانیاں ہیں۔

اجل ہے لاکھوں ستاروں کی ایک ولادتِ مہر
فنا کی نیند مئے زندگی کی مستی ہے
وداعِ غنچہ میں ہے رازِ آفرینشِ گل
عدم عدم ہے کہ آئینہ دارِ ہستی ہے(۲۲)

توازن قائم رہے تو نظامِ کائنات، انسانی سوچ وفکر، شعور و لاشعور، خیال وتخیل اور خواہش و آرزو کی ہر جھلک حقیقت بن جاتی ہے۔ کائنات کے سربستہ راز ہوں کہ سائنس وٹیکنالوجی کا طلسمی انداز، تخیل و رومان کی دلآویزی ہو کہ حسن و الفت کی سحر آمیزی، تسخیرِ شمس وقمر ہو کہ آسودگیِ قلب ونظر، زندگی دائمی بہاروں کی آغوش میں ہوتی ہے، اور توازن ٹوٹ جائے تو نظامِ کائنات سے لے کر سوچ وفکر کی بلند و بالا پروازیں اور تخیّل و رومان کی چرخ نما رفعتیں تک منہ کے بل گر جاتی ہیں۔ زندگی قابلِ نفرت جب کہ بنیادی انسانی سیاسی، سماجی اور معاشرتی حقوق وفرائض کتاب نما قبرستانوں میں دفن ہوجانے لگتے ہیں۔ عدم مساوات، ظلم و جبر، غربت و جہالت، بھوک و افلاس، بیروزگاری، مادہ پرستی و ناانصافی کا زہر قوموں کی رگ رگ میں اتر جاتا ہے۔ فحاشی عریانی، چوری ڈاکہ زنی، ظلم و بربریت، دہشت گردی ولاقانونیت معاشروں کی بنیادیں ہلا دیتا ہے۔ چادر و چاردیواری کا تصور ختم جب کہ ضمیر فروشی وجسم فروشی رویہ بن جاتا ہے۔ حقوق و انصاف کی ناتواں چیخیں سینے میں دم توڑ دیتی ہیں۔ ذہنی صلاحیتیں زنگ آلود ہوتی ہیں جب کہ معاشرے پر جھوٹ، منافقت، ظلم و نا انصافی، معاشی و معاشرتی استحصال اور سرمایہ دارانہ نظام کا راج ہونے لگتا ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ اپنے کلمات وآیات تک کے متعلق کہتے ہیں کہ ''اور تیرے رب کا کلمہ صدق اور عدل میں پورا ہے۔''(۲۳) گویا ربِّ کائنات سے متعلقہ جملہ نظامِ ربوبیت توازن اور عدل کی بنیاد پر قائم ہے۔

پوری انسانیت کو اے ابنِ آدم !اے لوگو! کے کلمے سے مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ ''تقویٰ'' کو ہر انسان کے لیے شرف اور برتری کی معراج قرار دیتے ہیں۔ رنگ ونسل، اعلیٰ و برتر ودیگر غیر فطری امتیازات امتیازات کا خاتمہ کرکے انسانیت کو رواداری کی لڑی میں پروتے ہوئے امن وسلامتی (اسلام) کے حقیقی سرچشموں سے فیضیاب کرانا چاہتے ہیں''(۲۴)

قرآن میں فرماتے ہیں:اے لوگو! بے شک ہم نے تم کو ایک مرد وعورت (آدم وحوا) سے پیدا کیا اور ہم نے تمہاری پہچان کے لیے تم کو قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا۔ بے شک تم میں زیادہ باعزت اللہ تعالیٰ کے وہی ہے جو زیادہ متقی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اخبردار ہے۔'' (۲۵)

عدل کی بجا آوری کو اللہ تعالیٰ نے اسی لیے ''تقویٰ'' کے قریب قرار دیا ہے:''عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے''۔(۲۶)

''بندگی و پرہیزگاری کا عمل دراصل سکون کا متقاضی ہے کہ بگاڑ، انتشار اور ٹکراؤ فکر وعمل دونوں کے لیے زہرِ قاتل

Marfat.com

ہیں‘جس سے توحید کے مقابلے میں شری قوتیں متحرک ہوتی ہیں۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے ’’رحمت للعالمین ﷺ‘‘ کے ذریعے اہلِ عالم کوتوحید کی دعوت اسی لیے دی گئی کہ وہ دنیا کوامن وسلامتی کی بستی بنانا چاہتے ہیں۔آپ ﷺ قرآن کے اس پیغام کے ساتھ اہلِ کتاب سے مخاطب ہوتے ہیں:

’’اے اہلِ کتاب !آؤایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے‘ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں‘اس کے ساتھ کسی کوشریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کواپنا رب نہ بنا لے۔‘‘(۲۷)

بعثتِ نبوی اور نظام عدل:

اسلامی ریاست کا بنیادی مقصد دراصل اقامتِ دین ہے اور محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(اللہ) نے تمھارے لیے دین کا وہی رستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے) کا نوحؑ کوحکم دیا تھا اور (اے محمد ﷺ) ہم نے تمھاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کوحکم دیا تھا(وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔‘‘(۲۸) ’’کہ دیجیے !اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں‘‘(۲۹)‘اور مجھ کوحکم دیا گیا ہے کہ انصاف کروں تمھارے درمیان۔‘‘(۳۰)’’کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی بات کا فیصلہ کردیں تو پھراسے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار رہے۔اور جوشخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا تو وہ صریح گمراہی میں پڑ جائے گا۔‘‘(۳۱)

’’تمہارے رب کی قسم یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دل میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں۔بلکہ اس کے سامنے سرتسلیم پوری طرح خم کریں۔‘‘(۳۲)

’’لاریب کرۂ ارض پر الہامی دستور(قرآن) کے مطابق عالمگیر انسانی معاشرے کی تشکیل عین منشائے ایزدی ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے ’’رحمت للعالمین ﷺ‘‘ اور خود ان ﷺ کی امت‘امتِ واحدہ ﴿اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾(۳۳) کے روپ میں صوری ومعنوی تشکیل دراصل اسلامی نظامِ حیات و معاشرت کے لباس میں سابقہ جملہ نظام ہائے دنیاوی کی نئی تشکیل‘تجدید وارتقا ہے کیونکہ اسلام قدرتی بناوٹ‘الہامی فکروتفلسف اور پیغمبر ﷺ کی عملی زندگی کے لحاظ سے مکمل ضابطۂ حیات کا نام ہے۔‘(۳۴)ان غیر معمولی صفات کا فطری نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو پوری انسانیت کے لیے بطورِ مثالی نمونہ (رول ماڈل) پیش کیا:

’’اسوۂ کاملہ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ اور بے شک آپ ﷺ کی زندگی میں لوگوں کے لیےعمل کا بہترین نمونہ موجود ہے۔‘‘(۳۵)اسی لیے حکیم الامت علامہ اقبال نے مسلمان کواس احساس کا ادراک کرنے کی بار بارتلقین کی اور بھولا ہواسبق یاد دلایا:

Marfat.com

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو زباں تو ہے
یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے
پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہو وہ کارواں تو ہے
مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو جاوداں تو ہے
حنا بندِ عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے معمارِ جہاں تو ہے
تری فطرت امیں ہے ممکناتِ زندگانی کی
جہاں کے جوہرِ مضمر کا گویا امتحاں تو ہے
جہانِ آب و گل سے عالمِ جاوید کی خاطر
نبوت ساتھ جس کو لے گئی وہ ارمغاں تو ہے
یہ نکتہ سرگزشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوامِ زمینِ ایشیا کا پاسباں تو ہے
سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا(۳۶)

آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کا معجزہ:

آپ ﷺ کی ولادت و بعثت کا بنیادی مقصد توحید کی بنیاد پر انسانی معاشرے کی تشکیل، عدل و مساوات کا آغاز اور غیر فطری نظام ہائے انسانی کا خاتمہ تھا۔ آپ ﷺ کی ولادت (ظہورِ قدسی) کے متعلق علامہ شبلی نعمانی نے لکھا:

چمنستانِ دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آ چکی ہیں، چرخِ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزمِ عالم اہلِ سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار نیں پیرِ کہن سالِ دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیے۔ سیارگانِ فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے۔ چرخِ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لیے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔ کارکنانِ قضا و قدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں، ابروباد کی تردستیاں، عالمِ قدس کے انفاسِ پاک، توحیدِ ابراہیمؑ، جمالِ یوسفؑ، معجزہ طرازیِ موسیٰؑ، جان نوازیِ مسیحؑ، سب اسی لیے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں شاہنشاہِ کونین کے دربار میں کام آئیں گے۔ آج کی صبح وہی صبح جاں نواز، وہی ساعتِ ہمایوں، وہی دورِ فرخ فال ہے۔

Marfat.com

اربابِ سیر اپنے محدود پیرائیہ بیان میں لکھتے ہیں کہ ''آج کی رات ایوانِ کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے' آتش کدۂ فارس بجھ گیا' دریائے ساوہ خشک ہوگیا''۔لیکن سچ یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہیں بلکہ شانِ عجم' شوکتِ روم' اوجِ چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے' آتش کدۂ فارس نہیں بلکہ جحیم شر' آتش کدۂ کفر' آذر کدۂ گمراہی سرد ہوکر رہ گئے۔صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی۔بتکدے خاک میں مل گئے۔شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا۔نصرانیت کے اوراقِ خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔توحید کا غلغلہ اٹھا' چمنستانِ سعادت پر بہار آ گئی۔آفتابِ ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں۔اخلاقِ انسانی کا آئینہ پرتوِ قدس سے چمک اٹھا۔یعنی یتیم عبداللہ' جگر گوشۂ آمنہ' شاہِ حرم' حکمرانِ عرب' فرمانروائے عالم' شہنشاہِ کونین عالمِ قدس سے عالمِ امکان میں تشریف فرمائے عزت و اجلال ہوا۔'' (۳۷)

جس طرح آپ ﷺ جامع الصفات تھے اس طرح شریعت ﷺ بھی جامع تھی: ﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ﴾ ''آج سے ہم نے تمھارے دین کو تمھارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی' اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے لیے پسند کیا۔'' (۳۸)

عدل اور قرآن مجید:

اللہ تعالیٰ عبادات و معاملاتِ زیست سے لے کر دنیا و آخرت کے مراحل تک انسانانِ عالم کو عدل و انصاف کا حکم دیتے ہیں۔

> ''اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعادِ مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمھارا آپس کا معاملہ عدل سے لکھے۔'' (۳۹)

اے ایمان والو! عدل و انصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے بن جاؤ' گو وہ خود تمھارے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے رشتہ دار' عزیز کے' وہ شخص اگر امیر ہو تو اور فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے۔اس لیے تم خواہشِ نفس کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑ دینا۔اور اگر تم نے کج بیانی یا پہلو تہی کی تو جان لو جو کچھ تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔'' (۴۰)

اور ناپ تول پوری پوری کرو' انصاف کے ساتھ۔ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو' گو وہ شخص قرابت دار ہی کیوں نہ ہو'' (۴۰)

اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ۔کسی قوم کی عداوت تمھیں خلافِ عدل پر آمادہ نہ کر دے۔عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال سے باخبر ہے۔'' (۴۱) اور قومِ موسیٰ میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے مطابق ہدایت کرتی ہے اور اس کے مطابق انصاف بھی کرتی ہے۔'' (۴۲) ''اور ہماری مخلوق میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتی ہے اور اس کے موافق انصاف بھی کرتی ہے۔ (۴۳)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ عدل کا' بھلائی کا' اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں' ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے۔اور خود تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ تم رحمت حاصل کرو۔''(۴۴)''اللہ تعالیٰ' فرشتے اور اہلِ علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل کو قائم رکھنے والا ہے۔اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔''(۴۵)''اگر تم فیصلہ کرو اور ان میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو' یقیناً عدل و انصاف کے ساتھ اللہ محبت رکھتا ہے۔''(۴۶)''قیامت کے دن ہم درمیان میں لا رکھیں گے' ٹھیک ٹھیک تولنے والی ترازو۔پھر کسی کچھ ظلم نہ کیا جائے گا۔''(۴۷)

''اور عدل کرو' بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''الحجرات۴۹:۹)''یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمایا' تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔''(۴۸) ''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔''(۴۹)''تیرے رب کا کلام صدق اور عدل میں ہے''(۵۰)''اور جو بے انصاف ہیں وہ ہوئے دوزخ کا ایندھن۔''(۵۱)

''اور داؤدؑ و سلیمانؑ (کو یاد کیجیے) جب وہ اس کھیتی کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے۔جس میں رات کے وقت دوسرے لوگوں کی بکریاں پھیل گئی تھیں اور ہم ان کی عدالت خود دیکھ رہے تھے۔اس وقت ہم نے صحیح فیصلہ سلیمانؑ کو سمجھا دیا حالانکہ حکم اور علم ہم نے دونوں ہی کو عطا کیا تھا۔''(۵۲)

﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ ''اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو۔''(۵۳)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں:

اسلامی ریاست کی تمام رعایا کو آئینی اور قانونی مساوات حاصل ہوتی ہے۔اس آیت میں صرف عدل بین المسلمین کا حکم نہیں دیا گیا۔قانون کے نفاذ اور بے لاگ انصاف کے قیام میں نسل' رنگ' وطن زبان اور مذہب و مسلک کا فرق جائز نہیں ہے۔اسلامی ریاست میں غیر مسلم اقلیت کی جان و مال اور آبرو اسی طرح محترم ہے جس طرح مسلمان اکثریت کی جان و مال اور آبرو محترم ہے۔(۵۴)

قرآن کریم نے توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کے بعد جس مسئلے پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ ہے انسانوں کے درمیان عدل و انصاف کا قیام' ظالموں اور غاصبوں کو سزا دے کر بنی نوع انسان کے حقوق کا تحفظ اور جابر لوگوں کو حق وانصاف کی قوت اور اقتدار کے سامنے جھکانا۔''

عدل اور آپ ﷺ کا نقطۂ نظر:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمہاری طرح انسان ہوں۔تم میرے پاس اپنے مقدمات لاتے ہو۔ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے مدمقابل کی نسبت زبان پر زیادہ قدرت رکھتا ہو۔پس اگر ایسی صورت ہو اور میں اس کے حق میں

Marfat.com

فیصلہ دوں' حالانکہ حقیقت میں وہ اس کے بھائی کا حق ہو'تو وہ اس میں سے ذرہ برابر کوئی چیز نہ لے کیونکہ یہ تو اس کے لیے آگ ہے۔(۵۵)

عدلِ اجتماعی اور تعلیماتِ رسول ﷺ:

امام ابنِ تیمیہ کے مطابق سیاست الشرعیہ فی الراعی اور الرعیہ یعنی سیاستِ شرعیہ کے دو اساسی اصول ہیں:
(۱)اداء الامانات (۲) حکم بالعدل(۵۶)

عادل حکمران یا عدل کی حکمرانی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو ان (حاکم) کے کذب اور ظلم میں ان کا ساتھ دے'وہ میری امت سے نہیں' نہ ہی میرا اس کے ساتھ کوئی رشتہ ہے اور نہ ہی میرے پاس حوض کوثر پر آسکتا ہے۔(۵۷)

اس حدیث میں عادل حکمران کی اطاعت اور ظالم حکمران کی عدم اطاعت کی تلقین کی گئی ہے'رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کی تعلیم وتربیت انہی لازوال تعلیمات کی بنیاد پر کی تھی' یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو سب سے پہلا خطبہ تعلیماتِ قرآن کے ساتھ ساتھ اس حدیث کی روشنی میں پیش کیا:

''لوگو میں تمہارا حکمران بنایا گیا ہوں' حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔پس اگر میں ٹھیک کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر غلطی کروں تو پھر مجھے سیدھا کرلیا کرو۔سچ بولنا امانت ہے اور جھوٹ بالنا خیانت۔تم میں سے کمزور شخص میرے دربار میں طاقت ور ہوگا' جب تک کہ میں اس کا حق نہ دلوادوں اور تم میں سے طاقتور شخص کمزور ہوگا جب تک کہ میں اس سے مظلوم کا حق نہ لے لوں۔جو قوم اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چھوڑ دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے فقر و ذلت میں مبتلا کردیتا ہے۔جس قوم میں بے حیائی کے کام پھیل جاتے ہیں تو اللہ اس پر مصائب نازل کردیتا ہے۔میری اطاعت کروگے جب تک کہ میں خود اللہ اس کے رسول کی اطاعت کرتا رہوں۔لیکن جب میں ان کی نافرمانی پر اتر آؤں تو پھر تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔(۵۸)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے خدا کے دین کو قائم کرنے والی حکومت کا احترام دنیا میں کیا ہوتو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس پر اپنا کرم فرمائے گا۔اور جس نے ایسی حکومت کی تحقیر وتوہین دنیا میں کی ہوتو اللہ قیامت کے روز اس کو ذلیل اور رسوا کرے گا۔''(۵۹)''میری امت کے دوقسم کے لوگوں کی حالت جب تک درست ہوگی تو امت کی حالت بھی درست اور بہتر ہوگی اور جب ان کی حالت خراب ہوجائے گی تو امت میں بھی بگاڑ اور خرابی پیدا ہوجائے گی ان سے مراد حکمران اور علما ہیں۔(۶۰)''جو حاکم اپنے دروازے حاجت مندوں پر بند رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی حاجت کے لیے آسمان کے دروازے بند کردیتا ہے،(رحمت کے دروازے)(۶۱)''اسلامی حکومت زمین میں اللہ کی رحمت کا سایہ ہے جس نے اس قسم کی عادل حکومت کا احترام کیا تو اللہ اس پر اپنا کرم فرمائے گا۔اور جس نے اس حکومت کی توہین کی تو اللہ اس کو ذلیل کردے گا۔''(۶۲)

آپ ﷺ نے فرمایا: عادل اللہ کا محبوب اور قریب ترین بندہ ہے اور ظالم اللہ کی رحمت اور نظرِ کرم سے دور ہوتا ہے۔''

Marfat.com

نبی کریم ﷺ نے اصحاب کرام سے فرمایا: جانتے ہو! سب سے پہلے اللہ کے سایہ میں کون جائے گا؟

صحابہ کرامؓ نے جواب دیا: اللہ اور اس کے رسول کو اس بات کا زیادہ علم ہے۔ تو پھر آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے سامنے جب حق آجائے تو اس کو قبول کرتے ہیں اور ایسا عادلانہ کرتے ہیں جیسے اپنے لیے کرتے ہیں۔''(۶۳)

عادل حکمران کی فضیلت:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انصاف کرنے والے اللہ کے نور کے ممبروں پر خدائے مہربان کے دائیں ہاتھ پر بٹھائے جائیں گے اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حکومت کے معاملات میں بھی انصاف کرتے ہوں اور گھر والوں کے درمیان بھی انصاف کرتے ہوں۔ اور جو ذمہ داری بھی ان کے سپرد کی گئی ہو اس میں بھی انصاف کرتے ہوں۔(۶۴)''قیامت کے دن اللہ کے دربار میں بہترین مرتبے والا حکمران وہ ہوگا جو نرمی کرنے والا ہو اور بدترین شخص مرتبے میں قیامت کے دن وہ حکمران ہوگا جو لوگوں پر سختی کرتا ہو۔''(۶۵)'عادل حکمران کا ایک دن ۶۰ سال کی نفلی عبادت سے بہتر ہے اور ایک شرعی سزا جو حق و انصاف کے ساتھ زمین میں قائم کی جاتی ہے چالیس روز کی بارش سے زیادہ برکت لاتی ہے۔''(۶۶)

عادل حکمران کا مقام و مرتبہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین افراد کی دعا رد نہیں کی جاتی: روزہ دار کی... عادل حکمران کی... مظلوم کی۔''(۶۷)

''اسلامی حکومت یا عادل حکمران زمین پر اللہ کی رحمت کا سایہ ہے جس کے پاس اللہ کے بندوں میں سے ہر مظلوم دادرسی اور انصاف کے لیے رجوع کرتا ہے اگر اس نے انصاف کیا تو اس کو اس کا اجر ملے گا اور رعیت پر اس انصاف کا شکر واجب ہوگا۔''الترغیب للمنذری (۶۸)''کسی پر رشک کرنا مناسب نہیں ہے مگر دو آدمیوں پر رشک کرنا جائز ہے۔ ایک وہ جسے اللہ نے مال دیا ہو اور اسے نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے کی توفیق دی ہو اور دوسرا وہ شخص ہے جسے اللہ نے شریعت کا علم دیا ہو جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے تنازعات کا فیصلہ کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔''(۶۹)''جو شخص قاضی بننے کی خواہش رکھتا ہو اس کے لیے درخواست دیتا ہو اور اس منصب کے حصول کے لیے سفارش لاتا ہو وہ اپنے نفس کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور جس کو خواہش اور طلب کے بغیر قاضی بنا دیا گیا ہو تو اسے راہِ راست پر ثابت قدم رکھنے کے لیے اللہ فرشتے بھیجتا ہے۔''(۷۰)

حضرت ابوذر نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ مجھے کسی جگہ کا حاکم مقرر فرمائیں۔ تو آپ ﷺ نے جواب دیا:

اے ابوذر! آپ ضعیف آدمی ہیں اور منصب ایک امانت ہے جس کی وجہ سے قیامت کے دن انتہائی ذلت اور رسوائی ہوگی۔ سوائے اس شخص کے جس نے امانت کا حق پورا ادا کر دیا۔ (یقیناً وہ ذلت سے بچ گیا۔(۷۱)

''ان احادیث میں عدل و انصاف کی فضیلت بیان ہوئی ہے اور عادل حکمران کو سایہ رحمتِ خداوندی 'نور کے منبر پر

Marfat.com

بٹھانے اور بلند مرتبے کی بشارت دی گئی ہے، معلوم ہوا کہ حکومت بالعدل ایک قسم کی عبادت ہے۔" (۷۲)

منصبِ عدل کی نزاکت، عدل سے روگردانی، نا اہل حکمرانوں اور قاضیوں کے لیے وعید:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ایک جنت میں جائے گا اور دو جہنم میں جائیں گے۔جنت میں وہ قاضی جائے گا جو حق کو جانتا ہو اور اسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہو۔اور جو قاضی حق کو جانتے ہوئے قصداً فیصلہ دینے میں ظلم کرتا ہو وہ جہنم میں جائے گا اور جو جاہل ہونے کے باوجود یہ ذمہ داری قبول کر کے لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہو وہ بھی جہنم میں جائے گا۔(۷۳)

فقہائے امت کے مطابق: مزمت، قضاء کی حدیث اس قاضی کے بارے میں ہے جو جاہل ہو یا عالم تو ہو مگر فاسق ہو یا اس قاضی کے بارے میں ہے جو اس منصب کا طالب ہو باوجود اس کے کہ اس کو اپنے اوپر یہ اعتماد نہ ہو کہ رشوت لینے سے بچ سکوں گا۔ بلکہ یہ خطرہ ہو کہ وہ رشوت لینے پر آمادہ ہوجائے گا یا فرض ادا نہ کرسکے گا یہ ظلم سے نہ بچ سکے گا۔" (۷۴)

"اللہ قاضی کے ساتھ ہوتا ہے جب تک کہ اس نے ظلم نہ کیا ہو اور جب وہ ظلم کرتا ہو تو اللہ کی مدد اس سے علیحدہ ہوجاتی ہے۔اور شیطان اس پر قبضہ کرتا ہے۔نیل الاوطار، ۲۰۴"جس شخص نے قضا کی طلب کی یہاں تک کہ اس منصب کو حاصل کیا۔پھر اس کا عدل اس کے ظلم پر غالب آگیا تو اس کے لیے جنت ہے اور جس کا ظلم اس کے عدل پر غالب آگیا تو اس کے لیے جہنم ہے۔(۷۵)"رشوت دینے و لینے والے دونوں پر اللہ کی لعنت ہے۔" (۷۶)"امراء اور حکام کا تحفے وصول کرنا خیانت ہے۔(۷۷)"قیامت کے دن منصف قاضی پر بھی ایک وقت ایسا آئے گا جب وہ حسرت سے کہے گا کہ اے کاش! میں نے دو آدمیوں کے درمیان ایک کھجور کے بارے میں بھی فیصلہ نہ کیا ہوتا۔" (۷۸)

حضرت حمزہؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ: یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ایسا منصب دیجیے جس سے میں گزر بسر کرسکوں"

حضور ﷺ نے فرمایا: اے حمزہؓ! کیا تمھیں کسی شخص کو زندہ رکھنا زیادہ پسند ہے یا ہلاک کرنا؟

حضرت حمزہؓ نے جواب دیا زندہ رکھنا! آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر اپنے کام سے کام رکھنا (یعنی کسی عہدے کے لالچ میں مت آنا" (۷۹)

مبادیاتِ عدل؛ تقاضاہائے عدل:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھی طرح جان لو! کہ تم میں سے ہر ایک نگران اور ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق بازپرس کی جائے گی۔مرد اپنے گھروں کی نگرانی کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا، عورت اپنے شوہر کے گھر اور اولاد کی نگران اور ذمہ دار ہے اور اس سے ان کے متعلق پوچھا جائے گا۔غلام یا ملازم اپنے آقا کے مال کا نگران اور محافظ ہے اور اس سے بھی اس مال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔دوبارہ سن لو! کہ تم میں سے ہر ایک

Marfat.com

حکمران اور نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔''(۸۰)''حکمران ایک ڈھال ہے جس کی قیادت میں لڑائی لڑی جاتی ہے اور اس کے ذریعے لوگوں کو تحفظ ملتا ہے اگر اس نے تقوی کا حکم دیا ہو اور انصاف کیا ہو تو اسے اس کا اجر ملے گا'لیکن اگر اس نے عدل وتقوی کے خلاف حکم دیا ہو تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔''(۸۱)''جس شخص کو لوگوں کا قاضی بنایا گیا ہو تو وہ چھری کے بغیر ذبح کر دیا گیا ہے۔''(۸۲)

آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو یمن کا گورنر کا بھجنا چاہا تو حضرت علیؓ نے کہا یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ مجھے قاضی بنا کر بھیج رہے ہیں حالانکہ میں نوعمر ہوں اور مجھے قضا کا کوئی تجربہ بھی نہیں۔حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ عزوجل تمہارے قلب کی رہنمائی فرمائے گا اور تمھاری زبان سے صحیح فیصلے کرائے گا۔پھر آپ ﷺ نے ہدایت کی کہ جب فریقین تمھارے سامنے آکر بیٹھ جائیں تو ایک کی بات سن کر فیصلہ صادر نہ کرنا بلکہ دوسرے فریق کی بات بھی اسی طرح سننا جس طرح پہلے کی سنی تھی۔اس سے صحیح فیصلے تک پہنچنے میں تمھیں مدد ملے گی۔''(۸۳)حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں مسلسل قاضی رہا اور مجھے کسی فیصلے کے بارے میں تردد نہیں ہوا۔''(۸۴)''ہرگز فیصلہ نہ کرے کوئی فیصلہ کرنے والا اس وقت تک جب کہ وہ غصے کی حالت میں ہو۔''(۸۵)''مقدمے کے فریقین کو قاضی کے سامنے برابر بیٹھنا چاہیے۔''(۸۶)''جو شخص قاضی بنایا گیا ہو اسے فریقین کو اشارہ کرنے میں بٹھانے کی جگہ میں اور طرز گفتگو میں مساوی سمجھنا چاہیے۔(۸۷)

عدالت کے دروازے کھلے رکھنا:

بعض احادیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ کے دروازے پر کوئی دربان نہیں تھا'جب کہ بعض احادیث کے مطابق ترتیب وتنظیم برقرار رکھنے کے لیے دربان موجود ہوتا تھا'خلفائے راشدین کا بھی یہی دستور تاریخ میں مزکور ہے۔

محدثین نے بظاہر ان متعارض روایات میں موافقت اور تطبیق کی دو صورتیں بیان کی ہیں۔ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے لیے بواب راتب یعنی مستقل دربان مقرر نہیں تھے لیکن ضرورت کے وقت بعض صحابہ سے یہ خدمت لی جاتی تھی اور دوسری صورت یہ بیان کی ہے خلوت اور نجی قیام گاہ پر تو کبھی کبھی دربان ہوتا تھا لیکن عدالتی اور تعلیمی مجالس میں کوئی دربان نہیں ہوتا تھا۔(۸۸)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ تجارت کرنے والا قاضی اور حاکم' عدل پر قائم نہیں رہ سکتا۔''(۸۶)''ہرگز نہیں'خدا کی قسم تمہیں بالضرور معروف کا حکم دینا ہوگا اور منکر سے روکنا ہوگا اور ظلم کا ہاتھ پکڑنا ہوگا۔اسے حق پر جھکانا ہوگا اور اس پر محدود کرنا ہوگا'ورنہ اللہ تم میں سے بعض کے دل بعض کے خلاف کردے گا۔''(۸۹)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی حدود پر قائم رہنے والوں اور مداہنت کرنے والوں کی مثال ایسی ہے کہ کچھ لوگ جہاز میں سوار ہوگئے۔ان میں سے بعض کو نچلے حصے میں جگہ ملی اور بعض کو اوپر والے میں۔جو نیچے تھے وہ پانی لینا چاہتے تو اوپر جاتے جس سے اوپر والوں کو تکلیف ہوتی اور وہ انہیں روکتے۔اس پر نیچے والوں نے مشورہ کیا کہ ہم اپنے حصے میں جہاز کی ایک لکڑی پھاڑ دیں اور وہاں سے پانی لے لیا کریں۔اب اگر اوپر والے ان کو یہ کام کرنے دیں تو سب ہلاک ہوجائیں گے اور اگر

Marfat.com

ان کا ہاتھ پکڑ لیں تو سب نجات پا جائیں گے۔(۹۰)

فریقین میں مساوات‘ نظر اور اشاروں میں مساوات‘ آواز میں دونوں کے لیے یکسانیت‘ کسی ایک کو مہمان بنانے کی ممانعت‘ مکمل اطمینان کے بعد کاروائی شروع کرنا‘ معزز اور غیر معزز اور آزاد کے درمیان مساوات قائم کرنا‘

حضرت محمد ﷺ نے حضرت معاز بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنایا تو پوچھا کہ جب آپ کے پاس کوئی مقدمہ پیش ہوگا تو کسے فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاز بن جبلؓ نے فرمایا: سب سے پہلے کتاب اللہ میں اس کا حل تلاش کروں‘ پھر سنتِ رسول ﷺ میں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ اگر کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ میں حل نہ ملے تو پھر کیا کرو گے؟ حضرت معاز بن جبلؓ نے جواب دیا کہ پھر کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کی روشنی میں استنباط واجتہاد کروں گا۔‘‘(۹۱)

معقلؓ بن یسار کو قاضی مقرر کیا گیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ آپ ﷺ نے مجھے لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کا حکم دیا ہے لیکن میرے اندر تو صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں پائی جاتی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی تائید اس وقت تک قاضی کے ساتھ ہوتی ہے جب تک وہ دانستہ ظلم و زیادتی نہ کرے‘ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی تائید اس وقت تک قاضی کے ساتھ ہوتی ہے جب تک وہ دانستہ ظلم و زیادتی نہ کرے‘ جب وہ ظلم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے اور شیطان اس کے ساتھ چپک جاتا ہے۔‘‘(۹۲)

حضور ﷺ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو گورنر بناتے ہوئے مندرجہ ذیل حکم لکھوایا کہ دو آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں جھگڑتے ہوئے آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا عمرو ان کے درمیان فیصلہ کرو! حضرت عمرو بن العاصؓ نے عرض کی۔ حضور ﷺ آپ یہ کام مجھ سے بہتر طور پر جانتے ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ حضرت عمرو بن العاصؓ نے عرض کی اگر میں نے ان کے درمیان یہ فیصلہ کردیا تو اس کا مجھے کیا صلہ ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اگر تم نے ان کے درمیان صحیح فیصلہ کیا تو تمھیں دس نیکیاں ملیں گی اور اگر تمھارا اجتہاد غلط نکلا تو پھر تمھیں ایک نیکی ملے گی۔‘‘(۹۳)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمھیں معلوم ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے سائے پہنچنے کے لیے کون سبقت حاصل کرینگے؟ صحابہؓ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ لوگ کہ جب حق بات انھیں معلوم ہوجائے تو اسے قبول کرلیتے ہیں اور جب اس سے حق بات کی دریافت کی جائے تو اس کا ٹھیک اظہار کر دیتے ہیں اور جب مسلمانوں کے مابین انھیں فیصلہ کرنے کے لیے کہا جائے تو ایسا فیصلہ صادر کردیتے ہیں جیسے اپنی ذات کے بارے میں کر رہے ہوں۔‘‘(۹۴)

رسول اللہ ﷺ بحیثیت عادل حکمران‘ قاضی ومحتسب:

میثاقِ مدینہ و دیگر مفاہمت ہائے رسول ﷺ کا باریک مطالعہ ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ عدل کو مقدم رکھا۔ آپ ﷺ نے خلیفتہ الارض بن کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی ذمہ داری کو بہ احسن پورا کیا۔ اور پورے عالم پر واضح کیا کہ عدل صرف زبان سے ادا کیا جانے والا لفظ نہیں بلکہ اس کے معنی انسان کے عمل میں نظر آنے چاہیں۔

Marfat.com

آپ ﷺ کا پہلا آئینی دستور:

اس دستور کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ عدل و انصاف کی یہ ایک حیرت انگیز دستاویز ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

یہ ایک تحریری معاہدہ ہے مہاجرین اور انصار کے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان جو ان کے تابعدار ہوں' ان کے ساتھ جنگ میں شریک ہوں۔

1: سب مسلمان ایک امت اور ایک قوم سمجھے جائیں گے۔

2: قریشی مہاجرین حسبِ سابق اپنے قیدیوں کا فدیہ دیں گے اور دیت میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

3: اوس اور خزرج کے آٹھ قبیلوں کا نام لے کر لکھا گیا ہے کہ یہ سب کے سب حسبِ سابق ایک دوسرے کی دیت دیں گے اور اپنے اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کریں گے' جیسا کہ اہلِ ایمان کا قاعدہ ہے۔

4: قرض داروں اور معاشی پریشانی میں مبتلا لوگوں کی معروف طریقے پر مدد کی جائے گی۔

5: ظالموں، مجرموں اور مفسدوں کے خلاف سب مسلمان متحد ہوں گے اگرچہ ان میں سے کوئی مجرم کسی مسلمان کا بیٹا ہو۔

6: کوئی مومن کافر کی حمایت میں مومن کو قتل نہیں کرے گا اور نہ مومن کے مقابلے میں کافر کی حمایت کرے گا۔

7: ادنیٰ مومن بھی اگر کسی کو پناہ دے دے تو وہ سب کی پناہ سمجھی جائے گی' مسلمانوں کی ذمہ داری مشترک ہوگی۔

8: یہودی اگر ہماری فرمانبرداری کریں گے تو ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کی مدد کی جائے گی۔

9: مسلمانوں کو باری باری جہاد پر جانا ہوگا' جب ایک دستہ آجائے تو دوسرا تازہ دم دستہ بھیجا جائے گا۔

11: تمام مسلمانوں کا خون مساوی ہے اور راہِ راست پر وہی شمار ہوں گے جو متقی ہوں۔

12: قریشِ مکہ (کفار) کی نہ مالی امداد کی جائے گی اور نہ مسلمانوں کے مقابلے میں ان کو پناہ دی جائے گی۔

13: جس نے مسلمان کو ظلماً اور عمداً قتل کیا ہو اس سے قصاص لیا جائے گا الا یہ کہ مقتول کے وارث دیت لینے پر راضی ہوجائیں اور قاتل کے خلاف تمام مسلمان متحد ہوں گے۔

14: ہر معاملے اور قسم کے تنازعے کا فیصلہ اللہ کی کتاب اور محمد ﷺ کی سنت کے مطابق کیا جائے گا۔ (یعنی قانون کی بالادستی قرآن و سنت کو حاصل ہوگی اور فیصلے کا اختیار محمد ﷺ کو حاصل ہوگا۔

یہودیوں سے متعلق دفعات:

15: مدینہ پر حملہ کی صورت میں حملہ آور کے خلاف یہودی مسلمانوں کے ساتھ جنگ اور مصارف میں شریک ہونگے۔ (اس لیے کہ یہ دفاعِ وطن کی جنگ ہوگی)

16: یہودی اپنے مذہب پر عمل کریں گے اور مسلمان اپنے مذہب پر عمل کریں گے۔

Marfat.com

۱۷: یہودیوں کے تمام قبائل اور ان کے حلیفوں اور دوستوں کو قانون کے مطابق تمام شہری حقوق حاصل ہوں گے لیکن جو جرم کرے گا وہ بچ نہیں سکے گا۔

۱۸: جرائم کی سزائیں دینے میں رکاوٹ برداشت نہیں کی جائے گی۔دھوکہ دینے والا اور عہد شکنی کرنے والا اپنے آپ کو خطرے میں ڈالے گا۔تحفظ نیکو کاروں ہی کو حاصل ہوگا۔

۱۹ شرکاء معاہدہ پر یثرب یعنی مدینہ میں کسی قسم کا فتنہ وفساد برپا کرنا حرام ہے۔

۲۰: ہمسائے اور پناہ لینے والے کے بھی یہی حقوق ہیں۔اس پر بھی کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جائے گی۔

۲۱: شرکاء معاہدہ کے درمیان اگر کوئی حادثہ اور تنازعہ ہوجائے جس سے فساد کا اندیشہ ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کے قانون کے مطابق محمد ﷺ کریں گے۔

۲۲: قریش مکہ (کفار) اور ان کے حامیوں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

۲۳: تمام شرکاء معاہدہ کسی کے ساتھ صلح میں برابر کے شریک ہوں گے۔یعنی مسلمانوں کی طرح یہود بھی اس صلح نامے کے پابند ہوں گے جو کسی بیرونی قبیلے کے ساتھ ہوا ہو۔

۲۴: ہر فریق اپنے علاقے کی حفاظت اور اس کے دفاع کا ذمہ دار ہوگا۔۲۵: یہ معاہدہ ظالم اور زیادتی کرنے والے کو سزا دینے میں رکاوٹ نہیں سمجھا جائے گا۔

''اور اللہ تعالیٰ اس کا حامی ہے جو خدا ترس اور نیکو کار ہو اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔''(۹۵)

اس معاہدے کی اہمیت اور عظمت کے حوالے سے لکھتے ہیں: مدینہ منورہ اسلام کی سب سے پہلی ریاست ہے۔اس کے سیاسی اعضاء بلند مقاصد کی خاطر باہم مضبوط اور مربوط و منضبط کیے گئے اور تمام اہلِ مدینہ کو جن میں مسلمان، یہود اور مشرک وغیرہ شامل تھے ایک سیاسی رشتے میں منسلک کردیا گیا۔میثاقِ مدینہ کی دفعات اس کی شاہد ہیں۔بادی النظر میں یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مدینہ کے دفاع اور انتظام مملکت کا یاک باہمی معاہدہ تھا، جس میں برائی کا مقابلہ کرنے اور اسے مٹانے کی ذمہ داری بلا تخصیص مذہب وملت ہر فرد پر عائد کی گئی تھی۔(۹۶)

اس معاہدے کی ایک ایک شق علی الاعلان کہہ رہی ہے کہ میں جس ذہن وفکر کے بطن سے پیدا ہوا اس نے عدل کی روح کو اپنی شناخت دی۔دنیا کا کوئی بھی غیر جانبدار شخص آج ۱۴۰۰ سو سال بعد بھی اس معاہدے کا تنقیدی مطالعہ کرتا ہے تو وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ عدل کی حقیقی تصویر دیکھنی ہو تو اس معاہدہ کو دیکھا جائے کہ لیل ونہار کی گردش بھی اس کی عظمت کو ماند نہ کرسکی۔اور پھر ذیل کا یہ خطبہ جس نے ابنِ آدم کو نئی رفعتوں سے آشنا کرکے احترام انسانیت کی اصل شناخت دی۔

خطبہ حجۃ الوداع:

ا: بے شک تمہارے خون اور تمہارا مال ایک دوسرے کے لیے حرام ہیں جس طرح تم آج کے دن کا اس شہر کا اور اس مہینے کا احترام کرتے ہو۔۲: خوب سمجھ لو! کہ جاہلیت کا ہر ایک طریقہ اور ہر ایک رواج میرے قدموں کے نیچے پامال ہو چکا

Marfat.com

ہے۔(اس کو دوبارہ زندہ نہ کرو)۔۳:دورِ جاہلیت (قبل از اسلام) کے قتلوں کے جھگڑے اور دعوے ختم کردیے گئے ہیں۔ پہلا خون جو میرے اپنے خاندان کا ہے ختم کرتا ہوں یعنی ابنِ ربیعہ بن حارث کا خون جو بنو سعد میں دودھ پیتا تھا اور بنو ہزیل نے اسے قتل کردیا تھا۔(یہ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی تھا۔)۴:دورِ جاہلیت کا سود ختم کردیا گیا ہے پہلا سود میں اپنے خاندان کا ختم کرتا ہوں یعنی حضرت عباس بن عبدالمطلب کا سود' وہ سارے کا سارا چھوڑ دیا گیا ہے۔ ۵:اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو۔خدا کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو بیوی بنایا ہے اور خدا کے حکم سے تم نے ان کا جسم اپنے لیے حلال بنایا ہے۔ ۶:عورتوں پر تمھارا حق ہے کہ وہ تمھارے بستر پر کسی غیر کو نہ آنے دیں۔اگر وہ ایسا کریں تو ان کو بطور تعزیر اتنا مارو کہ ضرب کا نشان ظاہر نہ ہو۔(ضربِ خفیف)٭اس جرم سے زنا مراد نہیں ہے۔)۔ ۷:عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کو معروف طریقے کے مطابق کھانا اور کپڑے دیتے رہو۔ ۸:میں تمھارے لیے وہ چیز چھوڑ کر جاتا ہوں کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے تھام لو تو کبھی گمراہ نہ ہوگے' یعنی کتاب اور میری سنت۔ ۹:قیامت کے روز تم سے میرے متعلق سوال کیا جائے گا۔بتاؤ کیا جواب دو گے؟ سب نے کہا ہم شہادت دیں گے کہ آپ ﷺ نے اللہ کے احکام ہم تک پہنچا دیے تھے۔ ۱۰:اس پر رسول اللہ ﷺ نے شہادت کی انگلی اٹھائی۔انگلی اٹھاتے تھے اور پھر لوگوں کی طرف جھکاتے اور فرماتے تھے۔

"اللّٰھم اشھد اللّٰھم اشھد اللّٰھم اشھد "اے اللہ گواہ رہو' "۳ مرتبہ(۹۷)

نقوشِ عدل:

ایک اہم روایت: سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ تھا۔اس وقت کے ایک اہل دل بزرگ حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد منیری سے خواجہ عابد ظفر آبادی نے فریاد کی کہ ان کا مال ظلم و تعدی سے تلف کردیا گیا ہے:حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد نے سلطان کی توجہ اس طرف مبذول کی عدل کی تلقین کی۔ان کے نام خط لکھا' ملاحظہ ہو:

حضرت بلالؓ کی روایت کے مطابق' وہ ایک روز حضور نبی کریم ﷺ کے ہمراہ حضرت ابوبکرؓ کے ہاں مکہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک نصرانی نے آکر آپ ﷺ سے عرض کی کہ اگر آپ ﷺ برحق ہیں تو پھر قوی' ضعیف پر ظلم کیوں کرتا ہے؟ پیغمبر اسلام کے استفسار پر نصرانی نے بتایا کہ ابوجہل نے میرا مال غصب کرلیا ہے۔یہ وقت آپ ﷺ کے قیلولہ کا وقت تھا اور شدید گرمی پڑ رہی تھی' اس کے باوجود آپ ﷺ نصرانی کو ساتھ لے کر ابوجہل کے دروازے پر پہنچے۔ابوجہل کو غصہ آیا۔اس نے لات و عزیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ اس وقت دستک دینے والے کو جان سے مار ڈالوں گا' لیکن محمد ﷺ کو دیکھ کر خاموش ہوگیا۔آپ ﷺ نے نصرانی کا مال لوٹانے کا حکم دیا تو تعمیل کرتے ہوئے کہنے لگا کہ آپ ﷺ کسی آدمی کو بھیج دیتے' میں اس کا مال واپس کردیتا۔نصرانی نے مال دیکھا تو اس میں ایک معمولی سا تھیلہ کم تھا۔رسول اللہ ﷺ نے اسے بھی ڈھونڈھ لانے کو کہا۔تب ابوجہل ایک بہتر تھیلا اٹھا لایا اور کہا کہ مجھے اصل تھیلا نہیں مل رہا' اس لیے یہ لے لایا ہوں۔رسول اللہ ﷺ نے نصرانی سے پوچھا کہ یہ تھیلا بہتر ہے یا اپنا ہی لینے کے خواہاں ہو؟ اس کے مثبت جواب پر آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم میں اس وقت تک ہرگز یہاں سے نہ جاتا' جب تک تمھارا اصل تھیلا نہ مل جاتا یا ابوجہل اس کی قیمت ادا نہ کردیتا۔"(۹۸)

Marfat.com

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ بغرضِ معائینہ بازار تشریف لے گئے۔ایک جگہ گندم کا ڈھیر نظر آیا۔آپ ﷺ نے دستِ مبارک اس میں ڈالا تو کچھ نمی سی محسوس فرمائی۔دکاندار سے جواب طلبی کی تو اس نے عذر پیش کیا کہ غلہ بارش سے بھیگ گیا تھا۔تب آپ ﷺ نے تنبیہ کے طور پر استفسار فرمایا کہ اسے اوپر کیوں نہیں کرلیا؟اس کے بعد فرمایا کہ جو شخص اس طرح کی ہیرا پھیری یا دھوکہ بازی کرے' وہ ہم میں سے نہیں۔ایک اور روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص دھوکہ دے' وہ ہم میں سے نہیں۔(۹۹)

رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ بازار تشریف لے گئے تو کسی شخص کو ایک چیز تولتے ہوئے دیکھا اور ارشاد فرمایا: اچھی طرح اور جھکتا ہوا تولو۔(۱۰۰)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ بعض اوقات صحابہ کرام کو بھی بغرضِ احتساب بازار بھیجا کرتے تھے۔(۱۰۱)

آپ ﷺ نے عمال کا احتساب کیا اور عادلانہ روش پر قائم رکھنے کے لیے ان کی تربیت کی: عمال زکوٰۃ و صدقات وصول کر کے لاتے تو ان کو بنفسِ نفیس دیکھتے اور جائزہ لیتے۔جو کوئی ناجائز طریقہ اختیار کرتا ان کا احتساب کرتے۔ایک مرتبہ ابن اللبیل صدقہ وصول کر کے لائے اور کہا کہ مال کا یہ حصہ مسلمانوں کا ہے اور اس میں اتنا حصہ مجھے ملا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: گھر بیٹھے بیٹھے تمھیں یہ ہدیہ کیوں نہ مل سکا؟اس کے بعد عام خطبہ دے کر اس کی سخت ممانعت فرمائی۔(۱۰۲)''زبیر بن عوام اور ایک انصاری کے درمیان زمین کی سیرابی پر جھگڑا ہوا'رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زبیر پہلے تم سیراب کرلو'پھر انصاری۔اس پر انصاری نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ بے شک وہ آپ کا پھوپھی زاد ہے!!یہ بات آپ ﷺ کو ناگوار گزری۔آپ ﷺ نے فرمایا''اے زبیر پانی آنے دینا'یہاں تک کہ ٹخنوں تک آجائے'چاہے اس کے لیے تجھے اس کے پیٹ پر سے پانی گزارنا پڑے۔اس کے بعد انصاری کو پانی دینا۔(یہ الفاظ آپ ﷺ نے تادیباً کہے)(۱۰۳)

مدینے کی آبادی بڑھ گئی تو آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو مدینہ منورہ اور حضرت سعید بن العاص کو مکہ مکرمہ کا محتسب مقرر کیا۔(۱۰۴)

> آپ ﷺ کے پاس دو آدمی آئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمائیے۔
> پہلے شخص نے کہا میرا بیٹا ان کے ہاں مزدوری کرتا تھا'اس نے اس کی بیوی کے ساتھ بدکاری کی۔اس نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے کو رجم کیا جائے گا'اس لیے میں نے اس کو فدیہ کے طور پر ایک لونڈی اور سو بکریاں دے دیں۔یا پھر میں نے اہلِ علم سے پوچھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ تیرے بیٹے کو سو دورے لگائے جائیں گے اور جلاوطن کیا جائے گا'البتہ اس کی بیوی کو رجم کیا جائے گا۔آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔میں تم دونوں کے درمیان اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔تیری لونڈی اور تیری بکری تو واپس تجھے دے دی جائی گی البتہ تیرے بیٹے کو سو کوڑوں اور ایک سال جلاوطنی کی سزا دی جائے گی۔پھر آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔''(۱۰۵)

Marfat.com

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ابوجہم بن خذیفہ کا زکوٰۃ کی وصولی کے وقت ایک شخص سے کچھ جھگڑا ہو گیا اور ابوجہم نے لاٹھی سے اس شخص کو زخمی کر دیا۔مضروب کے رشتہ دار نے رسول اللہ ﷺ کے عدالت میں آکر قصاص کا مطالبہ کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا تم اتنی مقدار میں خون بہا لے کر راضی نامہ کرلو وہ راضی نہ ہوئے۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ خون بہا کی مقدار بڑھاتے رہے یہاں تک کہ وہ راضی ہو گئے اور پھر لوگوں کو بلا کر مجلسِ عام میں ان سے پوچھا کہ تم راضی ہو؟انہوں نے کہا کہ ہاں ہم راضی ہیں۔''(۱۰۶)

یہودیوں کا طرزِ عمل:

مدینہ میں یہود کے دو قبیلے آباد تھے۔بنونظیر اور بنوقریضہ۔بنونظیر نے بنوقریضہ کو ظالمانہ معاہدے پر مجبور کیا تھا کہ اگر بنونظیر کا کوئی آدمی بنوقریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دے گا تو قصاص لینے کا ان کا حق نہ ہوگا بلکہ صرف ۷۰ وسق (تقریباً ۳۶۷ من ۲۰ سیر بنتے ہیں) اور اگر معاملہ برعکس ہوتو قانون یہ تھا کہ بنوقریضہ کے خون بہا سے دوگنا یعنی ۱۴۰ وسق کھجوریں بھی لی جائیں گی اور قصاص بھی لیا جائے گا اور صرف یہی نہیں کہ قصاص اور دگنی دیت لی جائے گی بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی کہ اگر عورت قتل کی گئی ہوتو اس کے بدلے میں بنوقریضہ کے مرد کو قتل کیا جائے گا اور اگر مقتول مرد ہوتو اس کے بدلے میں بنوقریضہ کے آزاد کو قتل کو جائے گا۔اگر بنونضیر کے آدمی کا ایک ہاتھ کاٹا ہے تو بنوقریضہ کے آدمی کے دو ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ایک کان کاٹا ہے تو اس کے دو کان کاٹے جائیں گے۔علاوہ ازیں تورات میں شادی شدہ عورت سے زنا کرنے کی سزا قتل کرنا یا سنگسار کرنا تھی''۔

اس نوعیت کا ایک مقدمہ آپ ﷺ کی عدالت میں پیش ہوا تو آپ ﷺ نے ان کے ایک ممتاز عالم سے کہا کہ خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰ پر تورات نازل کی تھی کہ تورات میں کیا زنا کی سزا وہی منہ کالا کرنا ہے جو تمھارے درمیان مروج ہے؟اس نے کہا سچ بات یہ ہے کہ تورات میں تو اس جرم رجم بتائی گئی ہے مگر ہمارے شہزادوں میں جب زنا کی کثرت ہوگئی تو ہم نے مشورہ کیا کہ ایسی سزا مقرر کرنی چاہیے جو سب پر نافذ کی جاسکے۔چنانچہ ہم نے کچھ مار پیٹ اور منہ کالا کر کے مجرم کا جلوس نکالنے کی سزا مقرر کردی اور رجم کر ترک کر دیا۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اے اللہ میں وہ شخص ہوں جس نے تیرے اس حکم کو زندہ کیا ہے جسے ان لوگوں نے معطل کر دیا تھا اور پھر ان یہودی زانیوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا جن کا مقدمہ آپ ﷺ کی عدالت میں پیش ہوا تھا۔اسی واقعے کے بارے میں سورۃ المائدہ کی آیات ۴۱ تا ۴۷ نازل ہوئی تھیں۔''(۱۰۷)

آپ ﷺ نے بلاامتیاز عدل کو اپنی روح اور معنی سے روشناس کیا اور اس رستے میں کسی محبت اور مجبوری کو جگہ نہیں دی۔قریش کے قبیلہ مخزوم کی عورت فاطمہ بنتِ اسود نے چوری کی۔قریش نے حضرت اسامہؓ کو آپ ﷺ کے پاس سفارش کرنے کے لیے بھیجا۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:تم اللہ کی مقرر کردہ حدود کو معاف کرنے کی سفارش کرتے ہو؟ پھر آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا:''اے لوگو تم سے پہلے امتیں گزری ہیں وہ اسی لیے گمراہ ہوئیں کہ ان کے اونچے درجے کے لوگ چوری کرتے تو ان کو چھوڑ دیا جاتا تھا اور جب کم درجے کے لوگ چوری کرتے تو ان کو مقررہ سزا دیتے تھے۔خدا کی قسم اگر

Marfat.com

محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو محمد ﷺ ضرور اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔'' (۱۰۸)

اس قسم کا ایک اور واقعہ ہے کہ ازدحام کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک سے ایک شخص کے پیٹ میں چوٹ آ گئی۔ آپ ﷺ نے اس کو کہا آؤ بدلہ لو! اس شخص نے آپ ﷺ کے ناف کا بوسہ لے کر چھڑی کو پھینک دیا اور کہا.... میرا یہی مقصد تھا کہ ہم آپ ﷺ کے بعد ظالموں کی سرکوبی کر سکیں اور ان سے بدلہ لے سکیں۔'' (۱۰۹)

بوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ گھر سے نکلے تو ایک شخص نے آپ ﷺ کی اونٹنی کی رسی پکڑ لی اور کہا کہ میرا کام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا چھوڑ دو آپ کا کام ہو جائے گا۔ تین مرتبہ ایسا ہی فرمایا لیکن اس نے اونٹنی کو جانے نہ دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ چھڑی اٹھا کر اس کو ایک ضرب لگا دی۔ جب نماز دے فارغ ہوئے تو فرمایا وہ آدمی کہاں ہے جسے میں نے ابھی ابھی ضرب لگا دی تھی۔ وہ شخص آخری صف سے اٹھ کر آیا اور کہا میں اللہ اور اس کے رسول لے غضب سے پناہ مانگتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے وہی چھڑی اس کی جانب پھینکی اور فرمایا ''قریب آ جاؤ اور بدلہ لے لو! اس شخص نے کہا میں نے معاف کر دیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جس مسلمان نے دوسرے مسلمان پر کوئی ظلم کیا ہو اور اس کا بدلہ نہ دیا ہو تو قیامت کے روز خود اللہ تعالیٰ اس ظلم کا بدلہ دلوائے گا۔ (۱۱۰)

عبداللہ بن جبیر خزاعیؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک شاخ تھی یا مسواک تھا جس سے ایک شخص کے پیٹ میں چوٹ آ گئی۔ اس نے کہا آپ ﷺ نے مجھے درد پہنچا دیا ہے اس لیے مجھے بدلہ لینے کی اجازت دو۔ آپ ﷺ نے وہی شاخ اس کے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا ''استقد'' بدلہ لے لو۔ اس شخص نے آپ ﷺ کا پیٹ مبارک چوم کر کہا میں نے آپ ﷺ کو معاف کر دیا' امید ہے کہ آپ ﷺ قیامت کے دن میری شفاعت کریں گے۔ (۱۱۱)

مرض الموت کے ایام میں ایک روز رسول اللہ ﷺ فضل بن عباسؓ کا سہارا لے کر مسجد تشریف لائے اور بعد از نماز منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: اگر میں نے کسی کو گالی دی ہو تو وہ اپنا بدلہ لے لے' اگر میں نے کسی کو پیٹا ہو تو وہ بھی اپنا بدلہ لے لے' اور اگر میں نے کسی کا مال لیا ہو تو وہ بھی اپنا حق وصول کر لے۔ تم میں سے مجھے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو مجھ سے اپنا حق وصول یا پھر مجھے معاف کر دے تاکہ میں اپنے رب کے پاس اطمینان سے جا سکوں۔ بھری محفل میں سے صرف ایک شخص نے اٹھ کر کہا آپ ﷺ نے فلاں دن مجھ سے تین روپے قرض لیے تھے وہ مجھے ادا کر دیجیے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا زاد بھائی فضل بن عباسؓ کو کہا کہ میری طرف سے اس کو تین روپے (مروجہ سکہ) ادا کر دو۔'' (۱۱۲)

یہ سارے واقعات اس بات کے شاہد ہیں کہ آپ ﷺ نے قول اور عمل دونوں سے عدل کو ثابت کیا اور اس کی عملی تصویر پیش کر کے ظلم کی بنیادوں کا قلع قمع کیا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: ''میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنی ذات سے بھی قصاص دلواتے تھے۔'' (۱۱۳)

سعید بن مسیب فرماتے ہی: کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات سے بدلہ لینے کا حق دیا ہے۔ ابو بکرؓ نے بھی ایک شخص کو اپنی ذات سے بدلہ دیا تھا اور حضرت عمرؓ نے بھی حضرت سعد ﷺ کو اپنی ذات سے بدلہ دیا تھا۔'' (۱۱۴)

Marfat.com

عدلِ اجتماعی اور صحابہ رسول ﷺ:

کون سی وادی میں ہے، کون سی منزل ہے
عشقِ بلا خیز کا قافلۂ سخت جاں(۱۱۵)

عدل اجتماعی کے تصور کو زیادہ جامع اور وسیع پس منظر میں سمجھنے میں جہاں آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کی عملی مثالیں سنگِ میل اور مشعلِ راہ ہیں وہاں آپ ﷺ کی تعلیمات کی پیروی کو روح وقلب اور جسم و جاں پر فرض بنانے والے خلفائے راشدین کے واقعات کا مطالعہ بھی ہمیں دلچسپ حقائق تک پہنچاتا ہے۔حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کے جو مکتوب بھیجا اس میں عادل یا قاضی کے لیے جملہ بنیادی اصولوں کا جامع انداز میں ذکر کیا گیا ہے:

۱- قضا ایک محکم فریضہ اور مسلّم دینی طریقہ ہے۔

۲- جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ آجائے تو اس کے تمام پہلوؤں کو دلیل کے ساتھ اچھی طرح سمجھ لو اور جب حق واضح ہوجائے تو اسے نافذ کرو اس لیے کہ زبان سے حق بات کہہ دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے جب تک اسے عملاً نافذ نہ کیا جائے۔

۳- اپنی مجلس میں بٹھانے، بالمشافہ گفتگو کرنے اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے میں لوگوں کے ساتھ یکساں سلوک کروتا کہ بے اثر اور کمزور آدمی تمہارے انصاف کرنے سے مایوس نہ ہوجائے اور بااثر آدمی رعایت وطرفداری کی امید نہ کرسکے۔

۴- مدعی کے ذمے ثبوت پیش کرنا ہوگا اور انکار کرنے والے کو قسم اٹھانا ہوگی۔

۵- مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا جائز ہے سوائے اس صلح کے جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرتا ہو (یعنی جس کی وجہ سے شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے)۔

۶- کسی معاملے میں کل کے فیصلے کو آج حق کی طرف لوٹنے سے رکاوٹ نہیں بنانا چاہیے۔جب مزید تحقیق کے بعد اس سے صحیح فیصلہ معلوم کرنے کی تمھیں توفیق نصیب ہوجائے۔اس لیے کہ حق ازلی ہے اور اس کی طرف لوٹنا غلطی پر جمے رہنے سے زیادہ بہتر ہے۔

۷- اس معاملے میں پورے غور وفکر سے کام لو جس کا حل قرآن وسنت میں تم کو نہ ملے اور وہ تمہارے دل میں کھٹکتا ہو۔امثال و نظائر کو ذہن نشین کرو اور اس کو اختیار کرو جو تمہاری تحقیق کے مطابق خدا کو زیادہ پسند اور حق سے زیادہ قریب ہو۔

۸- مدعی کو ایک متعین مدت کی مہلت دیدو اگر وہ مقرر وقت کے اندر گواہ پیش کردے تو اسے اس کا حق دلوادو ورنہ اس کے خلاف فیصلہ دے دو۔اس سے شک وشبہ بھی اچھی طرح زائل ہوجائے گا اور مدعی کو کوئی اعتراض بھی نہ رہے گا۔

۹- سب مسلمان ایک دوسرے پر شہادت دینے میں عادل ہیں سوائے اس شخص کے جسے سنگین جرم میں کوڑوں کی سزا دی گئی ہو یا وہ جھوٹی گواہی دینے میں مشہور ہو یا جس پر شبہ ہو کہ وہ مدعی کے ساتھ دوستانہ تعلقات یا رشتہ داری کی وجہ

Marfat.com

سے غلط بیانی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے خفیہ باتوں کا فیصلہ خود کرے گا اور گواہوں کی وجہ سے اس نے تمھارے جھگڑے ختم کردیے ہیں۔

۱۰- مجلسِ قضا میں غوغا آرائی' پریشانی' لوگوں کی ضرر رسانی اور فریقین کے درمیان ترش روئی سے پیش آنے سے باز رہیے۔حق کا قائم کرنے کے ان مقامات میں کہ ان کی وجہ سے اللہ اجر وثواب دیتے ہیں اور ان کا ذکر کرتے ہیں یا ان کو اس کے لیے اچھا ذخیرہ بناتے ہیں جس شخص کی نیت اپنے خدا کے درمیان پیش آنے والے معاملات کے لیے کافی ہے اور جس نے اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے اچھا کیا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان اس صفت اور مقام پر پیش کیا ہو جو صفت دراصل اس میں موجود نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کی نظروں میں بدنام کردے گا۔پس اللہ کے سوا کسی اور سے تم کیوں امیدیں باندھتے ہو خدا کے دیے ہوئے رزق اور اس کی رحمت کے خزانوں کے مقابلے میں۔والسلام علیکم۔(۱۱۶)

''عدلیہ کی آزادی اور قانون کی بالادستی:عدلیہ کا انتظامیہ کی بے جا مداخلت سے آزاد ہونا اور سب پر بالادست ہونا قیام عدل کی لازمی شرط ہے۔اسلام کے نظامِ عدل میں عدالت صدرِ مملکت سے لے کر عام شہری تک اور فوج کے کمانڈر انچیف سے لے کر ادنیٰ سپاہی تک ہر ایک کو جواب دہی کے لیے طلب کرسکتی ہے اور قانون کے مطابق سزا بھی دے سکتی ہے۔عدالت کے کام میں انتظامیہ کا کوئی شخص بڑا ہو یا چھوٹا مداخلت کرنے کا حق نہیں رکھتا۔یہ قاضی کی بالادستی نہیں ہے بلکہ قانون کی بالادستی ہے جو خود قاضی پر بھی نافذ ہوتا ہے اگر کسی شخص نے خود قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) پر بھی دعویٰ کیا ہو تو دوسرا قاضی اس مقدمے کی سماعت کرے گا اور قانون کے مطابق فیصلہ دے گا۔''(۱۱۷)

عدل کے شفاف اور فلاحی عمل کے لیے حضرت عمرؓ کا یہ خطاب انتہائی اہم ہے۔

''میں نے اپنے عمال و حکام کو اس لیے مقرر نہیں کیا کہ وہ تمھیں بلاوجہ ماریں پیٹیں اور تمھارے مال پر ناجائز طور پر قبضہ کریں۔جس کے ساتھ بھی یہ ظلم ہوا ہو وہ اس کی اطلاع میرے پاس لے کر آئے تاکہ میں اس کو اس حاکم سے بدلہ دلوادوں۔حضرت عمرو بن عاص نے فرمایا اگر کوئی افسر اپنی رعیت میں سے کسی کو ادب سکھائے تو کیا آپؓ اس سے بدلہ لیں گے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا''ہاں خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ضرور بدلہ دلواؤں گا اس لیے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ خود اپنی ذات سے بھی بدلہ دیتے تھے۔''(۱۱۸)

حضرت عمر بن العاص کے بیٹے کے ساتھ ایک مصری نے دوڑ کا مقابلہ کیا اور جیت لیا' حضرت عمر بن العاص نے اس کو مارا اور طعنہ دیا کہ میں تم سے شرف میں افضل ہوں:حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں باپ' بیٹے کو طلب کیا اور کہا کہ وہ شکایت کرنے والا مصری کہاں ہے؟جب وہ آیا تو فرمایا لاٹھی لے لو اور بدلہ لے لو۔مصری مارنے لگا۔انس فرماتے ہیں کہ ہم اس کے مارنے پر خوش تھے لیکن اس نے اتنا زیادہ پیٹا کہ ہم دل میں آرزو کرنے لگے کہ اب رک جانا چاہیے۔اس کے بعد عمر فاروقؓ نے مصری کو کہا کہ عمرو بن عاص کا بھی ایک ضرب لگادو لیکن اس نے کہا''امیرالمومنین مجھے تو اس کے بیٹے نے پیٹا تھا اور میں نے اس سے بدلہ لے لیا ہے۔بدلہ دلوانے کے بعد عمر فاروقؓ نے عمرو بن عاصؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:''تم نے کب سے لوگوں

Marfat.com

کو غلام بنالیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد جنا تھا‘‘۔ عمرو بن عاص نے فرمایا: امیرالمومنین مجھے اس واقعے کا کوئی علم نہیں تھا اور یہ شخص میرے پاس فریاد لے کر آیا بھی نہیں۔ (۱۱۹)

بقول علامہ شبلی نعمانی: حضرت عمرؓ نے قدامہ کو تحصیلِ مالگذاری کی خدمت دی تھی اور حضرت ابو ہریرہؓ کو تصریح کے ساتھ پولیس کے اختیارات دیے۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں: مثلاً دکاندار ترازو میں دھوکہ نہ دینے پائیں۔ کوئی شخص سڑک پر مکان نہ بنائے۔ جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے۔ شراب اعلانیہ نہ بکنے پائے وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام امور کا کافی انتظام تھا اور اس کے لیے ہر جگہ اہل کا افسر مقرر تھے۔ (۱۲۰)

ایک دفعہ حضرت علیؓ کا زرہ کہیں گر گئی تھی اور ایک عیسائی کے ہاتھ لگ گیا۔ حضرت علیؓ نے اس عیسائی کے پاس دیکھا اور قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا۔ قاضی کی عدالت میں دونوں پیش ہوئے عیسائی کہتا تھا کہ یہ زرہ میرا ہے جب کہ حضرت علیؓ کا استدلال تھا کہ میرا ہے۔ قاضی نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے؟ حضرت علیؓ نے کہا نہیں۔ قاضی نے فیصلہ عیسائی کے حق میں دے دیا۔ اس فیصلے کا زیادہ اثر عیسائی پر ہوا اور اس نے اسی وقت اسلام قبول کیا۔ اور کہا کہ امیرالمومنین مجھے قاضی کی عدالت میں پیش کرتے ہیں اور قاضی امیرالمومنین کو عدالت طلب کرتے ہیں اس کے خلاف فیصلہ بھی دیتے ہیں؟ واللہ یہ تو انبیاء جیسا انصاف ہے۔ بعد میں عیسائی نے اعتراف کرلیا کہ یہ زرہ حضرت علیؓ کا تھا کہ یہ جنگِ صفین میں ان سے گر گیا تھا اور میں نے اٹھا لیا تھا۔‘‘ حضرت علیؓ اس کے ایمان لانے پر بہت خوش ہوئے اور زرہ بھی دیا اور ایک گھوڑا بھی تحفے میں عنایت کیا۔ اور یہی نو مسلم خوارج کے خلاف جنگ میں حضرت علیؓ کی حمایت میں لڑ رہے تھے۔‘‘ (۱۲۱)

تاریخ کے جھروکوں سے

قاضی کے متعلق امام ابوحنیفہ کی رائے:

قاضی کا حکم خود خلیفہ پر بھی نافذ ہونا چاہیے اور اگر قاضی اپنا فیصلہ حکمران اور اس کے اعمال پر نافذ نہ کرسکتا ہو تو اسے قضاء کا عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دینا چاہیے۔‘‘ بنو امیہ اور عباسیہ کے عہد میں عدالت کی آزادی ختم ہوگئی تھی۔ اور عمال حکومت پر حکم نافذ کرنا ایک مشکل کام بن گیا تھا۔ اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ نے منصبِ قضا قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ پہلے بنو امیہ کے عہد میں عراق کے گورنر یزید بن عمر بن ہبیرہ نے اس کو منصب قضا قبول کرنے پر مجبور کیا۔ آپ نے امام اعظم پر عہدہ قضا قبول نہ کرنے کے لیے اصرار کیا یہاں تک کہ تمام سلطنت عباسیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کرنے کی پیشکش کی مگر امام نے اس کو صاف صاف اپنے انکار کی اصل وجہ بتاتے ہوئے فرمایا:

’’خدا کی قسم میں تو اگر رضامندی سے بھی عہدہ قبول کروں تو آپ کے بھروسے کے لائق نہیں ہوں کجا کہ ناراضی کے ساتھ مجبوراً قبول کروں اگر کسی معاملے میں فیصلہ آپ کے خلاف ہوا اور پھر مجھے دھمکی دی کہ یا تو میں تجھے فرات میں غرق کر دوں گا یا اپنا فیصلہ بدل دے تو میں غرق ہوجانے کو قبول کرلوں گا مگر فیصلہ نہ بدلوں گا۔ پھر آپ کے بہت سے اہلِ دربار اور حاشیہ بردار بھی ہیں انہیں تو ایسا قاضی چاہیے جو آپ کی خاطر ان کا بھی لحاظ کرے۔ میں تو اس

Marfat.com

کام کی صلاحیت نہیں رکھتا۔''(۱۲۰)۔

حضرت امام ابو یوسف جو حضرت امام ابو حنیفہ کے شاگردِ رشید تھے۔ہارون الرشید نے ان کو قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) بنایا تھا اور ان کو وزیرِ قانون جیسی حیثیت حاصل تھی' ان کی عدالت میں ایک اجماعِ علما فیصلوں کی وقت موجود رہتی تھی' جس میں امام احمد بن حنبل جسی عظیم ہستی بھی موجود ہوتی تھی۔انہوں نے ہارون الرشید کو ایک کتاب بھی مرتب کر کے دی تھی' کتاب کا نام کتاب الخراج تھا جس میں انہوں نے ہارون الرشید کو لکھا کہ ''تمام لوگوں کو قانون میں یکساں رکھیے' خواہ آپ کے قریب ہوں یا دور۔''اور عدلیہ کی آزادی کے بارے میں لکھا:''انصاف کے معاملے میں ہر قسم کی مداخلت اور سفارش کا دروازہ بند ہونا چاہیے اور کسی شخص کے مرتبے یا حیثیت کا قطعاً لحاظ نہ کیا جائے۔''(۱۲۲)

امام ابو یوسف کی عدالت میں ایک عیسائی نے خلیفہ کے خلاف ایک باغ کا دعویٰ کیا۔قاضی ابو یوسف نے خلیفہ کے روبرو اس مقدمے کی سماعت کی بلکہ تین مرتبہ خلیفہ سے خلف اٹھانے کا مطالبہ بھی کیا۔جب ہر بار انہوں نے خلف اٹھانے سے انکار کیا تو امام ابو یوسف نے مدعی یعنی عیسائی کے حق میں فیصلہ صادر کیا اور مرتے دم تک یہ افسوس بھی کرتے رہے کہ خلیفہ کو عیسائی کے برابر کھڑا نہ کر سکے۔''(۱۲۳)

اور قاسم بن الحکم فرماتے ہیں کہ:میں امام ابو یوسف سے ان کی موت کے وقت سنا:''کاش کہ میں فقر ہی کی حالت میں مرجاتا اور قضا کی ذمہ داریوں میں داخل نہ ہوتا باوجود اس کے کہ شکر ہے کہ اللہ کے فضل سے میں نے قصداً نہ کسی پر ظلم کیا ہے اور نہ کسی فریقِ مقدمہ کے ساتھ دوسرے کے مقابلے میں زیادہ محبت کی ہے۔(۱۲۴)

حضرت حسن بصری کا خط عمر بن عبدالعزیز کے نام:

امیرالمومنین خوب سمجھ لو کہ اللہ نے سزائیں اس لیے نازل کیں کہ لوگ ان کی وجہ سے گندے اور فحش کاموں سے رک جائیں تو عام لوگ کیسے رکیں گے جب ان کے حکمران خود برائیوں کا ارتکاب کرنے لگیں۔اللہ نے قصاص کا حکم اس لیے نازل فرمایا ہے کہ جان محفوظ رہے تو لوگوں کی جان کی حفاظت کیسے ہوگی جب ان کے حکمران خود قتل کرنے لگیں۔''(۱۲۵)

ہارون الرشید کے نام سفیان ثوری کا خط:

ہارون الرشید نے اقتدار سنبھالنے کے بعد امام سفیان ثوری کے نام ایک خط بھیجا جس میں یہ شکایت کی تھی کہ تمام علما مجھے مبارک باد دینے کے لیے آگئے مگر آپ نے نہ تو مبارک باد دی اور نہ ہی خود آئے۔یہ خط امام موصوف کو اس وقت ملا جب وہ کوفہ کی جامع مسجد میں اپنے شاگردوں کے درمیان بیٹھے تھے۔خط سننے کے بعد آپ نے کہا کہ میرا جواب اس خط کی پشت پر لکھو:سفیان ثوری کا یہ خط کلمۂ حق کا ایک بے مثال نمونہ ہے اور قانون کی بالادستی کے حوالے سے تاریخ ساز عبارت ہے:۔

> اے ہارون! تم تخت پر بیٹھے ہو' ریشم کے کپڑے پہنتے ہو' دروازے پر پردے لٹکائے رکھتے ہو اور لوگوں سے پوشیدہ رہنے میں رب العالمین کے ساتھ مشابہت کرتے ہو۔اس کے علاوہ تم نے دروازے پر ظالم

Marfat.com

لوگوں کو بٹھا رکھا ہے جو عوام پر ظلم کرتے ہیں۔انصاف نہیں کرتے' جو خود تو شراب پیتے ہیں لیکن دوسرے شرابیوں کو سزائیں دیتے ہیں۔خود تو چوری کرتے ہیں لیکن دوسرے چوروں کے ہاتھ کاٹتے ہیں' خود تو قتل کرتے ہیں لیکن دوسرے قاتلوں سے قصاص لیتے ہیں۔تو کیا خدا کے احکام و قوانین تم پر اور تمھارے ان افسروں پر دوسروں سے پہلے نافذ کرنے کے لیے نہیں آئے؟

خط کے آغاز میں سرکاری خزانے کے بے جا استعمال پر سخت تنقید کی گئی ہے اور آخر میں قیامت کے محاسبے سے ڈرایا گیا ہے اور پھر لکھا:

خبردار! خبردار! آئندہ میرے نام کوئی خط نہ لکھنا ورنہ میں جواب نہیں دوں گا۔ والسلام

کہا جاتا ہے کہ جب ہارون الرشید نے یہ خط پڑھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ایک درباری نے کہا اس نے آپ کے مقابلے میں بڑی جرأت دکھائی ہے اس کو گرفتار کر لینا چاہیے۔

ہارون الرشید نے کہا:''تم دنیا کے بندے ہو اور سفیان تنہا ایک امت کی حیثیت رکھتا ہے۔''(۱۲۶)

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے قاضی کے لیے جن شرائط کا ذکر کیا ہے وہ مختصر اور جامع ہیں:

قاضی بنائے جانے سے پہلے وہ صاحبِ علم ہو۔

اہلِ علم سے (علمی معاملات) میں مشورہ لینے والا ہو۔دشمن سے بھی انصاف کرنے والا ہو۔

اجماعِ امت کی پیروی کرنے والا ہو۔(۱۲۷)

امام غزالی کے مطابق:محتسب اگر تقویٰ سے واقف ہے تو اس کا ہر کام نفسانی خواہشات کے ماتحت ہوگا۔''(۱۲۸)

حضرت ابوبکرؓ:جو ایسا حاکم مقرر کرے کہ وہ رعایا کے حقوق کی حفاظت نہ کر سکے تو ایسے مقتدرِ اعلیٰ پر خدا کی لعنت ہے۔اللہ اس کو جہنم میں جھونک دے گا' چاہے وہ فرائض و نوافل ادا کرتا ہو۔''(۱۲۹)

ہم اسلامی تاریخ کے اس المیے سے آگاہ ہیں کہ اسلامی ریاست عہدِ خلافت کے بعد ملوکیت اور موروثی بادشاہت میں تبدیل ہوگئی۔جس سے دین و سیاست کی روایات میں وہ وحدت و یکجائی باقی نہ رہی جو عہدِ رسالت یا دورِ خلافت کا اختصاص تھی۔معرکۂ دین و سیاست کے آئندہ ادوار میں جو ادارے اس کشمکش کا شکار ہوئے ان میں ایک قضا بھی ہے۔اس عہد میں بھی قضا پر متمکن قاضیوں نے جس عزیمت' پامردی' حکمت و تدبر سے کام لیا' وہ تاریخ کا ایک روشن اور تابندہ باب ہے۔''(۱۳۰)

یقیناً آج اس مملکتِ خداداد میں ایسے ہی نظامِ عدل کی ضرورت ہے' تاکہ جس نظریے پر یہ ملک وجود میں آیا ہے' اس کی حقیقی جھلک' اقوامِ عالم یہاں مثالی عدل کی صورت میں دیکھ سکیں۔اسلامی عدل کا یہ بے مثل نظام اللہ رب العزت کی بندگی کے حقیقی احساس کا بھی ضامن ہے اور دنیا میں امن و خوشحالی بھی اس کے مرہونِ منت ہے۔

''گزشتہ تین صدیوں میں استعماری قوتوں نے اپنے استبدادی ہتھکنڈوں سے اسلامی ریاستوں اور معاشروں کو مغلوب بنالیا۔مراکش سے انڈونیشیا تک کے علاقے ان کے زیرِ نگیں آگئے اور یہاں پر انہوں نے اسلامی معاشرے کی تمام روایات کو بشمول ان کے عدالتی نظام کے تلپٹ کردیا اور یوں ایک ہزار سال سے زائد اسلامی عدالتوں کی عظیم الشان کارکردگی

Marfat.com

کو جو ان عدالتوں کے قاضیوں نے اقضیہ کی صورت میں فراہم کیں' اس نقشے کو نیست و نابود کر دیا۔ یوں اجتماعی اور ریاستی سطح پر اسلام کے عدالتی نظام کو سمیٹ دیا گیا۔ اگرچہ مغلوبیت اور مرعوبیت کے اس دور میں بھی مسلمانوں نے کسی نہ کسی سطح پر اپنی عدالتوں کے شرعی نظام کو غیر منضبط انداز میں قائم رکھا' مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ استعماری قوتوں کے وضعی قوانین نے ان ممالک محروسہ میں اسلامی قوانین کی جگہ لے لی۔ وہ دن جائے اور آج کا دن آئے' اسلامی قوتیں' اہلِ علم اور اسلام دوست افراد اور تنظیمیں اسلامی ریاستوں کے احیاء اور ان کے اداروں کی اسلامی شرعی اساس پر تشکیل نو کے فریضے میں مصروفِ عمل ہیں اور انہیں اس سلسلے میں کچھ جزوی کامیابیاں ہوئی ہیں اور بعض اسلامی ممالک میں تو حیرت انگیز نتائج بھی پیدا ہوئے ہیں۔'' (۱۳۱)

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

حاصلِ مطالعہ

اسلام میں عدلِ اجتماعی کا گہرائی و گیرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد ہم جن نتائج تک پہنچتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کا نظام انتظام' باہمی ربط' توازن و اعتدال پر قائم کیا ہے اور معمولی سے معمولی اور باریک سے باریک تر بے اعتدالی انتشار' عدم استحکام' بگاڑ' ٹکراؤ اور تباہی کا سبب بن سکتا ہے۔ بعینہ دنیا سے وابستہ جملہ معاملاتِ حیات بھی فطرت کے اس نظام کے تابع ہونے چاہیں۔ خفیف سے خفیف' عدم اعتدال و توازن' افراد' اقوام اور پوری دنیا میں ظاہری اور باطنی لحاظ سے انتشار' عدم استحکام' انتقامی ردِ عمل' بگاڑ' ٹکراؤ اور تباہی کا سبب بن سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نظامِ عدل میں اپنی قدرتِ کاملہ کے سارے نقوش یکجا کر دیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ہر زماں و مکاں کے لیے ہے' اور ہر دور میں اس کی آب و تاب' ضرورت و اہمیت مسلمہ ہے۔

عدل' عرفانِ ذات' کائنات اور ربِّ کائنات کا ایک وسیلہ ہے۔ اور اس کی روح پر عمل (کرنے/ کروانے) سے انسان دنیا و آخرت میں سرفرازی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ عدلِ اجتماعی کا تصور اسلام کے عالمگیر انسانی معاشرے کی تشکیل اور امن و سلامتی کے دائرے میں ابنِ آدم کی تعمیر' تعلیم و تربیت' نشوونما اور ترقی کا ذریعہ ہے۔ جس کی بنیادیں تمام انبیا و الہامی کتب کے ذریعے استوار ہونے کی کوشش ہوتی رہیں اور اس درجہ کمال تک محمد ﷺ نے عملی صورت میں پہنچایا' اور انسانانِ عالم کے لیے تاقیامت اس میں اکملیت کی شان پائی جاتی ہے۔

عدلِ اجتماعی کا تصور کسی ایک شعبۂ حیات یا گروہِ انسانی تک محدود نہیں بلکہ اس کا دائرہ ہر شعبۂ حیات و انسانی تک پھیلا ہوا ہے۔ اور اس کی موجودگی و عدم موجودگی کی صورت میں مثبت و منفی اثرات سے ہر کوئی متاثر ہوتا ہے۔

عادل حکمران' قاضی' محتسب' عدل کی روح کو سمجھنے اور عمل کرنے سے تقویٰ کے مدارج طے کر سکتا ہے۔ اس کی بنیادی ذمہ داری قرآن و حدیث' استنباط و اجتہاد کے ذریعے بے لاگ و بے لوث انصاف کو یقینی بنانا ہے۔

عدلِ اجتماعی (نظامِ عدل) میں چاروں بنیادی اوصاف: ۱۔ علمِ محیط۔ ۲۔ رحمتِ کاملہ۔ ۳۔ قدرتِ کاملہ۔ ۴۔ غیر

Marfat.com

جانبداری پائے جاتے ہیں۔

عدلِ اجتماعی کا تصور عادل حکمران' قاضی' محتسب کو قرآن و حدیث پر عمل درامد کا پابند بناتا ہے۔اور اس کا آغاز خود ان کی ذات سے ہوتا ہے۔یہ تمام خود بھی صغائر و کبائر' پوشیدہ و ظاہر' گناہوں سے بچیں گے اور دوسروں کو بھی اس سے بچنے کا پابند بنائیں گے۔ان کا کردار ہر لحاظ سے مثالی ہونا چاہیے۔سوچ' گفتار' کردار' بودوباش' معاملات غرض ہر معاملے میں عدل و انصاف ان کی شخصیت میں جھلکتا نظر آنا چاہیے۔

عدل سے وابستہ ہر متعلق کو عظیم امانت سونپ دی گئی ہے اور امانت سے پوری دیانت داری اور خلوص کے ساتھ عہدہ برآ ہونا اس کا بنیادی فریضہ ہے۔

عادل حکمران' قاضی' محتسب: عدل کو ہر فرد کا بنیادی حق سمجھتے ہوئے اس تک اُن کے حقیقی اثرات منتقل کرے گا۔عدل کا مقصد سوچ وفکر سے لے کر عبادات و معاملات تک میں عدل' توازن و اعتدال کو یقینی بنانا ہے۔

ہر شخص کے لیے فوری انصاف تک رسائی کو یقینی بنانا' عادل حکمران' قاضی' محتسب کا بنیادی فریضہ ہے۔اور اس کی باز پرس اس دنیا میں بھی کی جائے گی اور آخرت میں بھی۔

عدل کے رستے میں موجود تمام دیدہ و نادیدہ' گفتہ بہ و ناگفتہ بہ رکاوٹوں کو دور کرنا' جس کی وجہ سے بگاڑ' انتقام' منفی ردِ عمل کے عناصر سر اٹھاتے ہیں۔

عادل حکمران' قاضی' محتسب ہمہ وقت' بہ ہمہ حال عدل کے تقاضوں کو پورا کرے گا۔لمحاتی جذباتی کیفیات' بیانات کی بجائے سنجیدگی' متانت کا مظاہرہ کرے گا۔ایسا کوئی کام نہیں کرے گا جو اس کے منصب کے شایانِ شان ہو' اور عمومی مسائل پیدا کرتا ہو۔اس کو رحم دل' ملنسار اور نرم رو ہونا چاہیئے تاکہ ہر کوئی آسانی کے ساتھ ان کو اپنا مسئلہ بیان کر سکے۔

عدل کے حوالے سے جو عمومی تاثر (ایوبؑ سا صبر' قارون جیسا خزانہ' حضرت خضرؑ جتنی عمر) کو ختم کر کے فوری و دیرپا اقدامات کرنے ہوں گے تاکہ کوئی بھی فرد معمولی تکلیف سے کا بھی شکار نہ ہو۔عادل حکمران' قاضی' محتسب کو فیصلہ کرتے وقت کسی مصلحت' تعلق' مفاد' شہرت' بدنامی' معزولی' تعریف و توصیف' تنقید و تعریض کو خاطر میں نہیں لانا چاہیے۔

عادل حکمران' قاضی' محتسب کو چاہیے کہ فیصلہ کرتے وقت علماء و ماہرین سے مکمل مشورہ کرے۔محتاجوں، غریبوں، لاچاروں کو خصوصی طور پر توجہ دے اور اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے ارشادات کو مدِ نظر رکھے۔

عوامی آرا' مسائل کا ادراک رکھتا ہو اور یکساں سلوک کا مظاہرہ کرتا رہے۔آزادی ضمیر' روزگار' معیشت و دیگر شعبہ ہائے زیست کے حوالے سے جملہ ضروریاتِ معاشرہ' ملک و قوم کا تحفظ یقینی بناتا ہو۔جو لوگ میڈیا یا دوسرے ذرائع کا استعمال کر کے عدل فوری توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں' ان سے کہیں زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہوتی ہے جو ان ذرائع اور وسائل سے محروم ہوتے ہیں۔لہٰذا عدل کا ایسا نظام رائج ہو کہ اس تک ہر کسی کی رسائی ممکن ہو۔عدل: شیشہ گری سے نازک عمل ہے اور اس کی تکالیف بے انتہا ہیں' اس لیے ضروری ہے اس میں ایسے لوگوں کو لایا جائے جو اس کی ذمہ داریوں کا احساس کر سکتے ہوں۔اور دنیاوی منصب' جاہ جلال' چمک دمک سے کہیں زیادہ ان کی نظر قبر' قیامت اور جنت و دوزخ پر ہو۔

Marfat.com

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیمِ مساوات

حوالہ جات

۱۔القرآن:الانعام:۱٬الانفطار:۷...... ۲۔القرآن:النساء:۴...... ۳۔فیروز اللغات٬مولوی فیروز الدین٬فیروز سنز٬لاہور س ن٬ ص۳۹۲...... ۴۔فرہنگِ تلفظ٬شان الحق حقی٬مقتدرہ قومی زبان٬اسلام آباد۲۰۰۸٬ص۱۰۷...... ۵۔اسلامی سیاست٬مولانا گوہر رحمان٬ مکتبہ تفہیم القران٬مردان٬۲۰۰۲٬۳۹۳...... ۶۔القرآن:الاسرا:۲۳...... ۷۔اسلامی سیاست٬ص۳۹۴...... ۸۔مفتی محمد رشید رضا٬تفسیر المنار آیت الاعمران:۱۰۴...... ۹۔ترمذی باب الفتن...... ۱۰۔اسلامی ریاست میں محتسب کا کردار٬ڈاکٹر ایس ایم ناز٬ادارہ تحقیقاتِ اسلامی٬بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی٬اسلام آباد٬۱۹۹۹٬ص۲۰...... ۱۱۔ایضاً٬ص۶۸...... ۱۲:ایضاً٬ص۲۳...... ۱۳۔الفارابی٬السیاسیات المدنیہ جلد ۱۶٬دائرۃ المعارف العثمانیہ٬حیدر آباد٬دکن٬ص۴۲...... ۱۴۔الموسوعتہ القضائیہ''اسلامی عدالتوں کے فیصلوں پر مبنی انسائکلو پیڈیا''، فلاح فاؤنڈیشن، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور، س ن...... ۱۵۔ایضاً، ص۱...... ۱۶۔اسلامی نظامِ حیات، شیخ محمد اقبال، علمی کتاب خانہ، لاہور، ۱۹۷۶٬ص۱۴۷...... ۱۷۔اسلام میں عدلِ اجتماعی، سید قطب شہید، مترجمہ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ص۱۱۱...... ۱۸۔ایضاً، ص۳...... ۱۹۔اسلامی سیاست، ص ۳۹۳...... ۲۰۔القران: الرحمٰن:۷، ۸، ۹...... ۲۱۔القرآن:الانفطار:۸٬۷...... ۲۲۔کلیاتِ اقبال٬علامہ محمد اقبال٬علم و عرفاں پبلشرز٬لاہور٬۲۰۰۲٬ص۱۴۷ ۲۳۔القرآن:الانعام:۱۱۵...... ۲۴۔اتحادِ اسلامی قران٬سنت اور عقل کی روشنی میں٬ابرار خٹک٬سہ ماہی المعارف٬ادارہ ثقافتِ اسلامی، لاہور، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۰، ص۵۱...... ۲۵۔القران، الحجرات:۱۳...... ۲۶۔القران، المائدہ ۸...... ۲۷۔القرآن: آلعمران:۶۳...... ۲۸۔القرآن٬الشوریٰ:۳...... ۲۹۔القرآن٬:۱۸...... ۳۰۔القرآن٬الشوریٰ:۱۵...... ۳۱۔القرآن٬الاحزاب:۶۳...... ۳۲۔القرآن:النساء:۶۵...... ۳۳۔القرآن٬البقرہ:۴۳...... ۳۴۔تحادِ اسلامی قران٬سنت اور عقل کی روشنی میں٬ابرار خٹک٬سہ ماہی المعارف٬ص۵۲...... ۳۵۔القرآن٬الاحزان:۲۱...... ۳۶۔کلیاتِ اقبال٬علامہ محمد اقبال٬ص۲۹۹٬۳۰۰...... ۳۷۔سیرت النبی٬علامہ شبلی نعمانی٬جلد اول٬دارلاشاعت٬کراچی٬۱۹۸۲٬ص۱۰۸...... ۳۸۔القرآن٬المائدہ:۸...... ۳۹۔القرآن٬لبقرہ:۲۸۱......
۴۰۔القرآن٬النساء:۱۳۵...... ۴۰۔القرآن٬الانعام:۱۵۲...... ۴۱۔القرآن٬المائدہ:۸...... ۴۲:القرآن٬الاعراف:۱۵۹......
۴۳۔القرآن٬الاعراف:۱۸۱ ۴۴۔القرآن٬النحل:۹۰...... ۴۵۔القرآن٬الاعمران:۱۸...... ۴۶۔القرآن٬المائدہ:۴۲......
۴۷:القرآن٬الانبیاء:۴۷...... ۴۸:القرآن٬الحدید:۲۵ ۴۸۔القرآن٬الحجرات:۹...... ۴۹۔القرآن:الاعمران:۳۵......
۵۰:القرآن٬...... الانعام:۱۱۵...... ۵۱۔القرآن٬الجن:۱۵...... ۵۲۔القرآن٬الانبیاء ۹۸...... ۵۳۔القرآن٬النساء:۵۸...... ۵۴۔اسلامی سیاست٬ص۳۹۴...... ۵۵۔بخاری باب الشہادہ۔ ۵۶۔اسلامی سیاست٬ص۴۰۴...... ۵۷۔ابن لاقیم جوزی٬شمس السین محمد بن ابی بکر٬الجریق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ٬قاہرہ٬۱۹۵۳٬ص۲۳۸...... ۵۸۔ایضاً ۳۵۳...... ۵۹۔ترمذی باب الفتن...... ۶۰۔بخاری کتاب الاحکام...... ۶۱۔ابوداؤد باب الاخراج و الامارہ...... ۶۲۔منتخب کنز العمال بر حاشیہ٬مسندِ احمد٬جلد ٬ص۱۳۱...... ۶۳:مشکوۃ

Marfat.com

شریف...... ۶۴: مسلم شریف کتاب الامارہ: باب العدل...... ۶۵۔ترمذی باب الاحکام...... ۶۶۔الترغیب جلد ۳، ص ۶۷......
۶۸۔الترغیب للمنذری، جلد ۳، ص ۶۸...... ۶۹۔...... ۷۰۔ابوداؤد باب القضیہ ...... ۷۱۔باب الاحکام...... ۷۲۔اسلامی
سیاست، ص ۱۳۴...... ۷۳۔ابوداؤد باب القاضی...... ۷۴۔اسلامی عدالت، مجاہد الاسلام قاسمی، ادارۃ القران و لعلوم
الاسلامیہ، کراچی، ۱۹۹۴، ص ۲۰۰...... ۷۵۔ابوداؤد باب الاقضیہ ...... ۷۶۔ابوداؤد: باب الاقضیہ ...... ۷۷۔مجمع الزوائد
جلد ۵، ص ۳۴۹...... ۷۸۔الموسوعۃ القضائیہ، ص ۵۱...... ۷۹۔ایضاً...... ۸۰۔۔بخاری باب الاحکام...... ۸۱۔بخاری باب
الجہاد...... ۸۲۔ابوداؤد باب الاقضیہ...... ۸۳۔الموسوعۃ القضائیہ، ص ۳۲...... ۸۴۔ترمذی باب الاقضیہ...... ۸۵۔بخاری باب
الاحکام...... ۸۶۔ابوداؤد باب الاقضیہ...... ۸۷۔ایضاً...... ۸۸۔اسلامی سیاست، ص ۴۷۲...... ۸۹۔المغنی جلد ۱۰، ص ۶۹......
۹۰۔مسندِ احمد بن حنبل، جلد ۲، ص ۳۴۹، ۴۴۴، ۴۴۵...... ۹۱۔ایضاً ۲۴۷...... ۹۲۔الموسوعۃ القضائیہ، ص ۳۶...... ۹۳۔ترمذی باب
الاحکام...... ۹۴۔الموسوعۃ القضائیہ، ص ۴۰ ۹۵۔ایضاً، ص ۵۳...... ۹۶۔سیرۃ ابن ہشام، طبع مصطفیٰ البابی، مصر ۱۹۰۰، جلس ۲،۲، ۱، تا
۵۰...... ۹۷۔ایضاً ۹۵۔اسلامی ریاست میں محتسب کا کردار، ص ۸...... ۹۸۔مسلم شریف کتاب الحج...... ۹۹۔سہ صدی
مکتوبات، ص ۴۹۲...... ۱۰۰۔صحیح مسلم کتاب الایمان ۹۹۔سنن نسائی بشرح سیوطی، البیوع الرجحان فی الوزن، جلد ۷، ص ۲۸۴......
۱۰۱۔الترتیب الاداریہ، جلد ا ص ۲۵۸...... ۱۰۲۔ایضاً ۲۴۲...... ۱۰۳۔ایضاً...... ۱۰۴۔ایضاً...... ۱۰۵۔بخاری باب الحدود...... ۱۰۶۔ابوداؤد
باب الدیات...... ۱۰۷۔اسلامی ریاست میں محتسب کا کردار، ص ۴۳۱ ...... ۱۰۸۔بخاری باب الحدود...... ۱۰۹۔اسلامی ریاست میں
محتسب کا کردار، ص ۴۳۴...... ۱۱۰۔ایضاً ۴۴۳...... ۱۱۱۔عبدالرزاق، المنصف، طبع بیروت ۱۹۷۲، ص ۴۶۹...... ۱۱۲۔ایضاً ۴۶۷......
۱۱۳۔ایضاً ۴۶۶...... ۱۱۴۔کلیاتِ اقبال، محمد اقبال، ص ۳۹۱...... ۱۱۵۔سنن دار قطنی مع التعلیق المغنی فی الاقضیہ و الاحکام
ص ۲۰۶، ۲۰۷...... ۱۱۶۔الموسوعۃ القضائیہ، ص ۴۳۰...... ۱۱۷۔ابوداؤد باب الدیات...... ۱۱۸۔ایضاً ۴۳۷...... ۱۱۹۔الاحکام
السلطانیہ، ص ۲۵۴...... ۱۲۰۔ابنِ الاثیر، الکامل، طبع بیروت ۱۹۶۵، ص ۳۹۹ ...... ۱۲۱۔خطیب بغدادی، تاریخِ بغداد، طبع بیروت، جلد
۱۳، ص ۳۲۸...... ۱۲۲۔ایضاً ۴۲۲ ...... ۱۲۳۔خطیب بغدادی، جلد ۱۳، ص ۲۵۲...... ۱۲۴۔ایضا...... ۱۲۵۔تاریخِ ادب عربی، مصطفیٰ
البابی، مصر ۱۹۳۷، ص ۱۷۷...... ۱۲۶۔الموسوعۃ القضائیہ، ص ۵۰...... ۱۲۷۔ اسلامی ریاست میں محتسب کا کردار، ص ۱۱۶۵......
۱۲۸۔اسلامی سیاست ۲۴۸...... ۱۲۹۔الموسوعۃ القضائیہ، ص ۴...... ۱۳۰۔ایضاً۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

حافظ محمد ابراہیم۔ بہاولنگر

خالق کائنات نے اس دنیا کو پیدا کیا۔ کائنات عدم سے وجود میں آئی تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر اس دنیا میں بھیجا۔

﴿وَاِذْقَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةًo قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَo وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَo قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

''اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو بے شک میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب سب فرشتے کہنے لگے کیا تو بنائے گا اس میں جو شخص فساد کرے اس میں اور خون بہائے اور ہم سب تیری تسبیح بیان کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔

فرمایا: بے شک جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ سب سے پہلے انسان جو اس دنیا میں بھیجا گیا وہ حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ جو خود بھی نبی اور پیغمبر تھے، تمام انسانیت اسی آدمؑ کی اولاد ہے جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر بھیجا۔ تو اس نے انسان کو زمین پر رہنے کے آداب بھی سکھائے کہ کس طرح تم نے ایک دوسرے سے میل جول رکھنا ہے کس طرح تم نے اپنی زندگی کو گزارنا ہے اور جو تمہارا خالق ہے اور اس پوری کائنات کا خالق ہے صرف اور صرف اس کی ہی عبادت کرتی ہے صرف اسی کو اپنا معبود ماننا ہے کسی اور کے آگے نہیں جھکنا اور نہ ہی کسی کو حاجت روا تصور کرنا ہے۔

حضرت آدمؑ کے بعد وقت کے ساتھ ساتھ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے انبیاء کرام تشریف لاتے رہے۔ جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نبی اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آیا تو کچھ لوگوں نے اسے قبول کیا اور اکثر لوگ اس سے منہ پھیرتے رہے۔ جب تمام انبیاء کرام باری باری اس دنیا میں مبعوث ہو چکے۔ لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا چکے تو ساری کی ساری انسانیت اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغام سے روگرداں ہوگئی اور مذموم بگڑے ہوئے جاہلانہ تصورات کی طرف چلی گئی تو سب سے آخر میں اسلام ایک کامل ترین تصور اور جامع ترین شریعت ایک ساتھ لے کر آیا اور اس نے ایک بھرپور زندگی کا جامع نظام قائم کیا جو اس تصور اور شریعت کا عملی مظاہرہ تھا۔ اور اس سارے نظام کی بنیاد عدل پر قائم تھی اللہ تعالیٰ نے تو کائنات کی تخلیق میں سورج چاند، زمین آسمان، شجر حجر پہاڑ، سمندر، دریا، ہوائیں، بادل سب میں عدل کو برقرار رکھا ہوا ہے۔

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا﴾ ''اور اس نے پیدا کیا ہر چیز کو پھر اس کی تقدیر مقرر کی''۔ (سورہ فرقان آیت نمبر۲)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًاo مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍo فَارْجِعِ الْبَصَرَ

Marfat.com

هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ﴾ (سورہ ملک: ۳-۴)

''وہی ذات ہے جس نے اوپر تلے سات آسمان بنائے۔ کیا تو دیکھتا ہے رحمٰن کے بنائے میں کچھ فرق۔ پھر دہرا کر نظر ڈال کیا تو دیکھتا ہے کہیں دراڑ یا کسی قسم کا نقص، پھر دہرا کر دوسری بار نظر ڈالو، الٹی آئے گی تیرے پاس تیری نظر رد ہو کر تھک کر''۔

سورج اور چاند کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ. وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ (سورہ یاسین آیت نمبر ۴۰)

''سورج کے لیے مناسب نہیں کہ وہ پکڑے چاند کو اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے دائرہ کار میں رواں دواں ہے''۔

ارشاد باری ہے:

﴿وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ﴾

''اور زمین کو رکھا واسطے مخلوق کے'' (سورہ الرحمٰن: آیت ۱۰)

﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ ''زمین کی ساری چیزیں تمہارے لیے پیدا کیں''۔ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۹)

﴿وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ﴾

''اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے آراستہ کیا''

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ﴾

''بیشک اللہ تعالیٰ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کو ٹل جانے سے روکے ہوئے ہے اور اگر وہ ٹل جائیں تو اللہ تعالیٰ کے بعد کوئی دوسرا نہیں تھامنے والا نہیں ہے''۔ (سورہ فاطر آیت ۴۱)۔

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (سورہ ق آیت: ۱۶)

''اور ہم نے انسان کو پیدا کیا۔ اس کی تخلیق کی اور ہم خوب جانتے ہیں جو باتیں آتی ہیں اس کے جی میں اور ہم تو اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں''۔

شان وحدت کی حامل اس کائنات میں انسان بھی اس کا ایک جزو ہے جو دوسرے اجزاء سے مربوط و ہم آہنگ ہے۔ ایک ایک فرد پورے نظام کائنات سے ربط رکھے ہوئے ہے اور کائنات سے ہم آہنگی اور تعاون سب کی منزل مقصود ہے

Marfat.com

جس طرح فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا﴾

''اے آدمیو! ہم نے تم کو بنایا ایک نر اور مادہ سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں، گوتیں (قبیلے) تا کہ تمہاری آپس میں پہچان ہو''

عدل کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

﴿وَ لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ﴾ (البقرہ آیت نمبر ۲۵۱) ''اور اگر اللہ تعالیٰ انسانوں ک یا یک گروہ کو دسورے گروہ کے ذریعے ہٹاتا نہ رہتا تو زمین کا نظام بگڑ جاتا''۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے پورے نظام کو عدل کے ذریعے برقرار رکھا ہوا ہے اور یہ ہی اجتماعی عدل ہے۔

انسان کی حرص اور طمع کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ﴾ (العدیات آیت ۸) بے شک وہ مال کی محبت میں بہت سخت اور آگے بڑھا ہوا ہے۔

﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ اَمَلًا﴾

''یہ مال اور بیٹے دنیاوی زندگی کی زینت ہے اور باقی رہ جانے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے نزدیک نتیجہ کے اعتبار سے بہترین اور انہی سے اچھی امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں''۔

ایک اور جگہ ارشاد باری ہے:

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ○ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ○ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ (آل عمران: ۱۴-۱۵)

''رجھایا ہے لوگوں کو مزوں کی محبت پر عورتیں، بیٹے اور بڑے بڑے ڈھیر سونے اور چاندی کے اور گھوڑے پلے ہوئے اور ویشی اور کھیتی دنیاوی زندگی کے سامان ہیں۔ حقیقت میں جو بہتر ٹھکانہ ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے۔ تو کہہ میں بتاؤں تم کو اس سے بہتر جو لوگ پرہیزگار ہیں ان کو اپنے رب کے ہاں باغ میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہاں انہیں ہمیشہ کی زندگی حاصل ہوگی۔ پاکیزہ بیویاں ان کے ساتھ ہوں گی اور خدا کی رضا سے وہ سرفراز ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر گہری نظر رکھتا ہے۔''

اسی طرح اس مال اور اولاد کو فتنہ بھی قرار دیا گیا ہے اور بیویوں اور اولاد کو دشمن۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا

Marfat.com

﴿وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ o وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾

''اے ایمان والو! بے شک تمہاری بیویاں اور اولاد تمہارے دشمن ہیں سو ان سے بچتے رہو اور اگر معاف کرو اور درگزر کرو اور بخشو تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تمہارے لیے فتنہ ہیں آزمائشیں ہیں۔ (سورہ تغابن آیت ۱۴-۱۵)

ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ اپنی صاحبزادی کے دونوں بیٹوں میں سے ایک کو گود میں لے کر نکلے اور آپ کی زبان پر یہ جملہ تھا۔ ''انکم لتبخلون وتجبئون وتجهلون''۔ (ترمذی) ''بے شک تم ہی بخیل بناتے ہو اور بزدل بناتے ہو اور تم ہی جہالت میں مبتلا کر دیتے ہو'' آدمی بڑا سخی ہوتا ہے لیکن بعض اوقات اولاد اسے بخیل بنا دیتی ہے اور بعض اوقات بزدل بھی بنا دیتی ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کی عزت نفس مجروح ہو جاتی ہے اور وہ اولاد کی خاطر بھیک مانگنے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے۔ دوسرے کے آگے دست سوال دراز کرنے کو نبی پاک ﷺ نے اچھا عمل نہیں جانا۔ بلکہ آپ ایک سوال کرنے والے کو ایک درہم عنایت فرما کر ارشاد فرماتے ہیں۔ ''لان یاخذ احدکم حبله فیاتی بحزمة حطب علی ظهره فلیبعها فیکف الله بها وجهه خیر من ان یسال الناس اعطوه اومنعوه''۔ (بخاری، مسلم) ''کہ یہ بات کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی رسی سنبھالے اور جا کر جلانے کی لکڑیوں کا ایک گٹھا چن کر اسے اپنی پیٹھ پر اٹھا لائے اور فروخت کرے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی آبرو وسلامت رکھے اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے مانگتا پھرے اور لوگوں کا جی چاہے تو اسے کچھ دے دیں ورنہ کچھ نہ دیں۔''

امتیاز اور برتری جہاں کہیں بھی پائی جاتی ہے اسلام اسے مٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ سوائے اس امتیاز اور برتری کے جس کی بنیاد اعمال صالح اور تقویٰ ہو۔ آپ ﷺ کی مثال لے لیجئے ایک مرتبہ آپ کچھ لوگوں کے پاس تشریف لے گئے تو وہ لوگ آپ کے احترام میں تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ آپ نے منع فرمایا اور فرمایا ''من سره ان یمثل له الرجال قیاما فلیبتوا مقعده من النار'' ''جس شخص کو اس بات سے انتہائی خوشی ہوتی ہو کہ لوگ اس کے احترام میں سیدھے سرو قد کھڑے ہو جائیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے''۔ یعنی اس میں بھی عدل کا تقاضا یہی ہے کہ جب آپ کسی عام آدمی کے لیے کھڑے نہیں ہو سکتے تو خاص شخص کے لیے کیوں کھڑے ہوں اس طرح تمام انسانیت کا احترام ضروری ہے۔ نبی پاکؐ کی شخصیت تمام کائنات کے انسانوں سے برتر حیثیت رکھتی ہے۔ آپؐ سے قبل لوگ انبیاء کرام کی بزرگی کے سبب ان کی عبادت و پرستش کرنے لگ گئے تھے۔ خود کعبے میں ایک بت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات سے منسوب تھا اور اسی کے ساتھ لات منات اور عزیٰ کے بت بھی موجود تھے۔ خانہ کعبہ میں رکھے گئے بت قابل احترام معزز ہستیوں کے نام سے منسوب تھے لیکن اسلام نے ان کی پوجا سے منع فرمایا۔ اسلام نے انسانی ضمیر کو اس سے باز رکھنے کی ہمیشہ کوشش کی ہے نبی پاک ﷺ کے بارے میں ارشاد باری ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ. قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ. اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ﴾ (آل عمران: ۱۴۴)

''محمد اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں۔ تحقیق ان سے قبل بھی رسول گزر چکے ہیں پس کیا اگر

Marfat.com

وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے''۔

اسی طرح مختلف فیصلوں کے اختیارات کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ﴾ (آل عمران آیت: ۱۲۸)

''اے پیغمبر فیصلہ کرنے کے اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ اللہ کو اختیار ہے چاہے انہیں معاف کرے چاہے سزا دے''۔

یہ ساری اجتماعی عدل کی مثالیں ہی تو ہیں۔ قرآن پاک محض اسی حقیقت پر زور دیتا ہے کہ آپؐ دوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان ہیں۔ خود نبی پاک ﷺ اسی بات کو دہراتے رہے تھے۔ آپ قوم میں ہر دلعزیز شخصیت تھے۔ قوم کے پیارے تھے اور قوم کے دل میں آپ کی عزت وعظمت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس کے باوجود آپ فرماتے تھے ''لاتطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ ابن مریم فانما انا عبداللہ ورسولہ۔'' (بخاری) ''میری تعریف میں اس طرح غلو نہ کرنا (عوام کو دھوکہ نہ دینا) جس طرح کا غلو نصاریٰ حضرت عیسیٰ بن مریم کے بارے میں کرتے تھے کیونکہ میں صرف اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا پیامبر ہوں''۔ آپ اپنی قوم کو فرماتے تھے کہ اپنے رشتے داروں اور عزیزوں فرماتے تھے کہ میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا: یا معشر قریش لا اغنی عنکم من اللہ شیاء، یا بنی عبد مناف لا اغنی عنکم من اللہ شیئا یا عباس ابن عبدالمطلب لا اغنی عنکم من اللہ شیئاً ویا صفیة عمة رسول اللہ لا اغنی عنك من اللہ شیئاً۔ (متفق علیہ) ''اے اہل قریش میں خدا کے آگے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ اے بنی عبد مناف میں خدا کے آگے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب، میں خدا کے آگے تیرے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ اے اللہ کے رسول کی پھوپھی صفیہ میں اللہ کے آگے تیرے کچھ کام نہ آسکوں گا۔'' حضرت نے اپنے چچا حضرت ابو طالب کے بارے میں کوشش کی کہ مرتے وقت کلمہ ہی کہہ دیں۔ مگر انہوں نے قبول نہ کیا تو ارشاد تعالیٰ ہوا:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ (القصص: ۵۶)

''بے شک تو ہدایت نہیں دے سکتا۔ راہ پر نہیں لا سکتا جس کو تو چاہے اور لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت دے راہ پر لاوے اور وہی خوب جاننے والا ہے جو راہ پر آویں گے''۔

یعنی اسلام نے تو اجتماعی عدل کی انتہاء کر دی کلام پاک بھی اس کا حکم دیتا ہے اور احادیث نبوی بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ اسلام میں ہر ایک فرد صاحب عزت و ناموس ہے اور ہر ایک فرد کی عزت کرنا واجب ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۖ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا ۖ هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ (سورہ نور: آیت ۲۸-۲۷)

''اے ایمان والو! مت جایا کرو کسی دوسرے گھروں میں اپنے گھروں کے سوا بغیر اجازت لیے اور سلام دے لو اس گھر والوں پر۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے شاید کہ تم یاد رکھو پس اگر نہ پاؤ گھر میں کوئی تو

Marfat.com

نہ داخل ہوؤ اس میں جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے اور اگر تم کو واپس چلے جانے کا کہا جائے تو واپس ہو جاؤ یہ طریقہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزگی کا ہوگا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے بخوبی جانتا ہے۔''

اسلام اپنے قریبی رشتہ داروں اور خاص کر والدین کے بارے میں خصوصی حسن سلوک کی ترغیب دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا. إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا. وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾ (بنی اسرائیل ۲۴-۲۳)

''اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہوجائیں تو ان کو اف تک نہ کہو۔ نہ انہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی و رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو اے پروردگار ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا''۔

اسلام میں ہر فرد پر جو ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ اسے وہ بخوبی سرانجام دینے کا مجاز ہے کیونکہ فرد جو بھی کام کرتا ہے جو بھی محنت کرتا ہے اس کا پھل دراصل جماعت کی ملکیت ہے اور اس کا اچھا یا برا نتیجہ پوری جماعت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ (توبہ آیت:۱۰۵)

''اے نبی تم کہہ دو ان لوگوں سے کہ تم عمل کرو پس عنقریب اللہ اور اس کے رسول اور تمام مومنین سب دیکھیں گے کہ تمہارا طرز عمل کیا ہے''

ہر ایک فرد کو ذمہ داری ایسے نبھانی چاہیے جیسا کہ وہ ہی پوری جماعت کا نگران بنا دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ زندگی کی مثال سمندر میں چل رہی کشتی کی سی ہے کہ کشتی کی سلامتی کے بارے میں ہر سوار ذمہ دار ہے اور کسی کو انفرادی طور پر اس کشتی کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے کا کوئی حق نہیں۔ گویا جماعت کے مفادات کا خیال رکھنا ہر فرد کا فرض ہے۔ اسلامی معاشرے کے سماج میں ہر فرد بیک وقت پوری جماعت کا نگران بھی ہے اور زیر نگرانی بھی ہے۔ جس طرح کے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیته'' (مسلم بخاری) ''تم میں ہر ایک فرد نگران بھی ہے اور اس سے اس کی نگرانی میں دیئے افراد کے بارے میں باز پرس بھی ہونی ہے''۔ جماعت کا ہر فرد ہر غلط کام اور برائی کے بارے میں جوابدہ ہے۔ جو جماعت میں رونما ہو رہی ہو۔ کیونکہ اسلام میں جماعت ایک اکائی ہے اس لیے اسے منکرات سے بچانا ہر فرد کی ذمہ داری ہے بنی اسرائیل پر زوال ایسے ہی آیا اور ان پر اللہ کی طرف سے لعنت کی گئی کہ انہوں نے ایک دوسرے کو برائی کرنے سے روکنا چھوڑ دیا تھا وہ سرکش ہو گئے تھے اور زیادتیاں کرتے تھے۔ مگر ایک دوسرے کو روکتے نہ تھے بنی اسرائیل کے انبیاء نے ان پر

Marfat.com

لعنت بھیجنا شروع کر دی اور اس طرح ان کا عروج زوال میں تبدیل ہوتا گیا۔ کلام پاک میں بنی اسرائیل کے زوال کی مثالیں بارہا بیان کی گئی ہیں۔ یہ مثالیں اس لیے دی گئی ہیں کہ ہم بنی اسرائیل والے اعمال سے باز رہیں بنی اسرائیل کا سا رویہ اختیار نہ کریں ورنہ ان جیسی ذلت اور رسوائی کا سامنا ہمیں بھی کرنا پڑے گا اس سلسلے میں کلام پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ. كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ (المائدہ: ۷۹-۷۸)

''بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی زبان سے لعنت کی گئی ہے یہ اس سے کہ وہ گنہگار تھے اور حد پر قائم نہ رہتے تھے۔ آپس میں منع نہ کرتے تھے برے کام سے جو وہ کر رہے تھے۔ کیا برا کام ہے جو وہ کرتے تھے۔''

نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''لما وقعت بنو اسرائیل فی المعاصی نهتهم علماؤهم فلم ینتهوا فجالسوهم فی مجالسهم وواکلوهم وشاربوهم فضرب الله قلوب بعضهم ببعض ولعنهم علی لسان داؤد و عیسیٰ ابن مریم''۔ ''جب بنی اسرائیل میں گناہوں کا بازار گرم ہوا تو ان کے علماء نے انہیں روکا لیکن وہ نہیں رکے ان کے علماء نے مجلسوں میں ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا سب کچھ جاری رکھا اس پر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض علماء کے دلوں کو بعض دوسروں یعنی عوام کے دلوں جیسا ہی کر دیا اور ان پر حضرت داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت بھیجی گئی''۔

جس وقت آپ یہ ارشاد فرما رہے تھے تو آپ ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے۔ اس کے بعد آپؐ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا ''لا والذی نفسی بیده حتیٰ تاطروهم علی الحلق اطراً'' (ابو داؤد، ترمذی) ''نہیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے جب تک ایسے لوگوں کو بزور بازو ٹھیک طریقہ اختیار کرنے پر مجبور نہ کرو گے فلاح نہ پاؤ گے'' ایک اور موقع پر ارشاد نبوی ہے: ''من رای منکم منکرا فلیغیره بیده فمن لم یستطع فبلسانه فمن لم یستطع فبقلبه وهو اضعف الایمان''۔ (مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی) ''تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اسے بزور بازو مٹا دے جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ زبان سے اسے دور کرنے کی کوشش کرے۔ جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو وہ دل ہی میں اس کے خلاف جذبہ رکھے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور اور نچلا درجہ ہے''۔ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی حدود کا پاس رکھنے والے اور ان سے تجاوز کرنے والوں کے بارے میں ارشاد نبوی ہے۔ آپؐ نے مثال دے کر فرمایا: ''مثل القائم علیٰ حدود الله والواقع فیها کمثل قوم استهموا فی سفینة. فاصاب بعضهما علاها وبعضهم اسفلها فکان الذین فی اسفلها اذا استقو مدوا علی من فوقهم فقالوا لوانا خدقنا فی نصیبنا خرقاً ولم نؤذمن فوقنا فان ترکوهم وما ارادوا هلکوا وان اخذوهم علی ایدیهم نجوا ونجوا جمیعا''۔ (بخاری، ترمذی) ''اللہ کی کھینچی ہوئی حدود کا پاس رکھنے والے اور ان حدود سے تجاوز کرنے والے کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ کچھ لوگ تھے جنہوں نے آپس میں مل کر ایک کشتی حاصل کی۔ کچھ لوگوں کو اوپر والا حصہ ملا اور کچھ کو نیچے والا۔ جو لوگ نچلے حصے میں رہتے تھے ان کو پانی پینے کے لیے اوپر والوں سے ہو کر گزرنا پڑتا تھا

Marfat.com

انہوں نے سوچا کہ کیا اچھا ہوتا کہ اگر ہم اپنے ہی حصے میں (پانی تک رسائی حاصل کرنے کے لیے) ایک سوراخ کرلیں اور اوپر والوں کو تکلیف دینے سے بچ جائیں۔ اگر لوگ ان نیچے والوں کو ان کا ارادہ پورا کرنے دیں تو وہ خود بھی ہلاک ہوں اور دوسرے سارے بھی اور اگر ان کا ہاتھ پکڑ لیں تو وہ بھی بچ جائیں اور تمام کے تمام نجات پائیں''۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ بعض لوگوں نے کلام پاک کی آیت۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ (المائدہ آیت ۱۰۵)

''اے ایمان والو! تم پر لازم ہے فکر اپنی جان کا، تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی گمراہی پر ہو جب کہ تم خود راہ راست پر ہو''

سے یہ مفہوم نکالا کہ یہ آیت منکرات کو مٹانے سے خاموشی اختیار کر لینے کو جائز قرار دے رہی ہے تو اس پر حضرت ابوبکرؓ نے ان کی کم فہمی یہ کہہ کر واضح کر دی: ''یا ایها الناس انکم تقرؤون هذه الآية وانکم تضعونها علي غير موضعها واني سمعت رسول الله ﷺ. يقول ''ان الناس اذا رأوا الظالم فلم يأخذوا علي يده اوشك ان يعمهم الله تعالٰي بعقاب'' واني سمعت رسول الله ﷺ يقول ''مامن قوم يعمل فيهم بالمعاصي ثم يقدرون علي ان يغيروا فلم يغيروا الا يؤشك ان يعمهم الله بعقاب. (ابو داؤد، ترمذی) لوگو تم اس آیت کو پڑھتے ہو اور اس کی غلط تاویل کرتے ہو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ ''لوگوں کا حال جب یہ ہو جائے کہ وہ ظالم کو دیکھیں مگر اس کا ہاتھ نہ پکڑ سکیں تو پھر اللہ تعالیٰ کو ان پر عذاب بھیجتے دیر نہیں لگتی''۔ اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ ''کوئی قوم ایسی ہو جس میں گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہو اور لوگ اس حالت کو بدلنے پر قادر بھی ہوں لیکن پھر بھی نہ بدلیں تو ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب عام نازل ہوتے دیر نہیں لگتی''۔ ایک مومن کا تعلق دوسرے مومن سے ایسے جڑا ہوا ہے جیسا کہ ایک عظیم الشان عمارت کی ایک اینٹ دوسری اینٹ سے باہم جڑی ہوتی ہے تب کہیں جا کر عظیم الشان عمارت تیار ہوتی ہے۔ اسی طرح آپؐ نے فرمایا: **المؤمن للمؤمن كا البنيان يشد بعضه بعضاً** ''ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی اینٹوں کے مانند ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسری کو تھامے اور سنبھالے رکھتی ہے''۔ (مسلم، بخاری)

پوری امت کی مثال ایک جسد واحد کی سی ہے کہ جس کے ایک عضو کو اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو پورا جسم اس کی تکلیف محسوس کرتا ہے اور پورے جسم کو چین نہیں آتا۔ نبی پاک ﷺ نے اس بارے میں ارشاد فرمایا ہے ''تداعي له سائر الجسد بالسهر والحمي۔ (متفق علیہ) ''مسلمانوں کی مثال باہم لطف و کرم اور انس و محبت میں ایک جسم کی مانند ہے کہ جب ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو بدن کا ہر عضو بے خوابی اور بخار کے ذریعے اس کا شریک غم بن جاتا ہے''۔ اسلام ہمیں یتیموں کی عزت کرنا محتاجوں کا خیال رکھنا بھوکوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا ہے۔ ایک پیٹ بھر کر کھا رہا ہے تو اسے اپنے دوسرے بھائی کا بھی خیال کرنا چاہیے جو رات کو بغیر کھائے پیئے بھوکا سو رہا ہے جس بستی میں ایک بھی بھوکا شخص ہو تمام بستی والوں کی ذمہ داری ہے کہ اس کے کھانے کا بندوبست کرے۔ اس بارے میں آقائے دو جہاں سرور کونین کا ارشاد ہے: ''ايما اهل عرصة اصبح فيهم امرؤ جائعٌ فقد برئت منهم ذمة الله تبارك و تعالیٰ'' (مسند امام احمد بن حنبل) ''جس بستی میں

Marfat.com

کوئی شخص صبح کو اس حال میں اٹھے کہ وہ رات کو بھوکا سو رہا ہو۔ یہ تمام بستی والوں کا فرض ہے کہ اس کے کھانے پینے کا بندوبست کریں اور اہتمام کریں اسی طرح اگر جماعت کے ایک فرد کے پاس سواری ہے اس کے پاس زائد سواری ہے تو وہ اسے دوسرے شخص کو مہیا کرے جس کے پاس سواری نہیں ہے جس کے پاس کھانا ہے تو وہ دوسرے شخص کے کھانے کا بندوبست کرے جس کے پاس کھانا نہیں ہے۔ جس کے پاس سفر میں زادِ راہ ہے وہ دوسرے ہمسفر کا جس کے پاس زادِ راہ نہیں ہے اس کا بندوبست کرے۔ اسلام کا یہی حکم ہے۔ اس بارے میں ارشاد نبوی ہے: ''من كان معه فضل ظهر له، ومن كان له فضل زاد فليعد به من ل ازاد له (مسلم، داؤد) ''جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اسے اس کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس زاد سفر خرچ ہو تو وہ اسے اس کے حوالے کر دے جس کے پاس زادِ راہ نہ ہو۔ ''من كان عنده طعام اثنين فليذهب بثالث فان اربع فخامس اوسادس''۔ ''جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے کو مہمان بنا کر لے جائے۔ اور اگر چار کا ہو تو پانچویں یا چھٹے کو''۔ اسی طرح اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اجتماعی جرائم کی سزائیں مقرر کی گئی ہیں اور انہیں سخت رکھا گیا ہے۔ جب تک ہر شخص کی جان و مال عزت و آبرو کو تحفظ نہ دیا جائے باہمی تعاون کا اصول پروان نہیں چڑھ سکتا۔ ارشاد نبوی ہے ''كل المسلم على المسلم حرام دمه و عرضه و ماله'' (مسلم بخاری) ''ایک مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان پر حرام ہے اس کا خون اس کی عزت آبرو اور اس کا مال''۔

اسلام کا نظام زکوٰۃ بھی اجتماعی عدل کی بہترین مثال ہے زکوٰۃ ایک شرعی فریضہ ہے جو ایک مقررہ شرح کے ساتھ مال پر عائد ہوتا ہے اسے فرد کے ضمیر پر چھوڑ دیا گیا ہے اور یہ اسی اخوت اور باہمی رحم وکرم کا نتیجہ جس کی تعلیم پر اسلام نے زور دیا ہے۔ زکوۃ جماعت کے غرباء مساکین فقراء اور یتیموں پر خرچ کی جاتی ہے تاکہ معاشرے میں دولت کی تقسیم برابر رہے۔ جو صاحب نصاب ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہے دوسرے پر نہیں اور یہ مستحقین پر خرچ کی جاتی ہے۔ اسی طرح عید الفطر پر فطرانہ واجب قرار دیا گیا ہے۔ یہ ان مستحق لوگوں کو دیا جاتا ہے جو غربت کی وجہ سے عید کی خوشی میں شریک ہونے سے قاصر ہوں تاکہ جماعت کے تمام افراد امیر اور غریب باہم مل کر عید کی خوشی مناسکیں۔ اسی طرح عیدالضحیٰ پر غرباء میں گوشت تقسیم کیا جاتا ہے اور قربانی کی کھال تو خرچ ہی غرباء اور مساکین پر ہوتی ہے۔ یہ ساری اسلام میں عدل کی مثالیں ہیں۔ نبی پاک ﷺ نے باہمی رحم وکرم کا ایسا معیار سامنے رکھا جو مزاج کے اعتبار سے خالص انسانی اور تعصب سے پاک ہے۔ ارشاد نبوی ہے''وارحموا اهل الارض يرحمكم من في السماء''۔ ''زمین میں بسنے والوں پر تم رحم کرو جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحم کرے گا'' (ابو داؤد، ترمذی) اس طرح ایک اور جگہ آپؐ نے ارشاد فرمایا جو رحم وکرم اور اخوت و محبت کی بہترین مثال ہے۔ ''بينما رجل يمشى بطريقه اشد عليه العطش فوجد برا فنزل فيها فشرب ثم خرج فاذا كلب يلهث ياكل الثرى من العطش فقال الرجل لقد بلغ منزل البر فملأ خفه ماء ثم امسكه بفمه حتى رقى فيسقى الكطلب فشكر الله فغفرله۔'' ایک بار ایک آدمی اپنی راہ پر جا رہا تھا کہ اسے سخت پیاس لگی۔ اتنے میں ایک کنواں نظر آیا تو اس میں اتر پڑا پانی پی کر باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک کتا پیاس کے مارے ہانپ رہا ہے اور کیچڑ چاٹ رہا ہے۔ اس نے سوچا کتا بھی پیاس سے اتنا ہی پریشان نظر آتا ہے جتنا پریشان میں خود ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ کنویں میں پھر اترا اور اپنا چرمی موزہ پانی سے بھر لیا۔ وہ اسے اپنے منہ سے پکڑے

Marfat.com

رہا یہاں تک کہ اوپر چڑھ آیا اور آ کر کتے کو جی بھر پانی پلایا تو اللہ نے اس کے اس عمل کی بڑی قدر کی اور اسے بخش دیا۔ اس پر لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ کیا حیوانوں کے ساتھ حسن سلوک کا بھی بدلہ ملے گا۔ آپؐ نے فرمایا ''ہر ذی حیات کے ساتھ حسن سلوک میں اجر ہے ''فی کل کبدرطبة اجر'' (بخاری ومسلم) آپؐ نے فرمایا کہ ایک عورت دوزخ میں اس لیے جھونک دی گئی کہ اس نے ایک بلی کو باندھے رکھا نہ تو خود اسے کچھ کھلایا نہ چھوڑ دیا کہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھا کر پیٹ بھر لے۔'' دخلت امرأة فی النار فی هرة ربطتها فلم تطعمها ولم تدعها تاكل من عشاش الارض (بخاری) زکوٰۃ کے بارے میں آپؐ کا ارشاد ہے ''من اتاه الله مالا فلم يؤد زكاته مثل له يوم القيامة شجاعاً اقرع له زبيبتان يطوقه يوم القيامة ثم يأخذ بلهزمتيه -يعنى بشدقيه- ثم يقول انا مالك انا كنزك'' (بخاری ونسائی) ''جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہو اور اس نے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی ہو تو قیامت کے دن اللہ اس مال کو ایک خوفناک سانپ کی شکل میں ظاہر کرے گا جس کے سر پر بال کھڑے ہوں گے اور جس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوں گے۔ یہ سانپ اس کے گلے کا ہار بنایا جائے گا اور سانپ اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑ رکھے گا پھر کہے گا ''میں ہوں تیرا مال، میں ہوں تیرا خزانہ''۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

عبدالعلیم یزدانی - لاہور

اسلام سے پہلے عرب کی حالت نہ صرف عرب کی بلکہ پوری دنیا کی حالت نہایت قابل رحم تھی۔ عدل، حقوق، مساوات جیسے الفاظ سے بالکل ناآشنا جاہل اقوام سے دنیا مزین تھی۔ نبی رحمت ﷺ تشریف لائے اور انہوں نے انسانیت کو صحیح معنوں میں ان کی پہچان کرائی۔ آقا و غلام کی طبقاتی کشمکش کو ختم کیا۔ جس سے بدامنی جنم لے رہی تھی۔ سب نسلی امتیازات میں بٹے ہوئے تھے۔

کوئی اس بات کا دعوے دار تھا کہ وہ دیوتاؤں کی نسل سے ہے اور اس دعویٰ کی تائید کرنے والے بھی موجود تھے۔ کوئی اس زعم میں مبتلا تھا کہ اس کی رگوں میں عام لوگوں کی طرح معمولی خون نہیں بلکہ صاف، خالص اور شاہانہ خون رواں ہے۔ ایک قوم انسانوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کر کے کسی طبقہ کو خدا کے سر سے تخلیق کیے جانے کے سبب معزز اور کسی دوسرے طبقہ کو خدا کے قدموں سے بنے ہونے کے سبب لیت و ذلیل قرار دیتی۔ عورتوں کے بارے میں یہ بات چھڑی ہوئی تھی کہ ان کے جسم میں روح ہوتی بھی ہے کہ نہیں۔

ان حالات میں جب انسانیت اس حد تک مسخ ہو چکی ہو اور اس قدر ستم ظریفی پر اتر چکی ہو تو اس کو راہ راست پر لانا ایک ناممکن سی بات اور ایک خواب لگتا ہے جس کی کوئی تعبیر ہی نہیں۔ ایسے حالات میں اسلام آیا اور عدل و انصاف اور مساوات کا درس دیا۔ ہر انسان کو مساوی قرار دیا۔ عزت و شرف کی بنیاد تقویٰ و پرہیز گاری کو رکھ دیا۔ یہ ایک ایسا قدم تھا جس کی نظیر پوری تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی۔ اب سوال یہ ہے کہ کس طرح اسلام نے حضرت انسان کو پستیوں سے نکال کر بلندیوں سے ہمکنار کیا۔ وہ کیا اصول و ضوابط تھے۔ ان کی بنیاد کیا تھی جس سے اسلام اور ان کے احکام میں وہ جاذبیت نظر آئی کہ گمراہ قوم سیدھے راستے پر آ گئی۔ اسلام نے تدریجی طریقے سے اپنی تعلیمات کا پرچار کرنا شروع کیا۔ انسان کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے سب سے پہلے اسلام آزادی خیر کی بات کرتا ہے۔ جب تک انسان کا ضمیر اس کا ساتھ نہیں دے گا یا اس کے ضمیر کی تربیت نہ ہوئی ہو گی اس کے قول و فعل میں تضاد ہو گا۔ اسلام ایسے مقاصد کو اپنا ہدف بناتا ہے جس سے شروع تا آخر ساری انسانیت کو یکساں فوائد ملیں اور یکساں تعلق رہے۔

عدل اجتماعی کو عام کرنے کے لیے اور حقوق و مساوات کا علم بلند کرنے کے لیے اسلام نے انسانی ضمیر میں اس کی ضرورت کا احساس اجاگر کیا۔ محض قانون سازی کر دینے سے عدل قائم ہیں کیا جا سکتا تھا۔ جب تک فرد کو کسی چیز کی ضرورت کا احساس ہی محسوس نہ ہو تب تک اسے نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام دین فطرت ہے۔ اسلام نہیں چاہتا کہ فرد کی صلاحیتوں کو کچلے بلکہ اسلام ان کو مکمل پروان چڑھانے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ جب انسان کا ضمیر اس بات سے منور ہو کہ خدا تعالیٰ اسے مسلسل

Marfat.com

دیکھ رہا ہے تو وہ عدل و انصاف سے کام لیتا ہے۔ چوری، بددیانتی سے باز رہتا ہے۔ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے باز رہتا ہے۔ جب انسان کا ضمیر اور وجدان پوری طرح آزاد ہوگیا تھا تو اب اسے کسی کا ڈر اور خوف نہ رہے گا۔ یہ بات مسلسل اس کے دماغ میں موجود ہوگی کہ اس کی مکمل نگرانی کی جا رہی ہے۔ مشکلات اور موت کے اندیشوں سے ماوراء ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ جان چکا ہے کہ کوئی بھی بات اللہ کے حکم کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر وہ اپنے حقوق کے لیے لڑے گا۔

''مساوات کے تصور کے تحت اب وہ اپنے حقوق کا طالب بن کر اٹھے گا اور جب ان حقوق کو حاصل کرے گا تو ان کے تحفظ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے گا اسے یہ حقوق عزیز ہوں گے''۔ یہاں پر اگر ہم ایک مسلمان کی تعریف دیکھیں کہ مسلمان کسے کہتے ہیں۔ ہم نے تو یہ سمجھ رکھا ہے کہ مسلمان وہ ہے جس نے پہلا کلمہ پڑھ لیا اب وہ دائرہ اسلام میں داخل ہے اور پاک ہوگیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا مگر کیا اس کی صرف یہی ذمہ داری تھی؟ یا اس سے آگے بھی کچھ کرنے کی ضرورت تھی۔

> ''عربی زبان میں مسلم اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کی ناک میں چھید کر کے اس کے اندر نکیل ڈالی گئی ہو اور وہ نکیل کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہو۔ جس اونٹ کی نکیل، مہار ناک میں رسہ ڈال کر کڑا ڈال کر کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہو اس اونٹ کو مسلم کہا جاتا ہے۔ یعنی ایسا اونٹ جو بے مہار نہیں ہے جو اپنی مرضی سے جس طرف چاہے نہیں جاسکتا۔ جس کا دل جہاں چاہے منہ نہیں مار سکتا جس جگہ چاہے نہیں رک سکتا تب چلتا ہے جب چاہے نہیں چل سکتا۔ جب مہار تھامنے والا اس کو چلاتا ہے وہاں رکتا ہے جہاں اونٹ کا تھامنے والا اس کو روکتا ہے وہاں چرتا ہے جہاں چرنے کی اجازت ہوتی ہے وہاں گردن اٹھاتا ہے جہاں اٹھانے کی اجازت ہوتی ہے اور وہاں نظریں جھکا دیتا ہے جہاں مالک رسی کھینچ کر جھکنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ مطیع فرمانبردار، تابع مہمل جس کا اپنا کوئی ارادہ بھی نہیں ہے''۔

اسلام کے عدل اجتماعی کے نظام میں انسانی جان، مال، عزت و آبرو کو بہت اہمیت حاصل ہے کسی بھی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کی ناحق جان لے اس کی عزت سے کھیلے اور نہ ہی اس کے مال پر نظر رکھے۔ ''اسلامی ریاست کے تمام باشندے معاشرتی اعتبار سے مساوی عزت و احترام کے مستحق ہوتے ہیں ایک دوسرے کا احترام یکساں لازم ہے کوئی نہ تو کسی کو گالی دے سکتا ہے نہ کسی کی جان لے سکتا ہے اگر کوئی ایسا کرے گا تو سزا کا مستحب ہوگا۔ خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا گیا تھا۔ ''لوگو! تمہارے خون، مال اور آبروئیں آج کے دن کی طرح محترم ہیں'' پھر فرمایا ''مسلمانوں پر ایک دوسرے کی ہتک عزت حرام ہے''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا''۔ (النساء: ۹۳) اللہ تعالیٰ نے ہر معاملے میں امت میں عدل پیدا کیا ہے اور اس کے متعلق احکام نازل فرمائے ہیں ان کی پیروی کو لازم قرار دیا اور نافرمانی پر سزا کی وعید سنائی ان سب چیزوں کا مقصد صرف یہی تھا کہ معاشرے میں امن اور عدل و مساوات قائم ہوں۔ حجۃ الوداع پر یہی سب کو برابر قرار دیدیا اور عزت کا معیار صرف اور صرف تقویٰ و

Marfat.com

پرہیزگاری طے ہوا۔ ''اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے بے شک تمہارا باپ بھی ایک ہے یاد رکھو! کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ فام کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں۔ ہاں جس میں تقویٰ ہو اور زیادہ عزت والا ہے''۔ یہ اعلان اس وقت کیا گیا جب مختلف لوگ اپنے آپ کو دیوتا کے بیٹے یا اپنا نسب چاند اور سورج سے ملاتے تھے اور باقی لوگوں کو کمتر سمجھتے تھے اسلام نے ان کے مابین عدل قائم کر دیا۔ اس بارے میں چوہدری افضل حق لکھتے ہیں۔

''بنی نوع انسان کو نہ صرف نسلی تقسیم اور آقا و غلام کے امتیاز نے مصیبت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ بلکہ عورت ہمیشہ تختہ مشق ستم بنی رہی اس شخص کو فخر کائنات کیوں نہ کہا جائے جس پر آیت اتری کہ عورت اور مرد نفس واحد ہیں۔ نسلی، سیاسی، اقتصادی اور جنسی امتیاز اللہ کے نزدیک قبول نہیں کالا گورا، آقا غلام، سرمایہ دار مزدور مرد اور عورت ان میں سے کسی پر فوقیت نہیں دی وہی فائق ہے جس کا عمل اچھا ہے''۔ اور ظاہر ہے کہ صحیح معنوں میں معزز وہی ہے جو اللہ کے نزدیک بھی معزز ہو ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور انہوں نے کہا کہ تم سے زیادہ مال و اولاد رکھتے ہیں۔ ہم ہرگز سزا پانے والے نہیں ہیں کہو میرا رب جس کے لیے چاہتا ہے روزی میں فراخی پیدا کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگی۔ لیکن اکثر نہ سمجھ ہیں تمہارے اموال و اولاد تمہیں اللہ کے قریب کرنے والی چیزیں نہیں البتہ جو ایمان لیے اور اعمال صالحہ بجالائے تو ایسے لوگوں کے لیے ان کے عمل کی بدولت کئی گنا اجر ہوگا۔

مال اور اولاد اللہ کی نعمتوں میں سے ہیں۔ ان پر فخر نہیں کرنا چاہیے نہ ہی یہ ہمیں کوئی اخروی فائدہ دے سکتیں ہیں لوگ مال اور بیٹوں کی بہتات سے غرور کرنے لگ گئے تھے اور اپنے آپ کو ان لوگوں کا سردار سمجھتے تھے جن کے پاس یہ دو نعمتیں میسر نہیں اللہ نے اس آیت میں اس کا جواب دے دیا کہ بڑائی صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔ کچھ لوگ کہا کرتے تھے کہ ہم تو شاہانہ خون سے بنائے گئے ہیں اور باقی لوگ اور ان کے خاندان نجس ہیں اسلام نے اس معاملے میں بھی عدل کو ملحوظ رکھا اور ان کو ان کی حقیقت کی طرف توجہ دلائی۔ ''کیا ہم نے تم سب کو ایک حقیر پانی سے نہیں بنایا؟ پھر ہم نے اسے ایک جائے قرار میں ایک متعین مدت تک رکھا پھر ہم نے مزید تعین کی اور ہم بہت صحیح تعین کرنے والے ہیں۔ (المرسلات: ۲۰ تا ۲۳) غرض امتیاز و برتری کا مغرور بت جس شکل میں بھی جہاں بھی پایا گیا اسلام نے اس کا پیچھا کیا اور اس کو مٹا دیا اور صرف وہی برتری قائم رکھی جس کی بنیاد تقویٰ اور عمل صالح پر تھی خود نبی ﷺ اس کے سخت خلاف تھے کہ میری بھی حد سے زیادہ تعظیم کی جائے۔ بخاری شریف میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری تعریف میں اس طرح غلو نہ کرنا جس طرح غلو نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی تعریف میں کیا تھا کیونکہ میں صرف اللہ کا بندہ اور پیغمبر ہوں''۔

ایک دفعہ آپ ﷺ کچھ لوگوں کے پاس گئے وہ تعظیماً کھڑے ہو گئے آپ ﷺ نے فرمایا: ''جسے اس بات سے بڑی ہوتی ہو کہ لوگ اس کے احترام میں سروقد کھڑے ہو جایا کریں وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنائے''۔ اس سے بڑی عدل و مساوات کی مثال کیا ہوگی کہ نبی دو جہاں ﷺ اپنے آپ کو بھی اس تعظیم اور غرور سے بچاتے ہیں جن میں آج کا مسلمان سرتاپا ڈوبا ہوا ہے۔ عورت اسلام میں عدل کی بہترین مثال ہے۔ اسلام نے اسے جس مذلل کی انتہاؤں پر پہنچا دی اور جس عزت و شرف کی بلندی کا شرف بخشا ہے پوری تاریخ انسانیت ازل تا ابد اس کی مثال نہیں پیدا کرسکتی۔

Marfat.com

عورت کو اسلام نے بحیثیت ایک صنف کے پوری طرح مرد کے برابر حق دیا ہے۔ اسلام نے صرف ایسی برتری کو روا رکھا ہے جس کی بنا فطری استعداد اور فطری مہارت ہو روحانی اور دینی اعتبار سے اسلام نے دونوں کو برابر لکھا ہے۔ عرب کے ہاں عورتوں کے معاشی معاشرتی اور آئینی حقوق کا کہیں ذکر نہیں تھا۔ اسے نہایت نفرت و حقارت سے دیکھا جاتا تھا۔ لڑکی کی پیدائش کی خبر سن کر چہرے کی رنگت سیاہ پڑ جایا کرتی عورت کا مقصد صرف ترقی نسل اور مردوں کی خدمت تھا۔ کسی بھی معاشرے کی تہذیب نے عورت کے ساتھ عدل والا معاملہ نہیں کیا کہ اسے بھی مرد کی طرح عزت و توقیر سے نوازا جائے۔

اسلام نے آ کر عورت کو عزت دی اسے ماں، بیٹی، بہن اور بیوی جیسے عظیم رشتوں میں پرو دیا۔ ایک ایسا عدل قائم کیا کہ مرد و عورت کو برابر حقوق کا حقدار بنا دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور جو نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ (النساء: ۱۲۴) دیکھئے اسلام نے کس طرح مرد اور عورت کو ایک ہی لائن میں کھڑا کیا ہے اس طرح حق ملکیت کی اہلیت اور مال و دولت کا مجاز ہونے کے اعتبار سے بھی دونوں برابر ہیں۔ ''مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا۔ عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہے۔ (النساء: ۷)

''واضح رہے کہ اسلام نے عورت کو یہ تمام حقوق اور ضمانتیں خالص انسانی جذبہ کے تحت دی ہیں۔ اس نے ایسا کسی معاشی دباؤ یا مادی دباؤ کے تحت نہیں کیا۔ اسلام نے اس ذہنیت کے خلاف اعلان جنگ کیا کہ عورت ایک معاشی بوجھ ہے''۔

اب ہم ذرا مغرب کی طرف بھی نظر اٹھاتے ہیں کہ انہوں نے عورت کو کیا دیا۔ اس کی عزت اور مقام کو گھٹایا یا اسے مردوں کے برابر حقوق دیئے جس طرح اسلام نے دیئے اور معاشرے میں عدل کی اعلیٰ مثال قائم کی۔

سید ابوالحسن ندویؒ ایک جگہ رقمطراز ہیں: ''یورپ نے انسان کو ایندھن سمجھ لیا وہ اپنی عزت و خواہشات کے آلاؤ میں انسان کو لکڑی کوئلہ کی طرح ڈالتا جا رہا ہے۔ امریکہ کی خواہش ہے کہ شمالی کوریا کمیونسٹ چین کو بھینٹ چڑھا دے پورا یورپ چاہتا ہے کہ مشرق بعید یا مشرق وسطیٰ جنگ کا میدان بن جائے۔ کسی کے دل میں وہاں انسانت کا احترام نہیں''۔ یہ تو تھے اہل مغرب کے خیالات انسانیت کے بارے میں اب عورتوں کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں:

''اسلام نے عورت کو روحانی، معاشی، معاشرتی علمی، قانونی اور سیاسی حقوق عطا فرمائے جو کہ مغرب نے آج تک نہیں دیئے اور اسلام نے ۱۴۰۰ سال پہلے ہی دے دیئے۔ وہ کہتے ہیں کہ جنت صرف مردوں کے لیے ہے۔ مگر اسلام میں ایسا نہیں ہے۔ اسلام نے عورت کو ۱۴۰۰ سال پہلے ہی معاشی حقوق بھی دے دیئے تھے۔ ایک مسلم عورت جو کہ بالغ ہے اپنی مرضی سے اپنی جائیداد بیچ یا خرید سکتی ہے۔ جبکہ ۱۹۷۰ء میں انگلینڈ میں پہلی بار مغرب نے شادی شدہ عورت کے حقوق سمجھے اور یہ کہ وہ اپنی جائیداد کی خرید و فروخت کر سکتی ہے''۔

جائیداد کی خرید و فروخت ایک بنیادی حق ہے یہ انسان کا کہ جب چاہے خریدے یا بیچے۔ مگر مغرب نے عورت کو تو یہ حق نہیں دیا جبکہ اسلام نے سینکڑوں سالوں پہلے ہی یہ حق عورت کو لوٹا دیا تھا۔ اس کے علاوہ اسلام نے عورت کو ووٹ کا حق بھی دیا۔ ''اسلام نے عورت کو بہت دیر پہلے ہی ووٹ کا حق دیا تھا اور قانون سازی کا بھی۔ مشہور حدیث ہے جس میں حضرت

Marfat.com

عمر صحابہؓ سے مہر کے متعلق زیادہ سے زیادہ مہر کی مقدار مقرر کرنے پر بات کر رہے تھے تو پچھلی طشت سے ایک عورت اٹھی اور کہا کہ سورۃ النساء آیت ۲۰ کے مطابق تم مہر میں سونے کے ڈھیر بھی دے سکتے ہو موجود ہے اور جب اللہ کو مہر کی حد پر کوئی اعتراض نہیں ہے تو حضرت عمرؓ کون ہے جو مہر کی حد مقرر کرے۔ اسی وقت حضرت عمرؓ نے کہا کہ عمر غلط ہے اور ہو عورت صحیح۔ یعنی ایک عام عورت بھی سربراہ مملکت پر اعتراض کر سکتی ہے''۔

یعنی آج جدید مغرب کو کہ عدل و انصاف کا داعی ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اسے یہ نہیں پتہ کہ اس نے جو حقوق آج متعین کیے ہیں۔ اسلام نے بہت سالوں پہلے ہی متعین کر دیئے تھے۔ اسلامی معاشرے میں غرباء اور فقراء کا خاص خیال رکھا گیا ہے اور ان کے حقوق کی حفاظت کی گئی ہے۔ ''جماعت اپنے غربا اور فقراء کی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ دار ہے۔ وہ زکوٰۃ وصول کر کے اسے اس کے متعین معارف میں خرچ کرے گی۔ اگر یہ اس غرض کے لیے کفایت نہ کرے تو ذی استطاعت لوگوں پر اس حد تک ٹیکس لگایا جائے گا جس سے ضرورت مندوں کی ضرورت پوری ہو جائے''۔

اسلام نے ہر طرح سے عدل اجتماعی کے دروازے کھول دیئے ہیں تا کہ غرباء اور فقراء کسی معاشی یا ذہنی کشمکش میں مبتلا نہ ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''کوئی نہیں بلکہ تم یتیموں کی عزت نہیں کرتے اور نہ آپس میں ایک دوسرے کو محتاجوں کو کھانا کھلانے پر ابھارتے ہو۔ الفجر (۱۷-۱۹) حدیث میں آتا ہے۔ ''جس بستی میں کوئی شخص صبح کو اس حال میں اٹھے کہ وہ رات بھر بھوکا رہا ہو تو پھر اللہ پر اس بستی کے بقاء و تحفظ کی کوئی ذمہ داری نہیں رہ جاتی''۔ (مسند احمد بن حنبلؒ)

یعنی اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو ایک وحدت کے طور پر دیکھتا ہے۔ اسے نہیں لینا کہ میرا ایک بندہ تو پیٹ بھر کر سوئے اور اسے ساتھ والا خالی پیٹ سو جائے۔ کیونکہ دونوں انسان ہیں اور دونوں عدل اجتماعی کے تحت رزق کے برابر حق دار ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یتیموں مسکینوں کے ساتھ بھی عدل کرنے کا کہا ہے کہ ان کو بھی اپنے ساتھ کھانا کھلاؤ ان سے اپنائیت کے ساتھ سلوک کرو اور ان کی کفالت کرو۔ ''جس طرح ایک رئیس کے بیٹے کے حقوق میں اسی طرح یتیم کے بھی حقوق ہیں جس کا والد معاشرہ اور تمام لوگ ہوتے ہیں نبیؐ گلی میں کسی یتیم کو کھیلتا دیکھتے۔ حدیث میں آیا ہے بغیر بلائے اس کے پاس رک جاتے لمحے بیت جاتے آپ ﷺ اس کے ساتھ پیاری باتیں کرتے رہتے کئی صحابہؓ کہتے ہیں اس یتیم سے نبیؐ کی اتنی محبت دیکھ کر ہمارے دل میں خواہش ہوتی کاش ہم بھی یتیم ہوتے اور نبیؐ مارے سر پر بھی اتنے پیار سے ہاتھ پھیرتے''۔ (۱۸)

ذرا غور کریں۔ اسلام کیا تعلمات دے رہا ہے کہ جس کا والد نہیں ہے اس کا والد معاشرہ ہے اور اس میں بسنے والے لوگ اس کے کفیل ہیں وہ بچہ تنہا نہیں ہے معاشرے میں عدل کی اس سے بہتر اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔ ترمذی مین ایک حدث موجود ہے حضرت ابو ہریرۃؓ اس کے راوی ہیں آپ نے فرمایا: ''بیوہ اور مسکین کے لیے کوشش کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے مجاہد فی سبیل اللہ مجھے خیال آتا ہے کہ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ ایسا ہے جیسے ساری رات قیام کرنے والا اور ہمیشہ روزے رکھنے والا''۔ (۱۹)

یتیم کی کفالت کرنا بھی بہت بڑے اعزاز کی بات ہے۔ ترمذی اور ابو داؤد میں حدیث موجود ہے۔ سہیل بن سعدؓ اس کے راوی ہیں۔ ''رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت اور بیچ والی انگلی کو ملا کر فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا دونوں

Marfat.com

جنت میں اس طرح ہوں گے۔'' (۲۰) کسی بھی شخص کے لیے اس کی گھریلو زندگی بہت اہمیت کی حامل ہے۔ آپ ﷺ اپنے گھر والوں کے ساتھ بہت اچھے اور اخلاق سے پیش آنے والے تھے۔ بیٹے اور بیٹیوں میں عدل کرنے والے اور بیویوں میں بھی عدل فرماتے۔ والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ محبت وسلوک سے پیش آنے والے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اف تک نہ کہو'۔ (بنی اسرائیل:۲۳)

خاندان معاشرے کا ایک اہم جزو ہوتا ہے اس میں محبت، شفقت، پیار کے لطیف جذبات کے ساتھ ساتھ غصہ، ناراضگی اور ڈانٹ وغیرہ، جیسے جذبات موجود ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر طرح کے حالات میں ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور خاندان کے تمام افراد کا احترام کرے۔ اللہ نے خاندان کے لیے وصیت کا جو ضابطہ اخلاق اور قانون مقرر کیا ہے اس پر سختی سے عمل کرنا چاہیے فرمایا ''تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آئے اور وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لیے معروف طریقے سے وصیت کرے یہ حق ہے متقی لوگوں پر (البقرہ: ۱۸۰) ڈاکٹر طاہر القادری آپؐ کی گھریلو زندگی کی ایک تصویر پیش کرتے ہیں: ''جہاں آپ ﷺ نے سیاسی، معاشی، تعلیمی، معاشرتی، فوجی، عدالتی، تنظیمی، تجارتی اور مذہبی و روحانی اعتبار سے مثالی قیادت و سیادت کا نمونہ پیش کیا وہاں آپؐ نے عائلی اور خاندانی سطح پر بھی سربراہی کا فریضہ کمال اعتدال و توازن اور جاذب و دلکش انداز میں ادا فرمایا کہ نگاہ رشک قدم قدم پر سجدہ ریز ہوتی ہے''۔ (۲۱)

ازدواجی زندگی میں ناکام، بیویوں کا شوہروں پر عدم اعتماد، شوہر کا بیوی سے بدظن ہونا، بیویوں کا خاوندوں کے مال سے چوری کرنا وغیرہ۔ یہ بہت عام تھا اسلام نے اسے عائلی زندگی اور خاندانی عزت و احترام کے منافی قرار دیا ہے۔ حجۃ الوداع کے دن نبیؐ نے فرمایا۔ ''خبردار کسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دے''۔ اسلام نے نا صرف انسانوں بلکہ جانوروں کے حقوق بھی مقرر کیے ہیں اور ان میں بھی عدل و مساوات کو لازم قرار دیا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک جگہ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں: ''ایک بزرگ جنھوں نے سفر میں ایک دکان سے شکر خریدی گھر جا کر دیکھا تو اس میں ایک چیونٹی نکل آئی یہ دیکھ کر آپ کو بہت قلق ہوا کہ نہ جانے بیچاری کس کس سے بچھڑی ہوگی۔ آخر اسی طرح کپڑا باندھا سفر کیا اور اس دکان پر جا کر کپڑا کھولا اور چیونٹی کو وہیں چھوڑا جہاں سے آئی تھی تو دیکھئے اتنی ہمدردی ہے اسلام میں کہ انسان تو انسان جانوروں پر بھی اسلام ہمدردی کرتا ہے''۔ (۲۳)

ابو داؤد میں ایک واقعہ موجود ہے۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہؓ اس کے راوی ہیں فرماتے ہیں: ''ہم لوگ ایک سفر میں حضورؐ کے ساتھ تھے کہ حضورؐ رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئے ہم لوگوں نے ایک حمرہ (پرندہ) دیکھا جس کے ساتھ دو بچے بھی تھے ہم نے بچے پکڑ لیے۔ حمرہ آیا اور ہمارے سروں پر پھڑ پھڑانے لگا حضورؐ آئے تو فرمایا کس نے اس کے بچے لے کر اسے بے قرار کر دیا ہے؟ اس کے بچے اسے واپس دو'۔ (۲۴) آپؐ نے یہ بھی فرمایا: بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔ ''ایک عورت دوزخ میں اس لیے (جھونک دی) گئی کہ اس نے ایک بلی کو باندھے رکھا نہ تو خود اسے کچھ کھلایا نہ چھوڑ دیا کہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھا کر پیٹ بھرے''۔ (۲۵)

Marfat.com

ان مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام صرف انسانوں کے لیے ہی عدل و مساوات اور حقوق کا علمبردار نہیں بلکہ انسانوں کے ساتھ ساتھ جانوروں بلکہ ہر ذی روح مخلوق کے لیے رحمت کا باعث ہے۔ اسلام ہر اس بات کے حق میں بات کرتا ہے جس سے کسی دوسرے کے حقوق اور برابری کے خلاف بات آتی ہے یہی اس دین کو دوسرے ادیان سے ممتاز کرتا ہے۔ اسلام سیاسی سطح پر غیر ملکیوں کی عزت و توقیر کا درس دیتا ہے اگر کوئی غیر ملکی آپ کے ملک میں آیا ہے تو اس کا خیال رکھنا ایک ذمہ داری ہے۔ بے شک وہ آپ کے دشمن ہی کیوں نہ ہوں۔ بین الاقوامی اسلامی قوانین کے ماہر حضرت شمس الائمہ السرخسیؒ (جو گیارہویں صدی کے شروع میں پیدا ہوئے اور اس کے آخر میں انتقال کر گئے) نے بین الاقوامی اسلامی قوانین کی جدید شکل پر بہت بحث کی۔

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید اپنی ایک تحریر میں سرخسی کے حوالے سے ایک قانون نقل کرتے ہیں، فرماتے ہیں: ''سرخسی نے یہ نکتہ پیش کیا کہ یہ ایک مانا ہوا اصول ہے کہ مسلمانوں کا حکمران اس بات کا پابند ہے کہ غیر ملکی پناہ گزین جب تک اس علاقے میں موجود ہیں ان کی حفاظت کرے اور اس سے کسی نقصان کی صورت میں انصاف اور عدل کرے''۔(۲۶) یعنی دوسرے ملکوں کے پناہ گزینوں سے بھی اسلام اچھا معاملہ کرنے کا درس دیتا ہے۔ اسی طرح اسلام نے دشمنوں کے ساتھ بھی بہتر سلوک کرنے کا درس دیا ہے تاکہ عدل کی فضا قائم رہے اور کسی پر زیادتی نہ ہو۔ سورہ مائدہ کے پہلے رکوع کی دوسری آیت میں ایمان والوں سے ارشاد ہے: ''اور آمادہ نہ کرے تمہیں اس قسم کی دشمنی جس نے تمہیں مسجد حرام سے روکا کہ تم اس پر زیادتی کرنے لگو اور پھر فرمایا تو وہ ضرور مستحق ہیں جن کا حکم آپ کو اپنے دشمنوں اور کٹر دشمنوں کے ساتھ اور آمادہ نہ کر دے تمہیں کسی قوم کی دشمنی کہ تم عدل نہ کرو عدل کرو اور وہ تقویٰ کے قریب تر ہے''۔

ملاحظہ کریں، اسلام کتنا خوبصورت ضابطہ عدل پیش کر رہا ہے کہ عدل تو کرنا ہی اپنوں سے یا بیگانوں سے نا صرف بیگانوں سے بلکہ کٹر دشمنوں سے بھی عدل سے پیش آتا ہے اور ساتھ ہی اسے تقویٰ کی نشانی بھی فرما دیا۔ اس آیت کے بارے میں مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ لکھتے ہیں: ''دو آیتوں میں دو حکم ہیں پہلا حکم سلبی ہے دوسرا ایجاب ہے۔ پہلی آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ دشمن پر زیادتی نہ کرو اور دوسری کا مفہوم یہ ہے کہ دشمن کے ساتھ عدل و انصاف کرتے رہو۔ دونوں کو ملا کر ماحاصل یہ نکلتا ہے کہ ادائے حقوق کا دشمنوں تک کے معاملہ میں لحاظ رکھو اور اس کی مقرر تاکید ہے یہ تاکیدی احکام محض اجنبیوں اور بیگانوں کے حق میں نہیں دشمنوں کے حق میں ہیں''۔(۲۷)

یہ احکام ایسے دشمنوں کے متعلق ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو حرم سے بھی نکال دیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے باوجود عدل و انصاف کا ہی تقاضا کیا ہے اس کا مطلب ہے کہ عدل و انصاف ہر صورت قائم رکھنا ضروری ہے۔ حضرت علیؓ نے غیر مسلم شہریوں کے بارے میں فرمایا: جو کوئی ہمارا ذمہ ہو اس کا خون ہمارے خون کی طرح اور اس کی دیت ہماری دیت کی طرح اور ان کا مال ہمارے مال کی طرح ہوں گے۔'' کتاب الخراج میں مذکور ہے: ''امام (حکومت) کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی قانون حق کے بغیر کسی بھی شخص کے قبضے سے اس کی کوئی چیز نکالے''۔(۲۸)

اس طرح اسلام نے عدل اجتماعی کا نظام بنا کر دشمنوں کے ساتھ بھی عدل کا معاملہ کرنے کا حکم دے رہا ہے جو کہ

Marfat.com

دنیا کے کسی بھی اور مذاہب میں موجود نہ ہے اس سے پہلے اور اس کے بعد ہی کسی مذہب کے پیروکاروں یا آقاؤں نے اس طرح دھیان دیا۔ یہ فخر صرف اسلام ہی کو حاصل ہے انہی تعلیمات کا اثر تھا جو مسلم حکمرانوں نے اپنائیں جس کے نتیجہ میں غیر مسلم عوام مسلم حکمرانوں کو پسند کرتے تھے۔''جب صوبہ حمص سے اسلامی افواج صوبہ کا انتظام چھوڑ کر دوسرے حکام پر جانے لگیں اور صوبہ کے عوام کے خراج کے پیسے غیر مسلموں کو واپس کرنے لگیں تو حمص کے عیسائیوں، یہودیوں اور دیگر غیر مسلم افواج کے کمانڈر حضرت ابوعبیدہؓ ابن جراحؓ کے پاس مشترکہ طور پر وفد بھیج کر درخواست کی کہ خدارا آپ ہمیں امن و آتشی والی اسلامی حکومت سے محروم نہ کریں ہم نے جو آپ کے زیر سایہ پایہ ہے وہ اپنوں سے بھی نہیں ملا''۔(۲۹) یہ ایک مثال ہے اس طرح کی عدل کی کئی مثالیں تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

غلاموں کو شروع ہی سے ظلم کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے اسلام نے غلاموں کے حقوق بھی مقرر کیے عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ان کو عزت اور محبت دی اور عام انسانوں کے برابر حقوق دیئے۔حضورؐ نے حضرت زیدؓ کی شادی جو کہ غلام تھے حضرت زینب بنت جحشؓ سے کی جو آزاد اور خاندان قریش سے تھیں۔ حضرت زیدؓ غلام تھے مگر بڑے بڑے خاندانی محترم افراد ان کا نام بڑے ادب و احترام سے لیتے تھے۔ان کی بزرگی پر رشک کرتے تھے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:''میرا کنبہ وہ ہیں جو خدا سے ڈرتے ہیں وہ جہاں کہیں بھی ہوں''(۳۰) اللہ تعالیٰ نے عدل کا انعام بہت بڑا مقام رکھا ہے۔مسلم اور نسائی میں ایک حدیث ہے۔ابن عمرو بن العاصؓ اس کے راوی ہیں فرماتے ہیں رسولؐ نے فرمایا:''عدل کرنے والا اللہ کی دائیں طرف نورانی ممبروں پر بیٹھے گا اور اللہ کے تو دونوں ہی ہاتھ داہنے ہیں یہ لوگ جب تک عہدوں میں رہتے ہیں اپنے فیصلوں میں اہل و عیال میں بھی عدل ہی سے کام لیتے ہیں''۔(۳۱)

اسلام کے نزدیک یہ قانون ہے کہ کسی بھی آزاد انسان کو غلام نہیں بنایا جاسکتا۔حتیٰ کہ غلام کو یہ اختیار دے دیا گیا ہے کہ اگر اس کا مالک اس پر سخت ظلم و بربریت کا رویہ رکھتا ہے تو وہ غلام عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے۔ اسلام میں عدل کے اصول کے تحت غلام کو رکھا جاسکتا ہے یعنی جو خود کھاؤ وہی غلام کو کھلاؤ۔ جو خود پہنو وہی غلام کے لیے پسند کرو، اس طرح سے غلام رکھنے کی جو شرائط ہیں وہ بہت سخت ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے غلامی کو تو ختم نہ کر سکے مگر اس کی بہتر صورت بنا دی اور خاندان کا ایک فرد بنا دیا۔ اسلام نے زکوٰۃ کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے اس کی کئی وجوہات ہیں۔''زکوٰۃ کی لازمی اور سود کو حرام قرار دیا گیا کہ سرمایہ داروں کا طبقہ رفتہ رفتہ غریبوں اور ناداروں کو غلام بنا لیتا ہے۔ نہ صرف قدیم زمانے میں بلکہ زمانہ حال تک یہ دیکھا جاتا تھا کہ سود خور کے مقروض تب تک سود خوری کی غلامی قبول کر لیتے تھے۔ جب تک کہ اصل مع سود ادا نہ ہو جائے۔''(۳۲)

فتح مکہ کے دن بھی حضورؐ نے غلاموں کو خاص عزت و تکریم بخشی۔ جب مسلمان شایانہ انداز سے مکہ میں داخل ہوتے ہیں۔''مکہ کے فاتحانہ داخلہ کے وقت سرکار دو عالمؐ کے ساتھ کون بیٹھا ہے ہمیشہ اس کو پہلو میں جگہ دی جاتی ہے جس کی عزت بڑھانا مقصود ہو۔ ابوبکرؓ، عمرؓ عثمان، علیؓ میں سے کوئی نہیں۔ وہ سب سر جھکائے ہمرکاب ہیں لو دیکھو! اس وقت خدا کے برگزیدہ رسولؐ کے ساتھ زیدؓ کا بیٹا اسامہؓ سوار ہے۔ حضرت اسامہؓ طفلانہ خوشی سے اچھل رہے ہیں اور مسرت سے ادھر ادھر دیکھ رہے

Marfat.com

ہیں۔ وجدان نے آواز دی کہ اسامہ ٹھہر۔ تیری خاک پا کی ضروری ہے تاکہ تعصب کے اندھوں کے لیے سرمہ بنائیں جو اسلام پر غلامی کو قائم کرنے کا الزام لگاتے ہیں"۔(۳۳) اسلامی معاشرے میں قرض دار جو کہ ایک بہت مجبور انسان ہوتا ہے، کے حقوق بھی مقرر کیے گئے ہیں اس کے ساتھ بھی عدل و احسان کے ساتھ پیش آنے کی تعلیمات دی گئی ہیں یہ نہیں کہ اس کے ساتھ سختی برتی جائے، اس سے معاشرہ افراتفری کا شکار ہوسکتا ہے۔ اس لیے اسلام نے عدل کا درس دیا اور اس بات کی تعلیم دی ہے کہ قرض دار کو قرض واپس کرنے کے لیے ایک مناسب مہلت دی جائے۔ مسلم کی حدیث میں موجود ہے حضرت ابوقتادہ اس حدیث کے راوی ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''جو شخص قرض دار کو مہلت دے یا اس کا قرض معاف کر دے تو اللہ اس کو قیامت کے دن کی سختیوں سے محفوظ رکھے گا''۔

دوسری روایت کے مطابق حضرت عمران بن حصینؓ نے کہا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ: ''جس کا کسی شخص پر حق ہو وہ اسے مہلت دے تو اسے ہر دن کے عوض صدقہ کا ثواب ملے گا''۔(۳۴) عفو و درگزر کا فقدان ہمارے معاشرے کا ایک بہت بڑا مسئلہ بن چکا ہے۔ کسی میں بھی کسی لحاظ سے کسی کے لیے بھی برداشت کا مادہ نہیں ہے جبکہ آپؐ کا اسوہ عفو و درگزر کی مثالوں سے بھر پڑا ہے۔ فتح مکہ کا دن ہمارے سامنے ہے جس روز آپؐ نے سب دشمنوں کو معاف فرما دیا تھا۔ ''اس روز آپؐ نے اظہار تشکر کے لیے سر جھکا رکھا تھا۔ اس لیے کہ آپ کو فتح مکہ سے نوازا تھا اس کے بعد فرمایا تھا کہ جب تک مجبور نہ کیا جائے کسی کو قتل نہ کیا جائے کسی کا خون نہ بہاؤ''۔

آپؐ نے فرمایا اے اہل قریش کیا خیال ہے مس کیا سلوک کروں گا۔ انہوں نے کہا بہتر خیال ہے کیونکہ آپؐ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں'' جواب دیا! جاؤ آج تم سب آزاد ہو اس واقعہ پر عظیم سیرت نگار ''محمد حسین ھیکل'' اپنی کتاب میں لکھتے ہیں ''قدرتی انتظام کے باوجود عفو و درگزر کا اقدام کتنا بہتر اور حوصلے کا کام ہے اور وہ روح کتنی عظمت کی حامل ہے جو بغض عداوت کی حدود سے گزر کر ہر اس درجے کے خیال سے منہ موڑ کر شرافت و انسانیت کی ان بلندیوں تک پہنچ جائے جہاں تک رسائی ہر انسان کے بس کی بات نہیں۔''(۳۶)

رسول اللہؐ کی زندگی میں بہت سی ایسی مثالیں اور واقعات موجود ہیں جن کی روشنی میں آج کا مسلمان اخلاقی ترقی کے زینے طے کرتا ہوا اس مقام پر پہنچ سکتا ہے جو اسلام کو مطلوب ہے اور جس کی خاطر عدل و انصاف پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ معاشرہ امن کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ ''اسلام نے بندہ آقا کی تمیز ختم کرتے ہوئے سیاہ فام حبشی کو ''سیدنا'' اور فارس سے آئے سلمان کو ''سلمان مِنّا اھل البیت'' بنا دیا۔ اس فضا کو پروان چڑھانے کے لیے عدل، اخوت اور مساوات کا حصہ بنا دیا کہ دن کی پانچ نمازیں محمود و ایاز کو ایک ہی صف میں اکٹھا کریں۔ بلکہ ایاز پہلے آئے تو اگلی صف میں جگہ پاتا ہے اور محمود پچھلی صف میں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پچھلی صف میں کھڑے محمود کا سر حالت سجدہ میں اگلی صف میں موجود ایاز کے قدموں میں آ جائے۔ حج بھی مساوات کا عملی مظاہرہ ہے جہاں عرب و عجم سے آئے ہوئے لاکھوں حجاج کرام اپنے معاشرتی و معاشی مرتبوں اور علاقہ و نسل کے ترشیدہ بتوں کو توڑتے اور مصنوعی لبادوں سے نکلے ہوئے، تیری سرکار میں پہنچے تو ایک ہوئے کی تصویر بن جاتے ہیں''۔(۳۷)

Marfat.com

اگر ہم دور رسالت اور خلافت راشدہ کے ادوار کو دیکھیں تو ہمیں معلم ہوگا کہ عدل اجتماعی کے نتیجے میں معاشرہ امن وسکون کی تصویر بن گیا تھا۔ کیسے نہ بنتا نبی اکرمؐ اور صحابہؓ نے نہ صرف وہ احکام جاری کیے بلکہ پہلے خود ان پر عمل کر کے دکھایا۔ قیامت تک کے آنے والوں کونمونہ دکھا دیا تا کہ کوئی بھی تاریخ دان یا کوئی بھی مشرک یا کوئی بھی قانون دان کسی قسم کا اعتراض ہی نہ کر پائے۔ ''دور رسالت میں اس طرح کے عدل و مساوات کے انتظامات تھے کہ امیر اور غریب کے درمیان بہت کم فرق رہ گیا تھا۔ آپؐ اسلامی ریاست کے سربراہ تھے آپؐ چاہتے تو اپنے وقت کے حکمرانوں کی طرح رہنے کے لیے شاندارمحل بنوا سکتے تھے مگر آپؐ نے ایسا کرنے کی بجائے ایک ایسے سادہ مکان میں رہنا پسند کیا جو معاشرے کا غریب آدمی بھی اپنے لیے بنوا سکتا تھا''۔(۳۸)

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ ''الرحیق المختوم'' میں نبیؐ کے عدل کی عمدہ مثال لکھتے ہیں: آپؐ اپنے خادم کا کام خود ہی کر دیتے تھے۔ کبھی اپنے خادم کو اف نہیں کیا۔ نہ اس پر کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر عتاب فرمایا کسی فقیر کو اس کے فقر کی وجہ سے حقیر نہیں سمجھا۔ ایک بار آپؐ سفر میں تھے ایک بکری ذبح کر کے پکانے کا مشورہ ہوا سب نے اپنے کام بانٹ لیے آپؐ نے ایندھن جمع کرنے کا فیصلہ کیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا، آقا! ہم آپ کا کام کریں گے۔ آپؐ نے فرمایا میں جانتا ہوں لیکن میں پسند نہیں کرتا کہ تحریر امتیاز حاصل کروں'۔(۳۹) آپؐ نہ صرف اپنے ساتھ عدل کرتے اور دوسرے صحابہؓ کے ساتھ بلکہ اپنے گھر میں بھی اس پر سختی سے عمل کرتے اور بہت باریک بینی سے ہر چیز کا جائزہ لیتے۔ خطبات مدارس میں سید سلمان ندویؒ ایک واقعہ لائے ہیں۔ ''ایک مرتبہ حضرت علیؓ کا دیا ہوا ایک سونے کا ہار حضرت فاطمہ کے گلے میں دیکھا تو فرمایا: اے فاطمہ! تم کا لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ محمدؐ کی بیٹی گلے میں آگ کا طوق ڈالے ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے اسی وقت وہ طوق اتار کر بیچ دیا اور اس کی قیمت میں ایک غلام خرید کر آزاد کر دیا''۔(۴۰)

رسولؐ نے معیشت کو مضبوط بنانے کے لیے ایسے ضابطے مقرر کیے جس سے معاشرے بہت تیزی سے ترقی کر سکتا ہے اگر کسی بھی گری ہوئی معیشت کے حامل معاشرہ یا ملک میں یہ اصول اور قوانین نافذ کر دیئے جائیں تو وہ معاشرہ محروم معیشت نہ رہیگا۔ ''اللہ کے رسولؐ نے ایک ایسا معاشی نظام تجویز کیا جو ان مزاحمتوں کا علاج مہیا کرتا ہے جو معیشت کی کمزوری کا باعث ہیں اور تمام افراد کے لیے راہیں کھول دیتا ہے اس لیے آپؐ نے کچھ اور تجویز فرمائے مثلاً زکوٰۃ، انفاق، وراثت وغیرہ۔ اس سے آپؐ نے دو مقاصد حاصل کیے ایک یہ کہ دولت ایک جگہ پر مرتکز نہ ہونے پائے اور دوسرا یہ کہ کوئی بھی بہتر معیشت سے محروم نہ رہے''۔(۴۱)

''اسلامی تاریخ میں خلفائے راشدین کی عدل اجتماعی کی صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک طرح سے عوامی حکومتوں کا دور تھا۔ کیونکہ اس میں سربراہ ایک اسلامی نمائندہ ہوتا تھا اور مسلم قوانین پر بہت سختی سے عمل ہوتا۔ عدالتیں مکمل طور پر اور حیرت انگیز معیار پر خود مختار اور آزاد تھیں۔ عدالتوں کے سامنے کسی بڑے چھوٹے یا ادنیٰ اور اعلیٰ میں امتیاز نہ تھا''۔(۴۲) اس کے علاوہ تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ کئی مرتبہ مسلمان خلفائے کو عدالت نے طلب کر لیا اور وہ عدالت میں پیش بھی ہوئے اور صرف یہیں پر بس نہیں بلکہ ان کے خلاف فیصلے بھی ہوئے اسلام نے سب چودھراہٹیں ختم کر دیں۔

Marfat.com

علامہ شبلی نعمانیؒ کتاب الخراج کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ "مجھے تمہارے مال) یعنی (بیت المال) میں اس قدر حق ہے جتنا یتیم کے مربی کو یتیم کے مال پر۔ اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا ضرورت پڑے گی تو دستور کے مطابق لوں گا"۔ ایک اور موقع پر اک شخص نے کئی بار مخاطب ہو کر کہا۔ (اتق اللہ یا عمر) "اے عمر اللہ سے ڈر" حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکا اور کہا! کہ بس اب بہت ہوا حضرت عمرؓ نے کہا! نہیں، کہنے دو"(۴۳)

چوری ایک بہت گھناؤنا جرم ہے اس کی سزا ہاتھ کاٹ دینے کی ہے اگر حالات ایسے ہو جائیں کہ عام عوام کے حقوق کا صحیح طرح سے خیال ہی نہ رکھا جائے تو اسلام نے ان حالات میں عدل کا ثبوت دیتے ہوئے اس سزا کو کالعدم قرار دیا ہے۔ "روایت کی جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں جب قحط پڑ گیا تو انہوں نے چوری کی شرعی حد کا نفاذ معطل کر دیا اور فرمایا کہ جب حکومت اس حالت میں نہیں کہ وہ معاشرے کے افراد کی ضروریات کا مناسب بندوبست کر سکے تو اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ چوروں کے ہاتھ کاٹتی پھرے۔ مستند روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نہ تو دور رسالت میں اور نہ ہی دور خلافت راشدہ میں کسی چور کا ہاتھ کاٹا گیا اس کی وجہ یہ تھی کہ عدل اجتماعی کے ذریعے معاشرے کی تشکیل اس طرح کر دی گئی تھی کہ اس جرم کے ارتکاب کی نوبت نہیں ہوتی تھی"۔(۴۴)

اسلام کے آنے سے چودھراہٹیں بھی ختم ہو گئیں پنڈتوں اور پادریوں اور جاگیرداروں اور نوابوں کی اسلام میں کوئی جگہ باقی نہ بچی۔ "قریش ایک کام کیا کرتے تھے جو حج کرنے آئے وہ ان سے احرام خریدے اور جو ان سے احرام نہ خریدے وہ ننگا طواف کرے۔ اپنی تجارت چمکانے کے لیے انہوں نے یہ کہا ہوا تھا لوگ مجبوراً ننگے طواف کرتے۔ اسلام نے دونوں باتیں حرام کر دیں کہ نہ تو قریش سے احرام خریدنا ضروری ہے اور نہ ہی ننگا طواف کیا جئے گا۔ احرام کے کپڑے گھر سے لاؤ اور میقات پر باندھو"۔(۴۵)

ربرٹ بریفو ایک شہرہ آفاق کتاب "The making or humanity" کے صفحات 185, 188, 190 پر اسلام کے عدل اور آپؐ کے خطبہ حجۃ الوداع کے بارے میں لکھتا ہے کہ اسلام نے حقوق انسانی کا منشور دیا اور یہ خطبہ حجۃ الوداع میں موجود ہے مگر افسوس اہل مغرب اس کو نہیں مانتے"۔ اے کے بروہی اپنی کتاب "Human rights and duties in Islam a philosophical approach" میں لکھتا ہے:۔ "اقوام متحدہ اب انسانی حقوق کی باتیں کر رہی ہے مگر اسلام نے چودہ سو سال پہلے یہ منشور دے دیا تھا"۔ نعیم صدیقی محسن انسانیت میں لکھتے ہیں: جب کبھی اور جہاں کہیں بھی اسلامی تحریک چلے گی اور نظام حق استوار ہوگا اس کی بنیادیں ہر حال میں انہی اٹل نظریات پر رکھی جائیں گی جو منشور اسلام کا بنیادی منشور ہے اور اسی طرف انسانیت کو بلایا جاسکتا ہے۔(۴۶)

عدل اجتماعی پر مغرب نے بہت کام کیے ہوں گے مگر بہت دیر بعد اس نے بہت عرصہ پہلے وہ سب پیش کر دیا جو مغرب آج تک پیش نہ کرسکا۔ "King John" نے ۱۲۱۵ء میں جو میگنا کرٹا جاری کیا وہ دراصل اس کے امراء کے دباؤ کا نتیجہ تھا۔ کیونکہ اس میں امراء کا ہی مفاد تھا۔ معروف تاریخ دان ہنری مارش کہتا ہے "بڑے بڑے جاگیرداروں کے ایک منشور کے سوا

Marfat.com

اس کی کوئی حیثیت نہ تھی"۔(۴۷) اب اگر ہم ہندووانہ معاشرے کے عدل کی باتیں کریں تو ہمیں خاص حیرانی اور مایوسی ملے گی۔ ابوریحان البیرونی نے اپنی زندگی کے پندرہ قیمتی سال ہندو معاشرہ کے مطالعہ میں صرف کیے۔ پھر بڑی دیانت سے اپنے مشاہدات اپنی "کتاب الہند" میں قلمبند کیے لکھتے ہیں: "شودر کی حیثیت برہمن کے غلام کی ہے۔ اس کو برہمن کے کام میں مصروف رہنا اور اس کی خدمت کرنا چاہیے ہر وہ کام جو برہمن کے واسطے ہی مخصوص ہے مثلاً مالا جپنا، وید پڑھنا اور آگ کی قربانی شودر کے لیے منع ہے۔ اگر شور پویش کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے وید پڑھی ہے تو برہمن اس کی اطلاع حاکم کو دے اور حاکم اس کی زبان کاٹ دے"(۴۸)

اس طرح یونانی معاشرہ اور اس کے نظام عدل کو دیکھا جائے تو وہ کم تعجب انگیز نہیں۔ ارسطو اپنی کتاب "السیاسۃ" میں نوع انسان کی یوں تقسیم کرتا ہے۔"بعض افراد ایسے ہیں جو طبعاً احرار (آزاد) ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو طبعاً غلام ہوتے ہیں۔ یونانی قوم بہادر بھی ہے، ذکی بھ ہے اور فطین بھی۔ یعنی اہل یونان سردار ہیں آزاد ہیں اور باقی سب ملکوں کے لوگ ان کے غلام ہیں"۔(۴۹) یہ تو مغرب، ہندو اور یونانی افکار اور کردار جو انہوں نے عدل اجتماعی کے حوالے سے اپنائے ہوئے ہیں اور جن کو دیکھ کر ایک عام کم پڑھا لکھا انسان بھی آسانی سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ ان کے ہاں کس درجے کا عدل موجود ہے۔ جبکہ اسلام کی طرف دیکھا جائے تو حال ہی مختلف ہے حکومت کا کام ہی عدل دینا ہے۔"حکومت کا بڑا فریضہ عدل گستری ہے تاکہ امن، انتظام اور تمدن کا دور دورہ ہو اور خوشحالی و ترقی کا زمانہ آئے۔ عدل گستری کے معنی یہ ہیں کہ جماعت، قوم اور اس کے افراد کے صحیح حقوق کی نگہداشت، اسلام نے امیر و غریب سب کا قانون ایک رکھا۔ جس کے اصول غیر متبدل تھے۔ قاضی وقت کے روبرو خود بادشاہ اسلام پر مقدمہ دائر ہوسکتا تھا"(۵۰)

عدل اجتماعی جس بھی معاشرہ میں قائم ہوگا ترقی و کامرانی اس کا ماتھ چومے گی۔ آج ہمیں اس کالی نگری سے جہاں دہشت گردی، بے سکونی، ظلم و جبر، ناانصافی، سیاسی کشمکش، بے راہ روی، انسانی اقدار کی پامالی سے نکل کر اس روشن سلسلے میں داخل ہونا ہوگا جس میں یہ سب انسانیت سوز قوانین اور برائیاں موجود نہ ہوں۔ جہاں ہر طرف عدل، اتفاق، مساوات اور حقوق کی پاسداری کی جاتی ہو اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم چودہ سو سال پہلے والے دین کو بالکل اسی شکل میں بغیر کسی اضافے اور ترمیم کے اپنا لیں۔ اس حصول کے لیے ہمیں محسن انسانیتؐ کی ہستی نظر آتی ہے۔ جنہوں نے ایک اعلیٰ نظام حکومت اور نہایت بہترین معاشرہ دیا۔ جنہوں نے دنیا فتح کرنے کے ساتھ ساتھ دلوں کو بھی فتح کیا۔

"آدھی دنیا امیر المومنین حضرت عمرؓ کے زیر نگیں ہے۔ قیصر و کسریٰ کی شوکت و سطوت، ہیبت فاروقی کے سامنے زمین بوس ہو چکی مگر سیدنا بلال حبشیؓ کی آمد پر وہ "بلال سیدنا و مولیٰ سیدنا" (بلالؓ ہمارے آقا کے غلام ہیں اور ہمارے سردار ہیں) کا عشق آموز اور ایمان افروز نعرہ بلند کرتے ہوئے احتراماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔(۵۱) یہ ہے اسلامی عدل اجتماعی کا تصور۔ جس میں ایک اعلیٰ نسب کا امیر ترین حکمران، ایک آزاد کردہ حبشی غلام کو اپنا آقا کہہ کر اس کا غلام بن کر فخر محسوس کر رہا ہے اور قیامت تک کے آنے والوں کے لیے ایک "پیغام امن" چھوڑ رہا ہے۔

Marfat.com

حوالہ جات

۱- سید قطب شہید ''اسلام میں عدل اجتماعی'' مترجم! ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، ناشر: اسلامک پبلیکیشنز۳۔ کورٹ سٹریٹ لوئر مال لاہور ص۱۴۴۔ ۲- ایضاً، ص ۱۴۳۔ ۳-ظہیر، احسان الٰہی ''خطبات'' مربہ: ''عمر فاروق قدوسی'' ناشر: مکتبہ قدوسیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور ۲۰۰۴ء ص ۳۳۴۔ ۴- سعید، پروفیسر امتیاز احمد ''مقالات علوم اسلامیہ'' ناشر نیو بک، پیلس چوک، اردو بازار لاہور، ستمبر ۱۹۸۴۔ ص۲۱۸۔ ۵- وقار مولانا منیر احمد ''مدینہ میں پیغمبر امنؐ کی مساعی امن'' بحوالہ ''پیغمبر امنؐ'' ناشر: دارلسلام ۳۶، لوئر مال سیکرٹریٹ سٹاپ لاہور، ص۱۳۰۔ ۶- حق، چوہدری افضل، ''محبوب خدا'' ناشر: قومی کتب خانہ ۱۹ فیروز پور روڈ لاہور ۱۹۸۳ء، ص ۲۰۴۔ ۷- سید قطب شہید ''اسلام میں عدل اجتماعی'' ناشر: اسلامک پبلیکیشنز، ۳ کورٹ سٹریٹ لوئر مال لاہور، ص ۱۵۰۔ ۸- ایضاً ص ۱۵۶۔ ۹- ندوی، سید ابوالحسن علی ''تعمیر انسانیت'' ناشر: مجلس نشریات اسلام ا۔ کے۔۳، ناظم آباد کراچی ص ۱۱۳۔ ۱۰- نائیک، ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم ''خطبات ذاکر نائیک'' مرتبہ و ترجمہ: ''سید ریحان شاہ'' ناشر: بک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ جہلم دسمبر ۲۰۰۸ء ص ۲۹۹۔ ۱۱- ایضاً ص۳۱۱۔ ۱۲- سید قطب شہید ''اسلام میں عدل اجتماعی'' ناشر: اسلامک پبلیکیشنز۳۔ کورٹ سٹریٹ لوئر مال لاہور ص ۱۸۷۔ ۱۳- ایضاً ص ۱۸۸۔ ۱۴- ظہیر احسان الٰہی ''خطبات'' مرتبہ ''عمر فاروق قدوسی'' ناشر: مکتبہ قدوسیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ ص ۳۴۱۔ ۱۵- نقوش رسولؐ نمبر مدیر ''محمد طفیل'' ناشر: ادارہ فروغ اردو لاہور۔ جلد ۶، ص ۴۰۸۔ ۱۶- ایضاً ص ۴۰۶۔ ۱۷- القادری، پروفیسر طاہر، حضورؐ بحیثیت سربراہ خاندان'' بحوالہ: مقالات سیرت'' ناشر: محکمہ اوقاف حکومت پنجاب لاہور جنوری ۸۲ء ص ۷۶۔ ۱۸- وقار، مولانا منیر احمد ''مدینہ میں پیغمبر امن کی مساعی امن'' بحوالہ ''پیغمبر امنؐ'' ناشر: دارالسلام لاہور ص ۱۳۸۔ ۱۹- تھانوی، مولانا اشرف علی، ''محاسن اسلام'' ترتیب: قاری ادریس ہوشیار پوریؒ، ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ محلہ بچ۔ ریلوے روڈ ملتان صفر ۱۴۰۲ھ ص ۵۲-۵۷۔ ۲۰- نقوش رسولؐ نمبر مدیر ''محمد طفیل'' ناشر: ادارہ فروغ اردو لاہور جلد ۶ ص ۳۷۷۔ ۲۱- سید قطب شہید ''اسلام میں عدل اجتماعی'' ناشر اسلامک پبلیکیشنز کورٹ سٹریٹ لوئر مال ہو ص۲۱۳۔ ۲۲- خورشید ڈاکٹر عبدالسلام ''ریاست اور قانون اسلامی حضرت اسرحیؒ کے افکار کی روشنی میں'' بحوالہ: مقالات مذاکرہ ملی تعلیمات نبویؐ مرتبہ ''حکیم محمد سعید'' ناشر: ہمدرد فاؤنڈیشن پریس ناظم آباد کراچی ۱۹۸۳ء۔ ۲۳- دریا آباد مولانا عبدالماجد ''سچی باتیں'' ناشر: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ کراچی، اگست ۱۹۸۳ء ص ۳۱۔ ۲۴- سندھی ڈاکٹر میمن عبدالمجید ''ریاست اسلامی کے اجزائے ترکیبی'' بحوالہ مقالات مذاکرہ ملی تعلیمات نبویؐ۔ مربہ ''حکیم محمد سعید'' ناشر: ہمدرد فاؤنڈیشن پریس ناظم آباد کراچی ۱۹۸۳ء ص ۲۰۳۔ ۲۵- آزاد، مولانا عبدالقادر ''سیرت رسولؐ کی روشنی میں غیر مسلموں سے عدل و رواداری'' بحوالہ ''مقالات سیرت'' ناشر: محکمہ اوقات حکومت پنجاب لاہور، جنوری ۱۹۸۲ء ص ۴۰۔ ۲۶- مفتاحی، محمد ظفیر الدین ''رحمت عالم کا لایا ہوا نظام حیات'' بحوالہ نقوش سیرت نمبر ص ۴۷۲۔ ۲۷- نقوش رسولؐ نمبر مدیر ''محمد طفیل'' ناشر: ادارہ فروغ اردو لاہور، جلد ۶، ص ۶۷۲۔ ۲۸- ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکم ''آزادی کا علمبردار نبیؐ'' بحوالہ: نقوش رسولؐ نمبر جلد ۳، ص ۴۷۴۔ ۲۹- حق، چوہدری افضل ''محبوب خدا'' ناشر: قومی کتب خانہ لاہور ص ۲۰۰۔ ۳۰- نقوش رسولؐ نمبر جلد ۳، ص ۴۵۸، ۴۷۲، ۴۷۲۔ ۳۱- سیارہ ڈائجسٹ، رسولؐ نمبر ۱۸۹، ریواز گارڈن لاہور اکتوبر ۱۹۸۵ء ص ۳۶۳۔ ۳۲- ہیکل محمد حسین ''حیات محمدؐ'' کا مترجم ابو یحییٰ امام خان، ناشر ادارہ ثقافت اسلامیہ۲۔ کلب روڈ

Marfat.com

لاہور ۱۹۷ء ص ۵۲۷۔ ۳۳- پراچہ، ڈاکٹر فرید احمد ''سیرت طیبہ اور امن عالم'' روزنامہ دن لاہور، جمع ۲۸ رمئی ۲۰۰۴ء۔ ۳۴-
شہاب، پروفیسر رفیع اللہ ''عدل اسلام کا تصور'' ناشر مقبول بکس ابوذر، سینٹر ماڈل ٹاؤن، لنک روڈ، لاہور ۱۹۹۹ء ص ۱۸۔ ۳۵-
مبارکپوری، مولانا صفی الرحمٰن ''الرحیق المختوم'' ناشر المکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور ص ۶۵۱۔ ۳۶- ندوی، سید سلیمان ''خطبات
مدارس'' ناشر: یونیورسل بکس ۴۰، اردو بازار لاہور ص ۱۲۸۔ ۳۷- علوی ڈاکٹر خالد ''انسان کامل'' ناشر: یونیورسٹی بک ایجنسی ۱۹۴
انارکلی، لاہور ص ۶۵۸۔ ۳۸- سید امیر علی ''روح اسلام'' ناشر: نذیر سنز پبلیکیشنز ۴- اے اردو بازار لاہور ص ۲۹۵-۲۹۶۔ ۳۹-
نعمانی، علامہ شبلی ''الفاروق'' ناشر: مکتبہ محمودیہ ۳۳، حق سٹریٹ اردو بازار لاہور ص ۱۵۷۔ ۴۰- شہاب، پروفیسر رفیع اللہ ''عدل کا
اسلامی تصور'' ناشر: مقبول بکس ابوذر سینٹر ماڈل ٹاؤن لنک روڈ لاہور ۱۹۹۹۔ ص ۱۶۔ ۴۱- غلام مرتضیٰ، ڈاکٹر ملک ''خطبات حرم''
ناشر: ملک سنز پبلکیشنز و بک سیلرز ۱۷، مکہ کالونی، گلبرگ ۳ لاہور ص ۴۱۱۔ ۴۲- ایضاً۔ ۴۳- عبدالقادر، ڈاکٹر حمید اللہ ''امن عالم کا
ضامن انسانی حقوق کا تحفظ'' بحوالہ پیغمبر امنؐ'' ناشر: دارالسلام سیکرٹریٹ سٹاپ لوئر مال لاہور ص ۴۴۰۔ ۴۴- نیازی ڈاکٹر لیاقت
علی خان ''مطالعہ سیرت'' ناشر: پروگریسو پبلکیشنز، اردو بازار لاہور جولائی ۱۹۹۳ء۔ ۴۵- الازہری، پیر کرم شاہ ''مقالات'' مرتب
پروفیسر حافظ احمد بخش، ناشر: ضیاء القرآن پبلکیشنز ۹۔ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور جلد اول ص ۲۱۷۔ ۴۵- ایضاً ص ۲۲۵۔
۴۶- حمید اللہ ''ڈاکٹر محمد'' نگارشات ڈاکٹر حمید اللہ'' ناشر: بیکن بکس، میاں چیمبرز ۳۔ ٹمپل روڈ، لاہور ۲۰۰۷ء، ص ۱۳۹۔ ۴۷-
ساجد الرحمٰن، ڈاکٹر صاحبزادہ، ماہنامہ دعوۃ رحمت للعالمین، نمبر ناشر: ادارہ تحقیقات اسلامی ریپس دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی
یونیورسٹی، اسلام آباد، دسمبر ۲۰۰۹ء مارچ ۲۰۱۰ء ص ۴۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد عبدالعلی اچکزئی۔کوئٹہ

عدل کا مفہوم:

لفظ عدل کے لغوی معنی ہیں، سیدھا کرنا، برابر کرنا، افراط وتفریط کے درمیان توازن قائم رکھنا، لسان العرب میں ہے:

عدل، انہ مستقیم وھو ضد الجور، وفی اسماء اللّٰہ سبحانہ... العدل: ھو الذی لا یمیل بہ الھوٰی...العدل الحکم بالحق (۱)

"عدل اس کا معنی سیدھا اور یہ جور کی ضد ہے، عدل لفظ اللہ کے ناموں میں شامل ہیں، عدل: یعنی وہ خواہشات کی طرف مائل نہیں ہوتا، عدل حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کو کہتے ہیں"

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: العدالۃ والمعادلۃ لفظ حقیقی معنی المساواۃ ویستعمل باعتبار المضایفۃ (۲)

"العدالۃ والمعادلۃ کے لفظ میں مساوات کے معنی پائے جاتے ہیں اور معنی اضافی کے اعتبار سے استعمال ہوتا ہے، یعنی ایک دوسرے کے ہم وزن اور برابر ہونا"

امام رازی عدل کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

العدل فھو عبارۃ عن الامر المتوسط بین طرفی الافراط والتفریط، وذلک امر واجب الرعایۃ فی جمیع الاشیاء (۳)

"عدل افراط وتفریط کی راہوں کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرنے سے عبارت ہے اور اس کی رعایت کرنا تمام معاملات میں ضروری ہے"

ابن العربی کے نزدیک لفظ عدل کے اصلی معنی برابری کرنے کے ہیں، پھر مختلف نسبتوں سے اس کا مفہوم مختلف ہوجاتا ہے، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

فالعدل بین العبد وربہ ایثار حق اللّٰہ علی حظ نفسہ وتقدیم رضاہ علی ھواہ والاجتناب للزواجر والامتثال للاوامر، واماالعدل بینہ وبین نفسہ فمنعھا عمافیہ ھلاکھاوعزوب الاطماع عن الاتباع ولزوم القناعۃ فی کل حال واماالعدل بینہ وبین الخلق ففی بذل النصیحۃ وترک الخیانۃ فیما قلّ وکثر والانصاف من نفسک لھم بکل وجہ ولایکون منک

Marfat.com

الیٰ احد مساءۃٌ بقول ولا فعل لا فی سرّ ولا فی عَلن (۴)

''ایک مفہوم عدل کا یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے رب کے درمیان عدل کرے،تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے حظ نفس پر اور اس کی رضاجوئی کو اپنی خواہشات پر مقدم جانے اور اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی ممنوعات ومحرمات سے مکمل اجتناب کرے۔دوسرا عدل یہ ہے کہ آدمی خود اپنے نفس کے ساتھ عدل کا معاملہ کرے،وہ یہ ہے کہ اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جس میں اس کی جسمانی یا روحانی ہلاکت ہو،اس کی ایسی خوہشات کو پورا نہ کرے جو اس کے لیے انجام کار مضر ہوں اور قناعت وصبر سے کام لے،نفس پر بلاوجہ زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔تیسرا عدل اپنے نفس اور تمام مخلوقات کے درمیان ہے،اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے ساتھ خیرخواہی اور ہمدردی کا معاملہ کرے اور کسی ادنیٰ اعلیٰ معاملہ میں کسی سے خیانت نہ کرے،سب لوگوں کے لیے اپنے نفس سے انصاف کا مطالبہ کرے،کسی انسان کو اس کے کسی قول وفعل سے ظاہراً یا باطناً کوئی ایذا اور تکلیف نہ پہنچے''

امام قرطبی نے بھی ابن العربی کی بیان کردہ اسی تفصیل کو عمدہ اور بہتر قرار دیا ہے (۵)

عدل وانصاف کی اہمیت:

جیسا کہ اپنے نام سے ظاہر ہے،سلامتی اور امن کا مذہب ہے،سلامتی اور امن کا قیام عدل وانصاف کی اشاعت اور ظلم وتعدی کی بیخ کنی سے ہی ممکن ہے،اس لئے اسلام نے ہمیشہ عدل وانصاف کی اشاعت اور ظلم کے خاتمہ پر زور دیا ہے،قرآن مجید اور احادیث نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں بے شمار مواقع پر انصاف کرنے اور ظلم سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے،مثلاً قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کی بعثت مبارکہ کا ایک اہم مقصد اللہ تعالیٰ کے بندوں کے درمیان عدل کا قیام بتایا گیا ہے،ارشاد خداوندی ہے:

﴿اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ﴾ (۶)

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں''

ایک دوسرے مقام پر قرآن حکیم نے نبی کریم ﷺ سے کہلوایا ہے:

﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ﴾ (۷)

''آپ کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے مجھے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے''

عدل کے بارے میں نازل شدہ مذکورہ بالا دونوں آیتوں کا تعلق براہ راست پیغمبر ﷺ کی ذات سے ہے،جو اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کے صحیح خلیفہ تھے،چونکہ عدل کا قیام خلیفہ یا امیر کے توسط سے ہوتا ہے،اس لیے ان آیات کا انتخاب یہ بتاتا ہے کہ عدل کا قیام مقصد نبوت ہے،مگر اس کی ترویج خلیفہ یا امیر المؤمنین کے ذریعے ہوگی۔عدل کا متضاد لفظ ظلم ہے،جس کے معنی ہیں وضع الشیء فی غیر موضعہ (۸) یعنی کسی چیز کا اس کے اصلی مقام (یا حقدار) سے دوسری جگہ رکھنا اور ایسا کام

Marfat.com

صرف وہی شخص کرسکتا ہے، جو ہدایت کے نور سے بے بہرہ ہوکر گمراہی کے اندھیرے میں بھٹک رہا ہو، اس لیے ظلم کا ایک ترجمہ اندھیرا بھی ہے، نبی کریم ﷺ نے اپنے ایک ارشاد میں فرمایا:

الظُّلْمُ ظُلُماتٌ يومَ القِيامَةِ(۹)

''ظلم قیامت کے دن کے اندھیروں میں سے ایک اندھیرا ہے''۔

اسلام ظلم کو اس کی ادنیٰ ترین شکل میں بھی گوارا نہیں کرتا اور اس کا خاتمہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے، نبی کریم ﷺ نے اپنی ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد یوں نقل فرمایا ہے:

یاعِبادی! اِنّی حَرمتُ الظُّلْمَ علیٰ نفْسِی و جَعَلْتُہٗ بینکُم مُحرّماً فلا تظالموھا (۱۰)

''اے میرے بندو میں نے کسی پر ظلم کرنا اپنی ذات کے لیے بھی حرام کردیا ہے اور اس کا ارتکاب کرنا تمہارے درمیان بھی حرام ٹھہرادیا ہے، لہذا ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو''

آپ ؐ نے اپنی حیاۃ طیبہ میں عدل قائم کیا اور ظلم کا خاتمہ کیا اور امت مسلمہ کو یہ سبق ہمیشہ کے لیے سکھا گئے کہ اس کی تمام جدوجہد اور قربانیوں کا مقصد مخلوق خدا کو دنیا کے نظاموں کے ظلم سے چھٹکارا دلا کر اسلام کے عادلانہ نظام کی طرف لانا ہے، یہی وہ درس تھا جس کا اعادہ ایک جلیل القدر صحابی حضرت ربعی بن عامرؓ نے ایران کے بادشاہ یزدجرد کے دربار میں بے باکانہ کردیا، یہ وہاں سفیر بن کر گئے تھے:

اللّٰہ ابتعثنا، وجاء بنا لنخرج من شآء من عبادۃ العباد الی عبادۃ اللّٰہ ومن ضیق الدنیا الی سعتھا ومن جور الادیان الی عدل الاسلام (۱۱)

''اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھیجا ہی اس لیے ہے کہ ہم بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی بندگی میں داخل کردیں، انہیں دنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی وسعت میں لے جائیں اور مختلف ادیان اور نظاموں کے ظلم سے چھڑا کر اسلام کے عدل کی طرف پھیردیں''

قرآن وحدیث کی تعلیمات کے تناظر میں یہ بات واضح ہے کہ عدل کا دائرہ وسیع ہے جو زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہے، تاہم علماء بنیادی طور پر عدل کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔ (الف) انفرادی عدل (ب) اجتماعی عدل

(الف) انفرادی عدل:

وہ عدل جو خاص فرد، یا شخص کی صفت بنتا ہے، انفرادی یا شخصی عدل کہلاتا ہے۔ اسی طرح ہر صاحب حق کو اس کا حق ادا کردینا، افراد اور اشخاص کا عدل کہلاتا ہے۔ اس لئے کہ جب ہر شخص اپنی جماعت کا ایک فرد ہے، تو اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ جماعت کی خیر وخوبی میں سے اپنے حصہ کے مطابق فائدہ اٹھائے۔ لہذا انسان کا ٹھیک ٹھیک اپنے حصہ کو لینے اور بغیر کمی کے ٹھیک ٹھیک دوسروں کے حقوق کو ادا کرنے کا نام عدل یا انصاف ہے۔

انفرادی عدل میں یہ بات بھی شامل ہے، کہ معاشرے کا ہر فرد اپنی انفرادی زندگی میں ہر کام میں اعتدال پیدا

Marfat.com

کرے، صحت کی بقاء کے لئے کھانے پینے اور دوسرے امور میں اعتدال ضروری ہے۔ اسی طرح روحانی زندگی میں بھی اعتدال ضروری ہے۔اسلام دنیاوی معاملات اور عبادات کے درمیان بھی توازن قائم رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ احادیث اور سیرت نبویؐ سے ایسی متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ شارع علیہ السلام نے اپنے مبارک اقوال و اعمال کے ذریعے عبادات و معاملات میں عدل وتوازن کے قیام کی طرف خاص توجہ مبذول فرمائی ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

''جب تین اصحاب رسول ﷺ کی ایک جماعت میں سے ایک نے یہ عہد کیا کہ ساری رات عبادت کیا کروں گا سویا نہیں کروں گا۔ دوسرے نے کہا، کہ ہمیشہ روزے رکھوں گا اور تیسرے نے کہا کہ نکاح نہیں کروں گا۔ تو آپ ﷺ نے اس سے روکا اور فرمایا: کہ میں رات کو عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کیا ہے، پھر فرمایا کہ جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں۔'' (۱۲)

ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے مسجد میں تشریف لائے تو (دیکھا) کہ ایک رسی دوستونوں کے درمیان بندھی ہوئی ہے، آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ رسی کیسی ہے؟ لوگوں نے بتلایا کہ یہ حضرت زینبؓ کی رسی ہے، جب وہ (عبادت کرتے کرتے) تھک جاتی ہیں تو اس کے ساتھ لٹک جاتی ہیں (تاکہ سستی دور ہوجائے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو کھول دو! تم میں سے ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اس وقت نماز پڑھے جب وہ فرحت ونشاط محسوس کرے، جب ست ہوجائے (تھک جائے) تو وہ سوجائے۔ (۱۳)

عبادت اور دینوی معمولات کو ساتھ ساتھ اور پہلو بہ پہلو چلانے کا یہ انداز کسی اور مذہب میں نہیں ہے، دین اسلام کی میانہ روی میں سے ہے کہ آدمی دین ودنیا کو متوازن انداز میں اختیار کرسکتا ہے، ہر صاحب حق کو اس کا حق دیتا ہے، نہ عبادت میں حد سے آگے بڑھتا ہے کہ بندہ جان اس میں ضائع کرے اور دوسروں پر بوجھ بن کر جئے اور جن افراد کے حقوق اس کے ذمے واجب ہیں، مثلاً بیوی، والد، والدہ، ان کو ضائع کرے اور نہ ہی دنیا کو دین پر فوقیت دے کر صرف مال کا بندہ بن کررہ جائے، کہ نہ اپنے رب کو پہچانے اور نہ اپنے گناہوں کی معافی مانگے۔

(ب) عدل اجتماعی کا اسلامی تصور واہمیت:

عدل اجتماعی کا مفہوم مغرب کے سیاسی فلسفے میں مبہم اور غیرواضح ہے، مختلف مکاتب فکر کے ہاں اس کے مختلف معنی لیے جاتے ہیں، بعض مفکرین کا خیال ہے کہ چونکہ پیدائش کے اعتبار سے تمام لوگ برابر ہیں لہذا سب کے ساتھ یکساں سلوک ہونا چاہئے بعض مفکرین عدل اجتماعی کو معاشی مساوات کا نام دیتے ہیں، جبکہ ایک طبقہ کے نزدیک تمام شہریوں کو یکساں مواقع فراہم کرنا عدل اجتماعی ہے۔ اسلام کی نظر میں عدل اجتماعی کسی ایک پہلو تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کی وسعت کا دائرہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے، اس میں سماجی برابری، معاشی انصاف، سیاسی آزادی اور مذہبی رواداری سب کچھ شامل ہے۔ عبادت اور کاروبار عقیدہ اور عمل، روحانیت اور مادیت، سیاست اور معیشت، دنیا اور آخرت، غرضیکہ تمام شعبہ ہائے زندگی کے درمیان حقوق وفرائض کا ایک خوبصورت توازن پیدا ہوتا ہے، اسلام کا عدل اجتماعی صرف معاشی مساوات کا نام نہیں، بلکہ

Marfat.com

جامع اور ہمہ گیر انسانی عدل ہے، وہ فرد کے نجی مسائل سے لے کر اجتماعی مسائل تک دنیا سے لے کر آخرت تک اور جسم سے لے کر ہر قسم کے مسائل سے بخوبی نبرد آزما ہوتا ہے، گویا عدل اجتماعی مرکب ہے ہر شعبہ زندگی کے عدل سے، اسلام ان تمام شعبوں میں مکمل عدل وانصاف کا خواہاں ہے اور یہی عدل وانصاف مل کر عدل اجتماعی کی صورت اختیار کرتا ہے، عدل اجتماعی کے اہم شعبے حسب ذیل ہیں:

(۱) سماجی عدل

(۲) اقتصادی عدل

(۳) قانونی عدل

(۱) سماجی عدل:

اس سے مراد وہ عدل ہے جس کا اثر سوسائٹی یا معاشرے پر پڑتا ہے، اجتماعی عدل کے ضمن میں سب سے پہلا مقام معاشرتی عدل کا ہے، مساوات اور احترام آدمیت اسلامی معاشرے کا وہ امتیاز ہے جس کی نظیر ساتویں صدی سے لے کر بیسویں صدی تک کی تاریخ میں کوئی اور مذہب یا تمدن پیش نہیں کرسکتا، خطبہ حجۃ الوداع میں انسانی حقوق کا جو چارٹر عطا کیا گیا، اس میں فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ کو قرار دیا گیا:

''تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور اللہ نے آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا'' (۱۴)

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

''عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سفید کو سیاہ پر اور سیاہ کو سفید پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، بجز تقویٰ کے'' (۱۵)

جبکہ متعدد احادیث میں یہ ارشاد موجود ہے: کونوا عبادا للّٰہ اخوانا (۱۶) ''اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ''

ایک اور جگہ پوری انسانیت کو عیال اللہ قرار دیا گیا ہے، ارشاد نبوی ہے:

''ساری مخلوق اللہ کی عیال (گویا اس کا کنبہ) ہے، اس لئے اللہ کو زیادہ محبوب اپنی مخلوق میں وہ آدمی ہے جو اللہ کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرے'' (۱۷)

یہ مساوات انسانی کا وہ عالمی اصول تھا جس پر حضور نبی کریم ﷺ نے بین الاقوامی سطح پر جمہوری اور عادلانہ انسانی معاشرے کی بنیاد رکھی، یہی اصول آگے چل کر عالمی جمہوریت کے قیام کا باعث بنا، محسن انسانیت کے اس اعلان سے غیر مسلم دانشور، مؤرخین اور سیرت نگار بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور انہیں اعتراف حقیقت کرنا ہی پڑا، ہندو دانشور راما کرشنا راؤ کو پیغمبر اسلامؐ کی اس مقدس تعلیم نے بہت متاثر کیا، لہٰذا اسے یہ کہنا پڑا:

''عالمی برادری اور انسانی مساوات کے جو اصول آپؐ نے پیش کیے، انہوں نے انسانیت کو معاشرتی طور پر سربلند کرنے میں اہم کردار ادا کیا، تمام عظیم مذاہب نے اسی نظریے کو پیش کیا ہے، لیکن پیغمبر اسلامؐ نے اس نظریے کو حقیقی طور پر عملی جامہ پہنایا، اس کی حقیقی قدر وقیمت شاید آیندہ کبھی جب عالمی ضمیر بیدار ہو، نسلی تعصب ختم ہو جائیں اور انسانی برادری کا مضبوط تر تصور

Marfat.com

وجود میں آجائے، تسلیم کیا جائے'' (۱۸)

اسی طرح ہندوستان کی ایک عظیم شاعرہ سروجنی نائیڈو کہتی ہے:

''میں اسلام کی اس ناقابل تقسیم وحدت سے بہت متاثر ہوں کہ دائرہ اسلام میں شامل ہونے والے جبلی طور پر ایک دوسرے کے بھائی بن جاتے ہیں، چاہے وہ مصری ہوں، الجزائری ہوں، ہندوستانی ہوں یا لندن میں رہنے والے ترک ہوں'' (۱۹)

رسالت مآبؐ کے اسلامی اخوت کے اعلان کی بدولت اسلامی امہ کی عالمگیر برادری قائم ہوئی اور صہیب رومیؓ، سلمان فارسیؓ، بلال حبشیؓ اور علی المرتضیٰ قریشی رضی اللہ عنہم ایک ہی صف میں نظر آئے۔

اس تعلیم کی بدولت نسلی، جغرافیائی، لسانی امتیازات ختم ہوگئے، محبت اخوت اور یگانگت پر مبنی عالمگیر برادری کا قیام عمل میں آیا۔ آقا وغلام ایک نظر آئے، ایک حبشی تقویٰ وپرہیزگاری کی دولت سے مالا مال ہونے کی بنا پر قریشی سردار سے زیادہ معزز ٹھہرا اور غلام عالمگیر برادری کی امامت وبادشاہت کے لائق قرار پایا۔ نوع انسانی کی قطعی اور مکمل مساوات اور وحدت کا یہ عظیم الشان اعلان ہے، جس نے قوم پرستی اور نسل پرستی کی رگ گردن کاٹ دی۔

آج دنیا ایسی عالمگیر برادری کی متلاشی ہے جس میں آدمی کے درمیان امتیاز نہ رہے، نسل اور رنگ کا فرق نہ رہے، جس میں امیر وغریب، حاکم ومحکوم، شاہ وگدا سب کو یکساں حقوق ومراعات حاصل ہوں، جس میں تمام انسانوں میں اخوت اور بھائی چارگی کا قیام عمل میں آئے، تمام انسانوں میں اتفاق واتحاد، امن ودوستی، رواداری اور صلح قائم رہے اور کوئی فرد کسی کے حقوق پامال نہ کرسکے، اس سلسلہ میں اقوام عالم کو اسلام اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنا ہوگی، جو سرتاپا انسانیت کی رہنما اور فطرت انسانی کی ترجمان ہیں۔

آپؐ نے نہ صرف یہ کہ لوگوں کو مساوات اور بھائی چارے کی تعلیم دی، بلکہ سب سے پہلے خود اس پر عمل کرکے دکھایا، اگر دوسرے مسلمان عام سپاہی کی حیثیت میں مدینہ طیبہ کی دفاع میں خندق کھودنے کی مشقت برداشت کررہے تھے، تو ان کا امیر ﷺ صرف قیادت ونگرانی کا فریضہ انجام نہیں دے رہا تھا، بلکہ بنفس نفیس کدال ہاتھ میں لے کر خندق کھودنے میں شریک تھا۔ (۲۰)

غزوہ خندق کے اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد محمد سعید رمضان البوطی لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے خندق کھودنے کا جو منظر ہم نے پیش کیا ہے، اس سے ایک عظیم الشان درس حاصل ہوتا ہے، اس سے اس مساوات کی حقیقت عیاں ہوتی ہے جسے اسلامی معاشرہ اپنے تمام افراد کے درمیان راسخ کرنا چاہتا ہے اور واضح ہوتا ہے کہ عدل ومساوات کی حیثیت اسلامی قدروں میں محض کھوکھلے نعروں کی سی نہیں ہے اور نہ زرق برق امتیازی علامات کی سی ہے، جن کی وجہ سے معاشرہ کا ظاہر خوش نما معلوم ہو، بلکہ عدل ومساوات وہ حقیقی بنیاد ہے جس سے معاشرے کے ظاہر اور باطن دونوں میں اسلامی اقدار اور اصول صادر ہوتے ہیں۔

آپ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہیں کیا کہ مسلمانوں کو تو خندق کھودنے کا حکم دے دیا اور خود عیش وآرام

Marfat.com

کے ساتھ ان کی نگرانی کے لیے اپنے ''قصر شاہی'' میں چلے گئے ہوں اور نہ آپؐ نے ایسا کیا کہ ایک عظیم الشان جلوس کی شکل میں تشریف لائے ہوں، کسی کام کرنے والے کی کدال اپنے ہاتھ میں لے کر ایک بار زمین پر ماری ہو اور اس طرح کام شروع ہو جانے کا اعلان ہو گیا ہو اور علامتی طور پر اس میں آپؐ کی بھی شرکت ہو گئی ہو، پھر آپؐ نے کدال زمین پر ڈال دی ہو اور اپنے خوش نما لباس پر آجانے والی معمولی گرد کو جھاڑتے ہوئے واپس چلے گئے ہوں۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ صحابہؓ کی طرح خود بھی اس کام میں شریک رہے، آپؐ کا جسم اطہر مٹی اور گرد و غبار سے اٹ گیا، مگر آپؐ اپنے ساتھیوں اور بھائیوں سے الگ نہیں ہوئے، وہ لوگ ایک دوسرے کو حوصلہ دینے کے لیے رجز پڑھتے تو ان کے ساتھ آپؐ بھی رجز پڑھتے، ان لوگوں کو تھکن اور بھوک کا احساس ہوتا تو ان میں سرفہرست آپؐ بھی تھے، یہ ہے اس مساوات کی حقیقت جو اسلامی شریعت نے حاکم و محکوم، امیر و غریب اور محتاج و رئیس کے درمیان قائم کی ہے، آپؐ احکام شریعت کی کوئی ایسی شق نہ پائیں گے، جو اس بنیاد پر قائم نہ ہو اور جس میں اس حق کی ضمانت نہ دی گئی ہو'' (۲۱)۔

اسی عدل اجتماعی کی ایک اور مثال وہ رشتہ مواخات ہے، جنہیں ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ نے مہاجرین و انصار کے درمیان قائم فرمایا تھا (۲۲)۔ اس رشتہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے محمد الغزالی لکھتے ہیں:

> ''دوسرا اہم معاملہ امت کے افراد کے درمیان باہمی تعلق کا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی بنیاد ایسی اخوت پر رکھی جس میں انا کا کہیں گذر ہی نہ ہو اور فرد جماعت کی روح اور اس کے مفادات اور آرزوؤں کے دائرے میں سرگرم رہے، خود اپنے نفس کو جماعت کا ایک حصہ سمجھے اور بس۔ اس اخوت کا مطلب تھا کہ جاہلیت کے تمام تعصبات زائل ہو جائیں اور صرف اسلام کے لیے حمیت باقی رہے، نسب، رنگ اور علاقہ کی تمیزیں ختم ہو جائیں اور وزن صرف فرد کی پرہیزگاری و جانثاری و مردانگی کا رہ جائے'' (۲۳)

اس رشتہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے محمد سعید رمضان البوطی لکھتے ہیں:

اتخذ رسول الله ﷺ من حقيقة التاخى الذى اقامه بين المهاجرين والانصار أساساً لمبادئ هذه العدالة فيما بعد بشكل أحكام وقوانين شرعية ملزمة، ولكنها كلا انما تأست وقامت على تلك (الارضية) الاولىٰ، ألا وهى الأخوة الاسلاميه. (۲۴)

> ''رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کو اس عدل اجتماعی کے اصولوں کی بنیاد بنایا، جس کے نفاذ پر دنیا کا سب سے عظیم اور بے مثال معاشرتی نظام وجود میں آیا، اس عدل کے اصولوں نے بعد میں ترقی کر کے لازمی شرعی احکام و قوانین کی شکل اختیار کر لی، لیکن یہ سب اسی اولین بنیاد یعنی اسلامی اخوت پر قائم تھے''

اسی طرح عدل و انصاف پر مبنی نظام کے قیام کا اعلان کرتے ہوئے آپؐ نے حاتم طائی کے بیٹے عدی بن حاتم سے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ''قیامت برپا نہ ہوگی، یہاں تک کہ ایک ہودج نشین عورت حیرہ سے تن تنہا نکلے گی اور بیت اللہ کا طواف کرے گی''، اور بعض روایات میں ہے کہ 'وہ حجاز سے عراق تک کا سفر امن و سلامتی کے ساتھ کرے گی اور اسے کوئی خوف لاحق نہ

Marfat.com

ہوگا'' عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھا کہ ایک عورت تنہا چلی اور کوئی اس کو چھیڑنے والا اور نگاہ اٹھا کر دیکھنے والا نہ تھا، امن وانصاف کا یہ دور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔(۲۵)

عائلی زندگی معاشرتی نظام کا ایک اہم حصہ ہے، اسلام میں عائلی زندگی سے متعلق بھی عدل وانصاف پر مبنی تعلیمات موجود ہیں، عائلی زندگی میں عدل وانصاف کی سب سے زیادہ ضرورت ان لوگوں کو ہوتی ہے جو ایک سے زائد عورتوں سے نکاح کرتے ہیں، اس لیے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾(۲۶)

یعنی اگر تم کو اس کا خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی بیوی پر بس کرو، یا جو کنیز شرعی اصول کے مطابق تمہاری ملک ہو، (اس سے گذارہ کرلو)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ نکاح کرنا اس صورت میں جائز اور مناسب ہے، جبکہ شریعت کے مطابق سب بیویوں میں برابری کر سکے اور سب کے حقوق کا لحاظ رکھ سکے۔ رسول کریم ﷺ نے سب بیویوں کے درمیان پوری مساوات وعدل کی سخت تاکید فرمائی ہے اور اس کے خلاف کرنے پر سخت وعید سنائی ہیں، مثلاً ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا:

من كانت له امرأتان فمال الىٰ احدٰهما جآء يوم القيٰمة وشقه مائل (۲۷)

''جس شخص کے نکاح میں دو عورتیں ہوں اور وہ ان کے حقوق میں برابری اور انصاف نہ کر سکے، تو وہ قیامت میں اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا''

عدل وانصاف کے اس پہلو کو نبی کریم ﷺ نے اپنے قول کے ساتھ ساتھ اپنے عمل کے ذریعے بھی واضح فرمایا ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے تو ان معاملات میں بھی مساوات فرماتے تھے، جن میں مساوات لازم نہیں۔ آپ نے ایک سے زائد نکاح کئے اور تمام ازواج سے مثالی سلوک کیا، نبی کریم ﷺ کے کاشانہ اقدس میں بیک وقت مختلف مزاج، مختلف حیثیت اور مختلف عمر کی ازواج مطہراتؓ تھیں، ان میں عرب کے سرداروں کی بیٹیاں بھی تھیں، غریب ونادار لڑکیاں بھی، صاحب حسن وجمال بھی تھیں اور صاحب کمال بھی، زیادہ عمر والیاں بھی تھیں اور کم عمر والیاں بھی، تیز مزاج بھی تھیں اور صبر وتحمل والیاں بھی، لیکن آپؐ نے سب کے حقوق ادا کئے اور سب سے یکساں مہر ومحبت کا برتاؤ رکھا۔

عورتوں کی طرح یتیموں کے حقوق کی حفاظت کے لیے بھی عدل وانصاف کی ضرورت ہے، ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ﴾ (۲۸)

''اور (خاص کر) یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف کو ملحوظ رکھو''

انسانی معاشروں میں کمزور طبقات کے ساتھ عام طور پر ظلم روا رکھا جاتا ہے، بالخصوص عورتیں اور یتیم اس کا خاص نشانہ بنتے ہیں، ان کو جائیدادوں میں ان کے شرعی حق سے محروم رکھا جاتا ہے، بلکہ ان کی جائیدادوں کو ہتھیا لیا جاتا ہے اور ان سے ہر طرح کی بدسلوکی روا رکھی جاتی ہے، ایسے ہی لوگوں کے لیے نبی کریم ﷺ نے سخت وعید بیان فرمائی ہے، ارشاد ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّى اُحَرِّجُ حقَّ الضعيفين اليتيم وَالمرأة (۲۹)

Marfat.com

''اے اللہ میں لوگوں کو دو ضعیفوں کے حق سے بہت ڈراتا ہوں (کہ ان میں کوتاہی مت کرنا) ایک یتیم اور دوسری عورت''

آپؐ کی محبت وشفقت کا سلوک خصوصی طور پر انسانوں کے ان طبقات سے واضح طور پر نظر آتا ہے جو کمزور اور استحصال کا شکار تھے، آپؐ نے جس دور میں اپنی دعوت کا آغاز کیا، اس میں انسان بھیڑ بکریوں کی طرح بکتے تھے، غلاموں اور باندیوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی، ان سے ناروا سلوک ہوتا، ان کو اذیتیں دی جاتیں، ان کی تحقیر ہوتی، غرض اس معاشرے میں ان کا کوئی مقام ہی نہ تھا، آپؐ نے اپنی تعلیمات اور اپنے طرز عمل سے غلاموں کو بہتر مقام عطا کیا، غلاموں کے بارے میں جب کبھی آپؐ کے پاس شکایت پہنچی، تو آپؐ نے انہیں آزاد کرنے کا حکم دیتے۔

امام احمد نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص کے پاس دو غلام تھے، جن سے انہیں ہمیشہ شکایت رہتی تھی، وہ ان کو برا بھلا کہتے اور مارتے بھی، لیکن ان کے رویے میں فرق نہ آتا، اس نے رسول اکرم ﷺ کے پاس شکایت کی اور اس کا علاج پوچھا، آپؐ نے فرمایا: ''تمہاری سزا اگر ان کے قصور کے برابر ہوگی تو خیر ورنہ سزا کی جو مقدار زائد ہوگی، اس کے برابر تمہیں سزا ملے گی'' یہ سن کر وہ شخص پریشان ہوگیا اور گریہ وزاری شروع کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص قرآن نہیں پڑھتا جس میں آیا ہے ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ﴾ (۳۰) ''اور ہم قیامت کے دن میزان عدل قائم کریں گے''، یہ سن کر اس نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! بہتر یہ ہے کہ میں ان کو الگ کردوں، آپ گواہ رہیں کہ اب وہ آزاد ہیں'' (۳۱)

(۲) معاشی عدل:

اجتماعی عدل کا ایک اہم شعبہ معاشی عدل وانصاف بھی ہے، معاشی عدل سے مراد وہ لائحہ عمل ہے جس کے تحت ملک کے ہر فرد کو قومی دولت سے برابر استفادہ کرنے کا موقعہ میسر ہو اور ایسے اصول وضع کردیئے جائیں، جن کی وجہ سے دولت چند ہاتھوں میں جمع نہ ہوسکے، کسی بھی معاشرے کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے اس میں معاشی عدل کا پایا جانا لازمی جزء ہے، اسلام اس معاشی عدل کی مکمل ضمانت فراہم کرتا ہے، وہ ایک طرف سماجی برائیوں کا انسداد، سیاسی استحکام اور معاشرتی انصاف کے قیام پر زور دیتا ہے تو دوسری طرف ایسے عادلانہ اور متوازن اقتصادی اصول بھی دیتا ہے، جن سے معاشرے کا معاشی نظام صالح بنیادوں پر استوار ہوسکے، اس معاشی انصاف کے لیے بنیادی طور پر اسلام یہ چاہتا ہے کہ ہر فرد کو مساوی مواقع روزگار مہیا ہوں، کسی بھی شخص سے کوئی امتیازی سلوک روا نہ رکھا جائے، جو لوگ جس قدر صلاحیتوں کے مالک ہوں گے، اسی اعتبار سے زندگی کی جدوجہد میں بھی درجات کا فرق پایا جائے گا لیکن یہ فرق فطری ہوگا اور اس کو بھی کم سے کم تر کرنے کے لیے اسلام یہ ہدایت دیتا ہے کہ ﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾ (۳۲) ''ایسا نہ ہو کہ (یہ مال ودولت) تمہارے دولت مندوں ہی میں گردش کرتا رہے''۔

ارشاد نبویؐ ہے: تؤخذُ من اغنياء هم فترد على فقراء هم (۳۳) ''ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے محتاجوں میں تقسیم کردی جائے گی''۔

Marfat.com

اسلام نے جائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت میں بھی دوسری مخلوق کا حصہ رکھا ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (۳۴)

''اور ان کے مال میں مانگنے والوں کا اور سوال سے بچنے والوں کا حق ہے''

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

اقسم المال بین اھل الفرائض علیٰ کتاب اللّٰہ (۳۵)

''اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق اچھا مال ان لوگوں میں تقسیم کرو جن کا حق مقرر کیا گیا ہے''

اسلام نے اجتماعی مفاد کے لیے جائز طریقے سے کمائی ہوئی دولت کو تقسیم کرنے کے لیے درج ذیل صورتیں تجویز کی ہیں: (۱) زکوٰۃ (۲) صدقات واجبہ (۳) انفاق (۴) قانون وراثت (۵) زکوٰۃ کے سواحق (۶) العفو۔

معاشرے کے اجتماعی مفاد کی خاطر اسلام میں اس بات کی بھی ممانعت ہے کہ ضروریات زندگی کو روک رکھا جائے، تاکہ ان کے دام بڑھ جائیں اور اس طرح سے منافع میں اضافہ ہو، ذخیرہ اندوزی اور احتکار کو اسلام نے سختی سے منع کیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

۱- عن عُمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ، قالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنِ احتکَرَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ طَعَامًا ضَرَبَهُ اللّٰہُ بالجذامِ والافلاس. (۳۶)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے سنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ ﷺ فرماتے تھے جس نے مسلمانوں پر احتکار کیا، کھانے کی چیزوں کا، تو اللہ تعالیٰ اس کو جذام اور افلاس میں مبتلا کرے گا۔''

۲- عَنْ عُمَر بن الخَطَّاب قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الجالِبُ مزروقٌ و المحتکر ملعُونٌ. (۳۷)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جالب (جلب کرنے والا یعنی باہر سے مال لانے والے) کو روزی دیا جائے گا (اس کو نفع ہوگا، برکت ہوگی) اور احتکار کرنے والا ملعون ہے۔''

زیادہ نفع کمانے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اپنے فروختنی مال کو جلد از جلد فروخت کر کے اسی رقم سے نیا مال خرید کر پھر فروخت کرتے جائیں، اور ایک سال کئی بار یہ چکر چلتا رہے، یہ صورت شرعی نقطہ نظر سے پسندیدہ اور ملکی معیشت کے لئے بھی بہت مفید ہے، دوسری صورت ذخیرہ اندوزی ہے جو مذموم بھی ہے، اور ملکی معیشت پر تباہ کن اثرات کی حامل بھی، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذخیرہ اندوزی کی مذمت فرمائی ہے۔

۳- عن معمر بن عبد اللّٰہ بن نضلَۃَ قالَ قَالَ رَسُوْل اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یحتکِرُ اِلَّا خاطِیءٌ. (۳۸)

''معمر بن عبد اللہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احتکار نہیں کرتا مگر وہی جو خاطی (یعنی گنہگار) ہو۔''

۴- وعن ابی امَامَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ احْتکَرَ طَعَامًا اربعِیْنَ یومًا ثُمَّ تَصَدَّقَ بِہٖ لَمْ

Marfat.com

يَكُنْ لَهُ كَفَّارَةً. (۳۹)

''حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے گران فروشی کی نیت سے غلّہ کو چالیس روز تک روکے رکھا اور پھر اسے خدا کی راہ میں خیرات کر دیا تو وہ اس کے لئے کفارہ نہیں ہوگا۔''

اسلام ریاست کے معاشی وظائف کا بھی ایک مثبت تصور پیش کرتا ہے اور سماجی فلاح اور معاشی انصاف کے قیام کو اس کی اولین ذمہ داری قرار دیتا ہے، زکوٰۃ سماجی فلاح کی ایک سکیم ہے جس کے نظام کو ریاست کے ہاتھوں قائم کیا جاتا ہے، معاشی قانون سازی اور عدلیہ کی طاقتوں کے ذریعے ریاست عدل اجتماعی قائم کرتی ہے، جس کا کوئی وارث نہیں اس کی ریاست وارث ہے اور جس کا کوئی ولی نہیں، اس کی ریاست ولی ہے، ارشاد نبوی ہے:

السلطان ولی من لاولی له (۴۰) ''حکومت ہر اس شخص کا ولی (دست گیر و مددگار) ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو''۔

ناداروں، اپاہجوں اور محتاجوں کی مدد ریاست کا فرض ہے اور یہ بھی اس کی ذمہ داری ہے کہ تمام شہریوں کو ان کی بنیادی ضرورتیں فراہم کرے، ارشاد نبوی ہے:

وَمَن تركَ مالاً فِلاهْلِهِ ومن ترك دَيناً اوْ ضياعاً فَاِلَيّ وعليّ (۴۱)

''اور جو شخص مال چھوڑ جائے پس وہ اس کے ورثاء کے لیے ہے اور جو قرض یا محتاج اہل وعیال چھوڑ کر جائے تو (قرض کی ادائیگی) میرے ذمہ داری اور (بچوں کی نگرانی کا فریضہ) مجھ پر ہے''۔

اس حدیث میں یتیموں اور ضرورت مندوں کی کفالت کو حکومت وقت کی ذمہ داری بتلایا گیا ہے، دوسری جگہ ارشاد ہے:

عن عمرو بن مرّة انّه قال لمعاويةؓ انّي سمعتُ رسول الله ﷺ يقول مامن امامٍ يغلق بابه دون ذوى الحاجة وَالخلة والمسكنة اِلّا اغلق الله ابواب السّمآء دون خلته ومسكنته فجعل معاويةؓ رجلاً علىٰ حوائج النّاس (۴۲)

''حضرت عمرو بن مرہؓ نے معاویہؓ سے کہا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ اگر کوئی حاکم اپنی رعایا کے حاجتمندوں، محتاجوں اور مسکینوں کے لیے اپنے دروازے بند کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجات، ضروریات اور فقر کو دور کرنے سے پہلے آسمانوں کے دروازے بند کر دیتے ہیں، اس پر معاویہؓ نے اسی وقت ایک شخص کو لوگوں کی ضروریات سے مطلع کرنے کے لیے مقرر کر دیا''

ایک خاوند پر اپنی بیوی اور بچوں کی کفالت کرنا بھی لازم ہے، حتی کہ اگر شوہر خرچ نہ کریں تو بیوی اس کی اجازت کے بغیر بھی اپنا نفقہ لے سکتی ہے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ہندہ بنت عتبہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! میرے خاوند ابوسفیانؓ بہت احتیاط پسند ہے، وہ مجھے اتنا مال نہیں دیتے جو میری اور میرے بچوں کی کفالت کر سکے، البتہ میں ان کے مال سے لے لوں اور انہیں خبر ہی نہ ہو، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

خُذى ما يكفيكِ وولدكِ بالمعروف (۴۳)

''ہاں اپنا مال لے لیا کرو جو تیرے اور تیرے بچوں کی کفالت کے لیے کافی ہو''

Marfat.com

اسی طرح ہمسایوں کے ساتھ معاشی انصاف کی تلقین میں انتہائی حدتک وصیت فرمائی:

لیس المؤمن الذی یشبع و جارہ جائعٌ (۴۴)

''وہ ہرگز مؤمن نہیں ہوسکتا جوخود پیٹ بھرکر کھائے مگراس کاہمسایہ بھوکا رہے''

بیوگان اورمحتاجوں سے معاشی انصاف کی ترغیب ان الفاظ میں دی گئی:

الساعی علی الارملة والمسکین کالمجاھد فی سبیل اللّٰہ کالّذی یصوم النھار ویقوم اللّیل (۴۵)

''بیوہ اورمسکین کی مدد کرنے والا ثواب میں اس مجاہد کی طرح ہے جواللہ تعالیٰ کی راہ میں جہادکرتا ہے یااس شخص کی مانند ہے، جو دن کوروزہ رکھے اوررات کوعبادت کرے''۔

نبی کریم ﷺ نے دنیا کی پہلی فلاحی اورخادم خلق ریاست جوریاست مدینہ کی شکل میں بنائی تھی،اس کی معاشی پالیسی عدل وانصاف پرمبنی تھی، نبی کریم ﷺ نے معاشی انصاف قائم کرنے کے لئے ایسا انتظام فرمایا کہ دولت کابہاؤ غلط ذرائع سے کسی خاص سمت میں چل پڑے اور نہ جائز ذرائع سے آئی ہوئی دولت کہیں ایک جگہ سمٹ کر بے کار رکی رہ جائے۔اس کے ساتھ ہی آپؐ نے یہ انتظام بھی فرمایا کہ دولت زیادہ سے زیادہ استعمال ہواور گردش میں رہے،تاکہ دولت کی گردش سے بالخصوص ان عناصرکوبھی حصہ ملے جوکسی نہ کسی وجہ سے اپنامناسب حصہ پانے سےمحروم رہ جاتے ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے معاشی انصاف قائم کرنے کے لئے قانون اورریاست کی مداخلت پرزیادہ انحصارنہیں کیا،چند ناگزیر تدابیرکوریاست کی ذمہ داری قراردینے کے بعدآپؐ نے اس مقصد کے لئے اپنی بقیہ تدابیرکانفاذ افراد کی ذہنی واخلاقی تربیت اورمعاشرے کی اصلاح کے ذریعے سے کیا، تاکہ آزاد جدوجہد کی معیشت کے منطقی تقاضوں کو برقراررکھتے ہوئے معاشی انصاف کے تقاضے پورے ہوسکیں اورمعیشت کے مطلوبہ مقاصدبھی حاصل ہوجائیں۔

معاشی عدل کے حوالے سےمحمد عربی ﷺ کے پیدا کردہ معاشی نظام کاسب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے طبقاتی کشمکش کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا،محمد عربی ﷺ نے معاشرے کے مختلف عناصرمیں طبقاتی کشمکش کومصنوعی طریقوں سے ختم کرنے کے بجائے اس کے اسباب کوختم کرکے ان عناصرکے درمیان تعاون اوررفاقت کی وہ روح پیدافرمائی جوطبقاتی کشمکش کو پنپنے ہی نہیں دیتی ہے، انسانی تاریخ میں طبقاتی کشمکش کے خاتمے کی ایسی مثال شاذ ونادر ہی نظرآتی ہے۔

مدینے میں زکوٰۃ،صدقات نافلہ،مساکین وفقراء اوررشتہ داروں کی امداد،وراثت، وصیت،وقف،ہبہ جیسے خالص معاشی تصور کے ذریعے اونچ نیچ اورمعاشی طبقہ واریت کوختم کردیا گیا، اورآخر میں قل العفو کانظام یعنی ضروریات سے زائد ہرچیز کوخدا کی راہ میں خرچ کرنے کاحکم نازل ہوا، اس طرح دولت کابہاؤ بارش کے پانی کی طرح اوپر کے طبقوں سے نچلے طبقوں کی طرف ہوا،جس طرح بارش کاپانی کہیں جمع ہوجائے اوراس کی روانی رک جائے، تونتیجے میں سڑ کرگندگی اور بدبو پھیلاتا ہے،اسی طرح مکے کے طبقاتی معاشرے میں اخلاقی اورسماجی برائیوں کی موجودگی کاحال معلوم ہوچکا تھا،مدینہ منورہ میں دولت کو چند ہاتھوں میں جمع ہونے سے روکا گیا،جس طرح طبعی جسم میں ہرجگہ دوران خون ہونا ضروری ہے،کسی ایک عضو میں اس کی ضرورت سے زیادہ خون کاجمع ہوجانا دوسرے اعضاء کی کمزوری اورخود اس عضو کے ناکارہ ہونے کاسبب بنتا ہے،اسی طرح دولت کی گردش

Marfat.com

اوپر سے نیچے کے بجائے محض دولت مندوں میں رہنے سے نچلے طبقے نشوونما سے محروم اور اونچے طبقے معاشرے کے لئے گندے اور ناکارہ عضو بن جاتے ہیں۔مدنی معاشرے میں دولت کی تقسیم کے ان اصولوں نے وہ اخلاقی اور سماجی برائیاں پیدا ہونے نہ دیں، جو مکے کے طبقاتی معاشرے میں پائی جاتی تھیں۔

عام معاملات میں عدل وانصاف کی سب سے زیادہ ضرورت روزانہ کی خریدوفروخت میں وزن وپیمانہ میں ہے،اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا:

﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾(۴۶) ''اور انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ کرو اور پوری پوری تول''۔

قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں بار بار اس کی ہدایت کی گئی ہے کہ ناپ تول میں بے انصافی نہ کی جائے،کیونکہ خریدوفروخت کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کی ہر انسان کوضرورت ہوتی ہے،اس لیے وزن وپیمانہ میں کمی کرنے سے جونقصان پہنچتا ہے وہ نہایت عام ووسیع ہے،اس کے ساتھ نہایت حقیر مقدار میں کمی کرنے سے انسان کی سخت دنائت ثابت ہوتی ہے اوراس سے روح میں سخت اخلاقی گندگی پیدا ہوتی ہے،ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ٥ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ٥وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْوَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ﴾(۴۷)

''ناپ اورتول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے،جولوگوں سے ناپ کرلیں توپورا لیں اور جب ان کوناپ کریاتول کردیں توکم کردیں''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ: لما قدم النبیﷺ المدينة كانوا من اخبث النّاس كيلاً فانزل الله ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ﴾ فاحسنوا الكيل(۴۸)

''جب نبی کریمﷺ مدینہ تشریف لائے تووہاں کے لوگ ناپ تول میں سب سے زیادہ برے تھے،پھرجب اللہ تعالیٰ نے سورہ مطففین نازل فرمائی توانہوں نے اپنی حالت کودرست کرلیا''

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:

''میں یک دن نبی کریمﷺ کے ساتھ بازارگیا،آپؐ بزاز کی دکان پرگئے جہاں ایک شخص وزن کرنے کے لیے مقررتھا،آپؐ نے ان سے ارشادفرمایا:زِنْ وَارْجِحْ (۴۹) یعنی ٹھیک تولاکراوروزن والا پلڑا کچھ جھکنے دیا کرو''

نبی کریمﷺ نے تجارکوناپ تول کی کمی کے عذاب اورانجام سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

اِنَّكُمْ قد وُلِّيْتُمْ امرين هلكت فيها الامم السابقة قبلكم (۵۰)

''یقیناً تمہیں دوایسے کاموں کی نگرانی سونپی گئی ہے جنہوں نے تم سے پہلی قوموں کوہلاک کردیا (یعنی ناپ تول کی کمی کرکے ہلاک ہوگئے)''

جس طرح ناپ تول میں کمی کرنے پرسخت وعید مذکورہیں،اس طرح فروخت ہونے والی اشیاء میں ملاوٹ کرنے کا گناہ بھی بہت شدید ہے،اشیاء میں ملاوٹ کرنے کانقصان ناپ تول میں کمی کرنے کے نقصان سے بھی زیادہ ہے،کیونکہ اس

Marfat.com

میں مالی خسارے کے ساتھ ساتھ جسمانی نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے،اس لیے نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا:

مَنْ غَشَّ فَلَیس منّا (۵۱) ''جس نے ملاوٹ کر کے ہمیں کچھ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے''

اس طرح آپ ﷺ سے منقول ہے کہ آپؐ نے بیچنے کی خاطر دودھ میں پانی ملانے سے منع فرمایا (۵۱)اس طرح حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں منقول ہے کہ آپؓ نے ایک شخص کو دودھ میں پانی ڈال کر بیچتے دیکھا تو اس کا دودھ اسی پر انڈیل دیا۔ (۵۳)

الغرض یہ اسلام کی وہ عادلانہ اور حکیمانہ تعلیمات ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ایک معاشرہ کے تمام افراد معاشی عدل وانصاف کی برکات حاصل کر سکتے ہیں

(۳) قانونی عدل:

عدل وانصاف کی ضرورت خاص طور سے عدالتی معاملات میں ہوتی ہے،عدل کی وجہ سے مملکت کی قدرومنزلت میں اضافہ ہوجاتا ہے،عدل قلبی طاقت کا شاہکار ہے،اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں،جانوں کو امان ملتی ہے،استحکام آتا ہے اوردشمن سے پناہ مل جاتی ہے،عدل وانصاف کا بلندترین درجہ لوگوں کے اخلاقی معیار کو بلند کرنا اور انہیں روحانی طور پر اونچا کرنا ہے اورانہیں اس قابل بنانا ہے کہ وہ دوسروں کے مفادات کو نقصان پہنچانے کے بجائے ان کی حفاظت اور نگہداشت کریں،اس اخلاقی معیار کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی دشمن سے بھی جرم سرزد ہوجائے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ انصاف کریں اورزیادتی سے گریز کریں،ارشادخداوندی ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾(۵۴)

''مسلمانو! خدا واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے کو آمادہ رہو اور لوگوں کی عداوت تم کو اس جرم (کے ارتکاب) کی باعث نہ ہو، کہ (معاملات میں) انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو کہ انصاف پرہیزگاری سے قریب تر ہے''

قانونی عدل کی اہمیت بیان کرتے ہوئے نعیم صدیقی لکھتے ہیں:

''کسی بھی نظام حکومت کا چلنا اس کے دو وظائف کے صحیح طور پر انجام پانے پر منحصر ہے،ایک یہ کہ اس کا دفاع مضبوط رہے، دوسرے یہ کہ اس کا عدالتی نظام ٹھیک طریق سے کام کرتا ہے اوراس کے قوانین نافذ ہوتے رہیں، پہلا وظیفہ بیرونی حملوں سے بچاؤ کے لیے ہے اور دوسرا وظیفہ اندرونی مفاسد کی روک تھام کے لیے ہے''(۵۵)

اسلامی حکومت کا اہم مقصد جو قرآن کریم نے بیان کیا ہے،وہ عدل وانصاف کا قیام ہے،چنانچہ حضرت داود علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا۔

﴿یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ عَنْ

Marfat.com

سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾(۵٦)

''اے داؤد ہم نے کیا تجھ کو نائب ملک میں سوتو حکومت کرلوگوں میں انصاف سے اور نہ چل جی کی خواہش پر پھر وہ تجھ کو بچلا دے اللہ کی راہ سے''

حافظ ابن قیم دین الٰہی کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان مقصوده اقامة العدل بين عباده وقيام النّاس بالقسط.(۵۷)

''اللہ تعالیٰ کے دین کا مقصد یہی ہے کہ اس کے بندوں کے درمیان انصاف قائم کیا جائے اورلوگ انصاف پرقائم رہیں''

عدل اور انصاف کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے،قرآن مجید کی رو سے یہ ریاست کا فریضہ ہے کہ حقیقی انصاف قائم کرنے میں عامۃ الناس کی مدد کرے اورریاست اپنے وسائل کی حدتک،اپنے مقدورکی حدتک عدل وانصاف کی فراہمی کویقینی بنائے،قرآن مجید کی رو سے شریعتوں کا،آسمانی کتابوں کا، اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی بعثت کا سب سے بڑا اوراہم مقصد یہ تھا کہ لوگ عدل وانصاف پرقائم ہوجائیں،اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام پیغمبروں کوخاص طورپرانبیاء علیہم السلام کو،جن کواللہ تعالیٰ نے اقتدار بھی عطافرمایا،حکومت بھی عطافرمائی،یہ واضح طورپر حکم دیا کہ وہ عدل وانصاف کواپنافریضہ سمجھیں۔جس طرح یہ ذمہ داری ایک نبی کی ہے کہ وہ عدل کی فراہمی کویقینی بنائے،اسی طرح یہ ذمہ داری نبی کے جانشینوں کی بھی ہے۔ہرمسلمان حکمران، جائز مسلمان حکمران پیغمبرعلیہ الصلوٰہ والسلام کا جانشین ہے،اس لیے اللہ تعالیٰ نے جوذمہ داریاں انسانوں کے دنیاوی معاملات کی حدتک رسول اللہ ﷺ کوعطافرمائیں،وہ ساری ذمہ داریاں مسلمان حکمرانوں اور فرمانرواؤں کوپوری کرنی ہیں اورانجام دیتی ہیں، اگروہ عدل وانصاف سے کام نہیں لیں گے،توان کی حکومت قائم نہیں رہے گی۔(۵۸)

رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ عدلیہ کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کی غیرجانبداری تھی،وہ بے رووررعایت انصاف کے بنیادی اصولوں کی پابندتھی اورسختی سے قانون کی عملداری قائم کررکھی تھی،کسی شخص کا سماجی،سیاسی یامذہبی مرتبہ خواہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہوتا،مدینہ کے نظام عدل پرکبھی اثرانداز نہیں ہوا،حدیث کی کتابیں ان مثالوں سے بھری پڑی ہیں،لیکن یہاں چندایک کاتذکرہ کیاجاتاہے:

۱۔ قریش مخزون کی عورت کے متعلق متفکر تھے جس نے چوری کی تھی،انہوں نے مشورہ کیا کہ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کون بات کرے گا، انہوں نے کہا کون ہمت کرسکتاہے سوائے اسامہ بن زیدؓ کے جو رسول اللہ ﷺ کے منظورنظرہیں،اسامہ نے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے بات کی، رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی ! کیاتم اللہ کی مقرر کردہ سزامیں مداخلت کرتے ہو،پھرآپ کھڑے ہوگئے اورخطاب فرمایا:

يٰـاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا ضَلَّ مَنْ قَبْلَكُمْ اَنَّهُمْ كَانُوا اِذَاسَرَقَ الشَّرِيفُ تَرَكُوه واذا سرق الضَّعِيفُ فيهم اقامُوا عليه الحدّ وايمُ اللّٰه لوانّ فاطمة بنت مُحمّدٍ سرقتْ لقطع مُحمّد يدها(۵۹)

''اے لوگو ! تم سے پہلے لوگ اس لے گمراہ ہوگئے کہ جب ان میں سے بڑے سماجی مرتبے والا کوئی

Marfat.com

چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب ان میں سے کوئی کمزور چوری کرتا تو وہ اس پر حد نافذ کرتے، خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو محمد ﷺ اس کا ہاتھ کاٹ دیتا''

۲۔ طائف کے محاصرہ پر جس رئیس (حضرت صخرؓ) نے طائف کی حصار بندی کی تھی، اس نے طائف والوں کو اتنا دبایا کہ وہ عاجز آ کر مصالحت پر اتر آئے، ان کا یہ کارنامہ عہد نبوی کے اہم کارناموں میں سے ایک ہے، اس اعتبار سے وہ خصوصی اعزاز کے مستحق تھے، لیکن ایک مرتبہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے حاکم صخرؓ کے خلاف حضور ﷺ کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا کہ اس نے ہمارے چشمہ پر ناجائز قبضہ جمالیا ہے، نیز میری پھوپھی کو بھی بند کر رکھا ہے، حضور ﷺ نے حضرت صخرؓ کو بلا کر جواب طلب کیا اور کوئی معقول وجہ نہ پا کر اس کی پھوپھی کو واپس کر دیا اور چشمہ بھی واپس لوٹا دیا، حالانہ صخرؓ نے یہ ہر دو اشیاء اس وقت قبضہ میں کی تھیں جب کہ اہل طائف ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے دونوں فیصلے اگرچہ حضرت صخرؓ کے خلاف ہوئے مگر انہوں نے بغیر کسی تذبذب کے دونوں کو قبول کر لیا، مگر جب انہوں نے دونوں فیصلے قبول کر لیے تو شرم کی وجہ سے آنحضور ﷺ کا چہرہ انور سرخ ہو گیا، راوی کے الفاظ یہ ہیں:

وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم يتغير عند ذلك حمرة حياء من اخذه الجارية واخذه الماء(٦٠)

''صخرؓ سے ان کی باندی واپس لینے کی اور پانی پر سے ان کا قبضہ ختم کرنے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور پر شرم کی وجہ سے سرخی آ گئی''۔

کیونکہ حضرت صخرؓ اپنی سابقہ خدمات کی وجہ سے خصوصی رعایت اور امتیازی سلوک کے مستحق تھے، نہ کہ مقدمات میں مسلسل ان کے خلاف فیصلہ کیا جاتا، آپؐ نے اس بنا پر شرم محسوس کی کہ وہ اسلامی حکومت کے لیے اس قدر اہم خدمت انجام دینے کے باوجود کسی اعزاز سے نوازے نہ جا سکے، الٹا انہیں اپنے خلاف دو فیصلوں کو قبول کرنا پڑا۔ اس واقعہ سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت لوگ حکومت کے خلاف بھی بڑے بڑے سرداروں، رئیسوں اور حاکموں پر دعویٰ دائر کر دیا کرتے تھے، کیونکہ انہیں عدالت عالیہ سے یہ توقع ہوتی تھی کہ وہاں ضرور انصاف ہوگا اور حق بہ حقدار رسید والا معاملہ ہوگا۔

۳۔ فتح خیبر کے بعد وہاں کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی تھیں، عبداللہ بن سہلؓ اپنے چچازاد بھائی محیصہؓ کے ساتھ کھجوروں کی بٹائی لینے گئے، عبداللہ گلی میں جا رہے تھے کہ کسی نے ان کو قتل کر دیا اور لاش گڑھے میں ڈال دی۔ محیصہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے حضور استغاثہ دائر کیا، آپؐ نے اس سے قسم کھانے کو کہا کہ عبداللہ کو یہودیوں قتل کیا ہے، محیصہؓ نے کہا میں نے اپنی آنکھوں سے تو نہیں دیکھا، آپؐ نے فرمایا تو یہودیوں سے حلف لیا جائے، محیصہؓ نے کہا حضور! یہودیوں کی قسم کا کیا اعتبار یہ سو دفعہ جھوٹی قسم کھالیں گے۔ خیبر میں یہودیوں کے سوا اور کوئی قوم آباد نہ تھی، انہوں نے ہی عبداللہ کو قتل کیا ہوگا، لیکن عینی شاہد نہ ہونے کی وجہ سے آپؐ نے انہیں کوئی سزا نہ دی اور خون بہا کے سو اونٹ بیت المال سے دلوائے۔ (٦١)

۴۔ دار قطنی نے ایک قافلہ سے حضور ﷺ کے سرخ اونٹ لینے والا واقعہ نقل کیا ہے، اسی روایت کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ دوسرے دن اس قافلے کے لوگ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، تو آنحضرت ﷺ خطبہ دے رہے تھے، طارق محاربی کہتے ہیں کہ ہمیں دیکھ کر ایک انصاری نے اٹھ کر کہا یا رسول اللہ! یہ لوگ قبیلہ بنو ثعلبہ سے ہیں اور ان کے مورث نے ہمارے خاندان کے

Marfat.com

ایک شخص کو قتل کیا تھا، اس کے بدلے میں ان کا ایک آدمی قتل کرا دیجیے، آپؐ نے فرمایا:

الا لا یُجنیٰ والدٌ علی ولدہ (۶۲) ''باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جاسکتا''

۵۔ اس عدل وانصاف کا یہ اثر تھا کہ مسلمان ایک طرف یہود بھی جو آپؐ کے شدید ترین دشمن تھے، اپنی مقدمات آپؐ ہی کی بارگاہ عدالت میں لاتے تھے اور ان کی شریعت کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا تھا۔ اسلام سے قبل یہودیان بنونضیر اور بنوقریظہ میں عزت وشرافت کی عجیب وغریب حد قائم تھی، کوئی قریظی اگر کسی نضیری کو قتل کرتا تو قصاص میں وہ مارا جاتا، لیکن اگر کوئی قریظی کسی نضیری کے ہاتھ سے مارا جاتا تو اس کے خون کی قیمت سو بار شتر چھوہارا تھی، عہد اسلام میں جب یہ واقعہ پیش آیا تو قریظہ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش کیا، تو اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ﴾ یعنی اگر تو کافروں کا فیصلہ کرے تو انصاف سے کر، اور انصاف یہ ہے کہ جان کے بدلے جان لی جاوے۔ (۶۳)

۶۔ عدل وانصاف کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ خود اپنے مقابلہ میں بھی حق کا رشتہ چھوٹنے نہ پائے، ایک بار آپؐ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، لوگوں کا گرد وپیش ہجوم تھا، ایک شخص آ کر منہ کے بل آپؐ پر لد گیا، دست مبارک میں پتلی سی لکڑی تھی، آپؐ نے اس سے اس کو ٹھوکا دیا، اتفاق سے لکڑی کا سرا اس کے منہ لگ گیا اور خراش آ گئی، فرمایا مجھ سے انتقام لے لو، اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے معاف کر دیا۔ (۶۴) اسی طرح اس دنیا سے پردہ فرمانے سے قبل آنحضرت ﷺ نے متعدد بار مجمع عام میں یہ اعلان فرمایا کہ اگر کسی کا کوئی حق یا رقم وغیرہ میرے ذمہ ہے تو وہ حاصل کر لے یا معاف کر دے، اس کے جواب میں صرف ایک شخص نے محض چند درہموں کا ذکر کیا، جس کی ادائیگی کے لیے آپؐ نے حضرت فضل بن عباسؓ کو حکم دیا، جنہوں نے فوراً ادائیگی کر دی۔ (۶۵)

مذکورہ بالا واقعات اور رسول اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ سے عدل وانصاف کا درس ملتا ہے، اس درس کی روشنی میں ہمیں اپنی زندگیوں کا خود احتسابی کی نظر سے جائزہ لینا چاہیے کہ ہم کہاں تک اس درس پر عمل پیرا ہیں، جس کسی کا بھی کوئی حق ہماری ذات سے وابستہ ہے، اسے دیانت داری سے مکمل طور پر ادا کرنا بھی عدل ہی ہے، اس انسانی بستی میں بسنے والا وہ کون سا شخص ہوگا جس کے ذمہ کسی کا حق نہ ہو یا جس کی ذات سے کسی کے بھی حقوق وابستہ نہ ہوں ارشاد نبویؐ ہے:

الا کُلّکُم راعٍ و کُلُّکُم مسئولٌ عن رعیتہ (۶۶)

''تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہوگا''

اس سے واضح ہوتا ہے کہ چونکہ معاشرے کا ہر فرد اپنی اپنی جگہ پر ذمہ دار اور نگہبان ہے اور اس کے ذمہ کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں، اس لیے اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے اپنے اوپر عائد شدہ حقوق کو بطریق احسن ادا کرے، اور یہ عدل اجتماعی ہے۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر آپؐ عدل وانصاف کرنے والوں کی فضیلت بیان کرتے ہوئے عدل وانصاف کرنے والوں کی نشاندہی بھی کرتے ہیں، ارشاد ہے:

الّذیْن یعدِلُوْن فی حُکْمِھِم واھلیھم وماوَلُوْا (۶۷)

''یہ انصاف کرنے والے وہ لوگ ہیں جو حکم کرتے ہیں اور اپنے بال بچوں اور عزیزوں میں انصاف

Marfat.com

کرتے ہیں اور جو کام ان کو دیا جائے، اس میں انصاف کرتے ہیں''

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام نووی لکھتے ہیں کہ:

''انصاف کچھ اس میں منحصر نہیں کہ آدمی کا کہیں کا حاکم یا قاضی ہو، بلکہ یتیموں، اپنے بچوں اور بیبیوں اور کنبے والوں میں بھی انصاف کرنا چاہیے اور ہر ایک کے حقوق موافق شریعت کے ادا کرنا چاہیے''(۶۸)

اس سے معلوم ہوا کہ عدل اجتماعی مرکب ہے ہر شعبہ زندگی کے عدل سے، اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں مکمل عدل وانصاف کا خواہاں ہے اور یہی عدل وانصاف مل کر عدل اجتماعی کی صورت اختیار کرتا ہے، اس کے لیے بنیادی اصول تو خود قرآن پاک اور احادیث نبویہ میں متعین کردیے گئے ہیں، البتہ وقت کے تقاضے اور حالات کے مطابق عدل اجتماعی کا تعین عام مسلمانوں کی خواہشات کے مطابق ہی کیا جاسکتا ہے، آخر میں ہم عدل اجتماعی کے اہم اہم نکات کو مختصراً یوں بیان کرسکتے ہیں:

۱- تمام افراد انسانی ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، سب کو یکساں اور مساوی مواقع کی فراہمی عدل اجتماعی کا بنیادی اصول ہے، یعنی مکمل انسانی مساوات۔ اسلام نہ صرف مسلمانوں کے درمیان مساوات اور عدل وانصاف قائم کرنے کا درس دیتا ہے، بلکہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی زندگی کے مختلف شعبوں میں برابری کا درجہ عطا کرتا ہے۔

۲- کسی شخص کی راہ میں اس کی زبان، اس کی ذات، اس کا رنگ یا اس کی کمزوری اس کی راہ کا روڑہ نہ بنے، بلکہ ہر انسان کو مساوی حقوق کا مالک تصور کیا جائے۔

۳- لوگوں میں فطری صلاحیتوں کی بناء پر تھوڑا بہت جو معاشی فرق باقی رہے، اسے فطری تسلیم کیا جائے، تاکہ نظام زندگی میں تعاون اور توازن برقرار رہے۔

۴- عدل کو صرف معاش تک ہی محدود نہ رکھا جائے بلکہ مادیت سے ہٹ کر اعلیٰ اخلاقی اور مذہبی اقدار کی قوت کو بھی تسلیم کیا جائے، انسان کو صرف معاشی حیوان ہی نہ سمجھا جائے، بلکہ آزادی ضمیر، آزادی مذہب اور اعلیٰ اخلاقی قدروں سے مزین کیا جائے۔

۵- اسلام میں جہاں معاشرتی، معاشی اور قانونی عدل کی تعلیمات ملتی ہیں، وہاں مکمل سیاسی آزادی اور جمہوری معاشرے کی ترویج کا نظام بھی موجود ہے، جو اسلام کے نظام عدل کا ایک اہم شعبہ ہے۔

۶- عدل اجتماعی صرف دنیاوی فلاح کا ہی نام نہیں، بلکہ انسان کی تخلیق ایک اعلیٰ تر مقصد کے تحت ہے، اس مقصد کی تکمیل کے لیے عدل اجتماعی ایک لازمی وسیلہ ہے۔

۷- عدل اجتماعی کا بنیادی تقاضا ہے کہ کسب معاش، تعلیم، علاج، حصول انصاف وغیرہ کے مواقع ریاست کی طرف سے ہر شہری کو یکساں طور پر مہیا کرنے کا اہتمام ہونا چاہیے۔

حوالہ جات

(۱)ابن منظور، ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، بیروت، دارصادر، ۱۱:۴۳۰......

Marfat.com

(۲)الاصفہانی، ابی القاسم الحسین بن محمد المعروف بالراغب معجم مفردات الفاظ القرآن، کراچی، امیر محمد کتب خانہ، ۳۳۶۲...... (۳)رازی، محمدبن عمر بن حسین، فخرالدین، مفاتیح الغیب المشتھر بالتفسیر الکبیر، دارالطباعۃ العامرہ، ۵۰۹۵...... (۴) ابن العربی، ابوبکر محمد بن عبداللّٰہ، احکام القرآن، بیروت، دارالمعرفہ، ۱۹۷۲ء، ۳: ۱۱۷۲...... (۵)القرطبی، ابی عبداللّٰہ محمد بن احمد الانصاری، الجامع لاحکام القرآن، قاہرہ، دارالکتاب العربی، ۱۹۶۷ء، ۱۰: ۱۲۶۱...... (۶) الشوریٰ ۴۲: ۱۵...... (۷) الاعراف ۷: ۲۹...... (۸) معجم مفردات الفاظ القرآن، ص ۳۲۶...... (۹)مسلم بن الحجاج القشیری، الجامع الصحیح، کتاب البر والصلۃ والادب، باب تحریم الظلم ...... (۱۰) ایضاً ...... (۱۱) ابن کثیر، حافظ عمادالدین ابوالفداء اسمعیل، البدایہ والنہایہ، مصر، مطبعۃ السعادہ، ۷: ۳۹...... (۱۲)بخاری، ابوعبداللّٰہ، محمدبن اسمعیل، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح ...... (۱۳)الجامع الصحیح للبخاری، کتاب التہجد، باب مایکرہ من التشد ید فی العبادۃ...... (۱۴) الترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسیٰ، السنن، ابواب التفسیر، تفسیرسورت الحجرات...... (۱۵) محمد بن سلیمان الفاسی، جمع الفوائد من جا مع الاصول ومجمع الزوائد، کتاب المناسک، باب التکبیر فی ایام التشریق.......... (۱۶) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الادب، باب ما ینتھی عن التحاسد والتدابر ...... (۱۷) رواہ البیھقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح للخطیب التبریزی، کتاب الادب، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق...... (۱۸) راما کرشنا راؤ، محمد ﷺ پیغمبر اسلام (اردو ترجمہ، محمد ایوب منیر) لاہور، منشورات، ۲۰۰۴ء، ص ۸، ۹۔...... (۱۹) ایضاً، ص ۹...... (۲۰) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب المغازی، باب الغزوۃ الخندق.......

(۲۱)محمد سعیدرمضان البوطی، فقہ السیرۃ النبویۃ، دمشق، دارالفکر، ۲۰۱۰ء، ص ۲۱۸، ۲۱۹...... (۲۲)ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک، السیرۃ النبویۃ، کوئٹہ، مکتبہ معروفیہ، ۲۰۱۰ء، ۱: ۳۰۱، ۳۰۲...... (۲۳) محمدالغزالی، فقہ السیرۃ، الاسکندریۃ، دارالدعوۃ، ۲۰۰۸ء، ص۱۶۳...... (۲۴)محمد سعیدرمضان البوطی، فقہ السیرۃ النبویۃ، ص ۱۴۸...... (۲۵)محمد بن اسحق بن یسار، کتاب المبتداء والمبعث والمغازی (سیرۃ ابن اسحق، تحقیق محمدحمیداللہ)، نقوش، رسولؐ نمبر، لاہور، ادارہ فروغ اردو، ج ۱۱: ص ۳۰۳، ۳۰۵...... (۲۶) النساء، ۴: ۳...... (۲۷)ابوداود، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، کتاب النکاح باب فی القسم بین النسآء...... (۲۸) النساء، ۴: ۱۲۷...... (۲۹)ابن ماجہ، ابوعبداللّٰہ، محمدبن یزید القزوینی، السنن، کتاب الادب، باب حق الیتیم....... (۳۰) الانبیاء، ۲۱: ۴۷...... (۳۱) احمد بن محمدؒ بن حنبل الشیبانی، المسند، بیروت، دارالفکر، ۶: ۲۸۰، ۲۸۱....... (۳۲) الحشر ۵۹: ۷...... (۳۳) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء وترد فی الفقراء حیث کانوا...... (۳۴) الذاریٰت، ۵۱: ۱۹...... (۳۵)السنن لابی داوٗد، کتاب الفرائض، باب فی المیراث العصبۃ...... (۳۶) السنن لابن ماجہ، ابواب التجارات، باب الحکرۃ والجلب...... (۳۷) ایضا...... (۳۸) ایضاً...... (۳۹) الخطیب، ولی الدین محمد بن عبداللّٰہ، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الاحتکار...... (۴۰)السنن

Marfat.com

للترمذی ... ح للمسلم، کتاب الجمعة، باب

تخفیف ... آء فی الرعیة...... (۴۳)الجامع

الصحیح ... خذ بغیر علمه ما یکفیها......

(۴۴)الاجامع الصحیح للبخاری، ۷۱ ... لایشبع دون جاره ...... (۴۵) السنن للترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجآء علی الارملة و ... یم ... ۶ ... نعام ۶:۱۵۲...... (۴۷) المطففین، ۸۳: ۳.۱...... (۴۸)طبری، ابی جعفر محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، بیروت، دارالمعرفه، ۱۹۷۲ء، ۳۰:۵۸...... (۴۹) النسائی، عبدالرحمن احمد بن شعیب، المجتبیٰ من السنن، کتاب البیوع، باب الرجحان فی الوزن ...... (۵۰) السنن للترمذی، ابواب البیوع، باب ماجآء فی المکیال والمیزان ...... (۵۱) الجامع اللصحیح للمسلم، کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ من غشا فلیس منّا...... (۵۲) ابن تیمیه، تقی الدین احمد، اسلام کا نظام حسبه، اردوترجمه الحسبه فی الاسلام، اسلام آباد، شریعه اکیڈمی، ۲۰۰۶ء، ص ۸۳ ...... (۵۳) ایضاً ص۸۲...... (۵۴) المائده، ۵: ۸...... (۵۵) نعیم صدیقی، محسن انسانیت، لاهور، الفیصل، ۲۰۰۸ء، ص ۳۳۲...... (۵۶) سورة ص، ۳۸:۲۶...... (۵۷)ابن القیم الجوزیة، محمد بن ابی بکر، الطرق الحکمیة فی السیاسة الشرعیة، پشاور، مکتبه فاروقیه، ۱۹۹۵ء، ص ۱۱...... (۵۸) محموداحمد غازی، محاضرات معیشت وتجارت، لاهور، الفیصل، ۲۰۱۰ء، ص ۳۲...... (۵۹) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الحدود، باب الکراهة الشفاعة فی الحد اذا رُفع الی السّلطان...... (۶۰)السنن لابی داود، کتاب الخراج والفیء والامارة، باب فی اقطاع الارضین...... (۶۱) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الدیات، باب القسامة...... (۶۲) الدارقطنی، علی بن محمد بن مهدی، السنن، کتاب البیوع، ۳:۴۵...... (۶۳) السنن لابی داود، کتاب الدیات، باب النفس بالنفس ...... (۶۴) السنن لابی داود، کتاب الدیات، باب القود من الضربة وقص الامیر من نفسه...... (۶۵) ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل، السیرة النبویة، القاهرة، عیسی البابی الحلبی، ۱۹۶۶ء، ۴: ۴۵۷...... (۶۶)الجامع الصحیح للمسلم، کتاب الامارة، باب فضیلة الامیر العادل وعقوبة الجائر...... (۶۷) ایضاً ...... (۶۸)النووی، محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف، المنهاج فی شرح مسلم بن الحجاج، کابل، نعمانی کتب خانه، ۱۳۷۶ھ، ۲: ۱۲۲.

OOOOOOO

Marfat.com

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس 1434ھ 2013ء

مقالات سیرت

(مرد حضرات)

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

شعبہ تحقیق و مراجع
وزارتِ مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی
حکومتِ پاکستان اسلام آباد

Marfat.com